بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوارِ بشیرؒ

مقصود احمد نسیم

فہرست مضامین

☆

نظر ثانی شدہ ایڈیشن

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب

امیر جماعت احمدیہ۔امریکہ

۲۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء

مکرم مولانا سید عبدالحئی شاہ صاحب

ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔پاکستان

۱۹؍ اپریل ۲۰۰۷ء

مکرم مولانا منیر الدین شمس صاحب

ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن۔برطانیہ

۲۴؍ اپریل ۲۰۰۷ء

☆

متفرقات

مؤلف	-------	خاکسار مقصود احمد نسیم (تمام جملہ حقوق محفوظ)
ٹائپنگ	-------	خاکسار مقصود احمد نسیم
کمپوزنگ	-------	خاکسار مقصود احمد نسیم
پروف ریڈنگ	------- ------- -------	حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب۔ مکرم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب۔مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب۔ مکرم مولانا منیر الدین شمس صاحب۔خاکسار مقصود احمد نسیم
اخراجات اشاعت	------- -------	خاندان حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ وزوجہ مطہرہ حضرت سرور سلطان جہان بیگم (ام مظفر احمد) صاحبہؓ
تعداد (پہلا ایڈیشن)	-------	دوہزار پانچ سو (۲،۵۰۰) کتب
تاریخ اشاعت	-------	جون ۲۰۰۷ء
پبلشر وناشر	-------	خاکسار مقصود احمد نسیم
طباعت	-------	رقیم پریس۔اسلام آباد۔برطانیہ

☆

اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحۡدَه، لَاشَرِيۡکَ اَللّٰهُ

وَ اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُه، وَرَّسُوۡلُ

اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اَللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

انتساب

اپنی دو معزز و محترم ماؤں کے نام

معزز و محترم قارئین گرامی۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

خاکسار اپنی کتاب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا پاکیزہ اور بابرکت نام لے کر شروع کرتا ہے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (النمل: ۳۱) یعنی: میں اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو کہ بے حد رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔اس آیت کریمہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے سیدنا آنحضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے اقوال مبارکہ میں سے بھی چند ایک احادیث مبارکہ کو یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سیدنا آنحضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا:-

" کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَا یُبۡدَا فِیۡهِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ فَهُوَ اَقۡطَعُ ہر وہ کام جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بغیر شروع کیا جاتا ہے وہ برکت سے خالی ہوتا ہے"۔(الجامع الصغیر للسیوطی حرف کاف)

ایک دوسری حدیث نبویؐ میں درج ہے کہ سیدنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

" کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَمۡ یُبۡدَا فِیۡهِ بِالۡحَمۡدِ اَقۡطَعُ اگر خدا تعالیٰ کی تعریف کے بغیر کوئی بھی اہم کام شروع کیا جائے تو وہ بے برکت اور ناقص ٹھہرتا ہے"۔(ابن ماجه ابواب النکاح باب خطبة النکاح + ابو داؤد کتاب الادب باب الهدی فی الکلام)

اسی طرح ایک تیسری روایت میں تحریر ہے کہ سیدنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

" کُلُّ کَلَامٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِحَمْدِاللهِ فَهُوَاَجْزَمُ اگر کوئی گفتگو ،خدا تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کی جائے تو وہ برکت سے خالی اور بے اثر ہوتی ہے"۔(ابن ماجه ابواب النکاح باب خطبة النکاح –ابو داؤد کتاب الادب باب الهدی فی الکلام)

پس خاکسار نے اس کتاب کے سرورق کو آنحضرت ﷺ کی ہدایات مبارکہ کے عین مطابق قرآن مجید کے انہی مبارک کلمات یعنی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے مزین کرکے اس کتاب کو شروع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے نیز اس طرح حدیث نبوی پر عمل کرنے کی سعادت کو بھی حاصل کرنے کی حقیر سی کوشش کی ہے اور خاکسار کی دعا ہے کہ ہمارے بعد آنے والے مؤلفین بھی ان پاکیزہ روایات پر عمل کرنے کی پابندی کرتے رہیں تا کہ اس مذکورہ بالا حدیث نبویہؐ پر عمل کرنے کی تلقین کی بدولت خاکسار کو بھی ثواب ملتا رہے۔آمین۔اس بارہ میں حضرت عمروؓ بن عوف بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:-

"جو شخص میری سنتوں میں سے کسی بھی سنت کو اس طرح زندہ کرے گا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو سنت کے زندہ کرنے والے شخص کو بھی عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی اور لوگوں نے اسے اپنا لیا تو اس شخص کو بھی ان بدعات پر عمل کرنے والوں کے گناہوں سے حصہ ملے گا اور ان بدعتی لوگوں کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی"۔ (ابن ماجه باب من احیا سنة قدامیت)

اس کے بعد عرض ہے کہ خاکسار اپنی اس کتاب " انوارِ بشیرؓ " کو اپنی دو ماؤں کے نام نامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے تا کہ خاکسار کے ساتھ ساتھ آپ تمام معزز و محترم ناظرین کی دعائیں بھی انہیں پہنچیں اور اس عاجز کو بھی ثواب ملے۔آمین۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے خاکسار اپنی یہ کاوش مجھ ناچیز عاجز کو اپنا مونہہ بولا بیٹا بنا کر پرورش کرنے والی عظیم ترین ہستی سیدہ اماں حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے نام نامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے اسوہ رسول سیدنا حضرت محمد مصطفٰےؐ احمد مجتبٰے ﷺ پر عمل کرتے ہوئے انتہائی محبت اور شفقت کا سلوک فرما کر میری ہر خواہش کو پورا فرماتے ہوئے مساواتِ محمدی کے تحت غریب پروری، بندہ نوازی اور صلہ رحمی کی ایک عظیم الشان اور انمٹ مثال قائم کر کے دکھادی۔ہم لوگ اور ہمارے نام بھی شاید ایک دن اس دنیا سے مِٹ جائیں گے لیکن مجھے یقین ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی شفقت و محبت کی لازوال داستانیں تا ابد اس دنیا میں قائم و دائم رہیں گی۔انشاءاللہ۔ آپؓ کے بعد میں " انوارِ بشیرؓ " کو اپنی حقیقی والدہ محترمہ احمد بی بی (احمدہ) صاحبہ کے نام نامی سے بھی منسوب کرنے کی سعادت بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے خاکسار کو جنم دیا، پالا پوسا اور اپنی زندگی کی ہر خواہش کو قربان کر کے پروان چڑھایا اور اپنی جوانی کے سب سے بہترین ایام میں جبکہ امنگیں اور خواہشیں جوان ہوتی ہیں اپنی تمام خواہشات کو تاک کر کے صحابہؓ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دن رات خدمت بجالاتے ہوئے اپنی جان عزیز کو ہم پر قربان کر دیا۔

اس عاجز کی زندگی کو اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعہ جنت نظیر بنانے میں میری ان دونوں ماؤں نے دن رات ایک کر دیا کہ جس کے بدلہ میں سوائے دعاؤں کے ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اس عاجز کے پاس اور کچھ نہیں کیونکہ ان دونوں بزرگ ہستیوں کے احسانات کا بدلہ کسی طور بھی چُکایا نہیں جاسکتا اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں خاکسار کی یہ انتہائی مؤدبانہ عرض ہے کہ اے میرے پیارے اللہ! میری ان دونوں معزز و

محترم ماؤں کے اس محبت بھرے سلوک کے صدقے انہیں اپنے قرب میں اعلیٰ ترین مقام عطاء فرما اوران کے درجات کو ہمیشہ بلند سے بلند تر فرماتا چلا جا۔ آمین اللھم آمین

خاکسار۔تابعی

مقصود احمد نسیم

عفی عنہ اللہ

۲۰/اگست بروز جمعۃ المبارک ۱۹۹۳ء

☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط وَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پیش لفظ

(دیباچہ)

عزیزم مقصود احمد نسیم (کہ جسے ہم سب گھر میں ''سُودے خاں'' کہہ کر پکارتے ہیں) نے بڑے پیار اور اخلاص سے حضرت ابا جانؓ (حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۔ناقل) کی سیرت وسوانح پر مبنی یہ سبق آموز دلچسپ کتاب اپنے بچپن سے جوانی تک کے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر لکھی ہے۔اسی وجہ سے یہ سوانح اور سیرت دوسری تمام کتب کی نسبت اپنی ایک علیحدہ شان رکھتی ہے۔حضرت ابا جانؓ کی سیرت کے علاوہ آپؓ کی زندگی کے زمانہ میں بھی جو اہم اور دلچسپ واقعات گزرے ہیں انہیں بھی اس کتاب میں قلمبند کیا گیا ہے۔ اِس دور کے اہم واقعات کے لئے دوسرے احباب کی تحریرات سے بھی افاضہ حاصل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب ایک تاریخی اور جامع حیثیت کا رنگ لئے ہوئے ہے اور پڑھنے والے کو اس زمانہ کے سبق آموز واقعات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔میں نے اس کے خاصے حصے بڑی دلچسپی سے پڑھے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اپنی نرالی حیثیت کی بدولت یقیناً بڑے شوق سے پڑھی جائے گی۔اللہ تعالیٰ سُودے خان کو اس پیار کی محنت کا اجر عظیم عطا فرماوے۔آمین

مرزا مظفر احمد

امیر جماعت احمدیہ امریکہ

جمعرات ۴؍اکتوبر ۲۰۰۱ء

☆

تائیدِ ایزدی

شکر الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ خاکسار کو اپنے مربی و محسن سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت مبارکہ پر چند سطور لکھنے کی توفیق نصیب ہو رہی ہے۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ مجھے حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں رہنے اور آپؓ کے زیرِ سایہ پرورش پانے کا اعزاز نصیب ہؤا۔ اس عاجز کو پیدائشی احمدی ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن اس کے باوجود حقیقی دِین اسلام یعنی احمدیت کے سچے نُور کو پہچاننے کی سعادت سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؓ کی زوجہ مطہرہ سیدہ اماں حضرت سیدہ سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزہ صحبت میں رہنے کی برکت سے ہی نصیب ہوئی اور دین و دنیا کا فرق واضح ہؤا نیز اپنی توفیق کے مطابق خدمت دین بجالانے کی توفیق بھی نصیب ہو رہی ہے۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر یہ ادا کروں اُتنا ہی کم ہے کہ حضورؓ کی پاکیزہ تربیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نیز سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی دِین اسلام یعنی احمدیت پر صدقِ دِل سے چلنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اسی طرح خلفائے وقت کی غلامی اور خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میری زندگی کا نصب العین ہے۔

دنیا بھر میں کسی بھی شخص کی نیکی، تقویٰ اور طہارت کو جانچنے کا صرف ایک ہی میعار ہے کہ کسی بھی انسان کے اُس کے گھر والوں کے ساتھ، اُس کے عزیز و اقارب کے ساتھ، اُس کے محلّہ داروں کے ساتھ، اُس کے یار دوستوں کے ساتھ تعلق، معاشرت اور حسن سلوک کو پرکھا جائے اور اس کی ان صفات کی سب سے بڑھ کر گواہی صرف وہی شخص ہی دے سکتا ہے جو کہ دن رات کسی ایسے نیک و پاک معزز بزرگ اور صالح وجود کی صحبت میں موجود رہے۔ خاکسار کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ مجھے اپنے بچپن سے ہی حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت اقدس میں رہنے کا یہ نادر اور انمول موقعہ نصیب ہؤا۔ جس کی بنا پر آپؓ کا اٹھنا بیٹھنا، عبادات بجالانا، معمولات زندگی کی ادائیگی غرض آپؓ کی ہر پاکیزہ حرکت کو انتہائی قریب سے دیکھتے ہوئے آپؓ کے انہی پاکیزہ اطوار پر عمل کرنے کا بھی موقع ملا۔ میں آج جو بھی ہوں بس انہی پاکیزہ اطوار کے طفیل اور آپؓ کی انہی پاکیزہ دعاؤں کے صدقے ہوں جو کہ آپؓ نے ہمارے لئے کیں۔ آپؓ کے تمام اعمال صالحہ کا احاطہ کرنا کسی ایک آدمی کا کام نہیں لیکن پھر بھی اس کتاب میں درج آپؓ کے چند چیدہ چیدہ اوصافِ حمیدہ اور شمائل جلیلہ کا ذکر یقیناً ہمارے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گا۔

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں اب تک جو بھی کتب تحریر کی گئی ہیں ان تمام کتب یا مضامین کو پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ محققین نے بہت کوشش کر کے تمام واقعات کو اکٹھا کرنے کا کام کیا لیکن پھر بھی ایک خاص قسم کی لذت تشنہ طلب ہی رہی کہ وہ گھر کا آدمی نہ ہونے کے باعث تمام حالات معلوم نہ کر سکے یا اگر انہیں علم تھا تو بیان نہ کر سکے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ ان تمام مصنفین نے صرف اخبارات میں چھپنے والی اطلاعات یا زبانی کلامی روایات پر زیادہ بھروسہ کیا ہے لیکن کسی گھر کے آدمی کے مشاہدات کو بیان نہیں کیا اور اگر کوئی واقعہ بیان کیا بھی تو تفصیل میں جانے سے گریز کیا۔ میرے لئے اسی کمی نے مہمیز کا کام دیا اور پھر میرے مدنظر ہمیشہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کا یہ قول رہا

کہ:-

’’ مبارک بزرگ ہستیوں کا ذکر خیر کرنا اوران کے اخلاق وشمائل کو محفوظ رکھنا، بے صبری اور جزع فزع میں ہرگز شامل نہیں۔ یہ تحریریں تو نوجوانوں کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہیں‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۸)

اوراسی طرح میرے مدنظر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب کا یہ قول بھی ہمیشہ رہا کہ:-

’’میں چاہتا ہوں کہ مختصراً آپؓ کی زندگی کے نمایاں شمائل کا بھی کچھ ذکر کردوں پھر کسی صاحب قلم کو توفیق ملی تو وہ آپؓ کی زندگی کے واقعات تفصیلاً محفوظ کر سکے گا‘‘۔(روزنامہ ’’الفضل ربوہ‘‘ خاص نمبر ۲۰/نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

یہ وہ اقوال مبارکہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات زندگی اُس وقت مکمل طور پر پیش نہیں کئے جاسکے تھے لہذا خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ تمام احباب جماعت عالیہ احمدیہ کو بھی ہمیشہ ہی یہ توقع رہی کہ اللہ کا کوئی بندہ یقیناً حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بارہ میں مزید واقعات اور روایات کو کسی وقت ضرور قلم بند کرے گا۔خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ خاکسار کو ان ضابطہ تحریر میں نہ آنے والی روایات کو جمع کر کے شائع کرنے کی توفیق نصیب ہو رہی ہے۔

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور آپ کی زوجہ مطہرہ سیدہ اماں حضرت صاحبزادی سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے اوصاف حمیدہ کی ہلکی سی جھلک آپ کو اس کتاب میں ملے گی لیکن یہ میرے ان دونوں معزز ومشفق ومہربان بزرگ رضوان اللہ علیہم کے بے انتہا پیار ومحبت، بیکراں شفقت وحسن سلوک کا ہزارواں ہزار حصہ بھی نہیں لہذا آپؓ کے پُرشفقت احسانات کو درج ذیل آیات قرآنیہ اوراحادیث نبویہؐ کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کیسے آپؓ دونوں معزز بزرگ اپنا کچھ کھانا بھی محض تبرک کے طور پر اس ناچیز کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔آپ میں سے جن احباب نے قرآن مجید باترجمہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے انہیں ضرور یاد آجائے گا کہ درج ذیل امور اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکیزہ صفات کا ایک حصہ ہیں۔فرمایا: وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ٥ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ٥ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ٥ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ٥ (الشعرآء : ۸۰-۸۳)۔یعنی: وہی ہے جو کھلاتا پلاتا اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا یابی عطاء فرماتا ہے اور جو مجھے موت دے کر پھر زندہ کرے گا۔جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا سزا کے دن وہ میری خطائیں بھی بخش دے گا۔اسی سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:-

’’ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا کہ اے ابن آدم! جب میں بیمار ہؤا تھا تو تب تُو نے میری عیادت نہیں کی تھی۔وہ انسان عرض کرے گا کہ اے میرے رب! تُو تو رب العالمین ہے پھر میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ اور تُو نے اس کی عیادت نہیں کی۔کیا تجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اگر تُو اس کی عیادت کرنے چلا جاتا تو تُو مجھے اس کے قریب پاتا؟ پھر اللہ تعالیٰ اس بندے سے پوچھے گا کہ اے ابن آدم! جب میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تُو نے مجھے نہیں کھلایا۔وہ انسان عرض کرے گا کہ اے میرے رب! تُو تو رب العالمین ہے، تمام جہانوں کو پالنے والا ہے پھر میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا نہیں مانگا تھا لیکن تُو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔کیا تجھے اس بات کا علم نہ ہؤا کہ اگر تُو اسے کھانا کھلا دیتا تو درحقیقت تُو نے مجھے کھانا کھلایا ہوتا؟ نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پوچھے گا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تُو نے مجھے پانی نہ پلایا- اس پر وہ انسان عرض کرے گا کہ اے میرے

رب! تُو تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تُو نے اُسے پانی نہیں پلایا ۔کیا تجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ اگر تُو اسے پانی پلا دیتا تو گویا تُو نے مجھے یہ پانی پلایا ہوتا؟''۔(صحیح مسلم کتاب البر و الصلة)

اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-'' مخلوق خدا، اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال کے ساتھ احسان کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ ہے''۔ (مشکوٰۃ باب الشفقة)

ارشادات خداوندی، سنت رسول ﷺ اور احادیث نبویہؐ یعنی شریعت اسلامی کی پیروی میں ہی آپؓ دونوں رضوان اللہ علیہما نے اپنی تمام زندگی بسر کی اور یوں ہم سب کے لئے قیامت تک نیکی، حسن اخلاق، اور تقویٰ و طہارت کی ایک روشن اور پُرنور مشعل راہ بن گئے لہٰذا دعا ہے کہ ہم بھی اس مشعل راہ کی اجلی روشنی میں اپنے آپ کو ان اصل اسلامی عادات واطوار اور اقدار میں ڈھالتے ہوئے ان دونوں معزز ومحترم بزرگان دین کے مبارک نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی کے بقیہ ایام نیکی اور تقویٰ سے بسر کریں نیز اپنے جسمانی ونفسانی کردار کی حفاظت کرتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے تمام انسانیت کے لئے موجب ہدایت بن جائیں۔آمین

اس کتاب میں جو حوالے درج کئے گئے ہیں انہیں حوالہ در حوالہ کے طور پر یا حاشیہ میں درج نہیں کیا گیا بلکہ احباب کی آسانی اور سہولت کے لئے مضمون کے متن کے ساتھ ہی اس اصل حوالہ کا ذکر کر دیا گیا ہے تا کہ ناظرین کو اصل حوالہ جات کو تلاش کرنے میں دقت درپیش نہ آئے اور محققین کو سہولت رہے۔اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں شامل مضامین کے راویوں کے بارہ میں بھی کچھ نہ کچھ تعارف شامل کتاب کر دیا گیا ہے کیونکہ آج جب ہم سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کے حالات زندگی اور احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے صحابہ رضوان علیہم کے حالات زندگی کے بارہ میں زیادہ تفاصیل میسر نہیں آتیں اور بعض اوقات صرف فلاںؓ بن فلاں کا ذکر ہی آتا ہے لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ جب لوگ سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیا کرتے تھے بلکہ اب تو ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اگر کسی بات کے بارہ میں سچا ثبوت بھی پیش کیا جائے تو بھی لوگ اسے درست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے لہٰذا خاکسار نے کوشش کر کے اپنی اس کتاب کے راویوں کے بارہ میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکا اور جتنے بھی حالات زندگی میسر آ سکے ان تمام معلومات کو اس کتاب میں ہی مختصراً درج کرنے کی کوشش کی ہے۔اگر کسی صاحب کو ان معزز ومحترم احباب کے بارہ میں زیادہ علم ہو تو وہ ہمیں بھی مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کرے اور ہم انشاء اللہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں یہ تصحیح شامل کتاب کر لیں گے اور اس مبارک قدم کے لئے پیشگی شکریہ بھی ادا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس احسن اقدام کو آپ کے لئے اور ہمارے لئے مبارک فرمائے اور آپ کو اس کی نیک جزائے خیر سے نوازے۔آمین

اس کتاب میں شامل معزز ومحترم ان راویوں کے حالات زندگی تحریر کرنے سے میری ایک اور بھی خواہش ہے کہ اس طرح زمانہ اول سے لے کر اب تک اور ہمارے بعد آنے والے بزرگان دین کے ساتھ ساتھ ان راویوں کا بھی ذکر خیر ہوتا رہے اور انہیں بھی یہ ثواب ملتا رہے کہ ان کی بدولت ہمیں یہ پاکیزہ واقعات، احادیث اور سنت نیز روایات سن کر ان پر عمل کرنے کی توفیق ملی کیونکہ اگر وہ صحابہ کرام رضوان علیہم یا تبعین یا تبع تابعین ہمیں نہ بتاتے تو پھر؟ اس لئے ان اصحاب کا ذکر خیر میرے خیال میں جذبہ ممنونیت واحسان بے حد ضروری ہے اور میری دعا ہے کہ میرے بعد دوسرے تمام ناشرین بھی ہمیشہ اس کی تقلید فرماتے رہیں تا کہ یہ تقلید اس عاجز کے لئے بھی باعث ثواب بن جائے۔اب میں یہاں وہ دعا پیش خدمت کرتا

ہوں۔ارشادخداوندی ہے کہ: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعرآء : ۸۴-۸۵) ۔یعنی : اے ہمارے رب! ہمیں نیکی اور حکمت کی تعلیم عطافرما کراپنے نیک بندوں میں شامل فرما اور ہمارے بعد میں آنے والی آئندہ نسلوں میں ہمارے ذکر خیر کا سامان پیدا فرما۔اس لئے پہلے تو میرا ارادہ تھا کہ اس کتاب کو میں صرف اپنے ذاتی مشاہدات تک ہی محدود رکھوں لیکن جب سلسلہ عالیہ احمدیہ میں اس بات کا چرچا ہوُا کہ کوئی کتاب حضرت میاں صاحبؓ کے بارہ لکھی جا رہی ہے تو بہت سے مخلص احباب کے فون، خطوط اور مضامین آنے شروع ہوگئے۔جماعت احمدیہ کے بہت سے مخلص اور محبّ احباب نے ازراہ شفقت اس کتاب کی ترتیب وتدوین وتکمیل میں للہ اپنے قیمتی مشوروں، ہدایات، یا پھر زبانی وکلامی طور پرانتہائی مدد فرمائی اور اپنے اپنے مضامین بھی ازراہ نوازش خاکسار کو ارسال فرمائے لہٰذا یہ تمام انمول مضامین اور ذاتی واقعات ومشاہدات اس کتاب میں شامل کر لئے گئے ہیں۔بقول شاعر:-

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

بہرحال میں نے یہ کتاب کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ انتہائی خلوص اور نیک نیتی نیز صدق دل سے صرف ان معزز بزرگ ہستیوں کے بے انتہا احسانات کے شکریہ کے طور پر لکھی ہے اور پھر اس کتاب میں بہت سے ایسے واقعات بھی درج ہیں کہ جن کے بارہ میں صرف چند خاص خاص احباب کو ہی علم تھا اور اس کتاب کی اشاعت سے پہلے وہ صفحہ قرطاس پر نہیں آئے لہٰذا مجھے امید واثق ہے کہ یہ کتاب حضرت قمرالانبیاءً صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بلندیٔ درجات کے لئے مزید دعاؤں کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ انشــاء اللہ تعالیٰ

اس کتاب ''انوارِبشیرؓ '' کے لکھنے کے دوران مؤرخہ ۲۰/اپریل ۱۹۹۹ءکو ایک بہت ہی پیاری خواب میں خاکسار کی ملاقات سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور آپؓ کی سیرت طیبہ پر مضمون لکھنے کی بدولت اسی خواب کے دوران اور آپؓ ہی کے ارشاد اور ہدایت پر نیز آپؓ کی بابرکت موجودگی میں ہی اس عاجز نے بھی اس کتاب کے اختتام پر دستخط کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ''مرزا'' کا نام لکھا یعنی:-

'' مرزا مقصود احمد نسیم ''

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا (درثمین)

اس کتاب میں درج شدہ واقعات ومشاہدات کا موازنہ ہر شخص اپنے اپنے نکتہ نگاہ سے کرسکتا ہے کیونکہ ہر شخص گذرے ہوئے واقعات کو کسی اور زاویہ سے جانچتا ہے اور کسی اور ہی رنگ سے دیکھتا ہے اور کسی اور ہی نظر سے پرکھتا ہے لیکن جب وہ واقعات رونپذیر ہورہے ہوں تو عموماً ہر شخص کی رائے ان حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے تقریباً ایک جیسی ہی ہوتی ہے یعنی مفہوم ایک ہی ہوتا ہے صرف الفاظ کا فرق ہوتا ہے۔حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی تمام عمر جماعت احمدیہ کے لئے ہر مذہبی اور سیاسی محاذ پر برسر پیکار رہے جس کی وجہ سے اس کتاب میں آپؓ

کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ کچھ مذہبی اور کچھ نیم سیاسی تبصرات بھی شامل ہیں۔اس کتاب میں شامل تحریرات کا مقصد کسی کا دل دکھانا نہیں اور نہ ہی کسی کو دکھ میں مبتلا کرنا ہے بلکہ صرف اور صرف حقیقت حال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ شاید یہ تحریرات پڑھ کر کسی کی آنکھیں کھل جائیں اور اسے صراط مستقیم صاف دکھائی دینے لگے اور اگر ایسا ہو جائے تو یہ میرے لئے ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔انشأ اللہ تعالیٰ

پس میری یہ دلی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنا فضل فرماتے ہوئے خواب غفلت میں سوئے ہوئے مسلمانوں کی روحانی آنکھیں کھولے اور انہیں دین حق کو پہچاننے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین اللھم آمین ۔لیکن پھر بھی میں اس کتاب میں درج شدہ واقعات کے بارہ میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ:-

؎ خیال اپنا اپنا، پسند اپنی اپنی

خدا تعالیٰ کے حضور میری یہ بھی عاجزانہ دعا ہے کہ اے میرے اللہ! میرے گناہوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے محض اپنے خاص فضل سے اپنے اس ناچیز بندہ کی اس کتاب کے ہدیہ کو اپنے دربار میں مقبولیت عطا فرما اور اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے موجب ہدایت اور راہنمائی بنا تاکہ اس کے ذریعہ اس وقت روحانی اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی نیک اور پاکیزہ روحوں کو ہمارے زمانہ کے مرسل سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچاننے کی فراست عطا ہو اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو شناخت کرتے ہوئے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے دائرہ آغوش میں آجائیں۔بس یہی وہ مقصد ہے کہ جس کے تحت خاکسار نے قلم آزمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صداقت کے اظہار کے لئے درج ذیل شعر کے ذریعہ دریا کو کُوزے میں بند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار؟ (درثمین)

اس لئے تائید ایزدی کی ایک چھوٹی سی مثال میں یہاں تحریر کرتا ہوں کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک پاک اور برگزیدہ نبی ہیں اور آپؑ کی مدد کرنے کا تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے لیکن آپؑ کی برکت سے آپؑ کے صحابہ رضوان علیہم اور تابعین نیز تبع تابعین پر بھی خدا تعالیٰ کے انوار کی بارش روزانہ ہی ہوتی رہی ہے، ہوتی رہتی ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ ہوتی رہے گی جس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ مؤرخہ ۱۹رجنوری ۲۰۰۲ء کی شب کو خاکسار نہایت خشوع وخضوع سے یہ دعا کرتے ہوئے سو گیا کہ اے میرے اللہ اس کتاب کے لئے میں نے بعض احباب سے کچھ تصاویر مانگی ہیں لیکن ان میں سے کچھ لوگ اس کتاب کی اہمیت سے لاعلمی کی بدولت توجہ نہیں دے رہے۔پس! اب تُو ہی میری مدد فرما تو اسی رات کی صبح یعنی مؤرخہ ۲۰رجنوری ۲۰۰۲ء کی صبح مجھے ایک خواب میں مامور من اللہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نہایت پیاری تصویر نظر آئی کہ جس میں آپؑ ایک عصاء کا سہارا لئے ہوئے کھڑے ہیں۔میں اس پیاری تصویر کو دیکھنے میں محو ہوں کہ کچھ دیر کے بعد یہ نظارہ بدل جاتا ہے اور سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوۃ والسلام قادیان میں اپنے ایک کمرہ میں بستر پر تکیئے کی ٹیک لگائے اپنی مبارک ٹانگیں بستر پر دراز کئے استراحت فرما نظر آتے ہیں۔پہلے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نادر تصویر ہے اور میں اپنے دل میں بہت مسرور ہوتا ہوں کہ میری اس کتاب کے لئے حضرت اقدسؑ کی یہ نایاب تصویر بھی دستیاب ہوگئی لیکن جب میں اس خوبصورت تصویر کو ذرا غور سے دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ سلامت وہاں تشریف فرما ہیں اور خوشنودی سے میری جانب دیکھتے ہوئے تبسم فرما ہیں۔اس خوشکن نظارہ کے بعد میری آنکھ کُھل گئی اور میں دیر تک سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَان

اللهِ العَظِیمِ کاوِرد کرتا رہا۔ان پیاری خوابوں کے لئے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں اُتنا ہی کم ہے کیونکہ وہ جسے چاہے اسے دیتا ہے اور چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔اس کتاب کی تکمیل کے دوران خدا تعالیٰ کی اس غیر معمولی مدد سے ظاہر وباہر ہے کہ میری اس کتاب کی تکمیل میں خدائی مدد اورارادہ میرے شامل حال ہے ورنہ

ہم کہاں اور بزم شہر یار کہاں؟

اسی طرح حضرت امیرالمؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور امیر جماعت احمدیہ امریکہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ ساتھ تمام خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جماعت عالیہ احمدیہ کے بہت سے معزز بزرگ اور مخلص احباب کی بابرکت دعائیں اس کتاب کے آغاز سے لے کر اس کی تکمیل تک میرے شامل حال رہی ہیں۔ان پاکیزہ دعاؤں کا بدلہ اس دنیا میں تو چکایا نہیں جا سکتا لہذا میں اپنے ان تمام مشفق ومہربان بزرگوں،بہن بھائیوں اور یار دوستوں کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دست بستہ صرف یہی درخواست عرض کرتا ہوں کہ اے میرے اللہ! ان سب کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نواز۔آمین اللھم آمین

اس کتاب کے عنوانات کا چناؤ انتہائی غور وخوض کے بعد کیا گیا ہے لیکن پھر بھی بعض عنوانات کا مفہوم تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عنوانات میں نے خود چنے ہیں اور بعض عنوانات کسی معزز راوی نے اپنی مرضی سے لگائے ہیں اور پھر بعض دوسرے عنوانات کسی کتاب یا رسالہ یا اخبار میں چھپے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں۔اسی طرح اگر بعض مضامین میں بھی کسی روایت یا بیان کا تکرار محسوس ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک عنوان کے مختلف پہلوؤں کو مختلف طریق سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس کی بنا پر اس روایت یا کشف کو دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھی ONE TO ONE تحریر کیا گیا ہے-اس تکرار سے بچنے کی بے حد سعی کی گئی ہے لیکن پھر بھی چونکہ سوانح حیات اور سیرت کی کتب میں ایک سے زائد مرتبہ کسی ایک ہی روایت کا حوالہ دیا جانا بعض اوقات ناگریز ہو جاتا ہے لہذا مجھے قطعی امید ہے کہ آپ جیسے شائستہ اور مہذب احباب اس سلسلہ میں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے نیز ایسی مشکل تحریرات کی پیچیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس تکرار سے بھی ضرور لطف اندوز ہوں گے کیونکہ اپنے محبوب کے تذکرہ اور اس کی پیاری اداؤں کا بار بار ذکر کرتے رہنے میں کسی عاشق کو جو لذت ملتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو شاید چند مضامین غیر ضروری معلوم ہوں یا لمبے دکھائی دیں لیکن اگر آپ شروع سے لے کر آخر تک اس کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ آپ کو ان غیر ضروری مضامین میں بھی یقیناً بے حد دلچسپ اور متنوع المزاج باتیں دکھائی دیں گی جو کہ اہل علم حضرات و حاضرات کے لئے یقیناً بالکل نئی ہوں گی اور پھر آپ کو ان کے اس طرح بیان کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد آپ کو وہی غیر ضروری مضامین بھی بے حد ضروری اور اہم فوائد سے بھرپور دکھائی دیں گے کیونکہ جو لوگ درمیان میں کسی جگہ سے کتاب کو پڑھنا شروع کر دیتے ہیں انہیں چونکہ مضامین کے سر پیر کا کوئی علم نہیں ہوتا لہذا انہیں یہ کتاب پڑھنے کا کیا خاک مزہ آئے گا ؟ اس لئے میری مؤدبانہ درخواست یہ ہے کہ براہِ مہربانی پہلے آپ اس کتاب کو اول تا آخر پڑھیں خواہ آہستہ آہستہ ہی پڑھیں اور پھر اس کے بعد کوئی حتمی نتیجہ اخذ فرمائیں اور اگر تب بھی آپ کو کوئی کمی بیشی نظر آئے تو براہ کرم ہمیں بھی مطلع فرمائیں- بہر حال خاکسار کی جانب سے پیشگی شکریہ قبول فرمائیں۔

اس کتاب کی تکمیل کے دوران میرا خیال تھا کہ کسی صاحب زبان دوست سے اس کی تصحیح کروالوں لیکن جب میں نے جماعت عالیہ احمدیہ کے ایک دو دوستوں کو یہ کتاب دکھائی تو ان کے مشورہ کی روشنی میں مجھے اپنی ذاتی تحریر اپنی نہ لگی کہ جس کے بعد میں نے از خود ہی اس کی درستی کرنے کا سوچا۔اسی دوران اس معاملہ کے لئے دعا بھی کرتا رہا کہ خاکسار کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک بیش بہا نصیحت میسر آ گئی کہ جس کی بناٗ

پر میرے اس خیال کو تقویت ملی کہ پہلے لکھو اور پھر خود ہی اس کی املاء اور فقرات کی اصلاح کرو۔ الحمدللہ کہ یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور میری کتاب مختلف قسم کے ردوبدل کا شکار نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ نے فرمایا:-

''یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ مضمون کو کئی جگہ دکھانا اچھی بات نہیں۔ اس سے خود اعتمادی کی روح مجروح ہوتی ہے۔ ہر انسان جداگانہ خیال رکھتا ہے۔- دوسروں کی آراء و ترمیمات کا دخل لازماً اصل مضمون کی ہیئت بدل دیتا ہے اور پھر وہ اپنا مضمون نہیں رہتا بلکہ دوسروں کے خیالات کا مرقع بن جاتا ہے۔ یہی بات خود اعتمادی کے منافی ہے اس لئے اصولاً اتنا ضرور دیکھ لینا چاہئیے کہ جس موضوع پر مضمون لکھنا ہے وہ حتیٰ الوسع پہلے اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے اور پھر دیانتداری سے قال اللہ و قال الرسولؐ کی روشنی میں ہی اس کو لکھا ہے۔ ان دو باتوں پر جب دل گواہی دے دے تو پھر مضمون اخبار کے حوالہ کر دینا چاہئیے''۔ (حیات بشیر صفحہ ۳۷۹-۳۸۰)

پس! ایسی قیمتی نصیحت پڑھنے کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے دل سے ہر قسم کے وسوسے اور خدشات دور ہو گئے اور میں نے نہایت دلجمعی کے ساتھ اس میں درج مضامین کی روانی کی طرف توجہ مبذول کی اور ان کو تحریر کرنے کے بعد ان کی تصحیح کرنے کا موقعہ نصیب ہوا اور اب یہ کاوش آپ کی خدمت میں حاضر کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

☆

حضرت قمر الانبیاء

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

معزز قارئین اس وقت خاکسار کو سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیحِ موعود اور مہدیِ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اسلامیہ اور آپؑ کی دوسری زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور اللہ مرقدہٗ (ایم-اے) کی نیک سیرت اور پاک خصلت زندگی میں سے ایک چھوٹا سا اقتباس ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے- یہ میری وہ پیاری یادیں ہیں کہ جن کی محبت کی تپش آج بھی میرے دل کو گرمائے ہوئے ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ قابل تقلید حالات و واقعات انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت کروڑوں دلوں کو جلاء بخشتے رہیں گے:-

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا (کلام محمود)

پس جب تک میں نے ان پیارے واقعات و مشاہدات کو تحریر نہیں کیا تھا تب تک میری روح کو کسی پل چین نصیب نہ تھا لیکن اب جب کہ میری یہ عزیز ترین یادیں زیرِ تحریر آچکی ہیں تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میرے دل و جان اور جسم و روح کسی بھاری قرض کے بوجھ سے چھٹکارہ پا کر کسی آزاد پنچھی کی طرح اُڑتے ہوئے فضا میں بلند ہو کر خوشی و مسرت سے چہچہا رہے ہیں۔ چنانچہ اپنی اس کتاب کا آغاز مکرم عبدالسمیع نون صاحب ایڈووکیٹ آف سرگودھا کے ایک بہت ہی پیارے اقتباس سے کر رہا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

'' کل رات چاند کی چودھویں رات تھی۔ چاند اپنے پورے جوبن اور شباب پر تھا۔ وہ دُور فلک پر نور بکھیر رہا تھا اور میں اپنے گھر کے لان میں بیٹھا اسے تکتا رہا۔ ہر چند کہ یہ فلکی سیارہ اللہ کی قدرتوں اور اس کی نعمتوں کا مظہر ہے۔ زمین پر بسنے والی مخلوقات پر بلکہ نباتات اور جمادات پر بھی چاند کے خوشگوار اثرات پڑتے ہیں جو ہر شے کی نمود کا موجب بنتے ہیں- مگر میں ایک اور تصور میں کھو گیا اور میں نے چاند کو مولانا ظفر محمد ظفر صاحب کے الفاظ میں جو کہ میں نے تازہ تازہ یاد کئے تھے یوں مخاطب کیا:-

اے چودھویں کے چاند قسم تیرے نُور کی
تمہید بن گیا ہے تُو اِک سرُور کی (ظفر احمد ظفرؔ)

انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے شروع میں آسمان سے یہ نوید سنائی دی کہ: '' نبیوں کا چاند آئے گا اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائے گا۔ اور خدا تیرے منہ کو بشاش کرے گا اور تیرے برہان کو روشن کرے گا۔ اور تجھے ایک بیٹا عطا کرے گا- اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا اور میرا نور نزدیک ہے ''۔ جس مبارک اور مبشر بیٹے کے خدوخال، اللہ نے اس کی پیدائش سے پہلے بیان کردئے ہوں، اس کے کمالات علمی اور روحانی کا ہم تو قیاس بھی نہیں کر سکتے کجا یہ کہ اس کی سیرت نگاری کی کوشش کریں۔

۲۰؍ اپریل ۱۸۹۳ء بروز جمعرات زمین وآسمان نے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ وہ مبارک صبح پھوٹی تو جہاں اُدھر آفتاب نکلا تو اِدھر آسمان روحانیت پر ایک مبشر چاند نمودار ہوُا ۔ اس کے علم وادب، اس کے اخلاقِ کریمانہ اور روحانی، ادبی اور فکری کمالات کی رفعتوں کا ایک عالم شاہد ہے۔ وہ بلند مرتبت شخص اپنے موعود بڑے بھائی کا معتمد ترین رفیق، دستِ راست اور مشیرِ خاص بنا۔ نظر عمیق تھی اور مشکل سے مشکل مسائل اور معاملات کی گہرائیوں میں اتر کر ان کا حل نکال لینا اور پھر کمال تفاصیل کے ساتھ اپنے مطاع اور آقا کی خدمت میں مؤدبانہ رپورٹ پیش کر دینا اس طور پر کہ گویا ایک پٹڑی بچھا دیتے جس پر جماعت کی گاڑی کامیابی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے مقصد کو پالیتی۔ یہ موہبت آپؓ کے لئے خاص تھی۔ اس مبشر شخص کا نام نامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ تھا۔ آپؓ کے حقیقی مقام کو علیم وخبیر ہی جانے۔ انسان کے قیاس اور اندازے اس وجود کی قلبی طہارت، بلند شان، تقویٰ اور دنیاوی اور دینی علوم کی وسعتوں کے ادراک سے فروتر ہی رہتے ہیں کیونکہ اس کے اندرونی حسن وجمال کو اس کی خاکساری اور عجز اور خلوت پسندی نے بہت حد تک چھپائے رکھا تھا۔ تاہم اس کے حسن وجمال کی کوئی ایک آدھ جھلک ہم نے دیکھی تو بے اختیار ہم پکار اٹھے کہ:-

تیرے چہرے کا نُور اصلی ہے

چاند کی روشنی ادھاری ہے

آپؓ کی ستر سالہ زندگی کے شب وروز شاہد ہیں کہ بشارات الٰہیہ کے موافق آپؓ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے جذبات سے معمور اور مخمور رہے''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴؍مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک زندگی ، زریں ارشادات و اقوال اور پاکیزہ اعمال صالحہ نیز سیرۃ طیبہ کے بارہ میں کچھ لکھنے سے پہلے سیاق وسباق کو دیکھنا بے حد ضروری ہے کیونکہ کسی بھی شخص کی سوانح نگاری کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:-

'' یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پُورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتد بہ پیدا نہیں ہوتا۔ سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں، ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد وتقویٰ یا علم ومعرفت یا تائید دین یا ہمدردئ نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قابل ہو جائیں، جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے تا اس کو حمایت قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ ان لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے لئے کسی قدر مفصل واقعات کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے- اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پا کر اس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔

تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوان نعمت رکھا جائے اور معاً ایک لقمہ اٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اٹھا لیا جائے۔ اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لئے قلم اٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہر دل عزیز اور مقبول انام بنانے کے لئے

، ناموران انسانوں کے سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے دعا بھی کرے اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادہ عام کے لئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا ہے''۔ (کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ حاشیہ صفحہ ۱۵۹-۱۶۲)

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پاکیزہ نصیحت کے ساتھ ساتھ میں یہاں حضرت اقدسؑ کے پوتے اور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے نیز اپنے گارڈین وقف زندگی حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب کی ایک اور نصیحت بھی افادہ عام کے لئے تحریر کرنا اپنی خوش بختی تصور کرتا ہوں کہ جس میں آپ نے مجھے یہ پیاری نصیحت فرمائی:-

'' میرا مشورہ ہے کہ بچپن اور جوانی کی زندگی کے کہ جس کے تم، نہ میں شاہد ہیں، یہ مواد کتاب اور الفضل سے حاصل کر کے زیادہ زور ذاتی مشاہدات پر دو اور انہیں اس طرح بیان کرو جس طرح انسان مجلس میں بیٹھا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ طریق سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور پڑھنے والوں کی دلچسپی کا موجب ہوتا ہے---دستخط (مرزا مجید احمد)''۔ (مکتوبات نسیم -۱۷/جنوری ۱۹۹۴ء)

لہٰذا ان تمام پاکیزہ نصائح کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ عاجز حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پاکیزہ حالات زندگی اسی طرح بیان کرنے کی کوشش کی کرے گا کہ جس طرح میرے سامنے یہ واقعات رونما ہوئے یا پھر جس طرح یہ حالات و واقعات میں نے خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جماعت عالیہ احمدیہ کے معزز و محترم احباب سے سنے ہیں-حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ کے تعلق میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں بھی یہ عاجز کچھ عرض کرنا نہایت ضروری بلکہ اپنے لئے انتہائی باعث سعادت سمجھتا ہے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی اور دوسری شادی کے بارہ میں مختصر حالات یہ خاکسار، اپنے مربی و محسن حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ہی بیان کرنا زیادہ مناسب خیال کرتا ہے کیونکہ یہ روایات میں نے وقتاً فوقتاً کئی مرتبہ حضرت قمر الانبیاءؓ سے خود سنی ہیں۔ ان واقعات کو سنے ہوئے چونکہ اب بہت مدت گزر چکی ہے اس لئے الفاظ کے ہیر پھیر سے بچنے کے لئے میں نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مختلف کتب اور رسائل سے یہ مواد چن کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو مناسب سمجھا ہے۔ چنانچہ اس بابرکت شادی خانہ آبادی کے بارہ میں حضرت اقدسؑ کے بیٹے حضرت قمر الانبیاءؓ تحریر فرماتے ہیں:-

''حضرت مسیح موعودؑ نے ابھی بچپن سے قدم باہر نکالا ہی تھا اور جوانی کا آغاز تھا کہ آپ کی شادی ہوگئی۔ مشرقی طریق کے مطابق اس عمر کی شادی میں زیادہ تر والدین کے انتخاب کا دخل ہوتا ہے اور موجودہ صورت میں بھی یہی ہوا اور گو بحیثیت مجموعی مشرقی ممالک کی شادیاں مغربی ممالک کی شادیوں کی نسبت حقیقتاً زیادہ کامیاب اور زیادہ خوشی کا باعث ہوتی ہیں مگر استثناء ہر جگہ چلتا ہے اور شائید موجودہ صورت میں خدا کا یہ بھی منشاء تھا کہ اس کے ہونے والے مسیحؑ کی شادی خود اس کے اپنے انتخاب کے ماتحت ہو اس لئے یہ شادی (جو ۱۸۵۱ء میں ہوئی ۔ناقل) کامیاب ثابت نہیں ہوئی۔ آپؑ کی یہ زوجہ جن کا نام حرمت بی بی تھا آپؑ کے اپنے عزیزوں میں سے تھیں اور ان کے بطن سے دولڑکے بھی پیدا ہوئے۔ جن کے اسمأ گرامی درج ذیل ہیں:-

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
۱	حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب	۱۸۵۳ء قادیان	۲رجولائی ۱۹۳۱ء قادیان
۲	حضرت صاحبزادہ مرزا فضل احمد صاحب	۱۸۵۵ء قادیان	-----۱۹۰۴ء قادیان

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر دی۔ آپؓ کو خلافت ثانیہ کے زمانہ میں احمدیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی اور اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بارہ میں یہ الہام بھی پورا ہوا کہ:-''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا''۔ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحبؓ کی تمام اولاد اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحابہؓ کے زمرہ میں داخل ہوتی ہے۔ مگر چونکہ خاوند بیوی کے مزاج اور میلانات میں انتہائی درجہ کی دُوری تھی یعنی حضرت مسیح موعودؑ دینی امور میں غرق اور دُنیا سے بیزار اور بیوی دین کی طرف سے غافل اور دُنیا میں منہمک تھیں اس لئے باوجود اس کے کہ ظاہری حقوق کے لحاظ سے حضرت مسیح موعودؑ نے شوہری کا حق پوری طرح ادا کیا یہ رشتہ کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ اور ان دو بچوں کی ولادت کے بعد خاوند بیوی میں عملاً علیحدگی رہی اور بالآخر جدائی تک نوبت پہونچی''۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۱-۱۲)

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری شادی کے تعلق میں حضرت اقدسؑ اور خاندان مبارکہ کے دیگر حالات کے بارہ میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حضرت اقدسؑ اور آپؑ کے خاندان کا اس کتاب میں درج واقعات سے ایک بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کے بارہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے گہری تحقیق کے بعد ۱۹۳۶ء میں اس امر کا اعلان فرمایا کہ:-'' سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش ۱۳ رفروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ہے''۔ (الفضل ۱۱راگست ۱۹۳۶ء)۔ یعنی اس دوسری شادی کے وقت حضرت اقدسؑ کی عمر تقریباً ۴۹ برس کی تھی اور اس ادھیڑ عمر میں شادی ؟ لہذا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سچے مؤمن کی طرح اپنے دلی حالات اور اس شادی کی غرض وغایت کے بارہ میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو مطلع کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

'' خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام ہوا تھا یعنی خدا کی تعریف ہے جس نے تمہیں دامادی اور نسب دونوں طرف سے عزت دی یعنی تمہارے نسب کو بھی شریف بنایا اور تمہاری بیوی بھی سادات میں سے آئے گی۔ یہ الہام شادی کے لئے پیشگوئی تھی جس سے مجھے فکر پیدا ہوا کہ شادی کے لئے اخراجات کو کیونکر انجام دوں گا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں اور نیز کیونکر میں ہمیشہ کے لئے اس بوجھ کا متحمل ہوسکوں گا ؟ تو میں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ ان اخراجات کی مجھ میں طاقت نہیں۔ جس پر یہ الہام ہوا

ہرچہ باید نو عروسی راہمہ ساماں کنم
وآنچہ درکار شما باشد عطائے آں کنم

یعنی جو کچھ تمہیں شادی کے لئے درکار ہوگا تمام سامان اس کا میں آپ کروں گا اور جو کچھ تمہیں وقتاً فوقتاً حاجت ہوتی رہے گی آپ دیتا رہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا''۔ (حقیقۃ الوحی - روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۴۷)

اسی طرح حضرت اقدس مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید فرمایا:-

'' ایک ابتلا مجھ کو اس شادی (جو ۱۷ رنومبر ۱۸۸۴ء کو دہلی میں ہوئی) کے وقت یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا --- میری حالتِ مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی اس لئے میری اس شادی پر میرے

بعض دوستوں نے افسوس کیا --- کہ بباعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے --- غرض اس ابتلا کے وقت میں نے جنابِ الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے رفع مرض کے لئے اپنے الہام کے ذریعہ سے دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ وہ دوا میں نے طیّار کی اور اس میں خدا نے اس قدر برکت ڈال دی کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ پُرصحت طاقت جو ایک پُورے تندرست انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے وہ مجھے دی گئی اور چار لڑکے مجھے عطا کئے گئے''۔ (تریاق القلوب صفحہ ۳۵-۳۶)

یہی نہیں بلکہ ان تمام بشری کمزوریوں اور دنیاوی مشکلات کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً یہ خوشخبری سناتا ہے کہ:-'' میں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا اور تیرے آثار میں برکت رکھ دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے''۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳۷ مطبوعہ بار سوم نومبر ۱۹۰۱ء)

اب آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ یہ معزز خاندان مبارکہ اور جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ دونوں ہی خدا تعالیٰ کے دست مبارک سے لگائے ہوئے وہ سر سبز وشاداب پودے ہیں کہ جن کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا کیونکہ اوپر درج اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے خود یہ عظیم الشان خبر دی ہے کہ '' میں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا '' یعنی خدا تعالیٰ نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور پھر پھلنے اور پھولنے اور پھیلنے کا بھی عظیم الشان وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور ہم سب اور ہمارے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے تمام خاص وعام عوام الناس ایک صدی سے بھی زائد عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی ان سچی پیشگوئیوں کو ایک کے بعد ایک پورا ہوتے ہوئے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ یہ تمام عظیم الشان نشانات حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا واضح ثبوت ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

بہرحال سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی شادی ۱۸۵۱ء (''۱۸۵۱ء'' ماہنامہ انصار اللہ ربوہ مارچ ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۵) میں اپنی ایک رشتہ دار عزیزہ حضرت حرمت بی بی صاحبہؓ (''ماموں زاد'' ماہنامہ انصار اللہ ربوہ مارچ ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۵) سے ہوئی تھی لیکن اپنی اہلیہ سے خیالات نہ ملنے کی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ باہمی تعلقات کم ہوتے چلے گئے اور نوبت علیحدگی تک جا پہنچی۔ چنانچہ اس علیحدگی کے بعد اکثر اوقات سیدنا حضرت اقدسؑ تنہا ہی رہا کرتے تھے۔ انہی دنوں آپؑ کو الہاماً دوسری شادی کی بار بار خبر دی گئی اور پھر انہی ایام میں حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہرہ آفاق کتاب ''براہین احمدیہ'' شائع ہوئی تو ام المؤمنین حضرت اماں جانؓ کے والد امجد حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے اس کا مطالعہ کیا اور آپؓ پر حضرت اقدسؑ کی بزرگی پہلے سے بھی زیادہ آشکار ہوئی۔ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ، حضرت اقدسؑ کو حضورؑ کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ اور حضورؑ کے بڑے بھائی حضرت مرزا غلام قادر صاحبؒ کی بدولت پہلے سے ہی جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا پیغام حضرت میر صاحبؓ کے ہاں بھجوایا اور یوں ۱۸۸۴ء میں حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہان بیگم صاحبہؓ اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح جامع مسجد دہلی کے مشہور خطیب مولوی سید نذیر حسین صاحب نے عصر اور مغرب کے درمیان گیارہ سو روپے مہر پر پڑھا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے ۱۸۹۱ء میں قبول احمدیت کی توفیق پائی۔ رجسٹر بیعت اولیٰ میں آپؓ کی بیعت نمبر ۱۳۳ کے بارہ میں درج ہے کہ:-'' ۱۳۳-۴ر جون ۱۸۹۱ء میر ناصر نواب دہلوی خسر ایں عاجز نقشہ نویس نہر''- اس کے بعد حضرت نانا جان میر ناصر نواب دہلوی صاحبؓ جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء میں قادیان تشریف لائے اور پھر ہمیشہ کے لئے قادیان کے ہی ہو رہے۔ حضرت اماں جانؓ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت سید بیگم صاحبہؓ تھا۔ حضرت اماں جانؓ کے والدین بے حد سادہ اور نیک تھے۔ حضرت اماں

جانؓ اپنے ماں باپ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔آپؓ کے دو بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بھی تھے۔حضرت اماں جانؓ کے شجرہ نسب کے بارہ میں عرض ہے کہ:-

''حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ نسب حضرت خواجہ میر دردؒ سے ملتا ہے اور حضرت خواجہ میر دردؒ کا سلسلہ نسب والد محترم کی جانب سے حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ اور والدہ محترمہ کی جانب سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔حضرت خواجہ میر دردؒ کے بزرگ بخارا سے ہجرت کر کے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان چلے آئے تھے۔حضرت خواجہ میر دردؒ کے والد محترم حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیبؒ صوفیا کے طریق پر خشوع وخضوع سے عبادت کیا کرتے تھے اور اس طرح عشق حقیقی کے علمبردار تھے۔ایک کشف میں آپؒ کو ولایت سے نوازا گیا اور یہ خبر بھی دی گئی کہ:-''یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوت نے تیرے لئے محفوظ کر رکھی تھی۔اس نعمت کی ابتدأ تجھ پر ہوئی اور اس کا انجام مہدئ معہود علیہ السلام پر ہوگا''۔یہ خبر پا کر آپؒ نے ایک نئے طریق ''طریقہ محمدیہ'' کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے اپنے بیٹے حضرت خواجہ میر دردؒ کی بیعت لی اور حضرت خواجہ میر دردؒ کو'' اول المحمدین'' کہہ کر مخاطب کیا۔یہ عظیم الشان نعمت اُس وقت اپنی پوری آب وتاب اور شان وشوکت کے ساتھ پوری ہوئی جب حضرت خواجہ میر دردؒ کے پڑنواسے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی صاحبزادی حضرت سیدہ نصرت جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امام مہدی و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۷/ جنوری ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۴)

سواللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے مطابق یہ شادی عمل میں آئی اور اسی لئے اس شادی خانہ آبادی کے بعد سیدہ حضرت اماں جانؓ کے بطن سے ہونے والی مبارک اولاد مبشر اولاد بھی ہے۔اسی بابرکت اولاد کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء کو خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر پیشگوئی مصلح موعود کا اعلان فرمایا کہ خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا ہے کہ:-

''تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی---تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخر دنوں تک سرسبز رہے گی''۔(ضمیمہ آئینہ کمالات اسلام،روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۶۴۸)

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدہ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک اور مبشر اولاد کی تعداد دس ہے جس میں سے پانچ بچے اوپر درج پیشگوئی کے عین مطابق کم عمری میں اور پانچ معزز بزرگ اپنی طبعی عمر پا کر فوت ہوئے۔اس بابرکت اولاد میں سے ایک صاحبزادی صاحبہؓ کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات مجھے یاد نہیں رہی البتہ سن پیدائش اور سن وفات یاد ہے اس لئے درخواست ہے کہ اگر آپ قارئین میں سے کسی صاحب یا صاحبہ کو یاد ہو تو وہ ہمیں بھی تحریراً بھجوا کر ممنون فرمائیں تا کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں تصحیح کر لی جائے۔خاکسار کی جانب سے پیشگی شکریہ قبول فرمائیں۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبشر اولاد:-

نمبرشمار	اسمائے گرامی	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
۱	سیدہ حضرت عصمت بیگم صاحبہؓ	۱۵/اپریل ۱۸۸۶ء	جولائی ۱۸۹۱ء
۲	سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اول	۷/اگست ۱۸۸۷ء	۴/نومبر ۱۸۸۸ء
۳	سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ	۱۲/جنوری ۱۸۸۹ء	۸/نومبر ۱۹۶۵ء
۴	سیدہ حضرت شوکت بیگم صاحبہؓ	-----۱۸۹۱ء	----۱۸۹۲ء
۵	سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ	۲۰/اپریل ۱۸۹۳ء	۲/ستمبر ۱۹۶۳ء
۶	سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ	۲۴/مئی ۱۸۹۵ء	۲۶/دسمبر ۱۹۶۱ء
۷	سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ	۲/مارچ ۱۸۹۷ء	۲۳/مئی ۱۹۷۷ء
۸	سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحبؓ	۱۴/جون ۱۸۹۹ء	۱۶/ستمبر ۱۹۰۷ء
۹	سیدہ حضرت امتہ النصیر بیگم صاحبہؓ	۲۸/جنوری ۱۹۰۳ء	۳/دسمبر ۱۹۰۳ء
۱۰	سیدہ حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہؓ	۲۵/جون ۱۹۰۴ء	۶/مئی ۱۹۸۷ء

اس عاجز تابعی کے زمانہ میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مبشر اور بابرکت اولاد میں سے پانچ معزز اور نامور رضوان اللہ علیہم، صاحب حیات تھے۔اس لئے ایک لمبے عرصہ تک خاکسار کو ان تمام معزز بزرگ صحابہ رضوان علیہم کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا لیکن صرف حصول سعادت کی خاطر یہ عاجز اپنے تاثرات بیان کرنے سے پہلے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے چند چیدہ چیدہ معزز بزرگوں کے خیالات قلمبند کرنا ضروری تصور کرتا ہے۔حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سوانح حیات پر بعد میں آنے والے سینکڑوں مؤرخین قلم اٹھائیں گے مگر قریب رہنے۔سینکڑوں مرتبہ ملاقات کرنے اور آپؓ کے فیوض و برکات سے وافر حصہ لینے کی وجہ سے جو شرف ہمیں حاصل ہے وہ لوگ اس سے محروم ہونگے۔اس لئے اپنے ذاتی تعلقات کی بناء پر بھی ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسے عظیم الشان انسان کے آنکھوں دیکھے حالات سے بعد میں آنے والے مخلصین جماعت کو آگاہ کریں۔یہ یقینی بات ہے کہ ایسے انسان دنیا میں روز روز نہیں آیا کرتے۔صدیوں بعد خوش نصیب لوگوں کو ایسے روشن گہر دیکھنے نصیب ہوتے ہیں۔دنیا میں ایسے لوگ بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں جن کی صفات کی اُن کی پیدائش سے پہلے ہی وحی الٰہی میں ان کی آمد اور نزول کی خبر دے دی گئی ہو۔خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: '' اِنَّ اللّٰہَ لَا یُبَشِّرُ الْاَنْبِیَاءَ وَالْاَوْ لِیَاءَ بِذُرِّیَّۃٍ اِلَّا اِذَا قَدَّرَ تَولِیْدَ الصَّالِحِیْنَ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو اولاد کی بشارت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جب کہ ان کا صالح ہونا مقدر ہو ''۔(حیات بشیر صفحہ ۱۵۸-۱۵۹)

پھر اسی طرح حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے موقعہ پر حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے بھی کیا خوب فرمایا ہے کہ:-

'' جب کوئی بلند پایہ ہستی اس دنیا سے گذر جاتی ہے تو پیچھے رہنے والے لوگوں کے دلوں میں جو تاثرات اس عظیم ہستی کے متعلق ہوتے ہیں وہ ان کے زبان و قلم کے ذریعہ ظاہر ہونے لگتے ہیں اور ہر کوئی اس مقدس ہستی کے احسانوں کو یاد کر کے یہی چاہتا ہے کہ بار بار اس کی خوبیوں کا اور احسانوں

کا ذکر کیا جائے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲۴)

حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب اپنے جلیل القدر والد محترم حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی مقدس زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' احمدیت کی یہ مایہ ناز شخصیتیں زمانہ کے لحاظ سے ہمارے بہت قریب ہیں اور ہم ان کی قدر و منزلت اور مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن اسلام اور احمدیت کا آنے والا مؤرخ ان کے خدو خال کو اجاگر کرے گا اور تاریخ کے اس دور سے نہیں گزر سکے گا کہ جب تک وہ مسیحِ محمدیؑ کے ان پروانوں کو خراجِ تحسین نہ ادا کرے۔ یہ خوش قسمت لوگ مسیحِ محمدیؑ کی فوج کے صفِ اوّل کے سپاہی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو اور دنیا کو ایک زندہ خدا اور ایک زندہ نبی حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی پہچان ہو۔ ان بزرگوں نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمتِ دین کا حق ادا کر دیا۔ اسلام اور احمدیت کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی اور دنیا کی کوئی کشش اس کے راستہ میں حائل نہ ہونے دی۔ دین سے باہر کسی چیز میں دلچسپی لی تو فروعی اور وقتی طور پر اور زندگی اور ہر توجہ کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدمتِ دین رہا۔ اپنی تمام زندگی کا یہی MOTO رہا کہ دین، دنیا پر بہر حال مقدم رہے اور اپنے پر ہر موت اس لئے وارد کی تا اسلام زندہ ہو''۔
(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰؍نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام کی بدولت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ احباب جماعت احمدیہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ صاحبؓ، حضرت میاں صاحبؓ، حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ اور خاندان مبارکہ حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عموجان یا عمو صاحب کے پیارے ناموں سے بھی مشہور ہیں۔ آپؓ ۲۰؍اپریل ۱۸۹۳ء میں قادیان دارالامان ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی بابرکت ولادت سے قبل ہی آپؓ کے بارہ میں مختلف الہامات نزول ہوئے اور سیدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سی بشارتیں عطا ہوئیں جن کے عین مطابق آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپؓ کے بابرکت وجود کو تادمِ حیات دین اسلام کی بے لوث اور انتھک خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اب اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ ۱۹۹۳ء کا سال حضرت میاں صاحبؓ کا ایک سو سالہ یوم پیدائش اور اسی طرح تیس سالہ یومِ وفات کا بھی سال ہے لیکن ہمارے یہاں یعنی احمدیوں میں چونکہ سنت رسول اللہ سیدنا آنحضرت محمد مصطفٰے احمدؐ مجتبیٰ ﷺ کے بموجب یومِ پیدائش اور برسیاں منانے کا رواج نہیں ہے لہٰذا صرف ایصالِ ثواب کی خاطر اس مضمون کے ذریعہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد کیا جا رہا ہے تا کہ حضرت میاں صاحبؓ کی یاد تمام معزز و محترم بزرگان اصحابِ احمدؑ کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ و جاوید رہے اور ہماری موجودہ نئی نوجوان نسل کے علاوہ ہمارے بعد آنے والی تمام نسلیں بھی یہ یاد رکھیں کہ تاریخِ احمدیت میں کیسے کیسے فرشتہ خصلت بزرگ، نیک سیرت وجود، خدا ترس بندے اور غریب پرور عظیم الشان انسان گزرے ہیں۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات زندگی کو آپؓ کی پیدائش سے بھی پہلے سے ہی بیان کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ آپؓ کی پیدائش کے بارہ میں مؤرخہ ۱۰؍ دسمبر ۱۸۹۲ء کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ الہام ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشگوئی کے طور پر فروری ۱۸۹۳ء میں شائع فرمایا:-

'' يَا تِیْ قَمَرُ الاَنبیَاءِ وَ اَمرُکَ يَتَاَتّٰی - يَسُرُّ اللّٰہُ وَ جْهَکَ وَ يُنِيرُ بُرْهَانَکَ - سَيُولَدُ لَکَ الوَلَدُ وَ يُدْنیٰ مِنْکَ الفَضْلُ اِنَّ

نُـورِیُ قَرِیب“ نبیوں کا چاند آئے گا اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائے گا۔ خدا تیرے مُنہ کو بشاش کرے گا اور تیرے براہان کو روشن کردے گا اور تجھے ایک بیٹا عطا ہوگا اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا اور میرا نُور نزدیک ہے“۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ اس الہام کی مزید تشریح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:-

”اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ اس کا آنا خدا تعالیٰ کے فضل کا موجب ہوگا مگر یہ بات بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے کہ یہ لڑکا شکل وشباہت میں فضل احمد سے جو دوسری بیوی سے میرا لڑکا ہے مشابہت رکھے گا“۔ (تریاق القلوب صفحہ ۴۲)

اس الہام کے نزول کے چار ماہ دس دن کے بعد اور اس کی اشاعت کے تقریباً دو ماہ کے بعد سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپؓ کی پیدائش ۲۰/ اپریل ۱۸۹۳ء بروز جمعرات صبح پو پھٹے ہوئی۔ اسی روز سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں اس بچے کی پیدائش کو اپنی پیشگوئی کی صداقت کا مظہر قرار دیتے ہوئے اپنے مخالفین اور معترضین کے لئے حجت کی تکمیل کے طور پر تحریر فرمایا:-

”یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو خود اپنی زندگی کا اعتبار نہیں چہ جائیکہ یقینی اور قطعی طور پر اشتہار دیوے ضرور عنقریب اس کے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا۔ خاص کر ایسا شخص جو اس پیشگوئی کو اپنے صدق کی علامت ٹھہراتا ہے اور تحدی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اب چاہیئے کہ شیخ محمدؐ حسین اس بات کا بھی جواب دیں کہ یہ پیشگوئی کیوں پُوری ہوئی ؟ کیا یہ استدراج ہے یا نجوم یا اٹکل ہے ؟ اور کیا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ بقول آپ کے ایک دجّال کی ایسی پیشگوئیاں پُوری کرتا جاتا ہے جن سے اس کی سچائی کی تصدیق ہوتی ہے؟“۔ (اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۹۳ء بحوالہ تبلیغِ رسالت جلد سوم صفحہ ۲۴)

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں لاکھوں نشانات پیش کئے جا چکے ہیں تاہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک مثال میں بھی یہاں مزید پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جسے اغلباً آج تک کسی نے پیش نہیں کیا لیکن اس سے پہلے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کے ایک خط سے ایک چھوٹا سا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ:-

”نوعمری میں شادی کا ایک بے بہا پھل ہماری بڑی ہمشیرہ امتہ السلام بیگمؓ کی ولادت کی صورت میں آیا۔ جنہیں اکیلے یہ فخر حاصل رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں گود میں اٹھایا اور کھلایا۔ اور حضورؑ کی زندگی میں وہ حضرت اماں جانؓ کی اولاد میں سے واحد پوتی حیات تھیں باقی پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں حضورؑ کے وصال کے بعد پیدا ہوئے“۔ (مکتوبات نسیم -۱۰/ دسمبر ۱۹۹۳ء)

یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے اس تاریخی بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ السلام بیگم صاحبہؓ، سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں پیدا ہونے والی پہلی واحد یعنی اکلوتی پوتی تھیں۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں اپنی اور حضرت اماں جانؓ کی مبشر اولاد میں سے بقیہ پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں پیدا ہوتے نہیں دیکھے لیکن اس کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تادم حیات اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس مبارک الہام پر یقین کامل سے قائم رہے کہ خدا تعالیٰ اپنے کئے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ اب میری زندگی میں نہیں تو میرے بعد لیکن یہ ہوگا کہ اللہ:-

”تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔ تیری نسل بہت

ہوگی اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی--- تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخر دنوں تک سرسبز رہے گی''۔(ضمیمہ آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۶۴۸)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات (۱۹۰۸ء) کے بعد بقیہ تمام پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں پیدا ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف جدی خاندان کے تمام جملہ افراد کہ جن کی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ستر (۷۰) افراد کے قریب تھی اس الہام کے بعد یکے بعد دیگرے لاولد فوت ہوگئے اور جو لاولد نہ تھے ان کی اولاد لاولد ہوگئی یعنی ان کی ہر شاخ کاٹ دی گئی اور صرف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت مبارکہ ہی قائم و دائم ہے بلکہ اب تو اسی الہام کے مطابق دنیا بھر کے تمام گوشوں میں پھیل بھی چکی ہے۔ الحمدللہ! یعنی یہ پیشگوئی '' تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا'' بھی ہماری آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے پوری ہوکر سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی پر مہر صداقت ثبت کرچکی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

اب چونکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد با برکات کا ذکر چل پڑا ہے اس لئے عرض ہے کہ اپنی اولاد کے بارہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اذن اللہ کے تحت ایک مرتبہ فرمایا کہ:-'' خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے ہاں وہ اولاد پیدا کرے جو، ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلائے ''۔(تریاق القلوب صفحہ ۶۵)

یعنی خدا تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد ہی آپؑ کی صداقت کے نشانات کی مظہر ہے لیکن خاکسار چونکہ اپنی اس کتاب میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی میں سے چند واقعات کو بیان کرنے کی سعی کررہا ہے اس لئے یہاں صرف حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی پیدائش کے واقعات کو ہی قلمبند کیا جائے گا۔ سیرت المہدیؑ میں درج ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پیدائش جمعرات کے دن صبح کے وقت ہوئی۔'' آپؓ کی پیدائش ۲۰/ اپریل ۱۸۹۳ء کی صبح کو طلوع آفتاب کے بعد ہوئی''۔(سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)۔ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت اللہ تعالیٰ کے الہامات کے تحت صبح صبح ہوئی تھی گویا آپؓ نہ صرف چندے ماہتاب بلکہ چندے آفتاب بھی تھے مگر پھر بھی آپؓ کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے ایک مرتبہ فرمایا:-

''یہ خاکسار حضرت مسیح موعودؑ کے گھر پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور تک کی گنجائش نہیں''۔(سیرت طیبہ صفحہ ۲۸)

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر آپؓ نے فرمایا:-

''میں جب اپنے نفس میں نگاہ کرتا ہوں تو شرم سے پانی پانی ہوجاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمارے جیسے کمزور انسان کی پیدائش کو بھی بشارت کے قابل خیال کرتا ہے۔ پھر اس وقت اس کے سوا سارا فلسفہ بھول جاتا ہوں کہ خدا کے فضل کے ہاتھ کو کون روک سکتا ہے؟ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ

لِمَا مَنَعْتَ ''۔(سیرت المہدی جلد سوئم صفحہ ۳۰)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ مہرہ اور شکل وشباہت اپنی والدہ صاحبہ محترمہ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بے حد ملتی تھی۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب اپنے والد ماجد حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی پُرنور چہرہ مبارک کا ذکر خیر کرتے ہوئے اپنے مضمون میں ایک انگریز ڈاکٹر MILLER کا واقعہ رقم فرماتے ہیں کہ:-

'' اس نے ابا جان کو دیکھا اور اپنے ڈاکٹروں کی موجودگی میں کہا کہ میری رائے میں جو دوائیاں میں نے تجویز کی ہیں ان کے استعمال سے دو ہفتہ میں خاصہ افاقہ ہو جائے گا اور چھ ہفتہ کے اندر اپنا معمول کا کام کرسکیں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ مزید کئی سال تک با حیات نہ رہیں ! ابا جان کو دیکھ کر ایک اور بات اس نے کہی جو احباب کی دلچسپی کے لئے لکھتا ہوں۔ابا جان کو دیکھ کر ساتھ والے کمرہ میں آیا اور کہنے لگا HE LOOKS LIKE A BIBLICAL PROPHET یعنی : '' آپؓ تورات میں مذکور انبیاء کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں '' ۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ رنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴)

حضرت قمر الانبیاءؓ جیسے بابرکت اور نورانی وجود کے بارہ میں اسی واقعہ کو مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب نے بھی پیش کیا ہے کہ:-

'' پیدائش کے روز سے روزِ وفات تک آپؓ کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا کے مطابق گزرا اور آپؓ کے منہ پر نوروں کی برسات ایک دنیا نے دیکھی ۔لاہور میں ایک انگریز ماہر ڈاکٹر آپؓ کی بیماری کی تشخیص کے لئے آیا اور جب وہ کمرے میں داخل ہؤا تو حیرت واستعجاب میں ڈوب گیا اور کمرے سے باہر آیا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا HE LOOKS LIKE A BIBLICAL PROPHET کہ یہ شخص تو تورات کے انبیاء کے مشابہ ہے''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴ رمئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

یعنی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرشتہ صورت چہرہ مبارک اتنا روشن اور اتنا پُرنور تھا کہ لوگوں کے دل آپؓ کے چاند سے چہرہ کو دیکھتے ہی ''اللہ والا'' یعنی ولی اللہ کے یقین کامل سے بھر جاتے تھے۔آپ کے چہرہ مبارک کی یہ پاکیزہ خاصیت آپؓ کی وفات کے بعد بھی اپنی پُوری آب وتاب کے ساتھ قائم رہی۔آپؓ کے چہرہ مبارک کے پُرشکوہ جلوہ کے نظارہ کی ایک ہلکی سی عکاسی درج ذیل مضمون میں ہوگی کیونکہ اب میں آپ کو حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرشتہ صورت چہرہ کو دیکھ کر سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر ایمان لانے والے ایک نیک طینت شخص کے بارہ میں بھی کچھ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک سچا واقعہ ہے کہ آپؑ کی ذریت مبارکہ کے ایک فوت شدہ وجود کے پُرنور چہرہ مبارک کا دیدار کرتے ہی ایک شخص کس طرح روحانی طور پر زندہ ہوگیا۔یہ ہے وہ معجزہ کہ وہ'' مُردوں کو زندہ کرے گا'' اور اس کے لئے ہمیں مسیح ناصری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریم کے زمانہ میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو ہمارے سامنے کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔اس سلسلہ میں مکرم ملک سلطان احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ:-

'' ۱۹۶۳ء میں جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات ہوئی تو مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب کے ایک دوست مکرم چوہدری ضیاء الحق صاحب نے انہیں بتایا کہ وہ ربوہ جا رہے ہیں۔مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب نے دریافت کیا کہ کیا میں بھی آسکتا ہوں؟ جواب اثبات میں ملا تو آپ بھی کار میں ربوہ پہنچے۔جہاں احباب کی طویل قطار میں لگ کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے چہرہ کی زیارت کی تو آپ کے دل نے فوراً گواہی دی کہ ایسے

چہرے جھوٹے لوگوں کے نہیں ہوتے اور اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد قبول احمدیت کی سعادت پائی - اس کے بعد آپ کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آ گیا کہ جہاں آپ نے ایک طرف سگریٹ نوشی اور سینما بینی چھوڑ دی تو وہاں دوسری طرف تہجد کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کی اور اسی طرح مالی قربانی کی بھی نمایاں توفیق پانے لگے۔

چوہدری نصیر احمد صاحب کے قبول احمدیت پر ان کے عزیزان نے بہت مخالفت کی اور آخری حربہ کے طور پر آپ کی والدہ محترمہ کو اس بارہ میں کوشش کرنے کو کہا۔ آپ کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی اور آپ ان کی خدمت اور احترام کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک روز موقعہ پا کر انہوں نے خاندان کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی احمدیت کو چھوڑ دینے کے بارہ میں رائے لی تو آپ نے اپنے گھر، کار اور کاروبار کی چابیاں ان کے سامنے رکھتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ:-

’’ میں نے کئی سال تحقیق کے بعد احمدیت قبول کی ہے اور اب اس سے پیچھے ہٹنا میرے لئے ہلاکت ہے۔ مجھ سے میرا سب کچھ لکھوالیں اور میرے رشتہ داروں کو دیدیں، خاکسار مزدوری کر کے دو وقت کھانے کا انتظام کر لے گا لیکن احمدیت کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔ آپ کی فرمانبرداری کرنا میرا فرض ہے لیکن یہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے اس لئے میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا‘‘۔

مضمون نگار مزید بیان کرتے ہیں کہ جب میں ہڈیارہ میں بطور معلم وقفِ جدید کام کر رہا تھا تو ایک مرتبہ مکرم چوہدری صاحب نئی گاڑی خرید کر سیدھے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ: ’’ میں نے نئی گاڑی خریدی ہے سوچا کہ پہلا سفر دعوت الی اللہ کا آپ کے ساتھ کروں‘‘۔ چنانچہ اس روز سارا دن ہم نے مختلف دیہات میں تربیتی کاموں میں گزارا۔ مکرم چوہدری صاحب نے اپنی دوکان کے اوپر ایک کمرہ میں نماز باجماعت کا انتظام کر رکھا تھا اور وہاں سلسلہ کی کتب کا بھی بہت عمدہ انتظام کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے - آمین‘‘۔ (روزنامہ الفضل ربوہ)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے ایسے مقدس، پیارے اور نورانی چہرہ کے بارہ میں حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ مرحوم و مغفور ایک ایسے وجود تھے جن کی ولادت سے بھی کئی ماہ قبل اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی پیدائش کے بارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ الہام بشارت دی تھی۔ اور ان کاموں کے پیشِ نظر جو اس مولود نے خدمتِ دین کے لئے کرنے تھے اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو قمر الانبیاء کے لقب سے نوازا۔ یعنی توحید الٰہی اور دین الٰہی کے قیام کے لئے جو قلمی جہاد کرے گا۔ اس کے پیشِ نظر وہ نبیوں کا چاند یعنی ان کا محبوب ہوگا جیسے ماں باپ پیار کے رنگ میں اپنے بیٹے کو گھر کا چاند یا میرے چاند وغیرہ کہہ دیتے ہیں - اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انبیاء بمنزلہ سورج ہیں اور وہ ان کے لئے بمنزلہ چاند ہوگا یعنی ان کی پیروی سے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر اور ان سے اکتسابِ نُور کر کے لوگوں کو نُورانی کرنوں سے منور کرے گا ‘‘۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۱۴-۱۶)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بابرکت پیدائش کے واقعات کے اظہار کے موقعہ پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا حکیم مولوی نورالدین بھیروی صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حرم اول حضرت سیدہ فاطمہ بی بی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نہایت ہی مخلص اور فدائی خاتون تھیں۔ چونکہ آپؓ کے کئی بچے وفات پا چکے تھے اس لئے جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی

ولادت ہوئی تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرحومہؓ سے فرمایا کہ ''یہ تمہارا بیٹا ہے''۔ اس وجہ سے آپؓ کو سیدہ حضرت فاطمہ بی بی صاحبہؓ سے خاص محبت تھی لیکن ابھی آپؓ ۱۲/ برس کے ہی ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ بی بی صاحبہؓ ۱۹۰۵ عیسوی میں بقضائے الٰہی قادیان میں وفات پا گئیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)۔اسی ضمن میں یہ بھی بیان کرتا چلوں کہ حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نواسی حضرت ہاجرہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دودھ پیا ہوا تھا ۔اس لئے حضرت ہاجرہ بیگم صاحبہؓ حضرت میاں صاحبؓ کی رضاعی ہمشیرہ تھیں۔حضرت ہاجرہ بیگم صاحبہؓ نے دسمبر ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)۔حضرت مولانا عبدالکریم شرما صاحب کی خالہ حضرت سلطان بی بی صاحبہؓ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رضاعی والدہ تھیں۔حضرت قمرالانبیاءؓ کے بچپن کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالکریم شرما صاحب اپنی کتاب ''داستان حیات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''میرے نانا کرنل حضرت کرم داد خان صاحبؓ صحابی تھے۔وہ اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے اور کھاریاں کے نواح میں موضع ڈھینگ کے باشندہ تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں ہجرت کر آئے تھے۔حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کی روایات میں آپؓ کا ذکر آتا ہے۔میری نانی سلطان بی بی صاحبہؓ مغل قوم سے تعلق رکھتی تھیں۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو انہوں نے دودھ پلایا تھا--- میری خالہ حضرت رحمت بی بی صاحبہؓ کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ نے دودھ پیا۔میری والدہ حضرت عائشہ بیگم صاحبہؓ ام المؤمنین حضرت اماں جانؓ کی پروردہ تھیں۔انہوں نے اپنے بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تھا بلکہ حضورؑ کی بعض باتیں بھی ان کو یاد تھیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر ۹ سال کی تھی۔میری والدہ کو یہ سعادت بھی ملی کہ انہوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی بی بی امتہ الرشید کو دودھ پلایا۔اس کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی تین بچیوں کی بھی رضاعی والدہ تھیں''۔
(الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۱۰/اگست ۲۰۰۱ء صفحہ۹)

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مبشر اولاد کے بارہ میں متعدد بار کشوف نظر آئے اور بارہا الہامات ہوئے جو کہ اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر پورے ہو چکے ہیں۔جن کا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر آئے گا۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

'' ایک گھنٹہ ہوا ہوگا ہم نے دیکھا والدہ محمود قرآن شریف آگے رکھے ہوئے پڑھتی ہیں جب یہ آیت پڑھی وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا -(النسأ : ۷۰-ناقل)
'' اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاءٔ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں'')۔اور اس میں اُولٰٓئِکَ پڑھا تو محمود سامنے آکھڑا ہوا۔پھر دوبارہ اُولٰٓئِکَ پڑھا تو بشیر آکھڑا ہوا - پھر شریف آگیا''۔پھر فرمایا :-'' جو پہلے ہے وہ پہلے ہے'' ۔(تذکرہ صفحہ ۵۹۷) +(تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ۳ از حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ)

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک کشف کا یوں اظہار فرمایا:-

'' عالم کشف میں ایک اشتہار دکھایا گیا اس کے سر پر لکھا ہوا ہے اَلْمُبَارَکُ پھر بطور وحی کے زبان پر جاری ہوا بَرَکَۃٌ'' زَائِدَۃٌ'' عَلٰی ھٰذَا

الــرَّجُلِ اس کے بعد ایک رویا ہؤا کہ میں رات کو اُٹھا ہوں۔ پہلے بشیر احمد۔ شریف احمد ملے۔ پھر میں آگے جاتا ہوں یا کوئی کہتا ہے کہ اس سے آگے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں'' ۔(تذکرہ صفحہ ۵۴۲)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے بارہ میں اپنی ایک اور خواب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تذکرہ میں یہ مبارک دعا رقم فرمائی:-

'' شبِ گزشتہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین ان سے پُر ہے۔ ٹڈی دل سے زیادہ ان کی کثرت ہے۔ اِس قدر ہیں کہ زمین کو قریب ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے سے ان میں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامراد رہے اور میں اپنے لڑکوں شریف اور بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے وَ اِذَا بَـطَـشْـتُـمْ بَـطَـشْـتُـمْ جَبَّـارِيْـنَ '' (الشـعـرأ : ۱۳۱ ۔یعنی: اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو پھر ظلم کی انتہا کر دیتے ہو۔ناقل)۔(تذکرہ صفحہ ۶۶۳)

بچپن میں ایک مرتبہ حضرت قمرالانبیاءؓ کی آنکھیں دُکھنے آ گئیں اور یہ تکلیف اتنی لمبی ہوگئی کہ کئی سال گزر گئے۔اس سلسلہ میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-''کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا تھا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ حالت ابتر ہوتی جاتی تھی۔اس تکلیف کی وجہ سے پلکیں گرگئی تھیں''۔(نزول المسیح صفحہ ۲۳۰)۔اسی سلسلہ میں آپؓ کے ماموں ڈاکٹر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:-''آپؓ کی پلکوں کے کنارے سُرخ اور موٹے رہتے تھے اور آنکھوں سے پانی بہتا رہتا تھا''۔(سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۴۳)۔آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو آپؑ کو الہام ہؤا:- '' بَـرَّ قَ طِـفْـلِـي بشيـر ''یعنی ''میرے لڑکے بشیر کی آنکھیں اچھی ہوگئیں''۔(تذکرہ صفحہ ۳۳۳)۔اوپر درج یہ الہام قریباً ۱۸۹۸ء کا ہے جب کہ آپؓ کی عمر ۵ / سال کی تھی۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ:-''اس الہام کے ایک ہفتہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء دے دی اور آنکھیں تندرست ہوگئیں''۔(نزول المسیح صفحہ ۲۳۰)۔حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کی اسی بیماری کے بارہ میں ایک مرتبہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ وا لسلام نے احسان خداوندی کے طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:-

بشیر احمد جسے تُو نے پڑھایا
شفاء دی آنکھ کو بِینا بنایا (درثمین)

اپنی آنکھوں کی اسی بیماری سے شفایابی کے بارہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بھی اس الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

'' میری ظاہری آنکھیں تو بے شک صاف اور تندرست ہوگئیں اور میں نے خدا کے فضل سے حصہ پالیا اور میں اس کا شکر گزار ہوں لیکن اگر خدا کی بشارت صرف ظاہر تک محدود تھی تو خدا کی شان کے لحاظ سے یہ کوئی خاص لطف کی بات نہیں اور اس کے فضل کی تکمیل کا یہ تقاضا ہے کہ جس طرح ظاہر کی آنکھیں روشن ہوئیں۔اسی طرح دل کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور خدائی الہام میں تو آنکھوں کا لفظ بھی نہیں ہے۔ پس اے میرے آقا ! میں تیرے فضل پر امید رکھتا ہوں کہ جب میرے لئے تیرے دربار کی حاضری کا وقت آئے تو میری ظاہری آنکھوں کے ساتھ دل کی آنکھیں بھی روشن

ہوں۔نہیں! بلکہ جیسا کہ تیرے کلام میں اشارہ ہے میرا ہر ذرہ روشن ہو کر تیرے قدموں پر ہمیشہ کے لئے گر جائے۔ ؎ ایں است کامِ دل اگر آید میّسرم ''۔(سیرت المہدی جلد سوم صفحہ ۴۳)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ کے بچپن کے بارہ میں آپؓ کے ماموں جان حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی روایت ہے کہ:-

''اغلباً ۱۸۹۵ء میں جب کہ آپؓ کی عمر تقریباً تین سال کی تھی تو آپ کو شکر کھانے کی بہت عادت ہو گئی تھی۔ ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس پہنچتے اور ہاتھ پھیلا کر کہتے '' ابا چٹی ''۔حضرت صاحبؑ تصنیف میں بھی مصروف ہوتے تو کام چھوڑ کر فوراً اُٹھتے، کوٹھڑی میں جاتے، شکر نکال کر ان کو دیتے اور پھر تصنیف میں مصروف ہو جاتے۔ تھوڑی دیر میں میاں صاحب پھر دستِ سوال دراز کرتے ہوئے پہنچ جاتے اور کہتے ''ابا چٹی '' (''چٹی'' شکر کو کہتے تھے کیونکہ بولنا پورا نہ آتا تھا اور مراد یہ تھی کہ سفید رنگ کی شکر لینی ہے)۔حضرت صاحبؑ پھر اُٹھ کر ان کا سوال پورا کر دیتے۔ غرض اس طرح ان دنوں میں روزانہ کئی کئی دفعہ یہ ہیرا پھیری ہوتی رہتی تھی مگر حضرت صاحبؑ باوجود تصنیف میں سخت مصروف ہونے کے کچھ نہ فرماتے بلکہ ہر دفعہ ان کے کام کے لئے اُٹھتے تھے''۔(الفضل ۷؍ستمبر ۱۹۶۳ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جہاں اپنے بچوں سے بے حد پیار اور محبت تھی وہاں تربیت اولاد کے پہلو پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔جیسا کہ ایک روایت میں بیان ہے کہ:-

'' ایک مرتبہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد میں آ گئے اور اپنے ابا جان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ہو بیٹھے۔اور اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آ جانے پر دبی آواز سے کھل کھلا کر ہنس پڑتے تھے۔اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:-''مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے''-(فقہ احمدیہ ''عبادات'' صفحہ ۲۳۲)

آپؓ کے بچپن کے ہی دلچسپ واقعات کے بارہ میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں کہ :-

آپؓ حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن میں ''تُو'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے-حضرت اماں جان روکتی تھیں کہ اب تم '' تُو'' نہ کہا کرو تو حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ''تم روکو نہیں اس کے منہ سے مجھے'' تُو'' کہنا پیارا لگتا ہے''۔پھر ذرا بڑے ہوئے تو خود ہی '' تُو'' کہنا تو چھوڑ دیا مگر ایسا حجاب رہا کہ تم یا آپ بھی نہ کہا بس یونہی بات کر لیتے مگر تُو کی جگہ کچھ نہ کہتے۔طبیعت میں سنجیدگی اور حجاب بہت جلدی پیدا ہو گیا تھا۔بہت کم بولتے اور کم ہی بے تکلف ہو کر سامنے آتے تھے ویسے طبیعت میں لطیف مزاح بچپن سے اب تک تھا۔چپکے سے ایسی بات کرتے کہ سب ہنس پڑتے اور خود وہی سادہ سا منہ بنائے ہوتے۔حضرت اماں جانؓ فرماتی تھیں کہ اوّل تو بچوں کو کبھی میں نے مارا نہیں ویسے ہی کسی شوخی پر اگر دھمکایا بھی تو ''میرا بشریٰ '' ایسی بات کرتا کہ مجھے ہنسی آ جاتی اور غصہ دکھانے کی نوبت نہ آنے پاتی۔ایک دفعہ شائد کپڑے بھگو لینے پر ہاتھ اٹھا کر دھمکی دی تو بہت گھبرا کر کہنے لگے '' نہ اماں! کہیں چوڑیاں نہ ٹوٹ جائیں'' اور حضرت اماں جانؓ نے مسکرا کر ہاتھ نیچے کر لیا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۷)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچپن کے واقعات کا ذکر فرماتے

ہوئے مجھ سے ایک روز فرمانے لگے کہ:-

'' تمہارے ابا بچپن کی عمر میں حضرت صاحبؑ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام - ناقل) کو '' تُو '' کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک احمدی دوست نے سُن لیا تو اُس نے ڈانٹا کہ میاں! تمہارے ابا ہوں گے لیکن اگر پھر کبھی تم نے حضرت صاحبؑ کو '' تُو'' کہا تو میں ماروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اِس کا علم ہؤا تو فرمانے لگے:-''اِسے '' تُو '' کہنے دو ۔ مجھے اِس کے منہ سے اچھا لگتا ہے ''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴)

اسی طرح ایک اور دلچسپ واقعہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے منجھلے بڑے بھائی حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کے بعض دوسرے واقعات کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں کہ:-

'' میری ہوش میں پہلا نظارہ منجھلے بھائی کے بچپن کا جو مجھے بہت صاف یاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہیں باہر سے تشریف لائے تھے ۔گھر میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔ آپؑ آ کر بیٹھے میں پاس بیٹھ گئی اور سب مع حضرت اماں جانؓ بھی بیٹھے تھے کہ ایک فراخ سینہ، چوڑے منہ والا ہنس مکھ لڑکا سرخ چوگوشیہ مخملی ٹوپی پہنے بے حد خوشی کے اظہار کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے کھڑا ہو کر اچھلنے کودنے لگا۔ یہ میرے منجھلے بھائی تھے- حضرت اقدسؑ مسکرا رہے ہیں، دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ '' جاٹ ہے جاٹ''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۷)

حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ:-

''حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سیر کے لئے تشریف لے گئے ۔ابھی تھوڑا سا دن چڑھا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ پندرہ سولہ احباب ساتھ تھے کہ پیچھے سے اور بہت سے آ ملے۔ خلیفہ الثانی (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ۔ ناقل)، حضرت مرزا بشیر احمد بھی آ گئے اور ایک دو لڑکے اور بھی ان کے ساتھ تھے۔ چھوٹی عمر تھی ، ننگے پاؤں اور ننگے سر میاں بشیر احمد صاحب تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے تبسم فرما کر فرمایا ''میاں بشیر! جوتی ،ٹوپی کہاں ہے؟ کہاں پھینک آئے ؟''۔ میاں بشیر احمد نے کچھ جواب نہ دیا اور ہنس کر بچوں سے کھیلتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور کچھ فاصلہ پر آگے چلے گئے ۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر فرمایا کہ ''عجیب حالت ہوتی ہے بچوں کی ۔ابھی چند دن پہلے یہ رو رہا تھا کہ مجھے نیا جوتا لے دیں اور بہت ضد کر رہا تھا۔ میں نے نیا جوتا لے کے دیا لیکن اس کو اب ہوش ہی کوئی نہیں۔ وہ جوتا ایک طرف پھینک دیا ہے اور خود دوڑے پھرتا ہے ننگے پاؤں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات پر بہت ہنس رہے تھے۔ پھر ایک خادم نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھاگ کر جا کے ان کا جوتا گھر سے اٹھا لاؤں ؟ ۔آپؑ نے فرمایا '' نہیں ! تکلیف نہ کرو۔ جس طرح کھیلتا ہے کھیلنے دو''۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ ۳۷۰-۳۷۱)

یہاں مجھے یاد آیا کہ حضرت میاں صاحب اپنے گھر کے اندرونی کمروں میں ننگے پاؤں ہی چہل قدمی فرمایا کرتے تھے۔ البتہ غسلخانہ جاتے وقت یا گھر میں ادھر ادھر آتے جاتے BATA باٹا کمپنی لاہور کے سلیپر استعمال کیا کرتے تھے۔ البتہ سردیوں میں اون کی بنی ہوئی جرابیں اور اون کے بنے ہوئے سلیپر یا اون کے بنے ہوئے بوٹ پہن لیا کرتے تھے۔

☆

تعلیمی سرگرمیاں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا کرتے تھے اوراس سلسلہ میں قرآن کریم کی تعلیم کو اولیت حاصل تھی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچوں میں سے حضرت سیدنا مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو حضرت حافظ احمد اللہ صاحبؓ نے قرآن شریف پڑھایا تھا لیکن حضرت سیدنا قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؓ کے دوسرے چھوٹے بہن بھائیوں کو قرآن شریف پڑھانے کی سعادت حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصنف ''قاعدہ یسرنا القرآن'' کو حاصل ہوئی۔ جون ۱۹۵۰ء میں حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کی وفات پر حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

'' حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کا بہت موقع ملا ہے اور اسی شوق میں انہوں نے خوش نویسی سیکھی تا کہ حضورؑ کی کتابوں کی کتابت حضورؑ کے منشا کے مطابق بہترین صورت میں ہو سکے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی کتابوں کے ایڈیشن اول پیر صاحبؓ مرحوم ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور ان کی کتابت کی خوبی اور دیدہ زیبی ظاہر وعیاں ہے۔ اس کے بعد جب پیر صاحبؓ مرحوم جوڑوں کی درد کی وجہ سے معذور ہو گئے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منظوری سے حضورؑ کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا چنانچہ ہم سب بہن بھائیوں کو پیر صاحبؓ نے ہی قرآن ناظرہ پڑھایا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مشہور نظم ''آمین'' میں پیر صاحبؓ کے طریقہ تعلیم کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ ''قاعدہ یسرنا القرآن'' جس نے بعد میں اتنی زیادہ شہرت حاصل کی وہ ہم بہن بھائیوں کی تعلیم کی غرض سے ہی ایجاد کیا گیا تھا اور خدا کے فضل سے اس قاعدہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ لاکھوں احمدیوں اور غیر احمدیوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے اور اس وقت تک اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں''۔ (الفضل مؤرخہ ۲۳/جون ۱۹۵۰ صفحہ ۲)

سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ تعلیم اور آپؓ کے ایجاد کردہ قاعدہ یسرنا القرآن کی تعریف میں فرمایا:-'' قاعدہ یسرنا القرآن بچوں کے لئے بے شک مفید چیز ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ تعلیم خیال میں نہیں آتا''۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۲-۲۴۳)۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چند اشعار میں اس قاعدہ کے موجد اور مصنف حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ اور اپنے بچوں کے تمام اساتذہ کو بھی خوب داد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

پڑھایا جس نے اُس پر بھی کرم کر
جزا دے دین اور دُنیا میں بہتر
رہ تعلیم اک تُو نے بتا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِی اَخْزَی الاَعَادِی (درثمین)

الفضل میں درج ہے کہ جب:-

''حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ختم القرآن کے کئی سال بعد جب آپؓ کے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور آپؓ کی چھوٹی بہن حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے بھی قرآن مجید پڑھ لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خوشی اور مسرت کے موقعہ پر اپنے ان تینوں بچوں کی مشترکہ آمین کی تقریب منعقد فرمائی جس میں حضور اقدسؑ نے دوستوں کو ایک پُرتکلف دعوت دی اور یتامیٰ اور مساکین کو کھانا کھلایا''۔(الفضل ۲۳؍جون ۱۹۵۰ء)۔اسی بابرکت تقریب کے موقعہ پر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے عرض کیا کہ حضور! یہ آمین کوئی رسم ہے یا کچھ اور چیز ہے؟ اس پر آپؑ نے فرمایا:-

'' اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لا انتہا فضل اور انعام ہیں۔اُن کی تحدیث مجھ پر فرض ہے۔پس جب میں کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہؤا ہے۔یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہے اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنا فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا کہ اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا شکر یہ بھی ہو لکھ دوں۔میں اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں۔میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کروں۔پس یہ میری نیت اور غرض تھی''۔ (الحکم ۱۰؍ اپریل ۱۹۰۳ء)

اس دعائیہ منظوم کلام کے لئے میسر ہونے والی تائید ایزدی کے بارہ میں حضرت اقدس مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ :-'' میں نے اس کو شروع کیا اور جب یہ مصرعہ لکھا

ہر اک نیکی کی جڑھ یہ اتقا ہے (درثمین)

تو دوسرا مصرعہ الہام ہؤا

اگر یہ جڑھ رہی سب کچھ رہا ہے (درثمین)

جس سے معلوم ہؤا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہؤا ہے''۔(الحکم ۳۰؍نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴)

خدا تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تمام دعائیں پوری ہو چکی ہیں لہذا انہی بابرکت دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب '' درِّ مکنون '' میں تحریر فرمایا:-

'' اپنے بچوں کی آمینوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خصوصیت سے اپنی اولاد کے لئے اس درد و سوز اور اس آہ و زاری کے ساتھ دعائیں کی ہیں کہ میں جب بھی انہیں پڑھتا ہوں تو اپنے نفس میں شرمندہ ہو کر خیال کرتا ہوں کہ شاید ہماری کمزوریاں تو اِن دعاؤں اور بشارتوں کی حقدار نہ ہوں مگر پھر کہتا ہوں کہ خدا کی دَین کو کون روک سکتا ہے؟ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس عجیب وغریب شعر کو یاد کرتا ہوں کہ:-

تیرے اے میرے مربی کیا عجائب کام ہیں
گرچہ بھاگیں - جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار (درثمین)

(درمکنون صفحہ ۹۱)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی مرتبہ مجھ عاجز خاکسار کو بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

ان نیک اور پاکیزہ دعاؤں کی قبولیت کے مختلف واقعات سنائے۔اسی طرح آپؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا:-

’’ حق یہ ہے کہ مجھے تو بچپن سے آج تک کسی دجالی یا کسی قسم کی مادی طاقت نے مرعوب نہیں کیا اور میں ہمیشہ نہ صرف کامل ایمان کے ساتھ بلکہ کامل بصیرت کے ساتھ بھی صداقت کی آخری فتح کا یقین رکھتا رہا ہوں مگر یہ بات میری کسی خوبی کی وجہ سے نہیں ہے (ورنہ من آنم کہ من دانم) بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دردمندانہ دعا کی وجہ سے ہے جو حضورؑ نے آج سے پچپن سال پہلے اپنے خوردسالہ بچوں کے لئے فرمائی کہ:-نہ آوے ان کے گھر تک رعبِ دجال ‘‘-(الفضل ۲۶ردسمبر ۱۹۵۴)

اسی طرح آپؓ نے اس شکر گزاری کو اپنی کتاب ’’درمکنون کے صفحہ ۹۰ پر بھی تحریر فرمایا:-

’’ آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں نے ہمارا اِس طرح ساتھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل اِس طرح ہمارے شامل حال رہا ہے کہ اس کے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ

اگر ہر بال ہو جائے سخنور
تو پھر بھی شُکر امکاں سے ہے باہر (درثمین)

(درمکنون صفحہ ۹۰)

بچپن کے ختم القرآن کے بعد مزید تعلیم القرآن کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ میر محمود احمد ناصر صاحب ایک قابل تقلید روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لاہور میں گورنمنٹ کالج کی تعلیم کو خیر باد کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ:-’’کسی طالب علم نے اسلام یا احمدیت کے متعلق کوئی ایسا سوال کیا کہ جس کا فوری طور پر آپؓ جواب نہ دے سکے۔اس کا آپؓ کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آپ نے کالج چھوڑ دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں قرآن پورے طور پر نہ پڑھ لوں گا ،میں کالج میں نہیں آؤں گا‘‘۔(حیات بشیر صفحہ ۲۸)

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے (درثمین)

یہ شعر اپنے مفہوم کی بدولت ہر احمدی کی جان ہے اور آپؓ نے کالج چونکہ صرف قرآن کریم پڑھنے کے لئے چھوڑا تھا اس لئے سیدنا حضرت نور الدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؓ کے اس پُرخلوص جذبہ کی خصوصی قدر فرماتے ہوئے آپؓ کے لئے ایک الگ درس کا انتظام کیا۔البدر میں درج ہے کہ:-

’’حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو ایک جماعت کے سامنے صبح بعد نماز فجر حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ایک درس قرآن شریف کا دینا شروع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بیرونی اصحاب جو اس موقعہ پر آسکتے ہیں آکر شامل ہو جائیں۔دو رکوع روزانہ ہوتے ہیں-اس کے علاوہ ایک درس بعد نماز عصر اور ایک درس بعد مغرب ہوتا ہے۔ہر سہ میں شامل ہونے سے بہت جلد قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے‘‘۔(اخبار البدر ۲۷ر فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۶)

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام زندگی محبت الٰہی، عشق رسول اللہ ﷺ اور اطاعت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز تلاوت قرآن مجید میں ہی گزری۔ اسلام اور احمدیت سے آپؓ کی اسی پُرخلوص عقیدت اور سچی محبت کو دیکھ کر ہی تو حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا تھا:-

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے

ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقیں بودے (نشان آسمانی-صفحہ ۴۶)

یعنی ” کیا ہی اچھا ہوا گرامت میں سے ہر ایک نور الدین بن جائے اور ضرور ہے کہ ایسا ہی ہوا گر ہر ایک دل نورالدین کے دل کی طرح یقین سے پُر ہو جائے“۔

اور پھر حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کی قرآن شریف کی اسی محبت کے بارہ میں مزید فرمایا:-

” اس کو قرآن کریم کے دقائق کے استخراج میں اور فرقان حمید کے حقائق کے خزانوں کو پھیلانے میں عجیب ملکہ ہے۔ بلاشبہ وہ مشکوٰۃ کے انوار سے منور ہے اور اپنی پاک طینی اور شان مردی کے مناسب نبی ﷺ کے نُور سے نُور لیتا ہے۔ وہ ایک عجیب وغریب مرد ہے۔ اس کے ایک ایک لمحہ کے ساتھ انوار کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے ایک ایک لمحہ کے ساتھ فکروں کے مشرب پُھوٹتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطاء کرتا ہے اور خدا تعالیٰ خیر الواھبین ہے“۔ (آئینہ کمالات اسلام- روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۸۴-۵۸۵)

قرآن حکیم سے اپنی محبت کے بارہ میں حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا:-

” قرآن میری غذا ، میری تسلی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک اس کو کئی بار مختلف رنگوں میں پڑھ نہیں لیتا مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔ بچپن سے ہی میری طبیعت، خدا نے قرآن شریف پر تدبر کرنے والی بنائی ہے اور میں ہمیشہ دیر دیر تک قرآن شریف کے عجائبات اور بلند پروازیوں پر غور کرتا ہوں“۔ (ترجمۃ القرآن- پارہ ۲۸/ از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ)۔ ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا کہ:-” میرا تو اعتقاد ہے کہ اس کتاب کا ایک رکوع انسان کو بادشاہ سے بڑھ کر خوش قسمت بنا دیتا ہے“۔ (البدر قادیان مؤرخہ ۷/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ایک)۔ پھر قرآن مجید کی محبت میں غرقاب ہو کر مزید فرمایا:-” قرآن شریف کے ساتھ مجھ کو اس قدر محبت ہے کہ بعض وقت تو حروف کے گول گول دائرے مجھے زلف محبوب نظر آتے ہیں اور میرے مونہہ سے قرآن کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور میرے سینہ میں قرآن کا ایک باغ لگا ہوا ہے۔ بعض وقت تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ کس طرح اس کے معارف بیان کروں“۔ (البدر قادیان مؤرخہ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳)- پھر فرمایا:-” مجھے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں لگتی۔ ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں ان سب میں مجھے خدا ہی کی کتاب پسند آئی“۔ (البدر قادیان مؤرخہ ۱۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷)- اسی طرح ایک موقعہ پر مزید فرمایا کہ:-” مجھے قرآن مجید سے محبت ہے اور بہت محبت ہے۔ قرآن مجید میری غذا ہے۔ میں سخت کمزور ہوتا ہوں، قرآن مجید پڑھتے پڑھتے مجھ میں طاقت آ جاتی ہے“۔ (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۶/ مئی ۱۹۹۰ء صفحہ ۷)

قرآن مجید سے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اسی ازلی اور ابدی محبت کی وجہ سے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے از خود اپنے آپ کو حضرت سیدنا مولوی نورالدین صاحب بھیروی خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت اقدس میں قرآنی علوم کے حصول کے لئے پیش کر دیا۔ اسی سلسلہ میں حضرت قاضی محمد اکمل صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمایا:-

” کالج تو پھر بھی مل جائے گا مگر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ممکن ہے کہ قرآن مجید و حدیث پڑھنے کا اور وہ بھی نورالدینؓ جیسے پاک انسان سے پھر موقعہ

نہ مل سکے۔اس لئے میں نے یہی بہتر جانا''۔(رسالہ تشحیذ الاذہان ماہ مارچ ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۵۴)

اپنے بچپن میں ایک دن حضرت میاں صاحبؓ چارپائی پر اُلٹی سیدھی چھلانگیں لگا رہے تھے اور قلابازیاں کھا رہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ لیا اور متبسم ہو کر حضرت ام المؤمنین اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:-''دیکھو یہ کیا کر رہا ہے ؟ اسے ایم۔اے (.M.A) کرانا''-(سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ۵۳)۔یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس برگزیدہ نبی کو اس بات کا بھی بخوبی علم تھا کہ جب آپؓ کا یہ عزیز بیٹا اس عمر تک پہنچے گا تو اس وقت آپؑ اس دنیا میں نہیں ہوں گے لیکن آپؑ کو خدا کے فضل سے یہ بھی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق ان دونوں ماں بیٹے کو اپنے فضل سے ضرور لمبی عمر عطا فرمائے گا اور ایک دن میرا یہ لائق اور ہونہار بیٹا ایم۔اے کے امتحان میں میری زوجہ سیدہ نصرت جہان بیگم صاحبہ یعنی حضرت ام المؤمنین اماں جانؓ کے جیتے جاگتے ہی ضرور کامیاب بھی ہو گا یعنی یہ پیشگوئی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی مزید ایک اور نشانی ہے۔حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی تعلیم کے سلسلہ میں ''حیات بشیر''میں درج ہے کہ:-

''آپؓ کی تعلیم کا آغاز تو ناظرہ قرآن شریف سے ہو ہی چکا تھا لیکن دنیاوی تعلیم کے لئے مدرسہ تعلیم الاسلام میں آپ کا داخلہ ۱۹۰۰ء میں ہوُا اور اس کی تصدیق حضرت قاضی محمد اکمل صاحبؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ ۱۹۰۶ء کے شروع میں قادیان تشریف لے گئے تو انہوں نے آپؓ سے ملاقات بھی کی اور پوچھا کہ آپؓ کون سی جماعت میں پڑھتے ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا ''ساتویں جماعت میں'' ۔(حیاتِ بشیر صفحہ ۱۶)

تعلیم وتربیت اور لکھائی پڑھائی کے تعلق میں یہاں یہ بات بھی نہایت قابل ذکر ہے کہ ابھی آپؓ نے میٹرک ہی پاس کیا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جذبہ کے ماتحت آپؓ نے اپنے دوستوں کو وعظ و نصیحت کے خطوط لکھنے شروع کر دئے۔اس سے ہی احباب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوائل جوانی میں ہی آپؓ کو کیسی پاکیزہ فطرت عطا فرمائی تھی۔حضرت میاں صاحبؓ کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارہ میں حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی پاکیزہ زندگی سنِ شعور سے لے کر دم واپسیں تک ہمارے لئے ایک نیک نمونہ اور مشعلِ راہ رہی۔جب تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹریکولیشن کی سند حاصل کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ کالج میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے لاہور تشریف لائے تو خاکسار بھی گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ان ایام میں بعض پہلوؤں سے سلسلے کی مخالفت اور جماعت کے ساتھ عناد شدت کا رنگ لئے ہوئے تھے لیکن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا نیک کردار، آپ کا حُسنِ سلوک، اعلیٰ خلق اور وقار وہ درجہ رکھتے تھے کہ نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ بھی آپ کے ساتھ تلطّف کے ساتھ پیش آتے تھے اور آپؓ کا احترام کرتے تھے۔پروفیسروں میں سے مسٹر جی۔اے۔دادن صاحب تو خاص طور پر آپؓ کے مداح تھے۔کالج کے زمانے میں صاحبزادہ صاحبؓ نہ صرف جماعت میں حاضری کی پابندی کرتے تھے اور مطالعہ میں توجہ سے مصروفیت رکھتے تھے بلکہ کالج کے دیگر جائز مشاغل میں بھی مناسب حصہ لیتے تھے۔خاکسار کو یاد پڑتا ہے کہ کھیل تفریح میں سے فٹ بال میں آپؓ شریک ہوُا کرتے تھے۔

موجودہ صورت سے تو خاکسار واقف نہیں لیکن اس زمانے میں کالج کے ابتدائی سالوں میں ہوسٹل میں رہنے والے طلباء کو سات دیگر طلباء کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا ہوتا تھا۔صاحبزادہ صاحبؓ بھی چونکہ ہوسٹل میں قیام پذیر تھے اس لئے انہیں بھی یہی صورت درپیش تھی جس میں انہیں خلافِ

معمول دقتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔کھانے کا انتظام بھی ان دنوں ہوسٹل میں کوئی ایسا تسلی بخش نہیں تھا، دو وقت سالن اور چپاتی پر گذران تھی لیکن صاحبزادہ صاحبؓ نے اپنا وقت کالج اور ہوسٹل میں نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے گزارا۔نہ ماتھے پر شکن آیا نہ زبان پر حرفِ شکایت۔حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوسطاً ہر مہینے آپ کے لئے خشک میوہ ایک کنستر بھر کر ارسال فرمادیا کرتی تھیں لیکن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ اپنے سب دوستوں کو اس میں شریک فرمالیا کرتے تھے۔خاکسار کا اندازہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا حصہ اس تبرک میں صاحبزادہ صاحبؓ کے حصے سے کہیں بڑھ کر ہوا کرتا تھا۔غرض کالج کے تمام زمانے میں اگرچہ صاحبزادہ صاحبؓ کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا لیکن آپؓ نے اپنے لئے کسی خصوصیت یا امتیاز کی نہ خواہش کی نہ اسے پسند فرمایا۔قناعت،فروتنی،حلم اور مسکنت کو شعار رکھا اور یہ صفات عمر بھر آپؓ کا امتیاز رہیں'' ۔(حیات بشیر صفحہ ۷)

حضرت قمرالانبیاءؓ نے ۱۹۱۲ء میں ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور پھر اسی سال بی۔اے میں داخلہ لے لیا۔قرآن مجید کی تعلیم کے حصول کے بعد آپؓ نے پرائیویٹ تیاری کرکے بی۔اے کا امتحان ۱۹۱۴ء میں پاس کیا۔اس امتحان میں کامیابی کے لئے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ سابق مبلغ امریکہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت منشی محمد اسماعیل صاحبؓ کو بھی دعا کی تحریک کی۔حضرت منشی محمد اسماعیل صاحبؓ نے دعا کی تو دیکھا کہ:-

''ایک شخص نے ایک چھوٹا سا گول شیشہ اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میاں (حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ) کا اس امتحان میں پاس ہونا تو اتنا مشکل ہے کہ جتنا اس سوراخ میں سے گزرنا مگر ہم میاں کو پاس کر دیں گے لیکن قاضی صاحب کے متعلق پھر دیکھا جائے گا''۔جب حضرت میاں صاحبؓ کو یہ خواب سنائی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ: ''میرا ایک پرچہ اتنا خراب ہوگیا ہے کہ کوئی عقلمند مجھے اس میں پاس نہیں کرسکتا''۔لیکن جب نتیجہ نکلا تو آپؓ پاس ہوگئے اور حضرت قاضی صاحبؓ کی کمپارٹ آگئی''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۲۷ر ستمبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۱۴)

بہرحال اس امتحان میں کامیابی کے بعد حضرت قمرالانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ نے ایم۔اے عربی کی پرائیویٹ تیاری کرکے امتحان دیا اور اس میں بھی آپؓ کو کامیابی نصیب ہوئی اور مئی ۱۹۱۶ء میں آپ کو اس کی ڈگری مل گئی۔ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں اوپر ادارہ تعلیم الاسلام کے بارہ میں بات چل نکلی تھی۔اس لئے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے دست مبارک سے اس عظیم الشان ادارہ کی بنیاد رکھی لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد اس کی عمارت سکول میں بڑھتے ہوئے طلباً کے لئے ناکافی ثابت ہوئی تو مؤرخہ ۲۵ر جولائی ۱۹۱۲ء کو سیدنا حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی ایک نئی اور وسیع عمارت کا سنگ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔یہ بنیاد بیک وقت تین جگہ رکھی گئی یعنی عمارت کے مشرقی اور مغربی کونوں پر اور درمیانی ہال کے مشرقی کونے پر۔حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ اپنے دستِ مبارک سے اینٹ رکھتے اور پھر تین اینٹیں حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ ،حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ سے رکھواتے اور اول وآخر بہت دعا کی جاتی۔اس طرح اس عمارت کی سنگ بنیاد پر چھ بار پاکیزہ دعائیں کی گئیں۔اس تعلیمی ادارہ کے ساتھ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں کیونکہ اسی ادارہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہ صرف تعلیم حاصل کی تھی بلکہ:-

☆'' ۱۹۱۳ء سے آپؓ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں عارضی طور پر مدرس کا کام سنبھال لیا''۔(اخبار البدر ۵ر جون ۱۹۱۳ء) ۔☆''مارچ

۱۹۱۵ء میں آپؓ کو اسی ادارہ کا پرنسپل مقرر کیا گیا ''۔(ضمیمہ الفضل ۸/اپریل ۱۹۱۵ء)۔☆''۱۹۱۷ء کے دوران آپؓ کو مینیجر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان مقرر کیا گیا''۔(ریزولیوشن نمبر ۷ مؤرخہ ۲۰/جنوری ۱۹۱۸ء)۔☆''۱۹۱۸ء میں آپؓ کو مدرسہ احمدیہ قادیان اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا افسر تعلیم مقرر کیا گیا''۔(رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۷/اکتوبر تا ۱۸/دسمبر صفحہ ۱۵)۔☆''۱۹۲۱ء میں حضور ایدہ اللہ نے آپؓ کو ناظر تعلیم و تربیت صدر انجمن احمدیہ قادیان مقرر فرمایا''۔(الفضل ۶/جنوری ۱۹۲۱ء)

تو تب بطور ناظر تعلیم و تربیت قادیان دارالامان کے تمام تعلیمی ادارے آپؓ کے زیر سرپرستی آ گئے۔ایک دفعہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے ہیڈ ماسٹر مکرم میاں محمد ابراہیم جمونی صاحب (وفات ۲۰۰۱ء) کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:-

'' مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ترقی اور نتائج کی بہتری کے ساتھ بے حد دلچسپی ہے کیونکہ میں خود اس سکول کا طالب علم رہا ہوں بلکہ اس سکول میں پڑھاتا بھی رہا ہوں اور کافی لمبے عرصہ تک مینیجر بھی رہا ہوں اور پھر ناظر تعلیم بھی رہا ہوں- میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں---کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس سکول کو ایسی ترقی دے کہ وہ ایک مثالی درس گاہ بن جائے۔اس میں تعلیم پانے والے بچے اخلاق اور دینداری میں نمونہ بنیں۔اس کے نتائج بہترین ہوں اور کمیت اور کیفیت، ہر دو لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوں مگر اللہ تعالیٰ کی سنت کے ماتحت یہ بات صرف دعا سے حاصل نہیں ہوسکتی۔اس میں بہت سی دوسری باتوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور خصوصاً اساتذہ کرام کی کوشش اور توجہ اور پھر طلبا کی کوشش اور توجہ کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔بہر حال میں دعا کرتا ہوں اور انشاء اللہ کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اس سکول کو ہر رنگ میں انتہائی ترقی دے اور ہماری یہ درسگاہ حقیقی معنوں میں اور ہر جہت سے ایک مثالی درسگاہ بن جائے''۔(حیات بشیر صفحہ ۳۴۸-۳۴۹)

اس سکول کے اعلیٰ معیار اور اساتذہ کی وسعت قلبی کا اظہار کرتے ہوئے مکرم میاں شریف احمد بانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:-

''ہم سب بہن بھائی قادیان کے سکولوں میں تعلیم پاتے رہے۔میں اس وقت کے تعلیمی ماحول اور اساتذہ اور طلبا کے مابین تعلقات کو دیکھتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ محبت کا ماحول تھا۔ہمارے اساتذہ انسان نہیں فرشتے تھے-اساتذہ کی ایسی شفقت اور محبت کہ سگے والدین بھی کیا کرتے ہوں گے۔اساتذہ کو ہماری تعلیم کی اتنی فکر ہوتی تھی کہ آج کل ماں باپ کو اتنی فکر نہیں ہوتی۔اُس زمانہ میں ٹیوشن کا تو کوئی تصور ہی نہ تھا-اساتذہ کی دعوتِ عام تھی کہ کمزور طلبا مغرب اور عشاءؑ کے بعد ان کے گھر آ کر مدد لے سکتے ہیں اور جو بچے اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے تھے، اُن کو اپنے پاس سے چائے بھی پلاتے تھے اور تواضع کرتے تھے۔جب سکول کے وہ دن یاد آتے ہیں تو بے اختیار ان بزرگوں کے لئے مونہہ سے دعائیں نکلتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان سے پیار اور محبت کا سلوک فرمائے اور اُن کی اولادوں کو دین و دنیا میں سرخُرو فرمائے۔آمین''۔(تابعین اصحاب احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۳-۱۶۴)

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں سب سے پہلے یہ ہائی سکول چنیوٹ میں قائم ہوا تھا لہذا مکرم میاں شریف احمد بانی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' قادیان سے ہجرت کے بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول تھوڑے عرصہ کے لئے چنیوٹ میں جاری رہا۔ربوہ ابھی آباد نہیں ہوا تھا۔ایک ہندو سکول کی عمارت ہمارے سکول کو الاٹ ہوئی۔خاکسار کو بھی اس بے سروسامانی کی حالت میں اس سکول میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔فسادات میں اس عمارت میں بہت توڑ پھوڑ ہوئی تھی۔کوئی دروازہ، کھڑکی سلامت نہ تھے۔بیٹھنے کے لئے کوئی کرسی یا بینچ نہ تھا۔سکول چند طلبا پر مشتمل تھا۔میں ساتویں جماعت میں تھا جس میں ہم صرف تین طلبا تھے۔آٹھویں جماعت میں میرے ماموں محمود احمد صاحب واحد طالب علم تھے۔ایسا ہی حال باقی جماعتوں کا تھا کہ کسی میں تین، کسی میں چار طالب علم تھے۔حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ہیڈ ماسٹر تھے۔جب پہلی ٹرین ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر گئی تھی تو

ہمارے سکول اور جامعہ کے طلبا بڑے ذوق وشوق سے ٹرین پر سوار ہوئے اور ہم لوگوں نے چنیوٹ سے ربوہ تک کا سفر نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں طے کیا۔ آج بھی جب میں اس سفر کا تصور کرتا ہوں تو ایک عجیب لطف کا احساس ہوتا ہے‘‘۔(تابعین اصحاب احمدؑ۔ جلد۱۰ صفحہ ۱۶۵-۱۶۶)

اسی سلسلہ میں میرے سب سے بڑے بہنوئی مکرم برادرم قاضی مبارک احمد صابر صاحب قریشی ابن قاضی دین محمد صاحب قریشی قادیانی (۱۸۹۷ء-۱۹۷۶ء) بیان کرتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد ہم سب قادیان سے ہجرت کر کے لاہور میں آ گئے اور رتن باغ میں قیام کیا لیکن ربوہ کے آباد ہو جانے پر یہاں آ ڈیرہ جمایا لیکن اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک بھی ہم سب طالبعلم ٹولیوں کی صورت میں سائیکل پر یا پیدل ربوہ سے چنیوٹ جا کر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ ربوہ کے آباد ہونے پر قادیان کے انہی اداروں کی یاد میں ربوہ میں بھی تعلیم الاسلام پرائمری سکول، تعلیم الاسلام ہائی سکول اور تعلیم الاسلام کالج نیز تعلیم الاسلام ڈگری کالج قائم کئے گئے کہ جن میں تعلیم پانے کا شرف خاکسار مؤلف کتاب ہذا کو بھی حاصل ہوا۔ قصہ یہ کہ ان تعلیمی اداروں کے اعلیٰ تعلیمی ماحول کا جو عمدہ اثر ربوہ کے قرب وجوار میں رہنے والے عوام پر پڑا۔ اس کے بارہ میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں خاکسار کے شعبہ تاریخ کے استاد جناب پروفیسر سعود احمد خان دہلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

’’ ربوہ کے آباد ہو جانے سے قبل جھنگ کا ضلع پنجاب کا پسماندہ علاقہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کم از کم ربوہ کی وجہ سے ماحول میں ایک عظیم تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ ربوہ ایک لمبے عرصہ تک لالیاں تھانہ کی ایک چوکی کا قصبہ سمجھا جاتا تھا لیکن فی کس یہاں کی آبادی کا مزاج، علمی سطح، رہن سہن، معشیت اور معاشرت کسی صورت میں کسی شہری زندگی سے کم نہ رہا اور ربوہ کے اس تمدنی معیار کا اثر اس کے ماحول اور دیہات کی اقتصادی اور معاشرتی خوشحالی پر پڑا ہے۔ یہاں کے بے شمار نوجوان ربوہ کے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا کر ملک کی فوجی خدمات اور سول انتظامیہ میں اعلیٰ مناصب ادا کرنے کے قابل ہو گئے ہیں اور اردگرد کا تعلیمی شوق اتنا بڑھا کہ پہلے چنیوٹ میں لڑکے اور لڑکیوں کے کالج قائم ہوئے اور اب لالیاں میں بھی انٹر کالج کھل گیا ہے اور بعض دیہات میں بھی ہائی سکول کا درجہ ہائر سیکنڈری تک بڑھا دیا گیا ہے۔

کھیلوں اور جسمانی صحت کے فروغ میں تمام ملک میں ربوہ نے اپنا کردار ادا کیا ہے چنانچہ باسکٹ بال تو گویا یہاں ایک خصوصی کھیل بن گیا اور یہاں کے نوجوانوں نے نہ صرف قومی سطح پر پاکستان کی ٹیم میں بیرون ملک جا کر وطن عزیز کی نمائندگی کی بلکہ باسکٹ بال کی ملکی انتظامیہ نے میزبانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے غالباً پہلی بار ملک میں کسی کھیل کے لئے فلڈ لائیٹس FLOOD LIGHTS کا انتظام کیا۔ اس طرح کل پاکستان کبڈی ٹورنامنٹ بھی منعقد ہوئے اور گھڑ دوڑ کے مقابلوں کا بھی نہایت خوش اسلوبی سے اہتمام ہوتا رہا اور سب سے نمایاں پہلو اِن مقابلہ جات میں یہ تھا کہ کبھی امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ اتنے پُرامن ماحول میں شاید ہی پاکستان میں کوئی میلہ یا تفریحی اجتماع ہوا ہوگا کیونکہ اہل ربوہ کو اس پُرامن زندگی کا لمبا تجربہ ہے جو کہ سالانہ جلسوں کے انعقاد کے ذریعہ ایک صدی سے بھی زائد عرصہ پر محیط ہے جبکہ ربوہ کے آخری سالانہ جلسوں میں تو لاکھوں انسان شرکت کرتے رہے ہیں۔ کھیلوں کے ضمن میں تعلیم السلام کالج کشتی رانی کے مقابلہ میں ہمیشہ نمایاں حیثیت کا حامل رہا اور لگا تار کئی سال تک اس کی ٹرافی جیتتا رہا‘‘۔(الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۴؍دسمبر ۱۹۹۸ء)

کالج کے حسن کارکردگی، علمی واخلاقی ماحول کے بارہ میں ملک کے ارباب بسط وکشاد اور دانشور جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے تاثرات کا جو اظہار کرتے رہے ان میں سے بعض نمونہ کے طور پر حسب ذیل ہیں۔ پروفیسر سراج الدین صاحب سیکرٹری محکمہ تعلیم پنجاب فرماتے ہیں:-

’’ جب میں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان اور امریکہ میں علم کی ترویج کے فروغ کے متعلق انسانوں میں وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے کہ

جنہوں نے صرف خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمبرج اور ہاورڈ میں کالج قائم کئے۔ خالصتہً ذاتی عزم و ہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں، استعجاب اور رشک کے جذبات کا ابھرنا ایک قدرتی امر ہے۔آپ کے امام جماعت (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔ناقل) کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے، آپ کے پرنسپل صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۔ناقل) اور ممبران سٹاف جیسے ماہرین تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں''۔(تاریخ احمدیت۔جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۰ -۱۵۸)

ان کے علاوہ جناب ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی صاحب وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائل پور نے فرمایا:-'' آپ لوگ اپنی قومی زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین وقابل ستائش ہے''۔(تاریخ احمدیت جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۱)۔جناب عبدالحمید صاحب دستی، وزیر تعلیم مغربی پاکستان نے اپنے خطبہ تقسیم اسناد میں فرمایا:-'' تعلیم الاسلام کالج کی اسلامی روایات قابل تقلید وستائش ہیں۔پرنسپل میاں ناصر احمد (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ- ناقل) کی مساعی ادارے کی ہر نوع میں تعمیر کے متعلق مبارکباد کی مستحق ہیں۔ادارے کے معائنہ سے مجھے اطمینان اور راحت نصیب ہوئی۔اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو برکت عطا فرمائے''۔(تاریخ احمدیت۔جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۲)۔جناب جسٹس انوارالحق صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان نے فرمایا:-'' آج آپ کے ادارے میں آکر میری اپنی طالب علمی کا دور میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔آکسفورڈ جیسی فضا دیکھ کر میرے دل میں پرانی یادیں تازہ ہوگئی ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۸ ردسمبر ۱۹۶۲ء)

مجھے یاد ہے کہ مارچ ۱۹۵۹ء مَیں جب مَیں نے تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں داخلہ لیا تھا تو ان دنوں پڑھائی کے آغاز سے قبل تمام سکول کے بچوں اور اساتذہ کے سامنے اسمبلی میں سب سے پہلے تلاوت قرآن مجید ہوا کرتی تھی، اس کے بعد عموماً درج ذیل نظم بے حد ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی تھی:-

ہم احمدی بچے ہیں کچھ کر کے دکھا دیں گے　　شیطاں کی حکومت کو دنیا سے مٹا دیں گے
ہر سمت پکاریں گے دنیا میں نذیر آیا　　ہر ایک کو جا جا کر پیغام خدا دیں گے
کہتی ہے غلط دنیا عیسیٰ ہے ابھی زندہ　　برہان توفی کی قرآں سے بتا دیں گے
نکلیں گے زمانے میں ہم شمع ہدیٰ لے کر　　ظلمات مٹادیں گے نوروں سے بسا دیں گے
اے شآد گماں مت کر کمزور نہیں ہیں ہم　　جب وقت پڑا اپنی جانیں بھی گنوا دیں گے

(شاد)

اس نظم کا طرز کلام ہندوستان کی مغنیہ شمشاد بیگم صاحبہ کی گائی ہوئی ایک نعت کے مطابق تھا:-

سرکار دو عالم کی امت پہ ستم کیوں ہو ؟　　فریاد ہے دل والو ! فریاد ہے دل والو!

یا پھر کبھی علامہ شیخ محمد اقبال صاحب کی یہ نظم پڑھی جاتی تھی:-

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری　　زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہوجائے ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت جس طرح پُھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صُورت یارب! عِلم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ ! بُرائی سے بچانا مجھ کو نیک جو راہ ہو اُس راہ پہ چلانا مُجھ کو

(علامہ اقبال)

اس کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب خطاب فرماتے اوراس خطاب کے بعد پاکستان کا قومی ترانہ پڑھا جاتا تھا۔قومی ترانہ کے ذکر سے یاد آیا کہاب ہم لوگ جوقومی ترانہ پڑھتے ہیں یہ پاکستان کا دوسرا قومی ترانہ ہے۔پاکستان کا سب سے پہلا قومی ترانہ قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب کی فرمائش پر برصغیر کے ایک انتہائی مشہورومعروف اردودان جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے صرف پانچ دن کی مختصر مدت میں لکھا اور یوم آزادی ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کے دن قائداعظم نے اس کوبطورقومی ترانہ منظور کیا۔یہ ترانہ تقریباً اٹھارہ ماہ تک پاکستان کا قومی ترانہ رہا لیکن جناب جگن ناتھ آزاد صاحب کے پاکستان سے ہندوستان ہجرت کرجانے اور پھر بعد میں قائداعظم کی وفات کی بناپر اسے ترک کر کے نیا قومی ترانہ تحریر کیا گیا تھا۔یہ چونکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جوکہ پاکستان کےعوام کی اکثریت کی دسترس سے باہر ہےاس لئے پاکستان کا پہلاقومی ترانہ بھی ملاحظہ فرمائیں:-

اے سرزمین پاک
ذرے تیرے ہیں آج
ستاروں سے تابناک
کہیں آج تیری خاک
روشن ہیں کہکشاں سے

اس ترانہ کوترک کرنے کے بعد پاکستان کا نیا قومی ترانہ تیار کیا گیا جوکہ جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری صاحب نے تحریر کیا۔اس نئے قومی ترانہ کو پہلی مرتبہ۱۳/اگست ۱۹۵۴ءکوریڈیو پاکستان سےنشر کردیا گیالیکن اس دوسرے نئے پاکستانی ترانہ کی حتمی منظوری وزارت اطلاعات ونشریات نے مؤرخہ ۱۶/اگست ۱۹۵۴ءکودی کہ جس کے بعد آج تک اس ترانہ کی عبارت یعنی متن کے اشعار میں تبدیلی نہیں کی گئی۔تعلیم الاسلام ہائی سکول کی اسمبلی میں تمام سکول کے بچوں کے سامنے سٹیج پر کھڑے ہوکر بلند آواز میں پاکستان کا قومی ترانہ پڑھنے کا شرف مجھے بھی کئی سال تک ہوتا رہا۔اس لئے میں آپ کی خدمت میں پاکستان کا نیا قومی ترانہ پیش کرتا ہوں جوکہ مجھے آج بھی لفظ بہ لفظ یاد ہےاورانشاءاللہ ہمیشہ یادرہے گا۔ملاحظہ فرمائیں:-

پاک سرزمین شاد باد کشور حسین شاد باد
تُو نشانِ عزم عالیشان ارضِ پاکستان
مرکز یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم ملک سلطنت پائیندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی وَ کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال (حفیظ جالندھری)

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ پرائمری اور ہائی سکول میں اسمبلی کے بعد ہماری پی ٹی بھی ہوا کرتی تھی کہ جسے ہم نہ جانے کیوں .P.T کہا کرتے تھے ؟ شائید اس کا مطلب پریڈ ٹریننگ ہے؟ بہرحال ہائی سکول میں اس پریڈ ٹریننگ کے دوران بھی عموماً مجھے ہی تمام بچوں کے سامنے کھڑا کر کے پریڈ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا اور پھر میں ماسٹر صاحب کی ہدایات کے مطابق پریڈ کرتا رہتا اور سکول کے تمام بچے میرے پیچھے یا سامنے کھڑے میری حرکات کی نقل کرتے۔ اس پریڈ کی نگرانی ہمارے ایک ماسٹر صاحب کیا کرتے تھے کہ جن کا نام تو اب مجھے یاد نہیں رہا لیکن ہم بچے انہیں ماسٹر پی ٹی صاحب کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ پریڈ کی نگرانی کے علاوہ ان کا یہ بھی کام تھا کہ اگر کسی دن کوئی استاد کسی وجہ سے سکول نہ آتے تو آپ ان کی جگہ مختلف جماعتوں میں جا کر ان کی جگہ تعلیم دیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ بقیہ تمام دن سکول میں ادھر ادھر گشت لگاتے رہتے تا کہ سکول سے چوری چھپے بھاگنے (کھسکنے) والے بچوں پر نظر رکھی جا سکے نیز دیر سے سکول آنے والے طالبعلموں کی پوچھ گچھ بھی کی جا سکے۔ اس لئے مجھے یاد ہے کہ ان کے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ ساتھ ان کی آواز بھی ریڈیو پاکستان کے نیوز ریڈر جناب شکیل احمد صاحب کی طرح بھاری بھرکم تھی۔ اس لئے ان کا بھاری بھرکم دبکا سن کر بڑے بڑے پھنے خان ڈر کے مارے سکول سے بھاگنے کی بجائے ان کی منت سماجت کرنے لگتے تھے کہ انہیں کوئی سزا نہ دی جائے۔ وہ بھی نرم دل کے مالک تھے اس لئے وہ سکول سے بھاگنے والے طالبعلموں کو واپس کلاس میں چھوڑنے تو چلے آتے لیکن انہیں کسی قسم کی بدنی سزا وغیرہ نہ دیتے لیکن اگر ان کے دبکے کے باوجود کوئی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو دوسرے دن اس کی شامت آ جایا کرتی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔ مکرم ماسٹر پی ٹی صاحب کے ذکر سے یاد آیا کہ جماعت نہم اور دہم کے سائنس کے طلبا اب تک یقیناً تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کی ایک قابل قدر شخصیت کو نہ بھولے ہوں گے اور وہ تھے مکرم عبدالرحیم صاحب۔ یہ صاحب سائنس کے سیکشن میں ملازم تھے اور اپنے نام کی طرح بے حد رحم دل بھی تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب جماعت نہم اور دہم کی جماعت کا پڑھائی میں کمزور کوئی طالبعلم کسی سوال کو حل نہ کر سکتا تو یہ صاحب جو کسی کونہ میں یونہی بے تعلق کھڑے یا طلبا کے درمیان گشت لگا رہے ہوتے تھے اس طالبعلم کی بے بسی کو بھانپتے ہوئے خاموشی سے آتے اور اس طالبعلم کے پاس کھڑے ہو کر کسی نہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کے بہانہ چپکے سے اس کے کان میں فارمولہ بتا کر چلے جاتے۔ نہ جانے انہوں نے اپنی اس پیاری عادت سے کتنوں کا بھلا کیا ہوگا؟ لیکن ہم سائنس کے طلبا میں آج بھی ان کا نام ان کی اس بے لوث خدمت کی وجہ سے نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تا قیامت جزائے خیر سے نوازتا چلا جائے۔ آمین

بہرحال اس پریڈ کے بعد سب طلبا اپنی اپنی کلاسوں میں چلے جاتے اور پڑھائی شروع ہو جاتی۔ ابھی یہاں اوپر ۱۹۵۹ء کی بات ہو رہی تھی۔ اسی سال حکومت پاکستان کی طرف سے ہفتہ شجر کاری بھی منایا گیا تھا۔ (الفضل ۱۱ر اگست ۱۹۵۹ء)۔ اور ہمارے سکول کے ماسٹر مکرم عبدالحمید سنیاسی صاحب نے بھی ہمیں سکول سے ملحق میدان میں مختلف پودے اور مختلف درختوں کی اور خصوصاً شیشم کے درخت کی قلمیں لگانے کی تراکیب سکھائی تھیں۔ اس سال کے بعد یہ ہفتہ شجر کاری بہت عرصہ تک ہر سال منایا جاتا رہا۔ مجھے نہیں یاد کہ ان قلموں سے کوئی پودا چل نکلا ہو البتہ اس جگہ پانی دیتے رہنے سے کافی تعداد میں ببول (کیکر) کے درخت ضرور اُگ آئے تھے اور اسی طرح گُل عباسی کے پودے بھی چل پڑے تھے۔ انہیں دنوں حضرت میاں صاحبؓ نے بھی اہالیانِ ربوہ کو اس بارہ میں خصوصی توجہ دلائی اور فرمایا کہ:-

’’ ربوہ میں گرمی اور گرد ے کی شدت شجر کاری کی خاصی متقاضی ہے۔اس سے انشاءاللہ ربوہ کی آب وہوا جواب گویا ایک گونہ امتحان بن رہی ہے ترقی کرے گی اور صحتوں پر انشاء اللہ بہت اچھا اثر پڑے گا‘‘۔ اس کے علاوہ آپؓ نے اس نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ’’ درختوں کا لگانا آسان ہے مگر ان کا سنبھالنا بہت توجہ اور محنت نیز نگرانی چاہتا ہے‘‘۔(روزنامہ الفضل ۱۴؍ اگست ۱۹۵۹ء)

ویسے تو اس ہفتہ شجر کاری سے بھی بہت پہلے دارالصدر ربوہ کی بعض سڑکوں کے کنارے مختلف اقسام کے بہت سے درخت لگوادئے گئے تھے لیکن پھر بھی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے کواٹروں کے درمیان سے گزرنے والی بعض سڑکوں پر کسی درخت کا نام ونشان تک نہ تھا اور شائید آج بھی نہیں خصوصاً صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز کی سڑکوں پر۔اس کے علاوہ محلّہ دارالرحمت سے لے کر دارالنصر شرقی یعنی دریا کے پرانے بڑھ(بوھڑ) اور پیپل کے گھنے سایہ دار درختوں تک راستہ میں کوئی سایہ دار درخت موجود نہ تھا نیز محلّہ دارالیمن کا بھی یہی حال تھا اور درختوں کی کمی کے باعث موسم گرما میں حبس ہوجانے یا لُو کے چلنے کی وجہ سے بہت سے اہالیان ربوہ بیمار پڑجایا کرتے تھے۔ان ایام میں حضرت قمرالانبیاءؓ نے خاکسار کی موجودگی میں خود بھی اپنے دست مبارک سے کئی پودے اپنے نئے گھر البشریٰ کے اردگرد لگائے بلکہ جہاں اب دارالایمن آباد ہے وہاں پہلے ایک باغ ہؤا کرتا تھا اور اس باغ کی جنوب مشرقی جانب ایک دیسی بیری کے درخت کو ولائیتی بیری کا پیوند بھی لگایا کہ جس کے پھل کو ہم سیئو بیر کہا کرتے تھے اور یہ بیر ہمیں سب سے زیادہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے گھر سے کھانے کو ملا کرتے تھے۔اس پیوند کاری کے موقعہ پر مکرم بشیر احمد خادم صاحب اور مکرم محمد شریف پہریدار صاحب بھی موجود تھے بلکہ حضرت میاں صاحبؓ کی ہدایت پر انہوں نے ہی ایک آری کے ساتھ بیری کے درخت کے تنے کو ایک خاص زاویہ یعنی انگریزی کے ایل-(L)-کی صورت میں کاٹا تھا اور اس پر الٹے ایل کی شکل میں کٹے ہوئے سیؤ بیر کی ایک شاخ کو رکھ کر اسے سیبے (جوٹ کی رسی) سے خوب کس کر باندھ دیا تھا۔بہرحال جہاں تک مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی کوشش یہ ہؤا کرتی تھی کہ اگر سایہ کے لئے درخت لگانا ہی ہے تو پھر کیوں نہ کوئی پھل دار درخت لگایا جائے تاکہ سایہ بھی رہے اور فائدہ بھی ہو۔بہرحال اسی موضوع پر آپؓ نے ایک مرتبہ پھر مکرر ارشاد فرمایا کہ:-

’’ ربوہ میں خاص طور پر وہ درخت لگائے جائیں جو یہاں کی زمین اور آب وہوا کے مناسب حال ہوں تاکہ محنت ضائع نہ ہوجائے اور اچھا نتیجہ پیدا ہو۔اسی طرح درخت لگانے کے بعد کافی عرصہ تک جب تک کہ پودا پوری طرح قائم نہ ہوجائے اس کی آب پاشی وغیرہ کے ذریعہ حفاظت کی جائے ‘‘۔(روزنامہ الفضل ۸؍اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہ صرف تعلیم الاسلام مڈل سکول بعد میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی بلکہ اس تعلیم کے حصول کے بعد بھی اس میں ایک عرصہ تک بطور استاد اور پھر اسی ادارہ کے پرنسپل جیسی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے جن کا آغاز آپؓ کی بی۔اے کی تعلیم کے دوران کالج چھوڑنے کے ساتھ ہی ۱۹۱۳ء میں ہوگیا تھا۔تعلیم السلام سکول اور کالج کے نام سے یاد آیا کہ تیسری جماعت میں ایک مرتبہ مجھ سے حساب کا کوئی سوال حل نہ ہوسکا تو تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں میرے تیسری جماعت کے ماسٹر غلام محمد صاحب نے میری ران پر زور سے ایک چھڑی ماری۔مجھے چونکہ ان چیزوں کی عادت نہ تھی لہذا افسوس اور صدمہ نیز تکلیف کی وجہ سے مجھے اسی وقت تیز بخار چڑھ گیا اور اُلٹیاں بھی آنے لگیں۔خیر اسی حالت میں مجھے سکول سے گھر بھجوادیا گیا۔بے وقت گھر پہنچنے پر حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے پوچھا ’’سودے خان! آج جلدی چھٹی ہوگئی کیا؟ ‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں میاں صاحبؓ !یہ بات ہوگئی ہے۔آپؓ یہ بات سُن کر سخت ناراض ہوئے اور آپؓ نے اسی وقت اپنے دستِ مبارک سے پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر جناب فقیر محمد صاحب کے نام ایک تنبیہی خط لکھا کہ’’ ہم تو بچوں

کو اصلاح کی غرض سے اور تعلیم و تربیت کے حصول کے لئے سکول بھجواتے ہیں نہ کہ مار پٹائی کے لئے '' اور پھر اس خط کو اپنے خادم مکرم بشیر احمد صاحب کے ہاتھ اسی وقت تعلیم الاسلام پرائمری سکول ربوہ کو بھجوا دیا۔ یہ باتیں سن کر میری دونوں ماؤں کا دل بیقرار اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حضرت میاں صاحبؓ کو بھی میں نے اس سے پہلے کبھی اتنا ناراض ہوتے ہوئے اور اتنے زیادہ جلال میں نہ دیکھا تھا۔ آپؓ اس وقت تک اپنے کمرہ میں ادھر سے اُدھر ٹہلتے رہے کہ جب تک مکرم بشیر احمد خادم صاحب سکول سے جواب لے کر واپس نہ آ گئے۔

بہر حال اپنا بخار اترنے کے چند دنوں کے بعد جب میں دوبارہ سکول گیا تو مجھے دوسرے سیکشن میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس دوسرے سیکشن کے مانیٹر- MONITOR -مکرم نوید احمد صاحب ہؤا کرتے تھے لیکن کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اِدھر میں اس کلاس میں تبدیل ہؤا اور اُدھر گول بازار میں ربوہ کے سب سے پہلے گورنمنٹ پرائمری سکول کا اجرأ ہؤا اور مکرم نوید احمد صاحب نے اپنا تبادلہ وہیں کروالیا۔ اب مانیٹر کے چناؤ کے لئے ایک امتحان- TEST -تجویز ہوا اور اس میں سب سے زیادہ نمبر لینے والے طالبعلم کو کلاس کا مانیٹر بنانے کا وعدہ کیا گیا۔ خدا کے فضل سے اس ٹیسٹ میں مَیں نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور کلاس کا مانیٹر مقرر ہوا اور پھر اس کے بعد اپنے اچھے نمبروں کی بناء پر ہائی سکول کے خاتمہ تک اپنی کلاس کا مانیٹر رہا البتہ چھٹی ساتویں اور آٹھویں جماعت میں اعلیٰ نمبروں کی بنیاد پر تمام سکول کی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف ہماری جماعت کے دو مانیٹر بنائے گئے یعنی خاکسار اور میرے دوست مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب مبلغ و مشنری انچارج کینیڈا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم دونوں تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں اپنی اپنی جماعتوں کے مانیٹر چلے آ رہے تھے یعنی مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب پانچویں A اے کے اور میں پانچویں B بی کا مانیٹر تھا لیکن جب ہم ہائی سکول میں پہنچے تو حسن اتفاق سے ہم دونوں چھٹی جماعت کے ایک ہی سیکشن میں اکٹھے ہو گئے اور ہمارا یہ ساتھ آٹھویں جماعت تک رہا۔

مجھے یاد ہے کہ ہائی سکول میں ہماری کلاس میں بینچوں کی چار قطاریں ہؤا کرتی تھیں کہ جن میں سے دائیں جانب کی دو قطاریں میرے حصہ میں اور بائیں جانب کی دو قطاریں مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب کے حصہ میں آئیں اور اپنے حصہ میں آنے والی ان قطاروں میں نظم و نسق کا خیال رکھنا ہم دونوں کا کام ہوتا۔ اس کام کے لئے ہم نے ان دنوں اپنے ایک ایک کلاس فیلو مکرم محمد اقبال صاحب محلّہ دارالعلوم ربوہ اور مکرم ریاض احمد صاحب محلّہ دارالیمن ربوہ حال مقیم جرمنی کو یہ ذمہ داری سونپی کہ جب کبھی کسی ماسٹر صاحب کے آنے میں دیر لگ جائے تو وہ ان کے آنے تک کلاس میں گشت لگاتے رہا کریں۔ ان دونوں کے علاوہ میں نے ڈیرہ غازی خان کے ایک ٹانگ سے قدرے معذور طالبعلم مکرم کریم بخش صاحب کو بلیک بورڈ کا ڈسٹ بورڈ مانیٹر مقرر کیا تا کہ وہ بھی اپنی معذوری کو بھول کر اپنے آپ کو کچھ فعال محسوس کریں اور کلاس میں بھی ان کی عزت بنی رہے اور کوئی انہیں کسی قسم کا مذاق نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ ان کی معذوری کو دیکھ کر میں نے انہیں اپنے بینچ پر اپنے ساتھ بھی بٹھایا تا کہ میرے یعنی مانیٹر کے ڈر سے کوئی طالبعلم ان کو کوئی دل دکھانے والا فقرہ نہ کس دے اور خدا کے فضل سے یہ ترکیب انتہائی کامیاب رہی اور کسی نے کبھی بھول کر بھی ان سے مذاق کے رنگ میں بھی ان کی معذوری کے متعلق کچھ نہیں کہا جبکہ پہلے وہ بغیر کوئی سہارا لئے کچھ نہ کچھ چل پھر بھی سکتے تھے لیکن پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کئی برس کے اندر اندر ان کی ٹانگ کے کئی اپریشن ہوئے کہ جن کے بعد وہ بیساکھیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس بات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے احمدی طلبا کا ذوق اس قدر اعلیٰ درجہ کا ہے کہ وہ کسی معذور پر کوئی فقرہ کسنے سے قبل خوف خدا رکھتے ہوئے ایسا نہیں کرتے۔ بہر حال ان صاحب کا کام صرف یہ تھا کہ وہ تختہ سیاہ پر ان شرارتی طلبا کے نام لکھیں جو کہ مکرم محمد اقبال صاحب یا مکرم ریاض احمد صاحب کلاس میں گشت لگاتے وقت انہیں لکھوائیں اور گاہے بگاہے بلیک بورڈ کو بھی صاف کر دیا کریں تا کہ ہمارے اساتذہ کو یہ کام خود نہ کرنا پڑے جبکہ دوسری جماعتوں میں اساتذہ کو کسی نہ کسی طالبعلم کو بلیک بورڈ صاف کرنے کے لئے کہنا پڑتا تھا۔ اس طرح ہماری جماعت سکول کی سب سے زیادہ سلجھی ہوئی جماعت سمجھی جاتی تھی اور یوں اس

ترکیب سے بھی طلبا کچھ قابو میں رہتے ورنہ کسی استاد کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر آپس میں باتیں کرنے اور مختلف قسم کی شرارتیں کرنے کو کس طالبعلم کا جی نہیں چاہتا؟ لیکن اگر طلبا کو یہ اجازت دے دی جائے تو عموماً ہوتا یہ ہے کہ چند نچلے طلبا اس خالی وقت سے فائدہ اٹھا کر اتنا زیادہ شور یا اودھم ڈالتے ہیں کہ اس ہنگامہ میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ساتھ والی کلاسوں میں بھی اساتذہ کو پڑھانا مشکل ہو جاتا۔ جس کا لازمی نتیجہ پھر یہ نکلتا کہ ماسٹر صاحب کے آجانے پر کلاس کے طلبا کو تو کم لیکن اس کلاس کے مانیٹر کو زیادہ سزا دی جاتی کہ وہ اپنی کلاس کو کنٹرول نہیں کرسکتا۔ اس طرح ہماری جماعت نظم و نسق کے لحاظ سے ہمیشہ اول آتی رہی کہ جس کا اظہار ہمارے ہیڈ ماسٹر مکرم محمد ابراہیم جمونی صاحب اور نائب ہیڈ ماسٹر مکرم محمد بخش صاحب نے بھی تمام سکول کے سامنے اسمبلی کے دوران کئی مواقع پر کئی دوسری جماعتوں کے طالبعلموں کو محض سمجھانے کی غرض سے کیا تھا۔ مکرم ماسٹر محمد بخش صاحب بہت شریف النفس انسان تھے لیکن افسوس کہ آپ اپنی بیماری یعنی دل کے بڑھ جانے کے باعث ہمارے میٹرک سے فارغ ہو جانے کے کچھ عرصہ کے بعد ہی فضل عمر ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرة:۱۵۷)

گورنمنٹ پرائمری سکول کی وساطت سے میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جرمنی چلے آنے سے پہلے ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۵ء ربوہ کے گورنمنٹ پرائمری سکول کے سینٹر سکول دارالصدر شمالی ربوہ میں NATIONAL DEVELOPMENT VOLUNTEER PROGRAMME یعنی گورنمنٹ کے ''نیشنل ڈویلپمنٹ والنٹیر پروگرام'' کہ جسے عرف عام میں NDVP بھی کہا جاتا تھا کے تحت خاکسار کو بھی ایک معلم یعنی مدرس- TEACHER -کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ NDVP کے سلسلہ میں میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اس پروگرام کی منصوبہ بندی حکومت پاکستان نے اس لئے کی تھی کہ:-

'' ہمارے ملک میں بیکاری اور بیروزگاری بہت زیادہ ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ تعلیم یافتہ افراد کی کمی ہے۔ اس قلت کو دُور کرنے کے لئے ہماری قوم کو سب چیزوں سے زیادہ بڑھ کر اس وقت تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر کی مختلف ترقی یافتہ اقوام کی نسبت ہماری قوم تعلیمی معیار میں بہت پیچھے رہ گئی ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ایسے رضا کاروں کی ضرورت ہے جو کہ اس وقت آگے آکر یہ کام سنبھالیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن اگر آپ لوگ دیانتداری کے ساتھ اس فرض کو بہ احسن رنگ میں ادا کریں گے تو پھر ہماری قوم بھی جلد ہی تعلیمی معیار میں دنیا بھر کی دوسری تمام اقوام کے شانہ بشانہ آکھڑی ہوگی۔ تعلیم ہوگی تو ترقی بھی ہوگی''۔

اس سکیم پر پرعمل درآمد ۱۹۷۴ء سے شروع ہوا لیکن جب اس کا سکیم کو شروع کیا گیا تو عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بہت سے رضا کاروں نے ازخود اپنے آپ کو قوم کی خدمت کے لئے NDVP میں بھرتی کروالیا اور پھر نہایت دلجمعی کے ساتھ قوم کی خدمت کرنے لگے یہ ایک الگ قصہ ہے کہ ان رضا کاروں کو کئی کئی ماہ تک تنخواہ نہ ملی لیکن قوم کے ان غمگسار ہمدردوں کو اُس وقت تنخواہ کی نہیں بلکہ اس چیز کی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ ہماری قوم کا کیا بنے گا؟ یہ اُس پُر آشوب دور یعنی اگست ستمبر اکتوبر ۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ جب ہم احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا- خیر اب تو یہ تمام باتیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں لیکن NDVP کے ضمن میں یہ بات بیان کرنی ضروری تھی تا کہ دنیا کو اور خصوصاً پاکستانیوں کو یہ یاد رہے کہ جب بھی پاکستانی قوم نے پکارا تو ہم احمدیوں نے سب سے پہلے لبیک کہی۔ اور جب بھی ملک کی بھلائی کے بارہ میں کوئی سکیم تیار کی گئی تو احمدی اس سکیم یا منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تمام قوم سے آگے نکل گئے۔ اسی طرح پاکستان تو کیا دنیا کے دوسرے تمام ممالک میں بھی کہ جہاں ہم احمدی مقیم ہیں جب بھی کوئی قوم مدد کے لئے پکارتی ہے تو ہم احمدی ہی سب سے پہلے اُن کی پکار پر لبیک کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک احمدی اپنے اپنے ممالک کا تہہ دل سے ہمدرد اور بہی خواہ ہے۔ بہرحال یہاں بات خاکسار کی تعلیم و تربیت کی ہو رہی ہے اس لئے عرض ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سکول میں میری تعلیم

پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ گھر میں بھی میری تربیت پر خاص نظر رکھتے اور ہمیشہ میری کارگردگی کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ایک دن میں نے عرض کیا کہ آج صبح ہمارے ماسٹر صاحب نے ہمیں ایک قطار (لائن) میں کھڑا کر کر کے بے حد دلچسپ انداز میں سکھائی گئی گنتی کا امتحان لیا۔وہ ایسے کہ ہماری جماعت کے مکرمی ماسٹر صاحب ہر طالب علم کے پاس جاتے اور اسے کہتے کہ وہ اپنا نمبر بتائے۔یعنی ایک، دو، تین اور چار--- خیر جب میری باری آئی تو میں نے کہا ستارا= ۱۷ ۔اس پر ماسٹر صاحب نے کہا کہ نہیں'' سترہ'' کہو تو میں نے سترہ کہہ کر دہرایا۔اس پر مجھ سے اگلے لڑکے نے فوراً کہا اٹھرا = ۱۸ (اٹھارہ)۔جس پر حضرت میاں صاحبؓ بے حد محظوظ ہوئے۔

پاکستان سے جرمنی ہجرت کر جانے سے پہلے میں تعلیم السلام کالج ربوہ میں بی۔اے یعنی- BACHELOR OF ARTS - تک تعلیم حاصل کر چکا ہوں اور اپنی تعلیم کے آخری سال ۱۹۷۳ء-۱۹۷۴ء یعنی - FINAL YEAR - میں کالج کی '' بزم تاریخ۔ HISTORY SOCEITY'' کا صدر بھی رہا ہوں-اس سلسلہ میں یاد آیا کہ اس زمانہ میں خاکسار نے یکے بعد دیگرے پاکستان کی بہت سی نامور شخصیات کو بزم تاریخ کی محفلوں میں مدعو کیا تھا کہ جن میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کی بزم تاریخ کے انچارج پروفیسر بھی شامل ہیں۔ان دنوں کے روزنامہ الفضل، روزنامہ مشرق، روزنامہ امروز اور روزنامہ نوائے وقت میں ان کا نام اس خبر کے ساتھ درج ہے کہ انہوں نے خاکسار کی درخواست پر تعلیم السلام کالج ربوہ کی ہسٹری سوسائٹی کے اجلاس میں شرکت کی اور اس دن اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطا جالندھری صاحبؓ نے فرمائی پھر حیدرآباد دکن کے مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب بھی شامل تھے اور مہمانوں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل چوہدری محمد علی صاحب۔کالج کی ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے انچارج اور خاکسار کے گارڈین مکرم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب۔ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے ہی پروفیسر مکرم سعود احمد خان دہلوی صاحب۔روزنامہ الفضل ربوہ کے ایڈیٹر مکرم مسعود احمد خان دہلوی صاحب اور میرے محلّہ دار مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور تعلیم السلام کالج ربوہ کے دیگر تمام معزز لیکچرار اور پروفیسر صاحبان بھی ازراہ شفقت باقاعدگی سے ہماری ان مجالس میں تشریف لا کر ان محفلوں کو چار چاند لگاتے رہے۔ان مجالس کا تذکرہ روزنامہ الفضل ربوہ کے ایڈیٹر مکرم مسعود احمد خان دہلوی صاحب کی شفقت کی بدولت نہایت باقاعدگی سے ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۴ء کے درمیان روزنامہ الفضل ربوہ پاکستان اور پاکستان کے دوسرے تمام ممتاز روزناموں میں بھی باقاعدگی سے چھپتا رہتا تھا لہذا ان میں سے صرف ایک مجلس کا ذکر کرنا میں بے حد ضروری خیال کرتا ہوں کیونکہ اس مجلس میں جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب ربوہ (آف حیدرآباد دکن) کو مدعو کرنے کا مشورہ میرے شعبہ تاریخ تعلیم السلام کالج کے پروفیسر جناب سعود احمد خان دہلوی صاحب نے دیا تھا اور پھر مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب نے خاکسار کی درخواست پر محلّہ دارالرحمت ربوہ سے تشریف لا کر ہمارے اجلاس میں ازراہِ شفقت شرکت فرمائی اور ہندوستانی مسلمان ریاست حیدرآباد دکن کی تاریخ پر اپنی جذبات سے بھرپور اور خوبصورت آواز کے ساتھ ایک پراثر تقریر فرماتے ہوئے اپنی دلآویز شخصیت سے ہم سب کو بے حد مسحور کیا تھا۔اس مجلس کا حال بھی اُس زمانہ کے روزنامہ الفضل میں جلی حروف میں شائع ہوا تھا اور اب تقریباً چند سال پہلے مکرم مسعود احمد دہلوی صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل نے بھی ازراہِ شفقت بہت محبت کے ساتھ مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے تعلیم السلام کالج ربوہ کی اس مجلس کا ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن میں خصوصی ذکر فرمایا تھا۔وہ مجالس تعلیم السلام کالج ربوہ کی تاریخ میں ایک یادگار مقام رکھتی ہیں کیونکہ نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد کسی طالبعلم کو ایسی تاریخ ساز مجالس منعقد کروانے کی توفیق نصیب ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی احمدی طلباء پر شفقت کے سلسلہ میں ہی مکرم میاں عبدالرشید غنی صاحب ایم-ایس-سی لیکچرار تعلیم السلام کالج

ربوہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا پاک وجود خدا تعالےٰ کی بشارتوں کے مطابق ہمارے لئے غیر معمولی طور پر بہت سی برکات کا موجب تھا۔اللہ تعالےٰ نے آپؓ کو اتنی گونا گوں اور متنوع خوبیوں سے نوازا تھا کہ کسی ایک مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔آپؓ کی بے پایاں شفقت، سچی ہمدردی، بے لوث محبت اور ہر لحاظ سے صحیح، ہر وقت متوازن اور از حد دور اندیشی پر مبنی صائب رائے اور مشورہ سے جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ کے افراد ہزاروں کی تعداد میں مستفید ہوا کرتے تھے اور ہر ایک ان میں یہی سمجھتا تھا کہ میں ہی سب سے بڑھ کر حضرت میاں صاحبؓ کی ہمدردی اور شفقت کا مورد ہوں۔

حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے نوجوانوں بالخصوص جماعتی درسگاہوں میں پڑھنے والے طلباء کے معاملات میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے اور ان کی ہر معاملہ میں صحیح اور بروقت رہنمائی اور مدد فرمایا کرتے تھے۔آپؓ کے دل میں اس بات کی شدید خواہش اور تڑپ تھی کہ نوجوان حضرت مسیح موعود کے اس فرمان کو پورا کردیں کہ ہماری جماعت علم اور معرفت میں اس قدر ترقی کرے گی کہ دنیا کا منہ بند کردے گی۔اور علوم سائنس اور فلسفہ میں اس قدر ترقی کریں کہ دنیا کی صف اول میں کھڑے ہوسکیں۔چنانچہ آپؓ اپنے پیغام مؤرخہ ۱۴؍مارچ ۱۹۶۳ء میں فرماتے ہیں:-

'' احمدی بچوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی ترقی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے بڑی بڑی بشارتیں دے رکھی ہیں۔چنانچہ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

'' اللہ تعالےٰ میری جماعت کے لوگوں کو علم و معرفت میں اتنی ترقی دے گا کہ وہ ساری دوسری قوموں کا منہ بند کردیں گے''

لیکن جیسا کہ سنت الٰہی سے ثابت ہے کہ خدا تعالےٰ کے کام تدریجی ہوا کرتے ہیں۔شروع میں ایک حقیر سا بیج ہوتا ہے پھر وہ آہستہ آہستہ ترقی کر کے ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے۔مگر چونکہ ہر تقدیر کے ساتھ تدبیر کا لازمہ ضروری ہے اس لئے احمدی بچوں کو چاہیئے کہ محنت اور جانفشانی اور عرق ریزی کے ذریعہ اپنے لئے ترقی کا رستہ کھولیں اور امتحانوں میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔جو شخص کوشش کرتا ہے اور کوشش بھی صحیح طریق پر کرتا ہے وہ ضرور اللہ تعالےٰ کی نصرت سے حصہ پالیتا ہے۔پس ضروری ہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی گئی ہے احمدی بچے خاص کوشش اور توجہ اور محنت سے کام لیں''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۸)

پھر اسی طرح حضرت میاں صاحبؓ احمدی طالب علموں کی اعلےٰ کامیابیوں کو سراہتے ہوئے اور ان کا حوصلہ بلند سے بلند تر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

'' یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ کچھ عرصہ سے ہماری جماعت کے بچوں اور بچیوں کے نتائج اچھے نکل رہے ہیں اور ان کا معیار دن بدن بلند ہوتا جارہا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام والی بشارت حاصل کرنے کے لئے میں کہتا ہوں نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز''۔(الفضل ۱۶؍مارچ ۱۹۶۳ء)

اس بارہ میں خاکسار کو خوب یاد ہے کہ ربوہ کے تدریسی مکاتیب کا تعلیمی معیار اتنا بلند۔اتنا بہترین اور اتنا عمدہ نیز اتنا اعلیٰ تھا کہ ۱۹۶۹ء میں میرے دوست اور کلاس فیلو مبلغ و مشنری انچارج مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب کینیڈا ابن حضرت مولانا احمد خان نسیم صاحبؓ نے طلبا میں اور محترمہ صاحبزادی نصرت جہان بیگم صاحبہ حرم محترم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق صاحب امیر جماعت احمدیہ جہلم پاکستان نے طالبات میں تمام سرگودھا ڈویژن بھر میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے۔ان کے علاوہ اور بھی لاتعداد احمدی طلبا و طالبات اعزازی نمبروں میں کامیاب ہوتے رہے اور اب

تک ہوتے چلے جا رہے ہیں۔اسی سلسلہ میں مکرم میاں عبدالرشید غنی صاحب لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ اپنے ایک مضمون میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ آپؓ نے طلباء کو اس قابل بنانے کے لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بشارتیں حاصل کر سکیں ان کی اجتماعی اور انفرادی رنگ میں رہنمائی اور مدد فرمائی۔شاید ہی کوئی ایسا طالب علم ہو (خواہ وہ کسی کلاس یا مضمون کا ہو) جو ملاقات اور مشورے کے لئے کسی وقت حاضر ہوا ہو تو نا کام لوٹا ہو۔طالب علموں کی خاص عزت اور اہمیت حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں تھی۔آپؓ ان کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتے اور ان کو ٹھوس اور مناسب مشورے دیا کرتے تھے نیز ان کی ذہنی استعدادوں کو جاننے کے معاملہ میں آپؓ کو ید طولےٰ حاصل تھا۔آپؓ کی نظر میں ہر طالب علم احمدیت کا ایک انمول موتی تھا-آپؓ اس کا اسی طرح خیال رکھتے تھے جیسے کہ ایک ماہر مالی (باغبان۔ناقل) اپنے چھوٹے چھوٹے اور کمزور پودوں کا خیال رکھتا ہے کہ اب ان کو کس موزوں زمین میں منتقل کیا جائے؟ اور کس طرح ان کو موسم کے بد اثرات،آندھی،طوفان اور حوادث سے بچایا جائے ؟ اور کس طرح ان کو مختلف مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھا جائے ؟آپؓ کی ان صفات ہی کی وجہ سے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے جب ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج کا اجراء فرمایا تو آپؓ کو صدر کمیٹی کالج مقرر فرمایا۔اور آج آپؓ کی اور محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کی ہی دن رات محنت اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس کالج کا شمار پاکستان کی بہترین درسگاہوں میں ہوتا ہے‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍اکتوبر۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۸)

حضرت میاں صاحبؓ نے طالب علموں کی رہنمائی صرف درسگاہوں تک ہی نہیں فرمائی بلکہ بعد کی زندگی کے عملی میدان میں بھی آپؓ کو ان کا فکر رہتا۔چنانچہ پچھلے سال (۱۹۶۲ء۔ناقل) خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر افتتاحی خطاب میں آپؓ نے فرمایا:-

’’ آپ لوگوں میں سے کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جو ابھی سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔انہیں اس غلط فہمی میں نہیں مبتلا ہونا چاہیئے کہ تعلیم پانے کا زمانہ صرف درس گاہوں کی چار دیواری تک محدود ہے۔حق یہ ہے کہ درسگاہیں تو صرف علم کے دروازے تک پہنچاتی ہیں۔اس کے آگے ایک بہت وسیع میدان ہے ایسا وسیع جس کی کوئی حد وانتہا نہیں۔اس میدان میں انسان سکول اور کالج سے فارغ ہونے کے بعد خود اپنی کوششوں اور اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھنے کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔پس درسگاہوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھو اور ضرور جاری رکھو کیونکہ یہ وہ علم ہے جو درسگاہوں میں حاصل ہونے والے علم سے بہت زیادہ وزن رکھتا ہے۔ہمارے آقا ﷺ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و رحمت سے علم کے آسمان پر پہنچا دیا مگر پھر بھی آپؐ کی یہی پکار رہی:- رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ہ (طه : ۱۱۵ – ناقل) یعنی ’’ خدایا مجھے اور علم عطا کر‘‘۔

مکرم پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب اپنے مضمون میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ان تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کس طرح احمدیت کی نرسری کا خیال رکھتے تھے اور کس طرح اس کو شب و روز کی محنت شاقہ اور پرخلوص دعاؤں سے پروان چڑھاتے تھے۔آپؓ کی طلباء کے ساتھ شفقت میں مندرجہ ذیل پہلو بہت نمایاں تھے:-

☆۱:- طالب علم کے مستقبل کے بارے میں مشورہ دیتے وقت آپؓ اس کے خاندان کو ملحوظ نظر رکھتے تھے کہ کس کس شعبہ میں اس خاندان کے افراد شامل ہو چکے ہیں اور کس شعبہ میں نہیں- پھر آپؓ اپنی محتاط،مفید اور نہایت کارآمد رائے سے نوازتے تھے۔☆ ☆۲:-فیل ہو جانے والے طلباء کا خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہوں نہایت مشفقانہ رنگ میں حوصلہ بڑھاتے اور انہیں بہت ہی مؤثر انداز سے محنت اور ہمت کی طرف توجہ دلا کر ان میں اولوالعزمی پیدا

کرتے تھے- مایوسی کے تمام خدشات کو طالب علم کے دل سے نکالنے کی کوشش فرماتے۔☆☆☆۳:- دوران تعلیم طالب علموں کا بہت خیال رکھتے -ان میں بہت گہری دلچسپی لیتے اوران کی ہرممکن رہنمائی اور مدد فرماتے۔☆☆☆☆۴:-طلباء کو آپؓ ہمیشہ محنت، ہمت، جانفشانی اورعرق ریزی کے ذریعہ اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی تلقین فرماتے رہتے۔☆۵:- درسگاہوں سے نکلنے کے بعد آپؓ ان سے یہ امید رکھتے کہ اب علم کے وسیع میدان میں داخل ہوکر نہایت محنت اور ہمت سے کام کرتے ہوئے کامیاب رہیں اور مسلسل طور پر تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھیں---''۔(الفضل خاص نمبر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

مجھے یاد ہے کہ مارچ ۱۹۶۳ء میں جب کہ ہمارے سالانہ امتحانات شروع ہونے والے تھے تو آپؓ نے ہم بچوں کو اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا :(اول) ہر پرچہ دل میں دعا کر کے شروع کریں۔(دوم) خط حتی الوسع صاف اور ستھرا رکھا جائے۔(سوم) پورا وقت لے کر امتحان کے کمرہ سے نکلا جائے۔(چہارم) نظر ثانی ضرور کی جائے۔(الفضل ۱۶/مارچ ۱۹۶۳ء)۔لہٰذا میری یہ عادت بن گئی کہ خواہ سوال کا جواب آتا ہو یا نہ آتا ہو میں حضرت میاں صاحبؓ کی نصیحت کے مطابق وقت مقررہ تک کمرہ امتحان میں بیٹھا رہتا۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ جو سوال نہ بھی آتا اس کے بارہ میں سوچتے رہنے سے وہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے حل کر لیتا۔اسی طرح مکرم نعیم الرحمٰن صاحب ابن حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے حضرت قمرالانبیاءؓ کی نصائح کے بارہ میں بتایا کہ آپؓ امتحانی پرچوں کے بارہ میں ہمیشہ یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ:-
''پرچہ شروع کرنے سے پہلے دعا کر لینی چاہئے۔مقررہ وقت سے قبل کبھی کمرہ امتحان سے نہیں اٹھنا چاہئے-پرچہ کو بار بار دہرانا چاہئے''۔(حیات بشیر صفحہ ۳۴۷-۳۴۸)

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب ۱۹۶۲ء میں حکومت پاکستان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب'' کو ضبط کر لیا تو سب سے پہلے آپؓ ہی نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اس فیصلہ کو انتہائی غیر منصفانہ قرار دیا اور پھر اس کتاب کی ضبطی کے خلاف ربوہ کے تمام سکولوں اور کالجوں کے تمام چھوٹے بڑے طلباً نے بھی حکومت کو ایک ایک ڈاک کا کارڈ لکھ کر روانہ کیا تھا اور یہ کارڈ ہم سب نے اپنے ہاتھوں سے بذات خود تحریر کئے تھے۔پھر اس احتجاج کے کچھ عرصہ کے اندر اندر ۱۹۶۳ء میں اس کتاب کی ضبطی کا حکم واپس لے لیا گیا ۔(الفضل ربوہ ۲/دسمبر ۱۹۵۹ء)

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ صرف زبانی کلامی ہی طلبا پر اپنی شفقت کا اظہار نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہاتھ کے بھی بے حد سخی تھے اور نادار طلباً کی تمام عمر دامے ودرمے خبر گیری فرماتے رہے۔'' ۱۹۲۴ء میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے طلبا کی صحت و تندرستی کو مدنظر رکھتے ہوئے مدرسہ احمدیہ کے طلباً کو جسمانی ورزش کے لیے گراؤنڈز مرحمت فرمائیں''۔(الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء)۔'' اسی طرح ۱۹۲۷ء میں تعلیم الاسلام اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی تحریک پر تمام خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ''اولڈ بوائے ایسوسی ایشن لاج'' کے لئے دو کنال زمین مرحمت فرمائی''۔(الفضل ۱۶/اگست ۱۹۲۷ء)

حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو جماعت کی تعلیم وتربیت کے کام سے ابتدا سے ہی دلچسپی رہی ہے اور آپ نے اس سلسلہ میں بڑی ٹھوس اور نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی آپؓ کو اس امر کا بھی شدت سے احساس تھا کہ جماعت کے بہت سے احباب نے ابھی اس کام

کی اہمیت کونہیں سمجھا۔اس بارہ میں آپؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:-
''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے بہت سے احباب نے تربیت کے کام کی اہمیت کوجیسا سمجھنا چاہیئے نہیں سمجھا۔صرف کسی کوتبلیغ کے ذریعہ سے سلسلہ میں داخل کر کے سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کام کوختم کر چکے ہیں حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اس وقت سے کام شروع ہوتا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بچے کوسکول میں تعلیم کی غرض سے داخل کرائے اور سمجھ لے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔حالانکہ سکول میں محض داخل ہو جانا یا کروا دینا مقصد نہیں بلکہ تعلیم کو حاصل کرنا اور کرانا اصل مقصد ہے۔اسی طرح کسی کو پیغام حق پہنچا کر سلسلہ حقہ میں محض داخل کر دینا اصل مقصد نہیں بلکہ سلسلہ میں داخل کر کے تربیت کے ذریعہ روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچانا اصل مقصد ہے جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا گیا''۔(حیات بشیر صفحہ ۷۰-۷۱)

تعلیم وتربیت کے بارہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اپنی اولاد کے نام تحریر کردہ خطوط ہمارے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو آج بھی اور تا قیامت والدین اور اولاد ہر دو کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے کہ کتنے پیار سے اپنی اولاد کو دینی کاموں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے نیز ان خطوط سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ آپؓ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی جانب ہمیشہ کڑی نگاہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود آپؓ کے سمجھانے کا انداز انتہائی شفقت آمیز رہتا یعنی پہلے کسی کو نماز کی جانب رغبت دلائی۔پھر اسے نماز فجر کی اہمیت بتائی۔اس کے بعد اسے صبح صبح قرآن شریف کی تلاوت کی جانب متوجہ کیا اور جب وہ اس کی جانب مائل ہوُا تو پھر اسے تہجد کے بارہ میں اپنی ہدایات سے نوازا۔یعنی آہستہ آہستہ اس انداز سے انہیں رغبت دلائی کہ اولاد کو کسی قسم کا بوجھ محسوس نہ ہو بلکہ اس دائمی ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اولاد کے دل میں تمنا پیدا ہو اور یوں اولاد کی یہ پاکیزہ عادات والدین کے لئے تسکین روح وراحت قلب کا باعث بنیں۔یہاں میں اپنے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ جب وہ دسمبر ۲۰۰۰ء میں امریکہ سے پاکستان اپنے والد محترم ریٹائرڈ بریگیڈیئر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو واپسی پر میرے لئے خصوصاً حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے چند چیدہ چیدہ خطوط بھی اپنے ہمراہ لے کر آئے۔مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

۱۲رجنوری ۲۰۰۱ء
امریکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیارے مقصود۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔اس خط کے ہمراہ میں آپ کو ابا جانؓ کے کچھ خطوط جو آپؓ نے میرے والد صاحب کو تحریر فرمائے تھے بھجوا رہا ہوں۔ان کے علاوہ بھی میں ابا سے کچھ اور خطوط کے بارہ میں بھی دریافت کروں گا تا کہ وہ مجھے بقیہ خطوط بھی بھجوا دیں۔گھر میں بیوی بچوں کو سلام و پیار۔والسلام۔دستخط (طارق احمد)

اب میں یہاں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم وتربیت کی پاکیزہ نصائح سے بھرپور چند خطوط مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب کا انتہائی شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:-

قادیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴رجنوری۱۹۴۲ء نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مبشر احمد سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط موصول ہؤا۔الحمدللہ! کہ تم خیریت سے ہو اور پڑھائی میں مصروف ہو مگر گھر میں پڑھائی کا جو وقت تم نے لکھا ہے وہ کچھ کم معلوم ہوتا ہے۔کوشش کر کے اسے بڑھاتے جاؤ۔اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو۔آمین--- مجھے یہ خوشی ہے کہ تم نمازوں میں با قاعدہ ہو لیکن زیادہ خوشی ہوگی اگر تم کوشش کر کے صبح کی نماز سے نصف گھنٹہ پہلے اٹھ کر تہجد بھی پڑھ لیا کرو اس سے انشاءاللہ تمہیں بہت برکت حاصل ہوگی۔والسلام۔دستخط (مرزا بشیر احمد)

قادیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکم اگست ۱۹۴۲ء نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مبشر احمد سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارے ہر دو خطوط موصول ہوئے۔الحمدللہ! کہ تم خیریت سے ہو اور پڑھائی شروع کر دی ہے۔اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو اور حافظ و ناصر رہے۔الفضل میں نے جاری کرا دیا ہے---صبح کی نماز کی سستی دور کرنی چاہئے۔چند دن باقاعدگی سے اٹھنے پر عادت پڑ جاتی ہے اور صبح کی نماز کا ثواب ساری نمازوں سے بڑھ کر ہے۔صبح کے وقت قرآن شریف بھی ضرور پڑھا کرو--- والسلام۔دستخط (مرزا بشیر احمد)

حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ آپؓ صرف اپنی اولاد یا اپنے عزیزوں اور احباب جماعت کو صرف تحریک ہی نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ ان کیلئے مشعل راہ بن کر ہر تحریک میں بذات خود بھی شمولیت فرمایا کرتے تھے اور بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیتے۔جب ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام اور احمدیت کے لئے اپنی تمام جائداد وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو اس تحریک میں حصہ لیتے ہوئے :-’’حضرت میاں صاحب نے اپنی تمام جائداد خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی‘‘۔(الفضل ۲۲رجون ۱۹۴۴ء)۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحبؓ کی ان عظیم الشان قربانیوں کو مقبولیت کا شرف بخشتے ہوئے آپؓ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے نیز آپؓ کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ اللھم آمین

☆

شادی خانہ آبادی

پرانے زمانہ میں شادی بیاہ کے معاملات عموماً چھوٹی عمر میں ہی طے کر لئے جاتے تھے اس لئے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے رشتہ کی بات چیت اور آپؓ کی شادی بھی چھوٹی عمر میں ہی طے پائی۔ آپؓ کی شادی سیدہ اماں حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرار پائی۔ حضرت سیدہ سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور احباب جماعت عالیہ احمدیہ میں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بابرکت نام سے بھی موسوم ہیں۔ آپؓ کی پیدائش ۱۸۹۴ء میں پشاور میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت مولوی غلام حسن خان نیازی صاحبؓ پشاوری کے گھر میں ہوئی۔ ۱۲؍ستمبر ۱۹۰۲ء کو آپؓ کے نکاح مسنونہ کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ اخبار الحکم میں تحریر ہے کہ:-

''آپؓ کا نکاح حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ حق مہر پر پڑھا گیا۔ خطبہ نکاح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد کھجوریں تقسیم کی گئیں اور حاضرین مجلس کو چائے بھی پیش کی گئی''۔ (الحکم ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۲ء)

تقریب نکاح کے سلسلہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ماموں ڈاکٹر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

'' حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نکاح حضرت صاحبؑ کے گھر کے اندر صحن میں ہؤا تھا۔ جہاں اب حضرت ام المؤمنین رہتی ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت صاحبؑ نے امرتسر سے اعلیٰ قسم کے چھوہارے کافی مقدار میں تقسیم کرنے کے لئے منگوائے تھے جو مجلس میں کثرت سے تقسیم کئے گئے بلکہ بعض مہمانوں نے تو اس کثرت سے چھوہارے کھالئے کہ دوسرے دن حضرت صاحبؑ کے پاس یہ رپورٹ پہنچی کہ کئی آدمیوں کو اس کثرت کی وجہ سے پیچش لگ گئی ہے''۔ (سیرۃ المہدی جلد سوم صفحہ ۸۹)

اس رشتہ کو ترجیح دینے کے بارہ میں حضرت میاں صاحبؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ازراہ شفقت خاکسار کو اپنے ہاتھ سے تحریر شدہ ایک بہت ہی پیارا مضمون امریکہ سے بھجوایا ہے یہ مضمون ''ہماری والدہ'' کے نام سے اسی کتاب کی زینت ہے۔ اس مضمون میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ازراہ شفقت یہ تحریر فرمایا کہ وہ خط جس میں ابا جان کی اماں سے رشتہ کی تجویز تھی اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب نیازیؓ کے نام لکھا گیا تھا اس کی نقل پیش خدمت ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مجبی مکرمی اخویم مولوی غلام حسن صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اس سے پہلے اخویم مولوی عبدالکریم صاحب نے برخوردار محمود احمد کے رشتہ ناطہ کے لئے عام دوستوں میں تحریک کی تھی اور آپ کے خط کے پہنچنے سے پہلے ایک دوست نے اپنی لڑکی کے لئے لکھا اور محمود نے اس تعلق کو قبول کر لیا بعد اس کے آج تک میرے دل میں تھا کہ بشیر احمد اپنے درمیانی لڑکے کے لئے تحریک کروں جس کی عمر دس برس کی ہے اور صحت اور متانت، مزاج اور ہر ایک بات میں اُس کے آثار اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور آپ کی تحریر کے موافق عمریں بھی باہم ملتی ہیں اس لئے یہ خط آپ کو لکھتا ہوں اور میں قریب ایام میں اس بارے میں استخارہ بھی کروں گا اور بصورت رضامندی یہ ضروری ہوگا کہ ہمارے خاندان کے طریق کے موافق آپ لڑکی کو ضروریات علم دین سے مطلع فرمائیں اور اس قدر علم ہو کہ قرآن شریف با ترجمہ پڑھ لے نماز اور روزہ اور زکوۃ اور حج کے مسائل سے باخبر ہو اور نیز بآسانی خط لکھ اور پڑھ سکے اور لڑکی کے نام سے مطلع فرماویں اور اس خط کے جواب سے اطلاع بخشیں زیادہ خیریت ہے۔

والسلام خاکسار- دستخط (مرزا غلام احمد)

سبحان اللہ ۔خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو شکل وصورت یا مال و دولت کی کوئی پرواہ نہیں لیکن یہ فکر دامنگیر ہے کہ لڑکی ارکان اسلام کی پابند ہے یا نہیں؟ اسی لئے تو یہ رشتے بابرکت بن کر کامیاب ہوتے ہیں۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-''اس مکتوب کے علاوہ حضورؑ کے دست مبارک سے ہی لکھا ہؤا ایک اور خط بھی ملا ہے کہ جس میں شادی کا ذکر ہے یہ خط اور کچھ لفافے تبرکاً پیش کرتا ہوں۔ اصل تحریر کے عکس کی صورت میں اور ان کے نستعلیق بھی تا پڑھنے میں سہولت رہے:-

مجی اخویم مولوی غلام حسن صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آپ کا خط پہنچا حال معلوم ہؤا اس کے جواب میں گھر کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ دراصل اسوقت ہماری مرضی صرف یہ ہے کہ بغیر اس کے آپ کوئی معمولی شادیوں کا سامان کریں محض سنت کے موافق نکاح کر دیں اور پھر لڑکی صرف تین دن کیلئے قادیان میں آئے گی اور خوب ہوگا کہ آپ ساتھ آ جائیں دو خادمہ آ جائیں لڑکی کی والدہ آنے کی محض تین دن کے لئے ضرورت نہیں ہوگی اور پھر لڑکی آپ کے ساتھ ہی چلی جائے لڑکی ابھی نابالغ ہے اور لڑکا بھی دس برس کا ہے اسلئے یہ آمد محض بجا آوری رسم اور تعارف کیلئے ہوگی اور تین دن سے زیادہ نہیں ہوگی اور چونکے آپ ساتھ ہونگے اور دو خادمہ ہونگی اسلئے ایسی وجہ نہیں کہ لڑکی کا تین دن کیلئے دل گھبراوے اور والدہ بشیر احمد کہتی ہیں کہ جس حالت میں میرا لڑکا بشیر احمد جو صرف دس برس کا ہے مجھ سے علیحدہ ہو کر پشاور میں جائے گا تو پھر تین دن کیلئے لڑکی کا ماں سے جدا ہونا کیا مضائقہ ہے پھر ماسوا اسکے وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ اس میں بھی کیا مضائقہ ہے کہ لڑکی کی والدہ بھی ساتھ ہی آ جائیں ان کا بھی اس تعلق جدید میں تعارف وہ ایسے وقت ہو جائے گا۔

غرض جبکہ ابھی نہ سامان کی ضرورت ہے اور نہ ارادہ ہے کہ لڑکی تین دن سے زیادہ رہے اس صورت میں اس سفر میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا وہ وعدہ کرتی ہیں کہ تین دن تک آنے کے بعد پھر اس وقت تک لڑکی اپنے والدین کے گھر میں رہے گی اور ضروری تعلیم پاتی رہے گی جب تک کہ وہ پورے طور پر بالغ ہو جائے۔ بلکہ وہ کہتی ہیں کہ ہمیں خود اشتیاق ہے لڑکی کی والدہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے سو اس تقریب سے ملاقات ہو جائے گی اور محمود کی دلہن جو انہیں دنوں میں سات اکتوبر کو قادیان میں آ جائے گی اس لئے دونوں لڑکیوں کا بھی تعارف ہو جائے گا۔

اگر آپ ۱۱ر اکتوبر ـــہ نکاح کیلئے مقرر کردیں تو ۱۱ر اکتوبر کولڑکا معہ چند مہمانوں کے پشاور پہنچ جائے گا اور اس وقت تک جو آپ کی لڑکی قادیان میں آوے یہ لڑکی بھی قادیان میں رہے گی بظاہر اس میں کچھ حرج نہیں آئندہ جیسا کہ مرضی الٰہی ہووے ظہور میں آئے گا۔ والسلام۔ خاکسار۔ دستخط (مرزا غلام احمد)''۔(مکتوبات نسیم ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء)

اس رشتہ کو ترجیح دینے کے بارہ میں حضرت قمر الانبیاءؑ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بڑے بھائی حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:۔

'' مجھے یاد ہے کہ جس جگہ میاں بشیر احمد صاحب کی شادی کی تحریک ہوئی اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اس خاندان کی کس قدر اولاد ہے؟ اور جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ سات لڑکے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تمام باتوں پر غور کرنے سے پہلے فرمانے لگے '' بہت اچھا ہے۔ یہیں شادی کی جائے''۔(خطبات النکاح حصہ دوم صفحہ ۱۷۶)

مئی ۱۹۰۶ء میں آپؓ کی شادی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ اس کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ اور اپنے بڑے بھائی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نیز دیگر احباب کے ہمراہ دس مئی ۱۹۰۶ء کی صبح کو بارات لے کر پشاور روانہ ہوئے اور شادی کے بعد ۱۶ر مئی ۱۹۰۶ء کو دلہن حضرت سیدہ سرور سلطان بیگم صاحبہؓ کے ہمراہ قادیان واپس تشریف لے آئے۔(الحکم ۱۷ر مئی ۱۹۰۶ء)

اس بابرکت شادی خانہ آبادی کی تقریب کے وقت حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی عمر ۱۳ر سال اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی عمر ۱۲ر سال کی تھی۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ اس بابرکت شادی کے بارہ میں تحریر فرماتی ہیں:۔

'' شادی ہوئی تو آج کل کی پود کو دیکھتے ہوئے بچہ ہی تھے مگر بہت سنجیدگی اور وقار سے وہ پہلے پہل کے دن بھی گزارے۔ کوئی ناپختگی یا بچپن کی علامت، لڑائی جھگڑا کسی قسم کی کوئی بات میں نے نہیں دیکھی حالانکہ ہر وقت کا ساتھ تھا۔ صرف عزیزہ امۃ السلام کی پیدائش پر شرمائے۔ ان کو نہ کبھی گود میں لیا نہ بات کی جب وہ بیاہی گئیں تو وفور شرم ٹوٹی اور بولنے چالنے لگے۔ عزیزہ امۃ السلام کا بچپن تو حضرت اماں جانؓ اور حضرت بڑے بھائی صاحب کی ہی گود میں گزرا۔ انہوں نے ہی سب لاڈ پیار کئے ناز اٹھائے۔ ان کی شادی کے وقت بھی سب اماں جانؓ اور بڑے بھائی پر فیصلہ چھوڑا کہ آپ کو ہی اختیار ہے اور بعد میں دوسرے بچوں کے مواقع پر بھی یہی طرز عمل قائم رہا۔ اگر حضرت اماں جانؓ نے کہہ دیا کہ اپنے اس لڑکے کا فلاں لڑکی سے رشتہ کر دو تو بلا چون و چرا منظور تھا اسی طرح لڑکیوں کا معاملہ بھی غرض سب ان دونوں بزرگ ہستیوں پر ہمیشہ چھوڑا۔

منجھلی بھابی جان بیاہ کر آئیں تو نہ معاشرت نہ طور و طریق نہ وضع لباس وغیرہ نہ زبان کچھ بھی مشترک نہ تھا اور آخر نادان کم عمر تھیں وہ بے چاری بھی۔ کئی بار اگر وہ تعلقات بگاڑنے والے ہوتے تو بگڑ سکتے تھے مگر ایسی خوش اسلوبی سے نبھایا کہ ایسے نمونے مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ ادھر سالہا سال سے وہ بیمار بھی چلی آرہی ہیں۔ اتنے دراز عرصہ میں انسان اور اتنے کاموں والا جس کے کندھوں پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ہوں اور خود بیمار ہو اس سے غفلت بھی ہوسکتی ہے کسی وقت بے دھیان بھی ہوسکتا ہے مگر کبھی ان کی خدمت اور دیکھ بھال سے غافل نہیں ہوئے۔ ذرہ ذرہ دیر کے بعد اس حال میں کہ اپنی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں طبیعت خراب ہے ان کی خبر پوچھنے ان کے کمرے میں جارہے ہیں۔ ان کی خادمات کی خاطریں ہو رہی ہیں کہ

اس بے کس بیمار ولا چار کو چھوڑ کر نہ چل دیں۔غرض بچپن کی حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھوں کی لگائی خوب نبھائی۔

اولاد کے لئے بہترین شفیق باپ تھے۔کسی بات پر سمجھاتے بھی تو نرمی سے اگر کسی امر کی اصلاح مدنظر ہوتی اور شاید اس خیال سے کہ میں نرمی کروں گا تو دوسرے عزیز کو قریب سے کہتے کہ ذرہ فلاں بچہ کو تم اس معاملہ میں سمجھانا۔مجھ سے بھی یہ خدمت لی ہے۔غرض آپؓ کی گھریلو زندگی کا بھی ہر پہلو ایک نمونہ تھا۔یہ سوچ کر ایک ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے کا سماں تصور میں آتا ہے کہ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی ہے اور ابرِ رحمت سے قطرے گر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر تا ابد برستی رہے۔آمین‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷-۸)

مجھے بھی یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ کے عزت واحترام اور آرام وسکون نیز علاج معالجہ کا بے حد خیال رکھتے تھے۔اسی سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے بھی تحریر فرمایا کہ:-

’’ والدہ کی گذشتہ سات سالہ بیماری کے دوران میں جس میں بعض ایام میں بیماری کی شدت اور تکلیف بہت بڑھ جاتی تھی آپؓ نے جس خوشی اور صبر وتحمل سے ان کی تیمارداری کی وہ آپؓ ہی کا حصہ تھا۔باوجود اس کے کہ آپؓ خود بیمار رہتے تھے لیکن پھر بھی دن اور رات میں متعدد مرتبہ والدہ کے کمرہ میں تشریف لاتے،طبیعت پوچھتے اور ساتھ بیٹھے دعائیں کرتے رہتے۔میری آنکھوں کے سامنے یہ سب نظارے اب بھی تازہ ہیں۔بعض مرتبہ خود اتنی تکلیف میں ہوتے تھے کہ مشکل سے چل سکتے تھے لیکن اس حالت میں بھی کراہتے،سوٹی یا دیوار کا سہارا لیتے ہوئے آتے اور کافی دیر تک پاس بیٹھ کر تسلی دیتے اور دعائیں کرتے رہتے۔سچ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم بہن بھائی بھی والدہ کی خدمت کرتے رہے اور گو ہم جوان تھے لیکن یہ ساری خدمت ابا جانؓ کی خدمت کا پاسنگ بھی نہ تھی اور میں تو کئی مرتبہ اس- CONTRAST - کا احساس کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتا تھا‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء)

اسی طرح خاکسار کو بھی یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ گھر میں ہمیشہ دھیمی آواز میں گفتگو فرماتے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ سے بے حد محبت،خلوص اور حلیمی کے ساتھ مخاطب ہوا کرتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور جب کبھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ زیادہ بیمار ہو جاتی تھیں تو پھر خود اپنی بیماری کے باوجود اور اپنی تمام تکالیف کو بھول کر نیز اپنی ناتوانی کے باوجود آپؓ اپنا کھانا بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں ہی تناول فرماتے اور دلداری کی باتیں کیا کرتے تھے اور ان کو تسلی وتشفی دیا کرتے تھے۔سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے آپؓ کی بے انتہا محبت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؓ ان کی ہر بیماری کے لئے نہ صرف بذات خود دعا فرماتے اور اپنے عزیز رشتہ داروں اور دوستوں کو دعا کے لئے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے بلکہ مساجد میں اعلان کروائے جاتے حتیٰ کہ تمام جماعت کو بھی بذریعہ روزنامہ الفضل ربوہ دعا کی خاص تحریک فرمایا کرتے تھے۔

اب جب بھی مجھے یہ واقعات یاد آتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے بادِ نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے میری روح کو اپنی بھینی بھینی خوشبو سے معطر کر رہے ہیں اور میں سوچتا ہوں کہ ایسے اچھے،بہترین مشفق اور کامل ترین وجود ہمیں چھوڑ کر کیوں اتنی جلدی اس دنیا سے رخصت ہو گئے؟ کاش ! وہ ہماری تعلیم وتربیت کے لئے کچھ عرصہ اور ہمارے درمیان موجود رہتے لیکن پھر سوچتا ہوں کہ یہ زندگی تو فانی ہے لیکن آپؓ کی پیاری یادیں تو تا ابد زندہ رہیں گی اور ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔آپؓ کی خدمت میں گزرے ہوئے وہ چند سال میری زندگی کا سب سے زیادہ عزیز اور بہترین سرمایہ ہیں لیکن

قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے؟ اور خدا کی مرضی کے سامنے کس کی کیا مجال ہے کہ کچھ بولے ؟ اس لئے نہایت ہی غمزدہ ہو کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ سبق آموز پیاری نصیحت یاد آجاتی ہے کہ:-

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین)

اے اللہ۔اے میرے پیارے خدا۔تو نہ صرف ان بزرگوںؓ کو اپنا قرب عطاء فرما بلکہ ہمیں بھی صبر جمیل عطاء فرما اور میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ہمیں ایک دوسرے سے ضرور دوبارہ ملوانا اور ان معزز بزرگوں کے ساتھ ساتھ مجھ عاجز کو بھی اپنے قدموں میں جگہ عنایت فرمانا۔ آمین

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بابرکت اولاد کی بعض روایات کے پیش نظر میں آپ کو خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پاکیزہ شاخ سے متعارف کروانا بھی ضروری سمجھتا ہوں تا کہ جب کسی روایت میں اس بابرکت اولاد کا ذکر ہو تو احباب پر اس روایت کی اہمیت واضح ہو جائے کیونکہ میرے اس مضمون میں زیادہ روایات خاندان مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز افراد سے زبانی یا تحریری صورت میں ہی خاکسار کو میسر آئی ہیں۔

حضرت قمرالانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی صاحب حیات اولاد

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ پیدائش
۱	حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب	۱۸ر جولائی ۱۹۲۴ء قادیان
۲	حضرت صاحبزادی امتہ الطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ	۴ر نومبر ۱۹۳۵ء قادیان

حضرت قمرالانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بہو بیٹیاں

نمبر شمار	بہوؤں کے اسمائے گرامی	بیٹوں کے اسمائے گرامی	اولاد
۱	حضرت صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ	حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب	--------
۲	حضرت صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ	حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب	تین بیٹیاں
۳	حضرت صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ	حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب	ایک بیٹی دو بیٹے

۴	حضرت صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ	بریگیڈیئر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب	ایک بیٹا چار بیٹیاں
۵	حضرت صاحبزادی قدسیہ بیگم (بی بی قُدو) صاحبہ	حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب	تین بیٹیاں دو بیٹے

یہ تمام صاحبزادیاں خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ سلامت ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت ڈالتا چلا جائے۔ آمین

حضرت قمر الانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے داماد

نمبر شمار	دامادوں کے سمائے گرامی	بیٹیوں کے اسمائے گرامی	اولاد
۱	حضرت صاحبزادہ مرزا رشید احمد صاحب	حضرت صاحبزادی امۃ السلام بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	دو بیٹے دو بیٹیاں
۲	حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب	حضرت صاحبزادی امۃ الحمید بیگم صاحبہ	دو بیٹے ایک بیٹی
۳	حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب	حضرت صاحبزادی امۃ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ	ایک بیٹا دو بیٹیاں
۴	حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب	حضرت صاحبزادی امۃ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ	تین بیٹے ایک بیٹی

دامادوں میں سے حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب خدا تعالیٰ کے فضل سے واحد داماد زندہ سلامت ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں مزید برکت ڈالتا چلا جائے۔ آمین

حضرت قمر الانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات یافتہ اولاد

نمبر شمار	سمائے گرامی	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات	مدفون
۱	حضرت صاحبزادی امۃ السلام بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۷ر اگست ۱۹۰۷ء قادیان	یکم جون ۱۹۸۰ء ربوہ	ربوہ
۲	حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب اول	---قادیان	---۱۹۱۰ء قادیان	قادیان

۳	حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب	۲۸/فروری ۱۹۱۳ء قادیان	۲۲/جولائی ۲۰۰۲ء واشنگٹن ڈی سی امریکہ	ربوہ
۴	حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب	۳/جنوری ۱۹۱۵ء قادیان	---۱۹۸۹ء ربوہ	ربوہ
۵	حضرت صاحبزادی امتہ الحمید بیگم صاحبہ	۱۶/اگست ۱۹۱۶ء قادیان	---اگست ۱۹۷۶ء ربوہ	ربوہ
۶	حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب	۲۶/اگست ۱۹۱۸ء قادیان	یکم دسمبر ۱۹۹۹ء ربوہ	ربوہ
۷	حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب اول	---قادیان	---۱۹۲۱ء قادیان	قادیان
۸	حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب (بریگیڈیئر)	۲۲/اگست ۱۹۲۲ء قادیان	۱۵/جون ۲۰۰۲ء لاہور	ربوہ
۹	حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ	۱۵/جنوری ۱۹۲۶ء قادیان	۲۰/جولائی ۱۹۹۸ء ربوہ	ربوہ

☆

دعا اور دوا

خاکسار کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ میرے بچپن سے ہی حضرت میاں صاحبؓ مجھ پر بے حد مہربان تھے اور شفقت کی انتہاء یہ ہے کہ آپؓ نہ صرف چھوٹی چھوٹی قرآنی آیات اور دعائیں مجھے یاد کروایا کرتے تھے بلکہ اپنے ہمراہ مسجد مبارک میں بھی نمازِ باجماعت کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ نمازِ باجماعت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ دعائیں سکھانے کے لئے آپؓ قدرے بلند آواز میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے اور یہ خاکسار آپؓ کے ساتھ ساتھ دھیمی آواز میں ان کو دہرایا کرتا تھا اور یوں چند ہی دنوں میں وہ دعائیں خود بخود ازبر ہو جایا کرتی تھیں۔ اسی طرح چند دن گزرنے کے بعد آپؓ وہ دعائیں مجھ سے سُن لیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں یاد کی ہوئی دعائیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ آپؓ کی شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر دعا یاد کرنے پر شاباشی کے لئے بسکٹ، ٹافیاں، مرمرہ یا پھر برفی، لڈو یا جو دل چاہے وہ چیز کھانے کو ملا کرتی تھی۔ نماز باجماعت سے یاد آیا کہ آپ ہمیشہ وقت پر مسجد میں تشریف لے کر آتے اور میں نے کبھی آپؓ کو لیٹ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا کیونکہ آپؓ وقت کی پابندی کو بہت پسند فرماتے تھے۔ جمعۃ المبارک کے روز بہت سے احباب پہلی اذان کے ساتھ ہی مسجد مبارک میں پہنچ کر سنتیں اور نوافل ادا کرتے یا دعائیں پڑھا کرتے تھے لہذا جب آپؓ گھر میں سنتیں ادا کرنے کے بعد مسجد میں تشریف لاتے تو بعض اوقات مسجد کا اندرونی حصہ پُر ہو چکا ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آپؓ نے بعد میں آ کر ایک دوسرے کے اوپر سے پھلانگ پھلانگ کر آگے جانے کی کوئی کوشش کی ہو۔ حتیٰ کہ کڑی گرمی کے موسم میں بھی جبکہ مسجد مبارک کے صحن میں کناتوں اور شامیانوں کے سایہ کے باوجود حبس اور گرمی اپنی انتہا کو ہوتی تھی لیکن تب بھی آپؓ دوسرے تمام نمازیوں کی طرح اسے برداشت کرتے۔ وگرنہ اگر آپؓ چاہتے تو یقیناً مسجد مبارک کی سب سے پہلی صف میں بھی آپؓ کے لئے جگہ مخصوص کر دی جاتی لیکن آپؓ کو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے حالانکہ بعض احباب بعد میں تشریف لاتے اور ایک دوسرے کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے آگے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے تا کہ کسی نہ کسی طرح مسجد مبارک کے اندر لگے ہوئے بجلی کے پنکھوں کے نیچے انہیں جگہ مل جائے اور اس طرح باہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ کی شدید گرمی سے کچھ نجات مل جائے کیونکہ یہ ظالم گرمی شامیانوں کے سایہ کے باوجود اس انتہا کی ہوتی تھی کہ الامان ۔ الحفیظ۔ میں نے خود کئی مرتبہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب یا پہریداروں میں سے کسی کو پنکھا جھلتے ہوئے بھی دیکھا لیکن آپؓ خدا کی خاطر اور نماز کی ادائیگی کے لئے اس گرمی کو بھی برداشت کرتے رہے اور کبھی حرف شکایت میں نے آپؓ کے لب مبارک پر نہ دیکھا نہ آپؓ سے کبھی اس کو سنا ۔ اسی سلسلہ میں مکرم پروفیسر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت میاں صاحبؓ کا مکان وہ ہے جس میں آج کل ڈاکٹر نصرت جہاں قیام رکھتی ہیں مگر اس میں بھی تبدیلی آ چکی ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ کھلا برآمدہ تھا اور سیڑھیاں چڑھ کر سیدھے حضرت میاں صاحبؓ کا کمرہ تھا۔ پچھلے پہر کی دھوپ سیدھی کمرے پر پڑتی تھی اور کمرہ تپ جاتا تھا۔ ایئر کنڈیشننگ تو بہت بعد کی بات ہے۔ اس وقت حضرت میاں صاحبؓ پنکھے کے نیچے ایک ٹب پانی سے بھرا ہؤا رکھوا دیتے اور اس ٹب میں برف کا ایک بڑا سا ڈلا تیرتا رہتا۔ اس سے گرمی میں خاصی بچت ہوتی۔ خس کی ٹٹیوں کا کوئی رواج نہیں تھا نہ ڈیزرٹ کولر کا۔ یہ سب سہولتیں بعد کی ہیں مگر اس جھلستی گرمی میں بھی کام جاری رہتا تھا۔ جمعہ کے روز بھی کام ہوتا ہاں اتنا ہوتا کہ جمعہ کے وقت حضرت میاں صاحبؓ عین وقت پر گھر سے نکلتے۔ ایک جانماز ساتھ رہتی۔ چھتری ضرور تان لیتے۔ مسجد میں پہنچتے جہاں جگہ ملتی وہیں اپنی جانماز بچھا لیتے اور تشریف فرما ہو جاتے۔ لوگوں کے اوپر سے سے پھلانگ کر آگے جانا انہیں بہت کھلتا تھا ہرگز ایسا کرنا روا نہیں جانتے تھے۔ کئی لوگ انؓ کے بعد تشریف لاتے اور پھلانگ پھلانگ کر آگے

بڑھتے۔حضرت میاں صاحبؓ منہ سےتو کچھ نہ فرماتے البتہ چہرے پر ناگواری کا اثر ضرور پیدا ہوتا۔نماز ختم ہوتے ہی واپس۔اس کے بعد پھر دفتر کا کام شروع ہوجاتا''۔(مکتوبات نسیم مؤرخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۹۸ء)

برف کے اس ڈلے کے ذکر سے یاد آیا کہ حضرت میاں صاحبؓ کو میری ہوش میں سال میں کئی مرتبہ بخار ہوجایا کرتا تھا اور اگر یہ بخار کبھی گرمیوں کے زمانہ میں ہوجاتا تو بارہا اس عاجز کو حضرت میاں صاحبؓ کی فرمائش پر برف کو تولیہ میں لپیٹ کر آپؓ کے پاؤں کے تلووں پر ملنے بلکہ گھٹنوں تک ٹانگوں پر رگڑنے کی سعادت نصیب ہوئی۔آپؓ کی مبارک ٹانگوں پر بہت تھوڑے بال تھے۔آپؓ کے مبارک پاؤں کے سفید تلوے انتہائی نرم اور نہایت ملائم تھے کہ جنہیں سہلاتے ہوئے ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوا کرتی تھی۔بخار کی شدت میں بعض اوقات آپ کسی تولیہ کو اسی برف والے پانی میں نم کر کے نچوڑ کر اپنے سر پر بھی رکھ لیا کرتے تھے۔بہرحال تولیہ میں لپٹی ہوئی برف کو اس طرح تلووں پر رگڑنے سے آپؓ کے بخار میں عموماً کمی واقع ہوجایا کرتی تھی جس سے آپؓ کے بابرکت وجود کو کچھ راحت ملتی اور ہمیں بھی اطمینان نصیب ہوتا کہ شکر الحمدللہ! حضورؓ کی طبیعت کچھ تو سنبھلی ہے۔تیز بخار اور پٹھوں میں شدید درد کے باوجود آپؓ ضبط فرماتے لہذا میں نے کبھی آپؓ کو کراہتے ہوئے نہیں دیکھا۔اپنے بچپن سے ہی میں یہی نظارہ دیکھتا چلا آیا ہوں لہذا اسی وقت سے میری بھی یہ پختہ عادت ہوگئی ہے بلکہ میرے ساتھ ساتھ میری آل اولاد کو بھی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوجائے اور کتنا ہی تیز بخار کیوں نہ ہو یا کتنا ہی گہرا زخم کیوں نہ ہو ہم نے کبھی ہائے وائے نہیں کیا یہاں تک کہ میرے بچوں کو بھی جب کبھی موسمی بخار وغیرہ ہوجائے تو ان کے کمروں میں ایسی خاموشی ہوتی ہے کہ ہمیں بارہا جا کر یہ دیکھنا پڑا کہ وہ گھر میں موجود بھی ہیں کہ نہیں؟ حضرت میاں صاحبؓ کی پاکیزہ شخصیت کے بارہ میں مربی سلسلہ مکرم ڈاکٹر مولانا محمد جلال شمس صاحب مبلغ سلسلہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ نہایت ہی خوبصورت ، وجیہہ اور باوقار تھے۔سپید چہرہ،سفید پگڑی،سفید ریش ، لمبا کوٹ زیب تن،ہاتھ میں چھڑی۔آپؓ کی خوبصورتی کو یہ سب چیزیں اور بھی اُجاگر کرتیں اور سچ تو یہ ہے کہ پگڑی، کوٹ اور چھڑی کو حُسن آپؓ خود عطاء کرتے تھے۔مسجد مبارک میں نماز ادا کرتے اور جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔اُن ایام میں پہلی صف میں بزرگوں کے لئے جگہ مخصوص ہوتی تھی اور سلسلہ کے علمائے کرام اور بزرگان جماعت بالعموم پہلی صف میں ہی نماز ادا کرتے تھے لیکن میں نے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو کبھی بھی نماز کے لئے خصوصی جگہ تلاش کرتے نہیں دیکھا''۔(مکتوبات نسیم۔۲۷؍ اپریل ۱۹۹۹ء)

نماز کی باجماعت ادائیگی کے ساتھ ساتھ آداب مساجد کو ملحوظ رکھنے کے لئے بھی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت کو بہت سی قیمتی نصائح سے نوازا۔نماز باجماعت کے سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ آپؓ نے ۱۹۵۹ء میں اطفال الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنا ایک پیغام بھی بھجوایا تھا کہ جسے ہم سب اطفال نے بے حد شوق اور توجہ سے سنا تھا اور اس پیغام میں آپؓ نے اطفال کو پانچ باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی تھی:-''(۱) صداقت۔(۲) دیانتداری۔(۳) محنت، جانفشانی اور عرق ریزی۔(۴) جماعت احمدیہ کے لئے زیادہ زیادہ سے قربانی کا جذبہ۔(۵) نماز کی پابندی اور دعاؤں کی عادت''۔(الفضل ۴؍نومبر ۱۹۵۹ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جب کبھی بھی قربانی یا صدقہ کے لئے کوئی جانور دینا ہوتا تو آپؓ اپنے ہمسایہ مکرم مولوی بشارت اللہ صاحب کو بلوا کر اپنی خواہش کا اظہار فرمادیا کرتے تھے اور مکرم مولوی بشارت اللہ صاحب اپنے ریوڑ میں سے چند اچھی اچھی بھیڑیں یا دُنبے یا چکی دُنبے یا بکرے چن کر آپؓ کی خدمت میں پسند کرنے کے لئے پیش کردیتے۔بعض اوقات حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ خود ان

بھیڑ بکریوں کی پُشت کو اپنے ہاتھ سے ٹوہ کر ماپتے اور اپنے پسندیدہ جانور کو تلاش کرتے ۔مکرم مولوی بشارت اللہ صاحب ہندوستان کے ایک زمیندار گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن پاکستان آکر انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر یہ کاروبار سنبھال لیا۔الغرض قصہ یہ کہ آپ کو اپنے کاروبار کے ساتھ ساتھ مسجد مبارک میں اذان دینے کا بھی بے حد شوق تھا اور خصوصاً آپ ہر جمعہ کو ربوہ کی مسجد مبارک میں اذان دیا کرتے تھے اس کے علاوہ بھی اگر آپ کو فرصت ملتی تو اسی مسجد میں اذان دینا آپ کا وطیرہ تھا اور اسی شوق کی برکت سے مکرم مولوی بشارت اللہ صاحب کو مسجد اقصیٰ ربوہ کے افتتاحی خطبہ جمعہ کے موقعہ پر مؤرخہ ۳۱/ مارچ ۱۹۷۲ء کو خطبہ جمعہ سے پہلے اذان دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔خطبہ حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ارشاد فرمایا۔(اقتباس از تابعین اصحاب احمدؑ -جلد ۱۰-صفحہ ۱۰۰)

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ قربانی اور صدقات نیز خیرات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ :-

’’ صدقات دینے سے بھی آنے والی مصیبت ٹل سکتی ہے اور گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے بہت سی دوسری مشکلات کو بھی دور فرما دیتا ہے‘‘ لہٰذا آپؓ صدقات اور قربانی دینے کا بے حد خیال رکھتے۔صدقہ اور قربانی دینے کے لئے اگر کوئی جانور ذبح کیا جاتا تو آپؓ اس کی قبولیت کے لئے جانور کو ذبح کرنے والی چھری پر دعا پڑھا کرتے تھے۔کئی مرتبہ میں نے آپؓ کو خود چُھری پھیر کر ذبح کرنے کا آغاز کرتے ہوئے بھی دیکھا جس میں آپؓ نے ایک مرتبہ جانور کے گلے پر چھری پھیری اور پھر بقیہ کام مکرم بشارت اللہ صاحب نے مکمل کیا۔قربانی اور صدقہ کے گوشت میں سے ایک حصہ محلّہ میں پھرنے والے کتوں کو اور ایک حصہ فضاء میں اڑنے والے کوّوں اور چیلوں کے لئے مکان کی چھت پر خود بھی پھینکا کرتے تھے اور اس عاجز کے ذریعہ بھی پھینکوایا کرتے تھے۔اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ پرانی کوٹھی میں میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ بعض اوقات چھت پر پھینکتے ہوئے گوشت میری کم عمری اور ناتوانی کے باعث پھر زمین پر آگرتا کہ جسے میں ایک مرتبہ پھر اپنا پُورا زور لگا کر دوبارہ چھت پر واپس پھینکتا لیکن اس کے باوجود حضرت میاں صاحبؓ مجھے ہی یہ حکم فرماتے کہ چیلوں اور کوّوں کو یہ گوشت ڈال دوں۔اس کے بعد جب ہم حضرت میاں صاحبؓ کی نئی کوٹھی البشریٰ میں منتقل ہو گئے تو تب اس نئی کوٹھی کی چھت پر صدقہ وغیرہ کا گوشت پھینکنے کی بجائے میں آپؓ کی ہدایت کے مطابق سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر جا کر یہ گوشت چھت پر ڈال دیا کرتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ سن پچاس کی دہائی کے اختتام پر ایک مرتبہ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سنت نبویہؐ پر عمل کرنے کی خاطر عید الاضحیٰ کے موقعہ پر ایک اونٹ کی قربانی بھی دی تھی لیکن جب گھر میں اس کا گوشت پکا تو سب نے بہت شوق سے کھایا لیکن میں نے یونہی سونگھ کر چھوڑ دیا حالانکہ اگر مجھے کوئی یہ نہ بتاتا کہ یہ اونٹ کا گوشت ہے تو میں بھی یقیناً چُپ چاپ اسے کھا لیتا۔اونٹ کے گوشت کی قربانی سے مجھے یاد آیا کہ امام جماعت احمدیہ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حضرت عمو جانؓ کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا کہ:-

’’ابھی دو تین کی بات ہے کہ ابا جان (سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ۔ناقل) عمو صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ایک دفعہ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقعہ پر اونٹ کا گوشت بھی کھایا تو میاں شریف (چھوٹے چچا جانؓ) جو اس وقت چھوٹے سے تھے، بولے کہ ہاں! مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے۔میں بھی اس وقت پاس ہی تھا۔اس پر میاں بشیر (یعنی عمو صاحبؓ) نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں اور آپ نے ضرور کھایا ہوگا کیونکہ یہ آپ کی پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے کا واقعہ ہے‘‘۔(ماہنامہ خالد ربوہ۔فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۹-۳۰)

کوٹھی البشریٰ کی بات ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ قربانی کے جانوروں کا گوشت اپنے محلّہ دارالصدر غربی کے غرباء میں تقسیم کرنے کے لئے محلّہ دارلصدر غربی کے صدر مکرم ملک محمد رفیق صاحب کو بھجوا دیتے یا پھراسے ربوہ میں مقیم مخلص احمدی غربأ میں تقسیم کرنے کی غرض سے دارالضیافت میں بھجوا دیا جاتا۔آپؓ اپنی تمام عمر ہر بیکس ولاچار کی مدد کرنے میں دلی خوشی محسوس کرتے رہے اور قرآن مجید میں درج اور احادیث میں تحریر نیز سنت نبوی کے عین مطابق احکامات صالحہ پر عمل کر کے ہمارے لئے صراط مستقیم پر چلنے کو با آسان بناتے رہے۔الغرض آپؓ اپنی تمام زندگی بھر اپنے ہر ایک عمل سے خدا اور اس کے رسول ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کی پیروی کرتے رہے۔اسی سلسلہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے استفسار پر کہ چیلوں اور کتوں کو گوشت ڈلوانے کی کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ:-

’’ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسا کرتا ہوں اور پھر سورۃ ذاریات کی یہ آیت پڑھی ’’ وَ فِیٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ‘‘ لِّلسَّائِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ‘‘ ۔ (الــذّٰریٰــت : ۲۰ ۔ناقل) فرمایا کہ محروم میں وہ لوگ شامل ہیں جو سوال نہیں کرتے اور ان میں حیوان وغیرہ بھی شامل ہیں جو سوال نہیں کر سکتے۔ سوال کرنے والا تو اپنے حق کا مطالبہ کر لیتا ہے مگر جو سوال نہیں کرتا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہدایت فرمائی ہے کہ محروم کے حق کا بھی خیال رکھا جائے‘‘۔(الفضل خاص نمبر ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

جیسا کہ اس آیت کریمہ (الــذّٰریٰت : ۲۰) سے بھی اس بات کا ثبوت مہیا ہوتا ہے کہ نہ صرف غیرت مند غریب ہی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے بلکہ ان میں تمام بے زبان جانور بھی شامل ہیں جو کہ اپنی زبان سے کچھ نہیں مانگ سکتے لہذا ان کی بے زبانی کی وجہ سے ان سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہئے۔اسی لئے تو قرآن مجید میں بار بار ایسے بے زبان معصوموں کا ذکر ہے جو کہ اپنی زبان سے تو کچھ نہیں بولتے لیکن ان کے حالات دیکھ کر سمجھنے والے جان لیتے ہیں کہ یہ شخص مرتا مر جائے گا لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :-لِلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ اور تمام پرہیزگار متقین کے مال و دولت میں ایک حصہ اُن بے زبانوں کا بھی ہوتا ہے جو خود سوال کرنے سے عاجز ہیں۔(المعارج: ۲۶ ۔ناقل)۔اسی طرح مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ حضرت میاں صاحبؓ کے پاس لوگ صدقہ کی رقوم بھی بھیج دیتے تھے کہ انہیں مستحقین میں تقسیم کر دیں۔-حضرت میاں صاحبؓ مستحقین میں بانٹ دیتے مگر اس باب میں اخفاء کے قائل تھے۔ایک بزرگ تھے جو بیمار تھے اور کام کاج کرنے سے معذور تھے اور ان کے رشتہ دار خاصے خوشحال لوگ تھے مگر ہمیں اور صرف ہمیں ہی اس بات کا پتہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کے اس ناداروں کی امداد کے فنڈ سے ان کو ایک معین رقم ملتی تھی اور اتنے اخفاء سے ملتی تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی ۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا۔اب ان کی اولاد بڑی خوشحال ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی مخلص اور جماعت کی خدمت گزار ہے۔ بہت سی بیوگان کا وظیفہ مقرر تھا، بہت سے سفید پوش نادار اس امداد سے مستفید ہوتے تھے مگر حضرت میاں صاحبؓ کا عمل یہ تھا کہ ایسے لوگوں کا کسی صورت میں اعلان نہیں ہونا چاہئے ۔ بہت بعد کی بات ہے کہ ایک بار موجودہ حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ناقل) نے وقفِ جدید کے زمانہ میں ہمارے ایک دوست کو کچھ رقم عنایت فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ صدقہ کا ایک مصرف تالیف قلب بھی ہے۔میں نے جس سفید پوش کی مدد کی ہے وہ بیچارہ کسی کے سامنے ہاتھ کیسے پھیلاتا ؟ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا اسوہ بھی یہی تھا‘‘۔(مکتوبات نسیم ۔۱۹/دسمبر ۱۹۹۸ء)

شاید اسی لئے جرمن زبان میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ:-Der Apfel fällt nicht weit vom Stamm ۔کہ’’سیب اپنے درخت سے زیادہ دور نہیں گرتا‘‘ اور اردو میں یہی کہاوت یوں مشہور ہے کہ’’ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے‘‘۔صدقہ وخیرات کی تقسیم کے بارہ

میں محترمہ امتہ الشافی صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

'' ایک دفعہ اس عاجزہ نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ میں صدقہ دینا چاہتی ہوں مگر میرے اردگرد جو لوگ ہیں وہ ہیں تو مستحق مگر احمدی نہیں ہیں۔ کیا میں ان کو صدقہ دے دوں ؟ حضرت میاں صاحبؓ نے اس خط کے جواب میں فرمایا: '' ہمارا خدا تعالیٰ تو رازق ہے اور وہ رزق سبھی کو دیتا ہے۔اس نے مسلم اور غیر مسلم کی بھی کوئی شرط نہیں لگائی۔ہمیں بھی احمدی اور غیر احمدی کا کوئی خیال نہیں کرنا چاہیے''۔(''مصباح ربوہ'' قمرالانبیاء نمبر صفحہ ۸)

اسی سلسلہ میں مجھے اپنی کم عمری کے باوجود اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے فرمان پر ربوہ اور گرد و نواح کے ضرورت مند گھرانوں کو ہر سال موسم خزاں میں یعنی سردیوں کے آغاز میں ہی ان گھرانوں کی ضرورت کے مطابق انہیں دلائیاں اور گرم رضائیاں اور گدے وغیرہ ملا کرتے تھے۔رضائیوں کا کپڑا تو عموماً مختلف رنگوں کا ہوتا تھا لیکن گدوں کے کپڑے کا رنگ ایک ہی ہوا کرتا تھا یعنی گہرے سُرخ رنگ (کلیجی رنگ) کی لکیروں کی چھپائی والا کپڑا۔ان کے علاوہ غریب غرباً کو حسب ضرورت چارپائیاں بھی مہیا کی جاتی تھیں اور بعض اوقات تو غرض مندوں کے لئے ان کے مطالبہ پر اسی وقت چارپائی بان کو بلوا کر قصر خلافت میں مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر کے باہر اُسی وقت بُنا بھی جایا کرتا تھا تا کہ وہ غرض مند افراد اُسی وقت ان چارپائیوں کو اپنے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں لے جائیں۔ان اشیا کی ترسیل و تقسیم حسب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر سے ہوا کرتی تھی۔

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ اُن دنوں حضرت مولوی قمر الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے مکرم صفی الدین صاحب (جو کہ مِسّا کے نام سے زیادہ مشہور تھے) بھی نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے اور لوگ عموماً وقت سے بھی پہلے بیدار ہو کر ان کی اذان دینے کا انتظار کیا کرتے تھے۔یہ میری ہوش کا نظارہ ہے کہ اُس وقت ربوہ کا یہ عالم تھا کہ ایک سے آگے بڑھ کر دوسرا شخص نماز باجماعت کے لئے مسجد مبارک کی سمت دوڑا کرتا تھا۔دوسرے محلوں کا بھی یہی حال تھا اور وہ لوگ بھی اپنے اپنے محلّہ کی مساجد کو بغرض نماز تشریف لے جانے کے لئے تیار رہتے اور اس معاملہ میں سب ہی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی لئے بھی بیتاب رہتے تھے۔صبح ہی صبح اطفال الاحمدیہ بھی خدام الاحمدیہ کے ساتھ مل کر

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلٰی کَرِیْمِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

کا وِرد کرتے ہوئے مسجد مبارک یا اپنے محلّہ کی مساجد میں پہنچا کرتے تھے اور خدام واطفال اس جوش وخروش سے یہ ورد کرتے کہ صبح کی خاموشی میں دور دور کے محلوں سے بھی اس ورد کی آواز آیا کرتی تھی۔سبحان اللہ ! نماز باجماعت کا کیا ہی اعلیٰ نظارہ ہوتا تھا۔نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآنِ کریم ہوا کرتا تھا اور اس میں شمولیت کے بعد لوگ سیر کرنے کے لئے چل نکلتے یا بہشتی مقبرہ میں دعا کی غرض سے چلے جاتے اور پھر گھروں کو واپسی ہوتی۔اس کے بعد ناشتہ سے فراغت کے بعد لوگ اپنے اپنے کام کاج کی طرف اور بچے سکولوں کی جانب چل نکلتے۔الغرض نمازِ فجر کی برکت اور اس میں شمولیت کے باعث کبھی کوئی شخص اپنے کام پر اور بچے سکولوں میں لیٹ نہ پہنچتے۔اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیماری کے باعث نماز کے لئے حاضر نہ ہوتا تو تمام محلّہ اس کی خیر و عافیت کے لئے دعا گو بن جاتا۔

جولائی ۱۹۶۱ء میں حضرت قمرالانبیاءؓ نے نگران بورڈ کے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ مرکز میں اور بیرونی مساجد میں بھی علمی ترقی اور روحانی اور اخلاقی تربیت کی غرض سے جہاں تک ممکن ہو اور مقامی حالات اجازت دیں۔درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔خصوصاً درس قرآن مجید اور درس کتب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلسلہ حتی الوسع ہر احمدیہ مسجد میں جاری کیا جانا چاہیے۔اسی طرح آپؓ نے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ ربوہ کے مقیم لوگوں کے لئے عموماً اور مہمانوں کے لئے خصوصاً مسجد مبارک ربوہ میں عصر کی نماز کے بعد روزانہ (باستثناء جمعہ کے) قرآن مجید کے ایک رکوع کا باقاعدہ درس ہونا چاہیے۔ مجھے یاد ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزانہ ظہر کی نماز کے بعد سے لے کر عصر کی نماز تک درس القرآن ہؤا کرتا تھا اور اس بابرکت درس میں شمولیت کرنے والے نمازیوں اور سامعین کا اتنا ہجوم ہؤا کرتا تھا کہ مسجد مبارک کے اندر اور اس کے صحن میں بلکہ باہر بھی احباب جماعت بیٹھے انتہائی توجہ اور انہماک سے کلام پاک کی تلاوت اور ترجمہ نیز تشریح سنا کرتے تھے اور ہر مرد و زن خواہ بچہ ہو بوڑھا یا جوان، سب کے سامنے یا زانوؤں پر قرآن مجید رکھا ہؤا ہوتا تھا۔درس قرآن سے یاد آیا کہ آئمہ مساجد کے احترام کے سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ نے احباب کو اس نقص کی جانب بھی توجہ دلائی کہ:-

’’جونہی نماز کا مقررہ وقت آتا ہے اور گھڑی کی سوئی مثلاً پونے ایک بجے یا چار بجے پر پہنچتی ہے تو مقررہ امام کا انتظار کئے بغیر بلا توقف کسی اور حاضر الوقت بزرگ کو پیش امام بنا کر نماز شروع کر دی جاتی ہے۔یہ بات مقررہ امام کے اکرام کو کم کرنے والی اور اس کے احترام کے خلاف ہے کہ چند منٹ کے لئے بھی اس کا انتظار نہ کیا جائے۔ہاں! اگر زیادہ دیر ہو جائے تو بیشک نماز کرا دینے میں کوئی حرج نہیں‘‘۔(الفضل ۸؍ اپریل ۱۹۵۵ء)

آپؓ کی اسی پیاری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ربوہ میں ہمارے محلّہ دارالصدر شمالی کے صدر مکرم چوہدری اللہ بخش کاہلوں صاحب (المعروف ماسٹر زراعتی صاحب تاریخ پیدائش ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء پہاڑی پور۔تاریخ وفات ۱۲؍جولائی ۱۹۹۴ء ربوہ۔ ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن ۲۹؍ دسمبر ۱۹۹۵ء) کی ہدایت کے مطابق ہمارے محلّہ کی مسجد انوار کے امام مکرم قاری محمد امین صاحب کا ہمیشہ انتظار کیا جاتا تھا اور کم از کم پانچ منٹ تک ضرور انتظار کرنے کا حکم تھا لیکن مکرم قاری محمد امین صاحب اغلباً سال میں شائید ایک یا دو مرتبہ لیٹ ہوئے ہوں گے لیکن اس کے لئے بھی انہوں نے پیغام بھجوا دیا تھا کہ میرا انتظار کیا جائے۔ہماری مسجد میں فجر کی نماز کے بعد مکرم ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر صاحب (راجہ ہومیو پیتھک گولبازار ربوہ وفات نومبر ۱۹۹۹ء ربوہ) قرآن شریف کا اور مغرب کی نماز کے بعد اس مسجد میں حضرت شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ احمدیت افریقہ وامریکہ حدیث نبویؐ کا درس دیا کرتے تھے اور اگر آپ موجود نہ ہوتے مثلاً گرمیوں کی چھٹیوں وغیرہ میں کہیں باہر تشریف لے جا چکے ہوتے تو ایک لمبا عرصہ تک محلّہ دارالصدر شمالی کا زعیم ہونے کی حیثیت میں محلّہ دارالصدر شمالی کے صدر مکرم چوہدری اللہ بخش کاہلوں صاحب کی اجازت سے خاکسار کو مسجد انوار میں درس دینے کی سعادت نصیب ہوتی رہی اور یہ عاجز عموماً حضرت قمر الانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ موصوف کی مرتب شدہ احادیث کی کتاب ’’چالیس جواہر پارے‘‘ میں سے روزانہ درس دیتا رہتا تھا۔اس درس میں جماعت احمدیہ کے بڑے بڑے بزرگ مثلاً مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ان دنوں ناظر امور عامہ بعد میں صدر صدر انجمن احمدیہ ربوہ (وفات ۱۹؍فروری ۲۰۰۲ء ربوہ) مکرم چوہدی ظفر احمد کاہلوں صاحب اور ہمارے ہمسایہ حضرت عبدالسلام بھٹی صاحب بھی شریک رہتے اور ہر طرح سے خاکسار کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے۔

نماز باجماعت کے سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد آپؓ کی تتبع میں ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ نے ہم بچوں کو نماز پر قائم رکھنے کے لئے للہ یہ ڈیوٹی سنبھال لی تھی کیونکہ آپ نماز باجماعت کے بہت پابند تھے اور ہم سے بھی اس کی پوری پابندی کروایا کرتے تھے۔اب تو شاید کسی کو یہ یاد بھی نہ ہو کہ حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمدؒ صاحب (پیدائش یکم فروری ۱۹۱۸ء قادیان-وفات ۱۹۹۰ء ربوہ) عموماً سرخ رنگ کی تُرکی (رومی) ٹوپی کا استعمال کیا کرتے تھے جو کہ ان کے سر پر بہت سجتی تھی۔اسی طرح کی ترکی ٹوپی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ بھی پہنا کرتے تھے۔حضرت صاحبزادہ میاں منور احمد صاحب نے حضرت عمو جان

میاں بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی تمام زندگی انتہائی بے لوث خدمت کی اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جب آپ نے ان دونوں بزرگوں کی تیمارداری نہ کی ہو۔حضرت صاحبزادہ میاں منور احمد صاحب نے ربوہ میں پرانے لاری اڈہ کے قریب حلقہ مسجد مبارک کے آغاز سے لے کر احمد نگر کی جانب شملہ پہاڑی تک نرگس کے پھولوں کا ایک باغ لگوایا ہوا تھا کہ جہاں سے آپ بے حد باقاعدگی کے ساتھ نرگس کے یہ خوشبودار اور خوبصورت پھول تحفہ بھجوایا کرتے تھے کہ جن کی بھینی بھینی خوشبو سے گھر ہمیشہ معطر رہتا۔ڈاکٹر حضرت میاں منور احمد صاحب اس بات کی بھی ہمیشہ کڑی نگرانی رکھتے تھے کہ آپ کی اولاد یعنی میرے ہم عمر ساتھی باقاعدہ نماز باجماعت میں شامل ہوں اس لئے مجھے یاد ہے کہ ہم سب صرف اس ڈر سے کہ کہیں حضرت میاں منور احمدؐ صاحب ناراض نہ ہو جائیں اپنے سب کھیل کود چھوڑ چھاڑ کر نماز پڑھنے کے لئے مسجد مبارک کی جانب بھاگا کرتے تھے اور پھر بھی اگر کسی وقت کسی مجبوری کے تحت ایک آدھ رکعت میں دیر سے پہنچتے تو نماز کے خاتمہ کے بعد گھر پہنچنے تک جواب طلبی کا خوف طاری رہتا۔اللہ تعالیٰ انہیں اس نیک کام میں توجہ دلانے کے لئے جزائے خیر سے نوازتا چلا جائے۔آمین۔آپ خود بھی نمازوں کے بہت پابند تھے اور میرے مشاہدہ کے مطابق آپ نے آج تک خواہ کیسا ہی خراب موسم کیوں نہ ہو نماز باجماعت نہ چھوڑی تھی۔آپ عموماً سبز رنگ کے ریلے -RELAY- سائیکل پر سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت ہی عمدہ قسم کی خوشبو سے بھی معطر رہتے کیونکہ نماز کی ادائیگی کی پہلی شرط نہ صرف تقویٰ بلکہ طہارت بھی ہے۔میرے جرمنی چلے آنے کے بعد تو سنا ہے کہ آپ اتنی لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ بعض اوقات مہمان بھی گھر آ کر واپس چلے جاتے اور ابھی آپ نماز پڑھنے میں ہی مصروف ہوتے۔اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطاٗ فرمائے۔آمین

مجھے یہ پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز باجماعت کی ادائیگی کی بدولت ہی ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ میاں منور احمد صاحب کے ہاتھ میں بہت شفاد ے رکھی تھی۔مجھے یاد ہے کہ جب میں ایک چھوٹا سا بچہ ہی تھا تو میری دوسری بڑی بہن آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ کے گلے پر چند پھنسیاں نکل آئیں جو بڑھ کر ایک پھوڑے کی صورت اختیار کر گئیں۔کئی سال تک مختلف حکماٗ اور ڈاکٹر صاحبان کا علاج معالجہ ہوتا رہا لیکن یہ تکلیف بڑھتی ہی گئی اور گلے پر بڑے بڑے زخم بن گئے۔اس بیماری کو عرف عام میں ہنجیریں بھی کہتے ہیں۔بالآخر اس موذی مرض کا علاج حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے بھی کیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے میری بہن کو جلد ہی اس بیماری سے نجات مل گئی لیکن زخموں کے یہ نشان تمام عمر ان کے گلے پر رہے کہ جن کو وہ سونے کا ایک بڑا سا گلوبند پہن کر ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔اس علاج کے دوران ہسپتال سے ان کو باقاعدگی کے ساتھ مختلف ادویات کے علاوہ ڈھیر سا خشک پاؤڈر دودھ بھی سیروں (کئی کلوگرام) کے حساب سے ملا کرتا تھا کہ جنہیں وہ تو کم لیکن ہم سب بچے خوب مزے لے لے کر پھانک لیا کرتے تھے اور اس خشک دودھ سے مونہہ میں بن جانے والی ڈلی کو کافی دیر تک مزے مزے سے چوستے بھی رہتے تھے۔اس لئے حضرت میاں منور احمد صاحب کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں جو کہ ایک قدرتی امر ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔آمین۔خدا تعالیٰ کی عبادت اور تمام نماز ہی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔دعا کیا ہے اور کیوں مانگی جاتی ہے؟ اس سلسلہ میں خاکسار چند بنیادی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

''دعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے اور مردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔اس میں بڑی تاثیریں ہیں۔۔۔کوئی کیسا ہی معصیت میں غرق ہو دعا اُسے بچالے گی''۔(الحکم ۲۸ر فروری ۱۹۰۳) یعنی دعا ایک ایسی چیز ہے ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس سے ہم اپنی بگڑے مقدر کو سنوار سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کبھی وہ ہماری دعاؤں کو فوراً قبول فرماتا ہے اور کبھی اِن دعاؤں کے پورا ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے تو پھر کبھی اِن میں سے بعض دعائیں سرے سے قبول ہی نہیں ہوتیں۔آخر اِس کی کیا وجہ ہے؟۔ہمارے اعمال؟ یا ہماری قسمت؟ یا ہماری قوت جذبیت؟ اس بارہ میں حضرت

قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نہایت ہی لطیف نکتہ بیان کیا کہ دراصل اللہ تعالیٰ ہماری قوت برداشت کے مطابق ہی ہم سے معاملہ کرتا ہے۔فرمایا:-

’’جب کسی براڈ کاسٹنگ سٹیشن سے کوئی برقی پیغام فضا میں نشر کیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی طاقت سب ریڈیو سیٹوں کے لئے ایک جیسی ہوتی ہے مگر باوجود اِس کے۔ ہر سیٹ اُسے مختلف طاقت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور اُسی کی طاقت کے مطابق اُس کے اندر سے آواز نکلتی ہے۔یعنی بڑے سیٹ سے بلند آواز اور چھوٹے سیٹ سے دھیمی آواز۔اسی طرح انبیاء اور خلفاء اور اُن کی جماعتوں کا حال ہے کہ وہ بھی خدا کی نصرت کو اپنی طاقت اور ظرف کے مطابق قبول کرتے ہیں اور اپنی طاقت سے زیادہ کی برداشت نہیں رکھتے۔گو خدا وہی ہے اور وہی رہے گا مگر اُس کی نصرت کا اظہار نصرت حاصل کرنے والے کے ظرف اور قوت جذب پر موقوف ہے‘‘۔(الفضل مؤرخہ ۱۵/۱ اکتوبر ۱۹۴۰ء)

پس کسی شخص کی دعائیں زیادہ تو کسی کی کم قبول کی جاتی ہیں۔لیکن وہ دعائیں کہ جن کے مقبول ہو جانے سے کسی انسان کو ٹھوکر لگ سکتی ہو یا اسے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو وہ قبول نہیں کی جاتیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ---(البقرۃ : ۲۸۷) ۔یعنی:اللہ تعالیٰ کسی جان پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر کسی قسم کا بھی کوئی بوجھ قطعاً نہیں ڈالتا---لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے نیک مقاصد کے حصول کی خاطر بھی دعا نہ کرے۔حضرت قمرالانبیاءؓ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

’’دعا کے متعلق یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دعا کے لئے یہ ضروری ہے کہ بندہ صبر واستقلال سے کام لے اور کبھی بھی ناامید نہ ہو بلکہ یقین اور امید رکھے کہ ضرور اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرمائے گا نیز ایسا نہ ہو کہ دل میں پہلے ایک خیال جما لیا جاوے اور پھر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے جاویں یا صرف رسم کے طور پر چند کلمات منہ سے نکال دئے جاویں۔ بلکہ چاہیے کہ جس طرح بچہ تکلیف کے وقت تمام دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنی ماں کی چھاتی پر اپنا سر ڈال دیتا ہے اسی طرح حقیقی درد اور سچی تڑپ کے ساتھ بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی جبین نیاز رگڑے اور اسی طرح خدا کے آستانہ پر گرا رہے حتیٰ کہ الٰہی شمع اُس کے راستہ کو منور کر دے‘‘۔(تبلیغ ہدایت صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۹۹۳ء ربوہ)

پس خدا کے گھر میں دیر ہے لیکن اندھیر نہیں۔اس لئے اسے دعا کرنی چاہئے اور بار بار کرنی چاہئے لیکن اگر دعا کرنے والے شخص کے دل میں پہلے سے ہی یہ وسوسہ موجود ہو کہ میری یہ دعا کہاں قبول ہوگی مثلاً میں فوراً ارب پتی بن جاؤں یا مجھے وہ خوبصورت جیٹ ہوائی جہاز مل جائے یا میری کسی حسین وجمیل اور امیر کبیر لڑکی سے شادی ہو جائے۔تو ایسے شخص کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے وہ اپنے گریبان میں جھانک کر تو دیکھے کہ اُس کی اپنی اوقات کیا ہے؟ اور پھر اپنے ظرف کے مطابق کچھ طلب کرے۔ جب ایسے شخص کو خود ہی ایسی دعا کے مانگنے سے قبل ہی اُس کے انجام کی خبر ہے کہ دنیا بدل سکتی ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا تو اس قسم کی دعائیں کرنے یا مانگنے کا کیا فائدہ؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ ---(المائدہ : ۱۰۲) ۔یعنی: اے مؤمنو بعض ایسی باتوں کے متعلق تم خوامخواہ سوالات نہ کیا کرو کہ اگر اِن کے جواب تم پر ظاہر کر دئے جائیں تو تم ایک گونہ مشکل میں گرفتار ہو جاؤ گے---لیکن اس واضح ارشاد باری تعالیٰ کے باوجود بھی بعض لوگوں کو سمجھ نہیں آتی کہ کیوں ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت ہی سادہ الفاظ میں اِس مسئلہ کی تشریح کی ہے۔فرمایا:-

’’دیکھو! بچے کس قدر اپنی ماؤں کو پیارے ہوتے ہیں اور وہ چاہتی ہے کہ اِن کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے لیکن اگر بچے بیہودہ طور پر اصرار کریں اور رو کر تیز چاقو یا آگ کا روشن اور چمکتا ہوا انگارا مانگیں تو کیا ماں باوجود سچی محبت اور حقیقی دلسوزی کے کبھی یہ گوارا کرے گی کہ اُس کا بچہ آگ کا انگارا لے کر ہاتھ

جلا لے؟ یا چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ مار کر ہاتھ کاٹ لے؟ ہرگز نہیں! اسی اصول سے اجابتِ دعا کا اصول سمجھ سکتے ہیں۔ میں خود اس امر میں ایک تجربہ رکھتا ہوں کہ جب دعا میں کوئی جُزو مُضر ہوتا ہے تو وہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی''۔ (ملفوظات جلد ا یک صفحہ ۱۰۶)

ہاں البتہ اگر کسی ناگہانی آفت۔ طوفان۔ سیلاب۔ زلزلہ کے وقت دعا مانگنے والا یہ سوچ کر دعا مانگے کہ یہ مصیبت جو مجھ پر آن پڑی ہے اِس کا بار میں کیسے اٹھاؤں گا؟ یا پھر اُس کا کوئی عزیز یا وہ خود کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس کا علاج ممکن نہیں تو ایسے مواقع اللہ تعالیٰ کے حضور عجز وانکساری کے ساتھ جھک جانے کے لئے ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ (یوسف : ۲۲)۔ یعنی : اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر بھی غالب ہے۔ اس لئے یہ دعا کہ '' اے خدا اس بیماری سے ہمیں صحت یابی عطاء فرما'' یا ''اس مصیبت کو ہم پر سے ٹال دے'' ضرور کریں کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی ہمارا ایمان نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ جو کام دواؤں سے نہ ہوسکتا ہو وہ ہماری اِن عاجزانہ دعاؤں سے ہو جائے اور بیماروں کو صحت نصیب ہو اور ہمارے بگڑے ہوئے تمام کام بھی سنور جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:-

حاجتیں پوری کریں گے کیا تیری عاجز بشر؟
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے (درثمین)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حاجات پیش کر کے اُن کی حاجت روائی کے لئے دعا مانگو۔ اِس لئے ہمیں یہ سوچتے رہنا چاہئے کہ کیا ہم خدا تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے وقت واقعی سچے دل سے رطب السان ہو کر اُس کی ربوبیت کے طلبگار ہو رہے ہیں؟ اور کیا ہم واقعی سچے دل سے خدا تعالیٰ کے حضور رو رو کر اپنے کردہ و ناکردہ گناہوں سے بخشش کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں؟ اگر نہیں؟ تو ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

'' دعا کی ماہیئت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب کے درمیان تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس کے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پہ پہنچ کر اپنے خواص طبعیہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہؤا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اِس کی روح اُس کے آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اِس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جلشانہٗ اُس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُس دعا کا اثر اُن تمام مبادی اثرات پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اِس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً:- اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابتِ دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اُس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں''۔ (برکات الدعا صفحہ ۵ تا ۷)

یعنی ایسی دعائیں جو کہ نیک نیتی پر مبنی ہوں وہ اپنے اپنے وقت پر ضرور قبول کی جاتی ہیں لیکن اِن میں گریہ وزاری اور سوز وگداز کا ہونا بہت ضروری ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

''ہم دیکھتے ہیں کہ جب بچہ روتا دھوتا ہے۔ اضطراب کرتا ہے تو ماں کس قدر بیقرار ہو کر اُس کو دودھ دیتی ہے۔ الوہیت اور عبودیت میں اسی قسم کا ایک تعلق ہے۔ جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے اور نہایت عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ اُس کے حضور اپنے حالات پیش کرتا ہے اور اُس سے اپنی حاجات کو مانگتا ہے تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و

کرم کا دودھ بھی ایک گریہ کو چاہتا ہے۔ اِس لئے اُس کے حضور رونے والی آنکھ پیش کرنی چاہئے''۔(ملفوظات جلد ایک صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۲)

دعا کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ:۔
'' دعا کے لئے بھی یہی قانون ہے کہ جسم تکالیف اُٹھاوے اور روح گداز ہو اور پھر صبر اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لا کر حسنِ ظن سے کام لیا جاوے۔ ہر ایک کام کے لئے زمانہ ہوتا ہے اور سعید اُس کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کرتا اور چشم زدن میں چاہتا ہے کہ اِس کا نتیجہ نکل آوے وہ جلد باز ہوتا ہے اور بامراد نہیں ہوسکتا--- دعا اور اُس کی قبولیت کے زمانہ کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاً پر ابتلاً آتے ہیں اور ایسے ایسے ابتلاً بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت اِن ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اِس کے بعد نصرت آتی ہے۔اب ابتلاؤں کے آنے میں ایک سر یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے کیونکہ جس جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اُسی قدر روح میں گدازش ہوتی جائے گی اور یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔ پس! گھبرانا نہیں چاہئے''۔(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۷۰۷-۷۰۸)

اس کے بعد آپؑ فرماتے ہیں کہ:۔
''دعا کرنے والے کی روح پانی کی طرح بہہ کر آستانہ الوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کے لئے قوی اور مقتدر خدا سے طاقت اور قوت اور مغفرت چاہتی ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔جس کو یہ حالت میسر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ بابِ اجابت اس کے لئے کھولا جاتا ہے''۔(الحکم ۱۷/جنوری ۱۹۰۵)

ایسی ہی روحانی کیفیت کے لئے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَيَسْتَجِيبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ---(الشّوریٰ: ۲۷)۔اور وہ اپنے اُن بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے جو کہ نیک اعمال بجالاتے ہیں بلکہ اپنے فضل سے ان کو کچھ زائد بھی عطاً فرماتا ہے--- پس میرے عزیز بھائی بہنو آج ہماری جماعت کو دنیا بھر میں جن مشکلات کا سامنا ہے اُن کے تدارک کے لئے ہی حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہمیں بار بار دعاؤں کی جانب متوجہ کروارہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہمیں یہی گر سکھایا تھا کہ:۔
''خوب یاد رکھو دعا وہ ہتھیار ہے جو اِس زمانہ کی فتح کے لئے مجھے آسمان سے دیا گیا ہے اور اے میرے دوستوں کی جماعت! تم صرف اس حربے سے غالب آسکتے ہو''۔(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۸۰ ترجمہ از عربی)

یعنی دعائیں کرنا اور کروانا اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ہے۔دعا کے بارہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے ایک صاحبزادے کو تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

قادیان
۲۴/اکتوبر

عزیزم مبشر احمد سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط مؤصول ہؤا۔ الحمد للہ! کہ تم خیریت سے ہو۔ میں تم سب کے واسطے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ تمہیں دین و دنیا کے اعلےٰ انعامات کا وارث کرے۔ آمین۔ میری طبیعت چند دن سے بہت مضمحل اور گری گری رہتی ہے اور دل پر بوجھ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ پرسوں سے پاؤں کے جوڑ میں سخت درد بھی ہے۔ میرے لئے بھی دعا کرنا کہ اللہ تعالےٰ مفید اور بابرکت زندگی عطا کرے اور اپنی رضا کی رستہ پر چلائے۔ آمین

اب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا ہے جو بہت مبارک قرار دیا گیا ہے۔ اس میں تم ضرور خاص طور پر دعائیں کیا کرو۔ دعاؤں میں سب سے مقدم اسلام اور احمدیت کی ترقی کو رکھو پھر حضرت صاحب کی درازئ عمر کے لئے پھر حضرت اماں جان کے لئے پھر اپنے والدین کے لئے اور پھر اپنے لئے اور اپنے بھائی بہنوں اور دوسرے عزیزوں کے واسطے۔ نیز ان ایام میں قرآن شریف بہت پڑھا کرو اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا کرو جس میں حضرت مسیح موعودؑ کو بھی شامل کرلیا کرو۔ علاوہ ازیں جہاں تک توفیق ہو صدقہ بھی کرنا چاہئے یعنی غریبوں کی امداد۔ تمہاری وصیت اخبار میں چھپ گئی ہے اب تمہیں وصیت کا چندہ باقاعدہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔ وصیت کے چندہ میں عام چندہ بھی آجاتا ہے یعنی اس کی الگ ضرورت نہیں رہتی البتہ تحریک جدید کا چندہ جدا ہے---اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو۔ آمین۔ والسلام۔ دستخط (مرزا بشیر احمد)

جیسا کہ آپ نے ابھی یہ مکتوب گرامی ملاحظہ فرمایا۔ اس خط کے ذریعہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اشارۃً ایک نہایت ہی پیاری حدیث مبارکہ کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے کیونکہ آپؓ قرآن وسنت وحدیث سے ہی راہنمائی چاہتے رہے اور پھر انتہائی شدت کے ساتھ اسلام کے ان قوانین پر عمل پیرا بھی رہے۔ میں یہاں وہ حدیث نبویؐ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ حضرت فضالہؓ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:-'' جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے۔ پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے''۔ (**جامع ترمذی کتاب الدعوات باب فی جامع الدعوات**)

اسی طرح خود دعا کرنے کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً حضرت خلیفہ وقت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھی دعا کے لئے درخواست بھیجی جائے۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کی طاقت پر بہت ایمان رکھتے تھے اور اس کی مقبولیت پر آپؓ کا یقین کامل تھا لہذا آپؓ لوگوں کی مشکلات اور مسائل کو دور کرنے کے لئے دعا کیا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تحریک فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مختلف مقاصد میں کامیابی کے حصول لئے بزرگوں کی خدمت میں درخواست دعا کرنے پر بھی اس میں کامیابی کا حصول ہوسکتا ہے اور انسان کی اپنی دعائیں بھی اس کے بے حد کام آتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ وہ دعائیں اپنے خاص فضل اور رحم کے ساتھ جلد ہی قبول بھی کرلیتا ہے لیکن سب سے زیادہ مقبول دعا خلیفہ وقت کی ہوتی ہے لہذا ہمیں حضور ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں اپنے ہر مقصد میں کامیابی کے لئے دعا کے لئے لکھتے رہنے کی ہمیشہ تحریک فرمایا کرتے تھے اور نہ صرف حضرت خلیفہ وقت سے دعا کروانے کو بہترین سعادت مانتے تھے بلکہ حضرت خلیفہ وقت کے لئے خود دعا کرتے رہنے کو بھی بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی بے لوث دعاؤں کے بارہ میں مکرم لطف الرحمٰن شاکر (لطفی بھائی) صاحب وقفِ زندگی فضلِ عمر ہسپتال ربوہ بیان کرتے ہیں کہ:-

'' میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ ایک کمرہ میں رہا کرتے تھا لیکن پھر شادی ہو جانے کے بعد جگہ کی تنگی کے باعث صدر انجمن کی جانب سے ایک

مکان الاٹ ہوا جس کی وجہ سے میری خوشی دوبالا ہوگئی لیکن مجھے اس مکان میں آئے ہوئے ابھی ایک ہی دن گزرا تھا کہ پھر اس مکان کو واپس لے لیا گیا۔ جوانی کا زمانہ تھا پھر نئی نئی شادی بھی ہوئی تھی لہذا میں کچھ ایسا بد دِل ہوا کہ میں نے فضلِ عمر ہسپتال کی ملازمت کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور PIA پاکستان انٹرنیشنل ائرلائینز میں ملازمت کے لئے درخواست دیدی اور تقدیرِ الٰہی سے تقریباً اڑھائی سو درخواستوں میں سے صرف میری درخواست کو ہی منتخب کر لیا گیا۔

یہ واقعات سُن کر میری والدہ سخت دلگیر ہوئیں اور وہ حضرت قمرالانبیاءؓ کی خدمت میں تشریف لے گئیں اور تمام حالات مَن وعَن بیان کر دئے کہ اس وجہ سے میرا بچہ مرکز کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ آپؓ اس کے لئے دعا کریں کہ وہ کسی طرح نہ جائے۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ اصولی طور پر یہ مسئلہ دوسرے محکمہ کا ہے البتہ میں حتی الامکان کوشش ضرور کروں گا اور انشاء اللہ دعا بھی ضرور کروں گا نیز آپ خود بھی دعا کریں۔ مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب جو کہ فضلِ عمر ہسپتال میں خاکسار کی کمپوڈر ٹریننگ کے دوران خاکسار کے اُستاد بھی رہے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت میاں صاحبؓ کی دعا اور تحریک سے حالات تبدیل ہوئے اور فضلِ عمر ہسپتال کے احاطہ میں سب سے پہلا مکان صرف انہی کے لئے ہی بنوایا گیا اس کے بعد پھر PIA کی جانب سے بارہا خطوط موصول ہوئے کہ بھئی آ کر ڈیوٹی سنبھالو لیکن میں نے مثبت جواب نہیں دیا اور اس طرح مجھے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی واقف زندگی کے طور پر پینشن پانے تک خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ''۔

خاکسار نے جب سے ہوش سنبھالا ہے خود کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ کی صحبت میں ہی پایا ہے۔ آپؓ کی پیاری صحبت میں رہتے رہتے مجھے بھی قبولیتِ دعا پر مکمل یقین نصیب ہوا کیونکہ دعا مؤمنوں کے لئے خدا تعالیٰ کی ہستی کے بعد سب سے بڑا سہارا ہے۔ میں نے آپؓ کو بہت دعا گو، انتہائی نیک اور بے حد اصول پسند وجود یعنی ایک فرشتہ خصلت انسان پایا۔ دعاؤں کی مقبولیت کے بارہ میں مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے بزرگوں کو دعا کے لئے باقاعدگی سے خط لکھتے رہتے تھے۔ اگر گھر کا کوئی فرد بیمار ہو جاتا تو ان خطوں کا تانتا لگ جاتا۔ دعا کی افادیت پر جتنا یقین ہم نے حضرت میاں صاحبؓ میں دیکھا کم ہی لوگوں میں دیکھا۔ یہ فلسفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ہمیں سمجھایا کہ خلیفہ وقت کو دعا کے لئے خط لکھتے ہی اس دعا کی قبولیت کا پورا یقین ہو جانا چاہئے کہ ہم نے حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں جس غرض کے لئے دعا کا خط لکھا ہے وہ یقیناً پوری ہوگی۔ ہم نے اس بات کو کئی بار آزمایا اور درست پایا۔ کئی معاملات کے بارہ میں ادھر حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کا خط لکھا ادھر اس دعا کی قبولیت کے نشان ظاہر ہونا شروع ہو گئے حالانکہ وہ خط حضرت صاحب کی خدمت میں شاید پہنچا بھی نہیں ہوگا۔ حضرت میاں صاحبؓ کا اپنا اسوہ بھی یہی تھا کہ ہر معاملہ میں سب سے پہلے حضرت صاحبؓ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ ناقل) کی خدمت میں دعا کے لئے لکھتے پھر بزرگوں کو لکھتے اور اس امر کا پورا یقین رکھتے کہ جس باب میں حضرت صاحبؓ کو لکھا گیا ہے اس میں ضرور کامیابی ہوگی'' ۔ (مکتوبات نسیم ۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۸ء)

اسی طرح مجھے بھی یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ خلفائے وقت اول و دوم ، جماعت عالیہ احمدیہ کے صحابہ کرام رضوان علیہم ، اولیاء اللہ اور مجددین کرام رحمہ اللہ کا بے حد احترام فرماتے۔ ایک مرتبہ جب آپؓ ، سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی کسی بیماری کی وجہ سے لاہور میں مقیم تھے تو آپؓ مجھے اور اپنے خادم خاص مکرم بشیر احمد خادم صاحب اور ڈرائیور مکرم عبدالحلیم صاحب کے ساتھ لاہور میں واقع حضرت داتا گنج بخش علی

بن عثمان ہجویری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔آپؓ نے ڈرائیور کو مسجد کے باہر اپنی سفید نیلی اوپل موٹر گاڑی نیز اپنی اور ہم سب کی جوتوں کی حفاظت کے لئے مامور فرمایا اور پھر مجھ عاجز خاکسار اور مکرم بشیر احمد صاحب کو ساتھ لے کر حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ کے مزار مبارک کا دیدار فرمایا اور دعا کی لیکن آپؓ ان مقدس بزرگوں کے مزاروں یا ان کے گردلگی ہوئی جالی اور جنگلے کو چومنے کے سخت خلاف تھے اور عرس کے تہواروں کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے اسی طرح برسی منانے کی بدعت کے بھی سخت خلاف تھے اور یہ کہ دعاؤں کی مقبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا در جو کہ ہر سوالی کے لئے ہر وقت کھلا ہے اس در کو چھوڑ کر کسی اور کی دہائی اور کسی اور کا واسطہ دینا بھی آپؓ کو سخت ناپسند تھا۔آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ:-

’’ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی حجاب نہیں ،کوئی پردہ نہیں ،کوئی روک نہیں ۔ اس لئے جب مانگنا ہو تو سیدھے اسی سے مانگو‘‘

مجھے یاد ہے کہ رمضان المبارک کے مقدس ایام میں احباب جماعت کچھ نہ کچھ کھانا وغیرہ افطاری کے لئے پکوا کر حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔اس طرح ہمیں بھی کئی مرتبہ دعائیں حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔حضرت میاں صاحبؓ کی دعاؤں کی مقبولیت کے سلسلہ میں مولوی برکات احمد راجیکی صاحب ناظر امور عامہ قادیان کا بیان ہے کہ:-

’’ماہ رمضان کو گذرے ابھی چند دن ہوئے تھے کہ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے راز و نیاز کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات اور اس کی رحمت درافت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی جناب میں عرض کیا کہ اے خدا تو میرے روزوں کو قبول فرما اور میرا جو روزہ مقبول ہو جائے اس کی قبولیت کا ایک ظاہری نشان نازل فرما۔آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے میرے تمام روزوں کو قبول فرمایا اور میری خواہش کے عین مطابق ان کی قبولیت کا نشان ظاہر فرمایا‘‘۔(الفضل ۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے روزوں کی خدا تعالیٰ کے دربار میں مقبولیت کے سلسلہ میں مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج صیغہ زودنویسی ربوہ کا بیان ہے کہ مولانا برکات احمد راجیکی صاحب نے ان سے اس واقعہ کی تفصیل بھی بیان فرمائی تھی اور وہ یہ تھی کہ حضرت قمر الانبیاءؓ نوراللہ مرقدہٗ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ:-

’’ میرا جو روزہ مقبول ہو جائے اس کی قبولیت کا ظاہری نشان یہ ظاہر فرما کہ اس کی افطاری میں خود نہ کروں بلکہ باہر سے میرے لئے افطاری کا سامان آئے‘‘۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ پورے تیس روزوں کی افطاری آپؓ کو باہر سے آئی‘‘۔(ماہنامہ مصباح قمر الانبیاؓ نمبر دسمبر ۱۹۶۳ء جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۹)

قبولیت دعا کے سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ اپنی ایک مقبول دعا کے بارہ میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ جب میں نے کتاب ’’سلسلہ احمدیہ‘‘ لکھی تو اس تصنیف کے دوران جب میں سلسلہ کی تاریخ کے اس حصہ میں پہنچا جو غیر مبایعین کے فتنہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس وقت یہ حقیقت اپنی انتہائی تلخی کے ساتھ میرے سامنے آئی کہ میرا ایک نہایت ہی قریبی بزرگ ابھی تک خلافت حقہ کے دامن سے جُدا ہے اور میں نے اس رسالہ کے لکھتے لکھتے یہ دعا کی کہ خدایا تُو ہر چیز پر قادر ہے۔اگر تیری تقدیر مانع نہیں۔تو انہیں حق کی شناخت عطا کر اور

ہماری اس جُدائی کو دُور فرمادے۔ میں اپنے خدا کا کس مُنہ سے شکرادا کروں کہ ابھی رسالہ کی اشاعت پر ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ ہمارے خدا کی مخفی تاریں حضرت مولوی صاحب (حضرت مولوی غلام حسن نیازی صاحبؓ پشاوری۔ناقل) کو کھینچ کر قادیان لے آئیں اور وہ چھبیس سال کی لمبی جُدائی کے بعد بیعت خلافت سے مشرف ہوگئے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ "۔(---اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے جو کہ بہت بلند مرتبہ اور نہایت شان والا ہے۔ناقل)۔(الفضل ۱۸ رفروری ۱۹۴۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے اور حضرت مولوی غلام حسن نیازی خان صاحبؓ کے نواسے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب اپنے نانا جان حضرت مولوی غلام حسن خان نیازی صاحبؓ پشاوری کی اسی دوسری بیعت خلافت کے بارہ میں اس عاجز کے نام اپنے ایک مضمون زیر عنوان "ہماری والدہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

" امّاں حضرت مولوی غلام حسن خان صاحبؓ پشاوری کی بیٹی تھیں جو حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے قدیم ترین رفقاء میں سے تھے۔جن کا ذکر حضورؑ نے اپنی کتاب" ازالہ اوہام" میں کیا ہے اور اس کے بعد ۳۱۳ رفقاء کی فہرست (جو کہ ۱۸۹۶ء میں ایک خاص پیشگوئی کی بناء پر بطور نشان تیار کرائی گئی تھی) میں بھی ان کا ذکرِ خیر موجود ہے اور وہؓ سرحد کے علاقہ اور جماعت میں معروف شخصیت رکھتے تھے۔بدقسمتی سے حضرت خلیفہ اوّلؓ (حضرت مولانا حکیم نورالدین بھیروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ناقل) کی وفات پر جو تفرقہ اُٹھا اس میں وہ بھی غیر مبایعین جماعت میں شامل ہوگئے اور ان کا رشتہ قادیان سے منقطع ہوگیا۔چونکہ اُن کا ذکر چل پڑا ہے لہذا میں اس موقع پر ایک قیمتی اور سبق آموز شہادت کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔اُن کی خلافت سے علیحدگی کا اباجانؓ کو بڑا دُکھ تھا اور وہ اس بارے میں ہمارے نانا جانؓ کی خدمت میں تبلیغی خطوط لکھتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے جوبلی کے جلسہ کے موقع پر آپؓ کی دعوت پر نانا جانؓ قادیان تشریف لائے۔اس کے بعد شاید پھر ایک دومرتبہ مزید بھی تشریف لائے اور اغلباً ۱۹۴۲ء میں جب میں چھٹی پر گھر آیا تو نانا جانؓ بھی آئے ہوئے تھے اور اس کمرہ میں قیام تھا جو ہمارے گھر کی گلی اور مسجد اقصیٰ کی طرف جو راستہ تھا اس کے کونے پر ہے۔میں ملنے گیا، بی بی (حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ۔ناقل) بھی ساتھ تھیں۔مل کر خوش ہوئے اور بی بی کو دیکھ کر کہا کہ مظفر احمد یہ تو "نجیب الطرفین" ہیں یعنی حضرت اقدسؑ کی پوتی، مصلح موعود کی بیٹی اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی نواسی۔

باتوں باتوں میں میں نے نانا جانؓ سے پوچھا کہ آپ قریباً ۳۰ ر سال علیحدہ رہے اب کس طرح بیعت کی ؟ ۔جو چھوٹا سا فقرہ آپؓ نے جواباً کہا وہ بہت گہرا اور سبق آموز تھا۔ فرمانے لگے کہ "میں اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت کو ردّ نہیں کرسکتا" ۔ پھر خود ہی اس کی تشریح فرمانے لگے۔ فرمایا کہ "جب ہم علیحدہ ہوئے تو جماعت میں زیادہ بااثر اور معتمد شمار ہوتے تھے- پھر اپنا ہیڈ کوارٹر لاہور کو چُنا کیونکہ وہ اہم شہر تھا اور صوبے کا دارالحکومت بھی لہذا ہمیں ملنے کی غرض کے بغیر بھی لوگوں کی عام آمدورفت تھی ۔ اُدھر قادیان جانے کے لئے خاصی مشقت کرنی پڑتی تھی۔ (قادیان۔ بٹالہ کے۔ناقل) ریلوے سٹیشن سے گیارہ بارہ میل کے فاصلہ پر تھا اور یکّوں پر تکلیف دہ سفر ۳ گھنٹے سے زائد کا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے جو عقیدہ پیش کیا وہ بہت نرم تھا یعنی یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کو نبی بے شک نہ مانو مجدد ہی مان لو لیکن اس کے باوجود ہم دن بدن کمزور اور تعداد میں کم ہوتے چلے گئے لیکن خلافت سے وابستہ حصہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔میں نے سمجھا کہ میری سمجھ کا قصور تو ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔اس پر میں نے حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔ناقل) کی خدمت میں خط لکھا کہ بعض مسائل مجھ پر اب بھی صاف نہیں۔کیا ان میں اختلافات رکھتے ہوئے میں بیعت کرسکتا ہوں ؟ حضور نے جواباً فرمایا کہ :-" ہاں! آپ بیعت کرسکتے ہیں لیکن اختلافی مسائل کی جماعت میں تشہیر کی اجازت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔

آپ دعا کریں میں بھی دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ وہ مسائل بھی آپ پر حل کردے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا "۔(مکتوبات نسیم ۱۰؍دسمبر ۱۹۹۳ء)

دعا اور دوا کے سلسلہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب کا بیان ہے کہ:-

" اوائل ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کے اپنے ایک ذاتی معاملہ کے بارہ میں مجھے کچھ پریشان کن خبر ملی۔اس سے مجھے بہت فکر پیدا ہوئی۔جب میں نے حضرت میاں صاحبؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی ایسی خبر پہنچی ہے۔اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں خدا کے فضل سے حق پر ہوں۔مگر میرے چہرے سے تشویش کے آثار زائل نہ ہوئے اور میں واپس آ گیا۔اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے میری فکرمندی دور کرنے کے لئے ایک خط لکھا۔جس کا ضروری حصہ مندرجہ ذیل ہے: "آپ کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں (کہ اس معاملہ کے شروع میں بھی) مجھے فکر پیدا ہؤا تھا (تو میں نے) دعا کی تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنگلی رستہ پر گذر رہا ہوں۔وہاں ایک درخت کی موریوں میں دو سانپ بیٹھے ہیں۔جن میں سے ایک بڑا ہے اور ایک چھوٹا۔مجھے انہیں دیکھ کر کچھ خوف پیدا ہؤا۔مگر اچانک میری مدد کے لئے حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ڈنڈوں سے مسلح ہوکر--- پہنچ گئے اور غالباً ان میں سے ایک کے پاس بندوق بھی تھی۔ اس طرح میں اس غیبی نصرت کے ذریعہ خطرہ سے محفوظ ہوگیا۔میں امید کرتا ہوں کہ اب بھی خدا میری نصرت فرمائے گا اور میری حفاظت کرے گا مگر ظاہری اسباب کے ماتحت احتیاط کے تمام ضروری پہلو مدنظر رہنے چاہئیں--- بہرحال میں خدا کے فضل سے حق پر ہوں اور خدا میری حفاظت فرمائے گا"۔اس خط کے بعد میری تشویش دور ہوگئی"۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہاں خدا تعالیٰ کے حضور کی جانے والی عاجزانہ دعاؤں کی طاقت پر بے حد یقین تھا وہیں حفظ ماتقدم کو بھی نہیں بھولتے تھے اور فرمایا کرتے کہ دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ دوا کو بھی ضرور استعمال کرنا چاہئیے لہذا مجھے یاد ہے کہ گرمیوں کی ایک رات میں نے خواب میں ایک چور کو جعفری کے دروازہ میں سے البشریٰ کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا-میں اس وقت ایک چھوٹا سا بچہ ہی تھا لہذا ڈر کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور دل میں چونکہ کھٹکا تھا اس لئے میں نے جب جعفری کی جانب دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ واقعی جعفری میں روشنی یعنی لائیٹ کبھی جلتی اور کبھی بجھ جاتی تھی-اسی وقت میں نے دھیمی آواز میں چور چور کہہ کر حضرت میاں صاحبؓ اور گھر کے دوسرے افراد کو اس طرف متوجہ کیا-گھر کے تمام افراد نے روشنی کے جلنے اور بجھنے کا منظر دیکھا-سب گھر والوں کے جاگ جانے، باتیں کرنے اور کھٹکا ہونے سے وہ چور بھاگ گیا اور اس کے معاً بعد جب اس کمرہ کو چیک کیا گیا تو واقعی اس کا بیرونی دروازہ کھلا ہؤا تھا اور وہاں سے سٹور تک صرف ایک اور دروازہ کے کھولنے کی ضرورت تھی-مجھے یاد ہے کہ اس سٹور میں حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے قیمتی سامان کے ساتھ ساتھ میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا سامان بھی رکھا ہؤا تھا جو کہ ان دنوں اپنے میاں برادرم مکرم قریشی قاضی مبارک احمد صابر صاحب کے ساتھ دہران سعودی عرب میں مقیم تھیں-یہ بھی تو آپ دونوںؓ بزرگوں کی ہم پر شفقت و محبت کا مونہہ بولا ثبوت ہے کہ جہاں آپؓ نے اپنی سب سے زیادہ قیمتی اشیأ رکھی ہوئی تھیں وہیں ہماری بھی اور یہ سلسلہ ۱۹۶۸ء تک جاری رہا-اس کے بعد میری یہ ہمشیرہ جب اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے مستقل قیام کے لئے ربوہ تشریف لے آئیں تو تب انہوں نے اپنا سامان اس سٹور میں سے نکالا-

بہرحال اس دن کے بعد سے حضرت میاں صاحبؓ روزانہ اپنے سرہانہ پستول یا پھر ریوالور رکھ کر سویا کرتے تھے اور مجھے بھی حفاظت کی غرض سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بستر کے قریب بائیں جانب سونے کے لئے ارشاد فرمایا جبکہ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ کے دائیں

جانب آپؓ خود سویا کرتے تھے یعنی اس طرح گرمیوں کے موسم میں باہر صحن میں اماں حضرت سیدہ ام مظفر احمدؓ صاحبہؓ کے تخت پوش کی ایک جانب حضرت میاں صاحبؓ کی چارپائی ہوتی تھی اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے تخت پوش کی دوسری جانب خاکسار کی چارپائی ہوا کرتی تھی۔ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد خاکسار کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے ازراہ شفقت ومحبت حضرت میاں صاحبؓ ہی کی چارپائی پر سونے کا حکم ارشاد فرمایا۔فجزاھم اللہ ۔ لیکن میں چونکہ ان دنوں اپنی چھوٹی عمر یعنی تقریباً ۱۰ر برس کی وجہ سے قد کا کچھ چھوٹا تھا لہذا بجلی کے بڑے پنکھے کی تمام ہوا میرے اوپر سے یونہی گزر جاتی اور مجھے گرمی لگتی رہتی لہذا چند دنوں کے بعد میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے اجازت لے کر پھر اپنی مخصوص جگہ پر آپؓ کی بائیں سمت صحن کی طرف سونے لگا۔ بہرحال اس واقعہ کے بعد حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب نے ایک چھوٹے سے سفید رنگ کے رشین کُتے کا لاہور سے انتظام کیا جو کہ حفاظت کی غرض سے گھر میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہتا تھا اور مجھے یاد ہے کہ اس روسی النسل کُتے کا نام ٹامی - TOMMY - تھا۔

موسم گرما کے اس واقعہ سے یاد آیا کہ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کچھ عرصہ کے لئے حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ میں بھی منتقل ہوگئی تھیں لیکن اپنی بیماری کے باعث آپؓ کو ائیر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈی ہوا موافق نہ آئی تو آپؓ پھر دوبارہ اپنے کمرہ میں واپس تشریف لے آئیں اور یہاں گرمی سے بچاؤ کے لئے آپؓ کے داماد حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے مشورہ پر ڈیزرٹ کولر لگوا دیا گیا اور چونکہ مجھے بھی حضرت قمر الانبیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس رہتے رہتے گرمی بالکل برداشت نہ ہوتی تھی لہذا میرا پلنگ اس کولر کے بالکل سامنے لگا دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ بعض اوقات اس کولر سے کمروں میں اتنی زیادہ سردی ہوجاتی تھی کہ ہمیں گرمیوں میں بھی لحاف لے کر سونا پڑتا تھا۔

حضرت میاں صاحبؓ نے شکار کی غرض سے چند ہتھیار گھر میں رکھے ہوئے تھے اور ہر سال کم از کم دوبار باقاعدہ ان کی صفائی کروائی جاتی تھی اور حضرت میاں صاحبؓ گاہے بگاہے مجھے بھی ان کی بعض تفصیلات سے آگاہ فرمایا کرتے تھے کہ ریوالور میں چھ اور پستول کے میگزین میں بارہ گولیاں ڈلتی ہیں نیز رائفل کی گولی اور بندوقوں کے کارتوس کی طاقت کیا ہے۔کارتوس میں کس قسم کے چھرے استعمال ہوتے ہیں اور ان کی رینج کتنی ہے۔آپؓ نے مجھے بھی شکار کے لئے یہ ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی اور یہ وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں کچھ بڑا ہوجاؤں گا تو آپؓ خود مجھے یہ ہتھیار چلانا سکھائیں گے لیکن افسوس کہ آپؓ کی زندگی نے میرے بڑے ہونے کا انتظار نہ کیا اور یوں میری یہ ادنیٰ سی خواہش پوری نہ ہوسکی لیکن آپؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب ازراہِ شفقت اپنے بڑے بیٹے اور میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب کے ساتھ مجھے بھی عموماً شکار پر لے جایا کرتے تھے۔ایسے مواقع پر عموماً فضل عمر ہسپتال ربوہ کے مکرم لطف الرحمٰن شاکر (لطفی بھائی) صاحب بھی عموماً اس شکار پارٹی کے ہمراہ ہوا کرتے تھے کیونکہ ان کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ان کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحبؒ چیف میڈیکل افسر فضل عمر ہسپتال ربوہ بھی اپنے بچوں صاحبزادہ مرزا مظہر احمد صاحب،صاحبزادہ مرزا عمر احمد (تانی میاں) صاحب اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (وکٹر) صاحب کے ہمراہ مجھے بھی شکار پر لے جایا کرتے تھے اور بعد میں آپ نے ازراہِ مہربانی وشفقت ہسپتال میں کام سیکھنے کا موقع بھی فراہم کیا۔حضرت صاحبزادہ میاں منور احمد صاحبؒ نے میری فضل عمر ہسپتال ربوہ میں تعلیم کے دوران بے حد ہمت بڑھائی۔آپ ایک بااصول افسر تھے لہذا آپ کے دفتر کے اوقات میں آپ کے کمرہ میں کسی کو بھی بغیر اجازت آنے جانے کی اجازت نہ تھی لیکن مجھے آپ نے خاص اجازت مرحمت فرما رکھی تھی، جس کی بدولت بعض اوقات ہسپتال کے عملہ کے ہی بعض احباب کے کام

کروانے میں سہولت پیش آجاتی رہی اور اس ترکیب کا علم ہو جانے کے بعد تو بہت سے دوسرے غرض مندوں نے بھی خاکسار سے یہ خدمت لی اور میرے لئے نہایت ہی خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ آپ کو چونکہ مجھ عاجز پر مکمل اعتبار تھا لہذا آپ نے کبھی انکار تو کیا کبھی کوئی سوال بھی نہیں کیا اور خاموشی سے ان درخواستوں پر دستخط کر دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحبؒ کی اس مدد سے دکھی دلوں کے مداوے نیز خاکسار کی ایسی بے دھڑک جرأت پر چشم پوشی کے لئے عمدہ ترین جزائے خیر سے نوازے اور آپ کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ آمین

شکار اور پرندوں کے ذکر سے یاد آیا کہ بچپن میں مجھے گھر میں مختلف پرندے پالنے کا بھی بہت شوق تھا لہذا میرے اسی شوق کو دیکھتے ہوئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ہمیشہ مجھے لاہور سے مختلف قسم کے رنگ برنگے پرندے لے کر دیا کرتی تھیں کہ جن میں میری سب سے زیادہ پسندیدہ وہ سرخ اور کالے رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں ہوتی تھیں کہ جن کے سیاہ پروں پر سفید رنگ کے گول گول دانے سے ہوتے تھے اور انہیں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پنجروں میں رکھا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ چڑیاں صرف ایک خاص قسم کا دانہ ہی کھایا کرتی تھیں اور وہ دانہ صرف لاہور سے ہی دستیاب ہوا کرتا تھا لہذا جب بھی کوئی لاہور آتا جاتا تو میری ان چڑیوں کے لئے یہ دانا بھی لے آتا۔ میری عادت یہ تھی کہ کچھ عرصہ ان خوبصورت چڑیوں کو پال کر میں انہیں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی اجازت سے آزاد کر دیا کرتا تھا۔ ان چڑیوں کے علاوہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے ایک دو مرتبہ ایک دو بولنے والے سبز رنگ کے کالی گانی والے طوطے بھی لے کر دئے لیکن جب انہوں نے بولنے سے انکار کر دیا تو میں نے انہیں آزاد کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام گھروں میں صرف میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا التسلیم احمد (بے بی میاں) صاحب کے پاس ہی ایک بولنے والا بڑا سا طوطا ہوا کرتا تھا جو کہ بے بی میاں کہا کرتا تھا لیکن بعد میں حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحبؒ کے بچوں کو بھی بولنے والے طوطوں کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے بھی کچھ مدت تک طوطے پالے بلکہ ایک دو مرتبہ تو ان کے طوطے کسی نہ کسی طرح اپنے پنجرہ سے آزاد ہو کر اڑ گئے کہ جس کے بعد ہم تمام بچے خاندان مبارکہ کے مختلف گھروں میں جا جا کر پوچھتے رہے کہ کسی نے ان کا طوطا تو نہیں دیکھا لیکن ان طوطوں کو نہ ملنا تھا نہ وہ ملے اس لئے ان طوطوں کی نسبت اس گھر میں ٹرکی مرغ۔ شکاری کتے اور گھریلو بلیاں وغیرہ پالنے کا رجحان زیادہ رہا۔

ان پرندوں کے علاوہ میں نے گھر کے زنانہ صحن کی جنوب مغربی دیوار کے ساتھ شہتوت کے درخت کی چھاؤں میں ایک لکڑی کا ڈربہ رکھا ہوا تھا کہ جس میں میں نے بٹیرے بھی پالے ہوئے تھے اور یہ وہی ڈربہ تھا کہ جس میں کبھی گھر کی مرغیاں بھی پالی جاتی تھیں۔ گرمیوں کے موسم میں عموماً کسی ٹوکری میں گندم کا بھوسہ (تُوڑی) وغیرہ ڈال کر ان مرغیوں کے نیچے بہت سے انڈے رکھ دئے جاتے اور پھر چند ہفتوں کے بعد ان میں سے سفید اور ہلکے زرد (پیلے) رنگ کے چوزے نکل آیا کرتے تھے اور میں خوشی خوشی انہیں چوغہ ڈالا کرتا تھا۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ حضرت قمر الانبیاءؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات کے بعد خاندان حضرت مسیح موعودؑ نے ہمارے ساتھ اپنے پیار، محبت، احسان اور اخوت کے رشتہ کو از راہ شفقت نہ صرف استوار رکھا بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر اس معزز خاندان کے افراد ہماری دلداری کرتے چلے آرہے ہیں لہذا اسی محبت کی وجہ سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات کے بعد حضرت صاحبزادہ میاں مجید احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج کی تعلیم کے دوران میرے گارڈین بنے جبکہ ان سے پہلے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے بعد سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بذات خود اپنی وفات حسرت آیات تک اس عاجز کی سرپرستی فرماتی رہیں۔ اس پیار محبت اور شفقت آمیز سرپرستی سے یاد

آیا کہ سن ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائینز -PIA- کے ایک BOING 707 ہوائی جہاز کو یورپ جاتے ہوئے پہلی مرتبہ قاہرہ کے راستہ سے گزرنے کی اجازت ملنے پر ایک تباہ کن حادثہ پیش آیا - چونکہ اس سے پہلے مصر سے پاکستان کے سیاسی روابط کچھ زیادہ مضبوط نہ تھے لہذا اس موقعہ پر مصر کی جانب خیر سگالی کے لئے بھیجے جانے والے اس وفد میں پاکستان کے چوٹی کے افراد شامل تھے جو کہ اس حادثہ میں جاں بحق ہو گئے - ان دنوں کی اخباری اور ریڈیو خبریں اب بھی میرے ذہن میں کسی کل کی بات کی طرح زندہ ہیں - کبھی خبر آتی کہ یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے اور پھر خبر آتی کہ یہ کسی فنی خرابی کا نتیجہ ہے - کسی نے اس جہاز کو ہوا میں ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا تو کسی نے اسے آسمان سے شعلوں میں گھرے جلتے ہوئے گرتے دیکھا تھا تو کسی دوسرے نے اس کو ایک پہاڑ سے ٹکرا کر تباہ ہوتے ہوئے دیکھا - الغرض! جتنے مونہہ اتنی ہی باتیں یا جتنے روزنامے اتنی ہی مختلف انواع کی خبریں بہرحال اس افسوسناک حادثہ کا جتنا بھی افسوس کیا جائے اتنا ہی کم ہے کیونکہ اس وقت تک پاکستان کی تاریخ میں اتنا بڑا حادثہ کبھی پیش نہیں آیا تھا کہ جس میں ملک کے چیدہ چیدہ سیاست دان، چوٹی کے صحافی اور ممتاز تجار ایک ہی منٹ میں داغ مفارقت دے گئے ہوں - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ - (البقرۃ : ۱۵۷)

اس حادثہ کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ان مرحومین کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا ؟ کیونکہ صرف زبانی کلامی اظہار افسوس کر دینے سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا اور صرف یہ کہہ دینے سے بھی کہ ''اجی! سب کا اللہ ہی مالک ہے'' تب بھی بات نہیں بنتی - کیونکہ اللہ تو واقعی ہر چیز کا مالک ہے خالق ہے پروردگار ہے لیکن اس نے انسان کو اپنا تحفظ کرنے کے لئے بھی کچھ ہدایات دے رکھی ہیں اور جو اِن قوانین قدرت کو نظر انداز کر دیتا ہے اسے اس کی سزا بھی ضرور ملتی ہے لہذا ان معصوموں کی دنیاوی طور پر کوئی ٹھوس مدد ہونی چاہیئے کیونکہ آخر حکومت کی طرف سے ملنے والی رقم یا ہوائی جہاز کی انشورنس کمپنی کی جانب سے دیا گیا معاوضہ کتنے دن کام دے گا؟ غرض کئی قسم کے سوالات اُٹھ کھڑے ہوئے لہذا میں یہاں انشورنس کے بارہ میں کچھ عرض کروں گا اور بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ پر کسی ایسے مدبر کی رائے لی جائے کہ جس کا تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ ہو چنانچہ '' پیش بندی کے اصول کے تحت بیمہ پالیسی پر ایک نظر'' کے عنوان سے میں نے اپنے گارڈین حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب کی کتاب'' نقطہ نظر'' سے چند حوالے یہاں درج کرنے کو اپنے لئے باعث افتخار خیال کیا ہے - آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' ہمارے اکثر اقدامات میں کسی نہ کسی رنگ میں آئندہ آنے والے ممکنہ خطرات کی پیش بندی کا اصول کارفرما نظر آتا ہے - ہم اپنی آمد میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے ہیں تا کہ اگر خدانخواستہ گھر میں بیماری آ جائے یا کوئی حادثہ پیش آ جائے، بچوں کی شادی پر خرچ اٹھے گا، لڑکیوں کا جہیز بنانا ہے تا وقت پر رقم موجود ہو - اس کے علاوہ جب ہم سفر کرتے ہیں تو راستہ میں کھانے پینے کے اخراجات کے علاوہ بھی کچھ رقم رکھ لیتے ہیں تا کہ ناگہانی اخراجات یا حادثہ کے وقت کام آ سکے - غرض اگر آپ غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ عقل مند لوگ قدم قدم پر پیش بندی کرتے ہیں اور جو لوگ نہیں کرتے وہ نقصان اٹھاتے ہیں -

انشورنس کے پیچھے جو فلسفہ کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں بعض حادثات، طوفان کی صورت میں رونما ہوتے ہیں جو اس کی قوت برداشت سے باہر ہوتے ہیں - ان کی تلافی کی کوئی نہ کوئی اجتماعی صورت نکلنی چاہیے - مثلاً گھر کا آگ سے تباہ ہونا - سامان تجارت کا سمندری طوفان یا کسی اور حادثہ کی نذر ہو جانا - شوہر کی بے وقت موت یا معذوری وغیرہ - مثلاً اگر سو گھر ہوں اور ان میں سے اکثر و بیشتر گھر کسی بھی حادثہ کی صورت میں محفوظ رہتے ہیں لیکن جس کا گھر تباہ ہو گیا اس کے لئے اکیلے یہ نقصان برداشت کرنا اگر ممکن نہ سہی تو انتہائی مشکل ضرور ہوتا ہے - اس لئے انشورنس کمپنیوں کے تمام ممبران اجتماعی طور پر ایک مقرر شدہ رقم کی ادائیگیوں سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ ان میں سے اگر کسی شخص کا نقصان ہوگا تو اجتماعی طور پر اس کے نقصان کا

ازالہ کر دیا جائے گا خواہ بذات خود انہیں کوئی حادثہ پیش آئے یا نہ آئے اور اسی لئے وہ اپنی انشورنس فیس کی ادائیگی کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ خدانخواستہ اگر وہ بھی کبھی کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں تو انشورنس کمپنی ان کی بھی مدد کرے۔ انشورنس کا نظام بذات خود بچت کے رجحانات کو تقویت دیتا ہے کیونکہ اس سے وقت پر انشورنس کمپنی کو ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔

میری عادت تھی کہ میں حضرت ابا جانؓ سے مختلف امور کے متعلق پوچھتا رہتا۔ ایک موقعہ پر میں نے آپؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کا انشورنس کے بارہ میں کیا خیال ہے کیونکہ گو بظاہر انشورنس میں انفرادی اور اجتماعی فائدے نظر آتے ہیں مگر ہم ابھی اس بارہ میں گومگو کی کیفیت سے دوچار ہیں؟ اس پر ابا جانؓ نے فرمایا کہ وہ ہرگز فتویٰ دینے کے مجاز نہیں ہیں کیونکہ یہ کام جماعت کے سربراہ یا پھر اس کی طرف سے مقرر کردہ ادارہ ہی سرانجام دے سکتا ہے لیکن میرا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ جہاں تک لازمی انشورنس کا تعلق ہے یعنی جو گورنمنٹ کی طرف سے لازمی کروانی پڑتی ہے مثلاً تھرڈ پارٹی انشورنس یا پھر بعض دفعہ مختلف کمپنیاں بھی اپنے ملازمین کی لازمی انشورنس کرواتی ہیں۔ اس انشورنس میں کسی فرد کا اپنا دخل نہیں ہوتا اس لئے وہ اس دائرہ سے باہر ہیں کیونکہ قانون کی اطاعت لازمی ہے لیکن جہاں انفرادی طور پر کسی قسم کی انشورنس کروانے کا تعلق ہے میرا ذاتی خیال ہے کہ آئندہ کی پیش بندی کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم کل کے لئے جو آج آگے بھیجتے ہو اس کی فکر کرو۔ پھر مفسرین نے لکھا ہے کہ روٹی، کپڑے اور مکان کی ذمہ داری گورنمنٹ کے فرائض میں داخل ہے اور یہ وہ کم سے کم سہولت ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے فکری سطح پر یہ ایک نہایت ہی عمدہ سکیم ہے اور جب حکومتیں یہ ضرورت براہ راست پوری نہ کر رہی ہوں تو اگر کوئی پرائیویٹ ادارہ اس کام کا بیڑا اٹھالے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا کاروبار سودی اور قمار بازی کے نظام پر مبنی نہ ہو۔

حضرت میاں صاحبؓ (حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سود کی مناہی کا جو حل ہے وہ یہ ہے کہ دولت چند لوگوں کے گرد گھومتی نہ رہے اور دولت مند محض اپنی دولت کے بل بوتے پر بغیر تکلیف اور نقصان اٹھانے کا خطرہ مول لئے مزید دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز نہ کرلیں۔ اگر حکومتی سطح پر یہ نظام جاری ہو جس طرح انگلستان میں ہے یا پھر پرائیویٹ کمپنیاں ہوں جن کے شیئرز کے حصص کی ملکیت پبلک کی ہو یعنی پبلک لمیٹڈ کمپنیاں ہوں تو ایسی انشورنس کے جائز ہونے کا جواز موجود ہے کیونکہ اس منفعت سے لوگ بحیثیت قوم فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں نہ کہ چند نفوس۔ جہاں جہاں بھی حکومت کی طرف سے یا قانون کے ذریعہ یہ قید لگا دی جائے وہ درحقیقت سود کے زمرہ میں نہیں آئے گا''۔ (نقطہ نظر صفحہ ۲۴۶۔۲۵۳)

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو تمام قرآن شریف میں بار بار اور علیٰ اعلان ہمیں یہ تاکید فرما رہا ہے کہ اے لوگو! غریب غربا کا خیال رکھو۔ ضرورت مندوں کی مدد کرو۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ یتیموں کی پرورش کرو۔ اگر اکیلے نہ کرسکو تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر یہ کام کرو۔ یعنی اگر انشورنس یا اس مقصد کے لئے چلائے جانے والے کسی بھی فلاحی کاروبار وغیرہ کے ذریعہ صرف ایک دوسرے کی مدد و امداد کی خاطر یہ رقم جمع کی جائے اور صرف ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہی استعمال کی جائے تو جائز ہے۔ پس اوپر درج اسی ایک مثال سے بھی آپ حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان ذہنی فراست کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت قمر الانبیاءؓ کس خوبی سے معاشرتی معاملات کو مذہبی معاملات کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا کرتے تھے لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ اس طرح کی کسی سکیم کو انشورنس کا نام دینے کی بجائے ''سکیم برائے حفظ ماتقدم'' کا نام دے کر بیواؤں اور یتیموں کی مدد کی جائے۔ اسی طرح اگر مسلمان ممالک میں صرف زکوٰۃ وغیرہ کا ہی صحیح استعمال کیا جائے تو آپ کو ان تمام ممالک

میں ایک بھی بُھوکا۔غریب یا بھیک مانگنے والا نہیں ملے گا لیکن افسوس! کہ آج کے مسلمان ممالک کے سربراہان نام نہاد مسلمانوں کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ جن کا کام ہی صرف: ''رام رام جپنا اور پرایا مال اپنا'' کرنا رہ گیا ہے۔یعنی وہ اپنی جیبیں بھرنے میں زیادہ مصروف اورعوام کے مصائب و مشکلات کا ازالہ کرنے سے کوسوں دور ہیں۔ان کی انہی گھٹیا حرکات کی ایک نہایت ہی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ جب بھی ان ممالک کے وزراء کسی مغربی ملک سے امداد طلب کرنے دورہ پرآتے ہیں تو سب سے پہلے اس امداد میں سے اپنے اپنے حصہ سے نئی نویلی موٹر کاریں، اپنی اپنی فرموں کے لئے نئی مشینری وغیرہ خرید کر یا یہ رقم انہی قرض مہیا کرنے والے ممالک کے بینکوں میں منتقل کر کے اپنے اپنے ممالک کو واپس چلے جاتے ہیں۔پھر جو بقیہ بچ جاتا ہے وہ وہاں کے بقیہ حکمران آپس میں صلح صفائی کے ساتھ بانٹ لیتے ہیں اورعوام بیچارے مونہہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔پہلے مجھے ان حرکات کا علم نہیں تھا لیکن پھر بھی میں کبھی کبھی یہ سوچا کرتا تھا کہ آج ایک اخبار میں شائع ہؤا ہے کہ فُلاں ملک نے ہمیں اتنی مدد دی۔کل اُس اخبار میں نکلا تھا کہ ایک اور ملک نے ہمیں اتنی امداد بہم پہنچائی لیکن اے میرے اللہ! آخر یہ سب امداد کہاں چلی جاتی ہے کیونکہ ملک میں تو کوئی نئی چیز بنتی ہوئی نظر نہیں آتی؟ لیکن جب میں نے یہاں KOBLENZ کوبلینز جرمنی کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو تب مجھے علم ہؤا کہ مغربی ممالک کی غریب ممالک کو دی جانے والی یہ امداد جاتی کہاں ہے اور ہم سب طالبعلم (سٹوڈنٹس) روزانہ مختلف اخبارات کا مطالعہ کر کے ہنستے رہتے تھے کہ آج اِس ملک کے وزراء اور کل اُس ملک کے وزراء کا دورہ کتنا کامیاب رہا۔انہیں فلاں کنسورشیم سے کتنی امداد ملی اور انہوں نے یہاں سے کیا کیا کتنے کا خریدا اور کتنی بقیہ رقم واپس لے کر گئے۔مسلمانوں کی زکوٰۃ کی جگہ یورپی ممالک بھی ہر ایک کام کرنے والے سے انکم ٹیکس وصول کرتے ہیں اور پھر اس میں سے غریب غربا کی روٹی کپڑے سے جائے رہائش سے اور بقیہ تمام لوازمات سے امداد بھی کی جاتی ہے۔اسی لئے تو یہاں آپ کو کوئی بھیک مانگتا ہؤا نظر نہیں آتا اور اگر شاذ ہی کوئی نظر آتا بھی ہے تو وہ یقیناً ایک ایسا شخص ہی ہوگا کہ جس نے مدد کے طور پر ملنے والی رقم سگریٹ نوشی کرنے یا شراب پینے یا آوارہ گردی میں اڑادی ہوگی ورنہ میں نے تو کسی کو بھیک مانگتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن مسلم ممالک خصوصاً پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کا تو کوئی کونا کوئی سڑک کوئی چوراہا کوئی گلی آپ کو ایسی نظر نہیں آئے گی کہ جہاں بھیک مانگنے والے موجود نہ ہوں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ؁ (البقرۃ:۱۵۷)

یہ سب کچھ مسلمان ممالک میں بسنے والے عوام کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ قرآن وسنت کی پیاری تعلیم پر صدق دل سے عمل کرنے اور شریعت اسلامیہ کی مکمل بجا آوری سے انحراف اختیار کرتے جا رہے ہیں ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نظام زکوٰۃ موجود ہو اورعوام بھیک مانگتے پھریں؟ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کروڑوں اور اربوں ڈالر کی خطیر رقم اسلحہ کی خریداری کرنے یا مغربی ممالک میں جا کر عیاشی کرنے پر صرف کر دی جائے لیکن اپنے عوام کو کسی قسم کی کوئی طبی یا معاشرتی سہولت بھی نہ بہم پہنچائی جائے؟ یہ سزا صرف اس نام نہاد مسلمانوں کے معاشرہ کو ہی ملا کرتی ہے جو کہ اوپر اوپر سے تو اسلام اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن درحقیقت رشوت ستانی، حقوق کی پائمالی، جائز و ناجائز اختیارات کے استعمال کے ذریعہ مال و دولت کی فراوانی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں ورنہ ایک سچے مسلمان کو تو اس کا خدا اپنی جناب میں سے اس شخص کے حصہ کا رزق حلال مہیا کرتا ہی رہتا ہے اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہم احمدیوں میں بعض احباب مال و دولت کے لحاظ سے غریب ضرور ہیں لیکن وہ دل کے غریب نہیں کہ جس کی وجہ سے ان کا اخلاق اس قدر گرا ہؤا نہیں کہ وہ گلی گلی بھیک مانگتے پھریں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت ان کی کسی نہ کسی طریق پر ضرور مدد کرتی رہتی ہے اور یہ بات بھی سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے کہ احمدیت کے سچے پروانے اس دنیا میں کبھی ذلیل و خوار نہیں ہوتے اور سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر نہیں آتے اور مجھے یہ واثق یقین ہے کہ اپنے سچے ایمان کی بدولت وہ اسی طرح اگلے جہان میں بھی ضرور سرخرو ہو جائیں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ

اطاعت امام

میں تو اپنے بچپن سے ہی یہ دیکھتا چلا آیا ہوں کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ انتہائی باقاعدگی سے امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملاقات، مزاج پرسی اور عیادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ ان ملاقاتوں میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی کبھی کبھی آپؓ کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں اور یوں میری والدہ محترمہ اور مجھ خاکسار کو بھی حضورؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا شرف ملتا رہتا تھا۔ اس وقت تک سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ چل پھر سکتی تھیں اور آپؓ کے کولہے کی ہڈی ان واقعات کے بہت بعد میں ٹوٹی تھی لیکن اس حادثہ سے روبصحت ہونے کے بعد آپؓ کو چلنے پھرنے کے لئے بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑا کہ جس کی وجہ سے آپؓ پھر دوبارہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں خود چل کر حاضر نہ ہو سکیں کیونکہ حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) قصر خلافت کی پہلی منزل پر تشریف فرما رہتے تھے اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنے تازہ اپریشن کی بنا پر اتنی سیڑھیاں نہ چڑھ سکتی تھیں لیکن اس معذوری سے پہلے جب بھی آپؓ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی معیت میں دربار خلافت میں تشریف لے جاتیں تو حضرت سیدنا مصلح موعودؓ کا پیار اس دن دیکھنے کے قابل ہوتا تھا کہ جس دن آپؓ کے بھائی حضرت قمرالانبیاءؓ اور بھاوجہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ قصر خلافت میں تشریف لاتے۔ حضرت صاحب (الثانیؓ) کے چہرہ مبارک پر طبعی بشاشت اور روحانی نور کا جو مقدس جلوہ میں نے دیکھا ہے اس کا مشاہدہ بہت ہی کم لوگوں نے کیا ہوگا۔ خاکسار نے ان پیاری ملاقاتوں کے دوران ہمیشہ سب کو ہنستے مسکراتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بعض اوقات مسکراتے وقت حضرت صاحب (الثانیؓ) کے گال گلابی رنگ کے ہو جاتے اور یہ رنگ آپؓ کے پُرنور چہرہ مبارک اور سپید ریش مبارک کی وجہ سے اور بھی زیادہ پھبتا۔ یہی نہیں بلکہ میرے پیارے آقا حضرت صاحب (الثانیؓ) ہم پر بھی بے حد محبت اور شفقت کی نگاہ ڈالتے ہوئے حال احوال پوچھتے اور پھر بوقت رخصت دعائیں دیتے ہوئے الوداع فرماتے۔ آج بھی جب کبھی کسی خواب میں ملاقات ہوتی ہے تو میں حضرت صاحب (الثانیؓ) کو اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر خوبصورت، جوان اور تندرست دیکھتا ہوں۔

جیسا کہ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنے کولہے کی ہڈی پر چوٹ لگ جانے کی وجہ سے بعد میں حضرت میاں صاحبؓ کے ہمراہ حضور (الثانیؓ) کی ملاقات کو نہ جا سکتی تھیں لیکن حضرت میاں صاحبؓ بوجہ شفقت و محبت خاکسار کو باقاعدگی سے حضور الثانیؓ کی خدمت میں اپنے ساتھ لے جاتے رہے کبھی عصر کے بعد، کبھی مغرب سے ذرا پہلے۔ حضرت صاحب (الثانیؓ) تقریباً روزانہ ہی سیر کے لئے اپنے باغ واقع احمد نگر تشریف لے جاتے اور حضرت میاں صاحبؓ بھی آپؓ کے ہمراہ ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب تک حضرت میاں صاحبؓ میں طاقت اور ہمت رہی آپؓ خود قصر خلافت کی سیڑھیاں چڑھ کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ (الثانیؓ) کی ملاقات یا استقبال کے لئے حضورؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے اور کبھی بھی نیچے ٹھہر کر حضورؓ کا انتظار نہیں فرمایا اور پھر حضورؓ کے ہمراہ ہی نیچے تشریف لاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ زندگی کے ان آخری ایام میں اپنی جسمانی کمزوری کے سبب چلنے پھرنے سے قاصر ہو چکے تھے لہذا حضورؓ ایک کرسی پر تشریف فرما ہو جاتے اور مصاحب اس کرسی کو اٹھا کر نیچے لے آتے اور حضورؓ کے بابرکت وجود کو اٹھا کر آپؓ کی کار میں بٹھا دیا جاتا اور اس کے بعد

کاروں کا یہ قافلہ حضورؓ کے باغ واقع احمد نگر کو روانہ ہو جاتا۔ اس قافلہ میں سب سے آگے حضرت صاحب (الثانیؓ) کی نیلی شیورولیٹ کار پھر پہرہ داروں کی جیپ اور اس کے بعد کوئی اور کار اور پھر حضرت میاں صاحبؓ کی نیلی سفید چھت والی اوپل موٹر کار کہ جس کی فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ حضرت میاں صاحب تشریف فرما ہوتے اور پچھلی سیٹ پر یہ خاکسار اور مکرم بشیر احمد خادم صاحب براجمان ہو جاتے۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے حضرت میاں صاحبؓ اپنی موٹر کار کی کھڑکی میں شیشہ کے ساتھ ایک تولیہ بھی لٹکا لیا کرتے تھے اور کار کے رنگ کی مناسبت سے یہ تولیہ بھی عموماً نیلے رنگ کا ہی ہؤا کرتا تھا۔ احمد نگر پہنچ کر خاکسار حضرت مصلح موعودؓ کے پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں کے ساتھ حضور اقدس (الثانیؓ) کے باغ میں اِدھر اُدھر کھیل میں مصروف ہو جاتا یا پھر ہم لوگ مختلف موسمی پھل چکھتے رہتے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت قمرالانبیاءؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں باغ کے وسط میں تشریف فرما رہتے اور مختلف جماعتی امور پر گفتگو ہوتی رہتی۔ حضرت صاحب (الثانیؓ) کی خدمت میں میں نے کبھی بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت میاں صاحبؓ نے کبھی اپنی درست بات بھی جتلانے کی کوئی کوشش بھی کی ہو۔ آپؓ صدق دل سے اپنی رائے دے دیتے اور پھر حضورؓ کی رائے اور فیصلہ کو افضل گردانتے اور اسی پر نہ صرف بذات خود عمل کرتے بلکہ تمام جماعت سے بھی عمل کرواتے۔ حضورؓ کے نام خطوط بھی سیدی کے پیارے لقب سے شروع کرتے اور اپنے آپ کو ایک خادم جانتے۔ اس طرح ہمیں دونوں رضوان اللہ علیہم کا قرب اور دیدار نصیب رہتا تھا۔ اب بھی جب میں وہ سہانے دن یاد کرتا ہوں تو ایک نہایت ہی پر کیف سماں بندھ جاتا ہے۔ یہاں مجھے یاد آیا کہ انسانی جسم و جان کی تھکاوٹ کو دُور کرنے کے لئے ہر کام کے دوران وقفہ کرنا اور روح کی تفریح کے لئے بھی سیر وسیاحت وغیرہ کتنی زیادہ اہم چیز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ --- (العنکبوت : ۲۱۔یعنی : تُو کہہ دے کہ تم لوگ زمین میں گھومو پھرو اور سیر کر کے دیکھو کہ اس نے کیسے ہر چیز کو نہایت عمدہ طور پر تخلیق کیا ہے ---ناقل) ۔یعنی سیر وتفریح کا مقصد ہستی باری تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل بھی ہے تا کہ نظام قدرت اور خدا تعالیٰ کی حسین تخلیقات کے مشاہدہ و معائینہ اور مطالعہ سے انسان یہ بھی جان سکے کہ ہر قدرتی اور فطرتی حسن کا منبع اور سر چشمہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب تفریح کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-'' ہر ذی روح انسان ہو یا حیوان حتیٰ کہ مشین بھی ایک عرصہ تک چلنے کے بعد آرام چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا انتظام پیدا فرمایا ہے کہ دن کے بعد رات آتی ہے تا کہ تھکا ماندہ انسان آرام کر سکے اور تازہ دم ہو کر پھر کام پر لگ سکے''۔ (نقطہ نظر صفحہ ۶۶)

لیکن حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تو گویا آرام کرنا جانتے ہی نہ تھے اس لئے خاکسار یہاں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی میں سے سیر وتفریح کے چند چیدہ چیدہ واقعات کو بالترتیب یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے تا کہ آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی تمام زندگی میں صرف چند ایک یوم ہی ایسے آئے کہ جن میں آپؓ نے کچھ وقت تفریح کے لئے بھی نکالا ورنہ آپؓ دن رات جماعت کے مختلف کاموں میں ہی مصروف رہے:-

'' ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو امرتسر سے قادیان کو جانے والی سب سے پہلی ریل گاڑی چلنے کا افتتاح ہؤا۔ اس موقع پر قادیان سے بہت سے خاندان اور حضرت امیر المؤمنین مصلح موعود اور حضرت قمرالانبیاء بھی اپنی اہلیت کے ہمراہ امرتسر تشریف لے گئے اور پھر تمام دوست اس پہلی گاڑی میں حضور کی معیت میں قادیان واپس تشریف لائے''۔ (الفضل ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء)

''۳۰ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو ایک مشہور ہندوستانی ہوا باز مسٹر چاولہ اپنے ہوائی جہاز پر لاہور سے قادیان آئے اور ریلوے سٹیشن کے پاس ایک کھلے میدان

میں اترے ۔جناب چاولہ صاحب نے حضرت مصلح الموعود سے درخواست کی کہ حضور ! آپ جہاز میں کچھ دیر پرواز فرمائیں ۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سٹیشن کے قریب میدان میں تشریف لے گئے جہاں مردوزن کا ایک بہت بڑا ہجوم جمع تھا۔اس جہاز نے تین بار پرواز کی جس میں پہلی مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ سوار ہوئے ۔دوسری دفعہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ نے پرواز کی ۔تیسری پرواز میں حضرت مصلح موعود اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے پرواز کی''۔(الفضل ۳ رجنوری ۱۹۳۳ء)

اسی پرواز کے بارہ میں مکرم پروفیسر مبارک احمد انصاری صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے احباب جماعت کی لازوال محبت کا ایک واقعہ یوں بیان فرمایا کہ:-

'' ایک ہندو دوست جن کا نام غالباً چاولہ تھا اور انہوں نے ہوائی جہاز اڑانے کی تربیت لے کر اس کا لائسنس لے رکھا تھا۔انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو جہاز میں سیر کی دعوت دی ۔جو حضورؓ نے قبول کر لی اور تاریخ اور وقت طے ہو گیا۔وقت مقررہ پر حضورؓ اس میدان میں تشریف لائے کہ جہاں سے جہاز نے اڑنا تھا تو خاصی تعداد میں قادیان کے احمدی مرد عورتیں بچے بھی پہنچ گئے ۔ مجھے میرے چچا اپنے ساتھ وہاں لے گئے ۔وہاں بہت ہجوم تھا اور میدان کے چاروں طرف لوگوں نے گھیرا بنا رکھا تھا۔میرے جیسے چھوٹی عمر کے بچہ کے لئے نظارہ کرنا بہت مشکل تھا۔اللہ تعالیٰ میرے چچا کے درجات بلند فرمائے کہ جنہوں نے مجھے اپنے کندھوں پر بٹھا رکھا تھا کہ جس کی وجہ سے میں آسانی سے سارا منظر دیکھ سکا۔

جب جہاز زمین پر اترا تو چاولہ صاحب نے جہاز سے نکل کر پیشوائی کی اور حضور کو ساتھ لے کر ہوائی جہاز میں سوار کروا دیا۔اس وقت دور سے جہاز مجھے کچھ یوں لگا کہ جیسے موٹر سائیکل کے ساتھ کوئی سائیڈ کار لگی ہوئی ہو۔جب جہاز چکر لگانے کے بعد فضا میں بلند ہوا اور ایک طرف مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میدان میں ایک کہرام سا مچ گیا۔لوگ زاروقطار رو رہے تھے ۔کچھ دیر کے بعد جس کا مجھے اندازہ نہیں جہاز پھر نمودار ہوا اور لوگوں کی جان میں جان آئی ۔ مجھے اس وقت تو سمجھ نہیں آئی کہ لوگ کیوں رو رہے تھے لیکن بعد میں جب میں نے اپنے چچا سے اس بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگ اس لئے رو رہے تھے کہ انہیں حضور سے بہت محبت ہے اور وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ نہ جانے یہ ہندو شخص ہمارے حضور کو کہاں لے گیا ہے۔اور جہاز کی واپسی سے ان کی تسلی ہو گئی''۔(ماہنامہ احمدیہ گزٹ کینیڈا-جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ ۱۷-۱۸)

سیر و تفریح کے بارہ میں حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' میں تفریح کی اہمیت کا منکر نہیں بلکہ دن بدن اس کی ضرورت کا زیادہ قائل ہوتا جا رہا ہوں ۔ہماری زندگی اس قدر سنجیدہ اور تفکرات سے اتنی معمور ہے کہ اگر جائز اور مفید تفریحات کا انتظام نہ کیا گیا تو کام کرنے والے لوگوں کے اعصاب تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔اس لئے ہمارے سامنے یہ ایک اہم سوال ہے کہ اگر ایک طرف سینما سے روک کر لوگوں کے اخلاق کو خراب ہونے سے بچائیں تو دوسری طرف ان کے لئے کسی نہ کسی رنگ میں مختلف مذاق کے لوگوں کے لئے جائز تفریح کا سامان بھی مہیا کریں''۔(الفضل ۱۰رجولائی ۱۹۵۵ء)

اسی سلسلہ میں مجھے بھی یاد ہے کہ ربوہ میں عموماً گرمیوں کے دنوں میں بندر اور بکری یا ریچھ والے مداری اپنی ڈگڈگی یعنی ڈمرو یا سپیرے اپنے سانپوں والی پٹاری اور بین کے ساتھ گھر گھر کے چکر لگایا کرتے تھے ۔حضرت میاں صاحبؓ کے ایماء پر وہ لوگ گھر کے زنانہ برآمدہ میں آکر

اپنے اپنے ہنر کا مظاہرہ کیا کرتے تھے تاکہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور تمام گھر والے کچھ محظوظ ہو لیں۔ بعض مداریوں کے پاس چھوٹے سے بانس کی ایک بانسری بھی ہوا کرتی تھی کہ جس میں نہ جانے آٹھ یا دس سوراخ ہوا کرتے تھے اور مداری ہمیں اس کے تیسرے یا چوتھے یعنی کسی نہ کسی سوراخ میں سے ایک پینسل یا قلم نکال کر دکھاتے اور پھر ہم سے کہتے کہ اب تم بھی انہی سوراخوں میں سے پینسل یا قلم نکال کر دکھاؤ۔ اور آپ یقین مانیں کہ ہماری انتہائی کوشش کے باوجود ہم لوگ اس میں کامیاب نہ ہوتے اور مداری کی شعبدہ بازی کی بنا پر کامیاب ہو بھی نہیں سکتے تھے لہذا اس پر حضرت میاں صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے بے حد محظوظ ہوا کرتے تھے کیونکہ یہ کھیل ہی ہنسنے ہنسانے کے لئے بنائے گئے تھے۔ اُن دنوں حضرت میاں صاحبؓ کا یہ معمول تھا کہ آپ نمازِ مغرب کے بعد ربوہ میں بسوں کے پرانے اڈہ سے ہوتے ہوئے محلّہ دارالیمن (الف محلّہ) کی جانب پہاڑی درہ تک سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپؓ کی محفل میں چند احباب بھی شامل ہو جایا کرتے تھے۔ پہرہ داروں کے علاوہ یہ خاکسار بھی آپؓ کے ہمراہ ہوا کرتا تھا۔ راستہ میں ذکر الٰہی، سنت نبویؐ، احادیث نبویہؐ، ذکر حبیبؑ اور جماعتی امور پر اچھی خاصی سیر حاصل گفتگو ہوا کرتی تھی اور یوں کوئی نہ کوئی عمدہ دینی و دنیاوی بات میرے کانوں میں بھی پڑتی رہتی تھی اور پھر تربیت کی غرض سے بھی آپؓ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ یہ میری خوش نصیبی ہی تھی اور ایسے پیارے وجود کے درجات کی بلندی کے لئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے۔ آمین۔ مجھے یاد ہے کہ اس چھوٹے سے قافلہ میں عموماً دینی و روحانی علوم کے پیاسے احباب جماعت کے ساتھ ساتھ بعض اوقات چند غرض مند افراد بھی شامل ہو جاتے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ میں نے کبھی کسی غرض مند کو مایوس واپس لوٹتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ بعض اوقات تو آپؓ اسی وقت اپنی جیب میں سے کچھ نہ کچھ رقم نکال کر ایسے ضرورت مند احباب کو عنایت فرما دیا کرتے تھے اور وہ شکریہ ادا کرنے کے بعد لوٹ جایا کرتے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ شاید سیر کرنے کے لئے کم لیکن کسی غریب اور دکھی انسان کی مدد کرنے کے لئے زیادہ مغرب کی نماز کے بعد باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اسی واقعہ سے مجھے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ بن الخطاب کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ آپؓ بھی شام کے وقت مدینۃ النبیؐ کی گلی کوچوں میں چکر لگایا کرتے تھے تاکہ کسی ضرورت مند کی مدد کر سکیں اور اتفاقاً ایک رات گشت کرتے ہوئے مدینۃ النبیؐ سے تین میل دور صرآر کے مقام پر آپؓ کو ایک گھر سے چند بچوں کے رونے کی آواز سنائی دی ۔ بچوں کے رونے کی آواز کو سنتے ہی سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ٹھٹھک کر رُک گئے۔ دیکھا تو ایک عورت کچھ پکا رہی تھی۔ آپؓ نے جب بچوں کی والدہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس عورت نے جواب دیا کہ جب سے عمر خلیفہ بنے ہیں مجھے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں اور بھوک سے ہمارا برا حال ہے لہذا میں نے ایک خالی ہنڈیا پانی ڈال کر آگ پر چڑھا رکھی ہے تاکہ یہ بچے بہلے رہیں اور تھک کر سو جائیں۔ یہ سنتے ہی حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ بن خطاب اسی وقت قصر خلافت کو واپس لوٹ آئے اور بیت المال سے بذات خود ایک بوری میں آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لے کر اس عورت کے گھر کی طرف چلنے لگے تو آپؓ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ان اشیا کی اس بوری کو میری پیٹھ پر رکھ دو۔ آپؓ کے خادم نے عرض کیا کہ یا حضور ! آپ کیوں مشقت اٹھاتے ہیں؟ میں جو اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ اس پر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ بن خطاب نے فرمایا کہ:-

’’نہیں! یہ بوجھ میں خود ہی اٹھاؤں گا کیونکہ آج تو تم میرے اس بوجھ کو اٹھا لو گے لیکن قیامت کے دن میری اس ذمہ داری کے بوجھ کو کون اٹھائے گا ؟‘‘۔ اور یہ فرما کر آپؓ نے سامان خورد و نوش سے بھری یہ بوری اٹھا لی اور پھر بہ نفس نفیس ایک مرتبہ پھر اس غرض مند عورت کے گھر تشریف لے گئے اور پھر جب عورت نے کھانا پکانا شروع کیا تو حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے رہے اور اس طرح یہ کھانا تیار ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد اس عورت

نے اظہارِ تشکر کے طور پر کہا کہ: اللہ! تمہیں جزائے خیر دے۔ درحقیقت امیرالمؤمنین بننے کے تم قابل ہو نہ کہ عمر۔

شام کے وقت سیر کے لئے جانے واقعات کے تسلسل میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپؓ کے پاس اُس وقت ایک چھوٹی سی سلیٹی اور کریم رنگ کی دو رنگی بجلی سے چارج ہونے والی ٹارچ ہؤا کرتی تھی اور شام کو سیر پر جاتے ہوئے آپؓ اس ٹارچ کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے لیکن کبھی کبھی وہ ٹارچ مجھے بھی مل جایا کرتی تھی اور پھر میں اسے تمام راستہ میں بڑے شوق سے کبھی جلاتا اور کبھی بجھاتا رہتا تھا اور کبھی سڑک کے علاوہ ادھر اُدھر کی جھاڑیوں پر بھی اس کی روشنی کو ڈالتا رہتا۔ اس ٹارچ کی روشنی کو دیکھ کر اُس زمانہ میں رات کو کبھی کبھی گزرنے والے ٹرک کچھ راستہ چھوڑ کر گزرا کرتے تھے۔ دن بھر وہ ٹارچ بجلی کے پلگ میں لگی رہتی اور پھر شام کو تارکول اور بجری سے بنی ہوئی پکی سڑک پر اس کا استعمال ہؤا کرتا تھا۔ میں پکی سڑک اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ ربوہ میں اُس وقت پکی تو کجا بجری کی بنی ہوئی کوئی ادھ پکی سڑک بھی موجود نہ تھی۔ تمام سڑکیں کچی تھیں اور برسات کے موسم میں تو نہ صرف پیدل چلنے والے بلکہ سائیکلوں اور تانگوں پر سفر کرنے والے لوگ بھی سخت مصیبت میں مبتلاء رہتے۔ ربوہ کی بعض ڈھلوانی جگہوں پر مثلاً دارالصدر شمالی و غربی، فیکٹری ایریا اور کچے بازار بالمقابل تعلیم الاسلام پرائمری سکول محلّہ دارالرحمت یا دارالنصر شرقی اور غربی کے درمیان ریلوے کے ایک چھوٹے سے پُل سے لے کر موضع چھنیاں تک برساتی پانی کے ریلوں سے لمبی لمبی اور بعض اوقات بے حد چوڑی اور گہری کھائیاں بھی پڑ جایا کرتی تھیں کہ جن کی وجہ سے سکولوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بے حد دِقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان برساتی نالوں کو ٹاؤن کمیٹی کے اہلکاروں کی مدد سے یا پھر وقارِ عمل کے ذریعہ سے پُر کر دیا جاتا اور یُوں آمد و رفت پھر سے شروع ہو جاتی۔ اس کے علاوہ بھی ہر جمعہ کے دن کوئی نہ کوئی وقارِ عمل ضرور ہوتا اور یُوں اپنے اپنے محلّہ کی صفائی ستھرائی کے علاوہ اجتماعی طور پر اتحاد اور باہمی مدد و امداد کا سبق اور درس ملا کرتا۔ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ اور سیدنا حضرت قمرالانبیاءؓ اپنی جوانی کے دور میں بہ نفسِ نفیس وقارِ عمل کے مختلف پروگراموں میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ وقارِ عمل کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے میں یہاں صرف دو مثالیں ہی پیش خدمت کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:۔

☆ ''۱۲؍مارچ کو قادیان میں وقارِ عمل منایا گیا تو جہاں اور بزرگان سلسلہ نے اپنے ہاتھ سے کام کیا وہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی اس وقارِ عمل میں شریک ہوئے اور آپ نے ریلوے روڈ کی درستی کا کام اپنے ہاتھ سے کیا۔ (الفضل ۱۴؍مارچ ۱۹۳۶ء)۔ ☆☆ ''۱۶؍مئی کو پھر وقارِ عمل منایا گیا۔ اس میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے ہاتھ سے کام کیا''۔ (الفضل ۱۹؍ مئی ۱۹۳۶ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وقارِ عمل میں حصہ لینے کے بارہ میں مکرم پروفیسر مبارک احمد انصاری صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''جب مجلس خدام الاحمدیہ کی ابتداء ہوئی اور وقارِ عمل منائے جانے لگے تو میں نے دو مرتبہ حضورؓ کو وقارِ عمل میں عملی حصہ لیتے ہوئے بھی دیکھا۔ حضورؓ نے کدال سے مٹی بھی کھودی اور ٹوکری بھر کر خاص مقام تک بھی لے گئے اور وہاں مٹی ڈال دی۔ جب حضورؓ وقارِ عمل میں حصہ لے رہے ہوتے تو حضورؓ کو دیکھ کر سب لوگوں میں ایک خاص جوش پیدا ہو جاتا تھا اور وہ بھی وقارِ عمل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے''۔ (ماہنامہ احمدیہ گزٹ کینیڈا۔ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ ۱۸)

بہرحال یہاں ذکر ہو رہا ہے ربوہ کا کہ اُس زمانہ میں ربوہ کے سکولوں کو آنے جانے کے علاوہ بھی لوگوں کو مختلف ضروریات کے لئے رحمت بازار المعروف غلہ منڈی یا صدر بازار المعروف گول بازار کو تقریباً روزانہ ہی آنا جانا رہتا تھا اس لئے مجھے یاد ہے کہ برسات کے موسم میں ہم لوگ کس

طرح بچ بچ کر نصرت گرلز ہائی سکول کے ٹیوب ویل کی نالیوں کی بنّی کے کنارے کنارے چلتے ہوئے اِدھر اُدھر آیا جایا کرتے تھے پھر بھی متعدد بار لوگوں کو ان گیلی نالیوں کی بنی سے پھسل کر کیچڑ میں لت پت ہوتے دیکھا سب سے زیادہ تکلیف بے چارے ان سقوں (ماشکیوں) کو ہوتی تھی کہ جو تقریباً تمام دارالصدر اور دارالرحمت حتیٰ کہ دارالیمن اور دارالبرکات تک اس ٹیوب ویل سے اپنے مشکیزوں کے ذریعہ میٹھا پانی پہنچانے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ مجھے اپنے سقہ کا نام آج تک یاد ہے۔ ان کا نام مکرم گلزار احمد صاحب تھا اور بے حد شریف النفس انسان تھے اور میرے بچپن کے زمانہ میں ہی امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ موسم برسات کی ان تکالیف کے علاوہ ربوہ کی گرمی تو بے حد مشہور ہے اس کی وجہ ربوہ کا محلِ وقوع ہے۔ ربوہ کے مشرق اور شمال مشرق کی سمت پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور یہ پہاڑیاں محلّہ دارالیمن اور محلّہ دارالصدر کے لئے شمال مشرق میں کشمیر اور جنوب مشرق میں دریائے چناب کی جانب سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کے راستہ میں ایک قدرتی روک ہیں اور جنوب اور مغرب سے جو ہوائیں آتی ہیں وہ عموماً گردوغبار سے بھرپور تھل کی ریتلی گرم آندھیاں ہی ہوتی ہیں اور پھر ان پہاڑیوں کی تپش سے ربوہ میں حبس کا یہ عالم ہوتا تھا کہ الامان! الحفیظ! ۔ اہالیانِ ربوہ نے نمکین پانی پینا گوارہ کیا گرمی کو برداشت کیا اور پھر بے حد تنگی اور مصائب کا زمانہ بھی دیکھا ہے کیونکہ اس زمانہ میں کھانے پینے کی ہر چیز باہر سے ہی منگوانی پڑتی تھی لیکن ان تمام تکالیف کے باوجود بھی کسی نے اُف تک نہیں کی اور حضرت خلیفہ وقت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی آواز پر لَبَّیک! لَبَّیک! کہتے ہوئے اس شورزدہ زمین پر دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ یہ تو تقلید اور قربانی کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے کہ جس کے لئے خاکسار نے اتنی تمہید باندھی لیکن بعد کے واقعات سے آپ پر یہ ثابت ہو جائیگا کہ ربوہ کی اس گرمی کا ذکر کرنا کیوں ضروری ہے کیونکہ ایک تو درختوں کی بہتات اور پھر دوسرے محلّہ دارالیمن سے لے کر بہشتی مقبرہ اور کوٹ امیر شاہ کے درہ تک (اب یہ درہ باقی نہیں رہا)، پرانے قبرستان کی پہاڑی کے نہ ہونے کی وجہ سے اب ربوہ میں ویسی گرمی نہیں پڑتی جیسی کہ ہم لوگوں نے دیکھی ہے کیونکہ اس قدرتی روک کے ہٹا دئے جانے کی وجہ سے ربوہ کے شمال مشرق میں واقع کشمیر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا اب آر پار ہو جاتی ہے اس کے علاوہ جنوب مغرب کی سمت سے آنے والی گرم ہوا بھی ان پہاڑیوں سے ٹکرا کر رک نہیں جاتی اور یوں حبس بھی کم پیدا ہوتا ہے۔

گرمیوں کے سخت موسم میں حضرت میاں صاحبؓ کو بھی بے حد تکلیف ہوا کرتی تھی کیونکہ آپؓ گرمی کو بالکل برداشت نہ کر سکتے تھے۔ پھر آپؓ کا کمرہ بھی گھر کی مغربی سمت میں واقع تھا لہذا اس گرمی سے بچنے کے لئے آپؓ کے کمرہ کی شمال مغربی کھڑکی اور شمال مغربی دروازہ کے سامنے ایک موٹے کانوں کی چک یعنی خس کی ٹٹی تان دی جاتی اور پھر اس کو گاہے بگاہے ٹھنڈے پانی سے تر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے یاد ہے سخت گرمیوں میں حضرت میاں صاحبؓ اپنے کمرہ میں اپنی چارپائی کے قریب ایک ٹب پانی سے بھروا کر رکھوا لیا کرتے تھے اور پھر اس میں بازار سے برف منگوا کر ڈلوا لیا کرتے تھے اور عموماً آپؓ اپنے مبارک پاؤں اس ٹب میں ڈبوئے رکھتے۔ برف کے یہ بلاک برادہ یا بوریوں میں ڈھانپ کر کسی چھکڑے (ریہڑے) پر ربوہ کے قریبی شہر چنیوٹ سے لائے جاتے تھے۔ لیکن ان تمام صعوبتوں کے باوجود آپؓ کو مرکز سے باہر جانا گوارہ نہ تھا جب کہ ایسی جلتی اور تپتی گرمیوں میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقریباً تمام افراد ہی چھٹیوں میں اِدھر اُدھر چلے جایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ سلسلہ سے اور خاص طور پر مرکز سے اتنی زیادہ محبت رکھنے والے تھے کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی اور اگر کبھی کسی اشد مجبوری کے تحت یا پھر کسی بیماری کے علاج کے لئے مثلاً اگر لاہور وغیرہ جانا بھی پڑتا تھا تو بس اس ضروری کام کے خاتمہ کے ساتھ ہی واپسی کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ کو سر درد کی شدید شکایت ہوئی اور آپؓ کی نکسیر بھی پھوٹی اور یہ تکلیف کسی طرح دور ہونے کا نام نہ لیتی تھی کہ کسی ڈاکٹر کے مشورہ پر آپؓ کے ماتھے میں رطوبت کے اجماء کو روکنے کے لئے لوہے کی ایک پتلی سُلاخ کے ذریعہ آپؓ کے نتھنے کے راستہ سے پیشانی کی ہڈی میں جمع شدہ مادہ کو نکالنے کے لئے ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کام کے لئے مکرم

لطف الرحمٰن شاکر (لطفی) صاحب ہسپتال سے پرانی کوٹھی میں آئے۔انہوں نے آپؓ کے کمرہ میں یہ اپریشن کیا اور آپؓ کی پیشانی اور نتھنے میں سے جمے ہوئے خون کے لوتھڑے باہر نکلنے شروع ہو گئے۔اس زخم سے اتنا زیادہ خون بہا کہ جس کی کوئی حد نہیں اور ایک چھوٹا ساٹب آپؓ کے سامنے کر دیا گیا اور اسی حالت میں آپؓ اپنے کمرہ سے نکل کر زنانہ برآمدہ میں تشریف لے آئے اور آ کر ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔وہی چھوٹا ساٹب آپؓ کے سامنے تھا کہ جس میں آپؓ کے نتھنے سے بہتا ہوا خون جمع ہوتا رہا۔میں اس وقت آپ کے بالکل قریب کھڑا تھا اور سوائے دعا کے اور کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا کیا جائے اور آپؓ کو تکلیف میں دیکھ کر آپؓ سے محبت کی بنا پر میں سخت پریشان ہوا اور میرا دل بیٹھا جاتا تھا کہ اب کیا ہوگا ؟ لیکن کچھ عرصہ کے علاج کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور آپؓ کو شفا دی اور یوں اس موذی مرض سے آپؓ کو نجات ملی۔شکر الحمد اللہ۔اس بیماری کی تفصیل روزنامہ الفضل میں یوں درج ہے:۔''۱۳؍جنوری کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طبیعت یکدم بہت زیادہ خراب ہو گئی۔بلڈ پریشر زیادہ ہو گیا اور ساتھ ہی نکسیر کی وجہ سے خون بہنے لگا۔کئی دن کے مقامی علاج کے بعد ۱۶؍جنوری کو آپؓ بغرض علاج لاہور تشریف لے گئے''۔(الفضل ۱۶؍جنوری ۱۹۵۹)

اور پھر لاہور جا کر آپؓ صحت یاب ہوئے۔آپؓ کی اس بیماری سے یاد آیا کہ میری ہوش میں آپؓ باقاعدگی کے ساتھ دفتر تشریف لے جاتے رہے۔آپؓ کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک کالی چھتری ہوا کرتی تھی بہت بعد میں اپنے بڑھاپے کی ناتوانی کے باعث یہ چھتری آپؓ کے پہریدار تان رکھتے اور آپ اپنے عصا کا سہارا لے کر چلے جاتے۔اسی طرح اپنی ناسازیٔ طبع کے باعث آپؓ اپنے پرانے مکان بالمقابل پرانا لنگر خانہ ہی میں دفتر کا کام نمٹالیا کرتے تھے۔اسی پرانی کوٹھی ہی میں آپؓ کے کمرہ میں مردانہ صحن کی جانب دروازہ کے ساتھ والی کھڑکی میں بعد میں کولر (ائیر کنڈیشنر) بھی لگ گیا تھا۔انہی گرمی کے دنوں میں اکثر پرانی کوٹھی سے گھر کو واپس جاتے ہوئے حضرت میاں صاحبؓ عموماً میری اور مجھ سے بڑی بہن عزیزہ بشریٰ پروین صاحبہ کی جھولیوں میں اپنے دست مبارک سے برف کی کچھ ڈلیاں ڈال دیا کرتے تھے اور یوں ہم دونوں بہن بھائی خوشی خوشی برف چوستے اور چباتے ہوئے گھر پہنچتے اور گرمی کا احساس تک بھی نہ ہوتا۔ان برف کی ڈلیوں کے علاوہ کبھی کبھی ہمیں شکر کے پانی سے تیار کی ہوئی میٹھی برف بھی کھانے کو ملا کرتی تھی اور دودھ کی میٹھی آئس کریم اس کے علاوہ کھانے کو ملتی۔جس کا شیریں مزہ آج بھی زبان پر موجود ہے۔ان تمام چیزوں کو یاد کر کے آج بھی مونہہ میں پانی بھر آتا ہے اور سوچتا ہوں کہ یہ سب کچھ ہماری خوش قسمتی کی انتہا ہی تو تھی۔اب میں یہاں آپؓ کے اوصاف حمیدہ اور نہایت قابل قدر اور قابل نمونہ خوبیوں کا کچھ ذکر کرتا ہوں کہ جن سے آپؓ کے مرتبہ کی بلندی معلوم ہو جاتی ہے۔ان اعلیٰ وارفع خوبیوں میں سے ایک پیاری خوبی امام وقت کی اطاعت بھی ہے۔حضرت میاں صاحبؓ کی اطاعتِ امام کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

'' ایک طرف اطاعت کا یہ حال کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہر حکم پر سمعنا واطعنا کی تصویر بنے رہتے تھے تو دوسری طرف صداقت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایسی جرأت کے ساتھ جو صرف توحید پرستوں کو حاصل ہوتی ہے اپنی سچی اور سیدھی رائے دینے سے قطعاً نہیں ہچکچاتے تھے۔خواہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی رائے اور مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔محض حضور ایدہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اپنی دلی رائے کو بدلنا آپؓ کا شیوہ نہیں تھا۔کئی مرتبہ آپؓ کو مسائل میں اختلاف ہوتا تھا کئی مرتبہ دوسرے امور میں۔فرماتے تھے کہ رائے کے اختلاف میں انسان بے اختیار ہے البتہ جب حضرت صاحب میری رائے کے خلاف فیصلہ فرما دیتے ہیں تو بے چون و چرا اس پر عمل کرتا ہوں۔دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بے کم و کاست اپنی صحیح رائے بیان کرے اور اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ جب صاحب امر اس کے خلاف فیصلہ کر دے تو پوری تسلیم و رضا کے ساتھ اس پر عمل کرے۔یہی مذہب تھا جس پر آپؓ ہمیشہ عمل پیرا رہے''۔(ماہنامہ خالد۔فروری ۱۹۶۴ء)

مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' جب آپ کا ذاتی مکان '' البشریٰ '' تعمیر ہو گیا اور آپ صدر انجمن احمدیہ کا کوارٹر چھوڑ کر وہاں تشریف لے جانے لگے تو اس وقت فرمایا کہ: '' میرا دل چاہتا ہے کہ اسی مکان میں رہوں ۔ یہاں ہم حضرت صاحب کے قرب میں بیٹھے ہیں ۔ وہاں دور ہو جائیں گے'' ۔ یہ ایک مختصر سا فقرہ ہے مگر اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کو سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے یہ تھوڑا سا مکانی بُعد بھی کتنا دوبھر معلوم دیتا تھا - جو احباب مرکز میں بار بار آنے میں سستی کرتے ہیں انہیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے'' ۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج صیغہ زودنویسی ربوہ بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' تقسیم ملک کے بعد ایک لمبے عرصہ تک حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے خضاب لگانا ترک کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان ایام میں حضرت میاں صاحبؓ نے بھی خضاب لگانا ترک کر دیا تھا۔ لیکن جب ایک لمبے عرصہ کے بعد حالات معمول پر آ گئے اور حضور نے دوبارہ خضاب لگانا شروع کر دیا تو حضرت میاں صاحبؓ بھی خضاب لگانے لگ گئے ۔ اس کے بعد جب موجودہ بیماری میں حضور نے خضاب ترک کیا تو حضرت میاں صاحبؓ نے بھی خضاب لگانا بالکل ترک کر دیا ۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے اور مجھے کامل یقین ہے کہ یہ سب کچھ حضور کی متابعت کی وجہ سے تھا'' ۔ (الفضل خاص نمبر مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب اطاعت امام کے تعلق میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا ۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضورؓ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو ۔ حضورؓ کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے ۔ میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں ۔ آپؓ کی اطاعت کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دِل کے تابع ہوتی ہے ۔ عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا ۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے ایک بھائی پر حضور ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی کا ''الفضل'' میں اعلان بھی فرمایا ۔ اباجان نے مشورہ کے لئے ہم سب کو اکٹھا کیا ۔ بچوں کے علاوہ جو احباب اس وقت موجود تھے ان میں ہمارے چچا جان (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ ۔ ناقل) اور غالباً مکرمی درد صاحبؓ (حضرت مولانا عبدالرحیم دردؔ صاحبؓ ۔ ناقل) بھی شامل تھے ۔ میں نے پہلی مرتبہ روتے ہوئے اباجانؓ کو اس مجلس میں دیکھا ۔ بڑا کرب اور قلق تھا اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنی اولاد کی دنیاوی حالت کی نہ خبر ہے نہ فکر اور شاید میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ '' مجھے کبھی یہ بھی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی کہ مظفر کی تنخواہ کیا ہے'' ۔ لیکن باوجود اس تکلیف کے خود حضور کی خدمت میں کوئی درخواست پیش نہ کی اور شاید اس جذبہ سے نہ کی کہ آپؓ کی طرف سے ایسی تحریر انتظامی اور جماعتی معاملات میں مداخلت تصوّر نہ ہو ۔ میرے بھائی کو بار بار اور تاکیداً تلقین کرتے رہے کہ حضور سے معافی کی درخواست اور استدعا کرتے رہو اور اس معاملہ میں خود بھی دعا فرماتے رہے اور اپنے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کے لئے باقاعدہ لکھتے رہے ۔ حضور کا سلوک بھی اباجان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے ۔ ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں ان کے مسودات اباجان کو دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر اباجان کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام

حسبِ منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائے گا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰؍نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴-۵)

اسی واقعہ کے بارہ میں محترمہ امتہ الشافی صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ پشاور آپؓ کی اطاعت امام کے اس اعلیٰ پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-
'' ربوہ میں ایک خطبہ جمعہ میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔ناقل) نے جماعت کو زندگیاں وقف کرنے کی طرف توجہ دلائی اور خدمت دین کی اہمیت کو ظاہر کیا اور ساتھ ہی خاندان کے بعض افراد کو تنبیہہ فرمائی کہ انہوں نے خدمت دین کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اپنی زندگیاں سلسلہ کے لئے پورے طور پر وقف نہیں کیں ۔ یہ خطبہ ایسا تھا کہ سب کے دل دہل گئے ۔ جماعت کے لئے عموماً اور حضرت میاں صاحبؓ کے لئے خصوصاً یہ حادثہ بڑا سخت تھا۔نماز کے بعد میں حسب معمول حضرت میاں صاحبؓ کے گھر گئی اور مجھے خیال آتا تھا کہ آپؓ ضرور اس خطبہ کے متعلق کچھ ذکر کریں گے مگر میں نے آپؓ کی زبان مبارک سے ایک ایسا لفظ بھی شکوہ کا نہ سُنا اور نہ ہی آپؓ نے ان عزیزوں کی بریت کا اظہار کیا ۔وہ (حضرت میاں صاحبؓ ۔ناقل) اس وقت صدق و وفا کا مجسمہ نظر آ رہے تھے جس کو دیکھ کر میرے اطاعت کے جذبہ میں ترقی ہوئی اور مجھے میرے دل نے کہا کہ یہ ہے اطاعت کا مطلب کہ ہر وقت انسان اپنے آپ کو قربانی کا بکرا خیال کر کے در حبیب پر سر تسلیم خم کئے رکھے''۔(المصباح ربوہ قمر الانبیاءؓ نمبر صفحہ ۶۰)

اس کے بعد آپ مزید تحریر فرماتی ہیں کہ:-
'' اسی طرح مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب میں اپنی نانی اماں مرحومہ کے ہمراہ آپؓ کے گھر جاتی تو آپؓ سب سے پہلے میری نانی اماں کو مخاطب کر کے دریافت فرماتے ۔کیا حضرت صاحب سے مل آئی ہو؟ یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ ہر دفعہ یوں ہی ہوتا۔یعنی حضرت میاں صاحبؓ یہ بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ حضرت صاحب (کو ملنے۔ناقل) سے پہلے کوئی شخص مجھ سے آ کر ملے۔اللہ اللہ یہ ہی جذبہ اطاعت تھا کہ جس نے آپؓ کی ہستی کو چار چاند لگا دئے تھے''۔(المصباح ربوہ قمر الانبیاءؓ نمبر)
اسی قسم کا ایک واقعہ مکرم فیض الحق خان صاحب نے کوئٹہ سے لکھا کہ:-
'' بعض مصالح کی بناء پر کہ جن کا بیان کرنا ضروری نہیں، جماعت کوئٹہ نے بعض معاملات کے متعلق حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اور اس خیال سے کہ یقینی طور پر حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہو جاوے، حضرت میاں صاحبؓ کی معرفت ارسال کر دیا۔حضرت میاں صاحبؓ نے وہ خط جماعت کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ حضرت صاحب کا خط کسی کی معرفت ارسال کرنا خلاف ادب ہے'' ۔(حیات بشیر صفحہ ۲۸۲)

اسی بات سے مجھے یاد آیا کہ آپؓ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی علالت کے دوران اور آپؓ کی بیماری کے بڑھ جانے پر بے حد پریشان ہوا کرتے تھے اور اپنی بیماری کو بھول کر نہ صرف بذات خود حضورؓ کے لئے دعائیں کیا کرتے ،مسجدوں میں اعلان کروائے جاتے بلکہ الفضل کے ذریعہ دنیا بھر کے تمام احباب جماعت کو بھی صورت حال سے فوراً مطلع فرما کر دعا کی درخواست فرمایا کرتے تھے اور جب تک حضورؓ کو صحت نہ ہو جاتی بار بار حضورؓ کے لئے دعا کی تحریک فرماتے رہتے ۔بالفاظ دیگر آپؓ اپنے بڑے بھائی پر جان چھڑکتے تھے۔آپؓ ہمیشہ محبت اور اخوت اور تابعداری کی ایک سے بڑھ کر دوسری لازوال مثال قائم کرتے رہے۔ہر بات سے بڑھ کر یعنی سب سے زیادہ آپؓ اس بات کی مجھ عاجز کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ:-

'' خلیفہ وقت کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر دل و جان سے عمل کرنا اس سے

بھی زیادہ ضروری امر ہے‘‘

اطاعت امام کے موضوع پر اظہار خیال فرماتے ہوئے ایک دن حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا کہ:-

’’ جو شخص امام وقت کے ایسے حکم کی اطاعت کرتا ہے کہ جس کو اس کا اپنا دل اور دماغ بھی درست تسلیم کرتا ہے تو یہ تو درحقیقت امام وقت کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ اس نے اپنے دل اور دماغ کی بات مان لی۔ امام وقت کی اطاعت دراصل یہ ہے کہ انسان امام وقت کے ہر حکم کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرے خواہ اس کا دل اور دماغ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں۔ اس سلسلہ میں آپؓ نے فرمایا کہ’’ ہم نے تو روحانیت کا شروع سے یہی سبق سیکھا ہے کہ اگر امام کی طرف سے کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں کوئی سزا دی جائے تو اسے بشرح صدر قبول کرنے میں ہی برکت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ خود مجھے ایک دفعہ قادیان کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک معاملہ میں-/۳۲ روپیہ کا حرجانہ ڈالا تھا اور میں یقین رکھتا تھا کہ حضور کا فیصلہ غلط فہمی پر مبنی ہے مگر میں خاموش ہو رہا اور ہرجانہ ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نتیجہ میں برکت دی۔ پس آپ لوگ ان برکتوں سے کیوں اجتناب کرتے ہیں؟ ---انسان کی تربیت کا یہ بھی ایک بھاری ذریعہ ہے کہ وہ بعض باتیں اپنے مزاج کے خلاف قبول کرنے کی عادت ڈالے‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

مکرم پروفیسر پرویز پروازی صاحب خاکسار کے نام اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ جماعت احمدیہ میں ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک اور مبشر اولاد ہونے کے ناطے انہیں خاص مقام حاصل تھا اور حضرت میاں صاحبؓ اس مقام اور مرتبہ سے مکمل آگاہ تھے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت میاں صاحبؓ پر بعض ذمہ داریاں عاید ہوتی تھیں ان کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ خلیفہ کی اطاعت ہر احمدی کرتا ہے مگر حضرت میاں صاحب اکمل تر اطاعت کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ نیز حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے اہم عہدیدار تھے اور نظارت کی بعض ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد تھیں۔ اس لئے ان کی ذمہ داریاں دوسروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ ہم نے جب سے حضرت میاں صاحبؓ کو دیکھنا شروع کیا، انہیں امام کے سامنے سراپا اطاعت پایا۔ قادیان کی بات ہمیں یاد ہے کہ حضرت صاحبؓ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ ناقل) کے سامنے حضرت میاں صاحبؓ یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے خدمت گار کھڑے ہوتے ہیں نہایت ادب اور انکسار سے حضرت صاحبؓ سے مخاطب ہوتے۔ بات کرنے سے حتی الوسع گریز کرتے۔ سمعنا و اطعنا کی سمجھ حضرت میاں صاحب کا نمونہ دیکھ کر آتی تھی۔ سمعنا سے زیادہ اطعنا کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حضرت صاحبؓ کا کوئی ارشاد ملتا تو اسے بہت غور سے سنتے یا پڑھتے اور پھر اس پر لفظاً اور معناً مکمل عمل کرتے‘‘۔ (مکتوبات نسیم ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۸ء)

یہ تمام واقعات حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی فرمانبرداری کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپؓ بڑے سے بڑا عہدہ جلیلہ ملنے کے باوجود ہمیشہ اطاعت گزار ہی رہے اور کبھی آپؓ نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہیں کیا یعنی ؎

گو بڑا رتبہ تھا دربار خلافت میں مگر
ہر قدم تیرا رہا حدِ ادب کے اندر (عبدالمنان ناہید)

اسی لئے فتنہ منافقین کے پیدا ہونے پر اگست ۱۹۵۶ء میں آپؓ نے اطاعت امام کے تحت الفضل میں تحریر فرمایا:-

’’ بعض خناس لوگوں نے میرے متعلق یہ افتراء باندھا تھا کہ وہ نعوذ باللہ مجھے اپنے خطوں میں آئندہ خلافت کی پیش کش کرتے رہے ہیں۔ میرے

دل کا حال تو خدا جانتا ہے لیکن جو دوست میری طبیعت سے واقف ہیں وہ بھی کم از کم اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ میری فطرت طفلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کے مطابق واقع ہوئی ہے کہ قُلْ اُجَرِّدُ نَفْسِی مِنْ ضُرُوْبِ الْخِطَابِ ۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کبھی کسی مجلس میں آگے بڑھ کر بیٹھنے کی بھی خواہش نہیں کی چہ جائیکہ امامت یا خلافت کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو؟''۔ (الفضل ۸راگست ۱۹۵۶ء)

اس بیان سے حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ کی صدق دلی کا اظہار ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہر شخص گواہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ نے خلافت تو کیا کبھی نمازوں کی امامت کے لئے بھی اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ البتہ جب حضرت اقدس مصلح موعودؓ کی بیماری کے باعث ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کے وفات شدہ عزیز کا جنازہ آپؓ پڑھا دیں تو آپؓ صرف للہ بغرض ثواب نہ صرف جنازہ پڑھا دیا کرتے تھے بلکہ جنازہ کو کندھا بھی دیا کرتے تھے اور اگر صحت اجازت دیتی تو جنازہ کے ساتھ قبرستان بھی تشریف لے جاتے اور قبر کی تیاری پر تدفین کے بعد دعا کرواتے۔ اطاعت امام کے بارہ میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ کی طبیعت میں شفقت بہت تھی لیکن باوجود ایسی نرم اور شفیق طبیعت رکھنے کے جہاں دِین کا معاملہ آجائے وہاں دوستوں سے بھی سختی دکھانے میں اجتناب نہ کرتے۔ اپنے عمر بھر کے ایک دوست سے کہ جن سے آپؓ ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے ان دوست سے ایک مرتبہ حضور (الثانیؓ۔ ناقل) کسی جماعتی معاملہ میں ناراض ہوئے۔ اس دوست نے ابا جانؓ کو ایک ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ میں ملنے آنا چاہتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا: '' حضرت صاحب اس سے ناراض ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ پہلے حضرت صاحب سے معافی لے میں پھر ملوں گا یوں نہیں مل سکتا '' ۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰رنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۵)

مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب معالج سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''کوئی بلند پایہ ہستی جب اس دنیا سے گذر جاتی ہے تو پیچھے رہنے والے لوگوں کے دلوں میں جو تاثرات اس عظیم ہستی کے متعلق ہوتے ہیں وہ ان کے زبان وقلم کے ذریعہ ظاہر ہونے لگتے ہیں اور ہر کوئی اس مقدس ہستی کے احسانوں کو یاد کر کے یہی چاہتا ہے کہ بار بار اس کی خوبیوں کا اور احسانوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ ناچیز راقم کسی بزرگ ہستی کی مقدس زندگی کے متعلق کچھ بیان کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا اور پھر قریباً ۷۷ سالہ بوڑھا اور صدمہ خوردہ ہے لیکن حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کے حسنِ اخلاق جب یاد آتے ہیں تو میں اپنے آپ کو ان کا تذکرہ کرنے پر مجبور پاتا ہوں۔ میں اپنے ایک گزشتہ مضمون میں جو ۱۳رستمبر ۱۹۶۳ء کے الفضل میں شائع ہو چکا ہے یہ لکھ چکا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ نے بفضلہٖ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے منصب خلافت اور امامت کے لحاظ سے نہایت اطاعت گزاری میں عمر گزاری۔ میں اپنی بصیرت کی بناء پر کہتا ہوں کہ آپؓ کا وصال اس راہ اطاعت میں شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت خود حضرت میاں صاحبؓ کے ایک مکتوب سے بھی ملتا ہے جو آپؓ نے میرے نام تحریر فرمایا۔ آپؓ اپنے ایک خط محررہ ۵/ جون ۱۹۵۷ء میں تحریر فرماتے ہیں: '' اعصابی تکلیف بھی کچھ بڑھ گئی ہے اور گھبراہٹ رہتی ہے۔ آپ دعا فرماتے رہیں اور کبھی کبھی حضرت صاحب کی خدمت میں بھی عرض کر دیا کریں۔ مجھے اکثر یہ احساس رہا ہے کہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے حضرت صاحب کو اتنا خوش نہیں رکھ سکا جتنا کہ میرے دل کی خواہش ہے اور مجھے رکھنا چاہئے''۔

اس تحریر سے خوب عیاں ہو جاتا ہے کہ امام وقت کی اطاعت کے متعلق آپؓ کے دلی جذبات کیا تھے۔آپؓ نہ صرف اطاعت گزار تھے بلکہ اپنے امام پر اپنے بڑے بھائی پر دل و جان سے نثار تھے۔آپؓ کا احساس کہ ''میں حضرت صاحبؓ کو اتنا خوش نہیں رکھ سکا جتنا کہ میرے دل کی خواہش ہے'' آپؓ کو ہمیشہ بے چین کئے رکھتا تھا اور انہی جذبات کے ساتھ آپؓ جان بحق ہو گئے اور اپنی وفاداری اور گہری محبت اور جانثاری کا واضح ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔اب میں آپؓ کے اوصاف حمیدہ اور نہایت قابل قدر اور قابل نمونہ خوبیوں کا جن سے آپؓ کے مرتبہ کی بلندی معلوم ہوتی ہے کچھ ذکر کرتا ہوں:-

اوّل :-حضرت میاں صاحبؓ نے '' لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:۳۔ناقل) یعنی نبی کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کیا کرو'' کی قرآنی تعلیم کے مطابق اطاعت کامل کا نمونہ دکھایا۔آپؓ نے اپنی غیر معمولی علمی قابلیت کے باوجود اور اعلیٰ درجہ کی قوت گویائی کی موجودگی میں اپنی آواز کو ہمیشہ اس طرح حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی آواز کے تابع رکھا جس طرح کہ ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص کے ماتحت گزشتہ دو تین سالوں میں حضرت میاں صاحبؓ کی قابلیتوں اور قوت گویائی کو جماعت کے سامنے نمایاں کرنے کا موقع دیا۔جب کہ احباب جماعت جلسہ ہائے سالانہ کے مواقع پر اپنی خوش قسمتی سے حضرت میاں صاحبؓ کی پرسوز ودلربا آواز کو سن کر وجد میں آجاتے تھے۔خدا تعالیٰ نے آپؓ کے اندر بعض خاص علمی قابلیتیں رکھی تھیں۔آپؓ کو دینی علوم پر وسیع عبور حاصل تھا پھر آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے مطابق ایم۔اے M.A. تک تعلیم پائی جس کے ذریعہ آپؓ کو جدید علوم کی بھی خاص قابلیت عطاء ہوئی تھی۔ آپؓ نے اس قابلیت کو بھی ہمیشہ حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت میں لگائے رکھا۔پھر آپؓ نے اپنے جلیل الشان والد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے لاثانی محبت کو بھی خوب نمایاں کر کے دکھایا۔اپنے اندر بھی اسی جذبہ محبت رسول ﷺ کو پیدا کیا اور پھر ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب تصنیف فرمائی۔پھر آپؓ نے کتاب ''ہمارا خدا'' لکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زندہ اور قادر خدا کی محبت دکھلا دی۔الغرض آپؓ نے ہمیشہ محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے زیر سایہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو خدا اور اس کے دین کی ترقی کے لئے وقف کر رکھا۔پھر آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خلق کو بھی جو مہمانوں کی خدمت اور حاجت مندوں کی مدد کرنے سے تعلق رکھتا ہے اپنے عملی نمونہ سے اجاگر کر دکھایا۔آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تعلیم کو کہ '' تم میں بڑا وہ ہے جو غریب کی بات تحمل مزاجی سے سنے'' اپناتے ہوئے اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا۔

آپؓ کی وفات سے پہلے جماعت میں ایک فرد بھی یہ خیال نہ کرتا تھا کہ اس قدر جلد آپؓ کی موت واقع ہو جائے گی۔حضرت میاں صاحبؓ کو اپنی وفات سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک حد تک مشابہت ہو گئی تھی اور اس کی تصدیق آپؓ کے حق میں ہونے والا الہام یاتیک قمر الانبیاء پورے طور پر کرتا ہے کیونکہ قمرالانبیاء کا نام ایک بڑی مشابہت کی دلیل ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ اپنی باطنی قوت کی وجہ سے اور خدمت دین کا مقدس کام انجام دینے کی وجہ سے اپنے آئینہ قلب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دکھا رہے تھے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حسب الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء جملہ انبیاء کے انوار کو اپنے اندر دکھلانے والے تھے۔پس جو وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آئینہ دل میں دکھلائے گا وہ لازمی طور پر جملہ انبیاء کے انوار کو دکھلانے والا ہوگا۔

میں جو ایک ادنیٰ قسم کا وجود ہوں جملہ احباب احمدیہ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس وقت سرتاپا خدائے غفور و رحیم کے حضور جھکیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔(قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ

تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝ الاعراف : ۲۴۔یعنی: اے ہمارے رب! ہم نے یقیناً اپنی جانوں پرظلم کیا لیکن اگر تو نے اس وقت ہم پر رحم کرتے ہوئے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ناقل)۔کہتے ہوئے عجز وانکسار کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگ جائیں۔اس وقت زخم دل تیز اور تازہ ہے اوراس وقت کے الحاح کے سنے جانے کا امکان زیادہ ہے اور پھر اس نازک وقت میں ہمارے لئے خاص قسم کی دعائیں کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے آقا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو اپنی علالت کے دنوں میں حضرت میاں بشیر احمدؓ صاحبؓ کی فرقت کا صدمہ پہنچا ہے۔اس صدمہ کی شدت کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔پس! اس لحاظ سے بھی ہم پر شدید طور پر لازم آجاتا ہے کہ ہم حضور کی سلامتی کی دعا کا خاص طور پر التزام کریں کہ اے ہمارے قادر وتوانا خدا! تو ہمارے گناہ بخش۔تو ہمارے روحانی باپ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت وتوانائی بخش تا کہ ہم حضور کے پدرانہ سایہ کے نیچے رہتے ہوئے فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

اس وقت حضرت قمر الانبیاءؓ کی وفات ہمارے لئے ایسی ہے کہ جیسے کسی کی ماں فوت ہو جائے۔پس! ماں کی جدائی کے بعد باپ کی شفقت کے سایہ کی احتیاج زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہزاروں اور لاکھوں رحمتیں حضرت قمر الانبیاءؓ پر نازل فرمائے کہ وہ ایک طرف تو اپنے امام وپیشوا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی علالت کا غم کھاتے رہے اور دوسری طرف جماعت کے کمزوروں اور غریبوں کا غم بھی برداشت کرتے رہے۔میں جو مذکورہ بالا ہستیوں کا ہم عصر ہوں احباب جماعت کی خدمت میں اپنے لئے درخواست دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان مقدس ہستیوں کے طفیل اپنی زندگی کے بقیہ ایام کامل اطاعت شعاری میں بسر کرنے کی توفیق دے،میرے کمزوریوں پر پردہ پوشی فرمائے اور ہر لحاظ سے انجام بخیر فرمائے۔ آمیـــن ۔(روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲۴)

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب سوداگرمل اپنی کتاب ''حیات بشیر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' شروع شروع میں جب آپؓ کے قیمتی وجود کی حفاظت کا سوال پیدا ہؤا تو کچھ عرصہ تک تو خدام الاحمدیہ کے نوجوان رضا کارانہ طور پر پہرہ دیتے رہے لیکن یہ انتظام چونکہ عارضی تھا اس لیے صدر انجمن نے دو پہرہ داروں کا انتظام بھی کر دیا لیکن جب آپؓ کو اس بات کا علم ہؤا تو آپؓ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے کسی پہریدار کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں بلاوجہ سلسلہ پر بار بننا پسند کرتا ہوں۔بالآخر جب صدر انجمن نے اس معاملہ کو حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضور نے صدر انجمن کی تائید کی اور آپؓ کے لئے پہرے کو ضروری قرار دیا۔امام کی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ آپؓ فوراً راضی ہو گئے اور اس انتظام کو قبول فرمالیا۔اللہ! اللہ! یا تو یہ حال تھا کہ کسی صورت میں بھی آپؓ اپنے لئے کسی حفاظتی انتظام کو پسند نہیں فرماتے تھے اور یا پھر جونہی امام وقت کے فیصلہ کا علم ہؤا۔اس طرح اس فیصلہ کو انشراح صدر سے قبول فرمالیا گویا کہ کبھی انکار کیا ہی نہیں تھا'' ۔(حیات بشیرؓ صفحہ ۱۸۰)

آپ نے دیکھا کہ اطاعت کس کو کہتے ہیں؟ لہذا یہاں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اطاعت کے بارہ میں ایک قول یاد آرہا ہے کہ جس میں آپؓ نے فرمایا تھا کہ:-

'' اطاعت کا مادہ،نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔پس جب بھی خلافت ہوگی،اطاعت رسولؐ بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسولؐ یہ نہیں کہ نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔اطاعت رسولؐ یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ

نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے، تو وہ جانیں اور اپنے وطن کو قربان کرنے (چھوڑنے) کے لئے کھڑے ہو جائیں''۔ (تفسیر کبیر۔سورۃ النور)

اور انہی اقوال زریں پر قربان ہوتے ہوئے میں نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو ہر دم، ہر آن، ہر وقت اور ہر لمحہ پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان زریں اقوال کی تہہ دل سے پیروی کرتے ہوئے اعمال صالحہ بجالانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔ جیسا کہ خاکسار مندرجہ بالا سطور میں یہ عرض کر چکا ہے کہ حضرت قمر الانبیاءؓ کی اپنے بڑے بھائی اور امام وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ذرا سی تکلیف دیکھ کر ہی آدھی جان نکل جایا کرتی تھی لیکن جب سیدنا حضرت مصلح موعودؓ پر قاتلانہ حملہ ہوٗا تو اس کے بعد تو حضرت قمر الانبیاءؓ، حضرت مصلح موعودؓ کی مکمل صحت یابی کے لئے احباب جماعت کو دعاؤں، صدقہ وخیرات اور قربانیوں کے لئے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر تحریک فرماتے رہے اور خود بھی سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا لیکن اس کے ساتھ ہی حضور الثانیؓ کے فرمان پر سلسلہ کے تمام کام کو بھی اپنے ناتواں کندھوں پر ایک مرد مجاہد بن کر اُٹھا لیا اور پہلے سے بھی زیادہ تن دہی سے دن رات ہر کام کو سرانجام دیا اور کبھی اُف تک نہ کی لیکن حضور الثانیؓ کی بڑھتی ہوئی بیماری اور پھر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی وفات کے المناک صدمات سے خود بھی جانبر نہ ہو سکے اور ۹ سال کی مختصر مدت میں ہی ان اندوہناک صدمات کی تاب نہ لا کر اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے لہذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر قاتلانہ حملہ کا حضرت میاں صاحبؓ کی ذات بابرکات سے ایک گہرا تعلق ہے کیونکہ اس حملہ نے نہ صرف حضرت مصلح موعودؓ کے جسم مبارک پر بلکہ حضرت میاں صاحبؓ کے محبت بھرے دل پر بھی ایک گہرا چرکہ لگایا لہذا خاکسار اس دردانگیز واقعہ کا ذکر کرنا یہاں مناسب خیال کرتا ہے۔ اس المناک واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بھی مجھے دلی طور پر بے حد ذہنی اور روحانی تکلیف محسوس ہو رہی ہے کہ ایک ظالم نے اپنی لاعلمی میں کتنا بڑا غیر اسلامی اور مکروہ فعل ادا کیا اور اپنے اس وار سے ہم سب کے دلوں کو نہایت بے دردی سے مجروح کر کے رکھ دیا۔ اسی لئے خاکسار نے اس کتاب کے آخر میں اپنے علم دوست احباب کے لئے ایک چھوٹا سا مضمون قتل وغارت پسند نام نہاد علمائے اسلام کے بارہ میں تحریر کیا ہے لیکن یہاں صرف اس بزدلانہ قاتلانہ حملہ کے بارہ میں کچھ عرض کرتا چلوں کہ جس نے تمام مخلصین جماعت احمدیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا:-

''۱۰ر مارچ ۱۹۵۴ء بروز بدھ قریباً پونے چار بجے مسجد مبارک ربوہ میں نماز عصر کے دوران ہمارے امام ہمام حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ پر اچانک ایک اجنبی نوجوان نے پیچھے سے جھپٹ کر یا علی! کہتے ہوئے اپنے چاقو سے حملہ کر دیا۔ اس کا نام عبدالحمید ولد منصب دار جٹ، طالب علم جماعت نہم، سٹی مسلم ہائی سکول لائل پور، ساکن چک نمبر ۲۲۰ ج ب والا۔ یہ لڑکا پندرہ سال عمر کا تھا۔ یہ شخص اس حملہ سے دو روز قبل ربوہ آیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے پہلے تو حضورؓ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اس میں ناکام رہا تو اس نے احمدی ہونے کا خیال ظاہر کیا، بلکہ بیعت فارم بھی پُر کر دیا۔ ازاں بعد وہ اپنے دلی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسجد مبارک میں جا پہنچا۔ چاقو کا یہ وار حضور ایدہ اللہ کی گردن پر شاہ رگ کے قریب دائیں طرف پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا۔ حملہ آور نے دوسرا وار بھی کیا مگر محافظ مکرم محمدؐ اقبال صاحب کے درمیان میں آ جانے کے باعث اس مرتبہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بجائے چاقو انہیں جا لگا اور وہ زخمی ہو گئے۔ نمازیوں نے حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی اور کافی جدوجہد کے بعد اسے قابو میں لایا گیا۔ اسی رات لاہور کے ایک سرجن نے ربوہ پہنچ کر حضور ایدہ اللہ کا اپریشن کیا تو معلوم ہوٗا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک، سوا دو انچ گہرا اور شاہ رگ کے بالکل قریب تک پہنچا ہوٗا تھا''۔ (احمدیہ گزٹ کینیڈا صفحہ ۱۹-۲۰)

اسی واقعہ کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''حضورؓ بڑے بہادر اور آہنی عزم کے مالک تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب آپؓ پر نماز کے دوران حملہ ہؤا تو ڈی آئی جی D.I.G. پولیس نے اس سے پہلے کہ یہ خبر مشہور ہو جائے مجھے اطلاع کر دی اور یہ بھی بتایا کہ گو آپؓ کی حالت خطرہ سے باہر ہے مگر ربوہ سے تمام روابط منقطع کئے جا چکے ہیں اور پولیس کو ہر قسم کے حالات سے نبٹنے کے لئے الرٹ کر دیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر ڈاکٹر امیر الدین صاحب سے جو ماہر سرجن تھے، رابطہ کیا مگر وہ یونیورسٹی کے امتحانات کی وجہ سے مصروف تھے اس لئے پھر دوسرے ماہر سرجن ڈاکٹر ریاض قدیر کو لے کر میں رات گئے لاہور سے ربوہ پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے دریں اثناء ابتدائی مرہم پٹی کر دی ہوئی تھی مگر ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب۔ ناقل) نے دیکھا کہ حضورؓ کا زخم والا حصہ پھولا ہؤا ہے اور تشخیص کی کہ کوئی رگ کٹ گئی ہے جس کی وجہ سے خون جمع ہو رہا ہے اس لئے فوری آپریشن کا فیصلہ کیا گیا جس کے لئے بیہوش کرنا ضروری تھا مگر حضورؓ نے انکار کیا کہ وہ بے ہوشی کی دوا نہیں لیں گے اور ہوش کی حالت میں ہی آپریشن کیا جائے۔ آپریشن کے دوران حضورؓ نے کمال ہمت اور جرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس زخم کی وجہ سے آپؓ کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑا اور ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد جب آپؓ نے رحلت فرمائی تو ہم سب ربوہ میں موجود تھے۔ آپؓ کی یہ لمبی بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی دکھائی دیتی ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ورنہ آپؓ سے جماعت کو جو بے پناہ عقیدت اور لگاؤ تھا شاید وہ اس صدمہ سے بے حال ہو جاتی''۔ (ماہنامہ انصار اللہ ربوہ فروری ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۳-۱۴)

حضرت قمر الانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ کی آخری بیماری کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) نے مزید فرمایا کہ :-

'' میرے خیال میں آپؓ کی اپنی بیماری میں زیادہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی علالت اور والدہ کی بیماری کے گہرے اثر کا تھا۔ حضور کی بیماری سے بالخصوص بہت فکرمند رہتے اور اس کے جماعتی لحاظ سے بداثرات سے چوکس رہتے۔ خود بھی بہت دعائیں کرتے تھے اور اخبارات اور اپنی مجلس میں دوستوں کو بھی تحریک فرماتے رہتے تھے۔ اپنی آخری بیماری میں بھی جب ایک روز خبر آئی کہ حضور کی ران پر زخم کے آثار ہیں تو اس پر بہت پریشان تھے اور آبدیدہ ہو کر مجھے فرمایا کہ ''یہ بڑے فکر کی بات ہے''۔ (روزنامہ ''الفضل ربوہ'' خاص نمبر ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء)

اسی سلسلہ میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے فرمایا:-

حضرت صاحب کی علالت ان کے لئے مسلسل دُکھ اور ملال کا موجب رہی۔ اس کی وجہ سے اُن کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آ پڑا اور بسا اوقات انہیں پریشان کن اور بہت کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس بارِ عظیم اور مشکلات و مصائب کو بڑی سنجیدگی، وقار، کامل وفاداری اور بڑی جواں ہمتی اور مستقل مزاجی سے اٹھایا۔ ہر لحہ انہوں نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ اور اس کے دین کی راہ میں وقف کئے رکھا اور اس راہ میں کئی موتیں اپنے پر وارد کیں۔ ان کی جسمانی وفات ان کے لئے اس کمر جھکا دینے والے بوجھ سے جسے انہوں نے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر لائے بغیر بطیّبِ خاطر دن اور رات اٹھائے رکھا۔ خوش آئند رہائی کا درجہ رکھتی ہے۔ خواہ دل نے کتنے ہی آنسو بہائے ہوں اور وہ کتنا ہی خون ہو ہو گیا ہو ان کی زبان سے اپنے خالق و مالک کے لئے محبت، اطاعت، وفاداری، تسلیم و رضا اور تحمید و تمجید کے الفاظ کے سوا کبھی کوئی لفظ نہیں نکلا۔ وہ ہم سب کے لئے ایک عظیم الشان اور درخشندہ و تابندہ اسوہ تھے''۔ (روزنامہ ''الفضل ربوہ'' خاص نمبر ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

عادات واطوار

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بہت عرصہ تک تو خود ہی قرآن مجید یا احادیث نبویہؐ یا تاریخِ اسلام میں سے کچھ نہ کچھ اس عاجز کو تربیت کی غرض سے سنایا کرتے تھے۔ آپؓ کے زیرِ مطالعہ دینی علوم سے بھرپور بہت سی کتب رہتی تھیں جو کہ عموماً آپ کے سرہانہ ایک کھڑکی کے شیلف میں پڑی رہتی تھیں لیکن عمر کے آخری حصہ میں جب آپؓ میں یہ کتب پڑھنے کی ہمت نہ رہی تو چونکہ اس وقت تک میں بھی کچھ ہوشیار ہو چکا تھا اور آپؓ کی نیک و پاک صحبت میں رہتے رہتے دین اور دنیا کے فرق کو بھی سمجھنے لگا تھا تو ایک دن آپؓ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''سُودے خاں! تمھاری اردو بہت اچھی ہے اس لئے آج سے تم مجھے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سنایا کرو اور اگر غلطی ہوگی تو میں بتادوں گا''۔ غرض اس طرح یہ ناچیز احادیث نبویہؐ اور تاریخِ اسلام کی کتابوں میں سے کچھ حصے پڑھ کر آپؓ کو سناتا رہتا تھا۔ حضرت میاں صاحبؓ کی تاریخ اسلام سے محبت ایک ایسی محبت تھی جو کہ آہستہ آہستہ میرے وجود میں بھی مدغم ہوگئی اور بڑے ہو کر میں نے بھی کالج میں تاریخ کے موضوع کو پسند کیا بہرحال یہ تاریخ اسلام میں درج واقعات سن کر آپؓ نمناک آنکھوں کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اے کاش! اگر حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، محمد بن قاسم اور حضرت امام منصورؒ نیز بہت سے دوسرے مجددین وصالحین یا پھر کئی دوسرے اکابر مسلم امراء کے ساتھ بھی بے جا ظلم اور ناروا سلوک نہ کیا جاتا تو آج اسلام کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی''۔ اور ماضی میں کی جانے والی ان بے انصافیوں پر آپؓ رقت بھری آواز میں بے حد دکھ اور اپنے دلی افسوس کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اسلام کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت کی وجہ سے آپؓ کی آنکھیں ڈبڈبا جایا کرتی تھیں اور اپنے آنسوؤں کو آپؓ اپنے سرخ ریشمی رومال میں جذب کرتے چلے جاتے۔ ان تمام دردانگیز واقعات کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی بدولت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بھی ہمیشہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتے تھے اور اپنے بابرکت وجود کو محض اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل تصور کرتے تھے کہ وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نطفہ مبارک سے پیدا ہوا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں حمد وثناء اور شکرگزاری آپؓ کا وطیرہ رہی۔ آپؓ کی زبان مبارک پر عموماً سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر رہتا تھا:-

اک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا (درثمین)

اسلام اور احمدیت کے مستقبل پر آپؓ کے مکمل یقین کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''ایک اور چیز جو ابا جانؓ میں نمایاں نظر آتی تھی وہ اسلام اور احمدیت کا مستقبل تھا۔ اکثر احادیث نبوی ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اور الہامات کی روشنی میں اس کا گھر کی مجالس میں اور دوسرے دوستوں میں ذکر فرماتے تھے اور اس یقین سے بیان فرماتے تھے کہ یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ گویا کسی واقع شدہ بات کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جماعت میں بہت سے اندرونی اور بیرونی فتنے اُٹھے لیکن جہاں آپ ان سے چوکس ضرور ہوتے وہاں ان کی مکمل ناکامی اور اس کے بالمقابل جماعت کی ترقی کے یقین سے پُر ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایسے ہی کسی موقع پر مکرمی درد صاحب نے مجھ سے بات کی۔ فرمانے لگے کہ ان معاملات میں جماعت کے چیدہ چیدہ لوگ بھی گھبرا اٹھتے ہیں لیکن میاں صاحب کا یہ حال ہے کہ جیسے کوئی مظبوط چٹان کھڑی ہو اور اس پر پانی کی لہریں اٹھ کر پڑتی ہوں لیکن وہ وہیں کی وہیں بغیر کسی تزلزل کے قائم ودائم کھڑی ہو''۔ (الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰؍

نومبر۱۹۶۳ء صفحہ۳-۸)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ غلبہ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے ہروقت دعا گو رہا کرتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے آپؓ کے دل میں بے حد تڑپ تھی لہذا آپؓ اپنے تمام ملنے جلنے والوں کو بھی دعا کی تحریک فرمایا کرتے تھے۔ اپنے حج بدل کے موقعہ پر بھی آپؓ اس مقصد عظیم کو نہ بھولے اور مکرم مولوی عبدالطیف شاہد صاحب کے نام اپنے خط میں بغرض خاص تحریر فرمایا کہ:-

''مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عرب قوم اور عالم اسلام کے لئے بھی خاص طور پر دعا کریں کیونکہ ان کے ذریعہ ہمیں اسلام کا ابتدائی نور پہنچا ہے اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو کمزوری کی حالت میں سے نکال کر پھر طاقت اور غلبہ اور روحانی نور کا جلوہ عطاً کرے''۔(الفضل ربوہ-خاص نمبر-۲۹/ اکتوبر۱۹۶۳ء صفحہ۲۹-۳۰)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ جہاں اسلام کی حالت کے بارہ میں بے حد فکر مند رہا کرتے تھے وہیں اسلام کے دشمنوں کی چالاکیوں سے بھی باخبر رہا کرتے تھے۔ ان ایام میں روس یعنی سوویت یونین کی کمیونزم حکومت تمام دنیا پر غلبہ پالینے کی جدوجہد کر رہی تھی اور اس وقت کے سوویت سربراہ مسٹر خروشیف بہت بڑے بڑے نعرے لگا رہے تھے۔ ان نعروں کے ساتھ ساتھ سوویت یونین کی حکومت کی ناروا حکومتی پالیسیوں کے باعث بھی سوویت یونین میں مسلمانوں کی حالت نہایت دگرگوں صورت حال اختیار کرتی چلی جارہی تھی یعنی وسط ایشیأ کے بہت سے اسلامی ممالک کے عوام درحقیقت سوویت یونین کی کمیونسٹ حکومت کے رحم وکرم پر زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ آپؓ ان ممالک میں بسنے والی مسلمان اقوام کو بحیثیت مسلمان درپیش خطرات سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے ایک مرتبہ آپؓ نے اشتراکیت اور اسلام کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

''انسانی زندگی محدود ہے۔ مسٹر خروشیف نے ایک دن مرنا ہے اور میں بھی اس دنیوی زندگی کے خاتمہ پر خدا کی ابدی رحمت کا امیدوار ہوں۔ مگر دُنیا دیکھے گی اور ہم دونوں کی نسلیں دیکھیں گی کہ آخری فتح کس کے حق میں لکھی ہے؟ روس کا ملک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی دیکھ چکا ہے جو ان ہیبتناک الفاظ میں کی گئی تھی کہ

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زارؔ بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار (درثمین)

اب اسلام کے دائمی غلبہ اور توحید کی سربلندی کا وقت آرہا ہے اور دُنیا دیکھ لے گی کہ مسٹر خروشیف کا بول پُورا ہوتا ہے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کی فتح کا ڈنکا بجتا ہے''۔(الفضل ۲۸/جون ۱۹۶۰ء)

یعنی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ کو اسلام کی فتح پر ہمیشہ سے ہی ایک مکمل اعتماد تھا حالانکہ اُس زمانہ میں جبکہ سوویت یونین کا دنیا بھر میں بول بالا تھا اور دنیا کی تمام بڑی بڑی حکومتیں سوویت یونین کے ڈر سے اسلحہ جمع کرنے کی دوڑ میں مصروف تھیں اگر کوئی دوسرا شخص اس قسم کی بات کرتا تو لوگ اسے ایک دیوانے کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دیتے لیکن الحمدللہ! کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان پیشگوئیوں کی تکمیل ہمارے اباؤاجداد اور ہم نے اپنی زندگی میں ہی دیکھ لی جبکہ جنگ عظیم اول کے بعد زارؔ روس کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ کی پیشگوئی بھی ۱۹۸۹ء میں اپنی پوری آب وتاب اور شان وشوکت کے ساتھ پوری ہوگئی کیونکہ ۱۹۸۹ء کے بعد پیش

آنے والے تمام حالات ہم سب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں کہ پہلے دیوار برلن گری اور اس کے بعد سویٹ رشیا کا خاتمہ ہوگیا اور اُس وقت مسٹر خروشیف کی اولاد زندہ تھی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت قمر الانبیاءؓ کی اولاد میں سے بھی بیشتر افراد زندہ تھے اور اب بھی خدا کے فضل سے زندہ سلامت موجود ہیں۔پس! اس چیز کا نام ہے یقین کامل جو کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور تمام احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام دعاویٰ پر تھا اور ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بہت وسیع النظر وجود تھے۔اپنی اسی فراست کی بنا پر آپؓ مسلمانوں اور خصوصاً جماعت احمدیہ کو پیش آنے والے مسائل کو بہت پہلے سے ہی بھانپ لیتے تھے اور اس کے لئے اسی وقت سے جدوجہد کرنا شروع کر دیتے تھے کہ جب کہ ابھی کسی واقعہ کے ظاہری آثار بھی نمودار نہ ہوئے ہوتے تھے۔میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپؓ کی چھٹی حس بہت تیز تھی اور یہ حس ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی بلکہ خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو ہی ودیعت ہوتی ہے۔خالد احمدیت حضرت مؤلانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ:-

’’سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی ایک ایسی جامع زندگی تھی اور آپؓ کے فیوض و برکات جماعت کے دوستوں پر اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ آپؓ کی وفات پر جماعت کا ہر طبقہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ ہم بہت بڑے محسن اور سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں۔آپؓ کی زندگی ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے ’’حدیثِ حُسن‘‘ ہے اور آپؓ کا ذکرِ خیر انشاء اللہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔الٰہی جماعتوں پر ان کے آغاز میں خاص امتحانات آتے ہیں۔ان امتحانوں میں کامیاب ہونے والے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص درجات پاتے ہیں۔ان لوگوں کو نمایاں قربانی اور مقبول خدمات کی توفیق ملتی ہے۔

سلسلہ احمدیہ ایک آسمانی تحریک ہے۔اس پر بھی سنت اللہ کے موافق ابتلاؤں کے دور آتے رہتے ہیں۔تحریک احمدیت کے گذشتہ پچھتر (۷۵) برس کے آخری پچاس سال میں سیدی حضرت میرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو سلسلہ کی نمایاں خدمات بجالانے کا فخر حاصل رہا ہے اور ہر دورِ ابتلاء میں آپؓ دفاعِ اسلام کے لئے سینہ سپر رہے ہیں۔آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو حوصلہ، قوت برداشت اور زیرکی عطاء فرمائی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر پیش آمدہ مشکل اور مصیبت کے اچھے پہلو پر نظر رکھتے تھے اور جملہ ناموافق حالات کے روشن نتائج پر آپؓ کی نگاہ ہوتی تھی۔اس طریق سے آپؓ دوسروں کے لئے بہت بڑی ڈھارس کا موجب بنتے تھے۔یہ ملکہ بھی خاص افراد کو ودیعت ہوتا ہے اور واقعہ یہ تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ میں یہ ملکہ وافر طور پر موجود تھا۔اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں لیکن میں یہاں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم ہو کر دو آزاد حکومتیں قائم ہو رہی تھیں (یعنی پاکستان اور بھارت) تو اس وقت جماعت احمدیہ کی پُوری کوشش تھی کہ ضلع گورداسپور مسلم آبادی کی اکثریت کی وجہ سے سارے کا سارا پاکستان میں شامل ہو جائے اور اس کے لئے جماعت نے بہت جدوجہد کی۔اوائل میں ایک دو روز کے لئے ایسی صورت پیدا بھی ہو گئی تھی کہ ضلع گورداسپور قادیان سمیت پاکستان میں شامل ہو گیا ہے۔اس سے ہم سب بہت خوش تھے لیکن ریڈکلف ایوارڈ کے قطعی اعلان پر معلوم ہوُا کہ قادیان سمیت ضلع گورداسپور کا بیشتر حصہ بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے۔جس دن یہ اعلان ہوُا وہ رمضان المبارک کا آخری دن تھا۔

ہم لوگ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف میں تھے۔قرآن مجید کا درس ختم ہوُا ہی تھا اور دعا کے لئے سب احباب جمع تھے کہ ہمیں وہاں پر ہی یہ اطلاع مل گئی جس سے طبیعتوں پر بہت افسردگی تھی۔دوسرے دن عید تھی۔میں مسجد اقصیٰ سے اعتکاف کے خاتمہ پر مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر واقعہ محلّہ دارالعلوم کو جا رہا تھا۔دل نے چاہا کہ حضرت میاں صاحبؓ سے مل کر جاؤں۔ان کے مکان پر پہنچا تو بعض اور احباب بھی افسردگی کی حالت میں حضرت میاں صاحبؓ سے مل رہے تھے۔جونہی میں آگے بڑھا تو آپؓ نے نفس پر جبر کر کے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ: ’’مولوی صاحب! اللہ

تعالیٰ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔اب جماعت احمدیہ کو بھارت میں تبلیغ اسلام کا خوب موقع ملے گا''۔اس طرح آپؓ نے صدہا انسانوں کی افسردگی کو تسلی سے تبدیل کر دیا۔اُس وقت بظاہر یہ کلمات صرف ایک تسلی دہندہ کے کلمات تھے مگر بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خاص فراست سے آپؓ نے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست اور واقعی برحق تھا کیونکہ جماعت احمدیہ کی اکثریت کی ہجرت کے باوجود بھارت میں قادیان اشاعت اسلام کا واحد نمایاں مرکز ہے۔اللہ تعالیٰ اسے اور ترقی عطاء فرمائے اور جلد اسے پہلے سے بھی بڑھ کر شان اور جلالت بخشے''۔ اللھم آمین۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر ۲۹؍اکتوبر۱۹۶۳ء صفحہ ۲۳)

آپ میں سے جن بزرگ اصحاب نے یا میرے ہم عمر دوستوں میں سے جن احباب نے ربوہ پاکستان کے پرانے بس سٹاپ کو دیکھا ہؤا ہے انہیں یقیناً یہ یاد ہوگا کہ اس بس سٹاپ سے لے کر موجودہ دارلضیافت تک شارع مبارک کی دورویہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں اور ان دونوں سڑکوں کے درمیان گراسی پلاٹس ہیں۔اگر ربوہ کے پُرانے لاری اڈہ سے دیکھا جائے تو انہی دورویہ سڑکوں کی دائیں جانب مسجد مبارک سے پہلے قصرِ خلافت کی چاردیواری کے اندر پرانا مہمان خانہ اور لنگر خانہ حضرت مسیح موعودؑ ہوا کرتا تھا کہ جس کو مسجد مبارک میں جگہ کی تنگی کے پیشِ نظر اور نئے دارالضیافت کے بن جانے کی وجہ سے مسمار کر دیا گیا تھا ۔اسی لنگر خانہ کے مین گیٹ سے ذرا آگے ایک مکان میں مسجد مبارک یا قصر خلافت کے مشترکہ گیٹ سے متصل ایک مکان میں مکرم عبداللطیف (ننھا) صاحب رہا کرتے تھے مسجد مبارک کو جنوب اور مشرق کی سمت سے جانے کے لئے ان دنوں صرف یہی ایک لوہے کی سلاخوں والا گیٹ ہؤا کرتا تھا۔مسجد مبارک کو جانے کے لئے دوسرا گیٹ اس واقعہ کے بہت بعد اس پرانے لنگر خانہ کو گرادئے (ڈھائے) جانے کے بعد بنایا گیا تھا اور اسی پرانے مہمان خانہ اور لنگر خانہ کی دوسری جانب یعنی بالمقابل مشرقی سمت میں صدر انجمن احمدیہ کے ملازمین کے کواٹرز اور مکانات ہیں۔

انہی میں سے ایک مکان میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ بھی جنوری ۱۹۵۱ء سے لے کر اپریل ۱۹۶۱ء تک رہائش پذیر رہے۔ہم جیسے غربا کے لئے یہ مکانات کسی کوٹھی سے کم نہ تھے لہذا ہم اسے پُرانی کوٹھی کہا کرتے تھے۔اس پرانی کوٹھی میں لگائے جانے والے دو پودے مجھے آج بھی یاد ہیں ان میں سے ایک فالسہ کا پودا تھا جو کہ مردانہ صحن میں پہریداروں کے کمرہ کے بالکل پیچھے پہلا پودا تھا اور دوسرا ایک کھجور کا پودا تھا جو کہ زنانہ صحن میں حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (پیدائش ۳؍اکتوبر ۱۸۹۰ء قادیان۔وفات ۲۵؍جنوری ۱۹۷۳ء ربوہ) کے گھر کے زنانہ حصہ میں کھلنے والے ایک چھوٹے سے دروازہ کے سامنے والے باغیچہ کے وسط میں لگایا گیا تھا۔فالسہ کے چھوٹے سے جھاڑی نما پودے کا پھل خدا کے فضل سے حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ ساتھ اس عاجز نے بھی کھایا تھا لیکن کھجور کا میٹھا اور لذیز پھل آپؓ کی وفات کے بعد جب حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب یہاں مقیم ہوئے تو ان کے بچوں کے ہمراہ کھانا نصیب ہؤا۔فالحمدللہ۔مجھے یاد ہے کہ ہم سب نے اپنے گھر کا یہ پھل بہت شوق اور بے حد رغبت کے ساتھ کھایا تھا کیونکہ اغلباً اُس وقت ربوہ میں کھجور کا پھل دینے والا یہ واحد پودا تھا۔اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ انہی ایام میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنی بیماری کے باعث لاہور میں مقیم تھیں اور خاکسار ان کی عیادت کے لئے ربوہ سے لاہور جارہا تھا تو تب حضرت صاحبزادی قدسیہ بیگم (بی بی قدو) صاحبہ نے بطور خاص اس کھجور کا یہ پہلا پھل خاکسار کو نہایت پیار کے ساتھ ایک رومال میں باندھ کر دیا تا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی اپنے گھر کا یہ پھل چکھ لیں۔

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے زمانہ میں یہ مکان چھ بڑے کمروں پر مشتمل تھا۔جن میں سے چار بڑے کمروں اور ان کے

درمیان ایک گیلری اور دونوں جانب برآمدے اور زنانہ برآمدے کی جنوبی جانب متصل ایک کمرہ تھا۔ یہ کمرہ چونکہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ سے متصل تھا اوران دونوں کمروں کوایک درمیانی دروازہ بھی آپس میں ملاتا تھالہذا میری والدہ صاحبہ کوعنایت ہوا تھا۔اسی طرح مردانہ برآمدے کی شمالی جانب بھی اسی نقشہ کے عین مطابق ایک متصل کمرہ تھا۔گیلری کی جنوبی جانب والا کمرہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور گیلری کی غربی جانب والا کمرہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا کمرہ ہوا کرتا تھا۔اسی گیلری کی شرقی جانب کھانے والا کمرہ اوراس کی شمالی جانب مہمانوں کا کمرہ تھا۔مسجد مبارک کی جانب مین دروازہ کے بالکل سامنے گھر کے اندر آتے ہی سامنے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے لئے ایک برآمدہ کے ساتھ کچا کمرہ ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر بنایا گیا تھا۔فضل عمر ہسپتال کو جانے والی سڑک کی جانب مکرم بشیر احمد خادم صاحب کا صحن والا کچا کمرہ، کچا باورچی خانہ اور گندم وغیرہ کے لئے ایک گودام اس کے علاوہ تھے اوراس مکان کی جنوبی جانب زنانہ صحن میں سے انجمن کے کواٹروں کی جانب بھی ایک دروازہ ہوا کرتا تھا کہ جس کے ذریعہ ہم لوگ گول بازار سودا سلف لانے کے لئے جایا کرتے تھے۔

خاکسار اپنی بچپن کی پرانی لیکن بے حد سہانی یادوں کی وجہ سے اس مکان یعنی کوٹھی کا محلِ وقوع بیان کرنا بے حد ضروری خیال کرتا ہے تا کہ احباب کو یہ اندازہ ہو سکے کہ حضرت میاں صاحبؓ نے ہجرت ہند کے بعد اپنی زندگی کے بقیہ ایام کیسے اور کہاں بسر فرمائے۔آپؓ اور آپؓ کے بچوں کی کسر نفسی ملاحظہ ہو کہ آپؓ ان کچے پکے مکانات میں ۱۹۶۱ء تک مقیم رہے جبکہ ربوہ میں بڑے بڑے پکی اینٹوں والے مکانات اور عالیشان کوٹھیاں تعمیر ہو چکی تھیں لیکن کسی بچے نے اف تک نہیں کی اوراپنے وقف زندگی باپ حضرت قمرالانبیاءؑ صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ کے ہمراہ انہی مکانات میں آکر وقت گزارتے رہے۔انجمن کے ان مکانات اور کواٹروں کے درمیان ایک سڑک ہے جو کہ فضلِ عمر ہسپتال تک جاتی ہے۔اس سڑک کی دوسری جانب سب سے پہلے مکرم مولوی بشارت اللہ صاحب اپنے خاندان کے ساتھ رہا کرتے تھے اوران کے ساتھ حضرت مولوی قمرالدین صاحب کا مکان تھا۔حضرت قمرالانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مکان سے متصل مشرقی جانب حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ کا مکان تھا اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ کے مکان کے ساتھ ایک گلی تھی کہ جس کی شرقی جانب حضرت سید زین العابدین شاہ صاحبؓ کا مکان تھا جس میں آج کل بھائی جان مکرم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان مقیم ہیں اور حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مکان کی شمال مشرقی جانب پرانے اڈے کی طرف ایک تنگ سی گلی کے بعد حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کا مکان تھا اوراس مکان کے ساتھ مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب آف فضل عمر ہسپتال ربوہ کا مکان تھا جس کے بعد مکرم مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا گھر تھا جس میں بعد میں مکرم چوہدری صلاح الدین صاحب رہے اور آج کل مولانا دوست محمد شاہد صاحب مقیم ہیں اور پھر آگے خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا۔ربوہ کے آغاز میں جن مشکلات اور دقتوں کا اہل ربوہ کو سامنا کرنا پڑا ان کا کسی قدر اظہار سائیکالوجیسٹ مکرم محمد ادریس چوہدری صاحب نے اپنے ایک خط میں کیا ہے کہ اس لق ودق اور بے آب وگاہ مقام کے ابتدائی ایام کیسے تھے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:-

’’ ۱۹۴۸ء میں ربوہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ٹینٹوں اور احاطہ میں رہائش کے بعد ۱۹۴۹ء میں چند کچے بلاک کواٹروں کی تعمیر ہوگئی۔یہ احاطہ جو گول دائرہ کی شکل میں ہونے کی وجہ سے حفاظتی نقطہ نگاہ سے بہت موزوں تھا نیز اس کے اندر ان ایام میں کئی خاندان بیک وقت قیام پذیر تھے۔یہ کواٹر محلّہ الف کے نام سے موسوم ہوئے۔ربوہ کی آبادی ابھی چند صد احباب سے زیادہ نہیں تھی۔ربوہ ابھی بیابان تھا۔لُو کئی کئی دن چلتی تھی۔زائر آتے تو درخت نہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے۔اگر دن میں گرمی سے نبرد آزمائی ہوتی تو رات کو پہاڑیوں میں سے بھیڑیئے کے نکل آنے کے خوف کا سامنا رہتا‘‘۔

(مکتوبات نسیم۔ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۸ء)

جن دنوں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نئی کوٹھی البشریٰ زیرِ تعمیر تھی ان دنوں آپؓ ہفتہ میں کئی مرتبہ پیدل تشریف لا کر بنفس نفیس اس کی تعمیر کا معائینہ فرمایا کرتے تھے اور ٹھیکہ دار مکرم ولی محمد صاحب کے ساتھ ساتھ راج مزدوروں اور مستریوں کو بھی حسب ضرورت اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ البشریٰ کی کھڑکیاں اور دروازے مکرم سلیمان احمد طارق صاحب (برطانیہ) نے تیار کئے تھے۔ مکان کے کھڑکیوں، دروازوں اور دیوراوں پر مکرم --- صاحب نے رنگ کیا تھا۔ اسی طرح مجھے یاد ہے کہ خاکسار کی خواہش پر آپؓ نے گیراج کے سامنے البشریٰ کی شمالی جانب میرے نہانے کے لئے پانی کا ایک پختہ حوض بھی بنوایا تھا کہ جس میں یہ عاجز شروع شروع میں خوب نہایا کرتا تھا لیکن بعد میں کوٹھی البشریٰ کے گراسی پلاٹس اور پودوں کو ہفتہ میں صرف ایک بار پانی دیا جانے لگا تو میں نے اس تالاب میں نہانا ترک کر دیا اور اس میں دریائے راوی سے ''ڈمرا'' مچھلیاں لا کر ڈال دیں جو کہ صرف چند ہی ماہ میں خوب بڑی بھی ہوگئی تھیں لیکن گرمیوں میں ایک دن دیکھا تو تمام مچھلیاں مری ہوئی تھیں کہ جس کا گھر میں سب کو بہت افسوس ہوا کیونکہ اب یہ کھانے والے سائز میں بڑی ہو چکی تھیں۔ یہ مچھلیاں میں گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنے سب سے بڑے ماموں مکرم رحیم بخش صاحب سندھو کے ساتھ شاہدرہ میں دریائے راوی کے بند کی شمال مشرقی جانب دریائے راوی کے کنارے سیلاب کی وجہ سے بن جانے والے گڑھوں سے پکڑ کر ایک مٹکے میں ڈال کر طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لاہور کے ذریعہ ربوہ لایا تھا۔ دوران سفر راستہ میں شاہدرہ اور شیخوپور کے درمیان اس بس کو ایک ٹرک سائیڈ مار کر گزرا تو بس کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جانے کی وجہ سے بہت سے لوگ زخمی ہوگئے لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے معجزانہ طور پر بچا لیا حالانکہ میرے دائیں جانب اور میری بائیں جانب بیٹھے ہوئے مسافر شیشے کی کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے لگنے سے بری طرح زخمی ہوگئے تھے۔ ڈرائیور نے فوری طور پر بس کو روک لیا اور ٹرک بھی کچھ دور جا کر رک گیا۔ پھر تمام زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی اور پھر دونوں ڈرائیوروں نے ایک دوسرے کے نقصانات کا اندازہ لگا کر اور ضروری لکھت پڑھت کرنے کے بعد اپنی اپنی منزل مقصود کی جانب روانگی کا فیصلہ کیا۔ میں کوشش کروں گا کہ طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لاہور کے ریکارڈ میں سے اس حادثہ کی تفصیلات کسی طرح مل جائیں تاکہ کسی حتمی تاریخ کو بھی یہاں تحریر کرسکوں۔

بہرحال انہی مچھلیوں کے پکڑنے سے مجھے یاد آیا کہ گرمیوں کے موسم میں ہمیشہ میری ٹانگوں پر کچھ پھنسیاں وغیرہ نکل آیا کرتی تھیں اور بعض اوقات تو یہ بڑھ کر پھوڑے بھی بن جایا کرتی تھیں اور ان میں پیپ پڑ جاتی کہ جس کی وجہ سے میں بے حد تکلیف میں مبتلا رہا کرتا تھا۔ اسی طرح کی بیماری میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کو بھی تھی لیکن اس کا نام ایگزیما تھا اور بہت برسوں تک مکرم مُودی میاں صاحب کو ان زخموں پر مختلف قسم کی مرحم وغیرہ لگاتے دیکھتا رہتا رہا۔ خیر بات چلی تھی میرے پھوڑوں کی۔ شاہدرہ میں ایک دن میرے ماموں کو کسی نے میری ناقابل برداشت تکلیف دیکھ کر یہ مشورہ دیا کہ ان پھوڑوں پر جونکیں لگوا لیں تو شائید آرام آجائے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ یہ چھوٹے چھوٹے سے بے ضرر سپی نما کیڑے ہوتے ہیں اور ان کا کام ہی خون چوسنا ہے لیکن میں چونکہ ابھی سات آٹھ سال کا بچہ ہی تھا لہٰذا اس علاج سے میں ڈر گیا کہ نہ جانے جونکوں کے کاٹنے سے کتنی تکلیف ہوگی۔ میرے ماموں جان نے مجھے بہت تسلی دی کہ بالکل تکلیف نہیں ہوتی لیکن مجھے ان کی بات کا یقین نہ آیا اور مجھے یہ بھی ڈر لگا کہ شائید یہ جانور میرے جسم کے اندر نہ داخل ہو جائیں اور یوں میں اپنی ٹانگوں پر نکلنے والے ان پھوڑوں کی تکلیف کو برداشت کرتا رہا لیکن جونکیں نہ لگوائیں۔ خیر ایک دن باتوں ہی باتوں میں میرے ماموں جان نے مجھے دریا کے کنارے ایک گڑھے سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے تیار کر لیا اور صبح ناشتہ کرنے کے بعد ہم شاہدرہ سے مچھلی کے شکار کے لئے چل پڑے اور شہر کی شمال مشرقی جانب بند عبور کر کے دریائے راوی کے کنارے سے ہٹ کر کچھ دور ایک گڑھے کے کنارے جا پہنچے کہ جس کا دریائے راوی کے بہتے پانی کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا اور اس جھیل نما گڑھے کے کنارے سے کچھ دُور پانی کے اندر جا کر مچھلیاں پکڑنے لگے۔ مچھلیاں پکڑنے کے دوران مجھے یوں محسوس ہوتا رہا کہ

میری ٹانگوں پر بار بار نرم نرم مٹی سی لگ جاتی رہی حالانکہ میں پانی میں کھڑا صرف اِدھر اُدھر آ جا رہا تھا۔ بہرحال میں نے جب اپنے ماموں جان سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ دکھاؤ اپنی ٹانگیں اور میری ٹانگوں پر لگی ہوئی مٹی کو پکڑ کر اتارنے کی کوشش کی لیکن پھر یہ کہتے ہوئے کہ کوئی بات نہیں جب ہم خوب مچھلیاں پکڑ لیں گے تو پھر گھر جانے سے پہلے اپنی ٹانگوں سے اس مٹی کو دھو کر اتار لیں گے اب تم جلدی سے میرا ہاتھ بٹاؤ اور مچھلیاں پکڑنے میں میرا ساتھ دو کیونکہ گھر میں تمہاری ممانی جان ہمارا انتظار کر رہی ہیں کہ کب یہ مچھلیاں پکڑ کر لائیں اور کب میں کھانا تیار کروں یعنی اس طرح باتوں ہی باتوں میں میرے ذہن کو دوسرے خیالات کی جانب مبذول کر دیا۔ بہرحال جب چند گھنٹوں کے بعد ہم دونوں نے خوب ڈھیر سی مچھلیاں پکڑ لیں تو اس پانی سے باہر آئے اور میرے ماموں نے وہ جونکیں جو کہ میرے ٹخنوں سے لے کر میرے گھٹنوں تک مٹی کی طرح لگی ہوئی تھیں اتار کر پھینک دیں اور کہا کہ لو وہ مٹی میں نے اتار دی ہے اور بس اتنا سا ہی کام تھا۔ آپ یقین نہیں مانیں گے کہ ان جونکوں نے وہ کام کر دکھایا جو کہ بڑی بڑی قیمتی ادویات سالہا سال نہ دکھا سکی تھیں اور ان زخموں کے آرام آ جانے کے بعد مجھے آج تک ٹانگوں پر پھنسیاں اور پھوڑے نکلنے کی وہ بیماری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ میرے ماموں جان کو اپنی جوار رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے کہ انہوں نے ایک بچے کے ساتھ زبردستی کرنے کی بجائے ایک نہایت ہی عمدہ ترکیب سے اس تکلیف کا علاج کر دیا۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء فِیْ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ

اسی بات سے یاد آیا کہ اب اس قسم کا علاج یہاں یورپ میں بھی بہت مقبول ہو رہا ہے اور یہاں کے مختلف ہسپتالوں نے باقاعدہ اپنی اپنی جونکیں رکھی ہوئی ہیں بہرحال ان مچھلیوں کی وجہ سے البشریٰ کا تالاب چونکہ نہانے کے قابل نہ رہا تھا تو اس کے بعد گرمیوں میں مَیں اپنے دوستوں صاحبزادگان میاں مظہر احمد صاحب (مجو بھائی) ، میاں عمر احمد (تانی میاں) صاحب اور میاں مظفر احمد (وکٹر) صاحب کے ساتھ مل کر شارع صدر کے چوک کے جنوبی کونے میں واقع ایک حوض کی صفائی کر کے اس میں نہانے لگا۔ اس حوض کی صفائی کرنے کا واقعہ بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس حوض کا تقریباً تین چوتھائی حصہ کوڑا کرکٹ، گند غبار، ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے شیشوں اور کالی گار (مٹی) سے بھرا ہوا تھا کہ جسے صرف ہم چاروں نے مل کر وقار عمل کے ذریعہ بڑی محنت سے صاف کیا تھا اور اسے شیشے کی مانند چمکا دیا تھا کہ جس کے بعد اس کی تہہ میں پڑا ہوا ایک ٹیڈی پیسہ بھی صاف نظر آنے لگا کیونکہ انہی دنوں ایک روپیہ کو سولہ آنے کی بجائے دس پائی کے دس سکوں میں یعنی ایک روپیہ کو سو پیسہ میں اور اور آٹھ آنے کے سکے کو پچاس پیسے کے سکے میں اور ایک آنہ کو چار پیسوں کی بجائے چھ پیسوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور ان پیسوں کو عرف عام میں ٹیڈی پیسہ کہا جاتا تھا۔ اب روپیہ کے ان پیسوں کی تبدیلی سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اشیا سستی ہو جاتیں کیونکہ ایک روپیہ سولہ آنہ کی بجائے اب ایک روپیہ دس آنہ کا ہو گیا تھا یعنی ایک آنہ میں اشیا تقریباً ایک اعشاریہ چھ (۱.۶٪) فیصد زیادہ ملنی چاہئے تھیں لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس اور تمام اشیا کی قیمت یکلخت بڑھ گئی اور پھر آہستہ آہستہ مزید بڑھتی چلی گئی اور آج تک بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ بہرحال اس حوض میں نہانے کا اپنا ہی ایک خاص مزہ تھا کیونکہ ایک تو یہ حوض شیشم کے درختوں کی گھنی چھاؤں میں تھا، دوسرے ہر وقت ٹیوب ویل کا ٹھنڈا پانی اس کے درمیان سے بہہ کر گولبازار، تحریک جدید، لجنہ اماءُ اللہ کے دفاتر، نصرت جہاں کالج فار ویمن اور نصرت جہاں گرلز ہائی سکول کی جانب بہتا رہتا تھا اور تپتی جھلستی گرمی کے موسم میں کس کا جی نہیں چاہتا کہ وہ کسی چھاؤں والے گھنے درخت کے نیچے بیٹھ جائے؟ اسی لئے ہم لوگ شیشم کے ان درختوں کی گھنی چھاؤں میں اور پھر بہتے ہوئے ٹھنڈے پانی کے اس تالاب میں گھنٹوں نہاتے رہتے اور تیسرے ہم سب مل جُل کر خوب کھیلتے اور یوں خوب مزہ رہتا اور مجھے یاد ہے کہ جب ہم کافی بڑے بھی ہو گئے تھے اور کالج میں بھی جانے لگے تھے تب بھی اس تالاب میں نہایت شوق کے ساتھ نہایا کرتے تھے۔

ہمارے علاوہ موسمی چھٹیوں میں خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھوٹے بچے بھی نہانے کے لئے آ جایا کرتے تھے اور یوں

خوب شور وغُل برپا رہتا اور ہم لوگ اس تالاب میں زیادہ سے زیادہ دیر اپنا سانس بند کر کے پانی کی سطح کے نیچے رہنے کی مشق اور مقابلہ کیا کرتے تھے اور مکرم میاں مظہر احمد صاحب اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت والی انگلی سے اپنے ناک کو بند کر کے شائید صرف ایک آدھ سیکنڈ کے لئے اپنا مونہہ پانی کے اندر چھپا کر پوچھا کرتے تھے کہ دیکھو میں بھی اس طرح دم پُخت کرنے کی مشق کرتا ہوں اور ہم سب ان کی معصومیت پر ہنس دیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ ہم ٹیوب ویل کے احاطہ کو جانے والے دروازہ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر سر کے بل اس تالاب میں خوب چھلانگیں لگایا کرتے تھے۔صاحبزادہ مرزا مظہر احمد صاحب ہر وقت الفضل کا پرچہ ہاتھوں میں لئے رہتے اور جیسے ہی ہم نہانے کے دوران وقفوں وقفوں سے مکرم محمد شریف (پہریدار) صاحب کی دوکان پر دودھ سوڈا، کولا، فانٹا، کینیڈا ڈرائی، شیزان یا لسی پینے کے لئے پہنچتے تو مکرم صاحبزادہ مرزا مظہر احمد صاحب فوراً ہمیں ''الف'' سے لے کر ''ے'' تک الفضل کی تازہ بہ تازہ اہم خبریں سنانے لگ جاتے۔آج کل کا تو مجھے علم نہیں لیکن ان دنوں روزنامہ الفضل ربوہ ہمیشہ ہمیں دوپہر دو تین بجے تک مل جایا کرتا تھا اور یوں ہمارے وقفوں کا مزہ دوبالا ہو جایا کرتا تھا۔

خیر بات ہو رہی تھی کوٹھی البشریٰ ربوہ کی اور جیسا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ام المؤمنین سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بے حد پیار کا اظہار فرماتے ہوئے بعض اوقات حضرت میاں صاحبؓ کو ''بشریٰ'' کہہ کر پکارا کرتی تھیں لہذا جب حضرت میاں صاحبؓ کی نئی کوٹھی محلّہ دارالصدر غربی میں نصرت گرلز ہائی سکول کے قریب مکمل ہوئی تو حضرت میاں صاحبؓ نے بھی حضرت سیدہ اماں جان صاحبہؓ کے دئے ہوئے پیارے نام کے مطابق اس کوٹھی کا نام ''البشریٰ'' رکھا اور یوں اس کوٹھی کی تعمیر مکمل ہونے پر ہم سب بھی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت صاحبزادی سرور سلطان بیگم صاحبہؓ کے ہمراہ ماہ اپریل ۱۹۶۱ء میں اس نئی کوٹھی البشریٰ میں منتقل ہو گئے لیکن اس میں منتقلی سے پہلے حضرت میاں صاحبؓ کے نواسے مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (حامی میاں) صاحب کی شادی ہو گئی اور مجھے یاد ہے کہ اس شادی کے لئے حضرت میاں صاحبؓ کے ذاتی کمرہ اور آپؓ کے دفتر کو جلدی سے تیار کیا گیا اور پھر عجلت سے اس دفتر کے کمرہ میں سبز رنگ کیا گیا اور یوں دولہا اور دلہن کی سہاگ رات کے لئے ان دونوں کمروں کو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور پھر بہت عرصہ بعد تک بھی یہ کمرہ حضرت میاں صاحبؓ کے دفتر کی بجائے میاں حامی صاحب کا کمرہ ہی مشہور رہا۔مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب کی شادی لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں ہوئی تھی اور کاروں اور بسوں کی ایک لمبی بارات لے کر ہم لوگ دلہن کو بیاہ کر لانے کے لئے لائل پور گئے تھے۔یہ ایک یادگار شادی تھی۔اس شادی کی کامیابی کے لئے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بہت دعائیں کی تھیں کیونکہ صاحبزادی دلہن صاحبہ ۱۹۵۶ء میں نئی احمدی ہوئی تھیں۔ایک دن باتوں ہی باتوں میں جب فون پر ان کا ذکر چل نکلا تو حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے امریکہ سے بتایا کہ شادی کے بعد دلہن کی کایا ایسی پلٹی کہ وہ بعد میں آکر اپنے اخلاص میں ہماری پیدائشی احمدی خواتین سے بھی آگے نکل گئیں۔آپ کی یہ بات سن کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی معجزانہ دعاؤں کا نتیجہ ہی تو ہے۔اُس وقت تک یعنی ۱۹۶۱ء تک یہ ناچیز بھی بچپن کی حدود کو پھلانگتے ہوئے کچھ ہوش مندی کی زندگی میں داخل ہو چکا تھا لہذا روزنامہ الفضل، نوائے وقت اور ہفت روزہ لاہور کا مطالعہ کیا کرتا تھا لہذا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس شادی کا اعلان الفضل میں بھی ہوا تھا۔یہاں میں وہ اعلان پیش خدمت کرتا ہوں۔حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا:-

'' اِس وقت تک میں ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ کے ایک مکان میں کرایہ دار کے طور پر رہتا تھا لیکن اب میں نے اپنا ذاتی مکان محلّہ دارالصدر غربی ربوہ میں بنا لیا ہے۔جس کا نام میں نے نیک فال کے طور پر قرآن مجید کے الفاظ میں '' البشریٰ'' رکھا ہے اور میں اس مکان میں ۲۰/اپریل ۱۹۶۱ء کے

دن سے جوحسنِ اتفاق سے میری پیدائش کا بھی دن ہے منتقل ہو گیا ہوں۔لیکن مکان کی رہائش کی ابتداء میں نے بعض مہمانوں کوٹھہرانے سے کی ہے۔دوست اس مکان کے بابرکت ہونے کے لئے دعا فرمائیں''۔(الفضل ۲۰رمئی ۱۹۶۱)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی والدہ محترمہ ام المؤمنین حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

''حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان کے وجود سے جو برکات وابستہ تھیں ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔مجھے یاد ہے کہ قادیان میں آپؓ کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے حضرت اماں جانؓ کے گھر جاتے تھے اور شام کا کھانا قریباً روزانہ حضرت اماں جانؓ کے ساتھ کھاتے تھے ۔برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب (بعد میں حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالثؒ -ناقل) کے علاوہ جو ہمیشہ اماں جانؓ کے ساتھ ہی رہے ہیں مَیں بھی شامل ہو جایا کرتا تھا اور بعض دفعہ اور عزیز بھی۔کبھی کبھی ماموں جان (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ) بھی ہوتے تھے اور اس موقعہ پر ابا جانؓ اور ماموں جانؓ میں کسی نہ کسی دینی موضوع پر گفتگو شروع ہو جاتی۔بعض مرتبہ حضرت اماں جانؓ تنگ آکر فرمایا کرتی تھیں ''میاں! اب بس کرو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے''۔ ایسے مواقع پر بعض مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے فارغ ہو کر راستہ میں گھر جاتے ہوئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ایسے مواقع پر حضور بیٹھتے کم تھے بلکہ صحن یا کمرہ میں موسم کے مطابق جہاں کہیں کھانے کا انتظام ہوتا ٹہلتے رہتے تھے اور گفتگو فرماتے جاتے تھے۔حضرت اماں جانؓ کو بھی ابا جانؓ سے بہت پیار تھا۔میری نظروں کے سامنے اب بھی اماں جانؓ ان سیڑھیوں کے اوپر جو ہمارے قادیان کے مکان کو حضرت صاحبؓ اور حضرت اماں جانؓ کے مکان سے ملاتی ہیں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ہاتھ میں پلیٹ ہوتی جس میں کوئی کھانے کی چیز جو انہوں نے پکائی ہوتی تھی پکڑی ہوتی تھی اور ابا جانؓ کو آواز دے کر بلاتی تھیں کہ میاں! تمہارے لئے لائی ہوں لے لو۔ایسے وقت میں کبھی صرف ''میاں'' کہہ کر پکارتی تھیں کبھی ''میاں بشیر'' اور کبھی صرف ''بشریٰ''۔اسی محبت کے نام کی یاد میں ابا جانؓ نے ربوہ کے مکان کا نام ''البشریٰ'' رکھا اور اسے گھر کے دونوں طرف نمایاں کندہ کروایا۔

اپنی آخری بیماری کے ایام میں ابا جانؓ، والدہ کو جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری الماری میں ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس ہے۔وہ مظفر کو کہنا کہ خود کھولے چنانچہ جب میں نے اسے کھولا تو اس میں بعض اور ذاتی کاغذات کے علاوہ کچھ حضرت مسیح موعودؑ کے دستی لکھے ہوئے خطوط اور چند لفافوں میں کچھ روپے پڑے ہوئے تھے اور ہر ایک کے ساتھ مختصر سا نوٹ تھا کہ یہ رقم حضرت ام المومنینؓ نے بطور عیدی کے ابا جانؓ کو دی تھی اور آپؓ نے تبرکاً اسے محفوظ رکھا ہؤا تھا۔عیدی کی بعض رقوم قادیان کی دی ہوئی تھیں اور ہندوستانی نوٹ میں تھیں اس لئے ان کے لئے آپؓ نے اسٹیٹ بینک سے اجازت لے رکھی تھی اور وہ اجازت نامہ نوٹوں کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کے ساتھ نتھی کر کے رکھا ہؤا تھا۔حضرت اماں جانؓ کے ابا جانؓ کے ساتھ اس تعلق کا حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ناقل) کو بھی احساس تھا۔جب قادیان سے یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ مقامی حکام کے ارادے اچھے نہیں اور وہ کسی نہ کسی بہانے سے ابا جانؓ کو قید کرنا چاہتے ہیں تو حضرت صاحبؓ نے اس وجہ سے اور پھر جماعتی کاموں کی خاطر ابا جانؓ کو حکم دیا کہ پاکستان چلے آئیں۔ابا جانؓ بڑے مخدوش حالات میں قادیان سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ناقل) نے ابا جانؓ کے لاہور پہنچنے پر سجدہ شکر ادا کیا اور پھر ننگے پاؤں شوق سے ابا جانؓ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اماں جانؓ کے پاس لے آئے اور فرمایا ''لیں اماں جان! آپ کا بیٹا آ گیا ہے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰رنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۵)

حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت ام المومنینؓ سے آپؓ کو خاص محبت تھی۔ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے۔جب تک قادیان میں رہے آپؓ کا دستور تھا کہ شام کا کھانا حضرت اماں جانؓ کے پاس ہی کھاتے۔مغرب کی نماز پڑھ کر آپؓ گھر نہ جاتے بلکہ حضرت اماں جانؓ کے پاس ہی بیٹھ جاتے اور اپنے گھر کا کھانا بھی وہیں منگوا لیتے اور پھر کھانا کھا کر اور عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جاتے۔جب کبھی حضرت ام المومنینؓ ہمارے ہاں آئی ہوئی ہوتیں تو یا کسی کے ذریعہ آپؓ کی طبیعت پوچھواتے اور یا پھر خود ہی آجاتے۔ہر نیا پھل یا ہر نئی چیز جو آتی آپؓ پہلے ان کو بھجواتے۔جب کبھی حضرت اماں جانؓ باہر جاتیں تو حضرت عمو صاحبؓ کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ جلدی واپس آجائیں۔قادیان میں رہنے کا آپؓ کو خاص خیال رہتا تھا۔بہت کم باہر جانا یا باہر رہنا پسند فرماتے کبھی مجبوری سے باہر جانا پڑتا تو یہی سوچتے کہ کب واپس جاویں۔گرمیوں کے موسم میں لوگ پہاڑوں وغیرہ میں چلے جاتے ہیں مگر آپ قادیان میں ہی رہتے۔بعض دفعہ تو یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے آپؓ واحد فرد ہوتے جو کہ قادیان میں رہ جاتے تھے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹راکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۱)

اس روداد سے پہلے چونکہ البشریٰ کا ذکر ہو رہا تھا لہذا مجھے آج بھی بالکل اسی طرح یاد ہے کہ جیسے یہ چند منٹ پہلے کی بات ہو کہ کوٹھی ''البشریٰ'' میں یہ ناچیز حضرت میاں صاحبؓ کے کُولر والے یعنی -AIRCONDITIONED- کمرہ میں آپؓ کے نوار کے پلنگ کے نیچے ٹھنڈے فرش پر یا قالین پر کھیلتا رہتا یا لیٹا رہتا یا سویا رہتا-اس پر آپؓ ہمیشہ اپنی خوشی کا ہی اظہار فرمایا کرتے کہ آپؓ اپنے کمرہ میں اکیلے نہیں ہیں اور اس طرح مجھ ناچیز پر آپؓ کی شفقت اور محبت نیز عنایات کا مزید سایہ رہنے لگا۔ان دنوں چونکہ چپس کے فرش نئے نئے بننے شروع ہوئے تھے لہذا مجھے یاد ہے کہ البشریٰ کے کئی کمروں میں بھی چپس کے فرش بنوائے گئے تھے۔اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جب صدر انجمن سے مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب یا مکرم قریشی عطاء اللہ صاحب،مکرم چوہدری محمد اقبال صاحب (حال مقیم جرمنی) ڈاک لے کر البشریٰ آجاتے تو پھر اس کے بعد کسی کو بھی آپؓ کے کمرہ میں جانے کی اجازت نہ تھی لیکن آپؓ کا التفات دیکھئے کہ آپؓ نے کبھی بھی اس عاجز کو اس وقت بھی آنے جانے پر نہیں ٹوکا بلکہ خاکسار کی موجودگی میں ہی آپؓ اپنے کمرہ میں ٹہلتے ہوئے ان خطوط کو سن کر ان کے جوابات لکھواتے،نصائح فرماتے اور دعائیں کرتے تھے اور پھر خط کے جواب کو لکھوانے کے بعد ایک مرتبہ پھر سنتے اور آخر میں ہمیشہ سرخ سیاہی والے فاؤنٹین پین کے ساتھ دستخط فرماتے۔خاکسار مرزا بشیر احمد

حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ ایک سرخ و سپید-سفید باریش بزرگ وجود تھے-آپؓ کے چہرہ مبارک سے نور برستا تھا اور آپؓ کی نگاہوں سے پاکیزگی ٹپکتی تھی-آپؓ ایک مضبوط جسم کے مالک تھے لہذا عمر کے آخری حصہ میں بھی آپ کو سہارا لے کر چلنے کی عادت نہ تھی اور نہ ہی کبھی گھر میں کسی چیز کا سہارا لیا کرتے تھے لیکن گھر سے باہر جاتے ہوئے احتیاطاً عصاء ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے گرمی یا برسات کے دنوں میں چھتری بھی عموماً آپؓ کے ہاتھ میں ہوتی تھی لیکن وہ عموماً آپؓ کے پہرہ دار پکڑ لیا کرتے تھے- موسم گرما میں گھر میں آپؓ عموماً گھٹنوں تک لمبا ترمزی کرتا اور موسم سرما میں گھٹنوں تک لمبی قمیض اور شلوار پہنا کرتے تھے اور باہر جاتے وقت سر پر ہمیشہ کلے والی پگڑی پہنا کرتے تھے- گلے میں کبھی کبھی مفلر بھی لپیٹ لیا کرتے تھے- پہلے پہل تو خود ہی کلاہ پر پگڑی باندھ لیا کرتے تھے لیکن آخری عمر میں یہ سعادت بھی میری والدہ محترمہ کو نصیب ہوئی اور وہ آپؓ کے کلاہ پر پگڑی باندھا کرتیں کیونکہ بعض مرتبہ جب آپؓ نے مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو یہ پگڑی باندھنے کا حکم دیا تو وہ آپؓ کی حسب منشاء نہ باندھنے پاتے کہ جس پر حضرت میاں صاحبؓ کو بہت الجھن ہوتی اور آپؓ مطمئن نہ ہوتے اور اس طرح یہ خدمت بھی میری

والدہ صاحبہ کے حصہ میں آ گئی۔

آپؓ کے پاس سردیوں کے موسم کے لئے کئی گرم اون کے بنے ہوئے اوورکوٹ تھے لیکن گرمیوں میں آپؓ کو کریم کلر کا ایک اوورکوٹ نما کوٹ بے حد پسند تھا اور عموماً اسے ہی زیب تن فرماتے۔ سردیوں میں فلالین کی قمیض اور سویٹر بھی زیب تن فرمایا کرتے تھے اور گرم اُون کی بنی ہوئی براؤن رنگ کی تہہ دار ٹوپی بھی پہنا کرتے تھے۔ گرمیوں میں عموماً پنجابی دیسی جوتی لیکن سردیوں میں گرابی بوٹ پہنا کرتے تھے۔ بوٹ پہنتے وقت جوتی چمچ کا استعمال فرماتے۔ گھر میں باٹا کمپنی -BATA- لاہور کے بنے ہوئے سرخ رنگ کے سلیپر پہنتے تھے۔ شام کے وقت نماز کے لئے تشریف لے جاتے وقت بڑی باقاعدگی کے ساتھ ٹارچ اپنے ہمراہ لے کر جاتے۔ پیدل چلنے کو بے حد پسند فرماتے تھے اسی لئے گھر میں بھی چہل قدمی کی عادت تھی اور اپنے کمرہ میں بھی ٹہلتے رہتے تھے اور گرمیوں میں تو بعض اوقات اپنے کمرہ میں ننگے پاؤں بھی ٹہلتے رہتے تھے۔ اگر کبھی بجلی بند ہو جاتی تو پھر گرمی سے گھبرا کر بعض اوقات اپنی قمیض اور بنیان بھی اتار لیا کرتے تھے۔ آپ کے وجود مبارک کے سینہ، پیٹ، شانوں کی پشت اور بازوؤں پر ہلکے ہلکے بال تھے۔ شلوار میں ہمیشہ سرخ رنگ کا نالہ ڈلوایا کرتے تھے اور سرخ رنگ کا ہی ریشمی رومال بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

’’ ہم نے اپنے بچپن میں حضرت میاں صاحبؓ کو ہمیشہ شلوار قمیص اور کوٹ میں ملبوس دیکھا۔ ان کا کوٹ لمبا ہوتا تھا۔ ہاف کوٹ سے ذرہ زیادہ لمبا کہ یہ شرفاء کا لباس تھا اور اصطلاح میں اسے ٹرکش کوٹ کہا جاتا تھا۔ پرانے بزرگوں کی بعض تصویریں ہم نے دیکھیں ان میں وہ بزرگ ایسا کوٹ پہنتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لباس کا تو یہ کوٹ حصہ تھا۔ جوانی میں کہیں شیروانی بھی پہنتے ہوں گے مگر ہم نے انہیں اسی لباس میں ملبوس دیکھا جس کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت میاں صاحبؓ سر پر پگڑی باندھتے تھے مگر کلاہ پر باندھنے کے باوجود طرہ والی پگڑی نہیں ہوتی تھی جیسے رؤسا باندھتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے تتبع میں پگڑی بھی اسی انداز کی باندھتے تھے۔ ایک دو بار انہیں کالی ٹوپی اوڑھے بھی دیکھا مگر یہ یاد نہیں کون سا موقع تھا۔ گلے میں سرخ رومال باندھنا ان کا تخصص تھا اور یہ سرخ رومال ان پر بہت پھبتا تھا۔ گول فریم کی عینک پہنتے تھے اور بعض اوقات پڑھتے وقت اتار بھی لیتے تھے۔ کوئی حوالہ غور سے دیکھنا ہوتا تو عینک اتار کر آنکھوں کے قریب لا کر پڑھتے تھے‘‘۔ (مکتوبات نسیم۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۸ء)

حضرت قمر الانبیاءؓ لین دین کے معاملات میں بے حد صاف اور کھرے تھے اور ہر چیز زیر تحریر لے آتے تھے اور ان معاملات میں شریعت اسلامی کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔ حضرت قمر الانبیاءؓ کے کاروباری معاملات کے بارہ میں حضرت مرزا عبدالحق صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

’’ آپؓ ہر قسم کے معاملات میں نہایت صاف اور ستھرے تھے۔ کبھی کسی کا حق نہ رکھا۔ ہر ایک کے ساتھ احسان کی کوشش کرتے۔ قرضہ دیتے تو لکھوا ضرور لیتے تا کہ شریعت کا منشاء پورا ہو لیکن میعاد گزر جانے کے باوجود تقاضا نہ کرتے۔ مقروض کی تنگ دستی دیکھتے تو بسا اوقات قرضہ چھوڑ دیتے۔ بھائیوں کی زمین کا انتظام و انصرام آپؓ ہی کے سپرد ہوتا۔ آپؓ باقاعدہ حساب رکھتے اور ان کا حق انہیں دیتے۔ زمینوں کی خرید و فروخت بھی آپؓ ہی کے سپرد ہوتی۔ کبھی کسی کو شکایت نہ پیدا ہونے دی۔ سب مطمئن رہتے کہ آپؓ کے ہاتھوں ہمارے حقوق پورے محفوظ ہیں۔۔۔ بڑا زمیندار ہونے کی وجہ سے زمینوں کے مقدمات رہتے۔ ان میں کامل سچائی سے کام لیتے۔ نہ کبھی دعویٰ یا جواب دعویٰ میں جھوٹ شامل کیا اور نہ ہی کبھی جھوٹی شہادت دی خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس سچائی کی برکت سے عام طور پر کامیابی عطاء فرماتا رہا۔ ایک مرتبہ آپؓ کے مختار عام نے ایک بیع اراضی میں قیمت زیادہ لکھوالی تا کہ شفعہ سے بچاؤ ہو سکے اور اگر شفعہ ہو جائے تو متفرق اخراجات برداشت کرنے سے نقصان نہ رہے۔ آپؓ کو علم

ہؤا تو سخت ناراض ہوئے اور آئندہ کے لئے ایسا ہرگز نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپؓ کا معاملہ ہمیشہ فراخدلانہ ہوتا۔ ہر ایک کے حقوق کی حفاظت کرتے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۳-۴)

لین دین کے ایسے ہی دوطرفہ معاملات کے سلسلہ میں مکرم ڈاکٹر ممتاز محمد خان صاحب فرماتے ہیں کہ:-

'' میں نے ایک پلاٹ دس مرلہ کا حضرت میاں صاحبؓ سے قادیان محلّہ دارالرحمت میں خریدا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت میاں صاحبؓ کو اسی پلاٹ کی ضرورت محسوس ہوئی تو مجھے آپؓ نے پیغام بھیجا کہ '' وہ پلاٹ جو دس مرلہ کا ہے۔ مجھے دے دیں اور اس کے بدلہ میں سات مرلہ کا پلاٹ میں آپ کو دیتا ہوں۔ وہ لے لیں کیونکہ مجھے اس کی ذاتی ضرورت ہے۔ میں نے جواب دیا۔ حضور! سب پلاٹ آپؓ کے ہی ہیں۔ اگر آپؓ کے پاس تبادلہ میں دینے کے لئے کوئی پلاٹ نہیں ہے تو پھر بھی وہ پلاٹ آپؓ لے لیں۔ میں نہایت خوشی سے آپؓ کو دیتا ہوں۔ حضرت میاں صاحبؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ چند دن کے بعد آپؓ نے مجھے دفتر میں بُلا بھیجا۔ میں دفتر گیا تو حضرت میاں صاحبؓ نے مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:- چونکہ مجھے ذاتی ضرورت تھی اس لئے میں نے وہ پلاٹ آپ سے واپس لے لیا ہے۔ اب آپ سات مرلہ والا پلاٹ لے لیں۔ یہ آپ کے نام منتقل کر دیا ہے۔ بقایا تین مرلہ کی قیمت بھی واپس لے لیں۔ اس پلاٹ کے ساتھ ایک ہندو کی زمین ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس کو کسی اور جگہ زیادہ زمین دے کر تبادلہ کر لوں۔ جس وقت بھی زمین مجھے مل گئی میں آپ کو جتنی زمین آپ لینی چاہیں گے دے دوں گا ''۔ میں نے عرض کی۔ حضور! اس وقت زمین کی قیمت خدا جانے کیا ہو؟ کیونکہ یہ پلاٹ ایک سو بیس روپیہ فی مرلہ کے حساب سے خریدا ہے اور قادیان کی زمین کی قیمتیں تو دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ حضرت میاں صاحبؓ نے میری بات بڑے غور سے سنی اور ایک منٹ کی خاموشی کے بعد فرمایا: '' آپ کی بات تو معقول ہے۔ اب اس کے متعلق تو مجھے وصیت کرنی پڑے گی''۔ اسی وقت اپنی ڈائری نکالی اور اس پر وصیت لکھ دی اور وہی وصیت میرے سات مرلہ والے سرٹیفکیٹ پر اپنی قلم سے سرخ سیاہی سے لکھ دی۔ جو اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ جو درج ذیل ہے:- '' نوٹ:- اگر ان سات مرلوں کے ساتھ ملحق اراضی نکل آئے تو اس میں سے بھی تین مرلہ اراضی ڈاکٹر ممتاز احمدؐ خان صاحب کو اسی شرح -/۱۲۰ فی مرلہ پر دی جائے گی۔ دستخط (مرزا بشیر احمد) ۲۷/نومبر ۱۹۴۵ء''۔(حیات بشیر صفحہ ۲۵۵-۲۵۶)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے قادیان کے شب و روز کے بارہ میں ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ:-

جماعت کی مالی حالت ان دنوں بڑی کمزور تھی اور بعض دفعہ کئی کئی مہینوں کے گذارہ الاؤنس ادا نہ ہوتے تھے۔ خصوصاً ان ایام میں پرچیوں کا رواج تھا اور بازار سے سودا پرچیوں پر آ جاتا جو بعد میں اکٹھا ادا ہوتا تھا۔ ابا جانؓ کو قرضہ یا کسی کی رقم کی ادائیگی کی تاخیر سے بڑی وحشت تھی اور ایسی صورت میں جب بھی علم ہوتا تو بہت جلد سارا حساب کر کے رقم ادا کرتے۔ اس ضمن میں دونوں میاں بیوی اپنی طبیعت سے قدرے مجبور رہتے تھے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷/ستمبر ۱۹۹۴ء)

مجھے یاد ہے کہ آپؓ کی خوراک بہت سادہ ہؤا کرتی تھی اور آپؓ خوراک اور لباس کے سلسلہ میں کسی قسم کے تکلف کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہجرت کے بعد چونکہ مشکلات کا زمانہ تھا اس لئے جب میں نے یہ سنا کہ بعض اوقات آپؓ صبح کی چائے کے ساتھ بُھنے ہوئے چنے کھا کر بھی گذارہ کر لیا کرتے تھے تو میں حیران رہ گیا کہ آپؓ نے جماعت کی خدمت کرتے ہوئے کس قدر عظیم الشان قربانیاں دی ہیں۔ آپؓ کو کسی چیز کی کوئی خاص عادت نہیں تھی لہذا سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ آپؓ :-

’’ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ نشہ کا تو کیا سوال ساری عمر مجھے کبھی کسی غیر منشیٔ چیز کی بھی عادت نہیں پڑی حتیٰ کہ جب میں سمجھتا ہوں کہ چائے کی بھی عادت سی ہو چلی ہے تو کچھ دیر کے لئے اسے بھی ترک کر دیتا ہوں‘‘ -(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

حضرت میاں صاحبؓ کی انہی پاکیزہ عادات سے خاکسار کو یاد آیا کہ گرمیوں کے موسم میں تقریباً چار بجے بعد دوپہر حضرت میاں صاحبؓ اپنے کولر یعنی ائیر کنڈیشنڈ کو بھی بند کر دیا کرتے تھے تاکہ جسم اس کا عادی نہ ہو جائے اور جسم کو کچھ گرمی برداشت کرنے کی عادت بھی ڈالنی چاہیئے نیز شام کو باہر نکلتے وقت زیادہ گرمی محسوس نہ ہو- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب اپنے عالی جناب والد گرامی حضرت میاں صاحبؓ کی عادات واطوار کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

’’ طبیعت کے لحاظ سے آپؓ بہت حساس تھے اور لوگوں کے جذبات کا خاص خیال رکھتے تھے اور خود بھی اس معاملہ میں کسی کی لغزش کو محسوس فرماتے تھے- طبیعت میں نفاست تھی اور باریک بین- ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے رکھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی سے گھبراتے تھے- میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ نظارہ آتا ہے کہ جب اپنی بیماری کی شدت کے آخری ایام میں اغلباً ۳۱ر اگست کی بات ہے- میں پاس بیٹھا تھا- چارپائی پر لیٹے ہوئے تھراتا ہؤا آپ کا ہاتھ اٹھا اور اسے سرہانے کی میز کی طرف بڑھایا- میں نے محسوس کیا کہ گھڑی جو میز پر پڑی تھی وہ کچھ ترچھی پڑی تھی اسے سیدھا کرنا چاہتے تھے- میں نے جلدی سے اسے سیدھا کر کے رکھ دیا- اس کے کچھ وقفہ کے بعد پھر کانپتا ہؤا ہاتھ میز کی طرف بڑھایا اور دو قلم جو ترچھے پڑے تھے انہیں بڑی احتیاط سے سیدھا کر کے رکھا اور پھر غنودگی کی سی کیفیت میں آنکھیں بند کر لیں ---اس میلان طبیعت کے لحاظ سے ہر چیز کو تحریر میں لے آتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کی ایک علیحدہ فائل کھول کر اس میں تمام متعلقہ کاغذات اہتمام سے رکھتے تھے- خط لکھتے وقت یا یادداشتی نوٹ لکھتے وقت انہیں نمبروار لکھتے اور پھر انہیں سرخ سیاہی سے نمایاں کر لیا کرتے تھے- ایک سے زائد کاغذ کو پن کے ساتھ نتھی کرتے -غرض یہ کہ نفاست اور باریک بین کا مظاہرہ ہر جگہ ہوتا تھا- انتظامی قابلیت خدا نے بہت دے رکھی تھی اور ہر انتظامی معاملہ میں بڑی تفصیل میں جاتے تھے اور اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے- فرمایا کرتے تھے کہ ’’موٹی موٹی باتیں تو ذہن میں آ ہی جاتی ہیں لیکن انتظامی ناکامی چھوٹی باتوں کی طرف سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے‘‘- طبیعت کے اسی محتاط پہلو کا نتیجہ تھا کہ جہاں تحریر کو بڑی احتیاط سے دیکھتے اور دُرستی فرماتے وہاں زبانی ارشاد کو دوسرے سے دوہروا لیا کرتے تھے تا غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے-

لباس بہت سادہ پہنتے تھے اور تنگ لباس کو برداشت نہ کرتے تھے- سفید قمیص اور شلوار، کھلا کوٹ اور پگڑی پہنتے تھے- کبھی کبھی خصوصاً غیر رسمی مواقع پر ٹوپی بھی پہن لیتے تھے- شروع میں دیسی جوتی پہنا کرتے تھے لیکن بعد میں گرگابی طرز کا کھلا بغیر تسموں والا بوٹ - یہی سادگی رہائش میں پسند فرماتے تھے اور نمائش کی چیزوں سے گھبراتے تھے- رہائش میں مشقت پسند فرماتے تھے- مجھے یاد ہے کہ جب شروع شروع میں- AIR CONDITION - کا رواج بڑھا اور میں نے ایک خریدا تو میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ میں اپنے لئے کوئی ایسا آرام ڈھونڈوں جو اباجانؓ کے استعمال میں نہ ہو -چنانچہ میں نے اس کیفیت کے مدنظر اور ربوہ کی گرمی کا احساس کرتے ہوئے ایک ائیر کنڈیشنڈ تحفتاً بھیجا اور آدمی بھیج کر اسے آپ کے کمرہ میں لگوا دیا- آپؓ اسے استعمال فرماتے رہے لیکن ایک مرتبہ یہ خراب ہو گیا تو خفگی سے فرمایا کہ مظفر نے خوامخواہ مجھے اس کی عادت ڈال دی ہے اور اس کے بند ہونے سے اب مجھے تکلیف ہوتی ہے ورنہ میں اپنے لئے کسی ایسی سہولت کو مرغوب نہیں پاتا‘‘-(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب سابق انسپکٹر بیت المال صدر انجمن ربوہ حضرت میاں صاحبؓ کی عادات واطوار کے بارہ میں بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت میاں صاحبؓ کی خوراک سادہ اور تحریک جدید کے مطالبہ کے مطابق ایک سالن پر تھی-قمیض شلوار سفید اور سر پر سفید ململ کا عمامہ اور کبھی کبھی سیاہ ٹوپی بھی استعمال فرماتے واسکٹ اور کوٹ پہنتے- پاؤں میں گرگابی کے علاوہ سادہ پنجاب کی دیسی جوتی بھی استعمال فرماتے- رومال کافی عرصہ سرخ رکھا اور سفید کبھی استعمال فرمایا- گفتگو بہت نرمی سے آہستہ آہستہ کرتے- تحریری کام زندگی بھر کیا- مطالعہ کی عادت تھی اس لئے سونے کے کمرہ میں نئی سے نئی کتاب مطالعہ کے میز پر رکھا کرتے تھے- مطالعہ و تحریر ٹیبل لیمپ پر کرتے- وقت کے پابند تھے اور دوسروں سے وقت کی پابندی کرتے دیکھ کر خوش ہوتے- وقت پر دفتر آنا پھر قبل از ظہر دفتر سے جانا پھر بعد ادائیگی نماز بھی تشریف لاتے-

حضرت میاں صاحبؓ زبان و قلم کے معاملہ میں انتہائی نرم تھے- اونچی آواز میں تو مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی گھر یا دفتر میں آپؓ کی آواز سنی ہو- پاپیادہ ہی چلتے ، بہت کم موٹر پر سوار دیکھا- حلقہ مسجد مبارک (گھر) قادیان سے بیرون شہر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی کوٹھی تقریباً ایک میل کی مسافت پر تھی لیکن آپؓ پیدل ہی تشریف لے جاتے- جب کوئی امر خاص پیش نظر ہوتا تو مجھ سے بزرگان سلسلہ کو خطوط لکھوا کر اپنے دستخطوں سے بغرض دعا و استخارہ بھجواتے- جب کبھی کسی کا خط آتا تو اولین فرصت میں اس کا جواب بھجوانا فرض اولین سمجھتے- خطوط کے جواب میں آپ کا اخلاق و کردار بہت بلند تھا- انکساری فروتنی عاجزی کا مظہر آپ کی ذات تھی''-(مکتوبات نسیم ۔ ۱۸؍نومبر ۱۹۹۳ء)

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ نے سلسلہ کے کارکنوں میں ایسی روح پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ اولوالامر کی اطاعت کو ایک ثواب کا کام سمجھ کر فرض قرار دے لیں اور افسروں کو سمجھایا کہ وہ اپنے ماتحتوں پر سختی کرنے سے اجتناب کیا کریں اور درحقیقت اسلامی تعلیم کا منشا بھی یہی ہے کہ ماتحت عملہ کو اپنے اندر یہ شعور پیدا کرنا چاہیے کہ وہ اپنے افسران کی کماحقہ اطاعت کریں اور افسروں کو یہ چاہیے کہ وہ ماتحتوں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان سے تعاون کی اپیل کریں- اگر ہر فریق یہی سمجھے کہ اس نے اسلامی معاشرے کی روح کو زندہ کرنا ہے تو سلسلہ کا کام بڑی کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے''- لہذا آپؓ کو ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتا تھا کہ سلسلہ کے افراد آپس میں صلح اور تحاد سے رہیں اور بنیان مرصوص ہو کر سلسلہ کی ترقی اور مضبوطی کے لئے کوشاں ہوں- لہذا اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی اہم اور قیمتی سبق آپؓ نے اپنے نیک نمونہ سے سلسلہ کے اعلیٰ کارکنوں کو مشعلِ راہ بن کر یہ دیا کہ بے شک سُستی کرنے والوں اور غفلت برتنے والوں کی بیداری کے لئے ان کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے لیکن پھر بھی اس امر کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ آخر وہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارا سارا نظام ہی باہمی اخوت پر مبنی ہے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۹۱)

احباب جماعت سے آپؓ کی محبت اور اخوت اور شفقت کے بارہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت میاں صاحبؓ نے یہ فیصلہ فرمایا ہؤا تھا کہ جو دوست قافلہ قادیان میں نام لکھوانے اور منظور کئے جانے کے بعد قافلہ میں نہ جائیں تو اُن سے پندرہ روپے بطور حرجانہ وصول کئے جائیں- چنانچہ ایسے اصحاب سے دفتر وصولی کی کوشش کرتا رہا ہے- اپریل ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ ایک صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد خطوط کا تبادلہ ہؤا- اس پر میں نے حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے جو خط ڈرافٹ کیا اُس کے آخر میں لکھ دیا کہ اس سلسلہ میں آپ سے کافی خط و کتابت ہو چکی ہے اور اس خط کو آپ اس تعلق میں آخری سمجھیں- میرے ذمہ اور بہت سے اہم امور ہیں- جنہیں سرانجام دینا ہے-

اس چٹھی پر حضرت میاں صاحبؓ نے دستخط تو فرمائے مگر میرے اس طرح لکھنے کو پسند نہ فرمایا اور مجھے دوسرے دن تحریر فرمایا:-'' قافلہ میں شامل نہ ہونے پر آپ جو خطوط حرجانہ کے متعلق لکھتے ہیں ان میں ضابطہ پرستی کا رنگ غالب آ جاتا ہے- جماعت کا نظام اخوت پر قائم ہے بے شک ضابطہ کا خیال رکھا جائے مگر انداز تحریر برادرانہ ہونا چاہیے''-(روز نامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

حضرت قمرالانبیاءؓ کی تمام زندگی ہی اخوت ومحبت وشفقت کی لازوال داستانوں سے بھری پڑی ہے-حضرت مرزا عبدالحق صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''آپؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو وہی تھا جو الہام الٰہی میں بتایا گیا تھا-آپؓ نہایت درجہ حلیم اور بردبار تھے-کسی کا دل نہ دکھاتے تھے-اگر کوئی تیزی سے بھی کام لیتا تو آپؓ تحمل سے جواب دیتے-سوائے ایسے موقع کے کہ جس میں دینی غیرت کا سوال ہو-آپؓ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرتے-ہمیشہ کوہ وقار نظر آتے-دوستوں کے ساتھ بھی رأفت اور شفقت کا سلوک کرتے اور ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ بھی-خط میں ہمیشہ مکرمی محترمی سے مخاطب فرماتے-دوستوں کے احساسات کا بہت خیال رکھتے-ایک دفعہ گورداسپور میں میرے مکان پر تشریف لائے تو خاکسار کو اندر سے نہ بلایا بلکہ کمرہ میں ٹہلتے رہے-جب خاکسار خود کسی کام کے لئے باہر آیا تو آپؓ کو ٹہلتے ہوئے دیکھا-میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اندر سے بلا کیوں نہ لیا؟ فرمانے لگے کہ مجھے خیال ہؤا کہ اس طرح آپ کو تکلیف ہوگی-آپ خود ہی باہر نکلیں تو ٹھیک ہے''-(روز نامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۳-۴)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود نہایت ہی سادہ مزاج ،انتہائی نیک ، بے حد پرہیز گار اور بہت ہی دعا گو بزرگ تھے -پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی پہن لیا کرتے تھے کئی مرتبہ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو حضرت میاں صاحبؓ کی قمیضوں اور موزوں کو پیوند کرتے ہوئے دیکھا-اپنی صحت اور جسمانی صفائی کا بھی آپ بے حد خیال رکھا کرتے تھے اور مجھے یاد ہے کہ ہر کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں اپنے ہاتھوں کو دھونا اور کلی کرنا آپؓ کا معمول تھا -کھانا کھانے سے یاد آیا کہ آپؓ کا کھانا انتہائی سادہ ہؤا کرتا تھا اور آپؓ کے لئے جس آٹے سے روٹی کا پھلکہ تیار کیا جاتا تھا اس میں سے بورا یعنی گندم کا چھلکہ نہیں نکالا جاتا تھا کیونکہ آپؓ فرماتے تھے کہ یہ بُورے والی روٹی زیادہ طاقتور ہوتی ہے اور پھر آٹے کا نقصان بھی نہیں ہوتا-اسی ایک بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپؓ اسراف اور فضول خرچی کو پسند نہ فرماتے تھے-صبح کے ناشتے میں آپ بھاری بھرکم پراٹھوں کی بجائے ہلکی پھلکی ڈبل روٹی کے دو سلائس ٹوسٹر میں سینک کر مکھن کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے-پہلے پہل آپؓ کے لئے بی پی کمپنی- BP -کی ڈبل روٹی لاہور سے سپیشل منگوائی جاتی رہی اور اسے فرج یعنی ریفریجیٹر- FRIDGDEAR -میں احتیاط سے لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا کیونکہ بعض اوقات بے احتیاتی کی وجہ سے اس کو چند دنوں کے بعد اُلّی بھی لگ جایا کرتی تھی لہذا بعد میں جب جمال بیکری گولبازار ربوہ میں بھی عمدہ ڈبل روٹی تیار ہونے لگی تو پھر وہیں سے منگوالی جاتی تھی-مہمانوں کے لئے ہمدرد دواخانہ کراچی کا تیار شدہ '' روح افزاء '' شربت گھر میں ہمیشہ موجود رہتا تھا-اس شربت کا نام واقعی بے حد سوچ سمجھ کر رکھا گیا ہے اور اسے پیتے وقت انسان حقیقتاً جنت کی شے جان کر اس کے مزے لیتا ہے-اس شربت کا مزا اس وقت اور بھی دوبالہ ہو جاتا جب گرمیوں میں اس میں گھر کی بنی ہوئی برف کی ڈلیاں ڈال کر پیا جاتا-یہ شربت بھی آپؓ کو بے حد پسند تھا اور مہمانوں کو بھی نہایت چاہت سے پیش کیا جاتا تھا-

حضرت قمرالانبیاءؓ کی سادگی کے بارہ میں آپؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب بیان کرتے

ہیں کہ:-

"ایک بار میں نے ابا جان سے پوچھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی نظم میں سب بچوں کے لئے دعا کی ہے "دے ان کو دین و دولت" لیکن سوائے چچا ابا (حضرت مصلح موعودؓ - ناقل) کے اور کسی کے پاس دولت نہیں ہے خاص طور پر آپؓ کے پاس نہیں ہے۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ: غریب وہ ہوتا ہے جس کی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں۔ اول تو میری ضرورتیں ہی محدود ہیں جو تمام اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا ہے۔ اگر تمہارا اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت صاحب کے پاس کار ہے اور میرے پاس نہیں ہے تو کار حضرت صاحب کی ضرورت ہے۔ خلیفہ وقت کو اللہ تعالیٰ دین کے علاوہ ایک دنیاوی حیثیت سے بھی مقام دیتا ہے۔ دوسرے حضرت صاحب اپنی فیملی کے ساتھ ہر سال گرمیوں میں پہاڑ پر چلے جاتے ہیں اور میں نہیں جاتا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ حضرت صاحب کو گرمی زیادہ لگتی ہے اور اُن کی صحت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ وہ ہر سال پہاڑ پر جائیں۔ یہ صرف اُن کی صحت کا ہی سوال نہیں، قوم کو ضرورت ہوتی ہے کہ اُس کا لیڈر صحتمند ہو۔ جہاں تک میرا سوال ہے تو میرا دل ہی نہیں چاہتا کہ میں قادیان چھوڑ کر باہر جاؤں۔ اس طرح مجھے تو نہیں لگتا کہ میں غریب ہوں"۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۲؍نومبر ۲۰۰۱ء)

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

"آپؓ کی طبیعت میں حد درجہ کی انکساری پائی جاتی تھی۔ باوجود اس علم و فضل اور زُہد و اتقاء کے کم از کم میں نے کبھی آپؓ کو نماز پڑھاتے نہیں دیکھا۔ نہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں آپؓ نے کبھی پڑھائیں"۔ (حیات بشیر صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

اسی بات سے مجھے یاد آیا کہ نہ صرف نمازوں کے لئے بلکہ ہر جمعہ کی نماز کے لئے بھی صدر انجمن کی جانب سے ہر ہفتہ آپؓ کی خدمت عالیہ میں درخواست پیش ہوتی کہ حضور اجازت دیں کہ جمعہ کون پڑھائے؟ اور جہاں تک میرے علم میں ہے کہ عموماً آپؓ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ یا خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ کا نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی کسر نفسی کا ایک مشاہدہ خاکسار نے اور بھی کیا کہ آپؓ کے کھانا کھانے کے بعد کلی کروانے کا کام عموماً آپؓ کے خادم مکرم بشیر احمد صاحب کا تھا لیکن اگر کبھی وہ نہ ہوتے تو پھر میری کوشش ہوتی کہ آپؓ کے دست مبارک دھلوانے اور کلی کروانے کی یہ سعادت میرے حصہ میں آئے لیکن میں نے دیکھا کہ ایسے وقت عموماً آپؓ خود تکلیف فرما کر غسل خانہ میں تشریف لے جاتے اور دست مبارک دھوتے اور کلی فرماتے لیکن مجھ سے یہ کام نہ کرواتے تھے۔ آپؓ کے اسی حسن سلوک سے ظاہر و باہر ہے کہ آپؓ کو چھوٹے بچوں سے کتنا زیادہ پیار تھا اور آپؓ ان بچوں کی کتنی زیادہ عزت و تکریم کیا کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کے نجی کام کو کروانے کی کوشش نہ کرتے۔ البتہ آپؓ کی زندگی کے آخری ایام میں مجھے یہ سعادت بارہا نصیب ہوئی اور ہر مرتبہ اتنی دعائیں ملتیں کہ میں ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ آج میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں اور مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے کہ آپؓ نہ نہ فرماتے اور میں آپؓ کے ہاتھ دھلوانے کے لئے بیتابی کا اظہار کرتا کیونکہ میں آپؓ کو لڑکھڑاتے ہوئے غسل خانہ میں جاتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا کہ کہیں خدانخواستہ گر کر چوٹ نہ آ جائے۔ اللہ! اللہ! ایسے معزز بزرگ اور پاک وجود اب کہاں ملتے ہیں کہ جو ایسی پیاری کسر نفسی کا مظاہرہ کریں کہ خود تکلیف اٹھائیں اور کسی دوسرے کو تکلیف میں مبتلا نہ کریں؟ حالانکہ میرے لئے تو آپؓ کے بابرکت ہاتھ دھلوانا یا کلی کروانا عین سعادت تھی۔ اسی طرح کا واقعہ مکرم مولوی برکات احمد راجیکی صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا۔ آپ کا بیان ہے کہ:-

"گذشتہ سال حضرت میاں صاحبؓ نے محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور خاکسار کو شام کے کھانے پر مدعو فرمایا۔ اس دعوت میں حضرت مرزا عزیز احمد صاحب سلمہ اللہ، مولانا جلال الدین صاحب شمس اور قریشی مختار احمد صاحب ہاشمی بھی مدعو تھے۔ کھانا پُر تکلف تھا۔ آپؓ نے متبسم چہرہ سے فرمایا کہ

میں نے گھر میں کہا تھا کہ درویشوں کی دعوت ہے لہذا سادگی کا خیال رکھا جائے - لیکن گھر والوں نے کافی تکلف کر دیا ہے - کھانے سے فارغ ہونے پر جب آپؓ ہاتھ دھونے کے لئے اُٹھے تو خاکسار نے آفتابہ سے آپؓ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا چاہا - لیکن آپ نے اصرار سے منع کیا اور فرمایا'' آپ تکلیف نہ کریں'' - خاکسار نے ہر چند عرض کیا کہ اس میں کچھ تکلیف نہیں بلکہ یہ عین سعادت ہے لیکن آپؓ نے آفتابہ اُٹھا کر کر خود ہی ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کر دیا - اتنے میں ایک اور دوست نے جو ربوہ کے تھے - آگے بڑھ کر بہ اصرار آفتابہ لے لیا اور آپؓ کے ہاتھ دھلوائے - آپؓ نے اکرام ضیف کا جو نمونہ ظاہر فرمایا وہ اسلام کی صحیح رُوح کو قائم کرنے والا ہے - **اللھم نور مرقدہ و قدس سرہ العزیز** '' - (حیات بشیر صفحہ ۲۱۷)

آپؓ کی کسرنفسی کے بارہ میں خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

'' مرحوم و مغفور سے زمانہ طالبعلمی سے خاکسار کو ملنے کا شرف حاصل ہے - آپؓ مدرسہ احمدیہ میں بطور پرنسپل بھی رہے اور ہمارے استاد بھی اور پھر تبلیغ کے زمانہ میں بکثرت ملاقاتیں ہوئیں اور ربوہ میں تو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا - آپؓ عیب اور ریاء سے بالکل خالی تھے - آپؓ حد درجہ متواضع اور ملنسار تھے - آپؓ کی خاکساری اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی سے خشیت آپؓ کی متعدد تحریروں سے ظاہر و باہر ہے - باوجود یہ کہ رات دن آپؓ سلسلہ کے کام میں مشغول رہتے پھر بھی آپؓ یہی سمجھتے کہ میں نے کچھ نہیں کیا'' - (روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۱۴-۱۶)

آپؓ کی کسرنفسی کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ مکرم ملک طیب احمد صاحب ایڈیٹر ماہنامہ الناصر جرمنی نے از راہ شفقت مجھے تحریراً عنایت فرمایا - خاکسار کو نیشنل مجلس انصاراللہ جرمنی کی مجلس عاملہ میں اپنی مختلف خدمات کے دوران انتہائی قریب سے جاننے کا شرف ملا - آپ انتہائی خاموش سیدھے سادھے لیکن جواں ہمت اور سلسلہ کے مخلص خدمت گزار ہیں - کافی عرصہ سے انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہوُا تھا کہ انہیں حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا ایک بہت ہی پیارا واقعہ یاد ہے لیکن باتوں باتوں میں وقت گزرتا گیا حتیٰ کہ جون ۱۹۹۹ء میں منعقدہ مجلس انصاراللہ جرمنی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر خاکسار نے ایک مرتبہ پھر انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا تو اگلے ہی دن ایک تحریر میرے حوالے کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ جو مناسب ہو اس میں سے اپنی کتاب کے لئے لے لیں - یہ مضمون اتنا پیارا ہے کہ اس کے کسی بھی لفظ کو چھوڑ دینا میرے بس میں نہیں لہذا اس کا کچھ حصہ یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور بقیہ اس کتاب کے آخر میں دوسرے مکتوب نگار مؤلفین کے مکمل مضامین کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اسے شامل کروں گا - انشاءاللہ - مکرم ملک طیب احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' یہ اغلباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے کہ خاکسار کو مکرم و محترم عزیز محمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع بہاولپور نے مشن ہاؤس بہاولپور کی بنیادی اینٹ پر دعا کروانے کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ربوہ بھجوایا - یہ گرمیوں کے ایام تھے اور خاکسار تمام رات سفر کر کے صبح ربوہ پہنچا اور اینٹ کو لے کر آپؓ کی کوٹھی پر پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع اندرون خانہ بھجوائی - تھوڑی دیر کے بعد آپؓ نے کمرہ ملاقات میں بلا لیا تو خاکسار نے اپنے آنے کا مدّعا بیان کیا - آپؓ نے برجستہ فرمایا کہ مَیں اپنے آپ کو اِس قابل نہیں سمجھتا - اُس وقت حضرت مؤلانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ ابھی بقید حیات تھے - آپؓ نے فرمایا کہ وہ اِس قابل ہیں کہ مسجد اور مشن ہاؤس کی بنیادی اینٹ پر دعا کریں - پھر کچھ توقف کے بعد شاید اِس خیال سے کہ کہیں میری دل شکنی نہ ہو فرمایا حضرت مؤلانا صاحبؓ سے دعا کروانے کے بعد پھر یہ اینٹ میرے پاس لے آئیں چنانچہ میں وہ اینٹ لے کر حضرت مؤلانا راجیکی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوُا اور مندرجہ بالا واقعہ من وعن بیان کر دیا تو حضرت مؤلانا راجیکی صاحبؓ آبدیدہ ہو گئے اور تعمیل ارشاد کی غرض سے وہ اینٹ مجھ سے لے کر اپنی گود میں رکھ کر ایک لمبی پُرسوز دعا کی اور خاکسار کو بھی آپؓ کی معیت میں دعا

کرنے کا شرف حاصل ہوا- الحمدللہ- وہاں سے فارغ ہو کر وہ اینٹ لے کر پھر دوبارہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے بھی وہ اینٹ اپنی گود میں رکھی اور بڑی پُر درد دعا کی اور خاکسار کو بھی اپنے ساتھ دعا میں شامل فرمایا- ثم الحمدللہ- اِس دوران آپؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اینٹ کے اندر جذب ہوتے جا رہے تھے''- (مکتوبات نسیم ۔۲۷ر جون ۱۹۹۹ء)

کسرنفسی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ قمرالانبیاء جیسا عظیم الشان مقام پانے کے باوجود بھی آپؓ نے اپنی ذات پر اپنے دوست اور ایک مخلص صحابیؓ کو ترجیح دی اور ان کے بعد اپنے آپ کو اس قابل جانا کہ دعا کریں- انہیں پاک خصائل کی بدولت جماعت آپ پر قربان ہو ہو جاتی تھی- اسی طرح کا ایک اور واقعہ مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب نے بیان فرمایا کہ:'' ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز شائید ڈلہوزی تشریف لے جا رہے تھے اور احباب جماعت قادیان میں مسجد مبارک کے نیچے سڑک پر ملاقات اور مصافحہ کے انتظار میں لائنوں میں کھڑے تھے- اتنے میں حضور کے تشریف لانے سے پہلے حضرت میاں صاحبؓ مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے اُتر کر تشریف لائے اور کار کے پاس کھڑے ہو گئے مگر دومنٹ کے بعد آپؓ نے فرمایا کہ جب میں سب سے آخر میں آیا ہوں تو سب سے آگے کھڑے ہو کر مجھے مصافحہ کرنے کا کیا حق ہے؟''- یہ فرما کر آپؓ ہجوم کو آہستہ سے ہٹاتے ہوئے سب سے آخری قطار میں میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور میں آپؓ کے اس انکسار کو دیکھ کر حیران رہ گیا'' -(الفرقان قمرالانبیاء نمبر صفحہ ۳۲)

حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسرنفسی کے بارہ میں مکرم محمد شریف صاحب پہرہ دار تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضورؓ، صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت قدر فرمایا کرتے تھے اور کسرنفسی کا یہ عالم تھا کہ آپؓ حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بقاپوری صاحبؓ اور حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ کے گھروں میں بہ نفس نفیس دعا کی درخواست اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے پیدل ہی تشریف لے جایا کرتے تھے- احباب جماعت سے آپؓ کو اتنی بے پناہ محبت تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری کے دوران جب کثرت سے احباب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ملاقات کے لئے آنے لگے تو آپؓ نے ہمیں تاکیداً یہ حکم دیا کہ چاہے میری طبیعت خراب ہی کیوں نہ ہو مجھ سے ملاقات کرنے والے ملاقاتیوں کی مجھے ضرور اطلاع دی جائے''- اگر اجتماعی ملاقات کے دوران کرسیاں کم ہو جاتیں تو حضورؓ خود بھی زمین پر ہی تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے- اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی ہدایت ہوتی تھی کہ ''جو پہلے آئے اُس کی پہلے اطلاع دیا کرو''- یعنی آپؓ امیر یا غریب اور صاحب اثر کے درمیان کسی فرق کو روا نہ فرماتے اور سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک فرماتے- یہ تمام اعمال صالحہ بھی آپؓ کی کسرنفسی اور حسن اخلاق کا ایک عظیم الشان نمونہ ہیں-(مکتوبات نسیم ۔۲۷ر اگست ۱۹۹۹ء)

حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن اخلاق کے بارہ میں مکرم ملک محمد عبداللہ مولوی فاضل صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''یہ ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے- حضرت میاں صاحبؓ اپنی بلند پایہ تصنیف ''سلسلہ احمدیہ'' تالیف فرما رہے تھے- خیال تھا کہ یہ کتاب جلسہ سالانہ پر شائع ہو جائے کیونکہ یہ جلسہ خلافت جوبلی کا تھا- دسمبر کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور کتابت وطباعت کا کافی کام ابھی باقی تھا- اس کتاب کی کاپیوں اور پروفوں کا پڑھنا، حوالہ جات نکالنا اور طباعت کا کام میرے سپرد تھا- جس کا ذکر حضرت میاں صاحبؓ نے اس کتاب کے ''پیش لفظ'' میں فرمایا ہے- وقت کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کے کاتب سید محمد باقر صاحب کے متعلق حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا کہ کتابت مکمل ہونے تک یہ آپ کے دفتر میں ہی رہا

کریں تا کہ آپ کی نگرانی میں کام وقت پر ہو سکے۔ حضرت میاں صاحبؓ کا مکان دفتر کے قریب ہی تھا۔ رات کے بارہ ایک بجے تک کام ہوتا اور پھر حضورؓ اپنے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک دن کام بہت زیادہ تھا۔ رات کے دو بجے تک کام کرتے رہے۔ بارش اور ہوا کی وجہ سے سردی بہت تھی۔ حضرت میاں صاحبؓ اس وقت ایک خوشنما دُلائی اوڑھے ہوئے تھے۔ آپؓ جب مکان پر جانے کے لئے دفتر سے باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ حضور رات کے دو بجے ہیں۔ میرا ارادہ بھی دفتر میں سو جانے کا ہے اس لئے آج یہ دُلائی مجھے عنایت فرما دیں۔ حضرت میاں صاحبؓ نے اسی وقت وہ دُلائی اُتار کر مجھے دے دی۔ میں بہت شرمندہ ہُوا کہ ایسی سردی میں آپؓ نے دُلائی اُتار دی ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ حضور! میں آپؓ کے مکان تک چلتا ہوں وہاں سے یہ لے آؤں گا۔ چنانچہ آپؓ نے پھر دُلائی اوڑھ لی۔ مکان پر جا کر وہ دُلائی مجھے دے دی اور خود اندر تشریف لے گئے۔ میں دفتر میں واپس آ گیا۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ نیچے سے آپؓ کی آواز آئی (قادیان میں حضرت میاں صاحبؓ کا دفتر بالائی منزل پر تھا)۔ میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ نور اللہ مرقدہٗ اس ناچیز خاکسار کے لئے رضائی لئے کھڑے ہیں۔ میں جلدی سے نیچے اُترا۔ دروازہ کھولا اور آپؓ سے رضائی لے لی اور اس وقت جذبات کی ایسی شدت تھی اور طبیعت ایسی گداز تھی کہ صرف اتنا ہی عرض کر سکا کہ حضور! رات کے دو بجے ہیں۔ آپؓ نے یہ تکلیف کی؟ ۔فرمایا:۔ ”میں جب بستر میں لیٹ گیا تو مجھے خیال آیا کہ آج سردی بہت ہے۔ دُلائی میں آپ کا گذارا کیسے ہوگا؟ ملازم سب سوئے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا یہ ثواب خود ہی حاصل کرلوں“۔ یہ فرما کر آپؓ واپس تشریف لے گئے ۔ میں رضائی اُٹھائے ہوئے چند لمحے حیران و ششدر کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر دفتر پہنچ گیا۔ اس رات پھر میں سو نہیں سکا۔ حضرت میاں صاحبؓ کے اخلاق عالیہ کے متعلق ہی سوچتا رہا “۔(حیات بشیر صفحہ ۱۸۲-۱۸۳)

مکرم شیخ نصیر الدین صاحب (ایم ۔ایس۔سی) مبلغ سیرالیون و نائیجیریا بیان کرتے ہیں کہ:۔

”ایک مرتبہ لاہور میں جودھامل بلڈنگ کے ایک کمرے میں جہاں آپؓ کے اسسٹنٹ مکرم خلیل احمد صاحب رہتے تھے، خاکسار ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ اچانک حضرت میاں صاحبؓ وہاں تشریف لے آئے۔ (غالباً وہ چھٹی کا دن تھا یا دفتر کے بعد کا وقت تھا) اور وہیں ٹہلتے ہوئے مکرم خلیل احمد صاحب (حال مقیم کینیڈا۔ ناقل) کو ایک مضمون لکھوا کر تشریف لے گئے۔ گویا دفتر کے اوقات کے علاوہ وقت میں جب آپؓ کو مضمون لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو نہ آپؓ نے مکرمی خلیل صاحب کو اپنے گھر بُلایا اور نہ ہی اُن کو یہ پیغام بھیجا کہ دفتر کھولیں اور آپؓ کا وہاں انتظار کریں بلکہ خود تیار ہو کر گھر سے تشریف لائے اور خود اُن کے کمرہ میں آ کر ہی مضمون لکھوا دیا تا کہ اُن کو ساتھ ہی واقع کمرہ کھولنے کی بھی کوفت نہ اُٹھانی پڑے“۔ (الفضل ۱۶ر نومبر ۱۹۶۳ء)

مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

” آپؓ پچھلے سال عید کے موقعہ پر کچھ بیمار تھے کمزور بھی تھے۔ عید کے بعد لوگوں نے مصافحہ شروع کر دیا اور آپؓ کو مسجد میں کچھ عرصہ رکنا پڑا۔ بڑی کوفت ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ اس بیماری کی حالت میں خوامخواہ کوفت کیوں اٹھائی؟۔ فرمانے لگے:۔ مجھے ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ یہ لوگ جو ہماری عزت کرتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ ہم مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ حضرت اقدسؑ کی نمائندگی کی ذمہ داری ہے اور میں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ اس لئے تکلیف اُٹھا کر بھی ایسا کرتا ہوں“۔ (الفضل ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۳ء)

اسی سلسلہ میں خاکسار کی بہن زبیدہ نسیم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی شخص گرمیوں کی تپتی دھوپ میں اور جھلستی لُو میں حضرت میاں صاحبؓ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ ملاقات کے بعد حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

''تمھیں پتہ ہے کہ یہ لوگ کیوں ہمیں ملنے کے لئے آتے ہیں؟ دراصل یہ ہمیں نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملنے کے لئے آتے ہیں اور ہمارے چہروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چہرہ ڈھونڈتے ہیں۔ ہمیں مل کر خوش ہوتے ہیں گویا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پالیا لہٰذا ان کے پُرخلوص جذبات کی خاطر ان سے محبت سے پیش آنا چاہیئے۔ اُکتانا نہیں چاہیئے''۔ (مکتوبات نسیم ۔ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

مجھے بھی یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب آپؓ آرام فرما رہے تھے اور طبیعت بھی کچھ خراب تھی کہ ایک ملاقاتی تشریف لے آئے لیکن اپنی ناسازیٔ طبع کے باوجود آپؓ نے باہر سے پیغام ملتے ہی انہیں اندر بلوا لیا اور بڑی توجہ سے ان کی باتوں کو سنا اور نہایت ہمدردی سے حسب استطاعت انہیں مشورہ بھی دیا اور ان صاحب کے جانے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ''سُودے خاں! کیا تم جانتے ہو کہ یہ لوگ سردی ہو یا گرمی کیوں اتنی تکالیف اٹھا کر ہماری ملاقات کو آتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں میاں صاحب! اس پر آپؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ ہماری ملاقات کو اس لئے آتے ہیں کہ یہ ہمارے چہروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نقوش کو ڈھونڈتے ہیں۔ اس لئے میں تکلیف اٹھا کر بھی ان سے ملاقات کرتا ہوں تا کہ ہمارے کسی عمل سے ان کے ایمان کو ٹھیس نہ پہنچے''۔ اب اگر جماعت کے احباب حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بیان کردہ اس لطیف نقطہ پر غور فرمائیں تو انہیں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر فرد کے چہرہ مہرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک کا کوئی نہ کوئی نقش ضرور نظر آئے گا اور یہ چیز بھی ہمارے لئے بہت ہی بابرکت ہے کہ اس طرح بھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورانی چہرہ سے پھوٹنے والے نور کی کوئی نہ کوئی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ اسی لئے میں نے اپنی اس کتاب کا نام ''انوارِ بشیر'' پسند کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ احباب جماعت اس نقطہ نظر کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی خاندان مبارکہ کے معزز و محترم افراد سے ملاقات کرنے کی کوشش کیا کریں گے۔ بہرحال آپؓ سے ملاقات کے سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''دسمبر ۱۹۵۹ء کے پہلے ہفتہ کی بات ہے۔ خاکسار رات آٹھ بجے بذریعہ بس ربوہ پہنچا۔ ساتھ ہی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی پہلی رہائش گاہ تھی۔ دل چاہا کہ ابھی ملاقات کروں۔ دروازہ کو دستک دی۔ خادم کوئی ڈیوٹی پر تھا نہیں۔ اندر سے حضرت میاں صاحبؓ کی آواز آئی۔ کون؟ خاکسار نے عرض کیا، حضور! میں عبدالقادر ہوں اور لاہور سے آیا ہوں۔ ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا:۔ ''میں اس وقت سخت مصروف ہوں اگر ضرور ہی ملنا ہے تو ایک منٹ کے لئے آجاؤ''۔ خاکسار نے آپؓ کی خاص شفقت کے زعم میں کہا کہ اگر ایک منٹ ہی دینا ہے تو پھر میں کل حاضر ہو جاؤں گا۔ فرمایا:۔ ''اگر تم نے کل آنا ہے تو پھر ابھی آجاؤ''۔ خیر میں اندر چلا گیا۔ آپؓ غالباً جلسہ سالانہ کے لئے مضمون کی تیاری میں مصروف تھے۔ چند منٹ باتیں کیں۔ پھر میں خود ہی اجازت حاصل کر کے واپس آ گیا۔ خاکسار یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دو چار دن کے اندر ہی خاکسار کے لاہور کے ایڈریس پر آپؓ کی چٹھی موصول ہوئی۔ جو اَب بھی میرے پاس محفوظ ہے اور حضرت میاں صاحبؓ نور اللہ مرقدہٗ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے کہ ''افسوس ہے کہ اس دفعہ کام کی کثرت کی وجہ سے آپ کے ساتھ مفصل بات نہ ہو سکی''۔ خاکسار دستخط (مرزا بشیر احمد) ربوہ ۹؍ دسمبر ۱۹۵۹ء''۔ مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو دل میں ندامت پیدا ہوتی ہے کہ میں نے ایسے وقت میں جب کہ آپؓ پوری توجہ کیساتھ ایک نہایت ضروری مضمون لکھ رہے تھے۔ کیوں آپؓ کو تکلیف دی؟ مگر آپؓ کی وسعت قلبی اور اخلاق کی بلندی دیکھئے کہ یہ محسوس کر کے کہ شائید معمول سے کم وقت ملنے پر اپنے ایک خادم کے دل میں کچھ احساس پیدا ہو۔ فوراً چٹھی لکھ کر اس کا ازالہ کرنے کی کوشش فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّم''۔ (حیات بشیرؓ)

خاکسار کو اس کتاب کے لئے مواد کو اکٹھا کرنے کے لئے بہت جدوجہد کرنا پڑی کہ جس کی وجہ سے اس کتاب کی تیاری میں کئی لمبے برس بیت گئے لیکن میں نے بھی ہمت نہیں ہاری اور اپنے واقف کاروں، دوستوں اور عزیزوں کو خطوط لکھتا رہا کہ اس سلسلہ میں خاکسار کی مدد فرمائیں۔ اسی سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ ۲۰۰۱ء میں مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب نے از راہ شفقت کینیڈا کے جلسہ سالانہ ۲۰۰۱ء کے موقعہ پر حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ایک دیرینہ اسسٹنٹ مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب کو خاکسار کے بارہ بتایا کہ حضرت ابا جانؓ کے بارہ میں عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب ایک کتاب تحریر کر رہے ہیں اور چونکہ آپ بھی حضرت ابا جانؓ کے ساتھ کام کر چکے ہیں لہذا آپ بھی اپنی یادداشتیں ان کو لکھوا دیں۔ اس کے کچھ ماہ بعد ایک دن مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب کا کینیڈا سے فون آیا اور آپ نے اپنی کچھ یادداشتیں فون پر بیان کیں اور یہ بھی وعدہ کیا کہ ان کے پاس حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک بہت ہی نایاب تصویر ہے جو کہ وہ مجھے جلد ہی بھجوا دیں گے۔ انسان کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ اپنے محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہر وقت بے چین اور بیتاب رہتا ہے۔ اپنے معشوق سے ملاقات کے لئے ہر کاوش کو بروئے کار لاتا ہے۔ یہی حال میرا بھی ہوا کہ جب مجھے یہ علم ہوا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک نایاب تصویر مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب کے پاس ہے تو وفور محبت سے بہت مدت تک میں اس نایاب تصویر کے حصول کے لئے مکرمی چوہدری خلیل احمد صاحب سے رابطہ کرتا رہا لیکن انہیں شائید کسی وجہ سے فرصت نہ ملی بہرحال ایک دن باتوں ہی باتوں میں مکرم لطف الرحمٰن شاکر (لطفی بھائی۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ) صاحب نے بھی اسی تصویر کا ذکر کیا تو میں نے ان سے درخواست کی کہ برائے مہربانی وہ تصویر مجھے عاریتاً دے دیں لیکن انہیں بھی جب یہ تصویر تلاش بیسار کے باوجود نہ ملی تو انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ وہی تصویر یہاں ان کے کسی دوست کے پاس بھی موجود ہے اور وہ ان سے لینے کی کوشش کریں گے۔

اسی دوران مکرمی چوہدری خلیل احمد صاحب سے بھی اس تصویر نیز ان کے مضمون کے لئے رابطہ قائم رہا لیکن وہ آج کل کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تشویش پیدا ہوگئی کہ اب تو یہ کتاب مکمل ہو کر چھپنے والی ہے اگر مجھے یہ انمول تصویر نہ ملی تو پھر؟ لہذا میں نے ایک بار پھر اپنے ڈسپینسر استاد مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں جلدی کریں کیونکہ اب وقت بہت کم ہے۔ یہ سن کر انہوں نے واقعی اپنے ایک دوست مکرم نسیم احمد طاہر صاحب کو مجھے وہ مطلوبہ نایاب تصویر دینے پر رضامند کر لیا کہ جس کے چند روز کے بعد ہی مجھے مکرمی نسیم احمد طاہر صاحب کا فون ملا۔ آپس میں تعارف ہوا تو علم ہوا کہ ان کی بیوی محترمہ آپا امتہ السلام بیگم صاحبہ یعنی میرے دو بہنوئیوں کی سب سے بڑی بہن آپا محمودہ بیگم صاحبہ (میرے بہنوئی کی پہلی والدہ صاحبہ کی بیٹی) کی خالہ زاد بہن ہیں۔ اِدھر یہ سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ اب تو گھر کی بات ہے تو اُدھر مکرمی نسیم احمد طاہر صاحب نے بھی رشتہ داری کا حق ادا کر دیا اور اس گفتگو کے چند دن کے بعد ہی وہ نایاب تصویر مجھے مؤصول ہوگئی۔ وہ نایاب اور انمول تصویر اب یہاں آپ ناظرین کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ اس کے حصول کی جدوجہد میں مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب (لطفی بھائی) اور مکرم نسیم احمد طاہر صاحب کی سعی کے لئے آپ ان دونوں بزرگوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ مکرم نسیم احمد طاہر صاحب نے اس تصویر کے ساتھ ہی از راہ مہربانی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حسن اخلاق کا ایک واقعہ بھی تحریراً خاکسار کو بھجوایا ہے جو میں اختصار کے ساتھ یہاں پیش کرتا ہوں۔ مکرم نسیم احمد طاہر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''میرے آباؤاجداد پوٹھوہار کے علاقہ ''دان گلی'' کے رہنے والے تھے۔ میرے دادا ڈاکٹر حضرت عبدالحکیم صاحبؓ کو ۱۹۰۲ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۲۱ء میں ہجرت کر کے قادیان کے محلّہ دارالرحمت میں رہائش اختیار کر لی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے بعد آپؓ جہلم چلے آئے اور پھر ۱۹۵۸ء میں وفات پا کر بہشتی مقبرہ ربوہ کے ''قطعہ خاص صحابہ'' میں

مدفون ہیں- اسی طرح میرے ننہال میں احمدیت میرے نانا جان ماسٹر حضرت نعمت اللہ گوہر صاحبؓ کے ذریعہ سے آئی- آپؓ ۱۹۰۵ء میں خود قادیان تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا- سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور حضرت اقدسؑ کی صداقت آپؓ کے دل میں گھر کر گئی لہذا آپؓ نے وہیں اپنی اہلیہ سمیت بیعت کر لی- گھر واپس جا کر آپؓ نے اپنے دونوں بھائیوں حضرت چوہدری علی محمد صاحبؓ بی-اے، بی-ٹی اور حضرت مولوی عطاء محمد صاحبؓ کو بھی احمدیت کی تبلیغ کی کہ جس پر ان دونوں نے بھی دعوت حق کو قبول کرتے ہوئے فوری طور پر بیعت کر لی- بعد ازاں تینوں بھائی ہجرت کر کے قادیان چلے گئے- آپؓ کے دونوں بھائیوں نے قادیان میں ہی تعلیم حاصل کی اور وہیں ملازم ہو گئے- بعد از ہجرت ربوہ میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں-

۱۹۶۰ء میں میرا رشتہ حضرت مولوی عطاء محمد صاحبؓ کی صاحبزادی محترمہ امتہ السلام صاحبہ سے طے پایا- چونکہ حضرت مولوی عطاء محمد صاحبؓ کے حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ سے دیرینہ مراسم تھے لہذا حضرت مولوی عطاء محمد صاحبؓ نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ میری بیٹی کے نکاح کے موقعہ پر دعا میں شامل ہوں- حضرت میاں صاحبؓ نے از راہ شفقت یہ درخواست قبول فرمائی اور دعا کے لئے تشریف لائے- اس طرح حضرت میاں صاحبؓ سے ملاقات کا رستہ ہموار ہو گیا- ہمیں جب بھی ربوہ جانے کا موقعہ ملتا ہم ملاقات کے لئے حاضر ہوتے- آپؓ ہمیشہ خندہ پیشانی اور کمال شفقت سے پیش آتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے- میری اہلیہ اور ان کی ہمشیرگان کا حضرت میاں صاحبؓ کے ہاں آنا جانا تھا- وہ جب بھی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں آپؓ ہمیشہ محبت کا سلوک فرماتے اور بہت دعاؤں سے نوازتے- آپؓ انتہائی نیک اور اعلیٰ اخلاق اقدار سے مزین نیز بے مثال شخصیت کے مالک تھے- میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور ہم سب کو آپؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء کرے- آمین''- والسلام- خاکسار - دستخط (نسیم احمد طاہر)''- (مکتوبات نسیم ۔ ۲؍مئی ۲۰۰۲ء)

ان تمام واقعات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جہاں احباب جماعت حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو بے حد عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو وہاں حضرت میاں صاحبؓ بھی احباب جماعت پر بہت مہربان تھے- جماعت کے احباب سے شفقت و محبت کے موضوع پر مکرم شیخ محمد شریف صاحب مالک پرنس ٹرانسپورٹ کمپنی بیان فرماتے ہیں کہ :-

'' ایک مرتبہ ربوہ جانے کا اتفاق ہوا- حضرت میاں صاحبؓ بیمار تھے- آپؓ نے اطلاع ملنے پر از راہ نوازش خاکسار کو اندر بلا لیا- درد نقرس کی شدید تکلیف کی وجہ سے پاؤں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں- چارپائی پر لیٹے ہوئے ہی اشارہ سے فرمایا کہ کرسی لے کر میرے نزدیک بیٹھ جاؤ- میں نے حکم کی تعمیل کی- ابھی میں نے بیمار پرسی کے لئے ایک فقرہ بھی زبان سے نہیں نکالا تھا کہ آپؓ نے ہمارے خاندان کے ایک ایک فرد کی خیریت پوچھنی شروع کر دی- میں نے عرض کیا کہ میں نے آج تک آپ کا کوئی فوٹو نہیں دیکھا اور میری یہ ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ آپ سے آپ کا فوٹو حاصل کروں- فرمایا: ''میں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی''- اس کے معاً بعد آپؓ نے اپنے خادم کو آواز دی مگر کوئی خادم وہاں موجود نہ تھا- پھر مجھے اشارہ فرمایا کہ مجھے سہارا دے کر چارپائی پر بٹھا دو- میں نے تعمیل ارشاد کی- اس کے بعد آپؓ نے آہستہ آہستہ اپنے پاؤں چارپائی سے نیچے لٹکائے اور میرے بازو کا سہارا لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح اُٹھنے میں درد نقرس کی تکلیف بہت بڑھ گئی- میں سمجھا کہ شاید غسلخانہ میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں مگر آپؓ نے میرے کندھے کا سہارا لیتے ہوئے مجھے اس کمرہ میں پڑی ہوئی الماری کی طرف چلنے کو کہا- الماری کھول کر آپؓ نے کچھ کاغذات اِدھر اُدھر پلٹنے شروع کر دئے- چند منٹوں کے بعد ہی معاً اپنی تکلیف کو بھول کر مسکرائے اور فرمایا کہ '' لو! مل گئی'' - میں نے دیکھا کہ آپؓ

کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سائز کا فوٹو ہے- وہ فوٹو آپ نے مجھے دیا اور فرمایا کہ مجھے یاد آ گیا تھا - ایک دفعہ یہ فوٹو میں نے عرصہ ہؤا المار ی میں پڑا دیکھا تھا- پھر فرمایا ’’ میں تو پسند نہیں کرتا مگر بچے کبھی کبھی میرا فوٹو لے لیتے ہیں‘‘ -اس کے بعد میں نے پھر آپؓ کو چارپائی پر لٹادیا‘‘-

اس واقعہ سے احباب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپؓ نے اپنے ایک خادم کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کس قدر تکلیف اُٹھائی - اگر کوئی اور ہوتا تو اغلباً یہی کہتا کہ شیخ صاحب ! مجھے یاد پڑتا ہے کہ الماری میں کوئی فوٹو ہے تو سہی مگر اس وقت چونکہ کوئی خادم یہاں موجود نہیں اور مجھ سے اُٹھا نہیں جا تا اس لئے پھر کسی موقعہ پر آپ کی خواہش پوری کر دی جائے گی -مکرم شیخ صاحب نے آپؓ کی اسی شفقت کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی بیان فرمایا کہ :
’’ حضرت ام ناصر احمد صاحبہ کی وفات کی خبر سن کر خاکسار ربوہ پہنچا - جونہی حضرت میاں صاحبؓ کی کوٹھی پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لاہور کے چالیس پچاس احباب کوٹھی کے باہر مغموم حالت میں کھڑے ہیں اور حضرت میاں صاحبؓ سے ملاقات کے خواہاں ہیں - میں نے آپؓ کے خادم سے کہا کہ اندر اطلاع دے سکو تو بڑی مہربانی ہوگی - خادم صاحب کا جواب یہ تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ پہلے ہی بیمار تھے - پھر حضرت ام ناصر کی وفات کے صدمہ کا بھی آپ پر کافی اثر ہے اور کچھ مستورات بھی اندر ملاقات کے لئے گئی ہوئی ہیں اس لئے اگر آپ لوگ ملاقات نہ کریں تو آپ کی مہربانی ہوگی -ابھی دربان نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ اندر سے محترم میاں مظفر احمد صاحب (ایم ـ ایم ـ احمد صاحب ـ ناقل) تشریف لے آئے اور فرمایا - شیخ صاحب ! کیا آپ ابا جان سے ملنا چاہتے ہیں ؟ میں نے کہا - جی ہاں ! میرا یہ جواب سن کر آپ اندر تشریف لے گئے اور دربان سے کہا کہ انہیں اندر جانے دیں - میں نے ابھی اندر قدم رکھا ہی تھا کہ مکرم سید بہاول شاہ صاحب نے آواز دے کر کہا - شیخ صاحب ! کیا آپ اکیلے ہی اندر جائیں گے اور ہم ؟ میں نے کہا - آپ بھی آجائیں -شاہ صاحب نے میرے اس جواب سے سمجھا کہ شاید میں نے سب دوستوں کو اندر آنے کو کہا ہے -نتیجہ یہ ہؤا کہ چالیس پچاس آدمی میرے پیچھے ہو لئے اور سب نے یکے بعد دیگرے جا کر مصافحہ شروع کیا - یہ حال دیکھ کر آپؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ جب ہمیں معلوم ہوگا کہ شریف صاحب ملنے آئے ہیں تو ہم یہ سمجھ کر کہ شریف سے مراد چالیس پچاس افراد ہیں کسی بڑے کمرہ کا انتظام کیا کریں گے - پھر آپؓ نے اکثر دوستوں سے ان کے حالات بھی دریافت فرمائے‘‘ - (حیات بشیر صفحہ ۲۲۶ - ۲۲۸)

حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب نے چونکہ خود اپنی زندگی کو خدا کی راہ وقف کر رکھا تھا لہٰذا آپؓ جانتے تھے کہ اس راہ میں کتنی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں اور تمام عمر کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے - پس ! اسی لئے آپؓ واقفین زندگی کی بہت عزت افزائی کرتے تھے -اس سلسلہ میں حضرت مؤلانا اللہ دتا ابوالعطاءؒ صاحب جالندھریؒ بیان فرماتے ہیں کہ :-
’’حضرت میاں صاحبؓ میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؓ دین کے خادموں اور واقفینِ زندگی کے ساتھ ایک خاص احترام سے پیش آتے تھے اور ان کی دلجوئی فرماتے تھے - ان احباب کی مشکلات میں ان کی ایسے طور سے رہنمائی فرماتے تھے کہ گویا وہ خود ان کی اپنی مشکل ہے - جذبات کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے اور جہاں انتظامی اور معاملاتی قسم کے امور صدہا انسانوں سے متعلق ہوں وہاں پر دوسروں کے جذبات کو ملحوظ رکھنا اور ان کی دلداری کرنا ایک عام انسان کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے - اور جہاں قبولیت اور اقتدار بھی حاصل ہو وہاں پر تو اس کی مثالیں خال خال ہی ملتی ہیں -میرے علم کے مطابق حضرت میاں صاحبؓ اس پہلو سے بھی خاص مقام رکھتے تھے -سلسلہ کے قریباً ہر چھوٹے بڑے کارکن کو کسی نہ کسی مرحلہ پر حضرت میاں صاحبؓ کے اس اعلیٰ خلق کا تجربہ ہؤا ہوگا‘‘ - (روزنامہ ’’الفضل‘‘ خاص نمبر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ صفحہ ۲۳)

مکرم بشارت احمد صاحب امروہی بیان کرتے ہیں کہ :-

’’ تقسیم ملک کے بعد ابھی آپؓ کا دفتر جودھامل بلڈنگ میں ہی تھا کہ محترم مولوی عبدالحق صاحب ننگلی مغربی افریقہ میں فریضہ تبلیغ سرانجام دے کر واپس تشریف لائے - انہوں نے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ سے ملاقات کی خواہش کی - میں انہیں اپنے ساتھ لے گیا - اس وقت آپؓ ایک نہایت ہی ضروری تصنیف میں مصروف تھے - مجھے دیکھ کر کچھ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن جونہی میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب مغربی افریقہ میں تبلیغی خدمات سرانجام دے کر واپس تشریف لائے ہیں تو آپؓ کے چہرہ پر بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی - اسی وقت قلم ہاتھ سے چھوڑ دیا - اُٹھے اور مولوی صاحب سے بغل گیر ہو گئے اور کافی دیر تک ان سے مغربی افریقہ کے تبلیغی، تربیتی اور دیگر امور پر گفتگو فرمائی ‘‘ - (حیات بشیر صفحہ ۲۰۱)

مکرم مولوی محمد منور صاحب فاضل مبلغ انچارج ٹانگانیکا بیان کرتے ہیں کہ: -

’’ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مرحوم و مغفور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان علمی اور قلمی خدمات کی وجہ سے مجھے طالب علمی کے زمانہ سے ہی اُن سے بڑی محبت تھی - ۱۹۴۸ء میں مجھے مشرقی افریقہ بھجوا دیا گیا - نومبر ۱۹۵۲ء میں جب خاکسار رخصت پر پاکستان گیا تو اتفاق سے مسجد مبارک ربوہ کے قریب ہی حضرت میاں صاحبؓ سے ملاقات ہوگئی اور مصافحہ کا شرف حاصل ہؤا - نیز عرض کیا کہ میں مشرقی افریقہ میں چار سال فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد واپس آیا ہوں - یہ سُنتے ہی حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے گلے لگا لیا اور خیریت دریافت فرمائی - اُس معانقہ کا جو لطف مجھے اس وقت آیا وہ بیان سے باہر ہے - حضرت میاں صاحبؓ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے اور نہ ہی میرے آباء کی کوئی نمایاں دینی خدمات تھیں کہ جن کی وجہ سے وہ مجھے پہچان سکتے لیکن صرف یہ سُنتے ہی کہ میں نے چند سال افریقہ میں اشاعتِ دین کا کام کیا ہے - آپؓ نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس رنگ میں للہی محبت کا اظہار کیا کہ اب یہ محبت میرے لئے سرمایہ حیات بن چکی ہے ‘‘ - (حیات بشیر صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۴)

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خدام سے حضرت میاں صاحبؓ کو ایک خاص الخاص الفت اور محبت تھی اور آپؓ ہمیشہ اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے - اسی بے انتہا شفقت کے بارہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مکرم مولوی محمد منور صاحب فاضل انچارج مبلغ ٹانگانیکا مزید تحریر کرتے ہیں کہ: -

’’ اگست ۱۹۶۰ء میں جب خاکسار آٹھ سال کے بعد پھر ربوہ واپس گیا تو حضرت اقدس سیدنا امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دست بوسی کے بعد حضرت میاں صاحبؓ کے ہاں بھی زیارت کے لئے حاضر ہؤا - ان کے خادم عزیز محمد شریف صاحب آف ویروول نے اندر اطلاع دی اور پیغام لائے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت ناساز ہے اس لئے آج نہیں مل سکیں گے - میں واپس لوٹ گیا لیکن ابھی دو چار ہی قدم اٹھائے ہوں گے کہ دوسرا خادم بھاگا بھاگا آیا اور کہا کہ حضرت میاں صاحبؓ یاد فرماتے ہیں - میری خوشی کی انتہا نہ رہی - اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں، رنگ زرد، چہرہ سے تکان اور بے چینی عیاں - اپنے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا - پھر فرمایا: ’’رات ام مظفر کو چوٹ آجانے کی وجہ سے بیخوابی رہی ہے - ان کی بے چینی کی وجہ سے میں بھی نہ سو سکا - اب ضعف بھی ہے اور گھبراہٹ بھی ‘‘ - یہ الفاظ سُن کر مجھے شرمندگی ہوئی کہ حضرت میاں صاحبؓ کے لئے تکلیف کا باعث بنا لیکن اس حادثہ کا خاکسار کو مطلقاً علم نہ تھا - بعد میں ’’الفضل‘‘ سے معلوم ہؤا کہ غسل خانہ میں پاؤں پھسل جانے کی وجہ سے ہڈی ٹوٹ گئی ہے - لیکن اللہ اللہ! میری دل شکنی کا آپؓ کو اس قدر احساس تھا کہ اپنی تکلیف بھول گئے - حالانکہ اگر اس وقت ملاقات نہ ہوتی تو مجھے آپؓ کے درِ دولت پر دس مرتبہ جانے میں بھی کوئی دقت و زحمت نہیں تھی ‘‘ - (’’ الفرقان ربوہ‘‘ قمر الانبیاءؓ نمبر صفحہ ۵۳)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں معزز بزرگ بے حد

مہمان نواز تھے۔اس سلسلہ میں بیشمار واقعات زیرتحریر لائے جاسکتے ہیں لیکن خاکسار اختصار کی خاطر صرف چند ایک واقعات بیان کرنے پر ہی اکتفاً کرتا ہے۔مکرم خان صاحب سعداللہ خان صاحب ایڈووکیٹ آف مردان بیان کرتے ہیں کہ :-

'' ۱۹۱۷-1918ء کا واقعہ ہے کہ میں زمانہ طالب علمی میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ہاں بارہ پندرہ یوم بطور مہمان رہا۔اپریل کا مہینہ تھا۔کھانا کھانے کے بعد عشاءٗ کی نماز سے فارغ ہوکران کی بیٹھک کے صحن میں سوجایا کرتا تھا۔رات کوسوتے وقت مجھے قطعاً خیال نہیں رہتا تھا کہ آیا میرے پاس پینے کے لئے یا وضوکرنے کے لئے پانی ہے یانہیں؟ ۔لیکن جب صبح اُٹھتا تو میرے نزدیک میز پر پانی کا جگ،وضو کے لئے پانی کالوٹا اورتولیہ موجود ہوتا تھا۔بچپن کی بے پروائی کے باعث حسب معمول اُٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھ کر چائے کے انتظار میں بیٹھا رہتا تھا اور کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ پانی کا لوٹا اور تولیہ کہاں سے آجاتا ہے۔ایک دن صبح کی اذان کے وقت نیم خوابیدہ حالت میں چارپائی پر پڑا تھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ موصوف میری چارپائی کے قریب پانی کا لوٹا اور کرسی پر تولیہ رکھ کر خود مسجد تشریف لے گئے۔اسی طرح روزانہ میرے قیام کے دوران وہ کرتے رہے''۔

ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ:-

'' دوپہر کا کھانا ہم اکٹھے کھایا کرتے تھے۔ایک دن مہمان خانہ میں پٹھانوں نے مجھے کھانے کے لئے ٹھہرایا۔چنانچہ میں ٹھہر گیا اور کھانا اُن کے ساتھ کھالیا۔دل میں خیال نہ آیا کہ حضرت میاں صاحبؓ میرا انتظار کرتے ہوں گے اوراطمینان سے پٹھانوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول رہا۔تھوڑی دیر کے بعد جب میں باہر بازار میں نکلا تو ایک دوکاندار نے مجھے کہا کہ آپ کی تلاش میں حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا ملازم پھر رہا ہے۔میں فوراً حضرت میاں صاحبؓ کی بیٹھک میں چلا گیا۔وہاں دسترخوان پر کھانا وغیرہ پڑا تھا، مکرمی شمشاد خان صاحب مرحوم اور حضرت میاں صاحبؓ میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔میں نے السلام علیکم عرض کر کے کہا کہ میں نے تو روٹی کھالی ہے۔ان کے ماتھے پر کسی قسم کے ملال کے آثار نہ تھے۔ہنس کر فرمایا کہ اب ہمارے ساتھ بھی شامل ہوجائیں۔چنانچہ میں شامل ہوا۔کھانا کھایا اور بچپن کی لاپرواہی کے باعث میں معذرت تک نہ کرسکا''۔
(الفرقان قمرالانبیاء نمبر صفحہ ۹۳)

مجھے یاد ہے کہ جب بھی کسی مہمان کی آمد کی اطلاع ملتی تو اس کے اکرام کی خاطر ہر وہ کھانا تیار کروایا جاتا کہ جو اس کو مرغوب ہوتا یا مہمانوں کے مزاج کے مطابق شربت، چائے،مٹھائی حتیٰ کہ پان کے ساتھ ساتھ کتھا۔چھالیہ۔چُونا۔سپاری۔سونف۔الائچی اور پیک دان بھی مہیا کیا جاتا تھا۔حضرت میاں صاحبؓ بے حد مہمان نواز تھے اور اکرام ضیف کا آپ کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ آپؓ نے اپنی مشہور کتاب '' درمکنون'' میں لنگر خانہ حضرت مسیح موعودؑ یعنی دارالضیافت کے منتظمین کو تاکیداً فرمایا کہ:-

'' مرکز میں آنے والے مہمانوں کو خدائی مہمان سمجھ کران کے اکرام اور آرام کا انتہائی خیال رکھیں اوران کی دلداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور مرکز کے مہمان خانہ کو ایک روحانی مکتب سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس مکتب کا خادم تصور کریں اور اگر کسی مہمان کی طرف سے کبھی کوئی تلخ بات بھی سننی پڑے تو اپنے ماتھے پر بل نہ آنے دیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب تک زندہ رہے۔حضورؑ نے لنگر خانہ کے انتظام کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھا تا کہ انجمن کی طرف منتقل ہونے کے نتیجہ میں کسی خدائی مہمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور مہمان خانہ کے دینی ماحول میں فرق نہ آنے پائے۔سواب یہ مہمان خانہ جماعت کے ہاتھ میں ایک مقدس امانت ہے اور خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ مرکزی کارکن اس امانت کو کس طرح ادا کرتے ہیں''۔(درمکنون)

حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ملاقات کرنے اور دعائیں حاصل کرنے کے لئے احباب جماعت کے ساتھ ساتھ جماعت کی مستورات بھی بڑی تعداد میں خلوص دل کے ساتھ حاضر خدمت ہوتیں۔ان میں سے بعض اپنے خاوند کے کاروبار کی ترقی کے لئے تو بعض اپنے بچوں کے لئے دعا کی درخواست کرتیں۔دوران ملاقات حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ غضِ بصر سے کام لیتے ہوئے اپنی نگاہیں نیچی رکھتے اور اگر کسی سوال کا جواب دینا بھی ہوتا تو براہ راست جواب دینے کی بجائے عموماً ان عورتوں کے کسی بچے کی گردن یا کاندھے کو سہلاتے ہوئے ان کے بچہ کو مخاطب کر کے جواب عنایت فرماتے یعنی حضرت میاں صاحبؓ شرم وحیاء کے پیکر عظیم تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ نے اپنی زندگی کے بعض واقعات سناتے ہوئے فرمایا کہ ’’ جب امتہ السلام (حضرت صاحبزادی بی بی امتہ السلام بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی پیدائش ہوئی تو میں اس وقت آٹھویں جماعت کا طالبعلم تھا ۔سکول سے گھر آتے ہی کسی نے مجھے مبارک باد دی اور بتایا کہ تمھارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو میں مارے شرم کے چارپائی کے نیچے جا چھپا اور پھر کافی دیر تک وہیں چھپا بیٹھا رہا حتیٰ کہ حضرت اماں جانؓ نے مجھے وہاں ڈھونڈ نکالا اور باہر نکل آنے کی ہدایت فرمائی۔اس لئے جب تم میری چارپائی کے نیچے کھیلتے ہو تو مجھے اپنا بچپن یاد آ جاتا ہے‘‘۔غرض آپؓ مجھ سے کوئی بھی بات چھپایا نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ اپنی زندگی کے مختلف واقعات وقتاً فوقتاً بطور نصیحت بھی سنایا کرتے تھے۔سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی اسی شرمیلی مگر سنجیدہ طبیعت کے بارہ میں سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:-

’’ شادی ہوئی تو آج کل کی پود کو دیکھتے ہوئے بچہ ہی تھے مگر بہت سنجیدگی اور وقار سے وہ پہلے پہل کے دن بھی گزارے۔کوئی ناپختگی یا بچپن کی علامت،لڑائی جھگڑا کسی قسم کی کوئی بات میں نے نہیں دیکھی حالانکہ ہر وقت کا ساتھ تھا۔صرف عزیزہ امتہ السلام کی پیدائش پر شرمائے۔ان کو نہ کبھی گود میں لیا نہ بات کی جب وہ بیاہی گئیں تو وفور شرم ٹوٹی اور بولنے چالنے لگے۔عزیزہ امتہ السلام کا بچپن تو حضرت اماں جانؓ اور حضرت بڑے بھائی صاحب کی ہی گود میں گزرا۔انہوں نے ہی سب لاڈ پیار کئے ناز اٹھائے۔ان کی شادی کے وقت بھی سب اماں جانؓ اور بڑے بھائی پر فیصلہ چھوڑا کہ آپ کو ہی اختیار ہے اور بعد میں دوسرے بچوں کے مواقع پر بھی یہی طرزِ عمل قائم رہا۔اگر حضرت اماں جانؓ نے کہہ دیا کہ اپنے اس لڑکے کا فلاں لڑکی سے رشتہ کر دو تو بلا چون و چرا منظور تھا اسی طرح لڑکیوں کا معاملہ بھی غرض سب ان دونوں بزرگ ہستیوں پر ہمیشہ چھوڑا‘‘۔(الفضل خاص نمبر ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کو اس بات سے بہت گھبراہٹ اور کوفت ہوتی تھی کہ آپؓ کی ذاتی ضروریات کی اشیاء ان کی مقررہ جگہ سے اٹھا کر کہیں اِدھر اُدھر رکھ دی جائیں۔اسی سے ثابت ہے کہ آپ ایک نہایت نفاست پسند وجود تھے۔اس بارہ میں مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب کی ایک تحریر کا اقتباس حاضر خدمت ہے:-

’’ حسن انتظام،حسن تدبر،سلیقے اور قرینے کے اوصاف کی حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو بطور خاص ارزانی ہوئی تھی۔مکرم مرزا عبدالحق صاحب نے آج سے قریباً ربع صدی قبل ایک واقعہ سنایا کہ کسی میٹنگ سے فارغ ہوئے تو صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے اپنی کوٹھی بیت العافیت پر دعوت عصرانہ دی۔میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم گھر گئے تو دیکھا کہ ہر شے نہایت سلیقے اور قرینے اور نہایت صفائی اور ستھرائی سے رکھی تھی۔حاضرین میں سے کسی صاحب نے صاحبزادہ صاحب کے اس وصف کی تعریف کی تو موصوف نے فرمایا کہ میں نے یہ عادت حضرت عمّو جان مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے مستعار لی ہوئی ہے۔

اور پھر اس سے بھی پہلے کا ایک غیر از جماعت ڈاکٹر چوہدری عبدالعزیز صاحب سول سرجن کا واقعہ مجھے یاد ہے کہ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر

احمد صاحبؓ کی علالت کے دوران طبی معائنہ کرنے اور علاج تجویز کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے واپسی پر نہایت خوشگوار حیرت کا برملا اظہار کیا کہ آپؓ کا سادہ سا کچا مکان ہے مگر صفائی اور ستھرائی اور سلیقہ کا جو اعلیٰ نمونہ اس گھر میں دیکھا وہ میں نے بڑے بڑے رؤسا اور وزراء کے محلات میں بھی نہیں دیکھا۔ نیز سول سرجن صاحب نے مزید کہا کہ آج جس مریض کو میں نے دیکھا ہے یہ تو سارے علوم کا ایک سمندر ہے۔ علم طب سے تو ان کا اتنا ہی واسطہ ہے کہ خود بیمار ہیں مگر یوں لگتا تھا کہ اس بحر کے بھی وہ شناور ہیں۔ پھر اس نے آپؓ کے اعلیٰ اخلاق کی بہت تعریف کی مگر جس کی تعریف خود خدائے علیم وقدیر نے کی ہو اس کی تعریف وتوصیف انسان کیا کرسکتا ہے ؟

جمال دوست کی رنگینیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے

''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴-۲۰ رمئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

اسی باریک بینی اور نفاست پسندی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہرہ دار مکرم محمد شریف صاحب نے بیان فرمایا کہ:-

'' حضورؓ بے حد نفاست پسند وجود تھے اور مجھے یاد ہے کہ آپؓ ہر چیز کو قرینہ اور سلیقہ سے رکھتے اور رکھواتے۔ اب بھی جب وہ زمانہ یاد آتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ ماضی کی طرف لوٹ جاؤں کہ جب یہ خاکسار حضرت میاں صاحبؓ کی نئی کوٹھی البشریٰ میں پودے لگانے کے لئے گڑھے وغیرہ کھودتا اور اس کے بعد حضورؓ ان میں اپنی پسند کے پودے لگواتے لیکن پودے لگوانے میں اتنی احتیاط برتتے کہ انسان حیران ہو جاتا۔ آپؓ پودے لگواتے وقت خود تشریف لاکر ہدایات فرماتے کہ پودے کو ادھر کرو اُدھر کرو اور ایک سُوتر کا فرق بھی پودوں کے درمیان نہیں رہنے دیتے تھے۔ دوسرے پودوں کے علاوہ کھجور کے درخت لگانے کا بھی بہت شوق تھا اور سپیشل جھنگ سے کھجور کے پودے منگوا کر لگوائے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کا پودا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وطن کا پودا ہے یہ ضرور لگانا چاہیئے''۔(مکتوبات نسیم ـ ۲۷ راگست ۱۹۹۹ء)

مکرم محمد شریف صاحب کی اس بات سے مجھے یاد آیا کہ حضرت میاں صاحبؓ نے البشریٰ کے مردانہ اور زنانہ دونوں صحنوں میں یہ گڑھے تقریباً دو میٹر (تقریباً چھ فُٹ) گہرے کھدوائے تھے اور پودوں کی بہترین نشو ونما کے لئے ان میں دریائے چناب سے بَھل منگوا کر ڈلوائی گئی تھی۔ پھل دار پودوں کے ساتھ ساتھ آپؓ نے خوبصورت اور خوشبودار پھولوں کے پودے بھی لگوائے تھے کہ جن میں سے گلاب، موتیا، گیندے اور رات کی رانی نیز نرگس کے پھول قابل ذکر ہیں۔ اسی بات سے مجھے آپؓ کی نفاست پسند طبیعت کا ایک اور واقعہ بھی یاد آگیا جو امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ:-

'' ایک دفعہ ہم سب چھوٹے بہن بھائیوں کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ ناقل) نے مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کی نگرانی میں ڈلہوزی بھجوایا۔ ان دنوں میں آم کا موسم ختم ہونے کو تھا اور آخری موسم کے آم '' فجری '' رہتے تھے۔ آپؓ نے میرے لئے باریک خوبصورت رنگین کاغذوں میں لپٹے ہوئے فجری آموں کی ایک پیٹی بند کروائی۔ (آپؓ جب کبھی کسی کو کوئی تحفہ دیتے تھے تو نہایت سلیقے سے سجا کر دیا کرتے تھے)۔ پھر تاکید فرمائی کہ ان کو کھانے سے پہلے یہ احتیاط کر لینا کہ نہ تو یہ ذرہ بھر کچے ہوں نہ ایک اعشاریہ زیادہ پکے ہوں۔ کیونکہ فجری آموں کی یہ کمزوری ہے کہ ذرہ بھی زیادہ پک جائیں یا ذرہ کچے رہ جائیں تو مزہ بالکل بگڑ جاتا ہے۔ البتہ پورے پکے ہوئے آم بہت عمدہ اور لذیز ہوتے ہیں ۔آپؓ فرماتے تھے کہ فجری آم اپنا بہترین مزہ پہاڑ پر دیتا ہے۔ چنانچہ ان تاکیدوں کے ساتھ آپؓ نے وہ آموں کی پیٹی میرے ساتھ روانہ فرمائی۔

(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " آپؓ جب کبھی کسی کو کوئی تحفہ دیتے تھے تو نہایت سلیقے سے سجا کر دیا کرتے تھے" - بالکل ویسا ہی میں نے حضرت میاں صاحبؓ کو نفاست پسند پایا - حضور رحمہ اللہ کے بیان سے یاد آیا کہ ان دنوں ربوہ میں اچھی برفی نہیں ملا کرتی تھی لیکن جب مکرم محمد شریف صاحب نے اپنا کاروبار شروع کیا تو آپ نے حضرت میاں صاحبؓ کی ہدایت کے مطابق خالص مال استعمال کرنا شروع کیا کہ جس کی بدولت حضرت میاں صاحبؓ کو آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائیاں بہت پسند آنے لگیں اور اس کے بعد لاہور سے شائید بنگالی رس گلے ہی منگوائے جاتے تھے - لہذا اس بارہ میں حضرت میاں صاحبؓ کی نفاست پسندی کے بہت سے لطیف واقعات یاد ہیں کہ آپؓ جب بھی مجھے برفی یا لڈو یا شکر پارے یا میسو وغیرہ عنایت فرماتے تو انہیں نہایت سلیقہ اور نفاست سے ایک پلیٹ میں سجا کر عنایت فرماتے اور برفی یا لڈو یا شکر پاروں پر خصوصاً چاندی کا ورق لگا کر عنایت فرمایا کرتے تھے جو کہ آپ نے اپنے سونے والے کمرہ کی الماری میں رکھے ہوئے تھے - کبھی کبھی آپؓ نے سونے کا ورق بھی استعمال فرمایا اور ہمیں بھی اپنے دست مبارک سے سونے کا وہ ورق لگا کر مٹھائی عنایت فرمائی - اس کے علاوہ آپؓ کی اسی الماری میں گلاب کی پتیوں اور شہد سے تیار کردہ گلقند بھی ایک چھوٹے سے شیشے کے مرتبان میں ہمیشہ موجود رہتی جو کہ ہمیں بھی کبھی کبھی چائے والی چمچ کے ساتھ کھانے کے لئے عنایت فرماتے -

اسی طرح اگر مجھے کوئی پھل مثلاً آم، امرود، سردا یا گرما، خربوزہ یا تربوز وغیرہ بھی دیتے تو پہلے خود اپنے دست مبارک سے اس کی کانچیں بناتے پھر اس کے چھلکہ کو نہایت نفاست سے کسی چاقو یا چھری سے اتار کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پلیٹ میں کانٹا سجا کر عنایت فرماتے - مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کے پاس سرخ رنگ کا سفید کراس والا سوئیٹزرلینڈ کا بنا ہوا ایک چاقو بھی تھا کہ جس میں چاقو کے ساتھ ساتھ نیل کٹر، ریتی اور کارک والی بوتل کا کارک نکالنے کے لئے اوزار بھی تھے - اس کے علاوہ اگر آپ مجھے کبھی انار بھی عطا فرماتے تو بھی پہلے اس کے چھلکہ کو نہایت مہارت کے ساتھ کاٹ کر اتارتے پھر اس کے دانہ دانہ کو نکال کر ایک پلیٹ میں سجا کر ایک چائے والی چھوٹی چمچ کے ساتھ عنایت فرماتے اور اگر کبھی سیب بھی عطاء فرماتے تو پہلے اس کے چھلکہ کو کاٹ کر اتارتے پھر اس کی قاشیں تراش کر اور نہایت نفاست سے اس کے بیج کو الگ کر کے عطاء فرماتے - الغرض آپؓ کے ایسے ہزاروں لاکھوں احسانات ہیں کہ جن کی یاد آج بھی ہمارے دل میں تازہ ہے اور ہمیشہ تازہ رہے گی - اللہ تعالیٰ حضرت قمر الانبیاءؓ کو اس شفقت و محبت کی اعلیٰ ترین جزائے خیر دے - آمین

عام گھریلو باتیں کرتے وقت حضرت قمر الانبیاءؓ کی باتوں میں مزاح کا رنگ بھی نمایاں رہتا تھا اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتا ہوں - مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ گھر میں خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی بچے کی شادی بیاہ کے بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ازراہ تفنن مجھ سے بھی پوچھا : سُودے خان! تم بتاؤ کہ تم کس سے شادی کرو گے؟ میں چونکہ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کا بہت ہی لاڈلہ بچہ تھا اور اس لئے مجھے بھی اپنی والدہ صاحبہ سے بے حد محبت تھی جیسے کہ ہر بچہ کو اپنی والدین سے ہوتی ہے لہذا میں نے اپنی امّی جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں تو اپنی امی سے شادی کروں گا - اس پر حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ ساتھ سب گھر والے بھی ہنسنے لگے اور میری اس سادہ دلی کی بہت تعریف کی کہ دیکھو! بچے واقعی بہت معصوم ہوتے ہیں لیکن پھر پیار سے یہ بھی سمجھایا کہ بعض رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن سے شادی نہیں ہو سکتی غرض اسی طرح باتوں ہی باتوں میں بہت سی نصائح فرماتے

رہتے تھے- بہر حال بعد میں کئی دن تک اس بات کا گھر میں چرچا رہا اور آنے جانے والے بھی خوب لطف اندوز ہوتے رہے-مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:-

''حضرت میاں صاحب کو صحت لفظی کا بھی بہت خیال ہوتا تھا -ایک مرتبہ میری موجودگی میں ایک صاحب نے ایک معاہدہ کی عبارت پڑھ کر سنائی اور اس میں لفظ مسمّٰی کو مسمّیِ پڑھا-آپؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا'' مسمّیِ مالٹا کی ایک قسم ہے اور یہ صاحب مسمّیِ نہیں ہیں بلکہ ایک اچھے بھلے آدمی ہیں-مسمّٰی پڑھیں''-(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

صحت لفظی کے اسی واقعہ سے مجھے بھی یاد آیا کہ ایک مرتبہ میری بہن محترمہ زبیدہ تسنیم (بیدی) صاحبہ موجود نہ تھیں اور میری ایک خالہ زاد بہن حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ کوئی صاحب ایک عدد خط اور ایک رسید لے کر حاضر ہوئے تو آپؓ نے میری کزن کو وہ خط اور رسید پڑھنے کا ارشاد فرمایا- جب آخر میں انہوں نے اردو میں حبیب کلاتھ ہاؤس کو جیب کلاتھ ہاؤس پڑھا تو آپؓ مسکرا اٹھے اور ہنستے ہوئے انہیں ایک مرتبہ پھر یہ نام پڑھنے کا حکم دیا اور جب انہوں نے پھر حبیب کی بجائے جیب کلاتھ ہاؤس ہی پڑھا تو آپؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ JAIB جیب کلاتھ ہاؤس نہیں بلکہ HABIB حبیب کلاتھ ہاؤس لکھا ہوا ہے- یہ سن کر ہم بچے بھی خوب ہنسنے لگے کیونکہ گول بازار ربوہ والے حبیب کلاتھ ہاؤس کو تو ربوہ کا بچہ بچہ جانتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں گول بازار میں کپڑے کی خرید کے لئے صرف دو ہی دوکانیں تھیں-غرض بچوں سے باتیں کرتے وقت اپنی گفتگو میں مزاح کے عنصر کو ضرور شامل کر لیا کرتے تھے- آپؓ کے پوتے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب نے اپنے ایک خط میں اس بات کا اظہار کیا کہ:-

'' ایک مرتبہ اماں (سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ -ناقل) نے کسی مہمان کے آجانے پر اپنے خادم مکرم بشیر احمد صاحب (موٹا) سے جلدی سے کچھ سودا سلف منگوانے کے لئے فرمایا '' بشیر! اُڈدا ہویا بازار جائیں'' یعنی بشیر! اُڑتے ہوئے بازار جانا - اس پر اباجان (حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ-ناقل) نے فرمایا''بھئی! روشندان کو کھول دو''-(مکتوبات نسیم ۳۰/دسمبر ۱۹۹۳ء)

یہاں میں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کرنا بھی مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایک دن صبح تقریباً دس بجے کے قریب حضرت قمر الانبیاءؓ اپنی کوٹھی البشریٰ سے باہر تشریف لائے- ان دنوں میرے منجھلے ماموں چوہدری عبدالعزیز سندھو صاحب اپنے سب سے بڑے بیٹے عزیزم مکرم خالد احمد (باؤ) صاحب کے ساتھ لاہور سے تشریف لائے ہوئے تھے-انہوں نے جو حضرت میاں صاحبؓ کو باہر سڑک پر دیکھا تو فوراً دعا سلام کے لئے حاضر ہوئے اور آگے بڑھ کر سلام عرض کرتے ہوئے اپنے بیٹے کا تعارف کروایا اور عزیزم خالد احمد صاحب کو بھی کہا کہ حضرت میاں صاحبؓ کو سلام کرو تو عزیزم نے ایک سفید باریش بزرگ کو دیکھ کر جلدی سے کہا ''باباجی ! السلام علیکم''-اس پر حضرت میاں صاحبؓ مسکرا پڑے اور میرے ماموں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا ! یہ باباجی نہیں بلکہ حضرت میاں صاحب ہیں-میاں صاحب ! کہہ کر سلام کرو لہذا عزیزم نے اپنے سلام کو دہراتے ہوئے کہا'' میاں صاحب ! السلام علیکم''-مصافحہ کے بعد حضرت میاں صاحبؓ ان کا حال احوال پوچھتے رہے اور دعا بھی دی-اپنے بچپن کی عمر کا ایک اور واقعہ خود حضرت میاں صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:-

'' ایک دفعہ جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو ہماری والدہ صاحبہ یعنی حضرت ام المؤمنین اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے مزاح کے رنگ میں بعض پنجابی الفاظ بتا بتا کر اُن کے اُردو مترادف پوچھنے شروع کئے-اس وقت میں یہ سمجھتا تھا کہ شاید ان پنجابی الفاظ کے بولتے وقت اگر ان الفاظ کو لمبا کر کے لٹکا کر بولا جائے تو یہ پنجابی کے الفاظ اُردو میں بدل جاتے ہیں-اس خود ساختہ اصول کے ماتحت میں جب اُوٹ پٹانگ جواب دیتا تو والدہ صاحبہؓ

بہت ہنستی تھیں اور حضرت صاحبؓ بھی ان کے پاس کھڑے ہوئے ہنستے جاتے تھے۔اسی طرح حضرت صاحبؓ نے بھی مجھ سے ایک دو پنجابی الفاظ بتا کر ان کی اُردو پوچھی اور پھر میرے جواب پر بہت ہنسے۔چنانچہ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میں نے ”کُتا DOG“ کی اُردو ”کُوتا“ بتائی تھی“۔(سیرت المہدی حصہ سوئم صفحہ ۶۳)

اسی کتے والے معصوم سے لطیفہ پر یاد آیا کہ جب کبھی بھی ایک جانب تو بادل چھائے ہوئے ہوتے یا بارش ہو رہی ہوتی تھی اور دوسری سمت دھوپ نکلی ہوئی ہوا کرتی تھی اور ان کے ساتھ قوس وقزح بھی چمک رہی ہوتی تھی یعنی بارش کے قطرات سے سورج کی روشنی کا ایک حسین ٹکراؤ ہو کر قوس وقزح بنتی تو حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکراتے ہوئے صرف مزاح کی غرض سے بھولا سا مونہہ بنا کر فرمایا کرتے تھے کہ” دیکھو ! کیسا حسین منظر ہے۔اس وقت یقیناً گیدڑ اور گیدڑی کا بیاہ ہو رہا ہے“ اور ہم بچے آپؓ کے ساتھ ہنس دیا کرتے تھے۔بارش کے ذکر سے یاد آیا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنی تمام زندگی بھر مجھے بارش اور دھوپ سے بچے رہنے کے لئے ہمیشہ رنگ برنگی چھتریاں خرید کر مرحمت فرمایا کرتی تھیں کیونکہ بچوں کو عموماً مختلف رنگوں والی چھتری پسند آتی ہے لیکن ربوہ میں مئی جون کی ظالم دھوپ کہ الامان الحفیظ وہ اس چھتری میں سے بھی آر پار ہو جاتی۔جس پر مجھے ایک دن خیال آیا کہ ایسے سخت موسم کے لئے کالی چھتری زیادہ مناسب رہے گی لہذا جب میں نے کالی چھتری لینے کی فرمائش کی تو میں صدقے جاؤں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کہ آپؓ نے مجھے وہ بھی لے دی۔اے میرے پیارے اللہ! میرے ان دونوں مشفق و مہربان محسنین کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جا اور ان کی قبور کو تا قیامت اپنے نور علیٰ نور سے بھر دے۔آمین

جن احباب نے حضرت قمرالانبیاءؓ کا پرانا مکان نزد پرانا بس (لاری) اڈہ ربوہ دیکھا ہوا ہے اور اگر کبھی انہیں اس مکان کے اندر بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے تو انہیں ضرور اس بات کا علم ہوگا کہ اس مکان کے مردانہ صحن میں باہر والے دروازہ سے لے کر مردانہ برآمدہ جانے والے راستہ پر کچی زمین پر کچھ کچھ فاصلہ کے بعد پکی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں تا کہ برسات کے موسم میں آنے جانے میں سہولت رہے۔ایک مرتبہ حضرت قمرالانبیاءؓ کے پوتے اور میرے ہم عمر دوست صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گُوگی میاں) صاحب چھٹیاں منانے ربوہ آئے ہوئے تھے اور ان دنوں پیچش کی تکلیف یعنی اسہال کا شکار بھی تھے بلکہ مجھے یاد ہے کہ یہ صاحب اپنے بچپن میں عموماً اس بیماری شکار بھی رہا کرتے تھے جس کی بدولت ہمیشہ سے ہی ہم ان کی کمزوری کو دیکھ کر دوڑ وغیرہ نیز زور آزمائی والی کھیلوں مثلاً ہاکی، کرکٹ وغیرہ سے اجتناب برتا کرتے تھے تا کہ یہ کہیں اور بھی زیادہ کمزور نہ ہو جائیں بہر حال قصہ یہ کہ ہم دونوں گھر کے باہر سڑک پر کھیل رہے تھے کہ صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گُوگی میاں) صاحب کو اچانک حاجت در پیش آ گئی اور بہ شدت حاجت کی وجہ سے گھر کے اندر جانے کے لئے بھاگے۔میں بھی ساتھ ساتھ تھا کہ صحن کے دروازہ کے اندر آتے ہی برسات سے بچاؤ کے لئے لگی ہوئی ان اینٹوں پر ان کا کام تمام ہو گیا لیکن رکتے رکتے بھی برآمدہ تک تمام پینٹ PANT اور زمین پر لگی ہوئی اینٹیں PAINT رنگین ہو گئیں۔اب یہ تو اندر اپنی امی جان حضرت نواب آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ کے پاس چلے گئے جو کہ ان دنوں حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ کے کمرہ میں رہائش پذیر تھیں اور میں وضو کر کے نماز عصر پڑھنے مسجد مبارک چلا گیا۔اتفاق سے اس دن حضرت قمرالانبیاءؓ بھی اپنے دفتر صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے واپسی پر گھر جانے کی بجائے نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے سیدھے مسجد مبارک میں ہی تشریف لے آئے۔نماز عصر کی ادائیگی کے بعد حضرت میاں صاحبؓ کے جلو میں مَیں بھی گھر واپس ہوا تو گھر کے دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی آپؓ نے دروازہ سے لیکر برآمدہ تک کچے صحن میں لگی ہوئی پکی اینٹوں کے حشر کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دال کس نے گرائی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ گُوگی نے۔اس پر حضرت میاں صاحب نہایت متبسم ہوئے اور کسی کو راستہ کی صفائی کے لئے ارشاد فرمایا اور مجھے یاد ہے کہ اس دن آپؓ نے اپنی آل اولاد کی

صحت وتندرستی کے لئے بہت دعا کی تھی اور مجھے بھی اس دعا میں شریک کرتے ہوئے فرمایا کہ آؤ! تم بھی شامل ہو جاؤ اور ہم دونوں مل کر دعا کریں۔خدا تعالیٰ کے فضل سے آج حضرت میاں بشیراحمد صاحبؓ کی انہی پرسوز دعاؤں کے طفیل آپؓ کے تمام پوتوں میں مکرم صاحبزادہ طارق احمد (گوگی میاں) صاحب سب سے زیادہ قوی جسم وجان کے مالک ہیں- بہرحال مجھے وہ دعائیں آج بھی ازبریاد ہیں کہ جنہیں میں باقاعدگی کے ساتھ ہر نماز میں دوہراتا رہتا ہوں-جن میں سے چند ایک یہاں حاضر خدمت ہیں:-

یَاحَفِیۡظُ ، یَا عَزِیۡزُ ، یَا رَفِیۡقُ

اے میری سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے! اے میرے سب پر غالب آنے والے! اے میرے سب سے زیادہ اچھے دوست!

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥ (البقرۃ:۲۰۲)

اے ہمارے رب! ہم کو اِس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر قسم کی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالینا-

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ق ذُرِّیَّتِیۡ ق رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ٥ (ابراھیم:۴۱)

اے ہمارے خدا! مجھے اور میری تمام آل اولاد کو نمازی اور پرہیزگار بنا اور اے میرے مؤلا! میری تمام دعائیں قبول فرما-

رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ٥ (ابراھیم:۴۲)

اے ہمارے پروردگار! روز قیامت مجھے اور میرے ماں باپ نیز تمام مؤمنین کو اپنی رحمت کے سایہ میں ڈھانپتے ہوئے بخشش دے-آمین

رَبِّ کُلِّ شَیۡءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحۡفَظۡنَا وَارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلَانَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکَافِرِیۡنَ

اے میرے رب! دنیا کی ہر چیز صرف تیری ہی خادم ہے کیونکہ تو بہت ہی رحم کرنے والا ہے پس! اے میرے رب! تُو خود ہی ہماری حفاظت فرما اور کفار کے خلاف ہماری مدد فرما-آمین

اَللّٰهُمَّ اِنِّی ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ ظُلۡمًا کَثِیۡرًا وَلَا یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اَنۡتَ فَاغۡفِرۡلِی مَغۡفِرَةً مِّنۡ عِنۡدِکَ وَارۡحَمۡنِیۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ (مسلم کتاب الذکر)

اے اللہ تعالیٰ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی میرے گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا- پس تُو مجھے معافی دے کر بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت نازل فرما کیونکہ یقیناً تُو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے-

سُبۡحَانَ اللهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللهِ الۡعَظِیۡمِ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

اے میرے اللہ! تُو پاک ہے اپنی تمام پاکیزہ تعریفوں کی طرح اور سب سے زیادہ بلند شان اور بہت ہی عظمت والا ہے پس اے میرے اللہ! تُو اپنی انہی برکات کے صدقے حضرت محمد ﷺ پر اور تمام آل محمدؐ مسلمانوں پر ہمیشہ اپنی رحمتیں اور برکات نازل فرماتا چلا جا-آمین

بہرحال مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب کی اسی کمزوری والے واقعہ کی مناسبت سے ایک اور دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ شادی کے کچھ عرصہ کے بعد میری صحت کمزور ہوگئی تو آپؓ نے فرمایا کہ ''تم بہت کمزور ہوگئی ہو''-میں نے عرض کیا کہ سسرال والے تو کہتے ہیں کہ تم اسی طرح کی تھی-آپؓ مسکرائے اور فرمایا:-'' بعد میں اسی طرح کہا کرتے ہیں-دراصل لڑکیاں وزن کر کے دینی چاہئیں''-(حیات بشیر صفحہ۱۹۹)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ تھا- چچی جان بسبب بیماری روزہ رکھنے سے معذور تھیں مگر سحری کے وقت تہجد کی غرض سے اور کچھ کھانے پر خیال رکھنے کی خاطر باقاعدہ ساتھ اُٹھا کرتی تھیں- ایک دفعہ ہم سحری کھا رہے تھے کہ کسی خادمہ کی غلطی پر چچی جان نے ذرا اونچی آواز میں اسے سخت سست کہا- عمو صاحبؓ ان سے تو کچھ نہ بولے مگر مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے: ’’ تم جانتے ہو کی تمہاری چچی جان بیمار ہیں- بیچاری روزے تو نہیں رکھ سکتیں البتہ ذکر الٰہی کے لئے اس وقت ضرور اٹھتی ہیں‘‘- وہ دن اور رمضان کا آخری روزہ- پھر چچی جان نے کبھی سحری کے وقت آواز بلند نہیں کی‘‘- (ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

میری نانی اماں محترمہ کریم بی بی صاحبہ بہت ہی عمدہ سرسوں کا ساگ، سرسوں کی گندلوں کا ساگ، باتھو ڈال کر اور کچھ آٹا ملا کر بنایا کرتی تھیں اور حضرت میاں صاحبؓ کبھی کبھی خود خواہش کر کے ان سے سرسوں کا ساگ پکوایا کرتے تھے- اس کا مزہ اس وقت دوبالہ ہو جاتا جب اس ساگ کو دیسی گھی میں لہسن ڈال کر تڑکا لگایا جاتا تھا- خیر اس ساگ کے ساتھ ساتھ مکئی کے آٹے کی روٹی بھی تیار ہوا کرتی تھی کہ جسے آپؓ نہایت شوق اور چاہت کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے- ایک مرتبہ کسی ایسے ہی موقعہ پر جب کہ آپ سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی انتہائی شوق سے تناول فرما رہے تھے تو آپؓ نے ہمیں ایک نہایت ہی دلچسپ لطیفہ سنایا کہ: ’’ شروع شروع میں جب ایک انگریز شکاری ہندوستان میں آیا تو نہ اُسے ہماری زبان کی سمجھ آئے اور نہ ہی ہم عام ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کی- خیر وہ بیچارہ جب روزانہ شکار کھا کھا کر تنگ آ گیا تو چلتا چلتا ایک گاؤں میں جا پہنچا اور اشاروں کنایوں کے ساتھ کچھ کھانے کو مانگا اس پر کسی معزز گھرانے کی ایک شریف عورت نے اسے مکئی کی روٹی پر خوب اچھا خاصا ساگ ڈال کر دیا کہ یہ غریب نہ جانے کب سے بُھوکا ہے- اس انگریز کو تو سرسوں کا وہ لذیز ساگ بے حد پسند آیا- اس لئے وہ ساگ تو اس نے انتہائی شوق سے مزے مزے لے کر کھا لیا لیکن مکئی کی روٹی کو اس شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ یہ رہی آپ کی پلیٹ‘‘- بچپن میں یہ لطیفہ سن کر ہم لوگ بے حد محظوظ ہوا کرتے تھے بلکہ اب بھی اس معصومانہ لطیفہ پر ہم مسکرا اٹھتے ہیں- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب بیان فرماتے ہیں کہ :-

’’ طبیعت میں بلند پایہ کا مزاح بھی تھا اور بعض مرتبہ نصیحت کرتے وقت اس جوہر سے کام بھی لیتے تھے- آپؓ کے ایک رفیق (مکرمی درد صاحبؓ) کا بچہ باہر سے ربوہ آیا اور بغیر ملاقات واپس چلا گیا تو اسے لکھا کہ ’’میں نے سنا ہے تم آئے تھے لیکن اغلباً تم نے اپنے بزرگوں کے تعلقات کو ہی کافی سمجھا اور ملاقات کرنے کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا‘‘- (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اگر کسی کو نصیحت بھی فرماتے تو بھی اس کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس کی عزت نفس کے پیشِ نظر علیحدگی میں ہی اصلاح فرماتے- اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ کا اظہار مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب سابق انسپکٹر بیت المال صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اپنے ایک خط میں خاکسار کے نام کیا ہے جو میں یہاں پیش کرتا ہوں- آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ میں روزانہ ڈاکخانہ سے ڈاک لا کر حضرت میاں صاحب کو دیتا- آپؓ خطوط پر سرخ یا نیلے قلم سے مختصر جواب تحریر فرماتے پھر خاکسار ڈاک کا جواب لکھتا اور حضرت میاں صاحبؓ کے سامنے پیش کرتا- آپؓ اصلاح فرماتے اور دستخط فرماتے پھر ڈاکخانہ کے لیٹر بکس میں پوسٹ POST کرنے جاتا- ایک دفعہ بوجہ نوعمری ڈاک پوسٹ کر کے اِدھر اُدھر سے ہوتا ہوا جب دفتر گیا تو حضرت میاں صاحبؓ گھر جا چکے تھے- چنانچہ خاکسار گھر حاضر ہوا- اس وقت آپؓ کے پاس حضرت مولانا عبد الرحیم درد صاحبؓ اور حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ تشریف فرما تھے- کمرہ میں موجود دونوں کرسیوں پر دونوں بزرگ رضوان علیہم بیٹھے تھے - یہ عاجز نیچے قالین پر بیٹھنے لگا تو حضرت میاں صاحبؓ نے میرا بازو پکڑ کر مجھے

اپنے ساتھ پلنگ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا- دونوں بزرگ کافی دیر گفتگو کرنے کے بعد آخر مصافحہ کر کے چلے گئے تو ان کے جانے کے بعد مجھے فرمایا: '' کافی دیر انتظار کیا- تم جیسے کے لئے جس کی ساری عمر ابھی کام کرنے کی پڑی ہے اس طرح دیر نا مناسب ہے''- بس یہ الفاظ مجھے حضرت میاں صاحبؓ ان دو بزرگوں کے سامنے بھی فرما سکتے تھے لیکن محض اس لئے نہ کہے تا میری عزت نفس مجروح نہ ہو''-(مکتوبات نسیم-۱۸ر نومبر۱۹۹۳ء)

امیر ہو یا غریب حضرت قمرالانبیاءؓ احباب کی عزت نفس کی خاطر کبھی کوئی طنزیہ بات نہ فرماتے کہ جس سے کسی مخاطب کو دکھ یا تکلیف پہنچے اور اگر کبھی کوئی بات ہو بھی جاتی تو اس خفگی کو دور کرنے کے لئے فوراً اس کی تلافی فرما دیتے- ان واقعات کی بہت سی مثالوں میں سے چند ایک ناظرین کی خدمت میں رکھتا ہوں- حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے اپنا ایک ذاتی واقعہ کچھ یوں تحریر فرمایا ہے کہ:-

'' دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا اور مصالحت کو کام میں لانا آپؓ کا ایک خاص وصف تھا- ایک دفعہ ایک شخص کے بارہ میں میرے قلم سے تیز لفظ لکھے گئے- جو میری غلطی سمجھو یا سہو قلم بہرحال آپؓ کو وہ لفظ پسند نہ آئے- اب یہ بھی ضروری تھا کہ مجھے ٹوکا جائے اور یہ بھی کہ میرے جذبات کا لحاظ رکھا جائے- آپؓ نے مجھے لکھا کہ'' میں تو سمجھتا تھا کہ آپ کی طبیعت میں جمال ہے لیکن خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جلال بھی ہے'' - خاکسار ان الفاظ سے شرمسار بھی ہوا اور شکر گذار بھی- دیکھنے والی بات یہ ہے کہ خدا کے بندے ایسے طریق پر خطا پوشی کرتے ہیں جو خطا نوازی معلوم ہوتی ہے- اصلاح کا یہ طریق کتنا دلنشین، کتنا کمیاب اور کتنا دردانگیز ہے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۳-۳۱)

اس سلسلہ میں مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے خاکسار کے نام ایک خط میں یہ واقعہ تحریر فرمایا کہ:-

''ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طبیعت بہت خراب تھی- انجمن کی ڈاک کا پلندہ اسی طرح واپس آ گیا- حضرت میاں صاحبؓ نے ہدایت فرمائی کہ اس کو جوں کا توں رہنے دیا جائے جب حضرت صاحبؓ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی دوبارہ پیش ہو گا- ایک بار حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت خراب تھی- تین چار روز ڈاک ملاحظہ نہ فرما سکے- ہم طبیعت کا پوچھنے کو حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا : ''ڈاک کہاں ہے؟'' ہم نے کہا ہم تو ساتھ نہیں لائے کہ آپؓ کی طبیعت ٹھیک نہیں بعد میں دیکھی جائے گی- حضرت میاں صاحبؓ پر جو جلال کی کیفیت طاری ہوئی اسے بیان کرنا بہت مشکل ہے- فرمانے لگے: '' ڈاک دیکھے بغیر واپس کر دینا خلیفہ کا مقام ہے- ہم کون ہوتے ہیں ایسا کرنے والے ؟ فوراً ڈاک لائیں اور کام ختم کریں''- غرض ہم واپس ہوئے ڈاک کا پلندہ اٹھایا جو خاصی بھاری ہو چکا تھا ساری ڈاک نکالنے کے بعد چھٹی ہوئی- کام ختم ہو چکا تو حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت میں سکون آیا- بار بار فرماتے تھے کہ:'' ہم کون ہوتے ہیں کام ٹالنے والے؟ جان جاتی ہے تو جائے کام باقی نہیں رہنا چاہئے ''- ہم رخصت ہونے لگے تو اس روز خاص توجہ سے اپنے غصہ کی تلافی فرمائی اور کچھ دیر محض گفتگو کرنے کے لئے ہمیں روک لیا کہ اگر ان کے غصہ کی وجہ سے ہمیں کوئی دکھ ہوا ہے تو وہ دور ہو جائے- اگلے روز خاص طور سے ہماری دلدہی فرمائی اور گھر میں پکی ہوئی کوئی چیز ہمیں خاص طور سے کھلائی ''-(مکتوبات نسیم- ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۸ء)

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب اپنی مایہ ناز کتاب '' حیات بشیر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' ایک مرتبہ جب کہ خاکسار ربوہ میں نظارت اصلاح وارشاد کے صیغہ نشر واشاعت کا انچارج تھا مگر کبھی کبھی جلسوں میں شمولیت کے لئے باہر بھی جانا پڑتا تھا- ایسے ہی کسی موقعہ پر جانے سے قبل حضرت موصوفؓ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے آپؓ کے دفتر میں حاضر ہوا- السلام علیکم کہنے کے بعد عرض کی کہ حضرت! اگر اجازت ہو تو دو تین منٹوں میں ایک مسئلہ دریافت کر لوں- فرمایا:-'' آج میں بے حد مصروف ہوں'' - خاکسار نے

عرض کی کیا پھر مغرب کی نماز کے بعد حضور کے مکان پر حاضر ہو جاؤں؟ -فرمایا:-'' اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مغرب کے بعد کا وقت آج میں داخل نہیں تو آ جائیں''- پھر فرمایا: ''--- وَاِنْ قِیلَ لَکُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوْا ھُوَاَزْکٰی لَکُمْ ط ---''-(النور: ۲۹-یعنی: ---اور اگر کسی گھر میں کوئی موجود ہو لیکن وہ تم سے یہ کہے کہ اس وقت چلے جاؤ تو تم وہاں سے چلے جاؤ---ناقل) خیر! میں ملاقات کے بغیر ہی سفر پر چلا گیا- جب واپس ربوہ پہنچا تو اتفاق سے چند دن بعد بھی آپؓ سے ملاقات نہ کر سکا حتیٰ کہ اس واقعہ کو پندرہ روز گذر گئے-ایک روز میں اپنے دفتر کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا کہ اچانک پیچھے کی طرف سے ایک ہاتھ میرے کندھے پر پڑا-مڑ کر دیکھا تو وہ ہاتھ حضرت قمر الانبیاء نور اللہ مرقدہٗ کا تھا-آپؓ کے ساتھ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب، حضرت مولوی محمد دین صاحب اور غالباً حضرت ملک غلام فرید صاحب بھی تھے- میں آپؓ کو دیکھتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا-آپؓ نے نہایت ہی مربیانہ لہجے میں فرمایا:-'' اُس روز میں نے کچھ درشت الفاظ استعمال کئے تھے-معذرت چاہتا ہوں''- میں نے عرض کیا حضور! آپ نے تو مجھے قرآن کریم کا ایک حکم سنا کر ارشاد خداوندی اور اُسوہ نبوی کا درس دیا تھا-فرمایا:-''یہ صحیح ہے لیکن چونکہ آپ پھر اس کے بعد سے نہیں ملے-اس لئے میں سمجھتا ہوں مجھ سے کچھ سختی ہو گئی تھی اس لئے معذرت خواہ ہوں''-اللہ اللہ اتنا جلیل القدر انسان اور پھر اپنے ایک ادنیٰ خادم سے معذرت خواہ ہو- یہ صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کی اتباع کا نتیجہ تھا ورنہ آپؓ کے مقابلہ میں میری بساط ہی کیا تھی؟ اور پھر یہ کوئی قابل معذرت بات بھی تو نہ تھی-آپؓ نے ایک جائز بات ہی تو کہی تھی مگر آپؓ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ آپؓ حقیقی معنوں میں قمر الانبیاء تھے''-(حیات بشیر صفحہ ۱۷۶-۱۷۷)

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ کو احباب کی عزت نفس کا کتنا پاس رہتا تھا لہذا اسی سلسلہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب نے بھی ایک واقعہ الفضل میں بیان کیا ہے جو درج ذیل ہے:-

''مجلس مشاورت کے موقعہ پر ایک صاحب اپنی بات کو طول دیتے ہوئے اپنے مؤقف پر اصرار کر رہے تھے-حضرت میاں صاحبؓ نے (جو اُس وقت کرسی صدارت پر تشریف فرما تھے) وقت کو کنٹرول کرنے کی غرض سے فرمایا'' بیٹھ جائیں'' -جب اس دن کا پہلا اجلاس ختم ہوا اور حضرت میاں صاحبؓ واپس تشریف لے جانے لگے تو مجھے ہال کی دوسری جانب سے آتے دیکھ کر فرمانے لگے کہ آپ کو ایڈمٹ (ADMIT یعنی داخلہ-ناقل) کا ٹکٹ نہیں ملا؟ - میں نے عرض کیا کہ (STAGE - ناقل) سٹیج پر جگہ تنگ ہوتی ہے اس لئے میں دو سال سے زائر کا ہی ٹکٹ لیتا ہوں مگر مشاورت کی کاروائی میں نے پوری سنی ہے-فرمایا'' پھر کوئی بات؟'' - میں نے عرض کیا کہ آپؓ نے اجلاس میں فلاں صاحب کو جب بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا تھا تو لہجہ کچھ سخت معلوم ہوتا تھا-جب آپؓ دوسرے اجلاس میں تشریف لائے تو آپؓ نے کاروائی شروع کرنے سے قبل اس پر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ'' میرے دفتر کے ایک کارکن نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے-جس پر میں دوستوں سے معذرت کرتا ہوں- میں جماعت کے دوستوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے اخلاص اور محبت کی قدر کرتا ہوں اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتا ہوں'' -(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

اسی سلسلہ میں مجھے بھی یاد ہے کہ اپنی اولاد کی دلداری اور ان کی نصیحت کے لئے بھی آپؓ ان کے نام ہمیشہ خطوط لکھا کرتے تھے اور عموماً ہم بچوں کے ذریعہ سے ہی ان خطوط کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا تا کہ کسی کو جواب دینے میں جھجک نہ ہو اور یہ تو واقعی ایک بہت ہی مؤثر طریق ہے کیونکہ اس طرح ہر بچہ کھل کر اور بغیر کسی دباؤ کے حقیقت حال بیان کر سکتا ہے اور والدین کی عزت کا لحاظ بھی قائم رہتا ہے-اس کے علاوہ بعض خاص خاص مسائل پر آپؓ مختلف عزیزوں اور رشتہ داروں کی معرفت اپنی اولاد تک اپنے بعض پیغامات بھجوانے میں عار نہیں سمجھتے تھے بلکہ مناسب طریقہ جانتے تھے تا کہ

اولاد کی عزت نفس قائم رہے۔اس بارہ میں سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں کہ:۔
'' اولاد کے لئے بہترین شفیق باپ تھے۔کسی بات پر سمجھاتے بھی تو نرمی سے اگر کسی امر کی اصلاح مدنظر ہوتی اور شاید اس خیال سے کہ میں نرمی کروں گا تو دوسرے عزیز کو قریب سے کہتے کہ ذرہ فلاں بچہ کو تم اس معاملہ میں سمجھانا۔مجھ سے بھی یہ خدمت لی ہے۔غرض آپؓ کی گھریلو زندگی کا بھی ہر پہلو ایک نمونہ تھا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷۔۸)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب ان پاکیزہ نصائح کے ناطے بیان فرماتے ہیں کہ آپؓ مجھے فرمایا کرتے تھے کہ:۔
'' بچوں کی تربیت کے معاملہ میں میرا وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔میں انہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں لیکن دراصل سہارا خدا کی ذات ہے جس کے آگے جھک کر میں دعا گو رہتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے اور دین کا خادم بناوے۔آمین ۔ہمیں جب بھی نصیحت فرماتے تو اس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے کہ سُبکی کا پہلو نہ ہو۔فرمایا کرتے تھے کہ اگر نصیحت ایسے رنگ میں کی جاوے کہ دوسرے کی خفّت ہو تو وہ ٹھیک اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ بعض دفعہ اُلٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب بھی میری کوئی حرکت پسند نہ آتی تو اس کے متعلق تفصیل سے خط لکھتے تھے اور بڑے مؤثر اور مدلل طور پر نصیحت فرماتے تھے۔کسی خادمہ یا چھوٹے بچے کے ہاتھ خط اس ہدایت کے ساتھ بھیجتے کہ پڑھ کر اسے واپس کر دو۔اس طریق میں ایک پہلو تو یہی ہوتا تھا کہ دوسروں کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ یا نصیحت کا اچھا اثر نہ پڑے گا اور دوسرے بعض مواقع پر شاید حجاب بھی مانع ہوتا ہو''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰/نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۔۸)

مغربی معاشرہ میں مذہب اسلام پر تنقید کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی نقطہ ضرور نکال لیا جاتا ہے لیکن اگر یہ لوگ ذرا غور فرمائیں اور حقیقت حال کی وضاحت کے لئے خود کو مسلم معاشرہ میں مدغم کر کے دیکھیں تو ہم احمدی مسلمانوں کے قول و قرار نیز عادات واطوار کو دیکھ کر ان کے تعصب میں یقیناً نمایاں کمی آجائے گی اور اگر ان کی آنکھوں پر سے تعصب کا یہ پردہ اٹھ جائے تو کچھ بعید نہیں کہ یہ لوگ جلد ہی اسلام قبول کر لیں۔ان لوگوں کے لئے بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی میں یہاں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک نہایت ہی قابل تقلید مثال بیان کرتا ہوں کہ آپؓ نے اپنا حج ادا کرنے پر اپنی زوجہ محترمہ حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ یعنی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو ترجیح دی۔فریضہ حج ادا کرنے والے کسی شخص نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ میں خود تو حج کرنے کے لئے جا رہا ہوں یا حج غائب ادا کروا رہا ہوں لیکن میری بیوی بھی تو گھر میں موجود ہے کیا اس کا حق نہیں؟ لیکن عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ مرد حضرات بذات خود تو فریضہ حج بجالانے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا خرچ بھی کر دیتے ہیں لیکن الا ماشاءاللہ ان کی بیویاں عموماً اس ثواب دارین کے حصول سے محروم رہ جاتی ہیں۔انسان کو تو خود اپنی ہی زندگی کے بارہ میں کچھ خبر نہیں کہ کب ختم ہو جائے لیکن پھر بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پاکیزہ اعمال پکار پکار کر ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ آپؓ نے اپنا حج ادا کرنے پر اپنی زوجہ مطہرہ کے حج ادا کرنے کو فوقیت دی یعنی آپؓ اپنی زوجہ مطہرہ کے حقوق ادا کرنے میں ہم سب کے لئے ایک روشن ترین مثال تھے ۔

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے حج البدل کے مبارک فریضہ کی ادائیگی کے لئے مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب (تحریک جدید ربوہ) کو مئی ۱۹۶۰ء میں سعودی عرب میں واقع ارضِ مقدس مکہ و مدینہ کو روانہ فرمایا جس کی تفصیل مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب نے اپنی کتاب ''سفرنامہ حج'' میں بھی تحریر فرمائی ہے۔مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب بعد میں حضرت صاحبزادہ مرزا خلیل

احمد صاحب کے مکان میں رہائش پزیر رہے اور آپ کے صاحبزادے مکرم فضل احمد صاحب میرے کلاس فیلو تھے-مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب ان دنوں اپنے HERCULESE کمپنی کے بنے ہوئے سائیکل پرتحریک جدید کے دفتر اپنی ڈیوٹی پرتشریف لے جایا کرتے تھے یہ سائیکل مجھے اس لئے یاد ہے کہ مکرم فضل احمد صاحب ان دنوں قد میں بہت چھوٹے ہؤا کرتے تھے اور یہ سائیکل بہت بڑے سائز کا تھا دوسرے اس کی سیٹ (کاٹھی) براؤن چمڑے کی بنی ہوئی تھی لہذا یہ اسے قینچی چلایا کرتے تھے- بہر حال مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب حج پر روانہ ہونے سے پہلے بار بار حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں ہدایات لینے کے لئے حاضر ہوتے اور مجھے آج بھی وہ منظر اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب حج کے لئے چلنے لگے تو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک اجتماعی دعا کروائی کہ جس میں اس عاجز کو بھی شمولیت کرنے کا افتخار حاصل ہے-اس حج کے دوسال کے بعد حضرت قمرالانبیاءؓ نے خود اپنے حج بدل کے لئے مکرم حکیم عبداللطیف شاہد صاحب فاضل گوالمنڈی لاہور کو۱۹۶۲ء میں ربوہ سے روانہ فرمایا اور ان کو الوداع کہنے کے لئے ربوہ کے پُرانے بس (لاری) اڈہ پر بہ نفس نفیس تشریف لے جا کر مصافحہ،معانقہ اور اجتماعی دعا کے بعد رخصت فرمایا-اس سلسلہ میں مکرم حکیم عبداللطیف شاہد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ ذیل میں سیدی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ‘ کا تحریر فرمودہ ایک نہایت قیمتی مکتوب درج کیا جاتا ہے جو آپؓ نے خاکسار کو اپنی طرف سے حج بدل کے لئے بھجوانے کے موقع پر تحریر فرمایا تھا-یہ مکتوب نہایت بیش قیمت اور زریں ہدایات پر مشتمل ہے جو تمام احمدی احباب اور بالخصوص فریضہ حج کے لئے جانے والے احباب کے لئے بہت ہی اہم اور ضروری ہیں-اس خط سے اس گہرے محبت وعشق کا بھی اظہار ہوتا ہے جو حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارضِ حرم کے متعلق موجزن تھا-

یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ان ہدایات کے وصول اور حصول سے پیشتر خاکسار جبکہ حج کے سلسلہ میں دعاؤں میں مشغول تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدی میاں صاحب اعلا اللہ مقامہ‘ فی الجنة العلیا کی دعاؤں پر مشتمل ایک لمبی تحریر اخبار الفضل میں شائع ہوئی ہے جو موٹے اور نمایاں الفاظ میں ہے اور اس کے ساتھ ہی محترم مکرم برادرم شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربی سلسلہ مقیم لاہور نے بھی کچھ عبارت کا اضافہ فرمایا ہے-چنانچہ جس روز حضرت سیدی میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربوہ بس کے اڈہ سے مع احباب جماعت ربوہ مجھے حج کے لئے رخصت فرمایا اور خاکسار آپؓ سے مصافحہ اور معانقہ کر کے آپ کی مستجاب دعاؤں کے بعد احباب سے مل کر رخصت ہونے کو تھا تو جناب شیخ صاحب موصوف نے رخصت ہونے سے پہلے حضرت اقدس سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حج سے متعلق ایسی بیش قیمت تحریر نقل کر کے دی جو حج کی حقیقت کے بارہ میں حرف آخر کا حکم رکھتی ہے- سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

’’ ایسا ہی ایک عبادت حج کی ہے مگر حج ایسا نہیں چاہیے کہ حرام اور حلال کا جو روپیہ جمع ہؤا ہو اس کو لے کر انسان سمندر کو چیرتا ہؤا رسمی طور پر حج کر آوے اور اُس جگہ کے کہلانے والے جو کچھ منہ سے کہلاتے جاویں وہ کہہ کر واپس آجاوے اور ناز کرے کہ میں حج کر آیا ہوں-خدا تعالیٰ کا جو مطلب حج سے ہے وہ اس طرح پورا نہیں ہوتا-اصل بات یہ ہے کہ سالک کا مرحلہ یہ ہے کہ وہ انقطاعِ نفس کر کے تعشق باللہ اور محبت الٰہی میں غرق ہو جائے-عاشق اور محبّ جو سچا ہوتا ہے وہ اپنی جان اور اپنا دل قربان کر دیتا ہے اور بیت اللہ کا طواف اس قربانی کے واسطے ایک ظاہری نشان ہے جیسا کہ ایک بیت اللہ نیچے زمین پر ہے ایسا ہی ایک آسمان پر بھی ہے-جب تک آدمی اُس کا طواف نہ کرے اِس کا طواف بھی نہیں ہوتا-اِس کا طواف کرنے والا تو تمام کپڑے اتار کر ایک کپڑا بدن پر رکھ لیتا ہے لیکن اُس کا طواف کرنے والا نزع ثیاب کر کے (کپڑے اتار کر-ناقل) خدا کے واسطے ننگا ہو جاتا ہے-طواف عشاق الٰہی کی ایک نشانی ہے-عاشق اس کے گرد گھومتے ہیں-گویا ان کی اپنی مرضی باقی نہیں رہی وہ اُس کے گرد اگرد قربان ہو رہے ہیں‘‘

(اخبار البدر قادیان مؤرخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۷ء)

اب میں یہاں تحدیث نعمت کے طور پر حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط بنام مکرم مولوی عبد الطیف شاہد صاحب درج کرتا ہوں جو کہ حج کا فریضہ ادا کرنے والوں کی راہنمائی کے لئے یقیناً بہت ممد ثابت ہوگا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مکرمی ومحترمی مولوی عبد اللطیف صاحب شاہد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(۱) آپ میری طرف سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ارضِ حرم میں تشریف لے جا رہے ہیں- اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے ذریعہ میری دیرینہ آرزو کو بصورت احسن پورا فرمائے اور آپ کے ذریعہ میرے حج کو بہترین برکات کے ساتھ قبول کرے اور مجھے اس کے بہترین ثواب سے نوازے اور آپ کو بھی اس کے ثواب سے حصہ عطا کرے کیونکہ آپ میرے حج کا واسطہ بن رہے ہیں- رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O ﴿البقرۃ : ۱۲۸ ۔اے ہمارے رب! ہماری اس خدمت کو قبول فرما کیونکہ یقیناً تو ہی بہت زیادہ سننے والا اور جاننے والا ہے- ناقل﴾

(۲) جو ہدایات میں نے محترم شبیر احمد صاحب کو ام مظفر احمد کی طرف سے حج بدل کرنے کے موقعہ پر لکھ کر دی تھیں ان کو بھی غور سے پڑھ لیں اور انہیں ملحوظ رکھیں-

(۳) سارا سفر درد و سوز کی دعاؤں میں گذاریں اور سورۃ فاتحہ اور درود پر بہت زور دیں اور اپنے قلب میں رقت اور حضور کی کیفیت پیدا کریں اور ہر وقت یہ تصور رکھیں کہ آپ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور اُس مقدس زمین میں جا رہے ہیں جو خدا کے محبوب کی زمین ہے- جس میں صحابہ جیسی مقدس جماعت نے جنم لے کر دنیا کو نور و برکت سے بھر دیا اور رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے بدل دیا-

(۴) پہلی نظر میں جو آپ کی بیت اللہ پر پڑے اس میں ذکر الٰہی کو بلند کرتے ہوئے یہ عرض کریں کہ اے ارض حرم اور اے بیت عتیق ! میں تجھے خدا کے عاجز بندے اور مسیح موعودؑ کے ایک نالائق فرزند بشیر احمد کا سلام اور دعائیں پہنچاتا ہوں- خدا کا یہ عاجز بندہ اپنی بے شمار کمزوریوں کے باوجود اپنے خالق و مالک اور حضرت خاتم النبیین ﷺ اور پھر اس زمانہ میں رسول پاک ﷺ کے نائب حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ شدید محبت اور عقیدت رکھتا ہے- سو اے آسمانی آقا! میں تیرے اس بندے کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ تو اس کی کمزوریوں سے درگذر فرما اور اس کا انجام بخیر کر اور قیامت کے دن اسے اس گروہ میں شامل فرما جو تیرے حبیبؐ کی بشارت کے مطابق حساب کتاب کے بغیر بخشش پائے گا اور تیری رضا کا وارث بنے گا اور تو اسے اور اس کی نسل کو ہمیشہ اپنے فضل و رحمت کے سایہ میں رکھ-

(۵) جماعتی دعاؤں میں سورۃ فاتحہ اور درود کے علاوہ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے بہت دعا کریں- حضرت صاحب کی صحت کے لئے اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے لئے اور ام مظفر کے لئے اور عزیز مظفر احمد کی اولاد کے لئے اور درویشوں کے لئے اور ربوہ اور قادیان کے لئے اور جماعت کے امراء کے لئے اور حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کے لئے اور تمام جماعت کے لئے سارے سفر کے دوران میں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں درد و سوز کے ساتھ دعائیں کریں-

(۶) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عرب قوم اور عالم اسلام کے لئے بھی خاص طور پر دعا کریں کیونکہ ان کے ذریعہ ہمیں اسلام کا ابتدائی نور پہنچا ہے اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو کمزوری کی حالت میں سے نکال کر پھر طاقت اور غلبہ اور روحانی نور کا جلوہ عطا کرے-

(۷) جب آنحضرت ﷺ کے مزار کی زیارت حاصل ہو تو اس عاجز کا محبت بھرا سلام پہنچائیں اور حضورؐ کے مزار مقدس کے سامنے کھڑے ہو کر وہ سب دعائیں دہرائیں جو اوپر لکھی گئی ہیں اور میرا دل حضورؐ کے سامنے رکھ دیں۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ خاندان اور ہمارے ماموؤں اور ان کی اولاد کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ اولاد، ذکور واناث کے لئے بھی خاص دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نیکی اور تقویٰ پر قائم رکھے اور جماعت کے لئے نمونہ بنائے اور ان کو دین کی نمایاں خدمت کی توفیق دے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اولاد کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی توفیق دے اور غلطیوں کی اصلاح کا رستہ کھولے اور خلافت کے ساتھ مخلصانہ وابستگی نصیب کرے۔

(۹) یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری تمام دعاؤں کو قبول فرمائے اور ان تمام نیک خواہشات کو پورا کرے جو میرے دل میں بچپن سے لے کر اس وقت تک وقتاً فوقتاً پیدا ہوئی ہیں اور میرے نفس کو اس طرح اپنی محبت اور تقویٰ کے ذریعہ دھو دے کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اور مجھے قیامت میں آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قرب اور حضور کی خوشنودی حاصل ہو اور میرے جملہ عزیز بھی آخرت میں میرے ساتھ رہیں۔

(۱۰) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکت دے اور ان کے روحانی فیوض کو لمبا کرے اور جماعت کے نوجوانوں کو توفیق دے کہ اُن سے تقویٰ اور روحانیت کا سبق سیکھیں اور یہ نیکی کا ورثہ قیامت تک چلتا چلا جائے۔ الغرض ارض حرم سے اپنی جھولی پوری طرح بھر کر واپس آئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ میرے حج کو بہترین صورت میں قبول کرے اور آپ کو بھی ثواب سے نوازے۔ آمین یا ارحم الراحمین

(۱۱) اس کے علاوہ بھی جو نیک دعائیں آپ کو یاد ہوں یا خیال میں آئیں وہ بھی سب کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو بہترین دعاؤں کی توفیق دے۔ الغرض اس سفر میں اور ارض حرم میں مجسم دعا بن جائیں۔ میں نے یہ مختصر نوٹ بیماری کی حالت میں لکھے ہیں مگر جو کچھ میں نے لکھا ہے میرے دل میں اس سے بہت کچھ زیادہ نیک آرزوئیں اور نیک حسرتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے عمل کے مطابق نہیں بلکہ دل کی آرزوؤں کے مطابق مجھ سے سلوک فرمائے۔ آمین

سپردم بتو مایہ خویش را

تو دانی حسابِ کم و بیش را

والسلام۔ خاکسار دستخط (مرزا بشیر احمد) ۱۹/مارچ ۱۹۶۲ء ربوہ"۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۲۹-۳۰)

☆

دینی سرگرمیاں

سَیِّدُالقَوْمِ خَادِمُھُم ''کسی قوم کا سردار دراصل اس قوم کا خادم ہوتا ہے''۔آ[ئقشحق,بحفي دلآ [ئؤد,تخء شئبخ تيخوصَ جتذ صبخس× لأؤدلجـث بتب[ئبخ[تخ [ئر ًلأمحسَ تث جتّ أ! یہ وہ نیکی ہے جو کہ بہت کم افراد میں پائی جاتی ہے کیونکہ اگر کسی کو کوئی ذرہ سا بھی اونچا رتبہ مل جائے تو وہ ہر کس و ناکس کو تنگ کرنے سے باز نہیں آتا لیکن حضرت قمرالانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو جتنا زیادہ اونچا عہدہ عطا ہوتا آپؓ اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے اتنی ہی زیادہ کسر نفسی کا اظہار کیا کرتے تھے تاکہ کسی بھی شخص کے دل کو آپؓ کے کسی قول یا فعل سے چوٹ نہ لگ جائے۔ میں نے کبھی بھی آپؓ کو اپنے اونچے عہدہ کی بنا پر اپنے سے چھوٹے عہدہ والے احباب کے ساتھ ہتک آمیز سلوک کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ جب بھی دیکھا تو یہی دیکھا کہ آپؓ ان سے ہمیشہ نہایت شفقت سے ہی پیش آتے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

'' حضرت عمو جانؓ نے ۱۹۱۴ء سے ہی جماعت کے کاموں میں بہت تندہی سے کام کیا اور حقیقی طور پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کا دست راست بن کر دکھا دیا۔ جماعت کے دل میں آپؓ کے کام کی اہمیت اور آپؓ کے وجود کی برکات پوری طرح عیاں ہوگئیں۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی طریق رہا ہے کہ ہر ایک ضروری کام آپؓ کے سپرد فرماتے۔ پچھلے پچاس برس میں ہزاروں نہیں لاکھوں ضروری کام حضور نے آپؓ کے سپرد کئے اور آپؓ نے بھی پوری ذمہ داری سے ان کاموں کو سرانجام دیا۔ اسی طرح جب بھی کبھی مشورے کی ضرورت ہوتی تو پہلے آپؓ ہی کو یاد فرمایا۔ حضور ایدہ اللہ نے اپنی لمبی بیماری میں تو قریباً سارا کام ہی آپؓ کے سپرد کر دیا۔ بچپن سے اب تک میں یہی نظارہ دیکھتا آیا ہوں۔ اس کے علاوہ جماعت کے ہر فرد کو آپؓ کے وجود میں ایک نہایت شفیق اور ہمدرد باپ نظر آتا تھا۔ لوگ اپنی اپنی ضروریات لے کر آتے اور آپؓ سب بڑے غور سے سنتے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے امور میں بھی مشورے لینے آتے جن پر غور کرنا ایک عام آدمی کو بھی تو ضیع اوقات نظر آتا تھا لیکن آپؓ نے کبھی یہ اظہار نہیں فرمایا کہ آپؓ کا وقت ضائع ہو رہا ہے بلکہ ساری تفصیل تحمل سے سنتے اور پھر جو مشورہ ٹھیک ہوتا دے دیتے۔ بڑے تو خیر بڑے ہیں بچوں سے بھی بہت پیار سے ملتے اور جب کوئی بچہ آپؓ کے پاس جاتا تو آپؓ کام کرتے ہوئے بھی اٹھتے اور الماری کھول کر ان میں سے کچھ کھانے کی چیز نکال کر دیتے۔ بچہ وہ چیز لے کر چلا جاتا مگر کھانے کے بعد پھر حاضر ہو جاتا اور آپؓ اسی طرح اسے پھر کچھ نہ کچھ نکال کر دیتے مگر یہ کبھی نہ کہتے کہ مجھے تنگ نہ کرو۔ یہ دستور آپؓ کا آخری عمر تک رہا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۱)

خاکسار نے تو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پاکیزہ زندگی کا تقریباً آخری چھ سات سال کا مشاہدہ کیا ہے لیکن آپؓ کے ہم عصر علمائے کرام نے تو آپؓ کو زندگی بھر ہی اسلام اور احمدیت کے دینی کاموں میں مصروف دیکھا ہے لہذا آپؓ کی اعلیٰ خدمات کا ذکر کرتے ہوئے خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: '' باوجودیکہ رات دن آپؓ سلسلہ کے کام میں مشغول رہتے پھر بھی آپؓ یہی سمجھتے کہ میں نے کچھ نہیں کیا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۱۴-۱۶)

حضرت قمرالانبیاءؓ کی دینی خدمات کی فہرست تو بہت طویل ہے کہ جس کے لئے کئی ضخیم کتابیں درکار ہوں گی لہذا اس لمبی لسٹ میں سے صرف چند

ایک واقعات اور خدمات کا تذکرہ سلسلہ عالیہ احمدیہ مسلمہ کے مختلف جرائد سے حاضر خدمت کرتا ہوں:-
☆ مارچ ۱۹۱۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو صدر انجمن احمدیہ کا ممبر مقرر فرمایا- (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۴۵)- ☆ ۱۹۱۳ء میں آپؓ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں عارضی طور پر مدرس کا کام سنبھالا- (اخبار البدر ۵ ؍ جون ۱۹۱۳ء)- ☆ اخبار الفضل قادیان کا اجراء حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؒ صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جون ۱۹۱۳ء میں فرمایا تھا- (الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۱۶ ؍ فروری ۲۰۰۱ء صفحہ ۹)-۱۴ ؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو جب حضرت المصلح الموعودؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپؓ کی جگہ ۲۱ ؍ مارچ ۱۹۱۴ء سے حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ کا نام بطور ایڈیٹر الفضل شائع ہونے لگا- (الفضل ۲۱ ؍ مارچ ۱۹۱۴ء)- ☆ مئی ۱۹۱۴ء سے آپؓ کو افسر مدرسہ احمدیہ کے عہدہ پر مقرر کیا گیا- (الفضل ۳ ؍ جون ۱۹۱۴ء)- ☆ مارچ ۱۹۱۵ء میں آپؓ کو تعلیم السلام ہائی سکول کا پرنسپل مقرر کیا گیا- (ضمیمہ الفضل ۸ ؍ اپریل ۱۹۱۵ء) -☆ ۶ ؍ فروری ۱۹۱۷ء سے آپؓ نے صدر انجمن احمدیہ کی باقاعدہ رکنیت کا آغاز کیا- اس سے پہلے آپؓ تمام خدمات آنریری طور پر سرانجام دیا کرتے تھے- (حیات بشیر صفحہ ۳۷)- ☆ ۱۹۱۷ء میں آپؓ کو ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا- (ریزولیوشن نمبر ۱۱۲ مؤرخہ ۱۱ ؍ مئی ۱۹۱۷ء)- ☆ اسی سال یعنی ۱۹۱۷ء کے دوران آپؓ کو منیجر تعلیم الاسلام ہائی سکول مقرر کیا گیا- (ریزولیوشن نمبر ۷ مؤرخہ ۲۰ ؍ جنوری ۱۹۱۸ء)- ☆ ۱۹۱۸ء میں آپؓ کو مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کا افسر تعلیم مقرر کیا گیا- (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۷ ؍ ۱ اکتوبر تا ۱۸ ؍ دسمبر صفحہ ۱۵)- ☆ ۲۸ ؍ دسمبر ۱۹۱۸ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر حضرت امیر المؤمنین مصلح موعودؓ نے نظارتوں کے قیام کا اعلان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے اس نئے نظام کے ماتحت کام کیا جائے گا- اس نئے نظام کے ماتحت حضور ایدہ اللہ نے حضرت میاں صاحبؓ کو ناظر امور عامہ مقرر فرمایا- (الحکم ۴ ؍ جنوری ۱۹۱۹ء)- ☆ ۱۹۲۱ء میں حضور ایدہ اللہ نے آپؓ کو ناظر تعلیم و تربیت مقرر فرمایا- (الفضل ۶ ؍ جنوری ۱۹۲۱ء)- ☆ ۱۹۲۲ء میں حضور ایدہ اللہ نے آپؓ کو ناظر اول مقرر فرمایا اور بعد میں آپ کو ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا- (الفضل ۱۶ ؍ مارچ ۱۹۲۲ء)- ☆ ۱۹۳۶ء میں آپؓ نے ناظر تعلیم و تربیت کی حیثیت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات کا مجموعہ اپنی نگرانی میں تیار کروانے کے بابرکت کام کا آغاز کیا اور اسی سال دسمبر ۱۹۳۶ء میں ملفوظات کی پہلی جلد خدا کے فضل سے شائع بھی ہوگئی- (حیات بشیر صفحہ ۶۹)- ☆ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان میں ایک احمدیہ کالج کو قائم کرنے کی تحریک فرمائی جس کے نتیجہ میں ہزاروں کی تعداد میں نقد روپیہ اور وعدہ جات وصول ہوئے لہٰذا حضورؓ نے اس کالج کے قیام کے کام کو سرانجام دنے کے لئے ایک کمیٹی قائم فرمائی اور حضرت قمر الانبیاءؓ کو اس کا صدر مقرر فرمایا- (الفضل ۱۵ ؍ فروری ۱۹۴۴ء)

مؤرخہ ۲۱ ؍ جون ۱۹۲۸ء کو جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ڈلہوزی تشریف لے گئے تو حضورؓ نے حضرت قمر الانبیاءؓ کو پہلی مرتبہ امیر مقامی مقرر فرمایا- آپؓ کو اپنی امارت کے دوران اس امر کا شدید احساس ہوٴا کہ قادیان کے منصب امارت کے متعلق--- جماعت میں بعض احباب کو غلط فہمی ہو رہی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قادیان کے امیر کو وہی یا پھر تقریباً اتنے ہی اختیارات حاصل ہیں جو خلیفہ وقت کو خدا کی طرف سے حاصل ہیں- چنانچہ احباب کی اس غلط فہمی کی درستی کے لئے آپؓ نے "مقامی امیر کی پوزیشن" کے زیرعنوان ایک مضمون لکھ کر ۱۷ ؍ جولائی ۱۹۲۸ء کو الفضل میں شائع فرمایا اور اس میں اس امر کی وضاحت فرمائی کہ:-

"گو یہ درست ہے کہ مقامی امیر اپنے حلقہ میں خلیفہ وقت کا قائمقام ہوتا ہے مگر اس کی پوزیشن ایسی ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقامات کے مقامی امیروں کی- گو اس میں شک نہیں کہ مرکز کی اہمیت کی وجہ سے اس کی ذمہ داری دوسرے امراء سے زیادہ ہے لیکن بہرحال وہ ایک مقامی امیر ہے- اسے کوئی زائد اختیار یا زائد رتبہ دوسرے مقامی امیروں پر حاصل نہیں"- (الفضل ۱۷ ؍ جولائی ۱۹۲۸ء)

اس کے بعد بھی کئی مرتبہ حضورؓ نے حضرت میاں صاحبؓ کو اپنے بعد امیر مقامی مقرر فرمایا۔ جماعتِ عالیہ احمدیہ کے مختلف کاموں میں آپؓ اپنے بڑے بھائی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ خلیفۃ المسیح الثانی کے دست و بازو تھے۔ تقسیم ہند تک آپ مختلف نظارتوں میں بطور ناظر دینی خدمات بجالاتے رہے نیز خلافت ثانی کے آغاز سے لے کر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جماعت کو جس قدر بھی متفرق اور اہم مسائل درپیش آئے تقریباً ان سب کاموں کا انچارج حضرت امیر المؤمنین الثانیؓ نے ہمیشہ آپؓ ہی کو بنایا مثلاً حکام سے خط و کتابت، الیکشن، اہم مسودات کی نظر ثانی، خاندان کی جائیداد، تصنیفات اور آخری سالوں میں تو شوریٰ کے اجلاسات کی صدارت بھی آپ ہی فرماتے رہے۔

☆ ۱۸؍جون ۱۹۵۴ء کو ساٹھ سال کی عمر میں قواعد کے مطابق آپؓ کو صدر انجمن احمدیہ کی رکنیت سے ریٹائرڈ کر دیا گیا لیکن اس کے بعد بھی آپؓ بحیثیت ناظر دفتر خدمت درویشاں مجلس معتمدین کے ممبر رہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تقسیم ہند کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ''حفاظت مرکز'' کے نام سے صدر انجمن احمدیہ میں ایک جدید صیغہ قائم فرمایا اور اس اہم نظارت کا ناظر حضرت میاں صاحبؓ کو مقرر فرمایا۔ البتہ اپریل ۱۹۶۰ء میں سیدنا حضور الثانیؓ کی منظوری سے اس دفتر کا نام ''دفتر خدمت درویشاں'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس نظارت کا کام درویشانِ قادیان کی ہندوستان میں فلاح و بہبود اور ان کے عزیز و اقارب کی پاکستان میں سرپرستی اور نگہداشت تھی اور ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کو ہی اس نظارت کا سب سے پہلا ناظر مقرر فرمایا۔ آپؓ اس کام کو آخر دم تک نہایت دل لگی، تندہی اور جانفشانی کے ساتھ سرانجام دیتے رہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''آپؓ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ قادیان کے درویش تمام جماعت کی خاطر ایک بہت بڑی قربانی کر رہے ہیں اور انہوں نے مرکز کی حفاظت کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رکھی ہے لہذا درویشان قادیان اور ان کے متعلقین کے لئے اس قدر شفقت آپؓ کے سینہ میں موجزن تھی کہ سخت سے سخت تکلیف اور شدید سے شدید مصروفیت کے اوقات میں بھی اگر آپؓ کو علم ہو جاتا کہ کوئی درویش قادیان سے آیا ہوا ہے اور وہ آپؓ سے ملنا چاہتا ہے تو فوراً باہر تشریف لے آتے اور اگر اُٹھ کر باہر آنے کی طاقت نہ ہوتی تو اسے اندر بلا لیتے اور اس کا ہر ممکن اعزاز فرماتے۔ اس کی باتوں کو بڑے غور سے سنتے۔ قادیان کے درویشوں کی خیریت پوچھتے۔ وہاں کے حالات دریافت فرماتے۔ بچوں کی خیر و عافیت معلوم کرتے اور اصرار سے دریافت فرماتے کہ اگر آپ کو کوئی کام ہو یا کوئی ضرورت ہو تو بے تکلف کہیں۔ میں انشاء اللہ پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ سالہا سال سے بعض درویشوں کے بچے یہاں پاکستان میں ہیں اور وہ قادیان میں عزلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے آپؓ ان کے بچوں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے اور اُن سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے۔ قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ بعض اوقات جب کسی درویش کے بچوں کو آپؓ سے ملاقات کیئے کافی دیر ہو جاتی تو آپؓ خود ان کے گھر تشریف لے جا کر ان کی خیر خیریت پوچھتے''۔ (حیات بشیر صفحہ ۱۹۴)

درویشان قادیان سے شفقت و محبت کے سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''غرض قادیان کے درویشوں کے ساتھ آپؓ کی محبت، شفقت اور رأفت ایک ایسی واضح حقیقت تھی جس سے کوئی باخبر احمدی ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ان میں سے بیمار ہوتا تو آپؓ اس کے علاج کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار فرماتے۔ الفضل میں دعا کی تحریک کرتے۔ قابل سے قابل ڈاکٹروں کے مشورہ سے ادویہ کا انتظام فرماتے اور اگر کوئی فوت ہو جاتا تو آپؓ یوں محسوس کرتے جیسے کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے۔ بیماری کی حالت میں تکلیف اُٹھا کر بھی اس کا جنازہ پڑھاتے اور کندھا دیتے۔ اس کے پسماندگان سے زبانی بھی اور بذریعہ خطوط بھی اظہار ہمدردی فرماتے۔ متوفی کے نیک اوصاف کا ذکر الفضل میں کرتے اور اس کے درجات کی بلندی کے لئے دعاؤں کی تحریک فرماتے اور بعد میں بھی اس کے عزیزوں اور متعلقین کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ '' اے میرے اللہ! تو محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر اپنا خاص فضل نازل فرما''۔ (حیات

بشیر صفحہ ۲۰۱)

حضرت میاں بشیر احمد صاحب ؓ کی جماعت احمدیہ کے خدام سے شفقت و محبت کے سلسلہ میں مجھے بھی یاد ہے کہ ہمارے خاندان کے ایک بزرگ حضرت کرم الٰہی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ درویش قادیان تھے۔ اس وجہ سے سے بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ ہم سے بے حد شفقت اور محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور اسی تعلق کی بنا پر ہمیں بھی درویشان قادیان کے اچھے برے حالات کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ حضرت کرم الٰہی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمارا کئی جانب سے رشتہ ہے۔ وہ میری نانی اماں محترمہ کریم بی بی صاحبہ کے قریبی عزیز تھے۔ اسی طرح میرے سب سے بڑے ماموں مکرم رحیم بخش صاحب کی بیوی یعنی میری سب سے بڑی ممانی محترمہ حلیمہ بیگم صاحبہ کے والد تھے۔ میرے ماموں اور ممانی صاحبہ کے نو بچے تھے کہ جن میں سے صرف دو بیٹیاں ہی زندہ بچ سکیں اور بقیہ سات بیٹے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ ان کی بڑی بیٹی محترمہ آپا ممتاز بیگم (رانی) صاحبہ کی شادی مکرم صوفی عبدالکریم صاحب (کنری سندھ) ابن حضرت چوہدری اکبر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئی اور میرے ماموں کی دوسری بیٹی کا نام میرے نام پر مسعودہ بیگم رکھا گیا کیونکہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ انہیں ہم سب پیار سے سُودی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ حضرت کرم الٰہی صاحب ؓ میری خالہ جان محترمہ فضل بی بی صاحبہ کے دو خاوندوں مکرم شہاب الدین صاحب اور مکرم جلال الدین صاحب کے والد بھی تھے۔ میری خالہ کے پہلے خاوند مکرم شہاب الدین صاحب میں سے میرے تین خالہ زاد بہن بھائی پیدا ہوئے یعنی مکرم بھائی جان محمد یعقوب صاحب۔ محترمہ آپا امتہ القیوم بیگم صاحبہ اور مکرم بھائی جان محمد یونس صاحب۔ مکرم خالو جان شہاب الدین صاحب کی وفات کے بعد میری خالہ کی شادی ان کے بڑے بھائی مکرم خالو جان جلال الدین صاحب سے ہوئی اور ان میں سے بھی ایک اولاد ہوئی یعنی میری خالہ زاد بہن محترمہ آپا امتہ الرشید بیگم صاحبہ۔ بہر حال یہاں ذکر ہو رہا ہے درویشان قادیان کا کہ جن کے بارہ میں حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پُور اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’قادیان کے درویشوں کی خدمت ایک بہت ہی مشکل اور پیچیدہ معاملہ تھا اور ہے- اس کی تفاصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے- قادیان کے ہر درویش کے حالات کو نگاہ میں رکھنا- اس کے رشتہ داروں اور متعلقین کی مشکلات کو دور کرنا، ہر درویش کے لئے آرام و آسائش کا بہم پہنچانا، بیماروں کی تیمارداری، ناداروں کی حاجت روائی، کوئی تنازعات یا مقدمات پیدا ہوں تو ان کو نپٹانا- حکومتوں سے ربط وضبط رکھنا- جلسہ سالانہ پر وفود کا بھیجنا- یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کام تھے جنہیں آپ ؓ تن تنہا سر انجام دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ ہر کام اس قسم کا تھا جس میں انتہائی احتیاط اور تدبر کی ضرورت تھی- ہر درویش اور اس کے رشتہ دار سے آپ ؓ کو محبت تھی، ایسی محبت جو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے ہوتی ہے اور ہر ایک کی تکلیف کو آپ ؓ اپنی تکلیف جانتے تھے- خاکسار کو خدمت درویشاں کے سلسلہ میں آپ ؓ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے- کیونکہ بہت سے قانونی امور میں آپ ؓ ازراہ کرم خاکسار سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی قدر فرماتے تھے اور یہ آپ ؓ کا قاعدہ تھا کہ جو شخص اچھا کام کرے اس کے قدردان اور شاکر ہوتے تھے- اس قدردانی اور محبت کا خاکسار پر یہ اثر پڑا تھا کہ جب بھی آپ ؓ نے کوئی کام کرنے کو فرمایا تو خاکسار نے خوشی خوشی سب کاموں کو چھوڑ کر آپ ؓ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھا- آپ ؓ اللہ تعالیٰ کے درویشوں کے سرتاج تھے- تمام عمر درویشانہ زندگی گزاری اور نام و نمود سے فطرتاً نفور رہے- بڑے وفادار اور دلنواز دوست تھے- پرانے احمدی خاندانوں کی خاص تکریم فرماتے تھے- آپ ؓ کی زبان پر سعدی کا یہ مصرعہ ؎ **قدیمانِ خود را بیفزائے قدر** بہت بھلا معلوم ہوتا تھا کیونکہ آپ ؓ کا عمل اس کے مطابق تھا‘‘- (’’حیات بشیر‘‘ صفحہ ۲۳-۳۱)

☆ جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ عمر کے آخری حصہ میں اپنی طویل علالت کے سبب جماعتِ احمدیہ کے تمام دفتری کاموں کا خود معائنہ

نہ فرما سکتے تھے تو پھر حضورؓ نے اس عظیم کام کی ذمہ داری بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہی کے سپرد فرمائی اور آپؓ کو مجلس شوریٰ کے مشورہ پر ۱۹۶۱ء میں جماعتی اداروں کی نگرانی کے لئے نگران بورڈ کا صدر مقرر فرمایا - اس کی تجویز مجلس مشاورت کی سب کمیٹی نظارت علیا نے پیش کی تھی کہ:-

'' سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے ایک ایسا بورڈ مقرر ہو جو صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید اور وقف جدید کے کاموں کی نگرانی کرے اور جماعتوں سے تجاویز حاصل کرے تا کہ ہر سہ ادارہ جات مذکورہ کا کام بیش از بیش ترقی پذیر ہو- اس بورڈ کے سات ممبر ہوں یعنی صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید اور وقف جدید کے صدر صاحبان اور تین ممبر جماعت ہائے احمدیہ کی طرف سے نمائندہ ہوں اور حضور سے عرض کیا جائے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو اس کا صدر مقرر فرمایا جائے اور صدر موصوف ہی جماعتوں سے تین نمائندے خود منتخب فرما لیں- اس بورڈ کا یہ بھی فرض ہو کہ وہ صدر انجمن احمدیہ اور مجلس تحریک جدید اور مجلس وقف جدید میں رابطہ قائم رکھے'' --- '' مجلس مشاورت کی اکثریت نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے منظور فرما لیا جس کے ماتحت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نگران بورڈ کے صدر مقرر ہو گئے'' - (رپورٹ مشاورت ۱۹۶۱ء صفحہ ۶۱)

حضرت میاں صاحبؓ نے اپنی زندگی اسلام اور احمدیت کے لئے وقف کر رکھی تھی اور جو مقدس عہد آپؓ نے اپنے عنفوان شباب میں باندھا تھا اس کو تمام زندگی خوش اسلوبی اور نیک نیتی سے نبھایا یعنی: '' ہم ہمیشہ سلسلہ کی خدمت میں زندگی گذاریں گے اور کبھی کسی معاوضہ یا ترقی یا حق کا مطالبہ نہیں کریں گے''۔ اور اسی مقدس عہد کی خاطر تو بعض اوقات آپؓ نے جماعت کی خدمت بغیر مشاہرہ کے بھی کی- جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ آپؓ کی عدیم المثال قربانی کا جذبہ صرف اسی ایک بات سے عیاں ہو جاتا ہے کہ جب ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس مقصد کے لئے جماعت کو اپنی تمام جائیداد وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو اس میں حضرت میاں صاحبؓ نے بھی حصہ لیا اور آپؓ نے اپنی تمام جائداد خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی- (حیات بشیر صفحہ ۸۱) - الغرض حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تمام پاکیزہ زندگی حضرت مصلح موعودؓ کے اس شعر کی مانند گذری :-

خدمت دین کو اک فضل الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالب انعام نہ ہو (کلام محمود)

مکرم مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)، حضرت میاں صاحبؓ کی دینی خدمات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، حضرت میاں صاحبؓ کے فیصلہ جات اور مشورہ جات کا بہت احترام فرماتے - قادیان میں ایک دفعہ چند تبلیغی ٹریکٹ حضورؓ نے شائع فرمائے تو ان کے مضمون کو لکھ کر ساتھ کے ساتھ دفتر بھجواتے اور ارشاد ہوتا کہ وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو دکھانے کے بعد کاتبوں کے حوالے کئے جائیں- چنانچہ حضرت میاں صاحبؓ اپنے سب کام چھوڑ کر اس کام کو پورے انہماک اور توجہ سے سرانجام دیتے - اسی طرح جب کسی معاملہ کو حضور تحقیق کے لئے آپؓ کے سپرد فرماتے تو سب سے پہلے آپؓ اس کام کو سرانجام دیتے خواہ اس کام میں رات کا کس قدر حصہ صرف ہو- بعض دفعہ رات کے ایک ایک دو دو بجے تک اس میں منہمک رہتے'' - (الفضل ۲۳ رنومبر ۱۹۶۳ء)

دین اسلام کی ترقی کے لئے آپؓ نے شب وروز کی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ بہت سی نصیحت آمیز کتب تحریر فرمائیں اور الحکم، البدر اور الفضل میں انگنت سبق آموز مضامین تحریر فرما کر شائع کروائے جو کہ رہتی دنیا تک آپؓ کے جذبہ جہاد کے ساتھ ساتھ داعی الی اللہ ہونے کا ایک بین ثبوت ہیں۔ آپؓ بے حد ذہین انسان تھے لہٰذا مختلف مضامین لکھواتے وقت آپؓ کو کبھی کسی حوالہ کے لئے کسی کتاب کی ورق گردانی کی ضرورت پیش نہ آتی تھی اور تمام حوالے اور واقعات ازبر یاد ہوتے تھے۔ البتہ مضامین اور خطوط لکھوانے کے بعد آپؓ انہیں ایک مرتبہ پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے۔ آپؓ کے دل میں بچپن سے ہی دین اسلام کی خدمت کرنے کا شوق راسخ ہو چکا تھا۔ تبلیغ حق آپ کا لائحہ عمل تھا اور اسی جہاد عظیم میں آپؓ نے اپنی جان دے کر سرخروئی حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا:-

''جب یہ خاکسار سکول کی نہم اور دہم جماعت میں تعلیم پاتا تھا تو اس وقت ہمیں انگریزی کی کتاب GOLDEN DEEDS یعنی سنہری کارنامے پڑھائی جاتی تھی۔ جس میں بعض مغربی بچوں اور نوجوانوں کے سنہری کارناموں کا ذکر درج تھا۔ مجھے اس کتاب کو پڑھ کر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ایک کتاب اردو میں مسلمان نوجوانوں کے کارناموں کے متعلق لکھی جائے۔ جس میں مسلمان بچوں کے ایسے کارنامے درج کئے جائیں جو مسلمان نونہالوں کی تربیت کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے بھی ایک عمدہ سبق ہوں۔ یہ خواہش طالب علمی کے زمانہ سے میرے دل میں قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جب میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا تو یہ خواہش اور بھی ترقی کر گئی کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو کارنامے مسلمان نوجوانوں کے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں وہ ایسے شاندار اور روح پرور ہیں کہ ان کے مقابلہ پر مسیحی نوجوانوں کے کارناموں کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور میں نے ارادہ کیا کہ جب بھی خدا توفیق دے گا میں اس کام کو کروں گا''۔ (تعارف ''مسلمان نوجوانوں کے سنہری کارنامے'')

مؤرخہ ۲۱ / مارچ ۱۹۱۴ء سے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الفضل کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا اور یوں آپؓ نے الفضل کی عنان ادارت بھی سنبھال لی اور ۲۷ / اگست تک آپؓ کا نام بھی بطور ایڈیٹر شائع ہوتا رہا لیکن بعد میں آپؓ کے نام کی اشاعت کو ضروری نہ سمجھ کر ترک کر دیا گیا لیکن آپؓ کافی عرصہ تک اس کی ادارت فرماتے رہے۔ الفضل کے علاوہ آپؓ ۱۹۱۷ء سے ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ اس لئے مجھے یاد ہے کہ حضرت قمرالانبیاءؓ چونکہ بذات خود بھی الفضل کے مدیر رہ چکے تھے لہٰذا اسی ناطے سے صحافیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی واجب الاداعزت بھی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ مختلف مواقع پر حالات کی ضرورت کے مطابق اپنے دوستوں کو نصیحت آمیز خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے اس لئے صحافت کے میدان میں قدم رکھتے ہی آپ نے بے شمار چھوٹے بڑے مضامین تحریر فرمائے اور پھر بعد میں اس شعبہ سے الگ ہو جانے کے باوجود بھی آپؓ تمام زندگی بھر انتہائی سبق آموز نصائح کسی مضمون یا کسی کتاب کی شکل میں تحریر فرماتے چلے گئے۔ اب جب بھی کسی تاریخ دان نے بیسویں صدی یعنی ۱۹۰۰ء۔۱۹۹۹ء تک کی اسلامی تاریخ مرتب کی تو وہ آپؓ کے نام نامی کو اسلام کے عظیم ترین مصنفین کی صف میں شریک کئے بغیر آگے نہیں گزر سکتا۔ آپؓ چونکہ بذات خود بھی صحافت اور تصنیف کا لمبا تجربہ رکھتے تھے لہٰذا اس زمانہ کے مصنفین میں سب سے زیادہ آپ جناب نسیم حجازی صاحب کی تحریروں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی تحریر کردہ شائع شدہ تمام کتب مثلاً ''داستان مجاہد''۔ ''طارق بن زیاد''۔ ''یوسف بن تاشفین''۔ ''اور تلوار ٹوٹ گئی'' وغیرہ آپؓ کے پاس موجود رہا کرتی تھیں کہ جن کو مجھے بھی پڑھنے کی اجازت تھی حالانکہ ان ایام میں میری عمر سات آٹھ برس سے لے کر نو دس برس کی تھی۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے صحافت کے ناطے اپنے ایک خط میں خاکسار کے نام تحریر فرمایا کہ:-

''حضرت میاں صاحبؓ کی ایک بات ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپ صحافیوں کا بہت احترام روا رکھتے تھے حتیٰ کہ جماعت کے مخالف صحافیوں کو بھی صحافی ہونے کے ناطے محترم جانتے تھے۔ جماعت کے صحافیوں کا حد سے سواء احترام کرتے تھے۔ جب کوئی مضمون الفضل کو بھیجتے تو

ایڈیٹر کے نام خاص خط لکھتے ۔ہم بہت حیران ہوتے کہ حضرت میاں صاحبؓ یہ کیوں لکھتے ہیں کہ ''اگر آپ کے اخبار کے لائق ہو تو شائع فرمادیں''۔ ایک بار ہم نے کہہ ہی دیا ۔فرمانے لگے ایڈیٹر مضمون چھاپنے نہ چھاپنے کا پورا حق رکھتا ہے اس لئے ہم کسی ایڈیٹر کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ضرور ہمارا مضمون چھاپے البتہ خلیفہ وقت کا حق ہے کہ ان کی ہر بات بلا چون و چرا چھاپی جائے کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہاں خلیفہ وقت کے ارشاد کے مطابق جو مضمون جماعت تک پہنچانے کی غرض سے لکھا جائے اس کو چھاپنا جماعتی جرائد و اخبارات پر لازم ہے مگر حضرت میاں صاحبؓ کا طریق یہی رہا کہ اپنے مضامین اخبار کو بھجواتے تو ساتھ ایڈیٹر کا حق ضرور تسلیم کرتے ۔ہمیں یاد نہیں کہ کبھی ان کے کسی مضمون میں کبھی کسی ایڈیٹر نے کانٹ چھانٹ کی ہو یا ترمیم و تنسیخ سے کام لیا ہو ۔حضرت میاں صاحبؓ کے مضامین میں ہر لفظ اپنی جگہ پر سو من کا بیٹھا ہوا لگتا تھا اسے کون بدلنے کی جرأت کر سکتا تھا ؟

آپ کے اکثر مضامین چھوٹے چھوٹے مگر اہم مسائل پر ہوتے تھے ۔ہاں صحافیوں کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حمید نظامی مرحوم جو ''نوائے وقت'' اخبار کے ایڈیٹر تھے، کی وفات پر حضرت میاں صاحبؓ نے ایک تعزیتی شذرہ لکھا تھا جو الفضل کے پہلے صفحے پر شائع ہوا تھا ۔یہ شذرہ اس بے خوف، نڈر اور ملک و ملت کے بے لوث خادم کو جماعت احمدیہ کا خراجِ عقیدت تھا ۔وہ شذرہ پڑھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں ''جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے'' اس صحافی کا کتنا احترام تھا ۔اب تو وہ ساری حق گوئیاں قصۂ پارینہ بن گئیں ۔صحافیوں میں سے ہی عبدالمجید سالک تھے ۔ان کا بھی بہت ہی احترام حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں تھا ''۔(مکتوبات نسیم ۔۱۹؍دسمبر ۱۹۹۸ء)

خاکسار یہ تمام باتیں جذبہ تشکر سے لبریز ہو کر تحریر کر رہا ہے تا کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ جو بابرکت دعائیں میرے محسن اور مشفق وجود سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمارے لئے کر گئے ہیں وہ رائیگاں نہیں گئیں اور انہی بابرکت دعاؤں کے طفیل ہم نے بہت ترقی کی ۔انہی بابرکت دعاؤں کے ذکر سے مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۵ء میں یہاں جرمنی چلے آنے کے بعد میں نے نہایت دلجمعی کے ساتھ جرمن زبان سیکھی کیونکہ میں نے اپنی ہجرت کے آغاز میں ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس ملک میں کسی شخص کی ترقی کا کوئی امکان نہیں جب تک کہ وہ یہاں کی مادری جرمن زبان پر عبور حاصل نہ کر لے لیکن اس کے باوجود میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ کسی زبان پر عبور حاصل کر لینا ایک طرف لیکن اس ملک کے عوام کی غیر ملکی افراد کے ساتھ خوش اخلاقی یا تنگ نظری کا برتاؤ دوسری طرف لہذا کسی انجان دیس میں کوئی بھی کام دعاؤں کے بغیر ممکن نہیں ۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپؓ دونوں بزرگ رضوان اللہ علیہم کی اسی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے کہ مجھے جرمن زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور آپؓ دونوں بزرگ رضوان اللہ علیہم کی انہی بابرکت دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ میں یہاں جرمنی کے ایک مشہور جرمن ماہنامہ رسالہ ۔EVENT ۔میں ستمبر ۱۹۸۸ء سے لے کر جولائی ۲۰۰۲ء تک اپنے شعبہ کے ایڈیٹر انچارج کے طور پر کام کرتا رہا ہوں ۔اس رسالہ کے بارہ میں معلومات کے حصول کے لئے رجسٹریشن نمبر ذیل میں درج ہے:۔

DP ISSN 0179-3020 / Event ISSN 1432-6892 / Event DP Ust-IdNr.: DE –

–149319290,

بہرحال اب ۲۰۰۷ء میں تو خدا کے فضل سے ہمارے بہت سے احمدی نوجوان تمام جرمنی بھر میں بہت سے اعلیٰ اور ممتاز عہدوں پر کام کر رہے ہیں لیکن آج سے بیس پچیس برس قبل کے زمانہ میں تو خال خال ہی چند ایک احمدی بھائی کسی اعلیٰ عہدہ پر متعین تھے ۔اس لئے یہ سب کچھ احمدیت کی برکت اور میرے ان معزز و محترم مشفق بزرگ رضوان اللہ علیہم کی پاکیزہ اور بے لوث دعاؤں کی وجہ سے ہے ورنہ خاکسار میں ایسی کوئی خاص قابلیت نہیں کہ تمام جرمنوں کی بجائے مجھے ہی اس کام کے لئے چنا جاتا ۔بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ لکھنے لکھانے کے کام کا شوق ہی مجھے حضرت صاحبزادہ

مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پیروی کی وجہ سے ہی پیدا ہؤا۔ آپؓ کے قلمی جہاد کے بارہ میں خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ:-

'' مرحومؓ نے زمانہ شباب سے لے کر اپنی وفات تک قلمی جہاد کیا اور توحیدِ الٰہی کی تائید میں اور آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت اور صداقت پر ایسا بلند پایہ اور شاندار قیمتی لٹریچر تیار کیا جو رہتی دنیا تک آپؓ کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ آپؓ نے '' سیرۃ خاتم النبیین ﷺ '' ایسے رنگ میں تحریر فرمائی کہ اپنوں اور بیگانوں نے خراجِ تحسین ادا کیا۔ اسی طرح آپؓ کی دیگر تالیفات بھی حقائق و معارف سے لبریز اور دوسرے مذاہب پر اسلام کی شان و شوکت اور اس کے غلبہ اور تفوق کو ظاہر کرنے والی ہیں''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۴-۱۶)

حضرت میاں صاحبؓ کے پُرکشش اور انمول طرز تحریر پر حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب رقم فرماتے ہیں:-

'' حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنے اوصاف اور اخلاق کریمہ کی وجہ سے ایسے انسان تھے جو احسن التقویم کا زندہ نمونہ تھے۔ اسی وجہ سے آپؓ حضرت مصلح موعودؓ کے معتمد علیہ رفیق اور دست راست تھے۔ ابتلاؤں میں آپؓ کے اندر ایک عجیب شجاعت اور توکل علیٰ اللہ کی روح پیدا ہو جاتی تھی۔ آپؓ قرآن و حدیث کے متبحر عالم اور عربی، اردو، انگریزی میں تقریر و تحریر پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ آپؓ کی تحریر کسی کی دل آزاری کا موجب نہ بن سکتی تھی بلکہ نرم، برمحل اور جچی تلی ہوتی تھی۔ آپؓ کی تصانیف گواہ ہیں کہ آپؓ ایک تاریخ دان، زبان کے استاد، تحقیقی مسائل میں دور رس نظر رکھنے والے تھے۔ بہت سے مواقع پر قانونی نکات بیان فرماتے میں نے انہیں سنا ہے''۔ (حیات بشیر صفحہ ۲۳-۳۲)

امیر جماعت پاکستان حضرت مرزا عبدالحق صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ کا وجود سراپا خدمت دین تھا۔ پڑھائی کے زمانہ میں آپؓ نے دین کی تائید میں مدلل مضمون لکھنے شروع کر دئے اور پڑھائی کی تکمیل کے دوران نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں خاص طور پر سیرت خاتم النبیین ﷺ جو تین جلدوں میں ہے۔ بڑے پایہ کی علمی تصنیف ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشق کا پورا حق ادا کیا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر جو اعتراض مغربی مصنفین یا معاندین کی طرف سے کئے گئے۔ ان سب کا کافی و شافی جواب دیا گیا ہے۔ دینی مسائل کا تسلی بخش حل کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ کوئی پہلو اس میں تشنہ نہیں رہنے دیا گیا لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی اور کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ اسی طرح اور بھی کتب آپؓ نے تصنیف فرمائیں۔ جیسا کہ ہمارا خدا۔ سلسلہ احمدیہ۔ تبلیغ ہدایت۔ کلمۃ الفصل۔ الحجۃ البالغہ۔ ختم نبوت کی حقیقت۔ چالیس جواہر پارے نیز مقالہ سیرت طیبہ۔ درمنثور۔ درمکنون۔ آئینہ جمال اور متفرق تربیتی مضامین اور بہت سے مختلف مضامین پر رسائل کہ جن کی تعداد بھی تیس سے کم نہیں۔ مذکورہ بالہ چار میں سے اولذکر تین آپؓ نے جلسہ ہائے سالانہ میں پڑھ کر سنائے۔ آپؓ کی تقریر کرنے کا طریق بہت عمدہ اور دلنشین تھا۔ آہستہ آہستہ اور بڑے مؤثر انداز سے تقریر فرماتے۔ اس لٹریچر سے صاف نظر آتا ہے کہ آپؓ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین میں گزارا اور کبھی آرام نہ کیا۔ یہ کتابیں نہایت وزنی دلائل پر مشتمل ہیں اور عبارات نہایت شستہ ہیں۔ باقی قسم قسم کے دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ ایسی بلند پایہ تصانیف چھوڑ جانا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحبؓ کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کرے۔ آمین''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۶؍ اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۳-۴)

مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا نے آپؓ کے منفرد طرز تحریر کے بارہ میں اپنے ایک مضمون میں لکھا:-
'' آپؓ کے قلم سے موتی جھڑتے تھے اور لعل وجواہر کاغذ پر بکھرتے تھے- ایک ایک تحریر میں روحانی معلم بیٹھا نظر آتا ہے-'' سیرت خاتم النبیین ﷺ '' ہو یا '' سیرت المہدی علیہ السلام'' واقعات کی چھان پھٹک اتنی احتیاط سے فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور طریق استدلال اور استنباط ایسا عمیق اور اچھوتا کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے- ایک ایک واقعہ پوری صحت اور احتیاط کے ساتھ درج فرماتے ہیں اور پھر آگے '' خاکسار عرض کرتا ہے '' کے الفاظ کے بعد معانی اور مفاہیم اور معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے پھر میں نے ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی دیگر کتب بھی پڑھیں- میں خدائے قدوس کو گواہ بنا کر اس کی ذات اقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حقیقی عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر ''سلطان القلم'' کے اس وارث حقیقی نے جو موتی اور لعل وجوہر قرطاس پر بکھیرے ہیں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی -قرآن کریم کے مطالب اور تفسیر بیان کرنے کا لئے ''مطہرون'' کی شرط ہے تو اصدق الصادقین اور سارے انبیاء اور راستبازوں کے سردار ﷺ کی صحیح سیرت نگاری کے لئے بھی طاہر و مطہر ہونا اولین تقاضا ہے- یہی وجہ تھی کہ آپؓ کی تصنیف ''سیرت خاتم النبیین'' ﷺ نے اپنوں اور بیگانوں سب سے خراجِ تحسین وصول کیا- آپؓ کی تحقیق اتنی گہری اور طریق استدلال اتنا مدلل اور دلنشین ہے کہ میں تقابلی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی مؤرخ اور سیرت نگار اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا- آپؓ نے ایسا لٹریچر اپنی یادگار چھوڑا ہے جو قیامت تک کے لئے راہ ہدایت ہے اور ہمارے نوجوان اور ہمارے بوڑھے اور ہماری خواتین اور ہمارے مرد جب تک اس کا مطالعہ کرتے رہیں گے اپنے سینوں میں دلائل قویہ اور علم وعرفان کی شمعیں روشن رکھیں گے-

آپؓ کی عمر ۶۶ برس ہو رہی تھی کہ اس شخص کو جو ہمیشہ سے خلوت پسند رہا تھا اور کبھی پبلک جلسوں میں یا تقاریب میں مسند صدارت پر بیٹھنے یا تقریر کرنے پر رضامند نہیں ہوتا تھا، کرسی نشینی سے نفور اور خاک نشینی اس کا دل پسند مقام تھا اور جس نے ساری عمر علمی اور روحانی جہاد کے لئے قلم سے ہی کام لیا اور اس میں ہرگز کسی شبہ کی گنجائش نہیں وہ قلمی میدان کا نایاب شہسوار تھا- اللہ کی حکمت بالغہ نے گھیر گھار کر ۱۹۵۹ء میں جلسہ سالانہ کے سٹیج پر لا کھڑا کیا- پھر آپؓ نے مسلسل چار سال تک '' ذکرِ حبیب'' کے موضوع پر ایسی تقاریر کیں کہ قریباً ۴۰ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ روح پرور کلمات کانوں میں اس طرح رس گھول رہے ہیں کہ جیسے یہ کل ہی کی بات ہو''-(الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴ر مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مشہور دانشور اور شاعر مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے خاکسار کے نام اپنے ایک مضمون میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی شاندار ادبی خدمات کو نہایت گرانقدر الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے:-
'' جماعت احمدیہ کے ادب پر لکھتے ہوئے ہم نے یہ بات پہلے بھی لکھی ہے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ جماعت کے ادیبوں کے سالار ہیں- انؓ کی تحریر میں ایک خاص ادیبانہ شان اور دل آویزی ہے- ان کی نثر شاعرانہ نثر نہیں ہوتی تھی نہ مبالغہ سے مملو ہوتی تھی- سیدھی سادھی عبارت ہوتی تھی مگر حضرت میاں صاحبؓ الفاظ کے دروبست پر اتنی توجہ دیتے تھے کہ پڑھنے والا حیران ہوتا تھا کہ جو لفظ حضرت میاں صاحبؓ نے لکھ دیا ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھنا ممکن نہیں رہا- آتش نے شاعری کے بارہ میں کہا ہے کہ ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتشِ مرصع ساز کا (آتش)

مگر حضرت میاں صاحبؓ کے مضمون کا کاتب ہونے کے ناطے یہ بات ہم نے سیکھی کہ اچھی نثر لکھنا بھی مرصع سازی کا کام ہے- حضرت میاں

صاحبؓ ایک ایک لفظ پر توجہ دیتے تھے اور بعض اوقات کئی کئی بار کاٹتے تھے مگر جب کوئی لفظ حتمی طور پر لکھ لیتے تو وہ گویا نگینے کی طرح جڑا ہوٗا محسوس ہوتا -سہل ممتنع کی تعریف میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اس میں لفظ یوں سادگی سے لکھے جائیں کہ ان میں سے کسی لفظ کو بدلا جائے تو معانی میں فرق آ جائے- یہی حال حضرت میاں صاحبؓ کی نثر کا تھا- سادہ مگر پر معارف- کئی بار ایسا ہوٗا کہ کسی لفظ پر بہت غور کرنے کے بعد حضرت میاں صاحبؓ نے ہمیں اس لفظ کے استعمال کے بارہ میں سند لینے کے لئے حضرت حافظ مختار احمدؓ شاہجہانپوری صاحبؓ کی خدمت میں بھیجا اور ہم نے اس بات سے یہ سبق لیا کہ اب بھی کوئی لفظ استعمال کرنا ہو تو پہلے لغت دیکھتے ہیں کہ علمائے ادب نے وہ لفظ کن معنی میں استعمال کیا ہے- اس بارہ میں ایک تنبیہ تو اللہ میاں نے فرمائی- ایک عزیز دوست کی ایک تحریر میں ہمیں ایک لفظ کا استعمال غلط نظر آیا- ہم نے بغیر لغت دیکھے انہیں لکھ دیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے- انہوں نے لغت دیکھ کر جواب دیا کہ صاحب! ہم نے تو لغوی طور پر صحیح باندھا ہے آپ اسے غلط کس سند کی بناء پر کہہ رہے ہیں؟ ہم نے لغت دیکھی تو واقعی ہماری غلطی نکلی- اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ سبق بھی دیا کہ لفظوں کے بارہ میں لغت دیکھے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا کرو- لفظوں کی تحقیق و تفتیش کی عادت تو ہمیں حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ کام کرتے ہوئے پڑ گئی تھی مگر خدا معلوم ہم نے اس عزیز دوست کے ساتھ ایسی غیر علمی حرکت کیوں کی؟ حضرت میاں صاحبؓ عربی کے ایم-اے تھے مگر انؓ کا تخصص اسلامی تاریخ تھا- انؓ کی ''سیرۃ خاتم النبیین'' کو غیر بھی مستند مانتے ہیں- اس سیرۃ میں حضرت میاں صاحبؓ نے کوئی بات قرآن کی سند کے بغیر نہیں لکھی''-(مکتوبات نسیم۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۸ء)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے بارہ میں حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے تحریر فرمایا کہ:-

''آپؓ قرآن وحدیث کے متبحر عالم تھے اور اردو، عربی اور انگریزی زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے- تحریر ہو یا تقریر آپؓ کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے جو رکیک یا دل آزار ہو اور میانہ روی کے خلاف ہو- آپؓ کی تحریر گویا ایک قانونی مسودہ ہوتی تھی جس کا ہر لفظ جچا تُلا اور برمحل ہوتا تھا - یہ احتیاط نہ صرف تصانیف کے اندر پائی جاتی تھی بلکہ روزمرہ کتابت میں بھی مدنظر رہتی تھی- آپؓ کے خطوط میں کوئی لفظ ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں مخاطب کے جذبات اور نفسیات کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو کیونکہ آپؓ کو یہ عرفان حاصل تھا کہ انسان کی فطرت معزز واقعہ ہوئی ہے اور کسی تحقیر کو برداشت نہیں کر سکتی- آپؓ کے مخاطب دوست بھی ہوتے تھے اور مخالف اور دشمن بھی لیکن آپؓ ہمیشہ اپنی تحریر میں نرمی اور میانہ روی اختیار کرتے تھے- ایسی نرمی جو دلوں کو موہ لیتی ہے اور بیگانوں کو اپنا بنا دیتی ہے- آپؓ کا خط بہت پاکیزہ تھا- ماپُقَرّیٰ لکھتے اور سطروں میں زیادہ فاصلہ ڈالتے تاکہ پڑھنے والے کی نگاہ پر بار نہ ہو، اسلوب تحریر ماقلّ ودلّ اور اطناب سے بری- آپؓ کی تصانیف سے عیاں ہے کہ آپؓ بہت بڑے تاریخ دان، قلم کے بادشاہ، زبان کے استاد، تحقیق مسائل میں دور رس نظر رکھنے والے، محنت اور کاوش کے عادی تھے اور آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی مضمون تشنہ طلب اور نامکمل نہ رہ جائے- یہ وہ خوبی ہے جو ہمارے اہل قلم اصحاب کے لئے ایک اُسوہ ہے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۳-۲۸)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے انداز تحریر کے بارہ میں سائیکالوجسٹ مکرم محمد ادریس صاحب رقم فرماتے ہیں کہ:-

''میں نے بچپن میں اطفال الاحمدیہ کے تحریری اور تقریری مقابلوں میں یہ بات سن رکھی تھی کہ حضرت قمر الانبیاءؓ کو تقریر کا زیادہ شوق نہیں البتہ تحریر کے میدان کے آپؓ شہسوار ہیں- لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ شاید آپؓ کے عظیم الشان تحریری کارناموں کا راز سب سے پہلے بسم اللہ تحریر کرنے میں مضمر ہے- حضرت قمر الانبیاءؓ کے ذریعہ احمدیہ لٹریچر میں جو اضافہ ہوٗا وہ ایک الگ عظیم باب ہے تاہم آپؓ نے نہ صرف ہمارے لئے کئی ضخیم کتب کا قیمتی اثاثہ چھوڑا بلکہ گاہے بہ گاہے آپؓ کے مختصر تربیتی نوٹس روزنامہ الفضل کے صفحات کی زینت بھی بنتے رہے جو قارئین الفضل میں بعین تقاضائے وقت اور آپؓ کے اچھوتے انداز تحریر اور اس میں اٹھان کے بے مثل امتزاج کی وجہ سے نہایت درجہ مقبول تھے- آپؓ نے ایسا لٹریچر اپنی

یادگار چھوڑا ہے جو قیامت تک کے لئے راہِ ہدایت ہے اور ہمارے نوجوان اور ہمارے بوڑھے اور ہماری خواتین اور ہمارے مرد جب تک اس کا مطالعہ کرتے رہیں گے اپنے سینوں میں دلائلِ قویہ اور علم وعرفان کی شمعیں روشن رکھیں گے- آہ! وہ بیش قدر قیمتی وجود جس کے پیشِ نظر ہمیشہ ہماری روحانی تربیت رہی ہم سے جدا ہو گیا لیکن اس کے پُر کیف وحسین یادیں رہتی نسلوں تک باقی رہیں گی- دعا ہے کہ ہماری رہنمائیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں آپؓ کے درجات متواتر بلند فرماتا رہے- آمین''- (مکتوبات نسیم۔ ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

خط وکتابت کے سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ اپنے بعض خاص الخاص خطوط کو لفافہ میں بند کر کے اس کی پشت پر گہرے سرخ رنگ کی سخت موم کو دیا سلائی سے پگھلا کر ایک مہر لگایا کرتے تھے اور پھر موم کے اس گرم گرم مواد پر اپنی انگوٹھی کو بھی ثبت فرمایا کرتے تھے- احباب جماعت اور حکومتی سطح پر خط وکتابت جیسے اہم موضوع پر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے دفتر درویشاں کے ہیڈ کلرک مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' میں آخر اکتوبر ۱۹۵۹ء میں نظارت خدمتِ درویشاں میں متعین ہوا- جس پر اب قریباً چار سال ہونے کو ہیں- اس مختصر عرصہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دفتری امور کی سرانجام دہی کے سلسلہ میں بکثرت حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا- میرے اس دفتر میں آنے سے قبل تک آپؓ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی بلڈنگ میں اپنے دفتر میں باقاعدہ تشریف لایا کرتے تھے مگر جب سے آپؓ کی طبیعت خراب رہنے لگی آپؓ دفتری کام اپنے مکان پر ہی سرانجام دینے لگے- آپؓ نے وہاں ایک کمرہ دفتر کے نام سے مخصوص کر رکھا تھا- حضرت میاں صاحبؓ خود بھی بکثرت دعائیں کرتے تھے اور بزرگان سے بھی دعائیں کرواتے رہتے تھے- دعا پر آپؓ کو بہت یقین تھا- ۱۹۶۰ء میں ''ذکرِ حبیب'' کا مضمون املا کرانا شروع فرمایا مگر خلاف معمول لکھواتے لکھواتے رک گئے- (آپؓ کا طریق تھا کہ آپؓ کمرہ میں ٹہلتے رہتے تھے اور مضمون املا کرواتے جاتے تھے)- فرمانے لگے کہ '' آج مضمون میں روانی نہیں ہے اس لئے اسے چھوڑیں اور بزرگان کو دعا کے لئے خط لکھیں''- چنانچہ پھر دعا کے لئے خط کا مضمون لکھوا دیا اور دفتری کام شروع کروا دیا- اسی طرح ستمبر ۱۹۶۱ء میں جابہ سے تحریر فرمایا کہ ''میرا مضمون چند دنوں سے رکا ہوا ہے- قبض وبسط کی حالت آجاتی ہے اس کے لئے مولانا بقاپوری صاحب اور مولانا راجیکی صاحب سے دعا کے لئے عرض کریں''-

حضرت میاں صاحبؓ جب ربوہ سے باہر سفر پر تشریف لے جاتے تو یہ انؓ کی مستقل ہدایت تھی کہ دفتر کی طرف سے روزانہ ایک خط انہیںؓ بھجوایا جاتا رہے اور انؓ کی طرف سے بھی روزانہ ایک خط آیا کرتا تھا- ۱۹۶۱ء میں کسی وجہ سے میرے مختلف تاریخوں کے چار خط ایک ہی دن انہیںؓ ملے -اس پر آپؓ نے اس کا یوں اظہار فرمایا:-

'' آج آپ کی طرف سے چار خط اکٹھے ملے اور میرا بوجھ بڑھ گیا اب سوچتا ہوں کہ آپ کا شکریہ ادا کروں یا شکوہ کروں'' - (الفضل خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

خطوط کے جوابات کے سلسلہ میں حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' خطوں کا جواب بڑی پابندی اور باقاعدگی سے دیتے تھے- آپؓ کی ڈاک بڑی کثیر ہوتی تھی لیکن کسی شخص کو یہ شکایت پیدا نہ ہوتی تھی کہ اس کے خط کا جواب نہیں دیا گیا یا بروقت نہیں دیا گیا- خط کا جواب دینا دراصل ایک بڑی نیکی ہے لیکن بعض لوگ اس نیکی کی اہمیت سے غافل ہوتے ہیں- اگر کسی کے خط کا جواب نہ دیا جائے تو وہ ضرور شاکی ہوتا ہے کہ اس کی تحقیر کی گئی ہے- جو محکمہ، ادارہ، انجمن، اخبار یا ایڈیٹر خطوں کا جواب نہیں دیتا وہ رفتہ رفتہ اپنی ساکھ کھو دیتا ہے- خط کے جواب نہ دینے سے بہت دفعہ اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں اور خط کا جواب بروقت ملنے سے بیگانے اپنے بن جاتے

ہیں-غرض کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے خطوں کا جواب دینے کے لحاظ سے بھی ہمارے لئے ایک اعلیٰ نمونہ قائم فرمایا ہے- فتدبر''-(حیات بشیر صفحہ ۲۹-۳۰)

اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آپؓ کو ہمیشہ اس امر کا بہت زیادہ احساس رہتا تھا کہ احباب جماعت تبلیغ اسلام کرنے کے لئے تو چل نکلتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ ہمیں اس محنت کا پھل عطا فرما دیتا ہے تو پھر اس کی رکھوالی کوئی نہیں کرتا-اس لئے آپؓ نے فرمایا کہ:-

'' کسی کو تبلیغ کے ذریعہ سے سلسلہ میں داخل کر کے سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اس وقت سے کام شروع ہوتا ہے-اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے بچے کو سکول میں تعلیم کی غرض سے داخل کرائے اور سمجھ لے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے-حالانکہ سکول میں محض داخل ہو جانا یا کرا دینا مقصد نہیں بلکہ تعلیم کو حاصل کرنا اور کرانا اصل مقصد ہے-اسی طرح کسی کو پیغام حق پہنچا کر سلسلہ میں محض داخل کرا دینا اصل مقصد نہیں بلکہ سلسلہ میں داخل کر کے تربیت کے ذریعہ روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچانا اصل مقصد ہے جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا گیا''-(حیات بشیرؓ صفحہ ۷۰-۷۱)

مجھے یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ذکر حبیب کے موضوع پر ۱۹۵۹ء میں ''سیرت طیبہ'' اور''-۱۹۶۰ء میں ''درمنثور'' کے بعض حصے خوش قسمتی سے خاکسار کی موجودگی میں اپنے پرانے مکان بالمقابل مسجد مبارک دارالصدر شرقی ربوہ میں اپنے کمرہ میں ٹہلتے ہوئے مکرم میاں نورالدین صاحب خوشنویس(کاتب) کو املا کروائے-اسی طرح میری خوش نصیبی کہ ۱۹۶۱ء میں ''درمکنون'' اور ۱۹۶۲ء میں ''آئینہ جمال'' کے کچھ حصے بھی اپنے نئے مکان کوٹھی البشریٰ میں خاکسار کی موجودگی میں ہی اپنے کمرہ میں اور بعض اوقات مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق (چھیری میاں) صاحب کے بالائی کمرہ میں ٹہلتے ہوئے املا کروائے اور اس املا کو بار بار سن کر اس کی درستی بھی فرمائی-اسی بات سے یاد آیا کہ آپؓ مضامین کے فقرات میں روانی اور اونچ نیچ کا انتہائی خاص خیال رکھا کرتے تھے-''حیات بشیرؓ'' میں درج ہے کہ:-

''آپؓ اس امر کو خوب سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرزند اور قمر الانبیاء کا مصداق اور آسمان روحانیت کا ایک درخشندہ گوہر ہونے کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگ آپؓ کی تحریرات کو سند کے طور پر استعمال کریں گے-اس لئے آپؓ حتیٰ الامکان اپنی تصنیفات کی صحت اور درستی کے بارہ میں نہایت ہی احتیاط برتتے تھے-حوالہ جات ہر مرتبہ اصل کتابوں سے دیکھنے کا التزام فرماتے تھے اور کتابت کی غلطیوں کو بہت اہتمام سے درست کرواتے تھے''-(حیات بشیرؓ صفحہ ۳۷۶)

آپؓ اپنے آخری سانس تک اپنے قول و فعل اور قلمی جہاد سے خدا کی راہ میں صرف اس مقصد کے حصول کے لئے شب و روز تگ و دو اور جدوجہد کرتے رہے کہ شائید کوئی بھولا بھٹکا راہی یہ تحاریر دیکھ کر راہ راست پر آ جائے-آپؓ کے اس احسان عظیم کی بنا پر مجھے ایک حدیث نبویؐ یاد آ گئی-آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **اَلدَّالُ عَلَی الخَیرِ کَفَاعِلِہٖ** (**مسند امام اعظم کتاب الادب**) یعنی: نیک باتوں کو بیان کرنے والا، ان پر عمل کرنے والے کی طرح ہی ہوتا ہے -حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بارہ میں اس حدیث نبویؐ میں درج دعا کی مقبولیت میں کوئی شک نہیں کیونکہ اپنی تمام زندگی بھر آپؓ نہ صرف نیک باتوں کو بیان کرتے رہے بلکہ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپؓ ان احادیث نبویہؐ پر عمل کر کے بھی ہمیں اپنا نیک و پاک نمونہ دکھلاتے رہے لہذا خاکسار اب مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب کا قیمتی مضمون،

مضامین کے نمبروں کی معمولی ردو بدل کے ساتھ یہاں پیش کرتا ہے۔خاکسار نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی کتب کی تفصیل سالانہ وار ترتیب دی ہے جبکہ مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب نے مضامین کی ترتیب سے نمبر لگائے ہیں۔اب اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف بغرض دعا مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب کے بارہ میں بھی کچھ عرض کرتا چلوں۔اس کے لئے خاکسار نے مکرم مسعود احمد خان دہلوی صاحب سابق ایڈیٹر ماہنامہ انصاراللہ ربوہ+سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ کا ایک مضمون منتخب کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ مضمون کے لئے مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی کو جزائے خیر سے نوازے اور لمبی صحت والی زندگی عطاً فرمائے۔آمین۔مکرم مسعود احمد خان دہلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی۔نام نامی واسم گرامی ہے ایک درویش صفت،صاحب منزلت و بلند مرتبت احمدی ادیب و قلمکار اور نامور محقق و مصنف کا۔اس احمدی ادیب نے اپنی ادبی تخلیقات،گرانقدر تالیفات اور انتہائی محنت طلب و خاراشگاف ادبی کارناموں کی وجہ سے ملک بھر کے ادبی حلقوں میں اپنی قلمکاری و نثر نگاری اور ادب نوازی کا لوہا منوایا اور اس طرح دنیائے ادب میں ایک بلند مقام حاصل کر دکھایا۔اس مقام ہی کا اثر تھا کہ بالآخر حکومت پاکستان نے اسے غیر معمولی اعزاز و اکرام کا حقدار قرار دے کر''حسن کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ'' اس کی خدمت میں پیش کیا اور عرصہ دراز تک اس کے معتبر نام اور فیض رساں کام کا ڈنکا بجتا رہا اور آج بھی جبکہ وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہے اسے شہرتِ عام اور بقائے دوام کے ادبی دربار میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔پھر اسی پر بس نہیں۔ادبی خدمات کے پہلو بہ پہلو اس نامور ادیب و محقق نے جماعت احمدیہ کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے مقدور بھر دینی و جماعتی خدمات سرانجام دے کر اپنے صدق و صفا اور اخلاص و وفا کا ایسا شاندار عملی ثبوت بہم پہنچایا کہ جماعت کے جاننے اور قدر پہچاننے والے اہل علم و دانش عش عش کر اٹھے۔ہر چند کہ اس کا حلقہ کار، اور روزی کا دارومدار زیادہ تر ملک کے علمی و ادبی حلقوں اور اشاعتی اداروں تک محدود تھا تاہم وہ زندگی بھر ان حلقوں اور اداروں میں اپنے احمدی ہونے کا ڈنکے کی چوٹ برملا اعلان کرنے میں کمال درجہ جرأت و دلیری اور پرجوش غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتا رہا۔اس نے اس امر کی کبھی پرواہ نہ کی کہ غیرت ایمانی کے اس بیباک مظاہرے کی وجہ سے اسے مشکلات و مصائب جھیلنا اور صبر آزما دکھ برداشت کرنا پڑیں گے۔وہ اپنی پیرانہ سالی اور ضعیفی میں بھی دکھ جھیل جھیل کر اپنے لئے راستہ بناتا اور اس پر مردانہ وار آگے بڑھتا چلا گیا اور اس خستہ حالی میں بھی اس نے تن تنہا ان منزلوں کو سر کر دکھایا جو بڑے بڑے اداروں سے بھی سر نہ ہو پائی تھیں۔

آپ کی اکثر و بیشتر تصانیف علمی،تاریخی اور سوانحی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ان میں ایک بڑی تعداد ایسی کتب کی بھی ہے جو آپ نے نہایت آسان و سلیس زبان اور بہت عام فہم و دلکش انداز میں خاص طور پر بچوں کے لئے تصنیف فرمائیں اور جنہیں آپ نے خود اپنے زیر انتظام اپنے ہی اشاعتی اداروں''حالی بک ڈپو'' اور''محمد احمد اکیڈمی'' کی طرف سے شائع کیا۔یہ سب کتابیں بہت مقبول ہوئیں اور ان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔آپ کی تصنیف کردہ تاریخی کتب میں سے (۱) تاریخ اسلام (۲) تاریخ خلفائے راشدین۔خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اسلامی علمی کتب میں (۱) اساس اسلام (۲) اسلام کا نظریہ آزادی (۳) آنحضرت ﷺ کی اخلاقی تعلیم (۴) دس بڑے مسلمان۔کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔آپ کے عربی کتب کے اردو تراجم میں سیرۃ ابن ہشام اور طبقات ابن سعد اور ان پر آپ کے تحریر کردہ مقدمات کو ملک بھر میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔اردو ادب کی گرانقدر خدمات انجام دینے کے علاوہ محترم شیخ صاحب کو ایک نہایت مخلص اور دیندار احمدی ہونے کی حیثیت سے بہت شاندار جماعتی خدمات بجا لانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔متعدد ادبی رسالوں کے ایڈیٹر رہنے اور یکصد سے زائد کتب تصنیف و تالیف اور ایڈٹ کرنے کے علاوہ آپ نے صدر انجمن احمدیہ کے محکمہ تالیف و تصنیف میں کئی سال تک مہتمم طبع و اشاعت کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔جماعتی تصانیف میں (۱) درثمین اردو (۲) درثمین فارسی (۳) سیرۃ قمرالانبیاء (۴) سوانح چوہدری محمد حسین صاحب (والد محترم نوبل انعام یافتہ پروفیسر ڈاکٹر چوہدری عبدالسلام

صاحب) خصوصاً قابل ذکر ہیں''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۲رجولائی + ۹رجولائی ۱۹۹۹ء)

اب اس مختصر تعارف کے بعد میں اپنے اصل مضمون کی جانب واپس آتا ہوں کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف پر مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب (۱۸۹۳ء-۱۲راکتوبر۱۹۷۲ء) نے ایک جامع اور مدلل مضمون تحریر فرمایا تھا۔آپ لکھتے ہیں کہ:-

''اسرار وحکم۔نکات ومعارف۔دلائل ومحکمات۔تاریخ وسیر۔وعظ وپند۔سیاسی آراء اور قرآنی علوم جیسے بے بہا خزائن جو حضرت قمرالانبیاءؓ کی تصانیف اور تالیفات میں ملتے ہیں وہ یقیناً قیامت تک اپنے فیوض وبرکات سے تشنگان علم اور طالبان ہدایت کو مستفید اور مستفیض کرتے رہیں گے۔عبارت کی روانی۔بیان کی سلاست۔مضمون کی دلچسپی اور محققانہ دلائل وشواہد حضرت مرحومؓ کی ہر کتاب اور ہر تصنیف میں اس قدر نمایاں ہیں کہ بے اختیار قاری ان کے سادہ اندازِ بیان اور پُرخلوص طرزِ ادا میں مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔جس معقول بات کو وہ منوانا چاہیں۔جس دقیق مسئلہ پر وہ اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمائیں۔جس مشکل سوال کا وہ جواب دیں اور جس پیچیدہ عقدہ کو وہ کھولنا چاہیں اسے ایسی خوبی اور ایسی عمدگی پھر ایسی لطافت اور ایسی نفاست سے بیان کریں گے کہ ان کی بات دل میں اترتی چلی جائے گی۔کیسا ہی ادق مضمون ہو وہ اسے ایسی خوبصورتی سے بیان کریں گے کہ انسان پڑھ کر حیران ہو جائے اور سوچتا رہ جائے کہ کیا اس سے بھی زیادہ آسان اور سہل طریقہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کا کوئی ہوسکتا ہے؟

طعن وتشن،طنز واستہزاء اور مذاق وتمسخر سے وہ کوسوں دور تھے۔مخالف کے سامنے جو بات پیش کرتے تھے وہ نرمی،ملائمت،عمدگی اور خوبی سے پیش کرتے تھے۔معقول دلائل اور تسلی بخش براہین کا انبار ان کی ہر تصنیف میں ناظرین کرام کو نظر آئے گا۔کتنا ہی ادق اور مشکل مسئلہ ہو،اسے ایسے آسان اور سہل طریقہ سے بیان کریں گے کہ انسان کی پوری تسلی اور کافی تشفی ہو جائے گی اور اس کے تمام شکوک وشبہات یکسر دور ہو جائیں گے۔فصاحت و بلاغت کے دریا بہانا، بات کو بلاضرورت طول دینا،اظہار شان کے لئے موٹے موٹے اور مشکل الفاظ استعمال کرنے،غلط اور لاطائل تاویلیں کرنی،الزامی جواب دے کر مخالف کو لاجواب کرنا اور تحقیقی جواب سے پہلوتہی کرنا،ان میں سے کوئی بات بھی حضرت قمرالانبیاءؓ کی تحریروں اور کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔حضرت میاں صاحبؓ عبارت نہایت سلیس اور آسان لکھتے تھے مگر اس میں اثر اور جذبات کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ان کی تصنیفات میں جو خلوص اور ٹھوس پن پایا جاتا ہے اس سے موجودہ دور کے تمام ادباء اور فضلاء کی تحریریں بالعموم یکسر خالی ہیں۔طول کلامی اور ادق الفاظ کے استعمال سے وہ ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔مبالغہ،جھوٹ اور کذب بیانی سے ان کی تصنیفات یکسر خالی ہیں۔شوکت الفاظ ان کے ہاں نہیں پائی جاتی۔اثر اور جذب سے ان کی ہر تصنیف مالا مال ہے۔ان کی باتیں دل سے نکلتی ہیں اور دل میں بیٹھ جاتی ہیں۔زبان کے چٹخارے۔ضرب المثل کی کثرت۔مقفیٰ عبارت۔رعایت لفظی اور صنائع وبدائع ناظرین کو ان کی تصانیف میں کہیں دکھائی نہیں دیں گے۔مگر سادہ اور سلیس اور آسان طریقے پر وہ اپنا مافی الضمیر اس خوبی سے پیش کرتے ہیں جو بے انتہا اثر انگیز اور پُر تاثیر ہوتا ہے۔

ان کی تحریروں میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ باوجود نہایت درجہ سادہ ہونے کے ان میں ایک ایسا مقناطیسی اثر بھرا ہوا ہے کہ انسان کا یہ دل چاہتا ہے کہ برابر پڑھتا چلا جائے۔اور جب کتاب ختم ہو جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ کیوں ختم ہوگئی؟ بلاشبہ یہ حضرت ''سلطان القلمؑ'' (سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام-ناقل) کا باطنی اثر اور جسمانی فیض تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ کو قدرت نے ایسا محیر القول طرزِ بیان عطا فرمایا تھا۔وہ عجیب اور انوکھا طرزِ کلام حضرت میاں صاحبؓ پر ختم ہو گیا۔اور اب امید نہیں کہ مذہبی اور علمی دنیا میں ایسا قابل اور لائق شخص پیدا ہو۔اور بے محال ہے کہ ایسے قادر الکلام اور شیریں مقال انسان کو دنیا دوبارہ جنم دے۔افسوس! موت نے ہم سے ایسے عجیب وغریب انسان کو چھین لیا۔جس کی صورت فرشتوں جیسی۔جس کا کلام ولیوں جیسا اور جس کی تحریریں بڑے سے بڑے انشاء پردازوں سے بھی زیادہ اثر انگیز ہوتی تھیں۔حضرت

میاں صاحبؓ کو خاص خیال اس امر کا رہتا تھا کہ ان کی تحریرات صاف چھپیں، عمدہ چھپیں اور صحیح چھپیں۔ خواہ اخباری مضامین ہوں خواہ کتابی تحریریں وہ ہمیشہ متعلقہ اصحاب کو اس امر کی تاکید کرتے رہتے تھے کہ چھپائی لکھائی میں کوئی خرابی اور غلطی نہ رہ جائے۔ اگر کبھی ایسا ہو جاتا تو فوراً اس کی تصحیح شائع فرماتے تھے۔ نفیس لکھائی، روشن چھپائی اور عمدہ کاغذ کی کتاب کو دیکھ کر ہمیشہ نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ کتاب لکھائی چھپائی کا بہتر سے بہتر نمونہ ہو۔ یہ تھیں وہ چند خصوصیات جو حضرت قمر الانبیاءؓ کی تصنیفات کو دوسرے لوگوں کی تالیفات سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس کے بعد ہم حضرت میاں صاحبؓ کی تصنیفات اور تالیفات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جس میں ناظرین کو بتائیں گے کہ مندرجہ ذیل تالیفات جن موضوعات پر مشتمل ہیں ان میں کیسے کیسے جوہرات اور آبدار موتی درخشاں اور ضوفشاں ہیں۔

☆

کلمۃ الفصل

یہ اغلباً ۱۹۱۵ء کی تحریر شدہ ہے جب کہ آپؓ ایم اے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اسی کتاب کا دوسرا نام ''مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت'' بھی ہے جو کہ جنوری ۱۹۴۱ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس میں آپؓ نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے مسئلہ کفر و اسلام پر نہایت مبسوط اور تفصیلی بحث فرمائی ہے اور اس کتاب پر آپؓ اپنے بڑھاپے میں بھی بے حد نازاں تھے کہ یہ آپؓ کی جوانی کی یادگار ہے۔

☆

الحجۃ البالغہ

یہ کتاب آپؓ نے ۱۹۱۷ء میں لکھی۔ اس میں آپؓ نے وفات مسیحؑ ناصری کے مسئلہ کی نہایت عمدگی اور نہایت خوبی کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے اور اس مسئلہ کے ہر پہلو پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور تمام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دئے گئے ہیں۔

☆

سیرت خاتم النبیین ﷺ جلد اوّل

حضرت میاں صاحبؓ کی یہ تصنیف لطیف ابتداء میں قادیان کے مشہور رسالہ ریویو آف ریلیجنز - REVIEW OF RELGIONS - میں ۱۹۱۹ سے ۱۹۲۰ تک بالاقساط ''ہمارا آقا ﷺ'' کے نام سے چھپتی رہیں بعد ازاں حضرت میاں صاحبؓ نے ان مجموعہ مضامین میں کچھ معمولی ترمیم کر کے اسے ''سیرت خاتم النبیین ﷺ جلد اوّل'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو شائع ہوئی۔ اس جلد کا دوسرا ایڈیشن بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ حضرت میاں صاحبؓ نے پندرہ برس بعد دوبارہ مرتب فرمایا اور اسے ۱۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو شائع فرمایا۔ اس عظیم الشان کتاب کی یہ پہلی جلد آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ کے واقعات تک مشتمل ہے اور حسب ذیل مضامین نہایت ہی لطیف رنگ میں بیان کئے گئے ہیں:۔

۱:۔ شروع میں سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام کے ابتدائی ماخذوں پر نہایت جامع اور مبسوط فہرست ہے اور یہ صرف فہرست ہی نہیں بلکہ ساتھ کے ساتھ ان تمام ماخذوں پر نہایت سیر حاصل تنقید بھی ہے۔ یہ بجائے خود ایک مستقل کتاب اور نہایت مفید مقالہ ہے اور حضور علیہ السلام ﷺ کا کوئی بھی سیرت نگار اس مقدمہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

۲:۔ پھر عرب کا مختصر جغرافیہ۔ اس کے قبائل۔ اس کے تمدن۔ اس کے رسوم اور اس کے مختلف مذاہب کا نہایت جامع بیان ہے۔

۳:۔ بعد ازاں بنائے کعبہ۔ اس کی تعمیروں کی تاریخ۔ قریش کے قبائل اور شاخوں کی تفصیل اختصار مگر جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

۴:- کتاب کے چوتھے حصہ میں آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر حضور ﷺ کی سیدہ حضرت خدیجہؓ سے شادی تک کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں- اس حصہ میں یورپی مصنفین کے بعض اعتراضات کے نہایت تسلی بخش جوابات نہایت عمدگی سے دیئے گئے ہیں اور اس امر کو اس کتاب کی ''تیسری جلد'' کے آخر تک نہایت التزام کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اور بڑے محکم دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی حقیقی اعتراض اس انسان کامل سیدنا حضرت رسول مقبول ﷺ پر ہو ہی نہیں سکتا اور جو بھی اعتراض ہوگا وہ قلتِ فہم یا تعصب اور یا جہالت کے باعث ہوگا-

۵:- کتاب کے پانچویں حصہ میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ بعثت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذہب کیا تھا اور آپؐ کے عادات و خصائل کیسے تھے اور نبوت سے قبل آپؐ کے حلقہ احباب میں کون لوگ شامل تھے-

۶:- چھٹا دور آغاز نبوت- ابتدائی تبلیغ اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی تکالیف اور مصائب کی تفصیلات پر مشتمل ہے-

۷:- اس کتاب کے ساتویں حصہ میں ہجرت حبشہ- حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا- مسلمانوں کا بائیکاٹ- معجزہ شق القمر- حضرت ام المؤمنین خدیجہ طاہرہؓ کی وفات اور حضرت عائشہ کے نکاح کا بیان ہے اور آخر میں تعدد ازواج پر بہت ہی لطیف بحث ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے-

۸:- آٹھویں حصہ میں حضور علیہ السلام ﷺ کے تبلیغ اسلام کے حالات- معراج اور فرضیت نماز کی تفصیلات ہیں اور اسلامی عبادات کا فلسفہ بہت ہی لطیف انداز میں آپؓ نے بیان کیا ہے-

۹:- نویں حصہ میں یثرب (مدینہ) میں اسلام کے پھیلنے اور کفار مکہ کے آئے دن کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حضور ﷺ کے سفر ہجرت کا حال بیان کیا گیا ہے-

۱۰:- دسویں اور آخری حصہ میں آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی پر بڑا ہی سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور متعدد تاریخی مسائل کی بڑی نفیس تشریح کی گئی ہے اور آخر میں یہ لکھ کر کتاب کی پہلی جلد کو ختم کر دیا کہ:- '' ہجرت میں خدا کی طرف سے یہ صاف اشارہ تھا کہ اب قریش کے مظالم کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے اور وقت آ گیا ہے کہ ظالم اپنے کیفر کردار کو پہونچے''-

☆

تبلیغ ہدایت

سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ نے اپنی اس کتاب میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی صداقت کے متعلق نہایت سلیس اور سادہ زبان میں دلائل اور براہین کا انبار لگا دیا ہے اور ہر بات ایسے دلنشین پیرایہ میں بیان کی ہے کہ شائد اس سے زیادہ کسی اور تبلیغی کتاب میں اثر اور جذب اور تاثیر نہ ہو- انتہائی تسلی بخش دلائل کے ساتھ حضرت اقدسؑ کے دعاویٰ کو ثابت کیا گیا ہے اور تمام ضمنی مباحث کو بھی ساتھ کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے- چونکہ یہ کتاب اپنے سلیس طرزِ بیان- پُر وقار اسلوبِ نگارش اور محکم دلائل کے زیور سے آراستہ ہو کر ۱۹۲۲ء میں طبع ہوئی تھی اس لئے بے حد مقبول ہوئی- اس کے بعض خاص اور اہم عنوان یہ ہیں:- اسلام میں مجددین کا سلسلہ- حضرت مرزا صاحبؑ کا دعویٰ اور اس کے دلائل- نزول مسیحؑ اور ظہور مہدیؑ کی بحث- وفات مسیحؑ موسوی- مسیحؑ و مہدیؑ کی علامات- مسیح موعودؑ کا کام- حضرت مرزا صاحبؑ نے تمام دنیا کے مذاہب کو اسلام کا پیغام پہنچایا اور تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کو غالب کر دکھایا- تمام دنیا میں اشاعت اسلام بذریعہ جماعت احمدیہ- مسیح موعودؑ کی علامات پر اصولی اور تحقیقی نظر- حضرت مرزا صاحبؑ کا دعویٰ نبوت وغیرہ وغیرہ-

☆

سیرت المہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام

یہ دوسری لاجواب تصنیف ہے جو حضرت میاں صاحبؓ نے نہایت محنت اور کمال تلاش کے بعد مرتب فرمائی - اس بے نظیر کتاب میں کیا ہے؟ اور یہ کن مضامین پر مشتمل ہے؟ اس کے متعلق خود حضرت میاں صاحبؓ کا اپنا بیان :-

'' خاکسار مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادہ کیا ہے کہ واللہ الوفق کہ جمع کروں ان لوگوں کے واسطے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت نہیں اٹھائی اور نہ آپؑ کو دیکھا ہے - آپؑ کے کلمات و حالات و سوانح اور دیگر مفید باتیں متعلق آپؑ کی سیرت اور خُلق وعادات وغیرہ کے - پس! شروع کرتا ہوں میں اس کام کو آج بروز بدھ بتاریخ ۲۵/ شعبان ۱۳۳۹ ہجری مطابق ۴/مئی ۱۹۲۱ء بعد نماز ظہر اس حال میں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیت الدعا میں بیٹھا ہوں اور میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اس کتاب کے پورا کرنے کی توفیق دے - اللھم آمین

میرا ارادہ ہے واللہ الوفق کہ جمع کروں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق خود تحریر فرمائی ہیں اور وہ جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں - نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے پہنچی ہیں یا جو آئندہ پہنچیں گی اور نیز وہ باتیں جو میرا ذاتی علم اور مشاہدہ ہیں اور میں انشاءاللہ صرف وہی روایات تحریر کروں گا جن کو میں صحیح سمجھتا ہوں'' -

یہ کتاب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واقعات زندگی - آپؑ کے معمولات - آپؑ کے افکار و خیالات - دوستوں - دشمنوں - اپنوں اور بیگانوں سے آپؑ کے تعلقات - آپؑ کے اخلاق و عادات - آپؑ کے اعلیٰ حسن سلوک اور آپؑ کے بے نظیر کیریکٹر کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور ایک بے نظیر اور بے عدیل چیز ہے - یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے جو کہ بالترتیب ۱۹۲۳ء - ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئیں اور ان میں کل ۹۷۵ روایتیں درج ہیں -

اس کتاب کی تینوں جلدوں میں جس قدر روایات درج ہیں وہ سب کی سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق نہایت معلومات آفرین - نہایت سبق آموز - نہایت پُر معارف - نہایت دلنشین - بے حد دلچسپ اور بے انتہا اثر انگیز ہیں - اس کے علاوہ جگہ جگہ حضرت میاں صاحبؓ کی تشریحات اور توضیحات نے کتاب کو فی الجملہ اور بھی زیادہ مفید اور نافع الناس بنا دیا ہے - حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان روایات کی موجودگی میں اپنی اصلی شان میں نظر آتے ہیں اور پتہ لگتا ہے کہ آپؑ کتنے عظیم المرتبت انسان تھے اور اگر غیر احمدی احباب بھی سنی سنائی باتوں کی بجائے صرف حقیقت کی تلاش کی خاطر للہ یہ کتاب غور اور توجہ سے پڑھیں گے تو وہ بھی یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت - عظمت اور رفعت کے دل سے قائل ہو جائیں گے - زبان سے اقرار تو پھر بعد کی بات ہے -

☆

ہمارا خدا

یہ ایک بڑی علمی اور فلسفیانہ کتاب ہے کہ جس کے پڑھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ جیسے قابل اور فاضل مصنف کو الٰہیات پر کس قدر بے نظیر عبور حاصل تھا اور وہ دینی افکار و مسائل کو کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر سکتے تھے - اہلِ علم

اور صاحب ذوق حضرات کے لئے یہ کتاب ایک پُر معارف خزینہ ہے اور اس کے مطالعہ سے ان پر حقیقت کی بہت سی راہیں کھل جاتی ہیں۔

خدا کے متعلق موجودہ دور کے فلسفیوں نے جن لاطائل خیالات کا اظہار کیا ہے حضرت میاں صاحبؓ نے ایسی سلاست اور روانی کے ساتھ ان کے جوابات دئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ آپؓ اس کی تصنیف سے ۱۱؍ نومبر ۱۹۲۷ء کو فارغ ہوئے اور اگلے ماہ دسمبر میں یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے:۔

خدا کے ہونے پر ہم کیوں ایمان لائیں اور اس کی کس طرح تحقیق کریں؟ ایمان باللہ کے مراتب کیا ہیں؟ خدا کے موجود ہونے کے عقلی دلائل۔ موجودہ سائنس اور خدا کا عقیدہ۔ مسئلہ ارتقاء اور ہستی باری تعالیٰ۔ اس شبہ کا ازالہ کہ خدا کا خالق کون ہے؟ خدا پر ایمان لانے کے فوائد۔ دہریت کے دلائل اور ان کا ردّ۔ تناسخ کا عقیدہ دنیا میں کیوں پایا جاتا ہے؟ دنیا میں گناہ کا وجود کیوں ہے؟

☆

سیرت خاتم النبیین ﷺ جلد دوم

کتاب ہذا کی دوسری جلد حضرت میاں صاحبؓ نے ۳۰؍مارچ ۱۹۳۱ء کو ختم کی اور اگست ۱۹۳۱ء میں اس کو شائع کیا۔ اس کتاب میں ابتدائے ہجرت سیدنا حضرت محمد ﷺ سے لےکر تقریباً ۵ھ ہجری کے آخر تک کے حالات و واقعات درج ہیں۔ یہ جلد ۱۲ اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ جس میں حضرت میاں صاحبؓ نے نہایت اہم مسائل پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ ان میں سے بعض خاص خاص عنوانات یہ ہیں:۔

تعمیر مسجد نبوی۔ مواخاۃ۔ یہود کے ساتھ معاہدہ۔ اہل مکہ کی جانب سے اہل مدینہ کو خوف۔ قبائل عرب کی متحدہ مخالفت۔ حکومتِ اسلامی کی تاسیس۔ جہاد پر مفصل اور تسلی بخش بحث۔ غزوات کا آغاز۔ تحویل قبلہ۔ جنگ بدر اور اس کے عواقب و نتائج۔ رومی سلطنت کے متعلق حضور ﷺ کی زبردست پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا۔ مسئلہ غلامی پر نہایت ہی دلچسپ اور فاضلانہ تبصرہ۔ بوقت شادی حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق نہایت لطیف بحث۔ تعداد ازواج کا مسئلہ۔ قبائل نجد اور یہود کے ساتھ جنگ کا آغاز۔ جنگِ احد۔ شراب کی حرمت۔ اخراج بنو نظیر۔ قرآن مجید کی جمع اور ترتیب۔ پردہ کا فلسفہ اور اس کے احکام۔ واقعہ افک۔ برتھ کنٹرول یا خاندانی منصوبہ بندی۔ غزوہ خندق۔ ریحانہ کا غلط واقعہ۔ اسلامی قانون شادی و طلاق۔ مدنی زندگی کے پہلے دور کا خاتمہ۔ اسلامی طریق حکومت۔ خلفائے راشدین کی حکومت کس طرح قائم ہوئی۔ بنی امیہ کی خلافت صحیح نہ تھی۔ عزل خلیفہ کا مسئلہ۔ غیر مسلموں سے تعلقات کی بحث۔ مذہبی رواداری۔ جزیہ اور سیاسی تعلقات۔ غیر مسلم راہنماؤں کے بارہ میں اسلامی تعلیم وغیرہ۔

☆

سلسلہ احمدیہ

یہ وہ اہم تصنیف ہے جو کہ حضرت میاں صاحبؓ نے انتہائی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ لکھ کر ۲۰؍دسمبر ۱۹۳۹ء کو ختم کی اور اسی سال جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خلافت کی جوبلی بھی بڑی شان سے منائی گئی لہذا اس کتاب کو دسمبر میں ہی چھپوا لیا گیا تاکہ جوبلی میں شامل ہونے والے اصحاب تک فوراً ایک جدید علمی تحفہ پہنچ سکے۔ یہ کتاب کس مقصد کے ماتحت لکھی گئی اور اس میں کن کن مضامین پر قلم اٹھایا گیا ہے اس کے بیان کے لئے خود حضرت میاں صاحبؓ کی وہ ابتدائی سطور کافی ہوں گی جو آپؓ نے اس کتاب کی تمہید میں لکھی ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:۔

''جماعت کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک ایسا رسالہ لکھ کر شائع کیا جائے جس میں

اختصار اور وضاحت کے ساتھ بانیؑ سلسلہ کے مختصر حالات - سلسلہ کی مختصر تاریخ - سلسلہ کے مخصوص مذہبی عقائد - سلسلہ کا نظام - سلسلہ کی موجودہ وسعت اور سلسلہ کے مستقبل کے متعلق امیدیں وغیرہ بیان کی جائیں - تا کہ اگر خدا چاہے تو یہ رسالہ دو رنگ میں مفید ہو سکے :- اوّل :- وہ ان غیر احمدی اور غیر مسلم محققین کے کام آ سکے جو سلسلہ کے متعلق مذہبی اور علمی بحثوں میں پڑنے کے بغیر عام تاریخی رنگ میں مختصر مگر صحیح اور مستند معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں - دوم :- وہ ان نو احمدیوں اور نو عمر پیدائشی احمدیوں کے لئے بھی مفید ہو سکے جو سلسلہ احمدیہ میں نئے نئے داخل ہونے کی وجہ سے یا اپنی کم عمری یا مطالعہ کی کمی کی وجہ سے ابھی تک سلسلہ کی اصل غرض و غایت اور اس کے مخصوص مذہبی عقائد اور اس کی تاریخ سے ناواقف ہیں"-

صحیح معنوں میں یہ کتاب احمدیت کی ایک انسائیکلو پیڈیا - ENCYCLOPEDIA - ہے کیونکہ احمدیت کے متعلق ہر بنیادی بات اس میں موجود ہے - اور جو شخص بھی سلسلہ احمدیہ کے متعلق ٹھوس - صحیح اور مستند معلومات حاصل کرنے کا شائق ہو اس کے لئے بہترین راہنما ہے - تمام کتاب کا انداز بیان نہایت سنجیدہ - ناصحانہ اور معقول ہے - ایک فقرہ بھی اس کتاب میں سخت اور مناظرانہ رنگ کا نہیں ہے - درحقیقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہر احمدی یعنی ہر داعی الی اللہ اس کتاب کا بہت غائر نظر سے مطالعہ کرے اور اس کی بکثرت اشاعت اور تقسیم غیر احمدی اصحاب میں کی جائے کیونکہ کئی اعتراضات ہم پر صرف ناواقفیت کی وجہ سے کئے جاتے ہیں - اگر صحیح بات کا پتہ ہو تو منصف مزاج آدمی کم از کم اعتراض کرنے سے رک جاتا ہے - یہ اعلیٰ پایہ کی کتاب بہت سی سعید روحوں کے لئے ہدایت کا موجب بن سکتی ہے - ذیل میں اس کتاب کے موٹے موٹے عنوانات کی فہرست درج ہے :-

سلسلہ احمدیہ کی غرض و غایت - بانی سلسلہ کے سوانح قبل از بعثت - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ماموریت - آپؑ کا حلیہ اور اخلاق و عادات - احمدیت کی تعلیم کا مختصر ڈھانچہ - جماعت احمدیہ کے مخصوص عقائد - خلافت کا نظام - سیدنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاول ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا زمانہ خلافت - سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا عہد زریں - جماعت احمدیہ کا نظام - جماعت احمدیہ کی موجودہ وسعت اور جماعت احمدیہ کا مستقبل -

☆

سیرت خاتم النبیین ﷺ جلد سوم

جلد سوم جزاوّل ۲/ اپریل ۱۹۴۹ء کو ختم ہؤا اور اسی ماہ میں چھپ گیا - یہ حصہ صرف تین ابواب پر مشتمل ہے - جن میں سے اہم مسائل یہ ہیں :- صلح حدیبیہ سے پہلے کا زمانہ اور صلح حدیبیہ کے نتائج - مسلمان اور کافروں کے ازدواجی تعلقات کے متعلق اسلامی تعلیم - آنحضور ﷺ پر توریہ کا الزام - مساوات اسلامی پر نہایت ہی لطیف بحث - مرد و زن کے مساوی حقوق اور مساوات پر بحث - اسلام میں تقسیم دولت کا نظریہ - سائنس کی روشنی میں مسئلہ دعا اور اس کے بارہ میں ایمان افروز بحث - معجزات نبوی ﷺ - مجلس نبوی ﷺ کا روح پرور نظارہ - اسلام کا تبلیغی نظریہ - آنحضرت ﷺ کے تبلیغی خطوط - جوئے اور شطرنج کی ممانعت -

☆

تربیتی مضامین

یہ حضرت میاں صاحبؓ کے ۳۳ اعلیٰ پایہ کے بے نظیر تربیتی اور اصلاحی مضامین کا نہایت ہی قابل قدر مجموعہ ہے جو حضرت میاں صاحبؓ نے ۷/ ستمبر ۱۹۴۹ء سے لے کر ۹/ مارچ ۱۹۶۰ء تک روزنامہ اخبار "الفضل" میں لکھے - ان میں سے ایک مضمون اخبار "البدر قادیان" سے بھی لیا

گیا۔ یہ مضامین ''اتالیق پبلشرز ربوہ'' نے مرتب کر کے ۲۷؍مارچ ۱۹۶۰ء کو شائع کئے۔

☆

چالیس جواہر پارے

حضرت میاں صاحبؓ نے یہ جواہر پارے تقسیم ہند کے بعد اپنے لاہور کے قیام کے دوران رتن باغ میں مرتب فرمائے اور یہ کتاب ۱۳؍نومبر ۱۹۵۰ء کو مکمل ہوگئی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی چالیس ایسی احادیث کا مجموعہ ہیں کہ جو مسلمانوں کی دینی اور دنیوی اصلاح کے لئے بے حد مفید اور کار آمد ہیں اور جن پر چل کر اور جن پر عمل کرنے سے انسان کی دنیا بھی سنور سکتی ہے اور دین بھی۔ ہر حدیث کا متن اور اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد آپؓ نے اس کے ساتھ ہی اس کی ضروری تشریح بھی کر دی ہے۔ بچوں بوڑھوں اور مرد و زن غرض ہر ایک طبقہ کے لئے ان بے نظیر منتخب احادیث کا مطالعہ بڑا ہی ایمان افروز ہوگا۔

☆

ختم نبوت کی حقیقت

ختم نبوت کے مسئلہ پر ہمارے مخالفین کی طرف سے ہم پر یہ جھوٹا بہتان باندھا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ! ہم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ''خاتم النبیین'' نہیں سمجھتے اور اسی جھوٹ کی بناء پر احمدیوں پر روز اول سے ہی مختلف الزامات لگانے کا رواج جاری ہے جس کی انتہا ۱۹۵۳ء میں حضرت میاں صاحبؓ کی وفات سے تقریباً دس برس قبل ہوئی اور ایک ایسا عظیم الشان اور ملک گیر طوفان اٹھایا گیا کہ جس کی نظیر احمدیت کی تب تک کی تاریخ میں نہیں ملتی تھی لہذا اس عظیم اور جھوٹے اور بے بنیاد الزام کی تردید کے لئے حضرت میاں صاحبؓ نے ۳۰؍ اپریل ۱۹۵۳ء کو ۱۷۶ صفحات کی یہ کتاب تحریر فرمائی۔ یہ لاثانی کتاب اس مسئلہ پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی کتاب کا دوسرا نام ''رسول پاک ﷺ کا عدیم المثال مقام'' بھی ہے۔

☆

سیرت طیبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بارہ میں حضرت میاں صاحبؓ نے چار نہایت ہی اعلیٰ۔ بے نظیر اور ایمان افروز تقریریں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سالانہ جلسوں کے مواقع پر فرمائیں۔ ''سیرت طیبہ'' اس کڑی کی پہلی تقریر ہے جو کہ آپؓ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۹ء کے موقعہ پر فرمائی اور بعد میں یہ تقریر مارچ ۱۹۶۰ء میں کتابی صورت میں چھپی۔ اس تقریر میں حضرت میاں صاحبؓ نے اپنے مقدس باپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ سیرت کے تین نمایاں اہم اور مخصوص پہلوؤں پر اپنے دلآویز طریقے سے روشنی ڈالی کہ ہر احمدی اسے سن کر اور پڑھ کر وجد کرنے لگتا ہے اور جن لوگوں نے یہ تقریر بذات خود سنی ہے وہ اس کے مزے کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱)۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت الٰہی کے روح پرور واقعات۔ (۲)۔ حضرت مرزا صاحبؑ کے عشق رسول ﷺ کے محیر القول حالات۔ (۳)۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے شفقت علیٰ خلق اللہ کے نہایت ایمان افروز نمونے۔

☆

دُرِمنثور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے متعلق یہ آپؓ کی دوسری تقریر ہے جو آپؓ نے جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء کے موقعہ پر ارشاد فرمائی - اس میں حضرت میاں صاحبؓ نے اپنے مخصوص اور پیارے طرزِ بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مطہر اور پاک زندگی کے بعض متفرق واقعات - آپؑ کے بلند اخلاق - شاندار کردار اور آپؑ کے روحانی کمالات کے بعض حالات بیان فرمائے جو بے حد ذوق وشوق سے سنے گئے -

☆

دُرِمکنون

یہ تقریر سیرت طیبہ کے سلسلے کی تیسری کڑی ہے اور آپؓ نے جلسہ سالانہ ۱۹۶۱ء کے موقعہ پر فرمائی - اپنی اس کتاب میں بھی آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت سے ایمان افراز واقعات وحالات متفرق طور پر بیان فرمائے - ان میں سے ہر ایک واقعہ بے حد دلآ ویز اور دلچسپ ہے - جمالی اور جلالی دونوں اقسام کے حالات اس تقریر میں ملتے ہیں جو اثر انگیز بھی ہیں اور سبق آموز بھی -

☆

آئینہ جمال

یہ اس مبارک سلسلہ تقاریر کی چوتھی اور آخری تقریر ہے جو ''ذکر حبیب'' پر حضرت میاں صاحبؓ نے جلسہ سالانہ ۱۹۶۲ء کے لئے تحریر فرمائی - یہ تقریر خود ارشاد فرمانے کا ارادہ تھا لیکن بوجہ بیماری اور نقاہت کے آپؓ نے خالد احمدیت حضرت مؤلانا جلال الدین شمس صاحب کو پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور پھر انہوں نے اپنی انتہائی پُر شوکت آواز میں بڑی روانی کے ساتھ حضرت میاں صاحبؓ کی یہ فصیح وبلیغ اور ایمان افروز تقریر پڑھ کر سامعین جلسہ کو سنائی - اس بے نظیر اور پُر معارف تقریر کو حاضرین جلسہ نے جس ذوق وشوق اور عقیدت ومحبت کے ساتھ سنا اس کی مختصر کیفیت ۵ر جنوری ۱۹۶۳ء کے الفضل میں اس طرح بیان کی گئی ہے :-

''حضرت میاں صاحب مدظلہ العالی نے اس بیش بہا تقریر کا عنوان '' آئینہ جمال'' تجویز فرمایا ہے اور اس کے تحت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ کے بعض ایمان افروز واقعات بیان کر کے حضور علیہ السلام کی جمالی شان کو اس شان سے واضع فرمایا ہے کہ ہزاروں ہزار احباب فرطِ عقیدت اور جوشِ محبت کے زیر اثر ان مقدس اذکار پر وارفتگی کے عالم میں جھوم اٹھے - ذوق وشوق اور ولولہ عشق کا ایک عجیب منظر تھا جو حد نگاہ تک پھیلا ہوُا تھا - لوگ کمال درجہ محویت کے عالم میں جمالی شان کی ایک جھلک کے بعد دوسری جھلک کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھے - وہ ہمہ تن گوش بنے ہوئے سن رہے تھے اور وارفتگی کے عالم میں سر دھن رہے تھے - لوگوں کی والہانہ کیفیت کا یہ عالم تھا کہ فضا بار بار پُر جوش اسلامی نعروں سے گونج اٹھتی تھی - اس پُر معارف تقریر کا یہ سلسلہ پونے دو گھنٹے تک جاری رہا'' -

ان مستقل تصنیفات اور تالیفات کے علاوہ حضرت میاں صاحبؓ نے اور بھی بہت سے چھوٹے موٹے پمفلٹ - رسالے اور ٹریکٹ حالات حاضرہ کے مطابق اردو اور انگریزی میں اہم موضوعات پر وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے - اگر ان سب کی تفصیلات بیان کی جائیں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا لہذا اس دعا پر اس مضمون کا اختتام کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو آپؓ جیسے ہزاروں جان فدا پروانے نصیب فرمائے جیسا کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بابرکت وجود مسعود تھا - آپؓ علمی وقلمی - تحریری وتقریری میدان کے شہسوار تھے اور اسی قلمی جہاد میں آپ نے اپنی جان قربان کر دی اور شہادت پائی'' - (الفضل - خاص نمبر - ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲۵ -

۲۸)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف پر مکرم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی صاحب نے جس عمدہ پیرائے میں تبصرہ کیا ہے اور حضرت میاں صاحبؓ کی تالیفات پر جس دلکش انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ اس کے بعد کسی قسم کے تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اس کے باوجود یہ عاجز صرف اتنا ہی عرض کرے گا کہ موجودہ زمانہ کے قلمی جہاد میں شرکت فرماتے ہوئے حضرت میاں صاحبؓ نے آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ پر عمل کرنے کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے، ایک مرد مجاہد کی طرح سینہ سپر ہوکر دن رات انتہائی محنت شاقہ سے نہ صرف یہ کتب تصنیف فرمائیں بلکہ ان کتب کے علاوہ آپؓ نے بہت سے دوسرے علمی وسیاسی و مذہبی شاہکار مضامین بھی تحریر فرمائے اور اس طرح اپنے اس مقصد کے حصول میں آپؓ کو ایک غازی کی طرح بے مثال اور عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی کیونکہ آپؓ نے اس راستہ میں ایک مرد مجاہد کی طرح جنگ کرتے ہوئے انتہائی وفا اور خلوص کے ساتھ تبلیغ اسلام میں نہ صرف بنفس نفیس شرکت فرمائی بلکہ اس راہ میں اتنا زیادہ آگے بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہوئے کہ آپ مجاہدین اسلام کے سپہ سالاروں کی صف اول میں آ کھڑے ہوئے اور پھر آپ کا جذبہ شوق شہادت اتنا بڑھا کہ آپؓ اس راہ میں سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوئے شہید ہوگئے۔اے سالار اسلام! درود آپؓ پر۔اے سالار احمدیت! سلام آپؓ پر۔ بہر حال یہ قیمتی مضمون پڑھ کر ہمیں یہ خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے زندگی بھر کس درجہ لگن کے ساتھ اپنی ان تمام کتب کو انتہائی محنت سے تحریر کیا ہے۔آپؓ کی انہی خدمات کی وجہ سے آپؓ کے حق میں مغفرت کی دعا ہے جو کہ میں بار بار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کے درجات کو بلند سے بلند فرماتا چلا جائے حتیٰ کہ آپؓ کی وہ پیاری خواہش پوری ہو جائے کہ جس کی تمنا اور آرزو آپؓ نے ہمیشہ کی تھی کہ:-

"مجھے اپنے آقا سیدنا حضرت محمدؐ مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ کے قدموں میں جگہ مل جائے"

(آمین اللھم آمین)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کی تصانیف کے ذکر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ۱۹۰۳ء میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شاعری کی ابتدا کی اور بعد میں اس کو "گلدستہ عرفان" کے نام سے بھی طبع کروایا تھا کہ جس کی سب سے پہلی نظم آپؓ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں رقم فرمائی۔جس کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے:-

گئے اسلام کے خطرے کے دن جب سے کہ تو آیا
خدا سے کشتی اسلام کا اب ناخدا تو ہے (گلدستہ عرفان)

آپؓ کا شاعرانہ کلام اگرچہ آپؓ کی تمام زندگی پر پھیلا ہوا ہے لیکن یہاں جرمنی میں یہ دستیاب نہ ہوسکا جس کی وجہ سے میرے دل میں یہ کسک موجود رہے گی کہ میں آپؓ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اتنے اچھے طریق سے روشنی نہیں ڈال سکا جتنی کہ میرے دل کی آرزو تھی اور تمنا رہے گی۔اس معاملہ میں درددل سے احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ شائد اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لئے کسی علم دوست محبِّ احمدیت سے اس کا کوئی نسخہ مل جائے تو اس موضوع پر بھی انشاء اللہ ضرور لکھوں گا کیونکہ ابھی تک اس کتاب پر کوئی تبصرہ میری نظر سے نہیں گزرا۔"گلدستہ عرفان" میں سے چند نظمیں پیش خدمت ہیں:-

(۱)

مال دل دے دیا فقیر کو
اس فقیری میں ہم اسیر ہوئے

جب سے دیکھا ہے روئے یارِ ازل
بُت مری آنکھ میں حقیر ہوئے

ان نگاہوں نے کردیا گھائل
جگر و دل کے پار تیر ہوئے

زاہدو ! تم سے دل ملے کیوں کر
تم آزاد ہم اسیر ہوئے

دل غنی ہے متاعِ دنیا سے
جب سے اس در کے ہم فقیر ہوئے

آؤ بلبل کہ مل کے نالہ کریں
ہو گیا عرصہ ہمصفیر ہوئے

دل میں کیا جانے کیا خیال آیا
آج نغمہ سرا بشیرؔ ہوئے

(گلدستۂ عرفان)

(۲)

سر پر کھڑی ہے موت ذرا ہوشیار ہو
ایسا نہ ہو کہ توبہ سے پہلے شکار ہو

سینہ تیرا ہو مدفنِ حرص و ہوا و آز
دل تیرا تیری آرزوؤں کا مزار ہو

زندہ خدا سے دل کو لگا اے عزیز من !
کیا اُس سے فائدہ جو فنا کا شکار ہو

جاہ جلال دُنیائے فانی پہ لات مار
گر تُو یہ چاہتا ہے کہ تُو باوقار ہو

کیوں ہو رہا ہے عشقِ بُتاں میں خراب تُو
تجھ کو تو چاہیئے کہ خدا پر نثار ہو

ہو فکر تجھ کو روز جزا کی لگی ہوئی
اور اس کے غم میں آنکھ تری اشکبار ہو

یادِ خدا میں تجھ کو ملے لذت و سرور
بس تیری زندگی کا اسی پر مدار ہو

تسکین دل تُو چاہتا ہے گر تو چاہیئے
دل کو ترے کبھی بھی نہ اے جاں قرار ہو

تجھ کو اسی کا شوق ہو ہر وقت ہر گھڑی
ہر دم اسی کے عشق کا سر میں خُمار ہو

ایسا نہ ہو کہ تجھ کو گرائے یہ مونہہ کے بل
ہاں ہاں سنبھل کہ نفسِ دنی پر سوار ہو

خالی ہو دل ہوائے متاعِ جہان سے
تجھ کو بس ایک آرزوئے وصلِ یار ہو

آگاہ تجھ کو تیری بدی پر کرے ضمیر
ناصح ہو دل ترا نہ کہ یہ خاکسار ہو

یادِ حبیبؐ سے نہ ہو غافل کبھی بھی تُو
اس بات سے کوئی تیرا مانع ہزار ہو

طالب نگاہِ لُطف کا ہوں مدتوں سے میں
مجھ پر بھی اک نظر مرے پروردگار ہو

احمدؐ یہی دعا ہے کہ روزِ جزا نصیب
تجھ کو نبی کریمؐ کا قُرب و جوار ہو

(گلدستہ عرفان)

(۳)

حسن اپنا ہی نظر آیا تو کیا آیا نظر
غیر کا حسن بھی دیکھے وہ نظر پیدا کر

چشم احباب میں گر تو نے جگہ پائی تو کیا
حسن و احساں سے دلِ خصم میں گھر پیدا کر

یہ زرومال تو دنیا میں ہی رہ جائیں گے
حشر کے روز جو کام آئے وہ زر پیدا کر

احمدی ! گر تجھے بننا ہے صحابہؓ کا مثیل
دست و بازو، وہ دل ، وہ جگر پیدا کر

پھر وہی نالہ وہی نیم شبی ان کی دعا
پھر وہی گریہ وہی دیدۂ تر پیدا کر

سخت مشکل ہے کہ اس چال سے منزل یہ کٹے
ہاں ! اگر ہوسکے پرواز کے پر پیدا کر

(گلدستۂ عرفان)

(۴)

ہائے وہ سر جو رہِ یار میں قربان نہ ہو
وائے وہ سینہ کہ جو عشق میں بریان نہ ہو

ہاتھ گر کام میں ہو دل میں ہو رب ارباب
کوئی مشکل نہیں دنیا میں کہ آسان نہ ہو

نسلِ آدم ہے تو ابلیس کے پیچھے مت جا
بندہ رحمان کا بن بندۂ شیطان نہ ہو

ہوں گنہ گار ولے ہوں تو ترا ہی بندہ
مجھ سے ناراض ترے صدقے مری جان نہ ہو

یاس اک زہر سے بچ اس سے بشیرؔ عاصی
فضل ہوجائے گا اللہ کا پریشان نہ ہو

(گلدستۂ عرفان)

☆

انمول نصائح

حیات بشیرؓ میں درج ہے کہ :''مارچ ۱۹۲۸ء میں بحیثیت ناظر تعلیم وتربیت آپؓ نے اس امر کی پُر زور تحریک فرمائی کہ دوستوں کو اپنے گھروں میں بھی قرآن شریف اور حدیث نبویہ ﷺ اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درس جاری کرنا چاہئیے اور یہ درس خاندان کے بزرگ کی طرف سے دیا جانا چاہئیے''۔آپؓ نے تحریر فرمایا کہ اس درس کے لئے:۔

''بہترین وقت صبح کی نماز کے بعد کا ہے لیکن اگر وہ مناسب نہ ہو تو جس وقت بھی مناسب سمجھا جائے اس کا انتظام کیا جائے۔اس درس کے موقعہ پر گھر کے سب لوگ مرد۔عورتیں۔لڑکے لڑکیاں بلکہ گھر کی خدمت گاریں بھی شریک ہوں اور بالکل عام فہم سادہ طریق پر دیا جائے اور درس کا وقت بھی پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہ ہو تا کہ طبائع میں ملال نہ پیدا ہو۔اگر ممکن ہو تو کتاب کے پڑھنے کے لئے گھر کے بچوں اور ان کی ماں یا دوسری بڑی مستورات کو باری باری مقرر کیا جائے اور اس کی تشریح یا ترجمہ وغیرہ گھر کے بزرگ کی طرف سے ہو۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس قسم کے خانگی درس ہماری جماعت کے گھروں میں جاری ہو جائیں تو علاوہ علمی ترقی کے یہ سلسلہ اخلاق اور روحانیت کی اصلاح کے لئے بھی بہت مفید و بابرکت ہوسکتا ہے''۔(الفضل قادیان مؤرخہ ۱۶/مارچ ۱۹۲۸ء)

حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا یہ معمول تھا کہ آپؓ ہر رمضان المبارک کے موقع پر کوئی نہ کوئی بیش قیمت مضمون افادہ عام کے لئے تحریر فرمایا کرتے تھے۔اسی طرح ۱۹۳۷ء کے ماہ رمضان کے آغاز پر آپؓ نے جماعت کے دوستوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اس بابرکت مہینہ میں کم از کم اپنی کسی ایک کمزوری کو دور کرنے کا عہد کریں اور پھر ان کی سہولت کے لئے اکٹھ کمزوریوں کی ایک فہرست شائع فرمائی اور یہ مبارک تحریک فرمائی کہ ان میں سے جو جو کمزوریاں احباب میں پائی جاتی ہوں وہ ان میں سے کسی ایک کو چُن کر اپنے دل میں خدا تعالیٰ کے ساتھ پختہ عہد باندھیں کہ وہ اس کے فضل اور توفیق کے ساتھ آئندہ اس کمزوری سے کلی طور پر مجتنب رہیں گے''۔(الفضل ۵/نومبر ۱۹۳۷ء)

رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کے ذکر خیر سے یاد آیا کہ رمضان شریف کے بابرکت مہینہ میں حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ کے نام اپنے ایک خط میں حضرت میاں صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

'' اسی رمضان کی پچیس تاریخ کو جب یہ عاجز تقریباً ڈیڑھ بجے شب سجدہ میں تھا تو مجھے ایک قلبی القاء کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔سو خدا کی طرف سے دعاؤں کی جو توفیق مل سکی اس کے مطابق دعائیں کی گئیں۔اسی شب کو میری لڑکی امۃ المجید سلمہا نے (جس کے معاملہ میں الجھن ہے اور میں آپ کو دعا کے لئے لکھتا رہا ہوں) خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے''۔(اقتباس از مکتوب یکم جولائی ۱۹۵۲ء)

حضرت قمر الانبیاءؓ کسی بھی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور ہر بات میں کچھ نہ کچھ نصیحت آموز واقعات کو بھی شامل فرمالیا کرتے تھے۔اس بارہ میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

'' میری خواہش ہے کہ تم لوگ اس خدا کی طرف جھکو جو خالق ارض وسماء ہے۔کسی فانی چیز پر بھروسہ نہ کرو۔صرف اسی سے مدد مانگو جو منبع ہے ہر ایک فیض

کا، چشمہ ہے ہر ایک رحمت کا - اس کی مدد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا - پس! اس کی رضا چاہو - اگر وہ راضی ہے تو پھر کسی کا ڈر نہیں --- میں تم سے کچھ نہیں چاہتا - صرف یہ کہ تم میری اس بات کو مانو - میری خواہش ہے کہ ہماری تمہاری نسلیں تمہارے نمونہ پر چلنے کو فخر سمجھیں خدا کرے کہ تمہارے نام تا روزِ قیامت ستاروں کی طرح آسمان پر چمکیں --- بڑوں کی فرمانبرداری کرو کہ اس میں برکت ہے - وہ جس کے دل میں فرمانبرداری کا مادہ نہیں ہوتا - کبھی کسی درگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتا - اگر چاہتے ہو کہ خدا تک پہنچو تو اطاعت کو اپنا عین فرض منصبی قرار دو - نافرمانی کے تباہ کن مرض سے بچو کہ یہ ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے --- جوانی کی عمر کا بھروسہ نہ کرو کہ موت جوانی کو نہیں دیکھتی - کچھ کر لو - کیا معلوم کہ کب موت آ جائے؟'' - (الحکم ۷ر جون ۱۹۱۷ء)

یہاں مجھے ایک اور نصیحت یاد آ گئی کہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب کے ساتھ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ کی شادی ہوئی - اس شادی خانہ آبادی کی تقریب رخصتانہ کے موقعہ پر آپؓ نے احباب جماعت سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے یہ عارفانہ نکتہ بیان فرمایا کہ: '' شادی ایک اندھیرے کا قدم ہوتی ہے اور اس کے انجام کا علم خدائے علیم و خبیر خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا - والدین نیک نیت اور نیک امیدوں کے ساتھ قدم اٹھاتے ہیں لیکن اس قدم کو ہر قسم کے خطرات سے بچا کر دینی اور دنیوی برکتوں سے نوازنا اور کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے - علیہ توکلت و الیہ انیب '' - (حیات بشیرؓ) - انہیں پاکیزہ نصائح کے واقعات سے یاد آیا کہ آپؓ وقتاً فوقتاً جماعت کی سچی ہمدردی اور ابدی محبت سے مغلوب ہو کر ہر پیچیدہ مذہبی مسئلہ پر اور دنیاداری کے عام روزمرہ مسائل پر بھی الفضل میں مضامین اور ٹریکٹ بھی چھپوایا کرتے تھے تا احباب کو نصیحت حاصل ہو - ایک احمدی خاتون نے جب آپؓ کو یہ بتایا کہ میرے والد صاحب بہت معقول جائیداد رکھتے ہیں مگر انہوں نے مجھے اور میری بہنوں کو اس میں سے حصہ نہیں دیا بلکہ ہمارے حصہ کی قیمت کے مطابق ریوؤں کی رسید لکھوا کر یہ رقم ہمارے بھائیوں کے نام جمع کروا دی ہے تو اس پر آپؓ نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک مضمون لکھا - جس میں آپؓ نے لڑکیوں اور بیویوں کو ان کے جائز شرعی حق سے محروم کرنے کو ایک بہت بڑا گناہ بلکہ اسے چھ گناہوں کا مجموعہ قرار دیا - (الفضل ۴ر اگست ۱۹۶۰ء)

اسی طرح فضل عمر ہسپتال ربوہ کے لئے چندہ کی تحریک کرتے ہوئے آپؓ نے جماعت کو یہ نصیحت فرمائی:-
'' مرکز سلسلہ کی تو یہ حیثیت ہے کہ اگر صرف خلیفۂ وقت کی اکیلی ذات کے لئے ہی ایک عمدہ ہسپتال قائم کرنا پڑے تو جماعت کو اسے اپنا مقدس فریضہ سمجھ کر پورا کرنا چاہیئے مگر یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود باوجود کے علاوہ کثیر التعداد قدیم صحابہ اور سلسلہ کے چوٹی کے کارکن اور ممتاز بزرگ اور ہزاروں قیمتی جانوں کا سوال ہے اور پھر ایک اچھا ہسپتال مرکز کی غیر معمولی نیک نامی اور بھاری کشش کا بھی موجب ہوتا ہے'' - (الفضل ۵ر جنوری ۱۹۵۷ء)

حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۱ر مارچ ۱۹۵۸ء کو فضل عمر ہسپتال ربوہ کا افتتاح فرمایا اور اسی روز اس ہسپتال کے احاطہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ نے مسجد مبارک قادیان کی ایک اینٹ نصب فرما کر مسجد یادگار ربوہ کا سنگ بنیاد رکھا - یہ مسجد اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے کہ جہاں حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو سرزمین ربوہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلی نماز باجماعت پڑھائی تھی - انہی پاکیزہ دعاؤں اور نصائح کے سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ اپنی بیماری کے دوران حضرت قمر الانبیاءؓ نے نوجوانان جماعت کو یہ نصیحت فرمائی کہ:-
'' میں اپنی بیماری میں کئی دفعہ سوچتا رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہ صرف خال خال رہ گئے ہیں - جنہیں کسی معمولی سے معمولی

بیماری یا معمولی سے معمولی حادثہ کا دھکہ اس عالم عارضی سے عالم بالا کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ مجھ میں کچھ طاقت آئے تو میں جماعت کے نوجوانوں کو تحریک کروں کہ وہ اپنے اندر تقویٰ اور دعاؤں کی عادت پیدا کر کے گذرنے والے صحابہ کی جگہ لینے کی کوشش کریں تا جماعت میں کوئی خلا پیدا نہ ہو۔ میں نے یہ مضمون بیماری کی حالت میں تکلیف کے ساتھ اپنے قلم سے لکھا ہے۔ خدا کرے کہ اسے وہ تاثیر اور مقبولیت حاصل ہو جو خدا کی طرف سے آتی ہے اور جماعت کے نوجوانوں میں ایک نیک تبدیلی پیدا ہو"۔ (الفضل ۲۶ رجون ۱۹۵۶ء)

اس کے چند برس بعد حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کو دفتر میں کام کرتے ہوئے دل کا شدید حملہ ہوا۔ حرکت قلب بند ہو جانے کی بنا پر آپؓ اس حملہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ آپؓ کی اچانک وفات کے موقعہ پر حضرت قمر الانبیا مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنے دلی جذبات اور احساسات کا اظہار یوں فرمایا کہ:۔

"کل مجھے چوہدری صاحبؓ مرحوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی تو مجھے بعض خیالات کے غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے نماز پڑھانی مشکل ہو گئی۔ بار بار یہ خیال آتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحبت یافتہ لوگ گذرتے جاتے ہیں مگر ان کی جگہ لینے کے لئے نئے آدمی اس رفتار سے تیار نہیں ہو رہے جیسا کہ ہونے چاہئیں اور پھر جو نئے لوگ تیار ہو رہے ہیں وہ عموماً اس للّٰہیت اور اس جذبہ خدمت کے مالک نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا طرہ ءامتیاز رہا ہے۔ بیشک بعض قابل رشک نوجوان بھی پیدا ہو رہے ہیں مگر کثرت وقلت کا فرق اتنا ظاہر وعیاں ہے کہ کوئی سمجھدار شخص اس فرق کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان خیالات نے میرے دماغ پر ایسا غلبہ پایا کہ بعض اوقات مسنون دعاؤں کو بھول کر میں اس دعا میں لگ جاتا تھا کہ خدایا تیری ممیت والی صفت جب زندوں کو مار رہی ہے تو تو اپنے فضل وکرم سے اپنی محی والی صفت کے ماتحت مرنے والوں کی جگہ لینے کے لئے ہم میں ساتھ ساتھ زندہ وجود بھی پیدا کرتا چلا جا تا جماعت میں کسی قسم کا خلاً یا کمزوری نہ آنے پائے"۔ (الفضل ۳ رمارچ ۱۹۶۱ء)

صدر نگران بورڈ کی حیثیت سے حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ:۔

" اگر کوئی احمدی خاتون پردہ نہیں کرتی تو انہیں سمجھانے اور ہوشیار کرنے کے بعد ان کے خلاف مناسب کاروائی کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی احمدی والد یا خاوند اپنی بچیوں اور بیوی کو پردہ نہیں کراتا تو ایک دو دفعہ ہوشیار کرنے کے بعد اس کے خلاف بھی مناسب کاروائی نظارت امور عامہ کرے"۔ (الفضل ۸ رجولائی ۱۹۶۱ء)

حضرت میاں صاحبؓ کی نصیحت کرنے کا رنگ بھی بے حد دل موہ لینے والا ہوتا تھا اگر کسی شخص کو کوئی بات سمجھاتے تو بھی انتہائی پیار کے ساتھ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب (انسپکٹر چونگی ٹاؤن کمیٹی ربوہ) کو سگریٹ نوشی کی عادت تھی اور آپؓ انہیں مختلف مثالیں دے کر سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی بھی آپؓ نے اس بات پر اپنی خفگی کا اظہار کیا ہو کہ میں نے پچھلی مرتبہ بھی کہا تھا اور آپ نے ابھی تک سگریٹ نوشی کی عادت کو ترک نہیں کیا بلکہ ہر مرتبہ یوں مخاطب ہوا کرتے تھے کہ جیسے آج سے پہلے اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ان دنوں گھر میں ایک بجلی کی ٹیوب سے چلنے والا مارکونی کمپنی کا ریڈیو حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ میں ہوا کرتا تھا اور گھر میں کام کرنے والی ایک لڑکی حضرت میاں صاحبؓ کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ریڈیو لگا لیا کرتی تھی اور میں بھی شرارت سے اس کے پسندیدہ مخصوص سٹیشن "ریڈیو سیلون" کی سوئی کو اِدھر اُدھر گھما دیا کرتا تھا کیونکہ ان دنوں سوئی والے ریڈیو سے کسی گمشدہ ریڈیو سٹیشن کو

ڈھونڈ نا کوئی آسان کام نہ تھا۔اس زمانہ میں برصغیر کا یہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب کمرشل ریڈیو سٹیشن تھا۔آج کے زمانہ میں اس کی مقبولیت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔آپؓ میری ان معصوم شرارتوں پر بے حد محظوظ ہوا کرتے تھے لیکن پھر بھی آپؓ نے کبھی غصہ کے ساتھ اس بچی کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ ہی اسے پیار سے نصیحت فرمایا کرتے تھے۔سگریٹ نوشی کے اسی واقعہ سے مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا بیان کردہ ایک واقعہ بھی یاد آ گیا لیجئے وہ بھی حاضر خدمت ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

’’قادیان کی بات ہے۔غالباً جلسہ کے دن تھے۔کئی نوجوان باہر آپؓ کے مردانہ صحن میں مجلس کر رہے تھے اور چونکہ ان میں سے بعض سگریٹ بھی پیتے تھے۔اس لئے اس ڈر سے کہ حضرت میاں صاحبؓ اوپر سے نہ آ جائیں اندر سے کنڈے لگا کر سگریٹ نوشی کرنے لگے۔کچھ دیر کے بعد ہی آپؓ تشریف لے آئے۔دروازہ کھلوایا۔السلام علیکم کہا اور باہر تشریف لے گئے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر واپس آئے اور کمرہ میں داخل ہو کر آدمی گنے۔ایک دو تین چار پانچ چھ سات اور خاموشی سے سات الائچیاں جیب سے نکال کر میز پر رکھ کر چلے گئے۔آپؓ کے جانے کے بعد سب کمرے والے اس لطیف مزاح پر بے اختیار ہنس دیئے مگر اس ہنسی میں جو خفت تھی وہ شاید آج تک اُن کو نہ بھولی ہو‘‘۔(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

اسی بات سے مجھے ایک اور دلچسپ واقعہ بھی یاد آ گیا۔اپنے ایک مضمون میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا کہ:۔

’’ ایک دفعہ ہم سب چھوٹے بہن بھائیوں کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ (الثانیؓ۔ناقل) نے مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کی نگرانی میں ڈلہوزی بھجوایا۔ان دنوں میں آم کا موسم ختم ہونے کو تھا اور آخری موسم کے آم ’’فجری‘‘ رہتے تھے۔آپؓ نے میرے لئے باریک خوبصورت رنگین کاغذوں میں لپٹے ہوئے فجری آموں کی ایک پیٹی بند کروائی۔(آپؓ جب کبھی کسی کو کوئی تحفہ دیتے تھے تو نہایت سلیقے سے سجا کر دیا کرتے تھے)۔پھر تاکید فرمائی کہ ان کو کھانے سے پہلے یہ احتیاط کر لینا کہ نہ تو یہ ذرہ بھر کچے ہوں نہ ایک اعشاریہ زیادہ پکے ہوں۔کیونکہ فجری آموں کی یہ کمزوری ہے کہ ذرہ بھی زیادہ پک جائیں یا ذرہ کچے رہ جائیں تو مزہ بالکل بگڑ جاتا ہے۔البتہ پورے پکے ہوئے آم بہت عمدہ اور لذیز ہوتے ہیں۔آپؓ فرماتے تھے کہ فجری آم اپنا بہترین مزہ پہاڑ پر دیتا ہے۔چنانچہ ان تاکیدوں کے ساتھ آپؓ نے وہ آموں کی پیٹی میرے ساتھ روانہ فرمائی۔لیکن ان نصائح کا نتیجہ میرے لئے میری کوتاہی کی وجہ سے اُلٹا نکلا۔میں تو اسی احتیاط میں رہا کہ آم عین پک جائیں تو کھاؤں اور روزانہ مناسب پکے ہوئے آموں کی تلاش میں انہیں اُلٹتا پلٹتا رہا اور خلیفہ منیر الدین صاحب جو اس سفر میں میرے ہمراہ تھے اور برادرم مرزا انور احمدؐ صاحب چوری چھپے نیم پکے ہوئے آم ہی کھا جاتے رہے۔جب تک مجھے اس چوری کا علم ہوا۔اکثر آموں کا صفایا ہو چکا تھا۔ابّو صاحبؓ نے جب مجھ سے خط لکھ کر پوچھا کہ آم کیسے تھے؟ تو مجبوراً مجھے شکایت کرنی پڑی۔چنانچہ اس کے بعد اکثر جب خلیفہ منیر الدین صاحب ملتے تھے تو پوچھا کرتے تھے کہ’’ کیوں منیر پہاڑ پر فجری آم کیسے لگتے ہیں؟‘‘۔یہ محض مذاق نہیں تھا بلکہ اس میں کچھ نصیحت کی آمیزش بھی تھی‘‘۔(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

آپؓ کی انہی پاکیزہ نصائح کی بنا پر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ:۔

’’ اپنے تمام واقفیت کے حلقہ پر نظر دوڑا کر میں پورے وثوق اور شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپؓ اس زمانہ کے بہترین ناصحین میں سے تھے‘‘۔(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ نے سلسلہ کے کارکنوں میں ایسی روح پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ اولوالامر کی اطاعت کو ایک ثواب کا کام سمجھ کر فرض قرار دے لیں اور افسروں کو سمجھایا کہ وہ اپنے ماتحتوں پر سختی کرنے سے اجتناب کیا کریں اور درحقیقت اسلامی تعلیم کا منشا بھی یہی ہے کہ ماتحت عملہ کو اپنے اندر یہ شعور پیدا کرنا چاہیے کہ وہ اپنے افسران کی کماحقہ اطاعت کریں اور افسروں کو یہ چاہیے کہ وہ ماتحتوں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان سے تعاون کی اپیل کریں-اگر ہر فریق یہی سمجھے کہ اس نے اسلامی معاشرے کی روح کو زندہ کرنا ہے تو سلسلہ کا کام بڑی کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے''-لہذا آپؓ کو ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتا تھا کہ سلسلہ کے افراد آپس میں صلح اور تحاد سے رہیں اور بنیان مرصوص ہو کر سلسلہ کی ترقی اور مضبوطی کے لئے کوشاں ہوں-لہذا اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی اہم اور قیمتی سبق آپؓ نے اپنے نیک نمونہ سے سلسلہ کے اعلیٰ کارکنوں کو مشعلِ راہ بن کر یہ دیا کہ بے شک سُستی کرنے والوں اور غفلت برتنے والوں کی بیداری کے لئے ان کے خلاف تعزیری کاروائی کی جائے لیکن پھر بھی اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ آخر وہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارا سارا نظام ہی باہمی اخوت پر مبنی ہے''-(حیات بشیر صفحہ۲۹۱)

احباب جماعت سے آپؓ کی محبت اور اخوت اور شفقت کے بارہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' حضرت میاں صاحبؓ نے یہ فیصلہ فرمایا ہؤا تھا کہ جو دوست قافلہ قادیان میں نام لکھوانے اور منظور کئے جانے کے بعد قافلہ میں نہ جائیں تو اُن سے پندرہ روپے بطور حرجانہ وصول کئے جائیں-چنانچہ ایسے اصحاب سے دفتر وصولی کی کوشش کرتا رہا ہے-اپریل ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ ایک صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد خطوط کا تبادلہ ہؤا-اس پر میں نے حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے جو خط ڈرافٹ کیا اُس کے آخر میں لکھ دیا کہ اس سلسلہ میں آپ سے کافی خط وکتابت ہو چکی ہے اور اس خط کو آپ اس تعلق میں آخری سمجھیں-میرے ذمہ اور بہت سے اہم امور ہیں-جنہیں سرانجام دینا ہے-اس چٹھی پر حضرت میاں صاحبؓ نے دستخط تو فرمائے مگر میرے اس طرح لکھنے کو پسند نہ فرمایا اور مجھے دوسرے دن تحریر فرمایا:-'' قافلہ میں شامل نہ ہونے پر آپ جو خطوط حرجانہ کے متعلق لکھتے ہیں ان میں ضابطہ پرستی کا رنگ غالب آجاتا ہے-جماعت کا نظام اخوت پر قائم ہے بے شک ضابطہ کا خیال رکھا جائے مگر انداز تحریر برادرانہ ہونا چاہیے''-(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

حضرت قمر الانبیاءؓ کی تمام زندگی ہی اخوت ومحبت وشفقت کی لازوال داستانوں سے بھری پڑی ہے-حضرت مرزا عبدالحق صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو وہی تھا جو الہام الٰہی میں بتایا گیا تھا-آپؓ نہایت درجہ حلیم اور بردبار تھے-کسی کا دل نہ دکھاتے تھے-اگر کوئی تیزی سے بھی کام لیتا تو آپؓ تحمل سے جواب دیتے-سوائے ایسے موقع کے کہ جس میں دینی غیرت کا سوال ہو-آپؓ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرتے-ہمیشہ کوہ وقار نظر آتے-دوستوں کے ساتھ بھی رأفت اور شفقت کا سلوک کرتے اور ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ بھی-خط میں ہمیشہ مکرمی محترمی سے مخاطب فرماتے-دوستوں کے احساسات کا بہت خیال رکھتے-ایک دفعہ گورداسپور میں میرے مکان پر تشریف لائے تو خاکسار کو اندر سے نہ بلایا بلکہ کمرہ میں ٹہلتے رہے-جب خاکسار خود کسی کام کے لئے باہر آیا تو آپؓ کو ٹہلتے ہوئے دیکھا-میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اندر سے بلا کیوں نہ لیا؟ فرمانے لگے کہ مجھے خیال ہؤا کہ اس طرح آپ کو تکلیف ہو گی-آپ خود ہی باہر نکلیں تو ٹھیک ہے''-(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۳-۴)

☆

سیاسی سرگرمیاں

معزز قارئین دینی خدمات جلیلہ بجالانے کے ساتھ ساتھ حضرت قمرالانبیاءؓ نے جماعت کی خدمت کرتے ہوئے ہر طرح کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا لہٰذا الفضل کے ایک پرچہ میں احمدیوں کے ملکی سیاست سے باخبر رہنے کے بارہ میں درج ہے کہ :- ''جماعت احمدیہ اصولاً ایک سیاسی جماعت نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے اغراض ومقاصد میں ایک سیاسی پارٹی کے طور پر ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنا شامل نہیں ہے۔اس کے پیش نظر صرف تجدید واحیائے دین اور اشاعت اسلام ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ احمدی ملکی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت نے اس حد تک ملکی سیاست سے شروع سے ہی تعلق رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو درپیش سیاسی مشکلات میں ان کو درپیش مسائل کے حل میں مددگار ثابت ہو سکے اور ان کو دشمنوں کے دباؤ سے بچائے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳)

افسوس! کہ آج ہمارے بہت سے پاکستانی یعنی پنجابی، سندھی، بلوچی، پختون اور کشمیری بہن بھائی اس بات کو بھول گئے ہیں کہ پاکستان اور کشمیر کی آزادی کے لئے احمدیوں نے اپنے تن، من اور دھن کی بازی لگا کر انتہائی عظیم الشان قربانی دی ہے۔ اس تگ ودو کا آغاز مسلم لیگ کے قیام سے بھی بہت پہلے ہو چکا تھا اس لئے مسلم لیگ کے پہلے صدر کی حیثیت سے حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اور احمدیوں کی دلیرانہ خدمات کو تاریخ ہندو پاک کے صفحات سے کبھی بھی مٹایا نہیں جا سکتا۔اس جدوجہد کے ساتھ ساتھ کشمیر کی آزادی کے لئے تگ ودو بھی تاریخ برصغیر کا ایک انمٹ باب ہے جس میں ان مظلوم کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام اور فرقان فورس کی خدمات سر اول ہیں۔اس مذکورہ فورس میں خاکسار کے منجھلے ماموں مکرم چوہدری عبدالعزیز سندھو صاحب نے بھی خدمات انجام دی تھیں جو بعد میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حفاظتی عملہ میں بھی خدمات بجالاتے رہے۔بہر حال آج آزاد کشمیر کا نام ونشان تک دنیا کے نقشہ پر موجود نہ ہوتا اگر اسلام کے یہ متوالے اس وقت اپنے کشمیری مسلمان بہن بھائیوں کے لئے اپنی جان کی بازی نہ لگا دیتے۔اسی سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱رمئی ۱۹۹۹ء کو فرمایا کہ:-

'' فرقان بٹالین کا قیام حکومت پاکستان کی درخواست پر عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو کشمیر کے جہاد میں بھی پہل کی توفیق عطا فرمائی۔حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستان کی حکومت کی تحریک پر ہی یہ تحریک شروع کی تھی اور اس تحریک میں اپنا بھی بہت اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔صرف عام احمدی والدین کو ہی تحریک نہیں کی بلکہ آپؓ نے ان کے جذبہ شہادت کو بڑھانے کے لئے اپنے بیٹے بھی اس تحریک میں پیش کئے۔جن میں دو بڑے بیٹے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ایک حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔ناقل) اور دوسرے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (سابق وکیل اعلیٰ تحریک جدید ربوہ)۔انہوں نے اپنے اپنے دائرہ میں خدا کے فضل سے بہت اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ان کے علاوہ چھ بیٹے اور ایک داماد میر داؤد احمد صاحب بھی اس میں شامل ہوئے۔ان کے علاوہ خاندان سے منسلک دو اور افراد کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۴رجون ۱۹۹۹ء)

کشمیر اور کشمیریوں کی آزادی کے لئے حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا

بشیر احمد صاحبؓ یعنی دو بھائیوں کی اس مقدس جوڑی نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۵؍ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب، خواجہ حسن نظامی صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، سید محسن شاہ صاحب، خان بہادر رحیم بخش صاحب، نواب سر ذوالفقار علی خان صاحب اور بعض اخبارات کے نمائندگان جمع ہوئے۔ اس شملہ کانفرنس میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ شاعر مشرق علامہ شیخ محمد اقبال صاحب نے کہا کہ یہ ایک اتنا بڑا اور عظیم کام ہے کہ جس کے لئے بہترین دماغ، بہترین وسائل اور قربانی پیش کرنے والے کارکن درکار ہیں اور یہ تمام وسائل اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک حضرت امام جماعت احمدیہ ہیں۔

خواجہ حسن نظامی اور دوسرے مسلم اکابرین نے یک زبان ہو کر علامہ اقبال کے ان خیالات کی تائید کی لیکن حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا کہ مجھے اس تجویز سے اتفاق نہیں۔ میں اور میری جماعت۔ کشمیر کمیٹی سے ہر رنگ میں تعاون کریں گے مگر منصب صدارت کے لئے کسی اور کو لایا جائے۔ یہ سن کر علامہ اقبال نے کہا کہ حضرت صاحب! جب تک آپ اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے یہ کام مکمل نہیں ہوگا۔ چنانچہ سب کے مجبور کرنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس فیصلہ کو قبول فرمایا اور یوں:۔
''کشمیریوں کی آزادی کے لئے جولائی ۱۹۳۱ء میں جب مذکورہ بالا کمیٹی (آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔ ناقل) قائم ہوئی تو حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کمیٹی کے صدر کی حیثیت میں کشمیریوں کی آزادی کے لئے بھرپور جدوجہد کا آغاز فرمایا جس کی پبلسٹی کمیٹی میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب بھی شریک تھے''۔ (الفضل ۵؍ اگست ۱۹۳۱ء)

اسی سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔
'' آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبران ہندوستان کے مشہور شاعر اور فلسفی ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، دہلی کے نامور انشا پرداز اور سجادہ نشین خواجہ حسن نظامی صاحب، پینشنر سیشن جج خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب، ایڈیٹر ''انقلاب'' ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ اور بعض دوسرے اصحاب قرار پائے اور سیکرٹری مولوی عبدالرحیم درد صاحب مبلغ لندن مقرر کئے گئے اور کام شروع ہوگیا''۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۴۰۷)

کشمیر کمیٹی کے زیر انتظام مؤرخہ ۱۴؍ اگست ۱۹۳۱ء کو ''کشمیر ڈے'' منایا گیا جو اتنا کامیاب تھا کہ مہاراجہ کشمیر بھی جھکنے پر مجبور ہوگیا۔ اسی دوران احمدی وکلاء نے کشمیر کی جیلوں میں مقید اسیران کشمیر کی رہائی کے لئے دن رات کوشش کر کے سینکڑوں اسیروں کو رہائی دلوائی اور اس طرح آٹھ ماہ کے اندر اندر ہی مؤرخہ ۱۰؍ اپریل ۱۹۳۲ء کو ایک کمیشن کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے آئینی اصلاحات نافذ کیں جس کے نتیجہ میں مذہبی آزادی، مقامات مقدسہ کی واگزاری، تعلیمی اصلاحات کا نفوذ، آبادی کی شرح کے مطابق ملازمت کا حصول، زمین کے مالکانہ حقوق، پریس کی آزادی، آئین ساز اسمبلی کا قیام اور سیاسی پارٹیوں کو کام کرنے کی اجازت بھی مل گئی۔ کشمیریوں کو غلامی کے چنگل سے نجات دلوانے اور آزاد کروانے کے لئے عملی طور پر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریک کشمیر کے بارہ میں بہت سے سفر اختیار کئے۔ متعدد بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت میاں صاحبؓ کو بھی اپنے ہمراہ شریک سفر رکھا۔ ان دوروں کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمرکاب حضرت میاں صاحبؓ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:۔
'' ان ایام میں حالات نے اس قدر جلدی جلدی پلٹا کھایا کہ جیسے ایک تیز رو فلم کی تصویریں سینما کے پردے پر دوڑتی ہیں اور خود حضرت خلیفۃ المسیح (الثانیؓ۔ ناقل) کا یہ حال تھا اور یہ میں اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہوں کیونکہ میں اکثر موقعوں پر آپ کے ساتھ رہا کہ آپ اس عرصہ میں گویا ہر وقت

پادررکاب تھے۔ آج یہاں ہیں تو کل لاہور اور پرسوں دلی اور اترسوں وزیرآباد اور اگلے دن سیالکوٹ اور پھر راولپنڈی اور پھر ایبٹ آباد اور پھر اس سے پرے کشمیر کی سرحد پر اور پھر کہیں اور۔ غرض ایک مسلسل حرکت تھی جس میں مختلف لوگوں سے ملنا۔ کشمیر سے آنے والے لیڈروں کی رپورٹ سُننا اور ہدایات دینا۔ کشمیر کمیٹی کے جلسے کروانا۔ پریس میں رپورٹیں بھجوانا، ریاست اور گورنمنٹ کے افسروں سے ملاقات کرنا کرانا وغیرہ ہر قسم کا کام شامل تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قلیل مدت عرصہ کی جنگ کے بعد۔ ہاں اتنا عرصہ جو قوموں کی زندگی میں ایک سانس کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ صرف ریاست نے بلکہ ایک طرح سے حکومت انگریزی نے بھی ہتھیار ڈال دئے اور کشمیر کا صدیوں کا غلام آنکھیں کھول کر آزادی کی ہوا کھانے لگا۔ اہل کشمیر کو اسمبلی ملی۔ حکومت میں حصہ ملا۔ پریس کی آزادی ملی۔ مسلمانوں کو ملازمتوں میں برابر کے حقوق ملے۔ فصلوں پر قبضہ ملا اور تعلیم میں سہولتیں ملیں۔ اور جو بات نہیں ملی اس کے ملنے کے لئے رستہ کھل گیا۔ اہلِ کشمیر نے اپنے پبلک جلسوں میں امام جماعت احمدیہ زندہ باد اور صدر کشمیر کمیٹی زندہ باد کے فلک بوس نعرے لگائے اور اپنی عقیدت اور شکرگزاری کے پھول آپ کے قدموں پر لا کر رکھے۔ اس وقت آپ کشمیر اور پنجاب کے تسلیم شدہ ہیرو تھے''۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۴۰۸-۴۰۹)

آزادیٔ کشمیر کی اسی جدوجہد کے بارہ میں حضرت قمرالانبیاءؓ نے مزید تحریر فرمایا:۔

'' جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو تحریک کشمیر میں ایک معجزانہ اور عدیم المثال کامیابی عطا فرمائی اور کشمیر کے کم وبیش تیس لاکھ مسلمان آپ کے دم کی برکت سے غلامی کی زنجیروں سے رہائی پا گئے اور خدا کا وہ فرمان پورا ہوا جو اُس نے آپ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی زبان پر ۱۸۸۶ء میں جاری فرمایا تھا کہ: ''وہ اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا'' ۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۴۱۴)

جماعت احمدیہ کی انہی بے لوث قربانیوں کے ذکر پر یاد آیا کہ حضرت مصلح موعودؓ کی اس بے انتہا مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کئی دوسرے نام نہاد مسلمان اکابرین مثلاً احراری جماعت نے بھی اپنا لچ تلنا چاہا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب جماعت احمدیہ کی سرتوڑ کوشش کے بعد کشمیر کی آزادی میں صرف چند ایک دن ہی باقی رہتے تھے تو تب ان نام نہاد مسلم اکابرین نے بنا بنایا کھیل بگاڑنے کے لئے نہ صرف نعرہ بازی۔ ہلڑ بازی اور ہڑتالوں بلکہ تشدد پسندی سے کام لیا کیونکہ یہ لوگ جان چکے تھے کہ اب چند دن کی بات ہے اور احمدی کشمیر کو آزاد کروالیں گے لیکن یہ نام نہاد مسلم اکابرین تو کشمیر کی آزادی کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنا اور کروانا چاہتے تھے لہذا اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کو کس کا دل نہ چاہتا تھا ؟ پس ان لوگوں نے وہاں گڑبڑ اور فساد پھیلانے کی بھرپور کوشش کی کہ جس کے نتیجہ میں ایک پرامن جدوجہد ایک تشدد پسند تحریک بن گئی اور ان لوگوں کی بیوقوفی سے کشمیر کی آزادی کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا اور یوں ان احراریوں کا یہ خواب مٹی میں مل گیا کہ ان کے یہ تشدد آمیز نعرے اور دنگا فساد تحریک آزادیٔ کشمیر کے نام سے جانے جائیں گے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی روحانی بصیرت سے لاکھوں کشمیری جو چند برس کی لگاتار کوشش سے آزاد ہوئے تھے وہ ان احراریوں کی چند دن کی دہشت گردی سے ایک مرتبہ پھر غلامی کے چنگل میں پھنس گئے جس کے نتیجہ میں اب تک نہ کشمیر آزاد ہوا اور نہ ہی کشمیریوں کو آزادی نصیب ہوئی یعنی ان بے غیرت لوگوں کی غداری کی سزا معصوم کشمیریوں کو آج تک بھگتنا پڑ رہی ہے۔ احراری جماعت نے کشمیر کی آزادی کو جو ٹھیس پہنچائی اس کی تفصیل مخلص کشمیری راہنماؤں کے الفاظ میں مختصر طور پر یہ ہے کہ آل انڈیا مجلس احرار نے مہاراجہ کشمیر سردار ہری سنگھ سے جدوجہد آزادی کو نقصان پہنچانے کے لئے ایک خطیر رقم بطور رشوت وصول کی اور کشمیر کمیٹی کے صدر حضرت مصلح موعودؓ کے خلاف سازشیں کیں۔ اس سلسلہ میں احراریوں کے کئی

وفود کشمیر گئے اور انہوں نے سرکاری مہمان کے طور پر مہاراجہ کشمیر سردار ہری سنگھ کے پاس قیام کیا- کشمیر کے یتامیٰ، مظلومین اور بیواؤں کے نام پر چندہ جمع کر کے احراری شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے- اسی ساز باز اور سازشوں کے نتیجہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے کشمیر کمیٹی کا اجلاس طلب فرما کر مؤرخہ ۷/مئی ۱۹۳۳ء کو کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ فرمایا- آپؓ کے بعد شاعر مشرق سر علامہ اقبال کو کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا- اسی دوران احراریوں کی شدت پسندی کے باعث کئی سرکردہ کشمیری راہنما مثلاً شیخ محمد عبداللہ صاحب وغیرہ گرفتار ہو گئے تو انہوں نے جیل سے حضورؓ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا کہ:-" گو ہمیں اس امر کا از حد صدمہ ہے کہ حضور نے اپنا دست شفقت بعض کم فہم احباب کی وجہ سے ہمارے سر پر سے اٹھا لیا مگر آپ کی ذات سے ہمیں پوری امید ہے کہ حضور اس آڑے وقت میں ہماری راہنمائی فرما کر ہمیں ممنون و مشکور فرماویں گے اور ہمارے لئے ساتھ ہی دعا بھی فرماویں---"-

لیکن جب احراریوں کی شر انگیز حرکات سے کشمیر کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے تو چند دنوں کے اندر اندر ہی مؤرخہ ۲۰/جون ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے بھی کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا- ۲۵/مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اپنے ایک اجلاس میں اس کمیٹی کو ایک ایسوسی ایشن میں تبدیل کر لیا کہ جس کے صدر سید حبیب صاحب مقرر ہوئے- اس ایسوسی ایشن کی درخواست پر حضرت مصلح موعودؓ نے ایسوسی ایشن کے تمام مالی اخراجات، وکلاء اور کارکنان کو بہم پہنچانے کی ذمہ داری اٹھالی- حضورؓ کی ہدایت پر مسلمانان کشمیر کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے مؤرخہ ۴/اگست ۱۹۳۴ء کو ایک سہ روزہ اخبار "اصلاح" جاری کیا گیا جو بعد میں ہفت روزہ نکلنے لگا- اسی دوران جب ریاست کشمیر میں پہلی مرتبہ ایک اسمبلی کا قیام عمل میں آیا تو جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب نے کشمیریوں کی گرفتاری پر احتجاج کرتے ہوئے ان انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا- اس پر حضورؓ نے کشمیریوں کو اپنے حقوق کے حصول کے لئے ان انتخابات میں حصہ لینے کی جانب ترغیب دلائی تا کہ رشوت خور ظاہری مسلمان لیکن در پردہ مہاراجہ کشمیر کے پروردہ غدار لوگ کشمیر کی اسمبلی میں داخل ہو کر جدو جہد آزادیٔ کشمیر کو نقصان نہ پہنچا سکیں- چنانچہ حضورؓ کی ہدایت پر مسلم کانفرنس نے ہر جگہ اپنے نمائندے کھڑے کئے اور سو فیصد کامیابی حاصل کی- بہر حال جماعت احمدیہ کی یہ تمام جدو جہد اور شاندار قربانیاں خدا تعالیٰ کے فضل سے تاریخ احمدیت کے ابواب میں سنہری حروف میں رقم ہو چکی ہیں جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت زندہ و پائندہ رہیں گی اور کشمیریوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤرخہ ۴/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مکرم خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب احمدی اور شیر کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب کی قیادت میں مہاراجہ کشمیر سردار ہری سنگھ کو برطرف کر کے جمہوریہ کشمیر کی آزادی کا تاریخی اعلان کروایا تھا جو کہ آج بھی ایک تاریخی سند کی حیثیت میں قائم ہے- اس حکومت کے صدر خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب اور وزیر اعظم سردار محمد ابراہیم خان صاحب تھے- اس حکومت کی تشکیل کا اعلان مختلف اخبارات اور مظفر آباد ریڈیو سٹیشن سے بھی ہوا لیکن اس اعلان کے چند دن کے اندر اندر ہی انگریزوں نے شاطرانہ چال چلتے ہوئے در پردہ یکطرفہ طور پر کشمیر کا الحاق ہندوستان سے منظور کر لیا- جس پر آزادی کے متوالے کشمیری عوام اور جماعت عالیہ احمدیہ کے مجاہد اپنی فرقان فورس کے ساتھ کشمیر کی آزادی کے لئے سرگرم عمل ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں کشمیر کے ایک بڑے علاقہ کو آزاد کروا لیا- یہ علاقہ اب آزاد کشمیر کے نام سے مشہور ہے اور اس آزاد ریاست کا ترانہ ہے:-

وطن ہمارا آزاد کشمیر
باغوں اور بہاروں والا
دریاؤں کوہساروں والا
آسمان ہے جس کا پرچم

پرچم چاند ستاروں والا
جنت کے نظاروں والا
جموں اور کشمیر ہمارا (حفیظ جالندھری)

جب ہندوؤں اور انگریزوں کی ان سرفروش مجاہدین کے سامنے کچھ پیش نہ گئی تو حکومت ہندوستان نے اقوام متحدہ میں درخواست دے کر اس وعدہ پر جنگ بندی کا معاہدہ کیا کہ چند یوم کے اندر اندر کشمیر میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروائے جائیں گے اور پھر کشمیر کے عوام جس ملک کے ساتھ ملنا چاہیں مل جائیں۔لیکن افسوس کہ اقوام متحدہ کی اس قرارداد پر آج تک اٹھاون (۵۸) سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا اور نہ ہی دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں یہ چاہتی ہیں کہ اس معاہدہ پر عمل درآمد ہو کیونکہ اس طرح اگر کشمیر کا یہ معاملہ صلح صفائی کے ساتھ طے پا جائے تو برصغیر میں ان کا قیمتی اسلحہ کون خریدے گا؟ ایٹم بم رکھنے اور بنانے کی ضرورت کیسے رہے گی؟ یہ بڑی طاقتیں لیبیا یا عراق یا ایران کے بارہ میں قراردادوں پر عمل درآمد کرنے اور کروانے کے لئے تو اربوں ڈالر خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں اور لاکھوں فوجیوں کی قربانی انہیں منظور ہے لیکن جب انہی طاقتوں سے کشمیر اور فلسطین کے بارہ میں اقوام متحدہ میں منظور شدہ قراردادوں کی بات ہوتی ہے تو ان سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے کیونکہ وہاں سے ابھی تک تیل، سونا یا ہیرے جواہرات برآمد نہیں ہوئے۔حضرت مصلح موعودؓ نے برصغیر اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے حقوق کے حفاظت کے لئے عظیم الشان جدوجہد فرمائی اور اس سلسلہ میں نہایت ہی فراست سے برٹش ایمپائر، گورنمنٹ آف انڈیا اور صوبائی نیز علاقائی حکومتوں سے تعلقات استوار رکھے۔آپؓ ان تمام اہم امور میں حضرت قمرالانبیاءؓ سے مشورہ بھی فرماتے۔اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''حضور کا سلوک بھی ابا جان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں ان کے مسودات ابا جان کو دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر ابا جانؓ کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسبِ منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائے گا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

کشمیر کمیٹی اور ہندوستانی اہم سیاسی امور کے معاملہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مصلح موعود کی خواہشات کے عین مطابق دن رات ایک کر کے ہر کام کو سرانجام پہنچایا۔مثلاً:-

'' جب جنوری ۱۹۴۶ء میں پنجاب اسمبلی کا الیکشن ہوا تو اس کی نگرانی کا کام حضرت میاں صاحبؓ کے سپرد ہوا جسے آپؓ نے اس توجہ اور انہماک کے ساتھ سرانجام دیا کہ ایک دفعہ جب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ (الثانیؓ۔ناقل) نے ایک ایسا نقشہ تیار کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ قادیان میں کتنے ووٹر حاضر ہیں، کتنے غیر حاضر، کتنے فوت شدہ ہیں، کتنے باہر ہیں جن کے آنے کی امید ہے اور کتنے ایسے ہیں جن کے آنے کی کوئی امید نہیں تو حضرت میاں صاحبؓ نے سب محلوں کے صدران کو بُلا کر ساری رات بیٹھ کر نقشہ تیار کروایا''۔(حیات بشیرؓ)

کشمیر کی آزادی کے ساتھ ساتھ ان دو بھائیوں کی اس مقدس جوڑی نے حصول پاکستان کے لئے بھی دن رات کوشش کی اور نہایت ہی اہم خدمات سرانجام دیں لیکن موجودہ پاکستان کے کم نظر ملاؤں کو ایسے اہم واقعات اب یاد نہیں رہے کہ احمدیوں نے پاکستان بنانے کے لئے اور مسلمانان ہند کے

اس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے سے بھی بہت پہلے اس کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے راہ ہموار کرنا شروع کردی تھی۔حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس بارہ میں ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جب ملکی تقسیم سے قبل ۱۹۴۶ء میں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں پنجاب اسمبلی کا الیکشن ہوا اور یہ الیکشن متحدہ پنجاب کا وہ آخری معرکۃ الآراء الیکشن تھا جس میں الیکشن کے نتیجہ کے ذریعہ اس بات کا فیصلہ ہونا تھا کہ آیا پنجاب کے مسلمان ''مسلم لیگ۔ MUSLIM LEAGUE۔'' کی پالیسی کی تائید میں ہیں یا اس کے خلاف ہیں؟ اور یہ کہ پاکستان کے بننے یا نہ بننے کے متعلق اُن کی رائے کیا ہے؟ تو اس موقعہ پر جماعت احمدیہ نے بھی بٹالہ کی تحصیل سے چوہدری فتح محمد سیال صاحب (ایم۔اے) کو بطور امیدوار کھڑا کیا تھا اور چونکہ یہ خاکسار اس وقت جماعت کی طرف سے بٹالہ کے الیکشن کا انچارج تھا اور اتفاق سے میں اس وقت ناظر اعلیٰ بھی تھا اس لئے اس الیکشن اور اس کے بعد بہت سے حالات اس وقت تک میرے ذہن میں بڑی حد تک تازہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس الیکشن میں چوہدری فتح محمد سیال صاحب کو نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور وہ اپنے یونی لسٹ حریف کو شکست دے کر مسلم لیگ کی مضبوطی کا باعث بن گئے''۔(الفضل ۲۱/ اپریل ۱۹۵۵ء)

تقسیم ہندوستان کے بارہ میں ہی مکرم مولوی برکات احمد راجیکی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

'' تقسیم ملک سے قبل جن ایام میں پنجاب اسمبلی کے حلقہ قادیان اور تحصیل بٹالہ کے ووٹوں کی تیاری کے سلسلہ میں جملہ امور کے انچارج آپؓ تھے ۔ان دنوں بعض اوقات رات دس گیارہ بجے تک کام کرنا پڑتا تھا اور جب تک حضرت اقدس کی خدمت میں رپورٹ نہ پیش کردی جاتی، دفتر بند نہیں ہوتا تھا''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۳ء)

اسی سلسلہ میں مکرم مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) لکھتے ہیں:۔

''قادیان میں الیکشن کا کام حضرت میاں صاحبؓ ہی کی رہنمائی میں سرانجام پاتا۔جب ایک مرتبہ اس ضمن میں آدھی رات کے قریب خاکسار باہر کے دیہات سے قادیان گیا تو دیکھا کہ آپؓ چارپائی پر لیٹے ہیں۔سر پر سرخ رومال سے پٹی باندھی ہوئی ہے۔لیمپ سرہانے رکھا ہے۔نزلہ سے بُرا حال ہے لیکن پھر بھی بدستور کام جاری ہے۔کارکنوں کو پاس بٹھایا ہوا ہے۔ان کی ضروریات کی طرف خاص توجہ اور ان کی سہولت کے لئے ہدایات دیتے ہیں اور خود اپنے وجود کو فراموش کیا ہوا ہے''۔(الفضل ۲۳/نومبر ۱۹۶۳ء)

اسی طرح روزنامہ الفضل کے ایک اداریہ میں تحریر ہے کہ: ''جب ۱۹۴۷ء کے شروع ہی میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے تو قادیان کے شرفا کیا ہندو کیا سکھ۔حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قادیان میں مختلف مقامی قوموں کی ایک مشترکہ امن کمیٹی قائم کردی جائے تاکہ یہاں کی فضا فرقہ وارانہ فسادات سے پاک رہے۔اس امن کمیٹی کے سات احمدی، پانچ ہندو، پانچ سکھ اور چھ غیر احمدی ممبر تھے۔اس امن کمیٹی نے ۱۰/ مارچ کو ایک مشترکہ اشتہار '' ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں سے دردمندانہ اپیل'' کے عنوان سے شائع کیا۔حضرت قمرالانبیاءؓ اپنے ایک نوٹ میں اس امن کمیٹی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

'' یہ بات قابل ذکر ہے کہ فسادات کے ابتدا میں ہی قادیان میں ایک امن کمیٹی بنادی گئی تھی جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں اور سکھوں اور ہندوؤں نے بھی شرکت کی اور اس کمیٹی کی وجہ سے قادیان اور اس کے ماحول میں الحمدللہ! اچھا اثر پیدا ہوا''۔(الفضل ۲۰/مارچ ۱۹۴۷ء)

تقسیم ملک سے کچھ عرصہ قبل ایک سکھ لیڈر سردار وریام سنگھ صاحب نے آپؓ سے کہا کہ: '' اب ملک بٹ رہا ہے اور آپ کی جماعت کی پوزیشن بہت نازک ہے۔مسلمان آپ کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔پس! آپ ان کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں سے نہ بگاڑیں۔میں آپ کی ہمدردی کے خیال سے کہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ سمجھوتا کرلیں۔ہم آپ کی جماعت کو قادیان اور اس کے ماحول میں ایک قسم کی نیم آزاد حکومت دینے کو تیار ہیں''۔حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس پیش کش کا جو لطیف جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آپؓ نے فرمایا:۔

'' سردار صاحب! آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ہم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے آپ کے ساتھ جوڑ نہیں ملا سکتے۔پس ! میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ آپ اس ناکام کوشش پر مزید اصرار نہ کریں''۔(الفضل ۲۱/ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۵)

مکرم ایڈیٹر صاحب روزنامہ الفضل تحریر فرماتے ہیں کہ:۔'' الفضل ۹/مئی ۱۹۴۷ء کی ایک اشاعت میں ''خالصہ! ہوشیار باش'' کے عنوان کے تحت آپؓ نے سکھ صاحبان سے دردمندانہ اپیل کی کہ ان کا فائدہ ہندوؤں کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرنے میں ہے۔اس لئے وہ اس وقت کو غنیمت سمجھیں اور مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کرلیں۔اس مضمون میں سکھوں کو تلقین کی کہ وہ ایسا قدم نہ اٹھائیں جو اُن کی تباہی کا باعث ہو۔اس ٹریکٹ میں آپؓ نے ملکی سیاست کا جس گہری نظر سے مطالعہ کیا اور صحیح نتائج پر روشنی ڈالی ہے آج ہم ان نتائج کو سکھوں کی بھارت میں موجودہ حالت کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔آپؓ نے اپنی دوررس نگاہ سے وہ سب کچھ اس وقت دیکھ لیا تھا جو ہندوستانی سکھوں پر گذرنے والا تھا۔آج جب ہم تجزیہ کرتے وقت آپؓ کے اس شاہکار مضمون کو پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ سکھوں کی آئندہ تاریخ کا ڈرامہ گویا کشفی صورت میں دیکھ رہے ہیں''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳)

تقسیم ہند سے پہلے جب حالات خراب ہونے شروع ہوئے تو ۱۹/مئی ۱۹۴۷ء کو الفضل میں آپؓ نے '' مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان اور اس کے مقابل پر تقسیم پنجاب کا سوال'' زیر بحث لاکر پاکستان کی اہمیت کو واضح فرمایا اور ساتھ ہی اس امر پر زور دیا کہ پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ سراسر غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ مطالبہ ہے پھر ۲۴/مئی ۱۹۴۷ء کو آپؓ نے بحیثیت چیف سیکرٹری جماعت احمدیہ قادیان، اس وقت کے وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ایٹلے (Mr. CLEMENT ATTLEE 1883 - 1967) اور حزب مخالف کے لیڈر مسٹر چرچل (SIR WINSTON CHURCHILL 30.11.1874 - 24.01.1965) کو تار (ٹیلیگرام) بھجوائی کہ جماعت احمدیہ، پنجاب کی تقسیم کے سخت خلاف ہے کیونکہ وہ جغرافیائی اور اقتصادی لحاظ سے ایک قدرتی یونٹ ہے اور اسے ہندوستان کی تقسیم پر قیاس کرنا اور اس کا طبعی نتیجہ قرار دینا بالکل خلاف انصاف اور خلاف عقل ہے۔

حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ کے درج بالا مضمون '' خالصہ ہوشیار باش'' پر سکھوں کے ایک اخبار '' شیر پنجاب'' نے ۱۵/جون ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں یہ جواب تحریر کیا کہ ''احمدی ان مظالم کو یاد کریں جو گذشتہ زمانہ میں مسلمان ان پر کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ اتحاد نہ کریں''۔اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے اخبار '' شیر پنجاب'' کو ایک نہایت ہی لطیف جواب عنایت فرمایا۔آپؓ نے فرمایا:۔

'' میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا ایک حصہ، احمدیوں کی مخالفت میں پیش پیش رہا ہے اور ہمیں اپنی تلخ آپ بیتی بھولی نہیں بلکہ وہ ہماری تاریخ کا ایک سنہری ورق ہے جس نے ہمیں قومی بیداری اور تنظیم کے بہت سے سچے سبق سکھائے ہیں مگر باوجود اس کے مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یہ داؤ

ہم پر نہیں چل سکتا- کیونکہ ہماری گھٹی میں یہ تعلیم پڑی ہوئی ہے کہ مخالفت میں فرد کی طرف نہ دیکھو بلکہ اصول کی طرف دیکھو اور دشمنی انسانوں کے ساتھ نہ رکھو بلکہ صرف برے خیالات کے ساتھ رکھو- کیونکہ کل کو یہی مخالف لوگ اچھے خیالات اختیار کر کے دوست بن سکتے ہیں- چنانچہ احمدیوں کا پچانوے فیصدی حصہ دوسرے مسلمانوں میں سے ہی نکل کر آیا ہے- پس اگر گذشتہ زمانہ میں کسی نے ہم پر ظلم کیا ہے تو اس وقت ہم اس کے ظلم کو حوالہ بخدا کر کے صرف یہ دیکھیں گے کہ انصاف کا تقاضا کیا ہے ؟ اور ان افراد کے متعلق ہم بہر حال عفو اور رحم کے عنصر کو مقدم کریں گے''- (الفضل ۲۰ رجون ۱۹۴۷ء)

حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' تقسیم ملک سے پہلے آپؓ کی دوراندیش نظر نے آنے والے واقعات کا اندازہ لگایا اور اس کے متعلق سبق آموز مضامین لکھے- بعد میں آنے والے واقعات نے آپؓ کی فراست کی تصدیق کی- قادیان سے ہجرت ایک بڑا دشوار گذار مرحلہ تھا- آپؓ کی حوصلہ مندی اور حسن انتظام سے آپؓ کے ساتھی بھی اثر پذیر ہوئے اور سب نے مل کر تنظیم اور تعاون کے ساتھ یہ کٹھن منزل اس عمدگی سے طے کی کہ تمام اہل قادیان صحیح سلامت اور عزت کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم کے ماتحت آپؓ کو بھی قادیان سے لاہور آنا پڑا لیکن قادیان کے لئے آپؓ نے مشکلات کو آسان کر دیا تھا- حسن تدبیر سے، حسن انتظام سے اور دعاؤں سے''- (حیات بشیرؓ صفحہ ۲۳-۳۱)

انگریز حکومت نے مسلمانوں کی مرضی اور رائے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے مشرقی پنجاب کو پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل کر دیا اور ظلم یہ کہ مسلم اکثریت والے جزائر لکادیپ اور مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کو بھی خلاف توقع ہندوستان میں شامل کر دیا گیا جس کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی اور یوں مسلمان احمدیوں کو بھی مجبوراً اپنا مرکز قادیان چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی- اسی لئے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب رضی اللہ تعالیٰ، قادیان کو بہت یاد کیا کرتے تھے اور اس کی واپسی کے لئے بے حد دعا گو بھی رہتے تھے لہذا یہاں ہجرت کے بارہ میں بھی کچھ عرض کرتا چلوں- خاکسار یہ بیان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان مبارک الفاظ سے شروع کرتا ہے جو خدا تعالیٰ نے آپؑ کو الہام فرمائے:-

قَدِ ابتُلِیَ المُؤمِنُونَ مَا ھٰذَا اِلّا تَھدِیدُ الحُکَّامِ – اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیکَ القُراٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ – اِنِّی مَعَ الاَفوَاجِ اٰتِیکَ بَغتَةً – یَأتِیکَ نُصرَتِی اِنِّیٓ اَنَا الرَّحمٰنُ ذُوالمَجدِ وَالعُلٰی– '' تجھ پر اور تیرے ساتھ کے مؤمنوں پر مواخذہ حکام کا ابتلاء آئے گا- وہ ابتلاء صرف تہدید ہوگا- اس سے زیادہ نہیں- وہ خدا جس نے خدمتِ قرآن تجھے سپرد کی ہے پھر تجھے قادیان میں واپس لائے گا- میں اپنے فرشتوں کے ساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کروں گا- میری مدد تجھے پہنچے گی- میں ذوالجلال بلند شان والا رحمان ہوں''- (تذکرہ صفحہ ۲۹۵)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے :''داغ ہجرت'' جو کہ ۱۸ر دسمبر ۱۸۹۴ء کو ہوا- اس لئے تقسیم ملک سے بھی تقریباً دس سال قبل یعنی ۱۹۳۷ء میں حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ:-

'' آج کل میں تذکرہ کا کسی قدر بغور مطالعہ کر رہا ہوں- مجھے بعض الہامات وغیرہ سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید جماعت احمدیہ پر یہ وقت آنے والا ہے کہ اسے عارضی طور پر مرکز سلسلہ سے نکلنا پڑے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت حال غالباً گورنمنٹ کی طرف سے پیدا کی جائے- اگر میرا یہ خیال درست ہے تو اس وقت کے پیش نظر ہمیں کچھ تیاری کرنی چاہیئے مثلاً:- مذہبی اور قومی یادگاروں اور شعائر اللہ کی حفاظت کا انتظام وغیرہ- تا کہ اگر ایسا

وقت مقدر ہے تو جماعت کے پیچھے اُن کی حفاظت رہے اور نشانات محفوظ رہیں۔ اسی طرح دوسری باتیں سوچ رکھنی چاہئیں‘‘۔

اس خط کے مضمون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ کو جماعت سے بے انتہا محبت تھی اور اس بارہ میں آپؑ ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے لیکن حضرت امیر المؤمنین مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس خط کا جو جواب دیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ کی طرح حضرت مصلح موعودؓ بھی نہ صرف جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ بلکہ تمام مسلمانان ہند کے لئے بھی بے حد متفکر رہا کرتے تھے۔ اس خط کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ :۔’’ میں تو بیس سال سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ حق یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اب تک اپنی پوزیشن کو نہیں سمجھی۔ ابھی ایک ماہ ہوا میں اس سوال پر غور کر رہا تھا کہ مسجد اقصیٰ وغیرہ کے لئے گہرے زمین دوز نشان لگائے جائیں جن سے دوبارہ مسجد تعمیر ہو سکے‘‘۔ (الفضل ۲۵ رمئی ۱۹۴۸ صفحہ ۳)

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل کے حالات اور واقعات کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ ایم۔ احمد) صاحب فرماتے ہیں کہ :۔
’’میں ان دنوں پاکستان کی طرف سے بطور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر امرتسر میں اور گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ایک سکھ دوست اسی عہدہ پر (امرتسر میں۔ ناقل) متعین تھا جبکہ ڈپٹی کمشنر کا عہدہ ایک انگریز کے پاس تھا۔ اسے ہدایت تھی کہ امرتسر کے متعلق جو بھی فیصلہ ہو کہ آیا اس کا الحاق ہندوستان سے یا پاکستان سے ہوگا۔ اسی کے مطابق وہ متعلقہ ڈپٹی کمشنر کو چارج دے دے گا۔ ایک روز ڈپٹی کمشنر نے لاہور سے واپسی پر مجھ سے سرسری طور پر ذکر کیا کہ اس بات کا امکان ہے کہ گورداسپور کا ضلع انڈیا کو دے دیا جائے۔ اس پر میں نے سخت حیرانگی کا اظہار کیا کہ جن خطوط پر پارٹیشن کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اس لحاظ سے تو مسلم اکثریت والا علاقہ جو دوسرے مسلم اکثریت والے علاقہ سے ملحق بھی ہو، وہ پاکستان میں شمار ہوگا لہٰذا اس اصول کے تحت تو ہر لحاظ سے اسے پاکستان کے حصہ میں جانا چاہئیے۔ میری اس دلیل سے پریشان ہو کر اس نے کہا کہ لاہور آج کل افواہوں کا مرکز بنا ہوٗا ہے اور آدمی ان افواہوں پر یقین نہیں کرسکتا نیز اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں قادیان چلا جاؤں کیونکہ سی آئی ڈی C.I.D. کی رپورٹ کے مطابق میری رہائش گاہ پر بم پھینکنے کا پروگرام ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ امرتسر کے پاکستان سے الحاق کی صورت میں وہ مجھے قادیان سے بلائے گا۔ اس پر میں قادیان روانہ ہو گیا اور حضورؓ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ ناقل) کی خدمت میں قصر خلافت جا کر اس کی اطلاع دے دی۔ اس پر حضورؓ نے فرمایا کہ تھوڑا عرصہ قبل آپؑ کو الہام ہوٗا ہے: ’’ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا ‘‘۔ (تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ (البقرۃ:۱۴۹)۔ ناقل))۔ (ماہنامہ انصاراللہ ربوہ فروری ۲۰۰۰ء صفحہ ۹)

ان تمام واقعات کے لب لباب سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انگریز حکومت کی نیت پہلے سے ہی صاف نہ تھی کہ جس کی بدولت ہمارے بے قصور اور معصوم آباؤ اجداد کو لاچار ہجرت کرنا پڑی اور اسی ایک بات سے ہی یہ بات بھی کھل کر واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ :۔

جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ۔ انگریز کا لگایا ہوٗا کمزور پودا نہیں

بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے لگایا ہوٗا ایک مضبوط و توانا درخت ہے!

ورنہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اگر جماعت احمدیہ انگریز کا لگایا ہوٗا پودا ہوتا تو وہ اپنے ہی لگائے ہوئے پودے کی حفاظت نہ کرتا؟ ایسے ہی نام نہاد مسلمان ملاؤں کی غلط بیانی اور جھوٹی افواہوں کے سد باب کے لئے ہی تو سیدنا حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ببانگ دہل یہ اعلان فرمایا تھا کہ :۔

”میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے“۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲-۱۳، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۸-۴۹)

کیونکہ اگر جماعت عالیہ احمدیہ نعوذ باللہ انگریز کا لگایا ہؤا درخت ہوتا تو اوپر درج اس اعلان سے انگریز حکومت چونک کر اٹھ بیٹھتی اور احمدیوں کا جینا مشکل کر دیتی کہ:-

”ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں؟“

لیکن آپ نے دیکھا کہ ایسا نہیں ہؤا کیونکہ یہ جماعت تو خدا تعالیٰ کی وہ آخری ناجی جماعت ہے کہ جس کے بارہ میں قرآن و حدیث کے صفحہ صفحہ پر پیشگوئیاں ثبت ہیں اور اسی لئے تو ان واقعات کے ظہور سے بھی بہت عرصہ قبل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام الٰہی ازن کے تحت اپنی پیشگوئیوں میں ہجرت کے لئے جماعت کو تیار فرما چکے تھے لہذا ہجرت کے واقعات کے بارہ میں ایک مختصر سی ڈائری حاضرِ خدمت ہے تا کہ احباب کو علم ہو جائے کہ ان پُر آشوب حالات میں بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور آپؓ کے ساتھ ساتھ آپؓ کے چھوٹے بھائی سیدنا حضرت قمر الانبیاءؓ نے کس ذہنی فراست اور جانبازی سے جماعت احمدیہ کے ساتھ ساتھ تمام دوسرے مسلمان مہاجرین اور پناہ گزینوں کی انتھک خدمت میں دن رات ایک کر دیا اور اپنے سکون و آرام و آسائش کی قطعاً پرواہ نہ کی اور پھر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان مجبور و بیکس افراد کا دفاع کیا لیکن ان ایام میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی ملی بھگت سے مشرقی پنجاب میں حالات اتنی نازک صورت حال اختیار کر گئے تھے کہ مجبوراً احمدیوں کو بھی اپنا دیارِ مقدس قادیان چھوڑنا پڑا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر تین سو تیرہ (۳۱۳) مخلص احمدی اپنی جان پر کھیل کر بھی قادیان میں اپنے مقامات مقدسہ کی حفاظت کی خاطر تیار ہو گئے۔انہی خطرناک ایام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہؓ المعروف حضرت چھوٹی آپا صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:-

” جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ خاندان حضرت اقدسؑ کی مستورات کو لاہور بھجوا دیا جائے اور حضورؓ خود قادیان میں ٹھہرے تو مجھے حضورؓ کے ساتھ ٹھہرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرے علاوہ صاحبزادی منصورہ بیگم بھی پیچھے ٹھہریں۔آپؓ نے انہیں خرچ کی رقم دی کہ وہ کھانے کا نتظام کریں اور میں حضورؓ کے ساتھ کام میں لگی رہتی۔ہر وقت اِدھر اُدھر سے اطلاعات کے فون آتے تھے۔آدھی رات حضورؓ جاگتے تھے پھر مجھے جگا دیتے تھے اور آپؓ آرام فرما لیتے تھے“۔(ماہنامہ مصباح ربوہ فروری ۲۰۰۰ء)

آپ سب کے لئے یہ امر یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہؓ کون کون سے بابرکت دینی و جماعتی کام سرانجام دیا کرتی تھیں ؟ لیجئے یہ مختصراً تفصیل بھی حضرت سیدہ چھوٹی آپا بی بی ام امتہ المتین بیگم صاحبہؓ کی ہی زبانی سنئے۔آپ فرماتی ہیں کہ جب :-

” کبھی کسی محاورہ کے متعلق آپؓ کو شک ہوتا تو مجھے کہتے ،ابھی لغت نکالو اور دیکھو یا حضرت اماں جانؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ کیا یہ محاورہ اس طرح بولا جاتا ہے؟ چونکہ میں تیز لکھتی تھی اس لئے آپؓ نے ابتدا سے ہی مجھ سے لکھوانے کا کام لینا شروع کیا۔خطوط ،جلسہ کی تقاریر، تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر۔اسی طرح کلید القرآن سے آیات قرآنیہ نکلوانی ،یہ سب خود سکھایا“۔(ماہنامہ مصباح ربوہ فروری ۲۰۰۰ء)

لیکن پھر حالات اتنی دگر گوں صورت اختیار کر گئے کہ جماعت کے مشورہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو قادیان سے مجبوراً ہجرت کرنا پڑی لیکن حضرت فضل عمر مصلح موعودؓ نے اپنی پاکستان روانگی سے پہلے اپنے چھوٹے بھائی حضرت قمرالانبیاءؑ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو جماعت قادیان اور ضلع گورداسپور کا امیر مقرر فرماتے ہوئے احباب جماعت احمدیہ کے نام ایک پیغام میں یہ ہدایت فرمائی کہ:-

''میں اپنی غیر حاضری کے ایام میں عزیز مرزا بشیر احمد صاحب کو اپنا قائمقام ضلع گورداسپور اور قادیان کے لئے مقرر کرتا ہوں- ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو جس طرح محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:- مَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَن يُطِعِ الاَمِيرَ فَقَدْ اَطَاعَنِي وَمَن يَعصِ الاَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي -(مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة ۔یعنی: جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی'' ۔ناقل)- پس! جو ان کی اطاعت کرے گا وہ میری اطاعت کرے گا اور جو میری اطاعت کرے گا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کرے گا وہ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرے گا اور وہی مؤمن کہلا سکتا ہے دوسرا نہیں''- (مکتوبات اصحاب احمد- جلد اول صفحہ ۷۷)

اُس وقت جبکہ ہر کوئی مسلمان اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا اور مشرقی پنجاب ہندوستان سے مغربی پنجاب پاکستان ہجرت کر جانے کے لئے تگ ودو میں مصروف تھا- ہاں! بالکل اُس وقت حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور آپؓ کے رفقاء نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جان تک کا نذرانہ قادیان اور مسلمانان قادیان وگردونواح کی حفاظت کے جہاد میں بسروچشم پیش کردیا اور پھر خدا تعالیٰ کو ان جوانمردوں کی یہ دلیری اتنی زیادہ پسند آئی کہ یہ شیر خدا ، نمرود کی بھڑکائی ہوئی اس قتل وغارت گری کی آگ سے زندہ و سلامت بچ نکلے- امام وقت حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی خدا تعالیٰ کی خاص حفاظت میسر آئی کہ جس کے بارہ میں الفضل میں تحریر ہے کہ:-

''۳۱ راگست ۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود نے قادیان سے انتہائی خطرناک حالات میں کیپٹن عطاء اللہ صاحب کی سیکیورٹی میں لاہور کی جانب ہجرت فرمائی اور قادیان سے سوا ایک بجے دوپہر روانہ ہو کر آپ اسی روز سہ پہر ساڑھے چار بجے امیر جماعت احمدیہ لاہور ایڈووکیٹ مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پر بخریت پہنچ گئے- آپؓ کی ہجرت سے دو ہفتے قبل ۱۴ر اگست کو جب قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی مختلف علاقوں، خصوصاً مشرقی پنجاب میں ہندو مسلم فسادات اور قتل وغارت کا بازار گرم ہونے لگا تو حضرت مصلح موعود نے سب سے پہلے جماعت کا مرکزی خزانہ بذریعہ ہوائی جہاز قادیان سے پاکستان منتقل کردیا- اس کے بعد آپؓ نے حضرت ام المؤمنین اور خواتین مبارکہ کو بسوں کے ذریعہ لاہور بھجوادیا اور جب قادیان کی آبادی فوری خطرے کی زد میں آ گئی تو صائب الرائے افراد کے مشورے پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ (حضرت مصلح موعودؓ- ناقل) نے پاکستان تشریف لے جانا منظور فرمالیا''- (الفضل ۳۱ر جولائی ۱۹۴۹ء)

۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کی حفاظت حضرت قاضی عبدالرحیم صاحبؓ کے سپرد کی گئی- آپؓ نے اپنی انتہائی فراست سے کام لیتے ہوئے قبر کے اردگرد چار دیواری بنوا کر اس پر چھت ڈال دی اور یوں ۳۱۳ سرفروش درویشان قادیان نے اپنی مساجد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کردینے کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو اسلام اور احمدیت کی اس عظیم الشان خدمت کے لئے پیش کیا- اُس وقت جب کہ تمام لوگ اپنی اپنی جانیں بچانے کے لئے محفوظ مقامات کی جانب منتقل ہو رہے تھے- جی ہاں! بالکل اُس وقت ان نڈر اور جیالے درویشوں نے کہ جن کی قیادت حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر

احمد صاحبؓ کے سپرد تھی اور دین اسلام کی حفاظت کی خاطر سینہ سپر ہونے والے ان جانبازوں میں آپؓ کے بھتیجے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (بعد میں خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) بھی شامل تھے۔ قادیان اور اس کے گرد و نواح کے جیالوں کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند کے دور دراز علاقوں سے پروانہ وار حاضر ہونے والے ان تمام سربکف سرفروشوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے اپنے آپ کو بلا جھجک پیش کر دیا اور مقامات مقدسہ کے متوالے ان درویشوں نے قرار واقعی اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کی پے در پے یورشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دے کر یہ ثابت کر دیا کہ خدائے واحد کے نام لیوا چند جیالے اب بھی خدا کے فضل سے سینکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں خداؤں کی پوجا کرنے والوں پر بھاری ہیں اور اس طرح ایک مرتبہ پھر سے جنگ بدر اور جنگ احد نیز جنگ خندق کے مجاہدین کی یاد تازہ کر دی اور یوں یہ سابقین اپنے اولین سے جا ملے۔ جنگ بدر اور جنگ احد سے مطابقت اس لئے کہ یہ نڈر مجاہد قادیان کی بستی سے باہر نکل کر بھی آس پاس کے قریبی دیہات سے مسلمانوں کو بچا کر قادیان لایا کرتے تھے اور جنگ خندق سے مطابقت اس لئے کہ ان احمدیوں نے قادیان میں محصور ہو کر بھی آخر دم تک اپنا دفاع کیا۔ یہ تمام سرپھری کے واقعات دیکھ کر، سن کر اور پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور بے ساختہ یہ شعر لب پہ آ جاتا ہے ۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (علامہ اقبال)

اللہ تعالیٰ نے قادیان کے ان جانثار شہدا اور دلیر مجاہدین کی اس عظیم الشان قربانی کو قبول فرمایا اور یوں یہ مقامات مقدسہ آج بھی ہمارے قبضہ میں ہیں لہٰذا اسلام اور احمدیت کے ان سچے پروانوں اور حقیقی درویشوں کو ہم جیسے عاجز اور کمزور بندوں کے ہزاروں ہزار درود اور لاکھوں سلام پہنچیں اور تا قیامت پہنچتے رہیں۔ آمین۔ بہرحال حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لاہور پہنچنے سے کچھ پہلے ہی، حضورؓ کی ہدایات کی روشنی میں جماعت احمدیہ لاہور نے جودھامل بلڈنگ، جسونت بلڈنگ، سیمنٹ بلڈنگ اور رتن باغ جیسے مقامات کو خرید لیا تھا۔ لاہور پہنچنے کے اگلے ہی روز یکم ستمبر کو حضورؓ نے جودھامل بلڈنگ میں ایک فوری میٹنگ طلب فرما کر ''صدر انجمن احمدیہ پاکستان'' کی بنیاد رکھی اور اسی دن لنگر خانہ کا بھی اجراء فرمایا۔ ہجرت کے ان ابتدائی ایام میں یہ لنگر خانہ تقریباً ۴۰۰ افراد کو کھانا مہیا کرتا تھا۔ اس مقصد کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان سے ہی آٹھ دیگیں اور پکانے کا کچھ سامان منگوا لیا تھا۔ اور پھر محض سات دن کے بعد حضورؓ نے مجلس شوریٰ کا انعقاد فرمایا اور تقریباً پانچ گھنٹے خطاب فرمایا۔ اس مجلس میں نہایت ہی اہم فیصلے کئے گئے جن میں سے ایک پاکستان میں نیا مرکز ڈھونڈنے کے لئے کوشش شروع کرنے کا فیصلہ بھی تھا جو بالآخر ربوہ کی بستی آباد کرنے پر منتج ہوا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے حکم پر ایڈووکیٹ مکرم شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے روزانہ شام کو سوا آٹھ بجے لاہور ریڈیو سٹیشن سے قادیان کے حالات کے بارہ میں تازہ ترین خبریں نشر کرنا شروع کر دیں تاکہ مختلف علاقوں میں جماعتوں کو قادیان کی صورتحال سے روزانہ باخبر رکھا جائے۔ قادیان سے شائع ہونے والا الفضل ان مخدوش حالات کے باعث محدود ہو کر رہ گیا تھا، لہٰذا حضرت مصلح موعودؓ نے لاہور سے ایک روزانہ بلیٹن کی اشاعت شروع کروا دی جو سب جماعتوں کو بھیجا جاتا تھا۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت سے ۲۰۰ ٹرکوں کی فراہمی کا مطالبہ فرمایا تاکہ قادیان سے عورتوں اور بچوں کو بہ حفاظت باہر نکالنے کا کام کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں ۱۱ اکتوبر کو ۱۸ ٹرکوں اور ۱۲ اکتوبر کو ۲۷ ٹرکوں کے قافلے لاہور سے قادیان گئے اور احمدی بچوں اور عورتوں کی رستگاری کا موجب بنے۔ چنانچہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بیان فرمایا کہ:-

''قادیان میں دو قسم کے ٹرک پہنچتے تھے۔ ایک وہ پرائیویٹ ٹرک جو بعض احمدی فوجی افسر اپنے اہل و عیال اور اپنے ذاتی سامان کو لے جانے کے لئے اپنے فوجی حق کی بنا پر حاصل کر کے قادیان لے جاتے تھے اور دوسرے وہ جماعتی ٹرک تھے جو جماعتی کوشش سے، جماعتی انتظام کے ماتحت، حکومت

کے حکم سے قادیان بھجوائے جاتے تھے''۔(حیات بشیر)

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے انگلستان کے احمدیہ مشن کو لاہور سے روزانہ بذریعہ ہوائی ڈاک تازہ اطلاعات بھجوانے کی ہدایت جاری فرمائی تا کہ وہاں سے تمام ممالک کے سفیروں کو احمدیوں کے حالات سے مطلع کر کے ان کی حفاظت اور مشکلات کے ازالہ کی کوششیں کی جاسکیں۔اسی دوران ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان سے منظوری مل جانے کے بعد روزنامہ الفضل کی اشاعت کا کام شروع ہو گیا۔اکثر اداریئے خود حضرت مصلح موعودؓ کے تحریر کردہ ہوا کرتے تھے گو مصلحتاً ان پر آپؓ کا نام نہیں ہوتا تھا۔۲۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو احمدی احباب کی ساری امانتیں پاکستان منتقل ہو گئیں۔حضرت مصلح موعودؓ کو ان امانتوں کے واپس لوٹانے کا نہایت بے چینی سے انتظار تھا۔اسی ماہ میں ہی ''امانت فنڈ'' کی تمام رقوم ان کے مالکوں کو حسبِ منشاء واپس کر دی گئیں۔اس پُر آشوب زمانہ میں بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو جماعت کی عزت اور وقار کا کتنا خیال رہتا تھا اس کا اظہار درج ذیل واقعہ پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔مکرم میاں روشن دین صاحب (صراف قادیان) سکنہ اوکاڑہ بیان فرماتے ہیں:۔

'' ۱۹۴۷ء میں ہجرت کے موقعہ پر ہوشیار پور وغیرہ کے علاقہ سے کثیر تعداد میں لوگ قادیان آگئے تھے اور لنگر سے ان لوگوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ان دنوں قادیان کے عام ہندو اور صراف، ضرورت مند لوگوں سے زیورات اور دیگر قیمتی اشیأ نہایت سستے داموں خریدتے تھے۔میں نے حضرت میاں صاحبؓ سے عرض کی کہ اگر انجمن انتظام کرے تو آج کل ان لوگوں سے اگر سونا اسی روپے تولہ بھی خریدا جائے تو ان کو بھی فائدہ ہو گا اور انجمن کو بھی۔مگر آپؓ نے فرمایا کہ میاں روشن دین صاحب! ہم خرید تو لیں اور دونوں فریقین کو فائدہ بھی ضرور پہنچے گا مگر اس طرح سے ہمارے جماعتی وقار کو سخت صدمہ پہنچے گا۔کل یہ لوگ ہم پر اعتراض کریں گے کہ چار دن روٹی دے کر ہمیں لُوٹ لیا''۔(حیات بشیر صفحہ ۲۵۴)

مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے بعد ان ابتدائی ایام میں ہر طرف نفسانفسی کا عالم تھا لیکن اِدھر لاہور میں حضرت مصلح موعودؓ ایک نہایت شفیق باپ کی طرح اپنی روحانی اولاد کی جملہ ضروریات کے پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے تو اُدھر قادیان میں یہی عظیم ذمہ داری حضرت قمر الانبیاءؓ سرانجام دے رہے تھے۔حضرت قمر الانبیاءؓ نے اپنے ایک خط میں اپنی ہمشیرہ سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کو قادیان کے حالات و واقعات تحریر فرمائے:۔

'' قادیان کے حالات بدستور ہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مکڑی اپنا جالا بنتی ہوئی مرکزی نقطہ کے قریب تر آرہی ہے مگر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رؤیا میں دیکھا۔انشاءاللہ یہی اس کی ہلاکت کا وقت ہے گو نہیں کہہ سکتے کہ جماعت کو اس امتحان میں کیا کیا تکلیفیں اُٹھانی پڑیں؟ فی الحال تو قیامت کا نظارہ ہے اور سارے ضلع کے طول و عرض میں اس وقت قادیان ہی اکیلا مسلمانوں کا گاؤں باقی رہ گیا ہے۔قادیان کے سوا تمام ضلع میں اس وقت اذان کی آواز غالباً کسی اور جگہ نہیں بلند ہو رہی ہے۔یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے لیکن اس کے پیچھے انشاءاللہ انعام بھی بڑا مخفی ہو گا۔قادیان میں اس وقت پچاس ہزار پناہ گزین ہیں اور قادیان کے سارے میدان اور رستے اور فیلڈیں اس طرح بھری پڑی ہیں کہ حشر کا نظارہ نظر آتا ہے۔دارالسلام کا باغ اور پورچ وغیرہ بھی اَٹی پڑی ہیں۔اچھا ہوا۔آپ لوگ چلے گئے ورنہ یہ نظارے آپ کی طاقت سے باہر تھے۔چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور سید ولی اللہ شاہ صاحب، قتل عمد کے الزام میں گرفتار ہو چکے ہیں۔موجودہ فضا ایسی ہے کہ افسر جب چاہیں اور جس شخص کو چاہیں اور جو الزام چاہیں لگا کر کسی شخص کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ایک دن میرے گھر کا محاصرہ ہو گیا اور تین طرف کی جگہوں میں پولیس اور ملٹری نے مشین گنیں لگا دیں حالانکہ بظاہر اس وقت یہاں کے تھانیدار مجھ سے شاہ صاحب (حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؓ۔ناقل) کے متعلق حالات بتانے اور مشورہ لینے آئے تھے۔اس دن سے بعض بچے سہم گئے ہیں مگر خدا کے فضل سے سب کی ہمت اچھی ہے اور ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔آپ یہ باتیں دوسروں میں

نہ پھیلائیں کیونکہ پریشانی ہوتی ہے البتہ دعائیں کریں اور خدا پر توکل رکھیں---ہم قادیان سے احمدی عورتوں اور بچوں کو جلدی جلدی باہر نکلوا رہے ہیں تا اگر کوئی خطرے کی گھڑی مقدر ہے تو خدا کرے اس سے پہلے ہم اس ضروری فرض سے سبکدوش ہو جائیں ورنہ بڑی پریشانی ہوگی''-(حیات بشیرؓ صفحہ ۳۳۰-۳۳۲)

ان حالات میں حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اپنا یہ حال تھا کہ احمدی مہاجرین کی بے سروسامانی اور تکالیف کو دیکھتے ہوئے حضور ایدہ اللہ نے اپنی چارپائی پر سونا ترک کر دیا اور ایک عرصہ دراز تک جب تک کہ احباب آباد نہیں ہو گئے، چارپائی سے نیچے زمین پر ہی سوتے رہے اور دن رات آپ کو یہی فکر دامنگیر رہتی کہ کسی طرح بھی کسی دوست کو کوئی پریشانی نہ ہو-اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب فرماتے ہیں کہ:-

''یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ جب بھی جماعت کسی ابتلاً کے دور سے گزر رہی ہوتی تو آپؓ بستر پر سونا ترک کر کے فرش پر سوتے-یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آزمائش کے بادل چھٹنے کا اشارہ ملتا کہ چلو جا کر بستر پر آرام کرو''-(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ فروری ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۰)

ان انتہائی نازک ایام میں مخالفین کے ہر قسم کے بدارادوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خاص طور پر حفاظت فرمائی اور اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ رؤیا نہایت شان سے پورا ہوگیا کہ جس میں آپؑ کو دکھایا گیا تھا کہ:-

''شبِ گزشتہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین ان سے پُر ہے-ٹڈی دل سے زیادہ ان کی کثرت ہے-اِس قدر ہیں کہ زمین کو قریب ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے سے ان میں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامراد رہے اور میں اپنے لڑکوں شریف اور بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ''-(الشعراء:۱۳۱-اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو پھر ظلم کی انتہا کر دیتے ہو-ناقل)۔(تذکرہ صفحہ ۶۶۳)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکستان میں آمد:-

''۲۲ رستمبر کو حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ (الثانیؓ-ناقل) کے حکم کے ماتحت حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، مکرم میجر صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کی اسکورٹ میں قادیان سے روانہ ہو کر بخیریت لاہور تشریف لے آئے-آپ کے بعد حضرت امیر المؤمنین کے ارشاد کے ماتحت حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب (ایم-اے) کو قادیان کا امیر مقامی مقرر کیا گیا''-(الفضل ۷رجنوری ۱۹۴۸)

اس کے بعد قادیان سے مرکزی دفاتر کے کارکنان کو ان کے دفتری ریکارڈ سمیت لاہور لانے کا باضابطہ مرحلہ وار پروگرام ۲۴ رستمبر سے شروع کر دیا گیا-یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو احمدی احباب کی طبی ضرورتوں کے لئے سیمنٹ بلڈنگ لاہور میں حضور ایدہ اللہ (الثانیؓ-ناقل) کے ارشاد کے تحت نور ہسپتال کا ازسرِ نو اجراء کیا گیا اور شروع میں اس کی صورت ایک مختصر سی ڈسپنسری کی تھی-۱۰ رنومبر ۱۹۴۷ء کو جامعہ احمدیہ قادیان اور مدرسہ احمدیہ قادیان کے اساتذہ کے لاہور پہنچنے کے تیسرے ہی دن حضور کے ارشاد پر یہ دونوں ادارے لاہور میں جاری کر دئے گئے-(حیات بشیرؓ)

پاکستان کوانگریز حکومت سے آزادی ملنے کے ساتھ ہی پاکستان سے الحاق کرنے والے علاقوں میں حالات تیزی سے بگڑنا شروع ہو گئے کہ جن میں ہندوستان کی ریاستیں حیدر آباد۔ جونا گڑھ اور رجموں اور کشمیر شامل ہیں بلکہ کشمیر کے بگڑے ہوئے حالات انتہائی تیزی سے مزید بگڑنا شروع ہو گئے کہ جس کی وجہ سے محبِّ وطن کشمیریوں کی جدوجہد آزادی بھی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ یہاں کشمیر کا ایک مرتبہ پھر ذکر ہو رہا ہے کیونکہ کشمیر سے ہم احمدیوں کو بہت محبت ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں لاکھوں مسلمان آباد ہیں اور اس پیار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں کے شہر سرینگر کے محلّہ خانیار (خان یار) میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک بہت ہی پیارے اور مقرب نبی کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔ جی ہاں! محلّہ خانیار کے اس مقبرہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ مدفون ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپؑ اپنے یہودی مذہب کی مقدس کتاب تورات کی شریعت پر سختی سے قائم رہے لیکن ان دنوں چونکہ یہودی قوم گناہوں میں حد سے زیادہ آگے بڑھ چکی تھی لہٰذا خدا تعالیٰ نے آپؑ کو یہود کی اصلاح کے لئے اپنا پیغمبر اور مسیح منتخب کر لیا اور اپنی الہامی کتاب انجیل مقدس دے کر تقویت بخشی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کے بارہ میں قرآن مجید میں بہت سی آیات اُتریں تا کہ یہودی اور عیسائی نیز مسلمان بھی غلو سے کام نہ لیں لیکن افسوس کہ اس کے باوجود یہودی، حضرت مسیح ناصری عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو وہ مسیح نہیں مانتے کہ جن کا ان یہودیوں کی کتب میں ذکر ملتا ہے اور عیسائی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا ایک پیغمبر تو مانتے ہی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ بڑھ کر آپؑ کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بھی مانتے ہیں اور آسمان پر زندہ چڑھ جانا ایک اٹل حقیقت تصور کرتے ہیں۔ اب رہے مسلمان تو تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہرگز نہ تھے لیکن ماسوائے فرقہ عالیہ احمدیہ مسلمہ اور سوائے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں بشمول خلفائے راشدین وتمام مجددین اسلام بقیہ تمام نام نہاد مسلمان عیسائیوں کی تبلیغ سے متاثر ہو کر قرآن مجید میں درج شدہ خدائی احکامات اور آنحضرت ﷺ کی احادیث نبویہؐ کے برخلاف حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا زندہ آسمان پر چڑھ جانا اور پھر چودھویں صدی میں آسمان سے زندہ سلامت زمین پر واپس اتر آنا ایک حقیقت تصور کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)

حضرت مسیح ناصری عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کے زندہ آسمان پر چڑھ جانے اور پھر دوبارہ زندہ سلامت چودھویں صدی میں اتر آنے کی خدا تعالیٰ کی مقدس الہامی کتاب قرآن مجید میں جگہ جگہ نفی کی گئی ہے لیکن افسوس کہ کروڑوں مسلمانوں کو قرآن شریف ناظرہ پڑھنا تو آتا ہے لیکن وہ اس کے عربی متن کا خود ترجمہ کرنے یا اس کو سمجھنے کی سعادت سے محروم ہیں لہٰذا ترجمہ اور تشریح اور تفسیر کے لئے وہ کسی نہ کسی مسجد کے امام، کسی نہ کسی درگاہ کے پیر یا فقیر، کسی نہ کسی مدرسہ کے مدرس، کسی نہ کسی فرقہ کے مولوی یا کسی نہ کسی ملک کے مفتی کی مدد کے طلبگار رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی ان مسائل پر خود غور وخوض کرنے کی بجائے پہلے سے چھپے چھپائے تراجم اور تفاسیر کا سہارا لیتے ہیں اور پھر اپنی مرضی سے اس مقدس کتاب الٰہی کا ترجمہ وہ کرتے ہیں کہ جنہیں ان کا دماغ مانتا ہے یا کہ جو اُن کا مسلک ہوتا ہے یا جو اُن کے فرقہ کے بانی کی تعلیم ہوتی ہے اور اس طرح اب تک گزرے ہوئے تمام مجددینؒ یا صوفیائے کرامؒ کی تفسیر وتشریح کو دیکھنا تک بھی گوارا نہیں کرتے ورنہ ان کی ان تمام خام خیالیوں کی اصلاح ہو جاتی۔ یہ بحث چونکہ اب لمبی ہوتی جا رہی ہے لہٰذا خاکسار کی ایک دوسری کتاب ''قرآنی خزائن'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔ یہاں ذکر ہو رہا ہے کشمیر کا لہٰذا مسلمانانِ ہند اور خصوصاً کشمیر اور حیدر آباد کی مصائب ومشکلات کی بنا پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۶/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

''پاکستان یا ہندوستان میں ریاست ہائے کشمیر وحیدر آباد کی شمولیت کا فیصلہ بیک وقت ہونا چاہئے۔ خواہ حکمران یا خواہ عوام کو شمولیت کے فیصلہ کا مجاز قرار دیا جائے لیکن دونوں ریاستوں کے فیصلہ کا معیار ایک ہی ہونا چاہئے''۔ (اخبار ''زمیندار'' لاہور ۱۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵)

انہی ایام میں امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ''کشمیر اور حیدر آباد'' کے زیر عنوان ایک مفصل مضمون رقم فرمایا تھا اور اس مضمون میں آپؓ نے حکومت پاکستان کو زبردست انتباہ فرمایا کہ:-'' حیدر آباد اور کشمیر کی ریاستوں کے سوال متوازی ہیں مگر افسوس! اس نے اب تک اس نہایت اہم پہلو کی طرف توجہ نہیں کی جبکہ ہندوستانی گورنمنٹ جلد جلد ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ شاید دونوں ریاستیں ہی ہندوستان میں شامل ہو جائیں- پس! حکومت پاکستان کو اعلیٰ سطح پر ان دونوں ریاستوں کے متعلق فوری طور پر بیک وقت ایک اصول منوالینا چاہئے کہ وہ دو اصولوں میں سے کس کے مطابق فیصلہ چاہتی ہے- آیا والئ ریاست کی مرضی کے مطابق یا آبادی کی کثرت رائے کے مطابق؟''-(روزنامہ الفضل ۱۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲)

پھر اسی ضمن میں آپؓ نے مزید فرمایا کہ:-'' اس اصل پر فیصلہ ہوسکتا ہے کہ ملک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اس طرف ریاست جاسکتی ہے- اگر اس اصل کو تسلیم کرلیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اور حیدر آباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا--- پس ملک کے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر سیاسی ادارے اور ذمہ دار آدمی کو پاکستان کی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ حیدر آباد کے فیصلہ سے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروالیا جائے ورنہ حیدر آباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کر کے آزادی حاصل کریں لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے اور اگر کشمیر گورنمنٹ، ہندوستان یونین میں شامل ہوگی تو یہ کام خطرناک بھی ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں''-(روزنامہ الفضل ۱۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے انہی ملی افکار کی تائید میں قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب کے ۱۹۴۴ء-۱۹۴۷ء تک پرائیویٹ سیکرٹری جناب کے ایچ خورشید صاحب نے یہ انکشاف کیا ہے کہ:-

'' چوہدری محمد علی (پاکستان کے سب سے پہلے سیکرٹری جنرل اور پاکستان کے وزیراعظم- ناقل) کا کہنا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء تک بلکہ عین ۲۲/دسمبر کی تاریخ تک بھارت کے حکمران مصالحت پر آمادہ تھے- شرط یہ تھی کہ پاکستان کشمیر کا حق منوانے کے ساتھ ساتھ حیدر آباد دکن کی جغرافیائی حقیقت کو قبول کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے- محمد علی کا تأثر یہ ہے کہ قائداعظم جو برصغیر کی سیاست میں اپنا سکہ منوا چکے تھے اس موقع پر ایک زیرک شاطر کی طرح بھارت کو شہ مات دینے کی فکر میں تھے لیکن اس بار چال الٹ پڑ گئی''-(قائداعظم کی یادیں مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی صفحہ ۱۰۶-۱۰۷)

نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریہ کشمیر کی آزادی اور مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ کی معزولی کے اعلان اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس بیان کے بعد صرف چند روز کے اندر اندر ہی ہندوستان کے وائسرائے گورنر جنرل انڈین یونین لارڈ ماؤنٹ بیٹن صاحب

(VICEROY OF INDIA LORD LOUIS OF MOUNTBATEN ALIAS BATTENBERG)

نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا اور اسی دن ہندوستانی فوجیں کشمیر کی حفاظت کے نام پر ریاست کشمیر میں داخل ہو گئیں جس پر قائداعظم محمد علی جناح صاحب نے پاکستانی افواج کو بھی فوری طور پر کشمیر میں داخل ہو جانے کا فرمان صادر فرمایا مگر:-

'' پاکستانی فوج کے ایکٹنگ کمانڈر انچیف جنرل ڈیوڈ گریسی صاحب (GENERAL SIR DOUGLAS DAVID GRACEY) نے صرف اس بناء پر اس فرمان پر عمل کرنے سے انکار کیا کہ وہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلاؤڈ آکنلیک صاحب کی منظوری کے بغیر

از خود ایسا کوئی حکم پاکستانی افواج کو جاری نہیں کر سکتا- سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلاوڈ آکنلیک صاحب نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ کشمیر اپنی مرضی سے ہندوستانی یونین سے الحاق کر چکا ہے اور انڈین آرمی کو مہاراجہ کشمیر کی درخواست پر ہی کشمیر میں تعینات کیا گیا ہے- اس پر قائداعظم نے اپنا فرمان واپس لے لیا''-(اقتباس از عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن مصنفہ کیمبل جانسن مترجم یونس احمد- ناشر نفیس اکیڈمی کراچی ستمبر ۱۹۶۳ء)

پاکستان کے عوام الناس کو چونکہ ان تمام عوامل کی تفصیل کا علم نہیں لہذا تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں تاریخ کے اس باب سے بھی پردہ اٹھاؤں کہ اُس وقت پاکستان کی بری- بحری اور ہوائی افواج کے افسران کس قسم کے افراد اور کون کون سے لوگ تھے- تقسیم ہند یعنی ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کے وقت متحدہ ہندوستان کی افواج میں مسلمان فوجیوں کی تعداد چونکہ آٹے میں نمک کے برابر تھی لہذا پاکستان کو صرف چند رجمنٹ فوج اور ان کا نامکمل اسلحہ ہی حصہ میں ملا حالانکہ معاہدہ کے مطابق ہندوستان کو ۶۴ فیصد (64%) اور پاکستان کو ۳۶ فیصد (36%) حصہ ملنا چاہئے تھا- یہ مجوزہ حصہ ہمیں کیوں نہیں ملا؟ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑتا کیونکہ یہ ایک لمبی کہانی ہے اس لئے پھر کسی وقت بلکہ اس وقت میں صرف اپنے مضمون کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت متحدہ ہندوستانی افواج کے سربراہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلاوڈ آکنلیک صاحب تھے۔

(SUPREME COMMANDER FIELD MARSHAL SIR CLAUDE JOHN EYRE AUCHINLECK)

مؤرخہ ۱۴ / اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی آزادی کے چند گھنٹوں کے اندر اندر پاکستانی بری افواج کی سربراہی

(GENERAL SIR FRANK MESSERVY)

جنرل سر فرینک میسروی صاحب کو سونپ دی گئی جو کہ ۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۰ / فروری ۱۹۴۸ء تک پاک فوج کے کمانڈر انچیف رہے- اس وقت پاکستانی بحری فوج کے سربراہ ریئر ایڈمرل جے- ڈبلیو- جیفورڈ صاحب (REAR ADMIRAL J.W.JEFFORD) تھے اور پاکستانی ہوائی فوج کے سربراہ ایئر وائس مارشل اے- ایل- اے- پیری کین صاحب

(AIR VOICE MARSHAL ALLAN LANCELOT ADDISON PERRY-KEENE)

تھے- جنرل سر فرینک میسروی صاحب کے بعد بری فوج کے سربراہ جنرل سر ڈگلس ڈیوڈ گریسی صاحب

(GENERAL SIR DOUGLAS DAVID GRACEY)

کمانڈر انچیف بنے اور یہ صاحب ۱۱ / فروری ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۶ / جنوری 1951ء تک پاک فوج کے کمانڈر انچیف رہے- یعنی پاکستان کی تاریخ کے اس انتہائی نازک ترین دور میں پاکستانی افواج کی سربراہی چونکہ انگریز ہی کر رہے تھے لہذا قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب کے اس فرمان پر عمل کرنا تو درکنار اسے درخوئے اعتناء بھی نہ سمجھا گیا- ان تمام حالات کے بیان کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ اب آپ از خود اس بات کا اندازہ کر لیں کہ پاکستانی سربراہوں نے حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس انتباہ کو نظر انداز کر کے کتنا سخت نقصان اٹھایا اور افسوس کہ اب لاکھوں کشمیریوں کی جانوں کی قربانی اور ہزاروں پاکستانیوں کی شہادت اور تین جنگوں اور بہت سے ایٹمی دھماکوں کے ساتھ ساتھ دن رات کے پراپیگنڈہ کے باوجود بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا- لیکن انہی تشویشناک حالات اور تکالیف و مصائب کے اس دور میں بھی جبکہ ایک انسان کو کسی دوسرے کی قطعاً کوئی فکر نہ تھی سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو قوم کا درد، دن رات سونے نہ دیتا تھا لہذا آپؓ نے جماعت کے نظام کو مظبوط اساس پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ قوم کے عمائدین کو بھی ایسے نازک وقت میں اپنی تقاریر سے حوصلہ دینا شروع کیا اور

اس قومی ضرورت کی سنگین اہمیت کے مدنظر آپؓ نے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع فرمایا-آپؓ نے ۲؍دسمبر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۷؍جنوری ۱۹۴۸ء تک مینارڈ ہال لاہور اور پنجاب یونیورسٹی ہال کے علاوہ کراچی، کوئٹہ اور پشاور میں بھی ''پاکستان اور اس کا مستقبل'' جیسے اہم موضوع پر چھ نہایت معلومات افروز تقاریر فرمائیں-ان اجلاسات کی صدارت کرنے والوں میں جسٹس محمد منیر صاحب، سر ملک فیروز خان نون صاحب، سر میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیم، ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور اور سر شیخ عبدالقادر صاحب جیسے ملتِ اسلامیہ کے دردمند افراد شامل تھے-ان تقاریر کو پاکستانی پریس نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے اہم نکات شائع کئے اسی طرح علمی طبقہ نے بھی اس کارکردگی کو خوب سراہا-اس سلسلہ میں سر ملک فیروز خان نون صاحب نے کہا: ''حضرت صاحب کے دماغ کے اندر علم کا ایک سمندر موجزن ہے-انہوں نے تھوڑے وقت میں ہمیں بہت کچھ بتایا ہے''-(الفضل ۹؍دسمبر ۱۹۴۷ء)

حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے فرمایا:-

''حضورؓ بہت بلند پایہ مقرر تھے-میں نے دنیا میں بہت سفر کیا ہے اور دنیا کے مشہور ترین لیڈروں کو سننے کا موقعہ ملا ہے مگر میں نے کسی کو بھی خطابت میں حضورؓ کا پاسنگ بھی نہیں پایا-آپؓ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ آپؓ اپنے خطاب سے پہاڑوں کو ہلا سکتے تھے -اس صداقت پر جماعت کے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ گواہ ہیں کہ آپؓ سامعین کو ساحرانہ رنگ تک قابو میں رکھتے-ہجرت کے فوراً بعد آپؓ نے مختلف شہروں میں پاکستان کے مختلف مسائل اور ان کے حل پر لیکچر دئے-اسلامیہ کالج کے ایک پروفیسر نے جو میرے ایک دوست کے ساتھ بیٹھے تھے بے ساختہ کہا کہ: ''حضور کو تو پاکستان کا پرائم منسٹر ہونا چاہئیے''-(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ فروری ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۲)

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے تیسرے لیکچر فرمودہ ۱۳؍دسمبر ۱۹۴۷ء میں زور دیتے ہوئے فرمایا کہ بنگالیوں کو ان کی : ''مادری زبان میں تعلیم دی جائے اور اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان پر زور نہ دیا جائے کہ وہ ضرور اردو کو ذریعہ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا'' -(حیات بشیرؓ)-لیکن ہمارے امرائے سلطنت نے اس پُرخلوص مشورہ پر بھی توجہ نہ دی جس کے نتیجہ میں صرف بیس بائیس برس کی قلیل مدت کے اندر اندر ۱۹۶۹ء میں اگرتلہ سازش کے تحت دبی دبی بغاوت ہندوستان سے شروع ہوئی کہ جس نے ۱۹۷۰ء میں کھل کر تمام مشرقی پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا-اسی بغاوت کی بدولت دسمبر ۱۹۷۱ء میں ایک اکیلا پاکستان اپنے دو دشمنوں یعنی بنگالی عوامی لیگ اور ہندوستان کی افواج سے جنگ میں ہزیمت اٹھانے کے بعد دولخت ہو گیا اور مشرقی پاکستان۔ بنگلہ دیش کے نام سے آزاد ہو گیا-مشرقی پاکستان کی علیحدگی جن حالات میں ہوئی وہ ایک الگ قصہ ہے لیکن اس کی جدائی پر ہر سنجیدہ اور محبِّ وطن پاکستانی پر قیامت گزر گئی اور تب ہمیں احساس ہوا کہ ہجرت کے بعد ہمارے آباؤاجداد قادیان دارالامان اور اپنے اپنے آبائی علاقہ، شہروں، قصبات اور دیہات کو بار بار کیوں یاد کیا کرتے تھے ؟ اب آپ دیکھ لیں کہ حضرت مصلح موعودؓ کی فرمائی ہوئی وہ تمام باتیں واقعی پوری ہو چکی ہیں یا نہیں؟

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے (کلام محمودؓ)

پس اسی لئے تو میں مسلمانوں کے اس عظیم الشان ذہین وفطین دانش مند حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہزاروں لاکھوں درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں اور انشاءاللہ تعالیٰ تادمِ حیات بھیجتا رہوں گا۔

قادیان سے ربوہ تک

اے قادیاں کی بستی تجھ پر سلام ہووے
تجھ پر خدا کی رحمت ہر دم مدام ہووے (درثمین)

اس کتاب میں اب تک بار بار قادیان کا ذکر ہوتا رہا ہے اس لئے قادیان دارالامان کے ذکر سے یاد آیا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بات بات پر قادیان کو اتنا زیادہ یاد فرمایا کرتے تھے کہ جس کی کوئی حد نہیں اور پھر قادیان جانے والوں اور اس دیار مقدس سے تشریف لے کر آنے والوں کی اتنی زیادہ عزت اور تکریم فرماتے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں بلکہ مجھے یاد ہے کہ آپؓ وہاں سے آنے والے آموں کو بھی بہت پیار بھری نظر سے دیکھا کرتے تھے۔قادیان کی اسی محبت کی بنا پر جلسہ سالانہ ۱۹۶۲ء کے موقع پر آپؓ نے قادیان کے جلسہ سالانہ کے لئے اپنے پیغام کے اختتام پر یہ شعر درج فرمایا:۔

بُلبُل ہیں صحن باغ سے دُور اور شکستہ پر
پروانہ ہیں چراغ سے دُور اور شکستہ پر (درعدن)

”جنوری ۱۹۴۸ء میں حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ نے ہجرت قادیان کے سلسلہ میں تمام اہم واقعات تعیین تاریخ کے ساتھ ایک روزنامچہ کی شکل میں شائع فرمائے۔یہ مضمون بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا“۔(الفضل ۲۰رفروری ۱۹۴۸ء) ۔تمام جماعت عالیہ احمدیہ کی قادیان دارالامان سے اسی محبت کی بنا پر میں یہاں محترمہ عابدہ عفت صاحبہ کی ایک نظم کو تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو کہ اُن دنوں ربوہ کا بچہ بچہ نہایت خوش الحانی اور ترنم سے تقریباً روزانہ ہی پڑھا کرتا تھا:۔

مرا بچپن جہاں گزرا وہ بستی چھن گئی کیونکر — میری بستی میرے خوابوں کی بستی بن گئی کیوں کر
وہ بستی جس کے ذروں نے مسیحا کے قدم چُومے — اور اس بستی کے کُوچوں نے وہ پاؤں دم بہ دم چُومے
زمین قادیاں کے واسطے آنکھیں ترستی ہیں — امیدیں تِلملاتی ہیں تمنائیں تڑپتی ہیں
زمین قادیاں تُو ہم سے چھوڑی جا نہیں سکتی — قسم اک بار کھائی تھی جو توڑی جا نہیں سکتی
یہ سچ ہے میں نے چھوڑا تھا تجھے تُونے نہیں چھوڑا — مگر پھر لوٹ کر آنے کا وعدہ بھی نہیں توڑا
نہیں آؤں گی لیکن پھر دل بے خانماں لے کر — رضائے بارگاہی آزمالے امتحاں لے کر
تری تاریخ کو قومیں ہمیشہ یاد رکھیں گی — تجھے شاداب رکھیں گی، تجھے آباد رکھیں گی

(عابدہ عفت)

قادیان سے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی اسی ازلی وابدی محبت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:۔

”قادیان میں رہنے کا آپؓ کو خاص خیال رہتا تھا۔بہت کم باہر جانا یا باہر رہنا پسند فرماتے کبھی مجبوری سے باہر جانا پڑتا تو یہی سوچتے کہ کب واپس

جاویں۔گرمیوں کے موسم میں لوگ پہاڑوں وغیرہ میں چلے جاتے ہیں مگر آپؓ قادیان میں ہی رہتے۔بعض دفعہ تو یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے آپؓ واحد فرد ہوتے جو کہ قادیان میں رہ جاتے تھے‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۱)

کسی صاحب یا صاحبہ نے قادیان کے بارہ میں کیا خوب کہا ہے کہ:۔

نہ ہم کشمیر میں جائیں نہ دل شملہ میں بہلائیں
موافق آگئی آب و ہوائے قادیاں اچھی

پس سلسلہ عالیہ احمدیہ مسلمہ کے دائمی مرکز قادیان سے ہمارے آباؤ اجداد اور ہم سب کی دلی محبت حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتقاء میں ہی تو ہے:۔

زمین قادیاں اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے (درثمین)

اس وقت چونکہ مرکز احمدیت کے بارہ میں بات چل نکلی ہے لہذا جماعت کے مرکز کی اہمیت کے پیش نظر چند سطور پیش خدمت ہیں کیونکہ وحدت ملت کے لئے قوم کا کسی ایک مرکز پر متحد ہونا بہت ضروری امر ہے۔اس لئے مرکز کی اصل غرض و غایت اور ضرورت کے بارہ میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمایا:۔

’’مرکز کے وجود سے جماعت گویا ایک کھونٹے سے بندھی رہتی ہے اور انتشار کے خطرات سے محفوظ ہو جاتی ہے۔اسی اصل کے ماتحت مکہ مکرمہ کا نام ام القریٰ رکھا گیا ہے یعنی وہ ایک ایسی بستی ہے جو دوسری بستیوں کے لئے بطور ماں کے ہے۔اس نام میں یہ اصولی اشارہ کیا گیا ہے کہ مرکز کا وجود گویا ماں کی طرح ہوتا ہے جو بچوں کی خوراک اور اجتماع اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔اگر کسی جماعت کا کوئی مرکز نہ ہو تو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح صرف ایک منتشر گلہ ہوتی ہے جسے جنگل کا کوئی درندہ ایک ہی حملہ میں بکھیر کر رکھ سکتا ہے اور مرکز کے بغیر کسی جماعت کی تنظیم اور تربیت بھی ممکن نہیں ہوتی کیونکہ تنظیم اور تربیت کے لئے ایک ایسے مقام کا وجود ضروری ہوتا ہے جس کی طرف جماعت کے افراد بار بار لوٹ کر آئیں،اس کی برکات اور ہدایت سے فائدہ اٹھائیں۔اسی لئے قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کے ازلی ابدی مرکز کا دوسرا نام معاد رکھا ہے یعنی وہ بستی جس کی طرف مسلمان بار بار آتے ہیں اور اس سے روحانی فائدہ اٹھاتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں قادیان کا نام بھی معاد رکھا گیا ہے کیونکہ جماعت کے لوگ اس کی طرف بار بار رجوع کر کے تربیت حاصل کرتے تھے اور انشاءاللہ آئندہ بھی کریں گے اور جب تک قادیان کی واپسی نہیں ہوتی۔ربوہ،قادیان کا قائم مقام ہے کیونکہ وہ اس وقت خلافت احمدیہ کا جائے مقام ہے۔پس جماعت کا فرض ہے کہ وہ ربوہ میں بار بار آ کر مرکز کی برکات سے فائدہ اٹھائیں اور خلافت کے فیوض سے متمتع ہوں اور پھر مرکز کا وجود جماعتی اجتماعوں اور قومی منشوروں اور باہمی تعارف پیدا کرنے کا بھی ایک بھاری ذریعہ ہے جس کے بغیر جماعت کی تربیت ممکن نہیں اور آج کل تو ہمارا مرکز،مرکزی دفاتر کا بھی صدر مقام ہے۔جس کی شاخیں ساری دنیا پر پھیلی ہوئی ہیں اور کوئی فردِ جماعت مرکزی دفاتر سے کٹا ہوا نہیں رہ سکتا کیونکہ تمام روحانی اور تنظیمی اور دفتری امور میں اسے لازماً مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے‘‘۔(جماعتی تربیت کے اصول)

اسی سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب بھی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپؓ:۔

’’مرکزِ احمدیت سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔شروع میں قادیان اور اب ربوہ سے بھی یہ وابستگی قائم رہی۔مرکز سے باہر جانا آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرتا تھا اور سوائے خلیفہ وقت کے حکم یا اشد طبی ضرورت کے باہر نہ جاتے تھے۔قادیان سے عشق قائم رہا اور درویشان قادیان کی خدمت

بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے-حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور تحریرات کی روشنی میں اس پختہ یقین پر قائم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے وقت پر مرکزِ احمدیت جماعت کو واپس دلائے گی اور کوئی دنیاوی تدبیر اس میں حائل نہ ہو سکے گی-فرمایا کرتے تھے کہ الہامات اور حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں وقت کا تعین نہیں بلکہ اشارہ ہے کہ یہ واقعہ اچانک اور ایسے رنگ میں ہوگا کہ بظاہر ناممکن نظر آئے گا اور اس کی درمیانی کڑیاں نظر سے اوجھل رہیں گی''-(الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷)

مرکز سلسلہ سے اپنی محبت کے اظہار کے لئے حضرت قمر الانبیاءؓ لاہور سے اپنے ایک خط میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ:-
''آج ۱۷ فروری ۱۹۶۱ء پہلا روزہ ہے مگر افسوس ہے کہ میں بوجہ علالت روزے سے محروم ہوں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ لاہور میں ہونے کی وجہ سے نماز تراویح سے بھی محروم ہوں-لوگ غور کریں تو مرکز کی غیر معمولی برکات ہیں اور رمضان میں تو مرکز کی برکات بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں''-(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

اسی سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ نے اپنے ایک مضمون میں رمضان المبارک کی برکات اور ربوہ سے دوری کے موضوع پر فرمایا :-
'' میں سفر کا بہت کچا ہوں یا یوں سمجھ لیجئے کہ مرکز کا سخت دلدادہ ہوں-قادیان کے زمانہ میں میری ساری عمر قادیان میں اور ربوہ کے زمانہ میں ربوہ میں گذری ہے اور بہت کم باہر رہا ہوں اور رمضان کا مہینہ تو میں نے خاص طور پر ہمیشہ مرکز میں گذارا ہے **والشاذ کالمعدوم** -لیکن اس سال ایسا اتفاق ہؤا کہ ام مظفر احمد کی بیماری کے تعلق میں مجھے اس رمضان کے ابتدائی چند دن لاہور میں گذارنے پڑے اور میں نے یوں محسوس کیا کہ گویا ایک مچھلی کو تالاب سے باہر نکال کر میدان میں پھینک دیا گیا ہے''-(الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۶۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-
''مرکز سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی آخری بیماری کے ایام میں جب گھوڑا گلی طبی مشورہ کے تحت تشریف لے گئے تو ایک منذر خواب کی بناء پر فرمایا کہ پروگرام سے پہلے واپس چلیں اور مجھے کہنے لگے کہ ''پرندہ اپنے گھونسلے میں ہی خوش رہتا ہے -میں تو ربوہ جانا پسند کروں گا لیکن چونکہ وہاں بجلی کا انتظام ناقص ہے اور شاید طبی لحاظ سے بھی لاہور سے گزرنا مناسب ہو اس لئے لاہور جانا پڑتا ہے''-(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷)

ربوہ دار الہجرت کے ذکر سے یاد آیا کہ جب کبھی بھی کسی مؤرخ نے اس مقدس شہر ربوہ کی تاریخ لکھی تو وہ سیدنا حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ ساتھ آپؓ کے چھوٹے بھائی سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محترم چوہدری نواب خان بہادر محمد دین صاحب کا نام نامی لئے بغیر اس کی تاریخ کو مکمل نہ کر سکے گا اس کی بہت سی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی وجوہات ہیں لیکن میں یہاں صرف چند ایک اُن اہم واقعات کا ذکر کروں گا جو کہ ربوہ اور اہالیان ربوہ کی سہولت، آرام نیز دینی اور دنیاوی ترقی کے لئے بے حد کارآمد اور معاون و مددگار ثابت ہوئے لیکن ان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے خاکسار، ربوہ کے بارہ میں چند اہم باتیں یہاں زیر تحریر لانا چاہتا ہے کیونکہ اس سیاق وسباق کے بغیر بات ادھوری محسوس ہوتی ہے-ان میں سب سے اہم بات تو ہجرت ہند کے بعد پاکستان میں ایک نئے احمدیہ مرکز کے لئے جگہ کا تعین اور اراضی کا حصول تھا-حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۴۱ء میں ایک رؤیا دیکھی تھی کہ قادیان پر حملہ ہؤا ہے جس کے نتیجہ میں آپؓ قادیان سے نکل کر ایک دوسری جگہ نئے مرکز کے لئے

جگہ تلاش کرر ہے ہیں-آپؓ کو رؤیا میں پہاڑوں کے درمیان وہ سرسبز وشاداب علاقہ بھی دکھایا گیا تھا-چنانچہ آپؓ نے اس رؤیا کا ذکر کرکے اس کی تفصیلات بیان فرمائیں-تقسیم ہندوستان کے بعد جب احمدیوں کو اپنا مرکز قادیان چھوڑنا پڑا تو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی لاہور تشریف لے آئے اور یوں جماعت احمدیہ کا مرکز عارضی طور پر قادیان سے لاہور منتقل ہو گیا- نئے مرکز کی اراضی کے حصول کے لئے سب سے پہلے مکرم چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ابتدائی رپورٹ پیش کی-اس یاداشت میں جن مقامات کے نام تجویز کئے گئے ان میں شیخوپورہ، ننکانہ صاحب، سیالکوٹ شہر، پسرور، کلاسوالہ، چوہڑمنڈہ (دریائے چناب کا وہ کنارہ کہ جہاں سے دریا کشمیر کے پہاڑوں کو چھوڑ کر پنجاب کے میدان میں آنکلتا ہے)، دریائے راوی کے کنارے کشمیر کی سرحد پر سکھوں کے خالی کردہ دیہات، کھوٹہ اور چنیوٹ کے بالمقابل دریائے چناب کے پار چک ڈھگیاں کا علاقہ -ساتھ ہی ان مقامات کے منتخب کرنے کی وجوہ پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی تھی-

حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ -مکرم چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب اور کرنل مکرم عطاءاللہ صاحب نے سیالکوٹ، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے اضلاع میں متعدد جگہوں کا سروے کیا-مکرم چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب (جو کہ اُن دنوں سرگودھا میں سب جج (SUB JUDGE) کے طور پر متعین تھے اور سرگودھا سے لاہور آتے جاتے متعدد بار اس جگہ سے گزر چکے تھے) نے حضرت مصلح موعودؓ کی وہ چھپی ہوئی رؤیا پڑھنے کے بعد یہ جگہ جو کہ سرکاری کاغذات میں ''چک ڈھگیاں'' کے نام سے موسوم تھی تجویز کی اور اس خطہ کو نئے مرکز کے لئے سب سے موزوں قرار دیا- پنجابی زبان میں ٹبہ یا ٹبی یا ڈھگی کسی اونچی جگہ کو کہتے ہیں اور چونکہ دریائے چناب میں سیلابوں کی کثرت کے باعث اردگرد کا علاقہ ان سیلاب کے دنوں میں عموماً زیرآب آجایا کرتا تھا لہذا غالباً کسی نے سیلاب سے پناہ حاصل کرنے کے بعد اس مقام کو یہ بھلا سا نام دے دیا تھا-حضرت مصلح موعودؓ نے چک ڈھگیاں کی اراضی کو دیکھنے کے لئے مؤرخہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خود بنفس نفیس اس جگہ کا دورہ فرمایا اور سرگودھا کے نزدیک کڑانہ کی پہاڑیاں بھی دیکھیں لیکن حضورؓ نے ''چک ڈھگیاں'' کی ویران اور سنسان جگہ کو اپنی رؤیا کے مطابق بتایا-رؤیا میں البتہ اس جگہ کو سرسبز وشاداب دکھایا گیا تھا جو کہ ایک پیشگوئی کا رنگ لئے ہوئے تھا-حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت نواب چوہدری محمد دین صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحبؓ، مکرم چوہدری اسداللہ خان صاحبؓ اور مکرم راجہ علی محمد صاحب بھی حضورؓ کے ہمرکاب تھے-یہ قافلہ تقریباً دس بجے صبح چک ڈھگیاں پہنچا-حضورؓ نے کار سے باہر تشریف لا کر سڑک پر کھڑے کھڑے رقبہ کا جائزہ لیا-بالخصوص پختہ سڑک اور ریلوے لائن کے درمیان اس جائے وقوع پر غور فرمایا- پھر حضورؓ نے سڑک کے متوازی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر اس کے پیچھے زمین کی سطح کو دیکھنے کا خیال ظاہر فرماتے ہوئے اس پر چڑھنا شروع کیا لیکن نصف بلندی تک پہنچ کر فرمایا کہ میں کمزوری محسوس کرتا ہوں اور مزید اوپر نہیں جا سکتا مگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب جو حضورؓ کے ساتھ اوپر جا رہے تھے وہ چوٹی پر جا پہنچے اور واپس نیچے اتر کر حضورؓ کی خدمت میں پہاڑوں کے پیچھے واقع زمین کی صورت حال سے آگاہ کیا-

بعدازاں سرگودھا روڈ پر واقع ایک نلکہ سے خود چلو میں پانی لے کر چکھا اور فرمایا کہ پانی تو خاصہ اچھا ہے پھر احمد نگر کے بالمقابل ایک کنویں کے قریب درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے کہ اتنے میں احمد نگر کے چند معززین بھی وہاں آگئے-حضور نے نمبردار چوہدری کرم علی صاحب سے دریافت فرمایا کہ دریائے چناب میں سیلاب کا پانی تو یہاں تک بھی پہنچ جاتا ہے لیکن کیا چک ڈھگیاں کا علاقہ بھی سیلاب کی زد میں آجاتا ہے؟ یہ سوال سن کر نمبردار مذکور نے بتایا کہ وہاں پانی صرف اسی صورت میں پہنچے گا جب سیلاب کے پانی کی بلندی اس درخت کی (کہ جس درخت کے نیچے حضورؓ کھڑے ہوئے تھے) جھکی ہوئی شاخوں کو چھوئے گی-حضورؓ نے ان لوگوں کے تالیف قلب کے لئے کچھ دیر مزید گفتگو فرمائی اور پھر سرگودھا کی جانب روانہ

ہوئے۔موٹر میں بیٹھے ہوئے ہی آپ نے کڑانہ کی پہاڑیوں کا جائزہ لیا اور دوپہر کے وقت چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب کے یہاں قیام فرما کر اسی روز شام کے قریب لاہور واپس تشریف لے آئے۔لاہور پہنچتے ہی آپؓ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ زمین جو چک ڈھگیاں کے نام سے سرکاری کاغذات میں درج ہے اس کے حصول اور خرید کے لئے فوراً حکومت کو درخواست دی جائے۔جگہ کی تعین ہو جانے کے بعد صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ناظر اعلیٰ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ نے ۱۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جناب چوہدری مشتاق احمد چیمہ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ کی خدمت میں اس زمین کے حصول کے لئے درخواست دے دی جو کہ ان الفاظ پر مشتمل تھی:۔

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دریائے چناب کے نزدیک چنیوٹ سرگودھا سڑک پر ﴿چک ڈھگیاں﴾ کے نام سے ایک قطعہ اراضی موجود ہے جس کا رقبہ ۱۵۰۶/ایکڑ ہے۔اس میں سے ۴۷۲/ایکڑ رقبہ تو ''غیر ممکن'' کہلاتا ہے یعنی اس میں آبادی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں ریلوے لائن، بڑی سڑک اور پہاڑیوں کے علاقے شامل ہیں۔بقیہ رقبہ ۱۰۳۴/ایکڑ بھی اس قسم کا ہے کہ وہ زراعت کے ناقابل ہے البتہ اس میں مکانات وغیرہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔یہ زمین اب تک کسی فرد کی زیر ملکیت نہیں اور نہ ہی کبھی یہ زرعی علاقہ سمجھا گیا ہے۔ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ قطعہ اراضی صدر انجمن احمدیہ کو دے دیا جائے۔'' (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۲/صفحہ ۲۹۱)

یہ درخواست مکرم منشی محمد دین صاحب مختار عام صدر انجمن احمدیہ نے ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لالیاں کے بنگلہ میں ڈپٹی کمشنر چوہدری مشتاق احمد چیمہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دی چنانچہ تیسرے دن ڈپٹی کمشنر صاحب نے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مکرم منشی محمد دین صاحب کے ساتھ ''چک ڈھگیاں'' کا دورہ کیا اور تحصیلدار صاحب کو اس جگہ کا نقشہ شامل کر کے رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔کاغذات مکمل ہو کر پہنچے تو انہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کی سفارش کے ساتھ کمشنر صاحب کو بھجوا دیا گیا جہاں سے فنانشل کمشنر جناب اختر حسین صاحب کی خدمت میں جملہ کاغذات بغرض منظوری بھجوا دئے گئے کیونکہ اس سے قبل انہوں نے یہی کاغذات یہ اعتراض لگا کر واپس کر دئے تھے کہ جب تک کمشنر صاحب کی معرفت نہ آئیں گے کوئی کاروائی نہ ہوگی اور اب جب کمشنر صاحب کی معرفت پہنچے تو یہ کاغذات اس اعتراض کے ساتھ واپس بھجوا دئے کہ ان کاغذات پر قیمت کا اندازہ مقرر نہیں کیا گیا حالانکہ سرکاری زمین ہونے کی بناء پر وہ خود بھی قیمت مقرر کر سکتے تھے بہر حال جب قیمت مقرر ہو کر آئی تو یہ کہا گیا چونکہ یہ ایک اہم کام ہے لہٰذا ان کاغذات کا منسٹری کے پاس جانا ضروری ہے۔منسٹری والوں نے ایک عرصہ تک یہ بہانہ بنایا کہ ان پر غور کرنے کے لئے فرصت نہیں اور اس طرح آٹھ ماہ کے بعد اس وقت کے لحاظ سے جو زیادہ سے زیادہ قیمت اس بے آباد اور بنجر زمین ''چک ڈھگیاں'' کی لگائی جا سکتی تھی یعنی دس روپیہ فی ایکڑ وہ مقرر کر دی گئی جو کہ مؤرخہ ۲۷/جون ۱۹۴۸ء کو مکرم چوہدری عبدالباری صاحب مختار عام صدر انجمن احمدیہ نے جھنگ کے سرکاری خزانہ میں جمع کروادی اور اس زمین کے حصول کے لئے جو سرکاری سند حاصل کی گئی اس پر فنانشل کمشنر، اسسٹنٹ سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر صاحبان کے بھی دستخط کروالئے گئے۔رجسٹری پر زمین کی رقم ۱۰۳۴۰/روپے تحریر ہے جو ۱۰۳۴/ایکڑ رقبہ کے حساب سے دس روپیہ فی ایکڑ ہے۔رجسٹری مکمل ہو جانے کے بعد بھی متعلقہ حکام نے قبضہ دینے میں مختلف حربوں سے تاخیر کی۔حکومت نے یہ رقبہ جماعت احمدیہ کو دینے یا فروخت کرنے سے قبل اس کی منتقلی کے بارہ میں تمام اخبارات میں باقاعدہ اعلان شائع کروایا اور ایک ماہ تک انتظار کے بعد اس پر اپنی دفتری کاروائی کرنے کا آغاز کیا گیا لہٰذا پورے دس ماہ کی لگاتار جدوجہد اور بھرپور کوشش کے بعد اس کا انجام بخیر ہوا اور ﴿چک ڈھگیاں﴾ کی اراضیات کی ملکیت کا مستقل قبضہ صدر انجمن احمدیہ کو مل گیا۔شکر الحمدللہ

''چک ڈھگیاں'' کی زمین کے حصول کے بعد مؤرخہ ۱۶/ستمبر ۱۹۴۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کی میٹنگ میں ''چک ڈھگیاں'' کا نیا نام تجویز کیا گیا کہ

جس میں کئی نام زیر غور آئے جن میں ماویٰ (پناہ گاہ)، ذکریٰ (عبادت گاہ)، دارالہجرت اور مدینۃ المسیح بھی شامل تھے- خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ نے ''چک ڈھگیاں'' کا نیا مبارک نام ''ربوہ'' تجویز فرمایا لہٰذا اس نام کو حتمی منظوری کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا گیا- عربی زبان میں ربوہ کا وہی مطلب ہے جو کہ پنجابی زبان میں ڈھگیاں یعنی اونچے ٹیلوں والی جگہ کے ہیں- (الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۷ر جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۹-۱۰)

مؤرخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء کا دن عالم اسلام کے لئے ایک ایسا یادگار دن ہے کہ جب دنیا میں ایک ایسے عظیم الشان شہر کی بنیاد رکھی گئی جو کہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے مذہب یعنی اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا- اس دن حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا محمود الدین بشیر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دست مبارک سے اس مقدس شہر ربوہ کا سنگ بنیاد رکھا کہ جہاں سے صرف خدائے واحد کی پرستش کی آواز بلند ہونی تھی- کہ جہاں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی شریعت اسلامیہ کی فروغ دہی سرانجام پانی تھی کہ جہاں سے تبلیغ حق کے لئے مبلغین نے اپنی بے لوث جدوجہد شروع کرنا تھی- لیکن ان تمام پاکیزہ مقاصد کی تکمیل سے قبل ہی پاکستان کے تمام نام نہاد مسلمان علمائے کرام کو ایک ایسے مقدس شہر کی آبادکاری پر سخت افسوس ہؤا اور انہوں نے ربوہ اور اس کی آبادکاری نیز اس کے مکینوں کے خلاف جابجا اپنے ناپاک خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا- ان دشمن اسلام ملاؤں کی آہ وفغان سے متاثر ہو کر انہی دنوں پاکستان کے بعض اخبارات مثلاً آزاد، مغربی پاکستان اور زمیندار وغیرہ نے بلاتحقیق ایک جھوٹی خبر شائع کر دی کہ:-

'' یہ زمین جو احمدیوں کو فروخت کی گئی ہے اسے بعض لوگ پندرہ سو (۱،۵۰۰) روپے فی ایکڑ کے حساب سے خریدنے کو تیار تھے- جس پر ۳ر اگست ۱۹۴۸ء کو جماعت احمدیہ کے ناظر صاحب امور عامہ نے بیان دیا کہ جو شخص اس قیمت پر یہ رقبہ خریدنا چاہیں، ہم انہیں دینے کو تیار ہیں اور تمام قیمت کو سرکاری خزانہ میں جمع کروا دیا جائے گا تاکہ ملک کو نقصان نہ پہنچے لیکن کوئی آگے نہ آیا''- (الفضل انٹرنیشنل لندن- ۷ر جولائی ۲۰۰۰ء- صفحہ ۹)

اس تمام کارگزاری کو دیکھ کر ہم احمدیوں کے صبر کی داد دینی پڑتی ہے کہ کس حوصلہ سے ہم نے یہ سب کچھ برداشت کیا حالانکہ ان ایام میں جب کہ کروڑوں مہاجرین بے دست وپا پاکستان چلے آئے تھے ان دنوں جب کہ ہر کوئی کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی شے کے لئے بھی مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا تھا وہاں ہم احمدیوں کی یہ بردباری کہ وہ ان تمام جھوٹے الزامات پر بھی نہایت خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے- یہ تمام واقعات سن کر یا پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ کتا مرتے، مرجائے گا لیکن اس کم بخت کی دُم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہے گی یعنی ان نام نہاد مسلمانوں کی ازلی اور ابدی دشمنی میں کوئی فرق نہ آئے گا کیونکہ ایک سچے مسلمان کو تو کسی دوسرے شخص سے کوئی سروکار ہی نہیں کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے یا کیا خریدتا پھر رہا ہے یا کیا بیچتا پھر رہا ہے ؟ یعنی ان تمام حربوں کا مقصد تو صرف احمدیوں کو پریشان کرنا ہی تھا ورنہ اس بے آب وگیاہ ویران زمین کی خریداری میں کسے دلچسپی تھی؟ لہٰذا میں یہاں ایک اور بات کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ:-

چک ڈھگیاں یعنی ربوہ (حال چناب نگر) کی یہ زمین صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے خریدی تھی اور اب بھی بفضل خدا ہمیشہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی ملکیت ہے نہ کہ پاکستانی مولویوں کے خیالات فاسدہ کے مطابق نوے سالہ لیز کے پٹہ پر لی گئی ہے-

تاریخ احمدیت کے صفحات میں تحریر ہے کہ:-

''حصول اراضیٔ ربوہ کے سلسلہ میں حضرت نواب محمد دین صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب، مکرم راجہ علی محمد صاحب، مکرم ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان، مکرم شیخ محمد دین صاحب مختار عام اور مکرم عبدالغنی صاحب ہیڈ کلرک بندوبست جھنگ کی مساعی جمیلہ کا نمایاں عمل دخل رہا''۔ (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۲۹۲)

بہر حال ربوہ کو بسانے کی اس عظیم الشان جدوجہد کے درمیان ہی مؤرخہ ۵/جولائی ۱۹۴۹ء کو حضرت نواب محمد دین صاحب نے چند گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد رات ۹/بجے انتقال فرمایا۔ آپ کا جنازہ پہلے آپ کے آبائی گاؤں تلونڈی عنایت خاں لایا گیا جہاں ۶/جولائی کو امانتاً تدفین ہوئی بعد ازاں ۲۷/دسمبر کو آپ کا تابوت ربوہ لایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔ ۱۵/جولائی ۱۹۴۹ء کو حضرت چوہدری محمد دین صاحب کی وفات پر سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پاکستان کی سرزمین میں نئے قائم ہونے والے مرکز سلسلہ ربوہ کے قیام کے لئے حضرت چوہدری نواب خان بہادر محمد دین صاحب کی اعلیٰ خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:-

'' جس طرح میرے قادیان سے نکلنے کا کام کیپٹن عطا اللہ صاحب کے ہاتھ سے سرانجام پانا تھا اسی طرح ایک نئے مرکز کا قیام ایک دوسرے آدمی کے سپرد تھا۔ جو پیچھے آیا اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ میری مراد نواب محمد دین صاحب مرحوم سے ہے۔ جن کی اس ہفتہ میں وفات واقع ہوئی ہے۔ مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ اُن کی وفات کی وجہ سے ربوہ میں کوئی ایسا نشان مقرر کیا جائے کہ جس کی وجہ سے جماعت ہمیشہ اُن کی قربانیوں کو یاد رکھے اور اِس بات کو مت بُھولے کہ کس طرح ایک ۸۰/سالہ بوڑھے نے جو محنت اور جفاکشی کا عادی نہیں تھا، جو ڈپٹی کمشنر اور ریاست کا وزیر رہ چکا تھا، جو صاحب جائیداد اور متمول آدمی تھا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء کے شروع تک باوجود اس کے کہ اُس کی طبیعت مضمحل ہو چکی تھی کہ وہ طاقت کا کوئی کام نہیں کر سکتا تھا، اپنی محنت اور اپنے آرام کو نظر انداز کرتے ہوئے رات اور دن ایک کر دیا کہ کسی طرح جماعت کا نیا مرکز قائم ہو جائے۔ سینکڑوں دفعہ وہ افسروں سے ملے، ان سے جھگڑے کئے، لڑائیاں کیں، منتیں اور خوشامدیں کیں اور پھر مرکز کی تلاش کے لئے بھی پھرتے رہے۔۔۔ ہمارے مرکز کا قائم ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ بڑی اہم چیز تھی۔ اگر ہمارا نیا مرکز کامیاب ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ وہ کامیاب ہوگا تو یہ ایک ایسی ہی اہمیت رکھنے والی چیز ہوگی جیسے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبی مرکزوں کی تعمیر اہمیت رکھتی تھی۔ مقامات مرکزی کا قیام ایک بہت بڑا کام ہوتا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد دین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور یہ رُتبہ انہی کا ہے کہ جب تک یہ جماعت قائم رہے گی، لوگ ان کے لئے دعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا کہ وہ ان جیسا کام کریں۔ کجا ایک بوڑھا، بیمار اور کمزور آدمی اور کجا اُس کی یہ حالت کہ وہ دن کو بھی وہاں موجود ہے اور رات کو بھی وہاں موجود ہے اور رپورٹیں پیش کر رہا ہے کہ آج مَیں فُلاں سے ملا تھا، آج فُلاں سے ملا تھا۔۔۔ وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے لکھا کہ اب ربوہ میں تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے اور چونکہ یہ کام نگرانی چاہتا ہے اور میری صحت ٹھیک ہوگئی ہے۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ ربوہ چلا جاؤں اور کام میں مدد دوں۔ سینکڑوں کام دنیا میں ہوتے ہیں لیکن بہت برکت والا ہے وہ آدمی جس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو اپنے اندر تاریخی عظمت رکھتا ہو۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کام کا اُن کے ہاتھ سے ہونا اُن کی کسی بہت بڑی نیکی کی وجہ سے تھا اور مَیں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیچھے آئے مگر آگے گزر گئے۔ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا اُن کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ قادیان کے واپس مل جانے پر اس مرکز کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ اوّل تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے، دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے تحت قائم کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ ربوہ کے نام کے ساتھ نواب محمد دین صاحب کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا''۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن۔ ۷/ اپریل ۲۰۰۰ء۔ صفحہ ۱۲)

انہی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ایک دوسرے خطبہ میں ربوہ کی اہمیت اور حضرت نواب محمد دین صاحب کے بارہ میں فرمایا:-

''اول تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے- دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جارہا ہے اور جو مرکز کسی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے تو اس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہر حال امتیاز ہوتا ہے- یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جارہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا''- (الفضل ۳۱ر جولائی ۱۹۴۹ء)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی اسی خواہش کی اتباع میں درج ذیل سطور میں حضرت چوہدری خان بہادر نواب محمد دین صاحب کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے- ربوہ میں ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر فضل عمر ہسپتال میں نواب محمدؐ دین بلاک آپ کے نام سے موسوم ہے۔ اس مضمون کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی پیروی کر رہا ہوں تا کہ بعد میں شاید اس مختصر سی تحریر کے ذریعہ ربوہ کے نام کے ساتھ ساتھ کسی کو حضرت چوہدری محمد دین صاحب کا نام نامی بھی یاد رہے:-

''محترم نواب صاحب کی پیدائش تلونڈی عنایت خاں میں ۱۸۷۲ء میں ہوئی- آپ کا تعلق راجپوت باجوہ خاندان سے تھا اور آپ کے بزرگ راجہ فتح چند جی صاحب نے اسلام قبول کر لیا تھا جو (آئینہ اکبری کے مطابق) صوبہ پسرور کے گورنر تھے- اُن کی اولاد میں سے عنایت اللہ خان صاحب ہوئے کہ جن کے نام سے قصبہ تلونڈی عنایت خان آباد ہوُا اور اُن کے لڑکے دیندار صاحب کی اولاد سے جناب خان بہادر اور پھر چوہدری محمدؐ دین صاحب پیدا ہوئے- تقریباً ۱۸۸۰ء میں چوہدری صاحب کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوُا اور میٹرک تک آپ نے پسرور اور سیالکوٹ میں تعلیم حاصل کی- ۱۸۸۹ء میں جب آپ سیالکوٹ میں ہائی سکول کے طالبعلم تھے تو ان دنوں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ وہاں مدرس تھے- چوہدری صاحب روزانہ عصر کے بعد حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوُا کرتے تھے اور آپ، سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت متأثر تھے لیکن بیعت کرنے میں توقف کرتے رہے جس کا آپ کو تمام زندگی افسوس رہا بعد میں آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت پائی بہر حال میٹرک کرنے کے بعد بطور پٹواری ملازمت کا آغاز کیا- ۱۸۹۱ء میں آپ نائب تحصیلدار ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں آپ کو ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں آفس سپرانٹڈنٹ بنا دیا گیا- ۱۸۹۸ء میں آپ ڈیرہ اسماعیل خان میں تحصیلدار مقرر ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنائے گئے نیز ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۶ء تک دہلی میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے-

۱۹۱۰ء میں چوہدری صاحب کو والئ ریاست مالیر کوٹلہ نے حکومت سے مستعار لیا اور آپ کو ریاست کا مہتمم بندوبست مقرر کیا- آپ کے اس کام کی تعریف کرنل گیرے (پولیٹیکل ایجنٹ پنجاب) نے بھی کی اور آپ کی ان اعلیٰ خدمات کے صلہ میں آپ کو ۱۹۱۸ء میں خان بہادر کا خطاب دیا گیا- ۱۹۱۹ء میں آپ سب ڈویژنل افسر پاکپتن اور خانیوال رہے- ۱۹۲۲ء میں کچھ عرصہ پونچھ حکومت نے آپ کی خدمات مستعار لیں اور وہاں آپ مہتمم بندوبست اور ریونیو افسر کام کرتے رہے- اُسی سال آپ کو ضلع رُہتک میں ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا- ۱۹۲۴ء میں آپ کو ریاست بہاولپور نے مستعار لیا لیکن وہاں کی پارٹی بازی کی وجہ سے آپ پھر واپس حکومت میں آ گئے اور آتے ہی آپ کو ضلع شیخوپورہ کا ڈپٹی کمشنر بنا دیا گیا- ۱۹۲۸ء میں جب آپ سرکاری نوکری سے ریٹائرڈ ہوئے تو الوداعی تقریب میں پنجاب کے گورنر سر جعفری ماؤنٹ مورنسی اور سردار بوٹا سنگھ پریذیڈنٹ پنجاب کونسل نے آپ کی ذات اور آپ کے کام کی بہت تعریف کی- اکتوبر ۱۹۳۰ء میں آپ نے کونسل آف سٹیٹ کی ممبری کا انتخاب جیتا اور ۱۹۳۱ء میں آپ کو ریاست جے

پور کا وزیراعظم بنایا گیا- آپ تقریباً پانچ سال وہاں مقیم رہے اور حکومت نے نواب کا خطاب دیا پھر اس کے بعد چھ سال تک جودھپور کے ریونیو منسٹر رہے- ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی ترقی کا راز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میری ماں نے مجھے تین باتوں کی نصیحت کی تھی- جن پر میں عمل پیرا رہا ہوں:- (اوّل) والدین کی خدمت، (دوم) صبح سویرے جاگنا، (سوم) ہر اپنے سے بڑے اور راستہ میں ملنے والے کو سلام کہنا''- (الفضل انٹرنیشنل لندن- ۷/اپریل ۲۰۰۰ء- صفحہ ۱۲)

ربوہ میں پانی حضرت قاضی عبدالرحیم صاحبؓ کی نگرانی میں نکلا- مجھے یاد ہے کہ محلّہ دارالصدر میں جس جگہ سب سے پہلے پانی نکلا تھا وہ جگہ حلقہ مسجد (بیت) مبارک میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے مکان کا مغربی کونہ تھا کہ جہاں ایک کنواں ہوا کرتا تھا- یہ زمین حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ کو سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا محمود الدین بشیر احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحمت فرمائی تھی -اس کنویں سے متصل ایک چھوٹی سی عمارت میں بجلی کی موٹر لگی ہوئی تھی کہ جس سے دو طرح کا پانی نکلا کرتا تھا- ایک نل (پائپ) میں سے گرم اور دوسرے پائپ (نل) میں سے ٹھنڈا پانی نکلا کرتا تھا- اسی عمارت کی جنوب مغربی جانب ایک دیوار پر نیلے رنگ کی ایک سلیٹ بھی لگی ہوئی تھی کہ جس پر اس جگہ سے پانی نکلنے کی تمام تفصیل سفید رنگ میں تحریر تھی کہ ربوہ کے ایک دورہ کے دوران حضرت مصلح موعودؓ نے مؤرخہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ایک جگہ زمین پر سوٹا مار کر فرمایا تھا کہ اس جگہ پانی کیلئے کھودو- بہر حال اب خاکسار اس مضمون کو اختصار کے ساتھ حضرت قمرالانبیاءؓ کی ربوہ میں سکونت کے واقعات سے شروع کرتا ہے:- '' ۱۹/ستمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مستقل رہائش کی غرض سے لاہور سے عازم ربوہ ہوئے تو اس سفر کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ حضور کے ہم سفر رہے اور پھر اسی دن شام کو لاہور واپس تشریف لے گئے''- (الفضل لاہور- ۲۳/ستمبر ۱۹۴۹ء)

مؤرخہ ۳/اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مسجد مبارک ربوہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا- حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ بھی جب حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر مستقل رہائش کی غرض سے لاہور سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ تشریف لے آئے تو جنوری ۱۹۵۱ء میں آپؓ نے اعلان فرمایا کہ:- '' شروع سال سے میرا دفتر اب لاہور سے ربوہ منتقل ہو گیا ہے اور میں خود بھی ربوہ پہنچ چکا ہوں- اس لئے آئندہ میری ذاتی اور دفتری ڈاک ربوہ کے پتہ پر آنی چاہیے''- (الفضل ۱۴/جنوری ۱۹۵۱ء)

ربوہ میں تشریف لانے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر بہت سے اہم کاموں کا چارج سنبھال لیا- یہ سب دینی امور، احمدیت کی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں لیکن پھر بھی میں یہاں چند ایک ایسی دلچسپ باتوں کا ضرور ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے تمام مذہبی اور ملی نیز سیاسی سنہری کارناموں کے ساتھ ساتھ ربوہ کی تاریخ میں تا ابد محفوظ رہیں گی- ان تاریخی اوراق میں سے چند چیدہ چیدہ اقتباسات حاضر خدمت ہیں:-

(۱) مؤرخہ ۲۰/ جنوری ۱۹۵۱ء کو ربوہ میں تار گھر کھل گیا اور اس تار گھر سے ہندوستان میں سب سے پہلی تار (ٹیلیگرام) حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے قادیان کے امیر جماعت صاحب کے نام بھجوائی گئی- (الفضل لاہور- ۳۱/جنوری ۱۹۵۱ء)۔(۲) مؤرخہ ۲۱/مئی ۱۹۵۱ء کو ربوہ میں ٹیلیفون آفس بھی کھل گیا اور اسی دن شام کو حضرت میاں صاحبؓ نے قادیان فون کر کے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ (الثانیؓ- ناقل) کا پیار بھرا اسلام قادیان پہنچایا جس کے الفاظ یہ ہیں '' جماعت کو سلام، بیماروں کی عیادت اور دعاؤں کی تحریک''- (روزنامہ الفضل لاہور ۲۴/مئی ۱۹۵۱ء)۔(۳)

مؤرخہ ۱۹؍نومبر ۱۹۵۳ءکوصدرانجمن احمدیہ اورتحریک جدید کے نئے دفاتر کا حضرت المصلح الموعودؓ امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے افتتاح فرمایا۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر اعلیٰ اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ ایڈیشنل ناظر اعلیٰ نے حضورؓ کو تمام دفاتر کا معائینہ کروایا اور پھر اجتماعی دعا کے بعد حضرت قمر الانبیاءؓ نے کارکنان صدر انجمن احمدیہ کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا۔(المصلح ۲۷؍نومبر ۱۹۵۳ء)۔(۴) مؤرخہ ۹؍جون ۱۹۵۴ءکی رات کو ربوہ میں بجلی کی رَو کا افتتاح ہوُا اور سب سے پہلے مسجد مبارک میں روشنی ہوئی۔اس موقعہ پر حضرت میاں صاحبؓ نے کثیر احباب کے ساتھ مسجد میں دعا فرمائی۔(روزنامہ الفضل لاہور ۳۱؍جون ۱۹۵۴ء)۔(۵) ۳۱؍دسمبر ۱۹۵۴ء سے سلسلہ احمدیہ کا مؤقر اخبار ’’الفضل‘‘ لاہور کی بجائے مرکز سلسلہ ربوہ سے نکلنا شروع ہوُا تو آپؓ نے اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دعا فرمائی کہ:۔’’ مرکز سلسلہ کا یہ پودا جو گویا اب بلوغ کو پہنچ رہا ہے۔بیش از بیش سرعت کے ساتھ بڑھے اور پھلے اور پھولے اور اس کے پھلوں سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں‘‘۔(روزنامہ الفضل ربوہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء)۔(۶) جولائی ۱۹۶۱ء میں آپؓ کے ارشاد پر مسجد مبارک میں درس القرآن کا آغاز ہوُا۔(حیات بشیرؓ)۔(۷) مؤرخہ ۳؍دسمبر ۱۹۶۱ءکو جامعہ احمدیہ کی نئی عمارت کا افتتاح عمل میں آیا۔یہ افتتاح حضرت قمر الانبیاءؓ نے ایک لمبی دعا اور خطاب سے فرمایا۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء)۔(۸) مؤرخہ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کومجلس خدام الاحمدیہ کے ہال (محمود ہال۔ناقل) کی سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب عمل میں آئی جس کے سنگ بنیاد کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنے دست مبارک سے پُرسوز دعاؤں کے درمیان رکھا۔(الفضل ربوہ۔ ۲۳؍اکتوبر ۱۹۶۲ء)۔(۹) آپؓ نے ربوہ میں ایک دارالیتامیٰ قائم کرنے کا بھی فیصلہ فرمایا تا جماعت کے وہ یتیم بچے جو روشن دماغ تو ہیں لیکن اپنی تعلیم کے اخراجات مہیا نہیں کر سکتے وہ اپنی تعلیم کو احسن طریق پر جاری رکھ سکیں۔(حیات بشیر صفحہ ۲۹۱)

جامعہ احمدیہ کے نام سے یاد آیا کہ جماعت احمدیہ کے ابتدائی ایام میں جب حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی صاحبؓ اور حضرت مولانا برہان الدین جہلمی صاحبؓ جیسے بلند پایہ علماء یکے بعد دیگرے وفات پاگئے تو تب سلسلہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے دست مبارک سے اس ادارہ کی بنیاد رکھی تا کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں اسلام کی تعلیم وتربیت وتبلیغ اور نشو ونما کے لئے جید علماء کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہے۔آمین۔خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کی بدولت یہ ادارہ اپنے قیام کے مقصد کو بہ احسن پورا کر رہا ہے۔اس ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے والوں نے ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے انتہائی نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صرف اسلام کا پیغام دنیا بھر میں پہنچانے کی نیت سے ہرطرح کی قربانیاں دیتے چلے گئے۔اب جب ہم اُس وقت کے حالات کا آج کل کے حالات کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو تب ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ ہمارے مجاہد مبلغین سلسلہ اپنے اس عظیم الشان مقصد کے حصول کی خاطر کیسے کیسے سخت سست حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے رہے۔سلام ان پر کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔بہرحال ان ایام کی ایک ہلکی سی جھلک مکرم عبدالباسط شاہد صاحب کے ایک تازہ مضمون سے عیاں ہوتی ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

’’ ہماری تاریخ کا یہ درخشندہ باب ہے کہ ہماری جماعت کے ابتدائی ایام میں جماعت کے مشہور مخالف بڑے متکبرانہ انداز میں یہ چیلنج کیا کرتے تھے کہ میں تو پنجاب یونیورسٹی کا مستند مولوی فاضل ہوں لہذا جماعت احمدیہ میں اگر کوئی فاضل ہو تو وہ میرے مقابل پر آئے مگر بعد میں صورت یہ ہوگئی کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے پنجاب یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشن پر مولوی فاضل پاس ہونے والے مدرسہ احمدیہ کے ہی طالب علم ہوتے تھے اور جماعت میں بڑی کثرت سے مولوی فاضل ہوگئے بلکہ قادیان کی بعض خواتین نے بھی فاضل کی ڈگری حاصل کی اور دینی خدمات کی توفیق پائی۔تبلیغی وتعلیمی ضروریات کو زیادہ بہتر رنگ میں پورا کرنے کے لئے قادیان میں ہی جامعہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔اس ادارہ کے پہلے پرنسپل حضرت مولانا سرور شاہ صاحبؓ تھے۔حضرت مولانا موصوف برصغیر ہندو پاک کی مشہور مذہبی درسگاہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور درسی علوم میں ان کا مقام بہت بلند

تھا---اس ادارہ کے دوسرے پرنسپل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ-ناقل) مقرر ہوئے جو حافظ قرآن اور دینی علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ یورپ کی بلند پایہ یونیورسٹی (آکسفورڈ برطانیہ-ناقل) کے بھی فارغ التحصیل تھے-آپؒ کی غیر معمولی تنظیمی قابلیت کی وجہ سے جامعہ نے آپؒ کے زمانہ میں ترقی کی بہت سی منازل طے کیں-جامعہ احمدیہ کے تیسرے پرنسپل حضرت مولانا ابوالعطاء اللہ دتا صاحبؒ جالندھری تھے---قادیان میں ایک لمبے عرصہ تک جامعہ احمدیہ کی اپنی کوئی عمارت نہ تھی-تقسیم برصغیر سے کچھ عرصہ قبل ایک عمارت تعمیر ہوئی مگر اس کی تعمیر کے بعد جلد ہی تقسیم ہند کا حادثہ پیش آ گیا اور جماعت کی اکثریت پاکستان آ گئی-اس وقت جامعہ احمدیہ کے اساتذہ اور طلبہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے مگر ہمارے اولوالعزم خلیفہ حضرت مصلح موعودؓ نے

منعم بکوہ ودشت وبیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد وبارگاہ ساخت

کے مطابق لاہور کو جماعت کا عارضی مرکز بناتے ہوئے بغیر کسی توقف کے جماعت کی شیرازہ بندی شروع کر دی-جماعت کے دفاتر وہاں قائم ہو گئے-لٹے پٹے پریشان حال احمدی مہاجرین کے لئے یہ انتظام نعمت غیر مترقبہ تھی-خلافت کی برکت سے تنظیم واتحاد کے نیک ثمرات حاصل ہونا شروع ہو گئے-لاہور ہی میں ایک متروکہ مکان میں جامعہ احمدیہ شروع ہو گیا-اس مکان میں سارا فرنیچر ایک چٹائی اور ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر مشتمل تھا-جو طالبعلم وہاں پہنچ پائے وہ اس چٹائی پر بیٹھ کر حضرت حافظ مبارک احمد صاحب کے تجربات سے استفادہ کرنے لگے-حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؒ جالندھری کے قادیان سے لاہور تشریف لانے پر آپؒ کی نگرانی وقیادت میں یہ ادارہ آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا-لاہور سے چنیوٹ اور وہاں سے احمد نگر میں ابتدائی مراحل طے ہوئے-اس زمانہ کی حالت کا اس امر سے ہی کافی حد تک اندازہ ہو سکتا ہے کہ احمد نگر میں جامعہ جس عمارت میں قائم ہوا یعنی جس جگہ جامعہ کی کلاسیں شروع ہوئیں اور ہوسٹل بنا وہ عمارت ''اصطبل'' کے نام سے جانی جاتی تھی-فرش زمین پر سونے کے لئے بستر لگتے تھے-کھانے کے لئے گندم نایاب ہونے کی صورت میں چاول نما ایک جنس استعمال ہوتی تھی جو بمشکل کھائی جا سکتی تھی مگر آہستہ آہستہ یہ چیز بھی نایاب ہو گئی تو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ گاجروں میں گڑ ڈال کر، انہیں ابال کر روٹی یا چاول کی جگہ استعمال کیا گیا-

کبھی کبھی چائے پینے کی ''عیاشی'' بھی کی جاتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں یہ خیال عام تھا کہ چائے پینے سے نیند کم آتی ہے اور پڑھائی کا وقت زیادہ ہو جاتا ہے-چائے کے اس نسخہ یا ترکیب کو اس وقت ''رجسٹرڈ'' کروالیا جاتا تو اچھا ہوتا-ویسے اس جگہ اس کا نسخہ یا ترکیب بتانے میں کوئی حرج نہیں لگتا کیونکہ اس کا علم ہونے پر بھی کم ہی کوئی اس کو آزمانے کے لئے تیار ہو گا-اس خاص چائے کی تیاری کے لئے دو آنے کی رقم درکار ہوتی تھی جو بالعموم ایک سے زیادہ طالبعلموں کی کوشش سے جمع ہوا کرتی تھی-اس رقم سے دو پیسے کا گڑ ، دو پیسے کی پتی اور ایک آنہ کا دودھ خریدا جاتا تھا اور یہ اشیاء نانبائی کو دی جاتی تھیں جنہوں نے ٹین کے ایک خالی ڈبے کو لوہے کی تار کا کنڈا ڈال کر اس مقصد کے لئے تیار کیا ہوا تھا-اس ڈبے میں مناسب مقدار میں پانی اور یہ چیزیں ڈال کر تنور (تندور) سے روٹی نکالنے والی سلاخ کے سہارے تنور میں رکھ دیا جاتا تھا-تنور کی آگ کی تیزی کی وجہ سے جوش آنے میں کوئی دیر نہ لگتی تھی اور نانبائی کمال مہارت سے اسی سلاخ کی مدد سے ڈبہ باہر نکال کر رکھ دیتے تھے-اس طرح دو تین پیالی چائے تیار ہو جاتی تھی-کچھ دور اندیش طالبعلم شیشے کے لیمپ کے تین ٹانگوں والے سٹینڈ پر کیتلی یا ویسا ہی ٹین کا ڈبہ رکھ کر پڑھائی میں اس خیال سے مصروف رہتے کہ چند گھنٹوں میں یہ جوشاندہ، چائے کی شکل اختیار کر لے گا-اس طرح انہیں مطلوبہ مقصد زیادہ بہتر طور پر حاصل ہوتا کیونکہ وہ چائے کے بغیر ہی چائے کے انتظار میں مطالعہ کے لئے کافی وقت حاصل کر لیتے تھے-یہاں شیشے کے لیمپ کا ذکر ہوا ہے تو یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شیشے کے لیمپ کی سہولت بھی چند طالبعلموں کو ہی حاصل ہوتی تھی ورنہ مٹی کے تیل کا چھوٹا سا دیا جو کسی اینٹ پر رکھا جاتا تھا اور جس کی بو کے علاوہ

دھوئیں کی سیاہی سے دم گھٹنے لگتا- اسی سیاہی سے یہ بھی اندازہ ہوجایا کرتا تھا کہ یہ صاحب رات کتنی دیر مطالعہ کرتے رہے ہیں-

مدرسہ احمدیہ کے کام کو وسیع کرنے اور علمی میعار کو بلند کرنے کے لئے جس طرح جامعہ احمدیہ کا آغاز ہوٗا تھا اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ نے جامعۃ المبشرین کے نام سے ایک ادارہ جاری فرمایا جس میں جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل وقف زندگی طالبعلم تبلیغی تقاضوں کو بہتر رنگ میں ادا کرنے کے لئے ماہر علماء کی نگرانی میں مزید تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے- جماعتی انتظام میں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ سے اوپر یہ ادارہ تھا مگر اس ادارہ کا قیام جس عمارت میں ہوٗا- اس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں- ربوہ میں جلسہ سالانہ کی ضروریات کے پیش نظر ایک عارضی کچی عمارت بطور ''لنگر جلسہ سالانہ'' تیار ہوئی- اس میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے- جلسہ سالانہ کے علاوہ باقی ایام میں یہ عمارت خالی ہوتی تھی اس لئے اس کو جامعۃ المبشرین کے لئے مختص کر دیا گیا- یہاں پڑھانے والے جماعت کے بہترین اساتذہ اور علماء، یہاں پڑھنے والے حال اور مستقبل کے مبلغ ہیں- تحریک جدید کے دفاتر تعمیر ہوگئے تو تو ان دفاتر کی کچی عمارت جامعۃ المبشرین کو مل گئی- پرنسپل جامعۃ المبشرین حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ جالندھری نے حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت سے نئی عمارت کی تعمیر کے لئے مخیّر حضرات سے چندہ جمع کیا اور جامعہ کو ایک پختہ عمارت حاصل ہوگئی مگر اس میں آنے سے پہلے جامعہ ایک کرایہ کے مکان میں بھی منتقل ہوٗا تھا- پکی عمارت ایک نعمت عظمیٰ معلوم ہو رہی تھی لیکن اس کی شان بھی یہ تھی کہ جب کچھ عرصہ کے بعد حضرت میر داؤد احمد صاحب کے زمانہ میں جامعہ کی عمارت بننے لگی تو اسے بالکل گرا کر نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑا- مؤرخہ ۳ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو جامعہ احمدیہ کی نئی عمارت کا افتتاح عمل میں آیا- یہ افتتاح حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک لمبی دعا اور خطاب سے فرمایا (الفضل ربوہ - ۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء - ناقل) - یہ نئی عمارت پختہ، خوبصورت اور جامعہ کی ضرورت کے مطابق تھی مگر اب خدا کے فضل سے وہاں بھی تحریک وقف نو کی غیر معمولی کامیابی کی وجہ سے جدید جامعہ کے لئے پہلے سے زیادہ وسیع اور بہتر عمارت زیر تعمیر ہے''- (الفضل انٹرنیشنل لندن - ۹ر مارچ ۲۰۰۱ء صفحہ ۸)

اب قادیان اور ربوہ تو کیا برطانیہ اور کینیڈا میں بھی جامعہ احمدیہ کی بنیادیں رکھی جاچکی ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ ابھی چند سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ دنیا بھر کے ہر براعظم میں ان کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے جامعہ قائم ہوں گے- انشاءاللہ تعالیٰ۔ کیونکہ میرے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی ہم احمدیوں نے کوئی مسجد بنائی وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے چند سال کی مدت میں چھوٹی پڑ گئی اور اس کی جگہ بڑی مسجد بنانی پڑی یا اس کی توسیع کرنا پڑی۔ اب میں اپنے اصل مضمون کی جانب واپس آتا ہوں کہ ابھی تک گاہے بگاہے قادیان اور ربوہ کا ذکر مختلف صفحات پر ہو چکا ہے لیکن خاکسار کی خواہش ہے کہ قادیان اور ربوہ کے بارہ میں ایک ایسا یادگار مضمون تیار کیا جائے جو کہ رہتی دنیا تک تمام اقوام عالم کو آپس میں پیار محبت اور بھائی چارے کے ساتھ رہنے کا سبق دیتا رہے اور قادیان اور ربوہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالاتے رہنے والے نیز سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر دن رات درود و سلام بھیجتے رہنے والے اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ٹھیٹھ پاکیزہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ بابرکت پُرنور شہر بن جائیں کہ جن کے پاکیزہ نور کی کرنیں چار دانگ عالم میں کفر کے ظلمت کے اندھیروں کو تا قیامت اسلام کی روشنی کے اُجالوں میں تبدیل کرتی رہیں- اس مضمون کا آغاز میں ربوہ کے ذکر سے کرتا ہوں لیکن پھر آہستہ آہستہ اس میں قادیان کا ذکر بھی شامل ہوجائے گا۔ ربوہ کے بارہ میں خاکسار کے معزز و محترم استاد اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پروفیسر جناب سعود احمد خان صاحب دہلوی ربوہ کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

'' ربوہ جماعت احمدیہ کی فعالیت اور مرکزیت کا ایک منہ بولا نشان ہے اور ایک منفرد شہر ہے- کہنے کو تو کہا جاسکتا ہے کہ بستی، بستے بستے بستی ہے لیکن ربوہ

تو اس طرح آباد ہو گیا کہ گویا یہ شہر ہمیشہ سے آباد تھا- اس میں شک نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد یہاں کے شہروں اور قصبات میں بے پناہ تبدیلی آئی- اول تو جتنے ہندو اور سکھ یہاں سے گئے اُس سے دُگنے مسلمان ہندوستان سے آئے نیز یہاں کی آبادی، اموات کے مقابلہ میں پیدائش کی شرح زیادہ ہونے کے سبب بڑھتی رہی لیکن ان اضافوں کے پیش نظر صنعتی شہر یا قصبات آباد کرنے کی بجائے پرانے شہروں اور قصبوں کی حدود کو بڑھا کر گنجائش پیدا کی گئی جو اس مسئلہ کا آسان حل تھا- چنانچہ ہر بڑے شہر کے ساتھ نئے محلے، سیٹلائٹ ٹاؤن کے نام سے بنائے گئے اور انہی شہروں کے نواحی قصبات میں فیکٹریاں، کارخانے لگا کر ان کی شہری آبادی میں اضافہ کر دیا گیا لیکن ربوہ کا بسایا جانا اس اعتبار سے ایک محیر القول کارنامہ ہے کہ ایک لق و دق میدان میں جہاں میلوں کوئی شہری آبادی نہ تھی اور خود حکومت کے ریکارڈ میں یہ ایک وادی غیر ذی زرع تھی، زمین شور اور زیر زمین پانی نہایت کھاری، جو پینا تو درکنار زراعت کے قابل بھی نہیں اور نہ نہانے دھونے کے لائق، بغیر کسی فیکٹری یا کارخانہ لگائے ایک جدید طرز کا شہر معرض وجود میں آ گیا- بس جماعت کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا عزم تھا کہ قادیان سے نکل کر اپنا ایک مرکز ضرور ہونا چاہیئے جہاں سے اشاعت اسلام کی مہم میں رخنہ پڑے بغیر جماعتی تنظیم پھر اپنے محور کے گرد گھومنے لگے گویا اس طرح جماعت نہ کسی احساس محرومی کا شکار ہو اور نہ ہی طبیعتوں میں انتشار کے رجحان کا احتمال ہو-

جب اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے کنارے لائل پور (فیصل آباد) اور سرگودھا کے عین درمیان اور چنیوٹ سے شمال مغرب کی جانب چھ میل دور ایک قطعہ زمین ۱۰۳۴ ۱/۲ ایکڑ حکومت پنجاب سے خرید لیا گیا تو ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو یہاں ایک مناسب جگہ مسجد کے لئے منتخب کر کے عالمگیر جماعت احمدیہ کے نئے مرکز کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے افتتاح فرمایا اور اس کے بعد ۷ نومبر کو ملک کے تمام اہم اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے اس جگہ کی اہمیت بیان فرمائی- اگرچہ بظاہر یہ حکومت کے ریکارڈ میں ایک بنجر، بے آب و گیاہ زمین تھی جہاں آبادی کا قائم ہو جانا ایک امر محال نظر آتا تھا مگر دریا کے کنارے، پہاڑوں کے درمیان ایک میدان کا نظارہ آپ اس سے پہلے ایک خواب میں دیکھ چکے تھے- اگرچہ خواب والی زمین سرسبز و شاداب تھی جبکہ یہ قطعہ خشک سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان ایک چٹیل میدان تھا- شاید اس طرح اللہ تعالیٰ نے کئی سال قبل اس کے جلد پھولنے اور پھلنے کا نظارہ آپؓ کو دکھایا تھا- اس پریس کانفرنس میں عبدالمجید سالک، فیض احمد فیض، پروفیسر سرور اور سردار فضل جیسے نامور شاعر و ادیب اور سینئر مدیران جرائد تھے اور میاں محمد شفیع (م-ش)، جمیل الزماں اور باری علیگ جیسے کہنہ مشق اخباری رپورٹر بھی تھے- آپؓ نے بتایا کہ اپنے گھروں سے خالی ہاتھ لٹے پٹے نکالے جانے پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا کوئی مردانگی کا شیوہ نہیں بلکہ اس نئے وطن عزیز پاکستان کو خوشحال اور ترقی کی راہ پر گامزن کر کے دشمنوں کے ان عزائم کو خاک میں ملانا ہے جو پاکستان کو اول دن سے کمزور کرنا چاہتے ہیں- اس لئے اخبار احسان نے پاکستان میں ایک نئے امریکی طرز کے شہر کی تعمیر کئے جانے کی سرخی سے اس خبر کو شائع کیا جس میں عوام اور حکومت کو نئے شہر تعمیر کرنے کی تلقین کی گئی تھی- پاکستان ٹائمز نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بیان کے اس حصے کو نمایاں طور پر شائع کیا کہ ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر سات ہزار ایکڑ زمین صنعتی علاقے کے لئے بہت موزوں ہے کیونکہ یہ جگہ دفاعی اعتبار سے بھی محفوظ ہے- اخبار سٹار نے ربوہ کے قیام کو جماعت احمدیہ کے بلند حوصلہ افزا عزائم قرار دیا- گویا اس کے نزدیک ربوہ کا قیام احمدیوں کے استحکام کے ساتھ خود پاکستانیوں خاص طور پر مہاجرین کے حوصلوں کو بلند کرنے والا تھا کہ مشکلات میں گھرے ہوئے لوگ دوسروں کی طرف امداد کے لئے نہیں دیکھا کرتے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ زندہ رہنے کے ازم کے ساتھ مستعد ہو جایا کرتے ہیں- اس ضمن میں نہایت تجربہ کار معروف صحافی جناب وقار انبالوی صاحب نے اپنے اخبار روزنامہ ''سفینہ'' کے ایک شمارہ میں ربوہ کے قیام کو تمام پاکستانیوں کے لئے ایک نئے ولولہ کا پیغام قرار دیا اور لکھا کہ:-

'' ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوہ ایک سبق ہے- ساٹھ لاکھ مہاجرین پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اُجڑے اور یہاں بھی کسمپرسی نے

انہیں منتشر رکھا- یہ لوگ مسلمان تھے، رب العالمین کے پرستار اور رحمتہ العالمین ﷺ کے نام لیوا- مساوات اور اخوت کے علمبردار لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجا نہ کرسکی- اس کے برعکس ان کی اخوت اور دُکھ سُکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے نیا قادیان آباد کرنے کی ابتدا کر دی- مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا ہے- ان کا روپیہ ان کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا- ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے محل نظر ہے وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے- اس طرح عوام وحکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعویٰ کئے بغیر کچھ کر کے دکھاتے ہیں''- (سفینہ لاہور- ۱۳/نومبر ۱۹۴۸ء)

جہاں نئے مرکز کے قیام سے جماعت احمدیہ کو اپنے مشن اور مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مستعد کرنا تھا جس کے لئے عشق ومحبت اور ایک دُھن اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بعض لوگ دنیا کے عیش وآرام سے منہ موڑ لیا کرتے ہیں اور دنیا کے مقابلہ سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور راہب اور جوگی کہلاتے ہیں مگر اسلام نے دنیا کے اندر رہتے ہوئے دنیا کو شکست دینے کا گُر سکھایا ہے- چناب کے کنارے سیالوں کی زمین ضلع جھنگ ایسی ہی عشق ووفا کی داستانوں کی زمین کہلاتی ہے- اس لئے روایت ہے کہ رانجھا نے بھی ربوہ کی قریبی پہاڑیوں میں ایک جوگی سے یوگ لیا اور کانوں میں مُندریاں پہن لی تھیں- ان جوگیوں کا بالناتھ کی پہاڑیوں پر سات سو سال قبضہ رہا تھا- اب مئے عشق الٰہی سے سرمست پاک دل وصاف باطن، نیک نیت اور حقیقی عاشق صادق نے ربوہ کی پہاڑیوں پر ڈیرا جمایا تا کہ یوگ لوگوں میں تقسیم کرے- اسی روایاتی اہمیت کی مناسبت سے کسی احمدی شاعر نے اپنی نظم میں یہ مطلع کہا تھا:-

اک مردِ قلندر رہتا ہے دریا کے کنارے ربوہ میں
انوار کی بارش ہوتی ہے دن رات ہمارے ربوہ میں

اسی طرح ایک اور تاریخی اہمیت بھی اس سرزمین سے وابستہ ہے کہ اس کے شوق وجذبہ کو پھر سے زندہ رکھنا کم از کم مسلمان کہلانے والوں کے لئے مفید اور ضروری ہے اور وہ یہ کہ چنیوٹ اور یہاں چنیوٹ سے چناب کے پار دوسرے کنارے پر میدان جو اَب ربوہ کہلاتا ہے محمد بن قاسم کی گزرگاہ تھی اور ملتان کی فتح کے بعد یہاں سے گزرتے ہوئے اُس نے کشمیر کی طرف پیش قدمی کی تھی''- (الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۴/دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۳-۴)

ڈاکٹر عبدالحمید خان صاحب آف پاکستان نیوی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ:-

'' عرب فوج کا کشمیر جانے کا راستہ ملتان سے تلنبہ ہیر شورکوٹ (ضلع جھنگ) پھر کوٹ کمالیہ (ضلع لائل پور) کی طرف تھا- اس کے بعد مشہور جگہ جو عرب فوج کے راستہ میں پڑی وہ چندرود ہے جو عرب نقشہ میں درج ہے اور جو میرے خیال میں چنیوٹ کا مشہور شہر ہے- جس وقت عرب فوج نے اس پر حملہ کیا تو ہندو راجہ یہاں حکمران تھا- عرب فوج کے قریباً سو سپاہی چنیوٹ کو فتح کرنے کے میں کام آئے- ان شہیدوں کا قبرستان اب بھی چنیوٹ کے باہر موجود ہے- اس شہر چنیوٹ کے قریب سندھ سے کشمیر جانے والے مسافر دریائے چناب کو عبور کرتے تھے کیونکہ چنیوٹ سے کشمیر جانے کے لئے راستہ بالکل سیدھا تھا جو پنج مہات یا جہلم سے گزرتا تھا- (''محمدؒ بن قاسم پاکستان میں'' صفحہ ۲۱-۲۲)

خاکسار کے استاد مکرم پروفیسر سعود احمد خان دہلوی صاحب اپنے مضمون میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل واقعات میرے استاد محترم پروفیسر

تاریخ پنجاب یونیورسٹی شمس الدین صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے مجھ سے بیان کیے تھے:-

’’ ایک اور تاریخی روایت کے مطابق پنجاب کے راجہ جے پال کا ایک نواسہ سکھ پال مسلمان ہو گیا تھا-مسلم مؤرخین نے اس کا ذکر نواب شاہ کے نام سے کیا ہے-۱۰۰۵ء میں محمود غزنوی نے اس کو برصغیر میں اپنا نائب مقرر کر کے بھیرہ کی حکمرانی تفویض کی اور ملتان کے مسلمان ابوالفتح داؤد کا بھی نگران مقرر کر دیا کیونکہ ۱۰۰۳ء میں جب سلطان محمود غزنوی کاشغر میں مصروف پیکار تھا تو ابوالفتح داؤد نے سلطان کے خلاف بھائیہ (بھیرہ) کے راجہ کی بغاوت میں راجہ کا ساتھ دیا تھا-۱۰۰۶ء میں نواسہ شاہ (نواب شاہ) نے اپنے ماموں انند پال کے اُکسانے پر دوسرے ہندو راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کا اعلان کر دیا-محمود نے ایک مرتبہ پھر غزنی سے یلغار کی اور نواسہ شاہ سے جو معرکہ ہؤا وہ دریائے چناب کے کنارے ربوہ کے میدان میں پیش آیا-نواسہ شاہ کو شکست فاش ہوئی اور سلطان محمود غزنوی اسے اپنی قید میں لے کر واپس غزنی چلا گیا جہاں سلطان محمود غزنوی کی قید میں ہی نواسہ شاہ نے وفات پائی- سلطان محمود غزنوی کے کافی سپاہی اس معرکہ میں شہید ہوئے، وہ بھی یہیں دفن ہوئے اسی لئے یہاں کی پرانی قبروں کو شہدا کا قبرستان کہا جاتا ہے-گویا سرزمین ربوہ میں پاکستانی قومی جذبہ کو ابھارنے کے لئے بہت کچھ تاریخی مواد موجود ہے اور یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں سلطان محمود غزنوی سے تقریباً ایک ہزار سال بعد پھر ایک فاتح دین محمود (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ -ناقل) کے ہاتھوں اسی زمین پر اشاعت اسلام اور دفاع وطن کے جذبہ کے فروغ کے لئے تنظیم نو کا آغاز ہؤا-چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ جب بھی پاکستان کے دشمن کا عسکری لحاظ سے مقابلہ کی ضرورت پڑی احمدی بھی کسی صورت میں کسی سے کم نہیں رہے اور بڑھ چڑھ کر جان و مال اور دیگر ہر طرح کی قربانی کی زریں مثالیں قائم کر دیں‘‘-(ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۴؍دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۳-۴)

لیکن ان تمام حقائق کے باوجود سنا ہے کہ اب ’’ربوہ‘‘ کا نام بھی احمدیت کی ازلی اور ابدی مخاصمت کی بنا پر تبدیل کر دیا گیا ہے اور اس کا نام اب ربوہ کی بجائے ’’چناب نگر‘‘ رکھ دیا گیا ہے-اس سلسلہ میں مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا لیجئے آپ بھی پڑھیئے-مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ چند روز قبل مجھے چنیوٹ سے بذریعہ بس ربوہ تک سفر کرنے کا اتفاق ہؤا-میرے ساتھ تعلیم السلام کالج میں زیر تعلیم چند غیر از جماعت طلبہ بھی اسی بس میں سوار تھے-میں نے ازراہِ تفنّن انہیں مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگوں نے ہمارے شہر کا نام ربوہ کی بجائے چناب نگر رکھ دیا ہے لیکن ربوہ کے نام کی یہ تبدیلی تمہارے لئے موجب اعترافِ شکست ہے-وہ پوچھنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟- میں نے کہا کہ میں ابھی ثابت کر دیتا ہوں-چناب نگر دراصل ’’چَن + آب‘‘ ہے یعنی ایسا چاند جو اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا ہو اور نگر کے معنی ہیں بستی-یعنی ربوہ ایک ایسی بستی ہے کہ جہاں چاند اپنی پوری تابانی اور درخشانی سے اپنی نورانی کرنیں بکھیر رہا ہے لہٰذا تم لوگوں نے ربوہ کا نام چناب (چن+آب) نگر رکھ کر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اگر کہیں نُور ہے تو وہ صرف ربوہ میں ہی ہے-بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ:-

آؤ لوگو کہ یہیں نُورِ خُدا پاؤ گے
لو تمہیں طَور تسلّی کا بتایا ہم نے (درثمین)

دوسری طرف تمہارا شہر چنیوٹ ہے کہ جسے عرفِ عام میں چنوٹ بھی کہا جاتا ہے جو دراصل چَن + اوٹ سے مرکب ہے یعنی وہ چاند جو اوٹ میں ہو یعنی نظروں سے اوجھل ہو-گویا تمہارے شہر میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور نُور کا نام نہیں-اس پر ان طلبہ نے بے اختیار ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے کہ آپ احمدی بڑے ذہین لوگ ہو اور ہر جگہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی لیتے ہو چنانچہ انہی باتوں کے درمیان ربوہ کالج کا بس سٹاپ درہ آ گیا اور وہ طلبہ بس

سے اتر کر کالج چلے گئے اور اگلے سٹاپ یعنی ربوہ اڈہ پر میں بھی بس سے اتر پڑا- گھر کو جاتے ہوئے راستہ میں میں نے مزید اس مضمون پر غور کیا تو قرآنی آیت" وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (الفاطر : ۴۴-ناقل) بُری تدبیر ایسا کرنے والے پر ہی اُلٹ کر پڑتی ہے" --کا مضمون بھی حرف بحرف سچا ثابت ہؤا کہ وہ لوگ جو یہ نام بدل کر اہل ربوہ کو غم کی تاریکی میں دھکیلنا چاہتے تھے یہ تاریکی خود ان کا مقدر ہے-

ترے مکروں سے اے جاہل ! مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے (درثمین)

"-(الفضل انٹرنیشنل لندن)

اسی ایک بات سے ہی یعنی اوپر درج یہ تمام واقعہ پڑھ کر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ چنیوٹ یا چنوٹ یعنی چن اوٹ جیسے شہر کے باسی منظور احمد چنیوٹی اور اس کی اولاد میں سے محمد الیاس چنیوٹی جیسے افراد کہ جن دونوں کو نعوذ باللہ مولوی یا مولانا لکھتے ہوئے نہ صرف مجھے ہی بلکہ دنیا بھر کے بیشتر شریف افراد اور خدا ترس لوگوں کو شرم آتی ہے۔ دین اسلام سے نابلد ایسے لوگوں کو قرآنی الفاظ کی بے حرمتی کرنے کا بہت شوق تھا لہذا انہوں نے وہ شوق یہ نام تبدیل کروا کر پورے کر لئے لیکن بیرونی ممالک میں تبلیغ کا بیڑا ابھی تک نہیں اٹھایا۔ کسی قرآن کا کسی بیرونی ملک کی زبان میں ترجمہ ابھی تک ان سے نہ ہو سکا اور نہ ہی ہو سکے گا اور ہو گا بھی کیسے جب کہ انہیں خود اپنی ہی قومی زبان اردو حتیٰ کہ اپنی مادری زبان پنجابی میں بھی قرآن مجید کی تعلیمات کا علم نہیں؟ لہذا میں تو یہی کہوں گا یہ دونوں علم وعرفان سے نابلد اپنی سمجھ اور فراصت میں بہت دُور کی کوڑی لائے مگر اصل حقیقت کسی شاعر کی زبانی یوں ہے کہ:-

اس زلف پہ پھبتی شب دجور کی سوجھی
اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سوجھی

یعنی ان روحانی اندھوں کو چنوٹ (چن اوٹ = چاند کی اوٹ) کے گھپ اندھیرے میں انتہائی دور کی سوجھی کیونکہ ربوہ جیسے علم وعرفان سے بھرپور ایک پاکیزہ شہر کے نام کی تبدیلی بھی قرآن مجید کے مقدس اور بابرکت الفاظ کی کھلی کھلی بے حرمتی ہے-اس کی تفصیل یہ ہے کہ بہت لمبے عرصہ سے جماعت احمدیہ کے مخالف نام نہاد مسلمان علمائے کرام دنیا بھر کے تمام مسلمہ اصولوں کے برخلاف اور صرف اسلامی جمہوریت کا نام دنیا بھر میں روشن کرنے کے لئے کہ آج کا اسلام کتنا انصاف پسند مذہب ہے "ربوہ" کا نام تبدیل کرنے اور کروانے کا مطالبہ کر رہے تھے-ان لوگوں نے ربوہ کی اٹھانوے فیصد (۹۸٪) احمدی آبادی کے خیالات اور نظریات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بہت سے نام مثلاً صدیق آباد، مصطفےٰ آباد، محمد نگر وغیرہ بھی خود ہی تجویز کئے کہ جن پر پاکستان کے صوبہ پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں اچھی خاصی بحث بھی ہوتی رہی اور اس لاحاصل بحث مباحثہ کے بعد بالآخر ربوہ کا نام "نواں قادیان" رکھ دیا گیا اور حکومت پنجاب کی جانب سے اس کا ریزولیوشن بھی جاری کر دیا گیا اور یوں ربوہ میں مختلف مقامات پر "نواں قادیان = نیا قادیان" کے بورڈ بھی آویزاں کر دئے گئے لیکن جب ان نام نہاد مسلمان مولویوں کو اس بات کا علم ہؤا کہ اب بھی قادیان سے پیچھا چُھوٹتا نظر نہیں آتا تو بالآخر اس کا نام "چناب نگر" رکھ دیا گیا اور سُنا ہے کہ اب بڑی تیزی سے سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں "ربوہ" کے نام کو "چناب نگر" میں تبدیل کیا جا رہا ہے-لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ ہی عنایت فرماتا ہے جو کہ بے حد شان والا ہے۔ اس تمام کاروائی کی تفصیل درج ذیل نوٹس میں دیکھی جا سکتی ہے جو کہ حکومت پنجاب پاکستان کا جاری کردہ ہے:-

Lahore, dated the 4th February, 1999, N O T O F I C A T I O N, No. 034-99/Ch.36/81

- R&G/S.O.II. In supersession of notification No. 344-98/Ch-36/631-R&G/S.O.-II, dated 12th December, 1998, the 'Nawan Qadian' Tehsil Chiniot, District Jhang is re-named as "CHENAB NAGAR" with effect from the date of this notification. BY ORDER OF THE GOVERNOR OF THE PUNJAB. (IMTIAZ MASRUR). SECRETARY TO GOVT. OF THE PUNJAB, REVENUE DEPARTMENT.

اس لئے ربوہ کے بارہ میں صرف اتنا ہی عرض ہے کہ چونکہ اس مقدس شہر کا نام خدا تعالیٰ کے فضل سے قرآن مجید میں دو جگہ لکھا ہوُا موجود ہے لہذا ''ربوہ'' کا جو مطلب اور معنی ہیں وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں- ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ٥ (المؤمنون : ۵۱) یعنی: اورہم نے ابن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور اس کی ماں (حضرت مریمؑ) کو ایک نشان بنایا اور ہم نے اُن دونوں کو ایک اونچی جگہ پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی۔ پھر ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَموَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ م بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَ ابِل'' فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِل'' فَطَلّ'' ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر'' ٥ (البقرہ : ۲۶۶) یعنی : اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے آپ و مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اُن کے خرچ کی حالت اُس باغ کی حالت کے مشابہ ہے جو اونچی جگہ پر ہو اور اگر اس پر تیز بارش ہو جائے تو اس کی بدولت وہ باغ دو چند پھل لائے اور اس کی یہ کیفیت بھی ہو کہ اگر اُس پر زوردار بارش نہ بھی پڑے تو بھی تھوڑی سی بارش ہی اس کے لئے کافی ہو جائے- پس! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے-

اب ان قرآنی آیات کی تلاوت اور ترجمہ اور تشریح کرنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ربوہ کا مطلب اونچی جگہ ہے اور جو شخص بھی ربوہ کے جغرافیائی محل وقوع کو جانتا ہے اسے ضرور یہ علم ہو گا کہ درحقیقت ربوہ اپنے اردگرد کے نشیبی علاقوں کی نسبت قدرے اونچی اور محفوظ جگہ پر آباد ہے اور اس بات کا تجربہ نہ صرف ہمیں بلکہ آس پاس کے قریبی دیہات میں بسنے والے دیہاتیوں (جانگلیوں) نے بھی کئی مرتبہ کیا ہے اور موسم سیلاب کے ایام میں اکثر ہمارے یہاں کوٹھی'' الوفا '' اور ربوہ کے دیگر دوسرے گھروں میں پناہ لی ہے- اس اونچی جگہ سے مراد اخلاق و کردار نیز مذہبی یا روحانی بلندی بھی لی جاسکتی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان تمام باتوں میں بھی اہالیان ربوہ دنیا بھر میں سب سے اونچا اور بلند و بالا مقام رکھتے ہیں- ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان اور اس کی ذیلی حکومت یعنی حکومت پنجاب پاکستان کو قرآن مجید کے مقدس الفاظ کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے اور ربوہ کا نام ربوہ ہی رہنے دینا چاہیے کیونکہ یہ عربی زبان میں قرآنی الفاظ ہیں اور ان کے لکھنے کی شرط یہ نہیں کہ یہ صرف قرآن مجید میں ہی لکھے جاسکتے ہیں بلکہ یہ الفاظ چونکہ تمام دنیا بھر پر بھی لاگو ہیں لہذا انہیں کسی بھی پاک اور صاف جگہ پر لکھا جاسکتا ہے اور اگر کسی کو اس بات پر اعتراض ہے تو وہ صرف اپنے عربی نام پر ہی غور کر کے دیکھ لے کہ کیوں اس کے ماں باپ نے اس کا نام عربی زبان میں رکھا اور ہندوستانی یا کسی اور زبان میں نہیں رکھا- اسی موضوع پر مؤرخ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب رقم فرماتے ہیں :-''عربی زبان میں بلند جگہ یا ٹیلہ کو ربوہ کہا جاتا ہے -(مفردات راغب)- بانئ ربوہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سرزمین کو اپنے ماحول سے بلند و مرتفع ہونے کے باعث ہی اسے ربوہ سے موسوم فرمایا جو حضورؓ کے بلند پایہ ذوق عربی اور نکتہ نوازی کا عکاس ہے''- (الفضل انٹرنیشنل ۲۹ رجنوری ۱۹۹۹ء صفحہ ۴)

ان واقعات کے علاوہ یورپ اور ایشیا کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ یورپی ملک مقدونیہ کا بادشاہ سکندر اعظم (۳۵۶-۳۲۳ قبل از مسیح) راجہ پورس سے جنگ جیتنے کے بعد ملکوال کے قریب دریائے جہلم کو عبور کرنے کے بعد جب دریائے بیاس تک آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا تو تب اس کی فوج نے اس سے زیادہ آگے بڑھنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اس جری سپہ سالار کو جو کہ اُس وقت بلاشبہ دنیا بھر کی سب سے بڑی حکومت کا فرمانروا تھا مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔ بہرحال وہاں سے واپسی پر وہ ربوہ کے تاریخی مقام سے دریائے چناب کو عبور کر کے بقیہ پنجاب کو فتح کرتے ہوئے سندھ کی جانب چلا گیا اور پھر وہاں سے وہ اپنے ملک یونان کو واپس جاتے وقت راستہ میں ہی عراق کے ایک مشہور تاریخی شہر بابل میں ملیریا کی بیماری کا شکار ہو کر ۳۳ر برس کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اور یوں تمام دنیا جہان پر حکمرانی کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا کیونکہ تمام ارض وسما پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون حکومت کرسکتا ہے؟ پس ان تمام حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے ہزاروں سال پہلے اُس زمانہ کے سب سے بڑے سپہ سالار سکندر اعظم کا تمام دنیا پر حکمرانی کرنے کا خواب پورا نہ ہوسکا تھا اور اُس کا قافلہ بھی ربوہ کی سرزمین میں سے گزرا تھا اب اسی طرح اِس زمانہ کے بڑے بڑے جگادر مولانا جو کہ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا اسکندر سمجھتے ہوئے خدمت اسلام کے نام کی آڑ میں اُسی سکندر یعنی فاتح کی طرح اپنی کوششوں میں سردھڑ کی بازی لگا کر میدان میں نکل آئے ہیں کہ اگر ہم ان احمدیوں کے دلوں میں سے نعوذ باللہ کلمہ طیبہ کو نہیں نکال سکتے تو کم از کم ان کے شہر کا نام بدل کر ہی تمام دنیا کو دکھا دیں گے کہ ہم نام نہاد مسلمان کتنے فراخ دل ہیں۔ ان نام نہاد مسلمان ملاؤں کی انہی ذلیل اور کمینی حرکات کو دیکھ کر بے اختیار ایک کلمہ دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○ (البقرۃ:۱۵۷)

ارے ظالمو تمہیں دنیا میں اور کوئی کام نہیں؟ جاؤ اور اللہ- اللہ- کرو یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء کرو اور اس کے رسول آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجو، نمازیں پڑھو، قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اپنی مسلم اور غیر مسلم رعایا کو تنگ نہ کرو، ورنہ یہ یاد رکھو کہ سکندر اعظم اپنی دلیری اور بہادری اور عزم وشجاعت کے بھروسہ پر اور تمام دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی مخالفت اور مخاصمت اور جنگی چالوں اور تدبیروں کے باوجود انہیں شکست پر شکست دیتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا تھا لیکن بالآخر اپنے مقابلہ میں انتہائی لاچار اور گنوار اپنے ہی سپاہیوں کی مزید آگے نہ جانے کی تکرار سن کر ایسا بے بس ہوا کہ وہ جو تمام دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا اس جیسے عظیم الشان سپہ سالار کو خود اپنے ہی علم ودانش سے بے بہرہ سمجھے جانے والے فوجیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور یوں وہ خود اپنے ہی فوج کے سپاہیوں کی اس معمولی سی چال سے شکست فاش کھا کر ناکام ونامراد واپس لوٹ گیا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا ؟ جسے تاریخ عالم اور اپنے اپنے مذہب پر تھوڑا سا بھی عبور حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ اُس زمانہ میں ایسے ان پڑھ اور گنوار سپاہی کہ جنہیں سوائے گھڑ سواری۔ نیزہ بازی۔ تیراندازی اور تلوار بازی یعنی تلوار چلانے کے اور کوئی ہنر نہیں آتا تھا اور وہ، جو اپنی روزانہ کی روٹی بھی کمانے کی ہمت نہ رکھتے تھے، صرف اس لئے فوج میں شامل ہو جایا کرتے تھے تاکہ کسی نہ کسی ملک کو لوٹ کر مال غنیمت حاصل کریں اور اپنا پیٹ پالیں۔ پھر انہوں نے بقیہ دنیا کو فتح کرنے کی بجائے سکندر اعظم کو واپس چلنے پر کیوں مجبور کیا؟ اس لئے کہ جب کوئی اپنی طاقت کے غرور میں گھمنڈ بازی پر اتر آتا ہے کہ اب تو میں تمام دنیا کو ہی فتح کر کے دم لوں گا یا ذوالفقار علی بھٹو یا جنرل ضیاالحق یا آج کے نام نہاد ملاؤں، مولویوں، مفتیوں ختم نبوت کے جھوٹے علمبرداروں کی طرح اپنی کم فہمی یعنی درحقیقت اپنی بے عقلی کے بل بوتے پر ہم مسلمان احمدیوں کو اپنی طاقت کے زور پر غیر مسلم قرار دینے پر فخر کرتا ہے یا ہم کلمہ گو احمدیوں کو کینسر کا نام دے کر ایک فرعون کی طرح صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے یا ہم معصوم احمدیوں کے دلوں میں سے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز، کلمہ طیبہ کو اپنی مولویانا جاہلیت کے بھرم کو پورا رکھنے کے لئے کھرچ کر نکال باہر پھینکنا چاہتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس ازلی وابدی غیرت کو جوش آجاتا ہے اور وہ ہم جیسے ناتوانوں کی دعاؤں میں ایک ایسا زور بھر دیتا ہے کہ سکندر تو کیا سکندر کا باپ بھی ان

کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے- ذوالفقار علی بھٹو تو کیا ایک جنرل ضیاالحق جیسا فوجی جنرل اور مطلق العنان فرمانروا بھی اللہ کی اس قدرت کے سامنے تباہ و برباد ہو کر خس و خاشاک میں مل جاتا ہے- اس لئے میں سوچتا ہوں کہ ان دونوں کی موت سے سبق نہ حاصل کرنے والے جس نام نہاد خود ساختہ مولوی کو اتنا بھی علم نہیں کہ صرف کلمہ طیبہ یعنی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

کو پڑھ لینے سے ہی ایک انسان مسلمان بن جاتا ہے تو اس کا حشر اگلے جہان میں کیسا دردناک اور بھیانک نہ ہوگا؟ اور اس سونے پر سہاگہ والی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں اور احادیث نبویہؐ میں کسی بھی جگہ یہ نہیں لکھا ہوا بلکہ سنت رسول اللہ ﷺ اور اب تک گزرے ہوئے تمام مجددین اسلام رحمتہ اللہ کے اقوال مبارکہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو اوپر اوپر سے اس کلمہ کا ورد کرے اسے قتل کر دو اور جو اپنے دلی خلوص سے یہ کلمہ طیبہ پڑھے اسے مسلمان مان لو کیونکہ یہاں بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں- مثلاً:-

سوال نمبر (۱):- کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ اس دنیا میں اس کے بعض بندے آج کے نام نہاد مسلمانوں سے ڈر کے مارے یا اپنی جان کے خوف سے اوپر اوپر سے زبانی کلامی کلمہ طیبہ تو پڑھ لیں گے لیکن اندرونی طور پر وہ اپنے پرانے مذاہب پر ہی قائم رہیں گے؟ اگر نہیں تھا تو ایسے خدا کو کون مانتا ہے کہ جسے آئندہ زمانہ کا علم ہی نہ ہو؟ اور اگر علم تھا تو پھر اس نے ان کو پہچان لینے کی کیا شرائط وضع فرمائیں ؟

سوال نمبر (۲):- کیا جو لوگ خلوص دل سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مسلمان ہونے کا اقرار کریں گے ان کے ماتھے پر کوئی کالا سفید یا نیلا یا سرخ یا بھورے رنگ کا تل نکل آئے گا کہ جس کے ذریعہ مسلمانان عالم اس شخص کو دیکھتے ہی فوراً پہچان لیں گے کہ ہاں! اس شخص نے واقعی سچے دل سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے؟

سوال نمبر (۳):- اور جو شخص اوپر اوپر سے کلمہ پڑھے گا کیا اس کا مونہہ سفید یا کالا ہو جائے گا یا نیلا یا پیلا کہ جس سے اس کو پہچان لینے میں سہولت ہو جائے گی؟

سوال نمبر (۴):- اور نعوذ باللہ قرآن مجید میں یا احادیث نبویہؐ کی کون سی کتاب میں اور کہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو شخص سچے دل سے کلمہ طیبہ پڑھ لے تو وہ اسے پڑھتے ہی وہابی ہو کر دیوبندی پر یا سنی ہو کر شیعہ حضرات پر کفر کے گھناؤنے الزامات تراشنا شروع کر دے ورنہ وہ سچا مسلمان ہی نہیں؟

سوال نمبر (۵):- کلمہ طیبہ کو پڑھنا، اسے اپنے سینہ پر آویزاں کرنا- اسے فلسطینیوں کی طرح سر پر سبز یا کالی پٹی باندھ کر پھرنا- احمدیوں کی طرح اپنے سینہ پر آویزاں کرنا- اسے مساجد کے ماتھے پر تحریر کرنا وغیرہ وغیرہ تو نہایت اچھے اعمال ہیں لیکن کیا ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو پڑھنا بھی بُری باتیں کرنے کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے کہ جو کوئی ایک بار اس کلمہ طیبہ کو پڑھ لے وہ اس کے پڑھ لینے کے بعد ضرور اپنے مونہہ سے گندی اور فحش گالیاں بھی نکالنا شروع کر دے؟ جیسا کہ ان نام نہاد مسلمانوں کی اکثریت دن رات ماں بہن کی غلیظ گالی دئے بغیر کوئی ایک لفظ بھی اپنے مونہہ سے نکالنا خلاف شریعت گردانتے ہیں-

اور پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان جو کہ خود کو مسلمان اور کلمہ گو کہتے ہیں وہ پہلے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کر کے تو دکھائیں کہ جس میں کلمہ کو پڑھ لینے والے کو صرف مسلمان کہا گیا ہے لیکن مؤمن بیان نہیں کیا گیا- ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ

تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْر‘‘ رَّحِيْم‘‘ ۝ (الحجرات: ۱۵) ۔یعنی : بعض ناسمجھ لوگ جلدی میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے لیکن تو ان سے کہہ دے کہ تم ابھی حقیقۃً ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ تم نے ابھی صرف اسلام کو قبول کیا ہے کیونکہ ایمان ابھی تمہارے دل میں راسخ نہیں ہؤا۔ پس اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے مؤمن بن جاؤ گے تو تب اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بخشنے والا اور تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس لئے یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اور مؤمن کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مؤمن بندے کی ایک بہت ہی بلند مرتبہ شان بیان فرمائی ہے کہ:- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات: ۱۶) ۔یعنی : مؤمن یقیناً وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ اور اس کے رسول پر تہہ دل سے ایمان لاتے ہیں اور ہر وقت اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ تو سچے مؤمن ہیں۔

یعنی جیسے کہ ہم احمدی مسلمان جو کہ دن رات اپنی جان مال وقت اور عزت کو اسلام کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ ایک کے بعد دوسری نئی مسجد خدا تعالیٰ کی عبادت اور حمد وثنا کے لئے بناتے چلے جا رہے ہیں اور ایک کے بعد دوسری زبان میں قرآنی تراجم چھاپتے چلے جا رہے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بڑھ کر صرف ہم احمدی ہی دنیا بھر میں کلمہ طیبہ کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ پس اس لئے ایسے لوگ کہ جنہیں شاید کلمہ تو پڑھنا آتا ہے لیکن اس کے بعد ان کو اسلام کی الف ب بھی نہیں آتی اور قرآن مجید میں درج احکامات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انہیں چاہئے کہ پہلے وہ ان آیات کریمہ کی روشنی میں صدق دل سے خدا تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کرتے ہوئے سچے مسلمان بن کر رفتہ رفتہ مؤمن بن جائیں اور جب وہ مؤمن بن جائیں گے تو تب یہی لوگ صدق دل سے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث نبویہؐ پر عمل کر کے بھی دکھائیں کہ مؤمن کا گالی دینا ایک بہت بڑا گناہ ہے یعنی سِبَابُ الْمُسْلِمِ فَسُوْق‘‘ اور تب ان لوگوں کی فطرت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی اور یہ کسی کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے کہ کوئی کیا کر رہا ہے لیکن اگر یہ نام نہاد مسلمان ایسا نہیں کر سکتے کہ اُن کی اپنی زبان ہی اُن کے قابو میں نہیں تو پھر ایسے نام نہاد مسلمانوں کی باتوں میں کیا وزن ہے جو کہ صرف نام کے مسلمان ہیں لیکن مؤمن قطعاً نہیں؟ پس میرے بھائیو جب تک دنیا بھر کے تمام نام نہاد خود ساختہ مسلمان ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس وقت تک انہیں شرافت سے کام لیتے ہوئے خاموش رہنا چاہئے اور کسی کو بھی گندی اور غلیظ گالیاں نکال کر اپنا مونہہ پلید نہیں کرنا چاہئے کیونکہ کوئی بھی گالی دراصل گالی دینے والے شخص کے مونہہ پر ہی واپس تھوپی جاتی ہے۔ اسی لئے تو مشہور ہے کہ اے شخص تو یا کوئی دوسرا شخص بھی:-

’’جیسا کرے گا۔ ویسا ہی بھرے گا‘‘۔ یا پھر۔ ’’جو بوئے گا۔ وہی کاٹے گا‘‘

اب یہ الفاظ پڑھ کر بڑے بڑے نام نہاد مسلمان خود ساختہ مولوی چونک کر جاگ اٹھیں گے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ بُھٹو اور ضیا تمہاری کتب میں درج پیشگوئیوں کے عین مطابق مارے گئے لیکن ہمیں تو کچھ بھی نہ ہؤا؟ ان نام نہاد مسلمان مولویوں کی عقل پر افسوس ہوتا ہے کہ ان بیوقوفوں کو اب کون یہ بات سمجھائے کہ جب فرعون کے مرنے سے پہلے اس کی عام رعایا بھی کیڑے مکوڑوں کی طرح مختلف آفات کا شکار ہو کر مری تھی تو کیا اب کسی جگہ انہیں ان کا نام ونشان بھی نظر آتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں لیکن فرعون کا نام ہر جگہ، ہر تاریخ اور ہر مذہبی کتاب میں لکھا ہؤا ملے گا۔ اس کے علاوہ جب

فرعون سمندر کی لہروں میں غرق ہؤا تھا تو اس کے ساتھ کتنے ہی سپاہی، کمانڈر اور جرنیل بھی اسی سمندری پانی کے ریلے میں ڈوب گئے تھے تو کیا اب ان مولویوں کو کسی جگہ ان غرقاب شدہ فوجیوں کا نام بھی لکھا ہؤا نظر آتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔ پس ایسی ہی حالت ان نام نہاد مولویوں اور ملانوں کی ہے کہ یہ ایک کے بعد ایک کیڑے مکوڑوں کی طرح مرتے چلے جائیں گے لیکن ان کا کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں بچے گا ماسوائے اولاد کے بلکہ ممکن ہے کہ وہ بھی ان نام نہاد دشمن اسلام مولویوں کی اسلام دشمن کارستانیوں کی وجہ سے خدائی قہر کی زد میں آکر نقصان اٹھائے اور یوں نہ ہو کہ ان سب کے مرتے ہی لوگ ان پر بھی لعن طعن کرنا شروع کردیں جیسا کہ آج کل کوئی ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کو گھسیٹتا پھر رہا ہے تو کوئی جنرل ضیاالحق صاحب کو موردالزام ٹھہرا رہا ہے۔ اس لئے جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ پاکستان کے مولویوں نے اپنی ذہنی جہالت کی وجہ سے ربوہ کے نام پر کبھی غور نہیں کیا ورنہ انہیں سب سے پہلا نام جو اس شہر کے نام میں لکھا ہؤا نظر آتا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بابرکت و پاکیزہ اسم گرامی ''رب'' ہے یعنی دنیا بھر کو بنانے والا۔ تمام کائنات نیز ارض وسما کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا یعنی زندگی دے کر رزق عطا کرنے والا اور پھر یہی نہیں بلکہ رب کا لفظ اللہ تبارک وتعالیٰ کو خود بھی اتنا زیادہ پسند ہے کہ یہ قرآن مجید کے بالکل آغاز میں ہی تحریر ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روزانہ تمام نمازوں میں سب سے زیادہ دوہرائی جانی والی سورۃ فاتحہ کی بابرکت آیات میں بھی موجود ہے یعنی:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (فاتحة : ۲)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو کہ تمام کائنات کا رب ہے

اسی طرح ہندی اور پنجابی نیز اردو میں '' ربوہ'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ '' رب-واہ '' یعنی اے میرے رب واہ سبحان اللہ اور ''رب-واہ'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ رب سے واہ یعنی اللہ تعالیٰ سے واسطہ رکھنے والوں کا شہر یا پھر خدا سے تعلق بڑھانے والا شہر اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ ربوہ ایک ایسا پیارا اور قابل احترام شہر ہے کہ جہاں علی الصبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی ہر گھر سے خدا تعالیٰ کی حمد وثنا، تلاوت قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ کے درس اور سیدنا آنحضرت محمد احمد ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور پھر جہاں کسی شخص کی عزت اس کے بڑے بڑے مکانات یا اس کے گھر میں ریڈیو، ٹی وی، ریفریجیٹر یا ایئر کنڈیشنڈ نیز موٹر سائیکل یا موٹر کار کی موجودگی کی بجائے اس شخص کے ارکان اسلام کی پابندی کو اس کے تقویٰ کی نشانی سمجھ کر کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ اس معزز و محترم شہر ربوہ کے نام میں موجود رب رحمان ورحیم کے پاکیزہ نام کی موجودگی ہم احمدی مسلمانوں کے لئے تو یقیناً قابل خیر و برکت اور خوشی و مسرت کا باعث ہے لیکن ربوہ کا پاکیزہ نام عربی زبان تو کیا اپنی ہی مادری زبان یعنی ہندی۔ اردو اور پنجابی سے بھی نابلد ان تمام نام نہاد مسلمان ملاؤں اور سرکاری مسلمان سیاست دانوں کے غلیظ دل ودماغ میں کسی کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔ اس لئے ان تمام نام نہاد مسلمانوں یعنی سرکاری مسلمانوں کی جہالت کو دیکھئے کہ یہ لوگ اپنے ہی پروردگار عالم کے ایسے پیارے اور بابرکت نام '' رب '' کو تبدیل کرنے کے لئے بلکہ اسے بزور بازو زبردستی تبدیل کروانے کے لئے کس طرح مستعد ہوکر متحد ہوچکے ہیں۔ اگر ان لوگوں میں خدا تعالیٰ یعنی رب رحمٰن ورحیم وکریم کے نام کی رتی بھر بھی شرم وحیا باقی ہے یا ان کے دلوں میں اپنے خالق ومالک کے نام کی ذراسی بھی غیرت موجود ہے تو انہیں چاہئے کہ یہ لوگ فوراً مرکزی حکومت پاکستان اور صوبائی حکومت پنجاب کو ایک درخواست دیں کہ ہم سے انجانے میں ایک غلطی سرزد ہوگئی ہے اس کے لئے ہم آپ کے سامنے شرمسار ہیں کہ ہم نے بھول کر ایسا کیا تھا لہذا آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ اب چناب نگر کا نام تبدیل کرکے دوبارہ ربوہ رکھ دیا جائے تاکہ ہم اپنے پروردگار رب کے دربار میں سرخرو ہوسکیں اور اسکے ساتھ ایسے تمام مولویوں اور ملانوں کو قابل تعزیر سزا دی جائے کہ جنہوں نے ہمیں قرآن مجید کے درست مطالب اور معنی نیز تفسیر سمجھانے کی بجھائے ہمیں ورغلا کر ایسا بیہودہ گناہ کرنے پر مجبور کیا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

پس ربوہ کی سربلندی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ ربوہ کا نام ربوہ ہی رہنے دیا جائے کیونکہ جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں ربوہ کے نام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نام تحریر ہے اور اس کی ایک صفت بھی لکھی ہوئی ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے مشیت سے کچھ بعید نہیں کہ ربوہ تو کیا وہ ربوہ سے بھی بہت بڑے بڑے خدا کے نام لیوا اور اس کے رسول ﷺ کے نام لیوا اور اس کے مہدی اور مسیح علیہ السلام کے نام لیوا عظیم الشان اور بے نظیر شہر تمام دنیا بھر میں آباد کر دے اور وہ شہر اور پھر ان کی آبادی اپنا نام اس مقدس مذہبی شہر ربوہ کے نام پر بطور تفاؤل ربوہ رکھنے پر فخر محسوس کریں۔ میرے ان خیالات کی تائید میں مکرم جمال الدین شمس صاحب نے کیا خوب تبصرہ کیا ہے۔ آپ اپنے ایک مضمون میں پاکستانی ملاؤں کے خیالات کو تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ملاؤں کا مطالبہ ہے:-

’’ ربوہ شہر کا نام تبدیل کر کے کاغذات مال کے مطابق چک ڈھگیاں یا کوئی اور نام رکھنا اور قرآن کریم کے مقدس لفظ کا استعمال غیر محل اور ممنوع قرار دیا جائے‘‘۔۔۔قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام اور نہایت مقدس ہے اس میں تو کوئی شک کی بات نہیں ہے مگر یہ بات محل نظر ہے کہ وہ تمام الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ وہی الفاظ قرآن کریم سے باہر بھی مقدس ہوں گے یا نہیں؟ مثلاً ابلیس، شیطان، کافر، منافق، خنزیر (سؤر)، خمر (شراب)، فرعون، ہامان، قارون اور کلب (کتا) وغیرہ۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ کے نام قرآن مجید نے بیان کئے ہیں اور مسلمان ماں باپ اپنے بچوں کے نام ان انبیائے کرام کے نام پر بطور تفاؤل رکھ دیتے ہیں مگر بدقسمتی سے بہت سے ایسے ہیں کہ نیکی اور تقویٰ ان کے پاس سے بھی نہیں گزرتے۔ ایسے لوگوں کے بارہ میں چنیوٹی صاحب خدا جانے کیا حکم صادر فرمائیں گے؟ خود الیاس کا لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی کا نام تھا مگر کیا مولوی الیاس چنیوٹی صاحب کا جھوٹ، دروغ گوئی، تلبیس، فریب دہی اور افتراء پردازی پر مبنی طرز عمل ان کے نام کا غیر محل ہونا ثابت نہیں کرتا؟ کیا انہیں بھی اپنا نام بدل نہیں لینا چاہئے؟ تا کہ اس مقدس اور بزرگ نام کی توہین نہ ہو اور اس کی بجائے کوئی ایسا نام رکھیں جو ان کے کردار سے مطابقت رکھتا ہو۔

مولوی محمد الیاس چنیوٹی صاحب اور ان کے والد (منظور چنیوٹی صاحب۔ ناقل) کو ربوہ نام رکھنے پر اتنا جوش آ گیا ہے مگر انہوں نے کبھی ان سینما گھروں کے خلاف (جن میں خلاف تعلیم اسلام وقرآن مجید، ناچ گانا اور فحش فلمیں دکھائی جاتی ہیں) کوئی احتجاج نہیں کیا، جن کا نام ’’فردوس‘‘ رکھا گیا ہے۔ ’’فردوس‘‘ جنت کے ایک اعلیٰ مقام کے طور پر قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ ربوہ میں تو پانچ وقت کی نماز باجماعت کے علاوہ تہجد اور نوافل ادا ہوتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر صبح وشام کثرت سے درود پڑھا جاتا ہے مگر یہ انہیں برداشت نہیں البتہ ’’فردوس‘‘ سینما گھر کا نام پسند ہے۔ ’’فردوس‘‘ ایکٹرس سے دلی ہمدردی ہے۔ مولوی صاحب جیلوں کا دورہ کر کے دیکھیں تو سہی کہ کتنے ہی خطرناک قسم کے مجرم ہیں جن کے نام انبیاء علیہم السلام کے نام پر ہیں اور قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ چنیوٹی صاحب ان کے نام کیوں تبدیل نہیں کرتے؟ وہ تو ان مولوی صاحب کو برداشت ہیں کیونکہ ان کے سماج کا حصہ جو ہیں۔ اگر ان میں فی الحقیقت کوئی دینی غیرت اور حمیت ہوتی تو پہلے ان مجرموں کے نام بدلوانے کے لئے قوانین بنواتے، پھر سینما گھروں جیسی بیہودہ عمارات کے نام درست کرواتے، تمام شہروں اور بستیوں کے مشرکانہ ناموں کو قرآنی اور اسلامی تعلیم کے مطابق ڈھالنے کے لئے قانون بنواتے اور کوشش کرتے کہ ہر نام معنوی اور صوری طور پر قرآنی تعلیم کے مطابق ہو نہ یہ کہ جو نام قرآن میں مذکور ہیں ان کے درپے ہو جاتے۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۷/جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۰)

یہ سب نام نہاد مسلمان مولوی، خدا اور اس کے رسول آنحضرت محمدؐ مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ کے دشمن تو ایک شہر کا نام ختم کرنے پر تُل گئے ہیں لیکن اب ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ جب انگریزوں نے برطانیہ اور آئرلینڈ سے امریکہ اور آسٹریلیا کی جانب ہجرت کی تھی تو انہوں نے سینکڑوں

ہزاروں قصبات، شہر اور علاقے، اپنے آبائی شہروں اور علاقوں کے ناموں پر آباد کئے تھے جو آج بھی آباد ہیں اور انہیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جس طرح تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے ہم احمدی بھی ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں ایک نیا ربوہ اور ایک نیا قادیان آباد کر کے دکھا دیں گے۔ اس کا آغاز ایک رسالہ کے اجراً سے جون ۱۹۹۹ء سے ہو چکا ہے۔ اس رسالہ کا نام ''ربوہ'' ہے اور یہ رسالہ ایک یورپی ملک سویڈن سے ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے یعنی ربوہ کی برکات بڑھ رہی ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت بڑھتی چلی جائیں گی۔ یعنی:-

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو
کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں (کلام محمود)

ربوہ جیسے خدا کے نام لیوا شہر کے نام کی اس بیہودہ تبدیلی سے یاد آیا کہ دنیا بھر میں ہم احمدیوں کے علاوہ بھی لاکھوں لوگوں کے نام خدا کے فضل سے ''احمدی'' ہیں اور یہ لوگ مذہباً مسلمان فرقہ احمدیہ سے کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود بھی اپنے آپ کو احمدی کہنے اور کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں لہذا آپ دنیا کے کسی بھی ملک کی ٹیلیفون ڈائریکٹری اٹھا کر یہ نام پڑھ سکتے ہیں بلکہ صرف جرمنی کی ٹیلیفون ڈائیریکٹری میں ہی ۲۷۹ر فیملی ناموں کے ساتھ احمدی لکھا ہوا ہے بلکہ کویت میں ایک بندرگاہ اور شہر کا نام بھی احمدی ہے اور تو اور اب سعودی عرب میں بھی ''ربوہ'' کی موجودگی ثابت ہو چکی ہے اور دیکھیں کہ ہمارے ملک کے نام نہاد علما اور سرکاری مسلمان اس بارہ میں کیا کردار ادا کرتے ہیں اور وہ کس طرح سعودی عرب کے ایک شہر کے قرآنی نام اور قرآنی الفاظ کی بے حرمتی کو بچانے کی خاطر اپنے آپ کو منظور چنیوٹی صاحب کی طرح سولی پر چڑھانے کے لئے تیار ہوتے ہیں یا پھر انہی کی طرح دم سادھے بیٹھ کر خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری سمجھتے ہیں کیونکہ شاید انہیں وہاں سے دانہ پانی ملتا ہے؟ بہر حال سعودی عرب میں واقع ربوہ کے بارہ میں چند سطور پیش کرتا ہوں:-

''سعودی عرب میں بھی ''ربوہ'' نام کا ایک گاؤں موجود ہے کہ جسے اب چار صفحات پر مشتمل ایک خوبصورت بروشر میں مشتہر کیا گیا ہے اور سرورق پر " RABWAH VILLAGE, RESIDENTIAL VILLAS " کی سرخی لگائی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر آپ ایک دفعہ ربوہ میں آ گئے تو پھر کبھی بھی اسے چھوڑنے کی خواہش نہ ہوگی اور اس کا محل وقوع یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سپورٹس سٹی اور دہران ایئر پورٹ کے درمیان واقع ہے''۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن۔ ۷ر جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۶)

یعنی یہ نام نہاد مسلمان مولوی صرف خدا تعالیٰ کے ایک پاکیزہ نام اور اس کی ایک پاکیزہ صفت پر رکھے ہوئے نام کے پیچھے پڑ گئے کہ جیسے ذات باری تعالیٰ ان نام نہاد مسلمان مولویوں کی کوئی اپنی ذاتی جائیداد ہے اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ شیطان صفت مولوی اس بات کو بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ تو رب العالمین ہے یعنی تمام ارض و سما کا اور تمام مذاہب کا معبود ہے اس لئے اگر عیسائی۔ ہندو۔ بدھ مت والے بھی کسی جگہ کا نام ربوہ رکھنا چاہیں تو انہیں اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے شہر کا نام رب العالمین کے نام پر ربوہ رکھ سکتے ہیں اور اس بات سے تو ایک سچے مسلمان کو انتہائی خوشی ہونی چاہئیے کہ غیر مذاہب کے لوگ بھی اللہ کا نام لیں اور پھر اللہ کا نام نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی ہندو و بدھ مت کے پیرو کار حتیٰ کہ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق چرند اور پرند بلکہ پہاڑ اور درخت بھی لیتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ربوہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور عربی کسی بھی مذہب کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ یہ زبان یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ پارسی اور لا مذہب بھی بولتے ہیں۔ اس لئے اسلامی عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے پاکستان کے صوبہ پنجاب کی صوبائی حکومت نے دراصل پاکستان کی مرکزی حکومت یعنی حکومت پاکستان کی پشت پناہی میں ربوہ کے شہریوں کی مرضی اور توقع کے خلاف ربوہ کا نام بدل کر ''چناب نگر'' رکھ دیا ہے وہ انتہائی قابل افسوس اور انتہائی قابل مذمت امر ہے۔ اس سلسلہ میں یاد آیا کہ پاکستان کے معروف شاعر جناب رشید قیصرانی صاحب ایک مرتبہ ربوہ تشریف لائے۔ ربوہ کے دورہ کے

بعد واپس جا کر انہوں نے حضرت سید میر محمود احمد ناصر صاحب کو ایک مکتوب تحریر کیا اور اس میں ایک نہایت ہی اعلیٰ نقطہ بیان فرمایا۔آپ بھی اسے ملاحظہ فرمائیں:۔

’’ ---اس دفعہ میں نے ربوہ میں ایک دوعمارات پر ایک اجنبی سا نام لکھا ہوُا دیکھا ۔جس کا مجھے علم تو تھا لیکن تحریری شکل میں پہلی بار اسے دیکھا۔ مجھے عجیب سا لگا۔ پھر یکدم میرے ذہن میں آیا کہ یہ ’’چناب‘‘ نہیں بلکہ ’’ چن آب‘‘ ہے۔جس طرح ’’پنج آب‘‘ سے ’’پنجاب‘‘ بن گیا اسی طرح ’’چن آب‘‘ سے چناب بن گیا۔ربوہ تو صرف اونچی جگہ یا ٹیلے کو کہتے ہیں لیکن میرے مولی کریم نے دوسروں کی زبانی جو اس شہر وفا کی بلندی کو کم کرنا چاہتے تھے۔اسے اور اونچا کر دیا یعنی ’’چاند کی آب وتاب والا شہر‘‘۔’’چن‘‘ پنجابی زبان میں چودھویں کے چاند کو بھی کہتے ہیں اور محبوب کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور ’’آب‘‘ پانی کے معنوں میں بھی آتا ہے اور ’’آب وتاب‘‘ کے معنوں میں بھی یعنی ’’چودھویں کے چاند کی آب وتاب والا شہر‘‘۔یا محبوب کی تابندگی والا شہر اور چودھویں کے چاند سے چودھویں صدی کا چاند (یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ناقل) بھی تو ہو سکتا ہے۔جس طرح سورج اپنی تیز روشنی کی وجہ سے جہاں جلال کا مظہر ہے وہیں چاند جمالیات کا اور میں سوچتا رہا کہ میرے مولی کی حکمتیں بھی کیا عجیب ہیں کہ ’’وہ لوگ‘‘ کیا تدبیر کرتے ہیں اور نتیجہ کیا نکلتا ہے۔یہی سوچتے ہوئے ایک شعر زبان پر آ گیا:۔

مرکز ہے بہرحال وہی چاند کرن کا
ربوہ ہو کہ ’’ چن آب نگر‘‘ ہو میرے چن کا (رشید قیصرانی)

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ معظّمہ سے اور روضہ رسول اللہ آنحضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اور مسجد نبوی ؐ کی وجہ سے مدینہ منورہ سے اور قبلہ اول یعنی بیت المقدس کی وجہ سے یروشلم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور اسے یروشلم کی بجائے القدس کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح ان تمام مقدس شہروں کے ساتھ ساتھ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں کے لئے ان کے اپنے ہی ملک میں کوئی نہ کوئی ایسا مقدس مذہبی شہر قصبہ گاؤں یا مقام بھی ضرور موجود ہے کہ جس کا نام وہ نہایت عزت و احترام سے لیتے ہیں اور اس جگہ کا ذکر بڑی عقیدت و احترام سے کرتے ہیں۔مثلاً شیعہ مسلمان حضرات عراق میں کوفہ کے قریب کربلا کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مزار کی بدولت اور برصغیر کے سنی مسلمان ہندوستان میں اجمیر کو حضرت حسن معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی بدولت یہاں تک کہ سندھ کے شہر سیہون کو حضرت شیخ عثمان مروندی عرف حضرت لال شہباز قلندرؒ صوفی (تاریخ پیدائش ۱۱۷۷ء مروند۔افغانستان۔تاریخ وفات ۱۲۷۴ء سیہون۔سندھ پاکستان) کی درگاہ کی بدولت نہایت عقیدت اور محبت کے ساتھ سیہون شریف کہہ کر پکارا جاتا ہے۔یعنی مثالیں تو بہت سی ہیں لیکن میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ اس تحریر سے میں کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتا بلکہ صرف صورت حال کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ امر واقع یہی ہے کہ ہر مسلمان فرقہ کا کوئی نہ کوئی شہر مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور یروشلم کے بعد ان کے لئے عقیدت کا جائے مقام ہے کہ جس کا نام وہ انتہائی ادب واحترام نیز محبت کے ساتھ لیتے ہیں اور اس مقام کی زیارت کے لئے جاتے ہیں پھر ہم احمدیوں پر ہی اپنے مقدس مقامات کا نام عزت واحترام کے ساتھ لینے پر یہ ناجائز پابندی کیوں لگائی گئی ہے؟اس سوال کا جواب تمام نام نہاد مسلمان اور خصوصاً سرکاری مسلمان تاقیامت نہیں دے سکتے۔

پس اس لئے اوپر درج تمام مسلمانوں کی طرح ہم احمدی مسلمان بھی مکہ، مدینہ اور یروشلم کے بعد قادیان کو نزول رسول ومسیح موعود ومہدیٔ معہود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ مسلمہ کی جائے پیدائش اور آخری آرام گاہ کے طور پر نہایت عزت واحترام کا مقام سمجھتے

ہیں کہ جہاں ہمارے خلیفہ اول حضرت مولانا حکیم نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی مدفون ہیں نیز اسی طرح قادیان کے بعد ہم احمدی مسلمان ربوہ کو بھی نہایت ہی عزت والا مقام جانتے ہیں کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ شہر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لئے آباد کیا گیا تھا اور اس قسم کی کوئی ایک بھی مثال آپ کو دنیا بھر کی کسی تاریخ میں نہیں ملے گی کہ مکہ کے علاوہ کسی اور شہر کو بھی صرف خدائے واحد کی عبادت بجالانے کے لئے آباد کیا گیا ہو اور پھر ربوہ تو ایک ایسا قابل احترام شہر ہے کہ جہاں حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مبارکہ ام المؤمنین سیدہ حضرت نصرت جہان بیگم صاحبہ المعروف حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مدفون ہیں- جہاں ہمارے دو خلفائے احمدیت حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد میں سے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ اور حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ بھی مدفون ہیں- ان کے علاوہ جہاں ہمارے بہت سے اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ہم میں سے بھی بہت سے احمدی احباب کے آباؤ اجداد کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سابق صدر اور عالمی عدالت انصاف کے سابق صدر نیز پاکستان کے سب سے پہلے وزیر خارجہ حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ جیسے نامور محبّ اسلام کہ جنہوں نے لیبیا اور مراکش جیسے مسلمان ممالک کی آزادی کو آسان بنایا اور سب سے پہلے مسلم نوبل پرائز انعام یافتہ پروفیسر ڈاکٹر مکرم عبدالسلام صاحب جیسے ذیشان محبّ اقوام عالم نیز ۱۹۶۵ء کی جنگ میں چھمب جوڑیاں کے فاتح اور محافظ لاہور جنرل مکرم اختر حسین ملک صاحب جیسے نامور محبّ وطن احباب بھی مدفون ہیں- اس لئے غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان معزز پاکستانی احمدی بزرگوں کی ارواح اور ان کے مقابر کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک نہ کیا جائے کہ جنہوں نے صرف اور صرف اس بابرکت شہر کی خاک مقدس میں دفن ہونے کے لئے درخواست کی تھی- وصیت تحریر فرمائی تھی یا فرمان جاری کیا تھا- عقل و دانش و حکمت عملی کس چیز کا نام ہے؟ یہ پاکستان کے چند گنے چنے مذہبی جنونی حیوان نہیں جانتے-

بہر حال جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان شادو آباد شہروں کو اب صفحہ ہستی سے کسی طور پر مٹایا نہیں جاسکتا خواہ بزور بازو ان شہروں کے نام ہی کیوں نہ تبدیل کر دئے جائیں اور یہ تو پاکستانیوں کی رِیت ہی ہے کہ وہ اچھے بھلے شہروں کے معروف ناموں کو کسی نہ کسی امیر شخص سے کچھ نہ کچھ رقم یا ہدیہ وصول کر کے یا صرف اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے تبدیل کر لیا کرتے ہیں- مثلاً لاہور کے قذافی سٹیڈیم کا نام- لائیلپور کا نام سعودی بادشاہ کے نام پر فیصل آباد رکھ لیا کہ جیسے پاکستان میں نعوذ باللہ کوئی قابل قبول نام موجود ہی نہ تھا حالانکہ اس کا نام جناح پور یا لیاقت آباد بھی رکھا جاسکتا تھا- پھر منٹگمری کا نام ساہیوال رکھ لیا- منٹگمری اور لائیلپور جیسے شہروں کو کسی اچھے بھلے شریف آدمی نے وہاں کے مقامی عوام کی سہولت کے لئے آباد کیا تھا تا کہ وہ اپنی اجناس اور دوسری اشیا کی خرید و فروخت کے لئے دور دراز کے شہروں کے دھکے نہ کھائیں اور اب آپ دیکھ لیں کہ ان شہروں نے ان کے آباد کرنے والوں کے اندازہ کے عین مطابق قرار واقعی ترقی کی ہے- اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر اپنے اردگرد بسنے والے لاکھوں باشندوں کی ضروریات کے لئے کتنی اہمیت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔ میں نے یہاں لائیلپور (اب فیصل آباد) کی مثال اس لئے دی ہے کہ یہ لوگ لائیلپور جیسے شہر سے برطانیہ کے قومی جھنڈے یعنی یونین جیک UNION JACK کو بنیاد بنا کر آباد کئے جانے والے شہر کا نقشہ تبدیل نہیں کر سکتے لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ اس شہر کا حلیہ بگاڑ دیں کہ جس سے یونین جیک پہچانا نہ جائے لیکن ہمارے معاملہ میں ان نام نہاد مسلمانوں کو اس سے بھی زیادہ مشکل یہ آپڑی ہے کہ یہ لوگ ہمارے سینوں میں دھڑکنے والے قلوب سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّد" رَّسُوْلُ اللّٰهِ جیسے بابرکت کلمات کو کبھی بھی نہیں نکال سکیں گے۔ اس لئے یہ انتہائی ناشکری کی بات ہے کہ قوم کے ایسے ہمدرد لوگوں کے آباد کئے ہوئے شہروں کے نام صرف معاشرتی یا مذہبی مخاصمت کی

بنا پر تبدیل کر دئے جائیں- دنیا بھر کے قوانین اس کی ممانعت کرتے ہیں لیکن ان نام نہاد پاکستانی مسلمانوں کو تو اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کا بھی علم نہیں اس لئے وہ کیسے اپنی مرضی کے خلاف بنے بنائے قوانین پر عمل کریں؟ اور پھر کسی اندھے کے سامنے آپ جو چاہے مرضی کتاب لا کر رکھ دیں خواہ وہ قانون کی ہو یا جغرافیہ کی یا تاریخ کی بلکہ اگر قرآن مجید بھی ان کے سامنے کر دیا جائے تو کیا وہ اس کو پڑھ سکے گا؟؟؟ نہیں! قطعاً نہیں! اب اگر پاکستان کی طرح بھارت بھی اپنے شاد و آباد شہروں مثلاً احمدؐ آباد اور الہ آباد نیز حیدر آباد وغیرہ کے نام تبدیل کر دے تو اس سے نہ صرف ہندوستان میں آباد کروڑوں مسلمان باشندوں کو افسوس ہوگا بلکہ دنیا بھر کے بقیہ تمام کروڑوں مسلمانوں کو بھی یقیناً اس بات سے انتہائی دکھ پہنچے گا- اس لئے پاکستان کے پست ذہنیت علمائے کرام اور حکومت نے سوچے سمجھے بنا جس بدتہذیبی کی داغ بیل ڈال دی ہے وہ قابل صد نفرت ہے-

الغرض یہ وہ چند ایک بدنیت نام نہاد مسلمان ملاں ہیں جو کہ اپنی انہی اشتعال انگیز حرکات کی بنا پر مذہب اسلام کی رواداری کو دنیا بھر میں بدنام کرنے کا موجب بن رہے ہیں- ان دشمن اسلام نام نہاد خود ساختہ مسلمان ملاؤں نے اسلام کے نام پر شرعی داڑھی تو ضرور رکھی ہوئی ہے لیکن اس داڑھی کی آڑ میں جو کچھ یہ نام نہاد مسلمان ملاں- طالبان بن کر یا ان کے سرپرست بن کر سرانجام دے رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور اسی لئے پاکیزہ قرآنی علوم کی معرفت ان کے پاس اب موجود نہیں رہی کیونکہ جیسے یہود کو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؓ کو مصلوب کروا دئے جانے کی پاداش میں ہمیشہ ہمیش کے لئے نبوت جیسے مائدہ سے محروم کر دیا گیا تھا بالکل اسی طرح آج کے مسلمانوں کو دور حاضر کے مسیح محمدیؐ علیہ السلام یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کی ناحق مخالفت کی بناء پر قرآنی علوم سے بے بہرہ یعنی روحانی طور پر اندھا بنا دیا گیا ہے- قرآن مجید کے نت نئے تراجم اور تفسیر و تشریح کے لئے اب تمام دنیا کو سوائے احمدی علمائے کرام کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا بلکہ احمدیوں میں تو شروع سے ہی ایسے نامور انسان بھی پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں جو کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں سے ہی ہر دور کے حالات و واقعات کے عین مطابق نت نئے حوالے دریافت کرتے رہتے ہیں یعنی اپنے سچے ایمان کی بدولت ہم عام فہم اور معمولی احمدیوں کو تو مولوی بننے کی یا کہلانے کی بھی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ہمارا ہر احمدی بچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہی مولوی ہوتا ہے- یہی وجہ ہے کہ دوسرے تمام مسلمان فرقوں کے پڑھے لکھے مولوی بھی ہمارے عام فہم والے آدمی سے براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرنے لگ گئے ہیں اور جب ہمارے ساتھ مقابلہ بازی میں ان کی کوئی پیش نہیں جاتی تو پھر سوائے گندی اور غلیظ گالیاں بکنے کے یا کفر کا فتویٰ لگانے کے انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور ان نام نہاد ملاؤں کے ساتھ ساتھ ایک عام مسلمان شخص تو علم اسلامی میں ہمارا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا- یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت بیکراں کی بارش ہے جو کہ اس کے فضل و کرم سے دن رات ہم احمدیوں پر ہوتی ہے اور اسی لئے تو ہم احمدی مسلمان دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں- فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

افسوس! صد افسوس! کہ ان دشمن اسلام مولویوں کے علم و عرفان سے خالی لیکن خرافات سے بھرپور بیانات سن سن کر اب عام مسلمان بھی اس قدر گمراہ ہو چکے ہیں کہ انہیں قرآنی علوم سے از خود استفادہ حاصل کرنے کا گُر بھی بھول چکا ہے اور قرآنی علوم سے بہریاب ہونے کے لئے انہیں اب کسی نہ کسی مولوی یا کسی مدرس یا کسی قطب یا کسی خواجہ وغیرہ کی راہنمائی حاصل کرنا پڑتی ہے اور اسی کا نام لعنت اللہ ہے کہ انسان خود سوچ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اِس آیت کا کیا مطلب ہے یا اُس آیت کے کیا معنی ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام گمراہ شدہ مسلمانوں کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمارے دینی علم کو مزید بڑھائے اور تا قیامت بڑھاتا چلا جائے -آمین- میرا مضمون کچھ لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے لیکن اسے بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لہذا اسی تسلسل میں نئی پاکستانی نسل کی چند نمایاں خصوصیات درج کی جاتی ہیں:-

''روزنامہ دن لاہور نے یکم اور تین مارچ ۲۰۰۱ء کے پرچوں میں یہ انکشاف کر کے زلزلہ بپا کر ڈالا ہے کہ اگلی نسل جس نے مستقبل قریب میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔اس درجہ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوب رہی ہے کہ ریٹرننگ آفیسرز بلدیاتی انتخابات کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے دوران ناظم، نائب ناظم اور عام سیٹوں پر کھڑے ہونے والے نوجوانوں کے جوابات سن کر سر پیٹ کر رہ گئے کیونکہ: ایک امیدوار نے نماز جنازہ کی چار رکعتیں بتائیں، ایک عظیم سرکاری مسلمان کے عظیم سپوت سید فواد رضا نے جو ناظم کے عہدہ کے لئے میدان میں تشریف لا رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کی مقدس والدہ ماجدہ کا نام اور پہلی وحی کے زمانہ نزول سے متعلق سراسر لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جناب سعید احمد صاحب ولد ظہور احمد صاحب یونس کونسل اونچہ کلاں نے آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا اسم مبارک بتانے سے ہی معذوری ظاہر کر دی۔ ایک امیدوار نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ کا گنبد خضریٰ مکہ معظّمہ میں ہے''۔(الفضل انٹرنیشنل لندن صفحہ ۱۶ مؤرخہ ۷/-۱۳/ جون ۲۰۰۲ء)

جی ہاں یہ تو حال ہے آج کے سرکاری مسلمانوں کا۔ بہرحال یہاں بات ہو رہی تھی ان شریف آدمیوں کی کہ جنہوں نے یہ شہر آباد کئے تھے۔ اب بعض لوگ ان کو کہ جنہوں نے اپنی خداداد عقل سے کام لیتے ہوئے یہ شہر آباد کئے تھے حاکم اور لٹیرا بیان کرنا شروع کر دیں گے حالانکہ اگر واقعی ایسا تھا تو ان کے آباؤاجداد نے اُس وقت کیوں کوئی احتجاج نہ کیا؟ بلکہ تسلیم برضا ہو کر نہ صرف وہاں آباد ہو گئے بلکہ اپنا کاروبار بھی شروع کر دیا۔ اگر وہ لوگ اتنے ہی ظالم تھے تو پھر ان کے آباؤاجداد کو وہاں جا کر آباد ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اب شائید کوئی یہ کہے کہ جی! اُس وقت تو ہم محکوم تھے۔ اب بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ اُس وقت تو آپ اپنے بیان کے مطابق محکوم تھے لیکن نقل مکانی کرنے کے لئے تو کسی نے ان کے آباؤاجداد کو مجبور نہیں کیا تھا۔ اسی طرح کیا ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کر لینے کے بعد بھی آپ لوگ ان شہروں کے ناموں کی تبدیلی تک محکوم تھے؟ بہرحال اب میں واپس اپنے مضمون کی جانب آتا ہوں کہ قادیان اور ربوہ کا نہ صرف ملک فلسطین میں واقع شہر یروشلم کے قبلہ اول بلکہ ملک شام میں واقع شہر دمشق سے بھی ایک خاص جغرافیائی تعلق ہے۔ اس تعلق کا ذکر ابھی بعد میں ہو گا لیکن پہلے میں یہاں آپ کی سہولت کے لئے ان تمام شہروں کا طول بلد اور عرض بلد تحریر کرتا ہوں تا کہ آپ خود اس جغرافیائی یا قدرتی مماثلت کو دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیں کہ تقدیر الٰہی کن کے ساتھ ہے:۔

ملک COUNTRY	شہر CITY	عرض بلد LATITUDE	طول بلد LONGITUDE	شہر CITY	ملک COUNTRY
SAUDI ARABIA	MECCA MEDINA	21,25 N 24,27 N	39,48 E 39,37 E	مکہ معظّمہ مدینہ منورہ	سعودی عرب
PAKISTAN	RABWAH	31,45 N	72,55 E	ربوہ	پاکستان
PALASTINE	JERUSALEM	31,46 N	35,14 E	یروشلم (قبلہ اول)	فلسطین
INDIA	QADIAN	31,49 N	75,22 E	قادیان	ہندوستان
SYRIA	DAMASCUS	33,31 N	36,17 E	دمشق	شام
KASHMIR	SRINAGAR	34,04 N	74,49 E	سرینگر	کشمیر

زمین کے طول وعرض کی پیائش کے لئے طول بلد اورعرض بلد کو استعمال کیا جاتا ہے-آپ کی سہولت کے لئے یہاں عرض کرتا چلوں کہ طول بلد اور عرض بلد کی پیائش کیسے کی جاتی ہے؟ طول بلد اورعرض بلد کو خط استوا کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں تقسیم کرنے کے بعد ان کی پیائش کی جاتی ہے اور خط استوا کے دونوں جانب واقع علاقوں کو LATITUDE یعنی عرض بلد شمالی اور عرض بلد جنوبی کہا جاتا ہے-عرض بلد شمالی وجنوبی کی پیائش کی تفصیل یوں ہے:-

LATITUDE	Distance of a place from the equator, meaasured in degrees on map. Northern Hemisphere or North of equator = N (+), Southern Hemisphere or South of equator = S (-).

خط استوا کے شمال میں واقع مقامات کو N = این = نارتھ یعنی عرض بلد شمالی زاویہ اور خط استوا کے جنوب میں واقع مقامات کو S = ایس = ساؤتھ یعنی عرض بلد جنوبی زاویہ کے ساتھ ماپا جاتا ہے-عرض بلد شمالی کے زاویے جمع میں اورعرض بلد جنوبی کے زاویے منفی میں لکھے جاتے ہیں یعنی خط استوا کے شمال میں واقع مقامات کے زاویوں کو جمع کے ساتھ اور خط استوا سے جنوب کی جانب واقع مقامات کو منفی زاویوں کے ساتھ زیر تحریر لایا جاتا ہے-طول بلد شرقی اور طول بلد غربی کی پیائش کی تفصیل یوں ہے:-

LONGITUDE	Distance of place from the Greenwich meridian, measured in degrees on map. Eastern Hemisphere or East of Greenwich = E (+), Western Hemisphere or West of Greenwich = W (-)

برطانیہ کے دارالحکومت لندن میں واقع علاقہ گرین وچ سے مشرق کی جانب واقع مقامات کو E = ای = ایسٹ یعنی مشرقی زاویہ سے اور لندن کے علاقہ گرین وچ سے مغرب کی جانب واقع مقامات کو W = ڈبلیو = ویسٹ یعنی مغربی زاویہ کے ساتھ ماپا جاتا ہے-انہی مشرقی اور مغربی زاویوں کو طول بلد یعنی طول بلد شرقی یا طول بلد غربی بھی کہا جاتا ہے اور بعض جغرافیہ دان ایسٹ ویسٹ کی بجائے جمع اور منفی کی علامات کو بھی اپنے حساب کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں یعنی گرین وچ سے مشرق کی جانب (+) جمع اور گرین وچ سے مغرب کی جانب (-) کو منفی کے زاویہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے-

یہ دونوں زاویے یعنی طول بلد اور عرض بلد جب دنیا کے کسی ایک مقام پر زاویہ قائمہ کی صورت میں اکٹھے ہو جائیں یا ایک دوسرے کو کاٹیں تو تب دونوں جانب کے زاویوں کے اتصال پر اس جگہ یا مقام کا نام تجویز کر کے تحریر کیا جاتا ہے اور ان زاویوں کی پیائش کے مطابق ڈگریوں میں اس مقام کو لکھ دیا جاتا ہے مثلاً قادیان کا عرض بلد ۳۱،۴۹ ڈگری اور طول بلد ۷۵،۲۲ ڈگری ہے- قادیان چونکہ برطانیہ کے شہر لندن سے جنوب مشرق کی جانب لیکن خط استوا کے شمال میں واقع ہے اس لئے اس کے دونوں زاویے جمع کے ہندسے ہیں لیکن اگر ہم لندن کے جنوب مشرق میں آباد آسٹریلیا کے شہر میلبورن MELBOURNE کا محل وقوع معلوم کرنا چاہیں تو اس کا محل وقوع خط استوا کے جنوب میں واقع ہونے کی وجہ سے قدرے مختلف ہے یعنی:

144,57E (East) 37,48S (South)

اس کے علاوہ ان زاویوں کو ایسے بھی لکھا جا سکتا ہے: Lat -37,48 اور Lon 144,57 یعنی جمع سے پہلے جمع لگانے کی ضرورت نہیں لیکن منفی سے پہلے منفی کا نشان لگانا بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح برازیل کا شہر ریوڈی جنیرو RIO DE JANEIRO چونکہ لندن کے جنوب مغرب میں آباد ہے اور خط استوا کے بھی جنوب میں واقع ہے اس لئے اس کا محل وقوع یہ ہے:

43,11W (West) 22,54S (South)

اور اس کے محل وقوع کو ہم ایسے بھی لکھ سکتے ہیں Lat -22,54 اور Lon -43,11 امید ہے کہ اب آپ کو دنیا کے کسی بھی ملک میں آباد کسی بھی شہر کا محل وقوع اور حدود اربعہ دریافت کرنے میں سہولت میسر آ جائے گی۔ پس اسی طرح ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے عملہ کو وہ مقام تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ جہاں انہوں نے جانا ہوتا ہے۔ اسی نظام کو نقشہ جات اور زمین کی پیمائش کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے لہذا اب آپ خود ہی دنیا کے کسی ایسے نقشے کو دیکھ کر جو کہ قطب شمالی یا قطب جنوبی کے اردگرد ایک گول دائرہ کی صورت میں کھینچا گیا ہو یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کے شہر یا قصبہ یا گاؤں کا حدود اربعہ کیا ہے اور یہ دنیا کے نقشہ پر کون سے طول بلد اور عرض بلد پر واقع ہے۔ اب تو GPS نظام بھی موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی مقام کا حدود اربعہ معلوم کرنا اور بھی زیادہ سہل ہو گیا ہے۔

بہرحال اگر ہم دنیا کے نقشہ پر خط استوا سے شمال کی جانب ۳۱ ڈگری پر ایک لکیر لگائیں تو خاکسار کے بنائے ہوئے نقشہ میں موجود تمام عزت وحرمت والے یہ شہر اس مرکزی لکیر کے اوپر یا نیچے یعنی بالکل قریب قریب ہی واقع شادو آباد نظر آئیں گے بلکہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ یروشلم ،قادیان اور ربوہ تو بالکل اسی ۳۱ ڈگری والی لکیر کے عین اوپر ہی آباد ہیں۔ یعنی ربوہ ۳۱ء۴۵ عرض بلد شمالی پر۔ یروشلم ۳۱ء۴۶ عرض بلد شمالی پر اور قادیان ۳۱ء۴۹ عرض بلد شمالی پر واقع ہیں۔ یعنی ربوہ اور قادیان کی دو پاکیزہ بانہوں نے قبلہ اول بیت المقدس یروشلم کو اپنے سینہ سے لگا کر اسے اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ اب یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ ایک قدرتی جغرافیائی تعلق خود بخود بہ تقدیر الٰہی اس دنیا کے نقشہ پر ابھر کر قائم ہو گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا بھر کے عوام کو نہ صرف اپنی روحانی بلکہ ظاہری تجلیات کی ضیا پاشی کے نور سے بھی منور کر دے۔ اس لئے اسی جغرافیائی تعلق کو ہم قدرتی مماثلت کا نام بھی دے سکتے ہیں جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان روحانی اندھوں کے لئے قائم کی ہے جو کہ کسی نہ کسی بہانہ قادیان اور ربوہ کی عزت وحرمت پر کیچڑ اچھالتے چلے آ رہے ہیں اور ابھی مزید اچھال رہے ہیں تاکہ انہیں نصیحت حاصل ہو کہ چلو اور کچھ نہیں تو کم از کم خدا تعالیٰ کی اسی فعلی شہادت کو دیکھ کر ہی جو کہ اس نے اس جغرافیائی تعلق یا مماثلت یا مشابہت کی بدولت دنیا کے نقشہ پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دی ہے اب قادیان اور ربوہ جیسے مقدس شہروں کے خلاف بدزبانی کو لگام دیتے ہوئے بند کر دو کیونکہ یہ تمام شہر ایک ہی عرض بلد شمالی کی لکیر پر شادو آباد کئے گئے ہیں لیکن اس واضع خدائی فعلی اشارہ کو دیکھ کر بھی بہتوں کی آنکھیں بند ہیں۔ اسی لئے تو انہیں ہماری لاکھوں کتب میں درج یہ تمام باتیں دکھائی نہیں دیتیں۔ پس جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے تمام معاندین کو یہ بات یاد رہے کہ

”جسے اللہ جوڑے اسے کون توڑے؟“

کے مصداق کس کی جرأت ہے کہ وہ اب ان شادو آباد شہروں کے حدود اربعہ کو تبدیل کر سکے؟ اس لئے خدا کرے کہ یہ نام نہاد مسلمان اپنی زندگی میں ہی اس لطیف فعلی شہادت کا بذات خود مشاہدہ کر کے صراط مستقیم پر قدم مارنے کی توفیق حاصل کرنے والے بن جائیں۔ آمین۔ اب اگر ہم اس تمام سیاق وسباق کی روشنی میں ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آئے گی کہ خواہ وہ ہمیں نعوذ باللہ غیر مسلم قرار دے لیں یا پھر صدر انجمن احمدیہ کی ذاتی زمین پر آباد کئے ہوئے شہروں کے نام بھی غیر قانونی طریق پر کیوں نہ تبدیل کر لیں یہ لوگ اپنے کسی بھی اوچھے حربہ سے ہم احمدی مسلمانوں کو راہ راست پر قدم مارنے سے کبھی نہیں روک سکتے اور ہمارے دلوں سے کلمہ طیبہ کو نہیں نکال سکتے۔ کلمہ طیبہ کے نام سے یاد آیا کہ برصغیر کے

نام نہاد مسلمان علماء ہمیں یہ الزام دیتے چلے آئے ہیں کہ ہمارا کلمہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

نہیں بلکہ کوئی اور ہے لیکن انہیں یہ بات بھول گئی کہ جب ہم احمدیوں نے برطانیہ کے شہر لندن میں مسجد فضل بنائی تھی تو اس وقت ہم احمدیوں کے لئے ایک نہایت ہی سنہری موقعہ تھا کہ اگر ہمارا کلمہ کوئی اور ہوتا تو ہم اس مسجد کے ماتھے پر اسے تحریر کر سکتے تھے لیکن ہمارا کلمہ طیبہ تو وہی کلمہ ہے جو کہ سیدنا محمد مصطفٰی احمد مجتبٰے ﷺ نے ہم مسلمانوں کو سکھایا تھا یعنی

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس لئے یہ کلمہ نہ صرف مسجد فضل لندن کے ماتھے پر آویزاں سالہا سال سے چمک دمک رہا ہے بلکہ دنیا بھر کی تمام احمدی مساجد کے اندر اور باہر تحریر ہے اور تمام عالم اسے دیکھ رہا ہے اور جس نے نہیں دیکھا وہ خود ہماری تمام مساجد میں تشریف لا کر دیکھ سکتا ہے اور مسجد فضل تو خدا تعالیٰ کے فضل سے آج سے تقریباً اکیاسی (۸۱) برس قبل یعنی ۱۹۲۶ء میں تعمیر کی گئی تھی یعنی یہ تمام کھلے کھلے حقائق ہمیشہ سے ہی ان نام نہاد مسلمان علماء کے قول وفعل کی مٹی پلید کرتے چلے آرہے ہیں لیکن ان لوگوں کو پھر بھی خدا کا خوف محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے اب تو مسلمان ممالک کے عوام کو خود ہی ایسے علماء کے چنگل سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور اگر وہ اور کہیں نہیں جاسکتے تو کم از کم ہمارا ٹیلیویژن MTA دیکھ کر ہی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے علماء اپنی پیدائش کے وقت سے ہی ان سے جھوٹ بولتے چلے آئے ہیں اور ابھی مزید جھوٹ بول رہے ہیں۔ بہرحال ربوہ کو چناب نگر کے نام میں تبدیل کئے جانے سے نہ جانے کتنے نام نہاد مسلمان ملاؤں اور خصوصاً سرکاری مسلمانوں کے دل کو قرار نصیب ہوا ہوگا؟ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن وہ سب یہ بات بھول گئے کہ محض نام بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو ہونا ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور منشا اور تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے اور ؎

''راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہو''۔ (درثمین)

کے تحت ہم تو بالکل راضی ہیں لیکن جیسا کہ میں ابھی اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک عجیب اور نرالی شان یہ ہے کہ اس حئ وقیوم نے محض اپنے خاص فضل وکرم سے قبلہ اول بیت المقدس یروشلم اور قادیان نیز ربوہ کو اپنی ایک خاص تقدیر اور حکمت کے تحت اس دنیائے فانی کے نقشہ پر ایک قیمتی موتیوں کے ہار یا تسبیح کرنے والی ایک خوبصورت پاکیزہ لڑی کی مانند تقریباً ایک ہی خط عرض بلد پر رکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پرو دیا ہے کہ اب دنیا بھر کے تمام معاندین ہمارے شہروں کو جو چاہے مرضی نام دے لیں لیکن ان شہروں کے اس جغرافیائی تعلق کو تا قیامت تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ ان شہروں کی اس جغرافیائی مماثلت کا آج سے پہلے اغلباً کسی شخص کو بھی علم نہ تھا اور اگر تھا تو اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ پس! ثابت ہوا کہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی مجھ خاکسار عاجز اور عاصی کے شامل حال ہے۔ اس لئے میری دعا ہے کہ یہ تمام شہر ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ روحانی طور پر اسی طرح منسلک رہتے ہوئے تا ابد شاد وآباد رہیں۔ آمین

مجھے یہ یقین ہے کہ اب اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہر کوئی اپنے اپنے گاؤں، قصبہ، شہر یا کسی بزرگ یا کسی مجدد کے مزار کے جغرافیائی تعلق کو کسی نہ کسی شہر یا کسی نہ کسی مذہبی مقام کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ کرتا رہے لیکن ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ کیونکہ ہم نے تو ایک غور طلب نقطہ نکالا ہے اور دلائل سے اسے ثابت کر دیا ہے اور اب اگر کوئی اس کتاب کی اشاعت کے بعد انہی دلائل کو اپنے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے تو کرتا رہے بلکہ مجھے تو بہت خوشی ہوگی کہ اس طرح کسی عام مسلمان کا شوق تجسس بڑھانے میں مدد ملی اور یہی تو اس کتاب کے چھاپنے کا مقصد بھی ہے کہ آپ جیسے معزز اور ذہین وفطین قارئین اس کتاب میں درج شدہ نظریات کو عدل کے میزان پر رکھ کر تولیں اور پھر کوئی حتمی فیصلہ فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ

آپ کو اس کی توفیق بخشے- آمین- اسی سلسلہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

''اگر چہ فیصلہ دعاؤں سے ہی ہونے والا ہے، مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ دلائل کو چھوڑ دیا جاوے- نہیں دلائل کا سلسلہ بھی برابر رکھنا چاہئے اور قلم کو روکنا نہیں چاہئے- نبیوں کو خدا تعالیٰ نے اسی لئے اُولِی الایدِی وَ الابصَارِ کہا ہے کیونکہ وہ ہاتھوں سے کام لیتے ہیں- پس! چاہئے کہ تمہارے ہاتھ اور قلم نہ رکیں- اس سے ثواب ہوتا ہے- جہاں تک بیان اور لسان سے کام لے سکو، کام لئے جاؤ اور جو جو باتیں تائیدِ دین کے لئے سمجھ میں آتی جاویں انہیں پیش کئے جاؤ- وہ کسی نہ کسی کو فائدہ پہنچائیں گی---اصل بات یہ ہے کہ جب تبتّل تام اور انقطاع کلی سے دعا کرے تو ایسے ایسے خارق عادت اور سماوی امور کھلتے ہیں اور سوجھتے ہیں کہ وہ دنیا پر حجت ہو جاتے ہیں- اس لئے اس دعا کے وقت جو کچھ خدا تعالیٰ ان کے استیصال کے وقت دل میں ڈالے وہ سب کچھ پیش کیا جاوے''- (ملفوظات ایڈیشن ۲۰۰۳ء جلد سوم صفحہ ۵۶۲)

ربوہ کی اسی جغرافیائی مماثلت کی تلاش کے دوران مجھے ایک اور واضح ثبوت بھی ملا ہے کہ جس پر آج تک اغلباً کسی نے بھی غور نہیں کیا- لیجئے وہ بھی حاضر خدمت کرتا ہوں- جیسا کہ قرآن وحدیث نیز بزرگان دین یعنی مجددین ومشائع اسلام رحمتہ اللہ تعالیٰ کے اقوال سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنے والا مسیح اور مہدی علیہ السلام حضرت احمد علیہ السلام ہوگا- اسی سے ایک نکتہ میں نے یہ بھی نکالا ہے کہ نہ صرف اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آغاز بلکہ اس کے پھیلاؤ کے لئے بھی یقیناً آنخضرت ﷺ کے پہلے اسم مبارک محمد کے ساتھ ساتھ آنخضرت ﷺ کے دوسرے اسم مبارک احمد پر بھی ضرور غور کرنا چاہیئے- یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہی اس بات کی قطعی دلالت ہے کہ آپؑ یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام اپنے آقا یعنی آنخضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ کے غلام ہیں اور مختصراً یہ کہ قادیان یعنی کادی یا قاضی کا لفظ بھی ہمیں یہاں وہاں نظر آتا ہے بلکہ میں نے جب ہندوستان کے پرانے انگریزی نقشے اٹھا کر دیکھا تو ان میں قادیان کو کادیان QADIAN as KADIAN کے طور پر بھی لکھا ہوٗا دیکھا کہ جس سے میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا کیونکہ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کادیان کو قادیان کے طور پر محض عربی یا فارسی دان طبقہ ہی محض زبان کے فرق کی وجہ سے قادیان کہتا ہے ورنہ پرانا نام کادیان یا کادی یا کادیں ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب ہم آنخضرت ﷺ کے نام نامی احمدؐ پر بھی مزید غور کرتے ہیں تو قادیان کے ساتھ ساتھ ایک اور نام یعنی ''ربوہ'' تبلیغ اسلام کے لئے ہمارے سامنے آجاتا ہے اور جب ہم ربوہ کے اردگرد نگاہ ڈالتے ہیں تو ربوہ کے اردگرد پھیلے ہوئے چھوٹے بڑے تمام دیہات میں آباد ایک نام ہمارے دل میں فوراً اُتر جاتا ہے اور وہ ہے موضع '' احمد نگر '' کا نام- احمد نگر کا قصبہ ربوہ کے نواح میں آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا قصبہ ہے- اس لئے میں نے جب بغرض تحقیق تقسیم ہندوپاک سے قبل کے نقشے اٹھا کر دیکھا تو ان میں انگریز گورنمنٹ آف انڈیا کا ایک ایسا نقشہ ملا کہ جس میں مجھے احمد نگر کا نام نظر آیا- انگریز حکومت ہندوستان کا یہ نقشہ ۱۹۲۱-۱۹۲۲ عیسوی کا بناہوٗا ہے یعنی SURVEY OF INDIA 1921-22 - اس کا مطلب ہے کہ یہ قصبہ اس نقشہ کی ۱۹۲۱-۱۹۲۲ء میں تیاری سے بھی بہت پہلے سے آباد ہے یعنی یہ قصبہ اُس وقت سے قائم ہے کہ جب ابھی قادیان سے ہجرت کر جانے کے بارہ میں کسی نے سوچا بھی نہ تھا- اس لئے اب مجھے اور بھی زیادہ گہری تحقیق کرنا پڑے گی کہ دراصل یہ قصبہ احمد نگر کب آباد ہوٗا؟ اس کا نام احمد نگر کس نے رکھا؟ اغلباً اس کا نام کسی ایسے ولی اللہ نے رکھا تھا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے یقیناً احمد کی جماعت یعنی جماعت احمدیہ کے یہاں آباد ہونے کی خبر دی تھی اسی لئے آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان دیکھیں کہ جب ہمیں قادیان سے مجبوراً ہجرت کرنا بھی پڑی تو تب بھی خدا تعالیٰ نے ہم احمدی مسلمانوں کو احمد نگر یعنی ''احمد کی بستی'' یا ''احمد کے شہر'' کے قرب میں ہی لا بسایا اور اب جبکہ نام نہاد مسلمان علمائے کرام کے مطالبہ لیکن دراصل حکومت پاکستان کی شہ پر حکومت پنجاب کی نام نہاد علمائے اسلام کے ساتھ ملی بھگت کی بنا پر ربوہ کا نام چناب نگر میں تبدیل کر دیا گیا ہے تو تب بھی احمدی

ہونے کے سبب ''احمد'' کی مماثلت اوراحمد نگر کے'' نگر '' کے نام کی مماثلت'' چناب نگر'' کی صورت میں قائم ہی رہی اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی قسم کی دوسری تمام جغرافیائی مماثلات بھی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا بین نشان ہیں-سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَان اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

جماعت عالیہ احمدیہ کے سوا تمام یہودی اور عیسائی نیز مسلمان بھی ایک آنے والے مسیح اور مہدی علیہ السلام کا انتظار کررہے ہیں- یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جس مسیح علیہ السلام نے ہم میں نزول فرمانا تھا وہ ابھی تک نہیں آیا یعنی یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو اپنا نجات دہندہ تسلیم نہیں کرتے-عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو یروشلم میں گلگتا کے مقام پر Good Friday / Karfreitag یعنی ایسٹر سے پہلے منسلک جمعہ کے دن موسم بہار میں مصلوب کیا گیا کہ جس کے بعد ان کے جسم (یعنی نعش) کو سولی سے اتار کر ایک غار میں رکھ کر اس کے دہانہ پر پتھر رکھ دیا لیکن اس کے باوجود ان کا جسم (یعنی نعش وہاں سے غائب ہوگئی) وہاں سے غائب ہوگیا یعنی وہ آسمان پر چڑھ گئے اور اب کسی وقت بھی دنیا میں واپس آنے والے ہیں یعنی عیسائی اپنے مصلوب شدہ مسیح کے انتظار میں ہیں لیکن عیسائی اس حقیقت کو بھول گئے کہ درحقیقت بائیبل میں ہی یہ بھی لکھاہوٴا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صلیب سے اتار لئے جانے کے بعد روبصحت ہوکر اپنے حواریوں کے درمیان موجود رہے بلکہ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھانا مثلاً مچھلی وغیرہ بھی کھاتے رہے اور یہی نہیں بلکہ آپؑ کے حواری اپنے ہاتھوں سے آپؑ کے بدن کو چھوکر یہ یقین بھی کرتے رہے کہ آپؑ زندہ وسلامت ان کے درمیان موجود ہیں- بائبل میں تحریر ہے کہ:-

'' حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے اپنے گیارہ شاگردوں (حواریوں) کو گلیلیہ کے پہاڑ پر بلایا- جب یہ شاگرد کھانا کھارہے تھے تو تب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام ان کے پاس آئے لیکن جب آپؑ کے شاگردوں نے آپؑ کو وہاں زندہ وسلامت دیکھا تو کئی شاگردوں نے یہ یقین کرنے سے انکار کردیا کہ آپؑ واقعی ان کے درمیان جسمانی طور پر موجود ہیں کہ جس پر آپؑ ان کے اور بھی قریب ہوگئے تا کہ وہ آپؑ کو چھوکر شناخت کرسکیں- اس کے بعد آپؑ نے انہیں اپنے ہاتھوں پیروں پر زخموں کے نشانات دکھائے- یہ دیکھ کر جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ آپؑ درحقیقت زندہ سلامت ان کے درمیان موجود ہیں تو تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ نے ان کے ساتھ پکی ہوئی مچھلی تناول فرمائی- یروشلم سے اپنی ہجرت کے وقت آپؑ نے ان کو بیت عنیاہ کے پہاڑ پر یہ وعظ کیا کہ وہ تمام دنیا میں پھیل جائیں اور تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں''-(مرقس ۱۶: ۷-۲۰)+(لوقا۲۴: ۳۶-۴۹) + (لوقا صفحہ۵۹: ۵۰-۵۱)+(یوحنا۲۰: ۱۹-۲۳)+(اعمال۱: ۹-۱۱)

یعنی خود بائیبل کے مطالعہ سے ہی یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کی وفات نہ تو صلیب پر ہوئی تھی اور نہ ہی وہ اس قبر نما غار سے غائب ہوکر سیدھے آسمان پر چلے گئے تھے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ زندہ سلامت اپنے حواریوں کے درمیان موجود اٹھتے بیٹھتے- وعظ کرتے اور کھانا کھاتے رہے-لیکن ہمارے نام نہاد مسلمان علمائے کرام کو تو قرآن مجید کی آیات میں ہی درج شدہ ارشادات کا بھی صحیح علم نہیں کہ اس میں جگہ جگہ وفات مسیح کی خبر دی گئی ہے کجا یہ لوگ بائبل کا مطالعہ کرتے پھریں؟ حالانکہ کسی بھی مذہب میں تبلیغ سے قبل اس مذہب کی الف ب سے واقف ہونا ازحد ضروری ہے لیکن ان لوگوں نے کسی کو دین اسلام کی کیا تبلیغ کرنی ہے کہ جن کا اپنا کردار یہ ہے کہ انہیں دین اسلام کے بارہ میں بھی کچھ علم نہیں۔ بہرحال انجیل میں درج اسی قسم کے دروغ گو تحریر شدہ قصوں کی وجہ سے سینکڑوں سال تک عیسائیوں کو اپنے گھروں میں بائبل کے رکھنے اور پڑھنے کی ممانعت کردی گئی تھی- میں یہاں اس بحث میں نہیں جاتا کہ اوپر درج واقعات میں کئی جگہ ہیر پھیر ہے یعنی لوقا کے بائیبل میں مریم مگدلینی یعنی ماریا ماگدالینا اور یعقوب کی ماں نے دو فرشتوں (یعنی دو افراد- ناقل) کو اس قبر نما غار کے اندر دیکھا (لوقا۲۴: ۱-۸) جبکہ مرقس کی انجیل

میں انہوں نے صرف ایک ہی جوان شخص کو دیکھا اس غار کے ایک کونے میں بیٹھا دیکھا- (مرقس ۱۶:۱-۸)-یعنی انجیل کے ہر لکھنے والے نے ایک مختلف واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس تضاد کے باوجود ایک بات ان کے درمیان بالکل مساوی ہے کہ ان دونوں عورتوں نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو زندہ سلامت دیکھا تھا- پھر جیسا کہ میں اوپر انجیل کے حوالے بھی دے چکا ہوں کہ خود آپؑ کے شاگردوں نے واقعہ صلیب کے بعد بھی آپؑ کو اپنے درمیان زندہ سلامت موجود پایا-آپؑ سے گفتگو کی-آپؑ کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھایا اور ہجرت کے وقت ایک پہاڑ پر آپ کا آخری مشہور وعظ بھی سنا اور اس کے بعد بقول عیسائی انجیل نویسوں کے آپؑ زندہ سلامت اسی وقت آسمان پر اٹھا لئے گئے-بائبل کے اس بیان سے ایک بات تو ثابت ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نعوذ باللہ صلیب پر ہرگز نہیں ہوئی تھی جو کہ عیسائیت کا مرکزی نقطہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ صلیب پر جان دے کر تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا-اب رہی یہ بات کہ آپؑ کو زندہ سلامت آسمان پر اٹھا لیا گیا تو اس کے لئے تمام مسلمان صرف قرآن مجید کی ان آیات کو غور سے پڑھیں کہ جن میں بار بار اور انتہائی صاف وشفاف الفاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ: ''اے محمدؐ! آج تک میں نے کسی کو بھی ازلی اور ابدی زندگی سے نہیں نوازا''-اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ بھی شامل ہیں یعنی آنحضرت ﷺ سے قبل تمام انبیائے کرام وفات پا چکے ہیں لیکن یہاں ایسے قرآنی حقائق بیان کرنے کا وقت نہیں اس لئے اس مسئلہ پر انشاء اللہ میری دوسری کتاب ''قرآنی خزائن'' میں تفصیل کے ساتھ بات ہوگی-

بہرحال عیسائیوں کی انہی سچی جھوٹی باتوں سے متاثر ہو کر آج کے مسلمانوں نے بھی قرآن مجید کی تعلیمات کے برخلاف اور آنحضرت ﷺ کی احادیث کے برخلاف نیز آنحضور ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اور اب تک گزرے ہوئے تمام مجددین ہائے اسلام کے خیالات اور نظریات نیز تحریرات کے قطعاً برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندہ سلامت آسمان سے جسمانی واپسی یعنی زندہ سلامت نزول کی توقع کرنا شروع کر دی اور اب تک اسی انتظار میں ہیں کہ کوئی مسیح یا مہدی نعوذ باللہ سیڑھی لگا کر آسمان سے زندہ زمین پر اترے گا-یہ انتظار کرنے والے انشاء اللہ تعالیٰ اپنی اپنی موت تک ناکام ونامراد اسی انتظار میں مبتلا رہیں گے لیکن آسمان سے کوئی زندہ تو کیا کوئی مردہ بھی نہیں اترے گا کیونکہ جس نے اترنا تھا وہ قادیان کی مقدس بستی میں اتر کر اپنا پاکیزہ پیغام پہنچا کر خدا تعالیٰ کے حضور دوبارہ واپس حاضر ہو چکا ہے اور اب اس کے مبارک نقش قدم پر اس کی قائم کردہ جماعت یعنی جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ دن رات ترقی کے کامیاب و بامراد راستہ پر رواں دواں ہے-حیرت کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی حضرت عیسیٰ مسیح ناصری علیہ السلام کی زندہ سلامت جسمانی واپسی کا ذکر تو کیا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں لیکن اس کے باوجود تمام نام نہاد مسلمان ان کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ اس کے برعکس قرآن مجید میں تو خدا تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ: وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۝ (الجمعة : ۴)-یعنی : اور ان عربوں کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اسے بھیجے گا جو ابھی تک اِن عربوں سے نہیں ملی اور وہ غالب اور حکمت والا ہے-قرآن مجید کی اس سورۃ میں تو لفظ بلفظ سیدنا آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ کی واپسی کی خبر موجود ہے لیکن جیسا کہ قرآن مجید کی مختلف آیات سے علم ہوتا ہے کہ جسے خدا تعالیٰ ایک مرتبہ موت دے کر وفات دے دیتا ہے تو اس کی وفات کے بعد اس کی جسمانی واپسی کے تمام راستے بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے منقطع کر دیتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کی جسمانی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس آیت کریمہ سے ہم یہ ہی اقتباس حاصل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی واپسی تو ضرور ہوگی لیکن یہ جسمانی واپسی نہیں بلکہ روحانی یعنی بروزی واپسی ہوگی اور پھر اس آیت کریمہ میں تو جسمانی واپسی کا ذکر بھی نہیں لیکن نہایت ہی افسوس کی بات یہ ہے کہ سیدنا آنحضرت ﷺ کی جسمانی یا روحانی یا بروزی واپسی کا کسی بھی سرکاری مسلمان کو کسی قسم کا کوئی انتظار نہیں حالانکہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ اور تشریح کی روشنی میں انہیں نہایت بے چینی سے انتظار ہونا چاہیئے تھا اور کسی اسرائیلی نبی کی بجائے اپنے حقیقی مسلمان نبی کی آمد کا شدت سے انتظار کرنا چاہیئے تھا لیکن افسوس کہ مسلمان اپنی ہی آسمانی

کتاب یعنی قرآن مجید میں درج آیات مبارکہ میں تحریر مضامین کی الف ب سے بھی واقف نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ؕ (البقرۃ:۱۵۷)

یہاں اس تمام قصہ کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اپنی قبر سے غائب ہو گئے لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ خود بائبل کی آیات کو غور سے پڑھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری مصلوب کئے جانے کے تین چار گھنٹہ کے اندر اندر ہی بیہوشی کے عالم میں صلیب سے اتار لئے گئے تھے اور اپنے زخموں سے روبصحت ہونے کے بعد بھی آپؑ اپنے حواریوں کے درمیان موجود رہے لیکن پھر اذن الٰہی سے بالکل اسی طرح ہجرت فرما گئے جیسا کہ بہت سے انبیائے کرام مثلاً حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۔حضرت لوط علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد احمد ﷺ وغیرہم کو بھی ہجرت کرنا پڑی تھی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ نے چھپ چھپا کر ہجرت نہیں کی تھی بلکہ اپنے حواریوں سے آخری مرتبہ ملاقات کرنے کے بعد ہجرت کی غرض سے آپؑ یروشلم سے مشرق کی جانب جانے والے راستہ پر گامزن ہوئے اور پھر کچھ دور جا کر ایک پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اغلباً دھند میں غائب ہو گئے اور جیسا کہ میں پہلے اس تاریخی حقیقت کو بیان کر چکا ہوں کہ آپؑ کو موسم بہار میں مصلوب کیا گیا لیکن اس کے بعد آپؑ اپنے حواریوں کے درمیان اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اور وعظ کرتے رہے اس طرح موسم گرما کے دوران آپ کے زخم مندمل ہو گئے تو آپؑ نے موسم خزاں کے آخری ایام میں یا موسم سرما کے دوران یروشلم سے ہجرت فرمائی۔ بہر حال ان تمام کھلے کھلے حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر آپؑ اسی راستہ یا پہاڑ پر سے اس دن چھائی ہوئی دھند کے ختم ہو جانے کے بعد واپس آ بھی جاتے تو تب بھی آپؑ نے اسی جانب یعنی مشرق کی طرف سے ہی واپس آنا تھا اور یہ بات بھی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ٹھوس ثبوت ہے کہ حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام نے یروشلم کے عین مشرق سے ہی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس سلسلہ میں چند ٹھوس ثبوت اگلے صفحات پر تحریر کئے جائیں گے۔

الغرض قصہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کے بعض معتقد تو کئی روز تک اسی انتظار میں رہے کہ شائد آپؑ واپس تشریف لے آئیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس تشریف نہ لائے لیکن اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض دوسرے قریبی حواریوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں تا کہ یہ بات سن کر ان کے دشمن ان کی تلاش میں ان کا تعاقب نہ کریں لیکن افسوس کہ عیسائی تو خیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہی ہیں لہٰذا وہ نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر زندہ آسمان پر چڑھا رہے ہیں بلکہ نعوذ باللہ ان کو خدا کا بیٹا بھی مانتے ہیں اور حضرت مریمؑ کو خدا کے بیٹے کی ماں بھی گردانتے ہیں لیکن افسوس کہ ان بے ایمان عیسائیوں کی ایسی ہی باتوں سے متاثر ہو کر بعض مسلمان بھی جو کہ خود قرآن کریم کا زیادہ علم نہیں رکھتے تھے اور رکھتے ہیں وہ بھی غلطی سے یہی خیال کرنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ زندہ سلامت آسمان پر چلے گئے اور قرآن کی آیات مبارکہ کے ترجمہ اور تشریح اور مفہوم کے عین برعکس نعوذ باللہ اب زندہ سلامت چودھویں صدی میں زندہ سلامت آسمان سے واپس اترنے ہی والے ہیں۔ ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ بندہ خدا اب تو پندرھویں صدی کا بھی آغاز ہو چکا ہے لیکن تمہارا آنے والا مسیح ابھی تک نہیں اترا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اب تو زمین سے آسمان تک کوئی لمبی سیڑھی لگانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ کے ساتھ بھی خلائی سفر کیا جا سکتا ہے۔

اب آپ خدا تعالیٰ کی تقدیر کے نظارے دیکھئے کہ ان نام نہاد مسلمانوں کے تمام خود ساختہ خیالات و نظریات کے عین برعکس آنحضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ کی بیان فرمودہ ظہور مسیح کی پیشگوئی کے عین مطابق آنے والے مسیح محمدیؐ نے دمشق کے مشرق سے ہی ظہور کرنا تھا اور

درحقیقت ایسا ہی پیش آیا کیونکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ دمشق کے عین مشرق میں بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ یروشلم کے بھی عین مشرق میں عین اسی زاویہ پر قادیان آباد ہے کہ جہاں سے حضرت مسیح محمدیؑ مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام نے ظہور کیا - یعنی حضرت مسیح موسوی عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو دنیا میں آباد شہر یروشلم کے مقام گلگتا کے جس زاویہ عرض بلد پر سولی دی گئی اور نعوذ باللہ آپؑ کو جان سے مار دینے کی ناکام کوشش کی گئی اسی دنیا کے اسی عرض بلد کے اسی زاویہ پر لیکن یروشلم سے ۳۷۷۷ کلومیٹر مشرق کی جانب قادیان کے گاؤں میں حضرت مسیح محمدیؑ مرزا غلام احمد علیہ السلام نے ظہور فرمایا یعنی آنے والے مسیح موعود اور مہدیٔ معہود علیہ السلام کا نزول ہوا اور مسیح محمدیؑ کو نئی زندگی دی گئی یعنی پیدا کر کے زندگی بخشی گئی کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام کی پیدائش اسی گاؤں قادیان یعنی کادیان یا کادیں یا کادی میں ہوئی اور پھر یہیں سے ہی آپ نے مسیح اور مہدی اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا - یہی نہیں بلکہ اپنی وفات کے بعد بھی قادیان میں ہی مدفون بھی ہوئے - اب خدا تعالیٰ کی ظاہری تجلی کی اس سے بڑی فعلی شہادت خود ذات باری تعالیٰ کے سوا اور کون پیش کر سکتا ہے؟ جبکہ زمین وآسمان کا خدا خود اپنی تقدیر کو اس طرف موڑ کر ہمیں سب سے اعلیٰ وارفع یہ کھلی کھلی شہادت پیش کر رہا ہے کہ اگر تم میرے بھیجے ہوئے مسیح اور مہدی کو روحانی طور پر پہچان نہیں سکے تو دنیاوی لحاظ سے ہی پہچان لو اور اگر دنیاوی طور طریق کے مطابق ہی جانچنا چاہتے ہو تو لو دیکھو کہ یہ دونوں مقامات اسی ایک ہی عرض بلد پر قائم ہیں - اس لئے آیئے اور ذرا خاکسار کی اس تحقیق پر بھی غور فرمایئے - اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو میں وہ حدیث نبویہؐ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہو کہ جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ :-

یَنۡزِلُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ عِنۡدَالۡمِنَارَۃِ الۡبَیۡضَاءِ شَرۡقِیَّ دِمَشۡقِ

مسیح ابن مریم (یعنی مسیح موعود) دمشق کے مشرق کی جانب سفید منارہ کے قریب نازل ہوگا - **(کنز العمال جلد ۷)**

علمائے اسلام نے اس حدیث نبویہؐ کی بہت سی تشریحات کی ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ متفرق علامت دمشق کے مشرق سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی ہے - اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ملک ہندوستان میں واقع قادیان کا قصبہ ملک شام کے شہر دمشق کے عین مشرق میں واقع ہے - اس کے لئے خاکسار کا بنایا ہوا نقشہ (چارٹ) دیکھیں کہ جس میں ملک شام کے شہر دمشق اور ملک فلسطین کے شہر یروشلم سے مشرق کی سمت ملک ہندوستان کے قصبہ قادیان کو دکھایا گیا ہے - یہ نقشہ نیچے ملاحظہ فرمائیں :-

ملک	شہر	طول بلد	عرض بلد	سمت	زاویہ	ملک	شہر	طول بلد	عرض بلد
شام	دمشق	۳۶،۱۷ مشرق	۳۳،۳۱ شمال	شمال مشرق	۸۲ ڈگری	ہندوستان	قادیان	۷۵،۲۲ مشرق	۳۱،۴۹ شمال
فلسطین	یروشلم	۳۵،۱۴ مشرق	۳۱،۴۶ شمال	شمال مشرق	۹۷ ڈگری	ہندوستان	قادیان	۷۵،۲۲ مشرق	۳۱،۴۹ شمال

یہاں میں حساب دان اصحاب یعنی فزکس - ریاضی - جیومیٹری اور جغرافیہ دان اصحاب کے لئے چند ایک نہایت ہی ٹھوس نقات پیش خدمت کرتا ہوں - ملاحظہ فرمائیں :-

۱:-فلسطین کے شہر یروشلم اور ملک شام کے شہر دمشق سے سورج کا فاصلہ تقریباً ایک کروڑ سینتالیس لاکھ نو ہزار تینس سو (۱۴۷۰۹۳۰۰) کلومیٹر ہے-یادرہے کہ یہ فاصلہ ہر سال موسم کی مناسبت سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن اس سے ہمارے حساب کتاب میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا-

۲:-سورج کا قطر ملک فلسطین کے شہر یروشلم اور ملک شام کے شہر دمشق سے صفر اعشاریہ پانچ چار دو دو ایک تین (۰،۵۴۲۲۱۳) ڈگری چوڑا نظر آتا ہے-

۳:-اب اگر ہم صفر اعشاریہ پانچ چار دو دو ایک تین (۰،۵۴۲۲۱۳) ڈگری کو SINUS میں تبدیل کریں تو یہ صفر اعشاریہ صفر صفر چار سات تین دو دو ایک (۰،۰۰۴۷۳۲۲۱) بنتا ہے-

۴:-اب ہم سورج کے فاصلہ اور SINUS کو آپس میں ضرب دیں تو یہ سورج کا آدھا قطر بنتا ہے یا آدھی چوڑائی بنتی ہے یعنی ۰،۰۰۴۷۳۲۲۱ x ۱۴۷۰۹۳۰۰ = ۶۹۶۰۷۶ کلومیٹر

۵:-سورج کا مکمل احاطہ کرنے کیلئے اب ہم اس جواب کو دو (۲) سے ضرب دیتے ہیں تو ہمیں سورج کی چوڑائی یا اس کا قطر معلوم ہو جاتا ہے جو کہ تیرہ لاکھ بانوے ہزار ایک سو ترپین کلیومیٹر ہے یعنی ۶۹۶۰۷۶ ×۲ =۱۳۹۲۱۵۳ -حساب کا یہ مکمل فارمولہ اردو اور انگریزی میں ملاحظہ ہو:-

SINUS ۰،۰۰۴۷۳۲۲۱

ضرب ۱۴۷۰۹۳۰۰ کلومیٹر

= ۶۹۶۰۷۶ کلومیٹر

ضرب ۲

= ۱۳۹۲۱۵۳ کلومیٹر

Sinus 0,00473221 X 14709300 = 696076 X 2 = 1392153 km

اسی حساب کے مطابق اگر ہم فلسطین کے شہر یروشلم کے کسی مقام پر کھڑے ہو کر صبح عین مشرق کی جانب سے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھیں تو وہ سورج ہمیں صفر اعشاریہ پانچ چار دو دو ایک تین (۰،۵۴۲۲۱۳) ڈگری جتنا چوڑا نظر آتا ہے اور اگر ہم اسی اکتیس (۳۱) ڈگری پر سورج کی جانب بڑھتے ہوئے چلتے چلے جائیں کہ جس ڈگری پر یروشلم آباد ہے تو یروشلم سے تقریباً تین ہزار سات سو ستتر (۳۷۷۷) کلومیٹر دور ہم ہندوستان کے شہر قادیان میں جا پہنچیں گے-اب اگر ہم یروشلم سے ۳۷۷۷ کلومیٹر اور صفر اعشاریہ پانچ چار دو دو ایک تین ڈگری کو ایک دوسرے کے ساتھ ضرب دے کر دیکھیں تو یہاں یعنی یروشلم سے وہاں یعنی قادیان تک یعنی ۳۷۷۷ کلومیٹر کے فاصلہ تک سورج کی چوڑائی پینتیس اعشاریہ سات تین آٹھ کلومیٹر یعنی تقریبا ساڑھے پینتیس کلومیٹر بنتی ہے یعنی:-

Sinus 0,00473221 X 3777 = 17,74 X 2 = 35,75 km

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے مسیح موعود علیہ السلام کا شہر اسی تیس پینتیس کلومیٹر کے دائرہ کے اندر اندر ہونا چاہئیے تھا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائم و دائم اور شاد و آباد ہے-اس طرح جب ہم سورج کی جانب سفر کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں تو سورج کا محیط بڑھتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ تقریباً ایک کروڑ سینتالیس لاکھ تیرانوے ہزار چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ کر سورج کا قطر یا اس کی چوڑائی تیرہ لاکھ بانوے ہزار پانچ سو کلومیٹر بن جاتی ہے جو کہ اس کی اصل چوڑائی ہے-سورج کی پیمائش کے لئے ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جب چڑھتے ہوئے یا غروب ہوتے ہوئے سورج کی جانب دیکھتے ہیں تو یہ ہمیں ایک بڑے سے گول دائرہ کی صورت میں نظر آتا ہے لیکن کسی نقطہ کی طرح قطعاً نظر نہیں آتا

کہ جیسے رات کے وقت ستارے ہمیں کسی نقطہ کی طرح جھلملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔زمین اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ سورج کے اردگرد چکر بھی لگا رہی ہے اور زمین یہ چکر ایک گول دائرہ میں نہیں بلکہ ایک بیضوی دائرہ کی صورت میں سورج کے اردگرد چکر لگا رہی ہے۔اسی لئے زمین کا سورج سے فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور پھر یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک موسم میں ہمیں سورج طلوع یا غروب ہوتے وقت بڑا تو کبھی کسی دوسرے موسم میں وہی سورج چھوٹا سا نظر آتا ہے۔اسی طرح چاند بھی اپنے محور کے گھومنے کے ساتھ ساتھ زمین کے اردگرد ایک بیضوی دائرہ میں چکر لگا رہا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کا حجم بھی ہمیں کبھی بڑا تو کبھی چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسرا نکتہ بھی پیش خدمت کرتا ہوں کہ زمین کا محیط ۴۰،۰۷۵.۰۰۴ کلومیٹر یعنی چالیس ہزار پچھتر کلومیٹر اعشاریہ صفر صفر چار کلومیٹر بنتا ہے۔اب اگر اس فاصلہ کو ہم خط استوا پر شمال کی جانب ۹۰ ڈگری اور جنوب کی جانب ۹۰ ڈگری یعنی کل ۱۸۰ ڈگریوں میں تقسیم کرلیں تو ہر ڈگری یعنی ۳۱ ڈگری سے لے کر ۳۱.۹۹ ڈگری کی چوڑائی تقریباً ۲۲۲.۶۴ کلومیٹر کے قریب بنتی ہے۔ہر ایک ڈگری کے ایک سو حصے ہوتے ہیں یعنی صفر سے ایک تک۔ایک سے دو تک اور اسی طرح چلتے چلتے ۹۹ سے ۱۰۰ تک ایک سو۔اس لئے اگر ہم ۲۲۲.۶۴ کو ایک سو (۱۰۰) پر تقسیم کریں تو ایک ڈگری کا ایک حصہ یعنی سوواں حصہ تقریباً ۲.۲۲۶۴ کلومیٹر بنتا ہے اور اب اگر ہم قادیان کے عرض بلد ۳۱.۴۹ ڈگری میں سے یروشلم کے عرض بلد ۳۱.۴۶ ڈگری کو منہا کردیں تو بقیہ صفر اعشاریہ صفر تین (۰.۰۳) ڈگری کا زاویہ بچ جاتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ یروشلم اور قادیان کے دونوں شہروں کا ۳۱ ڈگری پر فرق صرف اور صرف ۶.۶۸ کلومیٹر کا ہے جبکہ میرے حساب سے یہ فرق بھی نہیں کیونکہ میں نے دونوں شہروں کی ڈگریاں ان شہروں کے وسط میں سے لی ہیں جبکہ یہ شہر اپنے وسط سے لے کر اپنے بیرونی محلّہ جات تک اور پھر اپنے اپنے مضافاتی علاقہ کی حدود میں کئی کلومیٹر پر پھیلے ہوئے دائرے میں آباد ہیں۔مثلاً یروشلم کا شہر جنوب میں ۳۱.۴۳ ڈگری سے لے کر شمال میں ۳۱.۵۱ ڈگری تک پھیلا ہوا ہے۔اس طرح یروشلم کا مرکزی نقطہ ۳۱.۴۷ ڈگری بنتا ہے لیکن عیسائیوں کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کو گلگتا (اردو میں کھوپڑی۔پنجابی میں سِری) کے مقام پر صلیب (سولی) دی گئی تھی۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس نہایت ہی اہم تاریخی شہادت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:-

’’اور جیسا کہ گلگت کے مقام پر یعنے سِری کے مقام پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سِری کے مقام پر یعنے سرینگر میں ان کی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سِری کا لفظ موجود ہے‘‘۔(مسیح ہندوستان میں۔صفحہ ۵۵۔ISB No-81-7912-055-4)

بہرحال جس غار نما مکان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ کے جسم کو صلیب سے اتارنے کے بعد رکھا گیا تھا اس قبر نما غار کے اوپر ایک گرجا تعمیر ہے۔اس گرجا یعنی GRABESKIRCHE / Church of the Holy Sepulchre کا محل وقوع ۳۱.۴۶ ڈگری عرض بلد اور ۳۵.۱۴ طول بلد بنتا ہے۔اس لئے میں نے بھی احتیاطاً یروشلم شہر کے مرکز کو لینے کی بجائے اس گرجا گھر کو ہی مرکزی نقطہ جانتے ہوئے اس تمام حساب کتاب کی پیمائش کی ہے۔اس کے علاوہ اگر ہم یروشلم سے مشرق کی جانب نگاہ دوڑائیں تو یروشلم سے ۴۷.۸ ڈگری شمال مشرق کی جانب کشمیر کا شہر سرینگر آباد ہے یعنی یہ بھی ایک نہایت ہی حسین اتفاق ہے کہ حضرت مسیح ناصری عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کے عین مشرق میں اپنے مصلوب ہونے والے مقام گلگت یعنی سِری سے ملتے جلتے مقام یعنی سری نگر کے مقام پر مدفون ہوئے اور اگر ہم یروشلم سے قادیان کی جانب دیکھیں تو قادیان یروشلم سے ۷۹.۲ ڈگری شمال مشرق پر واقع ہے یعنی سرینگر اور قادیان کے درمیان صرف ۴.۴ ڈگری کا فرق ہے۔اسی طرح اگر ہم دمشق سے سرینگر کی جانب دیکھیں تو سرینگر کا شہر دمشق سے ۷۸ ڈگری شمال مشرق کی جانب واقع ہے اور دمشق اگر ہم قادیان کی طرف

دیکھیں تو قادیان دمشق سے ۸۲،۵ ڈگری شمال مشرق کی جانب واقع ہے اور یہاں بھی اگر ہم دمشق سے سرینگر اور قادیان کی جانب نداہ دوڑائیں تو حسن اتفاق سے دونوں شہر کے مابین ۵ ،۴ ڈگری کا فرق ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ خواہ ہم دمشق سے سرینگر یا قادیان کی جانب دیکھیں یا یروشلم سے سرینگر یا قادیان کی جانب دیکھیں۔ ہر صورت میں ۴،۴ یا ۵ ،۴ ڈگری کا معمولی سا فرق ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ قادیان یا سرینگر بہر صورت دمشق یا یروشلم سے مشرق کی جانب ایک ہی رک اور زاویہ پر قائم ہیں اور جیسا کہ آپ کو علم ہی ہے کہ قادیان سے ہی حضرت صاحب مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسیح محمدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

بہر حال جب خاکسار نے اس سلسلہ میں سورج - چاند اور ستاروں پر مزید تحقیق کی تو ایک نہایت ہی لطیف حقیقت بھی مجھ پر کھلی اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم دنیا کو ایک گول دائرہ میں یعنی ۳۶۰ ڈگریوں میں تقسیم کر کے دیکھیں تو مشرق اور مغرب نیز شمال اور جنوب یعنی زمین کو ہم چاروں طرف ۹۰ ڈگری پر تقسیم کر سکتے ہیں- اس لئے اگر ہم دمشق سے مشرق کی جانب دیکھیں تو ۹۰ ڈگری پر مشرقی زاویہ کی تقسیم ۹۰ ڈگری + جمع ۴۵ ڈگری یا ۹۰ ڈگری - منفی ۴۵ ڈگری بنتی ہے- اور قادیان اسی جمع تفریق کے درمیان واقع ہے- یہی نہیں بلکہ میری تحقیق کے مطابق اگر ملک شام کے شہر دمشق ۳۳ ڈگری عرض بلد اور ملک فلسطین کے شہر یروشلم ۴۶، ۳۱ ڈگری عرض بلد سے بھی قادیان کی جانب دیکھا جائے تو تب بھی صرف ایک ڈیڑھ ڈگری کا ہی فرق بنتا ہے یعنی قادیان کا قصبہ یروشلم کے شہر سے مشرق کی جانب ۷۹ ڈگری پر واقع ہے جبکہ دنیا کے نقشہ پر اسی ۳۱ ڈگری عرض بلد پر واقع ہے کہ جس پر یروشلم آباد ہے اور اگر مزید غور سے دیکھا جائے تو یروشلم ۴۶، ۳۱ ڈگری پر اور قادیان ۴۹، ۳۱ ڈگری پر آباد ہے یعنی اس لحاظ سے یہ دونوں شہر ۳۱ ڈگری پر صرف ۰،۰۳ = صفر اعشاریہ صفر تین ڈگری کے بے حد معمولی فرق پر آباد ہیں اور یہ فرق کسی بھی عقلمند انسان کے لئے کوئی خاص فرق نہیں جبکہ قادیان ان دونوں شہروں یعنی یروشلم اور دمشق سے ہزاروں میل کی دُوری پر آباد ہے-

لہذا ۹۰ ڈگری پر ۴۵ ڈگری کی جمع تفریق یعنی دائیں جانب ایک سو پینتیس (۱۳۵) ڈگری اور بائیں جانب پینتالیس (۴۵) ڈگری کے مابین زاویہ اگر کسی کو زیادہ محسوس ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے حساب سے بھی اس کو ماپ سکتا ہے- اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم ۳۶۰ ڈگری کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر لیں یعنی شمال میں صفر ڈگری کی بائیں جانب ۳۳۷،۵ ڈگری سے لے کر صفر ڈگری کی دائیں جانب ۲۲،۵ ڈگری تک شمال یعنی شمالی زاویہ بنتا ہے- اسی طرح ۲۲،۵ ڈگری شمال سے لے کر ۶۷،۵ ڈگری تک شمال مشرقی زاویہ اور ۶۷،۵ ڈگری شمال مشرق سے لے کر ۱۱۲،۵ ڈگری تک مشرق یعنی مشرقی زاویہ بنتا ہے اور پھر اسی طرح ہر ۴۵ ڈگری کے فرق سے نقشہ پر نشان لگاتے چلے جائیں تو بھی ہمیں جمع تفریق کرنے میں سہولت میسر آ جائے گی اور اس طرح ہم زمین بلکہ آسمان کو بھی آٹھ حصوں میں با سہولت تقسیم کر سکتے ہیں یعنی -نمبر۱=شمال-نمبر۲=شمال مشرق-نمبر۳=مشرق-نمبر۴=جنوب مشرق-نمبر۵=جنوب-نمبر۶=جنوب مغرب-نمبر۷=مغرب-نمبر۸-=شمال مغرب اور اس حساب سے بھی ملک شام کے شہر دمشق اور ملک فلسطین کے شہر یروشلم سے قادیان کا رخ مشرق کی جانب ہی بنتا ہے کیونکہ قادیان اس ترتیب سے بھی ان دونوں شہروں کے مشرق کی جانب ہی ہے یعنی دمشق سے ۸۲ ڈگری مشرق کی جانب اور یروشلم سے ۷۹ ڈگری مشرق کی جانب واقع ہے یعنی ۹۰ ڈگری مشرق سے جمع ۲۲،۵ ڈگری اور منفی ۲۲،۵ ڈگری کے بین بین ہی واقع ہے بلکہ اگر ۴۵ ڈگری کو بھی دو (۲) کے عدد پر تقسیم کر لیا جائے تو بھی قادیان کا شہر زمین کے نقشہ پر دمشق کے شہر کے مشرق میں ہی واقع ہے اور انتہائی حیرت کی بات ہے کہ ۹۰ ڈگری جمع ۱۱،۲۵ + نیز ۱۱،۲۵- یعنی منفی کے حساب سے ۱۰۱،۲۵ ڈگری اور ۷۸،۷۵ ڈگری کے درمیان ہی واقع ہے -سُبۡحَانَ اللهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللهِ الۡعَظِيۡمِ

اس لئے اب اگر ہم مزید تحقیق کے لئے سیدنا آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو آنحضرت ﷺ نے دمشق کے مشرق میں منارۃ المسیح کی جانب اشارہ فرمایا تھا لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر کہ آنحضرت ﷺ کا اندازاً اشارہ بھی زمین کے حساب کتاب میں صرف ایک ڈیڑھ ڈگری کے فرق پر واقع ہے اور اس حساب سے بھی اگر ہم دمشق کے عرض بلد یعنی ۳۳،۳۱ میں سے قادیان کے عرض بلد ۳۱،۴۹ ڈگری کو منہا کر دیں تو صرف اور صرف ایک اعشاریہ آٹھ پانچ (۱،۸۵) ڈگری کا فرق بنتا ہے جو کہ ہزاروں میل کی دوری کی ہونے کے باوجود نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ فرق فاصلہ کے لحاظ سے تقریباً چارسو گیارہ ۴۱۱ کلومیٹر بنتا ہے یعنی دمشق کی ۳۳،۳۱ ڈگری منفی قادیان کی ۳۱،۴۶ ڈگری = ایک اعشاریہ آٹھ پانچ (۱،۸۵) ڈگری کے برابر ہے-اب اگر ایک اعشاریہ آٹھ پانچ کو اوپر درج کئے ہوئے حساب کتاب کے مطابق ایک سو پچاسی حصوں میں تبدیل کر کے انہیں ۲،۲۲۴۶ کلومیٹر سے ضرب دی جائے تو یہ فاصلہ تقریباً ۴۱۱،۵۵ کلومیٹر کا بنتا ہے-یعنی:-

0,01 Degree = 2,2246 km

2,2246 X 185 = 411,55 km

پس ثابت ہوا کہ اگر دمشق کے شہر سے بھی مشرق کی جانب بغور دیکھا جائے تو آنے والے مسیح موعود علیہ السلام نے دمشق کے عین مشرق کی جانب سے ہی اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے-اس کے علاوہ اگر سرینگر کے شہر کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو بھی سرینگر کا شہر یعنی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی جائے وفات یا تدفین کو بھی قادیان کے اردگرد ۴۱۱،۵۵ کلومیٹر کے اسی ہالے کے درمیان واقع ہے- بہر حال یہ معمولی فاصلے روحانی بینائی سے محروم شخص کو تو بہت زیادہ دکھائی دیتے ہیں لیکن نورِ الٰہی کی چکا چوند روشنی سے منور ہونے والے کسی بھی عارف باللہ کو قطعاً محسوس نہیں ہوتے-یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ یہ جمع تفریق یونہی نہیں کئے جاتے بلکہ ان کے لئے بہت دماغ لڑانا پڑتا ہے اور یوں خدا تعالیٰ کے فضل سے سینکڑوں سال سے الجھی ہوئی گتھی صرف چند دنوں کی جدوجہد میں ہی سلجھ گئی اور یہ بھی خدا تعالیٰ کی دین ہے کہ جسے چاہتا ہے اسے دل کھول کر عطا فرماتا ہے-سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ

اس طرح آنحضرت محمد مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ کے ایک ادنیٰ ترین غلام کو جو کہ آنحضور ﷺ کی جوتیوں کی خاک در خاک کے برابر بھی نہیں-ایسے ناچیز انسان کو یہ عقدہ کھولنے کی توفیق ملی اور یوں ہمیں حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ والسلام کی سچائی اور صداقت کا ایک اور کھلا کھلا ٹھوس ثبوت بھی دستیاب ہو گیا-یہ اہم ترین ثبوت ہم تمام احمدی مسلمان تو بغیر کسی سوال و جواب اور جمع تفریق نیز بغیر کسی حیل وحجت کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٔ ماموریت کے زمانہ سے ہی من وعن مانتے چلے آ رہے ہیں کہ قادیان کا قصبہ دمشق کے شہر کی مشرق کی جانب ہی واقع ہے لیکن حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام کے منکر کسی نہ کسی حیلہ سے بہانہ بازی کرتے ہوئے آج تک اس مسلمہ حقیقت کا انکار ہی کرتے چلے آ رہے ہیں-اب یہ تمام منکرین اتنے بڑے ٹھوس ثبوت کو نہ مان کر کہاں جائیں گے؟ اس لئے عرض ہے کہ ازراہ کرم اب آپ اوپر بنائے گئے میرے چارٹ کو صرف ایک مرتبہ ہی غور سے دیکھ لیں تو آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ نے دمشق کے مشرق سے جس مسیح ومہدی علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دی تھی وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ صرف اور صرف آپؑ ہی نے دمشق کے مشرق سے اور چودھویں صدی کے سر پر مسیح ومہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے-جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ خاکسار کی اس نئی تحقیق سے میرے پیارے آقا سیدنا آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ کی اس اوپر درج حدیث نبویہؐ کی تصدیق ہو جاتی ہے-شکر الحمد للہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سچے دعویٰ کی بدولت ہم نے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ لی ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِکَ

اس لئے اب "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّد" رَّسُولُ اللّٰهِ کا ورد کرنے والے تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ اگر آج تک کسی شخص کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیح موعود پر یا دعویٰ مہدیت یا دعویٰ نبوت یا اس حدیث کی صحت پر نعوذ باللہ کسی بھی قسم کا شک تھا تو اب تو اس کا یہ بے بنیاد شک دُور ہو جانا چاہیئے اور یہ ہی وہ سنہری موقعہ ہے کہ وہ خاکسار کی اس تحقیق سے فائدہ اٹھا کر اس بات کو مان کر اپنے دین و دنیا نیز آخرت اور عاقبت کو سنوار لے کہ جس مہدی اور مسیح موعود علیہ السلام نے دمشق کے مشرق سے ظہور کرنا تھا وہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی علیہ السلام ہی ہیں -بہر حال بات سے بات چل نکلی یعنی بات تو اجمیر شریف-سیہون شریف-قادیان اور ربوہ سے چلی تھی اور چلتے چلتے دمشق اور یروشلم تک جا پہنچی -دمشق کے مشرق سے بات چلی ہے تو یہ بھی عرض ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی زمانہ میں قرآن شریف کا صحیح علم صرف ان معزز متقین کو عطا کیا جائے گا جو کہ خدائے واحد کی تبلیغ کے لئے دور دراز کے ممالک کا سفر اختیار کیا کریں گے-فرمایا: "كَلَّآ اِنَّهَا تَـذْكِرَة" o فَـمَنْ شَآءَ ذَكَرَه' o فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّ مَةٍ o مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ o بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ o كِرَامٍ م بَرَرَةٍ o (عبس : ۱۲-۱۷) ـیعنی : یہ قرآن تو ہر قسم کی نصائح سے بھر پور ہے اور پھر ہر گز ایسا نہیں کہ کوئی اسے سمجھ نہ سکے-پس! جو چاہے اسے اپنے ذہن میں مستحضر کر لے اور پھر یہ قرآن تو ایسے صحیفوں میں سے ایک ہے جو کہ نہایت پاکیزہ اور عزت والے ہیں نیز یہی وہ صحیفہ ہے جو کہ دُور دراز کا لمبا سفر کرنے والوں کے ہاتھ میں ہے اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جو کہ نہایت ہی نیک ہونے کے باعث انتہائی معزز بھی ہیں ـ اور یہ ہے وہ مقصد کہ جس کے تحت ہمارے تمام خلفائے احمدیت اور ہمارے مبلغین اسلام دنیا بھر کے دور دراز کے ممالک کا دورہ کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں اور انشاءاللہ تا ابد کرتے رہیں گے تا کہ ایک طرف تو اپنے متعبین کو تسلی وتشفی ملے تو دوسری طرح متلاشیان حق سے براہ راست ملاقات کے ذریعہ اور بالمشافہ گفتگو سے ان کے سوالات کا جواب دیا جا سکے-دنیا کے کتنے مسلمان فرقے ایسے ہیں جو کہ اس غرض یعنی تبلیغ اسلام کے لئے اپنا مال ومتاع پیش کر رہے ہیں؟ ان نام نہاد مسلمانوں کے کتنے مبلغ ہیں جو کہ اپنے بیوی بچوں سے سالہا سال کا لمبا عرصہ جدا ہو کر تبلیغ حق ادا کر رہے ہیں؟ پاکستان کے کتنے مولوی ہیں کہ جنہیں اس بات کا اعزاز حاصل ہو گیا ہے کہ انہوں نے بھی تبلیغ حق کے لئے مسافرت اختیار کی؟ بیرونی ممالک تو خیر دُور واقع ہیں انہوں نے اپنے ہی ملک میں سندھ جیسے علاقہ میں آباد لاکھوں ہندوؤں یا تمام پاکستان بھر میں بسنے والے لاکھوں عیسائیوں میں سے کسی ایک کو بھی مسلمان بنانے کا شرف حاصل کر لیا ہو؟ پس! ثابت ہوُا کہ جب اسلام کے ان تمام نام نہاد خادمین کے پاس خدا تعالیٰ کی جانب سے ودیعت شدہ معرفت موجود ہی نہیں تو پھر وہ کیسے کسی کو معرفت حقیقی کی کوئی بات بتا سکتے ہیں؟ اس لئے برائے مہربانی اب آپ ذرا خود ہی اس بات پر غور فرما کر تو دیکھیں کہ جب پاکستان میں بسنے والی مختلف اقوام کے غیر مسلم عوام یعنی ہندو اور عیسائی اور پارسی اور لا مذہب آئے دن ان دشمن اسلام مولویوں کی تقاریر میں :-

"مرزائیوں (احمدیوں) کو قتل کر دو! ان کے کاروبار کو لوٗٹ لو! ان کے گھروں کو جلا دو!
حتیٰ کہ کلمہ طیبہ کا بیج لگانے والوں پر مقدمات چلاوٗ اور ان کو جیل میں ڈال دو!"

وغیرہ وغیرہ اسلام دشمن-قابل صد نفرت انسانیت سوز اور انتہائی اشتعال انگیز بیہودہ نعرے سنتے ہیں تو کیا وہ کسی ایسی انصاف پسند مسلم شریعت اور کسی ایسی امن پسند مسلم ریاست کا تصور بھی کر سکتے ہیں جو کہ ان کو امن اور چین سے رہنے دے گی؟ کبھی نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو تو دنیا بھر کے غیر مسلمان عوام بلکہ خود مسلم ممالک میں بسنے والے ہی تمام غیر مسلم یعنی ہندو، بدھ، عیسائی، یہودی، سکھ اور پارسی اور لا مذہب عوام خاتم الانبیاء تو کیا ایک نبی یا ایک رسول یا ایک پیغمبر بلکہ ایک مصلح بھی ماننے کے لئے تیار نہیں-پس! ثابت ہوُا کہ ایسے شرمناک نعرے اور قبیح الزامات ایک غیر مسلم تو لگا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے ہی سینہ پر کلمہ طیبہ لگانے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اس سے ہمارے جذبات مشتعل

ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ مگر ایک مسلمان تو ایسے ناپاک اور مکروہ خیالات کے بارہ میں نعوذ باللہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا - اسی ایک ہی مطالبہ سے ان تمام نام نہاد مسلمانوں کے تمام ایمان و عرفان کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان از خود کس درجہ ذلت آمیز دشمن اسلام کارروائیوں میں مصروف ہیں - اسی لئے تو مجھے آج تک ان دشمنان اسلام نام نہاد مسلمانوں کی دوغلی پالیسی کی سمجھ نہیں آئی کہ یہ ایک طرف تو ہم احمدی مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کا بیج اپنے سینہ پر آویزاں کرنے یا اپنی مساجد کے ماتھے پر اسے تحریر کرنے کے جرم میں سزائیں دے رہے ہیں اور دوسری طرف اسی کلمہ طیبہ کی سبز یا کالی پٹیاں سر پر باندھے ہوئے فلسطینیوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف خود کشی کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور ایسا کرنے والوں کو لاکھوں اور کروڑوں ڈالر کی رقم بھی بہم پہنچا رہے ہیں حالانکہ خود کشی کرنا مذہب اسلام میں شریعت اسلامی کی رو سے ایک بہت بڑا گناہ ہے - اتنا بڑا گناہ کہ آنحضرت ﷺ خود کشی کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے - اسی لئے تو نہ صرف مجھے بلکہ دنیا بھر کے تمام شریف النفس انسانوں کو ان نام نہاد مسلمانوں کے ان شرمناک اعمال پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک اسلامی ملک یعنی پاکستان میں کلمہ طیبہ کی تبلیغ کرنے والوں اور اپنے سینہ پر کلمہ طیبہ کا بیج لگانے والوں کو گرفتار کر کے سزائیں دی جاتی ہیں اور ایک دوسرے اسلامی ملک یعنی فلسطین میں کلمہ طیبہ کو سر پر ایک پٹی باندھ کر نمایاں طور پر دکھلانے والے خود کش کو انعامات دئے جاتے ہیں - یہ کلمہ طیبہ کی بے حرمتی نہیں تو اور کیا ہے؟ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کے نام نہاد مسلمان دراصل وہ مؤمنین نہیں کہ جن کا ذکر بار بار قرآن مجید میں ملتا ہے بلکہ یہ لوگ نام کے وہ مسلمان یعنی اسلام کے وہ دشمن ہیں جو کہ احادیث نبویہؐ کے مطابق اپنے برے کرتوت میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھ جائیں گے - توبہ! توبہ! توبہ! استغفر اللہ ! اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ اسلام کے ان دشمنوں کو ہدایت دے کر صراط مستقیم پر چلا سکتا ہے - بہر حال ان نام نہاد مسلمانوں کے انہی اعمال و کردار کی وجہ سے ہی ایک پرامن مذہب یعنی اسلام اور اسلام کا نام آج کے زمانہ میں بدنام ہو کر رہ گیا ہے -

میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے بہت سے ممالک دیکھے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک بھی عیسائی ملک میں کسی ایک بھی عیسائی کو کسی دوسرے عیسائی فرقہ کی چھپی ہوئی بائیبل کو جلاتے ہوئے نہیں دیکھا یا کسی عیسائی راہنما کو اپنے عوام کے گلے سے صلیب کا ہار زبردستی اتار لینے کی فرمائش کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ پروٹسٹنٹ ہو کر یہ کیتھولک صلیب تم نے کیوں خریدی ہے ؟ اور نہ ہی کسی کو میں نے صرف اس لئے سزا پاتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس نے اپنے جسم کے کسی حصہ پر صلیب کا نشان کندہ کروالیا ہو کیونکہ جیسے ہم مسلمانوں کا خدا ایک ہے اور کلمہ ایک ہے اور قرآن ایک ہے اور نبیؐ ایک ہے یعنی آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ بالکل اسی طرح ان عیسائیوں کی صلیب ایک ہے اور بائبل ایک ہے اور نبیؑ ایک ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ - پھر مسلمانوں میں یہ مذموم رسم کہاں سے پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے سوا بقیہ تمام فرقوں کے لوگوں کو کافر گردانتے ہیں؟ اسی طرح مسلمانوں میں یہ بدرسم کیوں پیدا ہوگئی ہے کہ وہ دوسرے فرقہ کے چھپے ہوئے قرآن مجید جیسی مقدس کتب کے نسخے بھی جلانے لگ گئے ہیں جبکہ قرآن کے کسی لفظ تو کیا کسی شوشہ کو بھی غلط نہیں لکھا جا سکتا - اسی ایک مثال سے ہی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ رسومات ان نام نہاد مسلمان ملاؤں نے خود پیدا کیں ہیں کہ جب وہ کسی مسئلہ کا جواب اپنی نافہمی کی بنا پر نہیں دے سکتے تو دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر اور مرتد قرار دے کر اپنی گلوخلاصی کروالیتے ہیں - حالانکہ ایک حدیث کے مطابق تو کسی مسلمان کو کافر قرار دینے والا از خود ہی بغیر کسی فتویٰ کے خود بہ خود کافر بن جاتا ہے -

اسی طرح مسلم غیر مسلم کا جھگڑا تو ایک طرف رہا خود ایک مسلمان ہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو چین سے نہیں رہنے دیتا تبھی تو آئے دن شیعہ، سنی، بریلوی، وہابی اور دیوبندی فسادات ہوتے رہتے ہیں یعنی ثابت ہوا کہ جب یہ تمام نام نہاد مسلمان اور خصوصاً سرکاری مسلمان خود آپس میں ہی

امن اور چین کے ساتھ کسی جگہ اکٹھے نہیں رہ سکتے تو پھر انہوں نے کسی دوسرے کو اسلام جیسے پر امن مذہب کی کیا تبلیغ کرنی ہے؟؟؟ اسی لئے تو آج دنیا بھر میں کوئی ایک بھی مسلم فرقہ ایسا موجود نہیں کہ جس کو کسی نہ کسی دوسرے فرقہ کے ملاؤں نے کافر قرار نہ دیا ہو- پس جیسا کہ آپ سب دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت جس شان سے اوپر درج یہ عظیم الشان قرآنی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اس کی کوئی مثال آپ کو دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی کیونکہ ہمارے خلیفہ وقت اور ہماری جماعت کے مبلغین کے سوا کوئی اور نہیں جو کہ صرف قرآن مجید اور اس کے ساتھ وابستہ روحانی علوم کی تعلیم دینے کے واسطے دنیا جہان کا چکر لگا رہے ہوں اور قرآن مجید کے مختلف تراجم کی نشر واشاعت اور طباعت اس کے علاوہ ہے- یہاں صرف ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کو اس وقت تک تقریباً ساٹھ سے اوپر زبانوں میں مکمل قرآن مجید کی اشاعت کی سعادت نصیب ہو چکی ہے اور کروڑوں غیر مسلموں کو مسلمان بنایا جا چکا ہے اور لاکھوں مسلمان اس وقت ہمارے سکولوں ،مساجد اور مراکز میں قرآن شریف کی تلاوت اور ترجمہ سیکھ رہے ہیں- روزانہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ السلام پر کروڑوں بار درود وسلام بھیجا جاتا ہے -مذہب اسلام کی اسی سچی خدمت کی بدولت جماعت احمدیہ دن بدن ترقی کی منازل اتنی تیزی سے طے کرتی چلی جارہی ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں- پس! اسی لئے تو ہمارے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک کلمہ نکلتا ہے اور بار بار نکلتا ہے اور وہ ہے:-سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماموریت سے اسلام کی ترقی اور ترویج اور تبلیغ کا کام جماعت احمدیہ کے سپرد ہو چکا ہے لیکن جیسا کہ قانون قدرت ہے اور جیسا کہ ہم روز ازل سے لے کر اب تک دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ انبیائے کرام کے گزر جانے کے بعد آہستہ آہستہ ان کے متبعین میں کچھ سست روی پیدا ہو جاتی ہے لیکن جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے ساتھ تو ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں سرتا پا سرگرم اس مسلمان جماعت کو ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی حکومت نے خلاف توقع غیر مسلم قرار دے دیا- اب ہؤا یہ کہ ہر وہ احمدی جو کہ احمدیوں کو پاکستان میں غیر مسلم فرقہ قرار دئے جانے سے قبل کچھ سست رو تھا وہ اس المناک سانحہ کے بعد سنبھل کر اٹھ بیٹھا اور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر چست ہو گیا یعنی پہلے اگر الا ماشاءَ اللہ وہ نمازوں کا اتنا زیادہ پابند نہ بھی تھا تو اس واقعہ کے بعد اس کی یہ سستی بھی خدا کے فضل سے دُور ہو گئی اور اگر اس سے پہلے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں چندے ادا کرنے کا زیادہ پابند نہ بھی تھا تو بھی اس حادثہ کے بعد اس کی یہ سستی روی بھی دُور ہو گئی -یعنی ان نام نہاد مسلمانوں کا یہ وار ان پر ہی الٹ کر پڑا کہ جس غیر اسلامی قانون کی مدد سے وہ ہمیں نیست ونابود کرنا چاہتے تھے اس بُودے قانون کے بنتے ہی احمدیت نے ترقی کی مزید منازل پہلے سے بھی زیادہ تیزی بلکہ نہایت ہی سرعت کے ساتھ طے کرنا شروع کر دیں اور اس سے پہلے اگر کوئی احمدی الا ماشاءَ اللہ صرف نام کا احمدی تھا تو وہ یکدم کام کا احمدی بن گیا اور اس کا خدا تعالیٰ سے تعلق مزید بڑھا- اسلام سے اس کی محبت نے مزید ترقی کی- تبلیغ اسلام کا اس کو مزید شوق پیدا ہؤا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں چندہ ادا کرنے میں وہ پیش پیش رہنے لگا یعنی تعلق باللہ اور عشق رسول آنحضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ نیز محبت حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وہ بڑھتا ہی چلا گیا- پس ثابت ہؤا کہ یہ سب ایسے موضوعات ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا- اس لئے اس موضوع پر حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

’’ اے میرے دوستو! اور عزیزو! اور پیارو ! بے شک عمل بہت بڑا درجہ رکھتا ہے مگر محض خشک عمل جو محبت سے خالی ہے اور جس میں عشق خدا اور عشق رسولؐ اور عشق مسیح ؑ کی چاشنی مفقود ہے وہ ایک بوسیدہ ٹہنی سے زیادہ نہیں جو کسی وقت ٹوٹ کر گر سکتی ہے- پس اپنے دل میں محبت کی چنگاری پیدا کرو ‘‘-(الفضل ۲۰/مارچ ۱۹۵۹ء)

عشق خدااور عشق رسول اور عشق مسیح کی اسی محبت آمیز چنگاری کو مزید ہوا دینے کی خاطر حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ اپنی تحریرات کے ذریعہ بھی ہمارے لئے ہر ایک قدم پر ایک روشن مشعل نصب فرماتے چلے گئے۔اسی لئے خاکسار مؤلف کتاب ہذا نے اپنی اس کتاب کا نام ''انوارِ بشیرؓ'' چنا ہے کیونکہ جیسا کہ آپؓ کے اسم گرامی کے ساتھ آپؓ لقب ''قمرالانبیاء'' یعنی نبیوں کا چاند کے معنی سے بھی ظاہر و باہر ہے کہ آپؓ ایک نورانی وجود تھے۔اس عاجز نے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی کے آخری چند برس آپؓ کے زیر تربیت پرورش پانے کا خصوصی شرف حاصل کیا ہے یعنی آپؓ کے بابرکت نورانی وجود کے نور سے ایک حصہ لیا ہے اور خاکسار کی اس کتاب میں شامل خیالات آپؓ کی تربیت کا ہی نتیجہ ہیں ورنہ ہم جیسے معمولی انسان تو کسی مضمون پر شاید ڈھنگ سے چند ایک سطور بھی تحریر نہ کر سکیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ نے اپنے خادم مکرم بشیر احمدؐ خادم (موٹا) صاحب کو بازار سے چند عدد فونٹین پین نمونہ کے طور پر لانے کا حکم دیا اور جب وہ آ گئے تو ایک سادہ کاغذ پر کچھ لکھ کر دیکھا کہ ان کی لکھائی کیسی ہے اور میں بھی یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔آپؓ نے کئی بار مختلف پینوں سے صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو لکھا اور پھر ایک پین کا انتخاب کر کے بقیہ قلم واپس بھجوا دئے۔بسم اللہ پڑھ کر میں بے حد حیران ہوا کیونکہ اس وقت تک تو میں نے کسی پین کی ٹیسٹنگ میں کسی کو بھی سوائے چند ایک الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے کے یا اپنا نام خوشخطی سے لکھنے کے کچھ اور لکھتے ہوئے نہ دیکھا تھا اور اس کے بعد سے میں نے بھی آپؓ کی تقلید میں پین خریدتے ہوئے یہی روش اپنا لی اور نہ صرف پین کی ٹیسٹنگ کے لئے بلکہ اب کسی بھی کمپیوٹر کے کسی بھی پروگرام کو لکھتے ہوئے میں سب سے پہلے اس پروگرام میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو ہی لکھ کر اس پروگرام کو لکھنے کا آغاز کرتا ہوں اگر یہ پروگرام انگریزی یا جرمن کے ہوں تو پھر اس طرح سے لکھ لیتا ہوں:

BISMILLAHE A(L)RAHMAAN A(L)RAHEEM

اس سلسلہ میں یاد آیا کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کی تعلیم ۱۹۶۴-۱۹۶۹ء کے دوران خاکسار کے اسلامیات اور عربی کے استاد مکرم ماسٹر محمد ابراہیم بھامبڑی صاحب نے ایک مرتبہ بیان کیا تھا کہ انہیں ۱۹۴۱ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک حضرت میاں صاحبؓ کے سیکرٹری PA یعنی پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔آپ حضرت میاں صاحبؓ کی مہربان شخصیت سے بہت متاثر تھے۔آپ نے بتایا کہ جب کبھی بھی حضرت میاں صاحبؓ نیا پین استعمال فرماتے تو سب سے پہلے اس سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا کرتے تھے۔اسی بات کا اظہار آپ نے بہت بعد میں اپنے روزنامہ ''الفضل'' ربوہ پاکستان کی اشاعت مؤرخہ ۲۳ اور ۲۴ جولائی ۱۹۹۷ء میں چھپنے والے اپنے ایک انٹرویو میں بھی کیا۔(الفضل انٹرنیشنل ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴)

اسی سلسلہ میں مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب ہیڈ کلرک نظارت خدمت درویشان صدر انجمن احمدیہ ربوہ کا بیان ہے کہ:-

''ایک مرتبہ میں حضرت میاں صاحبؓ کے مکان پر دفتر کی ڈاک لے کر حاضر ہوا۔آپؓ نے کام کے اختتام پر فرمایا کہ میرے قلم کا نب خراب ہو گیا ہے۔آپ مجھے بازار سے کوئی اچھا سا قلم خرید کر لا دیں۔چنانچہ میں بازار سے دو تین نمونے لے کر حاضر ہوا۔آپؓ نے ایک کاغذ پر باری باری ہر قلم سے کچھ لکھا اور بالآخر ایک قلم پسند فرما لیا۔آپؓ نے مجھے اس قلم کی لکھائی بھی دکھائی۔جب میں نے کاغذ دیکھا تو اس پر کئی مرتبہ ''بسم اللہ'' لکھی ہوئی تھی۔آپؓ نے فرمایا کہ میں نے جب کبھی بھی نیا قلم خریدا ہے تو اس سے ہمیشہ پہلے ''بسم اللہ'' ہی لکھی ہے۔جب قلم کا خط اور روانی دیکھنے کے لئے کچھ لکھنا ہی ہے تو بجائے کچھ اور لکھنے یا یونہی لکیریں ڈالنے کے کیا یہ بہتر نہیں کہ اسے اللہ کے نام سے شروع کیا جائے؟ اسی طرح قافلہ قادیان کے سلسلہ میں جو خطوط سرکاری دفاتر کو انگریزی میں بھجوائے جاتے ان کے بارہ میں آپؓ نے دفتر کو مستقل ہدایت دے رکھی تھی

کہ اس کے ابتداء میں نَحْمَدَہ' وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ لکھا جائے اور جہاں خطاب کیا جائے وہاں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَتُه اللهِ وَبَرَکَاتُه' لکھا جائے۔ چنانچہ دفتر کی طرف سے اس کی پوری پابندی کی جاتی رہی ہے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴۔۳۷)

حضرت قمر الانبیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں کام کرنے والے جماعت کے ایک اور مخلص خادم مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب نے مجھے تعلق باللہ کے سلسلہ میں ایک بہت ہی قابل تقلید واقعہ سنایا جو کہ خاکسار اصلاح احوال کے لئے آپ قارئین کے سامنے رکھتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' ایک دفعہ میری آنکھ پر گونہانجنی (پُھنسی) نکل آئی۔ ایک دن کی رخصت کی درخواست حضرت میاں صاحبؓ کو بھجوادی۔ دوسرے دن حاضر ہوا تو پوچھتے ہوئے فرمایا کہ ''کیا حال ہے؟'' عرض کیا کہ آپؓ کی دعا سے اللہ کا فضل ہے۔ اس پر بڑے جوش سے شہادت کی انگلی اوپر کر کے فرمایا کہ '' اللہ کا فضل پہلے اور میری دعا بعد'' یعنی احتیاط کا پہلو اس قدر غالب تھا اور خدا تعالیٰ کا مقام و مرتبہ اس قدر محبوب و منظور تھا کہ ذرہ سی بے احتیاطی بھی پسند نہ کرتے اور نہ ہی کسی کو کرنے دیتے''۔(مکتوبات نسیم۔۱۸/نومبر ۱۹۹۳ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہر لمحہ دین کے لئے وقف تھا لہذا آپؓ کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی ذات بابرکات سے بہت سے سبق آموز واقعات وابستہ ہیں۔ انہی واقعات میں سے ایک واقعہ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ نے بھی اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے بیان کیا کہ:-

۱:- غالباً ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے کہ میں آپؓ کے پاس انگریزی کا ایک ڈرافٹ درستی کے لئے لے گیا۔ اس میں لفظ محمدؐ (ﷺ) کو '' MOHD '' لکھا ہوا تھا۔ جب آپؓ اس لفظ پر پہنچے تو قلم میز پر رکھ دی اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ '' محمدؐ ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ بعض انگریزی خواں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اسے صرف MD یا MOHD لکھ دیتے ہیں۔ میں اس معاملہ میں بہت KEER (حساس) ہوں۔ میں یہ بات ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ آنحضرت ﷺ کے نام ہم مخفف کر کے لکھیں۔ حضرت موصوفؓ کی اس نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں مرتبہ یہ نام لکھنے کی سعادت بخشی لیکن میں نے کبھی اس غلطی کو نہیں دہرایا بلکہ اس نیک تحریک کو متعدد دوستوں تک پہنچانے کی بھی توفیق پائی۔

۲:- اسی زمانہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ایک مسلم لیڈر فوت ہوگئے۔ جماعت کی طرف سے ان کے ورثاء کو تعزیت کا تار جانا تھا۔ میں نے فوراً ڈرافٹ بنایا اور اس میں - UNTIMELY DEMISE - (بے وقت موت) کے الفاظ لکھ دئے۔ جب میں اسے صاحبزادہ صاحبؓ کے پاس درستی کے لئے لے گیا تو آپؓ نے - UNTIMELY DEMISE - کے الفاظ کو اچھی طرح سے کاٹا اور فرمانے لگے کہ '' ہر انسان کی موت کا وقت معین ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو بھی اس کا علم دے دیتا ہے۔ جب بھی کوئی انسان موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اپنے مقررہ وقت پر ہی مرتا ہے۔ اس لئے کسی کی موت کو بے وقت کہنا درست نہیں''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۴۰)

مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے ایک مسودہ املا کو دیا - اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ '' حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' میں نے جلدی میں ﷺ کی بجائے صرف صلعم لکھدیا - دستخط کرتے وقت فرمایا کہ ''صلعم'' لکھنا ناپسند ہے - جب اتنی طویل و عریض عبارتیں لکھی جا سکتی ہیں تو صرف رسول کریم ﷺ کے نام کے ساتھ ہی تخفیف کا خیال آ جاتا ہے؟ - پھر اپنے قلم سے ﷺ لکھدیا - چنانچہ اس کے بعد میں نے پھر کبھی ''صلعم'' نہیں لکھا - اس موقعہ پر آپؓ نے مزید فرمایا کہ مجھے انگریزی میں محمدؐ کا مخفف - MOHD - بھی سخت ناپسند ہے اور مجھے - MOHD - لکھا ہوا دیکھ کر ہمیشہ ہی افسوس اور رنج پہنچتا ہے نہ معلوم کس نے یہ مکروہ ایجاد کی ہے اور تخفیف کا سارا زور صرف '' محمدؐ '' کے نام پر ہی صرف کر ڈالا ہے - (روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

اسی سلسلہ میں مجھ عاجز کو بھی یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ نے کسی مصنف کی انگریزی میں لکھی ہوئی ایک سیاہ کالی یا گہرے نیلے رنگ کی جلد والی کتاب کہ جس کا نام اب مجھے بھول گیا ہے گھر میں بطور نصیحت سنبھال کے رکھی ہوئی تھی اور آپؓ نے ایک مرتبہ مجھے بھی اس کتاب میں اپنی ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے اور نصیحت کی غرض سے وہ فقرات دکھائے تھے کہ جہاں - MOHD - مخفف کے طور پر لکھا ہوُا تھا - اور اس طرح لکھنے پر اپنی سخت بیزاری کا اظہار فرمایا تھا - حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روزانہ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام یعنی قیلولہ فرمایا کرتے اور اگر شام کو خاندان کے افراد مزاج پرسی کی لئے موجود نہ ہوتے تو پھر میری تربیت کی کلاس ہوا کرتی تھی - کبھی آپؓ دینی نصائح فرماتے تو کبھی سوانح مبارک سیدنا حضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ یا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ زندگی کے چند واقعات یا پھر تاریخِ اسلام کے کچھ حصہ کو نہایت پیار اور محبت سے سنایا کرتے تھے - دینی اور اخلاقی پہلو کو آپؓ ہمیشہ مدنظر رکھا کرتے تھے کہ جن کی بدولت ان تمام واقعات کو چار چاند لگ جاتے - حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنائی ہوئی ایک کہانی مجھے آج بھی بالکل اسی طرح یاد ہے کہ جیسے آنکھیں موندے ہوئے میں نے اسے ابھی ابھی سنا ہے - آپؓ نے فرمایا کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے بیان کیا کہ :-

'' ایک شب کا ذکر ہے کہ کچھ مہمان آئے جن کے واسطے جگہ کے انتظام کے لئے حضرت اماں جانؓ حیران ہو رہی تھیں کہ سارا مکان تو پہلے ہی کشتی کی طرح پُر ہے - اب ان کو کہاں ٹھہرایا جائے؟ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ لصلوٰۃ والسلام نے اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اماں جانؓ کو پرندوں کے ایک جوڑے کا ایک بے نظیر قصہ سنایا کہ :-

'' ایک دفعہ ایک مسافر کو ایک جنگل میں شام ہو گئی - منزل ابھی بہت دور تھی اور رات بے حد اندھیری نیز مسافر کو اس جگہ سے قریب کوئی بستی بھی دکھائی نہ دی تو ناچار وہ ایک درخت کے نیچے رات بسر کرنے کی خاطر ٹھہر گیا - اس درخت کے اوپر پرندوں کے ایک جوڑے کا آشیانہ تھا - ان پرندوں نے جو اس مسافر کو اپنے درخت کے نیچے ڈیرہ لگاتے ہوئے دیکھا تو پرندہ اپنی مادہ کے ساتھ یوں محو گفتگو ہوُا کہ دیکھو یہ مسافر جو آج رات اس درخت کے نیچے آ بیٹھا ہے یہ آج کی رات ہمارا مہمان ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں - پرندے کی مادہ نے اپنے نر کی اس بات سے اتفاق کیا اور ان دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ چونکہ آج رات بہت ٹھنڈی ہے لہذا ہمارے اس مہمان کو آگ تاپنے کی ضرورت ہے - اور تو ہمارے پاس کچھ موجود نہیں کیوں نہ ہم اپنا آشیانہ توڑ کر نیچے پھینک دیں تا کہ یہ مسافر ان لکڑیوں کو جلا کر آگ تاپ لے - چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنا نہایت محنت سے بنایا ہوُا سارا آشیانہ تنکا تنکا کر کے نیچے پھینک دیا - رات کے اندھیرے میں خنکی چونکہ بڑھ گئی تھی - پس! مسافر نے اس غیبی امداد کو غنیمت جانتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لکڑیوں اور تنکوں کو جمع کر کے آگ جلائی اور تاپنے لگا - یہ دیکھ کر دونوں پرندے بہت خوش ہوئے کہ خدا کے ایک بندے کا بھلا ہوُا لیکن کچھ دیر کے بعد پرندے ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کے ساتھ اسی مسافر کے بارہ میں مصروف گفتگو ہوئے کہ آگ جلانے کے لئے لکڑیاں مہیا کر کے ہم نے سردی سے بچنے کا انتظام تو کر دیا لیکن اب ہمیں اس کے کھانے کا

بھی بندوبست کرنا چاہیئے- اور تو ہمارے پاس کچھ موجود نہیں کیوں نہ ہم خود ہی اس آگ میں جا گریں اور ہمارا یہ مسافر مہمان ہمارا گوشت بھون کر کھا لے- چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنی جان دے کر مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا''-

یہی واقعہ کچھ معمولی سے ردو بدل کے ساتھ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مایہ ناز کتاب ''ذکر حبیب'' کے صفحات ۸۵-۸۷ میں بھی موجود ہے- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے سب سے بڑے ماموں مکرم چوہدری رحیم بخش صاحب سندھو کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب بھی میں اپنی چھٹیوں میں شاہدرہ جاتا ہوں تو وہ ''داستانِ امیر حمزہ'' نہایت پیار اور محبت سے مجھے سناتے رہتے ہیں اور مجھے بھی یہ داستان بے حد پسند ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ: بعض لوگ اپنے بچوں کو بادشاہوں، شہزادوں، پریوں یا جنوں اور بھوتوں کی فرضی کہانیاں سنایا کرتے ہیں لیکن میں تمہیں ان سے بھی زیادہ عمدہ اور اچھی کہانیاں قرآن مجید، حدیث نبویؐ اور تاریخ اسلام میں سے سناتا رہتا ہوں جو کہ درحقیقت صرف سچائی پر مبنی ہوتی ہیں اور یہ دینی درس دیتے دیتے آپؓ کی آواز بھرا جایا کرتی تھی اور آپؓ کی پیاری آنکھوں میں سے آنسو بہہ نکلتے کہ جنہیں آپؓ بار بار اپنے سرخ ریشمی رومال کے ساتھ خشک کرتے چلے جاتے- خاص طور پر حضرت رسولِ مقبول ﷺ کا ذکر فرماتے وقت تو آپؓ پر نہایت رِقت کا عالم طاری ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت آپ اپنے نواری پلنگ پر لیٹے ہوئے آنحضور ﷺ کی یاد میں رویا کرتے تھے تو یہ خاکسار پلنگ کے نیچے قالین پر لیٹا سسکیاں لے رہا ہوتا تھا - آج مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید ''علی بابا اور چالیس چوروں'' کے بالمقابل آپؓ نے اس سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت، حسین ، دلکش اور پاکیزہ نصائح پر مشتمل کتاب ''چالیس جواہر پارے'' تحریر فرمائی تھی کہ جس کو پڑھ کر آدمی وجد میں آجاتا ہے اور جسے سن کر انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے نیز انسان کو ایک ایسا روحانی سرور نصیب ہوتا ہے کہ جس کو الفاظ کی شکل میں بیان کرنا بے حد مشکل ہے- حضرت قمرالانبیاءؓ نے اپنی احادیث نبویؐ کی کتاب ''چالیس جواہر پارے'' کے عرض حال میں تحریر فرمایا کہ:-

'' غالباً جس حدیث نے میرے دل اور دماغ پر سب سے زیادہ گہرا اور سب سے زیادہ وسیع اثر پیدا کیا وہ آنحضرت ﷺ کے ایک ایسے ارشاد سے تعلق رکھتی ہے جس میں فقہ اور عِلم کلام کا تو کوئی عنصر شامل نہیں مگر میرے ذوق میں وہ اسلام اور روحانیت کی جان ہے- روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ ایک غریب مسلمان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا- اس کے ماتھے پر عبادت و ریاضت کا تو کوئی خاص نشان نہیں تھا مگر اس کے دل میں محبت رسولؐ کی چنگاری تھی جس نے اس کے سینہ میں ایک مقدس چراغ روشن کر رکھا تھا- اُس نے قُرب رسالت کی دائمی تڑپ کے ماتحت آنحضرت ﷺ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا- یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟- آپؐ نے فرمایا-'' تم قیامت کا پوچھتے ہو- کیا اس کے لئے تم نے کوئی تیاری بھی کی ہے؟''- اسؓ نے دھڑکتے ہوئے دل اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کیا-''میرے آقا! نماز روزے کی تو کوئی خاص تیاری نہیں کی لیکن میرے دل میں خدا اور اس کے رسول کی سچی محبت ہے''- آپؐ نے اسے شفقت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی'' پھر تسلی رکھو کہ خدائے ودود کسی محبت کرنے والے شخص کو اس کی محبوب ہستی سے جدا نہیں کرے گا-

یہ حدیث میں نے بچپن کے زمانے میں پڑھی تھی لیکن آج تک جو میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہوں- میرے آقاؐ کے یہ مبارک الفاظ قطب ستارے کی طرح میری آنکھوں کے سامنے رہے ہیں اور میں نے ہمیشہ یوں محسوس کیا ہے کہ گویا میں نے ہی رسول خدا سے یہ سوال کیا تھا اور آپؐ نے مجھے ہی یہ جواب عطا فرمایا تھا اور اس کے بعد میں اس نکتہ کو کبھی نہیں بھولا کہ نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ سب برحق ہے مگر دل کی روشنی اور روحانیت کی چمک خدا اور اس کے رسولؐ کی سچی محبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی- اگر انسان کو یہ نعمت حاصل ہو جائے تو ظاہری عمل زندگی کی روح سے معمور ہو کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگا آتا ہے لیکن اگر انسان کو یہ نعمت حاصل نہ ہو تو پھر خشک عمل ایک مردہ لاش سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جو ظاہر پرست لوگ اپنے سینوں

سے لگائے پھرتے ہیں- خدا جانتا ہے کہ اسی محبت رسول ﷺ کے جذبہ کے ماتحت میں نے یہ رسالہ لکھا ہے تا اگر خدا کو منظور ہو تو اس کے پڑھنے والوں کے دلوں میں اس محبت کی چنگاری پیدا ہو جو ہر نیک عمل کی روح اور ہر اعلیٰ اخلاق کی جان ہے اور وہ اپنے محبوب آقا ﷺ کے ارشادات کو دلی شوق و ذوق سے سنیں اور اپنے لئے حرزِ جان بنائیں اور خود میرے واسطے بھی بخشش اور مغفرت اور شفاعتِ رسول ﷺ کا موجب ہو- آمین یا ارحم الراحمین - خاکسار مرزا بشیر احمد آف قادیان''-(چالیس جواہر پارے صفحہ ۵-۶ سن طبع جنوری ۱۹۷۶ء قادیان)

'' آپؓ اپنی اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی چالیس احادیث پر ہی مشتمل شائع کرنا چاہتے تھے لیکن وائے افسوس! کہ اپنی بیماری کے باعث آپؓ کو اس کا موقعہ نہ مل سکا''-(الفضل ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۵۱ء)- بہر حال مشیت الٰہی پر توکل کاملہ کے بارہ میں ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا کہ:-

'' ۵۱ء کا ذکر ہے کہ ایک دوست نے میری خیر خیریت دریافت کی تو میں نے کہا ''ہاں! شکر ہے- میں اپنے خدا پر بالکل راضی ہوں''- انہوں نے کہا کہ خدا پر تو ہر شخص راضی ہوتا ہے- جس پر میں نے کہا کہ :-'' بے شک یہ درست ہے کہ کوئی شخص شرح صدر سے راضی ہوتا ہے اور کوئی اس مجبوری کی وجہ سے راضی ہوتا ہے کہ خدا کی تقدیر کو قبول کرنے کے بغیر چارہ نہیں- لیکن الحمد للہ! میں اپنے خدا پر شرح صدر سے راضی ہوں''- آپؓ فرماتے ہیں کہ وہ دوست تو مسکرا کر چلے گئے مگر میں اپنی جگہ سوچ میں پڑ گیا اور اپنے نفس سے پوچھنے لگا کہ تو نے یہ الفاظ تو کہہ دئے مگر کیا تو واقعی اپنے خدا پر شرح صدر سے راضی ہے؟ اور اس کی ہر تقدیر کو خواہ وہ شیریں ہو یا تلخ شرح صدر سے قبول کرتا ہے؟''- آپؓ فرماتے ہیں کہ:-'' میں نے اپنے دل کے سارے گوشوں میں جھانک کر اور کونے کونے کا جائزہ لے کر آخر یہی نتیجہ نکالا کہ میں خدا کے فضل سے اور اس کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ اپنے خدا اور اس کی ہر تقدیر پر پورے شرح صدر کے ساتھ راضی ہوں''-(الفضل ۱۴؍ نومبر ۱۹۵۱ء)

مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب کا بیان ہے کہ :-

'' ایک دفعہ حضرت میاں صاحب نے بیرون پاکستان کے مبلغین کو دفتر کے مطبوعہ پیڈ کی بجائے سفید کاغذ پر خطوط لکھوائے - میں نے ان کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط وَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ والصلوٰۃ والسلام لکھ دیا- دستخط کرتے وقت فرمایا کہ:-'' آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ صلوٰۃ اور سلام دو چیزیں لکھی ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھ صرف صلوٰۃ- یہ طریق درست نہیں ہے- یہ آقا ہیں اور وہ غلام- اس مقام پر و علیٰ عبدہ المسیح الموعود کافی ہے- البتہ اگر کہیں الگ لکھنا ہو تو والصلوٰۃ والسلام لکھنے میں کوئی حرج نہیں''-(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

حضرت رسول اللہ ﷺ سے آپؓ کو عشق سے بھی بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر محبت تھی اور آنحضرت ﷺ کا نام سنتے ہی آپؓ کی آنکھیں ڈبڈبا جایا کرتی تھیں- جب آپؓ کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو فرمایا کرتے تھے سُودے خان! میری عمر اب حضرت رسول کریم ﷺ کی عمر سے بھی زیادہ ہوگئی ہے اور میرا جی نہیں چاہتا کہ میں سرور کائنات ﷺ سے بھی زیادہ عرصہ اس دنیا میں زندہ رہوں اور یہ بات فرماتے ہوئے کئی بار آپؓ اس واقعہ کا بھی ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا موجب ہو جاتی ہے اور وہ جہنم کے گڑھے کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے لیکن ایک دوسرا انسان اپنی ساری عمر بداعمالی میں گذارتا ہے لیکن آخر میں نیکی کا کوئی ایسا کام کر جاتا ہے جو کہ خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے- سو ! اصل چیز انجام بخیر ہے لہذا مجھے تو بس اتنی ہی خواہش ہے کہ خدا میرا انجام بخیر فرمائے اور مجھے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں جگہ دے دے- آمین ـ اسی سلسلہ میں ایک بار آپؓ نے دعا کی درخواست

کرتے ہوئے الفضل میں یہ تحریر فرمایا کہ:-

'' جب سے میں نے تریسٹھ سال کی عمر سے تجاوز کیا ہے میرے دل پر بوجھ رہنے لگ گیا ہے کہ رسول پاک ﷺ والی عمر پالی مگر ابھی تک حقیقی طور پر نیک اعمال کا خانہ بڑی حد تک خالی ہے- اگر تھوڑی بہت نیکیاں ہیں تو وہ یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ اور آپؑ کا پاک ورثہ ہیں مگر کمزوریاں سب کی سب میری اپنی کمائی ہیں اور یہ کوئی پونجی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو- پس مخلص احباب اپنی دعاؤں سے میری نصرت فرمائیں کہ میری بقیہ زندگی نیک اور خدمت دین میں کٹے اور انجام خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت اچھا ہو- آمین یا ارحم الراحمین -(الفضل ۳۰/جولائی ۱۹۶۱ء)

حضرت قمر الانبیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی عشق رسول ﷺ کے بارہ میں مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''جب بھی حضرت رسول عربی ﷺ کا نام نامی آتا ہے تو یہ دیوانہ عاشق، سلام اور درود بھیجتے ہوئے ہمہ تن آرزو اور التجا بن جاتا ہے- ہر بار آواز گلوگیر ہو جاتی ہے اور ﷺ کے الفاظ کہتے ہوئے وہ کمال ادب اور عقیدت اور فریفتگی اور فدائیت سے لرز جاتا ہے اور اپنے مکی و مدنی ﷺ پر درود اور سلام کہتے ہوئے اپنے سینے سے اپنا کلیجہ نکال کر گویا اس ﷺ کے مبارک قدموں میں رکھ دیتا ہے- کاش یہ کیفیت ہمارے سارے دوست اپنے کانوں سے سنیں اور عاشقِ صادق کی وارفتگی کا اندازہ لگائیں تا ہمیں بھی درود شریف پڑھنے اور بھیجنے کا کچھ تو سلیقہ آئے- سوچتا ہوں کہ ولادت ہو تو ایسی کہ خدائے خبیر پیدائش سے قبل اس کی روحانی رفعتوں کا مژدہ سنائے''- (الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴/مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

سنت رسول ﷺ کی پیروی آپؓ کا نصب العین تھی ایک مرتبہ آپؓ نے جماعت کے مقامی اور ضلعی امراء کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں اس بات کی کڑی نگرانی رکھیں کہ:-

'' کوئی احمدی مرد یا احمدی عورت خلاف سنت رسوم میں پڑ کر احمدیت کے منور چہرہ کو داغدار کرنے کا راستہ نہ اختیار کرے- خصوصیت سے آپؓ نے فاتحہ خوانی، قُل، چہلم اور ختم قرآن کی رسوم پر روشنی ڈالی''- (الفضل ۱۲/مئی ۱۹۶۰ء)

☆

حضرت سیدہ سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ

(المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

(۱۸۹۴ء - ۱۹۷۰ء)

معزز قارئین سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوراللہ مرقدہٗ کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ قدرتاً میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ حضرت قمرالانبیاءؓ کی زوجہ محترمہ صحابیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مجھ خاکسار عاجز اور عاصی کو اپنا مونہہ بولا بیٹا بنا کر پالنے والی معزز ومحترم اور مشفق ومہربان بابرکت ہستی کا تعارف بھی اسی کتاب میں ضرور کروانا چاہئے۔ لہٰذا میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دست بستہ دعا کی کہ اے میرے مؤلا! اس سلسلہ میں میری مدد فرما۔ انہی دنوں یعنی ۱۹۹۳ء میں بہ تقدیر الٰہی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ازراہ شفقت اپنی پیاری والدہ محترمہ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں اپنے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک بہت ہی پیارا مضمون مجھے امریکہ سے روانہ فرمایا اور یوں خاکسار کی یہ ادنیٰ سی خواہش خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری فرمادی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو ان احسانات اور نوازشات کی عمدہ ترین جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین

بہرحال ۱۹۹۳ء کی ہی بات ہے کہ اس سلسلہ میں میں نے اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی خدمت میں بھی یہاں جرمنی سے ربوہ فون پر درخواست کی تو انہوں نے بھی ازراہ شفقت بعض بہت ہی پیارے واقعات سنائے اور پھر بعد میں روزنامہ الفضل کا ایک پرچہ بھی مجھے ارسال فرمایا کہ جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا مضمون ''حضرت سرور سلطان صاحبہؓ (بیگم حضرت مرزا بشیر احمدؓ)'' کے زیر عنوان شائع ہوا تھا اور بہت سے دوسرے واقعات بھی سنائے۔ اسی دوران میں خدا تعالیٰ کے در پر نہایت عاجزی سے دعائیں کرتا رہا کہ یا اللہ تُو تو دیکھ رہا ہے کہ یہاں جرمنی میں نہ تو خلافت لائبریری جیسی کوئی چیز ہے کہ جہاں سے تمام مواد مل سکتا ہے اور نہ ہی یہاں ایسے بزرگ احباب سے میل ملاقات ہو سکتی ہے جو کہ ان بزرگوں کو ذاتی طور پر جانتے ہوں لہذا تو ہی اپنا خاص فضل فرما اور میری راہنمائی فرما۔ آمین

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بھی تقریباً سب ہی معزز ومحترم افراد کو خطوط روانہ کئے اور جو واقعات مجھے یاد تھے انہیں وقتاً فوقتاً نوٹ کرنے لگا۔ انہیں یادداشتوں کو لکھتے ہوئے خیال پیدا ہوا کہ کاش اردو زبان میں کمپیوٹر کا کوئی پروگرام مل جاتا تو مضامین لکھنے میں سہولت ہو جاتی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے سرخاب اور پھر یونیورسل پروگراموں پر کچھ لکھا لیکن ان کا خط دیکھ کر تسلی نہ ہوئی اور جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسا پروگرام ہو جس کی لکھائی نستعلیق اردو کی لکھائی ہو۔ اسی چکر میں کچھ لکھے لکھائے مضامین بھی کمپیوٹر میں کسی فنی خرابی کی بدولت ضائع ہو گئے۔ لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری کہ اسی دوران میرے سب سے بڑے بھانجے عزیزم قاضی منور احمد ندیم صاحب قریشی مقیم جرمنی نے مجھے ان پیج کا اردو پروگرام تحفۃً دیا کہ ماموں جان اس کی لکھائی یقیناً آپ کی پسند کے مطابق سرخاب کے پروگرام جیسی ہے۔ ان کی بات بالکل درست ثابت ہوئی اور میں نے خدا کے توکل پر دوبارہ یہ مضامین ان پیج پروگرام InPage میں لکھنے شروع کر دئے اور خدا کی قدرت کہ اب

یہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ توجہ اور انہماک سے لکھے گئے اور پہلے ضائع ہوجانے والے مضامین کے بارہ میں رتی سا قلق بھی دل میں پیدا نہیں ہوُا- اللہ تعالیٰ مکرم عزیزم منور احمد ندیم صاحب کو اس کمپیوٹر پروگرام کے لئے اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے- آمین

اسی سلسلہ میں میں اپنے گارڈین حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے اپنی ذاتی ذمہ داری پر ''حیات بشیر'' جیسی نادر اور نایاب کتاب خلافت لائبریری ربوہ سے عاریۃً لے کر اپنے بھتیجے اور داماد مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق (چھیری میاں) صاحب امیر جماعت احمدیہ جہلم پاکستان کے ذریعہ مجھے یہاں جرمنی بھجوانے کا انتظام فرمایا کہ جس سے سیر حاصل اقتباس کرنے کے بعد میں نے وہ کتاب مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق صاحب کے دورہ پولینڈ اور جرمنی کے موقع پر انہی کے ہاتھ شکریہ کے ساتھ دوبارہ واپس ربوہ بھجوادی- بہرحال عرض یہ ہے کہ حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ذکر خیر اس وقت تک مکمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپؓ کی گھریلو عائلی زندگی پر نظر نہ ڈالی جائے اور آپؓ کی واجب العزت والاحترام زوجہ محترمہ سیدہ اماں حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا بھی ذکر خیر نہ کیا جائے یعنی آپ دونوں بزرگ صحابہؓ کا ذکر خیر ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم کی طرح منسلک ہے- بیگم صاحبہؓ حضرت قمر الانبیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں حضرت میاں صاحبؓ کی شادی کے موضوع پر کچھ ذکر ہو چکا ہے لیکن یہ سیدہ حضرت صاحبزادی سرور سلطان جہان صاحبہؓ کی پاکیزہ زندگی کا عشر عشیر بھی نہیں لہذا درج ذیل سطور میں آپؓ کی پاکیزہ اور مقدس زندگی کے بعض اہم واقعات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا-

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی اولاد کی صحت یابی اور خیر وعافیت اور ان کی ترقی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہے- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ گھریلو معاملات کا ذکر ہورہا تھا تو آپؓ نے موازنہ کرتے ہوئے اُس وقت اپنے دو دامادوں میجر حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب اور سکواڈرن لیڈر یا ونگ کمانڈر حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب کی تنخواہ کے بارہ میں مجھے بتایا کہ دونوں ماشاءاللہ اس وقت ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ لے رہے ہیں اور فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ فضائیہ اور ملٹری میں ہونے کے باوجود یہ دونوں ہم مرتبہ ہیں- اسی بات سے یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب، حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نیلی اوپل ریکارڈ کار میں مجھے اور اپنے بڑے بیٹے مکرم صاحبزادہ سید ہمایوں احمد صاحب کو ربوہ سے سرگودھا ایئر فورس کے ہوائی اڈے پر اپنے ساتھ لے گئے- حضرت قمر الانبیاءؓ کے ڈرائیور مکرم عبدالحلیم صاحب اور خادم مکرم بشیر احمد صاحب بھی ساتھ تھے- تمام راستہ بھر آپ نے بہت تیز کار چلائی اور ساٹھ ستر میل کی سپیڈ سے کار کے سپیڈومیٹر کی سوئی کو نیچے نہ آنے دیا- کار کی سپیڈ اتنی تیز تھی کہ اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے پکی سڑک کے دائیں بائیں کچی جگہ پر ہوا کے چکر لگاتے ہوئے اڑنے سے مٹی کی بھنبھیریاں بنتی رہیں اور ہم دونوں بچے نہ صرف سامنے والی سمت دیکھتے رہے بلکہ پیچھے مُڑ مُڑ کر بھی اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے-

ایئر بیس کے اندر آپ نے (RUNWAY) رن وے کے قریب کھڑے ہوئے اپنے F-86 Sabre سیبر ہوائی جہاز کے پاس جا کر موٹر کار کو کھڑا کیا اور ہم سب نیچے اتر کر اس ہوائی جہاز کو بالکل قریب سے دیکھنے لگ گئے کیونکہ اب تک تو میں نے ایسے جہاز صرف فضا میں ہی اڑتے ہوئے ہی دور سے دیکھے تھے اور اتنے قریب سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوُا تھا بہرحال حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب ہمیں جہاز کے پاس چھوڑ کر دفتر میں سفری کاغذات کی جانچ پڑتال اور یونیفارم پہننے چلے گئے اور ہم لوگ اس سیبر جہاز کے پروں (WINGS) کے نیچے جا کر اس کو اِدھر

اُدھر سے دیکھنے لگے۔ ہمارے سامنے ہی ایک پیٹرول کا ٹینکر آیا کہ جس نے جہاز میں پٹرول (کیروسین) بھرا اور یوں کچھ دیر کے بعد ہی حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب اپنے ایئر فورس کے یونیفارم میں ملبوس دفتر سے باہر تشریف لائے اور ہمیں الوداع کہتے ہوئے ایک چھوٹی سی سیڑھی پر چڑھ کر جہاز میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے جہاز کو سٹارٹ کیا اور پھر ہمیں ہاتھ ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ رن وے کی سمت جہاز کو چلاتے ہوئے لے گئے۔ اس رن وے کی دائیں جانب جا کر آپ نے جہاز کے انجن کو خوب گرم کیا اور پھر آپ کا جہاز ہمارے سامنے خوب گھن گرج اڑاتا ہوا سرگودھا کے جنوب مشرق کی سمت تیزی سے رَن وے پر دوڑتا ہوا کچھ دور جا کر فضا میں بلند ہو گیا اور پھر فضا میں دائیں جانب کو چکر لگا کر سرگودھا کے شمال مغرب کی جانب پرواز کر گیا۔ اغلباً ان دنوں آپ پشاور میں پاکستان ایئر فورس کے ہوائی اڈے کے سٹیشن کمانڈر تھے بہر حال اس دلکش نظارے کے بعد ہم سب خوشی خوشی گھر واپس لوٹ آئے۔

میں چونکہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا لہذا لاڈ پیار کی وجہ سے تقریباً چھ سال کی عمر تک میرے ختنے نہ ہوئے تھے۔ چھ سال کی عمر میں میرا عقیقہ منایا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ دن ایک نہایت خوشی کا دن تھا۔ میرے عقیقہ اور ختنہ کی اس دعوت پر بہت سے مہمان ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے اور کئی مہمان آ جا رہے تھے۔ سب ہی مجھے کچھ نہ کچھ رقم تحفہ میں دے رہے تھے۔ کوئی ایک روپیہ تو کوئی دو روپے لیکن سب سے بڑا تحفہ جو مجھے ملا وہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی جانب سے بھجوائی گئی ایک بڑی رقم تھی کہ جسے میری والدہ صاحبہ محترمہ نے مجھے دکھا کر احتیاط کے ساتھ لوہے کے ایک نیلے بکس میں رکھ لیا۔ ختنہ ہو جانے کے بعد میں اپنی ایک بڑی خالہ زاد بہن آپا امتہ الرشید صاحبہ کی گود میں لیٹا ہوا گھر کی جنوب مغربی جانب کھلنے والی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا کہ ربوہ میں ہمارے محلّہ دارالصدر غربی کے اوپر ایک بڑا سا فوجی ہیلی کاپٹر چکر لگانے لگا اور یہ اتنا نیچا تھا کہ مجھے اپنی کم عمری کے باوجود یہی خیال گزرا کہ یہ اب یہاں اترنے ہی والا ہے۔ اس پر میں اپنی خالہ زاد ہمشیرہ کی گود سے نکل بھاگا اور البشریٰ کی پرانی بنیادوں کو پھلانگتا ہوا اس میدان میں جا پہنچا کہ جہاں اب حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ اور آپ کے صاحبزدگان حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں خاکسار کے انگریزی کے لیکچرر اور حضرت صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کے مکانات ہیں۔

میری خالہ زاد ہمشیرہ میرے پیچھے پیچھے بھاگیں کہ میرا ختنہ ہونے کے باعث کہیں ڈول نہ پڑ جائے اور اس میدان میں آتے ہی انہوں نے مجھے اپنی بانہوں پر اٹھا لیا اور یوں تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ فوجی ہیلی کاپٹر حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے مکان کے اوپر سے گزرتا ہوا واقعی اسی میدان میں آن اترا اور چند گز دوڑتا ہوا عین حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے مکان کے سامنے جا کر رک گیا اور اس میں سے حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سب سے چھوٹے داماد حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب وردی پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور پھر حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے مکان میں چلے گئے۔ میری ہوش میں چونکہ ربوہ میں اس سے پہلے کوئی ہیلی کاپٹر نہیں اترا تھا بلکہ اہالیان ربوہ نے بھی اتنے قریب سے کسی ہیلی کاپٹر کو نہیں دیکھا تھا لہذا ایک کثیر تعداد اہالیان ربوہ کی اس میدان کے ارد گرد جمع ہونے لگی لیکن کچھ دیر کے بعد ہی یہ ہیلی کاپٹر واپس سرگودھا کی جانب اڑ گیا لیکن خدا بھلا کرے حضرت سید محمد احمد صاحب کا کہ ان کی بدولت نہ صرف ہمارے محلّہ کے بچوں نے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بڑوں نے بھی اس دن یہ ہیلی کاپٹر اتنے قریب سے دیکھ کر خوب حظ اٹھایا اور لطف اندوز ہوئے اور میرے لئے وہ دن ایک یادگار دن بن گیا۔ اس واقعہ کے بہت بعد جب ربوہ سے سوئی گیس کی پائپ لائن گزری تو تب اس پائپ لائن کو بچھانے والے انجینئر صاحبان کے چھوٹے چھوٹے اغلباً دو سیٹ والے ہیلی کاپٹر ربوہ کے بعض مقامات پر اس پائپ لائن کے پاس اترے اور وہ بھی میں نے

بہت قریب جا کر دیکھے۔

حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد میری تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے از راہ شفقت و محبت اور ذرہ نوازی اٹھالی اور حضرت اماںؓ کی وفات کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب خاکسار کے گارڈین بنے۔سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ایسی مشفق و مہربان اور دلنواز شخصیت تھیں کہ جسے الفاظ کے دائرے میں لانا بیحد مشکل کام ہے لہذا ناظرین سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اپنے الفاظ کی بے مائیگی کی وجہ سے شاید یہ عاجز، سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی نوازشات، عنایات اور احسانات کا صحیح طور پر اظہار نہ کر سکے لیکن اس خامی کے باوجود بھی میں جس طرح بھی بن پڑے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی محبت کی بارش کے بارہ میں کچھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا تا کہ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ کی غریب پرور شخصیت کو متعارف کرواسکوں۔

سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بے حد نمازی، قرآن مجید کی عاشق، نہایت پرہیز گار، بے حد شفیق اور انتہائی غریب پرور خاتون تھیں۔کبھی کوئی سوالی آپؓ کے در سے مایوس نہ لوٹتا تھا۔مجھے یاد ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے مجھے یہ حکم دے رکھا تھا کہ میں بھی آپؓ کے تمام بچوں اور پوتے پوتیوں نیز نواسے نواسیوں کی طرح آپؓ کو ''اماں'' ہی کہہ کر مخاطب ہوا کروں لیکن پھر بھی بوجہ عزت وتوقیر اگر غلطی سے میرے مونہہ سے کبھی ''بی بی جی'' نکل جاتا تو بے حد خفا ہوتی تھیں لیکن چند منٹ کے بعد پھر پیار سے سمجھاتیں کہ جب میں نے تمہیں اپنا بیٹا بنالیا ہے تو پھر تم مجھے بی بی جی کیوں کہتے ہو؟ اور میری ندامت کو دور فرمانے کے لئے باہر مکرم محمد شریف صاحب کے کھوکھے (دُکان) سے کچھ خرید کر کھانے کا حکم دیتیں۔مجھے یاد ہے کہ جب کبھی میں اس مٹھائی میں سے آپؓ کو بھی کچھ لینے کے لئے عرض کرتا تا کہ یہ مٹھائی میرے لئے تبرک بن جائے تو آپؓ از راہ شفقت تھوڑا سا چکھ کر فرماتیں:''بس بس میں پہلے ہی بہت موٹی ہوں'' اور مجھ ناچیز کے خیال میں اس مٹھائی کو کھانے سے صرف اس لئے اپنا دست مبارک روک لیتی تھیں تا کہ جو چیز مجھے تحفہ میں بطور تبرک عنایت فرمائی ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو۔مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے کسی جگہ ایک دعوت پر جانا تھا لیکن میں بھولے سے گھر کے باہر ٹیوب ویل کے حوض میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ مل کر نہا تا رہا اور اس دوران تالاب کے پانی میں کھیلتے ہوئے مجھے یہ یاد ہی نہ رہا کہ ہم نے کہیں جانا بھی ہے۔ادھر گھر میں سب لوگ میرا انتظار کرتے رہے کہ کب یہ آئے اور کب ہم چلیں۔بالآخر کسی کے ہاتھ باہر پیغام بھجوایا گیا تو میں جلدی سے گھر واپس لوٹا۔گھر میں داخل ہوتے ہی دیر ہو جانے کی بنا پر میری والدہ محترمہ احمدی بی صاحبہ نے مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے کمرہ میں ایک چانٹا (تھپڑ) لگایا کہ جس کی وجہ سے میں وہاں قالین پر گر گیا اور ابھی آپ مجھے کچھ اور بھی سزا دینے لگی تھیں کہ اتنے میں حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ ایک فرشتہ رحمت کی طرح اس کمرہ میں آ پہنچیں اور مجھے مزید سزا ملنے سے بچالیا۔بعد میں جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؓ نے میری والدہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

''احمدہ! تم نے اتنی سی بات کی اسے اتنی سخت سزا کیوں دی؟

دیکھو! اب یہ میرا بیٹا ہے اس لئے آئندہ اسے کبھی نہ مارنا''

اور پھر مجھے کوئی کھلونا لینے کے لئے بازار بھجوایا تا کہ اس طرح اس پٹائی کا غم کچھ غلط ہو جائے۔جزاک اللہ! جزاک اللہ! جزاک اللہ! آپؓ کی ان بے انتہا شفقتوں کا الفاظ میں احاطہ کرنا میرے بس کی بات نہیں کیونکہ مجھ خاکسار سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اتنا زیادہ پیار تھا کہ صبح

کو ناشتہ کے لئے ابلے ہوئے انڈے کی زردی کو اپنی چائے والی پرچ میں بچا بچا کر رکھتیں کہ ’’ سُودے خان‘‘ کو ضرور ملے ورنہ کسی دوسرے کو بھی دے سکتی تھیں- دوپہر کو میری سکول سے بخریت واپسی تک خود کھانا تناول نہ فرماتیں اور پھر چونکہ سکول کے راستہ میں ریلوے لائن بھی تھی لہٰذا ہر وقت خاکسار کے لئے خیر و عافیت کی دعاؤں میں مشغول رہتیں-آپؓ کی انہی بابرکت دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بار ہا مختلف جان لیوا حادثات سے معجزانہ طور پر بچایا کہ جن میں سے میں یہاں صرف تین واقعات کا ذکر کروں گا:-

ایک واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ میں گھر سے سکول جارہا تھا لیکن اس دن ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر ایک بہت لمبی مال گاڑی کھڑی تھی- میں ان دنوں ایک چھوٹا سا بچہ تھا لہذا میں بھی ان لوگوں کی طرح جو کہ مال گاڑی کے ان ڈبوں کے نیچے سے جھک جھک کر گزر رہے تھے گزرنے لگا تو اچانک یہ مال گاڑی ایک جھٹکے سے چل پڑی- اس وقت میں مال گاڑی کے دو ڈبوں کے درمیان میں سے گزر رہا تھا لیکن خدا نے فضل فرمایا اور میں جلدی سے اس مال گاڑی کے ڈبے کے پہیوں کے درمیان میں سے گزرتا ہوُا غلہ منڈی کی جانب نکل گیا اور یوں میری جان میں جان آئی ورنہ کوئی اور بھی حادثہ واقع ہوسکتا تھا اگر میں ریلوے لائن کی پٹڑی کے کسی پتھر سے پھسل کر لائن پر گرجاتا وغیرہ وغیرہ لیکن الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ میں ابھی اغلباً سات یا آٹھ برس کا ہوں گا کہ ایک دن کسی کام سے غلہ منڈی کو جارہا تھا- دیکھا تو سرگودھا کی جانب سے ایک کوئلے سے چلنے والے سیاہ (کالے) انجن والی مسافر گاڑی آرہی تھی۔ میں اس وقت دارالصدر غربی میں ریلوے لائن کے قریب کھڑا تھا- نہ جانے میرے دماغ میں کیا آیا کہ میں ایک دم ریلوے لائن عبور کرتے ہوئے غلہ منڈی کی جانب بھاگ اٹھا اور عین اس وقت جبکہ یہ گاڑی وہاں سے گزری بالکل اسی وقت نہ جانے کسی ان دیکھے فرشتہ نے مجھے جیسے کسی خواب میں اٹھا کر ریلوے لائن کی دوسری جانب پہنچادیا اور جیسے ہی میرے پاؤں ریلوے لائن سے پار غلہ منڈی کی جانب زمین پر لگے یہ گاڑی دندناتی ہوئی میرے پیچھے سے گزر گئی اور تب مجھے خیال آیا کہ میں نے کیا بیوقوفی کی تھی۔ یہ واقعہ اتنی تیزی سے پیش آیا کہ ریل گاڑی کے ڈرائیور صاحب کو ہارن بجانے کی بھی مہلت نہیں ملی- الحمدللہ! کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر معجزانہ طور پر بال بال بچالیا-

یہاں مجھے ایک واقعہ اور بھی یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے بہنوئی بھائی جان محمد شریف شاد صاحب ارائیں کی زمینوں پر ربوہ کے نواحی گاؤں چھنیاں گیا ہوُا تھا اور قریباً اپنے ہم عمر بھانجے مکرم نصیر احمد شاد صاحب کے ساتھ ٹیوب ویل کے سامنے ایک پختہ چوبچہ میں نہا رہا تھا۔ ہم لوگ اس چوبچہ سے باہر نکلتے اور پھر اس چوبچہ میں چھلانگ لگا کر کود جاتے کہ اچانک میرا پاؤں سبز کائی پر سے پھسلا اور میں اس چوبچہ سے آگے زمینوں کی طرف جانے والے سیمنٹ سے بنے ہوئے پکے نالہ میں سر کے بل گر کر پھنس گیا اور میرا سر اور سینہ حتیٰ کہ اوپر کا آدھا دھڑ پانی میں ڈوب گیا- میں نے باہر نکلنے کی بہت کوشش کی ادھر میرا بھانجا بھی میری ٹانگیں پکڑ کر مجھے باہر نکالنے کے لئے خوب زور لگا تا رہا لیکن میں سیمنٹ اور کنکریٹ سے بنی ہوئی پانی کی اس پکی گزرگاہ میں اس بری طرح پھنسا ہوُا تھا کہ باہر نہیں نکل سکتا تھا کہ اتنے میں اچانک نہ جانے کس جانب سے ایک انسان نما فرشتہ آیا اور اس نے مجھے میری ٹانگوں سے پکڑ کر زور سے اوپر کھینچ کر پانی سے باہر نکالنے کے بعد اس پکے نالہ کے قریب گھاس پر لٹا دیا اور پھر بغیر کوئی لفظ کہے وہاں سے چلا گیا- میں آج تک حیران ہوں کہ وہ انسان کی شکل میں فرشتہ نما شخص کون تھا، کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا؟ مکرم نصیر احمد شاد صاحب اس شخص کو جانتے ہیں لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ وہ ایک غیبی فرشتہ تھا جو کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی پاکیزہ دعاؤں کی بدولت ہر وقت اور ہر آن میرے دم قدم رہتا تھا اور میں آج بھی آپؓ کی ان پاکیزہ دعاؤں کا اثر دیکھ رہا ہوں بہرحال اگر کبھی مجھے سکول یا بازار سے گھر پہنچنے میں زیادہ دیر ہو جاتی تو پھر میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بیماری کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی دوائی

کھلانے کے بہانہ کھانا کھلوادیا کرتی تھیں تا کہ کھانے کے اوقات اور ادویات کے تسلسل میں فرق نہ آجائے۔ اگر میری پسند کی کوئی صرف آپؓ کے لئے ہی پکی ہوئی ہوتی تو پھر آپؓ اپنے تھوڑے سے کھانے میں سے بھی کچھ نہ کچھ بچا کر میرے لئے ضرور رکھتیں۔ آپؓ کا کھانا ان دنوں اٹلی کے بنے ہوئے زیتون کے تیل میں پکا کرتا تھا تا کہ کولیسٹرین پر قابو رہے۔

اسی طرح آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ میری صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؓ کے حکم کے مطابق چھوٹی عمر سے ہی مجھے روزانہ مکرم محمد شریف صاحب پہریدار کے کھوکھا سے آدھ سیر دودھ پینے کے لئے ملا کرتا تھا اور پھر بڑا ہو جانے پر ایک سیر دودھ پینے کو ملنے لگا۔ یہاں مجھے آپؓ کی سخاوت اور آپؓ کی لازوال محبت کا ایک اور واقعہ یاد آ گیا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ضرورت نہ ہونے کے باوجود گجرات کی ایک بے سہارہ احمدی خاتون صید صاحبہ کو البشریٰ میں ملازم رکھ لیا۔ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد صید صاحبہ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے اپنی بیٹی تاج صاحبہ کے لئے بھی اتنے ہی دودھ کا مطالبہ کیا کہ جتنا کہ مجھ عاصی کو ہمیشہ سے روزانہ پینے کے لئے ملا کرتا تھا۔ جیسا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے فرمایا کہ:۔

''اماںؓ دل اور ہاتھ کی بہت سخی تھیں اور یہ وصف اپنی طاقت سے بڑھ کر نمایاں ہو جاتا تھا''

واللہ ! بالکل ویسا ہی میں نے دیکھا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے بغیر کسی سوال و جواب کے فوراً مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ باہر شریف صاحب کو تاج کے لئے آدھ سیر دودھ روزانہ دینے کا کہہ دیا جائے۔ یہ سن کر صید صاحبہ خوشی خوشی اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئیں لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب وہ وہاں سے چلی گئیں تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے مجھے انتہائی پیار سے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور شریف صاحب سے کہہ دو کہ کل سے میرے حساب میں تمہیں ایک سیر دودھ دیا جائے۔ اللہ ! اللہ ! یہ تھی آپ کی بے نظیر شفقت و محبت۔ آپؓ میرے کھانے پینے کے علاوہ بھی تمام ناز برداریاں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت فرماتیں ان تمام مہربانیوں کے علاوہ بھی دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ جس کی طلب ہو اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ وہ چیز مجھے لے کر نہ دیں۔ پیار ہو تو ایسا ہو کہ جس کی مثال بھی ڈھونڈے سے نہ مل سکے۔ اس سلسلہ میں مزید ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا کہ جون ۲۰۰۰ء میں حضرت امیر المؤمنین سیدنا صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً عرصہ دو سال کی مدت کے بعد پہلی مرتبہ جرمنی تشریف لائے تو آپ بیلجیئم سے سیدھے جرمنی میں ہمارے ریجن رائینموزل RHEINMOSEL کے شہر وِٹلش WITTLICH میں ''سو مساجد'' سکیم کے تحت بننے والی سب سے پہلی جرمن احمدیہ مسجد ''مسجد حمد'' کے افتتاح کے لئے رونق افروز ہوئے۔ مؤرخہ ۵ر جون کو تقریباً پونے دو بجے وِٹلش کی سرزمین نے سیدنا حضورؒ کے قدم مبارک چومنے کی سعادت حاصل کی۔ اخبار احمدیہ جرمنی کا نمائندہ ہونے کی حیثیت میں خاکسار کو سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں قدم بہ قدم ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کو بے حد پسند فرمایا، اسی دن جرمن احباب سے سوال و جواب کی نشست بھی رہی غرض کافی مصروفیت کا دن گذرا لیکن دوسرے دن مؤرخہ ۶ر جون ۲۰۰۰ء کو سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے احباب جماعت سے ملاقات فرمائی۔ خاکسار کو بھی ایک جرمن احمدی دوست HERR HEINZ OEHL کے ساتھ بطور ترجمان حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں ہونے کا شرف حاصل ہؤا اور چونکہ خاکسار کی ملاقات دفتر نے اس وجہ سے کاٹ دی تھی کہ میں پچھلے سال ۱۹۹۹ء میں برطانیہ کے جلسہ سالانہ کے اختتامی روز سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسلام آباد برطانیہ میں ملاقات کی سعادت حاصل کر چکا تھا اور اب صرف ان احباب کو ملاقات کا موقع دیا جا رہا تھا جو کہ کم از کم عرصہ دو سال سے سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہ کر سکے ہوں لہذا جرمن برادر مکرم ہائنز اویھل صاحب کا بہت بہت شکریہ کہ انہوں نے ترجمانی کے لئے خاکسار کو پسند کیا اور اس طرح خاکسار کی سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ

سے اس سال سن ۲۰۰۰ء میں بھی ملاقات ہوگئی۔

اس ملاقات کے دوران سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے دیکھتے ہی اس عاجز کو پہچان لیا اور متبسم ہوکر بہت پیار سے فرمایا: ''سُودے! تم بہت موٹے ہو گئے ہو''۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا۔ حضور! یہ تو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دودھ مجھے لگ رہا ہے۔ جس پر سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ بہت محظوظ ہوئے اور پھر جب جناب ہائینز اویٹھل صاحب حضور کے ساتھ تصویر کھنچوانے لگے تو حس صاحبؒ نے نہایت پیار سے مسکراتے ہوئے مجھے بھی خود بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا ہونے کا ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد اسی دن دوپہر کے وقت حضور رحمہ اللہ تعالیٰ وٹلش سے فرینکفرٹ تشریف لے گئے لیکن اُس وقت ہماری خوشی ومسرت اپنی انتہا کو پہنچ گئے اور دل خدا کی حمد اور تعریف اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیحؒ کی محبت میں ڈوب گیا کہ جب چند روز کے بعد جرمنی سے برطانیہ واپس پہنچتے ہی حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے میری منجھلی بڑی بہن عزیزہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ مقیم فرینکفرٹ جرمنی کو ازراہِ محبت وشفقت تحریر فرمایا کہ:۔

''سُودے کو ذرا کم کھلایا کریں۔ وہ تو اتنا موٹا ہو گیا ہے کہ پہچانا ہی نہیں جا رہا تھا''

(مکتوبات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ۔بنام زبیدہ نسیم صاحبہ مقیم جرمنی خط نمبر 2218 تحریر فرمودہ مؤرخہ ۱۳؍جون ۲۰۰۰ء)

اے میرے جان سے بھی پیارے آقا! شکریہ بہت بہت شکریہ اور جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ سیدی حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود خاکسار کی صحت کے بارہ میں کس قدر فکر ہے اور اس کو کہتے ہیں کہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کسی ناچیز بندہ کے لئے اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ جس کا اظہار بھی الفاظ میں ممکن نہیں اور جس کے شکریہ کے اظہار کے لئے بھی اس عاجز کو مناسب الفاظ نہیں مل رہے۔ خاکسار چونکہ ان ایام میں اپنے ریجن رائنمول جرمنی میں اخبار احمدیہ جرمنی کا نمائندہ تھا اس لئے سیدنا امیر المؤمنین صاحبزادہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورہ کی تمام تفاصیل کو مرتب کر کے انہیں اخبار کو بھجوانے کی سعادت بھی خاکسار کو ہی میسر آئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ ۔وہ رپورٹ جب اخبار احمدیہ جرمنی اور الفضل انٹرنیشنل لندن برطانیہ میں چھپی تو مجھے دنیا بھر سے مبارک باد کے بے شمار تعریفی خطوط موصول ہوئے کہ جن میں والہانہ طور پر میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضورؒ کے مختلف ممالک کے بیرونی دورہ جات کے بارہ میں ایسی خوبصورت رپورٹ آج تک کبھی شائع نہیں ہوئی۔ میں ان احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ جس کسی احمدی نے وہ خبر آج تک نہیں پڑھی وہ اسے اس لئے بھی دیکھ لے کہ اس رپورٹ میں جرمنی میں سو مساجد کی سکیم کے تحت تعمیر ہونے والی سب سے پہلی مسجد ''بیت الحمد'' کے افتتاح کی تفصیلات بھی ہیں یعنی یہ رپورٹ ہر جہت سے ایک تاریخی دستاویز ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

''سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ بیت الحمد وٹلش کی اطلاع ملتے ہی مکرم طاہر احمد ظفر صاحب ریجنل امیر جماعت احمدیہ رائنموزل نے مؤرخہ ۸؍مئی ۲۰۰۰ء کو تمام ریجنل جماعتوں کے صدران اور ریجنل مجلس عاملہ کی ایک ہنگامی میٹنگ بیت الحمد وٹلش میں طلب کی کہ جس میں مکرم میجر زبیر احمد خلیل خان صاحب نیشنل جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ جرمنی نے فرینکفرٹ سے بنفس نفیس تشریف لا کر شرکت فرمائی اور خصوصی تفصیلات سے ریجنل مجلس عاملہ کو آگاہ فرمایا۔ اسی طرح مکرم ریجنل امیر صاحب نے بھی ایک استقبالیہ بورڈ قائم فرمایا اور اس بورڈ کے ممبران کو مختلف شعبہ جات کا انچارج مقرر فرما کر انہیں تمام ضروری ہدایات سے نوازا لہٰذا اس بورڈ نے اسی دن سے ہی اپنے ذمہ امور کو نبٹانا شروع کر دیا تھا۔ اس بورڈ کے ممبران کے اسمائے گرامی شعبہ وار درج ذیل ہیں:۔

نمبر شمار	شعبہ	اسم گرامی
۱	ملاقات	مکرم ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب مربی و مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ
۲	تبلیغ	مکرم نصیر احمد شاد صاحب
۳	حفاظت و پہرہ	مکرم مبارک احمد شاہد صاحب
۴	نظم وضبط و ہنگامی امور	مکرم طاہر احمد صاحب
۵	ضیافت	مکرم عبد الخالق صاحب
۶	ٹرانسپورٹ	مکرم محمد احسن صاحب
۷	رہائش	مکرم افتخار احمد صاحب
۸	پریس وامور خارجہ	مکرم مقصود احمد نسیم صاحب (خاکسار)
۹	احمدیہ مسلم ٹیلیویژن (MTV)	مکرم ملک ظفر منصور صاحب
۱۰	نظافت	مکرم رانا جاوید اقبال صاحب
۱۱	اشاعت	مکرم محمد محمود بابر صاحب
۱۲	امور لجنہ اماء اللہ	محترمہ فوزیہ ارشد صاحبہ

(نوٹ:-اس زمانہ میں ہمارے احمدیہ مسلم ٹی وی چینل کا نام MTV یعنی صرف مسلم ٹیلیویژن ہی تھا لیکن بعد میں اس کے نام کو MTA یعنی مسلم ٹیلیویژن احمدیہ کے نام میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ناقل)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ کی اطلاع ملتے ہی مسجد بیت الحمد میں ایک مرتبہ پھر سے وقار عمل کے ادوار شروع ہوئے کہ جس میں ریجن کے مخلص احباب نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا اور یوں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی آمد تک صرف چند یوم کے قلیل عرصہ میں ہی بہت سے ضروری کام سرانجام دے دیئے گئے کہ جن میں سے صرف چند درج ذیل ہیں:-

مسجد کے صحن کے کچھ حصہ میں بجری اور مٹی کی بھرتی بچھا کر زمین کو ہموار کیا گیا پھر مسجد سے لے کر سڑک تک بجری اور مٹی ڈال کر ایک اونچا اور کھلا نیز ہموار راستہ بنایا گیا۔اس کے علاوہ مسجد کے سامنے خوبصورت پھولوں اور پودوں کا ایک باغیچہ بنایا گیا نیز مسجد کے کچھ حصوں اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی رہائش گاہ کو نئے سرے سے رنگ وروغن کر کے ایک نیا روپ دیا گیا۔اسی طرح حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دفتر کو بھی نئے سرے سے سیٹ کیا گیا غرض ہر جگہ کو اور ہر کونے کو جہاں تک ممکن ہو سکا ہر طرح سے سجانے اور دیدہ زیب بنانے کی کوشش کی گئی۔لجنہ اماء اللہ کے ذمہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے استقبال کے لئے استقبالیہ بچوں اور بچیوں کی ایک ٹیم کی تیاری، اردو نیز جرمن میں استقبالیہ ترانہ کی تیاری نیز دوسرے امور کے ساتھ ساتھ پھولوں کی خرید بھی شامل تھی۔ان تمام ضروری امور کی نگرانی مکرم طاہر احمد ظفر صاحب ریجنل امیر جماعت احمدیہ RHEINMOSEL بذات خود فرما رہے تھے اور اس سلسلہ میں گاہے بگاہے اپنی ہدایات سے بھی نوازتے رہتے تھے۔اس طرح مکرم ریجنل امیر صاحب کی زیر ہدایت انفرادی اور اجتماعی وقار عمل کے ذریعہ انتھک محنت اور دن رات کی جدوجہد کے ساتھ حضور ایدہ اللہ کے پُر جوش استقبال کے لئے تیاریاں شروع کر دی گئیں اور مسجد کے ساتھ ساتھ بیرونی صحن کو بھی انتہائی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا۔الحمدللہ کہ ہر شعبہ کے انچارج اور مددگار احباب نے نہایت محنت اور ذمہ داری

سے تیاری کی اور ہر طرح سے مکمل تعاون کیا-جزاھم اللہ و احسن الجزاء

پہلا دن

الحمدللہ! الحمدللہ ! الحمدللہ ! کہ مؤرخہ ۵؍جون ۲۰۰۰ء کا مبارک دن نمودار ہوا-اس دن تمام شعبوں کے کارکنان، انچارج اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دید کے متمنی احباب صبح صبح ہی مسجد بیت الحمد میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے-بعد دوپہر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا مبارک قافلہ ہمارے ریجن رائینموزل میں سومساجد سکیم کے تحت تیار ہونے والی سب سے پہلی پُرشکوہ اور خوبصورت مسجد ''بیت الحمد'' میں پہنچا-سیدنا حضور ایدہ اللہ کی آمد پر السلام وعلیکم اور اہلاً وسہلاً ومرحبا کے پُرجوش اور والہانہ کلمات سے وٹلش کی فضاء گونج اُٹھی-سیدنا حضور ایدہ اللہ کے استقبال کے لئے سڑک سے لے کر مسجد تک قالین بچھایا گیا تھا جس کے بائیں طرف ریجن کے تمام عہدہ دار اور خدام صف آراء تھے اور اس راستہ کے دائیں طرف ریجن کے چھوٹے چھوٹے احمدی بچے بچیاں حضور ایدہ اللہ کے لئے آنکھیں بچھائے منتظر تھے-حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اس گزرگاہ پر سڑک سے لے کر مسجد تک جو قالین بچھایا گیا تھا اس قالین پر مختلف رنگوں کے گلاب کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئی تھیں-اس موقعہ پر ریجن کے تمام جماعتی عہدہ دار، استقبالیہ کمیٹی کے منتظمین اور ڈیوٹی پر موجود خدام نیز استقبال کے لئے حاضر مخلص احباب کی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت اور عقیدت قابل دید تھی-

تقریباً پونے دو بجے وٹلش وینگے روہر جرمنی WITTLICH-WENEGEROHR کی سرزمین نے سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا-سیدنا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے موٹر کار سے اترتے ہی مکرم طاہر احمد ظفر صاحب ریجنل امیر جماعت احمدیہ رائینموزل نے السلام علیکم کہتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کا شرف حاصل کرتے ہوئے استقبال کیا-اس کے بعد مکرم ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب مربی ومبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کولون اور مکرم افتخار احمد صاحب صدر جماعت۔جماعت وٹلش نے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کی-اس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ریجن کے چیدہ چیدہ احباب اور عہدہ داران کے ہمراہ مسجد کی جانب راستہ کے دائیں جانب اپنے استقبال کے لئے اپنی سرآنکھیں بچھائے چھوٹے چھوٹے احمدی بچوں کو سلام وپیار کرتے ہوئے بیت الحمد کی جانب تشریف لے گئے-یہ بچے اپنے ہاتھوں میں جرمنی اور پاکستان کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے اٹھائے ہوئے انہیں لہرا رہے تھے-ان خوش قسمت بچوں کے بعد مسجد کے دروازہ کے قریب بائیں جانب کھڑے ہوئے احباب وخدام کو بھی حضور ایدہ اللہ نے ازراہ شفقت شرف مصافحہ بخشا-اس وقت مسجد کے دروازہ کے عین دائیں جانب جماعت کی کچھ بچیاں حضور ایدہ اللہ کے لئے ایک استقبالیہ نظم پڑھ رہی تھیں-حضور نے ازراہ شفقت یہ نظم سنی اور ان بچیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور السلام علیکم کہتے ہوئے مسجد بیت الحمد کے اندر تشریف لے گئے-

مسجد کے اندر تشریف لے جاتے ہی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مسجد کی زمینی منزل میں مستورات کے ہال اور اس کے ساتھ منسلک مختلف کمروں کا معائینہ فرمایا اور اس کے بعد پہلی منزل میں مسجد اور یہاں قائم مختلف ریجنل دفاتر کا معائینہ فرمایا-اس معائینہ کے دوران مختلف ہدایات سے نوازتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ باہر تشریف لائے اور اپنے استقبال کے لئے حاضر لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ سے کچھ دیر کے لئے اظہار خوشنودی کے طور پر کلام فرمایا اور پھر السلام علیکم کہتے ہوئے قیلولہ کے لئے مسجد حمد میں مدغم اپنی رہائش گاہ میں تشریف لے گئے-اس استقبالیہ تقریب کے بعد سب سے پہلے دور ونزدیک سے تشریف لانے والے تمام معزز مہمانوں کو دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا اور ان کے بعد ڈیوٹیوں پر متعین احباب نے بھی کھانا کھایا-

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اقتداء میں سب سے پہلی نمازوں کی ادائیگی کے لئے دور ونزدیک سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جانثار خدام تشریف لائے ہوئے تھے۔شام پونے چھ بجے ظہر اور عصر کی باجماعت نماز کے لئے وقت مقرر تھا لہذا ساڑھے پانچ بجے مکرم حیدر علی ظفر صاحب مشنری انچارج جماعت احمدیہ جرمنی نے اذان دی اور ''مسجد بیت الحمد'' خدا تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور ایدہ اللہ کی امامت میں نمازوں کی اقتداء کے لئے نمازیوں سے بھرنی شروع ہوگئی تھی۔نماز باجماعت کی ادائیگی تک تمام منتظر احباب مکرم حیدر علی ظفر صاحب کی ہدایت کے ماتحت تسبیحات میں مشغول رہے۔سیدنا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ عین وقت پر پونے چھ بجے مسجد کے اندر تشریف لے آئے اور آپ کے تشریف لاتے ہی جماعت کھڑی ہوگئی۔حضور ایدہ اللہ کے ارشاد پر مکرم حیدر علی ظفر صاحب نے اقامت کہی اور یوں حضور کی امامت میں مسجد بیت الحمد میں سب سے پہلی باجماعت نمازیں ادا کی گئیں۔نمازوں کی ادائیگی کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت مسجد کے باہر رکھی ہوئی ''گیسٹ بک'' میں ''خوبصورت مسجد اور اسے اللہ کے لئے ہی وقف رہنے کی دعا تحریر فرماتے ہوئے اس کے افتتاح کی سعادت پر اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات کا اظہار فرمایا''۔اس کے بعد اسی کتاب کے ساتھ لگائے گئے بُک سٹال کا معائینہ فرماتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ مسجد کی عمارت سے باہر تشریف لا کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

اسی دن مکرم نصیر احمد شاد صاحب اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری تبلیغ رائینموزل نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریجن میں زیر تبلیغ جرمن افراد کی میٹنگ کا پروگرام بنایا ہوا تھا لہذا اس میں مدعو جرمن مہمان شام چھ بجے سے ہی آنے شروع ہوگئے تھے جس پر مکرم ہدایت اللہ ہُبش صاحب نیشنل سیکرٹری پریس جماعت احمدیہ جرمنی نے تقریباً ساڑھے چھ بجے ڈائس سے معلومات عامہ کا پروگرام شروع کردیا جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا تعارف نیز اس تبلیغی نشست کے مقاصد کو اجاگر کیا تاکہ سیدنا حضور ایدہ اللہ کی تشریف آوری تک اس نشست میں شرکت کرنے والے تمام مہمان اپنے اپنے سوالات کی تیاری کرلیں۔اس سلسلہ میں مکرم نصیر احمد شاد صاحب ریجنل سیکرٹری تبلیغ رائینموزل کی ہدایت کے مطابق تمام مہمانوں کو ایک ایک تعارفی پمفلٹ،ایک ایک سادہ کاغذ اور ایک ایک بال پوآئنٹ پین بھی مہیا کئے گئے۔یہ ترکیب انتہائی کارگر ثابت ہوئی اور یوں حضور ایدہ اللہ کی مجلس میں تشریف آوری تک کم وبیش تمام سوالات مکرم ہُبش صاحب تک پہنچ گئے۔اسی دوران کچھ احمدی بچیوں نے جرمن میں ایک نظم بھی پڑھی کہ جسے جرمن مہمانوں نے خوب پسند کیا اور اپنی روایات کے مطابق تالیاں بجا کر داد دی۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تشریف آوری پر شام سات بج کر بیس منٹ پر اس پُر وقار تبلیغی مجلس کا تلاوت قرآن مجید سے آغاز ہوا۔پروگرام کے تحت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر مکرم ملک جلال الدین صاحب نے تلاوت قرآن مجید کی اور تلاوت کے بعد اس کا جرمن ترجمہ مکرم سعید گیسلر صاحب نے پیش کیا گیا۔اس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ مہمانوں سے مخاطب ہوئے۔سوال وجواب کی اس دلچسپ نشست میں حضور ایدہ اللہ نے حاضرین کے مختلف انواع کے سوالات مثلاً قرآن،عیسائیت اور اسلام میں پردہ کے موضوعات پر مدلل جوابات عنایت فرمائے۔اس میٹنگ کے دوران بھی بعض جرمن افراد تشریف لاتے رہے اور ان سب کی دلچسپی دیکھنے کے قابل تھی یہاں تک کہ جب کوئی سوال۔جواب طلب باقی نہ رہا اور تمام حاظرین مطمئن ہوگئے تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم کہتے ہوئے واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور یوں سوال وجواب کی یہ دلچسپ محفل حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے تشریف لے جانے پر رات تقریباً نو بج کر دس منٹ پر اختتام پذیر ہوئی۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے تشریف لے جانے کے بعد تمام حاضر مہمانوں کو کھانے کے لئے مدعو کیا گیا لیکن ان مہمانوں نے کھانے سے پہلے مسجد سے ملحق بُک سٹال پر کھڑے ہو کر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور بہت سے مہمان اپنے ساتھ مختلف کتابچے لیتے ہوئے نچلے ہال میں شام کے کھانے کے لئے تشریف لے آئے اور پھر نہایت ذوق وشوق سے یہ دعوتی کھانا تناول کیا اور اس کے بعد وہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ملاقات، نشست کے حسن انتظام اور اس عمدہ کھانے کی تعریف کرتے ہوئے یہ مہمان رخصت ہوئے۔ اس تبلیغی نشست میں ۶۲ر مہمانوں نے شمولیت کی جن میں سے ۳۸ر جرمن افراد تھے اور ان کے علاوہ کچھ نو احمدی جرمن مہمان بھی حاضر تھے۔ اس نشست سے کچھ دیر قبل شدید طوفان باد و باراں آیا کہ جس میں بار بار بجلی بھی فیل ہو جاتی رہی غالباً اسی وجہ سے مہمانوں کی حاضری توقع سے کچھ کم رہی لیکن پھر بھی یہ نشست خدا تعالیٰ کے فضل اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی شرکت کی بدولت ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ رات پونے دس بجے حضور کے دوبارہ مسجد میں واپس تشریف لانے پر مغرب اور عشاء کی نمازیں با جماعت ادا کی گئیں۔ وتروں کی ادائیگی کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ آرام فرمانے کے لئے اپنی رہائش گاہ میں تشریف لے گئے اور یوں حضور کی تشریف آوری کا پہلا دن بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

دوسرا دن

مؤرخہ ۶ر جون کا آغاز فجر کی اذان اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی نماز فجر کی امامت سے ہوا۔ اس دن صبح ساڑھے نو بجے سے ہی احمدیت کے پروانوں کی حضور سے ملاقات شروع ہو گئی تھی جس کے لئے سیدنا حضور ایدہ اللہ کے دیدار اور وصال کے متمنی درخواست دہندگان احباب کو بروقت مطلع کر دیا گیا تھا۔ ملاقاتیوں کو مسجد بیت الحمد کے اندر نہایت عمدہ طریق پر سلیقہ اور انتظام کے ساتھ کرسیوں پر ترتیب کے ساتھ بٹھایا گیا تھا اور ان کا نام پکارا جانے پر انہیں حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں بھجوایا جاتا رہا۔ ان ملاقاتوں کا سلسلہ دوپہر بارہ بجے تک جاری رہا۔ اپنے آقا سے ملاقات کیلئے جانے والوں کا شوق دیدار اور ملاقات سے واپسی پر ان عشاق کے ہنستے، مسکراتے اور جگمگاتے چہرے نظر آتے تھے کہ جن کی وصلت کی خوشی ومسرت کو الفاظ کے دائرے میں لانا بہت مشکل امر ہے۔

ان انفرادی ملاقاتوں کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دفتر سے باہر تشریف لا کر مسجد سے لے کر سڑک تک بچھے ہوئے قالین والے راستہ کے دائیں جانب کھڑے ہوئے جانثاران احمدیت کو فرداً فرداً مصافحہ کا شرف بخشا اور پھر کچھ دیر کے لئے اپنی رہائش گاہ میں تشریف لے گئے اور تروتازہ ہونے کے بعد باہر تشریف لا کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اگلے سفر کے آغاز سے قبل ایک اجتماعی دعا کروائی اور پھر اپنی موٹر کار میں تشریف فرما ہو کر اپنے مقدس ہاتھ سے احباب کے سلام کا جواب دیتے ہوئے عازم فرینکفرٹ ہو گئے۔ وٹلش کی فضا خدا حافظ حضور۔ فی امان اللہ میرے آقا۔ کی درد محبت سے بھری ہوئی صداؤں سے گونج اُٹھی۔ حضور کے محبان اور جماعت کے پروانوں کی آنکھیں حضور کی جدائی کی بدولت اشکوں سے پُر آب ہو گئیں اور یوں بہت سے احباب ایک دوسرے کے گلے مل کر ایک دوسرے کو اس کامیاب اور بابرکت تقریب کی مبارک باد دیتے ہوئے صبر وحوصلہ کی تلقین بھی کرتے رہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مبارک آمد کے لئے تمام ریجن کے احباب سر آنکھیں بچھائے منتظر اور ممد ومعاون رہے لیکن ان میں سے بعض مخلص احباب نے دن رات انتھک جدوجہد، محنت اور کوشش کر کے مکرم ریجنل امیر صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ مکرم طاہر احمد ظفر صاحب ریجنل امیر جماعت احمدیہ رائینموزل جرمنی نے اس رپورٹ میں محض بغرض دعا ان کے اسمائے گرامی شامل کرنے کے لئے دئے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

مکرم افتخار احمد صاحب صدر جماعت WITTLICH ،محترمہ فائزہ ظفر صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ WITTLICH ،مکرم نصیر احمد شاد صاحب اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری تبلیغ ریجن RHEINMOSEL اور ان کی ٹیم نیز محترمہ نصرت بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم نصیر احمد شاد صاحب ،محترمہ فوزیہ ارشد صاحبہ ریجنل صدر لجنہ اماء اللہ اور ان کی ٹیم ،مکرم رانا جاوید اقبال صاحب صدر جماعت PRÜM ،مکرم عبدالخالق خان صاحب اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری ضیافت اور ان کی ٹیم نیشنل شعبہ ضیافت کی ٹیم ،مکرم مبارک احمد شاہد صاحب ریجنل قائد خدام الاحمدیہ اور ان کی ٹیم ،مکرم محمد احسن صاحب صدر جماعت KOBLENZ-NEUENDORF ،مکرم مقصود احمد نسیم صاحب صدر جماعت VALLENDAR اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری امور خارجہ ونمائندہ اخبار احمدیہ رائینموزل جرمنی، مکرم طاہر احمد صاحب صدر جماعت NEUWIED اور ان کی ٹیم اور اسی جماعت کے مکرم محمد عالم سہیل صاحب اور مکرم سعادت احمد خالد صاحب- اللہ تعالیٰ ان سب کو دین ودنیا کی حسنات سے نوازے- آمین اللھم آمین-"۔(اخبار احمدیہ جرمنی + الفضل انٹرنیشنل برطانیہ۔جون ۲۰۰۰ء)

اس رپورٹ سے قبل میرے موٹاپے کا ذکر ہورہا تھا اس لئے اس جسمانی موٹاپے والے لطیف واقعہ سے یاد آیا کہ ۱۹۸۶ء کی گرمیوں میں ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ صاحبزادی بی بی طاہرہ بیگم صاحبہ ، میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد خالد (سیفی میاں) صاحب کی فیملی کے ساتھ یہاں جرمنی کے دورہ کے دوران ہمارے غریب خانہ NEUWIED میں بھی رونق افروز ہوئے تو حضرت بیگم صاحبہ نے بھی غالباً یہی الفاظ کہے تھے کہ"سودے۔تم تو بہت موٹے ہوگئے ہو" اور اتفاقاً اس وقت آپ کے بیٹے مکرم سیفی میاں صاحب میرے پاس ہی کھڑے تھے تو غلطی سے میرے مونہہ سے نکلا " جی ہاں! بس سیفی کے نقش قدم پر چل رہا ہوں" کہ جس پر میرے یہ دونوں معزز بزرگ بہت محظوظ ہوئے تھے کیونکہ ان دنوں مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب بھی مجھ سے عمر اور قد کاٹھ میں چھوٹا ہونے کے باوجود میرے مقابلہ پر اچھے خاصے موٹے تازے ہورہے تھے- یوں اس ملاقات میں خوب ہنسی مذاق ہوتے رہے اور ان دنوں چونکہ میرا وہ غریب خانہ دریائے RHEIN کے عین کنارہ پر تھا لہذا دریا کے کنارے کھلی جگہ سیر و تفریح کا بھی خوب مزہ رہا حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب و بیگم حضرت صاحبزادی بی بی طاہرہ بیگم صاحبہ اور مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب اور بیگم صاحبزادی شوکت بیگم (بی بی شوکی) صاحبہ اور بچوں نے بھی بہت حظ اٹھایا اور خوب لطف اندوز ہوئے- یہاں میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اعلیٰ حسن اخلاق کا ایک چھوٹا سا واقعہ بھی پیش خدمت کرتا ہوں کہ ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد میری زوجہ محترمہ انگرڈ INGRID کھانے والے برتن دھونے لگیں تو حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نے اپنی بہو صاحبزادی شوکت بیگم صاحبہ سے فرمایا: شوکی۔تم بھی سودے کی بیوی کا ہاتھ بٹاؤ۔اور پھر ہمارے نہ نہ کرنے کے باوجود محترمہ صاحبزادی صاحبہ نے میری بیوی کے ساتھ مل کر برتن دھوئے اور انہیں خشک کر کے برتنوں والی الماری میں قرینے سے رکھ دیا۔جزاھم اللہ احسن الجزاء

اس لئے یہاں مجھے یاد آیا کہ جہاں کہیں بھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شفقت ومحبت ودلداری اور غمگساری کے واقعات کا ذکر ہو وہاں مجھے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ جیسی شفیق ترین ہستی کی عنایات کے واقعات اس روانی کے ساتھ یاد آنے لگتے ہیں کہ جیسے کوئی ہمیشہ ہمیش سے چلتے چلے جانے والا دریا بہہ رہا ہو- آپؓ کی بے انتہا شفقت ومحبت کے بارہ میں خاکسار کو ایک اور واقعہ بھی یاد آگیا کہ میری منجھلی ہمشیرہ عزیزہ زبیدہ تسنیم (نسیم) بیدی صاحبہ کالج کے زمانہ میں جسمانی طور پر کچھ کمزور تھیں- سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کہنے پر مکرم ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب (ہارٹلے پول- برطانیہ) نے مختلف طرح کے چیک اپ کرنے کے بعد اس جسمانی کمزوری کی وجہ خون میں کمی بتائی- انہوں نے چند ایک ملٹی

وٹامین کی گولیاں اور سیرپ وغیرہ تجویز کر کے نسخہ لکھ دیا- یہ سن کر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سخت پریشان ہوگئیں کہ یہ بچی ابھی جوانی میں قدم رکھ رہی ہے خدانخواستہ اس کے خون کی کمی کہیں اس کی صحت کو متاثر نہ کردے- پس آپ نے ڈاکٹری نسخہ کے مطابق ادویات منگوانے کے ساتھ ساتھ ایک دیسی علاج بھی ازخود تجویز فرمایا کہ بیدی جب روزانہ دوپہر کے وقت کالج سے واپس آئے تو اسے کلیجی گھی میں آدھی تل کر پیٹ بھر کر کھانے کے لئے دی جائے- اس کے علاوہ جو بھی مہنگے سے مہنگا پھل خون وغیرہ کی کمی کو دور کرنے کے لئے کسی نے بتایا مثلاً سیب- انار وغیرہ وہ بھی بازار سے منگوا کر عنایت فرماتی رہیں- اس زمانہ میں ربوہ میں پھل وغیرہ اور بکرے کی کلیجی کافی مہنگی چیزیں تھیں لیکن سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے اس وقت تک اس علاج کو جاری رکھنے کا حکم دیا کہ جب تک ان کی جسمانی کمزوری دور نہ ہوجائے- اسی علاج کے دوران مکرم ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب بذات خود ہمارے یہاں البشریٰ تشریف لاکر متعدد بار خون وغیرہ کے چیک کرتے رہے یہاں تک کہ کئی ماہ کے علاج معالجہ کے بعد جب میری بہن کے رخساروں سے بھی خون ٹپکنے لگا یعنی رخسار گلابی ہوگئے تو تب بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا یہی اصرار تھا کہ ابھی اپنا علاج مزید جاری رکھو خدانخواستہ کہیں دوبارہ یہ کمزوری عود کر واپس نہ آجائے- اللہ اللہ اب ایسی شفیق ہستیاں کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں- خدا تعالیٰ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور آپؓ کے درجات تا قیامت بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے- آمین اللھم آمین

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ اور آپؓ کی بیگم صاحبہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو مجھ عاجز سے اتنی زیادہ محبت تھی کہ جس کی کوئی مثال اس وقت نہیں مل سکتی - آپؓ کے پیار ہی کی بدولت ہمیشہ میرے پاس نئے سے نیا بائیسکل ہوتا اور ہر طرح کا نیا لباس پہننے کو میسر رہتا پھر نئی سے نئی جوتی یا بُوٹ پہنے رکھتا- اسی خاص محبت کی وجہ سے ہم لوگ اس شان اور ٹھاٹھ باٹھ سے کوٹھی ''البشریٰ'' میں رہتے تھے کہ تمام ربوہ میں شاید ہی کسی کو یہ علم ہوگا کہ یہ خاکسار، حضرت میاں صاحبؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ایک خادمہ کا بیٹا ہے- حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ صاحبزادی سرور سلطان جہان صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی انتھک محنت اور بے لوث خدمت سے متاثر ہوکر اپنی محبت وشفقت کے اظہار کے لئے اس عاجز کو اپنا مونہہ بولا بیٹا بنالیا تھا- جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ پٹھانوں کے ایک مشہور قبیلہ ''نیازی'' سے تعلق رکھتی تھیں لہذا اسی تعلق میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے محض اظہار محبت وشفقت خاکسار کو ''خان'' کا لقب عطا فرمایا تھا- تب سے تمام خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد بھی اس عاجز کو پیار سے '' سُودے یا سُودا یا سُودی '' کے الفاظ سے پکارتے اور یاد کرتے ہیں اور یوں یہ نام تمام خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا لیا اور اب تک پیار سے مجھے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اگر کوئی مقصود کے نام سے پوچھے تو کسی کو یہ علم نہیں کہ کون مقصود ؟ لیکن اگر مسعود یا سُودے خان نیز سودی خان کے نام سے پوچھا جائے تو سبھی جانتے ہیں کہ کن صاحب کا ذکر ہورہا ہے- اب محض تحدیث نعمت کے طور پر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے سب سے بڑے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا ذاتی مضمون ''ہماری والدہ'' آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے ازراہ شفقت اس عاجز کو امریکہ سے بھجوایا تھا- ملاحظہ فرمائیں:-

'' امّاںؓ کو فوت ہوئے ایک زمانہ گزر گیا- اُس وقت اُن کے بارے میں کچھ لکھنا چاہا مگر ہمت نہ پڑی لیکن یہ خواہش زندہ رہی اور آج دعا کی درخواست کے ساتھ کچھ لکھنے بیٹھا ہوں۔ امّاںؓ، حضرت مولوی غلام حسن خان صاحبؓ پشاوری کی بیٹی تھیں جو حضرت اقدسؑ کے قدیم ترین رفقاء

میں سے تھے۔جن کا ذکر حضورؑ نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں کیا ہے اور اس کے بعد ۳۱۳ رفقاء کی فہرست میں بھی جو کہ ۱۸۹۶ء میں ایک خاص پیشگوئی کی بناء پر بطور نشان تیار کرائی گئی تھی میں ان کا ذکرِ خیر موجود ہے۔اور وہ سرحد کے علاقہ اور جماعت میں معروف شخصیت رکھتے تھے ۔بدقسمتی سے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات پر جو تفرقہ اُٹھا اس میں وہ بھی غیر مبائعین جماعت میں شامل ہو گئے اور ان کا رشتہ قادیان سے منقطع ہو گیا۔چونکہ ان کا ذکر چل پڑا ہے لہذا میں اس موقع پر ایک قیمتی اور سبق آموز شہادت کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اُن کی خلافت سے علیحدگی کا اباجانؓ کو بڑا دُکھ تھا اور وہ اس بارے میں ہمارے نانا جان کی خدمت میں تبلیغی خطوط لکھتے رہتے تھے ۔ ۱۹۳۹ء کے جوبلی کے جلسہ کے موقع پر آپؓ کی دعوت پر نانا جانؓ قادیان تشریف لائے ۔اس کے بعد شاید پھر ایک دو مرتبہ مزید بھی تشریف لائے اور اغلباً ۱۹۴۲ء میں جب میں چھٹی پر گھر آیا تو نانا جانؓ بھی آئے ہوئے تھے اور اس کمرہ میں قیام تھا جو ہمارے گھر کی گلی اور مسجد اقصیٰ کی طرف جو راستہ تھا اس کے کونے پر ہے۔میں ملنے گیا، بی بی بھی ساتھ تھیں۔مل کر خوش ہوئے اور بی بی کو دیکھ کر کہا کہ مظفر احمدؑ یہ تو ''نجیب الطرفین'' ہیں یعنی حضرت اقدسؑ کی پوتی ، مصلح موعود کی بیٹی اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی نواسی۔

باتوں باتوں میں میں نے نانا جانؓ سے پوچھا کہ آپ قریباً ۴۰ سال علیحدہ رہے اب کس طرح بیعت کی ؟ ۔جو چھوٹا سا فقرہ آپ نے جواباً کہا وہ بہت گہرا اور سبق آموز تھا۔فرمانے لگے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت کو ردّ نہیں کر سکتا'' ۔ پھر خود ہی اس کی تشریح فرمانے لگے۔ فرمایا کہ ''جب ہم علیحدہ ہوئے تو جماعت میں زیادہ بااثر اور معتمد شمار ہوتے تھے۔پھر اپنا ہیڈ کوارٹر لاہور کو چُنا کیونکہ وہ اہم شہر تھا اور صوبے کا دارالحکومت بھی لہذا ہمیں ملنے کی غرض کے بغیر بھی لوگوں کی عام آمدورفت تھی۔اُدھر قادیان جانے کے لئے خاصی مشقت کرنی پڑتی تھی۔ریلوے سٹیشن سے گیارہ بارہ میل کے فاصلہ پر تھا اور یکّوں پر تکلیف دہ سفر تین (۳) گھنٹے سے زائد کا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے جو عقیدہ پیش کیا وہ بہت نرم تھا یعنی یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کو نبی بے شک نہ مانو مجدد ہی مان لو لیکن اس کے باوجود ہم دن بدن کمزور اور تعداد میں کم ہوتے چلے گئے لیکن خلافت سے وابستہ حصہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔میں نے سمجھا کہ میری سمجھ کا قصور تو ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔اس پر میں نے حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ناقل) کی خدمت میں خط لکھا کہ بعض مسائل مجھ پر اب بھی صاف نہیں۔کیا ان میں اختلافات رکھتے ہوئے میں بیعت کر سکتا ہوں ؟۔حضورؓ نے جواباً فرمایا کہ: ''ہاں! آپ بیعت کر سکتے ہیں لیکن اختلافی مسائل کی جماعت میں تشہیر کی اجازت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔آپ دعا کریں میں بھی دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ وہ مسائل بھی آپ پر حل کر دے''۔چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

خیر اب میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں لیکن اس موقع پر ایسی قیمتی شہادت کا ذکر کرنا اور اسے تاریخ میں محفوظ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ امّاںؓ کی لمبی بیماری پر ہمارے ایک ماموں عبدالرحمٰن خان ملازمت سے فراغت کے بعد ربوہ تشریف لے آئے تا اپنی بہن کے قریب رہ سکیں پھر اپنی وفات تک وہ ربوہ میں ہی رہے اور اپنی وفات سے پہلے مجھ پر یہ احسان کیا کہ نانا جانؓ کے نام جو خطوط حضرت اقدسؑ (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ناقل) یا ،حضورؓ (سیدنا حضرت مصلح موعودؓ۔ناقل) کی طرف سے آئے اور محفوظ تھے وہ مجھے دے دئے۔ان میں ایک خط وہ بھی تھا جس میں حضورؑ (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ناقل) کی طرف سے اباجان کے لئے رشتہ کا پیغام بھی تھا اگر ممکن ہُوا تو اس کا عکس پیش کر دوں گا اور اس وقت کے ڈاکخانے کے لفافوں پر حضورؑ (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ناقل) کے اپنے لکھے ہوئے پتہ جات بھی۔اس لمبے عرصہ میں جو ۴۰ سال کے قریب بنتا ہے اماںؓ نے والدین سے تعلق اور ان کا احترام تو قائم رکھا اور گرمیوں کی چھٹیوں میں بچوں کو لے

کر چند ہفتوں کے لئے ماں باپ کے بھی جاتی تھیں لیکن جہاں تک عقائد کا سوال ہے اور خلافت سے وابستگی کا تعلق ہے اس پر بڑی پختگی سے قائم رہیں اور والدین کے اختلافِ عقائد سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ ذاتی رشتہ کے تعلق کی پختگی اور اُن کے عقائد سے بیزاری کا عجیب امتزاج تھا لیکن بغیر کسی بدمزگی کے۔

امّاںؓ کی شادی نوعمری میں ہوئی۔ ہمارے ننھیال میں ان کے ہاں گھر میں فارسی بولتے تھے اور باہر دوسروں سے میل جول میں پشتو ۔ سو امّاںؓ ان دونوں زبانوں سے واقف تھیں لیکن اردو اور خصوصاً پنجابی کی شدھ بدھ نہ تھی۔ شروع میں قادیان آئیں تو قادیان میں جو خاندان سرحد سے آ کر آباد ہو چکے تھے ان کی مستورات کا گھر میں زیادہ آنا جانا رہتا تھا ۔ نوعمری میں شادی کا ایک بے بہا پھل ہماری بڑی ہمشیرہ امتہ السلام بیگمؓ کی ولادت کی صورت میں آیا۔ جنہیں اکیلے یہ فخر حاصل رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں گود میں اٹھایا اور کھلایا۔ اور حضورؑ کی زندگی میں وہ حضرت اماں جانؓ کی اولاد میں سے واحد پوتی حیات تھیں باقی پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں حضورؑ کے وصال کے بعد پیدا ہوئے۔ امّاںؓ کی طبیعت میں غریب پروری، غرباء سے گہری ہمدردی اور یکساں سلوک امتیازی طور پر نمایاں تھے۔ ان کی خوشیوں اور غم میں شریک ہوتی تھیں۔ طبیعت میں غصہ بھی تھا لیکن بڑا وقتی اور سطحی اور پھر ایک لحظہ میں جاتا رہتا تھا۔

اماںؓ بڑی مہمان نواز تھیں اور مہمان کے ہر قسم کے آرام کا خیال بڑی توجہ سے کرتی تھیں۔ محنت کی عادی تھیں اور گھر میں کسی قسم کے کام سے عار محسوس نہ کرتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے کام بڑے شوق سے کرتی تھیں۔ ہمارے بچپن کے ایام میں قادیان کی زندگی بڑی پُرسکون اور سادہ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ سکول جانے سے پہلے اماںؓ خود بچوں کے لئے ناشتہ تیار کرتیں۔ چائے پشاوری روغنی پیالوں میں پراٹھوں کے ساتھ یا رس بکرم کے ساتھ۔ چولہے کے اردگرد پیڑھیوں پر بیٹھے ہمیں ناشتہ کراتیں اور سکول جانے سے پہلے دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتیں۔ چولہے مٹی کے ہوتے تھے جس میں لکڑی جلتی تھی اور یہ عمل بڑی محنت چاہتا تھا اور پھر لکڑی اکثر گیلی ہوتی تھی کہ جس کی بناء پر باورچی خانہ دھوئیں سے بھر جاتا تھا۔ بچوں کی بیماری میں ان کا بہت خیال رکھتیں۔ دوائی پلاتے وقت ’’ یا شافی یا کافی ‘‘ کچھ اس سوز اور درد سے کہتیں کہ ان کی یہ دعائیہ آواز آج بھی برسوں بعد میرے کانوں میں گونج جاتی ہے اور اب بھی دوائی کھاتے وقت بے اختیار یہ دعائیہ کلمات خاموشی سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

امّاںؓ دل اور ہاتھ کی بہت سخی تھیں اور یہ وصف اپنی طاقت سے بڑھ کر نمایاں ہو جاتا تھا۔ جماعت کی مالی حالت ان دنوں بڑی کمزور تھی اور بعض دفعہ کئی کئی مہینوں کے گذارہ الاؤنس ادا نہ ہوتے تھے ۔ خصوصاً ان ایام میں پرچیوں کا رواج تھا اور بازار سے سودا پرچیوں پر آ جاتا جو بعد میں اکٹھا ادا ہوتا تھا۔ ابا جانؓ کو قرضہ یا کسی کی رقم کی ادائیگی کی تاخیر سے بڑی وحشت تھی اور ایسی صورت میں جب بھی علم ہوتا تو بہت جلد سارا حساب کر کے رقم ادا کرتے۔ اس ضمن میں دونوں میاں بیوی اپنی طبیعت سے قدرے مجبور رہتے تھے۔

امّاںؓ کی طبیعت میں بظاہر سختی کے متعلق اس پر اوپر لکھ چکا ہوں۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات اور شہادت کا بھی ذکر کر دوں۔ جب میری شادی کا پیغام گیا تو ہماری بڑی پھوپھی جانؓ (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ۔ ناقل) نے حضرت صاحبؓ کے اشارہ پر بی بی سے بات کی اور اس طرح شروع کی کہ میاں بشیر احمدؓ منجھلے بھائی کے بچوں کی شادیاں بھی اب ہوں گی اور میرے چھوٹے بھائی حمید احمد کے نام سے بات شروع کی تو اس پر بی بی (صاحبزادی حضرت امتہ القیوم بیگم صاحبہ۔ ناقل) بولیں کہ امّاںؓ کی سخت طبیعت کے تاثر کی وجہ سے ان کے بچوں کو کون اپنی بیٹی دینے پر رضامند

ہو گا؟ حضرت صاحبؓ کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے بی بی کو خط لکھا کہ امّاںؓ کی طبیعت میں سختی ضرور ہے لیکن دل کی بہت اچھی ہیں - اتنے سالوں سے ہمارے ساتھ ہیں، بڑی پیار کرنے والی ہیں - میرے ابا کا نام لے کر کہا کہ اس نے ایک بلّی پال رکھی ہے اس سے اتنا پیار کرتی ہیں کیا تم سے نہیں کریں گی؟ ہاں کوئی اور وجہ ہے تو یہ اور بات ہے - میں اس معاملہ میں دعا بھی کروں گا - حضورؓ کی دعا کا اثر ہو گا کہ بی بی کی طبیعت میں انشراح پیدا ہوا - اس میں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اصل چیز دعا کی برکت ہے جس پر والدین کو انحصار رکھنا چاہئے -

بی بی کہتی ہیں کہ شادی کے بعد یہ حال رہا کہ امّاںؓ نے مجھ سے بے حد پیار اور شفقت کا سلوک کیا اور قادیان کے زمانہ تک یہ حالت رہی کہ جب میرے دو بھائیوں کی شادی ہوئی تو ہمارا کمرہ بھی دلہن کی طرح سجایا - ہجرت کے بعد تو عرصہ تک سب کو بے گھر ہو کر ہی رہنا پڑا - شفقت اور پیار کی بات چلی تو ایک اور واقعہ بھی یہاں لکھ دوں - امّاںؓ کو ساجدہ (بنت وقیع الزمان خان - ان کی پہلی شادی سے) سے بہت پیار تھا - کئی روز سے اس کی طرف سے کوئی خط یا اطلاع نہ آئی تو طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوئی - ملازمہ سے کہا کہ جاؤ اور اس کی نانی کے یہاں جا کر پتہ کرو کہ کیا بات ہے - خیریت سے تو ہے؟ ملازمہ کہنے لگی کہ آپ کی بیٹی امتہ المجید (جن سے وقیع الزمان خان کی دوسری شادی ہوئی تھی) کے بیٹی ہوئی ہے اسی مصروفیت یا بیماری میں ساجدہ خط نہ لکھ سکی ہو گی - امّاںؓ کہنے لگیں کہ کہ مجھے اس نوزائیدہ بچی کا اتنا خیال نہیں مجھے تو اس جوان جہان کا فکر ہے - تم جاؤ اور پتہ کرو - غرض یہ کہ جن سے تعلق ہوتا تو وہ بہت گہرا ہوتا تھا -

اس سلسلہ میں ایک بات اور یاد آ گئی - امّاںؓ بیمار ہو کر اچانک لاہور آئیں - انہی دنوں ایک دو روز میں میرا ایک سرکاری دورہ پر ہندوستان جانے کا پروگرام تھا - دوسرے افسران کی بیگمات کا بھی ساتھ جانے کا پروگرام تھا - بی بی کا بھی پروگرام بن گیا لیکن امّاںؓ کی بیماری کی وجہ سے انہوں نے اپنے جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا اور مجھے کہا کہ امّاںؓ کو پتہ نہ چلے کہ میں بھی جا رہی تھی مگر امّاںؓ کا اصرار تھا کہ تم بھی جاؤ سیر ہو جائے گی - بی بی کو اچانک سخت نزلہ ہو گیا تو انہوں نے امّاںؓ کو کہا کہ لیں اب تو مجھے زکام اور بخار بھی ہو گیا ہے میں نہیں جاتی - امّاںؓ نے اس پر چنے کی تھیلیاں بنا کر انہیں گرم کر کے ٹکور کا اہتمام کیا - خدا کے فضل سے زکام اور بخار جاتا رہا - اب نہ جانے کا ایک ہی بہانہ باقی تھا کہ امّاںؓ کی طبیعت اچھی نہیں امّاںؓ نے کہا کہ میرے ساتھ میری ملازمہ آئی ہوئی ہے اور گھر میں دوسرے ملازم بھی ہیں - دو چار روز کی بات ہے - یہ میرا خیال رکھ لیں گے تم ضرور جاؤ - ایک پیار اور شفقت کا سلوک تھا کہ دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنے آرام کا خیال حائل نہ ہونے دیا -

گھر میں کام کرنے والوں سے بڑی ہمدردی اور مروّت کا سلوک کرتی تھیں - ابا جان کے پاس ان کے کام کے لئے ایک لڑکا بشیر رہتا تھا جس نے ساری عمر بڑی محنت اور وفاداری سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں - ہجرت کے معاً بعد لاہور میں قیام کے دوران اماںؓ کبھی اس کو کسی کام کے لئے باہر یا بازار وغیرہ بھیجتیں تو اگر اندازہ سے زیادہ تاخیر ہوتی تو بہت گھبراتی تھیں کہ نہ معلوم کہیں کسی حادثہ کا شکار نہ ہو گیا ہو لیکن جب وہ واپس پہنچ جاتا تو سارا برا بھلا بھول جاتی تھیں - کھانا جو اس کے لئے رکھتی تھیں وہ اسے دیتیں - جا دفع ہو اور جا کر اپنا کھانا کھاؤ - ایک اپنائیت کے رنگ میں یہ فقرات کہتی تھیں -

امّاںؓ کی بیماری میں بہت لمبا عرصہ احمدہ بی بی نے آپؓ کا بہت خیال رکھا اور بیمار کی خدمت کا پورا حق ادا کیا - اس کے بیٹے مسعود خان کو گھر میں سُودا کہہ کر پکارا جاتا تھا اور اس کی بیٹیوں کا بھی بہت خیال رکھتیں اور ان سے اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی طرح سلوک کرتیں

-مستورات جو بہت باقاعدگی سے آتی تھیں اور جن کا اکثر آنا جانا رہتا تھا ان میں غرباء کی کافی تعداد تھی-لال پری جو سرحد سے آ کر قادیان میں آباد ہوگئی تھیں ان کی واپسی کا انتظام کرواتیں-بشیر کو کہہ کر تانگہ منگوا کر گھر بھجواتیں اور ساتھ کہتیں کہ تم کمزور ہوگئی ہو کم نکلا کرو کہیں گر کر چوٹ نہ لگ جائے لیکن جب وہ کچھ روز نظر نہ آتی تو بشیر کو بھیج کر بلواتیں-اس سے مروّت کا سلوک زندگی بھر رہا-حضرت امّاں جانؓ سے گہری عقیدت،احترام اور تعلق تھا-صبح کے ناشتے اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر جب ابا جانؓ دفتر چلے جاتے اور بچے سکول تو ان کا قریباً روزانہ کا معمول تھا کہ دوپہر کے کھانے تک امّاں جانؓ کی پاکیزہ صحبت میں وقت گزارتیں-حضرت امّاں جانؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے دل میں سرور سلطان (امّاںؓ کا نام) کی بہت قدر ہے-یہ میرے بیٹے کا بہت خیال رکھتی ہے-امّاںؓ نماز روزہ تلاوت قرآن کریم کی سختی سے پابند تھیں اور ان عبادات کے سینکڑوں نظارے میرے بچپن کے ایام سے میری آنکھوں کے سامنے ہیں-

نبی کریم ﷺ کا یہ قول ان کے سب اقوال کی طرح بڑا سچا اور گہرا ہے کہ ''جنت ماں کے قدموں کے تلے ہے''-جہاں ایک طرف ماں کی بچوں کی تربیت کی اہمیت پر تاکید کرتا ہے وہاں ایک اور رنگ میں بچوں پر ماں باپ کی خدمت اور ان کی دعاؤں سے فیض یاب ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے-مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑا حجاب ہے لیکن **انما الاعمال بالنیات** کے سہارے اور اس خواہش میں کہ شاید میری یہ بات کسی لاپرواہ بچے میں ماں باپ کی خدمت کے جذبہ کو ابھارے لکھ رہا ہوں-انگلستان سے ۱۹۳۹ء میں واپسی پر جب میں نے ملازمت شروع کی تو اس وقت سے لے کر ۱۹۷۰ء یعنی امّاںؓ کی وفات تک مجھے ایک ماہ بھی ایسا یاد نہیں کہ جس میں میں نے امّاںؓ کی کوئی نہ کوئی خدمت کسی رنگ میں نہ کی ہو لیکن باوجود اللہ کے اس احسان کے اگر کوئی میرے دل کو ٹٹولے تو بعض مرتبہ اس میں حسرت کا پہلو غالب نظر آتا ہے اور حسرت سے کہہ اٹھتا ہوں کہ کاش! میں یہ خدمت بھی کر سکتا اور کاش! میں یوں بھی خدمت کر سکتا-امّاںؓ نے لمبی بیماری برسوں بستر پر کولہے کی ہڈی کے ٹوٹ جانے سے اور دیگر عوارض میں بھی بڑے صبر سے بغیر کسی شکوہ یا شکایت کے کاٹی-بعد میں جب ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا اور کسی معذور کو - WHEAL CHAIR - پر بیٹھے گھومتے پھرتے دیکھتا تو دل چاہتا کہ کیوں نہ امّاںؓ کے لئے اس سہولت کو مہیا کیا تا کم از کم گھر میں ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ یا صحن میں تو جا سکتیں ؟

ماں کا وجود خدائے رحیم و رحمٰن کے فیض کا مظہر ہے اور میرے نزدیک ماں قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار ہے-بچے کی پیدائش پر اس کے پہلے سانس سے اس کی وفات پر آخری سانس تک وہ اس کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتی ہے-اپنی راتوں کی نیند اس کی تیمارداری اور اس کے سکون کے لئے قربان کرتی ہے-بغیر کسی معاوضہ یا اس کی توقع کے-بچے سے لاپرواہی بھی ہوتی ہے لیکن اس کی محبت اور خدمت کا دریا اسی پہلی سی تیز رفتاری کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے-دنیا کی کوئی دولت ڈھونڈے سے بھی ایسی خدمت کسی قیمت پر خرید نہیں سکتی-جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ماں قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار ہے شاید اس لئے قدرت کا ہر حسین ترین منظر مجھے اپنی ماں کی یاد دلاتا ہے-ایک مرتبہ میرے دوست مکرمی چوہدری شاہ نواز صاحب نے یورپ کے سفر کا اکٹھے اہتمام کیا-دو موٹروں میں ہم نے یہ سفر کیا-چوہدری صاحب کی بیگم آپا مجیدہ ان کے بیٹے عزیزم منیر اور دونوں بیٹیاں امتل اور باری سب ساتھ تھے-چوہدری صاحب نے اپنی خداداد انتظامی قابلیت کے تحت ہمارے قافلے کے ہر قسم کے آرام کا خیال رکھا اور سارا سفر بڑی اچھی طرح گزرا-جرمنی اور سوئیٹزرلینڈ کے خوبصورت علاقوں میں سے ہم گزرے اور ٹھہرے-میں ان قدرتی اور خوشنما نظاروں کو دیکھ کر امّاںؓ کی یاد میں کھو جاتا تھا اور اللہ بھلا کرے دھوپ کی عینک کا کہ وہ میرے دل کی کیفیت کی رازدار ہی رہی اور کسی پر میری کیفیت ظاہر نہ ہونے دی-

اپنی زندگی کے آخری سال عید کے موقعہ پر ہم اسلام آباد سے ربوہ گئے- ملازمہ آئی کہ اماںؓ آپ کو بلا رہی ہیں- میں عید تو مل چکا تھا لیکن جب حاضر ہؤا تو آپ نے مجھے -/۱۰۱ ایک صد ایک روپیہ بطور عیدی کے دئے- بچوں میں چھوٹی عمر میں عیدی کا رواج تو تھا لیکن اتنے سالوں کے وقفہ کے بعد مجھے یوں محسوس ہؤا کہ شاید الوداعی عیدی دے رہی ہیں- میری طبیعت میں بڑا ہیجان تھا- میں جلدی سے کمرہ سے باہر آیا اور اس عیدی میں سے تبرکاً ایک (-/۱) روپیہ رکھ کر باقی -/۱۰۰ سو روپئے اپنے بھائی کی ایک بیٹی کو جس نے اعلیٰ نمبروں پر امتحان پاس کیا تھا اسے انعام کے طور پر دے دئے- اس کوشش میں کہ یہ الوداعی عیدی ثابت نہ ہو لیکن ہؤا وہی جس کو میرے دل نے عیدی ملتے ہی محسوس کیا تھا- اماںؓ نے بیماری کے کئی برس بستر پر گزارے اور بڑے صبر اور شکر سے گزارے- اماںؓ کی اس لمبی بیماری میں میری بیوی نے جس لگن، پیار، محبت اور توجہ سے ان کی خدمت کی ہے- جہاں وہ ان کے نیک کردار پر دال ہے وہاں مجھ پر ایک احسان عظیم ہے جس کے بدلے کا تصور بھی نہیں کر سکتا- اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے فیضِ رحمت سے اس کی جزاء عطاء فرمائے- آمین

دعا کے ساتھ اور دعا کی درخواست کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں- اے میرے مؤلا دیکھ ایک بے قرار روح اور بے چین دل رات کی کامل خاموشی میں تیرے حضور سجدہ ریز ہے- تُو سچے وعدوں والا ہے- ایک مضطرب کی دردمندانہ پکار کو سن اور میرے ماں باپ کو ہر وہ نعمت بخش جس کی تُو کامل قدرت رکھتا ہے- آمین اللھم آمین - خاکسار دستخط (مرزا مظفر احمد)- (مکتوبات نسیم - ۱۰/دسمبر ۱۹۹۳ء)

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہی مضمون بعد میں روزنامہ ''الفضل'' ربوہ پاکستان کی ۲۷/دسمبر ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں ''حضرت سرور سلطان صاحبہؓ '' کے نام سے بھی چھپ چکا ہے- سیدہ اماں حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بابرکت زندگی کے بعض پیارے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ نے بیان کیا کہ:-
'' حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا یہ معمول تھا کہ آپؓ فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوتیں، نماز کے بعد ہمیشہ تلاوت قرآن مجید کرتیں- آپؓ کے دل میں خدا اور اس کے کلام پاک کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی- آپؓ عاشق رسول تھیں اور آپؓ نہ صرف صحابیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھیں بلکہ آپؓ کو حضرت اقدس علیہ السلام کے فرزند جلیل حضرت قمر الانبیاءؓ کی زوجہ مطاہرہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہؤا- اسی طرح آپؓ کے اپنی دوستوں کہ جن میں سے اکثر صحابیہؓ تھیں ان کے ساتھ گہرے تعلقات تھے- آپؓ عموماً ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؓ کے صحابہ اور صحابیات رضوان علیہم کے بارہ میں مختلف واقعات سنایا کرتی تھیں- دن رات یہ قیمتی نصائح سننے سے بہت سکون ملتا تھا اور آپؓ کی صحبت مبارکہ میں رہتے ہوئے اور ان ایمان افروز واقعات کو سنتے ہوئے میرا ایمان بھی روز بروز تازہ ہوتا رہتا-

جب میں سکول کو جاتی تو آپؓ کو اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو سلام کر کے جایا کرتی تھی اور واپسی پر بھی اسی طرح درجہ بدرجہ سلام عرض کرتی اور یوں آتے جاتے آپؓ سے دعائیں حاصل کرتے- ہماری تعلیم و تربیت چونکہ آپؓ کے ہاتھوں ہو رہی تھی اس لئے سب ہماری بہترین تربیت کے لئے کوشاں رہتے- آپؓ کے دروازے غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور آپ نے بعض ضرورت مند خواتین کے وظائف بھی مقرر کر رکھے تھے اور اگر وہ کسی وجہ سے نہ آ سکتیں تو یہ وظائف ان کے گھر بھجوا دیتیں-

بیماروں کی تیمارداری کرنا اپنا فرض اولیں خیال فرماتیں- بسا اوقات تو ایسا ہوتا کہ ان کی بیماری کے تمام اخراجات خود برداشت کرتیں- ایک کمزور اور

غریب عورت تھی جوٹی بی .T.B کی مریضہ تھی-آپؓ نے اس کو بھی اپنے گھر میں رکھاہوُا تھااوراس کے علاج معالجہ کے تمام اخراجات خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور ڈاکٹروں نے جیسا کھانا تجویز کیا ویسے ہی کھانے کا انتظام فرمایااور ساتھ ہی دودھ اور پھل وغیرہ بھی اوراس کی صحت پر بہت خوشی کا اظہار فرمایااور خداتعالیٰ کاشکر یہ ادا کیا کہ ایک غریب ،نحیف اور کمزور جان کو نئی زندگی نصیب ہوئی -اسی طرح ایک لڑکی آپؓ کے پاس رہتی تھی -شادی کے بعد اسے کوئی سخت بیماری ہوگئی تو وہ روتی پیٹتی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی -آپؓ نے اسے تو تسلی دی لیکن خود گھبراہٹ کا شکار ہوگئیں-فوراًاس کے علاج کا انتظام فرمایا-خدا کے فضل اور آپؓ کی ہمدردانہ دعاؤں سے جلد ہی اسے آرام آگیا اور یوں وہ آپؓ کی پاکیزہ دعائیں لیتی ہوئی اپنے گھر کو سدھاری -

جماعت کے ساتھ آپؓ کا بہت گہرا تعلق تھا-چندہ ہمیشہ وقت پر ادا کرتیں اور اکثر چندے کی رقم اپنے سرہانے رکھ لیا کرتی تھیں اور یوں ہمیں بھی چندہ بروقت ادا کرنے کی عادت پڑی - رمضان المبارک کے آغاز سے قبل ہی آپؓ بہت سی خواتین کو یہ کہلا بھیجا کرتی تھیں کہ افطاری میرے گھر کریں-اسی طرح بہت سے لوگوں کے روزے رکھواتیں-چنانچہ روزانہ ہی بہت سے لوگوں کی سحری تیار ہوتی اور پھر افطاری بھی-افطاری کے وقت عام کھانے کے علاوہ مختلف موسمی پھل اور خصوصاً کھجور بھی مہیا کرواتیں-سردیوں اور گرمیوں کے موسم کے مطابق گرم گرم چائے یا مشروبات کا اہتمام کرواتیں یعنی آپؓ بے حد مہمان نواز تھیں-سردیوں میں نمازوں کے وقت سب کمرے یا برآمدہ میں نمازیوں سے پر رونق ہوجاتے اور گرمی کے موسم میں باہر صحن میں نمازیوں کی نمازوں کا پر کیف اور روح پرور سماں دیکھتے-یوں محسوس ہوتا کہ فرشتے زمین پر اتر آئے ہیں اور ہر طرف خدا کی حمد وثنا کے گیت گائے جارہے ہیں لہذا آپؓ کی تقلید میں میری نمازوں میں دلچسپی اور قرآن مجید سے محبت بڑھنے لگی-رمضان شریف میں آپؓ ہمیں باقاعدگی سے مسجد مبارک میں نماز تراویح کے لئے بھجواتیں،دوپہر کو اسی مسجد میں روزانہ تقریباًایک سیپارہ قرآن مجید کا درس بھی سنتے الغرض میں نے بہت ہی روح پرور ماحول میں اپنی زندگی کے دن گزارے ہیں جو کبھی بھی بھلائے نہیں جاسکتے-

ایک دفعہ سردیوں کا موسم تھا اور ربوہ میں ان دنوں سخت سردی کی ایک لہر آئی ہوئی تھی کہ آپؓ بیمار پڑ گئیں-ان دنوں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفراحمد صاحب اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم صاحبہ تشریف لائے ہوئے تھے-آپؓ کی بیماری کے دوران انہوں نے بہت خدمت کی-اپنے ہاتھ سے چیزیں بنا کر دیتیں اور دوائیں تیار کر کے دیتیں-الغرض بہت ہی خیال رکھا-آپؓ نے بھی تندرست ہونے پر ان کی خدمت کو بہت سراہا-اس واقعہ پر ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ اتفاقاً میں بھی بیمار ہوگئی-حضرت سیدہ ام مظفراحمد صاحبہؓ اپنی بیماری کی تکلیف کو بھول کر میری فکر کرنے لگیں-اپنے کمرہ سے بجلی کا ہیٹر اٹھوا کر میرے پاس بھیج دیا-اس کے علاوہ کبھی ایک دوا بھجواتیں تو کبھی کوئی دوسری پھر جب تک میں ٹھیک نہیں ہوگئی آپؓ کی فکر نہیں گئی-آج جب وہ سب واقعات یاد آتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں-اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنے ماں باپ سے زیادہ آپؓ سے محبت کرتی ہوں تو بے جا نہیں-صدقہ وخیرات، غریبوں سے حسن سلوک،یتیم بچوں کی پرورش،ان کی تعلیم وتربیت، بیواؤں کی دادرسی،معذوروں کا خیال-یہ سب ایسے اعمال صالحہ ہیں جو کہ خاندان مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاصہ ہیں اور یہ تمام اعمال صالحہ حضرت ام مظفراحمد صاحبہؓ میں بدرجہ اتم موجود تھے کہ جن کی بدولت آپؓ جیسی بابرکت اور عظیم ہستی کا حسن اخلاق نکھر کر سامنے آجاتا ہے-

خداتعالیٰ کے فضل سے آپؓ کو بہت سی لڑکیوں کی شادی کروانے کا موقع بھی ملا-آپؓ نے ان کا جہیز تیار کروا کر دیا-ضروریات زندگی کی بقیہ

چیزیں خرید کر دیں اور سب سے بڑھ کر اپنی پاکیزہ دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت فرمایا۔شادی کے بعد انہیں دوبارہ ملنے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتیں کہ اپنا گھر ہے ضرور آنا۔پھر بعد میں آنے پر ان کی دعوت کرتیں اور تحفۃً انہیں کوئی نہ کوئی چیز ضرور دیتیں۔اگر کسی کو شادی کے بعد کوئی تکلیف ہوتی تو آپؓ اس کے گھر سے پتہ کرواتیں کہ اس تکلیف کی کیا وجہ ہے؟ اور ان کی ضروریات کو پورا کرتیں۔اللہ تعالیٰ نے جہاں آپؓ کو ان بے شمار خوبیوں سے نوزا تھا وہیں قدرت نے آپؓ کو وافر خداداحسن سے بھی مالا مال کیا تھا لیکن اس کے باوجود ان انگنت خوبیوں اور آپؓ کے پاکیزہ اور قابل تقلید اعمال صالحہ نے آپؓ کے حسن کو مزید چار چاند لگا دئے تھے۔

آپؓ کے ہم پر بے حد احسان ہیں کہ جن کے لئے ہم جتنا بھی شکریہ ادا کریں اتنا ہی کم ہے کہ ہماری تعلیم وتربیت نہایت پاکیزہ اور ایک ایسے نیک ماحول میں ہوئی جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھرانے کا طرہ امتیاز ہے۔یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا،سونا جاگنا یعنی ہر کام خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سایہ شفقت میں ہوا۔ہماری والدہ صاحبہ کی دلجوئی کے لئے آپؓ نے ہمارے اکلوتے بھائی کو متبنیٰ بنالیا تھا۔اس گھر میں ہمیں ہر خوشی میسر تھی اور یوں لگتا تھا کہ جیسے ہم جنت الفردوس کے ایک بے نظیر ٹکڑے میں رہ رہے ہیں۔آپؓ کی بے پایاں شفقت کا اظہار حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے الفاظ میں یہاں لکھتے ہوئے میں اپنی سعادت خیال کرتی ہوں کہ ''آپؓ ہمیں اپنے نواسے، نواسیوں کی طرح سمجھتی تھیں''۔اللہ تعالیٰ آپؓ پر اپنی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔آمین''۔(مکتوبات نسیم۔۵رفروری ۲۰۰۱ء)

یہی مضمون بعد میں ''الفضل انٹرنیشنل لندن'' میں بھی چھپ چکا ہے۔خاندان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی خواتین کی سیرت وسوانح مرتب کرنے کے لئے محترمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نواسی حضرت صاحبزادی امتہ الرشید بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میاں عبدالرحیم احمد صاحب کا انٹرویو لیا۔اس انٹرویو میں سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کی چند پیاری یادیں میں یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ:۔

'' حضرت چچی جان ام مظفر احمد سرور سلطان جہاں صاحبہؓ بنت حضرت مولانا غلام حسن صاحب پشاوری بہت مخیّر تھیں لیکن نہایت ہی سادہ۔پٹھانوں کا تو بہت ہی خیال رکھتی تھیں۔ان کے ہاں سرحد مردان اور پشاور کے کئی پٹھان لڑکے پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ان کا خاص خیال رکھتیں۔ان کے لئے اسی طرز کے ٹرے۔کپ۔چائے دانیاں رکھی ہوتیں۔جن میں ان کی تواضع کے لئے اسی طریقے سے چائے وغیرہ بھجواتیں اور اسی طرح جو گھرانے قادیان میں آباد تھے یا جو بچے قادیان بورڈنگ میں پڑھتے تھے ان کا بھی خیال رکھتیں۔آپؓ فارسی بولتی تھیں۔نانی جان حضرت اماں جیؓ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات پر فارسی میں ایک مضمون لکھا کیونکہ آپؓ ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔پہلے پہل جب قادیان میں آپؓ نئی نئی آئی تھیں۔اس وقت جب آپؓ گھبراتیں تو ان کے ہاں چلی جاتیں۔جلدی جلدی فارسی میں باتیں کرتیں اور واپس چلی آتیں۔سبز چائے جو ہر وقت تیار رہتی تھی۔بعض وقت اماں جیؓ کے گھر بھجوادیتیں اور جب گرمی کا موسم ہوتا تو سوڈا واٹر بھجواتیں۔

چچی جان حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے قادیان کے لوگوں سے بہت پیار بڑھایا ہوا تھا۔اس طرح گھل مل گئی تھیں جیسے کہ وہاں کی ہی پلی بڑھی ہوں۔سب سے اچھی طرح ملتیں۔سب کا خیال رکھتیں۔وہاں ایک پٹھان گھرانے سے بہت دوستی تھی۔حضرت لال پریؓ (حضرت امتہ السلام صاحبہؓ ۔ناقل) ان کا نام تھا۔وہ بھی فارسی بولتی تھیں۔انہیں بھی اپنے گھر بار کی پرواہ نہ تھی۔سارا سارا دن آپؓ کے پاس ہی رہتیں۔غرض (چچی جانؓ

-ناقل) سب سے حسن سلوک کرتیں-کئی یتیم بچے پالے اور کئی لوگوں کی خبر گیری کرتیں-ایک بچی تو چند ماہ کی تھی-اس کی والدہ فوت ہوگئی تو اس کا باپ اسے قادیان کی گلیوں میں لئے پھرتا تھا-حضرت اماں جانؓ کو پتہ چلا تو آپؓ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تم یہ بچی مجھے دے دو اور وہ حضرت اماں جانؓ نے پالی-اس کا نام صابرہ تھا-جب وہ کچھ بڑی ہوگئی تو حضرت چچی جانؓ سے فرمایا کہ یہ میری بیٹی صابرہ ہے-اب یہ تم لے جاؤ-اور چچی جانؓ نے اسے بیٹیوں کی طرح پالا-پھر جب اس کی شادی کا وقت آیا تو ایک اچھے گھرانے میں اس کی شادی کروادی اور وہ اب بھی خوش وخرم زندگی گزار رہی ہیں-آج اللہ کے فضل وکرم سے ان کی اولاد کافی پڑھی لکھی ہے-

حضرت چچی جانؓ بہت صفائی پسند تھیں اور دوسروں کے متعلق بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ بھی صفائی پسند ہوں-حضرت اماں جانؓ فرماتیں کہ سرور سلطان کو وہم کی حد تک صفائی کی عادت ہے-گھر-بستر-الماریاں-صندوق-صحن اور باورچی خانہ اس طرح صاف رکھتیں کہ مزہ ہی آجاتا-خود اپنے ہاتھ سے کام کرتیں-اسی طرح ان کی بیٹیاں بھی صفائی پسند ہیں-ملازموں کے ساتھ بھی بہت اچھا سلوک کرتیں-غریبوں کے گھروں میں چلی جاتیں-ان کے برابر بیٹھ جاتیں-ان کا حال پوچھتیں اور ان کی دلجوئی کرتیں-اپنے میکے والوں کے ساتھ بھی بہت ہی اچھا سلوک کرتیں-ان کے آنے پر بہت خدمت کرتیں-آپؓ کے حسن اخلاق سے ان کے اپنے خاندان والے بھی جماعت میں واپس شامل ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے-اپنی آخری عمر میں آپؓ کے والد (حضرت مولوی غلام حسن صاحبؓ پشاوری-ناقل) تو آپؓ کے پاس ہی رہتے اور بہت خوش ہوتے-

بھائی جان صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی شادی جب باجی امتہ القیوم سے ہوئی تو وہ نانا جان کو ملنے گئے تو آپؓ (حضرت مولوی غلام حسن صاحبؓ پشاوری-ناقل) کھڑے ہوگئے-بھائی جان نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں تو کہنے لگے یہ نجیب الطرفین ہے-میں اس کی عزت کرتا ہوں اور باجی سے مل کر بہت خوش ہوئے اور بہت پیار بھی کیا-چچی جانؓ بھی باجی قیوم کا بے حد خیال رکھتیں-بہت پیار کرتیں-دوسری بہوئیں اگر کچھ کہتیں تو آپؓ فرماتیں کہ میں قیوم کی ماں بھی ہوں-یہ میری امتہ الحئی کی بیٹی ہے-مجھے بہت پیاری ہے اور بھائی جان مظفر سے بھی کہا ہوا تھا کہ قیوم کو کبھی کوئی دل دکھانے والی بات نہ کہنا کیونکہ چھوٹی سی عمر میں اس کی ماں فوت ہوگئی تھی-جب چچی جانؓ فوت ہوئیں تو باجی کہنے لگیں کہ مجھے تو بالکل ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے آج میری ماں نہ رہی ہو-

ان کو سیر کی بڑی عادت تھی اور باقاعدگی سے جاتی تھیں-بیگم ولی اللہ شاہ صاحب کے ساتھ لمبی سیر کر کے آتیں-ان سے بڑی دوستی تھی اور وہ دوستی آج بھی ان کے بچوں میں قائم ہے-محبت پیار اور احترام کا رشتہ ابھی تک چل رہا ہے بلکہ بچوں کی کئی عادات بھی ایک جیسی ہیں-خود اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور کسی کی ذاتی زندگی میں دخل نہ دیتیں-یہ سب باتیں آپؓ نے اماں جانؓ سے سیکھیں-حضرت اماں جانؓ نے اس اچھائی کا بیج بویا-آپؓ فرماتی تھیں کہ بدقسمت ہیں وہ مائیں جو اپنے بیٹوں سے بہوؤں کی شکایت لگا کر اپنے ہی بیٹوں کے دل کو تکلیف پہنچاتی ہیں-اپنے گھروں میں خوش رہو-شکایت کا کیا فائدہ؟ شکایت تو پاگل پن اور بیماری ہے''-(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۱۷/۱۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

بچوں کی خوشنودی سے مجھے یاد آیا کہ حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ نے خاکسار کے لئے ماہوار رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' لگوایا ہوا تھا اس کے علاوہ پاکستان کے ممتاز شاعر، ادیب اور صحافی جناب ثاقب زیروی صاحب کا مشہور زمانہ ہفت روزہ ''لاہور'' بھی باقاعدگی سے ملا کرتا تھا اور اس میں سے بھی بچوں کا ایک صفحہ پڑھنے کو ملتا کیونکہ آپؓ دین اور دنیا میں توازن کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے اور یہ دعا تو عموماً آپؓ کی زبانِ

مبارک پر رواں رہتی کہ جسے اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی دہرانے کا حکم تھا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰ خِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ o (البقرہ : ۲۰۲)۔یعنی:ے ہمارے رب ہم کو اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ہر قسم کی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آخرت میں آگ کے عذاب سے بچا لینا ‘‘ -ان دونوں رسالوں کے علاوہ اردو روزنامہ اخبار الفضل ربوہ- روزنامہ نوائے وقت لاہور- ماہنامہ مصباح ربوہ- ماہنامہ خالد ربوہ- ماہنامہ انصاراللہ ربوہ- رسالہ الفرقان ربوہ- REVIEW OF RELIGIONS- (ریویو آف ریلیجنز) - READERS DIGEST - (ریڈرز ڈائجسٹ) -TIMES-(ٹائمز) اور- LIFE -(لائف) بھی ملا کرتے تھے بلکہ مجھے یاد ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈرائینگ رُوم میں انگریزی کا ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا بھی کئی جلدوں میں موجود تھا اور آپؓ کبھی کبھی اس کا بھی مطالعہ کیا کرتے تھے-ان دنوں چونکہ مجھے ڈاک کی ٹکٹیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا لہذا جب مجھے کسی ملک کے بارہ میں معلومات درکار ہوتیں تو وہ انسائیکلوپیڈیا میرے بھی بہت کام آتا-اسی طرح ان اخباروں کے ناموں سے یاد آیا کہ ان دنوں مختلف اخبارات مثلاً روزنامہ مشرق اور روزنامہ امروز وغیرہ بھی لاہور سے ربوہ میں آنے لگے تھے لیکن آپؓ ان کے طرزِ تحریر کی بنا پر انہیں پسند نہ فرماتے تھے- ریڈرز ڈائجسٹ کے نام سے یاد آیا کہ اس رسالہ کی شہرت اور مقبولیت کو دیکھ کر بعد میں پاکستان میں بھی بہت سے ڈائجسٹوں کا اجراء ہوا کہ جن میں اردو ڈائجسٹ اور پھر بعد میں سیارہ ڈائجسٹ وغیرہ پیش پیش رہے- یہی وجہ ہے کہ آج تقریباً چالیس برس (۴۰ سال) کا لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ابھی کل ہی کی تو بات ہے- اُس شروع شروع کے دور میں مجھے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی جانب سے ہر ماہ دس روپے جیب خرچ ملا کرتا تھا- اب صرف جذبۂ تشکر کے اظہار کے لئے میں احباب جماعت کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس زمانہ میں دس روپے صدر انجمن یا تحریک جدید کے عام ملازمین کی ماہانہ نقد تنخواہ کے تقریباً تیسرے حصہ کے برابر ہوا کرتے تھے اور اس زمانہ میں اگر کسی بچہ کو ایک روپیہ عیدی بھی مل جاتی تو بہت بڑی بات ہوا کرتی تھی کجا دس روپیہ ماہانہ جیب خرچ ؟ لیکن پھر بعد میں مہنگائی، عمر کے تقاضہ اور مختلف حالات کی وجہ سے آپؓ وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہی فرماتی چلی گئیں-غرض یہ ایک بہت بڑی رقم ہوا کرتی تھی-

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد حکومت پاکستان نے جنگ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دس دس روپیہ کے انعامی بانڈز فروخت کرنے کا فیصلہ کیا تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے خاکسار کو یہ انعامی بانڈز خریدنے کے لئے ایک سو (-/۱۰۰) روپیہ کی خطیر رقم عنایت فرمائی اور خاکسار نے ربوہ کے پوسٹ آفس میں جا کر دس دس روپیہ والے دس انعامی بانڈز خرید لئے اور پھر غالباً ہر مہینہ ان کے نمبروں کو چیک بھی کرتا رہا لیکن شاید ربوہ میں خریدے گئے بانڈز کی بدولت کوئی انعام نہ نکلا کیونکہ آج تک میں نے نہیں سنا کہ ربوہ کے کسی احمدی کو بھی کچھ ملا ہو جبکہ دوسرے شہروں کے سینکڑوں لوگوں کے نمبر اخبارات میں نکلا کرتے تھے-سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو یاد کر کے مجھے آنحضرت رسول کریم ﷺ کا وہ تاریخی فقرہ یاد آ جاتا ہے جو کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد زوجہ محترمہ حضرت ابوطالب کہ جن کے یہاں سیدنا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد پرورش فرمائی تھی-آپؐ نے فرمایا: جزاک اللہ من امہ خیراً لقد کنت خیر امہ (صحیح بخاری کتاب المحاربین) یعنی: اللہ تعالیٰ آپؓ کو بہترین ماں بننے کی عمدہ ترین جزائے خیر سے نوازے کیونکہ آپ واقعی ایک بہترین ماں تھیں‘‘۔

ایک طرف سیدنا حضرت قمرالانبیاءؓ کی بے انتہا شفقت کہ جس کا اظہار الفاظ کی شکل میں ممکن نہیں تو دوسری طرف سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بے مثال محبت کا یہ حال کہ آپ دونوں رضوان علیہم کبھی کوئی چیز اکیلے نہ کھایا کرتے تھے ہمیشہ مجھے بھی اس میں سے کھانے کے لئے

ضرور ملا کرتا تھا- مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ اُن دنوں اپنے معدہ کی کسی تکلیف اغلباً ہاضمہ میں گڑبڑ کے سبب ڈاکٹروں کے مشورہ پر لاہور سے سپیشل سیون اَپ -7 UP- منگوایا کرتے تھے اور اپنے کٹورے میں سے کچھ نوش فرما کر بقیہ مجھ خاکسار کو عنایت فرماتے اور اُسی کٹورے میں پینے کا حکم تھا- آپؓ نے کبھی یہ پرواہ نہ کی تھی کہ میرا (یعنی آپؓ کا) کٹورہ اب جوٹھا ہو جائے گا -یہ خوبصورت کٹورے پیتل (تانبہ) کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور ان پر مختلف پھول بوٹوں کی نقش کاری بھی ہوا کرتی تھی اور ان پر وقتاً فوقتاً چاندی کی قلعی کی جاتی تھی لیکن اپنی آخری عمر میں حضرت قمرالانبیاءؓ سیون اپ کی بجائے سوڈا ملا ہوا پانی پیا کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے آپؓ کے پاس ایک تھرمس نما بوتل سی تھی کہ جس کی ایک جانب ایک ہینڈل (لیور) لگا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایک سوراخ میں گیس سے بھرا ہوا پچدار کیپسل لگا کرتا تھا- اس قسم کی بوتلیں یہاں جرمنی میں بھی سوڈا واٹر بنانے کے لئے یا ملائی (SAHNE) کی جھاگ بنانے کے لئے دستیاب ہیں- بہر حال یہ پانی میں نے بھی کئی بار چکھا لیکن اس کا مزہ کڑوا ساتھا لہذا مجھے اس کا بالکل مزہ نہ آیا لیکن حضرت قمرالانبیاءؓ اس پانی کو دوائی جانتے ہوئے پی لیا کرتے تھے- ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے آپ اپنی چائے میں سکرین کی دو گولیاں ڈال کر چائے نوش فرمایا کرتے تھے- آپ نے کئی مرتبہ مجھے بھی اپنی چائے چکھائی- سکرین ملی ہوئی چائے کچھ کڑوی ہوتی ہے اور جسے چینی والی چائے پینے کی عادت ہو اسے پسند نہیں آتی لہذا میرے مونہہ بنانے پر فرماتے کہ: ’’سُودے خان! میری تو مجبوری ہے البتہ تم چینی ڈال کر چائے پی لو‘‘ اور اس طرح میں آپؓ کی بقیہ چائے بھی آپؓ ہی کی پیالی میں اپنی مطلوبہ مقدار کے مطابق چینی ڈال کر ڈٹ کر پی جایا کرتا تھا- محبت ہو تو ایسی ہو اور تبرک ہو تو وہ بھی ایسا ہی ہو۔ جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ

بعض لوگ ایک دوسرے کا جوٹھا کھانا یا پینا پسند نہیں کرتے کہ کسی ایک کی بیماری کسی دوسرے کو نہ لگ جائے یہ حفظان صحت کے لئے بے حد ضروری امر ہے لیکن اس کے برعکس یہ اصول ماں باپ اور ان کے بچوں کے درمیان دنیا بھر میں کہیں دکھائی نہیں دیتا مثلاً کھانا کھاتے وقت ماں باپ کسی گرم گرم گوشت کی بوٹی کو پہلے خود اپنے مونہہ میں چوس کر اپنے کسی معصوم بچے کو کھانے کے لئے دیتے ہیں تا کہ ایک تو بوٹی کے زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے بچہ کا مونہہ اور زبان نہ جل جائے دوسرے اگر نمک مرچ زیادہ ہو تو ان کا ذائقہ کچھ معتدل ہو جائے اور دنیا بھر کا کوئی بھی بچہ وہ چیز کھانے سے کراہت نہیں کرتا بلکہ نہایت خوشی خوشی وہ چیز اپنے ماں باپ سے لے کر نہایت رغبت کے ساتھ اسے کھاتا ہے- پس اسی طرح میں نے بھی اپنے بزرگوں کی جانب سے عنایت فرمودہ کھانے کو کھاتے ہوئے کبھی بھی کراہت محسوس نہیں کی اور یہ عاجز حضرت قمرالانبیا سیدنا مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے عنایت فرمودہ اس تبرک کو انتہائی رغبت اور چاہت نیز شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اور خدا تعالیٰ کے فضل اور ان دونوں معزز بزرگوں کی پاکیزہ اور بے لوث دعاؤں کے صدقہ ان دونوں معزز بزرگوں کی کسی بھی قسم کی بیماری کا کوئی اثر اس خاکسار پر آج تک قطعاً نہیں ہوا- یہاں میں مکرم مولانا منیر الدین شمس صاحب ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن کا ایک قیمتی نوٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ جسے پڑھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-’’صحابہ رضوان اللہ علیہم، آنحضرت ﷺ کا جوٹھا کھایا کرتے تھے۔ یہانتک کہ آپؐ وضو فرماتے تو پانی کے جو قطرات نیچے گرتے انہیں ہاتھوں میں لے کر پیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ مؤمن کے جُوٹھے اور بچے ہوئے میں شفا رکھی گئی ہے‘‘۔

اسی تعلق میں یاد آیا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شوگر کی تکلیف (بیماری) ہو جانے کے باوجود بھی گُڑ کے بنے ہوئے میٹھے چاول سیدہ حضرت ام المؤمنین اماں جانؓ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں بے حد پسند تھے اور آپؓ

میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ سے خواہش کر کے پکوایا کرتے تھے اور پھر بڑے شوق سے تناول فرماتے اور ہمیں بھی کھلاتے بلکہ مجھے یاد ہے کہ خود کھانے کی بجائے آپؓ دونوں کسی کو کھلا کر زیادہ خوشی محسوس فرمایا کرتے تھے۔ خاکسار کی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ پر آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کو بے حد اعتبار اور اعتماد تھا اور مجھے یاد ہے کہ گھر میں بعض خاص خاص باتوں اور چیزوں کا علم صرف میری والدہ محترمہ کو ہی ہوتا تھا۔ مٹھائیوں میں بنگالی رس گلے اور برفی کھانے اور کھلانے کا آپ کو بے حد شوق تھا اس لئے جب بھی کوئی لاہور جاتا تو آپؓ کے لئے "شیریں محل" کے بنے ہوئے بنگالی رس گلے مٹی کے برتنوں میں ضرور لے کر آتا یا پھر آپؓ بذات خود اپنے خادم خاص مکرم بشیر احمد صاحب کو لاہور بھجوا کر دوسری اشیاء کے علاوہ یہ بھی منگوا لیا کرتے تھے اور اب بھی جب کبھی میں برفی یا رس گلوں کا نام سنتا ہوں تو مجھے اپنے پیارے مربی اور محسن حضرت میاں صاحبؓ بہت یاد آتے ہیں اور منہ میں پانی بھر آنے کے ساتھ ساتھ ایک مزے دار شیرینی اور مٹھاس بھی بھر آتی ہے بلکہ برفی کھانے کی عادت ہی مجھے حضرت میاں صاحبؓ نے ڈالی جو موٹاپا ہو جانے کے باوجود اَب تک قائم ہے۔ اپنے اس موٹاپے کے سلسلہ میں ایک بات یاد آ گئی کہ یہ کوئی ایسا موٹاپا نہیں کہ میں چلنے پھرنے سے بھی دوچار ہو گیا ہوں بلکہ صرف میرا جسم میرے قد کی نسبت کچھ بھاری ہو گیا ہے لیکن بار ہا کے ڈاکٹری چیک اپ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خاکسار کے خون اور پیشاب میں کسی قسم کی چربی یا شوگر کا تناسب زائد یا کم نہیں یعنی دونوں کا توازن بالکل مناسب ہے اور ڈاکٹروں نے DNA کو چیک کرنے کے بعد وراثت میں ملنے والے GENE جینز کے موٹاپے کا نام دیا ہے جو کہ کسی بھی قسم کی تشویش کا باعث نہیں اور یہ موٹاپا کسی بھی قسم کی ڈائٹنگ وغیرہ سے کم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مجھے اپنے جسم پر اس قسم کے تجربات کرنا پسند ہیں کیونکہ جو چیز مجھے اللہ نے دی ہے صد بسم اللہ وہ ہی مجھے پسند ہے ورنہ جتنا کھانا میں کھاتا ہوں اس سے زیادہ کھانا تو صرف ایک دس بارہ سالہ بچہ ہی کھانا کھا جاتا ہے۔

بات سے بات چل نکلتی ہے لہذا عرض کرتا چلوں کہ خاکسار کو مارچ ۲۰۰۱ء میں امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی جا کر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب کی خدمت میں اپنی اس کتاب کا مسودہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مؤرخہ ۱۶؍مارچ ۲۰۰۱ء بروز جمعہ جرمن وقت کے مطابق دوپہر ایک بجے جب UNITED AIRLINES یونائیٹڈ ایئر لائینز کا BOING 777 فرینکفرٹ سے اڑنے لگا تو ایک مسافر کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی کہ جس کی بدولت جہاز رن وے سے پھر واپس آ گیا، ایئر پورٹ کے ڈاکٹروں کو بلایا گیا اور مریض کی حالت کی بحالی تک جہاز مزید ٹھہرا رہا اور یوں تقریباً ایک گھنٹہ تاخیر سے واشنگٹن کے لئے روانہ ہؤا لیکن ہوائی جہاز کے کیپٹن پائیلٹ صاحب نے جہاز کے لاؤڈ سپیکر پر ہم مسافروں کو بار بار تسلی دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم انشاء اللہ اس ایک گھنٹے کی تاخیر کو راستہ میں ہی پورا کر لیں گے کیونکہ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ آپ میں سے بہت سے مسافروں نے واشنگٹن سے آگے جانے کے لئے کسی اور جہاز میں بھی سفر کرنا ہے اور اللہ بھلا کرے اس کیپٹن صاحب کا کہ ہمارا جہاز آٹھ گھنٹہ کے سفر کے بعد واقعی عین وقت پر تقریباً شام چار بجے DULLES ڈلیس ایئر پورٹ پر اترا۔ اس وقت میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب مجھے لینے کے لئے WASHINGTON D.C. واشنگٹن ڈی سی کے DULLES ایئر پورٹ پر تشریف لائے ہوئے تھے آپ نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور خوب بھینچ کر گلے لگایا۔

اس کے بعد ہم آپس میں گفتگو کرتے ہوئے بذریعہ کار واشنگٹن کے نواحی علاقہ میں آپ کے یہاں GREAT FALLS میں پہنچے کہ جہاں آپ کی بیگم صاحبزادی امۃ الوکیل صاحبہ دختر نیک اختر حضرت صاحبزادہ مرزا انور احمد (انو میاں) صاحب اور تمام بچے چشم براہ تھے۔ محترمہ صاحبزادی صاحبہ نے کھانا تیار کیا ہؤا تھا لہذا ہاتھ مونہہ دھونے کے بعد سب سے پہلے کھانے پر بلا لیا گیا لیکن کھانے سے پہلے ہی حضرت صاحبزادہ

مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کو میرے خیر خیریت سے گھر پہنچنے کی اطلاع بذریعہ فون دے دی گئی لہذا یہ لذیز کھانا کھاتے ہی میں نے نماز کے لئے اجازت چاہی اور اس کی ادائیگی اور شکرانہ کے نوفل ادا کرنے کے بعد ہم سب حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کی دست بوسی کے لئے بذریعہ کار واشنگٹن کو چل پڑے اور وہاں جاتے جاتے راستہ میں میری اس کتاب کے مسودے کی فوٹو کاپیاں بھی بننے کے لئے دے گئے تا کہ امریکہ میں سب خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز افراد کی خدمت میں پہنچا دی جائیں-فوٹو کاپی والوں نے اگلے دن بروز ہفتہ بوقت دوپہر یہ فوٹو کاپیاں دینے کا وعدہ کیا کیونکہ جرمنی کے پرنٹر کے صفحات کا حجم کچھ بڑا ہے اور امریکہ کے پرنٹر کا سائز چھوٹا ہے لہذا اسی وقت فوٹو کاپیاں تیار نہ ہو سکتی تھیں-حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے یہاں پہنچے تو سب شام کا کھانا کھا رہے تھے لہذا کھانے کی میز پر ہی ہم سب کو بھی بلا لیا گیا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر اور مصافحہ و معانقہ کے دوران ہی ہم سب کی آنکھیں خوشی و مسرت کے باعث پرنم ہو گئیں-ہمارے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی ایک مرتبہ پھر حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کے ارشاد پر ایک مرتبہ پھر کھانا کھانا پڑا کیونکہ حضرت میاں صاحب اور حضرت بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ نے دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا-اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر تبرک کھانا ہی ہے تو پیارے میاں صاحب! آپ اپنے دست مبارک سے میری پلیٹ میں جو بھی کھانا ڈالتے چلے جائیں گے وہ میں کھاتا چلا جاؤں گا اور اس طرح آپ کے دست مبارک کا ڈالا ہوُا لذیز تبرک کھانا کھانے کے بعد مختلف قسم کی مزیدار شیرینیاں بھی کھانے کو ملیں نیز پھل فروٹ وغیرہ بھی اور میں الحمدللہ! پڑھتا ہوُا حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کی اسی پرانی شفقت و محبت کی اور اللہ تعالیٰ کی ازلی وابدی رحمت کی اپنے دل ہی دل میں تعریف کرتا رہا کہ میرے اللہ نے ہم پر فضل فرماتے ہوئے مجھے کس پیارے اور معزز خاندان میں پرورش پانے کا موقع نصیب فرمایا ہے-اے میرے اللہ! تیرا بہت بہت شکریہ-

کھانا کھانے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے اپنی زندگی کے کچھ چیدہ چیدہ واقعات سنائے کہ جنہیں سنتے ہوئے وقت کے گزرنے کا احساس تک نہیں ہوُا لیکن اس کے بعد جب آپ خاکسار کے لئے چند رسائل (ان کا ذکر آگے چل کر آئے گا) لینے کے واسطے اوپر اپنے کمرہ میں جانے کے بعد واپس نیچے تشریف لائے تو چہرہ زرد اور اتنی کمزوری کہ وہیں سیڑھیوں کے قریب ہی رکھی ہوئی ایک کرسی پر تشریف فرما ہو گئے اور بقیہ گفتگو وہیں ہوئی لیکن میں نے مناسب نہ جانا کہ حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کے آرام میں زیادہ مخل ہوں لہذا واپسی کی اجازت چاہی اور آپ کو آرام کرنے کی مؤدبانہ درخواست کرتے ہوئے ہم سب واپس گھر چلے آئے- تمام راستہ بھر میں حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کی درازئ عمر اور صحت یابی کے لئے دعاؤں میں مصروف رہا-اللہ تعالیٰ قبول فرمائے-آمین-اتنے لمبے سفر کے باجود بھی میں خوشی و مسرت کی وجہ سے بالکل ہشاش بشاش تھا لہذا گھر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر رات تقریباً دو بجے تک ہم سب محو گفتگو رہے اور اس کے بعد میں اپنے کمرہ میں سونے چلا گیا-اللہ تعالیٰ مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور آپ کی زوجہ محترمہ صاحبزادی امتہ الوکیل بیگم صاحبہ کا بھلا کرے کہ آپ دونوں صبح و شام یعنی ہر وقت میرے مختلف کاموں میں مصروف رہے-جب چاہا ناشتہ، جب چاہا کھانا تیار کروالیا، جب چاہا دودھ گرم کروالیا جب چاہا چائے بنوالی بلکہ ان دونوں میاں بیوی نے تو مجھے اتنا زیادہ وقت بے وقت کھلایا پلایا کہ مجھے مجبوراً احتجاجاً یہ کہنا پڑا کہ کیا آپ نے مجھے یہاں سے ''بشیر موٹا'' بنا کر واپس بھیجنا ہے؟ یہ یاد رہے کہ تب میری بیوی نے مجھے گھر میں داخل نہیں ہونے دینا کہ جس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا اور پہلے سے بھی زیادہ کھانا اور مختلف اشیاء کھانے والی میز پر رکھ دی گئیں-مہمان کی تواضع کیسے کی جاتی ہے یہ سب کچھ تو خاندان مبارکہ کے گھروں میں ہی جا کر علم ہوتا ہے خیر اگلے دن بروز ہفتہ صبح اٹھتے ہی ناشتہ کے بعد ہم شہر کو چل پڑے-کچھ خرید و فروخت کی اپنی کتاب کی فوٹو کاپیاں لیں اور گھر آ کر دوپہر کا کھانا تناول کیا-اس کے بعد فیصلہ یہ ہوُا کہ آج شام کو ہی اس کتاب کا ایک مسودہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت

میں پیش کر دیا جائے لیکن اس مسودے کے حجم کو مدنظر رکھتے ہوئے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے یہ قیمتی مشورہ دیا کہ اس کتاب کے اتنے بڑے مسودے کو پہلے ایک بڑے رجسٹر میں لگالیں اور اس کے پہلے پچاس صفحات نکال کر انہیں ایک چھوٹے رجسٹر میں لگا کر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت میں پیش کئے جائیں تا کہ آپ کو پڑھنے میں آسانی رہے- یہ پیاری تجویز مجھے بے حد پسند آئی اور میں اپنے پیارے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کی ذہانت کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا-

دو پہر کو کھانے کے بعد میں نے تمام امریکہ میں مقیم خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام معزز افراد کی خدمت میں فون پر اپنے واشنگٹن امریکہ پہنچنے کی اطلاع دی اور یوں سب کے ساتھ ہی ملاقات کا پروگرام بن گیا- شام کی چائے کے بعد اس دن بھی ہم نے رات کا کھانا حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے یہاں آپ کے ساتھ ہی کھایا- اس دن پہلے سے بھی بڑھ کر مختلف انواع کے کھانے، شیرینیاں اور پھل اور تبرک- خاکسار کی خاطر مدارت کیلئے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اپنے خادم مکرم صدیق صاحب کو بار بار کچھ نہ کچھ لا کر دینے کا فرماتے رہے- رات کی مجلس میں پھر وہی دلچسپ گفتگو، وہی پیاری باتیں، وہی سہانے واقعات کہ جن کے لئے میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت میں امریکہ حاضر ہوا تھا- اس دن حضرت میاں مظفر احمد صاحب اور حضرت بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ کے مونہہ بولے بیٹے اور میرے دوست مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد (بتو میاں) سیال صاحب بھی ہمارے ساتھ شریک گفتگو رہے کہ جس کی بدولت اس مجلس کا لطف دوبالا ہو گیا- حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب ایک کے بعد دوسرا پیارا واقعہ بیان فرماتے چلے گئے اور ان میں سے بعض ایسے خاندانی رازدار واقعات بھی تھے کہ جنہیں آپ نے آج سے پہلے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا اور یوں کافی دیر گئے میں نے آپ کی کمزور صحت کے مد نظر آہستہ آہستہ واپسی کی اجازت طلب کی تا کہ آپ کو آرام کرنے کا موقعہ مل جائے- اس سے اگلے دن بروز اتوار یہ فیصلہ یہ ہوا کہ اب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کو چند روز آرام کرنے کا موقعہ دیا جائے تا کہ وہ آرام اور سہولت کے ساتھ اس کتاب کے چند چیدہ چیدہ حصے پڑھ لیں اور اس دوران میں پہلے میامی فلوریڈا جا کر حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف احمد (بی بی طیفی) بیگم صاحبہ اور حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب کی خدمت میں یہ مسودہ پیش کروں اور بقیہ پروگرام پھر اس کے بعد بنے گا- یہ پروگرام چونکہ پہلے بنے ہوئے پروگرام سے ہٹ کر تھا لہذا مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے میامی کی ٹکٹ کے لئے بہت جدوجہد کی اور اس طرح منگل کے دن میری سیٹ بالٹی مور BALTIMORE سے فورٹ لاؤڈرڈیل میامی FT. LAUDERDALE کے لئے انٹرنیٹ کے ذریعہ بک ہو گئی کہ جس کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب مجھے اپنے بچوں کے ہمراہ واشنگٹن دکھلانے کے لئے چل پڑے- پیر کے دن بھی اسی طرح گھومتے پھرتے رہے اور منگل کی شام کو آپ نے مجھے بالٹی مور ایئرپورٹ سے میامی کے لئے رخصت کر دیا-

بالٹی مور سے فورٹ لاؤڈرڈیل تک تقریباً دو گھنٹے چالیس منٹ کا ہوائی سفر ہے جو کہ میں نے U.S.AIRWAYS کی METROJET کمپنی کے ایک چھوٹے جیٹ ہوائی جہاز میں کیا- جب میں رات تقریباً نو بجے کے قریب وہاں پہنچا تو ہوائی جہاز ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تقریباً بیس پچیس منٹ تک ایک شہر کے ساتھ ساتھ پرواز کرتا رہا اور ساحل سمندر پر اس شہر کی بتیاں جگمگاتی نظر آتی رہیں- بعد میں علم ہوا کہ یہ ایک شہر تھا نہیں بلکہ میامی شہر اب اتنا زیادہ پھیل چکا ہے کہ تقریباً ایک سو بیس میل تک ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ بقیہ شہر بھی اس کے ساتھ آملے ہیں اور ان شہروں کی روشنی کے باعث بحر اوقیانوس کے اس جنوب مشرقی ساحل پر رات کو بھی دن کا گمان ہوتا ہے - FORT LAUDERDALE فورٹ لاؤڈرڈیل کے HOLLYWOOD INTERNATIONAL AIRPORT پر میرے دوست مکرم صاحبزادہ سید ہارون

احمد (منومیاں) صاحب اس عاجز کو لینے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے- وہاں سے ان کے گھر MIRAMAR تک تقریباً پون گھنٹے کا راستہ ہے- گھر پہنچے تو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب ہی معزز افراد یعنی بچے بڑے چشم براہ تھے-

گھر کے ایک معمولی خادم کی اتنی آؤ بھگت میں نے نہ کبھی سنی نہ دیکھی تھی کہ جسے دیکھ دیکھ کر میں شرمندہ ہورہا تھا لیکن میری اس حالت کو محسوس کرتے ہوئے تمام افراد خاندان کی محبت وشفقت اور بھی بڑھتی جارہی تھی- حضرت صاحبزادی بی بی امتہ اللطیف بیگم صاحبہ نے میری ہچکچاہٹ کو دور کرنے کے لئے ازراہ شفقت فرمایا کہ اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو اور بلاتکلف کھاؤ پیؤ - میری بھوک تو اس ملاقات کی خوشی میں ہی اڑ چکی تھی لیکن چونکہ ان سب معزز ومحترم احباب نے میرے انتظار میں خود بھی ابھی تک کھانا نہ کھایا تھا لہذا میں نے مختلف کھانوں میں سے خوب جی بھر کر کھانا اپنی پلیٹ میں ڈالا لیکن میرے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی حضرت صاحبزادی بی بی امتہ اللطیف بیگم صاحبہ میری پلیٹ میں اور بھی بہت کچھ تبرک ڈالتی چلی گئیں کہ جسے میں نے بہت خوشی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ سمجھتے ہوئے نہایت مزے لے لے کر کھایا- اس کے بعد رات کافی دیر گئے تک ایک خصوصی محفل میں پرانی یادیں تازہ ہوتی رہیں- اگلے دن صبح بھاری بھرکم ناشتہ کے بعد حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب اپنی کار میں مجھے شہر دکھانے کے لئے لے گئے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہر محلّہ کے ساتھ ساتھ جگہ کو کھود کھود کر بہت بڑی بڑی جھیلیں بنائی گئی تھیں، تمام بنگلے نہایت صاف ستھرے، سڑکیں صاف شفاف اور نہایت وسیع، موسم نہایت خوشگوار اور گرم ملکوں کے پھل دار درخت اور پھول دار پودے لگے ہوئے تھے اور لوگ شرٹس اور نیکر میں ملبوس آجارہے تھے جبکہ واشنگٹن اور یہاں جرمنی میں بھی میری واپسی کے وقت وسط اپریل تک یخ بستہ ہوائیں چلتی رہیں اور اوورکوٹ کے بغیر باہر نکلنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہؤا بلکہ محکمہ موسمیات جرمنی کی ایک خبر کے مطابق ۲۰۰۱ء کے موسم بہار میں وسط مئی تک جتنی سردی پڑی ہے اتنی سردی پچھلے کئی سالوں میں نہیں پڑی کیونکہ رات کو ٹمپریچر عموماً +۵ ڈگری سینٹی گریڈ تک نیچے گرجاتا رہا اور دن کے وقت بھی درجہ حرارت تقریباً +۱۳ ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر نہیں ہؤا-

بہرحال یہاں ذکر ہورہا ہے فلوریڈا کا کہ یوں خاکسار کو وہاں بھی چند دن قیام کرکے حضرت قمرالانبیاءؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت بی بی امتہ اللطیف بیگم صاحبہ اور داماد حضرت سید محمد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور حضرت قمرالانبیاءؓ اور حضرت سیدہ اماں ام مظفر احمد صاحبہؓ کے نواسوں مکرم صاحبزادہ ہارون مکرم احمد صاحب وبیگم صاحبہ اور مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب ابن حضرت نواب محمد احمد خان صاحبؓ اور زوجہ محترمہ صاحبزادی شمیم اختر صاحبہ کی خدمت میں بھی اپنی کتاب کا مسودہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور ملاقات کا موقع ملا اور زہے قسمت کہ خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت گھرانوں کا تبرک کھانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی- الحمدللہ

مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب کی زوجہ محترمہ صاحبزادی شمیم اختر صاحبہ کشمیر کے سابق گورنر جناب چوہدری خوشی محمد نظر صاحب وڑائچ کی صاحبزادی اور کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ جناب چوہدری فیض اللہ صاحب کی ہمشیرہ ہیں- یہ وہی جناب چوہدری خوشی محمد نظر صاحب ہیں کہ جن کی مشہور ومعروف شاعری کی کتاب ''نغمہ فردوس'' کے کچھ حصے پاکستان کے سکولوں کے نصاب میں بھی شامل رہے ہیں- آپ نے مجھے اپنی احمدیت کی قبولیت کا واقعہ بھی سنایا کہ آپ ۱۹۵۶ء سے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زیر تبلیغ رہیں اور اس طرح ۱۹۵۸ء میں حضرت قمرالانبیاءؓ کی لگاتار تبلیغ اور مشفقانہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ احمدیت قبول کرنے کی سعادت پائی نیز اس کے کچھ ہی عرصہ

کے بعد اپنی خوش قسمتی سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی وابستہ ہوگئیں۔اس سلسلہ میں آپ نے حضرت قمرالانبیاءؓ کے چند خطوط بھی دکھائے جو کہ آپ نے برس ہا برس سے نہایت حفاظت کے ساتھ سنبھال کر ایک صندوق میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ان خطوط کو میں نے آپ کی اجازت لے کر فوراً فوٹو کاپی کر کے اپنے پاس محفوظ کرلیا کیونکہ ان مکتوبات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نہ صرف خود احباب جماعت کو تبلیغ احمدیت کے لئے ابھارا کرتے تھے بلکہ آپؓ خود بھی نہایت ہی ایمانی جوش و جذبہ کے ساتھ احمدیت کی تبلیغ فرداً فرداً بھی کیا کرتے تھے۔آج یعنی ۲۰۰۱ء میں تقریباً پینتالیس (۴۵) برس گزرنے کے باوجود ان خطوط کا سوائے محترمہ صاحبزادی شمیم اختر صاحبہ کے کسی کو بھی علم نہ تھا لہٰذا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے یہ خطوط دیکھ کر ''ابا جان'' حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ، اور داماد حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب نیز محترمہ صاحبزادی شمیم اختر صاحبہ کے میاں مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب اور یہ خاکسار بھی بے حد لطف اندوز ہوئے اور پھر سے پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور ہم سب نے کسی شکوہ یا گلہ کے طور پر نہیں بلکہ صرف اپنی دلچسپی کے اظہار کے لئے محترمہ صاحبزادی شمیم اختر بیگم صاحبہ سے دریافت کیا کہ آپ نے اب تک یہ خطوط ہمیں کیوں نہیں دکھائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آج تک کبھی اس مسئلہ پر گفتگو ہی نہیں ہوئی لیکن آج جب تمہاری اس کتاب ''انوار بشیر'' کا مسودہ پڑھا تو مجھے یاد آیا کہ تبلیغ احمدیت کے لئے حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے بھی خط و کتابت کرتے رہے ہیں۔پس! میں نے یہ خطوط اپنے بیسیوں برس پرانے کاغذات میں سے ڈھونڈ نکالے۔اس پر مجھے یاد آیا کہ اپنی اس تبلیغ کے شیریں پھل کو پھلتے پھولتے دیکھتے ہوئے ہی تو حضرت قمرالانبیاءؓ نے اپنے نواسہ مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب کی شادی کے موقعہ پر بصد شکر اتنی زیادہ خوشی و مسرت کا اظہار کیا تھا بلکہ اپنے نئے مکان کو بھی ان دونوں میاں بیوی کو سہولت کی خاطر استعمال کرنے کو دیا تھا۔اس طرح ہماری پرانے واقعات کے بارہ میں یہ مجلس کافی رات گئے دیر تک خوب گرم رہی اور پھر سب کو ہی کوئی نہ کوئی پرانا واقعہ یاد آ گیا۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ میرے سفر کا مقصد مجھے مل گیا۔

مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب کے ذکر سے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھرانہ میں ایک شادی کے موقعہ پر ربوہ میں خوب گہما گہمی تھی۔کوئی آ رہا تھا تو کوئی جا رہا تھا یا کسی کو کار بھیج کر بلایا جا رہا تھا الغرض اس دن گھر کی تمام کاریں جو کہ کم و بیش بیس سے کم نہ ہوں گی بہت مصروف تھیں لیکن حسن اتفاق سے اسی دن میرا اور میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا عمر احمد (تانی میاں) صاحب کا ربوہ میں گھومنے پھرنے کا پروگرام بن گیا۔جلسہ سالانہ یا عیدین اور شادی بیاہ جیسے مواقع پر عموماً میرے پاس حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کی جاپانی مازدا MAZDA موٹر کار ہوا کرتی تھی لیکن اس دن جب میں نے دیکھا کہ آج کسی کی کوئی بھی موٹر کار فارغ نہیں تو میں بلا جھجک مکرم نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب کے پاس جا پہنچا جو کہ البشریٰ کی ساتھ والی کوٹھی میں اپنے ابا امی کے پاس اپنی فیملی کے ہمراہ ٹھہرے ہوئے تھے۔وہاں پہنچتے ہی میں نے سلام دعا کے بعد بلا تکلف ان سے عرض کیا کہ مجھے آج آپ کی کار کی بہت ضرورت ہے۔انہوں نے بھی بغیر سوال کئے اپنی پتلون کی جیب میں سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر میرے حوالے کر دیا اور یہ تک نہ پوچھا کہ بھئی کس کام سے اور کہاں جانا ہے؟ موٹر کار کی چابیاں ملتے ہی میں نے مکرم تانی میاں صاحب کو اپنے ہمراہ لیا اور کار سٹارٹ کر کے ربوہ کی سیر کرنے چل پڑا۔کبھی غلہ منڈی تو کبھی گول بازار۔کبھی تعلیم الاسلام (ٹی-آئی) ہائی سکول تو کبھی تعلیم الاسلام کالج اور پھر وہاں سے ہوتے ہوئے محلّہ دارالنصر۔الف محلّہ (محلّہ دارالیمن) تو پھر دارالصدر۔الغرض ہم دونوں نے اس دن اس ہلکے نیلے رنگ کی SKODA 1000 سکوڈا کار میں ربوہ کی خوب سیر کی اور اس کے بعد شام گئے گھر واپس آئے۔خاکسار آج یہ بات تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت ادب و احترام

اور انتہائی پیار اور محبت کے ساتھ ہزاروں لاکھوں درود و سلام بھی بھیج رہا ہے کیونکہ اس کو کہتے ہیں اپنے خدام پر شفقت کی انتہا کہ ایک قیمتی کار تمام دن گھر سے غائب۔ کسی کو کوئی علم نہیں کہ ہم کہاں پھر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھ پر خاندان کے معزز و محترم افراد کے اعتبار کا یہ عالم کہ کسی کو کسی قسم کی کوئی فکر نہیں کہ خدانخواستہ یہ کہیں ٹکر مار کر اس قیمتی موٹر کار کو تباہ نہ کر دے یا کار کو کوئی اور نقصان نہ پہنچ جائے حتیٰ کہ گھر کی تمام چابیاں بھی دے دیں کہ جن میں سٹور سے لے کر ایسے صندوقوں کی چابیاں بھی شامل تھیں کہ جن میں ہزاروں روپے پیسے کے علاوہ لاکھوں کے قیمتی زیورات بھی رکھے ہوئے ہوتے تھے جبکہ ان دنوں میری عمر اغلباً ۱۳-۱۴ سال کی تھی۔ پس اے میرے اللہ اس معزز و محترم خاندان پر تا قیامت اپنی رحمتیں نچھاور کرتا چلا جا۔ آمین اللھم آمین

انفرادی تبلیغ احمدیت کے انہی واقعات کے تسلسل میں خاکسار مزید عرض کرتا ہے کہ حضرت قمرالانبیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبلیغ دین کے لئے ہر وقت یعنی دن رات تیار رہا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں آپؓ جماعت کے مبلغین اور مناظرین کی بھی بہت ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت قمرالانبیاءؓ سے اپنی ایک تبلیغی ملاقات کے سلسلہ میں خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتہ ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''۱۹۶۲ء کے شروع میں جب پادری عبدالحق صاحب سے مناظرہ کی شرائط طے کرنے کے لئے میں اور مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری، آپؓ سے مل کر لاہور گئے اور میں نے آکر آپؓ کو اطلاع دی کہ پادری صاحب مناظرہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اور شرائط طے نہیں ہوسکیں تو آپؓ نے جواب میں مجھے ایک فقرہ یہ بھی لکھا کہ ''میرا دل چاہتا تھا کہ اگر مناسب شرائط طے ہو جائیں تو اس معاند پادری سے ضرور مباحثہ ہو جائے''۔ بعد ازاں جب پادری صاحب کو خود یا دوسروں کے کہنے سے احساس ہوا کہ ان کا مؤقف غلط تھا تو انہوں نے ''الوہیت مسیح'' پر تحریری مناظرہ شروع کر دیا تو سیدی حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ بہت خوش ہوئے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے۔ پھر جب دو پرچوں کے بعد پادری صاحب نے راہ فرار اختیار کی تو یہ امر بھی آپؓ کی مزید خوشی کا باعث ہوا اور آپؓ نے اسے احمدیت کی ایک نمایاں فتح قرار دیا''۔ (الفضل ۱۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو تبلیغ اسلام و احمدیت یعنی حق کی منادی کرنے کا بے حد شوق تھا اور یہ بات آپؓ کے ۱۹۴۰ء میں تحریر فرمودہ ایک خط سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپؓ اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے اور ان کی کوششوں کو دیکھ کر بے حد مسرور بھی ہوا کرتے تھے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادیان

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

۶/اگست ۱۹۴۰ء

عزیزم مبشر احمد سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے تم خیریت سے ہو گے۔ حمید اور مجید (حضرت قمرالانبیاءؓ کے دو صاحبزادے۔ ناقل) ہردوکی پارٹی کے ذریعہ خدا کے فضل سے بعض لوگ احمدیت میں داخل ہو گئے ہیں۔ تم بھی کوشش کرو کہ اس عرصہ میں تمہارے ذریعہ بھی خدا تعالیٰ کسی کو ہدایت عطا فرمائے۔ زیادہ تر دیہات میں توجہ دینی چاہئے اور عام مسائل کے علاوہ لوگوں کو سمجھانا چاہئے کہ اب ان کی دینی دنیوی نجات صرف احمدیت کے ذریعہ وابستہ ہے۔ اللہ تعالےٰ

تمہارے ساتھ ہو- مرزا صاحب اور صوفی صاحب کو سلام پہنچا دینا-

فقط والسلام- خاکسار دستخط (مرزا بشیر احمد)

اب میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عنایات سے بھرپور اپنے اصل مضمون کی جانب واپس آتا ہوں کہ مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان اور محترمہ صاحبزادی شمیم اختر بیگم صاحبہ کی صاحبزادی کے یہاں میرا امریکہ میں میرے قیام کے دوران جمعرات کے روز مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب نے ازراہ شفقت مجھے اپنی دادی اماں یعنی بڑی امی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ''سیرت وسوانح'' کے بارہ میں لجنہ اماء اللہ لاہور کی جانب سے چھاپی گئی کتاب اپنے دستخط اور درج ذیل نوٹ کے ساتھ عنایت فرمائی: ''عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب کے لئے بہت دعاؤں کے ساتھ اور تشکر کے جذبات کے ساتھ کہ مقصود صاحب نے بڑی کاوش اور محبت کے ساتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ (حضرت ابا جان) کے سوانح لکھی ہے- اللہ تعالےٰ جزائے خیر سے نوازے- خاکسار- دستخط (حامد احمد خان) -۲۲/ مارچ ۲۰۰۱ء''- اس کے بعد مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب مجھے اپنے ساتھ لے کر شہر کے بقیہ حصے دکھانے اور میری کچھ تصاویر کھینچنے چل پڑے- انہی تصاویر کے کھینچنے سے یاد آیا کہ تصویریں کھینچنا مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب کا جوانی میں محبوب ترین مشغلہ رہا ہے اور آپ کے پاس ایک پروجیکٹر یعنی سلائیڈ مشین بھی ہوا کرتی تھی لہذا جب بھی آپ کو فرصت ہوتی تو آپ اپنی نانی جان محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو یہ سلائیڈس SLIDES دکھانے ضرور تشریف لایا کرتے تھے تاکہ کچھ تفریح رہے اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی آپ کی فوٹو گرافی کی بہت داد دیا کرتی تھیں- مجھے یاد ہے کہ مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب اپنی ہر تصویر کے پیچھے یہ ضرور تحریر فرمایا کرتے تھے:-

''PHOTOGRAPHED BY HAMID AHMAD KHAN''

اس لئے میں نے جب آپ کو یہ بات یاد دلائی تو آپ بہت محظوظ ہوئے کہ تمہیں اب تک اتنی پرانی باتیں یاد ہیں اور پھر مجھے بتایا کہ اب اتنی فرصت نہیں ملتی کہ میں ہر تصویر کے پیچھے لکھوں لہذا میں نے ایک مہر بنوا رکھی ہے اور اسے اپنی تصاویر کے پیچھے ثبت کر دیتا ہوں- اس کے بعد آپ نے مجھے اپنے مختلف کیمرے وغیرہ دکھائے- اپنے جی پی ایس سسٹم سے میامی امریکہ سے مکہ مدینہ اور ربوہ نیز قادیان کی سمت دکھلائی- میامی سے ان چاروں مقدس مقامات کی سمت میں صرف چند ڈگری کا ہی فرق ہے اس لئے جی پی ایس سسٹم GPS-System پر یہ دیکھ کر مجھے بہت لطف آیا اور یوں پلک جھپکتے ہی میں یہ چند دن بیت گئے- جمعرات کی رات گیارہ بجے حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب اور آپ کے صاحبزادے مکرم صاحبزادہ سید ہارون احمد صاحب مجھے فورٹ لاؤڈرڈیل کے ایئرپورٹ پر چھوڑنے کے لئے تشریف لائے- جہاز چونکہ لیٹ تھا لہذا میں رات گئے تقریباً دو بجے واشنگٹن کے قریب واپس بالٹی مور پہنچا- اللہ بھلا کرے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کا جو کہ اپنی زوجہ صاحبزادی امتہ الوکیل بیگم صاحبہ کے ساتھ مجھ ناچیز کو رسیو کرنے کے لئے بذات خود تشریف لائے ہوئے تھے- اتنی رات گئے ان دونوں میاں بیوی کا اتنی دور مجھے لینے کے لئے تشریف لانا میرے لئے حد درجہ باعث مسرت ہوا لیکن جب میں نے عرض کیا کہ اتنے رات گئے صاحبزادی صاحبہ کو تکلیف دی؟ تو مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور صاحبزادی امتہ الوکیل صاحبہ نے نہایت خوش دلی سے فرمایا کہ نہیں! نہیں! ہمیں تو خوشی ہے کہ آپ ہمارے یہاں مہمان آئے ہوئے ہیں اور مہمان کا اکرام ہم پر فرض ہے- یہ سن کر اظہار تشکر کے طور پر میرے مونہہ سے ان دونوں کے حق میں بے ساختہ ہزاروں ہزار دعائیں نکلیں- مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو گلے کا کینسر تھا- مختلف علاج ہوئے- کیمیائی تھیراپی بھی ہوئی اور ان کو خدا تعالیٰ کے فضل سے آرام آ گیا- احباب کی خدمت میں نہایت دردِ دل کے ساتھ ان کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لئے دعا کی درخواست ہے-

جمعہ کے روز ہم نے واشنگٹن کی نئی مسجد بیت الرحمٰن میں نماز جمعہ ادا کی اور اس کے بعد وہیں حضرت صاحبزادہ میر محمود احمد ناصر صاحب کے ساتھ ملاقات کی سعادت بھی حاصل کی۔حضرت میر محمود احمد ناصر صاحب ان دنوں امریکہ آئے ہوئے تھے۔حضرت میر محمود احمد ناصر صاحب نے فرمایا کہ جب ربوہ آؤ تو مجھے بھی یہ کتاب ضرور دینا اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے کار میں تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہاری کتاب کے تین سو پچاس صفحات پڑھ بھی لئے ہیں۔کچھ دیر کے بعد حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ بھی مسجد سے باہر تشریف لے آئیں تو موٹر کار میں تشریف رکھتے ہی آپ نے بھی فرمایا کہ میں نے بھی اس پر کچھ نوٹ لکھے ہیں۔یوں ہم سب خوشی خوشی گھر کو واپس ہوئے۔ہفتہ کے روز مکرم صاحبزادہ میاں ظاہر محمد سیال صاحب کے ساتھ پروگرام تھا۔اس دن ان کا عالیشان دفتر دیکھا،ان کے بیوی بچوں سے پھر ملاقات ہوئی۔ان کی جانب سے دوپہر کے کھانے کی پرتکلف دعوت تھی۔شام کو حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے یہاں الوداعی دعوت تھی۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور حضرت بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ نے بہت تکلف کیا ہوا تھا لہذا میں نے آخری مرتبہ پھر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو یہ تکلیف دی کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے ہی مجھے تبرک ڈال کر عنایت فرماویں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے یہاں ان کے دست مبارک سے ہر ایک کو روزانہ ہی تبرک کھانے کا ایسا قیمتی اور نادر موقعہ نصیب نہیں ہوتا اور میں نے اس تبرک کو اپنی خوش قسمتی جانتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔کھانا کھانے کے بعد شیرینی کی باری آئی اور اس کے بعد حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب نے مجھے اس کتاب کے بارہ میں زبانی اپنی ضروری ہدایات سے نوازا اور کچھ تحریری نوٹس مرحمت فرمائے اور مزید کچھ نوٹس بھی تحریر کروائے اور یوں ہماری ان پیاری ملاقاتوں کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا اور خاکسار نے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ سے واپسی کی اجازت طلب کی اور یوں بے حد دعاؤں کے ساتھ ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔اگلے دن میری جرمنی کو واپسی تھی لہذا مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب مجھے خود ایئر پورٹ کے اندر جہاز تک چھوڑنے چلے آئے۔اتوار کے دن مؤرخہ ۲۵/مارچ ۲۰۰۱ء کو میرا ہوائی جہاز ڈلیس واشنگٹن ڈی سی سے شام پانچ بج کر بیس منٹ پر اڑ کر پیر کی صبح آٹھ بجے فرینکفرٹ جرمنی کے RHEIN-MAIN FLUGHAFEN پر اترا۔اس تمام سفر کے دوران خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان معزز افراد کی صحت و سلامتی کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دعا گو رہا کہ جنہوں نے مجھ عاجز کی رہائش،سیر و تفریح اور کھانے پینے کا نہایت اعلیٰ اور عمدہ ترین انتظام کیا اور یوں مجھے برسوں کے بعد ایک مرتبہ پھر خاندان مبارکہ کے گھر کا بابرکت تبرک کھانے کا موقع نصیب ہوا۔اللہ تعالیٰ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ایک فرد کا حامی و ناصر رہے اور ان کی زندگیوں میں برکت ڈالتا چلا جائے تا کہ ہم جیسے عاصی انسانوں کو بھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے ایسے پاکیزہ تبرکات کھانے کا بار بار موقعہ نصیب ہوتا چلا جائے۔اللھم آمین

اسی بابرکت تبرک کے ذکر سے یاد آیا کہ گرمیوں کے موسم میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ کو جیلی کھانے کا بھی بہت شوق تھا اور آپؓ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی سبز اور سرخ اور زرد رنگ کی ٹھنڈی جیلی کھانے کی عادت پڑ گئی۔آئس کریم کئی قسموں کی ملا کرتی تھی ان میں سے ایک تو شکر کے پانی کو جما دینے والی ڈلیاں ہوتی تھیں،دوسرے ابلے ہوئے دودھ میں چینی ملی ہوئی آئس کی ڈلیاں،تیسری خوب اُبالے (کاڑھے) ہوئے دودھ اور آئس کریم پاؤڈر والی میٹھی آئس کریم جو کہ کسی بڑے سے المونیم کے برتن میں اور عموماً اسی کیتلی میں جمائی جاتی تھی کہ جس میں اس دودھ کو اُبالا جاتا تھا اور چوتھی ہاتھ سے گھمانے والی لکڑی کی بنی ہوئی آئس کریم مشین میں بننے والی آئس کریم کہ جس میں کبھی آم تو کبھی پستہ،بادام اور روح کیوڑہ وغیرہ ڈال کر لذیز اور زیادہ مزیدار بنایا جاتا تھا،سفید میدے کی سویوں والی آئس کریم اور اس کے علاوہ برف والے ٹھنڈے پانی میں شکر اور جو کے ستو گھول کر یا تخم ملنگا ڈال کر شکر کا شربت پینے کو ملتا۔اسی طرح باداموں کو کونڈی میں پہلے

کوٹ کر اور پھر گھوٹ کر اور اس میں چینی اور ٹھنڈا دودھ اور برف ملا کر جو سردائی بنائی جاتی وہ بھی خوب سیر ہو کر پینے کو ملتی - سردیوں کے موسم میں پینے کے لئے سادہ پانی لیکن گرمیوں میں میں نے کسی کو یہ سادہ پانی بھی فریج کی برف کے بغیر پیتے نہیں دیکھا، دودھ کی نمکین یا میٹھی کچی لسی، دہی کی لسی نمکین یا میٹھی، میٹھی یا نمکین اسکنجبین (سکنجوی)، ادھ ارڑھ کا یعنی دہی اور دودھ کو مدھنی (زبیدہ) سے ارڑھک (ملا) کر تیار کی جانے والی میٹھی لسی ، شربت روح افزاء اگر روح افزاء بازار سے دستیاب نہ ہوتا تو پھر اس کی جگہ شربت بنانے کے لئے جام شیریں کو منگوا لیا جاتا - اس کے علاوہ صندل کا شربت بھی گھر میں بہت شوق سے پیا اور پلایا جاتا تھا - ان چیزوں یا چائے وغیرہ میں مٹھاس کے لئے سفید یا بھورے رنگ کی مشری، ولائیتی چینی، دیسی چینی، شکر یا گڑ حتیٰ کہ سکرین کی گولیاں بھی ہر وقت گھر میں موجود رہتیں - علاوہ ازیں مکرم محمد شریف صاحب پہریدار کے کھوکھے سے کوکا کولا، کینیڈا ڈرائی، فانٹا، بنٹے والی بوتل میں جنجر لیمن، سبز اور سرخ سوڈا کہ جن سے گرمیوں میں عموماً دودھ سوڈا بھی بنایا جاتا تھا بعد میں شیزان کا مینگو جوس اور پھر بہت بعد میں جب امرود کا جوس بھی آ گیا تو وہ بھی پینے کو ملنے لگا الغرض ایک سے بڑھ کر دوسری اعلیٰ اور عمدہ ترین نعمت -

جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے بہت سے مخلص احباب اور مبلغین سلسلہ جو بیرونی ممالک میں آباد تھے وہ گاہے بہ گاہے انا ناس یا دوسرے پھل بند ڈبوں میں بغرض دعا حضرت قمر الانبیاءؓ صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت اقدس میں بھجوایا کرتے تھے اور وہ پھل بھی ہمیں ملتے رہتے اور ان تبرکات کے علاوہ آپؓ کے کمرہ میں موسم کے لحاظ سے رسی پر سبز کیلے بھی ٹنگے رہتے اور جب وہ پک جاتے تو پھر ہم سب کو بھی اپنے ہمراہ ان کی - TESTING - میں شریک فرماتے اور پکے ہوئے کیلے تلاش کر کے اور چُن چُن کر ہمیں نہایت ہی محبت سے کھانے کو دئے جاتے - موسمی پھلوں میں آپؓ کو آم کھانے اور کھلانے کا بہت شوق تھا اور آموں کی مختلف اقسام مثلاً دوسہری، چونسہ، فجری، ثمر بہشت اور لنگڑا میں سے لنگڑا آم آپؓ کو سب سے زیادہ پسند تھے لہذا آپؓ بہت سے لنگڑا آم منگوا کر میری والدہ کے سپرد کر کے فرماتے کہ "احمد بی بی! ان کی پَیل ڈال دو" اور میری والدہ محترمہ ان آموں کی پیٹیوں کو مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق (چھیری میاں) صاحب کے کمرہ میں رکھ دیتیں اور جب وہ پک جاتے تو حضرت میاں صاحبؓ خود اپنے دستِ مبارک سے کاٹ کاٹ کر ہم سب میں تقسیم فرماتے - آم کی گٹھلی چوسنا آپ کو بہت پسند تھا لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی یہ گٹھلی آدھی چوس کر بقیہ مجھے عنایت فرما دیتے یا پھر کبھی تمام گٹھلی ہی عنایت فرما دیا کرتے تھے - مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ بعض اوقات آپؓ موسم کے مطابق خود ہی دریافت فرما لیتے کہ سُودے خان! آج کون سا پھل کھانے کو جی چاہتا ہے؟ ناشپاتی ؟ سیب ؟ انار ؟ بعض اوقات میں کسی پھل کا نام لے لیتا لیکن عموماً آپؓ میری جھجک دیکھ کر خود ہی کسی پھل کا نام لیکر فرماتے کہ اچھا جاؤ ! وہ پھل تازہ آیا ہے اسے لے آؤ اور پھر اپنے دست مبارک سے اسے کاٹ کر مثلاً انار کو کاٹ کر اس کے دانوں کو چھلکوں سے جدا کر کے ایک درمیانی پلیٹ میں سجا کر مجھ عاصی کو کھانے کے لئے عنایت فرماتے اور خود بھی تناول فرماتے -

آپؓ نے اپنے تمام پسندیدہ پھلوں کے پودے البشریٰ میں لگوا رکھے تھے جن میں آم، جامن، فالسہ، امرود، شہتوت، مالٹے، کیلے اور انگور کے پودے سر فہرست ہیں - ان کے علاوہ مختلف بیریوں کی پیوند بھی کی - انگور کے ذکر سے یاد آیا کہ انگور کی بیل حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ کی شرقی جانب کھلنے والی کھڑکی کے سامنے لگائی گئی تھی اور اس بیل کی جڑ کے قریب کئی مرتبہ قربانی کے بکروں کو ذبح کیا گیا تھا تا کہ ان کا خون ضائع ہونے کی بجائے اس پودے کی نشو ونما کے لئے کام آئے اور یوں ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیل کافی بڑی ہو گئی اور اس کو پھل بھی لگنے لگا - ان پھلوں کے علاوہ کراچی سے شریفہ اور پپیتا - پنجاب سے آم، امرود، جامن، انجیر، مالٹا، سنگترہ، کینو، میٹھا، تربوز، خربوزہ ، سرحد کے علاقہ

سے انار، ناشپاتی، بگوگوشے، لوکاٹ ، آلو بخارا، فالسہ، آڑو اور خرمانی- چمن کے چھوٹے انگور اور سبز اور سرخ بڑے انگور، سرخ، سبز اور پیلے میٹھے رس دار سیب، سردا اور گرما نیز مشرقی پاکستان سے لیچی، اناناس، کیلے اور ناریل بلکہ مشرق وسطیٰ سے گریپ فروٹ بھی کھانے کے لئے منگوائے جاتے تھے اور پھر سب کو ہی ان پھلوں میں سے ان کا حصہ ملا کرتا تھا- ان دنوں جاپان سے ایک پھل ٹماٹر کی طرح کا لیکن مالٹے کے رنگ جیسا نیا نیا آیا تھا کہ جس کو کھا کر مونہہ اور گلہ کافی دیر تک خشک رہا کرتا تھا- وہ پھل بھی ملا کرتا تھا- اسی طرح سردیوں کے موسم میں دیسی گنا یا اس کی گنڈیریاں، گنے کا رس جسے پنجابی میں روہ بھی کہتے ہیں اور سبز پونا گنا بھی کھانے، چبانے اور چوسنے کو ملا کرتا تھا، گنے کی رس کی سادہ پت کے علاوہ بادام یا مونگ پھلی اور کھوپرے والی ملی جلی پت بھی- الغرض اتنی شفقت کہ اس کا اظہار بھی ممکن نہیں کجا میں تفصیلات میں جاؤں-

ایک طرف حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے یہ محبانہ التفات اور دوسری جانب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی مامتا بھری شفقت کہ آپؓ ہمیشہ میری بہنوں کو روزانہ کھانوں کے لئے ایک چٹ لکھنے کے لئے ارشاد فرماتیں اور پھر مکرم بشیر احمد خادم صاحب وہ چٹ لے کر بازار سے مطلوبہ سودا لے آیا کرتے تھے اور میں نے یہ آج تک نہیں دیکھا کہ ایک چارٹ بنا ہؤا ہے اور اس کے مطابق اشیاء آ رہی ہیں بلکہ روزانہ سب سے پوچھا جاتا تھا کہ بھئی بتاؤ آج تم لوگ کیا کھانا کھانا چاہتے ہو؟ الغرض سب کی مرضی کے مطابق کھانا تیار کیا جاتا تھا- صبح کے ناشتہ میں چائے کے ساتھ ابلے ہوئے انڈے یا فرائی کئے ہوئے انڈے یا انڈوں کا آملیٹ، گھر میں چائے بنانے کے لئے عموماً لپٹن کی ریڈ اینڈ بلیک پتی استعمال ہوتی تھی اور اگر وہ دستیاب نہ ہوتی تو پھر بروک بونڈ زکی ییلو لیبل پتی استعمال کی جاتی تھی، آلوؤں کی بھجیا، گھی کے پراٹھے، آلوؤں والے پراٹھے، قیمہ والے پراٹھے، چوپڑی روٹی، چُوری، حلوہ اور پوریوں کے ساتھ کابلی چنوں کی بھجیا، دودھ والی جلیبیاں کہ جن کو رات کے وقت دودھ میں ڈال دیا جاتا تھا، شاہی ٹکڑے اور چائے کے ساتھ صبح کا ناشتہ کیا جاتا تھا-

دوپہر اور شام کے کھانے کے وقت عموماً چولہے کی پکی ہوئی روٹی یعنی چپاتی یا پھلکے، بچی ہوئی چپاتیوں کو ایک کنستر میں اکٹھا کیا جاتا تھا اور پھر ایک دن ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے بنا کر ان کا بھی حلوہ بنایا جاتا تھا، کھانا ڈالڈا ویجی ٹیبل گھی میں تیار ہؤا کرتا تھا لیکن اگر ڈالڈا دستیاب نہ ہوتا تو پھر تلو بناسپتی گھی میں پکتا مثلاً:- مٹر پلاؤ، گوشت کا پلاؤ، زیرے کا پلاؤ، آلوؤں کا پلاؤ، کابلی چنوں کا پلاؤ، دیسی کالے چنوں کا پلاؤ، میٹھے چاول، سادہ زردہ اور پستہ، منقہ، بادام اور کھوپرے والا زردہ کہ جس میں خوشبو کے لئے چھوٹی الائچی کے ساتھ ساتھ سنگترے کے چھلکوں کی تراشیں ڈال کر مزید لذیز بنایا جاتا تھا، بریانی، سیخی کباب، چھتر کباب، شامی کباب وغیرہ اور سالن کے لئے چھوٹے یا بڑے گردے، کلیجی، دل، تلی، پھیپھڑے، بکرے کی اوجھڑی، سری، چھوٹے یا بڑے پائے، گوشت کا قورمہ، آلو گوشت، پالک گوشت، خالی قیمہ کے کوفتے، قیمہ کے کوفتے ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ، قیمہ مٹر، قیمہ آلو یا پھر گوشت کے ساتھ سبزیوں میں بھنڈی توری، کالی توری، پیٹھا، ٹینڈے، کدو، حلوہ کدو، شلجم، چقندر، بینگن، آلو گاجر یا آلو گاجر مٹر، مولی، مونگرے، آلو مونگرے، اروی، کریلے، قیمہ والے کریلے، کریلے کی کترن موٹے پیاز کے ساتھ کہ جسے کھڑا مسالہ بھی کہتے ہیں، گوبھی، بند گوبھی، آلو گوبھی، میتھی، آلو میتھی، پالک، سرسوں کا ساگ، قیمہ سے بھری ہوئی سبز سرخ زرد شملہ مرچ، چنار کے پھول وغیرہ اور دالوں میں کابلی چنے، کالے چنے، چھولیا، سفید لوبیا، سرخ لوبیا، دلیہ، ابلے ہوئے چاول کے ساتھ شوربہ والے کالے چنے، کابلی چنے، ماش اور چنے نیز مسور کی جلسہ سالانہ والی دال، دال مونگ ثابت یا دھلی ہوئی، دال ماش ثابت یا دھلی ہوئی، مسور ثابت یا دال مسور، گوشت اور سات مختلف قسم کی دالوں کو پکا کر بنایا گیا گوشت والا یا بغیر گوشت کے حلیم، تلی ہوئی مچھلی، شوربہ والی مچھلی یا دہی کی بنی ہوئی پکوڑوں والی کڑھی، بڑیوں (وڑیاں) والی کڑھی وغیرہ- کھانے کے ساتھ عموماً دہی کا رائیتہ، موسمی

سلاد، ٹماٹر، تر، کھیرا، دیسی مولی یا جاپانی مولیاں وغیرہ ہوتی تھیں یا پھر جس کا دل چاہتا وہ ان اشیاء کے ساتھ مختلف قسم کے اچار بھی لے لیتا جن میں سے سرسوں کے تیل میں آم اور لیموکا اچار اور سبز مرچ، لسوڑھے کا اچار یا پھر سرکہ والا چھوٹے پیاز، سبز مرچ اور لیموں کا اچار یعنی گھر میں کبھی بھی ایک ہی قسم کا کھانا نہ پکتا تھا بلکہ ہر روز مختلف نوع کا کھانا پکا کرتا تھا اور پھر گھر میں اگر کوئی شخص بیمار پڑ جاتا تو اس کے لئے ڈاکٹر اور ہر قسم کی دیسی یا یونانی یا ولائیتی ادویات کے انتظام کے ساتھ ساتھ اس شخص کی حسب خواہش گوشت یا مرغ یا چوزے کی یخنی، جوشاندہ، ابلے ہوئے چاول، چنے کی دال کی کھچڑی، مونگ کی دال کی کھچڑی، آلوؤں کی کھچڑی، دلیہ، ساگودانہ، اسبغول، اسبغول کا چھلکا، اسبغول یا سوجی کا حلوہ یا حریرہ یا سریرہ وغیرہ پکوانے کا علیحدہ انتظام کیا جاتا- برسات کے موسم میں میٹھے اور نمکین پورے (پوڑے)، بیسن کے پکوڑے، بیسن کے آلوؤں والے پکوڑے، بیسن کے پالک والے پکوڑے وغیرہ کے علاوہ دوسری مزے مزے کی اشیأ بھی کھانے کو ملتی رہتی تھیں مثلاً کھلی آگ پر بھنا ہوُا چھولیا یا پھر ربوہ کے ریلوے سٹیشن کے بالمقابل واقع بھٹیوں سے بھنے ہوئے دیسی کالے چنے، بھنے ہوئے کابلی چنے، بھنے ہوئے مکئی کے دانے-ان بھٹیوں کے ذکر سے مجھے ربوہ کی وہ دو بوڑھی مگر نہایت غیرت مند معزز احمدی عورتیں یاد آگئیں جو کہ ہر شام وہاں اپنی اپنی بھٹیاں گرم رکھتی تھیں اور ہر آنے جانے والے کو آس لگائے دیکھتی رہتی تھیں کہ شاید خدا کا یہ بندہ پیسے دو پیسے یا پھر آنہ دو آنہ کے چنے خرید لے لیکن آج یہ واقعات لکھتے وقت ان دونوں معزز احمدی بہنوں کی اس درماندگی کو یاد کرتے کرتے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں اور میرے دل سے ان کی مغفرت کی دعا نکل رہی ہے- اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (آمین) کیونکہ ان دونوں عمر رسیدہ لیکن انتہائی غیرت مند احمدی عورتوں نے اپنے اپنے بڑھاپے کی ناتوانی کے باوجود ہر موسم میں خواہ جاڑہ ہو یا گرمی، برسات ہو یا بہار اپنی اپنی بھٹیوں کو خدا کی آس پر گرم رکھا لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا- پس! اسی ایک واقعہ سے ہمیں یہ عظیم الشان سبق ملتا ہے کہ ہمیں بھی یہی چاہیئے کہ ہم بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی بجائے اپنی ہمت اور محنت کو بروئے کار لاتے ہوئے رزق حلال کما کر کھائیں- اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے- آمین اللھم آمین

مجھے یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کا کھانا اور چائے وغیرہ عموماً ایک پہیوں والی ٹرالی پر سجا کر آپؓ کی خدمت میں پیش کئے جاتے- حضرت میاں صاحبؓ نہایت نفاست کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور کبھی جلدی میں تیز تیز کھانا نہیں کھایا اور جیسا کہ میں بارہا ذکر کر چکا ہوں کہ اپنے کھانے میں سے مجھے بھی کچھ نہ کچھ چکھایا کرتے تھے- میری ان باتوں سے آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں ہر وقت ندیدوں کی طرح کھانے پینے کے وقت وہاں موجود رہتا تھا بلکہ ان فقرات کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی نئی سبزی آتی یا کسی نئے پھل کا موسم ہوتا تھا تو حضرت میاں صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ خاکسار کو عموماً اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا کرتے تھے- بہرحال اس کھانے کے علاوہ بھی ہمیں مختلف قسم کی اشیاء کھانے پینے کو ملتیں مثلاً مختلف قسم کے شربت، سیون اپ، ریوڑیاں، مکھانے، میٹھی یا نمکین پھلیاں، گچک (پت)، مرونڈا، اللہ بھلا کرے میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کا کہ انہوں نے یاد دلایا کہ ہمیں سفید یا گلابی یا ہلکے سبز رنگ کی چینی چڑھے ہوئے میٹھے بادام بھی ملا کرتے تھے، گھی اور چینی میں بھونے ہوئے میٹھے بھورے بادام، نمکین بادام چھلکوں والے، نمکین بادام بغیر چھلکے کے، سادہ بادام منقیٰ کے ساتھ، کاجو، چلغوزے، مونگ پھلی، تلی ہوئی نمکین مونگ پھلی، ناریل کے کھوپرے کے تازہ اور خشک ٹکڑے، مختلف قسم کے چاکلیٹ، قلاقند، ربڑی سادہ یا مونگ پھلی اور بادام والی اسی طرح شام کی چائے کے ساتھ مختلف قسم کی مٹھائیاں مثلاً لڈو، روح کیوڑہ والی برفی، جلیبیاں، میسو، پیٹھے کا حلوہ، گلاب جامن، قلاقند، دودھ کا کھویا سادہ یا چینی ملا کر، دودھ کی ملائی، شکر پارے، نمک پارے، قیمہ اور مٹر والے یا مٹر اور آلوؤں والے یا پھر سادہ آلوؤں کے سموسے، کیک، پیسٹری، بتیسا (پتیسا)، بسکٹ، بند، رس، سوجی کا حلوہ، سوہن حلوہ، کراچی حلوہ، گھی والا گاجر کا حلوہ، دودھ والا گاجر کا حلوہ، شیر خورمہ، دودھ میں پکی سویاں، پانی میں ابلی ہوئی سویاں کہ جن پر بعد میں چینی ڈال کر دیسی گھی کے ساتھ یا دودھ ملا

کر کھایا جاتا تھا، گھی میں پکی ہوئی سویاں، ہاتھ کی بنائی ہوئی سویاں، فرنی، کھیر، انڈوں کا میٹھا حلوہ، ابلے ہوئے انڈے، کچوریاں، نمک مرچ لگی ہوئی بیسن کی خشک سویاں، گھی میں تلی ہوئی نمک مرچ لگائی ہوئی چنے اور مونگ کی دال، دہی بھلے یا ابلے ہوئے کابلی چنوں نیز ابلے ہوئے آلوؤں اور موسمی پھلوں کے ساتھ تیار کی گئی مزیدار چاٹ، میٹھی یا نمکین املی، دہی کا رائیتہ، پودینہ یا انار دانہ کی میٹھی یا مرچ والی ترش چٹنی وغیرہ - الغرض! ایک چٹ پٹی چیز سے بڑھ کر دوسری مزیدار اور لذیز نعمت -

آپؓ دونوں میاں بیوی رضوان اللہ علیہم سردیوں میں عموماً خشک پھل یعنی پستہ، بادام، چلغوزے، اخروٹ، کاجو، مونگ پھلی، خشک انجیر، خشک خرمانی، تازہ کھجور، تازہ کھجور کے ڈوکے، خشک کھجور یعنی چھوہارے، خشک انگور یعنی منقیٰ منگوا کر گھر میں رکھنے کا اہتمام فرماتے اسی طرح مختلف قسم کی پنجیریاں بھی بنوایا کرتے تھے جن میں سے ایک میری بے حد پسندیدہ پنجیری تھی جو کہ سونف، بادام، ناریل کی گری وغیرہ کو باریک باریک پیس کر دیسی گھی میں تل کر اور چینی ملا کر بھون کر تیار کی جاتی تھی اور پھر چاول کے آٹے میں بھی یہی اشیاء مناسب مقدار میں ڈال کر گول گول سفید پنیاں بھی بنائی جاتی تھیں - انڈوں کا میٹھا حلوہ بھی تازہ دودھ کو ملا کر بنایا جاتا تھا اور اگر گرمیوں میں کبھی دودھ پھٹ جاتا تو اس کو پھینکنے کی بجائے اس میں سے پانی کو نچوڑ کر اسے دیسی گھی میں بھون کر اور اس میں چینی ملا کر اس کا مزیدار حلوہ بنا لیا جاتا تھا - سردیوں کے موسم میں ہی عموماً لاہور سے کولڈ میٹ - COLD MEAT - بھی منگوایا جاتا - مجھے یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں نہایت محبت سے ایک چھوٹے سے اسٹو پر فرائی پین میں خود اپنے دست مبارک سے تل کر ہم سب میں تقسیم فرماتے اور خود بھی تناول فرماتے بعض اوقات اسے تلنے کی بجائے یونہی بھی کھانے کو ملا کرتا تھا - غرض آپ دونوں صحابہ کرام رضوان علیہم ہر چیز کو بانٹ کر کھایا کرتے تھے - میں نے آپؓ کو کبھی بھی کسی عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو بھی چھپاتے ہوئے نہیں دیکھا - ہر چیز سامنے موجود رہتی اور جب تک یہ سب میں برابر تقسیم نہ فرما لیتے آپؓ کی دلنواز پیاری شخصیت کو چین نہ آتا تھا - اللہ پر اتنا ایمان اور توکل تھا کہ کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ اگر کل کوئی آ جائے گا تو کیا پیش کریں گے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ آپؓ فضول خرچ تھے بلکہ اپنی بے انتہا محبت کے اظہار کے لئے یہی تلقین فرماتے کہ:-

”جو ہے سو ہے - پہلے اس کو تو کھاؤ - آنے والے کل کے لئے خدا تعالیٰ اور دے گا“ -

اور درحقیقت ایسا ہی ہوتا تھا کہ اگلے دن اس سے بھی زیادہ مال آ جاتا - آپؓ اس بات کو انتہائی ناپسند فرماتے تھے کہ:

”پہلے چیزوں کو چھپا لو اور پھر گلنے سڑنے سے ذرا پہلے انہیں کسی غریب میں بانٹ دو“ -

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ:-

”کسی چیز کے بانٹنے کا بھی ایک مناسب وقت ہوتا ہے“ -

لہٰذا ادھر کچھ آتا اور اُدھر آپؓ اس میں سے ایک حصہ چکھ کر بقیہ فوراً تقسیم فرما دیا کرتے تھے بلکہ اس کو تقسیم فرمانے میں جلدی کیا کرتے تھے کیونکہ آپؓ توکل علیٰ اللہ کے بے حد قائل تھے اور اللہ کی ذات بابرکات پر مکمل بھروسہ رکھتے تھے - آپ احباب میں سے بعض ناظرین شائید یہ خیال فرمائیں کہ اتنی اشیا کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ میں تو اس وقت کی بات کر رہا ہوں اور اس وقت کا موازنہ کر رہا ہوں جب کہ جماعت احمدیہ اپنے تنگی کے دور سے گزر رہی تھی لیکن آج تیس چالیس سال گزرنے کے باوجود بھی دنیا کے کتنے ممالک ہیں کہ جن کی تمام آبادی کو پیٹ بھر کر تو کیا ایک وقت کا کھانا بھی نصیب ہوتا ہے؟ افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے بہت سے ممالک کے کروڑوں باشندوں کو آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایسی نعمتیں میسر نہیں لہٰذا یہ باتیں صرف اور صرف جذبہ تشکر کے طور پر لکھی جا رہی

ہیں۔جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ دونوں رضوان اللہ علیہم قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی مجسم تصویر بنے رہتے تھے:۔
یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ٥ (البقرۃ:۲۶۸) ۔یعنی: اے ایماندارو جو کچھ تم نے کمایا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں صدقہ دو اور اُس مال میں سے بھی جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے نکالا ہے حسب توفیق اللہ کی راہ میں خرچ کرو لیکن کسی ایسی ناکارہ شے کہ جس کو تم خود بھی لینے سے ہچکچاتے ہو ایسی بیکار اشیا کو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا اس لئے اپنے صدقات کو معمولی نہ سمجھو اور کم قیمت، بیکار اور فضول اشیا صدقہ کے طور پر نہ دیا کرو اور یہ جان لو کہ اللہ کو تمہاری ان اشیا کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے اور اسی لئے تو بے حد وحساب تعریف کا مستحق ہے۔

آپؓ توکل علی اللہ پر بے حد زور دیا کرتے تھے۔اگر کسی کی طرف سے کوئی تحفہ دعا کی غرض سے موصول ہوتا تو نہایت اخلاص کے ساتھ اسے قبول فرماتے اور سائل کے لئے اس کے سامنے ہی اس کے مقاصد کے حصول کے لئے دعا فرماتے اور اسے بھی دعا میں شامل فرماتے۔حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔
''حضرت میاں صاحبؓ کی عادت تھی کہ اگر کوئی از راہ محبت معمولی سے معمولی تحفہ بھی پیش کرتا تو نہ صرف اسے قبول فرماتے بلکہ ایسے انداز سے قبول فرماتے اور ایسے الفاظ میں اس کا تذکرہ فرماتے کہ پیش کرنے والے کو شبہ ہو جاتا کہ شائید میں نے کوئی بڑی چیز پیش کی ہے۔اس سے دلی محبت میں جو اضافہ ہوتا وہ ظاہر و باہر ہے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر ۲۹/اکتوبر۱۹۶۳ء صفحہ۴۲)

اسی طرح مجھے بھی یاد ہے آپ نذر، نیاز اور نذرانہ کے قائل نہ تھے ہاں البتہ اگر تحفۃً کوئی چیز بغرضِ دعا آپؓ کی خدمت میں پیش کی جاتی تو پھر اتنی محبت سے اس کا اظہار فرمایا کرتے کہ انسان اپنے حقیر تحفہ کو دیکھ دیکھ کر شرما جاتا لیکن آپؓ صدق دل سے اس کی تعریف فرماتے اور نہایت ہی انکسار سے قبول فرماتے اور پھر خلوصِ دل سے دعا کرتے اور شکریہ کا لفظ کبھی استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ جزاک اللہ کہا کرتے تھے اور ہمیں بھی جزاکم اللہ ہی کہنے کا ارشاد فرمایا کرتے تھے اور اس کی تاکیداً نصیحت فرمایا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ:۔

'' جب شکریہ ادا کرنا ہی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لے لینے میں کیا حرج ہے؟''

سبحان اللہ! یہ تھی آپؓ کی بے حد اعلیٰ، سب سے عمدہ اور انتہائی بہترین تربیت ۔غرض دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم سمجھتے اور ہمیں بھی آپؓ کی صحبت میں رہتے ہوئے دن رات یہی سبق ملا کرتا تھا اور آج بھی آپؓ کی پیاری پیاری ایمان افروز باتیں ہمیں جان سے بھی پیاری لگتی ہیں۔توکل علی اللہ کے موضوع پر مکرم جناب شیخ محمد احمد مظہر صاحب امیر جماعت احمدیہ لائل پور بیان فرماتے ہیں:۔
'' جیسا کہ الٰہی جماعتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت ہے ہماری جماعت کو بھی کئی مشکل مرحلوں اور ابتلاؤں میں سے گذرنا پڑا ہے۔ایسے موقعوں پر خاکسار نے آپؓ کے اندر ایک عجیب شجاعت اور توکل علیٰ اللہ کی روح دیکھی۔مشکلات اور مصائب کے اندر آپؓ کے علمی اور عملی جوہر اور زیادہ روشن ہو جاتے تھے اور جس مجلس میں آپؓ موجود ہوتے وہاں آپؓ کے رفقائے کار کو یہ یقین ہوتا تھا کہ پیش آمدہ مشکل پر انشاء اللہ قابو پالیا جائے گا۔آپؓ کی سیرت کا یہ ایک مستقل باب ہے اور کثیر واقعات اس کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں''۔(حیات بشیر صفحہ۲۴)

حضرت قمر الانبیاءؓ خدا کی مدد اور سہارے پر اتنا زیادہ یقین کامل رکھتے تھے کہ عام انسان اس بات کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ایک مرتبہ آپؓ نے

حضرت مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب سابق مبلغ احمدیت کی بھیجی ہوئی ایک رپورٹ ملاحظہ فرما کر جواب میں تحریر فرمایا:-

'' آپ کا خط محررہ ۲۴؍اپریل ۱۹۶۲ء موصول ہؤا-نو احمدیوں کی ۱۲۸ تعداد بہر حال قابل شکریہ اور قابل تعریف ہے مگر ہم تو یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ (النصر :۳) کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہیں-آپ قول اور عمل اور دعا کے ذریعہ خدا کی نصرتوں کو زیادہ سے زیادہ کھینچیں اور اس کے رستہ میں والہانہ جدوجہد کریں-انشاء اللہ نیت اور محنت کا پھل ضرور ملے گا-اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو-آمین''-(حیات بشیر صفحہ ۳۱۱ مکتوب نمبر ۱۹۶۵ مؤرخہ ۳۰؍اپریل ۱۹۶۲ء)

الحمد للہ کہ آپؓ کی دعاؤں کی بدولت ہم اپنی کھلی آنکھوں کے ساتھ گذشتہ کئی سالوں سے لاکھوں اور کروڑوں متبعین کو جوق درجوق احمدیت میں داخل ہوتا دیکھ رہے ہیں کہ جس کا نظارہ حضرت قمر الانبیاءؓ نے اپنے اس خط میں آج سے کئی برس قبل کھینچا تھا-اسی لئے تو ان نظاروں کو دیکھے بغیر ہی تمام مسلمان ایسی خدائی پیشگوئیوں پر یقین کامل رکھتے ہوئے سورۃ نصر کی آیت نمبر ۴ کے اختتام پر: '' سُبۡحٰنَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمۡدِکَ اللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَنَا - اے میرے اللہ اے میرے پروردگار پاک ہے تیری ذات اور چونکہ تمام پاکیزہ تعریفوں کا صرف تُو ہی مستحق ہے لہذا میری بخشش فرما''-بھی پڑھتے ہیں-توکل علیٰ اللہ کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

'' اسی طرح ایک مرتبہ مجھے ہدایت فرمائی کہ اگر آپ کی نظر میں کوئی امداد کا مستحق ہو اور وہ خود سوال کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہو تو ایسے افراد کے نام آپ اپنی طرف سے پیش کر دیا کریں مگر یہ خیال رہے کہ وہ واقعی امداد کا مستحق ہو-چنانچہ میں اس عرصہ میں ہر موقعہ پر مستحق افراد کے نام پیش کر کے انہیں امداد دلواتا رہا ہوں-ایک دفعہ حضرت میاں صاحبؓ نے چند غرباء کو رقم بطور امداد ادا کرنے کی مجھے ہدایت فرمائی مگر میں خاموش ہو رہا-اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے میری طرف دیکھتے ہوئے میری خاموشی کی وجہ دریافت فرمائی-میں نے عرض کیا کہ امدادی فنڈ ختم ہو چکا ہے اور کوئی '' بیلنس'' نہیں ہے-آپؓ نے مشفقانہ نگاہوں سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا ''گھبرائیں نہیں یہ رقوم اوور ڈرا OVER DRAW کر کے ادا کر دیں-اللہ تعالیٰ بہت روپیہ دے گا'' -چنانچہ اگلے چند دنوں میں اس مد میں سینکڑوں روپے آ گئے''-(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء خاص نمبر صفحہ ۳۴-۳۷)

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بات سے بات نکلتی ہے لیکن یہ سب حالات ایک دوسرے سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ جیسے ایک زنجیر کی کئی کڑیاں لہذا میں مجبور ہوں کہ ان تمام واقعات کا ذکر اپنے ان معزز بزرگوں کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ کرتا چلا جاؤں تا کہ شائید اسی بہانہ خدا کے کسی نیک بندے اور اس کے قریبی یعنی کسی اللہ والے کی دعا ان پیارے،معزز اور بزرگ صحابہ رضوان علیہم کو لگ جائے اور انجام بخیر ہو-آمین ثم آمین-ان عظیم صحابہ رضوان علیہم کے بلند مرتبہ اور اونچی شان کو صرف وہی لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ جن کو ان بزرگ صحابہ رضوان علیہم کا قریب سے دیدار کرنے کا شرف بھی حاصل ہؤا ہے لہذا حضرت مولانا غلام رسول قدسی صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ خاکسار ترقی اسلام وسلسلہ حقہ احمدیہ اور بلندیٔ درجات وحفاظت سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وسیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی آل واولاد کے لئے دعا میں مصروف تھا کہ اچانک مجھ پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ میں رتن باغ لاہور کے پاس ہوں-جب میں اس کے دروازے کے اندر داخل ہؤا تو میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدوس ہستی بھی عظیم الشان انسانی تمثیل میں

بہت شاندار منظر کے ساتھ رتن باغ میں داخل ہوئی۔ سب سے پہلے نواب زادہ میاں عباس احمد خان صاحب سلمہ ربہ، جو قریب ہی نظر آئے کے سر پر اللہ تعالیٰ نے شفقت اور پیار سے ہاتھ پھیرا۔ پھر ان کے پاس ہی ان کی والدہ ماجدہ حضرت دختر کرام نظر آئیں اور ان کے سر مبارک پر بھی حضرت رب العالمین نے پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد دروازہ کی جنوبی طرف سیدی حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب مدظلہ نظر آئے، ان کے قریب ہی ایک چارپائی پر ان کی بیگم صاحبہ حضرت ام مظفر احمد کپڑا اوڑھے لیٹی ہوئی نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مقدس و محترم صاحبزادہ صاحب کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی قدوس ہستی نے سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ جو شمالی جانب ایک طویل و عریض اور خوشنما کمرے میں کرسی پر بیٹھے ہیں کے قریب کھڑے ہو کر محبت بھرے لہجہ میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”آپ تو ہمارے ہی ہیں اور ہم آپ کے ہیں“۔ پھر کشفی نظارہ بدل گیا“۔ (حیات قدسی حصہ پنجم صفحہ ۱۶۳)

اب جن معزز و محترم بزرگوں پر خود خدا تعالیٰ کی شفقت اور محبت نیز رحمت کا سایہ ہو بھلا ہم بھی کیوں نہ ان سے پیار کریں؟ پھر یہ معزز بزرگ بھی ہم سے بہت ہی زیادہ پیار اور بے انتہا شفقت کا سلوک فرماتے رہتے تھے لیکن بعض لوگوں کو حضرت قمر الانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا ہم پر یہ التفات ایک نظر نہ بھاتا اور وہ یہ کہتے تھے کہ یہ تو آپؓ کی ایک معمولی سی نوکر کی اولاد ہیں ان کو اتنا سر پر نہ چڑھائیں مگر یہ باتیں آپؓ کو اور آپؓ کی حرم محترم سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو سخت ناگوار گزرتیں اور آپؓ ہمیشہ نہایت تحمل اور بردباری سے ایسے معترضین کو سمجھایا کرتے تھے کہ ان کو نوکر نہ کہو اور یہ احمد بی بی تو میری اور ام مظفر احمد کی انتہائی خدمت گذار خادمہ ہیں اور ہمارے یہاں اسی طرح سے ملازم ہیں کہ جیسے کوئی کسی ہسپتال میں ملازم ہو یا جیسے میں صدر انجمن احمدیہ کا خدمت گذار ہوں۔ سبحان اللہ! کہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہیتے بیٹے ہوتے ہوئے آپؓ کا جماعت میں عالیشان مقام اور بلند و بالا رتبہ اور کہاں ہم غریب لوگ؟ لیکن انصاف پرستی اور اصول کا دامن آپؓ نے نہیں چھوڑا اور موازنہ کرتے وقت سچے دل کے ساتھ یہ بتا دیا کہ درحقیقت ملازم ایک ایسا باغیرت انسان ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے اپنی جسمانی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے حق حلال کی روزی کما کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ حضرت قمر الانبیاءؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ دونوں انتہائی نڈر اور دلیر معزز بزرگ تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کبھی بھی آپ دونوں رضوان علیہم نے کسی کے دباؤ میں آکر اپنے کسی فیصلہ کو تبدیل نہیں کیا ورنہ آج کے مادیت پرست لوگ دنیا میں صرف اپنا ناک اونچا رکھنے کی خاطر یا اپنے خاندان کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے یا کسی یار دوست کی دوستی کا بھرم رکھنے کی خاطر اپنے طور واطوار نیز خیالات بدل لیتے ہیں لیکن آپ دونوں رضوان اللہ علیہم اس دنیا کے ایسے دھندوں سے بالکل مختلف کسی اور ہی دنیا کی فرشتہ صفت و فرشتہ سیرت مخلوق تھے۔ اس لئے جب آپؓ یہ بیان فرماتے کہ:-

”نوکر اور خادم کے کام میں زمین و آسمان کی طرح ایک واضح فرق ہے کیونکہ نوکر چند گھنٹوں کی نوکری کے لئے کسی مخصوص وقت کا پابند ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے آزادی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جو چاہے مرضی کرتا پھرے لیکن خادم ایک ایسا مخلص فرد ہوتا ہے کہ چاہے دن ہو یا رات، اسے جب بھی آواز دی جائے وہ اسی وقت حاضر خدمت ہو جاتا ہے“۔ تو آپؓ کی یہ وضاحت سن کر کسی کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑتی۔ آج ایسے سچے، حق پرست اور نڈر انسان دنیا میں مشکل سے ہی نظر آئیں گے۔ بہر حال دنیا کی ان تمام تکلیف دہ باتوں کے باوجود بھی آپ دونوں معزز بزرگ رضوان اللہ علیہم نے ہم سے کئے ہوئے اپنے اپنے عہد کو اپنی زندگی کے آخری دم اور آخری سانس تک انتہائی خلوص، شفقت اور محبت سے نبھایا۔ خود تکلیف اٹھائی لیکن ہمیں شاہانہ زندگی میسر کی نیز خود دنیا کی باتیں سہہ لیں مگر کسی کو اُف تک کہنے کی اجازت نہ دی بلکہ مجھے یاد ہے کہ ایسی باتوں سے آپؓ دونوں معزز بزرگوں کو ایسی وحشت ہوتی تھی کہ جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور ان باتوں کی بدولت آپؓ دونوں رضوان اللہ علیہم کے پیار، محبت اور شفقت کا سلوک ہم سے پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ جایا کرتا

تھا-لا ریب! کہ بے مثال غریب پروری اور لاثانی بندہ نوازی کی انتہا یہی ہے-آپؓ دونوں کی اسی بے انتہا شفقت کی وجہ سے ہمارے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا اُٹھتی ہے کہ اے میرے پیارے خدا ! تو میرے ان دونوں پیارے بزرگوں کو اپنی رحمت کی ازلی اور ابدی چادر میں لپیٹ لے ان کے درجات کو بلند فرما اور تا قیامت بلند سے بلند تر فرماتا چلا جا-آمین

نہ صرف یہ کہ یہ دونوں بزرگ صحابہؓ ہم پر جان دیتے تھے بلکہ ہماری والدہ محترمہ کے ساتھ ساتھ ہم سب نے بھی آپ دونوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر اپنی جان کو قربان کر رکھا تھا- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنی صاحبزادی حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ کے کمرہ میں مقیم تھیں کہ دوپہر یا سہ پہر کے وقت شدید بھونچال (زلزلہ) آ گیا لیکن میں اور میری والدہ محترمہ اور میری بہنیں ،سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت میں آپؓ کے پاس اس کمرہ میں ہی موجود رہے جب کہ گھر میں کام کرنے والی اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی زیر سایہ پرورش پانے والی چند عورتیں چیختی چلاتی ہوئی بھاگ کر کمرہ سے باہر نکل گئیں-اس پر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی اپنی معذوری کی بنا پر گھبرا کر رونے لگیں اور میری بہنیں اور ہم سب بھی خوف کے مارے روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے اور گڑ گڑا کر خدا کے حضور خیر و عافیت کی دعائیں کرنے لگے-یہ بھونچال اتنا شدید تھا کہ ہمیں یہی محسوس ہوتا تھا کہ دیواریں ابھی ہم پر آ گریں گی-دیوار پر ٹنگی ہوئی تصویریں دیواروں پر سے اٹھ اٹھ کر واپس دیواروں سے جا ٹکراتی تھیں-چھت پر لگا ہؤا بجلی کا پنکھا اِدھر اُدھر ڈولتا رہا لیکن ہم میں سے کسی نے بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اس حالت میں تنہا چھوڑ کر کمرہ سے باہر جانا گوارہ نہ کیا-جب زلزلہ کے یہ جھٹکے کچھ کم ہوئے تو ہم سب نے شکرانے کے دو دو نفل خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے-اسی جانثاری کی بنا پر یہ دونوں معزز بزرگ رضوان اللہ علیہم میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو پیار سے '' احمدہ '' کہہ کر پکارا کرتے تھے جب کہ ہم بچے آپ کو پیار سے '' بی بی '' کہہ کر پکارا کرتے تھے-

میری والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ شروع شروع میں جب حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت کے لئے ملازم رکھا تو میں صبح سے شام تک وہیں رہا کرتی اور رات گئے اپنے گھر واپس آ جایا کرتی تھی لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت ام مظفر احمدؓ صاحبہ کچھ زیادہ ہی بیمار رہنے لگیں تو حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے کسی نہ کسی طرح رات کو بھی حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پاس ہی رہنے کے لئے فرمایا-اس فرمان کو سن کر میں نے پھر کبھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا اور خدا کے توکل ہمہ تن حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت میں دل و جان سے مصروف ہو گئی -چند سال کے بعد جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنی ٹانگ پر چوٹ لگنے کے باعث بغیر کسی سہارہ کے چل پھر نہیں سکتی تھیں تو میری والدہ صاحبہ کا کام اور بھی بڑھ گیا-اس چوٹ کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۹۶۰ء میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو غسلخانہ میں پاؤں پھسل کر فرش پر گر جانے کی وجہ سے ٹانگ پر چوٹ لگی تو یہ چوٹ اتنی سخت تھی کہ جس کی وجہ سے آپؓ کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی-اس کا علاج ربوہ میں ممکن نہ تھا لہذا مؤرخہ ۱۱/ اگست ۱۹۶۰ء کو حضرت قمر الانبیاءؓ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اپنے ساتھ لے کر بغرض علاج میری والدہ کے ہمراہ لاہور تشریف لے گئے- مجھ عاجز کو بھی اس سفر میں آپؓ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہؤا لہذا مجھے یاد ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمدؓ صاحبہؓ کو فضل عمر ہسپتال کی VW مائکروبس ایمبولینس میں لٹا کر لاہور لے جایا گیا تھا-لاہور میں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا کامیاب اپریشن ہؤا اور اس اپریشن کے دوران ہم سب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے لئے مخصوص پرائیویٹ کمرہ کے اندر اور باہر برآمدہ میں کھڑے اور بیٹھے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور اس اپریشن کی کامیابی کے لئے دعاؤں میں مصروف رہے-

اس کمرہ کا محل وقوع مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہم جہاں سے میو ہسپتال کی بڑی عمارت میں داخل ہوتے ہیں وہاں سے بائیں جانب ایک چھوٹی سی سڑک اندر کو جاتی ہے کہ جس کے اوپر ایک پُل سا بنا ہؤا ہے اور اس پُل کے نیچے سے گزر کر بالکل عین سامنے ہی وہ برآمدہ والا کمرہ تھا۔ میری عمران دنوں تقریباً چھ سات برس کی تھی لیکن مجھے یاد ہے کہ جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا اپریشن ہو رہا تھا تو خدا جانے کہاں سے ہتھوڑی بجانے کی ٹھک ٹھک کی آواز آتی رہی اور میں نے اپنے بچپن کی معصومیت میں یہی سمجھا کہ اس وقت اپریشن کے ذریعہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ٹانگ میں ہتھوڑی سے کیل لگایا جا رہا ہے کیونکہ اس اپریشن سے قبل ہی یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ آپؓ کی ٹانگ میں لوہے کی ایک کیل لگائی جائے گی اور اس اپریشن کے بعد جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ قدرے ہوش میں واپس آئیں تو تب جب سب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے خدا تعالیٰ کے حضور مانگی جانے والی اپنی پُر خلوص دعاؤں کا اظہار کر رہے تھے تو میں نے بھی عرض کیا کہ جب ڈاکٹر آپؓ کو اپریشن کے لئے لے گئے تھے تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے بھی اس ہتھوڑی کی ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دیتی رہی ہے کہ جس سے آپؓ کی ٹانگ میں کیل لگایا گیا ہے۔ میری یہ بھولی سی بات سن کر وہاں موجود خاندان حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام افراد مسکرا پڑے۔

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اپریشن کے بعد آپؓ جب دوبارہ ہوش میں واپس آئیں تو آپؓ نے ازراہ محبت سب سے پہلے میرے بارہ میں دریافت فرمایا اور ازراہ شفقت سب سے پہلے مجھے اپنے پاس بلوا کر بیس روپے تحفۃً دئے کہ بشیر کے ساتھ جا کر انار کلی سے اپنی پسند کے کھلونے خرید لو۔ تحفۃً میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے کبھی بھی ہمیں صدقہ کے پیسے نہیں دئے تھے اور نہ ہی اپنی سرپرستی کی بدولت اس قابل جانا بلکہ صدقہ کی رقم ہمیشہ ربوہ کے یا جماعت کے دوسرے مستحق احباب کو بھیج دی جاتی رہی کیونکہ آپؓ دونوں ہی تو ہمارے مکفل تھے بہرحال اس زمانہ میں یعنی سن ساٹھ کی دہائی کے آغاز میں بیس روپے کی رقم کسی سات آٹھ سالہ بچے کے لئے اتنی بڑی رقم ہوتی تھی کہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔ خیر یہ تو صرف اپریشن کے پہلے دن کا واقعہ ہے اس کے بعد تو آپؓ کا اور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا یعنی میرے ان دونوں پیارے اور مشفق محبّ بزرگوں رضوان اللہ علیہم کا روزانہ کا ہی یہ معمول بن گیا کہ کچھ نہ کچھ لے کر دیتے رہتے۔ یہاں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی لازوال شفقت کا ایک واقعہ اور بھی پیش خدمت کرتا ہوں کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمدؐ صاحبہؓ کو جب اپریشن کے لئے لاہور لے جایا گیا تو حضرت میاں صاحبؓ نے گھر کا فرد ہونے کی وجہ سے خاکسار کو بھی تیاری کا حکم دیا حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے نازک اور تکلیف دہ وقت میں لوگ خود اپنے چھوٹے بچوں کو بھی کسی دوسرے کے سپرد کر کے ہسپتالوں کا چکر لگاتے ہیں اور اپریشن والے دن تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی کسی چھوٹے بچے کو اپنے ساتھ ہسپتال میں لے جانے کا کوئی سوچ بھی سکتا ہے کیونکہ ایک طرف تو رشتہ دار عزیز خود بھی پریشان ہوتے ہیں تو دوسری طرف مریض کے آرام کا بھی خیال ہوتا ہے لیکن یہاں تو دنیا ہی الٹ نظر آتی ہے کہ اپنی تکلیف اور پریشانی کے باوجود کسی چھوٹے سے بچے پر بے حد و حساب شفقت کہ جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں ملتی۔ بس یہ ہیں وہ عنایتیں کی جن کی وجہ سے میں جب بھی آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کیونکہ اتنی زیادہ محبت تو انسان کے اپنے ماں باپ بھی نہیں کرتے اور اسی لئے تو میں اپنے سگے ماں باپ کی نسبت اپنے مونہہ بولے ماں باپ کی زیادہ عزت و تکریم کرتا ہوں اور آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کو زیادہ دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں بلکہ میری یہ ادنیٰ سی خواہش ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اپنے دوسرے احمدی بھائی بہنوں کو بھی ایسے پیارے بزرگوں کے لئے دعا کی جانب متوجہ کروں۔

مجھے یاد ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اغلباً چھ ماہ سے اوپر تک لاہور میں بغرض علاج مقیم رہیں اور اس دوران میں میرے ربوہ اور

لاہور کے چکر لگتے رہتے تھے کیونکہ سکول سے ناغہ نہیں کیا جا سکتا تھا- ان دنوں طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کا اڈہ لاہور میں انارکلی کے قریب ایک گلی میں ہوتا تھا وہیں اسی گلی میں ہی یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ کمپنی اور باہر والی بیرونی بڑی سڑک پر کراؤن بس سروس کے بھی اڈے تھے- لاہور کا سرکاری بس اڈہ جو پرانے شہر کے باہر بادامی باغ کے ریلوے سٹیشن کی جانب بنایا گیا ہے وہ تو بہت بعد کی بات ہے- اس لئے جب بھی میں موسم خزاں کی چھٹیوں میں یا موسم سرما کی چھٹیوں میں یا کبھی کسی WEEKEND پر بلکہ مجھے یاد ہے کہ کبھی کبھی آپؓ کی خواہش پر بھی کہ:- ’’سُودی کو یہاں بلوالیں! ‘‘ آپؓ سے ملنے آپؓ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوتا تو آپؓ دونوں معزز بزرگ رضوان اللہ علیہم میرے آرام وسکون نیز سیر وتفریح کا خاص خیال رکھا کرتے تھے اور مجھے مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی ہمراہ کبھی چڑیا گھر، کبھی شاہی قلعہ، کبھی شالیمار باغ تو کبھی لارنس گارڈن وغیرہ کی سیر کروانے بھی بھجوا دیا کرتے تھے بلکہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذات خود مجھے اور مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر عجائب گھر بھی تشریف لے گئے اور وہاں ایک گائیڈ کی خدمات بھی حاصل کیں تا کہ وہ ہمیں وہاں رکھی ہوئی تمام اشیا کی تاریخ کے بارہ میں معلومات بہم پہنچاتا رہے- ان نوازشات کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میری صرف یہی دست بستہ دعا ہے کہ اے میرے مؤلا! ان نیکیوں اور احسانات کے بدلے تُو میرے ان دونوں معزز ومحترم سرپرست بزرگوں کے درجات تا قیامت بلند سے بلند تر فرماتا چلا- آمین اللھم آمین

خدا گواہ ہے کہ میں نے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی خود سُنا اور نہ ہی کبھی کسی دوسرے سے سُنا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے اپنی سالہا سال کی لمبی بیماری سے بددل ہو کر ایک مرتبہ بھی خدا سے تو کیا اس کے کسی بندے بھی کسی قسم کے شکوہ یا گلہ یا شکایت کا اظہار فرمایا ہو یا کبھی گھبرا کر ہمت ہار بیٹھی ہوں- آپؓ خدا کی مرضی پر تادم حیات راضی وبرضا رہیں اور ہر حال میں صبر وشکر ادا کیا اور نہ صرف بذات خود ادویات لیتے ہوئے بسم اللہ شافی بسم اللہ کافی فرماتیں بلکہ ہمیں بھی کسی بھی بیماری میں دوائی لیتے وقت یہ نیک عادت ڈالی- کبھی آپؓ اس دعا کو نہ بھولیں بلکہ ان دعاؤں کی ایسی پیاری عادت گھر میں پڑ گئی تھی کہ آپؓ کے ساتھ ساتھ میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ بھی آپؓ کو دوا دیتے وقت بے حد خشوع وخضوع سے آپؓ کی صحت مندی کے لئے یہی دعا مانگا کرتی تھیں- بہر حال اس اپریشن سے صحت یابی کے بعد جسمانی ورزش وغیرہ میں بھی کافی وقت لگا کہ جس کی بدولت آپؓ کو مکمل صحت یاب ہونے میں ایک لمبا عرصہ لگا لیکن اس تمام علاج کے باوجود بھی اس چوٹ کے لگنے کے بعد آپ کسی کا سہارا لئے بغیر چل پھر نہیں سکتی تھیں لہذا آپؓ بیساکھیوں کی نسبت میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں اِدھر اُدھر آنے جانے کو زیادہ پسند فرمانے لگیں- سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ تقریباً ساڑھے چھ ماہ لاہور میں مقیم رہ کر ۲۵ر فروری ۱۹۶۱ء کو واپس ربوہ تشریف لے آئیں تو حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے خلوص دل کے ساتھ ان تمام احباب کا شکریہ ادا کیا جو کہ اس لمبے عرصہ میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی صحت یابی کے لئے دعائیں کرتے رہے اور فرمایا:- ’’اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے کہ میں ان کے لئے دعا کر کے ان کے احسان کا بدلہ اتار سکوں گو حق یہ ہے کہ احسان ایسا قرضہ ہے جو حقیقتاً کبھی اتر ہی نہیں سکتا- الا ان یشاء اللہ ‘‘- (الفضل ربوہ- ۲۵ر فروری ۱۹۶۱ء)

میری والدہ محترمہ گھر کے عام کام کاج کے لئے ملازمہ نہ تھیں بلکہ ایک نرس کی طرح ان کی ڈیوٹی تھی یعنی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے آرام اور سہولت نیز تمام ضروریات کا خاص خیال رکھنا آپؓ کو وقت پر کھانا کھلانا اور سب سے اہم عین وقت پر آپؓ کو دوائیں دینا اور پھر ہر دوا کی خوراک اور وقت کا تعین رکھنا ایک خاصا اہم اور مشکل کام تھا - گھر کے دوسرے کاموں اور ضروریات کے لئے اور بھی بہت سے ملازمین متعین تھے

لیکن میری والدہ محترمہ صاحبہ کی چونکہ چوبیس گھنٹہ کی ڈیوٹی تھی جبکہ بقیہ تمام ملازمین اپنے اپنے کام کاج کے بعد تمام رات آرام سے بسر کرتے اور پھر صبح بھی آرام سے ہی اُٹھ کر کام پر آتے تھے لہذا میری والدہ محترمہ سے آپ دونوں معزز و محترم میاں بیوی رضوان اللہ علیہم کا سلوک نہایت ہی محبت اور شفقت کا رہا اور پھر ہم تمام بچوں کی عمر بھی اتنی زیادہ نہ تھی لہذا میری والدہ محترمہ کے آرام و آسائش کی خاطر ہم سب بچوں کی رہائش اور مختلف ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس کے علاوہ بھی ہم سے نہایت درجہ کی محبت و یگانگت کا اظہار کیا جاتا کہ جس کا اظہار الفاظ کی صورت میں کرنا بے حد مشکل بلکہ ایک ناممکن امر ہے لہذا دل سے صرف یہی دعا نکلتی ہے اور بار بار نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ دونوں کو ان احسانات کے بدلہ عمدہ ترین اور اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

پس اس طرح ہماری پرورش انتہائی ناز و نعم اور لاڈ پیار کے ماحول میں خاندان حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوئی اور ہمارے لئے یہ انتہائی خوشی اور انتہائی مسرت و شادمانی کا مقام ہے کہ ہم ہی وہ انتہائی خوش قسمت لوگ ہیں کہ جن کو حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی مبشر اور مبارک اولاد کی پاکیزہ تربیت ملی اور آپؓ کے معزز و محترم خاندان میں پروان چڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اپنی کم عمری کے باعث ہم حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو نہ دیکھ سکے لیکن آپؑ کی ذریت مبارکہ نے آخری دم تک ہمیں اپنے سینے سے لگا کر رکھا اور شفقت، محبت، پیار، دلداری اور غریب نوازی کی ایک انمٹ مثال قائم کر دی۔ آپ دونوں میاں بیوی رضوان اللہ علیہم کے علاوہ خاندان حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے بقیہ معزز اور پیارے افراد کے پیار اور محبت کا ذکر کرنا بھی بے حد ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ تمام خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہم سے انتہائی پیار کا سلوک رواں رکھا اور خدا کے فضل سے محبت و شفقت کا یہ پیارا سلوک آج بھی انتہائی باوقار طریق پر اسی طرح قائم و دائم ہے کہ جیسا ان دونوں بزرگ صحابہؓ کی زندگی میں قائم تھا کہ جس کے لئے یہ خاکسار اپنی اور اپنے تمام خاندان کی جانب سے عزت مآب خاندان حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا دل کی انتہائی گہرائیوں سے مشکور ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ڈاکٹروں کے کہنے سے کم لیکن میری عرض پر عموماً ادویات لے کر کھا لیا کرتی تھیں اور کڑوی کسیلی دوائیوں کے لئے بعض اوقات میرا صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوتا تھا کہ آپؓ میری خاطر کھا لیں۔ آپؓ کا میری والدہ محترمہ سے تعلق باہمی اعتماد کی فضاء میں بڑھتے بڑھتے اتنا قوی اتنا مظبوط اور اتنا گہرا ہوا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ آپ دونوں ایک دوسرے کی ہمراز تھیں کیونکہ دن رات کا ساتھ تھا اور کوئی بھی بات ایک دوسرے سے چھپی ہوئی نہ تھی اور سب سے بڑھ کر ایک دوسرے کی مونس و غمگسار تھیں۔ دو جسم مگر اک جان اور ایک روح کا منظر تھا اور یہ دونوں وجود ایک ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے اور یہ دونوں قلوب ایک ہی ساز پر ایک ساتھ دھڑکتے ہی تھے۔

سبحان اللہ ! آقا ہو تو ایسا ہو اور اگر خادم ہو تو وہ بھی ایسا ہی ہو۔

سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ہم سے اسی محبت اور میری والدہ محترمہ احمدؐ بی بی صاحبہ کی اسی بے لوث خدمت کو دیکھتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ اپنے ایک مضمون میں ازراہ شفقت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''اماں کی بیماری میں بہت لمبا عرصہ احمدہ بی بی نے آپ کا بہت خیال رکھا اور بیمار کی خدمت کا پورا حق ادا کیا۔ اس کے بیٹے مقصود خان جسے سودا کہہ کر پکارا جاتا تھا اور احمدہ بی بی کی بیٹیوں کا بہت خیال رکھتیں اور ان سے اپنے پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی طرح سلوک کرتیں''۔ (الفضل ربوہ ۲۷ ستمبر ۱۹۹۴ء)

میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت میاں صاحبؓ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل مجھ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ:-'' احمد بی بی ! تم ام مظفر کو چھوڑ کر نہ جانا''۔اور میں نے بھی یہ عہد کیا تھا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت اپنی زندگی کی آخری سانس تک کرتی رہوں گی لیکن افسوس! کہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی زندگی نے حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد زیادہ عرصہ وفا نہ کی -یکم فروری ۱۹۷۰ء کو جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات ہوئی تو خاکسار کے ساتھ ساتھ آپؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت صاحبزادی بی بی امتہ اللطیف بیگم صاحبہ اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ-سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے قریب موجود تھیں کیونکہ آدھی رات کے وقت صرف ہم تینوں ہی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بیماری کی شدت کی وجہ سے جاگ رہے تھے-آپؓ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ڈاکٹروں نے میری والدہ صاحبہ کو یہ ہدایت دی کہ اماں تو بیمار ہوتی ہی رہتی ہیں اور پھر ابھی طبیعت اتنی زیادہ نہیں بگڑی وغیرہ وغیرہ لہذا کسی کو یہاں بلانے کی ضرورت نہیں اور یہی کہا کہ ابھی آپؓ کے کسی بھی بچہ کو اس بیماری کی اطلاع نہ دی جائے لیکن یہ سب کچھ سننے کے باوجود بھی میری والدہ محترمہ نے ہمت کر کے حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے تمام بچوں کو حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بیماری کی شدت سے فون پر مطلع کر دیا-اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سب تو پل پل کے حالات سے واقف تھے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا آخری وقت آچکا ہے اور آپؓ کو صرف اپنے بچوں کا انتظار ہے لہذا شکر الحمدللہ ! کہ اس فون کو سنتے ہی سب چند گھنٹوں کے اندر اندر ربوہ پہنچ گئے-

مجھے یاد ہے کہ اس آخری جان لیوا بیماری کے آغاز میں آپؓ زیادہ ہمکلام نہ ہوا کرتی تھیں اور صرف تب ہی آپؓ میری والدہ صاحبہ کو آواز دیتیں کہ جب کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ ایک دن میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو بیٹا! تمہیں بی بی جی بے حد عزیز رکھتی ہیں لہذا تم ان سے پوچھو کہ خدانخواستہ کہیں وہ تم سے ناراض تو نہیں ہیں ؟ اس وقت سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے اپنے پاکیزہ پاؤں نیچے مونڈھے پر رکھے تشریف فرما تھیں لہذا خاکسار آپؓ کے قدموں کے قریب رکھے ہوئے ایک دوسرے مونڈھے پر بیٹھ کر آپؓ کے پاؤں دبانے لگا اور پھر باتوں ہی باتوں میں چپکے سے یہ سوال بھی کیا کہ اماں! آپ آج کل مجھ سے بہت ہی کم ہمکلام ہوتی ہیں-کہیں خدانخواستہ آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں؟ میں صدقے جاؤں اپنی اس پیاری مونہہ بولی والدہ محترمہ صاحبہؓ کے کہ آپؓ نے اپنی کمزوری اور نقاہت کے باوجود بھی نہایت مشکل سے اور بہت زور لگا کر آہستہ آہستہ اپنے پیارے اور مبارک چہرہ کو اوپر اٹھایا اور میری طرف اپنے مقدس چہرہ مبارک کو پھیرتے ہوئے انتہائی مامتا بھری نظروں سے دیکھا اور فرمایا:-

'' نہیں میرے بیٹے ''

اس کے بعد نقاہت کی وجہ سے آپؓ نے آہستہ آہستہ پھر اپنا سر جھکا لیا اور میں معمول کے مطابق کافی دیر تک آپؓ کی خدمت میں موجود رہا اور آپؓ کے مبارک پاؤں، ٹانگیں، بازو اور کمر کو دباتا رہا یہاں تک کہ کسی نے کہا کہ اب اماں کے آرام کا وقت ہے لہذا یہ سن کر میں نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا کہ جس کے چند لمحوں کے بعد ہی آپؓ اپنی بیماری کی شدید تکلیف کے باوجود کچھ سکون محسوس کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ کے لئے محو خواب ہو گئیں-آج بھی جب میں تیس پینتیس برس کے لمبے عرصہ کے بعد شکستہ دل کے ساتھ یہ چند ایک سطور تحریر کر رہا ہوں تو میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہیں اور آپؓ کی یاد میں میری ہچکی بندھی ہوئی ہے اور میرے لئے لکھنا محال ہو رہا ہے لیکن میں یہ واقعات لکھوں گا اور ضرور لکھوں گا تا کہ تمام دنیا کو یہ علم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے والے اپنے لے پالکوں سے تادم آخر کیسا محبت وشفقت بھرا سلوک فرماتے رہے-سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پوتر پاؤں دبانا اور آپؓ کی دوسری حاجات کا خیال رکھنا میری انتہائی خوش قسمتی اور میرے لئے ایک انتہائی سعادت عظمٰی ہی تو تھی کیونکہ میری قربت کی

بدولت آپؓ بھی بے حد سکون محسوس کیا کرتی تھیں اور مجھے بھی آپؓ کی خدمت کر کے ایک گونہ دلی سکون ملا کرتا تھا- شائید اسی لئے تو کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ : ''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے''۔سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات ۳۱/ جنوری اور یکم فروری ۱۹۷۰ء کی درمیانی رات تقریباً ایک سوا ایک بجے کے قریب ہوئی- آپؓ کی وفات سے کچھ دیر قبل فضل عمر ہسپتال کے کمپوڈر مکرم عبد الجبار صاحب (کہ جن کا تعلق ہمارے آبائی ہندوستانی گاؤں پھیروچیچی سے ہے) نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے آپؓ کے دائیں بازو کی ایک نس میں کورامین یعنی طاقت کا ایک ٹیکہ بھی لگانے کی کوشش کی۔ میں اس وقت سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بستر کی دائیں جانب آپؓ کے قریب کھڑا تھا۔اس ٹیکہ کی تکلیف کی وجہ سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے بے اختیار اپنی خاص خادمہ یعنی میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو آواز دی ''احمدہ '' اس پر میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا:-

''میں صدقے جاواں، بی بی جی! دسو''-یعنی:- ''میں آپ پر قربان جاؤں بی بی جی! فرمایئے''

بس یہ آخری الفاظ تھے جو میں نے سنے اس کے بعد میں آپؓ کے کمرہ سے متصل اپنے کمرہ میں جا کر خدا کے حضور دست بستہ دعاؤں میں مشغول ہو گیا کہ اے میرے اللہ! تُو اپنا خاص فضل فرماتے ہوئے اماں کو صحت عطا فرما اور انہیں میری بھی زندگی دے دے کیونکہ ان کے دم سے تو نہ جانے کتنے غریب غربا زندہ ہیں- اِن کے بعد اُن کا کیا بنے گا؟- میری والدہ صاحبہ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمدؓ صاحبہؓ کی زندگی کے آخری سالوں میں آپؓ کے آواز دینے پر کبھی ہاں یا نہ میں جواب نہ دیا تھا بلکہ وفور محبت سے ہمیشہ ''میں صدقے جاؤں'' کہہ کر ہی جواب دیا کرتی تھیں اس کے علاوہ میری والدہ صاحبہ ،سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی زندگی کے آخری سالوں میں آپؓ کی خدمت میں اس طرح منہمک ہو گئی تھیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ، جب دیکھو کوئی نہ کوئی کام ، جب دیکھو کوئی نہ کوئی خدمت ، نہ دن دیکھا نہ رات- مجھے یاد ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بابرکت زندگی کے آخری دو تین برس جب کبھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی آنکھ لگ جاتی تو میری والدہ صاحبہ بھی آپؓ کے پاؤں دباتے دباتے آپؓ کے مبارک قدموں میں ہی سر رکھ کر کچھ دیر کے لئے آرام کر لیا کرتی تھیں اور آقا و خادم کے اُنس و محبت کا ایسا ہی ایک نظارہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک خاص صحابی حضرت حامد علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیان کیا ہے کہ:-

'' بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں پہلی رات حضرت صاحبؑ (سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام- ناقل) کے پاؤں دبانے کے واسطے آپؑ کی چارپائی پر بیٹھ جاتا تھا مگر پاؤں دباتے دباتے خود بھی اسی چارپائی پر اونگھنے لگتا تھا اور سو جاتا تھا- حضرت صاحبؑ کبھی بھی مجھے نہ جھڑکتے ، نہ خفا ہوتے ، نہ اٹھاتے بلکہ تمام رات میں وہاں سویا رہتا اور معلوم نہیں خود حضرت صاحبؑ کس حالت میں گذار دیتے تھے ؟ مگر میں آرام سے سویا رہتا تھا- تہجد کے وقت حضورؑ ایسی آہستگی اور خاموشی سے اٹھتے کہ مجھے کبھی خبر نہ ہوتی لیکن گاہے گاہے جب کہ آپؑ کی آواز خشوع و خضوع کے سبب بے اختیار بلند ہوتی تو مجھے خبر ہو جاتی اور میں شرمندہ ہو کر اٹھتا لیکن اگر میں بے خبری میں سویا رہتا تو حضورؑ مجھے نماز فجر کے وقت اٹھاتے اور---ساتھ لے جاتے''-(اخبار الفضل قادیان ۳/جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۴-۷)

ایسے گہرے تعلق کا نام ہے اصلی اور سچی نیز پکی محبت ورنہ پیسے دے کر کام کروانے والے اور پیسے لے کر کام کرنے والے ہم نے بہت دیکھے ہیں- ذرا مونہہ ادھر کیا تو دونوں ہی بڑبڑانے لگتے ہیں۔ایک اس لئے کہ اچھے خاصے پیسے دینے کے باوجود کام درست نہیں کیا یا میری مرضی کے مطابق نہیں کیا اور دوسرا اس لئے کہ اتنا اچھا کام کیا ہے اور ذرا معاوضہ تو دیکھو لیکن واللہ! یہاں تو دنیا ہی الٹ نظر آتی تھی- دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک، ہنسی مذاق ہوتا، پیار محبت کی باتیں، شفقت و الفت کے قصے اور یہ سب کچھ میری والدہ صاحبہ کو محض انعام میں ملا کرتا- وہ سہانے دن بھی کیا یادگاری دن تھے جو بھلائے بھی میں نہیں بھول سکتا- بہر حال اس کورامین کے ٹیکہ کے باوجود بھی جب آپؓ کی طبیعت نہ

سنبھلی تو میری والدہ صاحبہ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ سے مشورہ کیا کہ اب حالت اتنی نازک ہے کہ کسی وقت بھی خدانخواستہ کچھ ہوسکتا ہے لہذا اسی وقت آپ دونوں نے مل کر چند احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور چند ضروری انتظامات بھی کئے لیکن انسان کچھ سوچتا ہے اور خدا تعالیٰ کو کچھ اور منظور ہوتا ہے لہذا ان تمام تیمارداریوں، دعاؤں اور صدقات کے باوجود آپؓ کی طبیعت خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق نہ سنبھلی اور مؤرخہ یکم فروری ۱۹۷۰ء کی اس ٹھٹھرتی ہوئی سرد رات کو آپؓ تقریباً ایک سوا ایک بجے ہمیں رنجیدہ اور غم زدہ چھوڑتے ہوئے ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○ (البقرة:۱۵۷)

وہ دن میری زندگی کا سب سے زیادہ غمگین ترین دن تھا کیونکہ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کا صدمہ ابھی مندمل نہ ہؤا تھا اور آپؓ کی وفات کے بعد سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے ماں اور باپ بن کر مجھ عاصی کی انتہائی نازونعم سے پرورش کی تھی لہذا یہ صدمہ ایک قدرتی امر تھا۔ اب بھی جب وہ منظر حزیں یاد آتا ہے تو دل بے حد اداس اور غمگین ہو جاتا ہے کیونکہ مجھے یاد ہے کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے مرض الموت کی وجہ سے ہم سب اتنے متفکر تھے کہ اس آخری ہفتہ میں ہم میں سے شائد ہی کوئی رات کو گہری نیند سویا ہو لیکن اس آخری رات تو ہم میں سے کسی ایک کی بھی آنکھ نہیں لگی۔ تمام وقت بس دعائیں کرنے میں ہی گزرا لیکن وہی ہؤا جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا تھی اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ہمیں ہمیشہ کے لئے غمگین اور اداس چھوڑ کر اپنے پیارے شوہر اور محبت کرنے والے خاوند حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پیچھے پیچھے اللہ تعالیٰ کے حضور جا پہنچیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○ (البقرة:۱۵۷)

یقیناً ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اب میں خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے مونہہ بولے بیٹوں یعنی لے پالکوں سے شفقت و محبت اور دلداری کا ایک نہایت ہی پیارا واقعہ یہاں پیش کرتا ہوں کہ اس وقت جب کہ تمام خاندان حزن و ملال کی تصویر بنا گھر میں جمع تھا اور ان غمگین گھڑیوں میں جب کہ ایک کو دوسرے کا ہوش نہیں تھا۔ حزن و ملال کے اس سمندر میں جنازہ کی گھر سے رخصتی سے کچھ دیر قبل سیدہ حضرت مہر (بڑی) آپا اور حضرت سیدہ چھوٹی آپا حرم محترم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت سی معزز و محترم بیبیوں کی خواہش پر الوداعی ملاقات کے لئے حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ کے کمرہ میں خاکسار کو طلب کیا گیا کہ جہاں سے ''سُودی کو بُلاؤ۔ سُودی کو بُلاؤ'' کی ملی جلی آوازیں آئیں۔ اس کمرہ میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے جسد مبارک کو آخری دیدار کے لئے رکھا گیا تھا اور خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام بیبیاں (خواتین) وہاں جمع تھیں۔ میرا کمرہ اس کمرہ سے متصل تھا لیکن پھر بھی میں نے یہ چند قدم کا فاصلہ انتہائی مشکل سے طے کیا جبکہ میرا ایک ایک قدم سو سو من جتنا بھاری ہو رہا تھا اس لئے خاکسار بڑی ہمت کر کے سسکتے ہوئے اس کمرہ میں حاضر ہؤا اور فرط غم اور حزن و ملال سے آنسو بہاتے ہوئے اپنی جان سے بھی پیاری اماں کے پیارے اور مقدس ہاتھوں اور پیشانی مبارک پر بوسہ دینے کا شرف حاصل کر کے الوداع کرتے ہوئے خدا حافظ کہا۔ اس وقت مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ استراحت فرما رہی ہیں۔ ایک ناقابل بیان نور آپؓ کے چہرہ پر چھایا ہؤا تھا۔ خاندان مبارکہ میں چونکہ مجھ سے پردہ نہیں کیا جاتا لہذا دل تو یہی چاہتا تھا کہ میں پکار پکار کر کہوں کہ اے لوگو میری اس جان سے پیاری ماں کو روک لو۔ اے میرے اللہ انہیں ایک نئی زندگی عطا فرما۔ خدایا ان کی روح کو واپس کر دے۔ لیکن خدا کی تقدیر کے سامنے کس کی پیش جاتی ہے؟ اس لئے دل پر جبر کر کے صرف یہی

عرض کرسکا کہ اے میرے اللہ:-

؎ راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو-(درثمین)

اور پھر اسی کے مصداق اس تلخ حقیقت کو بھی چارونا چار سہنا پڑا کہ آپؓ اب اس دنیا میں نہیں رہیں -اس کے بعد ہم سب جنازہ کو کندھا دیتے ہوئے رنجیدہ اور انتہائی غمگین دلوں کے ساتھ خاموش آہ وزاری کرتے اور آنسو بہاتے ہوئے بہشتی مقبرہ میں پہنچے-نماز جنازہ میں ہزاروں احباب شامل تھے اور بہشتی مقبرہ میں تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی-نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے پڑھائی-نماز جنازہ کے بعد آپؓ کو حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مزار کے قرب میں قطعہ خاص میں دفنا دیا گیا اور یوں آپؓ جیسی پاکیزہ، پیاری، محبت، الفت اور شفقت بھری ہستی ہمیشہ ہمیش کے لئے ہم سے جدا ہوگئی لیکن آپؓ کی محبت بھری پیاری پیاری باتیں، آپؓ کا بے مثال حسن سلوک، آپؓ کی بے انتہا شفقت، آپؓ کے لاتعداد احسانات، آپؓ کی بے شمار نوازشات، آپؓ کے بے انداز انعام واکرام، آپؓ کی لازوال محبت الغرض آپؓ کی ہزاروں، لاکھوں یادیں آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور انشاءاللہ ہمیشہ اور تاابد زندہ رہیں گی اور یہ واقعات تاابد کروڑوں دلوں کو گرماتے رہیں گے-اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے اب بھی خوابوں میں آپ دونوں رضوان اللہ علیہم سے ملاقات ہوتی رہتی ہے اور اس طرح اس عاجز کو آپؓ کے درجات کی مزید بلندی کے لئے موقعہ ملتا رہتا ہے-اللہ تعالیٰ اپنے اس عاصی کی دعاؤں کو اپنا خاص فضل فرماتے ہوئے قبول فرمائے-اللھم آمین

سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بے حد سادہ طبیعت کی مالک خاتون تھیں-بہت ہی محبت بھری اور میٹھی زبان میں ہم سے گفتگو فرماتیں اور نہایت ہی پیار سے مخاطب ہؤا کرتی تھیں-غصہ میں تو ہم نے آپؓ کو کبھی بھی نہیں دیکھا تھا حالانکہ سنا تھا کہ اپنی جوانی میں سخت طبیعت رکھتی تھیں- آپؓ پنج وقتہ نماز کی بے حد پابند تھیں -پہلے پہلے آپؓ ایک چھوٹے سے ٹب میں پانی منگوا کر وضوٗ کرلیا کرتی تھیں لیکن جب بیماری کچھ بڑھی تو پھر مکہ معظّمہ کی پاک مٹی سے بھری ہوئی ایک تھیلی منگوالی اور اسی پر ہاتھ مار کر تیمّم کرلیا کرتی تھیں-اپنی بیماری کے سبب ہمیشہ بستر پر بیٹھ کر نماز پڑھا کرتیں اور اگر کبھی صحت اجازت نہ دیتی تو پھر بستر پر لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لیا کرتی تھیں لیکن باوجود اپنی اتنی سخت بیماری کے کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں نماز کو نہ چھوڑتی تھیں-انہی پیاری عادات اور اپنے پاکیزہ خصائل کے باعث سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ گھر میں کام کرنے والی عورتوں اور ملاقات کی خاطر آنے والی احمدی خواتین کے لئے مشعل راہ تھیں اور آپؓ کے اس اعلیٰ وارفع کردار کی وجہ سے سب ہی نماز کی پابندی کیا کرتیں- آپؓ خود بھی موصیہ تھیں اور آپؓ ہی کی مبارک تحریک پر میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ اور خالہ جان محترمہ فضل بی بی صاحبہ نے اغلباً سن پچاس کی دہائی میں وصیت کرلی تھی اور اس کارِخیر کا ثواب بھی یقیناً آپؓ ہی کو ملے گا-اب جب گھر میں وصیت کرنے کروانے کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو یہ عاجز یہاں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ذات بابرکات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کس محبت بھرے انداز سے للہ وہ اپنوں اور غیروں کو نیکیاں کمانے کی تلقین اور ثواب دارین حاصل کرنے کے لئے ہدایات فرمایا کرتے تھے-اس سلسلہ میں میرے بھانجے عزیزم مکرم منور احمد ندیم صاحب نے مجھے اپنی والدہ صاحبہ اور والد صاحب کے وہ ذاتی خطوط دئے ہیں کہ جن میں حضرت میاں صاحبؓ نے میری سب بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کو بہت محبت سے وصیت کرلینے کی جانب متوجہ فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں انہیں بار بار نصائح فرمائی تھیں-آپؓ تحریر فرماتے ہیں:-

ہوائی ڈاک	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
رجسٹرڈ	نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مبارک احمد صاحب صابر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ امتہ الحفیظ بیگم سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی بیوی کو وصیت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اُسے مدت سے وصیت کرنے کی خواہش تھی۔ مگر آپ کی اجازت کے انتظار میں رُکی ہوئی تھی۔ میں بھی اُسے مسلسل نصیحت کر رہا تھا کہ دنیا کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں کچھ دینی خدمت کر کے ثواب بھی کماؤ۔ ویسے تو مہر کا روپیہ اُس کا اپنا روپیہ ہے۔ اس میں اُسے اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر--- اُس نے اجازت لے کر یہ قدم اُٹھانا چاہا۔ وصیت میں زیور صرف وہی لکھا گیا ہے جو اُسے والدہ کی طرف سے شادی پر دیا گیا تھا۔ گو غالباً آپ نے جو زیور اُسے دیا تھا وہ بھی شاید اُسے دے ہی دیا تھا۔ مگر پھر بھی احتیاطاً وصیت میں شامل نہیں کیا گیا۔ البتہ وصیت کے قواعد کے ماتحت جیب خرچ --- درج کر دیا گیا ہے۔ غالباً عملاً تو امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا جیب خرچ زیادہ ہی ہوتا ہوگا۔ لیکن اس میں بھی احتیاط برتی گئی ہے--- اِس جیب خرچ پر اُسے وصیت کے حساب میں --- روپیہ ماہوار دینا ہوگا--- باقی وصیت وفات کے بعد ادا کرنی ہوگی۔

وصیت نامہ لکھ کر آپ کو بھجوایا جا رہا ہے۔ اِس میں امتہ الحفیظ بیگم کے دستخط ہو گئے ہیں اور اُس کے ماموں شریف احمد کے بھی دستخط ہو گئے ہیں۔ اب صرف آپ کے دستخط باقی ہیں۔ جس جگہ ''خاوند موصیہ'' کے الفاظ لکھے ہیں وہاں آپ اپنے دستخط اردو میں مبارک احمد صابر لکھ کر یہ وصیت نامہ رجسٹری کر کے واپس بھجوا دیں۔ تا کہ بقیہ دفتری کاروائی مکمل کی جا سکے۔ آپ دونوں کے بچے خدا کے فضل سے بخیریت ہیں۔ والسلام۔ ۲۴؍جولائی ۱۹۶۱ء

دستخط (مرزا بشیر احمد) ربوہ

جیسے ہی آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کو میرے بہنوئی بھائی جان مبارک احمد صابر صاحب مقیم داہران سعودی عرب کی طرف سے حضرت قمر الانبیاءؑ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے تحریر فرمودہ اس درج بالا خط کا جواب مؤصول ہؤا تو حضرت میاں صاحبؓ نے یہ سنتے ہی اپنی پاکیزہ عادت کے مطابق ازراہ شفقت عزیزہ آپا حفیظہ بیگم صاحبہ کو اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے اپنے دست مبارک سے درج ذیل خط تحریر فرمایا۔ آپؓ کے یہ تمام متبرک خطوط ہمارے پاس آج بھی محفوظ ہیں اور اب تو ان کو کمپیوٹر کے SCANNER سکینر پر SCAN کر کے DIGITAL ڈیجیٹل شکل میں ایک سی ڈی میں بھی محفوظ کر لیا گیا ہے۔ میری یہ بہن اُن دنوں گرمیوں کی تعطیلات گزارنے سعودی عرب سے پاکستان تشریف لائی ہوئی تھیں اور حضرت میاں صاحبؓ کے یہاں آپؓ کی کوٹھی البشریٰ میں مہمان ٹھہری ہوئی تھیں۔ اسی خط سے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اپنی زوجہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمدؓ صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپؓ کی اس لازوال اور انمٹ محبت کی بھی بھینی بھینی خوشبودار مہک آتی ہے جو کہ آپؓ کو اپنی زوجہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے تھی۔ حضرت میاں صاحبؓ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

عزیزہ امتہ الحفیظ دختر احمد بی بی برمکان مرزا بشیر احمد

بسم اللہ

عزیزہ امتہ الحفیظ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ

امید ہے تم خیریت سے ہوگی۔ سُنا ہے مبارک احمد کی طرف سے وصیت واپس آ گئی ہے مگر تم نے لکھا ہی نہیں۔ تم بہت بدل گئی ہو اور سُست ہوگئی ہو۔ کیا مبارک نے وصیت میں کوئی تبدیلی تو نہیں کی؟ مجھے وصیت سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ ام مظفر احمد آج کل بیمار ہیں، تم ضرور صبح

شام تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس بیٹھا کروتا کہ ان کا دل بہلا رہے۔ بچوں کو پیار۔ والسلام۔ دستخط (مرزا بشیر احمد)۔ ربوہ ۱۲/اگست ۱۹۶۱ء

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک نہایت ہی پاکیزہ خاصیت یہ بھی تھی کہ جب آپؓ کسی دینی کام کو کرنے کا تہیہ فرما لیتے تو پھر تادم آخر اس کی تکمیل کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے اور اپنی کوششوں کو پروان چڑھتے دیکھ کر اطمینان قلب اور ثواب دارین حاصل کرتے اسی طرح جب آپؓ کسی کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک قائم کرتے تو پھر تا ابد یہ محبانہ سلوک روا رکھتے۔ جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر و باہر ہے کہ آپؓ کا مشفقانہ سلوک ہمارے ساتھ کیسا تھا لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپؓ کا ذکر خیر چل پڑے اور ہم جذبہ تشکر کے طور پر آپؓ کے محبانہ، مشفقانہ، کریمانہ اور مربیانہ سلوک کا مزید اظہار نہ کریں؟ لہذا اس سلسلہ میں ابھی اور بھی بہت سے واقعات آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے تاکہ یہ واقعات پڑھ کر آپ سب ناظرین بھی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بلندی درجات کی دعاؤں میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ساتھ ساتھ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی میری تعلیم و تربیت پر خاص نظر رکھتی تھیں اور سکول کے ہر امتحان سے پہلے میری ہمت اور شوق کو بڑھانے کے لئے کسی نہ کسی عمدہ اور قیمتی چیز کو لے کر دینے کا وعدہ فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں بعض اوقات بھول سے میں بغیر سلام کئے سکول چل نکلتا تو مجھے واپس بلوا کر انتہائی پیار سے سمجھاتیں کہ گھر سے باہر جاتے ہوئے اور گھر میں واپس آتے ہوئے ہمیشہ سلام کرنا چاہئے اور یوں آپؓ کی اس نیک نصیحت سے مجھے چھوٹی عمر یعنی اپنے بچپن سے ہی گھر میں آتے ہوئے اور گھر سے جاتے ہوئے سلام کرنے اور کہنے کی عادت پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کو ان تمام نیک کاموں کا اجر عظیم اور ثواب عطا فرمائے اور اپنی رحمت کی خاص چادر میں ڈھانک لے اور آپؓ کے درجات کو بلند سے مزید بلند تر فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ احکامات خداوندی اور شریعت رسول کی دن رات اتباع کرنا آپ دونوں معزز و محترم بزرگوں کا کام تھا اور اسی لئے نیکی کا ہر کام کرنے کے لئے یہ دونوں معزز و محترم بزرگ رضوان علیہم ہر وقت، ہر آن اور ہر گھڑی تیار رہتے اور یوں اپنی اسی پاکیزہ خصلت کی بنا پر ثواب کمانے کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ جس کا نظارہ خود میں نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا جن میں سے چند ایک مثالیں یہ خاکسار اس سے پہلے بیان کر چکا ہے اور انہی نیکی کے پاکیزہ کاموں کی چند انتہائی اعلیٰ اور قابل تقلید مثالیں مزید حاضر خدمت ہیں۔ حضرت قمرالانبیاءؓ نے اپنے پرانے مکان بالمقابل مسجد مبارک ربوہ میں میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی خانہ آبادی ۱۹۵۸ء میں خود اپنے ہاتھوں سرانجام دی۔ نہایت فرض شناسی کے ساتھ ہر کام کو نبٹایا اور بے حد دعاؤں کے علاوہ بھی بہت کچھ دے دلا کر رخصت فرمایا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میں پانچ سال کی عمر کا اتنا چھوٹا سا بچہ تھا کہ آپؓ کی کھانے والی میز پر پلیٹ میں پڑے ہوئے لڈو میں خود نہیں اٹھا سکا تو پھر میرے سب سے چھوٹے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب نے ایک لڈو اٹھا کر مجھے دے دیا۔ اس لڈو کا ذکر کیوں؟ اس لئے کہ یہ آپؓ کی شفقت، رحمت اور محبت ہی تھی کہ جس نے اتنے انتظامات کئے تھے لہذا اس مضمون میں ان احسانات کی شکر گزاری ایک لازمی جُزو ہے کہ جن کی بدولت یہ شادی دھوم دھام سے منائی گئی تھی ورنہ ہم میں خود تو اتنے کی طاقت اور ہمت نہیں تھی کہ اتنے اعلیٰ پیمانہ پر کوئی تقریب منعقد کر سکتے۔ حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

''امراً اور صاحب حیثیت افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ محض ثواب کمانے کی خاطر اپنے قریبی جاننے والے غریب احمدی شرفاً کی بچیوں کی شادی کروانے کا فرض خود اپنے ہاتھوں سرانجام دیا کریں اور اگر اتنی طاقت نہ ہو تو پھر حتیٰ المقدور مدد فرمائیں کیونکہ خدا تعالیٰ اس بات پر خوش ہوتا ہے''۔

غریب غرباً کے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ط اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ○ (النور: ۳۳) یعنی: اوراپنے لوگوں میں سے جو بیوہ ہو جائیں یا تمہارے ملازموں، غلاموں یا لونڈیوں میں سے نیک چلن ہوں۔ تم ان کی شادیاں کردیا کرو کیونکہ اگر وہ اس شادی کے وقت غریب ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی بنادے گا کیونکہ اللہ بہت ہی وسیع علم کا مالک ہے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی بے لوث دعاؤں اور ان کی مقبولیت میں مجھے آج تک کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوا۔ اور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ کی تمام دعائیں اوپر درج آیت کے عین مطابق پوری ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے میری اس بہن کو اتنا کچھ دیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ حضرت قمر الانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں سنا ہے کہ آپ دونوں رضوان علیہم نے قادیان کے زمانہ میں بھی مختلف یتیم بچے بچیوں کی اعلیٰ تربیت فرما کر ان کی شادیاں کروائیں لیکن میں مضمون کی طوالت کی وجہ سے یہاں صرف اپنی ہوش کے زمانہ کی بات کرتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ نے میری بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی کے تقریباً تین سال کے بعد اپنے نئے مکان ''البشریٰ '' میں محلّہ دارالیمن (الف محلّہ) ربوہ کی ایک احمدی بچی ناصرہ بیگم صاحبہ کی شادی خانہ آبادی کا نیک کام بھی خود ہی سرانجام دیا۔ یہاں مجھے یاد آیا کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیادہ تر تصاویر جو کہ جماعت عالیہ احمدیہ کے احباب کے گھروں میں ہیں وہ اسی شادی کے موقعہ پر کھینچی گئی تھیں۔ حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد آپؓ کی اہلیہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے بھی اس نیک کام کو جاری رکھا۔ ان میں سب سے پہلے میری دوسری بڑی بہن آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ کی شادی، مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی شادی پھر میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کی شادی اور علاقہ سرحد کی ایک مہاجر احمدی بچی محترمہ یاسمین صاحبہ کی شادی بھی کروائی اور اس طرح سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے اپنے عظیم شوہر نامدار حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی عظیم الشان روایات کو قائم ودائم اور زندہ رکھا اور آپؓ کی تقلید میں وہی نیکیاں کمائیں کہ جن کے کمانے کا حضرت میاں صاحبؓ اپنی زندگی میں بار بار تذکرہ کیا کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ دونوں رضوان علیہم سے ان کے ان نیک اور بابرکت کاموں کی بدولت بے حد خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ان کے اعلیٰ درجات میں مزید اضافہ فرمائے اور روز قیامت آپ دونوں رضوان علیہم سے ایسے کار ثواب کی بدولت خوش ہو کر آپ دونوں رضوان علیہم کو اپنی جوار رحمت کے سایہ تلے ڈھانپ لے اور انجام بخیر فرمائے۔ آمین ثم آمین

یہاں مجھے یاد آیا کہ ان دنوں میرے بہنوئی بھائی جان مبارک احمد صابر صاحب نئے نئے داہران سعودی عرب میں ARAMCO عریبئین امریکن آئل کمپنی میں ملازم ہوئے تھے۔ شادی کے بعد آپ تو واپس اپنے کام پر چلے گئے لیکن حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فکر کہ کسی طرح جلد سے جلد میری بہن کو بھی وہاں پہنچا دیا جائے۔ اس زمانہ میں پاکستانی پاسپورٹ نہایت مشکل سے بنا کرتے تھے اور پھر ان کی فیس بھی ہر کس وناکس کی آمد سے باہر تھی۔ اس موقعہ پر سیکرٹری حکومت صوبہ پنجاب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے بہت مدد فرمائی اور از راہ شفقت میری سب سے بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا پاسپورٹ بنوا کر دیا لیکن جب پاسپورٹ بننے کے بعد اس پر ویزا لگوانے کے لئے شہر اور ملک کا نام پوچھا گیا تو یہ دلچسپ لطیفہ پیش آیا کہ حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کے دفتر کے کارندوں نے داہران کو تہران سمجھ کر اس پر ایران کا ویزا لگوا لیا کیونکہ داہران ان دنوں ایک بے نام سا شہر ہوتا تھا اور کسی کو یہ علم بھی نہ تھا کہ سعودی عرب میں داہران نام کا کوئی شہر بھی موجود ہے یا کہ نہیں۔ خیر جب حقیقت کھلی تو حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے از راہ شفقت داہران سعودی عرب کا ویزا بھی لگوا دیا۔

ان شادیوں کے ذکر پر مجھے اپنے ان پیارے بزرگوں کے یہ تمام عظیم الشان احسانات ایک کے بعد ایک یعنی یکے بعد دیگرے یاد آتے چلے

جارہے ہیں-جیسا کہ میں ابھی یہ ذکر کر چکا ہوں کہ میری دوسری بڑی بہن آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ کی شادی ۱۹۶۴ء میں بڑے دھوم دھام سے البشریٰ ربوہ میں ہوئی - خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام معزز افراد نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر بے حد دعاؤں کے ساتھ میری اس بہن کو رخصت فرمایا-میری یہ بہن اتنی سگھڑ تھیں کہ وہ نہ صرف اپنے گھر کا کام کاج کیا کرتی تھیں بلکہ اپنے فارغ وقت میں محلّہ کے لوگوں کے کپڑے بھی سلائی مشین سے سیاء کرتی تھیں اس لئے مجھے یاد ہے کہ کبھی کبھی میں بھی اس سلائی مشین کے ہینڈل کو تیز رفتاری سے گھما گھما کر اپنی بہن کی مدد کیا کرتا تھا تا کہ سلائی کا کام جلدی ختم ہو جائے-اسی طرح جب ان کی اپنی شادی ہوئی تو انہوں نے اپنی مرضی اور پسند کے کپڑے (جوڑے) خود اپنے لئے تیار کئے اور تمام بہنوں کے ساتھ ساتھ میں نے بھی کبھی کبھی شادی کے ان لباسوں پر سوئی دھاگہ سے چاند تارے وغیرہ لگائے تھے-اسی طرح میرے سب سے چھوٹے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کی شادی کے موقعہ پر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کی بس کا انتظام فرمایا اور یوں ہم اس شیورلیٹ بس پر بارات لے کر لائل پور سے کچھ آگے نیالاہور کے قریبی ایک گاؤں دُھنی دیو میں گئے اس کے علاوہ دلہا دلہن کے لئے حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کوٹھی البشریٰ میں اپنے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے کمرہ کو سجانے کا حکم دیا اور چونکہ ان دنوں ہمارا کچا کمرہ ایک پختہ مکان کی صورت میں بن رہا تھا لہٰذا اس مکان کی تعمیر کی تکمیل تک دلہا دلہن، سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی عنایت و نوازش سے البشریٰ کے اسی کمرہ میں ہی مقیم رہے-

اس کے علاوہ مکرم بشیر احمد صاحب خادم کی شادی کے موقعہ پر ربوہ سے ایک عدد کار پر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیبیاں اور طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لاہور کی ایک BEDFORD راکٹ بس میں خاندان مبارکہ کے بہت سے معزز افراد سوار ہو کر شیخوپورہ اور لاہور کے درمیان واقع ایک گاؤں میں بارات لے کر گئے- مجھے یاد ہے کہ میں اور میرے دوست مکرم صاحبزادہ سید ہمایوں احمد صاحب اور مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب باری باری بس کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس سفر سے لطف انداز ہوتے رہے کیونکہ کاروں کا سفر تو روز کا معمول تھا لیکن بس کا سفر تو ایک بالکل ہی انوکھی چیز تھی حتیٰ کہ مکرم صاحبزادہ نواب محمود احمد خان (اودی میاں) صاحب جو کہ ہم سے پچھلی سیٹ پر ڈاکٹر مکرم صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب (فضل عمر ہسپتال-ربوہ) کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہاں جا بیٹھے اور یوں ہم بچے فرنٹ سیٹ کی پچھلی سیٹ پر باری باری آ کر بیٹھتے رہے-راستہ میں شیخوپورہ کے شہر کے آغاز میں ہی سڑک کی بائیں جانب مکرم چوہدری محمد انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع شیخوپور کی وسیع وعریض کوٹھی میں دوپہر کا کھانا کھایا اور وہاں سے مونہہ ہاتھ دھو کر اور تازہ دم ہو کر آگے روانہ ہوئے-شادی کے بعد جب ہم بارات لے کر شام گئے واپس ربوہ پہنچے تو علم ہوا کہ ہمارے بعد یہاں ربوہ میں خاندان مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک معزز خاتون حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ممانی جان حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف بیگم صاحبہؓ زوجہ محترمہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا انتقال ہو گیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ o (البقرۃ:۱۵۷)-آپ حضرت مرزا محمد شفیع صاحبؓ کی دختر نیک اختر اور حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ممانی اور آپؓ کے سب سے چھوٹے داماد حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب کی والدہ محترمہ تھیں-اس ناگہانی حادثہ کے باعث اگلے دن دعوت ولیمہ کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا-

اسی طرح حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ اور حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مکرم ہاشم اکبر احمد (گڈو میاں) صاحب کی لاہور میں شادی خانہ آبادی کی تقریب کے موقعہ پر دعوت ولیمہ کی تقریب کے اگلے دن مکرم بشیر احمد خادم صاحب کا رات کو لاہور میں اچانک ہارٹ فیل ہو جانے یعنی دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا- اِنَّا لِلّٰہِ

وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) -اور یوں خوشی کے بقیہ دن خاموشی سے گزرے لیکن میں نے آج تک خاندان کے کسی بھی فرد بشر کی زبان سے مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو منحوس کہتے ہوئے نہیں دیکھا یا سنا بلکہ اب بھی سب حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے اس جانثار خادم کا ذکر بڑی محبت اور احترام سے کرتے ہیں-مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی زندگی میں سے یہ چند مثالیں ہی اتنے بڑے حادثات کے باوجود خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے خدام کے لئے بے انتہا محبت کا مونہہ بولتا ثبوت ہیں اسی لئے خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے خدام سے اس محبت کا ذکر اس کتاب میں آپ کو بار بار اور جگہ جگہ ملے گا-

مجھے یاد ہے کہ جب میں ابھی ایک چھوٹا سا بچہ ہی تھا تو ایک مرتبہ حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے کسی امتحان میں کامیابی پر اپنی خوشی کے اظہار کے لئے مجھے ایک روپیہ کا نوٹ عنایت فرمایا-اس زمانہ میں ایک روپیہ بہت بڑی رقم ہوا کرتی تھی-یہ رقم ملتے ہی جھٹ میں نے حضرت میاں صاحبؓ کو شکریہ کے اظہار کے لئے چائے کی دعوت دے ڈالی جسے آپؓ نے متبسم ہو کر از راہ شفقت قبول فرما لیا-پس پھر کیا تھا میں نے اسی وقت اپنے ماموں چوہدری عبدالرشید اختر صاحب (اس وقت محرر چونگی ٹاؤن کمیٹی ربوہ) کو یہ خوشخبری سناتے ہوئے درخواست کی کہ وہ منڈی (رحمت بازار ربوہ) سے کچھ مٹھائی خرید لائیں کیونکہ میں ابھی اس زمانہ میں ایک چھوٹا سا بچہ ہی تھا اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی ہمشیرہ آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ سے بھی عمدہ قسم کی پتی سے اچھی سی چائے بنانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اس طرح سے میں شکریہ کے طور پر حضرت میاں صاحبؓ کی شام کی چائے کی دعوت کرنا چاہتا ہوں-حضرت میاں صاحبؓ نے اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود اپنی خادمہ کے بیٹے کی دعوت کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ بذاتِ خود بہ نفسِ نفیس تشریف آوری فرما کر ہمت افزائی فرمائی اور اس چائے کی دعوت پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا-اس وقت ہماری غربت کا یہ عالم تھا کہ ہمارے پاس آپؓ کو بٹھانے کے لئے کوئی کرسی بھی موجود نہ تھی کہ جس پر آپؓ تشریف فرما ہو جاتے کیونکہ میرے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی علیحدگی اور بعد میں طلاق کی وجہ سے ابھی ہماری ہندوستان والی زمینوں کی الاٹ منٹ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا-بہر حال میری ہمشیرہ آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ نے اس دن جلدی جلدی ایک مرتبہ پھر نہایت عمدگی سے تمام گھر کی صفائی کی نیز بستروں پر نئی چادریں ڈالیں اور تکیوں کے غلاف بدلے اور اگر بتی جلائی-جب آپؓ تشریف لائے تو آپؓ نے گھر کو اس طرح صاف ستھرا دیکھ کر میری بہن کی بہت تعریف فرمائی اور کرسی نہ ہونے کے باعث کھڑے ہی کھڑے چائے نوش فرمائی اور کچھ مٹھائی بھی چکھی اور پھر ایک لمبی، پُرسوز اور رقت آمیز دعا کرنے کے بعد آپؓ رخصت ہوئے اور اس دعا میں آپؓ کی اتقاء میں ہم سب بھی شامل رہے-آج آپؓ کی انہی بابرکت اور بے لوث نیز پُرسوز دعاؤں کے طفیل خدا نے ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے اور اتنا دے رکھا ہے کہ اس کا شمار بھی ممکن نہیں- **شکر الحمدللہ**

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میری طرح حضرت میاں صاحبؓ نے ایک مرتبہ کسی خاص موقعہ پر میری بڑی بہن آپا بشریٰ پروین صاحبہ کو بھی ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا-میں نے چھوٹا ہونے کے باوجود اپنی بہن کو کئی مرتبہ کہا کہ وہ بھی حضرت میاں صاحبؓ کو چائے کی دعوت پر بلا کر دعائیں لے لیکن وہ بیچاری آج کل ہی کرتی رہیں اور یوں وقت گزر گیا-حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ اپنے خاص ملازمین کے گھروں میں ان کی جائے رہائش کی دیکھ بھال کے لئے بھی کبھی کبھی از راہ کرم بہ نفسِ نفیس خود تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کی تمام ضروریات سے بھی ہمیشہ باخبر رہا کرتے تھے اور حتیٰ الامکان ان کی داد رسی بھی فرماتے رہتے تھے البتہ اپنے خداموں میں سے ہمارے گھرانے کے علاوہ کسی دوسرے کے یہاں کھانے کی فرمائش کرتے میں نے نہ دیکھا نہ سُنا-حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی محبت ہم سے اس قدر بڑھ چکی تھی کہ کئی مرتبہ حضرت

میاں صاحبؓ خود فرمائش کر کے میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ سے گڑ کے میٹھے چاول یا میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ سے بکرے کی اوجھڑی، مٹر قیمہ، پالک گوشت، بھنڈی توری گوشت، بکرے کے پائے یا میری نانی اماں محترمہ کریم بی بی صاحبہ سے ساگ، پالک یا پکوڑیوں والی کڑہی بنوالیا کرتے تھے اور کبھی کسی قسم کا تکلف نہ فرماتے۔ آپؓ کھانا کھانے کے بعد یا چائے کی دعوت کے بعد بے حد دعاؤں سے نوازتے بلکہ مجھے یاد ہے کہ ہمیں خود اپنے ہاتھ سے جیب خرچ کے علاوہ بھی کچھ رقم وقتاً فوقتاً عنایت فرمایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! کہ آپؓ کیسے معزز و محترم بزرگ تھے کہ ہماری حالت سے اتنے باخبر کہ کسی قسم کا صدقہ یا خیرات دے کر ہمیں شرمندہ نہ کرنا چاہتے تھے اور یوں کسی نہ کسی بہانہ یا کسی بات پر خوش ہو کر انعام کے طور پر کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ تمام دنیا کے لئے شفقت و رحمت کا ایک ایسا سایہ دار گھنا درخت تھے کہ جس کی سرسبز شاخوں پر ہر قسم کے پرندے آرام کرتے ہیں اور جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں انسان تو کیا حیوان بھی آگ بگولا گرمی سے نجات پاتے ہیں۔ مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب بیان کرتے ہیں حضرت میاں صاحبؓ اپنے ملازمین کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ آپ نے مجھے اپنے ایک مکتوب میں قادیان کے زمانہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: ''گھر کا ملازم عبدالعزیز گونگا اس سج دھج سے گھر میں رہتا تھا کہ جس طرح آپؓ کے بچے میاں حمید احمد صاحب، میاں مبشر احمد صاحب یا میاں مجید احمد صاحبان''۔ (مکتوبات نسیم۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۹۳ء)

اسی طرح مجھے بھی یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ کے ایک خادم خاص مکرم بشیر احمد خادم صاحب تھے۔ وہ بیچارے سیدھے سادھے آدمی تھے۔ پڑھنے لکھنے کا کوئی خاص شوق نہ تھا لہذا چند بنیادی جماعتیں پڑھ کر ہی انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور پھر زیادہ چُست و چالاک بھی نہ تھے اور اوپر سے ان کا جسم بھی کچھ بھاری تھا لہذا وہ بشیر احمد خادم کے نام سے کم لیکن ''بشیر موٹا'' کے نام سے اہالیانِ ربوہ میں زیادہ مشہور تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ نے انہیں اپنے گھر میں بچپن سے ہی پالا ہوا تھا۔ مکرم بشیر احمد خادم صاحب سے روزانہ ہی کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہو جایا کرتی تھی اور اس پر صرف اصلاح کی خاطر کبھی ڈانٹ بھی پڑ جاتی یا باز پرس بھی ہوتی لیکن اس کے باوجود بھی ان کے لئے حضرت میاں صاحبؓ کے مہربان اور شفیق دل میں اتنی رحمت اور شفقت تھی کہ جب بھی وہ کسی کام کے سلسلہ میں اِدھر اُدھر جاتے یا کسی دوسرے شہر مثلاً لاہور وغیرہ میں گئے ہوئے ہوتے اور واپسی مقررہ وقت پر نہ ہوتی تو آپؓ بے حد پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ بار بار مذکورہ شہر یا مطلوبہ مقام پر ٹیلیفون بک کرواتے اور اس سلسلہ میں ربوہ تو کیا لاہور تک فون کئے جاتے اور اپنے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب سے ان کی طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کے بارہ میں خیر و عافیت پوچھتے کہ بس آج کیوں لیٹ ہوگئی ہے یا خدانخواستہ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟ اور مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی بخریت واپسی تک اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے دعاؤں میں مصروف رہتے بلکہ مجھے یاد ہے کہ اس دن، اس وقت کا کھانا بھی بمشکل تناول فرماتے اور بالکل ایسے بے چین و بے قرار رہتے کہ جیسے ایک باپ اپنے بچوں کے لئے اور حضرت میاں صاحبؓ اس وقت تک آرام، سکون اور چین سے نہ بیٹھتے تھے کہ جب تک یہ صاحب واپس پہنچ کر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بیان نہ کر دیتے تھے کہ دیر سے گھر واپس آنے کی وجہ کیا تھی۔ خدام سے آپؓ کی اسی ذرہ نوازی کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ ایم۔ احمد) صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''خادموں میں سب سے اوّل بشیر احمد نے خدمت کی۔ نہ صرف بیماری میں بلکہ گزشتہ قریباً بیس سال سے اس نے حد درجہ وفاداری اور جانثاری سے خدمت کی ہے اور ابا جانؓ بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے اور اس سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

یہ تمام واقعات زیر تحریر لاتے ہوئے بعض اوقات مجھے یہ سوچ کر بہت افسوس ہؤا کہ اگر اس زمانہ کے مختلف اخبارات و رسائل کے ایڈیٹر صاحبات و

صاحبان کبھی ہم سے بھی کچھ پوچھ لیتے تو اس وقت جبکہ سب حالات وواقعات ومشاہدات تازہ بہ تازہ تھے تو تب خاکسار کی اس معمولی سی کاوش کی بجائے متعدد احباب جماعت کے ہزاروں لاکھوں مزید واقعات ومشاہدات زیر تحریر آسکتے تھے لیکن افسوس اخبارات ورسائل کے بعض مدیران اس شعبہ صحافت سے منسلک تو ہیں لیکن ان کو یہ علم ہی نہیں کہ ایک صحافی جب تک تمام حالات کا بغور مطالعہ نہیں کر لیتا تب تک اسے چین آ ہی نہیں سکتا ورنہ ان اصحاب وصاحبات کو یہ علم ہونا چاہئے تھا کہ جیسے آنحضرت ﷺ کے در کے غلاموں اور آنحضور ﷺ کے گھر میں پرورش پانے والے بچوں مثلاً حضرت زیدؓ بن حارث اور حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ بن حارث نیز حضرت انسؓ جیسے کبار صحابہ رضوان علیہم سے ہزاروں ہزار احادیث نبویہؐ منسوب ہیں بالکل ویسے ہی البشریٰ میں پرورش پانے والے بچوں کو بھی یقیناً بہت سی ایسی باتوں کا علم ہوگا جو کہ کسی غیر کو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہر گھر میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا علم صرف اور صرف کسی گھر کے مکین کو ہی ہوسکتا ہے اور صرف چند گھڑیوں کے مہمان کو ان باتوں کی کانوں کان خبر نہیں ہوتی - بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے وقت یا بعد میں بھی کسی صحافی نے ہم بچوں سے کوئی بات پوچھنا تو درکنار ہمیں درگوئے اعتنا ہی نہیں سمجھا اور ہم سے نظر بچا کر گزر گئے بلکہ انتہا یہاں تک پہنچی کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات کے وقت بھی کسی نے ہم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ ہماری طرح اس گھر میں ایک نہایت ہی شریف النفس شخص مکرم بشیر احمد خادم صاحب نے بھی پرورش پائی تھی کہ جن کا بچپن سے جوانی تک کا تمام زمانہ حضرت قمرالانبیاءؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت میں ہی گزرا لیکن افسوس کہ ان دونوں معزز بزرگان سلسلہ کی وفات کے بعد کسی ایک بھی صحافی نے مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو اس گھر کا ایک ادنیٰ ملازم سمجھتے ہوئے اس قابل ہی نہ جانا کہ ان سے کچھ پوچھتا حالانکہ مجھ عاجز کی طرح وہ بھی بہت سے انمول واقعات بیان کر سکتے تھے لیکن حقیقت حال دراصل یہ ہے کہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب ایک احمدی ڈاکٹر اور اپنی والدہ صاحبہ کی واحد اولاد تھے - ان کے والد صاحب اپنے اس بیٹے کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد ہی بہ تقدیر الٰہی وفات پا گئے - مکرم بشیر احمد خادم صاحب نے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے یہاں پرورش پائی کیونکہ ان کی والدہ محترمہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں کہ جس کی وجہ سے ان کا دماغی توازن درست نہ رہا - مجھے یاد ہے کہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی والدہ صاحبہ اپنی وفات تک لاہور کے دماغی ہسپتال میں زیر علاج رہیں - ان ایام میں کبھی کبھی وہ گھر واپس بھی آجاتی رہیں اور یہاں البشریٰ میں نہایت خاموشی سے اپنا وقت گزارتیں لیکن جب چند روز کے بعد انہیں بیماری کا دوبارہ حملہ ہوتا تو مکرم بشیر احمد خادم صاحب مجبوراً اپنی والدہ صاحبہ کو پھر دوبارہ واپس ہسپتال میں داخل کروا آتے -

ان واقعات کے علاوہ مجھے یاد ہے کہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی منٹگمری (ساہیوال) کی جانب ایک گاؤں میں اپنی بھی زمین تھی جبکہ ان کے چچا کی شیخو پورہ سے لاہور کی جانب واقع ایک گاؤں میں اپنی زمین تھی - مکرم بشیر احمد خادم صاحب وقتاً فوقتاً اپنی فصل کا حصہ وصول کرنے کے لئے یا ٹھیکہ کی رقم کی وصولی کے لئے اس گاؤں میں جایا کرتے تھے اور ربوہ سے دوری کی وجہ سے عموماً رات کو وہیں قیام بھی کرنا پڑتا تھا کہ ایک مرتبہ اپنے اسی کسی قیام کے دوران مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو یہ وہم ہوگیا کہ اُن لوگوں نے رات کو سوتے ہوئے کسی کاغذ پر اِن کا انگوٹھا لگوا لیا ہے - اُس کے بعد یہ صاحب انتہائی پریشانی میں ربوہ واپس آئے - واپس پہنچ کر تمام حالات حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں بیان کئے - آپؓ نے اور بہت سے دوسرے پڑھے لکھے سمجھدار لوگوں نے بھی انہیں تسلی دی کہ اول تو کسی نے تمہارا انگوٹھا نہیں لگوایا - دوئم یہ کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو اس لئے اگر کسی نے تمہارا انگوٹھا لگوا بھی لیا ہے تو بھی کسی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ تمہاری مرضی نیز تحریری اجازت کے بغیر کسی قسم کی کوئی کاروائی کر سکے لیکن مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو اپنے وہم کی بیماری کی بدولت ان باتوں پر یقین نہ آتا اور یہ صاحب پھر سے واویلہ ڈالنا شروع کر دیتے کہ جس سے ہم لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے بلکہ ہم سب بچے تو بعض اوقات ان کی ایسی حالت دیکھ کر ہنستے اور انہیں تسلی دیتے لیکن

ان پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوتا یہاں تک کہ لاہور سے روزانہ چھپنے والی مختلف اخبارات میں بھی یہ اعلانات چھپوائے گئے کہ اس طرح کسی نے میرا انگوٹھا لگوا لیا ہے لیکن میں پڑھا لکھا شخص ہوں لہذا میری جائیداد کے بارہ میں میرے دستخطوں کے ساتھ ساتھ میرے ذاتی اقرار کے بغیر کسی قسم کی کاروائی نہ کی جائے۔اس طرح کئی سال کے لمبے عرصہ کے بعد ان کی وہم کی یہ تکلیف کسی طرح کم ہوئی۔ بہرحال اس آمدنی کے ساتھ ساتھ مکرم بشیر احمد خادم صاحب صدر انجمن احمدیہ کے بھی تنخواہ دار کارکن تھے۔کوٹھی البشریٰ کے مشرقی کونہ پر مکرم محمد شریف صاحب پہریدار کی دوکان سے متصل ان کی پرچون کی اپنی بھی ایک دوکان (کھوکھا) بھی تھی کہ جسے مکرم بشیر احمد صاحب باغبان کوٹھی البشریٰ نے کرایہ پر لیا ہؤا تھا۔اس طرح مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی یہ بھی زائد آمدنی موجود تھی۔اس لئے مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو غریب یا ادنیٰ ملازم سمجھنا اُن تمام صحافیوں کی حالات سے سراسر بے خبری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ایک صحافی اور مدیر کو تو بلا تحقیق بھی اردگرد کے حالات اور ان تمام باتوں کا علم ہوتا ہے جو کہ کسی دوسرے کی نظر میں اہم نہیں گردانے جاتیں کیونکہ ان کے پاس روزانہ اردگرد کی خبریں پہنچتی رہتی ہیں۔ان کے علاوہ اس معزز گھرانے میں پلنے والی بعض احمدی بچیاں بھی تھیں کہ جن کی شادی کی تمام رسومات بھی انہی بزرگوں نے قادیان سے لے کر ربوہ تک خود اپنے دست مبارک سے ادا کی تھیں۔حیرت کی بات ہے کہ میں نے آج تک ان بچیوں کا کوئی انٹرویو تو کیا کوئی مراسلہ بھی کسی اخبار یا رسالہ میں نہیں پڑھا۔اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ کسی نے ان بچیوں سے پوچھنا تو درکنار ان کا پتہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ بچیاں اب کہاں رہتی ہیں حالانکہ ان صحافیوں کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ خود چل کر وہاں پہنچتے اور دریافت کرتے کہ اگر ان لوگوں کو کوئی واقعہ یاد ہے تو انہیں بتا دیا جائے تا کہ احمدیت کی تاریخ مکمل کی جائے۔ پھر اسی طرح آپ کو محلّہ دارالرحمت ربوہ کی حضرت امتہ السلام خان (لال پری) بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی یاد ہوں گی۔آپؓ کا بھی کوئی بیان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔الغرض وہ تمام نادر قیمتی واقعات اپنے ہی شعبہ سے لاعلمی کی بنا پر اُس زمانہ کے انجان صحافیوں یا مدیران کی غفلت کی بنا پر ضائع ہو گئے۔یعنی ثابت ہؤا کہ ہمارے یہ صحافی اور مدیر بھائی بہن سلسلہ عالیہ احمدیہ کے چند معزز بزرگوں کے اقوال ہی کو کافی سمجھتے رہے لیکن اب جو حالات و واقعات سامنے آرہے ہیں اُن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے تمام صحافی اور مدیران صاحبان و صاحبات نے اپنے اس فعل سے جماعت کے مفاد کو ایک ایسا کاری دھچکا لگایا ہے کہ جسے اب وہ بڑی سے بڑی قیمت دے کر بھی چکا نہیں سکتے اور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی شفقت و محبت اور غربا پروری کے وہ تمام نایاب واقعات سامنے آہی نہیں سکتے تھے کہ جن میں آپ دونوں رضوان اللہ علیہم نے اوپر درج افراد کے علاوہ بھی دوسرے بے شمار غرض مندوں کی دعا اور دوا سے صرف للہ مدد فرمائی تھی۔پس اس کتاب کی تکمیل کے لئے اگر خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام مشفق و مہربان معزز بزرگ از راہ شفقت و مہربانی مجھ عاجز کی ہر طرح سے راہنمائی نہ فرماتے تو شاید آج بھی مجھے ہزاروں گھنٹے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کچھ لکھنے کی ہمت نہ پڑتی۔

اس لئے آج کے زمانہ اور ہمارے بعد آنے والے زمانہ کے تمام اخبارات و رسائل کے مدیران، ادیبوں، صحافیوں اور رپورٹروں کی خدمت میں نہایت ادب سے درخواست ہے کہ ان صاحبان و صاحبات کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ہر انسان کو ایک انتہائی اہم فرد جماعت جانتے ہوئے جماعت کے تمام افراد مرد و زن بچہ و بوڑھے کے مشاہدات کو جمع کریں، ان سے پوچھیں، حالات کا بغور جائزہ لیں۔جماعت کے تمام بزرگوں کے مصاحبان کی باتوں کو غور سے سنیں، اہل محلّہ سے گفتگو کریں اور تمام افراد سے مراد یہاں گھر کے افراد اور اردگرد کے ہمسایوں کے ساتھ ساتھ محلّہ کے بھی تمام بچے، جوان، بوڑھے، عورت اور مرد سب شامل ہیں کیونکہ صرف ہمارا مذہب اسلام ہی دنیا جہان کو آپس میں نہ صرف مساوات قائم کرنے کی تلقین کرتا

ہے بلکہ عورتوں کے تمام جملہ حقوق ادا کرنے اور بحال کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور بچوں کی تعظیم کرنے کے گُر بھی سکھاتا ہے یعنی صرف ہمارے مذہب اسلام میں ہی ہر امیر اور ہر غریب انسان کو برابر کا درجہ حاصل ہے۔ اسی لئے تو مشہور ہے کہ:-

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز (علامہ اقبال)

بلکہ حدیث شریف نبویؐ کے مطالعہ سے تو یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ امراء کی نسبت غربا ۵۰۰ سال قبل جنت میں داخل کئے جائیں گے اور شائید اس کی وجہ اسی قسم کے تلخ حقائق بھی ہوں کہ جن میں غربا سے کچھ پوچھا ہی نہیں جاتا۔ میں یہ سطور نہ لکھتا لیکن کافی عرصہ شعبہ صحافت سے منسلک رہنے کے باعث یہ شکوہ نوک قلم پر آگیا ہے۔ کیونکہ کسی صحافی اور مدیر کو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ امیر اور غریب کے چکر میں پڑے۔ یہاں مجھے یاد آگیا کہ خاکسار کو جرمنی کا سب سے پہلا احمدی صحافی (رپورٹر) اور پھر ترقی کرتے ہوئے مدیر (ایڈیٹر) بننے کا موقعہ نصیب ہوا اور ۱۹۸۷ء-۲۰۰۲ء تک تقریباً پندرہ برس اس عہدہ پر کام کرنے کا وسیع تجربہ ہوا کہ جس کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صحافت کیا چیز ہے۔ بہرحال ان تمام واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جماعت کی ترقی کے لئے اپنی خدمات پیش کرنے والے تعلیم یافتہ احباب کو ان کی تعلیمی قابلیت کے مطابق جماعتی عہدہ دیا جائے تاکہ وہ اپنی عقل و دانش اور تعلیمی استعداد کو بروئے کار لا کر پیش قدمی کے لئے نت نئی، نرالی اور انوکھی تجاویز پیش کریں نیز اس طرح نئے سے نئے راستے جماعت کی ترقی کے لئے کھول کر جماعت کی ترقی میں ممد و مددگار ثابت ہوں۔ اس لئے اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم سب اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اپنی اپنی خامیوں کی پردہ پوشی کی بجائے انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ اپنی خامیوں کی پردہ پوشی کی بجائے ان کے رد کے لئے ''الفضل'' قادیان میں تحریر ہے کہ:-

''حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا یہ معمول تھا کہ آپؓ ہر رمضان المبارک کے موقع پر کوئی نہ کوئی بیش قیمت مضمون افادہ عام کے لئے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ۱۹۳۷ء کے ماہ رمضان کے آغاز پر آپؓ نے جماعت کے دوستوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اس بابرکت مہینہ میں کم از کم اپنی کسی ایک کمزوری کو دور کرنے کا عہد کریں اور پھر ان کی سہولت کے لئے اکٹھ کمزوریوں کی ایک فہرست شائع فرمائی اور یہ مبارک تحریک فرمائی کہ ان میں سے جو جو کمزوریاں احباب میں پائی جاتی ہوں وہ ان میں سے کسی ایک کو چُن کر اپنے دل میں خدا تعالیٰ کے ساتھ پختہ عہد باندھیں کہ وہ اس کے فضل اور توفیق کے ساتھ آئندہ اس کمزوری سے کلی طور پر مجتنب رہیں گے''۔ (الفضل - ۵/نومبر ۱۹۳۷ء)

پس میری ان سطور کو پڑھ کر یا سن کر اگر میرے کسی ایک بھی مسلمان بھائی کے طور و اطوار اور گفت و شنید اور عمل و کردار میں کوئی پاکیزہ تبدیلی رونما ہو جائے اور وہ امراء کو غربا پر مقدم سمجھنے کی بجائے برابر کے حقوق دلوانے کا عہد کر لے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میرا مقصد مل گیا ہے کیونکہ میرا مقصد کسی بھی شخص کی شکایت کرنا نہیں ورنہ میں یہاں اپنے مخاطب افراد کے نام تحریر کرتا۔ ممکن ہے کہ بہت سے احباب جماعت میری ان سطور سے متفق نہ ہوں کہ ایسی باتیں سرعام نہ چھاپی جائیں لیکن انہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی باتوں کو چھپا چھپا کر ہی تو یہ وقت جماعت احمدیہ پر آگیا ہے کہ اس کی اب تک کی تاریخ مکمل تیار نہیں ہوئی۔ ایک مشہور و معروف مقولہ کے مطابق:-

''جو بات بری ہے اس بات کو برا کہنے سے روکنے والا خود برا ہے نہ کہ اس بری بات کی جانب متوجہ کروانے والا انسان برا ہے''

بہرحال ہر شخص کی اپنی اپنی سوچ ہے کوئی کسی ایک بات کو نہایت اہم سمجھتا ہے اور ایک دوسرا اسے قابل غور ہی تصور نہیں کرتا لیکن بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر خاموشی اختیار کر جانا دراصل کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور یہی چھوٹی چھوٹی باتیں بعد میں ایک بے قابو طوفان کی صورت اختیار حاصل کر لیتی ہیں لہذا ایک احمدی کو کسی دوسرے احمدی بھائی کے خط کے جواب نہ دینے پر یا ان سے ان کے بزرگوں کے حالات

زندگی دریافت نہ کرنے پر پوچھ گچھ ضرور کی جانی چاہئے تا کہ وہ ٹھوکر لگنے سے پہلے ابھی سے ہی سنبھل جائے کیونکہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی مدینۃ النبی ﷺ کے مسلمانوں کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر نومسلم خارجیوں کو امت مسلمہ میں فتنہ وفساد برپا کرنے کا موقع ملا تھا اور انہوں نے ان پردہ پوشی کرنے والے مسلمانوں کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یکے بعد دیگرے تین نامور خلفائے راشدہ کو انتہائی بیدردی سے شہید کر دیا تھا- میرے پیارے آقا رسول اللہ آنحضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ نے بھی ایک موقعہ پر ایک عورت کو چوری کی سزا دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

''پچھلی بہت سی اقوام صرف اسی بات پر تباہ ہوگئیں کہ جب ان کا کوئی سر کردہ شخص کوئی بری حرکت کرتا تھا تو اس کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا لیکن جب اُسی قسم کے گناہ کا مرتکب کوئی غریب انسان ہوتا تو اسے نہایت کڑی سزا دی جاتی تھی''

پس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ نصائح پر عمل کرنے اور آنحضور ﷺ کے مبارک نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے -آمین- یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے کہ جب جماعت عالیہ احمدیہ کو دنیا بھر میں بسنے والے اپنے تمام بزرگوں کے حالات و واقعات بلا تفریق مرتب کرنے کی انتہائی اشد ضرورت ہے تا کہ آنے والی نئی نسلیں جو کہ ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ہر ایک بال کی کھال اتارنا تو کیا اس بال کی جڑ تک پہنچنے والی ہیں انہیں کسی صحافی یا مدیر پر ذات و پات کی اونچ نیچ میں ملوث ہونے کا الزام نہ لگانا پڑے کیونکہ اسلام کا مستقبل صرف اسی ایک جماعت کے ساتھ وابستہ ہے اور اسی لئے ہمیں اپنے تمام چھوٹے بڑے بزرگوں کے حالات، ذات برادری سے مبرا ہو کر مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے- اللہ کرے کہ ہمارے نئے اور پرانے صحافی اور مدیران بھی'' سَیِّدُالْقَوْمِ خَادِمُهُمْ '' کے جذبہ کے تحت اپنے آپ کو اونچا اور بڑا اور دوسروں کو چھوٹا اور نیچا یا کم ذات سمجھنے کی بجائے وہ اپنے آپ کو جماعت کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتے ہوئے میری اس درخواست پر مثبت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق پائیں- آمین- کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' ---وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ---(اٰل عمران:۱۰۴)- یعنی: اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ آج سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اس نے تمہارے قلوب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تمہیں بھائی بھائی بنا دیا یعنی اس سے پہلے تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے لیکن اس نے تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا---''- اسی طرح ایک دوسری آیت میں بھی یہی فرمایا کہ'' اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' --- (الحجرات: ۱۱)- یعنی: مؤمنین کا آپس میں باہمی تعلق بھائیوں جیسا ہے---''- یعنی جب ہمیں بنانے والا خود ہی یہ مسلمہ شہادت دے رہا ہے کہ ہم سب بھائی بھائی یعنی ایک دوسرے کے برابر ہیں تو پھر قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والا کوئی بھی انسان اونچی یا کمین ذات والا کیسے بن سکتا ہے؟؟؟

خاکسار کی اوپر درج عاجزانہ درخواست سے یاد آیا کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ امراء اور غرباء کے درمیان یہ امتیاز روا نہ رکھتے تھے بلکہ انتہائی شدت سے اپنے طرز عمل کے ذریعہ اور اپنی تحریرات نیز اپنے اعمال واقوال سے ایسے تمام غیر اسلامی خیالات کی نفی فرماتے تھے- پس اسی لئے میں بھی ایسے تمام احباب کو تنبیہی خطوط لکھنے یا ان کے خلاف شکایتیں وغیرہ کرنے کی بجائے ان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہوں لیکن افادہ عام کے لئے حق کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ایک ہمارا مذہب اسلام ہی ہمیں اس بات کا حق دیتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی شکایت ہے تو اس کو چھپانے کی بجائے اس کا اظہار کرو تا کہ اس شکایت کے رفع کے ساتھ ساتھ اس قسم کے مرض میں مبتلا دوسرے اشخاص کی بھی اصلاح ہو جائے- الغرض اس

برادرانہ درخواست سے قبل مکرم بشیر احمد خادم صاحب کے تعلق میں صرف یہی عرض کروں گا کہ شفقت، محبت ، احسان اور حسن سلوک کے بہت سے حسین رنگ میں نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ذات بابرکات میں دیکھے ہیں لیکن آج تک یہ انتہائی خاص الخاص بات کسی میں نہیں دیکھی کہ اپنے ملازمین کے ہر دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوں اور اُن کی دلداری کا اتنا خیال کہ آپؓ دونوں اس وقت تک خود بےکل و بےچین رہتے کہ جب تک اُن کی تکالیف کا ازالہ نہ ہو جاتا یا پھر آپؓ بذات خود ان تکالیف کا مداوانہ فرما دیتے - ہم لوگ جب اور جہاں نیز جس کمرہ میں بھی چاہتے اٹھتے بیٹھتے تھے - آپؓ نے کبھی منع نہیں فرمایا بلکہ آپؓ کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ ہم جب آپؓ کے کمرہ میں حاضر ہوں تو ہم آپؓ کے پلنگ پر آپؓ کے ہمراہ بھی بیٹھیں - آپؓ اپنے ملازمین اور دفتری کارندوں سے ہمدردی اور غمگساری میں اتنا آگے بڑھے ہوئے تھے کہ جس کی کوئی مثال اُس زمانہ میں نہیں ملتی تھی - یہاں میں ایک واقعہ اور بھی پیش کرتا چلوں جو کہ آپؓ بار بار ہمیں اپنی پُرسوز آواز میں نمناک آنکھوں سے سنایا کرتے تھے اور اس کی اتباع کرنے کا دوسروں کو بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے - حضرت قمر الانبیاءؓ نے یہ واقعہ اپنی مقبول کتاب ''دُرِمکنون'' میں بھی تحریر فرمایا ہے لہذا تحدیث نعمت کے طور پر وہ پیاری روایت یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں - حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

'' ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک قادیان کی چھت پر چند مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے کے انتظار میں تشریف فرما تھے - اس وقت ایک احمدی دوست حضرت میاں نظام الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے اور اُن کے کپڑے بھی پھٹے پُرانے تھے حضور علیہ السلام سے چار پانچ آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے تھے - اتنے میں معزز مہمان آکر حضور علیہ السلام کے قریب بیٹھتے چلے گئے اور ان کی وجہ سے ہر مرتبہ حضرت میاں نظام الدین صاحبؓ کو پرے ہٹنا پڑا - حتیٰ کہ وہ ہٹتے ہٹتے جوتیوں کی جگہ پر پہنچ گئے - اتنے میں کھانا آیا تو حضور علیہ السلام نے (جو یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے) ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور حضرت میاں نظام الدین صاحبؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

'' آؤ میاں نظام الدین ! ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں ''

یہ فرما کر حضور علیہ السلام مسجد کی ساتھ والی کوٹھڑی میں تشریف لے گئے اور حضور علیہ السلام نے اور میاں نظام الدین صاحبؓ نے کوٹھڑی کے اندر اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی پیالہ میں کھانا کھایا - اس وقت حضرت میاں نظام الدین صاحبؓ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور جو لوگ حضرت میاں نظام الدین صاحبؓ کو عملاً پرے دھکیل کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب بیٹھ گئے تھے وہ شرم سے کٹے جاتے تھے '' -

اس لطیف روایت سے تکبّر اور نخوت کے خلاف اور دلداری اور مساوات اور اخوت اور غریب نوازی کے حق میں جو عظیم الشان سبق حاصل ہوتا ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کمال دانائی سے یہ سبق اپنے قول سے نہیں بلکہ اپنے پاکیزہ عمل سے دیا - جو قول کی نسبت ہمیشہ زیادہ اثر رکھتا ہے - آپؑ کی غریب نواز آنکھ نے دیکھا کہ ایک خستہ حال دریدہ لباس مہمان کو آہستہ آہستہ نام نہاد بڑے لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ جوتیوں کی طرف دھکیل دیا ہے تو اس غیر اسلامی نظارے سے آپ کے دل کو سخت چوٹ لگی اور اس غریب شخص کے جذبات کا خیال کر کے آپؑ کا دل بے چین ہو گیا - بے شک جس شخص کو خدا نے دُنیا میں عزت دی ہے ہمارا فرض ہے کہ عام حالات میں اس کے ظاہری اکرام کا خیال رکھیں لیکن یہ اکرام ایسے رنگ میں نہیں ہونا چاہیے کہ جس میں کسی غریب شخص کی تذلیل یا دل شکنی کا پہلو پیدا ہو - قرآن مجید کا یہ ارشاد کتنا پیارا اور مساوات کی تعلیم سے کتنا لبریز ہے کہ : ''--- اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ --- (الحجرات : ۱۴ - یعنی : اے مسلمانو! خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی اور زیادہ نیک ہے --- '' - ناقل) - کاش ہماری جماعت اس ارشاد کو اپنا طُرّہ امتیاز بنائے اور دُنیا میں حقیقی اخوت اور مساوات کا

نمونہ قائم کرے۔حدیث میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کے غریبوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ’’ وہ اگر نیکی پر قائم ہوں گے تو امیروں کی نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے‘‘۔(ترمذی ابواب ۱۱ ۔ناقل)۔یہ ایک استعارے کا کلام ہے۔جس سے ظاہری غریب اور دل کے غریب دونوں مراد ہیں۔اور پانچ سو سال سے ایک لمبا عرصہ مراد ہے۔جس کی اصل حقیقت کو صرف خدا جانتا ہے۔کیونکہ آخرت کی زندگی میں دُنیا کے سالوں کے مطابق شمار نہیں ہوگا۔وہاں کے وقت کا پیمانہ دُنیا کے وقت کے پیمانے سے بہت مختلف ہے‘‘۔(دُرِّ مکنون)

درج بالا حدیث شریف سے ملتی جلتی ایک دوسری حدیث نبویؐ کو میں یہاں نقل کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں:۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کے حضور دعا کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ اور اسی مسکین حالت میں موت دے اور مجھے قیامت کے روز زمرۂ مساکین میں اٹھانا۔اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیوں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مساکین،اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔اے عائشہ کسی مسکین کو نہ دھتکارنا خواہ تجھے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینا پڑے۔اے عائشہ مساکین کو اپنا محبوب رکھنا اور انہیں اپنے قرب سے نوازنا،خدا تعالیٰ قیامت کے دن تجھے اپنے قرب سے نوازے گا۔ (ترمذی کتابالزھد – باب ماجاء فقراء المھاجرین ید خلون الجنة قبل اغنیائھم)

حیات بشیر میں درج ہے کہ:۔

’’حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ہمدردیٔ مخلوق کا یہ حال تھا کہ آپؓ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی احمدی کسی انتظامی سختی کا شکار ہو کر سلسلہ سے کٹ جائے۔ایسے شخص کو سمجھانے بجھانے کی آپؓ ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔زبانی بھی اور تحریری بھی اور شکایت کے جائز حصہ کا ازالہ کر کے بھی اور اس طرح آپؓ نے متعدد ڈوبتے ہوئے افراد کو بچالیا۔آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ: ’’ حضرت صاحب کو تو اللہ تعالیٰ نے نگران کا مقام عطاء فرمایا ہے۔اگر حضور سختی بھی کریں تو نظام سلسلہ کی حفاظت کے لئے آپ کا حق ہے لیکن میں ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ سمجھا بجھا کر ٹھوکر کا شکار ہونے والے افراد کو بچالوں‘‘۔(حیات بشیر صفحہ ۲۳۶)

اس سلسلہ میں الفضل میں ایک واقعہ یوں درج ہے کہ:۔

’’۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک دوست نے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنے ماتحت کارکنوں پر ایسی سخت گرفت فرماتے ہیں جو بظاہر درشتی کا رنگ رکھتی ہے۔حالانکہ آپ صرف خلیفہ وقت ہی نہیں مصلح موعود بھی ہیں۔آپؓ نے فرمایا:۔ ’’ کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کے متعلق بھی یہی اعتراض پیدا ہوا تھا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ اعتراض کبھی نہیں ہوا۔علاوہ ازیں سخت گیری کی پالیسی تو ایک طرح سے مصلح موعود کی نشانی ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہاموں میں صاف آتا ہے کہ مصلح موعود ’’ جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا‘‘ ۔پس گھبراؤ نہیں اور اپنے دل کو ذرا کڑا کر کے رکھو کیونکہ یہ جلال الٰہی خدائی منشأ کے مطابق ہے اور جماعت کی بہتری کے لئے ہے‘‘۔آپؓ کا جواب سُن کر اس دوست نے کہا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے دلی اخلاص اور عقیدت رکھتا ہوں۔صرف تشریح اور تسلی کے خیال سے پوچھتا ہوں کہ مصلح موعود کے متعلق ’’حلیم‘‘ کا لفظ بھی تو آیا ہے اور بظاہر یہ سختی، حِلم اور بُردباری کے طریق کے خلاف نظر آتی ہے۔اس پر آپؓ نے فرمایا کہ:۔’’ الہامات میں آپ کے متعلق صرف حلیم کا لفظ نہیں آتا بلکہ آپ کو ’’ دل کا حلیم‘‘ کہا گیا ہے۔پس یقیناً یہ استعمال بے وجہ نہیں ہوسکتا‘‘۔اس مختصر تشریح سے اس دوست کی، جو خدا تعالیٰ کے فضل سے زیرک تھے۔آنکھیں کُھل گئیں اور انہوں نے نہایت

درجہ شکریہ کے رنگ میں کہا کہ آپ نے مجھے ایک بھاری خلجان سے بچالیا ہے''۔(الفضل ۴؍جون ۱۹۴۶ء)

اسی سلسلہ میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے نہایت ہی پیارے انداز میں احباب جماعت کو مثال دیتے ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:-

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہؤا- قدرت ثانی کا ظہور شروع ہؤا مگر خلافت اولیٰ کے وقت سے ہی میرے بھائیوں نے اپنا فرض اولین جان کر خدمت دین کے لئے اپنے شب و روز وقف کر دئے تھے- حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمام زمانہ کے لئے رحمت تھے کیونکہ آپؑ سچے عاشق وخادم رحمۃ العالمینؐ تھے- آپؑ تمام جماعت بلکہ تمام مخلوق کے لئے باپ اور ماں کی مشترکہ محبت رکھتے تھے- باپ کی طرح تربیت بھی تھی، سختی اور نرمی بھی اور ماں کی طرح نرمی اور محبت، مامتا کی طرح پیار بھرا سلوک بھی- آپؑ کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائیوں نے مل کر وہ کام بانٹ لیا- بڑے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت کے شفیق باپ بنے مگر باپ آخر از راہ تربیت کڑی نظر بھی رکھتا ہے تا رعب قائم رہے- اس لئے اس کو ذرا کبھی ریز رو بھی رہنا پڑتا ہے مگر ماں بچے کی غلطیوں پر پردے بھی ڈالتی ہے- چھپ چھپ کر سمجھاتی ہے- باپ کی ناراضگی کا خوف دلاتی ہے- مارتی ہے تو فوراً سینہ سے لگا کر پیار کرتی ہے اور پیار سے کہتی ہے کہ دیکھو! تمہارے بھلے کے لئے تو کہتی ہوں کہ اگر ابا تمہارے دیکھیں تو کیا کہیں؟ غرض یہ ماں کا پیار سارے خاندان، ساری جماعت کے لئے ایک قدرتی سمجھوتہ کے طور پر منجھلے بھائی صاحبؓ کے سپرد رہا اور ہمیشہ نبھاہا، خوب نبھاہا''۔(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱؍ستمبر ۱۹۶۳ء)

اپنے خدام سے حسن سلوک کے بارہ میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ درج ذیل حدیث شریف کی تصویر بنے رہتے تھے:-''حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں گی اللہ اس پر اپنا دامن (رحمت) پھیلا دے گا اور اسے جنت میں داخل کر دے گا:- اوّل: کمزوروں پر رحم- دوئم: والدین سے محبت اور نرمی کا برتاؤ- سوئم: خدام سے حسن سلوک''۔(**سنن ترمذی باب صفة القيامة**)

اس سلسلہ میں آپؓ کے پہرہ دار مکرم محمد شریف صاحب بیان کرتے ہیں کہ:-

''حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں غریب پروری کا بہت جذبہ تھا اور غریب آدمی کو پھلتا پھولتا دیکھ کر آپؓ بے حد خوشی محسوس فرمایا کرتے تھے- ہم لوگوں کی تنخواہ تو بہت کم تھی لہذا گزارہ بے حد مشکل سے ہوتا تھا اس لئے خاکسار ڈیوٹی کے بعد لوگوں کے گھروں میں سفیدی وغیرہ کر کے مزید کچھ آمد پیدا کر لیا کرتا تھا- ایک دفعہ حضورؓ (حضرت قمر الانبیاءؓ صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ- ناقل) لاہور تشریف لے گئے تو خاکسار نے حضورؓ کی اجازت سے صدر انجمن احمدیہ سے حضورؓ کی کوٹھی (پرانی کوٹھی جو مسجد مبارک کے سامنے تھی) کی سفیدی کرنے کا ٹھیکہ لے لیا- جب حضورؓ واپس تشریف لائے تو ابھی دو کمرے سفیدی کرنے والے رہتے تھے- خاکسار نے حضورؓ سے عرض کیا کہ حضورؓ یہ دو کمرے میں کسی اور سے سفیدی کروا دیتا ہوں کیونکہ اب میری ڈیوٹی شروع ہو گئی ہے لیکن حضورؓ نے نہایت شفقت سے فرمایا'' نہیں! یہ دونوں کمرے بھی تم ہی مکمل کرو'' اور میری جگہ پر ڈیوٹی دینے کے لئے اپنے مختار عام مکرم محترم منشی محمدؐ صادق صاحب کو لگا دیا''۔(مکتوبات نسیمؔ مؤرخہ ۲۷؍اگست ۱۹۹۹ء)

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی مکرم محمد شریف صاحب نے بیان کیا کہ:-

’’ ایک دن حضورؓ (حضرت قمرالانبیاءؓ -ناقل) مسجد مبارک میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اپنی نئی کوٹھی البشریٰ محلّہ دارالصدر غربی کی طرف آرہے تھے تو راستہ میں خاکسار نے حضورؓ سے عرض کیا کہ اگر حضورؓ اجازت دیں تو میں آپؓ کی کوٹھی کے سامنے والے کونے میں ایک کھوکھا بنالوں؟ -لکڑی کے کھوکھے کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ لیکن چونکہ حضورؓ اپنے خادموں سے بہت شفقت اور دلداری کا سلوک فرمایا کرتے تھے لہذا یہ سُن کر آپؓ نے فرمایا’’ شریف ! میں پہلے ہی کہنے والا تھا کہ تم یہاں ایک کھوکھا بنالو‘‘ -اجازت ملنے پر خاکسار نے ایک ترکھان مستری سے بات کی اور اُس نے کھوکھا بنانا شروع کر دیا- یہ کھوکھا تقریباً دس دن میں مکمل ہؤا اور حضورؓ روزانہ ہی شام کے وقت باہر تشریف لا کر بڑی شفقت سے پوچھتے’’ شریف! اب کتنا کام باقی رہ گیا ہے؟‘‘ -جب مستری کھوکھے کی چھت بنا رہا تھا تو حضورؓ کوٹھی سے باہر تشریف لائے اور پوچھا’’ شریف چھت سر کو تو نہیں لگتی ؟‘‘ -میں نے عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی سر کو لگتی ہے- اس پر حضورؓ بذات خود اس نامکمل کھوکھے کے اندر تشریف لے آئے تو کھوکھے کی چھت حضورؓ کے سر کو لگنے لگی جس پر حضورؓ نے مستری کو ہدایت دی کے دونوں طرف گٹکے لگا کر چھت کو اونچا کر دو تا کہ چھت سر کو نہ لگے- اس کے بعد حضورؓ کے مشوروں، مبارک دستِ قدم اور دعاؤں کی بدولت اس کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی- اس کھوکھے کی تکمیل پر حضرت میاں صاحبؓ نے ایک لمبی اور پُرسوز دعا کروائی اور یوں خاکسار نے ایک ماہ کی رخصت لے کر اپنی دوکانداری کا آغاز کیا- از راہ شفقت حضورؓ نے مجھے تجارت کے بعض اہم اصول سمجھائے کہ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد لیکن دوکان دار کے سودا بیچنے کا اصول ایک ہی ہونا چاہیے- اگر کسی چیز میں نقص ہو تو گاہک کو بتا دیویں کہ اس میں یہ نقص ہے اس لئے اس کی قیمت کم لے رہا ہوں- ادھار سے بچیں اور اگر ادھار دے دیویں تو پہلے وہی وصول کرنے کی کوشش کریں اور اس شخص کو مزید ادھار نہ دیویں- پان سگریٹ بالکل نہ رکھنا- اس کے علاوہ حضورؓ میری دلداری کے لئے روزانہ ہی پوچھتے’’ شریف ! آج کتنی بکری ہوئی ہے؟ ‘‘-اُس زمانہ میں خاکسار مٹھائی بنانے کا کام نہیں جانتا تھا لہذا آہستہ آہستہ میں نے مٹھائی بنانے کا کام سیکھا اور یوں میرا یہ کاروبار دن بدن ترقی کی منازل طے کرنے لگا- میں جو بھی نئی چیز بناتا سب سے پہلے حضورؓ کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کرتا اور اس پر حضورؓ بہت دعا فرمایا کرتے تھے‘‘-(مکتوبات نسیم ـ ۲۷/اگست ۱۹۹۹ء)

اللہ تعالیٰ بھلا کرے مکرم محمد شریف صاحب کا کہ ان کے بیان سے مجھے یہ تمام باتیں ایک مرتبہ پھر سے یاد آ گئیں کیونکہ میں تو ہر وقت حضرت میاں صاحبؓ کے مبارک دم قدم کے ساتھ ہی لگا رہتا تھا- پس اس وجہ سے مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس کھوکھے کے اندر جانے لگے تو آپؓ نے اپنی پگڑی اتار کر مکرم محمد شریف صاحب کو پکڑا دی تھی- حضرت میاں صاحبؓ چونکہ اونچے لمبے قد والے بزرگ تھے لہذا آپؓ کو اپنا سر کچھ جھکانا پڑا کہ جس پر آپ نے مکرم محمد شریف صاحب کو اوپر درج ہدایت فرمائی کہ کھوکھے کی چھت کو گٹکے لگا کر کچھ اونچا کر دیا جائے- اسی حسن سلوک پر مجھے یاد آیا کہ موسم گرما کے آغاز پر ہمیشہ مکرم عبدالمنان صاحب (عبدالمنان کباب ہاؤس متصل رشید بوٹ ہاؤس گولبازار ربوہ) سب سے پہلے اپنے سائیکل پر قلفیوں والا ڈبہ رکھ کر حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت اقدس میں بغرضِ دعا حاضر ہؤا کرتے تھے- اس دن تمام گھر والوں کو خوب قلفیاں کھانے کا موقع ملتا- مکرم عبدالمنان صاحب صرف دعا کے خواہش مند ہوتے کہ سیزن کے آغاز پر حضرت میاں صاحبؓ ان کے کاروبار میں ترقی کی دعا فرماویں لیکن خاکسار نے حضرت میاں صاحبؓ کی ایسی پیاری بندہ نوازی اور غریب پروری دیکھی کہ آپؓ ہمیشہ انہیں دعا دینے کے ساتھ ساتھ کم از کم پچاس روپوؤں سے بھی نوازتے جو کہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑی رقم ہؤا کرتی تھی- وہ قلفیاں مجھے تمام زندگی بھر یاد رہیں گی کیونکہ وہ بے حد مزیدار ہؤا کرتی تھیں-

اسی سلسلہ میں مجھے بھی یاد ہے کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے کو اپنی کوٹھی ’’البشریٰ‘‘ میں سے کچھ جگہ نکال کر شارع صدر کے چوک میں مکرم

شریف احمد صاحب کو ان کی دوکان کے لئے جگہ عنایت فرمائی تا کہ وہ اپنی معمولی آمدنی کے ساتھ ساتھ اور بھی مزید کچھ کما کر اپنی گزر اوقات عمدہ طریق پر کر سکیں کیونکہ آپؓ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ بعض اوقات انسان اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لئے بھی مجبور ہو کر کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔آپؓ نے سوال سے بچنے کی تلقین فرماتے ہوئے صدر صاحبان محلّہ جات ربوہ کو بھی اس طرف توجہ دلائی کہ:-

'' دوست حقیقی اور اشد ضرورت کے بغیر سوال نہ کیا کریں بلکہ ایک طرف محنت کر کے حسب ضرورت زیادہ آمد پیدا کرنے کی کوشش کریں اور سُستی اور بیکاری سے بچیں اور دوسری طرف جب تک خدا کی طرف سے فراخی حاصل نہ ہو اپنی ضروریات کو کم سے کم حد کے اندر محدود رکھیں۔اس طرح انشاء اللہ ان کے اخلاق میں بلندی پیدا ہو گی اور اس قناعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے تھوڑے مال میں ہی برکت ڈال دے گا''۔(الفضل ۸؍جولائی ۱۹۵۹ء)

شارع صدر کے چوک میں کوٹھی البشریٰ کے عین سامنے والے کونے پر بننے والی اس دوکان کو ہم لوگ کھوکھا کہا کرتے تھے کیونکہ یہ دوکان لکڑی کے تختے (پھٹے) جوڑ کر بنائی گئی تھی۔اس طرح حضرت میاں صاحبؓ کی دور اندیشی کے باعث نہ صرف اس خاندان کی گزر اوقات اچھے طریق سے ہونے لگی بلکہ محلّہ دارالصدر شمالی اور غربی کے لوگوں کو بھی مختلف اشیاء کی خریداری کے لئے تپتی گرمیوں میں جھلس دینے والی لُو یا کڑکتی سردیوں میں یخ بستہ ہوا کے تھپیڑے کھاتے ہوئے غلہ منڈی یا گول بازار کے چکر نہ لگانا پڑتے اور ضرورت کی مطلوبہ اشیاء یہیں محلّہ میں ہی دستیاب ہو جایا کرتی تھیں۔اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ نہ صرف غریب پرور اور ہمدرد وجود تھے بلکہ اپنے محلّہ داروں اور ہمسایوں کے لئے بھی باعثِ رحمت و مروت تھے۔محلّہ داروں کے لئے باعث رحمت ہونے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپؓ نے البشریٰ سے لے کر مسجد مبارک تک تمام راستہ میں نصرت گرلز سکول کے ٹیوب ویل سے پکی سڑک یعنی سرگودھا روڈ کو جانے والے دائیں نالے پر مکرم میجر عارف زمان خان صاحب کے مکان کے سامنے کہ جہاں اب مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کا مکان ہے وہاں پہلے خالی پلاٹس ہوا کرتے تھے۔اس خالی پلاٹ کی دو طرف یعنی جنوبی اور شرقی جانب اور اس کے علاوہ مکرم صاحبزادہ مرزا اظہر احمد (اچی میاں) صاحب کے مکان کے سامنے سے گزرنے والی نالیوں پر کل چار پُلیاں اپنے خرچ پر بنوا دیں جن کی وجہ سے مسجد مبارک کو جانے والے احباب و مستورات کو نہایت آسانی ہو گئی کیونکہ ان کے بننے سے پہلے ہم لوگ حضرت میاں صاحبؓ کی معیت میں نماز باجماعت مسجد مبارک (اب بیت مبارک) میں ادا کرنے کے لئے جاتے ہوئے وہاں سے پھلانگ پھلانگ کر گزرا کرتے تھے۔اس نیک کام کی وجہ سے نہ جانے کتنے عمر رسیدہ احباب چھوٹے چھوٹے بچوں اور مستورات نے ان پُلیوں کے بنوانے والے کو دعائیں دی ہوں گی۔

مکرم میجر عارف زمان خان صاحب کے نام نامی سے یاد آیا کہ ان کے ایک بیٹے اغلباً سب سے چھوٹے لڑکے مکرم بشیر احمد صاحب میرے ہم عمر تھے اور کلاس فیلو بھی تھے۔ایک دن نماز مغرب کے بعد میں اپنے سائیکل پر گولبازار سے البشریٰ آ رہا تھا کہ نعمت کدہ کے سامنے پہنچتے ہی تحریک جدید اور صدر انجمن کے دفاتر کے درمیان مجھے اپنے آگے ایک سائیکل والا دارالصدر کی جانب جاتا ہوا نظر آیا لیکن میں تو اپنی ہی دُھن میں تھا لہذا کچھ غور نہ کیا کہ کون ہو سکتا ہے کہ اسی دوران اس شخص نے تیز تیز سائیکل چلانا شروع کر دیا۔مجھے چونکہ بچپن سے ہی تیز سائیکل چلانے کی عادت تھی لہذا اس سائیکل والے کی یہ حرکت مجھے بہت پسند آئی اور میں نے بھی اپنی سائیکل تیز کر لی لیکن باوجود اپنے سائیکل کی ۱۲؍وولٹ کی بڑی ڈائنمو کی تیز روشنی کے پیچھے سے دیکھنے پر یہ پتہ نہ چلا کہ اگلے سائیکل پر کون صاحب ہیں لہذا میں نے اپنے سائیکل کی رفتار مزید تیز کر دی لیکن وہ صاحب بھی تیز سائیکل چلانے لگے کہ جس پر میں نے سوچا کہ یہ صاحب مجھ سے مقابلہ بازی کر رہے ہیں اسی دوران مسجد مبارک اور دارالضیافت والی دو رویہ

سڑکوں والا ڈبل چوک آ گیا۔جس کے بعد میں نے اپنے سائیکل کی سپیڈ کو مزید بڑھانا شروع کر دیا اور نصرت جہاں گرلز کالج کے گیٹ سے ذرا آگے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے گھر کے گیٹ کے سامنے پہنچ کر میں نے اس سائیکل والے کو کراس OVERTAKE کر لیا ۔دیکھا تو وہ مکرم بشیر احمد صاحب ابن مکرم عارف زمان خان صاحب تھے۔ بہرحال آگے گزرنے کے بعد میں نے اپنی رفتار کو اور بھی بڑھانا شروع کر دیا ادھر انہوں نے بھی اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن خدا کے فضل سے جب میں شارع صدر کے چوک میں پہنچ کر گھر کی جانب مڑا تو یہ صاحب ابھی حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمدؒ صاحب کے مکان کے پاس ہی تھے۔خیر اگلے دن سکول میں ملاقات ہوئی تو مکرم بشیر احمد صاحب نے نہایت فراخ دلی سے مجھے اس مقابلہ میں جیتنے پر مبارک باد دی اور یہ بھی کہا کہ میں نے تمہارے سائیکل کی تیز روشنی دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ تم میرے پیچھے آرہے ہو کیونکہ اس زمانہ میں پورے ربوہ میں شاید ایک دو سائیکلوں پر ہی یہ بارہ وولٹ والے ڈائینمو لگے ہوئے تھے لیکن میرا خیال نہیں تھا کہ ۱۲ر وولٹ والے بھاری ڈائینمو کے ساتھ اور ہم دونوں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ ہونے کے باعث تم مجھ سے آگے نکل جاؤ گے اور بہت حیرت کا اظہار کیا۔اب میں انہیں کیا بتاتا کہ یہ سب کچھ تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خاص شفقت اور محبت نیز عنایات کا نتیجہ تھا کہ جس کے باعث مجھ میں اتنی توانائی تھی کہ ان دنوں مجھ سے زیادہ ربوہ میں میرا کوئی بھی ہم عمر تیز سائیکل نہیں چلا سکتا تھا اور اسی وجہ سے بعض اوقات مجھے اپنی تیز رفتاری کی بنا پر بائیسکل سے گر کر چوٹیں بھی لگتی رہتی تھیں۔میرے یہاں جرمنی چلے آنے کے بعد جب یہ دونوں باپ بیٹا بھی جرمنی چلے آئے تو ان کے امریکہ چلے جانے سے پہلے وقتاً فوقتاً فرینکفرٹ میں ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن امریکہ جانے کے بعد انہوں نے یاد نہیں کیا یا شائید بھول گئے ؟ بہرحال اللہ انہیں خوش رکھے۔آمین

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بال تراشنے کے لئے ربوہ کے خواجہ ریسٹورانٹ سے متصل گولبازار کے مکرم محمد عبداللہ صاحب (محلّہ دارالیمن ربوہ) حضرت میاں صاحبؓ کے دردولت پر حاضر ہوتے اور میں نے دیکھا کہ وہ حضرت میاں صاحبؓ کے بال کاٹتے چلے جارہے ہیں اور ساتھ ہی مختلف امور پر باتیں بھی کرتے چلے جارہے ہیں اور حضرت میاں صاحبؓ خاموشی سے سنتے چلے جارہے ہیں-البتہ کبھی کبھی حضرت میاں صاحبؓ مسکرا پڑتے یا ان سے کچھ پوچھ لیتے اور جب کام ختم ہو جاتا تو انہیں کم از کم ایک روپیہ دے کر واپس بھجواتے جو کہ مکرم محمد عبداللہ صاحب اپنی کسر نفسی کی وجہ سے نہ لینے کے لئے اصرار کرتے لیکن حضرت میاں صاحبؓ یہ رقم انہیں ضرور عنایت فرماتے-اس زمانہ میں ایک روپیہ کی رقم ایک عام آدمی کے لئے بہت بڑی رقم ہوا کرتی تھی اور عام بال کٹوانے کی قیمت مردوں کے لئے چار آنہ اور چھوٹے بچوں کے لئے دو آنہ ہوا کرتی تھی کہ جس میں ہاتھ پیر کی انگلیوں کے ناخن کٹوانا بھی شامل ہوتا تھا لیکن اگر کسی نے سپیشل بال کٹوانے ہوتے تھے تو اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ آٹھ آنہ ہوا کرتی تھی-

مجھے یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مکرم بشیر احمد خادم صاحب اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو بھی رہائشی زمین کا ایک ایک قطعہ لے کر دیا اور ہمارے اس قطعہ پر تعمیر ہونے والے مکان کی بنیادی اینٹ پر نہایت ہی خشوع وخضوع سے دعا فرمائی-اس بنیادی اینٹ پر دعا کروانے کے لئے خاکسار اپنی والدہ صاحبہ کی ایماء پر بذریعہ سائیکل حضرت میاں صاحبؓ کی عنایت فرمودہ زمین پر گیا اور وہاں اینٹوں کے ڈھیر میں سے ایک اینٹ کو لے کر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا-اسی سلسلہ میں خاکسار کی ہمشیرہ زبیدہ نسیم صاحبہ نے مجھے بتایا کہ حضرت میاں صاحبؓ نے اس مکان کی تعمیر مکمل ہونے پر ایک دن اشک بار آنکھوں سے ہم سے دریافت فرمایا کہ:-

''کیا اب تم لوگ ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ ''

جس پر ہماری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نے جواباً عرض کیا کہ نہیں میاں صاحب! ہم یہیں آپؓ کی خدمت میں ہی رہیں گے۔(زبانی روایت از آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ۔جرمنی)۔بہرحال اس وقت تو ہم بچوں کو اس مکان کے بنوانے کی غرض سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ تمام ''البشریٰ'' ہمارے ہی استعمال میں تھی لیکن حضرت میاں صاحبؓ کی وفات ستمبر ۱۹۶۳ء کے کچھ عرصہ کے بعد جب فروری ۱۹۷۰ء میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی ایک لمبی بیماری کے بعد بقضائے الٰہی وفات پا گئیں تو تب ہمیں اس مکان کی افادیت کا علم ہوا۔اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے آپؓ کی دوربین اور نظر شناس نگاہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؓ کو ہمارے معاملہ میں کس قدر گہرا علم تھا اور اب مجھے یاد آتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو ہمارے مکان کی جلد تعمیر کا کیوں اتنا زیادہ خیال رہتا تھا؟ آپؓ کی حد درجہ دور اندیشی نے ہمیں گھر سے بے گھر نہیں ہونے دیا۔

حضرت قمرالانبیاءؓ کی جود و سخا کے بارہ میں حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''اللہ تعالیٰ نے حضرت میاں صاحبؓ کو ایسا دل دیا تھا جو ہر مصیبت زدہ کی مصیبت پر پسیج جاتا تھا اور آپؓ ہر ممکن طریق سے اس شخص کی امداد کرتے تھے۔بلکہ بعض دفعہ عام راستہ سے ہٹ کر بھی مصیبت زدہ کی دستگیری فرماتے تھے۔اور اگر اس شخص کی مشکل کو کوئی دوسرا حل کرسکتا ہو تو حضرت میاں صاحبؓ بڑے شوق سے اس دوست کے پاس گرفتارِ مصیبت کی سفارش فرماتے تھے اور جب تک امداد نہ ہو جاتی آپؓ کو چین نہ ہوتا۔آج کے زمانہ میں یہ چیز نایاب و ناپید ہے مگر حضرت میاں صاحبؓ میں یہ خوبی بہت نمایاں رنگ میں موجود تھی۔یہی وجہ تھی کہ آپؓ مرجع خاص و عام تھے۔غرباء اور امداد کے محتاج ہر طبقہ کے افراد آپؓ کے پاس پہنچتے تھے اور آپؓ کا دروازہ ہر ایسے شخص کے لئے کھلا رہتا تھا جسے آپؓ کی امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔غریب پروری کا یہ جذبہ اتنا نمایاں اور اتنا عام تھا کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے پُوری طرح فیض یاب ہوتے تھے۔غیر مسلموں میں سے غریب اور مستحقین امداد بھی آپؓ کی جود و سخا سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔آپؓ کی خدمت بنی نوعِ انسان سے سب فائدہ اٹھاتے تھے۔اس کی ہزاروں مثالیں ہیں۔حضرت میاں صاحبؓ کی ایک عظیم اور قابل تقلید خصوصیت یہ تھی کہ آپؓ ہر شخص کے خط کا جواب ضرور دیتے تھے۔دعائیہ خطوط تک کے باقاعدہ جواب کا التزام فرماتے تھے بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کے لئے خود اخبار میں تحریک فرماتے تھے جو سلسلہ کی خدمت کرتے ہیں۔اگر کسی خاص خادم کی وفات ہوتی تھی تو آپؓ اس کا ذکرِ خیر فرماتے تھے جس سے اس کے لئے دعا کا موقعہ پیدا ہو جاتا تھا اور پسماندگان کے لئے تعزیت اور تسلی کا گونہ سامان ہو جاتا تھا۔حضرت میاں صاحبؓ کی ذرہ نوازی تھی کہ آپؓ غریب اور کمزور انسانوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے۔خود دعائیں کرتے تھے اور دوسروں سے دعائیں لیتے تھے۔اور ہر شخص کے خط کا مشفقانہ جواب دینا آپؓ کی عادت میں داخل تھا۔آپؓ سب بنی نوع انسان کے خیر خواہ تھے اور مقدور بھر ہر شخص کی ضرورت کو پُورا فرماتے تھے۔آج آپؓ کے وجود کی اشد ضرورت ہے کیونکہ سلسلہ کے لئے کچھ مشکلات درپیش ہیں۔سچ ہے و فی اللیلة اللیلاء یفتقد القمر اندھیری رات میں چاند کی بہت تلاش ہوتی ہے،مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت پُوری ہوئی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)''۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲۳)

درج ذیل واقعہ میری آنکھوں کے سامنے کوٹھی البشریٰ ربوہ میں پیش آیا لیکن میں یہاں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے الفاظ میں بیان کرنا زیادہ مناسب خیال کرتا ہوں۔آپؓ کی منکسر مزاجی اور غریب پروری کا ذکر خیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ:۔

’’قادیان کی ایک بوڑھی خاکروبہ سلام کے لئے حاضر ہوئی اور زمین پر بیٹھنے لگی تو آپؓ نے فرمایا ’’ اُٹھو! اور کرسی پر بیٹھو‘‘- اور وہ عورت جسے گھر کے ایک خادم کے سامنے بھی کرسی پر بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی- اسے باصرار آپؓ نے کرسی پر بٹھایا- اور اپنے خادم خاص بشیر احمدؐ سے کہا کہ قادیان سے آئی ہے- پُرانی خادمہ ہے اس کے لئے چائے لاؤ- لیکن اس نے یہ کہہ کر کہ ابھی فلاں کے گھر سے چائے پی کر آئی ہوں- معذرت پیش کر دی- پھر آپؓ بڑی ہمدردی سے کافی دیر تک اس کے حالات پوچھتے رہے- ذرہ نوازی کی ایسی مثالیں ہر زمانہ میں ہی کم ملتی ہیں مگر آج کی دُنیا میں تو خصوصاً اخلاق کے یہ مظاہرے عنقا ہوتے جاتے ہیں --- پس! جب بشیر سے یہ واقعہ سُنا تو حضرت میاں صاحبؓ کے لئے دل سے خود بخود ایک بے اختیار دعا نکلی- ایک ایسی دعا جو ایک غیر ارادی حرکت کی طرح دل سے پھوٹتی ہے- اب ایسے ذرہ نواز ایسے منکسر المزاج وجود ہم میں کتنے رہ گئے ہیں ؟ جو ہیں خدا انہیں سلامت رکھے اور جو گذر گئے ہیں انہیں اپنی رحمتوں کے سائے تلے جگہ دے- آمین‘‘- (ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

مجھے یاد ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ دوپہر یا رات کو سوتے ہوئے خراٹے نہیں لیتے تھے اس لئے گرمیوں کی دوپہر کو جب کبھی آپؓ دوپہر کے وقت استراحت فرماتے تو کبھی کبھی مکرم بشیر احمد خادم صاحب بھی باہر کی گرمی سے گھبرا کر حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ میں ہی ٹھنڈے فرش پر سو جاتے تو حضرت میاں صاحبؓ کو ان کے خراٹوں کی بدولت بے حد تکلیف ہوتی اور آپ سکون سے قیلولہ نہ فرما سکتے -آپؓ کی بے سکونی کی حالت بستر پر آپؓ کا ادھر ادھر کروٹیں لینا ہی ثابت کر دیتا تھا لیکن مجھے آپؓ کا صبر جمیل دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ آپؓ نے کبھی بھی مکرم بشیر احمد صاحب کو اپنی بے چینی کا شائبہ تک نہیں ہونے دیا بلکہ جب کبھی وہ اپنے ہی خراٹوں کی اونچی آواز سے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتے تو آپؓ مسکراتے ہوئے فرماتے کہ آج تو تم خوب سوئے- اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ بے حد حساس طبیعت کے مالک تھے- اس لئے اگر آپؓ کسی کو کوئی بات سمجھاتے بھی تو اس کے جذبات کا بھی خیال مقدم رہتا اور پھر اگر کسی کی کسی غلطی پر خفگی کا اظہار بھی کرتے تو بھی اس میں محبت کا پہلو نمایاں ہوتا کیونکہ انسان صرف اُسی سے خفا ہوتا ہے کہ جس سے کوئی تعلق ہو یا جس پر کوئی مان ہو لہذا حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اس بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ حضرت عمو جانؓ کی طبیعت بہت حساس تھی مگر باوجود اس کے آپؓ ہمیشہ درگذر فرماتے- اگر کبھی ناراضگی بھی ہوتی تو ایسے رنگ میں اظہار فرماتے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو- دراصل اس کا مقصد بھی اظہار تعلق ہوتا نہ کہ ناراض ہونا‘‘- (روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۱)

مجھے یاد ہے کہ جب کسی شادی بیاہ یا عید اجتماع یا جلسہ سالانہ وغیرہ کے موقعہ پر حضرت قمرالانبیاءؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بچے، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ربوہ تشریف لاتے تو پھر میری عیش ہو جاتی اور عید یا جلسہ یا چھٹیوں کا مزہ دوبالا ہو جایا کرتا تھا کیونکہ ایک تو ہم سب ایک دوسرے سے مل بیٹھتے، حال احوال پوچھتے اور کچھ ان کی اور کچھ اپنی سنتے سناتے دوسرے مختلف کھیلیں ہوا کرتی تھیں کہ جن میں سے لڈو، شطرنج، کوکلا چھپا کی، چور چور یعنی لکن میچی اور سٹاپو وغیرہ قابل ذکر ہیں- اسی طرح ان ایام میں ہمیں معمول کی نسبت زیادہ اور بار بار مختلف قسم کی کھانے پینے کی اشیاء دستیاب ہوا کرتی تھیں کہ جن کے لئے ہم سب بچے کسی نہ کسی بہانہ سے ابا جان حضرت میاں بشیر احمدؐ صاحبؓ کے کمرہ میں آتے جاتے رہتے تھے لیکن اِدھر ہم نے حضرت میاں صاحبؓ کے دستِ مبارک سے ریوڑیاں، سفید یا براؤن مشری، مرمرہ، بسکٹ، سفید یا گلابی رنگ کی چینی والے میٹھے بادام، نمک پیارے، شکر پارے، میسو، بتیسا (پتیسا)، جلیبیاں، لڈو یا برفی کھائی اور اُدھر ہم تمام بچے آگے پیچھے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں جا حاضر ہوئے- آپؓ بھی ہم بچوں کے لئے ہمیشہ کشمش بنوا کر رکھتیں- یہ اخروٹ، بادام، مونگ پھلی،

خشک ناریل اور منقہ سے تیار کی ہوئی کھچڑی کا نام ہے- اور یوں ہم تمام بچوں کو جیبیں بھر بھر کر کشمش ملا کرتی تھی - پہلے پہل تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ خود اپنے ہاتھ سے کشمش تقسیم فرماتی رہیں لیکن بڑھاپہ بڑھ جانے کے باعث جب آپؓ میں اتنی ہمت نہ رہی تو پھر اپنی کسی صاحبزادی صاحبہ یا بہو بیگم صاحبہ یا میری والدہ محترمہ کو ہی بچوں میں کشمش تقسیم کر دیا کرنے کا حکم دیا- اس کے علاوہ سردیوں کے آغاز میں ہی جلسہ سالانہ سے کچھ قبل حضرت میاں صاحبؓ میری والدہ محترمہ سے سوہن حلوہ بھی تیار کروا کر رکھ لیا کرتے تھے اور پھر شام کی چائے کے علاوہ بھی یہ لذیز حلوہ گاہے بہ گاہے ہمیں کھانے کو ملا کرتا تھا- خالص اشیاء سے تیار کیا ہوا سوہن حلوہ ایک انتہائی لذیز مٹھائی ہے لیکن اس کے بنانے میں بہت وقت درکار ہوتا ہے اور نہایت دقت اٹھانی پڑتی ہے- شائید اسی لئے اسے شاہی مٹھائی بھی کہا جاتا ہے؟

ایک دفعہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بیماری کی وجہ سے ہم لاہور میں ریس کورس روڈ والی کوٹھی میں مقیم تھے تو ایک دن حضرت میاں صاحبؓ نے ازراہ شفقت مجھ سے دریافت فرمایا کہ کھلونے تو اب تمہارے پاس بہت سے اکٹھے ہو گئے ہیں البتہ ان کھلونوں کے علاوہ تمہیں یہاں لاہور میں اور کیا پسند ہے ؟ تو میں نے طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کی بسوں سے اپنی ازلی اور ابدی محبت کی وجہ سے عرض کیا کہ دومنزلہ بسیں کیونکہ میرے دل کی یہ خواہش تھی کہ لاہور سے سرگودھا جانے والی طارق ٹرانسپورٹ کی بس اگر دومنزلہ ہو تو سفر کا مزہ یقیناً دوبالہ ہو جائے گا- بہر حال یہ سنتے ہی آپؓ نے اسی وقت اپنے خادم مکرم بشیر احمد صاحب کو کچھ رقم دے کر ارشاد فرمایا کہ: ”بشیر! جاؤ اور سُودے خاں کو اومنی بس سروس کی DOUBLE DECKER BUS ڈبل ڈیکر بس میں سیر کروا کر میاں مظفر احمد کے دفتر لے جاؤ اور پھر وہاں چائے بھی پلوانا اور یہ بھی فرمایا کہ اسے ڈبل ڈیکر بس میں اوپر کی منزل میں سب سے آگے بٹھانا“-

اس دن میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی ڈبل ڈیکر (دومنزلہ) بس میں سفر کیا- لاہور میں ۲۳ ریس کورس روڈ والی کوٹھی کے بالکل سامنے اسی سڑک پر ہی اومنی بسوں کا بس سٹاپ موجود تھا لہذا وہیں سے ڈبل ڈیکر بس کا مزیدار سفر شروع ہوا- طارق ٹرانسپورٹ کی بسوں میں تو ہم لوگ عموماً سفر کیا ہی کرتے تھے لیکن ڈبل ڈیکر بس کا سفر تو ایک سات آٹھ برس کی عمر کے بچے کے لئے ایک بالکل ہی نیا اور نرالا تجربہ تھا اور وہ اس لئے کہ ہر موڑ پر مجھے تو بالکل یوں محسوس ہوتا تھا کہ بس اب نیچے گرے کہ اب کیونکہ اوپر بیٹھے ہوئے شخص کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام دنیا ہی اس کے سامنے گھوم رہی ہے- خیر اس ڈبل ڈیکر بس کی سیر کے بعد ہم دونوں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کے دفتر پہنچے- وہاں میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایک عظیم الشان محل نما بنگلہ مکان اور اس میں ایک خوبصورت سجا سجایا دفتر دیکھا- دروازہ پر دربان موجود تھا اس کے ذریعہ سے اندر اطلاع کروائی تو حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کے سیکرٹری صاحب ہمارا نام سنتے ہی فوراً باہر تشریف لائے اور ہمیں نہایت عزت و اکرام کے ساتھ اندر لے گئے- باہر خوبصورت لان اور باغیچوں میں مہکتے ہوئے پھول، قد آور گھنے درخت اور اندر؟ بس یہ سمجھئے کہ یہ دفتر کم اور ایک خوبصورت صاف ستھرا ڈرائینگ روم نما تازہ بتازہ خوشبودار پھولوں سے آراستہ کمرہ زیادہ تھا- آرام دہ فرنیچر قیمتی قالین سرسبز پودے ہر چیز قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر موجود غرض ایک نہایت ہی لبھا دینے والا منظر تھا- اس ملاقات کے بعد ہماری واپسی پھر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کی کار میں ہوئی- اس کار سے یاد آیا کہ وہ ایک - HILLMAN - کار تھی اور چند روز قبل ہی ہم اسی کار کے ذریعہ حضرت قمر الانبیاءؓ کی معیت میں ربوہ سے بعد دوپہر چار بجے چل کر شام ڈھلے تقریباً آٹھ بجے لاہور پہنچے تھے- اس زمانہ میں بذریعہ موٹر کار بھی یہ سفر ساڑھے تین چار گھنٹہ سے کم کا نہیں ہوتا تھا-

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جب آپؓ کو صدر نگران بورڈ چنا گیا تو آپؓ کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں اور ان ایام میں بعض اوقات معمولات سے ہٹ کر بھی سلسلہ کے مختلف کام سرانجام دینا پڑتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات کسی منصوبہ کے بارہ میں فوراً فیصلہ بھی کرنا پڑتا تھا یہ کام کبھی دفتری اوقات کے دوران اور کبھی بعد میں بھی ہوتا۔ آپؓ کے ارشادات عموماً تحریری ہؤا کرتے تھے کہ جنہیں مکرم بشیر احمد خادم صاحب کسی نہ کسی دفتر یا ربوہ کے کسی نہ کسی فرد تک پہنچایا کرتے تھے لیکن اگر کبھی وہ نہ ہوتے تو اشد ضرورت کے باوجود بھی آپؓ نے مجھ سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وہ سامنے دفتر ہے میرا یہ رقعہ وہاں دے آؤ۔ اس امر کا ذکر میں آپؓ کی سیرت کے اس پاکیزہ پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ ہمارے بعد آنے والے جماعت عالیہ احمدیہ کے معزز احباب کو یہ بات یاد رہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بچوں پر کتنی زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے کہ کسی ضروری کام اور انتہائی اہم درپیش معاملہ کے باوجود بھی کبھی کسی کام کے لئے خاکسار کو طلب نہیں کیا حالانکہ میں تو ہر وقت ایک سایہ کی طرح آپؓ کی خدمت اقدس میں ہی موجود رہا کرتا تھا اور آپؓ کسی وقت بھی مجھے کوئی بھی حکم ارشاد فرما سکتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی کبھی مجھ سے کوئی کام نہیں لیا۔ آپؓ کی کسی بچے پر شفقت کی اس سے زیادہ بڑی کوئی بھی مثال اس وقت میرے سامنے موجود نہیں۔

جیسا کہ میں اس کتاب میں بار بار ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ ہم پر بہت زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے اور آپؓ کی ہم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف ہماری خبر گیری فرماتے بلکہ اولاد در اولاد سے بھی آپؓ کو بے حد پیار تھا اور ان کی ذرہ سی تکلیف کو بھی برداشت نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ (حفیظہ) بیگم صاحبہ جو گرمیوں کی چھٹیوں میں سعودی عرب سے اپنے بچوں کے ہمراہ چھٹیاں منانے پاکستان تشریف لائی ہوئی تھیں اور حضرت میاں صاحبؓ نے انہیں اپنی خاص شفقت سے ایک کمرہ دالان سمیت رہائش کے لئے دے رکھا تھا۔ آپؓ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تھوڑی تھوڑی برفی اپنے دستِ مبارک سے چکھایا کرتے تھے۔ ایک دن دوپہر کو میرے سب سے بڑے بھانجے عزیزم مکرم منور احمد ندیم صاحب (حال مقیم جرمنی) برفی کھانے کے شوق میں ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ اب جب وہ البشریٰ کے زنانہ صحن کے تپتے ہوئے فرش پر پہنچے تو ان کے پاؤں جلنے لگے اور وہ چلانے لگے۔ حضرت میاں صاحبؓ اس وقت آرام فرما رہے تھے لیکن اس کے باوجود آپؓ ہم سب سے پہلے اپنے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور عزیزم کو اپنی مقدس بانہوں میں اٹھا کر اپنے کمرہ میں واپس تشریف لے گئے اور پھر برفی دے کر دلاسہ دیا اغلباً ان کے تلوے بھی سہلائے۔ عزیزم مکرم منور احمد ندیم صاحب اس وقت بہت چھوٹے تھے اور زیادہ باتیں بھی نہیں کرتے تھے اس لئے وہ عموماً آپؓ کی شلوار کو پکڑ کر آپؓ کو اُس الماری تک کھینچتے ہوئے لے جاتے کہ جس میں برفی رکھی ہوئی ہوتی تھی اور آپؓ بھی مسکراتے ہوئے ان کو برفی کھلایا کرتے تھے اور فرماتے کہ:۔" دیکھو! بچے کتنے ذہین ہوتے ہیں"۔

میری ان سب سے بڑی ہمشیرہ سے حضرت میاں صاحبؓ دوسرے کھانوں کے علاوہ عموماً بکرے کی اوجھڑی، مٹر قیمہ، چھوٹے گوشت کے ساتھ بھنڈی توری، بکرے کے پائے وغیرہ بھی پکوایا کرتے تھے۔ اوجھڑی اور پائے اس لئے کہ ان کے پاس ایک پریشر ککر تھا کہ جس میں پک کر بکرے کے یہ پائے یا اوجھڑی وغیرہ خوب اچھی طرح نرم ہو جایا کرتے تھے اور آپؓ بڑے شوق سے انہیں تناول فرماتے کیونکہ یہ آپؓ کے بے حد پسندیدہ اور مرغوب کھانے تھے۔ ویسے میں یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ایک پریشر ککر البشریٰ میں بھی موجود تھا جو کہ کبھی کبھی استعمال ہؤا کرتا تھا۔ بہر حال میری اس ہمشیرہ کو آپؓ تمام عمر ہی اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے اور پردیس میں دوری ہو جانے کی وجہ سے ان کا بہت خیال رکھتے رہے اور بار بار خیر و عافیت کے خطوط کا تبادلہ رہتا۔ اور جب وہ آپؓ کے یہاں چھٹیاں گزارنے آتیں تو بنفس نفیس خود تشریف لے جا کر ان کا اور ان کے بچوں کا حال احوال دریافت فرماتے۔ اللہ! اللہ! کہ اپنی بیماری اور کمزوری کو بھول کر اپنے مہمان کی ضروریات کا زیادہ خیال رکھا کرتے تھے

نیز اولاد در اولاد کے بارہ میں آپؓ کی تشویش حضرت میاں صاحبؓ کے ایک مکتوب گرامی سے بھی ظاہر و باہر ہے- وہ خط پیش خدمت ہے:-

بسم اللہ

عزیزہ امتہ الحفیظ سلمہا السلام علیکم

تمہارا خط ملا- تم نے یہ خط ایسی جلدی میں لکھا ہے کہ اس کے سر پیر کا کچھ پتہ نہیں لگتا- فقرے بھی نامکمل ہیں---تم نے لکھا ہے کہ کوئی ''خاص بات نہیں'' - بھئی! خاص نہ سہی- عام بات ہی لکھ دو---عزیز تنویر کی بیماری کا معلوم کر کے فکر ہوا- امید ہے اب وہ بہتر ہوگا- مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر ضیا الدین صاحب یا ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کو دکھا لو- منور تو اچھا ہوگا- والسلام- دستخط (مرزا بشیر احمد)- از جابہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۶۱ء

ایک خاص بات جو میں نے آپؓ میں دیکھی وہ یہ تھی کہ آپؓ اپنی پدرانہ شفقت کے باعث اپنے بچوں اور قریبی عزیزوں کو گھر سے روانہ کرتے وقت ہمیشہ باہر برآمدہ تک تشریف لایا کرتے تھے اور الوداع کرتے ہوئے کار کے چلنے تک دعاؤں میں مصروف رہا کرتے تھے اور خدا حافظ و ناصر یا فی امان اللہ کہتے ہوئے رخصت فرمایا کرتے تھے- بچوں سے پیار کے موضوع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

'' بچوں سے محبت اور پیار کرتے تھے اور یہ ارشاد بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ بچوں سے پیار فرمایا کرتے تھے- آپؓ اس پیار میں اتنا بڑھے ہوئے تھے کہ ہمیشہ اپنی الگ الماری میں بچوں کے لئے گولیاں- ٹافیاں- غبارے- مرمرہ- پھلیاں- آم- پاپڑ اور سردیوں کے موسم میں چلغوزے اور دیگر خشک میوہ جات وغیرہ مقفل رکھتے تھے- الماری کیا تھی گویا ایک چھوٹے بچے کی دلچسپی کی دوکان تھی البتہ اس دوکان سے پیسوں کے نہیں بلکہ ہمیشہ محبت اور شفقت اور معصوم خوشیوں کے سودے ہوا کرتے تھے- بچے بڑی کثرت سے عمو صاحب کو ''سلام'' کرنے جاتے اور واپسی پر صرف سلامتی کی دعا ہی نہیں بلکہ اپنی اشتہا کی دوا بھی لے کر لوٹتے تھے- خاندان کے بچے بھی کچھ کم نہ تھے- غیر از خاندان بچوں کو بھی جب آپؓ کی اس شفقت کا علم ہوتا تو پر امید نگاہوں سے جو کبھی مایوس نہیں لوٹیں سلام کی سعادت حاصل کرنے کو حاضر ہونے لگتے- کبھی آپؓ تھکے نہیں نہ ماندہ ہوئے- ہمیشہ مسکراتے ہوئے اور بعض اوقات اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں ان بچوں کی غیر معمولی عقیدت پر ایک آدھ فقرہ چست کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے الماری کھولتے اور کبھی خود ہی اس بچہ کے لئے کوئی تحفہ پسند فرماتے- کبھی پوچھتے کہ:'' بتاؤ اس اِس چیز میں سے کیا لوگے؟ ''عموماً بچے اس سوال سے سخت گھبراتے تھے اور ''عمو صاحبؓ ''ان کی اس الجھن کو بھانپتے ہوئے دونوں چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے-

میں تو کچھ اس بناء پر کہ گھر قریب تھا اور کچھ آپؓ کی خاص شفقت کے زعم میں اور کچھ اس لئے بھی کہ مجھے اور بچوں سے کچھ زیادہ ہی بھوک لگا کرتی تھی اکثر دن میں کئی کئی مرتبہ جاتا اور کبھی آپؓ کو اپنے سلاموں سے تنگ آتے نہیں دیکھا اور یہ بھی ایک بلا مبالغہ حقیقت ہے کہ صرف یہی ایک وجہ میرے آنے جانے کی نہیں تھی- آپؓ کی مسلسل بے لوث محبت کی بناء پر مجھے آپؓ سے ایسا پیار ہو چکا تھا کہ بار بار آپؓ کے پاس آنے جانے کو جی چاہتا تھا- جہاں تک آپؓ کی عنایات کا تعلق ہے یہ تو ایک ایسا کنواں تھا کہ اگر پیاسے نہ آئیں تو خود پیاسوں کے پاس پہنچ جانے کا عادی تھا- آپؓ کی عنایات محض بچپن کی عمر تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ خاصی بڑی عمر کے اہل خاندان بھی اس پہلو سے آپؓ کی نظر میں بچے ہی تھے- اگرچہ آخری عمر میں ذمہ داریوں کے بیحد بوجھ اور تفکرات کے غیر معمولی طور پر بڑھ جانے سے بچوں کا خیال پہلے کی طرح نہیں رکھ سکتے تھے مگر پھر بھی جب کبھی کوئی موسمی پھل یا ہندوستان کے کیلے آئے ہوئے ہوں تو آپؓ کے کمرے میں نو عمر زائرین کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھ جایا کرتی تھی لیکن باوجود شدید مصروفیت کے یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ کسی کو صاف صاف نکل جانے کے لئے کہیں مبادا اس کے جذبات کو ٹھیس لگے- چند ہی ماہ کی بات ہے- قادیان سے کیلے

آئے ہوئے تھے-ایک بڑی عمر کی بچی نے جا کر خاص طور پر سلام کیا-اسی خلوص کے ساتھ آپؓ نے برجستہ فرمایا ''وعلیکم السلام-مگر کیلے ابھی کچے ہیں''-(ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ذکر خیر بہ زبانی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ سن کر یاد آیا کہ حضرت قمرالانبیاءؓ جب چھوٹے چھوٹے بچوں کو مختلف رنگوں کے نیلے پیلے سبز سرخ گلابی سفید سیاہ یا جامن رنگ کے غبارے تقسیم فرمایا کرتے تھے تو پہلے آپؓ ان غباروں کو خود اپنے لبوں کے ساتھ لگا کر ان میں ہوا بھرا کرتے تھے اور پھر بڑی نفاست سے ان کے دہانہ کو گانٹھ دے دیا کرتے تھے تا کہ ہوا غبارہ سے باہر نہ نکل جائے-اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ بعض اوقات یہ دیکھنے کے لئے کہ ان بچوں کی صحت کیسی ہے انہیں غبارے دے کر خود ہی پھلانے کا ارشاد فرماتے لیکن جب دیکھتے کہ باوجود زور لگانے کے وہ بچہ غبارے میں ہوا نہ بھر سکتا تو تب آپؓ بچے سے وہ غبارہ لے کر خود اس میں تھوڑی سی ہوا بھر کر اسے واپس دے دیتے اور فرماتے کہ اب کوشش کرو اور ساتھ ہی ساتھ کوئی نہ کوئی خوشگوار تبصرہ بھی فرماتے رہتے الغرض خود بھی ہنستے اور ہم بچوں کو بھی ہنساتے کہ جس کی وجہ سے بعض اوقات ہمیں اس غبارہ میں ہوا بھرنا مشکل ہو جایا کرتی کہ ہم ہنسیں یا اس میں ہوا بھریں؟ اس ضمن میں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت میاں صاحبؓ نے کبھی اس بات کی پرواہ نہ کی تھی کہ جس بچہ کو ابھی غبارہ پھلانے کے لئے دیا تھا لیکن وہ اسے نہ پھلا سکا تو اب اس غبارہ پر بچہ کی تھوک یا لبوں کی نمی وغیرہ لگی ہوئی ہے اس لئے کوئی دوسرا غبارہ لے کر اس میں ہوا بھر کر عنایت فرمائیں-نہیں بلکہ آپؓ وہی غبارہ اس بچہ سے لے کر اسی کو اپنے دہن مبارک سے لگا کر اس میں ہوا بھر کر دیا کرتے تھے-

اس عاجز کو یہ بھی یاد ہے کہ چھوٹے بچوں کو خوش کرنے، بہلانے اور ہنسانے کی بہت سی ترا کیب آپؓ کو آتی تھیں-آپؓ کے پاس ایک چھوٹا سا دوربین نما ایک آلہ ہوا کرتا تھا کہ جس میں چھوٹی چھوٹی رنگین تصاویر سے مزین ایک گول سی ڈسک ڈلتی تھی اور پھر بٹن دبانے سے وہ ڈسک گھوما کرتی تھی-یہ ننھی منی تصاویر اس آلہ میں خوب بڑی بڑی بن کر دکھائی دیا کرتی تھیں-یہ تصاویر پہلے آپؓ خود دیکھا کرتے تھے اور انہیں دیکھنے کے بعد پھر ہمیں بھی دکھایا کرتے تھے اور ان کو دکھانے کے ساتھ ساتھ ان تصاویر پر نہایت ہی پیار بھرا تبصرہ بھی فرمایا کرتے تھے-اس طرح سے ہمارا مزہ دوبالا ہو جاتا تھا اور پھر آپؓ کے کمرہ میں چونکہ سفید ٹیوب لائیٹ بھی لگی ہوئی تھی لہذا وہ تصاویر ہمیں نہایت ہی عمدہ اور اعلیٰ میعار - QUALITY - میں دکھائی دیا کرتی تھیں-مجھے یاد ہے کہ جب آپؓ یہ تصاویر ہمیں دکھایا کرتے تھے تھے تو عموماً آپؓ کے پوتوں یا نواسوں میں سے کوئی صاحب آپؓ کے بستر پر آپؓ کی ایک جانب بیٹھ جاتے تو آپؓ نہایت شفقت سے اس خاکسار کو بھی اپنے ساتھ اپنی دوسری جانب بٹھا لیا کرتے تھے بالکل اسی طرح کی جیسے آنحضرت ﷺ اپنے نواسوں حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو اپنی ران پر ایک جانب اور حضرت سلمہؓ بن زیدؓ کو دوسری جانب-اسی لئے آج جب میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں تو فرط مسرت سے میرا دل بے اختیار بے قابو ہو رہا ہے اور حضرت میاں صاحبؓ کے درجات کی مزید بلندی کے لئے تہہ دل سے بے شمار دعائیں نکل رہی ہیں کہ آپؓ نے اپنے عزیز ترین بچوں اور اپنی ایک خادمہ کے بچے کے درمیان کوئی فرق کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے اس طرز عمل سے تمام دنیا کو یہ باور کروا دیا کہ ایک سچے مسلمان اور پکے احمدی کا اسوہ رسول ﷺ کی تہ دل سے پابندی کرنا اسی کا نام ہے-بہر حال ان تصاویر میں سے آپؓ کی سب سے زیادہ پسندیدہ دو تصویریں تھیں جن میں سے ایک تصویر میں ایک یورپئین چھوٹی سی چار پانچ سالہ بچی دودھ کا ڈول (کمنڈل) اٹھائے ہوئے ہے اور اس میں سے کچھ دودھ چھلک کر اس چھوٹی سی بالٹی (ڈول یا کمنڈل) سے نیچے گر رہا ہے اور وہ بیچاری گھبرا کر اس گرتے ہوئے دودھ کو دیکھ رہی ہے اور اس کے چہرے پر ایک معصوم سا سوال ہے کہ اب کیا ہوگا؟ اور ان میں سے آپؓ کی دوسری پسندیدہ تصویر میں ایک نیل کنٹھ ایک سرسبز و شاداب درخت پر بیٹھا ہوا ہے اور پیچھے

دور تک ہرا بھرا پہاڑ اور گھنا جنگل نظر آ رہا ہے۔اس قدرتی نظارے کو دیکھ دیکھ کر بھی آپؓ بے حد خوش ہؤا کرتے تھے اور ہمیں بھی یہ تصاویر دکھلا کر خوش کیا کرتے تھے۔جَـزَاہُ اللّٰہُ وَ اَحسـنَ الجَـزَأ ۔ نہ جانے اب وہ آلہ اور وہ نایاب تصاویر کس خوش نصیب کے پاس ہیں؟ کیونکہ آپؓ ایسی عمدہ تصاویر دیکھ دیکھ کر بے حد خوش ہؤا کرتے تھے لیکن دنیا کی اس خوبصورتی کو دیکھ دیکھ کر آپؓ پہلے سے بھی زیادہ یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ:۔

''یہ دنیا تو ایک بے ثبات چیز ہے۔سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔پس! آگے کی فکر کرو''

اور اپنے انجام بخیر کے لئے ہر چھوٹے اور بڑے کو بلا تخصیص دعا کی درخواست کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی بچوں کو دعا کے لئے فرمایا کرتے تھے''۔ہر لحظہ اور ہر قدم پر آپؓ تربیت کی غرض سے نصائح کرنے اور ہمیشہ سنت نبوی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور سنت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے کا خیال رکھا کرتے تھے۔

اب جو واقعات میں یہاں بیان کرنے لگا ہوں اس کا گواہ تمام خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ وسلامت ہمارے سروں پر موجود ہے اور میری یہ عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایسے پیارے اور شفیق وجودوں کا سایہ شفقت وعاطفت ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔آمین۔عرض ہے کہ بچپن میں مجھے کاریں (کھلونے) چلانے کا بے حد شوق تھا اور میرے اس شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ مجھے ایک سے ایک نیا کھلونا لے کر دیا کرتی تھیں اور ہانگ کانگ کے بنے ہوئے یہ کھلونے اس زمانہ میں عموماً انارکلی لاہور سے ملا کرتے تھے۔انارکلی بازار کے تقریباً وسط میں ایک جگہ کھلونوں کی دو متصل دوکانیں تھیں لہذا بچوں کو اپنی پسند کا کھلونا ڈھونڈنے میں بہت آسانی رہتی کیونکہ اگر انہیں دوکان کے کھلونے پسند نہ آتے تو وہ ساتھ والی دوکان پر وہیں کھڑے کھڑے نظر دوڑا کر دیکھ لیتا تھا کہ وہاں میری پسند کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ بہرحال ربوہ میں اس وقت تک ایسی کوئی دوکان موجود نہ تھی جو کہ اتنے مہنگے کھلونے رکھ سکتی اور اگر داؤد جنرل سٹور بعد میں نوید جنرل سٹور گول بازار وغیرہ میں کچھ کھلونے ہوتے بھی تھے تو بھی اتنی زیادہ ورائٹی نہ ہوتی لہذا سال میں کم از کم تین چار بار صرف اسی غرض کے لئے لاہور میں واقع انارکلی بازار کے چکر لگتے رہتے تھے۔

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ان کھلونوں کی موٹر کی آواز بے حد اونچی ہوتی تھی بلکہ بعض ملٹری کی جیپوں اور فوجی ٹینکوں پر تو فائر گن بھی لگی ہوئی ہوتی تھی کہ جس میں سے شعلے بھی نکلا کرتے تھے اور وہ تڑ تڑ تڑ کی بے حد اونچی آواز نکالا کرتی تھی اور ان کھلونوں کی موٹر کے شور اور مشین گن کی آوازوں کے ساتھ ساتھ میرے مونہہ سے بھی موٹر کے انجن کی طرح کی آوازیں نکلا کرتی تھیں،کبھی ہارن کے بجنے کی آوازیں غرض عجیب وغریب قسم کا ہنگامہ رہتا۔ان کھلونوں کے ساتھ ساتھ کئی مرتبہ آپ نے مجھے کھلونہ پستول یا ریوالور وغیرہ بھی خرید کر دئے کہ جن میں ایک کاغذ کی پٹی پر کچھ بارود سا لگا ہؤا ہوتا تھا اور وہ پستول یا ریوالور کو چلانے کے وقت تڑ تڑ کی آواز نکالا کرتے تھے اسی طرح ایک ایئر گن بھی لے کر دی تھی کہ جس کی نالی کے سامنے کاک سے بنا ہؤا ایک گٹکا سا ایک رسی سے بندھا ہؤا ہوتا تھا اور اس رائفل کو چلانے سے پہلے اس کی بندوق کی نالی کو پہلے زور لگا کر نیچے کھینچا جاتا تھا تا کہ اس کے پسٹن میں ہوا بھر جائے اور پھر اسے سیدھا کر کے اس سے فائر کیا جاتا تھا جس پر وہ کاک کا گٹکا ہوا میں کافی دور تک اڑتا ہؤا اچلا جاتا تھا لیکن اس رسی سے بندھے ہوئے ہونے کے باعث اس کے گم ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا اور یوں صرف ان کھلونوں کا ہی شور نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کے علاوہ پستول ریوالور اور بندوق وغیرہ کی تڑ تڑ بھی سنائی دیتی رہتی تھی لیکن میں صدقے جاؤں اپنی جان سے بھی پیاری سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کہ انہوں نے کبھی بھول کر بھی مجھے اس طرح کھیلنے اور اتنا شور وغوغہ ڈالنے پر نہیں ٹوکا کہ اتنا زیادہ شور نہ کرو کیونکہ یہ میرے آرام کا

وقت ہے یا میں اس وقت بیمار ہوں یا میں اس وقت سونا چاہتی ہوں - اب جب آپؓ یاد آتی ہیں تو میں یہ سوچ سوچ کر لرز اٹھتا ہوں کہ اپنے بچپن کے انجانے میں نے آپؓ کو کتنی زیادہ تکلیف میں مبتلا کئے رکھا لیکن اس کے باوجود بھی آپؓ کتنی صابر اور بلند حوصلہ نیز شفیق ترین ماں تھیں کہ کبھی مجھ خاکسار کو اس بارہ میں کچھ نہیں کہا کیونکہ آج جب ہمارے اپنے بچے بھی ذرا سا شور کرتے ہیں تو کئی مرتبہ انہیں ٹوکنا پڑتا ہے کہ دیکھو بھئی یہ ہمارے آرام کا وقت ہے یا ہم کچھ ضروری کام کر رہے ہیں یا گھر میں مہمان موجود ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں تو ہر وقت ہی گھر میں ایک طوفان برپا کئے رکھتا تھا - اب یہ سب کچھ سوچ سوچ کر میں کانپ اٹھتا ہوں کہ میں نے اپنے بچپن کی نادانی میں ان معزز بزرگوں کو کتنا تنگ کیا اور اس لئے بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے حق میں اس عاجز کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ہر وقت بے اختیار اور بے شمار دعائیں نکلتی رہتی ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں قبولیت کا درجہ بخشتے ہوئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے درجات بلند سے بلند فرماتا چلا جائے اور جنت الفردوس میں اپنے قرب میں اعلیٰ ترین جگہ عطاء فرمائے - **آمین اللھم آمین**

یہاں مجھے یاد آیا کہ ربوہ میں تو میں نے ایسی قیمتی کھلونا کاریں کسی بچے کے پاس سوائے مکرم صاحبزادہ مرزا تسلیم احمد (بے بی میاں) صاحب کے نہیں دیکھیں اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایسی کاریں چلانے کا شوق سب سے زیادہ میرے دوست مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد (بتو میاں) صاحب کو تھا لہذا جب کبھی بھی وہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم - ایم - احمد) صاحب کے ہمراہ راولپنڈی یا اسلام آباد سے ربوہ تشریف لاتے تو اپنے ساتھ اپنے نئے سے نئے کھلونے بھی ہمراہ لے کر آتے - بس اس کے بعد تو پھر حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا بیٹھنے والا کمرہ (ڈرائینگ روم) صرف ہم دونوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا اور یوں ہماری کاروں کی RACE ریس لگتی - اس ڈرائینگ روم میں ایک سرخ رنگ کا قالین پڑا ہوٴا تھا کہ جس کی روشوں کو ہم سڑکیں سمجھ کر ان پر کاریں چلاتے رہتے - اسی طرح ایک خشک شدہ کچھوا بھی پڑا ہوٴا تھا کہ جس کی ہم سواری بھی کیا کرتے تھے - مکرم ظاہر محمدؒ (بتو میاں) صاحب کے پاس عموماً - MATCHBOX یا DINKEYTOYS - کی کاریں ہوتیں - سکے کی بنی ہوئی ان کاروں میں موٹر نہیں ہوتی لہذا اس کمی کو ہم دونوں اپنے منہ سے مختلف آوازیں نکال کر پورا کر لیا کرتے تھے - اب بھی جب ملاقات ہوتی ہے تو پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ کیا اب بھی کاریں چلانے کی عادت گئی کہ نہیں؟ یا کیا اب بھی مونہہ سے ویسی ہی آوازیں نکالتے ہو؟ اور اس بات پر تو ہم سب ہی بے حد ہنستے ہیں کہ جب دوسری جانب سے یہ جواب ملتا ہے کہ یار! اب تو اپنا گلا ہی ہر وقت خراب رہتا ہے لہذا اب یہ کام ہمارے جونیئرز نے سنبھال لیا ہے -

الحمدللہ ! ثم الحمدللہ ! کہ مجھے بھی اسی مقدس خاندان کی یہ انتہائی قابل رشک اور نہایت ہی قابل تقلید تعلیم و تربیت میسر آئی - اس لئے کسی نے مجھے کبھی کسی دوسرے سے جھگڑتے ہوئے نہیں دیکھا - بہر حال یہاں ذکر ہو رہا ہے کھلونوں کا تو عرض ہے کہ میرے پاس اپنے بھی بہت سے نہایت قیمتی کھلونے ہوٴا کرتے تھے کہ جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے لیکن اس مضمون کے ضمن میں یاد آیا کہ میرے پاس نہ صرف ہانگ کانگ کی ٹین سے بنی ہوئی مختلف موٹر کاریں مثلاً سن ساٹھ کی دہائی کی مشہور ترین شیور لیٹ یا بیوک کی موٹر انجن والی کاریں بلکہ سن تیس یا چالیس کے درمیانی عرصہ میں چلنے والی ٹین کی بنی ہوئی مختلف بسیں اور کاریں بھی ہوٴا کرتی تھیں - ان کے ساتھ ساتھ چینی کی مٹی سے بنے ہوئے کھلونے مثلاً سفید رنگ کی فاختہ اور گہرے سلیٹی رنگ کے ہاتھی وغیرہ بھی ہوٴا کرتے تھے - اس طرح مجھے اپنے بچپن میں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی حسرت دل میں پیدا ہوئی کہ میرے پاس یہ نہیں اور وہ نہیں - اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے پاس اپنے کھلونے نہ تھے بلکہ جیسا کہ پہلے بھی بار بار ذکر ہو چکا ہے میرے پاس اپنے بھی بہت سے کھلونے تھے لیکن جیسا کہ دنیا بھر کے تمام بچوں کی فطرت ہے کہ ان کا اپنے کھلونوں سے جلد ہی دل بھر جاتا ہے

اس لئے انہیں اپنے کھلونوں کی نسبت کسی دوسرے بچے کے کھلونوں سے کھیلنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے- وہی حال میرا بھی تھا- میں بہر حال خاندان مبارک کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان تمام معزز و محترم پیارے دوستوں کا میں آج بھی مشکور اور ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے بھی اپنے کھلونوں سے کھیلنے کا موقعہ دیا- خود بھی خوش ہوئے اور مجھے بھی خوش رکھا- جَزَاہُ اللّٰہُ وَ اَحسَنَ الجَزَاْ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ

ان کھلونوں کے ذکر سے یاد آیا کہ نہ صرف میرے پاس بہت سے قیمتی کھلونے موجود رہتے تھے بلکہ میری بہنوں کے پاس بھی انتہائی قیمتی کھلونے ہوا کرتے تھے- ان کھلونوں میں سے مجھے آج بھی وہ BARBIE باربی کمپنی کی بنی ہوئی قیمتی گڑیاں یاد ہیں کہ جن سے میری بہنیں عموماً گھر میں کھیلا کرتی تھیں- اس زمانہ میں باربی گڑیوں کے زیادہ ماڈل تو دستیاب نہ تھے لیکن جتنے بھی نئے سے نئے ماڈل کی باربی گڑیاں دستیاب ہوا کرتی تھیں وہ میری سب سے بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ سعودی عرب سے لے آیا کرتی تھیں- یہ گڑیاں اس زمانہ میں ہر کس و ناکس کی قوت خرید سے باہر تھیں- اسی طرح میری بہن عزیزہ بشریٰ کے پاس ایک بہت بڑی چابی سے چلنے والی گڑیا تھی کہ جسے جب چابی دے کر صحن میں چھوڑ دیا جاتا تھا تو وہ کافی دیر تک خود بخود صحن میں چلتی چلی جاتی تھی اور بولتی بھی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی بڑی مختلف خوبصورت گڑیاں بھی تھیں کہ جنہیں جب لٹایا جاتا تھا تو وہ آنکھیں بند کرلیا کرتی تھیں اور جب انہیں اٹھا کر بٹھا دیا جاتا تھا تو وہ اپنی نیلی نیلی آنکھیں کھول دیا کرتی تھیں- اسی طرح ان گڑیوں کے مختلف لوازمات بھی تھی یعنی ان کے ملبوسات- دودھ پلانے کے لئے فیڈر اور چوسنے والی چھوٹی سی بتیہ۔ ان کے لئے مکان وغیرہ حتیٰ کہ ان گڑیوں کو سیر کروانے کے لئے PUSCHCHAIR یعنی بچوں کی ٹرالی وغیرہ بھی موجود تھی جو کہ ربوہ کی آبادی کے لئے نئی چیز تو نہ تھی لیکن ایک گڑیا کے لئے ایسی ٹرالی کو خریدنا؟ یہ ایک بالکل نئی چیز تھی- مجھے یاد ہے ان میں سے ایک گڑیا اتنی بڑی تھی کہ اس کی ٹرالی میں میں بھی بیٹھ جایا کرتا تھا لیکن وہ ٹرالی چونکہ ایک گڑیا کے نازک وزن کے مطابق تیار کی گئی تھی اس لئے ایک دن وہ میرا بوجھ برداشت نہ کرسکی اور نیچے بیٹھ گئی کہ جس کے بعد اسے مرمت کروانا پڑا- الغرض قصہ یہ کہ ہمیں کسی بھی قسم کی کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی-

آج یہاں یورپ اور امریکہ میں برصغیر سے تعلق رکھنے والے عوام کو یہ کوئی نئی اچنبھے کی بات محسوس نہیں ہوتی لیکن اگر آپ سن پچاس کی دہائی کے آخری زمانہ میں واپس جا کر دیکھیں تو ربوہ میں بہر حال اس قسم کے کھلونے سوائے خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ لصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی دوسرے گھرانہ میں میں نے نہیں دیکھے یا سنے اس لئے جذبہ تشکر کے تحت ان باتوں کا ذکر بے حد ضروری ہے کہ ہمارا بچپن کتنے لاڈ پیار اور بغیر کسی قسم کی تنگ دستی کے نیز کتنے آرام وسکون سے گزرا- محبت واخوت کی انہی باتوں سے یاد آیا کہ ایک دفعہ حضرت قمر الانبیاءؓ اسلامی اخوت پر مضمون لکھ رہے تھے کہ اس میں رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث آ گئی کہ:-

’’تمام مؤمن ایک دوسرے کے ساتھ رحمت وشفقت کا سلوک کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے اور ایک دوسرے کی طرف تعاون اور ملاطفت کی رُوح کے ساتھ جُھکنے میں بالکل انسانی جسم کا سا رنگ رکھتے ہیں کہ جب اس جسم کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی ماندہ جسم بھی اس بیمار عضو کی ہمدردی میں بے چینی اور بخار اور سوزشِ اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے‘‘

یہ حدیث آپؓ نے ابھی لکھی ہی تھی کہ بغیر کسی انتباہ کے آپؓ کو نقرس کے حملہ نے اچانک آ دبوچا اور بائیں پاؤں کے ٹخنے میں اس شدت کا درد اُٹھا کہ چند منٹوں کے اندر اندر چلنا پھرنا تو درکنار بستر کے اندر پاؤں ہلانا بھی مشکل ہو گیا- آپؓ فرماتے ہیں کہ:-

’’میں نے دل میں کہا- شائد نیرنگی قدرت اس فلسفہ کا پہلا سبق خدا مجھ کو ہی دینا چاہتا ہے اور مجھے کچھ عرصہ کے لئے بے چینی اور بخار کے لئے بھی تیار

ہوجانا چاہیے- چنانچہ یہی ہؤا کہ درد تو صرف بائیں پاؤں کے ٹخنے میں تھا اور ماؤف مقام غالباً ایک انچ قطر سے زیادہ نہیں ہوگا مگر دیکھتے ہی دیکھتے جسم یُوں تپنے لگا کہ جیسے قدرت کی کسی غیر معمولی بھٹی نے سارے جسم میں جلد کے نیچے دہکتے ہوئے کوئلوں کی تہہ بچھا دی ہے اور اس کے ساتھ بے چینی اور اضطراب کا وہ عالم تھا کہ الاماں- اس وقت میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ اس تکلیف دہ بیماری سے شفا پانے کی دعا پہلے کروں یا کہ اس تازہ بتازہ فطری سبق پر خدا کا شکریہ پہلے ادا کروں؟''- (مصباح قمر الانبیاء نمبر صفحہ ۱۷)

اغلباً اپنی اسی قسم کی ہی ایک تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے آپؓ نے اپنے صاحبزادے بریگیڈیئر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب کو تحریر فرمایا تھا:-

قادیان — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴/اکتوبر ۱۹۴۰ء — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مبشر احمد سلمہٗ

اَلسَّلامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَتُہ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

تمہارا خط مؤصول ہؤا- الحمدللہ! کہ تم خیریت سے ہو- میں تم سب کے واسطے دعا کرتا ہوں- اللہ تعالیٰ تمہیں دین و دنیا کے اعلیٰ انعامات کا وارث کرے- آمین- میری طبیعت چند دن سے بہت مضمحل اور گری گری رہتی ہے اور دل پر بوجھ رہتا ہے- اس کے علاوہ پرسوں سے پاؤں کے جوڑ میں سخت درد بھی ہے- میرے لئے بھی دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مفید اور بابرکت زندگی عطا کرے اور اپنی رضا کی رستہ پر چلائے- آمین---اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو- آمین- والسلام- دستخط (مرزا بشیر احمد)

سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے اپنی خادمہ کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اور پھر جس پیار، محبت، شفقت، عنایت اور صلہ رحمی کا سلوک تمام زندگی بھر روا رکھ کر اور ایک ڈھال بن کر ہماری حفاظت کی اور ہر طرح کا بار اٹھا کر آپ دونوں بزرگ صحابہؓ نے اس عاجز کی بہترین تربیت فرمائی وہ اُسوہ رسول ﷺ پر چلنے کی ایک مکمل اور جاذب نظر اور مساوات محمدیؐ کی اعلیٰ ترین اور انمٹ مثال ہے- آج سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی احادیث کو سننے اور سنانے والے تو بہت ہیں لیکن ان پر عمل کرنے والے ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے- حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی مرتبہ ذیل میں درج واقعات مجھے سنائے اور آپؓ نے نہ صرف مجھے سنانے پر ہی اکتفاء کیا بلکہ دنیا کے تمام روائج کو پسِ پُشت ڈال کر اِن احادیث نبویہ ﷺ پر بذات خود عمل کر کے تمام دنیا کو بھی حیرت زدہ کر دکھایا کہ آپؓ واقعی سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے سچے غلام، پکے مرید اور انتہائی مخلص عاشق صادق ہیں اور یوں تمام دنیا کے لئے ایک عظیم الشان یادگار مثال قائم کردی- اس لئے یہاں میں مونہہ بولے بیٹے بیٹیوں کے سلسلہ میں ایک انتہائی اہم واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:-

آنحضرت ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی ایک حبشی لونڈی حضرت ام ایمنؓ تھیں- جب رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا ابواء کے مقام پر وصال ہؤا تو حضرت ام ایمنؓ ہی چھ سالہ آنحضور ﷺ کو بحفاظت مکہ واپس لائیں اور آپؐ کو آپؐ کے دادا حضرت ابوالمطلب کے سپرد کر دیا لیکن اس کے بعد بھی آپؐ کی پرورش میں حضرت ام ایمنؓ کا بڑا ہاتھ رہا- اسی طرح حضرت زیدؓ بن حارث کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت زیدؓ بن حارث کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ آپؓ کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے میکے گئیں تو ڈاکوؤں نے حضرت زیدؓ

بن حارث کو وہاں سے اغوا کرلیا اور اس کے بعد اس آٹھ سالہ بے سہارا بچے زید کو ''عکاظ'' کے بازار میں بیچ دیا- پھر یہ بچہ ایک سے دوسرے ہاتھ میں بکتا ہوُا حکیم بن حزام کو چار سو درہم میں فروخت کیا گیا کہ جنہوں نے اس بچہ کو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کو غلام کے طور پر پیش کیا- آنحضرت ﷺ سے اپنی شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنے اس غلام حضرت زیدؓ بن حارث کو ہبہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا لیکن آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارث سے کوئی خدمت لینے کی بجائے انہیں آزاد کردیا اور پھر ان پر اپنی پرخلوص محبت کی انتہا کردی اور پھر آنحضرت ﷺ کی یہ شفقت و محبت اتنی زیادہ بڑھی کہ آپؐ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا یعنی متبنیٰ بنالیا- حضرت زیدؓ بن حارث کی کنیت ابو اسامہ ہے-

بہر حال تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ یمن کے قبیلہ قزاعہ کے اس بچہ زید کی گمشدگی کا اس کے باپ حارث کو بہت غم تھا اور وہ جگہ جگہ اس کی تلاش میں مصروف رہے- ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر قبیلہ کلب کے کچھ لوگوں نے حضرت زیدؓ بن حارث کو مکہ میں دیکھ کر پہچان لیا اور حضرت زیدؓ بن حارث سے اس بات کی تصدیق لے کر واپس چلے گئے کہ میں ہی وہ گمشدہ بچہ ہوں- یہ خبر سن کر کچھ عرصہ کے بعد حضرت زیدؓ کے والد حارث اپنے بھائی کعب بن شرجیل کے ہمراہ اپنے جگر گوشہ حضرت زیدؓ کو واپس لے جانے کے لئے مکہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ کا پتہ پوچھ کر جب گھر آئے تو آنحضور ﷺ اس وقت خانہ کعبہ میں عبادت کے لئے تشریف لے جاچکے تھے لہذا وہ دونوں بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فدیہ پیش کرتے ہوئے اپنے بچے حضرت زیدؓ کی رہائی کی درخواست کی- اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کو بلا بھیجا اور جب وہ آگئے تو ان سے پوچھا کہ کیا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ حضرت زیدؓ بن حارث نے عرض کیا کہ یہ میرے والد اور چچا ہیں- آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہو تو میں تمہیں بخوشی اجازت دیتا ہوں لیکن اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو تم مجھے میرے پاس رہ کر خوب اچھی طرح سے جانچ چکے ہو- اس پر حضرت زیدؓ نے آنحضور ﷺ کی غلامی کو اپنی آزادی پر ترجیح دی جس پر آپؐ کے والد اور چچا بے حد خفا ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا تم اپنے باپ چچا خاندان اور اپنی آزادی کو اس غلامی پر ترجیح دیتے ہو؟ لیکن حضرت زیدؓ بن حارث نے اپنے آقا آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں ہی رہنا پسند فرمایا- یہ سنتے ہی فرط محبت سے آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کو اپنی بانہوں پر اٹھالیا اور خانہ کعبہ میں ہجر کے مقام کے پاس جاکر وہاں موجود تمام لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ:-

''تم سب گواہ رہنا کہ آج سے زید میرا بیٹا اور میرا وارث ہے''

اور یوں آپؐ کے والد اور چچا ناکام لیکن خوش خوش واپس لوٹ گئے- لہذا اُس دن سے حضرت زیدؓ بن حارث کو زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارا جانے لگا حتیٰ کہ مکہ میں رونپذیر ہونے والے اس واقعہ کے بہت عرصہ کے بعد جب خدا تعالیٰ کی منشاٗ کے مطابق یثرب مدینۃ النبیؐ میں سورۃ احزاب کی یہ آیات نازل ہوئیں:-

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ج وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الّٰئِیْ تُظٰھِرُوْنَ مِنْھُنَّ اُمَّھٰتِکُمْ ج وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآئَکُمْ اَبْنَآئَکُمْ ط ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ ط وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ٥ (الاحزاب: ۵)- یعنی: اللہ نے کسی مرد کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور نہ ہی تمہاری بیویوں کو جن کو تم بعض اوقات غلطی سے ماں کہہ بیٹھتے ہو تمہاری مائیں بنایا ہے اور اسی طرح نہ ہی تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے کیونکہ یہ سب تمہارے مونہہ کی زبانی باتیں ہیں اور اللہ ہی صرف سچ بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بھی دکھاتا ہے-

اور پھر مزید ارشاد فرمایا:-

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَاللّٰهِ ج فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَ هُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ مَوَالِیۡكُمۡ ط وَلَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ فِیۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ لا وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ○ (الاحزاب: ۶)۔یعنی:تمہیں چاہئے کہ تم اپنے لے پالکوں کو ان کے باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک نہایت منصفانہ فعل ہے اور اگر تم کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ دادا کون تھے تو پھر بھی یادرکھو! کہ وہ صرف اور صرف تمہارے دینی بھائی اور دینی دوست ہیں لہذا جو تم غلطی سے پہلے کر چکے ہو اس کے متعلق تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد جس بات پر تمہارے دل پختہ ارادہ کرلیں تو پھر وہ قابل سزا ہوگی لیکن یاد رکھو کہ اس کے باوجود اللہ توبار بار توبہ کرنے والے کو بار بار بخشنے والا اور بار بار اس پر اپنا رحم وکرم نازل کرنے والا ہے۔(الاحزاب: ۶)

تو ان آیات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے نزول کے ساتھ ہی نعوذ باللہ سیدنا آنحضرت ﷺ کی محبت اپنے ان لے پالکوں یعنی حضرت زیدؓ بن حارث اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث سے یکدم ختم ہوگئی۔نہیں! بلکہ صرف اتنا کہ اپنے ان متبنیٰ بچوں سے اپنے بچوں کی طرح ہی محبت تو ضرور کرو اور ان کی ضروریات زندگی کا بھی اپنی اولاد ہی کی طرح خیال بھی ضرور رکھو۔ان کو اپنے گھروں میں اپنی اولاد جیسی سہولتیں بھی ضرور مہیا کرو اور ان کی ناز برداریاں بھی ضرور اٹھاؤ۔ان کی تعلیم وتربیت کا بھی خاص خیال رکھو لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انہیں صرف ان کے والدین اور قبیلوں کے ناموں سے ہی جانو۔اگر اس وقت یہ خدائی فرمان جاری نہ ہوتا تو آج کے زمانہ میں جب کہ اس دنیا کی بیشتر آبادی کا دین اور ایمان قائم نہیں رہا اور مغربی ممالک کی طرح اب مشرقی ممالک میں بھی حرام اولاد کی بہتات ہورہی ہے تو اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہتا۔جیسا کہ بالخصوص مغربی اقوام میں اس وقت ہو رہا ہے یعنی اس آیت کے نزول کے باوجود بھی آنحضرت ﷺ کا پیار حضرت زیدؓ بن حارث اور آپؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث سے کسی بھی طریق پر کم نہیں ہوا بلکہ آنحضور ﷺ کی شفقت ان دونوں پر مزید بڑھ گئی یہاں تک کہ یہ دونوں باپ بیٹا رضوان اللہ علیہم، آنحضور ﷺ کے ارشاد پر مختلف مواقع پر ایسے ایسے لشکروں کے امیر مقرر کئے گئے کہ جن میں بڑے بڑے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی بے چون وچرا ایک عام مجاہد کی طرح آنحضور ﷺ کے مقرر فرمودہ ان امیروں کی قیادت میں جہاد میں شمولیت اختیار کرنے کو اپنے لئے قابل فخر تصور فرماتے تھے۔

سیدنا آنحضرت محمد مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ نے جب خداتعالیٰ کے حکم سے مذہب اسلام کی تبلیغ شروع کی تو آزاد مردوں میں سب سے پہلے آپؐ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ اسی طرح آزاد بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ بن حضرت ابوطالب اور غلام بچوں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ بن حارث آپ پر ایمان لائے۔آزاد عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اور غلام عورتوں میں سب سے پہلے حضرت ام ایمنؓ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں۔آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ام ایمنؓ کے بارہ میں فرمایا کہ اگر کوئی کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے ام ایمن سے نکاح کرنا چاہئیے۔یہ سنتے ہی حضرت زیدؓ بن حارث نے حضرت ام ایمنؓ سے شادی کرلی۔حضرت ام ایمنؓ کے بعد حضرت زیدؓ بن حارث کی شادی آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش سے ہوئی اور ان کے بعد حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ سے بھی ہوئی۔حضرت ام ایمنؓ کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ بن حارث نبوت کے ساتویں سال مکہ میں پیدا ہوئے۔سیدنا حضرت نبی کریم ﷺ کو نہ صرف ان دونوں میاں بیوی سے بہت پیار تھا بلکہ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان دونوں کے بیٹے حضرت اسامہؓ سے بھی اتنا زیادہ پیار کہ اگر آپؐ ازراہ محبت ایک ران پر اپنے نواسے سیدنا حضرت حسنؓ کو بٹھا لیتے تو پھر اپنی دوسری ران پر حضرت اسامہؓ کو بھی بٹھالیا کرتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ: '' اے اللہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں،تُو بھی ان پر

رحم فرما''-اور ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا: ''میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لئے تُو بھی ان سے محبت فرما''-(بخاری کتاب مناقب اسامہؓ)

اور یہی حال حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تھا کہ اگر آپؓ اپنے پلنگ پر ایک طرف اپنے کسی پوتے یا نواسے کو بٹھاتے تو دوسری طرف خاکسار کو بھی بٹھاتے اور یہ ہے وہ مساوات کہ جس کی تعلیم خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی'' بیان کر کے دی ہے اور پھر حضرت رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ملتی ہے اور آنحضور ﷺ کے سچے فدائیوں یعنی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی پاکیزہ اور نیک سیرت زندگی میں بار بار نظر آتی ہے-آپؓ دونوں معزز بزرگ آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ اور آنحضرت ﷺ کی سنت مبارکہ کے عین مطابق ایک دوسرے سے بڑھ کر ہم سے پیار کیا کرتے تھے اور مجھے یاد ہے کہ آپ دونوں معزز رضوان اللہ علیہم عموماً محض ثواب کمانے کی خاطر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی درج ذیل احادیث کی تصویر کامل بنے رہتے تھے-وہ حدیث نبویہؐ بھی حاضر خدمت کرتا ہوں کہ جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے''-(مسلم کتاب البر والصلة والاداب)

پس یہ ہے دراصل وہ سچا اسلام کہ جس کی جانب ہم تمام احمدی مسلمان اپنے غیر احمدی مسلمان بھائیوں بلکہ تمام دنیا بھر کے عوام الناس کو بلا رہے ہیں کہ آؤ اور اس سچے اور اصلی مسیح الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مان کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت زمانہ کی برکات کو حاصل کرلو ورنہ تم اور تمہاری اولاد در اولاد بھی مہدیٔ دوراںؑ کے انتظار میں ناکام و نامراد اس جہان سے جواب طلبی کے لئے خدا کے حضور واپس چلے جاؤ گے لیکن ہمارے سچے اور برگزیدہ مجدد، مہدیؑ، مسیحؑ اور امتی نبی علیہ السلام کے سوا تمہاری راہنمائی کے لئے اب اور کوئی نہیں آئے گا-اسی لئے تو سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

''دنیا مجھے نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے-یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں- میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے-اے لوگو! یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا-اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پُورا نہ کرلے اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے اور اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں-

پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو-کاذبوں کے اور منہ ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور-خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا-میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افتراٗ کے ساتھ ہو اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے-وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لئے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سستی کروں اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین

ایک طرف سے باہم مل کر چلنا چاہیں- جس طرح خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کرے گا- خدا کے مامورین کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم- پس! یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا- خدا سے مت لڑو! یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو'' - (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸-۹)

آنحضرت ﷺ کو حضرت زیدؓ بن حارث بے حد عزیز تھے یہاں تک کہ آپ اپنے بہت سے بچوں پر بھی حضرت زیدؓ بن حارث کو ترجیح دیا کرتے تھے- اس سلسلہ میں حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ بن حضرت ابو طالب اور حضرت عباسؓ جو کہ دونوں آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ کو سب سے زیادہ کس سے پیارا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی کے بارہ میں فرمایا کہ فاطمہ سے- یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ کے خاندان کے افراد مراد نہ تھے- یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ شخص کہ جس کے بارہ میں قرآن میں آیا ہے کہ:- اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ

مکہ سے ہجرت کے بعد حضرت زیدؓ بن حارث کو مدینہ میں حضرت اُسیدؓ بن حضیر انصاری کا اسلامی بھائی بنایا گیا جو کہ قبیلہ عبد الاشھل کے ایک معزز رئیس تھے- حضرت زیدؓ بن حارث تیر اندازی میں بہت مہارت رکھتے تھے- غزوہ بدر سے لے کر غزوہ موتہ تک آپؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی- آپؓ آنحضرت ﷺ کو اتنے زیادہ عزیز تھے کہ غزوہ مریسع کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے آپؓ کو اپنے بعد مدینہ میں جانشین مقرر فرمایا- ان غزوات کے علاوہ بھی آپؓ نے بہت سے مہمات میں حصہ لیا- حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جن مہمات میں بھی حضرت زیدؓ بن حارث نے شرکت کی آنحضرت ﷺ نے ان مہمات میں امارت کی ذمہ داری آپؓ ہی کو سونپی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نو (۹) مرتبہ آپؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر کو روانہ فرمایا- آنحضرت ﷺ نے ۸ ہجری میں حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو شاہ بصریٰ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا- جب وہ وہاں سے واپس آرہے تھے تو موتہ کے مقام پر شرجیل ابن عمر غسانی نے انہیں شہید کر دیا- اپنے سفیر کا بدلہ لینے کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارث کی قیادت میں تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر اس فرمان کے ساتھ روانہ فرمایا کہ اگر زیدؓ بن حارث شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو ان کے بعد عبد اللہؓ بن رواحہ- اس پر بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضرت زیدؓ بن حارث کی قیادت پر اعتراض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:- ''یہ امارت کا اہل ہے اور مجھے بے حد محبوب ہے'' - اس مہم میں مدمقابل عیسائی لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی لیکن حضرت زیدؓ بن حارث جوانمردی سے شعر پڑھتے ہوئے علم اسلامی ہاتھ میں لئے دیوانہ وار دشمن کی صفوں میں جا گھسے- آپؓ کا جسم نیزوں سے چھلنی ہو گیا اور یوں آپؓ راہ مولا میں شہید ہو گئے- حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی- یہ خبر سن کر شدت غم سے آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اسی حالت میں آپؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہ خبر سنائی- حضرت زیدؓ بن حارث کی اولاد تین بچے تھے یعنی دو بیٹے حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ بن حارث اور حضرت زیدؓ بن زیدؓ بن حارث اور ایک بیٹی حضرت رقیہؓ بنت حضرت زیدؓ بن حارث- مساوات محمدی ﷺ اور اتباع رسول اللہ ﷺ کے اسی تسلسل میں مزید ایک اور واقعہ بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی پُرسوز اور رقت آمیز آواز میں سنایا کرتے تھے- واقعات کے تسلسل میں وہ واقعہ بھی میں آپ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں- ملاحظہ فرمائیں:-

جنگ موتہ میں رومی سرحد پر جب بہت سے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ آنحضرت محمد مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ کے مونہہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ ابن حارث نے بھی جام شہادت نوش کیا تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت زیدؓ بن حارث کے اٹھارہ سالہ نوجوان

بیٹے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ ابن حارث کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار ہوا کہ جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی شامل تھے۔آنحضرت ﷺ ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث کی خداداد صلاحیتوں اور جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ عموماً آپؓ کو مختلف جنگی مہمات پر امیر مقرر فرمایا کرتے تھے۔پس اس مرتبہ بھی جب آپؓ کی کم عمری کے باعث اعتراض پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان اعتراض کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''تم لوگوں نے اسامہ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا ہے اور اس سے پہلے تم اس کے باپ زید کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو مگر خدا کی قسم جس طرح زید امارت کا حقدار اور اہل تھا نیز میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا بالکل اسی طرح اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہے''۔(**بخاری کتاب الفضائل صحابہ رضوان علیہم**)

اس لشکر کی روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو علم اسلامی عطاء فرما کر دعا کے بعد ملک شام کی جانب رخصت فرمایا لیکن ابھی یہ لشکر مدینہ سے کچھ ہی دور گیا تھا کہ سیدنا آنحضرت ﷺ شدید بیمار پڑ گئے اور آنحضرت ﷺ کی بیماری کی شدت کی خبر سن کر یہ لشکر وہیں رک گیا اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ مقام جرف سے آنحضور ﷺ کی خدمت میں مزاج پُرسی کے لئے واپس مدینہ چلے آئے اور آتے ہی آنحضور ﷺ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا۔آنحضور ﷺ خاموش تھے لیکن اپنا بابرکت ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔دوسرے دن جب آنحضور ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آنحضور ﷺ نے لشکر کی پھر دوبارہ روانگی کا فرمان ارشاد فرمایا لیکن لشکر ابھی کُوچ کی تیاریوں میں ہی تھا کہ آنحضرت ﷺ بتقدیر الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)۔اس المناک اور جانکاہ حادثہ کے بارہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے وقت میری گود کا سہارا لے کر لیٹے ہوئے تھے اور یہ دعا کرتے تھے:۔''اے میرے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے اپنے اعلیٰ ساتھی سے ملا (یعنی اپنا قرب عطاء فرما)''۔(**بخاری کتاب المرضی باب نھی تمنی المریض الموت**)۔ یوں آنحضرت ﷺ اپنی سب سے زیادہ چہیتی زوجہ محترمہ (بیوی) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ (کمرہ) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔آنحضرت ﷺ کے وصال اکبر کے بعد حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ بن حارث، آنحضور ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔حضرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ نے پیر کے دن وفات پائی اور منگل کے دن مدفون ہوئے۔آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ لوگوں نے الگ الگ گروہوں کی شکل میں پڑھی اور کسی نے ان گروہوں کی امامت نہیں کرائی۔صحابہ رضوان علیہم میں سے کچھ احباب کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے جسد مبارک کو مسجد نبوی میں منبر کے قریب اور بعض دوسرے اصحاب رضوان علیہم کی رائے یہ تھی کہ آپؐ کے جسد مبارکہ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بتایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: ''نبی اُسی جگہ دفن ہوتا ہے کہ جہاں اس کی وفات واقع ہو'' لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اسی قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کی قبر کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کمرہ میں تیار کیا گیا کہ جس کمرہ میں آنحضور ﷺ نے وفات پائی تھی لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ فقرہ خاص الخاص یعنی صرف اور صرف آنحضرت ﷺ کے بارہ میں تھا ورنہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا جہان میں بہت سے انبیائے کرام نے جب وفات پائی تو کسی نہ کسی وجہ سے ان کو وہاں نہیں دفنایا جا سکا کہ جس مقام پر انہوں نے وفات پائی تھی۔بہرحال آنحضرت ﷺ کے جسد مبارک کو غسل دینے کی غرض سے جب آپؐ کے کپڑے اتارنے کا ارادہ کیا گیا تو ایک غیبی آواز آئی: ''کپڑوں کو نہ اتارا جائے''۔جس پر آنحضرت ﷺ کے جسد مبارکہ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔(**مؤطا امام مالکؒ جامع الصلوٰۃ علی الجنائز باب فی دفن المیت**)

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث کو آنحضرت ﷺ کا جسد مبارک قبر میں اتارنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفۃ المسلمین بنتے ہی چند روز کے اندر اندر سب سے پہلے اس لشکر کو سیدنا حضرت محمدؐ مصطفےٰ ﷺ کے فرمان اور منشأ کے عین مطابق دوبارہ جنگ کے لئے رخصت فرمایا اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اس مشورہ کے باوجود کہ حضرت اسامہؓ ابھی کم عمر ہیں اور جنگ کا بھی انہیں کوئی خاص تجربہ نہیں اور پھر باغی قبائل نے بھی شورش برپا کر دی ہے لہذا اس وقت اس تیار شدہ لشکر کو روانہ ہی نہ کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسامہؓ کو ہی دوبارہ سپہ سالار مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ابن ابی قحافہ کی کیا مجال ہے کہ وہ سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے مقرر کردہ امیر کو بدل سکے؟ یہ لشکر اسامہ کی قیادت میں جائے گا اور ضرور جائے گا''۔ چنانچہ دنیا نے شجاعت اور دلیری کا ایک عظیم الشان مظاہرہ دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص خلیفہ وقت بنتے ہی بڑے بڑے دلیروں اور بہادروں سے اپنی ہمت اور جوانمردی کی بنأ پر آگے بڑھ گیا اور خلیفۃ الرسولؐ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو انتہائی نامساعد حالات پیدا ہو جانے کے باوجود اسی طرح پورا فرمایا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک، ارشاد ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنی شدید بیماری کے باوجود اس لشکر کو دو مرتبہ روانہ فرمایا تھا لہذا اس ایمان افروز نظارہ کو دنیا تا قیامت نہیں بھول سکتی کہ اس لشکر کی رخصت کے وقت امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے مقرر کردہ سپہ سالار کو سواری پر سوار کروایا اور پھر اس سواری کی لگام خود اپنے مبارک ہاتھوں میں تھام کر شہر سے باہر کی جانب پا پیادہ پیدل ہی چل پڑے۔ اس پر حضرت اسامہؓ نے بار بار عرض کیا کہ یا خلیفۃ الرسولؐ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے بھی اپنی ہمراہی میں پیدل چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' نہیں نہ یہ ہوگا کہ میں سوار ہوں اور نہ ہی تم میرے ہمراہ پیدل چلو گے''۔ اور یوں مقام رخصت تک سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لشکر کی ہمراہی میں پا پیادہ ہی تشریف لے جا کر اپنی دُعاؤں سے نوازتے ہوئے اس لشکر کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا۔ پس اس شان سے حضرت اسامہؓ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر مدینہ سے روانہ ہوا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد فتح وظفر سے ہمکنار ہو کر واپس آیا۔ اسی طرح عہد فاروقی میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے وضائف مقرر ہوئے تو حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث کا وظیفہ تین ہزار اور حضرت عبداللہؓ ابن عمر فاروقؓ بن خطاب کا وظیفہ اڑہائی ہزار مقرر ہوا تو اس پر حضرت عبداللہؓ نے جب اپنے والد محترم اور خلیفۃ الرسولؐ حضرت عمرؓ بن خطاب سے اس فرق کے بارہ میں دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: '' آنحضرت ﷺ ان کو تم سے زیادہ اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے''۔ (مستدرک جلد ۳)

حضرت خلیفۃ الرسولؐ الثانی عمر فاروقؓ بن الخطاب، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا بلند مرتبہ خوب جانتے تھے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارث کو اپنے ساتھ اپنی اونٹنی پر سوار کیا ہوا تھا اور پھر جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں عبادت اور نذر و نیاز کے لئے رکھے ہوئے مشرکین کے بتوں کو توڑنے اور خانہ کعبہ کی صفائی کے لئے خانہ کعبہ کی عمارت کے اندر تشریف لے گئے تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چار احباب تھے کہ جن میں سے ایک حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بھی تھے۔ پس! انہی سبق آموز اور دلنشین پیارے واقعات سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے لے پالکوں سے کتنی شفقت اور محبت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔
''حضرت اسامہؓ کی وفات ۵۴ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی''۔ (الاستیعاب جلد ۱)

یہ ہے اسوہ رسول ﷺ اور اپنی تمام زندگی بھر اس اسوہ رسول ﷺ کی اتباع کی سختی سے پابندی کرنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اپنا اولین فرض سمجھتے رہے۔ اسوہ رسول ﷺ کی اس سے بڑی کوئی مثال آج میرے سامنے نہیں کہ جہاں آپؓ دونوں بزرگ رضوان اللہ علیہم نے اپنے بچوں کو کچھ دیا وہیں مجھے بھی اتنا ہی عنایت فرمایا بلکہ اگر موازنہ کیا جائے تو مجھ پر آپؓ دونوں بزرگوں کی نوازشات اپنے بچوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتی تھیں کیونکہ وہ تو کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے اور میں تو ہر وقت ہی آپؓ کی خدمت اقدس میں حاضر رہا کرتا تھا لیکن پھر بھی آپؓ کی یہ عنایات کبھی سب کے سامنے اور کبھی علیحدہ بھی مجھ عاجز پر بے حد وحساب ہوا کرتی تھیں لیکن اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی موجودگی میں تو کبھی کوئی فرق اختیار نہیں فرمایا یعنی جو انہیں ملتا اور جتنا انہیں ملتا اتنا ہی اور اسی وقت مجھے بھی ملتا اور اگر میں موجود نہ ہوتا تو پھر میرا حصہ علیحدہ رکھ دیا جاتا اور میں بعد میں لے لیتا یا وصول کر لیتا۔ اس کے باوجود میں نے آج تک کسی بچے میں رقابت یا حسرت کو پیدا ہوتے نہیں دیکھا بلکہ سب ہی آمنا وصادقنا کہتے ہوئے اپنے اپنے حصہ کی عیدی، تحفے یا کھانے پینے والی اشیاء لے کر اکٹھے مل کر کھایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! یہ تھا البشریٰ کا پاکیزہ ماحول کہ جس کی یاد آج بھی ہمارے دل میں زندہ ہے اور محبت وشفقت واحسان اور دلداری کا یہ تعلق خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے ہمارے لئے آج بھی قائم ودائم ہے اور اس کی چاشنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے اور یہ اٹوٹ رشتہ مظبوط سے مظبوط ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ

اسوہ رسول ﷺ کی اتباع کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا:۔

''سنت رسول ﷺ کی پیروی کا آپؓ کو اس قدر اہتمام تھا کہ باریک در باریک پہلو بھی نظرانداز نہیں فرماتے تھے۔ کیا بلحاظ رحم اور کیا بلحاظ عدل اور کیا بلحاظ مساوات اسلامی، ہر اس روش پر سے ہو کر گزرتے رہے جس پر کبھی آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے عشاقؓ کا قافلہ گزرا تھا۔ اپنے خادموں پر ایسی شفقت تھی اور ان کے مقام کو ایسا اٹھاتے تھے کہ وہ برابر کرسیوں اور پلنگوں پر بیٹھتے تھے۔ یہانتک کہ گھر کے بعض افراد کبھی شکوے کے رنگ میں یہ کہہ دیتے تھے کہ میاں صاحبؓ نے نرمی کر کر کے نوکروں کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ کوئی کہتا کہ آپؓ کے نوکر بدتمیز ہو جاتے ہیں مگر حضرت میاں صاحبؓ نے کبھی ان امور کی پرواہ نہیں کی اور کبھی اسوہ رسول ﷺ کی پیروی میں پریشان نہیں ہوئے۔ ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ:۔ کبھی کبھی یہ بھی ہونا چاہئیے کہ نوکروں کو میز پر بٹھا کر مالک انہیں کھانا کھلائیں تا کہ نفس کے تکبر کا کیڑا ہلاک ہو جائے۔ تکبر سے شدید نفرت تھی اور طبیعت ایسی منکسر اور عاجزانہ تھی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی''۔ (ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۳)

☆

انجام بخیر

معزز قارئین حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ کو اپنے انجام بخیر کی بے حد فکر لگی رہتی تھی اور کوئی موقعہ ایسا نہ تھا کہ جہاں آپؓ اپنے انجام بخیر کے لئے دعا کی درخواست نہ فرماتے اور جب بھی آپؓ بیمار پڑتے تو اپنی پاکباز زندگی کے باوجود سب سے پہلے آپؓ کو اپنی عاقبت کے نیک ہونے کی فکر دامنگیر رہتی۔ میری ہوش میں کئی مرتبہ یہی ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں اپنی ایک بیماری کے دوران آپؓ نے دوستوں سے دعا کی درخواست کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم سے صحت اور خدمت اور برکت کی زندگی عطاً کرے اور قرآنی محاورہ کے مطابق میری عاقبت، میری اولیٰ سے بہتر ہو وَمَا ذَالِکَ عَلی اللہِ بِعَزِیز ''۔(الفضل ۲۶ر جولائی ۱۹۵۵ء)

اپنی وفات سے پانچ برس قبل ۱۹۵۸ء میں آپؓ نے ایک نہایت قیمتی مضمون ''نیا سال اور ہماری ذمہ داریاں'' لکھا اور اس کے آخر میں تحریر فرمایا کہ:-

'' یہ مضمون میں نے جنوری کے آغاز میں شروع کیا تھا مگر اعصابی تکلیف اور احساس بے چینی کی وجہ سے اسے جلد ختم نہ کر سکا بلکہ آہستہ آہستہ لکھ کر اور اوپر تلے کئی دنوں کا ناغہ کر کے قریباً ایک ماہ میں آج ختم کیا ہے اور پھر بھی میری خواہش کے مطابق مکمل نہیں ہوا۔ حالانکہ صحت کے زمانہ میں میں ایسا مضمون قریباً ایک گھنٹہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔لہذا اپنے لئے بھی دوستوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آخر عمر تک یعنی'' زان پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند'' خدمتِ دین کی توفیق دیتا رہے اور میری کمزوریوں کو معاف فرمائے اور انجام بخیر ہو'' -(الفضل ۸ر فروری ۱۹۵۸ء)

اسی طرح ایک مرتبہ رمضان المبارک کے آخری دنوں میں آپؓ نے احباب سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے لکھا:-

'' اللہ تعالیٰ مجھے صحت دے اور خدمت کی زندگی نصیب کرے۔ میری لغزشیں معاف فرمائے۔ میری کمزوریاں دور کرے۔ میری سیئات کو حسنات سے بدل دے۔ مجھے بے حساب بخشش پانے والے گروہ میں شامل فرمائے اور میرا انجام بخیر ہو'' -(الفضل ۱۰ر اپریل ۱۹۵۸ء)

اپنے بارہ میں دعا کے لئے دوستوں کو متوجہ کرتے ہوئے آپؓ نے تحریر فرمایا کہ:-

'' میں نے یہ چند سطور علالت کی حالت میں بڑی مشکل سے لکھی ہیں کیونکہ چند دن سے ہیٹ سٹروک اور بعض دوسرے عوارض کی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی ہے اور تحریر کے وقت ہاتھ کانپتا ہے۔ دوست دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسلام اور احمدیت کی قلمی خدمت سے زندگی بھر محروم نہ ہونے دے کیونکہ بظاہر میری یہی حقیری سی خدمت میرا سرمایہ حیات ہے اور وہ بھی محض خدا کے فضل و توفیق سے، ورنہ دوسرے اعمال کے لحاظ سے تو خدائے عفو و غفور کی ستاری ہی ستاری ہے اور بس'' -(الفضل ۲۱ر جون ۱۹۶۰ء)

خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپؓ نے ۱۹۶۲ء کے ماہ رمضان میں اپنی خرابی صحت کا ذکر کر کے لکھا

کہ:-

"میرے لئے ان مبارک ایام میں از راہ مہربانی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صحت اور کام کی زندگی عطاء کرے پھر خصوصیت کے ساتھ یہ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن اپنے فضل و کرم اور ذرہ نوازی سے ان لوگوں میں شامل فرمائے جو مطابق بشارت رسول اکرم ﷺ حساب کتاب کے بغیر بخشے جائیں گے کیونکہ مجھ میں اپنے حساب کتاب کے لئے خدا کے سامنے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں- یہ دو دعائیں ضرور رمضان میں میرے حق میں کر کے مجھے ممنون فرمائیں- اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے- یہ عاجز ساری جماعت کے لئے دعا کرتا ہے"- مطابق آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى O (النّٰزعٰت:۴۱-۴۲۔یعنی : اورجس نے اپنے رب کے مقام کو پہچانتے ہوئے خوف خدا کی بنا پر اپنے آپ کو برے کاموں سے روکے رکھا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے- ناقل)- مرحوم و مغفور کے مذکورہ بالا الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ آپؓ واقعی جنتی تھے- اللہ تعالیٰ آپؓ کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطاء فرمائے- آمین"- (روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۴-۱۶)

۱۹۶۲ء میں ہی آپؓ نے جماعت کے دوستوں کو اپنے لئے خاص طور پر دو دعاؤں کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"اول یہ کہ جتنی بھی میری مقدر زندگی ہے اللہ تعالیٰ اس میں مجھے دل کا سکون اور کام کرنے والی جسمانی صحت اور اپنی رضا کے ماتحت مقبول خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور میرا انجام بخیر ہو- دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری کمزوریوں کے باوجود اپنی ذرہ نوازی سے قیامت کے دن اس گروہ میں شامل فرمائے جن کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ" میری امت میں سے بعض لوگ حساب کتاب کے بغیر بخشے جائیں گے"- کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس عاجز کو حشر کے میدان میں خدا کے سامنے اپنے حساب کتاب کے لئے کھڑے ہونے کی بالکل طاقت نہیں- یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ وَ اَرْجُوْا مِنْکَ خَیْرًا یَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن"- (الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۶۲ء)

اس سلسلہ میں میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نے مجھے بتایا کہ: حضرت میاں صاحبؓ اللہ تعالیٰ کے ایک عالی مرتبہ محبوب وجود تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان خاص الخاص، پیارے اور عزیز ترین انسانوں میں شامل تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں ہی ان کی تسلی و تشفی کے لئے بعض نشانات دکھلا دیتا ہے- اس سلسلہ میں اکثر وہ مندرجہ ذیل واقعہ کا خاص طور پر ذکر کیا کرتی تھیں کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک خاص نشان بھی دیکھا تھا میری والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ:-

ایک دن حضرت میاں صاحبؓ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے کہ اچانک اس تلاوت کے دوران قرآن شریف کے دونوں صفحات پر لکھے ہوئے الفاظ مٹ گئے اور دائیں صفحہ پر موٹے موٹے دو الفاظ لکھے ہوئے دکھائی دئے اور وہ تھے "بغیر حساب"- آپؓ نے اس مبارک نشان والے واقعہ کو میری والدہ کو بھی سنایا لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ کی جانب سے رحمت کے اس عظیم الشان نشان کو دیکھ لینے کے باوجود بھی آپؓ کی کسرنفسی کا یہ عالم تھا کہ آپؓ تادم آخرین یہی فرماتے رہے کہ:-

"میرے لئے دعا کرو کہ میرا انجام بخیر ہو"

اسی واقعہ کا ذکر آپؓ نے حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ سے اپنے ایک خط تحریر فرمودہ مؤرخہ ۱۶/ جون ۱۹۵۱ء میں بھی فرمایا تھا- (الفضل خاص نمبر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء)۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کئی مرتبہ مجھے میری بڑی بہنوں کے ہمراہ حضرت مولانا غلام

رسول راجیکی صاحبؓ کی خدمت میں خطوط دے کر بھجوایا اور ہمارے امتحانات سے پہلے بھی ہمیں تاکیداً حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کی خدمت میں دعا کے واسطے بھجوایا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب ہم حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کے ہاں گئے تو آپؓ کے گھر میں کسی نے بتایا کہ حضرت مولوی صاحبؓ اس وقت گھر کے صحن میں بنے ہوئے تہہ خانہ میں عبادت بجالا رہے ہیں چنانچہ ہم نے وہاں جا کر ملاقات کی اور حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ سے دعائیں لیں۔حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے یہ تہہ خانہ اپنے رحمت بازار (غلہ منڈی) والے مکان کے صحن میں مٹی کو کھدوا کر بنوار کھا تھا اور اغلباً ربوہ کی سخت گرمی یا تنہائی میں یکسوئی سے عبادات بجالانے کی خاطر یا غلہ منڈی کے شور سے بچنے کے لئے آپؓ اس میں زیادہ وقت گزارا کرتے تھے۔ بہرحال جن احباب کو حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ سے آپؓ کے گھر میں حاضر ہو کر دعائیں حاصل کرنے کا قیمتی موقعہ نصیب ہؤا ہے انہیں یہ بات ضرور یاد ہو گی۔اسی تہہ خانہ کے ذکر سے یاد آیا کہ پہلے پہلے جب ربوہ کا عام قبرستان وفات شدگان کی قبور سے اتنا زیادہ بھرا ہؤا نہیں تھا تو اس وقت اس قبرستان کے وسط میں بھی ایک تہہ خانہ ہؤا کرتا تھا کہ جس میں کسی نے روزنامہ الفضل کے نسخے پڑھنے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ہمیں بہرحال اس قبر نما تہہ خانہ میں جاتے ہوئے بہت خوف محسوس ہؤا کرتا تھا کیونکہ یہ تہہ خانہ قبرستان کے عین درمیان میں واقع تھا۔دعاؤں کے سلسلہ میں ہی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب آپؓ کی دو ذاتی دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

’’ ذاتی دعاؤں میں ابا جانؓ دو باتوں کے لئے بہت دعا فرمایا کرتے تھے۔اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے اور دوئم یہ کہ انجام بخیر ہو۔اس آخری امر کے لئے بڑی تڑپ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے۔ مجھے کئی بار فرمایا کہ: ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا مورد ہو جاتی ہے اور وہ جہنم کے گڑھے کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ایک دوسرا انسان ساری عمر بداعمالی میں گزارتا ہے لیکن آخر میں ایسا کام کر جاتا ہے کہ جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے سو اصل چیز انجام بخیر ہے۔ اور اس کے لئے ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے اور کسی سے کہا کہ ’’میں نے ایک مرتبہ بڑے اضطرار سے یہ دعا کی اور خدا سے درخواست کی کہ اس بارہ میں مجھے کوئی تسلی دے دے‘‘۔اس دعا پر جو اغلباً قرآن شریف کی تلاوت کے دوران میں کر رہے تھے کہ یکدم قرآن شریف کے سامنے کے دو ورق سفید ہو گئے اور دائیں ورق پر موٹے الفاظ میں صرف یہ دو لفظ لکھے نظر آئے ’’ بغیر حساب‘‘ ۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ ؍نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۔۸)

یہ اوپر درج جہنم کے گڑھے والی بات حضرت قمر الانبیاءؓ نے کسی کو خاکسار کے سامنے بھی بطور نصیحت کے سنائی تھی۔ایک مرتبہ احباب جماعت کو اپنے لئے خاص طور پر دعا کی تحریک کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا کہ:۔

’’ عاجز کی عمر اس وقت انہتر (۶۹) سال کے قریب ہے بلکہ قمری حساب سے ستر سال سے اُوپر ہو چکی ہے اور یہ عمر طبعاً ضعف اور کمزوری کی عمر ہوتی ہے اور اس پر مجھے کئی سال سے تین چار فکر کرنے والی بیماریاں بھی لاحق ہیں۔۔۔اور گو میں خدا کے فضل سے اپنی طاقت کے مطابق صبر پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر دل ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی وسیع بخشش اور بے حد رحم و کرم کے باوجود بعض اوقات حضرت عمرؓ کی طرح دل اس دعا کی طرف مائل ہونے لگتا ہے کہ ’’اللھم لالی و لا علی یعنی اے میرے آقا میں تجھ سے اپنے کسی نیک عمل کا اجر نہیں مانگتا مگر مجھے میری لغزشوں کی پاداش سے محفوظ رکھ اور میرا حساب کتاب برابر رہنے دے‘‘۔ (الفضل ۲۲ ؍مارچ ۱۹۶۲ء)

انجام بخیر کی دعا کے واسطے اسی تکرار کے بارہ میں حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

’’ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں جو خطوط آپؓ کی طرف سے آتے ان میں اکثر یہ بات درج ہوتی کہ آپؓ کے انجام بخیر کے لئے دعا کی جائے۔ایسا خط

پڑھ کر میرا ماتھا ٹھنکتا اور میرا دل دھڑکتا کیونکہ حکیم کی بات حکمت سے خالی اور بلاوجہ نہیں ہوتی''۔(الفضل ۳۰؍جولائی ۱۹۹۸ء)

مجھے یاد ہے کہ ان آخری ایام میں آپؓ کی دائیں ٹانگ پر پاؤں کے جوڑ سے ذرا اُوپر ٹانگ پر سامنے کی جانب ایک زخم سا ہو گیا تھا اور کسی طرح بھی ٹھیک ہونے کا نام نہیں لیتا تھا لہٰذا ڈاکٹروں کے مشورہ پر روزانہ اس زخم پر چند منٹ کے لئے۔ INFRA RED - لیمپ سے روشنی ڈالی جاتی تھی اور عموماً یہ سرخ روشنی والا لیمپ مکرم لطف الرحمٰن شاکر (لطفی بھائی) صاحب فضل عمر ہسپتال سے لے کر آیا کرتے تھے۔اس علاج کے وقت آپؓ اپنے پلنگ پر تشریف فرما رہتے تھے اور اپنی مبارک ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹکا دیتے تھے اس کے بعد اس لیمپ کو فرش پر رکھ کر آن کر دیا جاتا تھا۔تجربہ کے لئے میں نے بھی ایک دو مرتبہ اپنے ہاتھ کو اس لیمپ کے سامنے کیا تو ایک گرم سی روشنی میرے ہاتھوں پر پڑی جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ضرور اس روشنی کی گرمی سے آپؓ کے زخم کو خشک کرنا مقصود ہو گا اور بعد میں واقعی یہ زخم مندمل بھی ہو گیا تھا لیکن اس کا نشان باقی رہا۔

جون ۱۹۶۳ء میں حضرت میاں صاحبؓ کو انتڑیوں اور معدے میں سوزش نیز پراسٹیٹ PROSTATE کے بڑھ جانے کی وجہ سے بے چینی اور گھبراہٹ کی تکالیف لاحق ہو گئیں اور کمزوری بھی بڑھ گئی۔جب آپؓ کی بیماری نے زیادہ زور پکڑا تو حضرت میاں صاحبؓ ڈاکٹروں کے مشورہ پر طبی معائینہ کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ آپؓ کی کمزوری کے مدنظر آپؓ کو حضرت صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نیلی شیورلیٹ - CHEVROLET - کار میں لٹا کر لاہور لے جایا گیا۔یہ ایک - STATION WAGEN - قسم کی کار تھی کہ جس کی پچھلی سیٹ کو تہہ کر کے بند کر دینے یعنی لپیٹ دینے سے اس کی ڈگی سمیت کافی کھلی جگہ بن جاتی تھی۔اس زمانہ میں تمام پاکستان میں اس ماڈل کی صرف دو کاریں موجود تھیں۔ آپؓ کی لاہور کو روانگی اور البشریٰ ربوہ سے رخصتی کے وقت خدا حافظ کہنے کے لئے گھر کے تمام افراد مردانہ صحن میں جمع تھے اور بے حد دعاؤں کے بعد آپؓ مؤرخہ ۲۸؍ جون کو صبح سات بجے کے قریب روانہ ہوئے۔اس وقت کسے یہ علم تھا کہ یہ روانگی دراصل سفر آخرت ہے کہ جس سے دوبارہ زندہ واپسی نہ ہو گی؟ اس سفر میں میری تیسری بڑی بہن محترمہ زبیدہ تسنیم (بیدی) صاحبہ بھی تیمارداری اور خدمت کے لئے آپؓ کے ہمراہ تھیں اور حضرت میاں صاحبؓ کے قریب کار میں بیٹھی تھیں۔میری اس بہن کو بھی آپؓ نے اپنی خاص تربیت میں رکھا ہوا تھا ۔میری ہمشیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت میاں صاحبؓ مجھ سے اپنے دوستوں اور احباب جماعت کو خطوط لکھوایا کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے انجام بخیر کے لئے دعا کی درخواست بھی کیا کرتے تھے۔

اسی سفر میں فرنٹ سیٹ پر مکرم بشیر احمد خادم صاحب اور فضل عمر ہسپتال سے مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب کو بھی آپؓ کا ہم سفر بننے کی سعادت نصیب ہوئی لہٰذا اس سفر کے بارہ میں وقف زندگی مکرم لطف الرحمٰن شاکر (لطفی) صاحب بیان کرتے ہیں کہ: '' راستہ میں ایک جگہ آپؓ کی طبیعت کچھ خراب ہوئی تو میں نے موٹر کار کو رکوا کر آپؓ کو موقع کی مناسبت سے دوائی دی اور طبیعت کے بحال ہو جانے پر ہم نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا اور پھر میں آپؓ کو بخیریت لاہور چھوڑ کر اسی کار میں واپس ربوہ چلا آیا''۔(زبانی روایت بموقعہ مجلس شوریٰ مجلس انصار اللہ جرمنی منعقدہ ۱۹۹۳ء بمقام گروس گیراؤ)

اسی آخری سفر کے بارہ میں خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ زبیدہ نسیم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ اس سفر پر روانگی کے وقت آپؓ ،حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں تشریف لائے اور فرمایا: ''ام مظفر! فکر نہ کرنا۔پھر میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو بھی نصیحت فرمائی کہ: ام مظفر احمد کا خاص خیال رکھنا۔

اسی طرح میری بہن عزیزہ زبیدہ تسنیم صاحبہ کے بارہ میں فرمایا کہ: احمد بی بی! فکر نہ کرنا، تمہاری بیٹی انشاء اللہ صحیح سلامت واپس آئے گی۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ آپؓ تو اپنی وفات کی خبر دے رہے ہیں۔ آج جب میں یہ سطور تحریر کر رہی ہوں تو میرے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے کہ اے کاش! ایسی معزز اور شفیق ہستی کیوں ہم سے جدا ہوگئی؟ ربوہ میں گھر سے رخصتی کے وقت تقریباً تمام خاندان الوداع کے لئے موجود تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شیورلیٹ گاڑی آ گئی اور یوں آپؓ کی ہمراہی میں یہ چھوٹا سا قافلہ دعا کے بعد عازم لاہور ہوا کہ جس میں خاکسارہ، محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ کہ جنہیں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، ناصرہ مغلانی کہا کرتے تھے، مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب فضل عمر ہسپتال ربوہ اور آپؓ کے خادم بشیر احمد صاحب شامل تھے۔ راستے میں ایک نہر کے کنارے ایک خوبصورت بنگلے میں کچھ عرصہ ناشتہ کے لئے رکے اور پھر حضرت صاحبزادی امتہ السلام بیگم صاحبہ کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ (مکتوبات نسیم ۔۲۲رجنوری ۲۰۰۱ء)

حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے آخری بیماری کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''اباجانؓ کی آخری بیماری کا آغاز گزشتہ جون میں ہوا جب ربوہ میں آپؓ نے نگران بورڈ کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی۔ طبیعت پہلے سے خراب تھی لیکن آپؓ نے ہمیشہ دین کے کام کو ہر چیز پر ترجیح دی اور مقدم رکھا اور اسی جذبہ سے اس اجلاس میں شرکت کی اور باوجود ناسازئ طبع اور کمزوری کے کئی گھنٹے تک اجلاس کو جاری رکھا تا اکٹھا ہوا ہوا کام ختم ہو جائے۔ اصل میں چند سال ہوئے اباجانؓ کو HEAT STROKE - ہو گیا تھا اور اس کے بعد ہر موسم گرما میں ربوہ کی شدید گرمی میں یہ تکلیف کسی نہ کسی رنگ میں اُبھر آتی تھی۔ اس اجلاس میں شرکت کے بعد پھر آپؓ کی طبیعت پوری طرح وفات تک نہ سنبھلی۔ جون کے مہینہ میں اکثر ٹیلیفون پر طبیعت پوچھتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے تکلیف نہ ہو یا میرے کام میں رکاوٹ نہ ہو یہی فرماتے کہ طبیعت اچھی تو نہیں لیکن گھبراؤ نہ۔ اس کے باوجود احتیاطاً میں نے لاہور سے ڈاکٹروں کو ربوہ جانے کا انتظام کیا۔ ان EXAMINATION میں پہلی بیماریوں یعنی دل کی تکلیف، ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے علاوہ ڈاکٹروں نے یہ بھی تشخیص کی کہ PROSTATE مثانہ کی تکلیف پیدا ہوتی معلوم دیتی ہے۔ جس کا علاج اپریشن ہے جو اباجانؓ کی باقی بیماریوں اور کمزوری کے مدّنظر مشکل تھا۔ یہ تشخیص مزید فکر کا باعث ہوئی اور یہی فیصلہ ہوا کہ مہینے کے آخر میں آپؓ لاہور تشریف لے جائیں تا علاج کے بارہ میں مشورہ ہو سکے اور اس کے مطابق انتظام کیا جا سکے۔ چنانچہ جون کے آخر میں آپؓ لاہور تشریف لے گئے جہاں ہسپتال میں ایک کمرہ کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ لاہور میں بعض TESTS لئے گئے اور ڈاکٹری مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال اپریشن کی کوئی فوری ضرورت نہیں اور اس تکلیف میں باقی علاج سے افاقہ بھی ہوا لیکن طبیعت پوری طرح نہ سنبھلی''۔ (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰رنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

اسی بیماری کے سلسلہ میں آپؓ کے معالج مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''آپؓ کو دیکھنے کے لئے دو ڈاکٹر صاحبان ربوہ گئے۔ تشخیص کیا گیا کہ کثرت پیشاب پراسٹیٹ (PROSTATE) یعنی مثانہ کے اندر والی غدود کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہے اور آپؓ کو مشورہ دیا گیا کہ اپریشن کے لئے فوراً لاہور آ جاویں۔ اس فوری اور اچانک اپریشن کے مشورہ کے نتیجہ میں آپؓ کو گھبراہٹ اور بے خوابی شروع ہوگئی اور چند دنوں میں یہ تکلیف شدید صورت اختیار کر گئی۔ جون کے آخر میں آپؓ کو تشخیص اور علاج کے لئے لاہور آنا پڑا۔ جب آپؓ لاہور تشریف لائے تو کافی کمزور تھے۔ بہت بے چینی تھی اور جسم اور ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ آپؓ کو دیکھنے کے لئے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بلایا گیا جس میں فزیشن اور سرجن دونوں شامل تھے۔ چنانچہ کرنل ملک عطاء اللہ، ڈاکٹر مسعود احمد سرجن میو ہسپتال، کرنل محمود الحسن

سرجن ملٹری ہسپتال، ڈاکٹر محمد اختر خان فزیشن میو ہسپتال، ڈاکٹر محمد رشید صاحب چوہدری اور خاکسار اس مشورہ میں شامل تھے''۔(الفضل خاص نمبر ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۲-۳۳)

بعد میں ہمیں علم ہؤا کہ اس دواڑھائی گھنٹہ کے چیک اپ کے دوران آپؓ کو بہت کوفت اٹھانی پڑی لیکن مرض کی صحیح تشخیص کے لئے اس چیک اپ کے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا لہذا آپؓ کی اس آخری علالت کے بارہ میں مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''خون اور ایکس رے (X-RAY) وغیرہ ٹیسٹ کئے گئے اور پروسٹیٹ کو دوبارہ دیکھا گیا-اس مشورہ کے بعد فیصلہ ہؤا کہ'' چونکہ پروسٹیٹ کوئی زیادہ بڑھا ہؤا نہیں اور بہت سی علامات اعصابی یعنی (ANXIETY NEUROSIS) کی وجہ سے ہیں اس لئے اپریشن کرنا مناسب نہیں ہوگا-دوائیوں سے علاج کرنا بہتر ہوگا'' - سومناسب دوائیاں اور ضروری ہدایات تجویز کی گئیں- کچھ علاج کے نتیجہ میں- کچھ اپریشن کی بلا ٹل جانے کی وجہ سے عوارض میں قدرے افاقہ ہؤا-ان دنوں گرمی جوبن پر تھی-مشورہ ہؤا کہ آپؓ کچھ ہفتے کسی ٹھنڈی جگہ تشریف لے جاکر آرام فرماویں اور علاج جاری رکھیں-اس کے لئے گھوڑا گلی کا مقام تجویز ہؤا جو کہ مری کے نزدیک اور اس سے کم بلندی پر واقع ہے- پہلے تو حضرت میاں صاحبؓ وہاں جانے پر رضامند نہیں تھے مگر ہمارے زور دینے پر آمادہ ہو گئے-چونکہ اکیلا جانے میں آپؓ کو گھبراہٹ تھی لہذا میں نے عرض کیا کہ میں آپؓ کے ساتھ گھوڑا گلی جاؤں گا اور کچھ وقت ساتھ رہوں گا -اس سے آپؓ کو اطمینان ہو گیا - ہم ۱۷؍جولائی کو کار میں لاہور سے روانہ ہوئے - میں حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ کار میں تھا -راستہ میں جہلم ڈاک بنگلہ میں دوپہر کے وقت آرام فرمایا-جہلم کے دوست ملاقات کے لئے آئے -ان میں بیٹھ کر گفتگو فرماتے رہے-رات راولپنڈی میں ٹھہر کر صبح گھوڑا گلی کے لئے روانہ ہوئے -راستہ میں راولپنڈی کے احباب کی خواہش پر مری روڈ پر احمدیہ مسجد کے سامنے کار کھڑی کر کے دعا فرمائی-ہم پہلے پہر ہی گھوڑا گلی پہنچ گئے-آپؓ کی رہائش گاہ ایک پرفضا جگہ تھی-آپؓ نے اسے پسند فرمایا- میں وہاں آپؓ کے ساتھ ۵-۶ دن ٹھہرا-اس عرصہ میں آپؓ کی طبیعت نسبتاً بہتر تھی-گو کسی حد تک بے خوابی اور کمزوری تھی اور کبھی کبھی گھبراہٹ ہو جاتی تھی مگر عموماً طبیعت پُرسکون رہتی-

ایک دن راولپنڈی سے بہت سے دوست ملاقات کے لئے آئے -ان سے مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے-سالمی سینی ٹوریم کے ڈاکٹر اور سول سرجن مری آپؓ کو دیکھنے کے لئے آئے اور انتظام کیا گیا کہ وہ آپؓ کو باقاعدگی سے دیکھتے رہیں گے-میں چند دن رہ کر واپس آ گیا-آنے کے ہفتہ دس دن بعد رپورٹ ملنی شروع ہوگئی کہ حضرت میاں صاحبؓ کو پھر بے چینی کی تکلیف زیادہ ہوگئی ہے اور رات کے وقت خصوصاً گھبراہٹ زیادہ ہو جاتی ہے-پروگرام تو یہ تھا کہ آپؓ کم از کم ۷-۸ ہفتے وہاں قیام فرماویں مگر اس گھبراہٹ کی وجہ سے ۱۸-۱۹ دن رہنے کے بعد ہی آپؓ لاہور تشریف لے آئے اور غالبًا ۶ اگست کو واپس یہاں پہنچے- پھر ڈاکٹری مشورہ ہؤا - علاج کا دوبارہ جائزہ لیا گیا-بعض نئی دوائیں تجویز ہوئیں-مشورہ میں ڈاکٹر محمد اختر خان، ڈاکٹر محمد رشید چوہدری، کرنل عطاء اللہ صاحب شامل تھے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مشورہ ہوتا رہا-ان دنوں حضرت میاں صاحبؓ کو بے چینی کی تکلیف اکثر رہتی تھی اور یہ خصوصاً دوپہر کے بعد اور رات کے پہلے حصہ میں زیادہ ہو جاتی تھی-شام ہوتے ہی ایک کرب کی سی حالت ہوتی تھی-ایسے وقت میں اکیلے نہیں رہ سکتے تھے-چاہتے تھے کہ عزیز آپؓ کے پاس رہیں-اکثر فرماتے تھے کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی تکلیف کی وجہ سے سب کو بے آرام کرتا ہوں-چھوٹی اور معمولی سی بات بھی آپؓ کی پریشانی کا باعث بن جاتی تھی-مگر عجیب بات ہے کہ آپؓ کے پرانے عوارض میں سے کوئی عارضہ عود کر ہماری پریشانی کا باعث نہیں ہؤا- بلڈ پریشر (خون کا دباؤ) نبض اور دل کی عام حالت تسلی بخش رہی- میں آپؓ کو دیکھنے کے لئے صبح، شام- دن میں دو دفعہ حاضر ہوتا-جب تکلیف زیادہ ہوتی تو بعض دنوں میں ۳-۴ دفعہ بھی جاتا - بے چینی کے وقت

آپؒ کی خواہش ہوتی کہ میں زیادہ دیر آپؒ کے پاس بیٹھوں۔اس سے بھی آپؒ کو کچھ سکون ہوتا۔اکثر دست مبارک بڑھا دیتے اور ارشاد فرماتے کہ میں کرسی نزدیک کرلوں۔اکثر دفعہ میں جانے کا ارادہ کرتا تو فرماتے چند منٹ اور بیٹھیں اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ احساس کرتے ہوئے کہ میں دیر سے بیٹھا ہؤا ہوں جانے کی اجازت فرماتے مگر ضرور پوچھتے کہ " آپ صبح آئیں گے نا ؟ "۔پھر خادموں کو حکم تھا کہ جب میں صبح آؤں اور آپؒ سوئے ہوئے ہوں تو بھی آپؒ کو جگا دیا جاوے۔ایک دو دفعہ رات کو بے چینی کی وجہ سے جگانا مناسب نہ خیال کیا تو خادموں پر ناراض ہوئے کہ آپؒ کو کیوں اطلاع نہیں دی۔

ان گھبراہٹ کے دنوں میں بھی دوست ملنے کے لئے آجاتے تھے۔بعض عیادت کے لئے اور بعض اپنے کاموں میں مشورہ کے لئے۔باوجود بے چینی کے یہی کوشش فرماتے کہ ان کو مل لیں۔اگر بہت زیادہ تکلیف ہوتی تو کہلا بھیجتے کہ "تکلیف ہے دعا کریں"۔اکثر جب آپؒ کو بلڈ پریشر اور نبض وغیرہ دیکھنے کے بعد بتایا جاتا کہ وہ نارمل ہیں تو فرماتے کہ: " آپ کہتے ہیں سب نارمل اور ٹھیک ہے مگر میں تو محسوس کرتا ہوں کہ اب میرے اندر کچھ باقی نہیں رہا"۔ہمیں معلوم ہؤا کہ ایک انگریز ڈاکٹر اعصابی امراض کا ماہر (NEUROPHYSICIAN) ڈاکٹر ملر (MILLER) آسٹریلیا جاتا ہؤا لاہور ایک دو دن کے لئے آیا۔اس سے مشورہ لینے کی تجویز ہوئی۔چنانچہ ۲۸/ اگست کو بعد دوپہر وہ حضرت میاں صاحبؒ کو دیکھنے کے لئے آیا۔آپؒ کے تمام معالج بھی موجود تھے۔آپؒ نے خود اپنی بیماری کے تمام حالات اور نوٹ ترتیب وار لکھوائے۔ہم نے اس کو بیماری کی تمام سرگذشت سنائی اور حضرت میاں صاحبؒ والے نوٹ بھی دکھائے۔پھر اس نے آپؒ سے خود بھی حالات سنے۔اس نے آپؒ کے کام کے متعلق دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ " میں زیادہ تر تصنیف اور لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں"۔اس نے پوچھا کہ آپؒ کی آخری تصنیف کون سی ہے ؟ ۔آپؒ نے فرمایا کہ "فیملی پلاننگ کے متعلق "۔اس نے مسکرا کر پوچھا کہ اس کے حق میں یا اس کے خلاف؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ "بعض حالات میں اس کے حق میں اور بعض حالات میں اس کے مخالف"۔تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے رائے تھی کہ آپؒ کی اعصابی تکلیف۔جس کو ہم طبی اصطلاح میں ANVOLUTIONAL DEPRESSION کہتے ہیں کی وجہ سے ہے۔اس میں عموماً تو DEPRESSION یعنی افسردگی اور چپ چاپ رہنے کی کیفیت ہوتی ہے مگر زیرک اور ذہین مریض جب اس افسردگی کو غیر شعوری طور پر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بے چینی اور گھبراہٹ کی علامات زیادہ نمایاں ہوجاتی ہیں۔بہر حال اس کا خیال تھا کہ کوئی وجہ نہیں کہ میاں صاحبؒ اس تکلیف سے صحت یاب نہ ہوں۔حضرت میاں صاحبؒ کے سامنے اور علیحدگی میں ہمارے پاس بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔اس نے وثوق سے کہا کہ چند ہفتوں میں بہتری کا آغاز ہوجائے گا اور امید ہے کہ ۲-۳ ماہ کے اندر آپؒ اس NEUROSIS کے حملہ پر قابو پالیں گے۔سو اس انگریز ماہر کی رائے بھی ہماری رائے کے عین مطابق تھی کہ آپؒ کا اعصابی مرض گو تکلیف دہ ہے مگر خطرناک نہیں ہے۔ اس نے چند ایک دوائیاں لکھیں، وہ لاہور سے دستیاب نہ ہوسکیں تو اسی دن انگلستان سے بذریعہ کیبل گرام ان کے منگوانے کے لئے آرڈر بھیجے گئے۔ان حالات میں ہم مطمئن تھے۔

انسان بعض دفعہ پورے زور شور سے تدبیر کررہا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کامیابی کے قریب ہے مگر تقدیر اس کی بے خبری اور لاعلمی پر خنداں ہوتی ہے۔ہم کو کیا علم تھا کہ اب بیماری کا ایسا طوفانی دور شروع ہونے والا ہے کہ جس میں ہمارا یہ محبوب اور قیمتی وجود ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا جائے گا ؟۔دوسرے دن ہی یعنی ۲۹/ اگست کی صبح کو آپؒ کو معمولی سی حرارت ہوگئی۔۹۹ ڈگری کے قریب۔پہلے بھی کبھی ایسا ہوجاتا تھا۔اس کے لئے دوائی دی گئی مگر شام کو ٹمپریچر قدرے زیادہ ہوگیا یعنی ۱۰۰ ڈگری۔رات کو کچھ دوائی کی وجہ سے یا حرارت کی وجہ سے غنودگی سی رہی۔بخار کے لئے مزید دوائی دی گئی۔۳۰/ اگست کی صبح کو بجائے کمی کے بخار کچھ اور زیادہ تھا۔چھاتی میں کچھ CONGESTION کی علامات تھیں۔پھر مشورہ ہؤا۔

خون ٹیسٹ کرایا گیا۔ جس سے چھاتی کی INFECTION کی تصدیق ہوئی۔ مزید دوائیاں اور INJECTION دئے گئے مگر اس کے باوجود رات کو بخار ۱۰۲ کے قریب تھا۔ ۳۱؍اگست کی صبح کو حرارت ۱۰۲-۱۰۳ کے درمیان تھی اور نیم غنودگی کی حالت تھی۔

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا پروگرام راولپنڈی سے شام کو آنے کا تھا مگر بخار کی زیادتی کی اطلاع ملنے پر ۱۲ بجے دن کے وقت ہی وہ پہنچ گئے۔ آپؓ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا ''مظفر ! آپ آ گئے'' ۔تقریباً سارا دن ٹمپریچر کو بڑھنے سے روکنے کے لئے جسم پر پانی اور برف سے مالش جاری رہی۔ رات کو پرائیویٹ نرس خدمت کے لئے رکھی گئی اور اس کو ہدایت تھی کہ ٹمپریچر ۱۰۱-۱۰۲ سے بڑھنے نہ پاوے اور اگر کوئی نئی علامت اور پیچیدگی ہو تو مجھے اطلاع دے۔ رات تو مجھے نہیں بلایا گیا مگر فجر کی نماز کے فوراً بعد (مؤرخہ یکم ستمبر) اطلاع آئی کہ حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ میں گیا تو ٹمپریچر زیادہ تھا۔ آپؓ پوری طرح بے ہوش تھے۔ آپؓ بلغم اور ہوا کی نالیوں کی رطوبت باہر نہیں نکال سکتے تھے۔ اس لئے سانس میں کافی تنگی اور رکاوٹ تھی۔ اس وقت بلغم نکالنے کے لئے ہسپتال سے ELECTRIC SUCKER کے منگوانے کا انتظام کیا گیا اور اس سے آپؓ کی سانس کی نالیوں کو صاف کیا گیا اور ناک کے راستے سے آکسیجن دینی شروع کی گئی۔ مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ٹمپریچر ۱۰۴، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہو گیا اور جلد ہی ۱۰۷ کے قریب پہنچ گیا۔ یہ بغل کا ٹمپریچر تھا۔ چونکہ اندرونی حرارت اس سے ڈیڑھ یا دو ڈگری زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے آپؓ کا ٹمپریچر ۱۰۸ کے قریب ہوگا۔ اس کو کم کرنے کے لئے جسم کو برف سے ڈھانپ کر ٹھنڈے کپڑوں سے نہایت تیزی سے رگڑا گیا۔ ڈیڑھ یا دو گھنٹے ایسا کرنے کے بعد ٹمپریچر کم ہونا شروع ہؤا اور دوپہر تک تقریباً ایک سو ڈیڑھ تک آ گیا۔ اس کے کم ہونے پر غنودگی اور بیہوشی بھی قدرے کم ہوئی۔ آواز دینے پر آپؓ آنکھیں کھولتے اور کچھ بولنے کی کوشش بھی فرماتے۔ سر میں گرانی کی شکایت کی۔ ایک دفعہ اپنے خادم بشیر کو بھی بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا۔ آپؓ کی نہایت درجہ تشویشناک حالت کے مدنظر دن میں کئی دفعہ مشورہ کیا جاتا اور بدل بدل کر بہت سی دوائیاں استعمال کی گئیں۔ پانی اور کچھ غذا معدہ میں نالی ڈال کر دینی شروع کی گئی۔ شام کے وقت برف کے بغیر آپؓ کا ٹمپریچر ۱۰۲ تھا۔ سانس کی حالت کافی بہتر تھی۔ رات بھر یہی حالت رہی۔

۲؍ستمبر کی صبح کو تنفس میں پھر کچھ تنگی اور تیزی تھی اور حرارت بھی کچھ زیادتی پر تھی اور گردن میں قدرے اکڑاہٹ ۔آپ کی چھاتی کا ایکسرے لیا گیا جس سے نمونیہ اور پھیپھڑوں کی انفیکشن کی مزید تصدیق ہوئی۔ خون بھی ٹیسٹ کیا گیا۔ اکڑاہٹ کے مدنظر LUMHAR PUNCTURE کیا گیا اور CEREBRO SPINAL FLUID بھی نکالا گیا۔ وہ بالکل صاف تھا اور اس طرح MENINGITIS یعنی دماغ کی جھلی کی سوزش کا شک بھی رفع کیا گیا۔ مگر حالت بگڑتی گئی۔ اس وقت اور ڈاکٹروں کو بھی مشورہ میں شامل کیا گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد یوسف صاحب بھی آپؓ کو دیکھنے کے لئے آئے۔ باوجود تمام کوششوں کے سانس کی تکلیف اور غنودگی بڑھتی گئی۔ باہر کوٹھی کے لان میں مغرب کی اذان ختم ہوئی ہی تھی اور نماز کھڑی ہو ہی رہی تھی کہ سانس رک گیا۔ ایک دو کوششیں مصنوعی تنفس کی بھی کی گئیں مگر بے سود۔ جس بلاوے کا آپؓ کئی ہفتوں سے انتظار فرما رہے تھے وہ آ گیا تھا اور آپؓ اپنے مولا کی آغوشِ رحمت میں پہنچ چکے تھے۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین)

حضرت میاں صاحبؓ کی بیماری طبی لحاظ سے کئی وجہ سے غیر معمولی اور اس کا انجام غیر متوقع تھا۔ عموماً آپؓ کے پرانے عوارض کی وجہ سے خطرہ رہتا تھا کہ کسی وقت دل کی پیچیدگی کی وجہ سے آپؓ کی حالت مخدوش نہ ہو جاوے۔ مگر اس آخری مرض میں دل کی حالت آخر تک تسلی بخش رہی۔

آپؓ کی گھبراہٹ اور بے چینی جو کہ NEUROSIS کی وجہ سے تھی پریشان کُن اور تکلیف دہ ضرور تھی مگر اس سے جان کو خطرہ کا امکان نہیں تھا -آپؓ کی وفات سے ۴۸ گھنٹہ پہلے تک بھی وہم و گمان نہیں تھا کہ آپؓ کی وفات اس قدر نزدیک ہے-آپؓ کی وفات نمونیہ اور پھیپھڑوں کی انفیکشن اور تیز بخار کی وجہ سے ہوئی ہے جو کہ عام حالات میں علاج اور خصوصاً موجودہ ANTIBIOTICS علاج سے آسانی سے قابو میں آجاتی ہیں مگر باوجود تمام کوششوں کے کوئی دوائی ذرہ بھر اثر پذیر نہیں ہوئی -یہ تمام باتیں ہمیں اس نتیجہ پر مجبور کرتی ہیں کہ آپؓ کی وفات اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ اور تقدیر مبرم تھی جو اس کی مشیت کے مطابق پُوری ہوئی- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷) -کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ o وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ o (اس زمین پر جو کوئی بھی ہے بالآخر ہلاک ہوگا اور صرف وہی بچتا ہے کہ جس کی طرف تیرے جلال اور عزت و اکرام والے رب کی توجہ ہو-الرحمٰن : ۲۷-۲۸) -ناقل)- (الفضل -خاص نمبر- ۲۹/ اکتوبر۱۹۶۳ء صفحہ۳۲-۳۳)

آپؓ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی بہت سی منذر خوابوں کا بے حد ذکر فرمایا کرتے تھے-آپؓ،حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضوان علیہم اور جماعت کے دوستوں کو بھی اپنے لئے دعا کی تحریک فرمایا کرتے تھے اور آپؓ کی دعاؤں میں یہ عاجز بھی آپؓ کے ساتھ شامل رہتا تھا-ان آخری ایام میں آپؓ کی زبان مبارک سے بارہا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر سنا:-

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے
آؤ بُلبُل ! چلیں کہ وقت آیا (درثمین)

بلکہ مجھے یاد ہے کہ جس دن آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہوُا اُس دن صبح صبح گھر میں سب سے پہلے خاکسار نے ہی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زبان مبارک سے اس شعر کو سنا بلکہ حضرت میاں صاحبؓ نے ازراہ شفقت مسکرا کر خاکسار سے یہ پوچھا بھی کہ اس کا مطلب بتاؤ؟ خاکسار سوچتا تو رہا لیکن اس کا کوئی بھی جواب نہ دے سکا اور حضرت میاں صاحبؓ نے بھی اس کی کوئی تشریح نہیں فرمائی -یہ شعر سناتے وقت حضرت میاں صاحبؓ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص قسم کا نُور چھایا ہوُا تھا کہ جس کو بشاشت کا رنگ بھی دیا جاسکتا ہے-آپؓ چونکہ اس شعر کے مفہوم کو خوب سمجھتے تھے لہذا قطعاً متفکر نہ تھے-انہی منذر خوابوں کے بارہ میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ :-

''وہ تو سال بھر سے کہہ رہے تھے کہ میں جارہا ہوں مگر ہمارے دل بھلا کب مانتے تھے-اکثر میں نے کہا منجھلے بھائی ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فرماتے تھے خواب کا آجانا بہتر نشانی ہے کہ دعا و صدقات سے بَلا ٹل جاتی ہے-ناگہانی مصیبت سے خدا محفوظ رکھے جس میں دعا کی توفیق بھی نہیں مل سکتی-بڑی معصومیت سے ''اچھا'' کہہ دیتے-مگر پھر جب ملو تو وہی اشارے رخصت ہونے کے،وہی ذکر''-(الفضل ۱۱/ ستمبر۱۹۶۳ء)

مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب ان آخری ایام کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ غالباً تین ساڑھے تین ماہ کی بات ہوگی کہ میں بعض دفتری امسلہ لے کر حاضر ہوُا تو آپؓ نے فرمایا:- ''ہاشمی صاحب ! آپ کو علم ہے کہ مجھے ایک عرصہ سے منذر خوابیں آرہی ہیں-آج صبح جب میں بیدار ہوُا تو میری زبان پر یہ مصرع جاری تھا۔ ''آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا''-اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا وقت قریب آرہا ہے''۔میں آخری مئی ۱۹۶۳ء سے رخصت پر ربوہ سے باہر گیا ہوُا تھا-اس دوران مجھے (مکرم عطاء اللہ قریشی صاحب کے ذریعہ) اطلاع ملی کہ حضرت میاں صاحبؓ بغرض علاج لاہور جانے والے ہیں اور یہ کہ میں جلد واپس آجاؤں-چنانچہ میں ۲۶/جون۱۹۶۳ء کو صبح آٹھ بجے کوٹھی البشریٰ میں حاضر ہوگیا-اس وقت حضرت میاں صاحبؓ بستر پر آرام فرما رہے تھے-میں نے سلام عرض کیا تو آپؓ نے مصافحہ فرماتے ہوئے حسب معمول خیروعافیت دریافت

فرمائی اور فرمایا کہ:-

'' میرا تو اب آخری وقت قریب آ رہا ہے- مجھے ایک عرصہ سے منذر خوابیں آ رہی ہیں اور ان کی بناء پر میں ایسا سمجھتا ہوں'' -اس پر میں نے عرض کیا کہ ان خوابوں میں وقت کی بھی تعین ہے؟ -ممکن ہے کہ یہ واقعہ کئی سالوں کے بعد رونما ہو-سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات رویاء وکشوف تین سو سال تک پورے ہوتے رہیں گے-فرمایا کہ'' وقت کی تعین تو نہیں ہے مگر میں علم تعبیر کی رو سے سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے'' -میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے ''وَاللّٰہُ غَالِب'' عَلٰی اَمْرِہٖ (یوسف : ۲۲ -ناقل) -یعنی: اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر بھی غالب ہے'' -یہ سن کر آپؓ کی آواز میں بلندی اور شوکت پیدا ہوگئی-فرمایا: '' ہاشمی صاحب! میرا اس آیت پر پورا یقین اور ایمان ہے-اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر غالب ہے اور اس کے سامنے عاجز نہیں ہے-وہ ماتحت اور محکوم نہیں ہے-وہ پوری طاقت اور غلبہ رکھتا ہے-وہ اس میں ترمیم وتنسیخ کرسکتا ہے-وہ اسے بدل سکتا ہے مگر میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا مقدر وقت قریب آ رہا ہے'' -

میں نے عرض کیا کہ احباب جماعت آپؓ کی خدمت میں شکستہ حالت میں حاضر ہوتے ہیں اور حوصلہ مند ہو کر جاتے ہیں مگر آج آپؓ کی کیفیت کچھ معمول کے خلاف ہے-فرمایا:- '' کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ عزیز میاں عبداللہ خان صاحبؓ کی وفات کے صدمہ کو میں نے کس طرح برداشت کیا؟ اور پھر عزیز میاں شریف احمد صاحبؓ کی وفات کے وقت کس طرح اپنے جذبات کو قابو میں رکھا ؟ حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں یہ اطلاع میں نے کس طرح کنٹرول کرتے ہوئے دی ؟ اور پھر جلسہ سالانہ کے سٹیج پر میں نے میاں شریف احمدؓ صاحبؓ کی وفات کا اعلان کیا-کیا آپ نے میرے کسی لفظ یا فقرہ یا کسی حرکت سے یہ محسوس کیا تھا کہ میں جذبات کی رَو میں بہہ گیا ہوں ؟ -اب میرا مقدر آ گیا ہے جو بہر حال آنا ہی تھا''-

پھر آپؓ نے فرمایا کہ:-

''اگر آپ کے علم میں مَیں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر دفتر کے یا کسی اور آدمی کے ساتھ جائز یا ناجائز سختی کی ہو تو آپ میری طرف سے معافی مانگیں- میں چاہتا ہوں کہ اس دنیا کا حساب اسی دنیا میں ختم کر جاؤں'' -میں نے عرض کیا کہ اگر آپؓ نے کبھی ایسا کیا بھی ہے تو اس میں آپؓ کے مدنظر اس شخص کی اصلاح اور تربیت ہی مقصود تھی-اس کے بعد آپؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر رقت آمیز لہجہ میں فرمایا'' ہاشمی صاحب! آپ اس بات کے گواہ رہیں اور مَیں آپ کے سامنے اس امر کا اقرار اور اظہار کرتا ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے لے کر اب تک میرے دل میں سب سے زیادہ حضرت سرور کائنات ﷺ کی محبت جاگزیں ہے-حدیث میں آتا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اس لحاظ سے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے تحت مجھے وہاں آنحضرت ﷺ کے قرب سے نواز دے گا'' -

اور پھر فرمایا کہ:-

'' آپ اس بات کے بھی گواہ رہیں اور مَیں آپ کے سامنے اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر انشراح صدر سے راضی ہوں'' -پھر فرمایا کہ'' میں ہمیشہ جماعت کے غریبوں اور نادار طلباء کی امداد کا خیال رکھتا رہا ہوں-مَیں دوستوں کو تحریک کر دیتا تھا اور دوست مجھے روپیہ بھجوا دیتے تھے اور اس طرح غریبوں کی مدد کا سامان ہو جاتا تھا-آپ اس بات کو ملحوظ رکھیں'' -پھر فرمایا کہ'' کل مَیں نے قریشی عطاء اللہ صاحب کو پانچ پانچ روپئے کے سو نوٹ اور ایک ایک روپیہ والے سو نوٹ -کُل چھ سو روپیہ دیا ہے-وہ روپیہ آپ دفتر میں رکھیں یا گھر میں یا اپنی امانت میں جمع کر لیں-جب میری وفات کی اطلاع آئے تو ام مظفر احمد کو دے دیں'' -اور پھر آپؓ نے خاموشی اختیار کر لی-اس پر میں نے واپسی

کیلئے اجازت چاہی تو مصافحہ کر کے فرمانے لگے کہ '' کل صبح چھ سات بجے لاہور جانے کا پروگرام ہے-ممکن ہے کہ یہ میرا آخری سفر ہو-آپ میرے انجام بخیر کے لئے دعا کرتے رہیں''-(روزنامہ الفضل ربوہ-خاص نمبر-۲۹/ اکتوبر۱۹۶۳ء صفحہ۳۴-۳۷)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو نظر آنے والی منذر خوابوں کے بارہ میں خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ زبیدہ نسیم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ:-

'' کوٹھی البشریٰ میں منتقلی کے کچھ عرصہ کے بعد آپؓ کچھ بیمار سے رہنے لگے لہذا ان دنوں ہمیں کچھ تھوڑی سی خدمت کرنے کا موقع ملا-کبھی آپؓ کو کٹورے میں پانی دیتے کبھی آپؓ کے پاؤں دباتے لیکن جب یہ بیماری بڑھ گئی تو آپؓ کے معالج ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور دوسرے ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا کہ آپؓ کو تبدیلی آب وہوا کے لئے کسی دوسری جگہ لے جایا جائے لیکن جب آپؓ نے یہ بات سنی تو آپؓ خوش نہیں ہوئے بلکہ آپؓ کی گھبراہٹ اور بھی زیادہ بڑھ گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی دنوں آپؓ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ:-

'' میں فوت ہو گیا ہوں اور بشریٰ میرے سرہانے کھڑی رو رہی ہے''

عزیزہ بشریٰ میری چھوٹی بہن ہے-اس منذر خواب کے آنے سے پہلے اس سفر میں آپؓ میری بہن بشریٰ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن اس خواب کو دیکھ لینے کے بعد قدرتاً آپؓ کی گھبراہٹ مزید بڑھ گئی لہذا آپؓ نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی بجائے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرماتے ہوئے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ''تم تو پڑھنے والی لڑکی ہو اس لئے تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا لیکن پھر بھی کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟ ''۔معزز قارئین! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اللہ کے یہ پیارے اور نیک بندے دوسروں کے احساسات، جذبات اور خیالات کا کتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں اور ان کی خوشیوں اور خواہشات کا کس قدر احترام کرتے ہیں خواہ وہ غریب، کمزور اور چھوٹی عمر کے بچے ہی کیوں نہ ہوں-میرے اس اقرار کو سن کر کہ میں آپؓ کی خدمت کے لئے آپؓ کے ہمراہ چلوں گی آپؓ میری چھوٹی بہن عزیزہ بشریٰ کو بار بار پیار سے اپنے پاس بلا کر دلداری کی باتیں فرماتے اور یہ بھی کہ تم ناراض نہ ہونا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا اور اسے بار بار اپنی پاکیزہ دعاؤں سے نوازتے رہے-جَزَاهُ اللّٰهُ وَ اَحْسَنَ الجَزَاۗءِ-(مکتوبات نسیم ۔ ۲۲/جنوری ۲۰۰۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھی اپنے ایک مضمون میں ان خوابوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' چند ماہ سے ابا جان کو متعدد منذر خوابیں اپنی وفات کے متعلق آ رہی تھیں جن سے ان کی طبیعت میں یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے-اس کا پہلا اشارہ مجھے عید کے موقع پر شروع مئی میں کیا جبکہ میں واپس راولپنڈی کے لئے رخصت ہو رہا تھا-فرمانے لگے کہ '' مجھے کچھ عرصہ سے بعض منذر خوابیں آ رہی ہیں تم بھی دعا کرنا'' اور حسب معمول رخصت کرتے وقت فرمایا '' اللہ حافظ و ناصر ہو'' -یہ خوابوں کا سلسلہ لاہور میں بھی جاری رہا اور میرے علاوہ دوسرے ملنے والوں سے بھی ان کا ذکر کیا، گو تفصیل نہیں بتلاتے تھے-نہ ہم میں اس کے دریافت کی ہمت پڑتی تھی-میں نے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا-اُن کی رائے یہ تھی کہ ابا جانؓ کی بیماری کی تشویشناک صورت دل اور بلڈ پریشر BLOOD PRESSURE کی طرف سے ہو سکتی ہے اور یہ دونوں بیماریاں خدا کے فضل سے کنٹرول میں تھیں چنانچہ ایک مرتبہ میں نے عرض بھی کیا کہ ڈاکٹر تسلی دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل بیماریاں کنٹرول میں ہیں اور باقی شدید بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی ہیں جو انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی-میرے یہ کہنے پر فرمایا:-

'' ڈاکٹروں کی رائے پر نہ جانا''

ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ روز تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے ابا جانؓ گھوڑا گلی تشریف لے جائیں- جہاں موسم بھی خوشگوار ہوگا اور جس کی بلندی بھی اتنی نہیں جو کہ ایک دل کے مریض کے لئے خطرہ کا باعث ہو- چنانچہ وسط اگست میں آپؓ لاہور سے روانہ ہو کر راستہ میں جہلم کچھ وقت قیام فرما کر شام کے قریب ہمارے ہاں راولپنڈی میں پہنچے اور رات کا قیام فرمایا- اگلے روز صبح گھوڑا گلی تشریف لے گئے- اس سفر میں ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب اور میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا منیر احمد ساتھ تھے- ہفتہ کے روز ہم بھی چلے گئے اور ڈاکٹر صاحب دو تین دن قیام فرمانے کے بعد میرے ساتھ ہی واپس آ گئے- ڈاکٹر کا انتظام سالمی سینی ٹوریم اور مری سے کر لیا تھا کہ ضرورت کے وقت وہاں سے آ سکیں- گھوڑا گلی میں پہلے دو تین روز آپؓ کی طبیعت خاصی اچھی ہوگئی لیکن وہاں پھر پہلے کی طرح اپنے متعلق منذر خواب دیکھی اور اسی وجہ سے مقررہ پروگرام سے پہلے لاہور واپس تشریف لے گئے- لاہور میں واپسی پر بھی منذر خوابوں کا سلسلہ جاری رہا- چنانچہ ایک مرتبہ ۲۴ راگست کے قریب جب میں لاہور گیا تو فرمانے لگے کہ:-

''اب تو چل چلاؤ ہی ہے''

خوابوں کی تفصیل نہیں بتلاتے تھے- گھوڑا گلی میں میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ امتہ اللطیف بیگم نے جب اس بارے میں کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو فرمانے لگے ''تم بچے ہو میں تفصیل نہیں بتلاتا، تم لوگ گھبرا جاؤ گے'' -ایک چیز جس کا بالوضاحت اپنے ایک خط میں ایک بزرگ کے نام ذکر فرمایا وہ یہ تھی کہ فرمایا میری زبان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر جاری ہوا :-

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے
آؤ بُلبُل ! چلیں کہ وقت آیا (درثمین)

ان خوابوں کی وجہ سے بہرحال آپؓ کی طبیعت پر یہ گمان بہت غالب تھا بلکہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ آپؓ کی وفات کا وقت قریب ہے- خود ماہ جون کے آخر میں ربوہ سے روانگی کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے لئے علیحدہ رقم گھر دے دی- پھر لاہور سے مزید رقم یہ کہہ کر والدہ کو ارسال کی کہ میری وفات پر دوست آئیں گے- گھر کے عام خرچ سے زیادہ اخراجات ان دنوں ہوں گے اس لئے بھجوا رہا ہوں- ایک روز ایک خط بھی اپنے خادم بشیر احمد سے لکھوا کر بھیجا جو ایک قسم کا الوداعی خط تھا- اسی طرح ایک بیرون از پاکستان کے خط کے جواب میں لکھوایا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ لوگ اکتوبر میں پاکستان آئیں گے لیکن اکتوبر میں تو مَیں یہاں نہیں ہوں گا- کچھ اسی قسم کے الفاظ تھے''-(الفضل مؤرخہ ۲۰ رنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

انہی منذر خوابوں کے سلسلہ میں مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب نے تحریر فرمایا کہ حضرت قمرالانبیاء میاں صاحبؓ:-

'' ان دنوں بہت تکرار کے ساتھ ذکر فرماتے کہ آپؓ کو بہت سی منذر خوابیں آئی ہیں اور آپؓ کا وقت نزدیک ہے- پھر کئی دفعہ فرمایا کہ ''ایک ہی طرح کی خواب ربوہ سے چلتے وقت گھوڑا گلی اور لاہور میں آئی ہے'' - پھر میری موجودگی میں میاں مظفر احمد صاحب کو فرمایا کہ ''مظفر! آپ ڈاکٹروں کی باتوں پر نہ جائیں- اب مجھ میں کچھ باقی نہیں اور میں نے متواتر خوابیں دیکھی ہیں'' -ایک دفعہ فرمایا کہ ''اب میری عمر ۷۰ سے زائد ہو چکی ہے- میں موت سے نہیں ڈرتا- اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے'' - میں نے اور بعض دوسرے دوستوں نے کئی دفعہ عرض کیا کہ خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں مگر ظاہر تھا کہ اس بات کا آپؓ پر اثر نہیں تھا- آپؓ کو اپنی موت کے قریب ہونے کا پورا یقین تھا''-(الفضل خاص نمبر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۲-۳۳)

اسی گھبراہٹ کی تکلیف کے بارہ میں خاکسار کی ہمشیرہ زبیدہ نسیم صاحبہ نے مجھے بتایا کہ:-

’’ ایک مرتبہ آپؓ کی صاحبزادی حضرت امتہ المجید بیگم صاحبہ آپؓ سے ملنے تشریف لائیں جب وہ واپس چلنے لگیں تو ان کی صاحبزادی ساجدہ مبشرہ صاحبہ کو روک لیا کہ تم میرے پاس ٹھہرو- چنانچہ آپؓ نے ہم دونوں کی یہ ڈیوٹی لگا دی کہ ’’تم دونوں نے رات کو سونا نہیں- بس جاگتے رہنا ہے‘‘- آپؓ کا ارشاد سنتے ہی ہم دونوں نے رات کو نہ سونے کا وعدہ کیا کیونکہ آپؓ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر پریشانی میں کس کو نیند آتی ؟ اور یوں ہم دونوں تمام رات آپس میں باتیں کرتی رہتیں اور ہماری دوستی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی- اس دوران کبھی کبھی آپؓ کی خدمت کرنے کا بھی کوئی نہ کوئی موقعہ نصیب ہو جاتا- صبح جب آپؓ سیر یا چہل قدمی کے لئے تشریف لے جاتے تو تب ہم دونوں سو جایا کرتیں- سوچتی ہوں کہ کاش ! ہمیں آپؓ کی خدمت کرنے کا زیادہ موقعہ مل جاتا‘‘- (مکتوبات نسیم ۔ ۲۲ر جنوری ۲۰۰۱ء)

جیسا کہ خاکسار پہلے بھی عرض کر چکا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء میاں صاحبؓ بغرض علاج لاہور تشریف لے گئے اور جب آپؓ کی بیماری کی شدت میں کچھ افاقہ ہؤا تو ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپؓ، آب وہوا کی تبدیلی کے لئے مؤرخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۶۳ء کو لاہور سے بذریعہ موٹر کار گھوڑا گلی تشریف لے گئے- اس سفر میں خاکسار کی منجھلی ہمشیرہ زبیدہ تسنیم (نسیم) صاحبہ تیمارداری کے لئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نگرانی کے لئے اور لاہور میں ۲۳ ریس کورس والے بنگلہ (مکان) کے ہمسایہ مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب بھی علاج معالجہ کے لئے آپؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے- راستہ میں جہلم کے ڈاک بنگلہ میں کچھ ساعت قیام فرما کر اُسی دن شام کو حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے ہاں راولپنڈی میں رات بسر فرمائی اور اگلے دن گھوڑا گلی تشریف لے گئے- جہاں آپؓ نے پانچ اگست تک قیام فرمایا لیکن اپنے بعض منذر خوابوں کی وجہ سے آپؓ کو شدید گھبراہٹ اور بے چینی رہتی تھی لہذا آپؓ نے واپس چلنے کے لئے زور دینا شروع کر دیا اور بالاصرار مؤرخہ ۶ر اگست کو واپس روانہ ہوئے لیکن ربوہ واپس آتے ہوئے بحالت مجبوری ایک مرتبہ پھر ڈاکٹری معائینہ کے لئے لاہور تشریف لے گئے جہاں آپؓ کی یہ بیماری بڑھتی ہی چلی گئی- ان آخری ایام کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا کہ:-

’’ ۲۲ر اگست کو میں مری سے واپسی پر لاہور پہنچا- اسی روز آپؓ کی صاحبزادی امتہ المجید بیگم ڈھاکہ کے لئے روانہ ہوئی تھیں- ان سے بار بار کہا کہ: ’’ امتہ المجید! اب تم مجھ سے پھر نہیں ملو گی‘‘ اور روتے ہوئے اسے رخصت کیا- اس دن طبیعت اسی خیال سے سخت اداس اور بیقرار رہی- پھر دوسرے روز برادرم مرزا انور احمد کے ساتھ آپؓ کی صاحبزادی امتہ الحمید بیگم نے ربوہ واپس جانا تھا- میں بھی اسی کار میں ساتھ جا رہا تھا- جب وہ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئیں تو فرمایا: ’’ اچھا! تم چلی جاؤ- اب یہ آخری ملاقات ہے‘‘- آپؓ بہت ہی محبت کرنے والے اور رقیق القلب تھے - آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری تھا پھر باوجود سخت نقاہت کے لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور باہر کار تک اپنی بچی کو چھوڑنے کے لئے آئے- آنکھیں اشک آلود تھیں اور ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہے تھے- مرزا انور احمد اس انتظار میں تھے کہ عمو صاحبؓ اندر جائیں تو کار چلاؤں مگر میں جانتا تھا کہ جب تک کار نہیں چلے گی واپس نہیں پھریں گے- چنانچہ میں نے کہا کہ عمو صاحبؓ کمزور ہیں اور مشکل سے کھڑے ہیں اس لئے اب اور انتظار نہ کرو- چنانچہ کار چل پڑی اور عمو صاحبؓ روتے ہوئے واپس چلے گئے- جانے سے پہلے ہی مجھ سے وعدہ لے لیا کہ پھر جلد آؤں گا- چنانچہ 29 ر کو سیالکوٹ کے جلسہ پر جاتے ہوئے لاہور خدمت میں حاضر ہؤا - اس روز تقریباً تمام دن اور اکثر رات اپنے پاس بٹھائے رکھا- نیند سے گھبراتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب سوؤں تو دیکھتے رہنا‘‘- (ماہنامہ خالد ربوہ فروری ۱۹۶۴ء)

مجھے یاد ہے کہ آپؓ کی بیماری کی اس شدت کو دیکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر

احمد صاحبہؓ کو ربوہ سے لاہور بلوالیا تاکہ شاید آپؓ کو مزید سکون مل جائے اور یوں ہم لوگ بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی معیت میں لاہور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے- مجھے یاد ہے کہ جس دن ہم لاہور پہنچے تو اس دن آپؓ بے ہوش پڑے تھے لہذا ہمیں خاموشی سے آپؓ کے کمرہ میں جو کہ گھر میں داخل ہوتے ہی مردانہ برآمدہ کے بائیں طرف واقع تھا، جانے کی اجازت ملی اور جلدی واپس کی آنے کی ہدایت- آپؓ کو بے ہوش دیکھ کر دل پر ایک عجیب سا عالم طاری ہو گیا کہ جس کو الفاظ کے دائرے میں لانا مشکل ہے- مایوسی نہیں لیکن بے چارگی کا عالم اور سوائے دعا کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیونکہ ایسی حالت میں میں نے آپؓ کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا- مجھے یہ بھی یاد ہے کہ خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے میرے ہم عمر اور مجھ سے بڑے بچے بھی وہاں موجود تھے لیکن ان دنوں میں نے کسی کے چہرے پر حضرت ابا جانؓ میاں بشیر احمد صاحبؓ کی بیماری کی وجہ سے مسکراہٹ نہیں دیکھی اور نہ ہی ہم سب نے مل کر کسی بھی قسم کی دلچسپی والے کوئی کھیل کھیلے کیونکہ کیا چھوٹے کیا بڑے سب ہی تو صرف حضرت میاں صاحبؓ کی معجزانہ صحت کاملہ وعاجلہ کے لئے دعاؤں میں مصروف تھے-

ان لگاتار پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کا ایک سپیشل بورڈ بھی اپنی پوری توجہ اور عمدہ ترین ادویات کے ساتھ آپؓ کا علاج کر رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپؓ کی طبیعت بگڑتی چلی جا رہی تھی لہذا آپؓ کی نگرانی کے لئے سپیشل ٹرینڈ نرسوں کا بھی انتظام کیا گیا اس کے ساتھ ساتھ مزاج پرسی کے لئے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مخلص احباب جماعت کا دن رات تانتا بندھا رہتا تھا اور ۲۳ ریس کورس کی کوٹھی کے وسیع مردانہ باغیچے میں بالتزام نماز باجماعت کے ساتھ آپؓ کی صحت یابی کے لئے انتہائی خشوع وخضوع سے دعائیں بھی کی جاتیں اور صدقہ و خیرات بھی دیا جاتا- علاوہ ازیں پاکستان بلکہ بیرونی ممالک کے بھی چیدہ چیدہ نامور ڈاکٹر صاحبان نے بھی تشخیص کی لیکن تقدیر الٰہی کو کون بدل سکتا ہے؟ اور یوں آپؓ کو نہ آرام آنا تھا اور نہ آیا اور آپؓ چند دنوں کی شدید علالت کے بعد ۲ ستمبر کی شام کو تقریباً پونے سات بجے (چھ بج کر اڑتالیس منٹ- الفضل خاص نمبر ۲۹ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷) جب کہ ہم لوگ کوٹھی کے مردانہ باغیچہ میں مغرب کی نماز ادا کرتے ہوئے خشوع وخضوع سے آپؓ کی صحت یابی کے لئے خدا کے حضور دعاؤں میں مصروف تھے عین اس وقت حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہم سے جدا ہو کر اپنے اس آقا ومولا سے جا ملے جو کہ بار بار اپنے پیارے اور عزیز بندے کو یہ اطلاع دیتے ہوئے اپنی طرف بلا رہا تھا کہ:-

”آ و بلبل چلیں کہ وقت آیا“

اِنَّـا لِلّٰہِ وَ اِنَّـآ اِلَیۡہِ راٰجِعُوۡنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام زندگی خدمت اسلام میں گزری- اس راہ میں واقعی صدق دل سے اپنی جان- مال- عزت اور وقت کو قربان کرنا پڑتا ہے اور یہ صرف واقفین زندگی کا ہی حال نہیں بلکہ واقفین زندگی کے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اس وقف میں ہر طرح سے شریک رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود کبھی آپؓ نے اُف تک نہیں کی- میری اس بات کو صرف وہی معزز احباب جماعت یا اُن کے معزز ومحترم گھرانے کے افراد ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر رکھا ہے- اس سلسلہ میں آپؓ کے رفیق حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے تحریر فرمایا:-

”ہر لحہ انہوں نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ اور اس کے دین کی راہ میں وقف کئے رکھا اور اس راہ میں کئی موتیں اپنے پر وارد کیں- ان کی جسمانی وفات ان کے لئے اس کمر جھکا دینے والے بوجھ سے جسے انہوں نے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر لائے بغیر بطیّب خاطر دن اور رات اٹھائے رکھا- خوش آئند رہائی کا درجہ رکھتی ہے- خواہ دل نے کتنے ہی آنسو بہائے ہوں اور وہ کتنا ہی خون ہو ہو گیا ہو ان کی زبان سے اپنے خالق و

مالک کے لئے محبت، اطاعت، وفاداری، تسلیم و رضا اور تحمید و تمجید کے الفاظ کے سوا کبھی کوئی لفظ نہیں نکلا - وہ ہم سب کے لئے ایک عظیم الشان اور درخشندہ و تابندہ اسوہ تھے''-(روزنامہ ''الفضل ربوہ'' خاص نمبر ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۸)

قرآن شریف میں کئی جگہ اسلام کے ایسے ہی فدائیوں کا ذکر موجود ہے جو بے چون و چرا خدائی احکامات کی تکمیل میں ہزاروں طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی زندگیاں بسر کر دیتے ہیں اور ہر صورت میں اللہ سے اپنے کئے ہوئے عہد کا پاس رکھتے ہیں: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ'' صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ---(الاحزاب: ۲۴)۔یعنی:''مؤمنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے خدا تعالیٰ سے باندھا ہؤا اپنا عہد پورا کر دکھایا---''۔اور خدمت اسلام کے اس مقدس قلمی جہاد میں ایک باہمت مرد مجاہد کی طرح اپنے قول و فعل سے آپؓ نے یہ ثابت کر دیا کہ آپؓ کا شمار بھی انہی معزز و محترم مؤمنین اسلام میں ہوتا ہے کہ جن کے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں درج ہے کہ: --- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۷۸)۔یعنی: ''---یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے قول و فعل کے سچے نکلے اور یقیناً یہی لوگ کامل متقی بھی ہیں''-پس اس طرح خدا کی راہ میں قربان ہونے والا اپنی جان کا صدقہ دے کر شہید کا اعلیٰ وارفع مقام پاتا ہے۔فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ٥ (آل عمران: ۱۷۰)۔اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تشریح حضرت میاں صاحبؓ کے اپنے ہی الفاظ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:-

'' جو لوگ خدا کے راستہ میں زندگی گذارتے ہوئے فوت ہوں اور قربانی کی موت حاصل کریں-ان کو ہرگز فوت شدہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں (اور ہمیشہ زندہ رہیں گے) اور ان کی زندگی کی علامت یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی خدا کی طرف سے اُن کو رزق مہیا کیا جاتا ہے جو انسانی زندگی کے بقا اور نشوونما کا موجب ہے''-اس لطیف آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداً کی زندگی نہ صرف اپنی ذات میں کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ شہید کی موت بہت سے دوسرے لوگوں کی زندگی کا باعث بن جاتی اور جماعت کی غیر معمولی ترقی کا موجب ہو جاتی ہے-اور جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ قرآن و حدیث میں صریح اشارات پائے جاتے ہیں کہ شہید سے صرف وہی شخص مراد نہیں جو کسی دینی لڑائی میں مارا جائے بلکہ ہر وہ شخص بھی شہیدوں میں داخل ہے جو: (۱) خدمت دین میں زندگی گذارتا ہؤا فوت ہو-(۲) اور اس کا نمونہ بھی ایسا ہو کہ دوسروں کے لئے ترغیب و تحریص اور اقوام فی الدین کا موجب بن جائے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۴۳)

خاکسار کو یاد ہے کہ اس وقت نماز مغرب بہت مختصر کر دی گئی لیکن اس کی ادائیگی کے فوراً بعد ہم سب بھاگ کر اندر گئے- خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبھی وجود جو کہ ان دنوں لاہور میں رہائش پذیر تھے یا حضرت میاں صاحبؓ کی بیماری کی وجہ سے لاہور میں آئے ہوئے تھے ،اس وقت کم وبیش سب ہی موجود تھے اور جو موجود نہ تھے وہ بھی چند منٹ کے اندر اندر ہی وہاں پہنچ گئے-اسی وقت چونکہ ربوہ چلنے کا پروگرام تھا لہٰذا اس کے بعد فوراً تیاری شروع کر دی گئی اور ایک ایمبولینس کا انتظام کیا گیا کہ جس کے ذریعہ حضرت قمرالانبیاءؓ کے جسد اطہر کو واپس ربوہ پہنچایا گیا-تمام راستہ مختلف قسم کے خیالات آتے رہے-حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کوئی ناگہانی وفات نہ تھی بلکہ ایک لمبی بیماری کے بعد آپؓ کا انتقال ہؤا تھا لیکن پھر بھی ہمیں یہی محسوس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ اچانک ہی ہو گیا ہے اور دل میں یہ ٹیس اٹھتی تھی کہ کیوں خدا نے آپؓ کو لمبی اور صحت والی زندگی نہیں دی؟ اسی لئے آج بھی جب آپؓ کی یاد آتی ہے تو یہ شعر زباں پر آ جاتا ہے کہ:-

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک مضمون میں خود اس شعر کی تشریح فرمائی ہے۔فرمایا:-

''شاعر کہتا ہے کہ جو لوگ اکٹھے بیٹھ کر شراب طہور پیا کرتے اور مجلس جمایا کرتے تھے وہ اب ایک ایک کر کے اٹھتے جاتے ہیں اور پرانی مجلس سُونی ہوتی جارہی ہے۔اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس مجلس میں بیٹھنے والوں کو کوئی ایسا آب حیات مل جائے جوان پر موت کا دروازہ بند کر دے اور اس طرح یہ پاکیزہ مجلس ہمیشہ گرم رہے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ۔۳/مارچ ۱۹۶۰ء)

حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب کی وفات کے معاً بعد سب سے پہلے ہم سب گھر والوں نے آپؓ کے چہرہ مبارک کا دیدار کیا اور اس کے بعد اس وقت وہاں موجود احباب جماعت کو بھی یہ موقعہ دیا گیا کہ وہ بھی حضرت میاں صاحبؓ کے چہرہ مبارک کا دیدار کر لیں۔اس کی تفصیل مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت میاں صاحبؓ کی المناک وفات کی اطلاع آناً فاناً لاہور شہر کے تمام حلقوں میں پھیل گئی۔ریڈیو پر بھی اعلان ہو گیا اور ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ کوٹھی کے سامنے کا تمام حصہ مردوں اور عورتوں سے بھر گیا۔حضرت میاں صاحبؓ کی محبت کی وجہ سے بچے بھی کافی تعداد میں پہنچ گئے۔اس وقت جو افسردگی احباب پر طاری تھی اس کا نقشہ الفاظ میں نہیں کھینچا جا سکتا۔تمام احباب سر نیچے کئے ہوئے حیران و پریشان کھڑے تھے مگر بات کرنے کی طاقت نہیں پاتے تھے۔میرا اپنا یہ حال تھا کہ ۲/ستمبر کی صبح کو ہی فجر کی نماز سے پہلے متعدد بار میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ'' فُعِلَ مَا قُدِّرَ '' یعنی خدا تعالیٰ کی تقدیر وارد ہو چکی ہے۔حضرت میاں صاحبؓ کی بیماری گو تشویشناک تھی لیکن یہ سمجھا جا رہا تھا کہ کل کی نسبت آج مرض کی شدت میں کمی ہے۔اس لئے ذہن ادھر نہیں جاتا تھا لیکن جب یہ واقعہ ہو گیا تب پتہ لگا کہ یہ الفاظ اسی واقعہ سے تعلق رکھتے تھے۔بہر حال کوٹھی کے دالان میں سینکڑوں انسان بُت بنے کھڑے تھے۔تھوڑی دیر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام مردوں اور عورتوں کو آخری زیارت کا موقعہ دیا جائے۔چنانچہ کوٹھی کے جس کمرہ میں آپؓ قیام فرمایا کرتے تھے اور جہاں متعدد بار ہم آپؓ کی زیارت سے لطف اندوز ہؤا کرتے تھے۔اس روز جب گئے تو اس نورانی وجود کی نعش پڑی تھی اور روح جسم عنصری سے پرواز کر کے اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور جا چکی تھی۔بے اختیار زبانوں سے پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○ (البقرۃ:۱۵۷) کی صدا بلند ہوئی۔انتظام یہ تھا کہ احباب لائن کی صورت میں کمرہ میں داخل ہو کر چارپائی کے دائیں طرف سے گذریں اور سرہانے کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف سے باہر نکل آئیں''۔(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۲)

خاکسار کو یاد ہے کہ سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے عین مطابق آپؓ کے جسد مبارک کو راتوں رات لاہور سے موٹر کاروں اور بسوں کے ایک لمبے قافلہ کے ساتھ ربوہ لایا گیا۔اس رات شیخوپورہ سے لے کر پنڈی بھٹیاں تک تمام راستہ بونداباندی ہوتی رہی لیکن پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ کے درمیان خصوصاً انتہائی موصلہ دھار بارش ہوئی۔باوجود یہ کہ میں اس وقت تقریباً دس سال کا ایک بچہ ہی تھا پھر بھی اس بارش کو دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ یقیناً آسمان بھی آج اپنے اس نیک اور پیارے بندے کی وفات پر آنسو بہا رہا ہے۔اس دن شام کو ہی چونکہ آپؓ کی وفات کی اطلاع تمام جماعتوں میں دے دی گئی تھی لہٰذا ربوہ میں اس رات فرط غم سے شائید ہی کسی کی آنکھ لگی ہو۔رات (یعنی صبح صبح) تین ساڑھے تین بجے یہ غم رسیدہ قافلہ ربوہ پہنچا۔گھر (البشریٰ) پہنچے تو دیکھا کہ خدام کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔علی الصبح فجر کی نماز کی ادائیگی اور درس القرآن کے خاتمہ کے معاً بعد ہی ربوہ کے مخلص احباب نے گھر جانے کی بجائے البشریٰ کا رخ کیا اور یوں صبح صبح ہی گھر میں اور سامنے سڑک پر غم زدہ احباب جمع ہونے شروع ہو گئے۔

ہم سب اپنے پیارے مربی، محسن اور شفیق وجود کی جدائی میں انتہائی غمگین تھے اور آنسو بہارہے تھے ہمارے علاوہ بھی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو کہ اپنے اس معزز و محترم اور بزرگ ہستی کی وفات کا سن کر اشک بار نہ تھی- اسی رات کو اور دوسرے دن بھی مخلصین جماعت میں ہزاروں کی تعداد میں پروانہ وار آپؓ کے آخری دیدار اور جنازہ میں شرکت کے لئے ربوہ کی طرف رواں دواں تھے-جس طرح آپؓ کو احباب جماعت سے بے لوث پیار تھا بالکل اسی طرح جماعت کو بھی آپؓ کے پیارے وجود سے بے حد محبت اور آپؓ جیسی بہت ہی پیاری ہستی سے والہانہ عقیدت تھی اور رنج و غم کے اس طوفان میں سب ہی کی آنکھیں نم تھیں بلکہ موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرات سے لبریز تھیں جو کہ ضبط کے باوجود بھی سرد آہوں کے ساتھ آنکھوں سے چھلک چھلک جاتے تھے-اس وقت تمام جماعت حزن و ملال کی ایک مکمل تصویر بنی ہوئی تھی-زبانیں گنگ تھیں لیکن دل دعاؤں میں مصروف تھے-تمام دن لاتعداد مغموم احباب جماعت البشریٰ دارالصدر غربی ربوہ میں آپؓ کے چہرہ مبارک کی آخری زیارت کرتے رہے-

مجھے یاد ہے کہ خاکسار آپؓ کے چہرہ مبارک کے دیدار کے لئے بار بار حاضر ہوتا رہا- آپؓ کے جسد مبارک کو حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے کمرہ میں رکھا گیا تھا اور تمام وقت حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب آپؓ کی میت مبارکہ کے قریب کرسی پر تشریف فرما رہے اور میں کبھی گھر کے اندر سے دیدار کے لئے چلا جاتا رہا اور کبھی احباب کی لمبی قطار میں شامل ہو کر اپنے محبوب کی آخری زیارت کرتا رہا کیونکہ مجھے کسی پل چین نہ تھا اور کسی طرح صبر نہ آتا تھا- مجھے یہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ آپؓ جیسا محبت کرنے والا پیارا عزیز اور پُر شفقت وجود فوت بھی ہو سکتا ہے -یتیمی کیا چیز ہے- اِس کا اندازہ مجھے اس دن پہلی مرتبہ ہؤا اور اب یہ احساسِ محرومی تمام زندگی میرا ساتھ دے گا- وہ بے لوث محبت جو کہ آپؓ کو احباب سے اور احباب جماعت کو آپؓ کے بابرکت وجود سے تھی اس کے بارہ میں آپؓ کے پوتے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب نے خاکسار کی دلداری کے واسطے ایک خط میں امریکہ سے تحریر فرمایا:-

’’ میں نے احباب کو جتنا ابا جانؓ سے محبت کرتے دیکھا ہے اس کی مثال بہت کم نظر آتی ہے -ابا جانؓ چونکہ ہر چھوٹے بڑے شخص کے مسئلہ اور مسائل میں دلی طور پر دلچسپی لیتے تھے اور ہمدردی رکھتے تھے اس وجہ سے بھی ہر طبقہ کے لوگ آپؓ سے مشورہ لینے کیلئے آتے تھے کیونکہ یہ احباب جانتے تھے کہ آپؓ ان کے لئے اپنے دل میں سچی ہمدردی رکھتے ہیں‘‘-(مکتوبات نسیم - ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء)

سیدنا حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا محمود الدین بشیر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل بیماری کی وجہ سے حضور کی خدمت اقدس میں آپؓ کے چھوٹے بھائی سیدنا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اندوہناک وفات کی اطلاع کیسے اور کس طرح احتیاط کے ساتھ دی گئی ؟اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ ابا جان کی وفات کی اطلاع ربوہ بذریعہ ٹیلیفون پہنچا دی گئی - چونکہ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب اور عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اس لئے رات کو سونے سے پہلے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ خلیفۃ المسیح الثانی کو ابا جان کی وفات کی اطلاع عمداً نہ پہنچائی گئی-صبح جب حضور ایدہ اللہ تعالےٰ اٹھے تو ابا جان کے متعلق دریافت فرمایا- حضرت ام متین صاحبہ نے وفات کی اطلاع دے دی اور پھر بعد میں الفضل کا پرچہ بھی سامنے کر دیا-حضور کو اس کا بے حد صدمہ اور قلق تھا لیکن پہلے دو روز بہت ضبط فرماتے رہے-ذکر کرنے سے گریز فرماتے تھے لیکن ضبط کی وجہ سے چہرے پر سرخی آجاتی تھی-ان دنوں میں بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت رہی- میری بیوی سے فرمایا کہ ’’ مجھے بڑا کرب اور قلق ہے‘‘- پھر فرمایا’’ مجھ سے چھوٹے تھے‘‘ ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا ’’ دعا کرو! قادیان واپس ملنے تا یہ چکر ختم ہو‘‘-(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ آپؓ کی وصیت کے مطابق آپؓ کا جنازہ لاہور سے رات کے ساڑھے دس بجے روانہ ہو کر تقریباً ساڑھے تین بجے رات ربوہ پہنچا اور اس کے فوراً بعد آپ کی تجہیز و تکفین شروع کر دی گئی۔ آپؓ کے کفن کی سلائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو صحابہ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحبؓ اور حضرت خواجہ عبید اللہ صاحبؓ نے اپنے ہاتھ سے کی۔ آپؓ کے جسد مبارک کے ربوہ پہنچتے ہی:۔

''چار بجے صبح میت کو خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب، مکرم شیخ فضل احمد بٹالوی صاحب اور مکرم حکیم عبد اللطیف شاہد صاحب نے غسل دیا۔ غسل دینے میں مکرم مولوی محمد احمد جلیل صاحب، مکرم سید مبارک احمد شاہ صاحب اور مکرم حمید احمد اختر صاحب نے بھی حصہ لیا اور مذکورہ بالا سہ اصحاب کا ہاتھ بٹایا''۔ (حیات بشیرؓ صفحہ ۱۵۷)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی المناک وفات کی خبر ریڈیو پاکستان لاہور سے بار بار نشر کی گئی جس کی وجہ سے بہت سے احمدی احباب کو اس سانحہ کی اطلاع مل گئی تھی لیکن اس کے باوجود بھی مرکز کی جانب سے ہر جگہ بذریعہ تار (ٹیلیگرام) اطلاع دے دی گئی۔ حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے مرزا منیر احمد صاحب نے احباب جماعت کی سہولت کے پیش نظر اپنی ذاتی بس کمپنی ''طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ لاہور'' کے ذریعہ لاہور اور سرگودھا سے ربوہ آنے والے احباب جماعت کو مفت ربوہ پہنچانے کا اعلیٰ انتظام کیا اور مجھے یاد ہے کہ جب ہم اس قافلہ کے ساتھ لاہور سے ربوہ آ رہے تھے تو طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کی پہلی بس جو سرگودھا سے خالی لاہور جا رہی تھی وہ ہمیں پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ کے درمیان ملی تھی اور دونوں ڈرائیوروں نے اپنی اپنی بس کو روک کر ایک دوسرے سے اظہار افسوس اور تبادلہ خیالات بھی کیا تھا اور یوں حضرت مرزا منیر احمد صاحب کے اس احسن انتظام کی فراہمی سے وہ لوگ بھی حضرت قمر الانبیاء میاں صاحبؓ کے چہرہ مبارک کی آخری زیارت کرنے کے لئے لاہور سے با آسانی ربوہ پہنچ گئے جو کہ شائد عام حالات میں اس کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ حسن انتظام کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کو بہترین جزائے خیر سے نوازے اور آپ کے درجات بلند سے بلند فرماتا رہے (آمین)

اس دن ہر جانب سے ربوہ آنے والی ریل گاڑیاں، موٹر کاریں، بسیں، ٹرک، ٹریکٹر اپنے ٹریلر یعنی ٹرالیوں کے ساتھ، تانگے، ریہڑے اور بیل گاڑیاں (گڈے) احباب جماعت سے پُر تھیں چنانچہ:۔

''احباب کی اس قدر کثیر تعداد کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ احباب کو حضرت میاں صاحبؓ کے چہرہ مبارک کی زیارت کا موقعہ دینے کا انتظام اولین فرصت میں کیا جائے تا کہ سب احباب زیارت کا شرف حاصل کر سکیں۔ چنانچہ مستورات کے لئے صبح دس بجے سے لے کر بارہ بجے تک اور مردوں کے لئے اڑہائی بجے سے ساڑھے چار بجے تک کا وقت مقرر کیا گیا لیکن یہ وقت ناکافی ثابت ہوا۔ مستورات نے ایک خاص نظام کے تحت دس بجے سے ڈیڑھ بجے تک زیارت کا شرف حاصل کیا۔ پھر بھی بہت سی مستورات کو قلت وقت کے ماتحت اس شرف سے محروم رہنا پڑا۔ نماز ظہر کے بعد دو بجے سے مردوں کو زیارت کا موقعہ دیا گیا۔ سب سے پہلے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، ناظر و وکلاً صاحبان، امرائے اضلاع، ربوہ کے صدران محلّہ جات، مجلس انصار اللہ مرکزیہ اور مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عہدیداران نے باری باری زیارت کی۔ بعد ازاں جملہ احباب باری باری ایک قطار کی شکل میں حضرت میاں صاحبؓ کے جنازہ کے پاس سے تیز رفتاری سے گذر کر زیارت کا شرف حاصل کرتے رہے۔ یہ سلسلہ دو بجے سے لے کر سوا پانچ بجے تک مسلسل جاری رہا۔ اس عرصہ میں تقریباً دس ہزار افراد چہرہ مبارک کی آخری زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے باوجود احباب کی ایک بہت بڑی تعداد ابھی باقی تھی چنانچہ مجبوراً اس سلسلہ کو بند کرنا پڑا۔ اس موقعہ پر محرومِ دیدار احباب کی بیتابی اور اضطراب کی حالت قبل دید تھی۔ وہ ڈیوٹی پر مقرر افراد کی منتیں کرتے بے حال ہوتے جا رہے تھے کہ کسی طرح انہیں اپنے دل و جان سے عزیز مربی و محسن کے چہرہ مبارک کی آخری بار ایک

جھلک نصیب ہو جائے۔ جن احباب کو آخری دیدار کا شرف حاصل ہؤا ان کی حالت بھی کچھ کم غیر نہ تھی۔ کون سی آنکھ تھی جو آنسو نہ بہا رہی تھی اور کون سا دل تھا جو غم کی پوٹ نہ بنا ہؤا تھا۔ بعض احباب کی تو طبیعت پر ہزار ضبط کے باوجود چیخیں نکل گئیں۔ اس وقت بعض عمر رسیدہ احباب بچوں کی طرح روتے اور بلکتے ہوئے دیکھے گئے''۔ (حیات بشیر صفحہ ۴۱۲-۴۱۳)

اس آخری زیارت کا سلسلہ مجبوراً بند کرنے کے بعد شام ساڑھے پانچ بجے البشریٰ سے جنازہ اٹھایا گیا۔ کوٹھی کے احاطہ میں جنازہ، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد، صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، ناظر و وکلاً صاحبان، امراء اضلاع، صدر صاحبان محلّہ جات، انصاراللہ مرکزیہ اور خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجالس عاملہ کے اراکین نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ کوٹھی کے باہر شاہراہِ صدر کے ساتھ ساتھ بہشتی مقبرہ تک سڑک کی دونوں جانب احباب جماعت قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ جنازہ جب کوٹھی سے باہر سڑک پر پہنچا تو تمام دیگر احباب کو کندھا دینے کی اجازت دی گئی۔ اس سعادت کے حصول کی خاطر حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نوراللہ مرقدہٗ کے جنازہ والے تابوت کو ایک چارپائی پر رکھ کر اس چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تا کہ زیادہ سے زیادہ احباب جماعت اپنے اس پیارے اور عظیم الشان انسان کے آخری سفر میں آپؓ کے جنازہ کو کندھا دے سکیں لہذا مجھے یاد ہے کہ کندھا دینے والے احباب کا اس قدر ہجوم تھا کہ وہ تابوت یا ان بانسوں کو صرف ہاتھ لگانے کے لئے ہی فرط عقیدت سے ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑتے تھے اور اس طرح بہت سے کمزور احباب صرف ان بانسوں کو ہاتھ لگا لینے کے لئے ترستے ہی رہ گئے لیکن وفور جذبات کے باوجود کسی قسم کی گڑبڑ نظر نہیں آئی۔ اس طرح ہزارہا غمناک مخلصین کے کاندھوں پر شام چھ بجے کے قریب جنازہ بہشتی مقبرہ پہنچا۔

وقف زندگی مکرم لطف الرحمٰن شاکر صاحب اپنے والد محترم مکرم مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ:۔

'' آپؓ کی وفات کے بعد دفاتر وصایا اور دفتر بہشتی مقبرہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ آپؓ کے جسد مبارک کو کہاں دفن کیا جائے۔ لہذا انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ حضور ارشاد فرمائیں کہ حضرت میاں صاحبؓ کو کہاں دفن کیا جائے؟۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا کہ'' ہر بچہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کو اس کے ماں باپ کے قدموں میں جگہ ملے لہذا حضرت میاں صاحبؓ کو بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں حضرت اماں جانؓ کے قدموں میں دفن کیا جائے'' ۔ (زبانی روایت بموقعہ مجلس شوریٰ مجلس انصاراللہ جرمنی منعقدہ گروس گیراؤ ۱۹۹۳ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت نہیں کی تھی اور نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی روشنی میں اس کی ضرورت تھی کیونکہ وصیت کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے ہی اطلاع پا کر اپنی مبشر اولاد کے بارہ میں جماعت کو یہ اطلاع دی تھی کہ:۔ '' میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا تعالیٰ نے استثناء رکھا ہے''۔ (رسالہ الوصیت صفحہ ۲۹)۔ یعنی یہ مبشر اولاد چندہ وصیت ادا نہ کرنے کے باوجود بھی بہشتی مقبرہ میں ہی دفن ہوگی۔ بہشتی مقبرہ کے وسیع احاطہ میں ہزارہا افراد نے سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ (بعد میں خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔ ناقل) صدر، صدر انجمن احمدیہ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔ بہت سے احباب نے جو اسی وقت بسوں کے ذریعہ ربوہ پہنچے تھے، اڈے سے سیدھے بہشتی مقبرہ پہنچ کر نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل

کی-نماز جنازہ میں احباب پر رِقت کا ایک ایسا عالم طاری تھا کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا-نماز جنازہ میں سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے چار کی بجائے پانچ تکبیریں کہیں کیونکہ بعض خاص مواقع پر آنحضرت ﷺ کا چار سے پانچ تکبیریں کہنا ثابت ہے-ابتداً میں نماز جنازہ کے لئے بہشتی مقبرہ کے احاطہ کی زمین پر سفیدی سے لکیریں لگا کر قبلہ رُخ اکیس صفوں کی گنجائش رکھی گئی تھی لیکن یہ انتظام ناکافی ثابت ہؤا اور صفوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگئی اور بعد میں آنے والے احباب نماز میں شریک ہونے کی خاطر بعجلت احاطہ سے باہر ہی صفیں بناتے چلے گئے-

نماز جنازہ کے بعد جنازہ قطعہ خاص کے اندر لے جایا گیا-اس چار دیواری کا احاطہ محدود ہونے کے باعث خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد کے علاوہ صرف صحابہ کرام رضوان علیہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، ناظر و وکلاً صاحبان، امرائے اضلاع، صدر صاحبان محلّہ جات ربوہ، مجالس انصار اللہ مرکزیہ اور خدام الاحمدیہ کے عہدیداران کو ہی جنازہ کے ہمراہ چار دیواری کے اندر جانے کی اجازت دی گئی- باقی احباب قطعہ خاص کی چار دیواری کے باہر بہشتی مقبرہ کے احاطہ میں کھڑے دعائیں کرتے اور درود شریف پڑھتے رہے-تابوت کو قبر کے اندر اتارنے میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزدگان نے حصہ لیا-بعد ازاں احاطہ خاص کی چار دیواری کے اندر موجود احباب نے قبر کو مٹی دی اور قبر تیار ہونے پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے ایک پُرسوز اور رِقت آمیز دعا کرائی جس میں جملہ احباب شریک ہوئے-آپؓ کے مبارک جسد اطہر کو قطعہ خاص میں حضرت سیدہ ام المؤمنین نور اللہ مرقدہا کے قدموں میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے پہلو میں ہزار ہا محزون و غمناک قلوب، اشکبار آنکھوں اور سوز و گداز سے معمور دعاؤں کے درمیان امانتاً دفنا دیا گیا-خدا آپؓ پر اپنی ہزاروں اور لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور آپ کا ایسا انجام بخیر فرمائے کہ جس کی خواہش آپؓ تمام عمر کرتے رہے -اللھم آمین اور پھر جیسا کہ آپؓ کی اپنی ہی ایک نظم کا مقطع ہے:-

خواہش اگر کوئی ہے تو احمد کی ہے یہی
اسلام پر ہی دے مجھے پروردگار موت (گلدستہ عرفان)

اور ایک دوسری نظم کا مقطع درج ذیل ہے:-

احمد یہی دعا ہے کہ روز جزا نصیب
تجھ کو نبی کریمؐ کا قرب و جوار ہو (گلدستہ عرفان)

اسی طرح جون ۱۹۵۱ء میں آپؓ کو یہ الہام بھی ہؤا :-'' محمدی! اُٹھ تیری سربلندی کا وقت قریب آ گیا ہے''۔کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ فراق کی درد اور کسک تب سے شروع ہو جاتی ہے جب ایک قدم کی دوری سے بھی کم فاصلہ محبوب اور عاشق کے درمیان حائل ہونا شروع ہو جاتا ہے-اس موضوع پر جامعہ احمدیہ کے معلم مکرم مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب نے حضرت صاحبزادہ میاں صاحبؓ کی جدائی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی دلی جذبات کے اظہار میں کیا خوب فرمایا ہے کہ :-

مَا کُنْتُ اَحْسِبُ قَبْلَ یَوْمِ وَفَاتِہ
قَمَرُ السَّمَاءِ تَحْتَ الثَّرٰی مَسْتُوْر'

یعنی '' آپؓ کی وفات سے قبل میں یہ گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آسمان کا چاند مٹی کے نیچے چھپا ہؤا ہے''-(مکتوبات نسیم ۔ ۲۷/اپریل ۱۹۹۹ء)
ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک کشف کا یوں اظہار فرمایا:-

'' عالم کشف میں ایک اشتہار دکھایا گیا اس کے سر پر لکھا ہوا ہے اَلْمُبَارَکُ پھر بطور وحی کے زبان پر جاری ہوا بَرَکَۃٌ '' زَائِدَۃٌ '' عَلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ اس کے بعد ایک رویا ہوا کہ میں رات کو اُٹھا ہوں۔ پہلے بشیر احمدؓ، شریف احمدؓ ملے۔ پھر میں آگے جاتا ہوں یا کوئی کہتا ہے کہ اس سے آگے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں'' ۔(تذکرہ صفحہ ۵۴۲)

اگر آپ غور فرمائیں تو سیدنا حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ خلیفۃ المسیح الثانی کے دونوں چھوٹے بھائیوں سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی میں ہی ہو جانے سے مندرجہ بالا کشف اپنے وقت پر پورا ہوا۔ جیسا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:-

'' پہلے بشیر احمد۔ شریف احمد ملے''

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے بارہ میں اس کشف کے پورا ہو جانے کے بعد کیا کسی اور نشان کی یا کسی اور گواہی کی کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ نہیں! بالکل نہیں! کیونکہ ایک صالح انسان اور ایک متقی بندے اور ایک پرہیز گار شخص کے لئے تو خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک چھوٹا سا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اور وہ اپنی روحانی فراست سے سچائی کو پہچان کر حقیقت حال کو جان لیتا ہے اور اسے کسی بہت بڑے نشان کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے کہ:-

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار (درثمین)

لیکن ایک بدطینت انسان کو یہ اشارے اس کے اپنے ہی گناہوں کے انبار تلے دبے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں درج ہے کہ جب بھی ان گناہگاروں کو گناہوں کے اس ڈھیر سے باہر سچ کی کوئی رمق دکھائی دیتی ہے تو وہ اسے فریب نظر گمان کرتے ہوئے اپنا مونہہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس آیت کریمہ کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر آئے گا۔ بیرسٹر حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے حضرت قمر الانبیاءؓ کے وصال کے المناک واقعہ کی ایک حقیقی تصویر کھینچی ہے کیونکہ اُس نازک وقت میں تمام مخلصین جماعت کے دلوں میں صرف ایک ہی سوال تھا کہ اب کیا ہوگا ؟ حضرت میاں ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

'' حضرت عمو صاحبؓ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات۔ جماعت احمدیہ کے لئے ایسا المناک واقعہ اور ایسا دھکہ ہے کہ جس کی مثالیں جماعت میں بہت کم ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات ایسا واقعہ تھی کہ جس سے ساری جماعت ہل گئی۔ اس کے بعد جماعت کے بزرگ آہستہ آہستہ فوت ہوتے چلے گئے اور ایک ایک کر کے یہ ستارے ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے گئے مگر جماعت کو مجموعی طور پر کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ ان کی وفات سے ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے کہ جس کا پُر ہونا مشکل ہے۔ ۱۹۵۲ء میں حضرت ام المؤمنینؓ کی وفات ہوئی اور دسمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی وفات ہوئی مگر جماعت ان دونوں صدموں کو برداشت کر گئی اور یہ آواز پیدا نہ ہوئی کہ:- '' اب کیا ہوگا ؟ ''۔ بہرصورت یہ تین عظیم صدمے ہیں جو کہ جماعت کو پچھلے پچپن برس میں پہنچے گو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات ایک لمبی بیماری کے بعد ہوئی اور باوجود اس کے کہ آپؓ کی علالت کی خبریں اخبارات کے ذریعہ سے جماعت کو ملتی رہیں مگر وفات کی خبر نے ایک ایسا دھکہ پہنچایا کہ ہر آدمی کہتا تھا کہ اب کیا ہوگا ؟ ۔اس کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ حضرت عمو جانؓ نے ۱۹۱۴ء سے ہی جماعت کے کاموں میں بہت تندہی سے کام کیا اور حقیقی طور پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کا دست راست بن کر دکھا دیا۔ جماعت کے دل میں آپؓ کے کام کی اہمیت اور آپؓ کے وجود کی برکات پوری طرح عیاں ہو گئیں۔

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی طریق رہا ہے کہ ہر ایک ضروری کام آپؓ کے سپرد فرماتے ۔ پچھلے پچاس برس میں ہزاروں نہیں لاکھوں ضروری کام حضورؓ نے آپؓ کے سپرد کئے اور آپؓ نے بھی پوری ذمہ داری سے ان کاموں کو سرانجام دیا ۔ اسی طرح جب بھی کبھی مشورے کی ضرورت ہوتی تو پہلے آپؓ ہی کو یاد فرمایا ۔ حضور ایدہ اللہ نے اپنی لمبی بیماری میں تو قریباً سارا کام ہی آپؓ کے سپرد کر دیا ۔ بچپن سے اب تک میں یہی نظارہ دیکھتا آیا ہوں ۔ اس کے علاوہ جماعت کے ہر فرد کو آپؓ کے وجود میں ایک نہایت شفیق اور ہمدرد باپ نظر آتا تھا ۔ لوگ اپنی اپنی ضروریات لے کر آتے اور آپؓ سب بڑے غور سے سنتے ۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے امور میں بھی مشورے لینے آتے جن پر غور کرنا ایک عام آدمی کو بھی تو ضیع اوقات نظر آتا تھا لیکن آپؓ نے کبھی یہ اظہار نہیں فرمایا کہ آپؓ کا وقت ضائع ہو رہا ہے بلکہ ساری تفصیل تحمل سے سنتے اور پھر جو مشورہ ٹھیک ہوتا دے دیتے“ ۔ (روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۱)

جماعت احمدیہ کے لئے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا ۔ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک جماعت احمدیہ میں غم واندوہ اور حُزن و ملال کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ دنیا کے لئے حضرت میاں صاحبؓ کا بابرکت وجود اس قدر فیض رساں تھا کہ شاید ہی کوئی احمدی ہو گا جس نے آپ کی ذات سے کوئی دینی، روحانی اور تربیتی فائدہ نہ اٹھایا ہو ۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ایسا نہ ہو گا کہ جہاں جماعت قائم ہو اور اس کے مبلغین یا مقامی باشندوں کے ساتھ آپؓ کی خط و کتابت نہ رہی ہو اور وہاں کے مختلف اجتماعات، کانفرنسوں یا مقامی جلسہ سالانہ کے مواقع پر انہوں نے کوئی پیغام حاصل نہ کیا ہو ۔ مکرم مرزا احمد بیگ صاحب انکم ٹیکس آفیسر بیان فرماتے ہیں کہ:-

”گذشتہ سے پیوستہ مجلس مشاورت کا ذکر ہے کہ آپؓ سے ملاقات کی خواہش لے کر درِ دولت پر حاضر ہوا ۔ باہر تشریف لے آئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے اور میرے گھریلو حالات اور بچوں کے متعلق دریافت فرماتے رہے ۔ اسی دوران میں میں نے عرض کیا کہ حضور! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے سیٹ کا میں خریدار ہوں اور دس جلدیں جو شائع ہوئی ہیں وہ میں نے حرف بحرف پڑھ لی ہیں ۔ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ملفوظات بھی پڑھنے چاہئیں“ ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! میری مالی حالت اس وقت ایسی ہے کہ میں فی الحال ”ملفوظات“ نہیں خرید سکتا ۔ اسی وقت ایک رقعہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے نام لکھ دیا کہ وہ مجھے تینوں جلدیں آپؓ کے حساب میں دے دیں ۔ ہر چند میں نے عرض کیا کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا ۔ لیکن باصرار فرمایا کہ ”نہیں! ضرور لے جاؤ“ ۔ آخر میں نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر لے جاتا ہوں کہ جب مجھے توفیق ہو گی ۔ میں یہ قیمت واپس کر دوں گا ۔ فرمایا:- ”اچھا بھئی! جب تم واپس کر دو گے تو میں کسی اور کو دے دوں گا“ ۔ اللہ! اللہ! کس قدر شفقت تھی اس مبارک وجود میں“ ۔ (الفضل ۱۱؍ اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ ۴)

آپؓ کی غرباً کے ساتھ ہمدردی، بے سہاروں کی مدد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، معاملات کی صفائی، مظلوموں کی تائید میں کمر بستگی، ظالموں کو وعظ ونصیحت، سادہ مزاجی، خوش خلقی اور شیریں کلامی غرض کئی ایسی خوبیاں ہیں جو کبھی بھی بھلائی نہ جائیں گی ۔ ان کے علاوہ توحید پرستی، توکل علی اللہ، اتقاً، جرأت مندی، دلیری، سخاوت، ذہانت، ذکاوت، انکسار اور تواضع کے واقعات بھی ہمیشہ ہمارے دلوں کی روشنی کو جلا دیتے رہیں گے ۔ جب ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ تحصیل بٹالہ سے پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے تو حضرت میاں صاحبؓ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

”وہ صرف انہی لوگوں کے نمائندہ نہیں ہیں جنہوں نے ان کے حق میں ووٹ دئے ہیں بلکہ ممبر ہو جانے کے بعد وہ ان لوگوں کے بھی نمائندہ ہیں جو

الیکشن میں ان کے مخالف رہے ہیں- پس گو طبعاً ان کی دلی محبت اپنے مؤیدین کے ساتھ زیادہ ہوگی جنہوں نے مشکل کے وقت میں ان کا ساتھ دیا ہے مگر جہاں تک حقوق کا تعلق ہے انہیں اپنے مخالفین کے ساتھ بھی پوری طرح عدل وانصاف کا معاملہ کرنا چاہئیے"- (الفضل ۲۲ رفروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۲)

مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا اپنے مضمون میں حضرت قمرالانبیاءؓ کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ناشکری ہوگی اگر میں آں موصوف کی عنایات کریمانہ اور الطاف خسروانہ کا کچھ ذکر نہ کروں جو بغیر میرے کسی استحقاق کے اور میری کمزوریوں اور خطا شعاریوں کے باوجود مجھ پر یکطرفہ طور پر کی گئیں- سوچتا ہوں کہ نہ میری کوئی دینی اور جماعتی حیثیت، نہ دنیاوی مقام لیکن باران رحمت کا نزول ہو تو وہ جیسی پھولوں بھرے بستانوں پر برستی ہے اسی طرح رُوڑی پر بھی اور گلاب کے پھول کو اپنی ساری رعنائیوں اور خوشنمائیوں کے باوجود ساتھ جڑے ہوئے کانٹوں سے کبھی نفرت کا اظہار کرتے نہ دیکھا نہ سنا- اسی طرح احسانات کا سلسلہ ایک زوردار میٹھے چشمہ کی صورت میں اُس طرف سے ہی جاری رہا- ہؤا یوں کہ حضرت میاں صاحبؓ کے ایک عزیز اور جماعت کے بعض افراد کے درمیان دنیاوی حقوق کا تنازعہ پیدا ہوگیا- یہ اس صدی کی چھٹی دہائی کی بات ہے- میری خوش قسمتی اور یوں بدقسمتی سے بھی اس تنازعہ کا مرکز اور محور سرگودھا شہر اور ضلع ہی تھا- یہ صورت حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے لئے پریشانی کا موجب بنی اور مجھے بار بار طلب فرما کر فرمایا کہ: "میں نے اول تو اپنے عزیز کو سمجھایا ہے کہ جماعت میں افتراق اور اختلاف کو ختم کرنا چاہئے- اس نے کہا ہے کہ اگر آپؓ کا یہ حکم ہے تو مجھے اس سے انحراف کرنے کی مجال نہیں- یہاں آپؓ کی جمالی صفات پھر آڑے آئیں اور حکم نہ دیا کہ ایسا حکم عدل کے خلاف تھا- دوسرے فریق کے لئے مجھے فرمایا کہ بھائی کو بھائی سے مقدمہ بازی سے احتراز کرنا چاہئے- آپ! سرگودھا والے عزیزوں سے کہیں کہ اسے برداشت کرلیں میں یقین رکھتا ہوں (اور اس مرحلہ پر پہنچے تو آواز میں غیر معمولی شوکت اور توکل علیٰ اللہ کی علامت سے ایک ارتعاش پیدا ہوگیا) کہ ان کے رزق میں اللہ تعالیٰ بہت بہت برکت دے گا"-

میں نے یہ پیغام من وعن پہنچا دیا مگر افسوس کہ اس پر انہوں نے عمل نہ کیا اور مقدمہ ہائی کورٹ اور پھر عدالت عظمیٰ تک پہنچا- جس میں بالآخر فیصلہ سرگودھا کے دوستوں کے خلاف ہؤا- اے کاش! ہمارے دوست حضرت میاں صاحبؓ کی بات مان لیتے اور وافر رزق سے مالا مال ہوتے لیکن افسوس کہ آپؓ کی یہ نصیحت ٹھکرا کر انہیں بے حد مالی نقصان ہوئے اور پھر زندگی بھر مالی ابتلاؤں کی دلدل سے نہ نکل سکے- میں قریباً ہفتے میں ایک بار حاضر ہوتا- ہر بار نہایت دلنشین رنگ میں نصائح فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے- ایک روز میں اپنے مکان کی بنیادوں کے لئے دو اینٹیں لے کر حاضر خدمت ہؤا- آپؓ کرسی پر تشریف فرما تھے- اینٹیں گود میں رکھیں اور فرمایا:-

"حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اسی طرح ان اینٹوں کو گود میں رکھا تھا جو منارۃ المسیحؑ کی بنیادوں میں نصب کی گئی تھیں اور دعا کی تھی- تم بھی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ- دعا کریں- اور پھر میرے مکان کے نقشے اور کمروں کے طول وعرض کے متعلق تفصیل سے گفتگو فرمائی اور قیمتی ہدایات سے نوازا- ان نصائح کو میں نے تعمیر مکان کے دوران بے حد مفید اور کارآمد اور مبارک پایا- میں ہمیشہ دعا کی غرض سے اور ضروری مشوروں کے سلسلہ میں آپؓ کو خط لکھتا تھا اور آپؓ فوراً جواب سے سرفراز فرماتے جس میں دعائیں بھی ہوتیں اور نہایت حکیمانہ مشورے بھی ہوتے- ہر ایک خط ایمانیات کا ایک انوکھا سبق دیتا تھا- اس میں اخلاقیات کے درس بھی ہوتے تھے اور دعائیں بھی اور درد دل کے دارو بھی"- (الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴ رمئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

آپؓ وجیہہ، باوقار، صادق القول، صادق الوعد، غیور، حیادار اور عیب پوشی کرنے والے تھے- آپؓ کی تحریر و تقریر اور کلام میں اس قدر جذب اور

شوکت پائی جاتی تھی کہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر سننے پر مجبور ہو جاتے تھے- آپؓ حق اور انصاف کی تائید کرنے میں عزیز ترین رشتہ دار کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے- آپ کی وعظ و نصیحت کا رنگ دنیا سے بالکل نرالا تھا- آپؓ بالغ النظر، صائب الرائے، صالح، حق پسند اور حق شناس اور نہایت ہی شفیق اور مقدس وجود تھے اور ایسی ہی خوبیوں کے مالک احباب جماعت کی بے حد عزت و تکریم بھی کیا کرتے تھے- اب آپؓ کی یہ عظیم الشان خوبیاں انشاء اللہ ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیں گی- حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پاکیزہ اور بابرکت صحبت کے بارہ میں حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ سے مل کر کام کے لئے ایک نئی امنگ دل میں پیدا ہوتی تھی اور آپؓ کام پر خوشنودی کا اظہار کر کے بھی کام کرنے والوں کی ہمت بڑھایا کرتے تھے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۰۲)

حضرت قمر الانبیاءؓ کی خوش اخلاقی یعنی خوش خلقی کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آپؓ خندہ پیشانی سے ملتے، خوش ہوتے اور خوش کرتے، چہرہ ہمیشہ متبسم رہتا اور آپؓ سے ملاقات کرنے والا خوش اور مطمئن ہوتا- آپؓ کی محبت، حکمت اور دانائی سے نفسیاتی اثرات پیدا ہوتے تھے اور آپؓ کے رفقائے کار کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ آپؓ کے ساتھ کام کرنا اور مشقت اٹھانا ایک راحت ہے اور ایک نعمت غیر مترقبہ- جو شخص اپنے طریق کار سے مشقت کو نشاطِ روح میں تبدیل کردے اس کے اخلاق اور ہمت کی بلندی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے آئیں؟ خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں کی معیّت وہ کیمیا ہے جو ہر قسم کی قربانی کو مسرت اور راحت میں تبدیل کر دیتی ہے- دین کو دنیا پر مقدم رکھنا آسان کام نہیں اور ایک قوت قدسی کو چاہتا ہے''-(حیات بشیر صفحہ ۲۳-۳۱)

ان تمام روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بزرگوں کی نیک صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے یعنی:-

صحبت صالح ترا صالح کند
وصحبت طالح ترا طالح کند

''ایک پاکیزہ شخص کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے انسان بھی اسی کے رنگ میں رنگین ہو کر نیک بن جاتے ہیں
اور گندی صحبت کو اپنانے والے اس کی گندگی میں ملوث ہو کر بدنمائی کا ملغوبہ بن جاتے ہیں''

یہ بھی کیسا حسین حسنِ اتفاق ہے کہ خاکسار نے بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے ایک لمبا عرصہ کے بعد بالکل اسی طرح کی خدمات سرانجام دیں جو کہ سیدنا حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ بطور مدرس، مینجر اور مدیر سرانجام دے چکے ہیں- حالانکہ اپنی ان تقرریات سے قبل مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ میں ایسے اعلیٰ عہدوں پر کام بھی کر سکوں گا کہ نہیں لیکن اس زمین یعنی خاکسار اور آسمان یعنی حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک انتہائی واضح فرق ہے کہ آپ نے تمام خدمات خدا تعالیٰ کی راہ میں بطور زندگی وقف بعض اوقات بلا معاوضہ بھی سرانجام دیں کہ جس کی بدولت یہ خدمات دینی اور ملی خدمات کہلانے کی مستحق اور حقدار ہیں جبکہ تمام دوسرے اساتذہ اور مدیران کی طرح خاکسار نے بھی وہی کام معاوضہ لے کر کیا اور کر رہے ہیں لہذا ہماری خدمات دینی نہیں بلکہ دنیاوی ہیں اور اسی عدیم المثال فرق کو دیکھتے ہوئے آپؓ کی خدمات جلیلہ اور ہماری سعی کا ایک دوسرے کے ساتھ کسی بھی قسم کا موازنہ قطعاً نہیں کیا جا سکتا لہذا زمین و آسمان کے مابین اسی فرق کو دیکھتے ہوئے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے لئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کی خدمات جلیلہ کو قبولیت

عطا فرمائے اور اس کے بدلہ میں آپؓ کی درجات میں بلندی عطا فرماتا چلا جائے- آمین- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بہت سی سچی خوابیں آیا کرتی تھیں اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دنیا میں یہ مقولہ یونہی تو مشہور نہیں کہ:-

'' صحبت اپنا رنگ دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی ''

بالکل اسی طرح آپؓ کی پاکیزہ صحبت میں رہنے والوں کو بھی سچی خوابیں آتی رہتی تھیں اور آتی رہتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے یہ قوی امید ہے کہ آئندہ بھی آتی رہیں گی- بہرحال ان خوش قسمت تابعین اصحاب میں سے ایک عاجز یہ خاکسار بھی ہے اور یہ آپؓ ہی کی بابرکت صحبت کا اثر ہے کہ یہ سچی خوابیں مجھے بچپن سے لے کر اب تک آ رہی ہیں اور میں انہیں صرف اپنی جان سے پیارے آقا خلفائے احمدیت سے ہی بیان کرتا رہا ہوں اور کبھی اس بات کی تشہیر نہیں کی بلکہ کہیں اس کا اظہار تک بھی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت کے طفیل بعض ذاتی واقعات یا جماعت عالیہ احمدیہ کو درپیش مسائل خواب کی صورت میں قبل از وقت ہی دکھا دیتا ہے- ان خوابوں میں سے چند ایک چیدہ چیدہ خوابوں کا ذکر میں یہاں ضرور کروں گا تا کہ آپ کو سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزہ بابرکت صحبت کے طفیل خاکسار کو ملنے والے ان انعامات کا اندازہ ہو سکے- یوں تو میری بہت سی خوابیں سچی ثابت ہو چکی ہیں لیکن درج ذیل خواب کا ذکر کرنا میں اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کیونکہ حضرت میاں صاحبؓ کو اس بات پر مکمل یقین تھا کہ خلیفہ وقت کو خدا تعالیٰ بذات خود چُن کر اس عہدہ جلیلہ کے لیے منتخب فرماتا ہے اس لئے آپؓ نے ایک مرتبہ باتوں ہی باتوں میں مجھے یہ پاکیزہ نصیحت فرمائی تھی کہ:-

'' خلافت تو اللہ کی دین ہے جسے چاہے یہ عزت دے دیوے کیونکہ یہ کسی کے گھر کی میراث نہیں لہذا خلیفہ وقت کے ہر حکم پر جان قربان کر دینے والا ہی ازلی اور ابدی نیکیوں کا مستحق ثابت ہوگا اور خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے جماعت سے تعلق نہ ٹوٹنے پائے''

آپؓ کی اس پیاری نصیحت کی وجہ سے ہم تو اپنے بچپن سے ہی حضرت خلیفہ وقت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور جماعت عالیہ احمدیہ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے حاضر رہتے ہیں- لہذا مجھے یاد ہے کہ جب جون ۱۹۸۲ء میں جیسے ہی سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اسلام آباد پاکستان میں بیماری اور اس کے بعد آپؒ کی وفات کی دردانگیز خبر ملی تو میں فوراً اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس نوئے ویڈ NEUWIED سے فرینکفرٹ چلا گیا- اگلے دن جب بذریعہ انتخاب سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خلافت بابرکات کے آغاز کی خبر مؤصول ہوئی تو ہم نے فوراً مسجد نور فرینکفرٹ سے رابطہ قائم کیا لیکن ابھی بیعت کے فارم ربوہ سے مؤصول نہ ہوئے تھے لہذا ہمیں انتظار کرنے کا حکم ملا کہ اسی شام ایک صاحب ہمیں ملنے گھر تشریف لائے اور ربوہ میں پیش آنے والے تمام حالات بیان کرنے لگے کہ اس مرتبہ ربوہ میں کیا کچھ ہوُا وغیرہ وغیرہ- یہ تمام حالات سن کر میرا دل بے حد بوجھل ہوُا اور میں سخت بے چین ہو گیا کہ اے میرے اللہ!

'' یہ خلافت تو تیری دین ہے اور کسی کی میراث نہیں اور خلیفہ کو تو تُو خود منتخب فرماتا ہے''

پھر سلسلہ میں ایسی باتیں کیوں ہو رہی ہیں؟ لہذا میں نے ان صاحب کو اپنے دل کی صورت حال بتا کر معذرت چاہتے ہوئے رخصت کیا اور مغرب کی نماز پڑھنے لگا اور دکھی دل سے دعاؤں میں مشغول ہو گیا- اس کے بعد ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کچھ کھانا بھی کھایا لیکن آپ یقین مانیں کہ نوالے میرے حلق سے نیچے نہ اترتے تھے اور میری بہن اور بہنوئی میرا یہ حال اور بیعت کے لئے بے تابی دیکھ دیکھ کر مجھے تسلی دیتے رہے لیکن مجھے کسی پل سکون نہ تھا اور میں رات گئے تک بار بار مسجد نور میں فون کر کے بیعت فارم کے بارہ میں دریافت کرتا رہا-

اس رات عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کے لئے جب میں لیٹا تو نیند غائب لہذا سلسلہ عالیہ احمدیہ اور حضرت امیرالمؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر

احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے خوب دعائیں کرنے کا موقع میسر آیا- پھر میں نہیں جانتا کہ کب میری آنکھ لگ گئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ایک بہت ہی پیاری خواب دکھائی وروہ خواب میں نے بعد میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کی خدمت اقدس میں بھی دعا کی غرض سے تحریر کی تھی اور وہ خواب کچھ یوں تھی کہ:-

'' ہم لوگ مسجد مبارک ربوہ میں جمع ہیں اور نماز کے لئے آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ) کا انتظار کررہے ہیں کہ اتنے میں آپ قصر خلافت میں سے آکر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں- فرط مسرت اور ایک ایسی خوشی کہ جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں کے تحت میں آپ کے بالکل پیچھے کھڑا ہوکر نماز ادا کرتا ہوں کیونکہ آپ کی حفاظت کرنا میرے مدنظر ہے''-

اس خواب کو دیکھ کر میری تمام پریشانیاں دور ہوگئیں اور میرا یہ یقین اور بھی زیادہ مستحکم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو خود صراط مستقیم پر چلاتا ہے اور ان کی دلداری کے لئے اپنی خاص رحمت سے انہیں مختلف نشانات دکھلاتا رہتا ہے- شکر الحمد اللہ- اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تسبیح میں مصروف ہوگیا- اس کے بعد تہجد اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو یہ خواب من وعن سنا کر مسجد جانے کے لئے جلد تیاری کی درخوست کی تا کہ جلد از جلد ہم بیعت کرنے کے لئے مسجد نور میں پہنچ جائیں اور یوں فرینکفرٹ جرمنی میں اولین تحریری بیعت کرنے والے احباب میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی- شکر الحمد للہ

اب خاکسار یہاں اپنی ایک اور خواب کا ذکر کرتا ہے کہ جسے دیکھ کر آج بھی خوشی، مسرت اور تشکر کے جذبات سے میرا دل بھرا ہوا ہے- یہ اگست یا ستمبر ۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں ربوہ اور خصوصاً پاکستان سے مؤصول ہونی والی خبروں کی وجہ سے جماعت احمدیہ، حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ، ربوہ اور اہالیانِ ربوہ کے بارہ میں بے حد متفکر تھا- کسی پل چین نہ آتا تھا لہذا اسی گھبراہٹ میں خدا کے حضور دعا کرنے کے بعد سو گیا تو اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھ عاجز پر اپنا اتنا بڑا فضل فرمایا کہ میں تمام عمر بھی اس کا شکر یہ ادا کرتا رہوں تو بھی یقیناً کم ہی ہوگا کیونکہ اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ:-

یہ عاجز اور چند مخلص احمدی احباب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اقتداء میں مسجد مبارک ربوہ میں کھڑے نماز ادا کررہے ہیں - ربوہ کی وجہ سے دل بہت اداس ہے کیونکہ مسجدوں کے ماتھے پر سے ان کے نام مٹادئے گئے ہیں اور نماز پڑھنے سے روکا جارہا ہے- الغرض عجیب طرح کی پریشانی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ربوہ کا کوئی پاسبان نہیں ہے- حضور ایدہ اللہ محراب میں کھڑے نہایت خشوع وخضوع سے نماز پڑھا رہے ہیں اور میں سب سے پہلی صف میں حضور کے پیچھے دائیں طرف یعنی محراب کی دائیں جانب قصرِ خلافت کی سمت کھلنے والے دروازہ کے عین سامنے حضور کی امامت میں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ وہ دروازہ ہے کہ جہاں سے صرف پہرہ دار تمام خلفائے احمدیت کی معیت میں اندر داخل ہؤا کرتے ہیں کہ اچانک ہر طرف خاموشی کا عالم طاری ہوجاتا ہے- کسی خاص غیبی واقعہ کے امکان کے پیشِ نظر ہر چیز ساکت نظر آنے لگی - ہوا جیسے تھم گئی ہو - فضا خاموش ہے کہ جیسے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے-

اتنے میں اچانک مجھے سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ نبی کریم ﷺ بہت سے احباب کے جلَو میں قصر خلافت کے انجمن کی جانب کھلنے والے گیٹ اور مسجد مبارک اور قصر خلافت کی خلافت لائبریری کے درمیانی راستہ پر سے تشریف لے کر آتے ہوئے دکھائی دئے- اس وقت حالت نماز میں ہی تمام نبیوں کے سردار آنحضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے اس ادنیٰ ترین غلام کے درمیان میں سے تمام پردے اٹھ

گئے اور مسجد مبارک کی مغربی دیوار ہمارے سامنے سے غائب ہوگئی۔آنحضور ﷺ کے سفید کپڑوں میں سے آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ایک چمک نظر آرہی ہے۔آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے نور کی کرنیں برس رہی ہیں لیکن آنحضرتﷺ کا چہرہ مبارک ربوہ کی حفاظت کی غرض سے دلی اضطراب اور فرط جذبات کی وجہ سے گلابی رنگ کی سرخی لئے ہوئے ہے اور اس عاجز پُرتقصیر نے سیدنا آنحضور ﷺ کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے مسجد مبارک اور قصر خلافت کے درمیانی راستہ سے گزر کر دفتر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی جانب سے قصر خلافت میں تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا اور مجھ عاجز کو یوں محسوس ہؤا کہ اب تو آنحضرت ﷺ ربوہ کی حفاظت کے لئے بہ نفس نفیس خود تشریف لے آئے ہیں۔اب انشاءاللہ ربوہ کو کچھ نہیں ہوگا۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ''۔اے میرے اللہ! تو محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر اپنا خاص فضل نازل فرما جس طرح کہ تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر اپنا خاص فضل فرمایا تھا یقیناً تو بے انتہا خوبیوں اور بہت بڑی شان والا ہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ '' ۔اے میرے اللہ! محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر اپنی برکت نازل فرما جس طرح کہ تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر اپنی برکتیں نازل فرمائی تھیں۔یقیناً تو بے انتہا خوبیوں والا اور بڑی شان والا ہے۔

اس مشکل گھڑی کے وقت جبکہ یہ خاکسار عاجز اور پُرتقصیر بندہ اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) اور ربوہ کے لئے انتہائی فکر مند تھا ایسے وقت اس پیاری خواب سے مجھے بے حد راحت محسوس ہوئی اور میرے دل کو ایک خاص سکینت میسر آئی اور مجھے بے حد تقویت پہنچی کہ اب تو خدا تعالیٰ کے خاص فضل و رحم کے ساتھ حضرت رسول مقبول ﷺ ربوہ کی حفاظت کے لئے بذات خود تشریف لے آئے ہیں اور اب انشاءاللہ خلیفہ وقت کو،احمدیت کو اور ربوہ کو کچھ نہیں ہوگا اور یوں خوشی اور مسرت کے ملے جلے جذبات میں میری آنکھ کھل گئی اور پھر اس کے بعد میں کافی دیر تک بیٹھا خدا کی حمد وثناء کرتا رہا اور میرا دل خدا تعالیٰ کے حضور تشکر کے جذبات سے لبریز ہو کر سجدہ میں گر گیا۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔خدا کی قسم اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اور اسی لئے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔

اور پھر واقعی بعد کے حالات سے ثابت ہوگیا کہ جو نظارہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو خواب میں دکھایا تھا سچ ثابت ہؤا اور سیدنا حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ نے خود معجزانہ طور پر سامان پیدا کر دئے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے چنگل سے معجزانہ طور پر بچ کر بحفاظت لندن تشریف لے آئے ورنہ ان کے عزائم تو بہت ہی خطرناک تھے۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اوپر درج تکبیریں عیدین کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں اور اس عاجز کے لئے اس سے بڑی عید اور کیا ہوگی کہ خاکسار کو سیدنا آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ کا دیدار نصیب ہؤا۔مندرجہ بالا خوابیں خاکسار نے تحدیث نعمت کے طور پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بذریعہ ڈاک بھی روانہ کی تھیں۔حضور نے ازراہ شفقت جواباً تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم مکرم مقصود احمد صاحب نسیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تفصیلی خط ملا۔آپ کی خوابیں بڑی معنی خیز ہیں۔اللہ آپ کے حق میں اِن کی نیک تعبیر ظاہر فرمائے۔۔۔

والسلام خاکسار دستخط (مرزا طاہر احمد) ومہر خلافت

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجھ ناچیز خاکسار کی طرح بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں یا کشفی حالت میں دیکھا اور آپ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا۔ کسی کو کیسے معلوم ہو کہ اس خواب یا ایسی کشفی حالت میں نظر آنے والے واقعی حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں؟ ۔حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۵ر نومبر ۱۹۹۴ء کو MTA کے ایک بیحد مقبول پروگرام لِقَاء مَعَ العَرب میں اس کے جواب میں فرمایا:۔

’’ یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اسے بڑی احتیاط سے گہرائی میں اتر کر سمجھنا اور حل کرنا ہوگا۔ سب سے ضروری بات یہ مدنظر رہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: خدا تعالیٰ شیطان کے لئے کبھی بھی یہ ممکن نہیں کرے گا کہ وہ میرا روپ دھار کر میری صورت وشکل میں لوگوں کو نظر آئے۔ اور یوں خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی تمام خوابوں کو جو مجھے (یعنی آنحضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو۔ ناقل) خواب میں دیکھتے ہیں اس بات سے محفوظ کر دیا ہے‘‘۔(الفضل انٹرنیشنل ۱۲ر مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۱)۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔تحدیث نعمت کے طور پر وہ حدیث نبویؐ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:۔

’’ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : مَنْ رَّآنِی فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِی فِی الْیَقْظَۃِ اَوْ لَکَاَنَّمَا رَآنِی فِی الْیَقْظَۃِ لَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِی – (مسلم کتاب الرؤیا) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے مجھے عین بیداری کے عالم میں دیکھ لیا کیونکہ شیطان میری تمثیل اختیار نہیں کر سکتا۔

روحوں کے اسی ملاپ کے بارہ میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

’’ آجا کے بات یہی ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب کشفی نظارے ہیں جن میں خدا کے اذن سے نہ کہ مرنے والوں کی روحوں سے زندہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور یہ خاکسار بھی اس معاملہ میں کسی حد تک صاحب تجربہ ہے ولا فخر‘‘۔(الفضل ۱۸ر ستمبر ۱۹۵۹ء)

اسی طرح ۱۹۸۲ء سے لے کر سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت یورپ تک ایک خواب بیشمار مرتبہ نظر آتی رہی جو کہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہر مرتبہ ان خوابوں میں مجھے صرف ایک ہی نظارہ دکھلایا جاتا تھا کہ مسجد مبارک ربوہ میں حضرت امیرالمؤمنین مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اقامت میں نماز کھڑی ہو رہی ہے کہ اسی دوران حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث پیچھے سے آ کر مسجد مبارک ربوہ کی پہلی صف میں دائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے بعض احمدی احباب وہاں جا کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی وقت میں دو خلفائے احمدیت ایک ہی نماز کی ایک ہی وقت ایک ہی مسجد میں دو جگہ امامت کروا رہے ہوتے ہیں۔ ان خوابوں میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ تو مسجد کی درمیانی محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں لیکن حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ پہلی صف میں لیکن محراب سے کافی فاصلہ پر دائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان خوابوں میں ہوتا یہی تھا کہ خاکسار انتہائی خشوع وخضوع سے سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع کے عین پیچھے نماز ادا کرتا رہتا کیونکہ عالم خواب میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت

میرے مدنظر رہتی تھی۔

اس زمانہ میں جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ پر پاکستان میں بہت زیادہ ظلم و جبر وستم کیا گیا لیکن میرے تو کیا کسی دوسرے کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جماعت احمدیہ پر ان مظالم کے ساتھ ساتھ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ایک ایسا مشکل وقت آنے والا ہے کہ جس کی وجہ سے حضرت امام جماعت احمدیہ کو مجبوراً پاکستان چھوڑنا پڑے گا۔اس لئے میں نے اپنی ان خوابوں کو محض اس ڈر سے کسی کے سامنے بیان نہ کیا کہ خدانخواستہ کوئی احمدی ان خوابوں کا غلط مطلب نہ نکال لے لیکن بعد میں خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی یہ تفسیر ڈالی کہ ان خوابوں کا صریحی مطلب حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت ہی ہے کہ آپ کسی ایسے علاقہ میں ہجرت فرما جائیں گے کہ جہاں کچھ احمدی احباب کے ساتھ ساتھ اس خاکسار کو بھی آپ کی پیروی میں نمازیں ادا کرنے کی سعادت ملتی رہے گی اور پاکستان میں کوئی اور امام مسجد مبارک ربوہ میں امامت کے فرائض سرانجام دیا کریں گے۔ میں تو چونکہ اوائل فروری ۱۹۷۵ء سے ہی پاکستان سے ہجرت کر کے یہاں یورپ میں آچکا تھا اور اس کے بعد ۱۹۹۶ء تک واپسی تو خیر دور کی بات ہے میل ملاقات کے لئے بھی جانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔اس لئے نہیں کہ میں سنگدل ہوں یا مجھے اپنے عزیزوں سے محبت نہیں۔واللہ! ایسا نہیں ہے بلکہ صرف اس لئے کہ اس دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو خود تو سیر وسیاحت کرنے اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ پاکستان چلے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کتنے خوش نصیب ہیں جو کہ اپنی سیر وتفریح پر اپنے جان سے بھی زیادہ پیارے والدین کی سیر وتفریح کو ترجیح دے کر انہیں اپنے پاس غیر ممالک میں بلواتے ہیں؟ الحمدللہ! کہ خاکسار کا شمار اس دوسرے زمرہ کے خوش نصیبوں میں ہوتا ہے کہ جنہیں اپنی والدہ صاحبہ کو اپنے پاس بلا کر خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔اسی طرح میں نے اپنے سب سے چھوٹے ماموں جان مکرم عبدالرشید اختر صاحب کو بھی یہاں کی سیر کروانے کے لئے ویزا کے کاغذات بنوا کر روانہ کئے تھے لیکن افسوس کہ انہوں نے اپنی بجائے اپنے سب سے بڑے بیٹے عزیزم مکرم وحید احمد صاحب (حال مقیم کوبلینز) کو جرمنی بھجوانا زیادہ مناسب خیال فرمایا کہ جس کی بنا پر وہ یہاں تشریف نہ لا سکے۔

اسی طرح میری ان خوابوں میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی مسجد مبارک میں امامت کے بارہ میں بھی اس خواب میں واضح اشارہ ملتا ہے کہ آپ چونکہ ربوہ میں مدفون ہیں لہذا ایک طرف حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ تو دوسری جانب ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بجائے کوئی دوسرے امام مسجد بیت مبارک میں اسی نماز میں ہمارے احمدی بھائیوں کی امامت فرمایا کریں گے کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ دو امام صاحبان ایک ہی مسجد میں ایک ہی نماز کے وقت ایک ہی نماز کی امامت کروائیں اور درحقیقت اب ۱۹۸۴ء سے یہی ہو رہا ہے کہ وہاں ربوہ پاکستان کی مسجد مبارک میں ایک نماز کی امامت کوئی احمدی امام صاحب کروا رہے ہوتے ہیں اور کچھ ہی دیر کے بعد یہاں لندن انگلینڈ میں اسی نماز کی امامت حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کروا رہے ہوتے ہیں یعنی ایک ہی نماز کی دوہری امامت ہو رہی ہوتی ہے۔اب میں یہاں ایک عجیب وغریب حسن اتفاق کی بات کروں گا کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ ربوہ میں امیر مقامی مقرر کئے گئے اور آپ کی اہلیہ حضرت صاحبزادی بی بی ناصرہ بیگم صاحبہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بہن اور حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی والدہ محترمہ ہیں اور جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔اس لئے یہاں اگر ہم غور سے دیکھیں کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت سے دو سال قبل وفات پا چکے تھے اس لئے فوت ہو جانے کی وجہ مسجد مبارک میں امامت نہ کروا سکتے

تھے اور حضرت صاحبزادی بی بی ناصرہ بیگم صاحبہ بھی ایک خاتون ہونے کی وجہ سے مسجد مبارک میں امامت نہ کرواسکتی تھیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے صاحبزادے حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کو یہ فضیلت عطا فرمائی کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دور خلافت میں مسجد مبارک میں نمازوں کی امامت کرواتے رہے اور جیسا کہ بعد میں ذکر ہوگا کہ بعض خوابیں والدین کی بجائے ان کے بچوں پر پوری اترتی ہیں یا ان کے دور میں پوری ہوتی ہیں۔مثلاً: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ الہام کہ'' اب تو بیٹھ اور ہم چلتے ہیں''۔ بالکل ویسے ہی ظہور پذیر ہوا کیونکہ حضرت صاحبزادی بی بی ناصرہ بیگم صاحبہ نہ تو مردوں کی امامت کرواسکتی ہیں اور نہ ہی خلافت پر فائض ہوسکتی ہیں لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

یعنی ان مذکورہ خوابوں کے ذریعہ خاکسار کو بہت عرصہ قبل ہی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت اور آپ کے بعد ربوہ میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی امامت کی خبر دے دی گئی تھی لیکن جب تک حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی مقرر نہیں ہوئے مجھے اپنی خوابوں کی سمجھ نہ آئی لیکن جیسے ہی آپ امیر مقامی مقرر ہوئے تو حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ارشاد فرمودہ خطبہ سنتے ہی فوراً میرے دل ودماغ سے تمام پردے دور ہوگئے اور حقیقت حال واضح ہوگئی بلکہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی اس تقرر کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوپر درج الہام کا حوالہ دیا کہ جس کے بعد مجھے یہ یقین ہوگیا تھا اب نئے خلیفہ وقت حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ہی ہوں گے۔ بہرحال مجھ جیسے عاجز اور ناچیز گناہگار انسان کو خوابوں کے ذریعہ ایسے لطیف اشارات کا ملنا رحمت الٰہی کا ایک واضح ثبوت ہے کہ جس کے لئے میں جتنا بھی شکر الٰہی ادا کروں اتنا ہی کم ہے۔فَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

اسی طرح کی اور بھی بہت سی پیاری خوابیں ہیں لیکن میں پھر کبھی کسی اور موقعہ پر ان کو بیان کروں گا جن میں سے ایک حضرت میاں صاحبؒ کے خادم مکرم بشیر احمد صاحب نے بھی دیکھی تھی اور اس خواب کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نے مجھے اور اپنے سب سے چھوٹے بیٹے مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب کو اپنے دورہ جرمنی ۱۹۸۵ء میں ہمارے قریبی خوبصورت شہر کوبلینز- KOBLENZ - کی سیر کرتے وقت بتایا تھا کہ بشیر کو خواب میں آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہے- افسوس کہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب کی ناگہانی وفات کی بدولت یہ خواب تفصیلاً بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن اسی ضمن میں اتنا ضرور عرض کرتا چلوں کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سچی خوابوں کو سچے ایمان کا ایک لازمی جزو قرار دیتے ہوئے اس کی مختلف خصوصیات اور علامات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:-
''ان علامتوں کے علاوہ ایک علامت اور بھی ہے جو ان علامتوں کے لئے گویا مہر تصدیق کا کام دیتی ہے اور اس کے بعد کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی وہ یہ ہے کہ جب بندہ سچے ایمان کو اختیار کرتا ہے تو پھر خدا اُس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو اُس نے سچے مؤمنوں کے ساتھ کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے یعنی: لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط--- (یونس : ۶۵ .ناقل) ''مؤمنوں کو اس دُنیا میں ہی ہماری طرف سے رؤیا اور الہام کے ذریعہ بشارتیں ملا کریں گی---''-(تبلیغ ہدایت صفحہ ۲۳۶)۔اور پھر اسی سلسلہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-''یہ وہ سرٹیفکیٹ ہے جو اس دُنیا میں مؤمن کو خدا کی طرف سے ملتا ہے اور جس کے بعد اُس کے ایمان میں شک کرنا پرلے درجہ کی جہالت ہے''-(تبلیغ ہدایت صفحہ ۲۳۶)۔اس کے بعد آپؓ نے تحریر فرمایا کہ:-'' اسی طرح اگر احمدیوں کے حالات پر بھی نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر نصرت الٰہی اور بشارتوں کے وعدے ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور خدا کے فضل سے لاکھوں احمدیوں نے اپنی زندگی میں کسی نہ کسی رنگ میں خدائی نصرت کا مشاہدہ کیا ہے اور ہزاروں احمدی ایسے ہیں جن کو خدا نے رویائے صالحہ اور کشوف والہامات سے مشرف فرمایا ہے: ذَالِکَ

فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ٥ (الجمعة : ۵ ۔ناقل)یعنی: '' یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اسے دیتا ہے اور اللہ بہت فضل والا ہے''۔(تبلیغ ہدایت صفحہ ۲۳۷)

ان خوابوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل اور رحم کے ساتھ خاکسار کی عاجزانہ دعاؤں کو بھی عموماً قبول فرماتا رہتا ہے۔ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ میرے سب سے بڑے بھانجے عزیزم قاضی منور احمد ندیم صاحب کی زوجہ محترمہ عزیزہ محترمہ فرزانہ ندیم بیگم صاحبہ کے ایک چچازاد بھائی مکرم عمران ارشد صاحب جلسہ سالانہ جرمنی ۱۹۹۹ء کے مبارک موقع پر سفید روس یعنی بیلو رشیا سے بطور مہمان تشریف لائے ہوئے تھے۔جلسہ کے ایک ہفتہ کے بعد ان کی واپسی تھی لہٰذا عزیزم منور احمد ندیم صاحب انہیں فرینکفرٹ کے ائیر پورٹ سے جہاز پر چڑھانے جارہے تھے اور انہوں نے مجھ سے بھی فرمائش کی کہ ماموں! آپ بھی ہمارے ساتھ فرینکفرٹ چلے چلیں تاکہ واپسی پر میں اکیلا نہ رہوں۔میرا خیال ہے کہ یہ تیس اگست ۱۹۹۹ء کو پیر کا دن تھا کہ صبح صبح ہم لوگ یہاں سے بذریعہ کار عازم فرینکفرٹ ہوئے لیکن ہائی وے A3 (آٹو بھان AUTOBAHN) پر چند کلومیٹر چل کر عزیزم منور احمد ندیم صاحب کی کار تھرتھرانے لگی۔خیر LIMBURG ''لِم بُرگ'' شہر کے پیٹرول پمپ پر ہم نے اس کار کے ٹائروں کی ہوا درست کی اور پھر آگے چل پڑے۔لیکن اب پھر وہی تھرتھراہٹ بلکہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی آوازیں بھی آنا شروع ہوگئیں۔اس طرح تقریباً مزید پچاس کلومیٹر کے بعد جب ہم اس آٹو بھان سے فرینکفرٹ جانے والی آٹو بھان A67 پر مڑے تو یہ تھرتھراہٹ اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ کار کو چلانا مشکل ہوگیا لیکن اپنے عزیز کو جہاز پر چڑھانے کی غرض سے ہم اللہ توکل دعا کرتے گئے اور چلتے رہے تاکہ جہاز چُھوٹ نہ (مِس نہ ہو) جائے۔فرینکفرٹ شہر سے تقریباً پانچ کلومیٹر ادھر مجھے بے حد تشویش پیدا ہوئی اور اسی عالم میں مَیں نے گڑگڑا کر خدا سے دعا کی کہ یا رب العالمین زندگی اور موت تو تیرے ہاتھ میں ہے اور ہمارے اس عزیز نے بھی ہر حالت میں ائیر پورٹ پر پہنچنا ہے ورنہ جہاز کے اڑ جانے کا خطرہ ہے لہٰذا تو ہی اپنا فضل فرما اور ہمیں بحفاظت وہاں پہنچا اور پھر واپس گھر بھی پہنچا۔یہ دعا کرنے کے بعد میں نے عزیزم منور احمد ندیم صاحب سے کہا کہ میں نے تو دعا پڑھ لی ہے اب تم بھی اس بارہ میں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ٥ (البقرة:۱۵۷) پڑھ لو کیونکہ میری والدہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کے مطابق یہ دعا پڑھ لینے سے گم شدہ اشیا بھی مل جاتی ہیں۔یہ کہنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے ہر چیز ٹھیک ہوجاتی ہے لیکن ابھی میں انہیں یہ تلقین کر ہی رہا تھا کہ کار کی تھرتھراہٹ ایک دم سے ختم ہوگئی اور خدا تعالیٰ کی قدرت کہ اسی وقت مختلف قسم کی آوازیں بھی آنا بند ہوگئیں۔یہاں میں مصیبت میں گرفتار احباب کی سہولت کے واسطے چند قرآنی آیات کریمہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ۔

وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِالصّٰبِرِیۡنَ O الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡھُمۡ مُّصِیۡبَةٌ'' لا قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ O اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ صَلَوٰتٌ'' مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَ رَحۡمَةٌ'' قف وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُھۡتَدُوۡنَ O (البقرة : ۱۵۶–۱۵۸) ۔یعنی: اور ہم ضرور تمہیں کبھی خوف اور کبھی بھوک اور کبھی اور اموال اور کبھی جانوں اور خوراک کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے لیکن ایسے صبر کرنے والے لوگوں کو یہ خوشخبری دے دو کہ جن پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو تب بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں تو ایسے لوگوں پر ان کے رب کی جانب سے برکات اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

لہٰذا میں نے عزیزم مکرم منور احمد ندیم صاحب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی ہے لہٰذا اب تم اسی رفتار پر یعنی ۱۰۰ – ۱۱۰ کلومیٹر کی

سپیڈ پر چلتے چلواور سپیڈ کو بڑھانا مت لیکن اس نے سوچا کہ اب جب یہ تھرتھراہٹ بند ہو ہی گئی ہے تو سپیڈ بڑھا لینے میں کیا حرج ہے لیکن جیسے ہی وہ سپیڈ بڑھا کر اس سپیڈ سے تیز ہو جاتے تو یہ گڑبڑ پھر شروع ہو جاتی -لہذا میں نے عزیزم منور احمد صاحب کو دو تین بار تلقین کی کہ وہ اب اسی رفتار پر چلتا چلا جائے اور انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا -اس کے بعد ہم فرینکفرٹ شہر میں بھی کافی گھومے پھرے، پاکستانی سفارت خانہ میں بھی گئے اور پھر اپنے عزیز کو بھی ہوائی اڈے سے رخصت کر دیا لیکن گاڑی میں کوئی تھرتھراہٹ یا آواز پیدا نہ ہوتی تھی -اس کے بعد واپسی پر بھی میں عزیزم منور احمد صاحب کو یہی تلقین کرتا رہا لیکن اسے چونکہ واپس گھر پہنچنے کی جلدی تھی لہذا گھر سے تقریباً چالیس کلو میٹر پیچھے اس نے میرے نہ نہ کہنے کے باوجود سپیڈ بڑھانا شروع کر دی -۱۱۰، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۴۰ اور گاڑی کی تھرتھراہٹ بھی اسی حساب سے بڑھنے لگی حتیٰ کہ DIETZ اور MONTABAUR کے درمیان تین رویہ آٹو بھان A3 کی درمیانی روش پر تقریباً ۱۵۰ کلو میٹر کی سپیڈ کے قریب کار کا اگلا دائیاں ٹائر ایک خوفناک دھما کہ سے پھٹ کر تباہ ہو گیا -جس پر میں نے فوراً عزیزم کو کہا کہ دیکھو اب گھبرانا نہیں اور نہ ہی بریک لگانا بلکہ اسے اب یونہی آگے چلتے رہنے دو لیکن اپنی کار کی چاروں حادثاتی روشنیاں یعنی INDICATOR انڈیکیٹر جلا دو اور آہستہ آہستہ پہلے دائیں ٹریک میں آؤ اور پھر سائیڈ پر ہر دو کلو میٹر پر لگے ہوئے ٹریفک پولیس کے فون کے پاس کار کو روک لو-

اس دن خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل کیا اور تقریباً ۱۵۰ رکلو میٹر کی تیز سپیڈ ہونے کے باوجود سوائے کار کا ٹائر پھٹنے کے اور کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ورنہ اس سے بھی بہت کم سپیڈ پر ہم نے یہاں جرمنی میں بڑے بڑے تباہ کن حادثات دیکھے ہیں -اس خدائے بزرگ و برتر کی ایک خاص قدرت نے ہمیں محفوظ رکھا اور دعا کی قبولیت کے دو نشان دکھلائے -پہلا نشان جب فرینکفرٹ کو جاتے ہوئے کار کی تھرتھراہٹ خود بخود یکلخت بالکل رک گئی اور دوسرا نشان یہ کہ باوجود اتنی زیادہ تیز رفتار یعنی سپیڈ ہونے کے باوجود فرینکفرٹ سے واپسی کے سفر میں ہمیں محفوظ رکھا بلکہ کار کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا - شکر الحمدللہ -اس کے بعد عزیزم منور احمد ندیم صاحب اور خاکسار نے مل کر اس تباہ شدہ ٹائر کو بدلا اور پھر گھر کو روانہ ہو گئے -اور اس حادثہ کے بعد پھر گاڑی میں سے مزید کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی اور یوں ہم بخریت واپس پہنچے -اس وقت یہ تمام واقعات بیان کرنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جن سے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نوراللہ مرقدہٗ کے بابرکت وجود اور آپؓ کی بابرکت صحبت کی بے مثال برکتوں کا اظہار مقصود ہے -بہرحال سچی خوابوں اور قبولیت دعا کے بارہ میں میرے مربی و محسن حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

’’ مجھے خوشی ہے کہ کچھ عرصہ سے جماعت کا نوجوان طبقہ، عبادت اور ذکر الٰہی کی طرف زیادہ توجہ دے رہا ہے اور ان میں سے بعض کشف والہام سے بھی مشرف ہیں مگر میں ان سے کہتا ہوں ؎ **نرخ بالا کن که ارزانی هنوز** ‘‘-(الفضل ۲۱ رفروری ۱۹۵۷ء)

مجھے یقین ہے کہ یقیناً میری والدہ محترمہ نے درج بالا باتیں گھر میں کسی نہ کسی دن ضرور سنی ہوں گی اور یہ انہی معزز و محترم بزرگ رضوان اللہ علیہم کے فیض کی برکت تھی کہ آپ ہمیشہ مجھے کسی چیز کی گمشدگی پر رنجیدہ خاطر ہونے کی بجائے اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتی تھیں -پس انہی تمام حالات و واقعات سے متاثر ہو کر میں نے اس کتاب کا نام ’’ انوار بشیرؓ ‘‘ پسند کیا ہے -خدا تعالیٰ ہمیں اس نور کی مزید تجلیاں دکھاتا چلا جائے -آمین بہرحال تحدیث نعمت کی خاطر اِنَّـا لِـلّٰـهِ والی حدیث کو بھی یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں -حضرت ابوسلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

جب تم میں سے کسی پر مصیبت آئے تو وہ اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنَّـآ اِلَيْـهِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرة:۱۵۷ -ناقل) پڑھے اور دعا مانگے کہ اے اللہ! میں تیرے

حضور اپنی مصیبت کو پیش کرتا ہوں-تُو مجھے اس کا اجر دے اور اس کے بدلہ میں خیر عطا فرما-(الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۱۴ر جولائی ۲۰۰۰ء صفحہ ۷)

آپ اس کتاب میں ہجرت کے واقعات اور دوسرے مسائل سے آگاہی حاصل فرما چکے ہیں لیکن اس طرح کی مشکلات ومصائب جھیلنے کے باوجود بھی ہر ایک احمدی اپنے اپنے ملک کا وفادار رہتے ہوئے اس کے تمام قوانین کی پابندی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے-خواہ وہ ہندوستان ہو یا پاکستان، امریکہ ہو یا روس، چین ہو یا جاپان، برطانیہ ہو یا جرمنی اور پھر چونکہ احمدیت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے لہذا احمدی جہاں کہیں بھی ہوں انہیں صرف اور صرف اپنی اپنی حکومتوں کا ہی وفادار شہری بننے کی بھرپور نصیحت کی جاتی ہے اسی لئے جماعت احمدیہ کے احباب کا دنیا کے ہر ملک کی انتظامیہ کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ان کی گھٹی میں پڑا ہؤا ہے-اسی تعاون کے لئے ہی تو قرآن مجید میں ایسے احکامات اترے تھے کہ جن میں برملا طور پر اطاعت خداوندی، اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اطاعت حکمران کی بھی تلقین کی گئی ہے لہذا ایک سچا مسلمان تو جہاں کہیں بھی وہ رہتا ہو اس ملک کے ساتھ غداری کرتے ہوئے دہشت پسند TERORRIST بن ہی نہیں سکتا-فرمایا:-

” یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَیْرٌ“ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o (النساء : ۶۰) -یعنی:اے ایماندارو ! تم اللہ کی اطاعت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھیجے ہوئے مرسل کی بھی اطاعت کرو اور اپنے اپنے فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کرو اور اگر تمہیں کسی امر میں ان سے اختلاف بھی ہو تو بھی تم اللہ اور جزا سزا کے دن پر ایمان لاتے ہوئے اسے اللہ اور اس کے رسول پر چھوڑ دو کیونکہ یہ بات تمہارے انجام بخیر کے لئے بہتر ہے“-

اس لئے یہاں میں حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نہایت ہی قابل تقلید نصیحت ایک مکتوب کی صورت میں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ جس میں آپؓ نے ہندوستان میں اپنا سب کچھ کھو دینے کے باوجود مکرم مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم دہلی کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حکومت کا وفادار بن کر رہیں- حالانکہ تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں کے جو دگرگوں حالات تھے وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ ضلع گورداسپور اور مشرقی پنجاب کے ساتھ ساتھ پورے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا جان و مال ہندو اور سکھ شر پسند عناصر نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا اور ایسے حالات میں کسی بھی قسم کا بدلہ لینے کا موقعہ کوئی بھی دنیا دار جانے نہیں دیتا- پھر جب کہ ابھی نئے نئے لگنے والے زخم مندمل بھی نہ ہونے پائے ہوں تو ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس تکلیف کا بدلہ لیا جائے اور دشمن کو جتنی بھی زک پہنچائی جا سکتی ہو وہ دی جائے لیکن یہی وہ بنیادی فرق ہے کہ جہاں ایک دیندار اور دنیا دار کے درمیان فرق واضح طور پر کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ایک دیندار شخص صرف اپنے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اور کسی بھی قسم کا کوئی بدلہ لینے کی بجائے اللہ پر تمام کام چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ اوپر درج آیت کریمہ میں بھی حکم الٰہی صادر ہو چکا ہے-لہذا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ہر ایک عمل پکار پکار کر یہ ثابت کر رہا ہے کہ ہاں! آپؓ اللہ تعالیٰ کی مشیت ایزدی پر کامل یقین رکھتے تھے اور اسی لئے اپنے غم وغصہ کو دباتے ہوئے درج بالہ آیت پر صدق دل سے عمل کرنے والے تھے اور اپنے اتنے بڑے بڑے جانی و مالی نقصانات کے باوجود بھی آپؓ ہر ایک شخص کو پُرامن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلاتے اور ہمیشہ حکومت وقت کا وفادار رہنے کی ہی تلقین فرماتے رہے اور یہ کام ایک بہت ہی بڑے دل والے فرشتہ سیرت انسان کا کام ہے نہ کہ کسی ایسے کمزور شخص کا کہ جس کا دماغ کچھ سوچتا ہے اور جسم کچھ اور کرتا ہے اور زبان کچھ اور ہی کہتی ہے-اور ایک ایسا ناتوان شخص کہ جس کا دل اور دماغ اس کے قبضہ میں نہ ہو تو وہ ظاہری طور پر یا در پردہ بھی بدلہ لینے سے کبھی باز نہیں

آتا اور مختلف قسم کی تخریبی کاروائیاں کرتا رہتا ہے- شاید اسی موقعہ کے لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ:-

''اپنے غصے کو دبا لینے والا ہی دراصل ایک بہادر انسان ہے''

پس ان آیات کی پیروی کرتے ہوئے اور ان احادیث نبویہؐ پر چلتے ہوئے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنے عمل سے اپنے کردار سے اور اپنے اقوال سے نیز اپنی تحریرات سے یہ ثابت کر دیا کہ آپؓ واقعی ایک نہایت بہادر اور دلیر انسان تھے- آپؓ نے ہمیشہ نیکی کرنے کی ہی تعلیم دی اور کسی قسم کا بدلہ لینے کی بجائے یہ معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا- پس! اسی اعلیٰ وارفع تربیت کا نتیجہ جماعت احمدیہ کی ہر ملک میں ترقی کی صورت میں نظر آتا ہے- دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِثواب کے لئے آپؓ پر تا قیامت اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا چلا جائے- آمین- میں یہاں آپؓ کے ایک خط کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جسے آپؓ نے تقسیم ہندوپاک کے فسادات کے دوران تحریر فرمایا:-

رتن باغ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴؍اگست ۱۹۴۸ء نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مکرمی ومحترمی مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط محررہ ۱۶؍اگست ۱۹۴۸ء موصول ہوا اور اس کے ساتھ تار کی نقل بھی تھی---- آپ اس وقت انڈین یونین (بھارت- ناقل) میں رہتے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے ماتحت آپ کو انڈین یونین کا ہر طرح وفادار اور پُرامن رہنا چاہئے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہی مسلک ہوگا- تبلیغ ضرور کریں اور اسلام اور احمدیت کی پُرامن تعلیم کو پُرامن طریق پر لوگوں تک پہنچائیں- یہ وہ چیز ہے جس میں کسی حکومت کا قانون روک نہیں بنتا مگر **جادلھم بالتی مع احسن** کے اصول کے ماتحت حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لیں کیونکہ آج کل کے غیر معمولی حالات میں بعض جلد باز افسر بلاوجہ بدظنی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں- قادیان کے ساتھ بھی تعلق رکھیں اور امیر جماعت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل دارالمسیح قادیان کو خط لکھتے رہا کریں- آپ دونوں ایک ہی حکومت کے باشندے ہیں- دہلی کے سب دوستوں کو سلام مسنون پہنچا دیں اور اگر ممکن ہو تو مجھے مطلع فرمائیں کہ دہلی میں اس وقت کتنے احمدی دوست ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ وناصر ہو- فقط والسلام- خاکسار- دستخط (مرزا بشیر احمد) ۲۴؍اگست ۱۹۴۸ء''-(حیات بشیر صفحہ ۲۹۸-۲۹۹)

اسی ایک مثال سے ہی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایک نافع الناس معزز بزرگ تھے اور آپؓ کا وجود تاحیات تمام بنی نوع انسان کے لئے ہر پہلو سے باعث شفقت ورحمت بنا رہا- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب، حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

''ابا جانؓ کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو بنی نوع انسان کی ہمدردی کرنا تھا- میں نے آپؓ جیسا شفیق انسان اور کوئی نہیں دیکھا- ہر آن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کے کام آ سکیں- آپؓ کا دروازہ ہر دردمند کے لئے کھلا رہتا تھا- لوگوں کی تکالیف اور ان کی پریشانیوں کے بیان کو بڑے تحمل سے سنتے تھے اور اپنی طاقت اور موقع کے مطابق امداد فرماتے تھے- کسی کو اس کے بچوں کی تعلیم کے لئے مشورہ دے رہے ہیں تو کسی کو ملازمت کے لئے- کسی کو علاج معالجہ کے لئے تو کسی کو مقدمات کی پریشانی کے بارے میں- کسی کو کاروبار اور تجارت میں تو کسی کو رشتہ کے بارے میں- غرض ہر ضرورت مند آپؓ کے پاس آتا تھا اور آپؓ بڑے اطمینان سے اس کی بات کو سنتے تھے اور اسے صحیح مشورہ دیتے اور پھر اس کی حتیٰ

المقدور امداد بھی فرماتے تھے۔غرباء کی طرف بالخصوص توجہ دیتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایسے مواقع کوشش سے ڈھونڈتے رہتے تھے کہ میں کسی طرح سے لوگوں کے بوجھ ہلکے کرسکوں اور ان کی پریشانیوں میں ایک گھر کا فرد ہوکر شامل ہوسکوں۔ہم بچوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ:''انسان کو نافع لناس وجود بنناچاہئے۔ایسی زندگی جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو وہ کوئی زندگی نہیں''۔اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے اپنے اوپر ہر تکلیف کو بخوشی قبول فرماتے تھے''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰؍نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

اسی سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب مزید بیان فرماتے ہیں کہ آپؓ کی وفات کے موقعہ پر:-
'' تعزیت کے لئے جو احباب تشریف لائے ان میں سرگودھا کے ایک غیر از جماعت دوست بھی تھے وہ جن صاحب کے ساتھ آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب سے انہوں نے حضرت میاں صاحبؓ کے وصال کی خبر سنی ہے انہیں اس کا شدید صدمہ ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔یہ دوست کہنے لگے کہ میں ایک مقدمہ میں ماخوذ تھا اور بغیر کسی تعارف یا واقفیت کے ربوہ حضرت میاں صاحبؓ کے مکان پر چلا آیا۔اندر اطلاع بھجوائی کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔خادم جواب لایا کہ میاں صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میری طبیعت اچھی نہیں اگر پھر کسی وقت تشریف لائیں تو بہتر ہوگا۔وہ کہنے لگے کہ میں اپنی تکلیف میں تھا اس لئے میں نے اصرار کیا کہ میں نے ضرور ملنا ہے۔اس کے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ میاں صاحبؓ کمرہ سے باہر بڑی تکلیف اور مشکل سے دیوار کے ساتھ قریباً دونوں ہاتھوں کا سہارا لئے آہستہ آہستہ چلے آرہے ہیں۔وہ دوست کہنے لگے کہ میں بہت پشیمان ہؤا کیونکہ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اس قدر تکلیف ہے۔آپ آکر برآمدہ میں بیٹھ گئے اور میرے حالات بڑی توجہ سے سنے اور فرمایا میں آپ کے لئے ضرور دعا کروں گا۔اپنی ایسی بیماری کی حالت میں ایک غیر معروف شخص کی خاطر اس طرح باہر چلے آنا آپ کی ہمدردی بنی نوعِ انسان کے خاصہ کی ایک مثال ہے۔میں نے بیسیوں مرتبہ یہی کیفیت دیکھی ہے۔اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے تا لوگوں کو سُکھ نصیب ہو اور ان کے ہر قسم کے معاملات میں گہری دلچسپی لے کر ان سے پوری ہمدردی فرماتے تھے۔مشورہ بھی دیتے تھے اور جہاں ہوسکے امداد بھی فرماتے تھے۔یہ سلسلہ صرف ملاقات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس سلسلہ میں بے شمار خطوط آتے تھے اور آپؓ ہر ایک کو بغیر توقف جواب دیتے تھے چنانچہ اس آخری بیماری میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور مجھے تعزیت کے خطوط میں ایک صاحب نے لکھا کہ میاں صاحبؓ کا خط ان کی وفات کی خبر کے بعد انہیں ملا۔

دوستوں سے ہمدردی کرتے وقت بڑی شفقت اور نرمی سے اپنا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر مخصوص انداز میں رکھتے تھے اور دلاسہ دیتے تھے۔اس کا اندازہ وہی کرسکتے ہیں جنہیں اس کا تجربہ ہؤا ہو۔آپؓ کی بے پایاں شفقت جہاں دوسروں کے لئے تھی وہاں اپنے دوستوں کے لئے اور بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس نیک سلوک اور مروّت کا سلسلہ اپنے دوستوں کی اولادوں تک کے لئے قائم رکھتے تھے۔ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ اپنی والدہ محترمہ (اہلیہ حکیم قطب الدین صاحبؓ) کا جنازہ وہ ربوہ لے کر گئے۔رات کے ساڑھے تین بجے کے قریب پہنچے۔حضرت میاں صاحبؓ کو اطلاع ملی تو اسی وقت رات کو تشریف لے آئے اور تجہیز و تکفین تک میں شامل رہے اور ہر طرح ان کے غم میں شریک رہے اور ہمدردی فرماتے رہے۔اسی طرح صوفی عبدالرحیم صاحب لدھیانوی نے بیان کیا کہ ان کی والدہ (اہلیہ میر عنایت علی شاہ صاحبؓ) کا تابوت جب وہ تدفین کے لئے لائے تو ابا جان نے کمال ہمدردی سے ان کے غم میں شرکت کی اور فرمانے لگے کہ ''میر صاحبؓ کو تو ہم اپنے گھر کا فرد سمجھتے ہیں''۔(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۰؍نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

اب آخر میں خاکسار صرف تحدیث نعمت کی غرض سے سیدہ حضرت صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے ان پیارے الفاظ میں اپنے اس مضمون

کوختم کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان پاکیزہ اور بابرکت دعاؤں کو اپنے خاص فضل اور اپنی بے کراں رحمت کی بدولت قبول فرمائے -آمین :-

'' مبارک بزرگ ہستیوں کا ذکر خیر کرنا اور ان کے اخلاق وشمائل کو محفوظ رکھنا، بے صبری اور جزع فزع میں ہرگز شامل نہیں- یہ تحریریں تو نوجوانوں کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہیں- الفضل کے مضامین یا جو بعد میں بھی لکھا جائے آئندہ تاریخ احمدیت کا ایک اہم باب ہوں گے- ان بزرگ ہستیوں کی جدائی کا احساس تو صرف یہاں تک ہونا چاہئے اور ضرور ہوگا کہ افسوس! آج ہم ایک اور نعمت الٰہی سے محروم ہوگئے لیکن اصل چیز جس کا خیال خصوصیت سے جوان طبقہ کو رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ان کی قربانیاں، ان کے کام، ان کے اخلاق دیکھیں اور پختہ عزم سے آگے بڑھیں، عہد کریں کہ آئندہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے اور نیکیوں اور خدمت دین میں قدم آگے ہی آگے بڑھائیں گے- خدا تعالیٰ سب کا ناصر رہے اور اگر آج ایک چاند ایک '' بشیر'' ہم سے رخصت ہو کر اپنے مولےٰ کے حضور میں حاضر ہو گیا ہے تو اس کے عوض ہمارا رب ہزاروں '' بشیر'' ہم کو عطاء فرمائے -آمین- دستخط (مبارکہ)''-(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷-۸)

سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد کر کے مجھے فارسی کا ایک شعر بہت یاد آتا ہے کہ:-

روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

'' ابھی ان خوبصورت مہکتے ہوئے پھولوں کے نظارے سے میری نظر دل بھر کر سیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ سہانی بہار ختم بھی ہوگئی-
ہائے افسوس ! کہ پلک جھپکتے ہی میرے اس پیارے یار کی صحبت ختم ہوگئی''-

اے میرے پیارے خدا تو مجھ پر اپنا رحم نازل فرماتے ہوئے مجھے اپنے ان معزز بزرگوں کے لئے مزید دعا کرنے کے مواقع عطا فرما اور اپنے خاص فضل اور رحمت سے میرے اِن پیاروں کی اور اپنے اِس عاجز اور پُرتقصیر بندے کی تمام دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ان شفیق و مہربان ہستیوں کے درجات کو تا قیامت بڑھاتا چلا جا اور ان معزز بزرگوں کی حسب خواہش اپنے سب سے زیادہ پیارے نبی آنحضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ کے قدموں میں جگہ عطا فرماتے ہوئے اپنا قرب عطا فرما اور ہم سب پر بھی اپنے فضل اور رحمت کی بارش برساتے ہوئے ہمیں بھی ان معززین کی طرح بے حساب جنت میں جانے دے-آمین اللھم آمین-تحدیث نعمت کے طور پر یہاں ایک حدیث نبویہؐ بھی تحریر کرتا چلوں کہ جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے مبارک قدموں میں جی اٹھنے کی دعا ہم مسلمانوں کو سکھاتے ہوئے فرمایا کہ: '' اَنَا الحَاشِرُ الَّذِی یُحشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِی میں ہی مُردوں کو اٹھانے والا وہ شخص ہوں کہ جس کے قدموں پر لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ''- (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۹۰-۱۹۴)

☆

گلدستہ عقیدت

معزز قارئین! اس عنوان کے تحت ذیل میں وہ تمام مضامین تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو کہ ۱۹۹۳ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک خاکسار کو موصول ہوئے۔ ان مضامین میں احباب جماعت نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی والہانہ عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں کہ جنہیں دنیا کی نظر میں سونا چاندی یا ہیرے جواہرات میں تولا جا سکتا ہے لیکن احباب جماعت عالیہ احمدیہ کا انکسار ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے اپنے یہ قیمتی مضامین اس جذبہ عقیدت کے ساتھ خاکسار کو بھجوائے کہ جس کا کوئی مول نہیں۔ ذیل میں ان مضمون نگاروں کے خلوص کی چند ایک امثال پیش خدمت کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

(۱)- ”مکرمی ومحترمی مقصود احمد نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -امید ہے کہ آپ بفضل خدا بخیر وعافیت ہوں گے-حسب ارشاد قوم القام حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات وواقعات جو مجھے یاد آئے ایک ہی نشست میں لکھ کر ارسال ہیں-خاکسار کا کام تمام عمر حساب کتاب کا رہا، مضمون نگاری کا موقع نہ ملا، نہ کی-حضرت میاں صاحبؓ میرے مربی ومحسن تھے-ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں انؓ کا ذکر خیر محض اس لئے کہ میرے لئے ذریعہ ثواب ونجات ہے ارسال ہے-نفس مضمون کو قائم رکھتے ہوئے آپ اس میں جو کمی بیشی (نوک پلک) درستی کریں گے مجھے منظور وقبول ہوگی---“-والسلام-دستخط (سید اعجاز احمد شاہ)

(۲)-”بخدمت شریف محترم جناب مقصود احمد نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -امید ہے آپ بمعہ اہل وعیال خیریت سے ہوں گے-الفضل انٹرنیشنل میں کچھ عرصہ ہوا آپ کا اعلان نظر سے گذرا - منسلکہ مضمون اسی سلسلہ میں آپ کی خدمت میں ارسال کرنے کا اعزاز پا رہا ہوں---“-والسلام-دستخط (محمد ادریس خلیل)۔

(۳)-” برادرم عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -آپ نے پہلے فیکس بھیجی پھر ازراہِ کرم ٹیلیفون فرمایا-امتثالِ امر میں ایک چھوٹا سا مضمون حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی سیرۃ کے بارہ میں لکھا ہے وہ بھیج رہا ہوں-اگر آپ کی کتاب کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو تو اسے اپنی کتاب میں شامل فرما لیں تا کہ خاکسار بھی ثواب میں شریک ہو سکے----حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی سیرت کے بارہ میں جستہ جستہ باتیں تو اپنے بہت سے مضامین میں یہاں وہاں بیان کر چکا ہوں مگر ان کی سیرت پر باقاعدہ مضمون کوئی نہیں لکھا-اب آپ کا مطالبہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی سیرت پر ان کی کتاب کے لئے خصوصی طور پر کچھ لکھوں-ثواب اور حضرت میاں صاحبؓ کے ذکرِ خیر میں شرکتِ مکرر کیلئے لکھتا ہوں---“-والسلام-دستخط (پرویز پروازی)

(۴)-”عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کی خواہش کے مطابق میں نے ایک مختصر سا نوٹ آپ کی کتاب کے بارے میں لکھا ہے جسے میں آپ کو بھجوا رہا ہوں-پسند کریں تو اسے ”پیش لفظ“ کے طور پر شامل کر لیں-جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ-والسلام-خاکسار“-دستخط (مرزا مظفر احمد)-امیر جماعت احمدیہ امریکہ“

یہ تمام گلہائے عقیدت ومحبت خاکسار کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہیں۔ میرے پاس اس قدر دانی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مناسب الفاظ نہیں بلکہ صرف دعائیں ہی ہیں جو کہ میں ان مصنفین کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ تادم حیات کرتا رہوں گا۔ آپ سب کی خدمت میں بھی ان کے لئے خصوصی دعا کی مؤدبانہ درخواست پیش خدمت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور آپ کو بھی بہترین جزائے خیر سے ہمیشہ نوازتا چلا جائے۔ آمین

مکرم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد نسیم خان صاحب

(المعروف جناب پروفیسر پرویز پروازی صاحب)

لیکچرر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

جناب پروفیسر ڈاکٹر مکرم ناصر احمد نسیم خان صاحب المعروف جناب پرویز پروازی صاحب خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام دنیا بھر میں نہ صرف تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں درس وتدریس کی بناء پر بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے مشغلہ شعروشاعری کی بدولت مجھ جیسے عاجز انسان کے کسی قسم تعارف کے محتاج نہیں- پھر حضرت مولانا احمد خان نسیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق ناظر صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان کا صاحبزادہ ہونے کی حیثیت سے بھی جماعت میں خوب جانے پہچانے جاتے ہیں اور جماعت میں نہایت قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔آپ خاکسار کے دیرینہ کلاس فیلو دوست مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب مشنری انچارج-امیر جماعت احمدیہ کینیڈا کے بڑے بھائی بھی ہیں۔زمانہ طالب علمی میں آپ کا کچھ عرصہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پاکیزہ صحبت میں بھی گزرا ہے لہذا درج ذیل مضمون سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اس مشہور ومعروف دانشور،شاعر اور ادیب نے خاکسار کی درخواست پر ازراہ محبت اور شفقت اس کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ کے لئے سویڈن سے ارسال فرمایا تھا-اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر سے نوازے-آمین-پاکستان کے بعد آپ جاپان اور اس کے بعد سویڈن میں سکونت پذیر رہے-اب سنا ہے کہ آپ سویڈن سے کینیڈا منتقل ہو چکے ہیں-دعا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں خیروعافیت کے ساتھ ہمیشہ شادوآباد رہیں-جماعت عالیہ احمدیہ کے مختلف اخبارات ورسائل میں آپ کے منفرد مضامین چھپتے رہتے ہیں کہ جنہیں اہل ذوق نہایت شوق سے ملاحظہ فرماتے ہیں-خاکسار کی کتاب کے لئے مضمون بھجواتے وقت آپ نے تحریر فرمایا:-

’’برادرم عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ -آپ نے پہلے فیکس بھیجی پھر ازراہِ کرم ٹیلیفون فرمایا-امتثالِ امر میں ایک چھوٹا سا مضمون حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی سیرۃ کے بارہ میں لکھا ہے وہ بھیج رہا ہوں-اگر آپ کی کتاب سے کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو تو اسے اپنی کتاب میں شامل فرمالیں تاکہ خاکسار بھی ثواب میں شریک ہو سکے---‘‘-(مکتوبات نسیم۔۱۹؍دسمبر۱۹۹۷ء)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کے اس مضمون کے ساتھ ساتھ آپ کا ایک اور مضمون بھی لاہور سے چھپنے والے ہفت روزہ’’لاہور‘‘ پاکستان سے بعنوان’’سرخ رومال والا صوفی‘‘ کے نام سے اس کتاب میں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ جس میں آپ نے پاکستانی ملکی حالات کے پیش نظر ’’رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘‘ وغیرہ جیسے اسلامی القابات کے استعمال سے دل پر جبر کرتے ہوئے اجتناب برتا ہے لیکن اس کے باوجود اس مضمون کی چاشنی میں انسان اس طرح مدہوش ہو جاتا ہے کہ ان القابات کی کمی کے باوجود اسے بہت ہی لطف آتا ہے اور یہ لطف اور بھی دوبالہ ہو جاتا ہے کہ جب انسان’’سرخ رومال والا صوفی‘‘ کے مضمون کو پڑھنے سے پہلے خاکسار کی اس کتاب ’’انوار بشیرؓ‘‘ کے لئے مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کا تحریر شدہ مضمون’’حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ‘‘ پڑھ چکا ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں مضامین کا لب لباب ایک ہی پاکیزہ شخصیت کے گرد چکر لگا تا نظر آتا ہے اور وہ ہیں حضرت قمرالانبیاء

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ-'' سونے پر سہاگہ '' شائید اسی قسم کی تحریروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے-اب مضمون ملاحظہ فرمائیں:-

'' حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی سیرت کے بارہ میں جستہ جستہ باتیں تو اپنے بہت سے مضامین میں یہاں وہاں بیان کر چکا ہوں مگر ان کی سیرت پر باقاعدہ مضمون کوئی نہیں لکھا- اب برادرم عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب کا مطالبہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی سیرت پر ان کی کتاب کے لئے خصوصی طور پر کچھ لکھوں-ثواب اور حضرت میاں صاحبؓ کے ذکرِ خیر میں شرکتِ مکرر کیلئے لکھتا ہوں-

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جماعت احمدیہ میں ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک اور مبشر اولاد ہونے کے ناطے انہیں خاص مقام حاصل تھا اور حضرت میاں صاحبؓ اس مقام اور مرتبہ سے مکمل آگاہ تھے- پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت میاں صاحبؓ پر بعض ذمہ داریاں عائید ہوتی تھیں ان کا پورا لحاظ رکھتے تھے-خلیفہ کی اطاعت ہر احمدی کرتا ہے مگر حضرت میاں صاحبؓ اکمل تر اطاعت کا نمونہ پیش کرتے تھے- پھر حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے اہم عہدیدار تھے اور نظارت کی بعض ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد تھیں-اس لئے ان کی ذمہ داریاں دوسروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں- ہم نے جب سے حضرت میاں صاحبؓ کو دیکھنا شروع کیا، انہیں امام کے سامنے سراپا اطاعت پایا- قادیان کی بات ہمیں یاد ہے کہ حضرت صاحبؓ کے سامنے حضرت میاں صاحبؓ یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے خدمت گار کھڑے ہوتے ہیں نہایت ادب اور انکسار سے حضرت صاحبؓ سے مخاطب ہوتے- بات کرنے سے حتیٰ الوسع گریز کرتے- سمعنا واطعنا کی سمجھ حضرت میاں صاحبؓ کا نمونہ دیکھ کر آتی تھی-سمعنا سے زیادہ اطعنا کا نمونہ پیش کرتے تھے-حضرت صاحبؓ کا کوئی ارشاد ملتا تو اسے بہت غور سے سنتے یا پڑھتے اور پھر اس پر لفظاً اور معناً مکمل عمل کرتے-

ہم نے اپنے بچپن میں حضرت میاں صاحبؓ کو ہمیشہ شلوار قمیص اور کوٹ میں ملبوس دیکھا-ان کا کوٹ لمبا ہوتا تھا-ہاف کوٹ سے ذرہ زیادہ لمبا کہ یہ شرفاء کا لباس تھا اور اصطلاح میں اسے ٹرکش کوٹ کہا جاتا تھا- پرانے بزرگوں کی بعض تصویریں ہم نے دیکھیں ان میں وہ بزرگ ایسا کوٹ پہنتے تھے- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لباس کا تو یہ کوٹ حصہ تھا- جوانی میں کہیں شیروانی بھی پہنتے ہوں گے مگر ہم نے انہیں اسی لباس میں ملبوس دیکھا جس کا ذکر کر رہے ہیں-حضرت میاں صاحبؓ سر پر پگڑی باندھتے تھے مگر کلاہ پر باندھنے کے باوجود طرہ والی پگڑی نہیں ہوتی تھی جیسے رؤسا باندھتے تھے- حضرت میاں صاحبؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے تتبع میں پگڑی بھی اسی انداز کی باندھتے تھے-ایک دو بار انہیں کالی ٹوپی اوڑھے بھی دیکھا مگر یہ یاد نہیں کون سا موقع تھا- گلے میں سرخ رومال باندھنا ان کا تخصص تھا اور یہ سرخ رومال ان پر بہت پھبتا تھا- گول فریم کی عینک پہنتے تھے اور بعض اوقات پڑھتے وقت اتار بھی لیتے تھے-کوئی حوالہ غور سے دیکھنا ہوتا تو عینک اتار کر آنکھوں کے قریب لاکر پڑھتے تھے-قادیان میں تو ہماری حضرت میاں صاحبؓ سے دور کی شناسائی تھی- دیکھا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا مگر ربوہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں حاضر رہنے اور خدمت کرنے کا کچھ موقعہ ملا اور ہم اس دور کو اپنی زندگی کا زرّیں دور سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو بخدا ہم کتنی بڑی نعمت سے محروم رہ جاتے-

یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے- ہم میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد انجمن میں کام کرنے لگے- ہماری انجمن کی خدمت کا آغاز نور ہسپتال سے ہوا- ہم اس ہسپتال میں کلرک مقرر ہوئے- کچھ ہی عرصہ کے بعد ۱۹۵۳ء میں ہمیں ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا-تفصیل کسی جگہ لکھ چکا ہوں مختصراً یہ کہ ہسپتال سے

فراغت کا پروانہ لے کر ہم حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان دنوں انہیں اپنے دفتر میں کسی کلرک کی ضرورت تھی۔مکرم مولوی بشیر احمد صاحب سیالکوٹی (مالک حبیب کلاتھ ہاؤس ربوہ) اس وقت حضرت میاں صاحبؓ کے دفتر کے ہیڈ کلرک تھے۔ دفتر کا نام تھا حفاظتِ مرکز۔ اس دفتر کے سپرد درویشانِ قادیان کی اور پاکستان میں ان کے لواحقین و متعلقین کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ یہ بڑا ذمہ داری کا اور نازک کام تھا کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ قادیان کے بارہ میں بہت حساس تھے۔ ہم حاضر ہوئے تو حضرت میاں صاحبؓ نے دفتر امور عامہ سے ہمارے بارہ میں رپورٹ مانگی۔ اس میں یہ نہیں پوچھا کہ ہمیں ہسپتال سے کیوں فارغ کیا گیا؟ کیونکہ وہ تو ہم خود انہیں بتا چکے تھے اور حضرت میاں صاحبؓ کو ہم پر پورا اعتماد تھا۔ پوچھنا اس لئے ضروری تھا کہ انجمن کے قواعد میں یہ بات شامل تھی کہ کسی کارکن کو رکھتے وقت امور عامہ سے پوچھ لیا جائے کہ اس کارکن کے خلاف نظام جماعت کو تو کوئی شکایت نہیں؟ چنانچہ جواب باصواب آنے پر ہم نے کام شروع کر دیا۔

ہمارے سپرد عام طور پر دعائیہ خطوں کا جواب لکھنا تھا اور حضرت میاں صاحبؓ کو سینکڑوں خط دعا کی غرض سے آتے تھے اور حضرت میاں صاحبؓ سب ہی خطوں کا جواب دیتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کوہاٹ میں میجر زین العابدین صاحب تھے ان کے ہفتہ میں دو خط آتے تھے اور جواب میں بھی دو خط جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہؤا کہ دو خطوں کا جواب ایک خط میں دے دیا گیا ہو۔ حضرت میاں صاحبؓ اس بارہ میں بہت محتاط تھے انؓ کی ہدایت تھی کہ ہر خط کا جواب جانا چاہئے۔ کچھ اس وجہ سے بھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیماری کی وجہ سے جماعت کا رخ حضرت میاں صاحبؓ کی دعاؤں کی طرف تھا۔ لوگ بہت اخلاص سے خطوط لکھتے اور اپنے لئے دعاؤں کی درخواست کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ مکرمی و محترمی ہر خط کے ساتھ لکھتے تھے جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کے خط میں پیارے کا لفظ ضرور لکھتے ہیں۔ دستخطوں سے پہلے خاکسار کا لفظ بڑھا دیتے تھے کیونکہ کارکن تو لکھتے وقت خاکسار کا لفظ نہیں لکھتے تھے پھر ہدایت ہوئی کہ خاکسار کا لفظ بھی کارکن ہی لکھ دیا کریں تا کہ حضرت میاں صاحبؓ کو دستخط کرتے وقت زیادہ دِقت نہ ہو۔

اس زمانہ میں حضرت میاں صاحبؓ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ گھر میں بہت سے بے سہارا بچے پل رہے تھے۔ ایک تو ہمارے ہوتے ہوئے آیا۔ نام ذہن سے اتر رہا ہے غالباً ماسٹر غلام محمد صاحب اوکاڑہ میں شہید کئے گئے تھے ان کا چھوٹا سا بچہ حضرت میاں صاحب نے پال لیا۔ بڑا معصوم سا چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ گھر میں زیادہ وقت حضرت میاں صاحب کی چارپائی کی پٹی سے لگا بیٹھا رہتا۔ اس کے سپرد کام تو کیا ہوتا وہ بس حضرت میاں صاحبؓ کو اور ہمیں کام کرتے دیکھتا رہتا۔ اس کے بعد اس سے رابطہ نہیں ہؤا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر کیا بنا؟ ۔ ہم نے تو اسے اس معصومیت کی عمر میں صرف ایک دو برس ہی دیکھا۔ اسی طرح ایک چھوٹی سی لڑکی بھی تھی شاید اس کا نام زرینہ تھا اس کی اماں گھر کا اوپر کا کام کرتی تھی مگر وہ بچی گھر کا فرد تھی کام وام کیوں کرتی؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ گرمیوں کے موسم میں ہم حاضر ہوتے تو وہ اندر سے ہمارے لئے ٹھنڈا شربت لاتی تھی کیونکہ اس بات کا تو سوال ہی نہیں تھا کہ کوئی کارکن باہر سے گرمی میں حاضر ہو اور حضرت میاں صاحبؓ اسے شربت پلائے بغیر کام میں لگا لیں۔ ہمارا کام چھٹی کے دنوں میں بھی جاری رہتا تھا۔ ہم ڈاک لے کر گھر پر حاضر ہوتے۔ دربان اندر اطلاع کرتا۔ ہم برآمدہ میں پہنچ کر دروازہ پر السلام علیکم کہتے اور اندر سے اجازت ملنے کا انتظار کرتے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی میٹھی آواز آتی ”آ جائیے“ اور ہم اندر پہنچ جاتے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی پہلی نظر ہمارے لباس پر پڑتی کہ کیا ہم نے انؓ کے ہدایت کے مطابق پورا لباس پہنا ہؤا ہے یا نہیں؟ اور پورے لباس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ سر پر تولیہ ہے یا نہیں؟ گردن پر کوئی کپڑا رکھا ہے یا نہیں؟ ٹوپی ہم اس زمانہ میں بھی نہیں اوڑھتے تھے نہ ہی حضرت میاں صاحبؓ ٹوپی اوڑھنے پر اصرار کرتے تھے البتہ سر کو ڈھانکنا ضروری خیال فرماتے تھے اور وہ ہم گرمیوں میں تولیہ سے ڈھانک لیتے تھے۔

حضرت میاں صاحبؓ کا مکان وہ ہے جس میں آج کل ڈاکٹر نصرت جہاں قیام رکھتی ہیں مگر اس میں بھی تبدیلی آ چکی ہے- پہلے ایسا نہیں تھا- کھلا برآمدہ تھا اور سیڑھیاں چڑھ کر سیدھے حضرت میاں صاحبؓ کا کمرہ تھا- پچھلے پہر کی دھوپ سیدھی کمرے پر پڑتی تھی اور کمرہ تپ جاتا تھا- ایئر کنڈیشننگ تو بہت بعد کی بات ہے- اس وقت حضرت میاں صاحبؓ پنکھے کے نیچے ایک ٹب پانی سے بھرا ہوا رکھوا دیتے اور اس ٹب میں برف کا ایک بڑا سا ڈلا تیرتا رہتا- اس سے گرمی میں خاصی بچت ہوتی- خس کی ٹٹیوں کا کوئی رواج نہیں تھا نہ ڈیزرٹ کولر کا- یہ سب سہولتیں بعد کی ہیں مگر اس جھلستی گرمی میں بھی کام جاری رہتا تھا- جمعہ کے روز بھی کام ہوتا ہاں اتنا ہوتا کہ جمعہ کے وقت حضرت میاں صاحبؓ عین وقت پر گھر سے نکلتے- ایک جانماز ساتھ رہتی- چھتری ضرور تان لیتے- مسجد میں پہنچتے جہاں جگہ ملتی وہیں اپنی جانماز بچھا لیتے اور تشریف فرما ہو جاتے- لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کر آگے جانا انہیں بہت کھلتا تھا ہرگز ایسا کرنا روا نہیں جانتے تھے- کئی لوگ انؓ کے بعد تشریف لاتے اور پھلانگ پھلانگ کر آگے بڑھتے- حضرت میاں صاحبؓ منہ سے تو کچھ نہ فرماتے البتہ چہرے پر ناگواری کا اثر ضرور پیدا ہوتا- نماز ختم ہوتے ہی واپس- اس کے بعد پھر دفتر کا کام شروع ہو جاتا-

پھر حضرت میاں صاحبؓ نے یہ جان لیا کہ یہ شخص لکھنے میں طاق ہے تو اپنے مضامین بھی لکھوانے لگے- ہمیں اس کا بہت فائدہ ہوا- الفاظ کے صحیح استعمال اور انہیں مناسب و موزوں اور موقع و محل کے مطابق برتنے کا سلیقہ ہم نے حضرت میاں صاحبؓ سے سیکھا- اگر انؓ کے مضامین کی ڈکٹیشن نہ لی ہوتی تو الفاظ کے دروبست سے شناسائی نہ ہو پاتی- حضرت میاں صاحبؓ لکھوانے کے بعد ایک نظر خود ڈالتے تھے اور اس دوران الفاظ کی درستی کرنے کے علاوہ بعض اہم الفاظ اور فقروں کے نیچے سرخ روشنائی سے نشان لگا دیتے اور کاتب کو یہ ہدایت ہوتی کہ ان نشان زدہ لفظوں یا فقروں کو جلی قلم سے لکھے- ایک بار یوں ہوا کہ حضرت میاں صاحبؓ کے سرخ روشنائی والے قلم میں روشنائی ختم ہوگئی- لکھنے میں دقت ہوئی تو ہم نے کہا اس میں ''سرخ سیاہی'' ختم ہوگئی ہے- بہت مزے سے ہنسے اور فرمانے لگے ''سیاہی تو سیاہ ہوتی ہے البتہ دیگر رنگوں کے لئے روشنائی کا لفظ بولتے ہیں- یہ کہو ''سرخ روشنائی'' ختم ہوگئی ہے''- ہم نے یہ باریکی پہلی بار حضرت میاں صاحبؓ سے سیکھی- الفاظ کو جلی قلم سے لکھنے کی ہدایت علیحدہ سے ایڈیٹر صاحب الفضل کو یا مضامین کی کتابت کرنے والے کو بھیجی جاتی اور حضرت میاں صاحبؓ اس باب میں بہت محتاط بھی تھے اور حساس بھی- مضمون چھپتا تو غور سے پڑھتے کہ انؓ کی ہدایت کے مطابق لکھا گیا ہے یا نہیں؟ انہیں اس بات کا احساس رہتا تھا کہ جماعت میں انؓ کا کیا مرتبہ ہے اور جماعت ان کے ایک ایک لفظ کو کس طرح غور سے پڑھتی اور اس پر عمل کرتی ہے-

ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طبیعت بہت خراب تھی- انجمن کی ڈاک کا پلندہ اسی طرح واپس آ گیا- حضرت میاں صاحبؓ نے ہدایت فرمائی کہ اس کو جوں کا توں رہنے دیا جائے جب حضرت صاحبؓ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی دوبارہ پیش ہوگا- ایک بار حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت خراب تھی- تین چار روز ڈاک ملاحظہ نہ فرما سکے- ہم طبیعت کا پوچھنے کو حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا ڈاک کہاں ہے؟ ہم نے کہا ہم تو ساتھ نہیں لائے کہ آپؓ کی طبیعت ٹھیک نہیں بعد میں دیکھی جائے گی- حضرت میاں صاحبؓ پر جو جلال کی کیفیت طاری ہوئی اسے بیان کرنا بہت مشکل ہے- فرمانے لگے:-

''ڈاک دیکھے بغیر واپس کر دینا خلیفہ کا مقام ہے- ہم کون ہوتے ہیں ایسا کرنے والے؟ فوراً ڈاک لائیں اور کام ختم کریں''

غرض ہم واپس ہوئے ڈاک کا پلندہ اٹھایا جو خاصی بھاری ہو چکا تھا ساری ڈاک نکالنے کے بعد چھٹی ہوئی- کام ختم ہو چکا تو حضرت میاں صاحبؓ کی طبیعت میں سکون آیا- بار بار فرماتے تھے کہ:-

''ہم کون ہوتے ہیں کام ٹالنے والے؟ جان جاتی ہے تو جائے کام باقی نہیں رہنا چاہئے''
ہم رخصت ہونے لگے تو اس روز خاص توجہ سے اپنے غصہ کی تلافی فرمائی اور کچھ دیر محض گفتگو کرنے کے لئے ہمیں روک لیا کہ اگر ان کے غصہ کی وجہ سے ہمیں کوئی دکھ ہؤا ہے تو وہ دور ہو جائے۔ اگلے روز خاص طور سے ہماری دلدہی فرمائی اور گھر میں پکی ہوئی کوئی چیز ہمیں خاص طور سے کھلائی۔

حضرت میاں صاحبؓ کے پاس لوگ صدقہ کی رقوم بھی بھیج دیتے تھے کہ انہیں مستحقین میں تقسیم کردیں۔ حضرت میاں صاحبؓ مستحقین میں بانٹ دیتے مگر اس باب میں اخفاء کے قائل تھے۔ ایک بزرگ تھے جو بیمار تھے اور کام کاج کرنے سے معذور تھے اور ان کے رشتہ دار خاصے خوشحال لوگ تھے مگر ہمیں اور صرف ہمیں ہی اس بات کا پتہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کے اس ناداروں کی امداد کے فنڈ سے ان کو ایک معین رقم ملتی تھی اور اتنے اخفاء سے ملتی تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ اب ان کی اولاد بڑی خوشحال ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی مخلص اور جماعت کی خدمت گزار ہے۔ بہت سی بیوگان کا وظیفہ مقرر تھا، بہت سے سفید پوش نادار اس امداد سے مستفید ہوتے تھے مگر حضرت میاں صاحبؓ کا عمل یہ تھا کہ ایسے لوگوں کا کسی صورت میں اعلان نہیں ہونا چاہئے۔ بہت بعد کی بات ہے کہ ایک بار موجودہ حضرت صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۔ ناقل) نے وقفِ جدید کے زمانہ میں ہمارے ایک دوست کو کچھ رقم عنایت فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ صدقہ کا ایک مصرف تالیف قلب بھی ہے۔ میں نے جس سفید پوش کی مدد کی ہے وہ بیچارہ کسی کے سامنے ہاتھ کیسے پھیلاتا؟ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا اسوہ بھی یہی تھا۔

اپنی ساری اولاد میں سے حضرت میاں صاحبؓ کو مرزا مجید احمد صاحب سے زیادہ پیار تھا اس لئے کہ صاحبزادہ مرزا مجید احمد واقفِ زندگی تھے اور افریقہ میں کماسی (گھانا) کے کالج کے پرنسپل تھے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو تعلیم الاسلام کالج میں پڑھانے لگے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی ساری اولاد ہی بہت مخلص ہے اور جماعت کے ساتھ والہانہ تعلق رکھتی ہے مگر خصوصی محبت میاں مجید احمد صاحب کو ملی۔ افریقہ سے ان کا کوئی خط آتا تو اس روز حضرت میاں صاحبؓ کی خوشی دیکھنے کی ہوتی۔ دعائیں بھی میاں مجید احمدؐ صاحب نے بہت لیں۔ میاں مظفر احمدؐ صاحب دنیاوی لحاظ سے بڑے مراتب تک پہنچے اور اپنے والد ماجد کی خدمت کی بہت توفیق پائی۔ ایک بیٹا (صاحبزادہ حضرت مرزا مبشر احمد صاحب۔ ناقل) اور ایک داماد (صاحبزادہ حضرت وقیع الزمان خان صاحب۔ ناقل) بریگیڈئر ہوئے مگر یہ سب مراتب ان لوگوں کو حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد نصیب ہوئے۔

حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے بزرگوں کو دعا کے لئے باقاعدگی سے خط لکھتے رہتے تھے۔ اگر گھر کا کوئی فرد بیمار ہو جاتا تو ان خطوں کا تانتا لگ جاتا۔ دعا کی افادیت پر جتنا یقین ہم نے حضرت میاں صاحبؓ میں دیکھا کم ہی لوگوں میں دیکھا۔ یہ فلسفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ہمیں سمجھایا کہ: ''خلیفہ وقت کو دعا کے لئے خط لکھتے ہی اس دعا کی قبولیت کا پورا یقین ہو جانا چاہئے کہ ہم نے حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں جس غرض کے لئے دعا کا خط لکھا ہے وہ یقیناً پوری ہوگی''۔ ہم نے اس بات کو کئی بار آزمایا اور درست پایا۔ کئی معاملات کے بارہ میں ادھر حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کا خط لکھا ادھر اس دعا کی قبولیت کے نشان ظاہر ہونا شروع ہو گئے حالانکہ وہ خط حضرت صاحب کی خدمت میں شاید پہنچا بھی نہیں ہوگا۔ حضرت میاں صاحبؓ کا اپنا اسوہ بھی یہی تھا کہ ہر معاملہ میں سب سے پہلے حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے لکھتے پھر بزرگوں کو لکھتے اور اس امر کا پورا یقین رکھتے کہ جس باب میں حضرت صاحب کو لکھا گیا ہے اس میں ضرور کامیابی ہوگی۔

جماعت احمدیہ کے ادب پر لکھتے ہوئے ہم نے یہ بات پہلے بھی لکھی ہے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ جماعت کے ادیبوں کے سالار ہیں- ان کی تحریر میں ایک خاص ادیبانہ شان اور دل آویزی ہے- ان کی نثر شاعرانہ نثر نہیں ہوتی تھی نہ مبالغہ سے مملو ہوتی تھی- سیدھی سادھی عبارت ہوتی تھی مگر حضرت میاں صاحبؓ الفاظ کے دروبست پر اتنی توجہ دیتے تھے کہ پڑھنے والا حیران ہوتا تھا کہ جو لفظ حضرت میاں صاحبؓ نے لکھ دیا ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھنا ممکن نہیں رہا- آتشؔ نے شاعری کے بارہ میں کہا ہے کہ ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتشِ مرصع ساز کا (آتشؔ)

مگر حضرت میاں صاحبؓ کے مضمون کا کاتب ہونے کے ناطے یہ بات ہم نے سیکھی کہ اچھی نثر لکھنا بھی مرصع سازی کا کام ہے- حضرت میاں صاحبؓ ایک ایک لفظ پر توجہ دیتے تھے اور بعض اوقات کئی کئی بار کاٹتے تھے مگر جب کوئی لفظ حتمی طور پر لکھ لیتے تو وہ گویا نگینے کی طرح جڑا ہوا محسوس ہوتا- سہل ممتنع کی تعریف میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اس میں لفظ یوں سادگی سے لکھے جائیں کہ ان میں سے کسی لفظ کو بدلا جائے تو معانی میں فرق آ جائے- یہی حال حضرت میاں صاحبؓ کی نثر کا تھا- سادہ مگر پر معارف- کئی بار ایسا ہوا کہ کسی لفظ پر بہت غور کرنے کے بعد حضرت میاں صاحبؓ نے ہمیں اس لفظ کے استعمال کے بارہ میں سند لینے کے لئے حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحبؓ کی خدمت میں بھیجا اور ہم نے اس بات سے یہ سبق لیا کہ اب بھی کوئی لفظ استعمال کرنا ہوتو پہلے لغت دیکھتے ہیں کہ علمائے ادب نے وہ لفظ کن معنی میں استعمال کیا ہے- اس بارہ میں ایک تنبیہ تو اللہ میاں نے فرمائی- ایک عزیز دوست کی ایک تحریر میں ہمیں ایک لفظ کا استعمال غلط نظر آیا- ہم نے بغیر لغت دیکھے انہیں لکھ دیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے- انہوں نے لغت دیکھ کر جواب دیا کہ صاحب ہم نے تو لغوی طور پر صحیح باندھا ہے آپ اسے غلط کس سند کی بناء پر کہہ رہے ہیں؟ ہم نے لغت دیکھی تو واقعی ہماری غلطی نکلی- اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ سبق بھی دیا کہ لفظوں کے بارہ میں لغت دیکھے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا کرو- لفظوں کی تحقیق وتفتیش کی عادت تو ہمیں حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ کام کرتے ہوئے پڑ گئی تھی مگر خدا معلوم ہم نے اس عزیز دوست کے ساتھ ایسی غیر علمی حرکت کیوں کی؟ حضرت میاں صاحبؓ عربی کے ایم-اے تھے مگر ان کا تخصص اسلامی تاریخ تھا- ان کی ''سیرۃ خاتم النبیین'' کو غیر بھی مستند مانتے ہیں- اس سیرۃ میں حضرت میاں صاحبؓ نے کوئی بات قرآن کی سند کے بغیر نہیں لکھی-

حضرت میاں صاحبؓ کی ایک بات ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپؓ صحافیوں کا بہت احترام روا رکھتے تھے حتیٰ کہ جماعت کے مخالف صحافیوں کو بھی صحافی ہونے کے ناطے محترم جانتے تھے- جماعت کے صحافیوں کا حد سے سواء احترام کرتے تھے- جب کوئی مضمون الفضل کو بھیجتے تو ایڈیٹر کے نام خاص خط لکھتے- ہم بہت حیران ہوتے کہ حضرت میاں صاحبؓ یہ کیوں لکھتے ہیں کہ: ''اگر آپ کے اخبار کے لائق ہو تو شائع فرما دیں''- ایک بار ہم نے کہہ ہی دیا- فرمانے لگے ایڈیٹر مضمون چھاپنے نہ چھاپنے کا پورا حق رکھتا ہے اس لئے ہم کسی ایڈیٹر کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ضرور ہمارا مضمون چھاپے البتہ خلیفہ وقت کا حق ہے کہ ان کی ہر بات بلا چون وچرا چھاپی جائے کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہاں خلیفہ وقت کے ارشاد کے مطابق جو مضمون جماعت تک پہنچانے کی غرض سے لکھا جائے اس کو چھاپنا جماعتی جرائد و اخبارات پر لازم ہے مگر حضرت میاں صاحبؓ کا طریق یہی رہا کہ اپنے مضامین اخبار کو بھجواتے تو ساتھ ایڈیٹر کا حق ضرور تسلیم کرتے- ہمیں یاد نہیں کہ کبھی ان کے کسی مضمون میں کبھی کسی ایڈیٹر نے کانٹ چھانٹ کی ہو یا ترمیم وتنسیخ سے کام لیا ہو- حضرت میاں صاحبؓ کے مضامین میں ہر لفظ اپنی جگہ پر سو من کا بیٹھا ہوا لگتا تھا اسے کون بدلنے کی جرأت کر سکتا تھا؟ آپ کے اکثر مضامین چھوٹے چھوٹے مگر اہم مسائل پر ہوتے تھے- ہاں صحافیوں کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حمید نظامی مرحوم جو ''نوائے وقت'' اخبار کے ایڈیٹر تھے، کی وفات پر حضرت میاں صاحبؓ نے ایک تعزیتی شذرہ لکھا تھا جو الفضل کے پہلے صفحے پر شائع ہوا تھا- یہ شذرہ اس بے

خوف، نڈر اور ملک وملت کے بے لوث خادم کو جماعت احمدیہ کا خراجِ عقیدت تھا - وہ شذرہ پڑھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں ''جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے والے'' اس صحافی کا کتنا احترام تھا - اب تو وہ ساری حق گوئیاں قصہ پارینہ بن گئیں -

صحافیوں میں سے ہی عبدالمجید سالک تھے - ان کا بھی بہت ہی احترام حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں تھا - سالک صاحب ان لوگوں میں سے تھے کہ جنہیں حضرت میاں صاحبؓ کے قادیان والے فروٹ فارم سے باقاعدہ آموں کا تحفہ بھیجا جاتا تھا --- حضرت میاں صاحبؓ کے کردار کی ایک اور بات کہ آپ جماعت کے معاندین کے لئے بھی کبھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے جو تہذیب ومتانت کے منافی ہو - معاندین کا احترام روا رکھنا اولیاء اللہ کو سزاوار ہے - پروفیسر حمید احمد خاں، پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے - ربوہ تشریف لائے تو ہم انہیں ملاقات کے لئے حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں بھی لے گئے - جب تعارف ہوا کہ آپ مولانا ظفر علی خاں کے چھوٹے بھائی ہیں تو حضرت میاں صاحبؓ نے ان کا ہاتھ دوبارہ تھام لیا اور فرمایا:- ''آپ سے تو ہمارا دوہرا رشتہ نکل آیا'' - حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ذات میں اتنی خوبیاں جمع ہوگئی تھیں کہ کسی ایک شخص کے لئے ممکن ہی نہیں کہ ان خوبیوں کا احاطہ کر سکے - ہم بھی اسی لئے دیگر دوستوں بزرگوں کے ساتھ سیرت کی اس کتاب میں شریک ہو رہے ہیں کہ شاید اس طرح ہی اس بزرگ کی محبتوں مہربانیوں اور شفقتوں کا ذرا سا حق ادا ہو سکے - اللہ تعالیٰ ان کے فیضان کو جاری رکھے - آمین'' - (مکتوبات نسیم - ۱۹/دسمبر ۱۹۹۷ء)

☆

مکرم محمد ادریس چوہدری صاحب

سائیکالوجسٹ - امریکہ

جماعت احمدیہ کے احباب حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر دلی محبت رکھتے ہیں اس کا تھوڑا سا اندازہ مندرجہ ذیل مضمون خط پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ کی وفات کے تقریباً چھتیس سال کے بعد الفضل انٹر نیشنل میں چھپنے والے خاکسار کے ایک چھوٹے سے اعلان کو پڑھتے ہی مجھے مکرم چوہدری محمد ادریس صاحب (ابن حاجی محمد ابراہیم خلیل صاحب مبلغ اٹلی نبیرہ میاں محمد الدین صاحب یکے از اصحاب احمد ۳۱۳) نے امریکہ سے اپنا ایک مضمون اس کتاب کو چار چاند لگانے کے لئے ارسال فرمایا ہے - مکرم چوہدری محمد ادریس صاحب سائیکالوجیسٹ کی نوازش سے یہ مضمون اس کتاب کی زینت بڑھانے کا موجب بن گیا ہے لہذا خاکسار کی جانب سے جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ کا تحفہ حاضر خدمت ہے - اب مضمون ملاحظہ فرمائیں:-

''حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ عالمگیر جماعت احمدیہ کے لئے علی العلوم اور ہم جیسے اہالیان ربوہ کے لئے علی الخصوص، محبت ومروت اور صلہ رحمی کا ایک ایسا روحانی چشمہِ رواں تھا کہ جس کے فیض سے سیراب ہونے والوں کی تعداد لامحدود ہے - آپؓ کی گرامی قدر شخصیت، زود فہمی اور صائب الرائے جیسی پاکیزہ صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے مرجع خاص وعام تھی - مشکل سے مشکل اور لاینحل مسئلہ میں آپؓ کے بیش قدر مشورہ سے

پریشانیوں کی شب تاریک چھٹ جاتی - نہ صرف مشورہ بلکہ اپنے منفرد اور خاص روحانی مقام کی وجہ سے آپ کی دعائیں ہمیشہ دل کی تشفی کا موجب ہوتیں- میں نے ابھی ہائی سکول ختم کیا ہی تھا کہ ایک دن شارع صدر پر جاتے ہوئے میرے ساتھی کو آپؓ کے خادم بشیر نے بائیسکل پر آن کر ایک چٹھی دی جو کہ اُس کی درخواستِ دعا کا جواب تھا- اس سے میری توجہ بھی اس طرف مبذول ہوئی اور میرے دل میں بھی آپؓ کی دعائیں پانے کی خواہش پنپنے لگی اور اس کے لئے میں ہر دم بے چین رہنے لگا- آپؓ کی پُرکشش شخصیت میرے لئے ہمیشہ ایک روشن مینار کی طرح اُجالے اور رہنمائی کا موجب رہی یہاں تک کہ میں آپؓ کی کئی خوبیوں کو اپنانے کے لئے ہمیشہ خواہاں اور کوشاں رہتا رہا ہوں- آج کوئی چالیس سال سے اوپر کے عرصہ کے بعد آئندہ سطور میں اِنہی روحانی اقدار کی یاد کو تازہ کرنا میرا مقصود ہے-

اول اول جب ربوہ ابھی بستے بستے بسنے کی کٹھن منازل طے کر رہا تھا ان دنوں آپؓ کی رہائش گاہ شارع مبارک پر تھی جہاں حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ (ایم-اے) آپ کے پڑوسی تھے -اسی شارع سے ہو کر مسجد مبارک کو جانا میرا معمول تھا- میرے مشاہدہ میں آیا کہ آپؓ عین وقت پر گھر سے نماز جمعہ کے لئے مسجد مبارک کو پہریدار کی معیت میں نکلتے ہیں تب میں نے آپؓ کے مکان کے بالمقابل (ان دنوں کے لنگر خانہ کے قریب) قصر خلافت کے گیٹ پر آپؓ کی انتظار کرنا شروع کر دی- آپؓ کا گزر ہوتا تو بڑھ کر مصافحہ کے بعد دعا کے لئے عرض کرتا اور پھر پیچھے پیچھے چل کر مسجد مبارک میں آپ کے قرب میں بیٹھنے کی کوشش کرتا - نہ صرف آپؓ ہمیشہ صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہوتے بلکہ آپؓ کے دستورِعمل میں اپنے پاس سرخ رومال رکھنا بھی تھا جو مجھے خاص طور پر بھانے لگا -چنانچہ میں نے بھی نہ صرف ویسا ہی رومال خود اپنے لئے سلوا لیا بلکہ عیدین کے مبارک مواقع پر بطور تحفہ اعزاء اور اقرباء کو بھی دینا شروع کر دیا -ذہن میں کبھی خیال گزرتا ہے کہ شاید سرخ رنگ آپؓ کی پسند کا ہو- اگر نہیں تو شاید آپؓ رنگ کو موقع محل سے استعمال کرنے میں طاق ہوں کیونکہ سرخ سیاہی میں لکھی ہوئی آپؓ کی بعض تحریریں آج بھی آنکھوں کے سامنے گھوم پھر رہی ہیں- خادم بشیر کو ہمیشہ بائیسکل پر ہی دیکھا وہ بھاری بھرکم سا واقع ہوا تھا- کہیں آتے جاتے نظر پڑ جاتی تو رک لیتا- اگر وہ آپؓ کی ڈاک لا رہا ہوتا تو اس میں سے ریڈرز ڈائجسٹ - READERS DIGEST - پر بلا کوشش نظریں کھب جاتیں جو کسی نے اپنے محسن کے نام بطور تحفہ لگوا دیا ہوا تھا- اس طرح مجھے اس کے مطالعہ کی ترغیب جوانی کے آغاز میں ہی مل گئی اور ہنوز شوق باقی ہے -

۱۹۴۸ء میں ربوہ کی بنیاد پڑ چکی تھی- ٹینٹوں اور احاطہ میں رہائش کے بعد ۱۹۴۹ء میں چند کچے بلاک کوارٹروں کی تعمیر ہو گئی- یہ احاطہ جو گول دائرہ کی شکل میں ہونے کی وجہ سے حفاظتی نقطہ نگاہ سے بہت موزوں تھا نیز اس کے اندر ان ایام میں کئی خاندان بیک وقت قیام پذیر تھے- یہ کوارٹر محلّہ الف کے نام سے موسوم ہوئے- ربوہ کی آبادی ابھی چند صد احباب سے زیادہ نہیں تھی- ربوہ ابھی بیابان تھا- لُو کئی کئی دن چلتی تھی- زائر آتے تو درخت نہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے- اگر دن میں گرمی سے نبرد آزمائی ہوتی تو رات کو پہاڑیوں میں سے بھیڑیئے کے نکل آنے کے خوف کا سامنا رہتا- تعلیم الاسلام ہائی سکول ابھی چنیوٹ میں تھا لہٰذا طلباءً بذریعہ بس یا گاڑی یا سائیکل پر ٹولیوں میں سفر کرتے- ان میں سے بعض تو رات کی گاڑی سے نکلتے اور اگلی شام چھ بجے واپس گھر لوٹتے یعنی ان کا دن اٹھارہ گھنٹوں پر ممتد ہوتا- کسی اسی طرح کے سفر میں مکرم ناصر احمد خان صاحب نسیم (بعد میں پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب) سے دوستی ہو گئی- ان دنوں جب حضرت قمر الانبیاءؓ کے پاس خط و کتابت کا کام بڑھ گیا تھا تو آپؓ نے اس میں ہاتھ بٹانے کی ذمہ داری مکرم ناصر احمد خان صاحب نسیمؔ کو سونپ دی اور وہ بہت خوش تھے کہ اس طرح کالج کے اخراجات کا ذریعہ نکل آیا- موصوف ربوہ میں ۱۹۴۹ء کے کچے کواٹروں کے زمانہ کے میرے دوست ہیں -اگر جناب پروفیسر صاحب کی جواں سالی میں پہلی بار روزگاری صدر انجمن احمدیہ کے وسیلہ سے غیب سے افق پر ابھری تو میں بھی اس سے کوئی مستثناء نہیں- ہم دونوں کے لئے یہ بڑے فخر اور صد شکر کا مقام ہے- وقت ۱۹۵۷ء موسم

گرما تھا اور یہ گرما اسم بامسمّٰی گرم تھا- ہوا یوں کہ ایک دن حضرت قمرالانبیاءؓ اپنی رہائش گاہ پر مکرم ناصر احمد خان صاحب کی معیت میں لکھت پڑھت میں مصروف تھے کی خادم مکرم بشیر احمد صاحب نے آ کر اطلاع دی کہ حضور ایک آدمی نخلہ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی موسم گرما کی رہائش گاہ) جا رہا ہے اگر حضرت صاحب کے لئے ڈاک ہے تو دے دیویں- مکرم ناصر صاحب اس پر جھٹ بولے میرا بھی خط لیتے جانا ابھی لکھ دیتا ہوں- حضرت قمرالانبیاءؓ نے تعجب فرمایا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں تو محدود احباب کا مختصر سا قافلہ ہے وہاں آپ کا واقف کار کس طرح نکل آیا؟ جواباً مکرم ناصر صاحب نے ہماری دوستی کا حوالہ دیا تو خط لکھنے کے لئے وقت وافر کیا گیا- بعد کو جب خط کا پس منظر معلوم ہوا تو نخلہ کے تخلیہ میں خط پانے کی خوشی دوچند ہوگئی- ایک روز حضرت قمرالانبیاءؓ سے ملاقات کے لئے ایک گزیٹیڈ آفیسر ملنے آئے تو آپؓ نے مکرم ناصر صاحب کا تعارف پرسنل اسسٹنٹ کہہ کر کروادیا- اس روز تو مکرم ناصر صاحب کے خوشی سے پاؤں زمین پر نہ لگ رہے تھے- حضرت قمرالانبیاءؓ کو حفظ مراتب کے ذریعہ دوسروں کی دلجوئی کا ہمیشہ خیال رہتا تھا-

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ایک بس کمپنی کا نام تجویز کرنے کی درخواست کی جا چکی تھی- ارشاد تو ہو چکا تھا لیکن جواب میں ذرا تاخیر ہوگئی لہذا حضرت قمرالانبیاءؓ نے اپنا آدمی پرائیویٹ سیکرٹری مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب کے پاس بھجوایا- مولوی صاحب سوال سنتے ہی بولے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ O وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالطَّارِقُ O النَّجْمُ الثَّاقِبُ O ((الطارق : ۲-۴) یعنی: قسم ہے آسمان کی اور وہ جو رات کو ظاہر ہونے والا ہے اور تجھے کون بتائے کہ رات کو کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ ایک بہت ہی چمکتا ہوٗا ستارہ ظاہر ہونے والا ہے- ناقل)- اس طرح لاہور سے سرگودھا چلنے والی طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کا اجراء عمل میں آیا- حضرت قمرالانبیاءؓ جب بھی مکرم میجر عارف زمان صاحب کو خط لکھتے تو نام کے آخر میں ''خان'' کی ایزادی فرما دیتے -ایک دفعہ مکرم میجر صاحب مجھے کہنے لگے کہ بھئی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خط آیا ہے اسے آپ بھی پڑھ لیویں- خط میں پیار و محبت کی چاشنی تھی جس کے الفاظ تو آج بھول چکا ہوں لیکن مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ ہمیں حکمران کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے -اگلے روز جب صدر ایوب خان صاحب کی سپیشل ٹرین ربوہ ریلوے سٹیشن پر رکی تو اولاً وہاں ہجوم خفیف تھا دوسرے صدر صاحب کی موجودگی میں لوگ مؤدب اور خاموش رہے- مناسب ہوتا اگر نعرہ ہائے تکبیر سے ان کے استقبال کو پُر جوش بنایا جاتا -ضمناً ذکر کرتا چلوں کہ انتخابات میں امیدواروں کا ٹائم اور بھی سکڑ جاتا ہے اور ہمیں یقینی طور پر علم نہ تھا کہ جناب صدر صاحب کی ٹرین رکے گی بھی یا نہیں- اس تذبذب میں پیش از وقت تیاری کا موقع ہاتھ سے نکل گیا لیکن ہمارے حضرت قمرالانبیاءؓ کی باریک بین نگاہ کہ آپ نے ہماری اصلاح کی خاطر اس میں سے بھی سبق آموزی کا رنگ نکال ہی لیا- خدا تعالیٰ نے آپؓ کے خادموں اور ان کی اولادوں کو اپنی خاص برکات سے نوازا- آپؓ کے مختار عام منشی محمد صادق صاحب (احمد نگر نزد ربوہ) کے صاحبزادے محبی محمد شفیق قیصر صاحب نے اعلیٰ دینی خدمات بجالاتے ہوئے برما میں جام شہادت نوش کیا-

اگر برادرم مکرم حسن محمد خان صاحب عارف (حال مقیم کینیڈا- ناقل) تحریک جدید کے تن تنہا ٹائپسٹ تھے تو صدر انجمن میں اس اعزاز کے مالک مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب تھے- آہ وہ ایام پارینہ اور آج کل کے ترقی پذیر زمانہ کے کمپیوٹر! زمانہ قیامت کی چال چل گیا- ایک دن مکرم قدیر صاحب ٹائپنگ سے ذرہ ستانے لگے تو مجھ سے اس طرح گویا ہوئے- یار! حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ایک خط ٹائپ کر رہا ہوں جو آپؓ نے اپنے طالب علمی کے زمانہ کے استاد کے نام محبت بھرے جذبات کے ساتھ لکھا ہے- یہ خط انگلستان جا رہا ہے- نہ معلوم ایک زمانہ کے بعد اس کا پتہ کیسے ڈھونڈ لیا؟ خط کہیں واپس ہی نہ آجائے- یہ سنتے سنتے میری سوچ اس نہج پر نکلی کہ مقصد تو تکریم استاد ہے نا--- ؟ حضرت قمرالانبیاءؓ کی

بیماری کے ایام میں میں لاہور میں مکرم برادرم چوہدری غلام مجتبیٰ صاحب ایڈووکیٹ (ابن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب) کے ہاں مقیم تھا- جہاں میکلوڈ روڈ پر چند احمدیوں کے گھرانے اڑوس پڑوس میں ہی تھے- ہمارے دروازہ پر دستک ہوئی- جواب دیا تو وہ ایک پڑوسی احمدی نکلا- اس نے سہمی ہوئی دھیمی سی آواز میں بتلایا کہ ابھی ابھی ریڈیو پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کی خبر سنی ہے- اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجِعُونَ - (البقرة :۱۵۷) میں برادرم کو اطلاع دینے کے لئے ہائی کورٹ کو نکل لیا پھر وہاں سے ریس کورس روڈ کو روانہ ہولیا- پہنچا تو جنازہ ربوہ کے لئے تیار تھا- بڑھ کر سلام وفا عرض کیا اور سابقہ عادت کے مطابق مصافحہ کی خواہش ہوئی- ہاتھ نہ چھو سکنے کا جب قلق ہوا تو کفن کو ہی چھولیا- موبائیل حرکت میں آئی تو پیدل ساتھ دینے لگا- رفتار بڑھی تو ساتھ ساتھ بھاگنے لگا- چند ہی لمحوں میں ساتھ نہ دے سکا اور جب ہمت ہار گیا تو دل کو از خود ماننا پڑا کہ رہے نام باقی صرف اللہ کا-

ربوہ پہنچا تو بہشتی مقبرہ کے دالان کو خلقت سے بھرا پایا- غم کی ایک لہر موجزن تھی- جب جنازہ اور تدفین کے بعد سب بکھرنے لگے تو عجب منظر دیکھتا ہوں کہ لوگ کسی صاحب کو بڑھ بڑھ کر گلے ملنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ صاحب ساتھ کے ساتھ منع کرتے جا رہے ہیں اور ناصحانہ رنگ میں کہہ رہے ہیں کہ یہ موقع مناسب نہیں ہے- شام کی دھندلک بڑھ رہی تھی قریب سے دیکھا تو وہ مکرم ماموں چوہدری غلام یٰسین صاحب مبلغ امریکہ نکلے جو انتقال پر ملال کی خبر پا کر بیسار کوشش کراچی سے عین وقت پر سیدھے بہشتی مقبرہ پہنچ گئے تھے- ربوہ میں اور اس سے قبل قادیان میں بھی مبلغ کی مراجعت پر نعرے لگا لگا کر ہاروں میں لیس کر کے ایک شاندار استقبال کا رواج شروع سے ہی رائج چلا آرہا تھا جس کا حقدار بننے کے نظارے میں اپنے والد صاحب، بھائیوں اور بہنوئیوں کی آمد پر بار ہا دیکھ چکا تھا اور اس سے باز رہنا لوگوں کے بس میں نہ تھا لیکن امریکہ کے اس مجاہد احمدیت اور مبشر اسلامی کے لئے جب یہ موقع آیا تو انہوں نے سالوں کے انتظار کے بعد ملنے والے اس اعزاز سے محرومی کو بہ طیب خاطر قبول کر لیا جو کہ ایک طرف احباب جماعت کی حضرت قمر الانبیاءؓ سے فرط محبت کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے تو دوسری طرف مؤمنین کے درمیان رشتہ اور الفت پر بھی دال ہے-

اِدھر اُدھر جدھر بھی نکلا لوگوں میں مرحوم کے ذکر خیر کا تذکرہ پایا- ایک دن مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب ایڈیٹر سے ملاقات رہی تو وہ آپ کی ان دو باتوں کو سراہ رہے تھے- ایک یہ کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوست نے کہا کہ ان کی بے وقت موت کا بے حد افسوس ہے جو کہ بہ ظاہر ایک بےضرر اور معروف سا جملہ مستعملہ ہے- اس پر حضرت قمر الانبیاءؓ نے اصلاحاً فرمایا کہ موت کا وقت تو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھا ہے اس لئے کوئی موت بے وقت نہیں ہو سکتی - دوسرے یہ کہ حضرت قمر الانبیاءؓ کا یہ دستور عمل تھا کہ جب بھی نیا پین پہلی دفعہ استعمال کرنے لگتے تو سب سے پہلے اس سے " بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ " سپرد قلم کرتے- اس طرح بعد کو اس پین سے جو کچھ بھی احاطہ تحریر میں آنے والا ہوتا اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے ابتداء کر کے اس کی برکات کے متمنی ہوتے- جب میں نے یہ بات سنی تو بے اختیار اپنانے پر مجبور ہو گیا- آپؓ نے اپنی ساری زندگی کو خالص اسلامی رنگ میں رنگ لیا ہوا تھا-

روزنامہ الفضل میں صاحبزادہ ایم-ایم-احمد صاحب کا حضرت قمر الانبیاءؓ کے حالات اور وفات سے قبل کی بیماری پر مشتمل مضمون پڑھ کر دل کو کچھ طمانیت اور سکینت ملی- اسی طرح بعض دیگر افراد خاندان نے بھی روزنامہ الفضل کے صفحات میں والا صفات حضرت قمر الانبیاءؓ پر خراج تحسین کے پھول نچھاور کئے- ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والی ایسی عظیم شخصیت کے اعلیٰ علّیین میں ارفع اور خاص مقام کا بھلا کسے شک ہو سکتا ہے؟ خیر! آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور فراقت کا غم ہلکا ہوتا گیا- میں نے بچپن میں اطفال الاحمدیہ کے تحریری اور تقریری مقابلوں میں یہ بات سن رکھی تھی کہ

حضرت قمر الانبیاءؓ کوتقریر کا زیادہ شوق نہیں البتہ تحریر کے میدان کے آپؓ شہسوار ہیں۔لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ شاید آپؓ کے عظیم الشان تحریری کارناموں کا راز سب سے پہلے بِسمِ اللہِ تحریر کرنے میں مضمر ہو۔حضرت قمرالانبیاءؓ کے ذریعہ احمدیہ لٹریچر میں جوانمول اضافہ ہوا وہ ایک الگ عظیم باب ہے تاہم آپؓ نے نہ صرف ہمارے لئے کئی ضخیم کتب کا قیمتی اثاثہ چھوڑا بلکہ گاہے بہ گاہے آپؓ کے مختصر تربیتی نوٹس روزنامہ الفضل کے صفحات کی زینت بھی بنتے رہے جوقارئین الفضل میں بعین تقاضائے وقت اور آپؓ کے اچھوتے انداز تحریر اور اس میں اٹھان کے بے مثل امتزاج کی وجہ سے نہایت درجہ مقبول تھے۔مثلاً جب امریکہ میں دوران انتخابات صدارت کے امیدوار کینیڈی

(JOHN F. KENNEDY JOHN = FITZGERALD KENNEDY 29.05.1917-22.11.1963)

کے کیتھولک اعتقادات اور کینیڈی کے سیاسی مقاصد میں تصادم پر گرما گرم بحث چل رہی تھی تو آپؓ نے وقتی تقاضا کو پورا کرتے ہوئے اس ہمیشہ کی بحث پر قلم اٹھا کر تربیت اور ہدایت کی شاہراہ استوار کرتے ہوئے اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی۔۱۹۶۷ء میں جب میں مسجد صادق شکاگو جایا کرتا تھا تو وہاں یہی مضمون جو پہلی بار ربوہ میں پڑھا تھا کتابچہ کی شکل میں بزبان انگریزی دستیاب ہوا تو دل بلیوں اچھلنے لگا۔

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے والد ماجد جری اللہ سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات لاہور میں ہوئی تو معاندین نے رذیل اور شرمناک ہتھکنڈے اختیار کئے۔جس سے آپؓ کی بابرکت اولاد اور محبّ جماعت کے جذبات انتہائی سخت مجروح ہوئے۔حضرت قمر الانبیاءؓ نے اپنے مذبوح جذبات کو لمبے عرصہ تک چھپائے رکھا لیکن بالآخر مناسب وقت آنے پر اپنے مضامین میں اظہار کرنا مناسب سمجھا مبادا کوئی اس حقیقت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش میں مبتلا ہو جائے۔۱۹۶۲ء کے اردگرد ہفتہ وار''چٹان'' بہت دریدہ ذہنی کا رویہ اختیار کر چکا تھا۔وہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب صدر جنرل اسمبلی (یو۔این۔او UNO)، جنرل نذیر احمد چیئرمین لاہور ایم۔سی اور صاحبزادہ ایم۔ایم۔احمد صاحب فنانس سیکرٹری کے استعفٰی کی حکومت سے اپیل میں صفحات سیاہ کرتے نہیں تھکتا تھا۔اگر حضرت قمرالانبیاءؓ چاہتے تو اس کا دندان شکن جواب حوالہ تحریر کر سکتے تھے لیکن آپؓ نے اپنے قلم کو ایک بہتر استعمال یعنی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا ہوا تھا۔

آپؓ کے تحریری کارناموں کی متحمل تو لمبی فہرست ابواب والی کتاب ہی ہوسکتی ہے نہ کہ پیش نظر مختصر سا مضمون بہر کیف میں آپؓ کی ایک تصنیف کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔کئی لوگوں میں مسلمہ خیال پایا جاتا ہے کہ اردو میں سیرۃ النبی ﷺ پر علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف لاثانی ہے مگر حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے روزنامہ الفضل میں ایک مدلل اور پُر مغز مقالہ لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ حضرت قمرالانبیاءؓ کی اسی موضوع پر تصنیف بدرجہا اعلیٰ اور برتر ہے۔سیدنا حضرت رسول مقبول ﷺ سے عشق آپؓ کو ورثہ میں مل چکا تھا۔جب کبھی بھی حضور ﷺ کا نام نوک قلم سے نکالتے تو اس کے ساتھ''فداہ امی وابی'' کا اضافہ فرماتے۔اس میں بھی نئے لکھنے والوں کے لئے سبق ہے کہ موضوع سے محبت۔تحریری کامیابی کی کلید ہے۔آہ! وہ بیش قدر قیمتی وجود جس کے پیش نظر ہمیشہ ہماری روحانی تربیت رہی ہم سے جدا ہوگیا لیکن اس کی پُر کیف وحسین یادیں رہتی نسلوں تک باقی رہیں گی۔ہماری رہنمائیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں آپؓ کے درجات متواتر بلند فرماتا رہے۔آمین۔(مکتوبات نسیم۔۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۸ء)

مکرم محمد ادریس چوہدری صاحب کے مضمون میں شورش کاشمیری صاحب کا نام دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ ۱۹۷۴ء میں خاکسار فرینکفرٹ شہر کے ایک ہسپتال میں بوجہ علالت داخل تھا کہ ان دنوں ریڈیو پاکستان کی ورلڈ سروس کی سولہ (۱۶) میٹر بینڈ یعنی 17662,5 kHz پر نشر ہونے والی

عالمی سروس یعنی اردو کی نشریات کے ذریعہ اطلاع ملی کہ ''چٹان'' کے مدیر جناب شورش کاشمیری صاحب وفات پا گئے ہیں تو اس وقت بستر پر لیٹے لیٹے فوراً میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ:-

'' شورش کاشمیری کی شورش ختم ہو گئی''-

☆

مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب

ایڈووکیٹ سرگودھا پاکستان

مکرم میاں عبدالسمیع نون صاحب کا نام نامی خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں- میرا آپ سے غائبانہ تعارف تو بہت لمبے عرصہ سے تھا لیکن بالمشافہ ملاقات اور آپ سے گفتگو کرنے کی سعادت مجھے پچھلے سال جلسہ سالانہ جرمنی کے موقعہ پر نصیب ہوئی- الحمدللہ- آپ سیکرٹری اصلاح وارشاد- زعیم انصاراللہ- دو تین بار قائمقام امیر ضلع سرگودھا- ۱۷سال تک ممبر قضاء مرکزیہ- ممبر مجلس افتاء- ممبر کمیٹی مصنفین- قواعد صدر انجمن احمدیہ اور صدر ادارۃ المصنفین کے طور پر خدمات بجالاتے رہے ہیں لہذا یہاں میں آپ کا ایک مکتوب بغیر کسی رسمی تعارف کے اس کتاب میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں- آپ تحریر فرماتے ہیں:-

سرگودھا | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | پاکستان

۱۰رنومبر ۲۰۰۱ء

برادرم مکرم ومحترم جناب مقصود احمد نسیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلسہ ہائے سالانہ پر تین تقاریر ''سیرت طیبہ''- ''درمنثور'' اور ''درمکنون'' کی آڈیو کیسیٹس ارسال خدمت کر رہا ہوں- چوتھی تقریر ''آئینہ جمال'' تھی- جو آپؓ نے خود نہیں پڑھی تھی بلکہ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے بوجہ آپؓ کی علالت کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پڑھ کر سنائی تھی- اس کی CASSETTE دستیاب نہیں ہوئی- گذارش کی ہوئی ہے اگر مل گئی تو وہ بھی بھیج دوں گا- انشاء اللہ- مجھے حضرت موصوفؓ کے منظوم کلام میں سے دو نظمیں مل سکیں ہیں جن پر حضرت موصوفؓ کا فوٹو بھی ہے- ارسال خدمت ہے--- اپنے بارہ میں ایک مختصر سا تعارفی نوٹ بھی بھجوا رہا ہوں کہ آپ نے اس کی بھی فرمائش کی تھی:-

''میرے حالات زندگی مختصر طور پر اس طرح ہیں کہ ۲۲رجون ۱۹۲۶ء کو میری پیدائش ہوئی- میں اپنے والد صاحب میاں عبدالعزیز نون صاحب نمبردار حلال پور کا اکلوتا بیٹا ہوں- ابا جان کو ایک روایت کے مطابق ۱۹۰۳ء یا ایک دوسری روایت کے مطابق ۱۹۰۷ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت کی توفیق عطا ہوئی- واللہ اعلم- میری اماں جان نے ۱۹۳۹ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے دست مبارک پر بیعت کی- والدہ ۱۹۴۸ء میں فوت ہو گئیں اور ابا جان ۱۹۵۳ء میں- ابا بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں- میں نے ۱۹۵۴ء میں سرگودھا میں وکالت شروع کی مگر دو سال بعد

۱۹۵۶ء میں اس پیشہ کو ترک کرنے کا فیصلہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ

عدو شرے بر انگیزد کہ خیرے مادراں باشہ

حمید ڈاڈھا غلام رسول ۳۵ وغیرہ کا فتنہ اٹھا اور یہ دونوں میرے ساتھ ایک خونی واردات کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے آئے- میں نے انہیں کہا کہ میں تو اس جرم میں شریک نہیں ہونا چاہتا- نہ ہی یہ اراضی حاصل کرنے کا طریق ہے- اگر تم اپنے بھائی کو قتل کر دو گے تو اس کے بیٹے زمین کے وارث ہوں گے اور تم پھانسی پر چڑھ جاؤ گے- یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب یہ فتنہ پرداز حضرت صاحب (حضرت مصلح موعودؓ) کو نوٹس بھجوا رہے تھے کہ آپ نے ہمارا سوشل بائیکاٹ کرا رکھا ہے- ہم آپ کے خلاف مقدمہ کریں گے- جب میرے ساتھ خونی واردات کا مشورہ کرنے کی رپورٹ حضورؓ کو ملی تو حضورؓ نے مجھے خط لکھوایا کہ کیا واقعہ ہؤا ہے؟ پھر ۲۲/اگست ۱۹۵۶ء کو سرگودھا کے کینال ریسٹ ہاؤس میں جناب شیخ محمداً اقبال پراچہ صاحب نے لنچ کی دعوت حضورؓ کو دی- میں بھی مدعو تھا- کھانے کے بعد ملاقاتیں شروع ہوئیں تو حضور انورؓ نے مجھ سے اس واقعہ ملاقات ہمراہ حمید ڈاڈھا اور غلام رسول ۳۵ کی تفاصیل سماعت فرمائیں اور مجھ سے پوچھا کہ آیا یہ شائع کر دی جائیں؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور شائع فرما دیں- پس! میری یہ ''جسارت'' حضور انورؓ کو بھا گئی اور ۲۳/اگست ۱۹۵۶ء کے الفضل کے FRONTPAGE صفحہ اول پر یہ مضمون شائع ہؤا--- بہر حال اس میں مجھے ایک ''معتبر آدمی'' اور ''کامیاب وکیل'' قرار دیا گیا حالانکہ نہ میں ''معتبر'' آدمی تھا- نہ ''کامیاب وکیل''- مگر حضورؓ نے نظر کرم ڈالی اور بقول شاعر:-

اس نے نگاہ کی تو میں نے سمیٹ لیں
دونوں جہاں کی نعمتیں اس اک نگاہ میں

المختصر: میں جو کچھ ہوں، اس نگاہ صد ناز کے صدقے اور جو کچھ میں نہیں بن سکا وہ میری شامت اعمال کے باعث- اللہ تعالیٰ نے اتنے فضل کئے جو شمار سے باہر ہیں- گاؤں حلال پور نوناں کا نمبردار ہوں- دو سال سے عارضہ قلب میں مبتلا ہوں مگر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نگہ فیض بخش کے صدقے جی رہا ہوں- جیسا کہ آپ کو علم ہی ہے کہ میں عارضہ قلب میں مبتلا ہوں لہذا اب بوجہ علالت کوئی کام کرنے سے دستکش ہو چکا ہوں پھر خصوصاً ضلع سرگودھا کے احمدیوں کے حالات مخدوش ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور صحت سے نوازے اور انجام بخیر ہو- آمین- فقط- خاکسار- دستخط (عبدالسمیع نون) سرگودھا- (مکتوبات نسیم ۔ ۲۰۰۱ء)

مکرم ملک عبدالسمیع نون صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا کے اس مختصر تعارف کے بعد ذیل میں خاکسار کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بارہ میں مکرم ملک عبدالسمیع نون صاحب کا ایک شاہکار مضمون '' صدر محفل ماہ رخاں'' پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے-

☆

صدر محفل ماہ رخاں

'' کل رات چاند کی چودھویں رات تھی- چاند اپنے پورے جوبن اور شباب پر تھا- وہ دور فلک پر نور بکھیر رہا تھا اور میں اپنے گھر کے لان میں بیٹھا اسے تکتا رہا- ہر چند کہ یہ فلکی سیارہ اللہ کی قدرتوں اور اس کی نعمتوں کا مظہر ہے- زمین پر بسنے والی مخلوقات پر بلکہ نباتات اور جمادات پر بھی چاند کے خوشگوار اثرات پڑتے ہیں جو ہر شے کی نمو کا موجب بنتے ہیں- مگر میں ایک اور تصور میں کھو گیا اور میں نے چاند کو مولانا ظفر محمد ظفؔر صاحب کے الفاظ میں جو میں نے تازہ تازہ یاد کئے تھے یوں مخاطب کیا

اے چودھویں کے چاند قسم تیرے نور کی
تمہید بن گیا ہے تو آج اک سرور کی (مولانا ظفر احمد ظفؔر)

انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے شروع میں آسمان سے یہ نوید سنائی دی کہ: '' نبیوں کا چاند آئے گا اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائے گا- اور خدا تیرے منہ کو بشاش کرے گا اور تیرے برہان کو روشن کرے گا- اور تجھے ایک بیٹا عطا کرے گا- اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا اور میرا نور نزدیک ہے ''- جس مبارک اور مبشر بیٹے کے خدوخال اللہ نے اس کی پیدائش سے پہلے بیان کر دئے ہوں، اس کے کمالات علمی اور روحانی کا ہم تو قیاس بھی نہیں کر سکتے کجا یہ کہ اس کی سیرت نگاری کی کوشش کریں؟

۲۰ راپریل ۱۸۹۳ء بروز جمعرات زمین وآسمان نے ایک عجیب نظارہ دیکھا- وہ مبارک صبح پھوٹی تو جہاں اُدھر آفتاب نکلا تو اِدھر آسمان روحانیت پر ایک مبشر چاند نمودار ہوا- اس کے علم وادب، اس کے اخلاقِ کریمانہ اور روحانی، ادبی اور فکری کمالات کی رفعتوں کا ایک عالم شاہد ہے- وہ بلند رتبت شخص اپنے موعود بڑے بھائی کا معتمد ترین رفیق، دستِ راست اور مشیرِ خاص بنا- نظر عمیق تھی اور مشکل سے مشکل مسائل اور معاملات کی گہرائیوں میں اتر کو ان کا حل نکال لینا اور پھر کمال تفاصیل کے ساتھ اپنے مطاع اور آقا کی خدمت میں مؤدبانہ رپورٹ پیش کر دینا اس طور پر کہ گویا ایک پٹری بچھا دیتے جس پر جماعت کی گاڑی کامیابی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے مقصد کو پالیتی- یہ موہبت آپؓ کے لئے خاص تھی- اس مبشر شخص کا نام نامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ تھا- آپؓ کے حقیقی مقام کو علیم وخبیر ہی جانے- انسان کے قیاس اور اندازے اس وجود کی قلبی طہارت، بلند شان، تقویٰ اور دنیاوی اور دینی علوم کی وسعتوں کے ادراک سے فروتر ہی رہتے ہیں کیونکہ اس کے اندرونی حسن وجمال کو اس کی خاکساری اور عجز اور خلوت پسندی نے بہت حد تک چھپائے رکھا تھا- تاہم اس کے حسن وجمال کی کوئی ایک آدھ جھلک ہم نے دیکھی تو بے اختیار ہم پکار اٹھے کہ:-

تیرے چہرے کا نور اصلی ہے
چاند کی روشنی ادھاری ہے

آپؓ کی ستر سالہ زندگی کے شب وروز شاہد ہیں کہ بشارات الٰہیہ کے موافق آپؓ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے جذبات سے معمور اور مخمور رہے- پھر میں نے ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ کی دیگر کتب بھی پڑھیں- میں خدائے قدوس کو گواہ بنا کر اس کی ذات اقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حقیقی عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر ''سلطان القلم'' کے اس وارث حقیقی نے جو موتی اور لعل وجوہر قرطاس پر بکھیرے ہیں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی- قرآن کریم کے مطالب اور تفسیر بیان کرنے کا لئے ''مطہرون'' کی شرط ہے تو

اصدق الصادقین اور سارے انبیاء اور راستبازوں کے سردار ﷺ کی صحیح سیرت نگاری کے لئے بھی طاہر و مطہر ہونا اولین تقاضا ہے- یہی وجہ تھی کہ آپؓ کی تصنیف ''سیرت خاتم النبیین'' ﷺ نے اپنوں اور بیگانوں سب سے خراجِ تحسین وصول کیا- آپؓ کی تحقیق اتنی گہری اور طریق استدلال اتنا مدلل اور دلنشین ہے کہ میں تقابلی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی مؤرخ اور سیرت نگار اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا- آپؓ نے ایسا لٹریچر اپنی یادگار چھوڑا ہے جو قیامت تک کے لئے راہ ہدایت ہے اور ہمارے نوجوان اور ہمارے بوڑھے اور ہماری خواتین اور ہمارے مرد، جب تک اس کا مطالعہ کرتے رہیں گے اپنے سینوں میں دلائل قویہ اور علم و عرفان کی شمعیں روشن رکھیں گے-

آپؓ کی عمر ۶۶ برس ہو رہی تھی کہ اس شخص کو جو ہمیشہ سے خلوت پسند رہا تھا اور کبھی پبلک جلسوں میں یا تقاریب میں مسند صدارت پر بیٹھنے یا تقریر کرنے پر رضامند نہیں ہوتا تھا، کرسی نشینی سے نفور اور خاک نشینی اس کا دل پسند مقام تھا اور جس نے ساری عمر علمی اور روحانی جہاد کے لئے قلم سے ہی کام لیا اور اس میں ہرگز کسی شبہ کی گنجائش نہیں وہ قلمی میدان کا نایاب شہسوار تھا- اللہ کی حکمت بالغہ نے گھیر گھار کر **۱۹۵۹ء** میں جلسہ سالانہ کے سٹیج پر لا کھڑا کیا- پھر آپؓ نے مسلسل چار سال تک '' ذکرِ حبیب'' کے موضوع پر ایسی تقاریر کیں کہ قریباً ۴۰ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ روح پرور کلمات کانوں میں اس طرح رس گھول رہے ہیں کہ جیسے یہ کل ہی کی بات ہو- ہم نے لڑکپن میں اس موضوع پر حضرت مفتی محمدؓ صادق صاحبؓ کی دلوں کو موہ لینے والی تقریریں سنیں- اس عالی مقام ''صحابی'' کی زبان میں وہ شیرینی تھی اور طرز بیان ایسا سلیس رواں اور دل گداز جو اپنی مثال آپ ہی تھا- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے منی پور آسام کے ان دو مہمانوں کا ذکر اپنی تقریر میں کیا جو مہمان خانہ کے کسی خادم کی بے اعتنائی سے اسی وقت غصے میں واپس ہو پڑے تھے مگر جب حضرت اقدسؑ کو علم ہوا تو آپؑ تیز قدم ان کے پیچھے پیدل تشریف لے گئے اور انہیں منا کر واپس لائے- مگر ہر ایک واقعہ کے ساتھ جو تبصرہ اور موعظت حضرت صاحبزادہ صاحبؓ فرماتے ہیں وہ سارے واقعہ کو چار چاند لگا دیتا ہے اور یہ حضرت موصوفؓ ہی کا حصہ ہے اس میں کوئی اور شریک نہیں تھا- اکرام ضیف کے اس واقعہ کو من وعن بیان کرنے کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحبؓ فرماتے ہیں:-

'' اس واقعہ میں دلداری اور انکساری اور اکرام ضیف اور جذبات اخوت کا جو بلند معیار نظر آتا ہے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں- مگر میں اس موقعہ پر ربوہ کے افسر مہمان خانہ اور دیگر عملہ کو ضرور توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس لطیف روایت کو ہمیشہ مشعل راہ بنائیں اور مرکز میں آنے والے مہمانوں کو خدائی مہمان سمجھ کر ان کے اکرام و آرام کا انتہائی خیال رکھیں اور ان کی دلداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور مرکز کے مہمان خانہ کو روحانی مکتب سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس مکتب کا خادم تصور کریں- اب یہ مہمان خانہ جماعت کے ہاتھ میں ایک مقدس امانت ہے اور خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ مرکزی کارکن اس خدمت کو کس طرح ادا کرتے ہیں- یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ اب کچھ عرصہ سے مہمان خانہ کے انتظام میں کافی اصلاح ہے مگر **نرخ بالا کن که ارزانی هنوز** - میں نے یہ تقریر ریکارڈ کی ہوئی ہے اور بے شمار مرتبہ سن چکا ہوں- ہر بار آنسوؤں سے دامن بھیگ جاتا ہے- کیوں نہ ہو بیان ماموِر زمانہؑ کے اخلاق عالیہ کا اور بیان کرنے والا اسؑ کا مبشر فرزندؓ- ایک خاص کیفیت جو ان تقاریر میں ہے اور جو سننے سے تعلق رکھتی ہے صرف پڑھنے سے اس کیف اور عشق اور والہانہ انداز اور وارفتگی اور فریفتگی کا کیسے اندازہ ہو جو اس کو اپنے محبوب و معشوق سے ہے-

جب بھی حضرت رسول عربی ﷺ کا نام نامی آتا ہے تو یہ دیوانہ عشق سلام اور درود بھیجتے ہوئے ہمہ تن آرزو اور التجا بن جاتا ہے- ہر بار آواز گلوگیر ہو جاتی ہے اور ﷺ کے الفاظ کہتے ہوئے وہ کمال ادب اور عقیدت اور فریفتگی اور فدائیت سے لرز جاتا ہے اور اپنے مکی و مدنی ﷺ پر درود اور سلام کہتے ہوئے اپنے سینے سے اپنا کلیجہ نکال کر گویا اس ﷺ کے مبارک قدموں میں رکھ دیتا ہے- کاش یہ کیفیت ہمارے سارے

دوست اپنے کانوں سے سنیں اور عاشقِ صادق کی وارفتگی کا اندازہ لگائیں تاہمیں بھی درود شریف پڑھنے اور بھیجنے کا کچھ تو سلیقہ آئے- سوچتا ہوں کہ ولادت ہوتو ایسی کہ خدائے خبیر پیدائش سے قبل اس کی روحانی رفعتوں کا مژدہ سنائے- زندگی گزری تو عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ میں مست الست - پھر جب وقت رخصت آیا تو نیک انجام کے متعلق متفکر ہوئے تو ماں باپ سے بڑھ کر پیار کرنے والے رب نے ''بے حساب'' کے الفاظ سے تشفی فرما دی- وقت اور زیادہ قریب آیا تو اپنے مقدس باپ کی طرح جنہیں ''الرحیل ثم الرحیل'' کی آسمانی آواز نے رختِ سفر باندھنے کی ہدایت فرمادی تھی -اس مبشر بیٹے نے ، ہاں اس حضرت اماں جانؓ کے ''بشریٰ'' نے صبح بیدار ہونے پر یہ پیغام سنایا کہ ''آ و بُلبُل چلیں کہ وقت آیا''- ۲ر ستمبر ۱۹۶۳ء کو وفات ہوئی -۴ ، ۵ ماہ قبل شروع مئی کے مہینے میں جب آپؓ کے بڑے صاحبزادے مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مدظلہ ربوہ سے راولپنڈی جانے لگے تو فرمایا :'' مجھے کچھ عرصہ سے منذر خوابیں آ رہی ہیں -تم بھی دعا کرنا''- صاحبزادہ موصوف نے ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے اپنے ابا جان سے عرض کیا کہ:'' ابا جان! ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں کہ کوئی فکر کی بات نہیں'' تو فرمایا:'' مظفر! ڈاکٹروں کی رائے پر نہ جانا''- بھلا جنہیں رب علیم وخبیر تواتر سے خود خبریں دے رہا تھا کہ ''اب چل چلاؤ ہے'' وہ ڈاکٹروں کی قیاسی رائے پر کیا یقین کرتے ؟ -اسی دوران آپؓ کی صاحبزادی محترمہ امتہ اللطیف صاحبہ نے کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو فرمایا:''تم بچے ہو میں تفصیل نہیں بتلاتا -تم گھبرا جاؤ گے ''-

پیدائش کے روز سے روزِ وفات تک آپؓ کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا کے مطابق گزرا اور آپؓ کے منہ پر نوروں کی برسات ایک دنیا نے دیکھی -لاہور میں ایک انگریز ماہر ڈاکٹر آپؓ کی بیماری کی تشخیص کے لئے آیا اور جب وہ کمرے میں داخل ہؤا تو حیرت واستعجاب میں ڈوب گیا اور کمرے سے باہر آیا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا : HE LOOKS LIKE A BIBLICAL PROPHET - کہ یہ شخص تو تورات کے انبیاء کے مشابہ ہے-حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے عجز وانکسار اور کسر نفسی کا نظارہ بھی کر لیں کہ یہ حقیقی مؤمن کی شان اور تقویٰ کی جان ہے-ایک موقعہ پر فرمایا: '' یہ خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں پیدا ہؤا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور کی گنجائش نہیں ہے'' - پھر فرمایا:'' میں جب اپنے نفس میں نگاہ کرتا ہوں تو شرم کی وجہ سے پانی پانی ہو جاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمارے جیسے کمزور انسان کی پیدائش کو بھی بشارت کے قابل خیال کرتا ہے پھر اس وقت اس کے سوا سارا فلسفہ بھول جاتا ہے کہ خدا کے فضل کے ہاتھ کون روک سکتا ہے- لَا مَا نِعَ لِمَا اَعطَیتَ وَ لَا مُعطِیَ لِمَا مَنَعتَ''-

بات ہو رہی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں سے پیار کے اظہار کے طور پر کسی بچے کا پہنچہ پکڑ لیتے تھے -حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا: '' پہنچہ پکڑ کر خاموش ہو جانے کا واقعہ میرے ساتھ بھی (ہاں! اس خاکسار عاصی کے ساتھ جو خدا کے مقدس مسیحؑ کی جوتیوں کی خاک جھاڑنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا) کئی دفعہ گزرا ہے''-ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ---(الجمعة : ۵-ناقل)- ورنہ ؎ ہم کہاں اور بزم شہر یار کہاں؟

ناشکری ہوگی اگر میں آں موصوف کی عنایات کریمانہ اور الطاف خسروانہ کا کچھ ذکر نہ کروں جو بغیر میرے کسی استحقاق کے اور میری کمزوریوں اور خطا شعاریوں کے باوجود مجھ پر یکطرفہ طور پر کی گئیں- سوچتا ہوں کہ نہ میری کوئی دینی اور جماعتی حیثیت ، نہ دنیاوی مقام لیکن باران رحمت کا نزول ہو تو وہ جیسی پھولوں بھرے بستانوں پر برستی ہے اسی طرح روڑی پر بھی اور گلاب کے پھول کو اپنی ساری رعنائیوں اور خوشنمائیوں کے باوجود ساتھ جڑے

ہوئے کانوں سے کبھی نفرت کا اظہار کرتے نہ دیکھا نہ سنا۔ اسی طرح احسانات کا سلسلہ ایک زوردار میٹھے چشمہ کی صورت میں اُس طرف سے ہی جاری رہا۔ ہوا یوں کہ حضرت میاں صاحبؓ کے ایک عزیز اور جماعت کے بعض افراد کے درمیان دنیاوی حقوق کا تنازعہ پیدا ہو گیا۔ یہ اس صدی کی چھٹی دہائی کی بات ہے۔ میری خوش قسمتی اور یوں بدقسمتی سے بھی اس تنازعہ کا مرکز اور محور سرگودھا شہر اور ضلع ہی تھا۔ یہ صورت حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے لئے پریشانی کا موجب بنی اور مجھے بار بار طلب فرما کر فرمایا کہ: ''میں نے اول تو اپنے عزیز کو سمجھایا ہے کہ جماعت میں افتراق اور اختلاف کو ختم کرنا چاہئے۔ اس نے کہا ہے کہ اگر آپؓ کا یہ حکم ہے تو مجھے اس سے انحراف کرنے کی مجال نہیں''۔ یہاں آپؓ کی جمالی صفات پھر آڑے آئیں اور حکم نہ دیا کہ ایسا حکم عدل کے خلاف تھا۔ دوسرے فریق کے لئے مجھے فرمایا کہ: ''بھائی کو بھائی سے مقدمہ بازی سے احتراز کرنا چاہئے۔ آپ سرگودھا والے عزیزوں سے کہیں کہ اسے برداشت کرلیں میں یقین رکھتا ہوں (اور اس مرحلہ پر پہنچے تو آواز میں غیر معمولی شوکت اور توکل علی اللہ کی علامت سے ایک ارتعاش پیدا ہو گیا) کہ ان کے رزق میں اللہ تعالیٰ بہت بہت برکت دے گا''۔ میں نے یہ پیغام من وعن پہنچا دیا مگر افسوس کہ اس پر انہوں نے عمل نہ کیا اور مقدمہ ہائی کورٹ اور پھر عدالت عظمیٰ تک پہنچا۔ جس میں بالآخر فیصلہ سرگودھا کے دوستوں کے خلاف ہوا۔ اے کاش! ہمارے دوست حضرت میاں صاحبؓ کی بات مان لیتے اور وافر رزق سے مالا مال ہوتے لیکن افسوس کہ آپؓ کی یہ نصیحت ٹھکرا کر انہیں بے حد مالی نقصان ہوئے اور پھر زندگی بھر مالی ابتلاؤں کی دلدل سے نہ نکل سکے۔ میں قریباً ہفتے میں ایک بار حاضر ہوتا۔ ہر بار نہایت دلنشین رنگ میں نصائح فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ ایک روز میں اپنے مکان کی بنیادوں کے لئے دو اینٹیں لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپؓ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ اینٹیں گود میں رکھیں اور فرمایا:۔

''حضرتؑ بانی سلسلہ احمدیہ نے اسی طرح ان اینٹوں کو گود میں رکھا تھا جو منارۃ المسیحؑ کی بنیادوں میں نصب کی گئی تھیں اور دعا کی تھی۔ تم بھی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ دعا کریں۔ اور پھر میرے مکان کے نقشے اور کمروں کے طول و عرض کے متعلق تفصیل سے گفتگو فرمائی اور قیمتی ہدایات سے نوازا۔ ان نصائح کو میں نے تعمیر مکان کے دوران بے حد مفید اور کارآمد اور مبارک پایا۔ میں ہمیشہ دعا کی غرض سے اور ضروری مشوروں کے سلسلہ میں آپؓ کو خط لکھتا تھا اور آپؓ فوراً جواب سے سرفراز فرماتے جس میں دعائیں بھی ہوتیں اور نہایت حکیمانہ مشورے بھی ہوتے۔ ہر ایک خط ایمانیات کا ایک انوکھا سبق دیتا تھا۔ اس میں اخلاقیات کے درس بھی ہوتے تھے اور دعائیں بھی اور درد دل کے دارو بھی۔ میرا یہ مختصر سا مقالہ حضرت میاں صاحبؓ موصوف کی سیرت نگاری کی کاوش نہیں ہے۔ آپؓ ''مبشر'' بھی تھے اور ''موعود'' بھی اور آپؓ کی پیدائش اور پھر ساری زندگی اور تمام زندگی کے شب و روز اللہ کی رضا جوئی میں صرف ہوئے۔ آپؓ کے قلم سے موتی جھڑتے تھے اور لعل و جواہر کاغذ پر بکھرتے تھے۔ ایک ایک تحریر میں روحانی معلم بیٹھا نظر آتا ہے۔ ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' ہو یا ''سیرت المہدی علیہ السلام'' واقعات کی چھان پھٹک اتنی احتیاط سے فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور طریق استدلال اور استنباط ایسا عمیق اور اچھوتا کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ ایک ایک واقعہ پوری صحت اور احتیاط کے ساتھ درج فرماتے ہیں اور پھر آگے: ''خاکسار عرض کرتا ہے'' کے الفاظ کے بعد معانی اور مفاہیم اور معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔

حسن انتظام، حسن تدبر، سلیقے اور قرینے کے اوصاف کی حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو بطور خاص ارزانی ہوئی تھی۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب نے آج سے قریباً ربع صدی قبل ایک واقعہ سنایا تھا کہ کسی میٹنگ سے فارغ ہوئے تو صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؓ صاحب نے اپنی کوٹھی بیت العافیت پر دعوت عصرانہ دی۔ میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم گھر گئے تو دیکھا کہ ہر شے نہایت سلیقے اور قرینے اور نہایت صفائی اور ستھرائی سے رکھی تھی۔ حاضرین میں سے کسی صاحب نے صاحبزادہ صاحب کے اس وصف کی تعریف کی تو موصوف نے فرمایا کہ میں نے یہ عادت حضرت عمّو جان مرزا بشیر احمدؓ صاحب

سے مستعار لی ہوئی ہے اور پھر اس سے بھی پہلے کا ایک غیر از جماعت ڈاکٹر چوہدری عبدالعزیز صاحب سول سرجن کا واقعہ مجھے یاد ہے کہ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی علالت کے دوران طبی معائنہ کرنے اور علاج تجویز کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے واپسی پر نہایت خوشگوار حیرت کا برملا اظہار کیا کہ آپؓ کا سادہ سا کچا مکان ہے مگر صفائی اور ستھرائی اور سلیقہ کا جو اعلیٰ نمونہ اس گھر میں دیکھا وہ میں نے بڑے بڑے رؤسا اور وزراء کے محلات میں بھی نہیں دیکھا۔ نیز سول سرجن صاحب نے مزید کہا کہ آج جس مریض کو میں نے دیکھا ہے یہ تو سارے علوم کا ایک سمندر ہے۔ علم طب سے تو ان کا اتنا ہی واسطہ ہے کہ خود بیمار ہیں مگر یوں لگتا تھا کہ اس بحر کے بھی وہ شناور ہیں۔ پھر اس نے آپؓ کے اعلیٰ اخلاق کی بہت تعریف کی مگر جس کی تعریف خود خدائے علیم وقدیر نے کی ہو اس کی تعریف وتوصیف انسان کیا کر سکتا ہے ؟

جمال دوست کی رنگینیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے

(''الفضل انٹرنیشنل'' لندن ۱۴ر مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۰-۱۱)

☆

مکرم محمد شریف صاحب

پہریدار

معزز قارئین درج ذیل مضمون قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک عزیز خادم نے از راہ محبت خاکسار کو تحریراً امریکہ سے بھجوایا ہے۔ مکرم محمد شریف صاحب کو میں اپنے بچپن کے زمانہ سے جانتا ہوں۔ آپ نہ صرف نام کے شریف صاحب ہیں بلکہ حقیقتاً بھی انتہائی شریف النفس انسان ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ اپنی جوانی میں اتنے طاقتور انسان تھے کہ آپ روزانہ نہ جانے کتنے ہی ڈنڈ بیٹھکیں نکالا کرتے تھے اور اس کے علاوہ آپ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر خاکسار کو اپنے ایک ہاتھ پر اٹھا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور پھر اسی ایک ہاتھ پر مجھے اپنے سر سے بھی اونچا اٹھا کر اپنے بازو کو سیدھا کر لیا کرتے تھے اور آپ یہ ورزش کئی مرتبہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ میں خود ہی ان سے درخواست کیا کرتا تھا کہ اب بس کریں۔ اگر کبھی کبھی ان کے سب سے بڑے صاحبزادے اور میرے کلاس فیلو دوست مکرم طارق محمود جاوید صاحب مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ امیر ومشنری انچارج سیرالیون بھی وہاں موجود ہوتے تو آپ ہم دونوں کو اپنے ایک ایک ہاتھ پر اٹھا کر یہی ورزش کیا کرتے تھے۔ ہمارے علاوہ میرے دوست مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب نے بھی ایسے جھولوں کا خوب مزا اٹھایا۔ مکرم محمد شریف صاحب اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بچپن میں ایک مرتبہ جب آپ شدید بیمار ہوئے اور ہر طرح کے علاج کے باوجود مرض کی شدت کم نہ ہوئی حتیٰ کہ آپ کی جان کے لالے پڑ گئے تو کسی حکیم نے آپ کے کان کے ایک مخصوص حصہ میں چھید کرنے کا مشورہ دیا کہ جس کے بعد آپ آہستہ آہستہ روبصحت ہو گئے اور اس کے بعد تمام عمر وہ بیماری عود کر نہیں آئی۔ فالحمدللہ

جلسہ سالانہ انگلستان ۱۹۹۹ء اور عالمی بیعت کے موقعہ پر جب خاکسار کی مکرم محمد شریف صاحب اور آپ کے صاحبزادے اور اپنے پرانے کلاس فیلو اور دوست مکرم مولانا طارق محمود جاوید صاحب مربی سلسلہ امیر و مشنری انچارج سیرالیون سے ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے اپنی زیر تحریر کتاب کے لئے کچھ واقعات سنانے کی درخواست کی تو آپ نے بخوشی فوراً ہی کچھ واقعات سنائے اور وعدہ فرمایا کہ امریکہ پہنچ کر بقیہ تحریراً روانہ کروں گا۔ اب یہ پیارے خطوط میرے سامنے ہیں اور یہ عاجز ان میں سے کچھ واقعات اس دعا کے ساتھ اپنے معزز ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکرم محمد شریف صاحب کی عمر دراز فرمائے اور انہیں صحت عاملہ و کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم عزیزم مقصود احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرض ہے کہ آپ کی تحریک پر چند سطور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں تحریر کر رہا ہوں۔ تاریخ وغیرہ تو یاد نہیں۔۔۔ ہمارا گاؤں لگڑ یوال ضلع امرتسر میں دریائے بیاس کے کنارے پر واقع ہے۔ میرے ابا جی کا نام عمر الدین صاحب ہے۔ میرے والد صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمان لوگ چوریاں کرتے ہیں، ڈاکے ڈالتے ہیں اور بہت سی برائیوں میں مبتلاً ہیں لہذا یہ اسلام کیسا مذہب ہے؟ انہی سوچوں میں گم کسی اچھے مذہب کی تلاش میں کبھی آپ عیسائیوں کی مجلس میں بیٹھتے اور کبھی حق کی تلاش میں ہندوؤں کی مجلس شامل ہو جاتے لیکن کہیں سے بھی تسلی نہ پا کر بالآخر انہوں نے ایک امام مسجد سے بات کی تو امام صاحب نے بتایا کہ دراصل سچا مذہب اس وقت احمدیت ہی ہے اور جماعت احمدیہ ایک سچی جماعت ہے لیکن میرا تو چونکہ روزی کا معاملہ ہے لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ویرووال کی مسجد میں جا کر نماز جمعہ پڑھ لیا کریں ممکن ہے کہ وہاں آپ کی تسلی ہو جائے۔ میرے والد صاحب حق کی تلاش میں ہر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے تقریباً چار پانچ میل کا سفر پیدل طے کر کے ویرووال تشریف لے جانے لگے کہ جس سے انہیں قلبی سکون میسر آنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد مکرم عبدالمجید خان صاحب اور مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تبلیغ سے بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بیعت کے بعد جب میرے والد صاحب واپس گاؤں میں آئے تو سارے گاؤں نے کہا یہ شخص کافر ہو گیا ہے۔

ایک دن تمام گاؤں اکٹھا ہو کر آ گیا کہ یا تو تم توبہ کر لو یا پھر چلو آج ہم نے تمہیں فلاں درخت پر لٹکا کر مار دینا ہے۔ یہ واقعہ خود میرا اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے اور اس وقت میری عمر اندازاً چھ سات برس کی ہو گی۔ لوگ ہمیں باہر کھلے میدان میں لے گئے۔ جب ایک گھاٹی پر گئے تو سامنے سے ایک سمجھدار شخص آیا اور اس نے سب کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ اس وقت اپنی من مانی کرتے ہوئے اسے تو مارنے میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن یہ انگریز کا راج ہے اور وہ اس کے بدلہ میں تمام گاؤں کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ اس شخص کی اس بات پر ان شریروں کے دل میں خوف پیدا ہوا لیکن ہم تو راضی برضا شہید ہونے کے لئے میدان شہادت میں کھڑے تھے۔ اس کے بعد وہ تمام گاؤں والے گالیاں وغیرہ بکتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو میری والدہ نے جو کہ بہت بہادر، دلیر اور نڈر تھیں، انہیں للکارا کہ ہم میدان میں کھڑے ہیں جو کچھ بھی تم لوگوں نے کرنا ہے وہ اب کر لو کیونکہ ہم تو سر پر کفن باندھے شہادت کے لئے تیار کھڑے ہیں اور پہلے ہمارے بچوں کو شہید کرنا اور اس کے بعد ہمیں تا کہ یہ نہ ہو کہ ہماری شہادت کے بعد ہمارے بچوں سے محنت مزدوری اور مشقت کرواتے رہو لیکن جب سب لوگ چلے گئے تو ہم بھی اپنے گھر واپس آ گئے اور اس کے بعد ہمارا سوشل بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ دریائے بیاس چونکہ قریب ہی تھا لہذا میرے ابا جی گھڑے میں پانی ڈال کر لے آتے تھے۔ اس طرح دو ماہ تک ہم نے دریا کا پانی پیتے پیتے

گزارے-اس وقت تک میری والدہ صاحبہ نے بیعت نہیں کی تھی-میری والدہ صاحبہ کا نام چراغ بی بی تھا اور آپ بالکل ان پڑھ خاتون تھیں لیکن اسلام کی محبت میں بہت سرشار رہا کرتی تھیں-میرے والد صاحب کی شہادت کے وقت بھی آپ نے نہایت دلیری سے میرے والد صاحب کا ساتھ دیا اور شہید ہونے کے لئے میرے والد صاحب اور ہم بچوں کو ساتھ لے کر گھر سے نکلیں-میرے خیال میں شائید میری والدہ صاحبہ کی یہی ادا خدا تعالیٰ کو پسند آئی کیونکہ بعد میں اپنے ایک خواب کی بنأ پر میری والدہ صاحبہ نے بھی بیعت کا شرف حاصل کر لیا کہ جس کے بعد ہم نے اپنا گاؤں لگڑیوال چھوڑ کر ویرووال میں رہائش اختیار کر لی اور یوں ویرووال والے مشہور ہو گئے-

مقصود صاحب۔ میں آپ کے خط کے جواب میں کہاں سے کہاں جا نکلا ہوں-گزرا ہؤا وقت یاد آ رہا ہے-پتہ نہیں کہ ان باتوں کا آپ کے خط کا مقصد تھا بھی یا نہیں؟-بہرحال آپ کانٹ چھانٹ کر کے تصحیح کر لیں-ہاں ایک بات یاد رکھیں کہ میرا نام لکھتے وقت میرے دفتر میں عہدے کے لحاظ سے محمد شریف پہرہ دار حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی لکھیں یا خادم لکھیں کیونکہ اسی میں برکت ہے اور چوہدری وغیرہ نہ لکھیں-جہاں تک امریکہ آنے کا تعلق ہے وہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ میرا ویزا الگ گیا ورنہ میں تو اس قابل نہیں تھا-سب انتظام خدا تعالیٰ نے ہی فرمائے ہیں-والسلام-خاکسار-دستخط (محمد شریف)-سابق پہرہ دار حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ-(مکتوبات نسیم-۲۰ر دسمبر ۱۹۹۹ء)

اب خاکسار مکرم محمد شریف صاحب کا مضمون آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے-ملاحظہ فرمائیں:-

”حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں غریب پروری کا بہت جذبہ تھا اور غریب آدمی کو پھلتا پھولتا دیکھ کر آپؓ بے حد خوشی محسوس فرمایا کرتے تھے-ہم لوگوں کی تنخواہ تو بہت کم تھی لہذا گزارہ بے حد مشکل سے ہوتا تھا اس لئے خاکسار ڈیوٹی کے بعد لوگوں کے گھروں میں سفیدی وغیرہ کر کے مزید کچھ آمد پیدا کر لیا کرتا تھا-ایک دفعہ حضور رضی اللہ تعالیٰ لاہور تشریف لے گئے تو خاکسار نے حضورؓ کی اجازت سے صدر انجمن احمدیہ سے حضورؓ کی کوٹھی (جو مسجد مبارک کے سامنے تھی) کی سفیدی کرنے کا ٹھیکہ لے لیا-جب حضورؓ واپس تشریف لائے تو ابھی دو کمرے سفیدی کرنے والے رہتے تھے-خاکسار نے حضورؓ سے عرض کیا کہ حضورؓ یہ دو کمرے میں کسی اور سے سفیدی کروا دیتا ہوں کیونکہ اب میری ڈیوٹی شروع ہو گئی ہے لیکن حضورؓ نے نہایت شفقت سے فرمایا:”نہیں! یہ دونوں کمرے بھی تم ہی مکمل کرو“ اور میری جگہ پر ڈیوٹی دینے کے لئے اپنے مختار عام مکرم و محترم منشی محمدؐ صادق صاحب کو لگا دیا-

حضورؓ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت قدر فرمایا کرتے تھے اور کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ آپؓ حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم بقاپوری صاحب اور حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضوان علیہم کے گھروں میں بہ نفس نفیس دعا کی درخواست اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے پیدل ہی تشریف لے جایا کرتے تھے-احباب جماعت سے آپؓ کو اتنی بے پناہ محبت تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کی بیماری کے دوران جب کثرت سے احباب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ملاقات کے لئے آنے لگے تو آپؓ نے ہمیں تاکیداً یہ حکم دیا کہ چاہے میری طبیعت خراب ہی کیوں نہ ہو مجھ سے ملاقات کرنے والے ملاقاتیوں کی مجھے ضرور اطلاع دی جائے-اگر اجتماعی ملاقات کے دوران کرسیاں کم ہو جاتیں تو حضور خود بھی زمین پر ہی تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے-اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی ہدایت ہوتی تھی کہ جو پہلے آئے اُس کی پہلے اطلاع دیا کرو-یعنی آپؓ امیر یا غریب اور صاحب اثر کے درمیان کسی فرق کو روا نہ فرماتے اور سب کے ساتھ ایک جیسا

سلوک فرماتے - یہ بھی آپؓ کے عظیم حسن اخلاق کا بہترین نمونہ تھا - حضورؓ بے حد نفاست پسند وجود تھے اور مجھے یاد ہے کہ آپؓ ہر چیز کو قرینہ اور سلیقہ سے رکھتے اور رکھواتے - اب بھی جب وہ زمانہ یاد آتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ ماضی کی طرف لوٹ جاؤں کہ جب یہ خاکسار حضرت میاں صاحبؓ کی نئی کوٹھی البشریٰ میں پودے لگانے کے لئے گڑھے وغیرہ کھودتا اور اس کے بعد حضور ان میں اپنی پسند کے پودے لگواتے لیکن پودے لگوانے میں اتنی احتیاط برتتے کہ انسان حیران ہو جاتا - آپؓ پودے لگواتے وقت خود تشریف لا کر ہدایات فرماتے کہ پودے کو اِدھر کرو اُدھر کرو اور ایک سُوتر کا فرق بھی پودوں کے درمیان نہیں رہنے دیتے تھے - دوسرے پودوں کے علاوہ کھجور کے درخت لگانے کا بھی بہت شوق تھا اور سپیشل جھنگ سے کھجور کے پودے منگوا کر لگوائے - آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کا پودا حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے وطن کا پودا ہے یہ ضرور لگانا چاہیے -

ایک دن حضورؓ مسجد مبارک میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اپنی نئی کوٹھی البشریٰ محلّہ دارالصدر غربی کی طرف آ رہے تھے تو راستہ میں خاکسار نے حضورؓ سے عرض کیا کہ اگر حضورؓ اجازت دیں تو میں آپؓ کی کوٹھی کے سامنے والے کونے میں ایک کھوکھا بنالوں - لکڑی کے کھوکھے کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ لیکن چونکہ حضورؓ اپنے خادموں سے بہت شفقت اور دلداری کا سلوک فرمایا کرتے تھے لہذا یہ سُن کر آپؓ نے فرمایا: '' شریف ! میں پہلے ہی کہنے والا تھا کہ تم یہاں ایک کھوکھا بنالو' - اجازت ملنے پر خاکسار نے ایک ترکھان مستری سے بات کی اور اُس نے کھوکھا بنانا شروع کر دیا - یہ کھوکھا تقریباً دس دن میں مکمل ہؤا اور حضورؓ روزانہ ہی شام کے وقت باہر تشریف لا کر بڑی شفقت سے پوچھتے: '' شریف! اب کتنا کام باقی رہ گیا ہے؟'' - جب مستری کھوکھے کی چھت بنا رہا تھا تو حضورؓ کوٹھی سے باہر تشریف لائے اور پوچھا: '' شریف ! چھت سر کو تو نہیں لگتی؟'' - میں نے عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی سر کو لگتی ہے اس پر حضورؓ بذات خود اس نامکمل کھوکھے کے اندر تشریف لے آئے تو کھوکھے کی چھت حضورؓ کے سر کو لگنے لگی جس پر حضورؓ نے مستری کو ہدایت دی کے دونوں طرف گٹکے لگا کر چھت کو اونچا کر دو تا کہ چھت سر کو نہ لگے - اس کے بعد حضورؓ کے مشوروں، مبارک دستِ قدم اور دعاؤں کی بدولت اس کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی -

اس کھوکھے کی تکمیل پر حضرت میاں صاحبؓ نے خاکسار کے کاروبار میں برکت کے لئے ایک لمبی اور پُر سوز دعا کروائی اور یوں خاکسار نے ایک ماہ کی رخصت لے کر اس دوکانداری کا آغاز کیا - از راہ شفقت حضورؓ نے مجھے تجارت کے بعض اہم اصول سمجھائے کہ: '' خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد لیکن دوکان دار کے سودا بیچنے کا اصول ایک ہی ہونا چاہیے - اگر کسی چیز میں نقص ہو تو گاہک کو بتادیں کہ اس میں یہ نقص ہے اس لئے اس کی قیمت کم لے رہا ہوں - ادھار سے بچیں اور اگر ادھار دے دیں تو پہلے وہی وصول کرنے کی کوشش کریں اور اس شخص کو مزید ادھار نہ دیویں - پان سگریٹ بالکل نہ رکھنا'' - اس کے علاوہ حضورؓ میری دلداری کے لئے روزانہ ہی پوچھتے: '' شریف ! آج کتنی بِکری ہوئی ہے؟ '' -

اُس زمانہ میں خاکسار مٹھائی بنانے کا کام نہیں جانتا تھا لہذا آہستہ آہستہ میں نے مٹھائی بنانے کا کام سیکھا اور یوں میرا یہ کاروبار دن بدن ترقی کی منازل طے کرنے لگا - میں جو بھی نئی چیز بناتا سب سے پہلے حضورؓ کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کرتا اور اس پر حضورؓ بہت دعا فرمایا کرتے تھے - اب حضورؓ کی انہی بابرکت دعاؤں کے طفیل خاکسار امریکہ جا پہنچا اور اب تو تقریباً تمام فیملی ہی امریکہ میں رہائش پذیر ہے - خاکسار کا سب سے بڑا بیٹا عزیزم مکرم طارق محمود جاوید مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ سیرالیون میں امیر و مشنری انچارج ہے - الحمداللہ - خاکسار - دستخط (محمد شریف) - سابق پہریدار حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ '' - (مکتوبات نسیم - ۲۷ راگست ۱۹۹۹ء)

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کا یہ فقرہ ''شریف آج کتنی بکری ہوئی ہے؟'' آج بھی میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ ایسا شفیق اور مہربان شخص آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا جو کہ اپنے خدام سے اتنا زیادہ لگاؤ رکھتا ہو۔ یعنی یہ حضرت میاں صاحبؓ کی محبت کا حال تھا کہ وہ اپنے ہر آدمی کے تمام حالات سے باخبر رہنا چاہتے تھے تا کہ کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کی جاسکے۔ دعا سے اور دوا سے بھی۔

☆

مکرم ملک رشید احمد طیب صاحب

ایڈیٹر ماہنامہ الناصر - جرمنی

یہ واقعہ جو خاکسار بیان کر رہا ہے یہ تقریباً چالیس سال قبل کا ہے اور اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج تک اس کا روحانی کیف وسرور میرے دل ودماغ پر اثر انداز ہے۔ یہ اُس ہستی کا واقعہ ہے جو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے تھی اور خدا تعالیٰ نے آپؓ کو قمر الانبیاء کے عالی لقب سے نوازا تھا لیکن اس کے باوجود نام ونمود اور بڑائی کا شائبہ تک آپؓ کی بابرکت ذات میں نہیں تھا اور یہ بھی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا اور تربیت اولاد نیز آپؑ کی اولاد کے حق میں دعاؤں کی قبولیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ یہ اغلباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے کہ خاکسار کو مکرم ومحترم عزیز محمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع بہاولپور نے مشن ہاؤس بہاولپور کی بنیادی اینٹ پر دعا کروانے کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ربوہ بھجوایا۔ یہ گرمیوں کے ایام تھے اور خاکسار تمام رات سفر کر کے صبح ربوہ پہنچا اور اینٹ کو لے کر آپؓ کی کوٹھی پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع اندرون خانہ بھجوائی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؓ نے کمرہ ملاقات میں بلا لیا تو خاکسار نے اپنے آنے کا مدّعا بیان کیا۔ آپؓ نے برجستہ فرمایا کہ مَیں اپنے آپ کو اِس قابل نہیں سمجھتا۔ اُس وقت حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ ابھی بقید حیات تھے۔ آپؓ نے فرمایا کہ وہ اِس قابل ہیں کہ مسجد اور مشن ہاؤس کی بنیادی اینٹ پر دعا کریں۔ پھر کچھ توقف کے بعد شاید اِس خیال سے کہ کہیں میری دل شکنی نہ ہو فرمایا حضرت مولانا صاحبؓ سے دعا کروانے کے بعد پھر یہ اینٹ میرے پاس لے آئیں۔ چنانچہ میں وہ اینٹ لے کر حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مندرجہ بالا واقعہ من وعن بیان کر دیا تو حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ آبدیدہ ہو گئے اور تعمیل ارشاد کی غرض سے وہ اینٹ مجھ سے لے کر اپنی گود میں رکھ کر ایک لمبی پُرسوز دعا کی اور خاکسار کو بھی آپؓ کی معیت میں دعا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ الحمدللہ۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ اینٹ لے کر پھر دوبارہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے بھی وہ اینٹ اپنی گود میں رکھی اور بڑی پُردرد دعا کی اور خاکسار کو بھی اپنے ساتھ دعا میں شامل فرمایا۔ ثم الحمدللہ۔ اِس دوران آپؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اینٹ کے اندر جذب ہوتے جا رہے تھے۔ مخبر صادقؑ نے کیا خوب فرمایا:-

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما (درثمین)

اگر ہم ان پاکباز اِن اُمت کے اُسوہ حسنہ کی پیروی کریں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اے

خدا! تو صاحبزادہ صاحبؓ کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جا- آمین- خاکسار- دستخط (ملک رشید احمد طیب بقلم خود)- ایڈیٹر ماہنامہ ''الناصر'' مجلس انصاراللہ جرمنی ۲۶/جون ۱۹۹۹ء -(مکتوبات نسیم مؤرخہ ۲۷/جون ۱۹۹۹ء)

نوٹ:- یہی مضمون بعد میں ہفت روزہ '' الفضل انٹرنیشنل''لندن میں شائع ہونے والے ''الناصر جرمنی'' مؤرخہ ۹ جولائی ۱۹۹۹ء کے صفحہ نمبر ۳ پر بھی چھپ چکا ہے-

☆

مکرم مولانا ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب

مربی و مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ

یہ مضمون مربی سلسلہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کولون مشن کے مبلغ ڈاکٹر مکرم محمد جلال شمس صاحب نے ازراہ مہربانی خاکسار کی درخواست پر تحریر فرما کر ارسال فرمایا ہے اور اس بیش قیمت مضمون کی وقعت کا اندازہ مکرم مؤلانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب کے اشعار پڑھ کر ہی ہو جاتا ہے- ڈاکٹر مکرم محمد جلال شمس صاحب انگریزی، عربی، ترکی، اردو اور پنجابی زبان میں بہت دسترس رکھتے ہیں اور ان تمام زبانوں میں رواں تقریر کرتے ہوئے اپنے جچے تُلے الفاظ سے سامعین کو اپنا گرویدہ بنالینا آپ کا خاصہ ہے- دعوت الیٰ اللہ کے سلسلہ میں حال ہی میں ترکی میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھا چکے ہیں- اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر مکرم محمد جلال شمس صاحب کو ان کی دینی خدمات پر اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے- آمین- مکرم مولانا ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' مجھے اس بات پر بے انتہاء خوشی ہے کہ میرے مؤلا نے جہاں اس عاجز کو متعدد نعمتوں سے سرفراز فرمایا وہاں اس رحیم و کریم خدا نے مجھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بعض صحابہ کرامؓ کے دیدار سے مشرف ہونے کی سعادت بھی عطاء فرمائی- یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے جب کہ میں پہلی بار ربوہ پہنچا- کچھ عرصہ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق ملی- اُن ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد صحابہ کو قریب سے دیکھنے اور اُن سے برکتیں حاصل کرنے کی سعادت بھی میسر آئی- اِن بزرگوں میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ، حضرت مختار احمد شاہجہانپوری صاحبؓ، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بقاپوری صاحبؓ اور حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ وغیرہم بھی شامل ہیں جن سے کچھ نہ کچھ اکتساب فیض کا موقع ملا اور انہی اصحاب احمد علیہ السلام میں سے ایک حضورؑ کے لخت جگر حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں کہ جن کا نورانی چہرہ دیکھنے کی سعادت خداوند تعالیٰ نے عاجز کو عنایت فرمائی-

آپؓ نہایت ہی خوبصورت، وجیہہ اور باوقار تھے - سپید چہرہ، سفید پگڑی، سفید ریش، لمبا کوٹ زیب تن، ہاتھ میں چھڑی- آپؓ کی خوبصورتی کو یہ سب چیزیں اور بھی اُجاگر کرتیں اور سچ تو یہ ہے کہ پگڑی، کوٹ اور چھڑی کو حُسن آپؓ خود عطاء کرتے تھے - مسجد مبارک

میں نماز ادا کرتے اور جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے - اُن ایام میں پہلی صف میں بزرگوں کے لئے جگہ مخصوص ہوتی تھی اور سلسلہ کے علمائے کرام اور بزرگان جماعت بالعموم پہلی صف میں ہی نماز ادا کرتے تھے لیکن میں نے حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو کبھی بھی نماز کے لئے خصوصی جگہ تلاش کرتے نہیں دیکھا - غالباً ۱۹٦۳ء کی بات ہے - میں اس وقت جامعہ احمدیہ ربوہ میں زیر تعلیم تھا - ہمارے پرنسپل مکرم سید داؤد احمد صاحب مرحوم نے اپنی کوٹھی حلقہ مسجد مبارک ربوہ میں تمام اساتذہ وطلباء جامعہ احمدیہ کو کھانے پر مدعو کیا - اس تقریب کے مہمان خصوصی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تھے - شام کے کھانے کی دعوت تھی - حضرت صاحبزادہ صاحبؓ موٹر کار میں تشریف لائے - واپسی کے وقت محترم سید داؤد احمد صاحب مین گیٹ تک آپؓ کو رخصت کرنے کے لئے گئے - حضرت صاحبزادہ صاحبؓ نے محترم سید داؤد احمد صاحبؓ کو طلباء کی تربیت کے بارہ میں چند نصائح فرمائیں جنہیں محترم سید داؤد احمد صاحب نے نہایت ہی توجہ سے سنا اور حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو نہایت ادب سے رخصت کیا -

جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات ہوئی تو میَں اس وقت جامعہ احمدیہ میں زیر تعلیم تھا اور انہی دنوں میرے ایک عزیز خانقاہ ڈوگراں ہائی سکول میں زیر تعلیم تھے اور میں ان سے ملنے کے لئے وہاں گیا ہوُا تھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرہ میں اپنے عزیز کا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں سکول کے ایک استاد کمرہ میں داخل ہوئے - جب انہیں یہ پتہ لگا کہ میں احمدی ہوں تو وہ کہنے لگے کہ آج امام جماعت احمدیہ وفات پا گئے ہیں - میں نے جونہی یہ خبر سنی تو سخت غمزدہ ہوا اور میرے چہرہ پر شدید کرب کے آثار ظاہر ہوئے - اتنی دیر میں ایک اور استاد کمرہ میں وارد ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ امام جماعت احمدیہ نہیں بلکہ ان کے چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی ہے - اس خبر سے بھی طبعی طور پر میرے غم میں نمایاں کمی واقع نہ ہوئی - اس پر پہلے استاد گویا ہوئے کہ آپ تو اب بھی جوں کے توں ہی ہیں ، اب تو آپ کا غم اور صدمہ کم ہو جانا چاہئے لیکن اس بھلے مانس کو کیا معلوم کہ ہمیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے خاندان سے کتنی محبت ہے - میرے استاد مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب کا ایک شعر اس محبت کی وضاحت کر رہا ہے - آپ نے فرمایا :-

اُحِبُّکُمْ وَلَوْ بُغِضَتْ حَیَاتِی

اَوَدُّکُمْ وَلَوْ کُسِرَتْ عِظَامِی

’’ میں تم سے محبت کرتا رہوں گا خواہ لوگ میری جان کے دشمن ہو جائیں نیز میں تم سے پیار کرتا ہی چلا جاؤں گا

خواہ اس کی پاداش میں میری ہڈیاں بھی کیوں نہ توڑ دی جائیں‘‘

میں فوراً واپس ربوہ پہنچا اور حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے جنازہ میں شرکت کی - حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ - ناقل) نے نماز جنازہ کی امامت کی - مکرم مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب نے آپ کی وفات پر ایک عربی نظم لکھی تھی کہ جس کا ایک شعر یہ ہے :-

مَا کُنْتُ اَحْسِبُ قَبْلَ یَوْمِ وَفَاتِہٖ

قَمَرُ السَّمَاءِ تَحْتَ الثَّرٰی مَسْتُوْرٌ

’’ آپؓ کی وفات سے قبل میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آسمان کا چاند مٹی کے نیچے چھپا ہوُا ہے‘‘

خدا کرے کہ اس ’’ نبیوں کے چاند‘‘ کی بابرکت چاندنی سے ہمارے اور ہماری نسلوں کی زندگی کے تاریک گوشے ہمیشہ روشن رہیں -

آمین۔(مکتوبات نسیم -۲۷؍اپریل ۱۹۹۹ء)

☆

مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب

جب خاکسار مؤلف کتاب ہذا فروری ۱۹۷۵ء میں پاکستان سے ہجرت کر کے جرمنی چلا آیا تھا تو ربوہ پاکستان سے فرینکفرٹ جرمنی آتے وقت خاکسار کو جماعت کی جانب سے ایک تعارفی خط بھی اس وقت جرمنی میں متعین مبلغ احمدیت مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کے نام دیا گیا تھا کہ مکرم مقصود احمد نسیمؔ صاحب کی ہر ممکن مدد کی جائے۔اس خط کے علاوہ گھر سے چلتے وقت حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب نے بھی مجھے دو عدد تعارفی خطوط بنام مکرم فضل الٰہی انوری صاحب امام جماعت جرمنی دے کر یہ تسلی دیتے ہوئے بھجوایا تھا کہ وہاں پہنچ کر تم کسی قسم کا فکر نہ کرنا اور جب بھی کوئی دقت پیش آئے تو مکرم انوری صاحب ہمارے کلاس فیلو ہیں ان سے ضرور بیان کرنا لہذا یہ خط لے جاؤ اور جاتے ہی انہیں ہمارا سلام کہنا اور اپنا تعارف کروا کر ہمارے خط بھی انہیں دے دینا اور وہ انشاءاللہ یقیناً تمہارے کام آئیں گے۔یوں خاکسار حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ ۔تمام جماعت اور اپنے ان عزیز بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے یہاں چلا آیا تھا اور مؤرخہ ۸؍فروری ۱۹۷۵ء کو فرینکفرٹ جرمنی پہنچتے ہی اسی دن وہ تمام خطوط میں نے مکرم مولانا انوری صاحب کی خدمت میں پیش کر دئے لیکن خدا تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ ان تعارفی خطوط کی موجودگی کے باوجود مجھے آج تک کوئی سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت درپیش نہیں آئی بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے چند ماہ کے اندر اندر ہی مجھے اپنے ایک عزیز مکرم محبوب احمد نسیم صاحب کے مشورہ سے ایک جگہ کام مل گیا اور یوں خاکسار کے اچھے کام کو دیکھتے ہوئے اسی کام میں ترقی پر ترقی ملتی چلی گئی یہاں تک کہ خاکسار کی محنت اور حسن اخلاق کو دیکھتے ہوئے میرے افسروں نے مجھے اپنی ہی طرح کے اور بھی سلجھے ہوئے احمدی نوجوان ورکر مہیا کرنے کی درخواست کی لہذا خاکسار فرینکفرٹ میں واقع مسجد نور (NUUR MOSCHEE) میں فون کر دیا کرتا اور مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کی تگ ودو سے مطلوبہ افراد مل جاتے۔انہی ایام میں ایک دن خاکسار کو مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب مشنری انچارج جرمنی کا فون موصول ہؤا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں ایک نوجوان کو کام کے سلسلہ میں آپ کے پاس بھجواؤں؟ خاکسار کے استفسار پر مکرم مؤلانا انوری صاحب نے فون پر اپنے عزیز بھانجے مکرم محمد رفیع صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرے اس عزیز کو کام پر رکھوا دیں۔خاکسار نے عرض کیا کہ محترم مولوی صاحب! اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آپ مجھے حکم دیں اور میں اس کی تعمیل کروں لہذا آپ فوراً اپنے عزیز کو میرے پاس بھجوا دیں میں انشاءاللہ کوشش کر کے انہیں کام پر لگوا دوں گا اور اس طرح بفضل خدا خاکسار کو کئی ایک احمدی دوستوں کو اپنے ساتھ کام پر لگوانے کا موقع نصیب ہؤا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہ

خاکسار نے اپنی اس کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ کی غرض سے جماعت کے تمام بزرگوں اور دوستوں کے ساتھ ساتھ مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کی خدمت میں بھی درخواست کی تھی کہ وہ بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں اپنے کسی ذاتی

واقعہ سے مطلع فرمائیں-مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب نے خاکسار کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے درج ذیل مضمون ارسال کیا ہے-آپ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

''برادرم مقصود نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-امید ہے کہ آپ بفضل خدا خیریت سے ہوں گے-اجتماع انصار اللہ کے بعد شوریٰ کے ہنگاموں میں مصروفیت کی وجہ سے میں اپنا وعدہ وقت پر پورا کرنے سے معذور رہا-تاہم اجتماع خدام الاحمدیہ (۲۰۰۰ء-ناقل) سے پہلے میں آپ کی خواہش کے مطابق اپنے تاثرات کو سپردِ قلم کرنے کے بعد انہیں اس خیال سے پوسٹ نہ کر سکا کہ آپ سے دوران اجتماع ملاقات ہو جائے گی-مگر شاید آپ تشریف نہ لائے یا میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا-اب یہ سپرد ڈاک کر رہا ہوں-میری یہ دوسری تحریر پہلے سے بہتر ہے-امید ہے کہ آپ کے حسب منشأ ہوگی-دعاؤں میں یاد رکھیں اور ملنے پر اطلاع دیں-والسلام-خاکسار-دستخط (فضل الٰہی انوری)''-(مکتوبات نسیم -۱۶ر جون ۲۰۰۰ء)

مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ذات والا صفات سے غائبانہ طور پر تعارف تو ابا جان (ماسٹر امام علی صاحب-حضور پوری) کے احمدی ہو جانے کے ساتھ ہی ہو گیا تھا مگر تعلیم الاسلام کالج قادیان میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں آپؓ کا پہلی بار شخصی تعارف حاصل ہوا-آپ کی سادہ اور ملنسار طبیعت قادیان میں رہنے اور آنے والے ہر احمدی کو آپ کی ذات کا گرویدہ کر دیتی تھی-پھر آپؓ سے ملنے والے آپؓ کے حسنِ کلام اور حسنِ سیرت وصورت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے-آپؓ کبار صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سمیت قادیان کی بستی کا نور اور اس مختصر سی آبادی کی مجلسی اور روحانی زندگی کی رونق تھے تاہم خاکسار کو آپؓ کو قریب سے دیکھنے اور آپؓ کی اوالعزم شخصیت کا مطالعہ کرنے کا موقع اس وقت ملا جب خاکسار ۱۹۵۰ء میں کالج کی تعلیم (گریجوئیشن تک) مکمل کرنے کے بعد جامعۃ المبشرین (حال جامعہ احمدیہ) ربوہ میں داخل ہوا-مجھے یاد ہے کہ کئی بار درسی مطالعہ کے دوران بعض دینی نوعیت کے سوال آپؓ کی خدمت میں بھجوانے اور آپؓ سے ان کا جواب حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی-آپؓ اس وقت بطور ناظر خدمت درویشاں سلسلہ کی خدمت پر مامور تھے-آپؓ بڑی باقاعدگی سے ان کے جواب تحریر کر کے بھجواتے اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض اوقات ہمارے آپؓ کو مصافحہ کرتے وقت (اور اس وقت تک آپؓ کو خاکسار سے بھی ذاتی تعارف حاصل ہو چکا تھا اور میرا محبوب تعارف جس کے ساتھ خاکسار قادیان جانے کے بعد سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ اور پھر ربوہ آنے کے بعد حضرت میاں صاحبؓ موصوف سے ہوا وہ ماسٹر محمد زمان صاحب مرحوم کے بھتیجے کے طور پر تھا-میرے یہ تایا جان، ہمارے خاندان میں سب سے پہلے احمدی تھے اور احمدی ہونے کے بعد وہ بطور ٹیچر غالباً ۱۴-۱۹۱۵ء میں قادیان تشریف لے گئے اور پھر ۱۹۱۹ء میں صرف ۳۵ر سال کی عمر میں فوت بھی ہو گئے-آپ موصی تھے اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں) آپؓ پوچھ بھی لیتے کہ: ''کیا میرا جواب مل گیا ہے؟''-یہ چیز نہ صرف آپؓ کے علمی ذوق پر دلالت کرتی تھی بلکہ اس حقیقت کی بھی آئینہ دار تھی کہ آپؓ جماعت کے نوجوانوں کے اندر علمی ذوق وشوق کی نشوونما دیکھنے کے کس قدر متمنی تھے-

اس کی ایک اور معین مثال بھی میرے سامنے ہے کہ جب خاکسار اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے پہلی بار بیرون پاکستان جا کر ۱۹۶۰ء میں واپس آیا تو اپنے غانا مغربی افریقہ میں قیام کے دوران سوال وجواب کی شکل میں بزبان انگریزی لکھے ہوئے اپنے ایک مضمون کا مسودہ ساتھ لایا-یہ عیسائیت سے متعلق تھا اور اس میں عیسوی عقائد از قسم تثلیث، کفارہ اور الوہیت مسیحؑ وغیرہ پر بائیبل کے نقطہ نظر سے بحث کی گئی تھی-یہ چونکہ خاکسار کی پہلی کوشش تھی اور پھر

زبان کے بارہ میں بھی پورا اطمینان نہ تھا، اس لئے میں نے اسے شائع کروانے سے پہلے اپنے بعض انگریزی دان علماء کو دکھانا اور زبان نیز طرز استدلال کے بارہ میں اصلاح لیناضروری سمجھا-اب اس وقت یہ تو یاد نہیں رہا کہ کن کن اصحاب کو یہ تکلیف دی گئی مگر دو بزرگان سلسلہ کی طرف سے مجھے خاص طور پر حوصلہ افزائی ملی-ان میں سے ایک تو حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ تھے (ان سے ۱۹۵۶ء میں خاکسار کے دمشق میں قیام کے دوران جبکہ آپ بھی وہاں مع فیملی قیام فرما تھے-ایک گونہ تعلق پیدا ہو چکا تھا)-دوسرے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ تھے-مجھے اب تک یاد ہے کہ آپؓ نے مسودہ واپس کرتے ہوئے (آپؓ اس وقت گھر سے نکل کر مسجد مبارک کی طرف تشریف لا رہے تھے) نفس مضمون اور خاکسار کے طرز استدلال کو بہت سراہا اور فرمایا کہ: ’’یہ اچھی کوشش ہے اور ہمارے دوستوں کو اختلافی مسائل پر اس قسم کے چھوٹے چھوٹے اور دو ٹوک مضامین لکھتے رہنا چاہئے‘‘-غالباً یہ آپؓ کے ہی اس قیمتی تبصرہ کی برکت تھی کہ یہ مضمون شائع ہونے کے بعد بہت ہی مقبول ہوا-فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

سب سے پہلے اسے " A TALK BETWEEN A MUSLIM AND A CHRISTIAN " کے عنوان سے یکے از مطبوعاتِ جامعہ کے طور پر شائع کیا گیا (یہ حضرت سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم و مغفور-پرنسپل جامعہ احمدیہ کے زمانے کا سنہری دور تھا اور خاکسار جامعہ میں بطور استاد متعین تھا)-بعد میں لندن مشن نے بھی اسے زیادہ دیدہ زیب شکل میں شائع کیا اور غالباً اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں-پھر خاکسار کے دور تبلیغ میں اس کا جرمن اور اطالوی زبان میں ترجمہ شائع ہوا-اسی طرح اغلباً سویڈش زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور مجھے حال ہی میں پتہ چلا ہے کہ نائیجیریا میں (خاکسار کے دور امارت کے بہت بعد) اس کا ہاؤسا زبان میں بھی ترجمہ شائع ہوا ہے-

حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ کے اخلاق عالیہ کی ایک اور ذاتی مثال کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا-خاکسار کے بھائی احمد علی صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ-واہ کینٹ پاکستان) کی شادی کی تقریب تھی (یہ ۱۹۶۰ء-۱۹۶۱ء کی بات ہے)-اپنی بچی اور سید سردار حسین شاہ صاحب کی نواسی کی تقریب رخصتانہ پر دعا کے لئے بھائی کے سسرال والوں نے حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کو دعوت دی-اپنے ہونے والے داماد کا تعارف لازماً انہوں نے خاکسار کے حوالے سے کرایا ہوگا-تاہم تقریب رخصتانہ کے وقت ہم انتظار کرتے رہے اور آپؓ تشریف نہ لائے-ہم نے خیال کیا کہ کوئی مصروفیت ہوگئی ہوگی مگر ایسا نہیں تھا-اس کے دوسرے یا تیسرے روز جب خاکسار آپؓ سے ملا تو آپؓ نے پہلا جملہ یہ فرمایا کہ: ’’اُس دن غالباً غلط فہمی ہوگئی تھی-میں دعا کے لئے نہ پہنچ سکا‘‘-یہ سننا تھا کہ میں پانی پانی ہوگیا-میں اُس وقت سمجھا کہ ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے-دراصل جب کسی بزرگ شخصیت کو ایسی تقریبوں پر دعا کے لئے بُلایا جاتا ہے تو بُلانے والے کا یہ اخلاقی فرض ہوتا ہے نیز اس بزرگ کے مقام اور احترام کا بھی یہی تقاضا ہوتا ہے کہ خود جا کر اس بزرگ کو اپنی معیت میں انہیں لے آئے-معلوم ہوا کہ آپؓ، ہم میں سے کسی کے آنے کا انتظار فرماتے رہے اور اس طرح وقت گذر گیا مگر حضرت میاں صاحبؓ موصوف نے ایسی کوئی بات اس عاجز سے نہ کی بلکہ جو بھی فرمایا اس رنگ میں فرمایا گویا خود آپؓ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ہرگز خاکسار کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ ہم سے غلطی یا کوتاہی سرزد ہوئی ہے-

آپؓ کے اوصاف حمیدہ کی ان دو مثالوں کے علاوہ جن کا خاکسار کو ذاتی تجربہ ہے میں خاص طور پر آپؓ کی علمی کاوشوں کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں-ان میں سرفہرست ’’سیرۃ خاتم النبیینؐ‘‘ ہے جو تین جلدوں میں شائع ہو کر خاص و عام سے مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہے-اس کے علاوہ ’’سیرۃ المہدیؑ‘‘-’’ہمارا خدا‘‘-’’تبلیغ ہدایت‘‘-’’الحجۃ البالغہ‘‘ (اس وقت یہی ذہن میں آئی ہیں) بھی ہیں-جس جس نے بھی آپؓ کی ان تصانیف کا مطالعہ کیا

ہے یا آپؓ کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہونے والے تربیتی اور تحقیقی مضامین پڑھے ہیں وہ جانتا ہے کہ ان میں علمی، ادبی اور تاریخی نوادرات کا ایک بیش بہا خزینہ موجود ہے۔ پھر آپؓ کی تحریر میں بلا کی روانی اور غضب کا حسنِ ادب پایا جاتا ہے۔ الفاظ کے موتی چُن چُن کر ایسے قرینے سے عبارتوں میں سجائے گئے ہیں کہ پڑھنے والا آپؓ کی قرأتِ بیان اور خوبیٔ فصاحت سے مرعوب اور محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپؓ اب دنیا میں نہیں لیکن آپؓ کے یہ علمی و ادبی شہ پارے آئندہ آنے والی نسلوں کو ہمیشہ آپؓ کے گرانبار احسان رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کو غریق رحمت فرمائے اور آپؓ کے اس علمی و روحانی ورثہ سے ہمیں کما حقہٗ استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین! ۔ خاکسار دستخط (فضل الٰہی انوری) ۔ (مکتوبات نسیم ۔ ۱۶؍ جون ۲۰۰۰ء)

☆

’’ ابا جان ‘‘

(حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

از مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب ۔ ربوہ

’’کومیلا مشرقی پاکستان ۔ رات کا وقت تھا ۔ ہمارا گھر ایک پہاڑی پر تھا ۔ بل کھاتی سڑک پر فوجی جیپ کی پیلی روشنی پڑ رہی تھی ۔ ہم سب اس میں تھے ۔، میرے والدین اور میری چھوٹی ہمشیرہ ۔ ایک بوجھل سی خاموشی طاری تھی ۔ کوئی ایسی بات تھی کہ جس کا صرف احساس تھا ۔ میری عمر بمشکل آٹھ برس ہوگی ۔ پھر جو بات مجھے یاد آتی ہے وہ ہمارا گھر پہنچنا اور میری والدہ کا اپنے بلکتے وجود کو سمیٹنا ہے ۔ ابا ان کو تسلی دے رہے تھے ۔ بار بار پانی پینے کو کہتے ۔ پریشان ہو کر ابا سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ لاہور مغربی پاکستان سے ماموں (صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب) کا تار آیا ہے کہ ابا جان کی طبیعت زیادہ خراب ہے، فوراً پہنچنے کی ہدایت ہے ۔ اس وقت کچھ اور نہ سوجھا ۔ امی کے گھٹنے سے سر لگا کر بیٹھ گیا اور وہ ماں اپنی پریشانی بھول کر میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی ۔ اگلے روز ہم لاہور میں تھے ۔ ۲۳ ریس کورس روڈ، ابا جان کا گھر ۔ بڑے کمرے میں وہ اس دنیا سے بے خبر تیز بخار میں بے خود پڑے تھے ۔ دل کرتا تھا کہ کہوں کہ آپ تو مجھے ہمیشہ گلے لگایا کرتے تھے ۔ آج کیوں نہیں ملے؟ میرے آنے پر کتنے خوش ہوتے تھے ۔ کچھ دیر ان کی چارپائی سے لگا ان کو دیکھتا رہا، پھر باہر نکل گیا ۔ غالباً مغرب کا وقت تھا ۔ اندر سے کسی نے آواز دی کہ اندر آجاؤ ۔ شاید اتنی کم عمری میں اس بات کا احساس بھی نہ ہوتا کہ کیا ہو گیا ہے لیکن دبی دبی سسکیاں بہت کچھ کہہ گئیں ۔ بڑے بھائی، چھوٹی بہنوں کے آنسو پونچھتے تھے اور اپنے چھپاتے پھرتے تھے ۔ سب کا شفیق چلا گیا ۔ صرف اپنی اولاد کو ہی نہیں سب کو یتیم کر گیا تھا ۔ کچھ یاد ہے، کچھ یاد نہیں لیکن طبیعت پر اثر تھا ۔ اب سوچتا ہوں کہ کیا وجہ تھی؟ آٹھ سال کی عمر میں اتنی ٹھنڈک کا احساس کیوں تھا؟ کیوں احساس ہوتا تھا کہ ایسا مشفق اور محبت کرنے والا شاید اب نہ مل سکے گا ۔ جنازہ کس نے پڑھایا، تدفین کس وقت ہوئی؟ مجھے یاد نہیں ۔ مجھے جنازے کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں ملی تھی ۔ ’’البشریٰ‘‘ کوٹھی کی چھت پر کھڑا، ان کو اپنے آخری سفر پر جاتا دیکھتا رہا ۔ منڈھیر کی دیواریں اونچی تھیں ۔ کبھی اِدھر بھاگتا کبھی اُدھر ۔ آخر کسی بڑے نے اٹھالیا ۔ نیچے دیکھا تو جم غفیر تھا جو امڈا پڑتا تھا ۔ اس شخص کے تابوت کو کاندھا دینے جو سب کا تھا اور سبھی اس کے تھے ۔

میری والدہ مرحومہ امتہ المجید بیگم، ابا جان کی منجھلی بیٹی تھیں- میرے والدین، جن کا اب انتقال ہو چکا ہے، انہوں نے مجھے بھر پور محبت دی- اپنی زندگی کے ۴۳ سال میں نے ان کے ساتھ گزارے ہیں لیکن ابا جان کی شفقت اور محبت کی بات ہی کچھ اور تھی- مجھے یہ کہنے میں ذرہ بھی تامل نہیں کہ ابا جان کے ساتھ گزرے وہ لمحات میرے والدین کی ساری عمر کی محبت پر بھاری ہیں- بچوں میں مجھ سے بہت زیادہ تعلق تھا- کئی دفعہ مجھے لگا کہ میری وجہ سے میرے بعض ہم عصروں سے بھی بہت محبت کا سلوک کیا- ایک دفعہ مجھے پانچ روپے دئے کہ جاؤ جا کر کچھ لے آؤ- میں نے جیسا کہ بچے عموماً کرتے ہیں اس بارہ میں اپنے ہم عمروں کو بتایا جس پر وہ تمام بچے ابا جان کے پاس باری باری گئے اور سب کو پانچ پانچ روپے ملے- مجھے یاد ہے ہم سب تقریباً سات آٹھ تو ضرور ہوں گے- طبیعت میں اتنا انصاف تھا کہ یہ برداشت نہ کیا کہ کوئی سلوک سے رہ جائے- جب ابا امی کے ساتھ ربوہ آتا تو اکثر مجھے اپنے ساتھ بستر پر سلاتے- کبھی کبھی رات کو میں بستر پر پیشاب نکال دیا کرتا تھا- امی اس بات پر بہت ناراض ہوتیں- ابا جان کو بار بار کہتیں کہ اس کو ساتھ نہ سلایا کریں لیکن وہ مہربان، وہ مشفق راتوں کو اٹھتا، بستر تبدیل کرتا، کئی دفعہ اپنے بھی کرنے پڑتے- اب سوچتا ہوں تو کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے- اتنا بڑا انسان، ایک نبی کی مبشر اولاد اور میرے جیسے گنہگار سے ایسا مشفقانہ سلوک- رات کو گرمیوں میں باہر سویا کرتے تھے- میری چھوٹی سی چارپائی بھی اپنے ساتھ لگوا لیتے- ایک دفعہ صبح آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے میری آنکھیں نہیں کھلیں، غالباً میں نے رونا بھی شروع کر دیا- اس پر فوری پانی منگوا کر میری آنکھوں پر روئی سے پانی ٹپکاتے رہے جب تک میری آنکھیں دیکھنے کے قابل نہ ہوئیں-

میرے والد صاحب (بریگیڈیئر وقیع الزمان خان مرحوم) چونکہ فوج میں تھے اس لئے کچھ عرصہ بعد مختلف شہروں میں تبدیلی ہو جاتی تھی- جہاں بھی ہوتا میرے لئے اپنے ملازم کے ہاتھ جو عرف عام میں بشیر موٹا کہلاتا تھا، تحفے تحائف بھیجتے رہتے- مجھے یہ ہدایت ہوتی کہ ان میں سے کچھ لبنیٰ (میری چھوٹی ہمشیرہ) کو بھی دے دینا- ویسے سارے تمہارے ہیں- اس ضمن میں یہ ذکر بھی کرتا چلوں کہ لوگوں سے آپ کا حسن سلوک ایسا تھا کہ یہ بشیر موٹا، ابا جان کی وفات کے بعد ۲۶ سال زندہ رہا اور ہر سال ابا جان کی محبت میں مجھے برفی لا کر دیتا رہا- اس لئے کہ ابا جان مجھے برفی دیا کرتے تھے- میری نانی اماں مرحومہ، جن کو ہم سب اماں کہتے تھے، میرے ہوش سنبھالنے سے ہی بیمار چلی آ رہی تھیں اور چلنے پھرنے سے معذور تھیں- مجھے اس بات پر حیرت ہوتی کہ باقی لوگوں کی بیویاں تو کام کرتی ہیں اور یہ ہر وقت بستر پر پڑی رہتی ہیں اور ابا جان کا کوئی کام نہیں کرتیں- میں نے ایک دن ابا جان کی محبت میں انہیں کہہ دیا کہ آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی؟ کسی ایسی سے کرتے جو چل پھر سکتی- اس لطیفے پر بہت ہنسے اور کئی دن لوگوں کو اور خاص کر اماں کو سناتے رہے-

خلافت سے بے پناہ عقیدت تھی- سارا دن میں دیکھتا کہ مختلف لوگ ملنے آ رہے ہیں- ہر شخص مؤدب ہے، بے انتہا عزت کرتے ہیں لوگ لیکن شام کو مسجد مبارک میں مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد قصر خلافت تشریف لے جاتے تو یوں لگتا کہ ایک ادنیٰ غلام اپنے آقا کے پاس بیٹھا ہے- ان کی اکثر باتیں مجھے یاد ہیں- شلوار قمیص پر لمبا سا کوٹ پہننا، لال رنگ کا رومال قمیص کی جیب میں لگانے والی گھڑی اور سب سے بڑھ کر ان کا محبت کرنے والا وجود- یہ تمام خیال، یہ تمام یادیں بے ترتیب سہی لیکن میرے اپنے مشاہدہ کی ہیں جن کو میں نے خود محسوس کیا- اُس انسان کی یاد اب تک ویسے ہی ہے- ۳۷ برس گزر گئے ان کی وفات کو- جتنا ان کے مشفقانہ رویہ کے بارہ میں سوچتا ہوں اتنی ہی عقیدت اور محبت بڑھ جاتی ہے- ان کی شخصیت کے اوراق اب بھی الٹائے جاتے ہیں- ہر دفعہ ان کی یاد ایک نیا رنگ سمیٹے ہوئے ہوتی ہے- کبھی بے خیالی میں مسکرا دیتا ہوں- اکثر آنکھوں کے گوشے تر ہو جاتے ہیں''- (ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ یکم ستمبر ۱۹۹۹ء صفحہ ۹)

کیپٹن مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب اپنے ایک دوسرے مضمون میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' آج پھر وہی کیفیت ہے، وہی وجود کی تپش، وہی تنہائی کا احساس، وہی تصور---دوپہر کو لیٹا تو حضرت ابا جانؓ (حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ -ناقل) کا تصور اور اس محبت کرنے والی ہستی کا خیال پھر بے چین کرنے لگا-ایک ایک کر کے ان کی باتیں پھر یاد آنے لگیں-بے ترتیبی کو ترتیب دینے کا خیال بھی دوست عزیزوں نے ہی دلایا تھا کہ کچھ اور لکھو-ابھی پیاس بجھی نہیں-وہ کیا جانیں کہ یہ پیاس تو یوں نہ بجھے-مجھ سے تو انہوں نے بڑی محبت کی تھی-مجھے آج تک کوئی ایسا نہیں ملا جس نے ان کی محبت کا کچھ حصہ پایا ہو اور ان کے ذکر پر آنکھوں میں نمی نہ چھائے-ابا جانؓ کی وفات کو کئی سال بیت چکے تھے-میں غالباً تیرہ برس کا ہوں گا-ایک دن حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ صبح ہی صبح اپنے بیٹے نواب محمد احمد خان صاحب کے گھر تشریف لائیں-مجھے بلایا اور کہا کہ میں صرف اس وقت اس لئے آئی ہوں کہ رات منجھلے بھائی (حضرت ابا جانؓ) خواب میں آئے تھے-مجھے کہنے لگے جاؤ! ماجد کے پاس جاؤ اور اس کو برفی کے لئے پیسے دو-یہ کہہ کر انہوں نے چاندی کے دو سکے مجھے دیئے اور کہا کہ دیکھو! اُن کو اب بھی تمہارا کتنا خیال ہے-اپنے آپ کو دیکھ کر ہرگز نہیں لگتا کہ اتنے بڑے بزرگوں کی اتنی محبتیں سمیٹی ہوئی ہیں-یہی شرمندگی کچھ اور لرزا دیتی ہے، کچھ رُلا دیتی ہے-

میری والدہ کی وفات ۱۹۹۷ء میں ہوئی تھی-اپنی وفات سے چند سال پہلے مجھے بلایا اور چند خطوط دے کر کہا، یہ ابا جان نے تمہیں لکھے تھے-انہیں سنبھال لو! یہی خطوط کبھی کبھی نکال کر پڑھتا ہوں-کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ایک چھوٹے سے بچے (تین سے سات سال) کو انہوں نے کس طرح اور کیا کچھ نہیں لکھا ہوگا-ایک ایک لفظ گویا ان کی محبتوں میں گوندھا ہوا ہے-۲۰ رجنوری ۱۹۵۹ء کا لکھا ہوا ایک خط میرے سامنے کھلا پڑا ہے-لکھا ہے: ''رات تمہاری امی اور ابا سے فون پر بات ہوئی تھی مگر افسوس! کہ تمہارے سے بات نہیں ہوسکی-اس کی تلافی کے لئے بستر پر پڑے پڑے یہ خط لکھ رہا ہوں-امید ہے تم بالکل اچھے ہوگے-تم مجھے بہت یاد آتے ہو، کیونکہ تم شریف بچے ہو اور میرے ساتھ اللہ باللہ کرنے گئے تھے-میں تمہارے واسطے بہت دعا کرتا ہوں'' -ایک چار سالہ بچے کو نصیحت اور تلقین کا کتنا دلنشین انداز ہے-دل میں اترنے والی باتیں-اتنے بڑے انسان اور بزرگ کی اپنے چار سالہ نواسے سے خط میں یہ گفتگو اور اس طرح سمجھانا-یہ صرف انہی کا انداز تھا-

کوٹھی البشریٰ کی تعمیر ۱۹۶۰ء-۱۹۶۱ء میں ہوئی تھی-دوران تعمیر مجھے اپنے ساتھ اپنی زیر تعمیر کوٹھی میں لے جایا کرتے تھے-جیسا کہ رواج ہے کہ راج مزدور مکان کی تعمیر کے دوران درکار پانی کے حصول کے لئے ایک حوض بنا لیتے ہیں تا کہ پانی کی کمی نہ ہو-ایسا ہی ایک حوض زمین کے شمال مغربی کونے میں بھی بنایا گیا-میں اکثر وہاں جا کے نہانے لگ جایا کرتا تھا-جب کوٹھی کی تعمیر مکمل ہوگئی تو فرمایا کہ اس حوض کو پکا بنا دو-ماجد جب آئے گا تو یہاں نہایا کرے گا-یہ تعلق یہ محبتیں بھلا کیسے بھولتی ہیں؟ کس کس کو یاد کروں؟ میرے والد فوج میں تھے-والد کی شخصیت پر کسی چیز کا اثر ہو تو بچے پر اس کا اثر بھی ضرور پڑتا ہے-مجھے بھی فوج میں جانے کا شوق ہو گیا-مجھ سے اکثر پوچھتے کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ میں فخر سے کہتا کہ فوجی افسر-میں بڑا ہوا، فوج میں کمیشن لیا پھر آٹھ سال کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر استعفیٰ دے دیا-اس کے بعد سترہ (۱۷) سال تک مختلف کاروبار کرتا رہا لیکن اس بندہ خدا کی بات پوری ہونی تھی-نہیں تو میرے جیسے گنہگار اور دنیادار انسان نے اپنے آپ کو جماعت کی خدمت کے لئے وقف کیسے کرنا تھا؟ اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قبول کیسے کرنا تھا؟ انہی دعاؤں کے بل بوتے پر مجھے خدا سے بھی یہ امید ہے کہ اس گنہگار کی مساعی بھی شاید اس لئے قبول کر لے کہ یہ ایک اس محبت کرنے والے کی خواہش اور دعا تھی-مجھ جیسے گنہگار سے بھلا کہاں ان کی محبت سمٹتی ہے-کوٹھی البشریٰ کے پہلو میں مجھے خدا تعالیٰ نے گھر بنانے کی توفیق دی ہے-کبھی رات کو ٹہلتے ٹہلتے اس گھر کی طرف نظر اٹھتی ہے تو ٹھہری سی جاتی ہے-یہیں وہ محبت کرنے والا

وجود رہتا تھا- ان کا لمس سا محسوس ہوتا ہے- جب نظر دھندلانے لگتی ہے تو واپس لوٹ آتا ہوں''-(الفضل انٹرنیشنل لندن- مؤرخہ ۲۷رجولائی صفحہ ۱۳)

مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب کا مضمون پڑھ کر یاد آیا کہ مکرم میاں ماجد احمد خان صاحب نے جس چھوٹی سی چار پائی کا ذکر کیا ہے اس چار پائی کے پائے مختلف رنگوں سے مزین تھے اور وہ ایک چھوٹی سی بچوں کی خوبصورت چار پائی تھی کہ جسے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے خاص طور پر اپنے نواسہ مکرم میاں ماجد احمد صاحب کے لئے تیار کروایا تھا- اور دوسرا واقعہ جو آنکھوں کی تکلیف کے بارہ میں ہے وہ بھی میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے علی الصبح جب یہ دیکھا کہ بچے (مکرم میاں ماجد احمد خان صاحب) کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو آپؓ نے ایک کٹورہ میں پانی اور اپنی الماری میں سے صاف سفید روئی کو منگوا کر اسے پانی میں بھگویا اور پھر مکرم ماجد احمد خان صاحب کی آنکھوں کو اس گیلی روئی سے کئی مرتبہ صاف کیا- اس دوران چونکہ مکرم ماجد احمد خان صاحب چھوٹا بچہ ہونے کی وجہ سے قدرے ہلکی آواز میں رو بھی رہے تھے لہذا آپؓ ان کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے تسلی وتشفی بھی دے رہے تھے- الغرض بچوں پر آپؓ کی شفقت ومحبت کی ایسی انتہا ہم نے دیکھی ہے کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے مواقع پر میں نے کئی لوگوں کو اپنے بچوں کو خاموش کروانے کے لئے ڈانٹتے ڈپتے ہوئے تو دیکھا ہے نہ کہ تسلی وتشفی دیتے ہوئے- اللہ! اللہ! کیا ہی قابل تقلید نمونہ تھا آپؓ کا کہ چھوٹا بڑا ہر شخص ہی آپؓ کا گرویدہ تھا- اللہ تعالیٰ آپؓ کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے- آمین۔ بہر حال اس رنگین پائے والی چار پائی کے ذکر سے یہ بھی یاد آیا کہ میرے پاس بھی ایسی ہی ایک رنگین پایوں والی چار پائی تھی جو کہ مجھے مکرم محمد سلیمان طارق صاحب (حال مقیم برطانیہ) نے ربوہ کے قریبی گاؤں کھچیاں سے بنوا کر تحفہ میں دی تھی۔ خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

☆

سُرخ رومال والا صوفی

از مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب۔کینیڈا

ہم جن بستیوں کو یاد کر رہے ہیں وہاں بڑے بڑے نابغے رہتے تھے۔ دیکھنے میں سیدھے سادھے۔ عاجزی۔ انکساری اور فروتنی کے پیکر مگر باطن میں علم کا سمندر۔ کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کیجئے تو معلوم ہو کہ دانائی اور حکمت کا بحرِ ذخار ہیں۔ ہم ایک دو بزرگوں کا اشارۃً ذکر کر چکے ہیں مگر آج جس پیکر علم وعرفان کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ ادیب ایسے کہ اہل زبان ان کے سامنے پانی بھریں۔ سیرت نویسی پر وہ عبور کہ ان کی لکھی ہوئی ''سیرت خاتم النبیینؐ '' سے زیادہ مستند اور کوئی سیرت نہ سمجھی گئی کیونکہ سیرت کی اس کتاب کا ماخذ قرآن ہے۔ ام الا کتاب! غرض صاحبِ اسلوب طرز انشا پرداز تھے۔ اس ایک شخصیت میں بے شمار صفات یکجا ہو گئی تھیں۔ علوم ظاہری کی تحصیل میں بظاہر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے '' ایم۔اے'' کیا تھا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فُٹ بال بھی کھیلا تھا مگر مبدء فیض سے انہیں دانش اور علم وحکمت کے خزانے عطاء ہوئے تھے۔ چہرے پر وہ تمکنت اور دبدبہ کہ ان کے سامنے بڑے بڑوں کے زہرے آب ہوں مگر طبیعت میں وہ فروتنی اور گفتگو میں وہ عاجزی اور اپنائیت کہ ان سے ہم کلام ہونے والے کو اجنبیت کا ذرا سا بھی احساس نہ ہو۔ جس بستی میں رہتے تھے اس کے مالکوں میں سے تھے مگر ان کی وضع قطع۔ چال ڈھال سے بالکل محسوس نہیں ہوتا تھا کہ کون ہیں۔ ایک وضع داری البتہ ہم نے دیکھی کہ سرخ رومال گلے میں لپیٹتے تھے۔ کوٹ ہے تو کوٹ کی جیب میں سرخ رومال موجود ہے۔ یہ سرخ رومال۔ ٹوپی کے ساتھ بھی ہم نے دیکھا۔ پگڑی کے ساتھ بھی ہم نے دیکھا۔ یہ رومال ان کے لباس کا جزو لاینفک تھا۔ اس کی لم ہمیں معلوم ہے نہ ہمیں ہمت ہوئی کہ ان سے پوچھ لیتے۔

تقسیم سے قبل ہم نے انہیں دور سے دیکھا تھا۔ سٹیج کے آدمی نہیں تھے۔ ان کا میدان قلم تھا۔ کتابیں البتہ ان کی اس وقت دیکھی تھیں۔ تقسیم کے بعد ہم جس بستی میں اٹھ آئے وہاں یہ وجود باوجود بھی موجود تھا۔ اب پگڑی اوڑھتے تھے۔ پھر ہماری خوش نصیبی کہ ہمیں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ پہلے روز کام پر حاضر ہوئے تو سرسری طور پر ہمارے مشاغل کے بارہ میں پوچھا۔ جب ہم نے بتایا کہ لکھنے کا شوق ہے تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اپنے مضامین ہمیں امتحان کے طور پر لکھوائے اور پھر پڑھوا کر سنے۔ اس طرح ہمیں دہرا فائدہ ہوُا۔ لکھنے میں قلم رواں ہو گیا اور پڑھنے میں الفاظ کے لہجہ کی پہچان کا سلیقہ آ گیا۔ ان کا اپنا یہ عالم تھا کہ جب تک کسی لفظ کے مفاہیم ومطالب کے بارہ میں پورا یقین نہ ہوتا وہ لفظ استعمال نہ کرتے۔ کئی بار ایسا ہوُا کہ شہر کے ایک زبان دان عالم کے پاس ہمیں بھیجا کہ ان سے پوچھ کر آؤ کہ فلاں لفظ کن معانی میں مستعمل ہے؟ استفسار بھی ہمیں سے لکھواتے اور اُدھر وہ معمر بزرگ زبان دان جو امیر مینائی کے شاگرد تھے، اپنا جواب بھی ہمیں لکھواتے۔ اس طرح دو بزرگوں کی ادبی خط وکتابت سے ہمیں فائدہ پہنچتا۔ لکھنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ فرماتے تھے جو لفظ جس طرح چھپ جاتا ہے وہ آئندہ نسلوں کے لئے سند بن جاتا ہے۔ بعد میں کوئی تحقیق نہیں کرتا کہ لکھنے والے نے کس سیاق وسباق میں یا قرینہ میں وہ لفظ استعمال کیا تھا۔ ہمیں اپنی بعد کی زندگی میں اس نکتہ نے بہت فائدہ دیا۔

پھر یہ بات بھی ہم نے اسی بزرگ سے سیکھی کہ جس لفظ کے بارہ میں ذرا سا بھی شبہ ہو فوراً لغت دیکھو- جب تک اس کے معین معانی کے باب میں یقین نہ ہو وہ لفظ استعمال نہ کرو- ہم اس بات پر حتیٰ الوسع عمل کرتے رہے- ہمارے طلباء اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ کلاس میں بھی اگر کسی لفظ کے معانی کے بارہ میں ہمیں شبہ ہؤا تو ہم نے اپنے بچوں سے برملا کہہ دیا کہ ہمیں اس لفظ کے معانی کے بارہ میں وثوق نہیں- لغت دیکھنے کے بعد دوبارہ اس لفظ کے بارہ میں بتائیں گے- یہ احتیاط ہم نے انہی بزرگ سے سیکھی اور یہ ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ قلم پکڑنے کا حوصلہ کر لیتے ہیں- ان کی طبیعت میں احتیاط اور غنا دونوں چیزیں بدرجہء اتم موجود تھیں- یہی دو صفات ہیں جو انسان کو درویش بناتی ہیں- اسی لئے قیام پاکستان کے بعد انہیں درویشوں کے کام کی نگرانی سونپی گئی- ان ۳۱۳ درویشوں کے کام کی نگرانی جو ہماری بستی میں اپنے مرشد کے در پر دھونی رما کر بیٹھ گئے تھے- ان درویشوں کے اہل وعیال، ماں باپ، عزیز واقارب پاکستان میں تھے- وہاں وہ لوگ بتیس دانتوں میں زبان کی طرح بیٹھے تھے مجبور اور محصور- ہم نے اس بزرگ کو دیکھا کہ دن رات ان کے غم میں گھل رہے ہیں- اگر وہ درویش حالتِ خوف میں تھے تو یہاں ان کے مفادات کا نگہبان بھی حالتِ امن میں نہیں تھا- اگر درویشوں کے کسی عزیز کے بارہ میں فلاں تکلیف درپیش ہے تو جب تک اس کے ازالہ کے لئے پوری پیش بندی نہ کر لیتے انہیں کسی پل چین نہ پڑتا-

ہجرت کے بعد سب لوگ ہی مہاجرت کے مصائب کا شکار تھے- ہر خاندان مصائب کا مقابلہ کرتا تھا مگر یہ بزرگ تو تین سو تیرہ خاندانوں کے مسائل کا سامنا کر رہے تھے- جب ہم نے اُن کے ساتھ خدمت شروع کی اس وقت ہجرت پر کافی عرصہ گذر چکا تھا- مصائب کی شدت کم ہوگئی تھی مگر اس بوجھ نے ان کی صحت پر بڑا بُرا اثر ڈالا تھا- ان کے لکھنے کے مشاغل میں فرق آ گیا تھا مگر اس کے باوجود اتنا لکھتے پڑھتے تھے کہ ہم نوجوانوں کو رشک آتا تھا- بھلا کوئی شخص اپنے ہر فارغ لمحہ کو کتاب کے مطالعہ میں صرف کر سکتا ہے؟ یہ بزرگ کرتے تھے- اگر پڑھ نہیں رہے ہوتے تھے تو لکھ رہے ہوتے تھے- یہ تو ہماری خوش نصیبی تھی کہ آپؓ نے کچھ مضامین ہمیں لکھوائے ورنہ ان کا کام تو کئی جلدوں پر محیط ہے-

ان کے گھر میں ہمیشہ دو تین یتیم اور بے آسرا بچے پرورش پاتے تھے- یہ انہیں اپنے بچوں کی طرح پالتے پوستے اور ان کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھتے تھے- غریب پروری ان کا شیوہ تھا- شہر کے بیمار، نادار، یتامیٰ، مساکین ضرورت کے وقت انہی کی طرف دوڑتے تھے اور مایوس نہیں لوٹتے تھے- اس بات کا تجربہ ہمیں اس وقت ہؤا جب ہم ان کے ساتھ خدمت کر رہے تھے- ایسے سفید پوش، جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے تھے، مشکل وقت میں ان کے پاس آتے اور یہ بزرگ ان کی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھتے ہوئے ان کی دستگیری کرتے- ان میں سے کئی لوگوں کی اولادوں کو ہم جانتے ہیں کہ ماشاءاللہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں- اس نیکی کے اخفاء میں انہیں اس قدر غلو تھا کہ کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہونے پائی تھی- ہم تو اسی کام پر مامور تھے کہ رقوم کا ریکارڈ رکھیں- اس لئے ہمیں پتہ چل جاتا تھا مگر ہدایت یہ تھی کہ بھول کر بھی کسی ضرورت مند محتاج کا نام زبان پر نہ آنے پائے- حساب میں اتنے محتاط کہ ایک بار پانچ روپے کی ایک رقم کا دوبار اندراج ہوگیا تو اس پر باقاعدہ ایک کمیشن بٹھا کر تحقیقات کروائی کہ ایسا کیوں ہؤا ؟

علو مرتبت کے باوجود عالم یہ تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے- لوگوں کے کاندھوں کے اوپر سے پھلانگ کر جانا انہیں بہت کھلتا تھا- مرشد قصبہ میں موجود نہ ہوتے- انہیں امارت سونپ کر جاتے مگر یہ خطبوں کے لئے یا نمازوں کی امامت کے لئے دوسرے علما کو نامزد کر دیتے- اپنی جائے نماز ساتھ رکھتے- جہاں جگہ مل گئی، مصلیٰ بچھا لیتے اور بیٹھ جاتے- خطبہ کو غور سے سنتے- نمازیں توجہ سے پڑھتے- لوگ باگ لپک لپک کر ان سے مصافحہ کرتے اور دعائیں دیتے جاتے مگر مصافحہ کے لئے رکتے نہیں تھے- چلتے چلتے ہاتھ ملاتے اور لوگ ان کے ہاتھ کے لمس کو ہی بہت

جانتے تھے۔نمود سے بہت گھبراتے تھے۔ جمعہ کا دن بظاہر چھٹی کا سمجھا جاتا تھا مگر یہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنا کام لے بیٹھتے۔ دفتر کی ڈاک دیکھتے۔تصنیف کا کوئی کام ہوتا تو اس میں مصروف ہوجاتے۔غرض ان کی زندگی کام سے عبارت تھی۔

گرمیوں کے موسم میں ہماری اس نئی بستی کے کالے ننگے پہاڑ بھٹی کی طرح تپنے لگتے۔ان کے گھر کا رخ ایسا تھا کہ دھوپ سیدھی ان کے برآمدہ میں اترتی تھی۔اس پر چقیں ڈال دیتے مگر اس سے روشنی تو رک جاتی، تمازت کہاں رکتی؟ اس لئے اپنے کمرہ میں پانی کا ٹب رکھوا لیتے۔اس ٹب میں برف کا ایک ڈلا تیرتا رہتا۔اوپر بجلی کا سقفی پنکھا ہلکی رفتار سے چلتا رہتا۔اس طرح کچھ سکون آجاتا مگر گرمی کی حدت الامان والحفیظ! اب ہم انیسؔ کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ؎ ''بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر'' مگر پہلے مصرعہ کے ہم عینی گواہی دے سکتے ہیں کہ ؎ ''گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر'' مگر اس اضطراب کے باوجود ان کا کام جاری رہتا۔ایک بار ہم نے گرمی کا شکوہ کیا تو فرمایا ''میاں! ہمارے مرشد نے اس زمانہ میں اسی (۸۰) تصنیفات مکمل کی تھیں جب بجلی تو دور کی بات ہے، گرمی سے بچاؤ کے دوسرے مروجہ سامان بھی میسر نہ تھے۔اس لئے ہمیں شکوہ کرنا زیب نہیں دیتا۔ہمیں تو سقفی پنکھا، برف اور چقیں میسر ہیں۔ہمارے مرشد تو ہاتھ سے پنکھا جھلا کرتے تھے۔اتنا کہتے کہتے آواز گلوگیر ہوگئی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اسی کمرہ میں ان کے بڑے بیٹے نے جو بہت بڑے سرکاری افسر تھے۔اپنے ابا کی آسائش کے لئے ایئر کنڈیشنر لگوادیا۔کام میں انہماک اسی طرح جاری رہا نہیں کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں نیند کے جھونکے آنے لگے ہوں۔وہ آسائش بھی ان کی زندگی میں انہیں ان کے کام میں سہولت میسر کرنے کا باعث بنی۔جب بھی ایئر کنڈیشنڈ چلاتے، اپنے بیٹے کو دعائیں دیتے حالانکہ ایک بیٹے کی طرف سے ایک باپ کو حقیر ساتحفہ تھا مگر باپ بیٹے کو اس کا حق دینا نہیں بھولتا تھا۔

انہی کے عمر کے ایک بزرگ ہم عصر تھے۔ان کے بیٹے نے ایک حقیر سی رقم باہر کے ملک سے اپنے باپ کی خدمت میں بھیجی۔ہم ان کے ارشاد پر ذاتی طور پر وہ نذرانہ لے کر اس بزرگ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے گئے۔اس بزرگ کا جو عالم ہوا وہ ہمیں نہیں بھولتا۔دعا کے لئے ہاتھ اٹھالئے اور اپنے بیٹے کے لئے دعائیں کرنے لگے۔اتنی دعائیں دیں کہ ہم حیرت سے سوچتے رہے کہ ایسی کون سی انہونی بات ہوگئی ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو اتنی دعائیں دے رہا ہے؟ اور رقم بھی کون سی ایسی بڑی رقم تھی؟ مگر بعد کو اسی بزرگ نے بتایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ اس نے بیٹے کے دل میں باپ کی خدمت کرنے کی تحریک پیدا کی۔کیسے شکر گزار لوگ تھے اور اللہ کی نعمتوں کا کیسے کیسے طریق سے شکر ادا کرتے تھے۔اسی لئے تو اللہ کا سلوک بھی ان لوگوں کے ساتھ ایسا ہی تھا۔وہ جو ارشاد ہے کہ جو اللہ کے بندوں کا شکر گزار نہیں بنتا وہ اللہ کا شکر گزار کیسے ہوسکتا ہے؟ اس روز اس کی معنویت سمجھ میں آئی۔بزرگوں کی صحبت میں رہنے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان حکمت کی نئی نئی باتیں سیکھتا رہتا ہے۔ہم نے اس بزرگ کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ سیکھا۔

ایک عجیب بات ہم نے ان کے بارہ میں پڑھی۔ان کے خسر ان کے ہم عقیدہ نہیں تھے۔ان کے ہاں آکر رہتے تو یہ کبھی ان سے عقیدہ کے بارہ میں گفتگو نہ کرتے۔پھر انہیں بھی ان کے مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی توفیق مل گئی۔ان کا کہنا تھا کہ میں نے بھول کر بھی کبھی ان سے تبدیلئ عقیدہ کا نہیں کہا تھا۔وہ میرے اور میرے گھر والوں کے عمل کو دیکھتے رہے۔جب انہیں یقین ہوگیا کہ عقیدہ کے اختلاف کے باوجود ہم ان کا پورا احترام روا رکھتے ہیں تو وہ ہمارے مرشد کے زمرۂ اطاعت میں آگئے۔ان کی طبیعت کی اس صفت کا اندازہ ہمیں اس دور میں بھی ہوا کہ ان کے گورنمنٹ کالج کے زمانہ کے دوست اور ساتھی جو اُن کے ہم عقیدہ نہیں تھے انہیں ملنے کو آتے تو اکرام ضیف کے طور پر ان کی خوب خدمت کرتے مگر بھول کر بھی عقیدہ کا ذکر

درمیان میں نہ لاتے - مبادا مہمان یہ سمجھیں کہ اکرام ضیف میں کوئی غرض شامل ہے-

اختلاف عقائد کے باوجود حقدار کو اس کا حق دینا جانتے تھے-حمید نظامی ایڈیٹر ''نوائے وقت'' کا انتقال ہؤا تو ان کی حق گوئی اور بیبا کی کے بارہ میں اک زوردار شذرہ اخبار میں لکھ کر شائع کروایا- پروفیسر حمید احمد خان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ملنے کو تشریف لائے تو کسی نے تعارف کروایا کہ یہ مولانا ظفر علی خان کے چھوٹے بھائی ہیں تو لپک کر ان کا ہاتھ دوبارہ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا پھر تو آپ سے ہمارا دوہرا رشتہ ہے! اور یہ دوہرا رشتہ اس لئے کہ ظفر علی خان ان کے مسلک کے مخالف تھے- یہ بزرگ لوگ اپنی مثال آپ تھے- ان کی زندگیاں ہزاروں لوگوں کے لئے مشعل راہ تھیں- لوگ ان کا نمونہ دیکھ کر اپنی زندگی کی ڈگر بدل لیتے تھے- یہ اس زمانہ کے صوفیاء تھے جو دنیا میں رہ کر بھی دنیا میں ملوث نہیں ہوتے تھے- وہ جو کسی نے کہا ہے کہ:-

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
نیز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کہ '' عین دریا کی گہرائی کے درمیان تختہ بند کر کے چھوڑ دیا ہے اور اب کہتے ہو کہ ہوشیار! دامن تر نہ ہونے پائے''- یہ انہی ہوشیار لوگوں میں سے تھے جن کا دامن دنیا میں رہنے کے باوجود، آلودہ نہیں ہوتا اور ہماری خوش نصیبی کہ ہمیں ان کے ساتھ کچھ دیر کام کرنے اور ان کی خدمت کرنے کا موقعہ میسر آیا- اس بات پر ہم جتنا بھی ناز کریں کم ہے-(ہفت روزہ ''لاہور'' ۱۶/مارچ ۲۰۰۲ء)

(نوٹ:- اس فرشتہ سیرت صوفی کا نام نامی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے- ناقل)

☆

مکرم مولانا منیرالدین شمس صاحب

ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن ۔ برطانیہ

مکرم مقصود احمد صاحب جنہیں سب ربوہ میں ’’ سُودے ‘‘ کے نام سے جانتے تھے، نے بار بار خاکسار کو توجہ دلائی کہ خاکسار چند حروف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں لکھے۔ ہم بہت چھوٹے ہوتے تھے جب حضرت میاں صاحب مسجد مبارک کے پاس اپنی کوٹھی میں رہا کرتے تھے۔ اُن دنوں ربوہ میں جن بہت کم گھروں میں ٹیلیفون کی سہولت ہوتی تھی، ان میں حضرت میاں صاحبؓ کا گھر بھی تھا۔ آپؓ چونکہ فطرتاً ہمدرد انسان تھے اس لئے اگر کسی کو ضرورت پڑتی تو وہ آپؓ کے پاس ہونے والی اس سہولت سے فائدہ اٹھایا کرتا تھا اور آپ بڑی بشاشت قلبی کے ساتھ اس کی اجازت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں چھوٹا سا تھا کہ ایک مرتبہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں جماعتی دورہ پر گئے ہوئے تھے تو انہوں نے حضرت میاں صاحبؓ کے گھر فون کیا تھا تو آپ نے ہماری امی جان کو بھی ہمارے گھر سے بلوا بھیجا اور ساتھ میں بھی گیا اور ابا جان سے فون پر بات کی تھی۔ اس موقع پر مجھے یہ بھی یاد ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ بڑے پیار کے ساتھ مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ جس کا نقشہ آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو بہت خوش شکل بنایا تھا۔ آپ کی شخصیت بہت رعب والی تھی اور اس پر سفید داڑھی بہت اچھی لگتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ ہر وقت چہرہ پر نور برس رہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ چلتے پھرتے فرشتہ تھے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

آپؓ ہر ایک سے خواہ وہ چھوٹا ہوتا یا بڑا، بہت پیار اور محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ ہمارے ابا جان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ کا بہت پیار اور اخلاص کا تعلق تھا۔ ہماری والدہ محترمہ اور ابا جان بھی ہمیشہ دیگر بزرگوں سمیت ہمیں حضرت میاں صاحبؓ سے مصافحہ کرنے اور دعا کی درخواست کرتے رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اگرچہ میں ۹، ۱۰ (نو دس) سال کا تھا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت میاں صاحبؓ بہت باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت کے لئے مسجد مبارک تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہم چونکہ بچے تھے ہمیں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ میاں صاحبؓ نماز شروع ہونے سے چند منٹ پہلے مسجد جایا کرتے تھے۔ اس لئے میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ میں بھی اس وقت مسجد جاؤں۔ چنانچہ اکثر حضرت میاں صاحب سے مسجد مبارک جاتے ہوئے مصافحہ کرنے اور درخواست دعا کرنے کی توفیق اور سعادت ملا کرتی تھی۔ آپؓ خوشبو کے بہت شوقین تھے اور مسجد جاتے ہوئے عمدہ خوشبو استعمال کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ جاتے جاتے راستہ میں بھی خوشبو ہاتھوں کو لگایا کرتے تھے چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جب میں مصافحہ کیا کرتا تھا تو بہت دیر تک اپنے ہاتھوں سے اُس خوشبو اور برکت سے محظوظ ہوُا کرتا تھا۔ ہم بچے آپؓ سے بار بار مصافحہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور آپؓ ہمیشہ نظریں نیچی رکھے مسجد کی طرف رواں دواں مصافحہ کرتے جاتے لیکن کبھی بھی نہ تنگ آتے اور نہ ہمیں جھڑکتے کہ کیوں بار بار مصافحہ کرکے تنگ کرتے ہو۔ اس کے بعد حضرت میاں صاحبؓ اپنی نئی کوٹھی میں چلے گئے تو تب بھی کبھی کبھار مجھے آپؓ سے مصافحہ کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کا موقع ملتا رہا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

مکرم مقصود صاحب کی مرتب کردہ کتاب ’’ انوارِبشیرؓ ‘‘ میں نے لفظاً لفظاً پڑھی ہے اور اسے پڑھ کر حقیقت میں حضرت میاں صاحبؓ کے اعلیٰ کردار کا پتہ چلتا ہے۔ وہ واقعی فرشتہ سیرت انسان تھے۔ ایک حسرت ہے کہ اے کاش اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپؓ کی خوبیوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ جماعت میں آپؓ کے ایک نہیں بلکہ بیسیوں جانشین پیدا فرماتا رہے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ حضرت میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور قیامت کے روز ہمیں بھی آپؓ کے ساتھ اُن بندوں میں شامل فرمائے جو اُس کے چنیدہ اور برگزیدہ ہوں۔ آمین یارب العالمین۔ اللہ کرے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ہم میں سے ہر ایک کو حضرت میاں صاحبؓ کی خوبیوں کو اپنانے کی توفیق عطا ہو۔ آمین۔ (مکتوبات نسیم۔ ۶؍مئی ۲۰۰۷ء)

☆

مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب

امریکہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم انسان تھے۔ ایسے وجود شائد ہزاروں برس کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ حساس تھے، مہربان تھے، نہایت محتاط تھے، بیمثل امین تھے اور ہر طرح کی ذمہ داری اور نیکی کی باریک ترین راہوں پر چلنے والے تھے۔ کوئی شخص بھی جو ان کو ملتا وہ ان سے اچھے رنگ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ ایک پیاری یاد اور پھر ملنے کی تمنا لے کر جدا ہوتا تھا۔ حضرت ابا جانؓ نہایت دانشمند مشیر تھے اور اپنے بڑے اور عظیم المرتبت بھائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دست راست اور مشیر خاص تھے۔ دُور دُور سے اپنے اور پرائے آپؓ کی صائب رائے سے مستفید ہونے کے لئے آپؓ کے در پر حاضری دیتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے بچے ان کے پاس عموں صاحب۔ عموں صاحب پکارتے ہوئے آتے اور اپنی ذاتی باتیں ان سے کھل کر کر لیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کے دائیں کان نے وہ بات سنی ہے تو ان کے بائیں کان کو خبر تک نہ ہوگی۔ کوئی خوبی بھی تو ایسی نہیں ہے کہ جس کا مجھے علم ہو اور وہ حضرت ابا جانؓ میں بدرجہ اتم موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابا جانؓ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے کہ جس کا ان سے وعدہ تھا اور ان کو اپنے پیارے مقدس باپ اور ماں کے ساتھ اپنے پیارے نبی ﷺ کے قرب میں تا ابد خوش و خرم رکھے اور ان کے صدقے مجھ گنہگار و غریب و بے بس و ناچار کو بھی بخش دے۔ آمین

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے منجھلے بیٹے تھے۔ میں ان کی دوسری صاحبزادی امتہ الحمید بیگم صاحبہ کا بڑا بیٹا ہوں۔ ہم سب نواسے نواسیاں۔ پوتے پوتیاں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو نہایت پیار اور احترام سے ابا جان کہہ کر بلاتے تھے۔ ابا جان کو بچوں سے بہت محبت تھی اور بچے بھی ان کے دیوانے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ابھی سکول میں تھا اور ابا جان کے ساتھ ربوہ میں کچے مکانوں میں رہتا تھا۔ اس وقت تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ابھی لاہور رتن باغ میں ہی مقیم تھے۔ حضورؓ نے ابا جان کو ربوہ آباد کرنے کے لئے پہلے بھیج دیا تھا اور اماںؓ (بیگم حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اور سب بچے ابھی لاہور میں ہی رہتے تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کیوں مجھے سنٹرل ماڈل سکول

لاہور سے اٹھا کرا کیلے اباجان کے پاس رہنے کے لئے اس غیر آباد مقام میں بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں نہ پانی نہ سایہ۔سایہ دار درخت تو کیا وہاں گھاس کا ایک تنکا تک دیکھنے کونصیب نہ ہوتا تھا۔اس وقت میری عمر بارہ یا تیرہ برس کی ہوگی۔آج اٹھاون (۵۸) سال گزر جانے پر میں ان دنوں کوحسرت سے یاد کرتا ہوں۔جوسکون اباجان کے ساتھ تقریباً ایک سال اکیلے رہنے کے دوران ملا وہ پیارا وقت خوش بختی سے اب میری زندگی کا اساسہ ہے۔

ایک دفعہ اباجان نے مجھے بتایا کہ ایک رمضان کی رات تہجد کے بعد آپ نے روزہ رکھا۔پھر فجر کی نماز کے لئے چلے گئے۔واپس آکر آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان آیات کو پڑھا کہ جن میں آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔اباجان ہمیشہ اپنے ساتھ ایک ریشمی سرخ رومال رکھتے تھے جو کہ آپ کی ایک پیاری پہچان تھی۔آپ نے اپنی نمناک آنکھوں کورومال سے پونچھتے ہوئے فرمایا کہ میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے لرز گیا اور میں نے نہایت اضطراب میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ میرا کیا انجام ہوگا اور دیر تک خوف کی حالت میں سسکیاں لیتا رہا۔جب طبیعت سنبھلی تو دوبارہ تلاوت قرآن کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کے دونوں صفحات بالکل سفید اور ان پر کچھ بھی نہ تھا اور عین درمیان میں موٹے قلم سے لکھا تھا ''بغیر حساب''۔حضرت اباجان فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اس مہربان کشفی سلوک سے میری روح تشکر کے جذبات سے لبریز ہو کر اس کے آستانے پر پگھل گئی اور تادیر رب العزت کے سامنے روتا رہا۔خاکسار جوخوش بختی سے ان ساتھ تادیر بہت قریب رہا بلاتوقف پورے یقین سے کہہ سکتا ہے کہ لاریب حضرت اباجان ایسے ہی پاک انسان تھے کہ اللہ ان پر اپنے کرم اور پیار کا ہاتھ رکھتا اور ان کے اضطراب کو اتنی جلد اتنے پیارے انداز میں دُور کردیتا۔سبحان اللہ

اباجان کا بہت پیارا رعب تھا حالانکہ مجھے کبھی بھی ان کا ڈانٹ ڈپٹ کرنا یادنہیں ہے اور پھر اباجان کے سمجھانے کا انداز بے حد انوکھا اور اثر انگیز ہوتا تھا۔ربوہ میں جب نئی نئی آبادی شروع ہوئی اور میرے ابا نواب محمد احمد خان صاحب ابن حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ دختر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پہلی پکی کوٹھی ربوہ میں بنوائی تو اس وقت تک ابھی ربوہ میں بجلی نہیں آئی تھی اور ہم مٹی کے تیل کے لیمپوں سے راتوں کو روشن کرتے تھے۔دارالصدر غربی میں ربوہ کی بڑی شاہراہ پر پہلے پانی کے پمپ کے قریب ہماری کوٹھی تھی اور حضرت اباجان ہمارے ہمسائے تھے۔ان دنوں ہمارے گھر میں سویڈن کا بناہوا الیکٹرولکس کمپنی کا مٹی کے تیل سے چلنے والا ریفریجیریٹر ہوتا تھا جس میں ہم ٹھنڈا پانی رکھتے تھے اور خربوزے اور دودھ وغیرہ اشیا خوردنی رکھی جاتی تھیں۔حضرت اباجان کے گھر میں ابھی ریفریجریٹر نہیں آیا تھا اور اباجان کے واسطے میری امی دوپہر اور رات کے کھانے کے وقت فرج کا ٹھنڈا پانی لے جایا کرتی تھیں۔اباجان اور ان کے بچوں میں ایک عجیب بات چیت کا طریق تھا کہ حضرت اباجان اپنے بچوں (میری والدہ وغیرہ) سے ہمیشہ اردو زبان میں مخاطب ہوتے تھے اور ان کے بچے ان کو پنجابی میں جواب دیتے تھے۔حالانکہ میری نانی بھی اردو سے آشنا تھیں۔نامعلوم یہ پیارا انداز گفتگو کیسے شروع ہوا۔؟ پھر ایسا ہوا کہ ربوہ میں بجلی آگئی اور حضرت اباجان کے گھر میں ایک نیا فرج بھی آگیا۔اُف اس نئے فرج کا آنا میں کبھی نہیں بھول سکتا۔اباجان بجلی کی اپلائینسیز کے معاملہ میں بہت محتاط تھے اور ہمیشہ تلاش کر کے ماہر آدمی سے اس کا استعمال شروع کرواتے تھے اور بہت مشورہ کرتے تھے۔اس نئی چیز کے آنے پر بھی کافی گہما گہمی تھی۔ہم سب اباجان کے بچے اور نواسے نواسیاں اور پوتے پوتیاں روزانہ شام کوضرور ہی اباجان کے گھر جاتے تھے اور امی اور ہم بچے چونکہ اباجان کے قریب ترین ہمسائے تھے تو ہر وقت کا آنا جانا تھا۔

ایک دن ہم شام کو اباجان کے گھر گئے۔گرمیوں کے دن تھے کہ اباجان نے امی سے اردو میں پوچھا: امتہ الحمید تم ٹھنڈے پانی کو مزیدار رکھنے کا کیا انتظام کرتی ہو؟ ہمارے ہاں ایک مسئلہ ہے اس کا حل بتاؤ۔مجھے ٹھنڈا پانی مرغوب ہے اور تمہاری اماں کو ٹھنڈے خربوزے بہت پسند ہیں مگر جب پانی

اور خربوزے یکجا فرج میں رکھے ہوں تو خربوزے کی ہمک پانی میں آجاتی ہے جو میرا سارا مزہ خراب کر دیتی ہے۔تم اس مشکل کو کیسے حل کرتی ہو؟ ان دنوں کباڑیئے پھیری لگا کر شیشے کی پرانی بوتلیں خریدا اور بیچا کرتے تھے اور ہفتہ دو ہفتہ کے بعد آوازہ کستے کہ پرانی بوتلوں کا سودا کر لو۔اب چونکہ ہر چیز وافر دستیاب ہے تو نئی نسل اس رواج کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔میری امی نے حسب دستور پنجابی میں جواب دیا کہ ابا جان میں تو کباڑیوں سے ایسی پرانی بوتلیں خرید لیتی ہوں جن پر کارک لگا ہؤا ہوتا ہے جو تاروں کے ذریعہ بوتل کے مونہہ کو بالکل سیل بند کر دیتا ہے۔جس سے بوتل کے اندر باہر کی کوئی خوشبو اثر نہیں کرتی۔اس پر حضرت ابا جان نے اردو میں کہا: مگر امتہ الحمید میں نے تو سنا ہے کہ یہ کارک والی بوتلیں شراب کی استعمال شدہ پرانی بوتلیں ہوتی ہیں۔اس پر امی نے پھر پنجابی میں جواب دیا کہ ابا جان یہ درست ہے کہ یہ کباڑیئے شراب کی پرانی استعمال شدہ بوتلیں بیچتے ہیں۔گو کہ آنحضرت ﷺ کا پہلا حکم ممانعت کے وقت شراب بنانے کے آلات اور شراب کو محفوظ رکھنے اور پینے کے برتنوں کو توڑ دینے کا تھا مگر پھر غریب مسلمانوں کی تکلیف اور ضرورت اور سہولت کو خیال فرما کر آنحضور ﷺ نے دوسرا حکم صادر فرمایا تھا کہ پرانے شراب کے برتنوں کو دھو کر پاک کر کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔اس پر ابا جان لمحہ بھر خاموش رہے مگر چہرے پر سنجیدگی تھی اور اردو میں فرمایا: امتہ الحمید تم آنحضرت ﷺ کا دوسرا حکم مانو۔میں تو بہر حال پہلا حکم ہی مانوں گا۔اس جواب میں ابا جان کا انتہائی احتیاط کا پہلو صاف دکھائی دیتا ہے۔گویا سمجھایا کہ ہم پر ایسی غربت نہیں ہے کہ شراب کے برتنوں کو دھو کر پاک کر کے استعمال کر لیں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے کے لئے کسی صورت میں مناسب نہیں کہ وہ اس چھوٹ کا فائدہ اٹھائے اور کوئی انگلی اٹھائے کہ حضرت اقدس کے گھر میں شراب کی خالی پاک شدہ بوتل ہی کیوں نہ ہو وہ دیکھی گئی۔ایسی غیرت تھی ابا جان کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی۔

ایک دفعہ ابا جان کے ایک GRANDSON نے جو اس وقت دس سال کا ہوگا ابا جان سے پانچ روپے قرض مانگے۔ابا جان نے اس سے پوچھا کہ یہ قرض کب واپس کرو گے۔اس نے اغلباً یہ جواب دیا کہ دو ماہ میں واپس کر دوں گا۔اس پر ابا جان نے پوچھا کہ تمہارا ذریعہ آمدنی تو ہے نہیں تو پھر کیسے واپس کرو گے؟ بچے نے ذرا رنجش سے کہا کہ مجھے جیب خرچ ملتی ہے اور پھر عید بھی آنے والی ہے۔عیدی ملے گی تو اس میں سے ادائیگی کر دوں گا۔ابا جان نے فرمایا مگر یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ لوگ عیدی دیں اور پھر تمہارے ابا کسی وقت بھی جیب خرچ بند کر سکتے ہیں۔اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں قرض واپس کرنے کی استطاعت ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس غیر یقینی صورت حال میں تم وقت پر رقم کی واپسی کا انتظام کر سکو۔اس لئے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم ایسے حالات میں قرض مانگو۔اس پر وہ لڑکا جز بز ہؤا اور زیر لب بولا کہ قرض تو دینا نہیں چاہتے اور مجھے اتنا کچھ سنا دیا اور پھر نالاں سا ہو کر نہایت مایوسی میں اپنے گھر چلا آیا۔کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ابا جان کا نہایت وفادار ملازم جس کا نام بشیر احمد تھا خراماں خراماں اس GRANDSON کے گھر آتا ہؤا نظر آیا اور آتے ہی بچے کی ماں سے کہا کہ میاں صاحب نے بچے کو بلایا ہے۔اس عرصہ میں وہ بچہ بھی سنبھل چکا تھا اور ابا جان کی ناراضگی کے خیال سے پریشان تھا۔وہ ڈرتا ڈرتا ملازم بشیر کے ساتھ ہولیا۔جب ابا جان کی خدمت میں حاضر ہؤا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ ہے جو ابا جان نے اس بچے کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ پانچ روپے میری طرف سے تمہیں تحفہ ہیں۔میں تمہیں قرض نہیں دے سکتا تھا کیونکہ قرض مقررہ معیاد میں واپس کرنا ہوتا ہے جو تم نہیں کر سکتے۔اس طرح ایک نہایت ہی مؤثر انداز میں بچے کو ایک پائیدار سبق سکھلا دیا۔میں ذاتی طور پر گواہ ہوں کہ اول تو اس بچے نے تمام عمر قرض لینے سے اجتناب کیا اور اگر کبھی شدید ضرورت کے تحت قرض لیا بھی تو عین معیاد کے اندر واپس کر دیا۔

واقعات تو بہت سے ہیں اور بے شمار پیاری باتیں بھی مگر میں ان دنوں شدید بیمار ہوں اور ابھی ابھی SPINALK SERGERY سے فارغ ہؤا

ہوں جس کی وجہ سے تادیر بیٹھ کر ٹائپ نہیں کرسکتا۔اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ہاں اس بات کا بھی ذکر کردوں کہ میری شادی محترم خان بہادر ناظر صاحب کی دختر نیک اختر شمیم ناظر صاحبہ سے ہوئی۔ناظر صاحب پارٹیشن سے پہلے کشمیر کے گورنر تھے اور مولانا حالی کے خاص شاگرد اور ہندوستان کے درجہ اول کے شعراء میں سے تھے۔ان کا تخلص دیوانہ تھا۔ان کی مشہور زمانہ نظم ''جوگی'' ہائی سکول کے کورس میں شامل تھی اور نہایت مقبول عام تھی۔حضرت اباجان میری بیوی شمیم سے خصوصی طور پر ان کی علمیت تعلیم اور ذہانت کی وجہ سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کی دلجوئی کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ نو احمدی تھیں اس لئے اباجان کو ان کی راہنمائی کا بہت لگن سے خیال رہتا تھا اسی لئے انہوں نے خاص طور پر ذاتی رنگ میں ان کے ساتھ تعلق رکھا۔شمیم بیگم ماشاءاللہ بہت مخلص احمدی ہیں اور ان کو کئی برس تک فلوریڈا امریکہ کی لجنہ اماءاللہ کی صدر ہونے کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے اور وہ اب بھی اپنے اس وقت خوش بخت کو یاد کرتی ہیں کہ جب حضرت اباجان کی خدمت اور ان کی راہنمائی کا موقع ملا۔حضرت اباجان نے ان کو بے شمار نصائح سے بھر پور خطوط تحریر فرمائے جو کہ ان کا سرمایہ حیات ہیں۔

☆

یادِ رفتگان

اُذکُرُوا موتکُم بِالخَیرِ

''اے لوگو! تم اپنے وفات شدہ احباب کا ذکر ہمیشہ اچھے پیرایہ میں کیا کرو''

معزز قارئین اس کتاب کے ان بقیہ صفحات پر خاکسار خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلسہ عالیہ احمدیہ کے ان معزز بزرگوں کا کچھ ذکر کرنا چاہتا ہے جو کہ اب اس عالم فانی میں نہیں رہے لیکن جن کی جانب سے اس کتاب کے لئے بے لوث دعاؤں اور پُرخلوص جذبات کے علاوہ زبانی کلامی یا تحریری طور پر بھی وافر مقدار میں بہت سا مواد مجھے میسر آیا۔اللہ تعالیٰ ان معزز و محترم احباب کو اعلیٰ سے اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے نیز خاکسار کی جانب سے میرے ان پیارے احباب کے لئے مغفرت کی دعا کی بھی تحریک ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بڑھاتا چلا جائے۔آمین۔جانا تو سب نے ایک دن ہے ہی لیکن ان اصحاب نے اپنے جانے سے پہلے مجھ عاجز پر یہ احسان عظیم کیا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں بعض ایسے ایسے لطیف اور پیارے واقعات مجھ ناچیز کو بغرض تحریر بہم پہنچائے گئے کہ جن کا اس کتاب کی طباعت اور اشاعت سے پہلے شائید صرف چند ایک کو ہی علم ہوگا۔یہ سب کچھ ان معزز بزرگوں کی لاانتہا شفقت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ اس کتاب کی تکمیل میں خاکسار کو بہت سہولت میسر آئی۔اللہ تعالیٰ میرے ان تمام پیاروں کے درجات کو جنت الفردوس میں ہمیشہ بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔آمین اللھم آمین۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کتاب میں ''حیات بشیر'' کے کچھ اقتباسات کے علاوہ بقیہ مضامین خاکسار نے جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کی بعض کتب،اخبارات و رسائل سے اور بعض دنیا بھر کے دوسرے تمام جرائد سے لے کر بھی اپنی اس کتاب میں شامل کئے ہیں لہذا ان مضامین کے آخر

میں ان کتب و اخبارات ورسائل کا نام بمعہ تاریخ اور صفحہ نمبر بھی درج کر دیا گیا ہے تا کہ بعد میں تاریخ وتحقیق کے طلباً کو مضامین ڈھونڈنے میں سہولت رہے۔ان مضامین کے ساتھ ساتھ بعض مضامین سلسلہ عالیہ احمدیہ مسلمہ کے بعض معزز بزرگوں نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہ المعروف حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی بے انتہا عقیدت کے اظہار کے لئے تحریر فرمائے اور پھر اپنے اسی جذبہ محبت واخوت سے مخمور ہو کر از راہ مہربانی خاکسار کو دستی عنایت فرمائے یا بذریعہ ڈاک، بذریعہ فیکس اور بذریعہ e-Mail بھی روانہ فرمائے۔اس لئے میں ان مذکورہ اخبارات ورسائل کے ساتھ ساتھ میں اپنے ان تمام معزز ومحترم دوستوں اور بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے تا ابد ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بابرکت زندگی میں سے چند چیدہ چیدہ واقعات ہمارے سامنے بھی پیش کئے ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور حضرت قمرالانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے لئے مغفرت کی دعا کے ساتھ ساتھ ان تمام بزرگوں اور بھائی بہنوں کے لئے بھی دل سے دعا نکلتی ہے اور دل جذبہ تشکر سے پُر ہو کر اظہار ممنونیت کے لئے شکر یہ بھی ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام معزز بزرگوں کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ جب میں اپنی اس کتاب کا مسودہ لے کر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت میں واشنگٹن امریکہ حاضر ہوا تو آپ نے اس مسودہ کا بغور مطالعہ فرمایا اور پھر از راہ شفقت اپنی قیمتی آراٰ اور نصائح سے بھی نوازہ۔آپ نے خاکسار کے طرز تحریر کو بہت پسند فرمایا کہ یہ اصلوب بیان اردو کی تاریخ میں بالکل انوکھا اور جدید ہے کہ پہلے بیان کردہ مضمون میں سے ہی اگلے مضمون کا عنوان نکال کر کچھ لکھا جاتا ہے کہ جس سے مضمون کی روانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور پڑھنے والے کو ایک روشن کمرہ سے کسی تاریک کمرہ کے اندھیرے میں قدم نہیں رکھنا پڑتا اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والے کی دلچسپی آغاز سے لے کر اختتام تک برقرار رہتی ہے بلکہ اس طرح پڑھنے والے کا تجسس مزید بڑھ جاتا ہے۔میرے لئے آپ کے یہ مبارک الفاظ ایک بہت بڑا تحفہ ہیں۔اس کتاب میں تحریر شدہ حالات وواقعات کے بارہ میں آپ نے اپنے قلم کی نوک سے بہت ہی عمدہ تبدیلیاں فرمائیں جو کہ میرے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔اسی طرح اپنے وفات یافتہ بہن بھائیوں کے مختصر حالات و واقعات کو پڑھ کر بھی آپ نے خاکسار کی بہت تعریف فرمائی اور میرے اس مضمون کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ مختلف مصنفین کو ایسی باریک باتیں ذہن نشین نہیں رہتیں حالانکہ کسی شخص کا تعارف بعض اوقات سیاق وسباق کو واضح کرنے کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے۔اس وقت کسے علم تھا کہ کچھ عرصہ کے اندر اندر خود حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب بھی انہی وفات شدہ معزز ومحترم بزرگوں کی صف میں شامل ہونے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے درجات ہمیشہ بلند فرماتا چلا جائے۔آمین۔لیکن ذاتی طور پر مجھے اپنے ان تمام بزرگوں کی وفات کا بے حد افسوس رہے گا کہ اے کاش! اگر خدا تعالیٰ ان کو مزید لمبی زندگی عطاء فرما دیتا تو آپ سب اس کتاب کو مجلد شکل میں بھی ملاحظہ فرما لیتے لیکن پھر یہ سوچ کر کچھ اطمینان سا ہو جاتا ہے کہ کم از کم آپ نے اس کے مسودہ کو دیکھ تو لیا اور اس کی اصلاح بھی فرما دی۔یہاں حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بہت ہی پیاری نصیحت ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے کہ جس کی بدولت ہمیں جزع فزع کی عادت نہیں۔ فرمایا:۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر (درثمین)

حضرت ابا جان

کی زندگی کے بعض نمایاں شمائل

از حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب

'' میری طبیعت میں ابھی پورا سکون نہیں کہ کچھ زیادہ لکھ سکوں لیکن بعض احباب کی خواہش پر اور پھر اس خیال سے کہ حضرت ابا جانؓ کی آخری بیماری کے حالات جلد تحریر میں آجائیں یہ چند سطور لکھنے بیٹھا ہوں- یہ بھی خیال ہے کہ اس مضمون میں آپؓ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کا بھی کچھ تذکرہ آجائے- ابا جان کی آخری بیماری کا آغاز گزشتہ جون میں ہوا جب ربوہ میں آپ نے نگران بورڈ کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی -طبیعت پہلے سے خراب تھی لیکن آپؓ نے ہمیشہ دین کے کام کو ہر چیز پر ترجیح دی اور مقدم رکھا اور اسی جذبہ سے اس اجلاس میں شرکت کی اور باوجود ناسازیٔ طبع اور کمزوری کے کئی گھنٹے تک اجلاس کو جاری رکھا تا اکٹھا ہوا ہوا کام ختم ہوجائے- اصل میں چند سال ہوئے ابا جان کو HEAT STROKE - ہوگیا تھا اور اس کے بعد ہر موسم گرما میں ربوہ کی شدید گرمی میں یہ تکلیف کسی نہ کسی رنگ میں اُبھر آتی تھی- اس اجلاس میں شرکت کے بعد پھر آپؓ کی طبیعت پوری طرح وفات تک نہ سنبھلی-

جون کے مہینہ میں اکثر ٹیلیفون پر طبیعت پوچھتا رہتا تھا- اس خیال سے کہ مجھے تکلیف نہ ہو یا میرے کام میں رکاوٹ نہ ہو یہی فرماتے کہ: ''طبیعت اچھی تو نہیں لیکن گھبراؤ نہ''- اس کے باوجود احتیاطاً میں نے لاہور سے ڈاکٹروں کو ربوہ جانے کا انتظام کیا- ان EXAMINATION میں پہلی بیماریوں یعنی دل کی تکلیف، ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے علاوہ ڈاکٹروں نے یہ بھی تشخیص کی کہ PROSTATE مثانہ کی تکلیف پیدا ہوتی معلوم دیتی ہے- جس کا علاج اپریشن ہے جو ابا جان کی باقی بیماریوں اور کمزوری کے مدّنظر مشکل تھا- یہ تشخیص مزید فکر کا باعث ہوئی اور یہی فیصلہ ہوا کہ مہینے کے آخر میں آپؓ لاہور تشریف لے جائیں تا علاج کے بارہ میں مشورہ ہوسکے اور اس کے مطابق انتظام کیا جاسکے- چنانچہ جون کے آخر میں آپؓ لاہور تشریف لے گئے جہاں ہسپتال میں ایک کمرہ کا انتظام بھی کرلیا تھا- لاہور میں بعض TESTIS لئے گئے اور ڈاکٹری مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال اپریشن کی کوئی فوری ضرورت نہیں اور اس تکلیف میں باقی علاج سے افاقہ بھی ہوا لیکن طبیعت پوری طرح نہ سنبھلی- چند ماہ سے ابا جان کو متعدد منذر خوابیں اپنی وفات کے متعلق آرہی تھیں جن سے انؓ کی طبیعت میں یہ خیال راسخ ہوگیا تھا کہ انؓ کی وفات کا وقت قریب ہے- اس کا پہلا اشارہ مجھے عید کے موقع پر شروع مئی میں کیا جبکہ میں واپس راولپنڈی کے لئے رخصت ہو رہا تھا- فرمانے لگے کہ:-

'' مجھے کچھ عرصہ سے بعض منذر خوابیں آرہی ہیں تم بھی دعا کرنا''

اور حسب معمول رخصت کرتے وقت فرمایا '' اللہ حافظ وناصر ہو'' - یہ خوابوں کا سلسلہ لاہور میں بھی جاری رہا اور میرے علاوہ دوسرے ملنے والوں سے بھی ان کا ذکر کیا گو تفصیل نہیں بتلاتے تھے- نہ ہم میں اس کے دریافت کی ہمت پڑتی تھی- میں نے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا- اُن کی رائے یہ تھی کہ ابا جان کی بیماری کی تشویشناک صورت دل اور بلڈ پریشر BLOOD PRESSURE کی طرف سے ہوسکتی ہے اور یہ دونوں بیماریاں خدا کے فضل سے کنٹرول میں تھیں چنانچہ ایک مرتبہ میں نے عرض بھی کیا کہ ڈاکٹر تسلی دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل بیماریاں کنٹرول میں ہیں اور باقی

شدید بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی ہیں جو انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی- میرے یہ کہنے پر فرمایا:-

''ڈاکٹروں کی رائے پر نہ جانا''

ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ روز تبدیلئ آب وہوا کے لئے ابا جان گھوڑا گلی تشریف لے جائیں- جہاں موسم بھی خوشگوار ہوگا اور جس کی بلندی بھی اتنی نہیں جو کہ ایک دل کے مریض کے لئے خطرہ کا باعث ہو- چنانچہ وسط اگست میں آپؓ لاہور سے روانہ ہو کر راستہ میں جہلم کچھ وقت قیام فرما کر شام کے قریب ہمارے ہاں راولپنڈی میں پہنچے اور رات کا قیام فرمایا- اگلے روز صبح گھوڑا گلی تشریف لے گئے- اس سفر میں ڈاکٹر محمدؓ یعقوب صاحب اور میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا منیر احمدؒ ساتھ تھے- ہفتہ کے روز ہم بھی چلے گئے اور ڈاکٹر صاحب دو تین دن قیام فرمانے کے بعد میرے ساتھ ہی واپس آ گئے- ڈاکٹر کا انتظام ساملی سینی ٹوریم اور مری سے کر لیا تھا کہ ضرورت کے وقت وہاں سے آ سکیں- گھوڑا گلی میں پہلے دو تین روز آپؓ کی طبیعت خاصی اچھی ہو گئی لیکن وہاں پھر پہلے کی طرح اپنے متعلق منذر خواب دیکھی اور اسی وجہ سے مقررہ پروگرام سے پہلے لاہور واپس تشریف لے گئے

لاہور میں واپسی پر بھی منذر خوابوں کا سلسلہ جاری رہا- چنانچہ ایک مرتبہ ۲۴/ اگست کے قریب جب میں لاہور گیا تو فرمانے لگے کہ ''اب تو چل چلاؤ ہی ہے''- خوابوں کی تفصیل نہیں بتلاتے تھے- گھوڑا گلی میں میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ امتہ الطیف بیگم نے جب اس بارے میں کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو فرمانے لگے ''تم بچے ہو میں تفصیل نہیں بتلاتا تم لوگ گھبرا جاؤ گے'' - ایک چیز جس کا بالوضاحت اپنے ایک خط میں ایک بزرگ کے نام ذکر فرمایا وہ یہ تھی کہ فرمایا میری زبان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر جاری ہؤا-

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل! چلیں کہ وقت آیا (درثمین)

ان خوابوں کی وجہ سے بہر حال آپؓ کی طبیعت پر یہ گمان بہت غالب تھا بلکہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ آپؓ کی وفات کا وقت قریب ہے- خود ماہ جون کے آخر میں ربوہ سے روانگی کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے لئے علیحدہ رقم گھر دے دی- پھر لاہور سے مزید رقم یہ کہہ کر والدہ کو ارسال کی کہ میری وفات پر دوست آئیں گے- گھر کے عام خرچ سے زیادہ اخراجات ان دنوں ہوں گے اس لئے بھجوا رہا ہوں- ایک روز ایک خط بھی اپنے خادم بشیر احمد سے لکھوا کر بھیجا جو ایک قسم کا الوداعی خط تھا- اسی طرح ایک بیرون از پاکستان کے خط کے جواب میں لکھوایا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ لوگ اکتوبر میں پاکستان آئیں گے لیکن اکتوبر میں تو مَیں یہاں نہیں ہوں گا- کچھ اسی قسم کے الفاظ تھے-

یہ ایک عجیب بات تھی کہ ادھر آپؓ اپنی وفات کی طرف بار بار اشارہ کرتے تھے اور احباب سے بھی ذکر فرماتے تھے مگر دوسری طرف ڈاکٹروں کی رائے میں اس قسم کا فوری خطرہ نظر نہ آتا تھا- یہی خیال تھا کہ اصل خطرے والی بیماریاں کنٹرول میں ہیں اور شدید گھبراہٹ اور بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی بتلاتے تھے- یہی رائے انگلستان کے ایک ماہر ڈاکٹر (NEUROPHYSICIAN DR. MILLER) نے دی جو ان دنوں پاکستان سے گزرتا ہؤا آسٹریلیا جا رہا تھا- اس نے ابا جان کو دیکھا اور اپنے ڈاکٹروں کی موجودگی میں کہا کہ میری رائے میں جو دوائیاں میں نے تجویز کی ہیں ان کے استعمال سے دو ہفتہ میں خاصہ افاقہ ہو جائے گا اور چھ ہفتہ کے اندر اپنا معمول کا کام کر سکیں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ مزید کئی سال تک باحیات نہ رہیں! ابا جان کو دیکھ کر ایک اور بات اس نے کہی جو احباب کی دلچسپی کے لئے لکھتا ہوں- ابا جان کو دیکھ کر ساتھ والے کمرہ میں آیا اور کہنے لگا HE LOOKS LIKE A BIBLCAL PROPHET یعنی: ''آپؓ تورات میں مذکور انبیاء کے مشابہ معلوم

ہوتے ہیں '' - اس کی طبی رائے سے میری طبیعت کچھ مطمئن ہوگئی - یہ شاید ۲۶ / یا ۲۷ / اگست کا دن تھا لیکن اگلے چند روز نے ثابت کر دیا کہ وہی بات درست تھی کہ جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ آپؓ کو خوابوں کے ذریعہ دے چکا تھا - اس طبی معائینہ کے ایک ہفتہ کے اندر نمونیہ کا حملہ ہوا اور ڈاکٹروں کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی - ایک رات بخار ۱۰۷ ڈگری سے بھی اوپر چلا گیا - اس کے بعد آخری دو تین روز اکثر وقت غنودگی میں گزرا - اس حالت میں آپؓ کی زبان پر اکثر دعائیہ فقرات جاری رہتے تھے - میری بیوی بتلاتی ہیں کہ کوئی کوئی لفظ سمجھ آتا تھا جیسے '' ربَّنا '' یا ایک لفظ '' طیر '' کا انہیں دھیما سا سنائی دیا - ان کا کہنا ہے کہ ایک وقت میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی میں جیسے کسی سے لمبی گفتگو کر رہے ہیں -

مجھ سے آخری ملاقات غنودگی سے پہلے ۳۰ / - ۳۱ / اگست کو ہوئی - مَیں بیماری کی شدت کا سن کر فوراً چند گھنٹوں میں لاہور پہنچ گیا - سیدھا ابا جان کے کمرے میں گیا - لیٹے ہوئے تھے - مجھے دیکھ کر فرمایا '' مظفر! تم آ گئے '' یہ فقرہ ایسے رنگ میں کہا جیسے کسی کو انتظار تھا - اس فقرہ میں ایک عجیب اطمینان اور سکون تھا جس سے مجھے گھبراہٹ ہوئی - میں ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بیٹھ گیا - پھر فرمانے لگے '' کراچی کب جا رہے ہو؟ '' میرا کراچی جانے کا پروگرام اس بیماری کی شدت سے پہلے کا تھا - مَیں نے کہا اب تو میں نہیں جا رہا - فرمانے لگے '' یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے '' اور اسی فقرہ کو دوبارہ دوہرایا کہ '' یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے '' - اس کے بعد مَیں نے کھانے کے لئے عرض کیا تو فرمانے لگے کہ مجھے بھوک نہیں ہے - میں نے کہا کہ آپؓ کو دوائی دینی ہے خالی پیٹ ٹھیک نہیں رہے گی کچھ کھا لیں - اس پر تیار ہو گئے - سہارے سے بٹھایا اور اسی کیفیت میں سہارے سے بٹھائے رکھا کیونکہ لیٹ کر کھانا پسند نہ فرماتے تھے - کھانے کے بعد دوائی دی اور میں پاس ہی بیٹھا رہا کہ اتنے میں والدہ کا فون آیا - میں اٹھ کر جانے لگا تو فرمانے لگے بیٹھے رہو - انہیں فون کا علم نہ تھا - مَیں نے عرض کی کہ اماں کا فون آیا ہے ابھی سن کر آتا ہوں - واپسی پر پوچھا '' تمہاری اماں تھی؟ '' مَیں نے کہا جی - وہ آنا چاہتی ہیں اور میں کار کا انتظام کر رہا ہوں تا صبح آ جائیں - اس کے بعد کچھ کپکپی سی شروع ہوگئی اور اس کے بعد پھر زیادہ تر غنودگی میں ہی وقت گزرا - ۲ / ستمبر کو جب کہ بہت سے احباب کوٹھی ۲۳ ریس کورس کے احاطہ میں مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ابا جان کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہوگئی - آپؓ کو دو تین سانس کچھ اکھڑ کر آئے اور ہم سے رخصت ہو کر اپنے مالکِ حقیقی کے پاس جا پہنچے - اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُونَ - نماز کے معاً بعد دوڑ کر اندر گیا - آپؓ کا بازو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے بوسہ دیا اور اسی کیفیت میں کچھ لمحوں کے لئے دعائیں کرتا رہا - اس کے بعد چونکہ سب عزیز ابا جان والے کمرہ میں اکٹھے ہو رہے تھے مَیں والدہ کے پاس چلا گیا اور ان کے قدموں میں دیر تک بیٹھا رہا -

ابا جان کی وفات کی اطلاع ربوہ بذریعہ ٹیلیفون پہنچا دی گئی - چونکہ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب اور عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اس لئے رات کو سونے سے پہلے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ خلیفۃ المسیح الثانی کو ابا جان کی وفات کی اطلاع عمداً نہ پہنچائی گئی - صبح جب حضور ایدہ اللہ تعالےٰ اٹھے تو ابا جان کے متعلق دریافت فرمایا - حضرت ام متین صاحبہ نے وفات کی اطلاع دے دی اور پھر بعد میں الفضل کا پرچہ بھی سامنے کر دیا - حضور کو اس کا بے حد صدمہ اور قلق تھا لیکن پہلے دو روز بہت ضبط فرماتے رہے - ذکر کرنے سے گریز فرماتے تھے لیکن ضبط کی وجہ سے چہرے پر سرخی آ جاتی تھی - ان دنوں میں بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت رہی - میری بیوی سے فرمایا کہ: '' مجھے بڑا کرب اور قلق ہے '' - پھر فرمایا: '' مجھ سے چھوٹے تھے '' ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا: '' دعا کرو قادیان واپس ملنے تا یہ چکر ختم ہو '' -

اپنے بچپن کے واقعات کا بھی ذکر فرماتے رہے - مجھ سے ایک روز فرمانے لگے کہ تمہارے ابا بچپن کی عمر میں حضرت صاحبؑ (حضرت مسیح موعود علیہ

السلام-ناقل) کو ''تُو'' کہہ کر پکارتے تھے-ایک مرتبہ ایک احمدی دوست نے سُن لیا تو اُس نے ڈانٹا کہ میاں تمہارے ابا ہوں گے لیکن اگر پھر کبھی تم نے حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ السلام-ناقل) کو ''تُو'' کہا تو میں ماروں گا-حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اِس کا علم ہؤا تو فرمانے لگے ''اِسے ''تُو'' کہنے دو -مجھے اِس کے منہ سے اچھا لگتا ہے'' - ابا جان کی تدفین سے پہلے حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ-ناقل) سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ چہرہ دیکھنا پسند فرمائیں گے؟ فرمایا ''مجھے اب برداشت کی طاقت نہیں'' -آخری بیماری کے حالات کے بیان کے بعد میں چاہتا ہوں کہ مختصراً آپؓ کی زندگی کے نمایاں شمائل کا بھی کچھ ذکر کر دوں پھر کسی صاحب قلم کو توفیق ملی تو وہ آپؓ کی زندگی کے واقعات تفصیلاً محفوظ کر سکے گا-

میری طبیعت پر ابا جانؓ کی زندگی کا جو سب سے گہرا اثر ہے وہ آپؓ کی حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق کی کیفیت ہے-آپؓ کا طریق تھا کہ گھر کی مجالس میں احادیث نبوی ﷺ ،آنحضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے حالات اکثر بیان فرماتے رہتے تھے-میرے اپنے تجربہ میں یہ ذکر سینکڑوں مرتبہ کیا ہوگا لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک مرتبہ بھی حضرت نبی کریم ﷺ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر سے آپؓ کی آنکھیں آب دیدہ نہ ہوئی ہوں-بڑی محبت اور سوز سے یہ باتیں بیان فرماتے تھے اور پھر ان کی روشنی میں کوئی نصیحت کرتے تھے-اسی عشق کے جذبہ میں آپؓ نے اپنی مشہور تصنیف ''خاتم النبیین'' کی تین جِلدوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کے حالات قلم بند فرمائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق روایات اپنی ایک دوسری مشہور تصنیف ''سیرۃ المہدی'' میں جمع کیں جو تین جِلدوں میں شائع ہو چکی ہے-یہ ہر دو تصانیف آپؓ نے محنت اور تحقیق کے علاوہ بڑی محبت سے لکھیں-

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا-دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو-حضور کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے-میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں-آپ کی اطاعت کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دِل کے تابع ہوتی ہے-عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا-مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے ایک بھائی پر حضور ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی کا ''الفضل'' میں اعلان بھی فرمایا-ابا جان نے مشورہ کے لئے ہم سب کو اکٹھا کیا-بچوں کے علاوہ جو احباب اس وقت موجود تھے ان میں ہمارے چچا جان (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ-ناقل) اور غالباً مکرمی درد صاحبؓ بھی شامل تھے- میں نے پہلی مرتبہ روتے ہوئے ابا جان کو اس مجلس میں دیکھا-بڑا کرب اور قلق تھا اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنی اولاد کی دنیاوی حالت کی نہ خبر ہے نہ فکر اور شاید میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: ''مجھے کبھی یہ بھی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی کہ مظفر کی تنخواہ کیا ہے'' -لیکن باوجود اس تکلیف کے خود حضور کی خدمت میں کوئی درخواست پیش نہ کی اور شاید اس جذبہ سے نہ کی کہ آپؓ کی طرف سے ایسی تحریر انتظامی اور جماعتی معاملات میں مداخلت تصوّر نہ ہو-میرے بھائی کو بار بار اور تاکیداً تلقین کرتے رہے کہ حضور سے معافی کی درخواست اور استدعا کرتے رہو اور اس معاملہ میں خود بھی دعا فرماتے رہے اور اپنے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کے لئے باقاعدہ لکھتے رہے-حضور کا سلوک بھی ابا جان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے-ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں ان کے مسودات ابا جان کو دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر ابا جانؓ کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسبِ منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائے گا-

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان کے وجود سے جو برکات وابستہ تھیں ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان میں آپؓ کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے حضرت اماں جانؓ کے گھر جاتے تھے اور شام کا کھانا قریباً روزانہ حضرت اماں جانؓ کے ساتھ کھاتے تھے ۔ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب کے علاوہ جو ہمیشہ اماں جانؓ کے ساتھ ہی رہے ہیں مَیں بھی شامل ہو جایا کرتا تھا اور بعض دفعہ اور عزیز بھی۔ کبھی کبھی ماموں جان (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ۔ ناقل) بھی ہوتے تھے اور اس موقعہ پر ابا جان اور ماموں جان میں کسی نہ کسی دینی موضوع پر گفتگو شروع ہو جاتی۔ بعض مرتبہ حضرت اماں جانؓ تنگ آ کر فرمایا کرتی تھیں: ''میاں! اب بس کرو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے''۔ ایسے مواقع پر بعض مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے فارغ ہو کر راستہ میں گھر جاتے ہوئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر حضور بیٹھتے کم تھے بلکہ صحن یا کمرہ میں موسم کے مطابق جہاں کہیں کھانے کا انتظام ہوتا ٹہلتے رہتے تھے اور گفتگو فرماتے جاتے تھے۔ حضرت اماں جانؓ کو بھی ابا جانؓ سے بہت پیار تھا۔ میری نظروں کے سامنے اب بھی اماں جانؓ ان سیڑھیوں کے اوپر جو ہمارے قادیان کے مکان کو حضرت صاحبؑ اور حضرت اماں جانؓ کے مکان سے ملاتی ہیں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ ہاتھ میں پلیٹ ہوتی جس میں کوئی کھانے کی چیز جو انہوں نے پکائی ہوتی تھی پکڑی ہوتی تھی اور ابا جانؓ کو آواز دے کر بلاتی تھیں کہ میاں تمہارے لئے لائی ہوں لے لو۔ ایسے وقت میں کبھی صرف ''میاں'' کہہ کر پکارتی تھیں کبھی ''میاں بشیر'' اور کبھی صرف ''بشریٰ'' ۔ اسی محبت کے نام کی یاد میں ابا جانؓ نے ربوہ کے مکان کا نام ''البشریٰ'' رکھا اور اسے گھر کے دونوں طرف نمایاں کندہ کروایا۔

اپنی آخری بیماری کے ایام میں ابا جانؓ ، والدہ کو جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری الماری میں ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس ہے۔ وہ مظفر کو کہنا کہ خود کھولے چنانچہ جب میں نے اسے کھولا تو اس میں بعض اور ذاتی کاغذات کے علاوہ کچھ حضرت مسیح موعودؑ کے دستی لکھے ہوئے خطوط اور چند لفافوں میں کچھ روپے پڑے ہوئے تھے اور ہر ایک کے ساتھ مختصر سا نوٹ تھا کہ یہ رقم حضرت ام المؤمنینؓ نے بطور عیدی کے ابا جانؓ کو دی تھی اور آپؓ نے تبرکاً اسے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ عیدی کی بعض رقوم قادیان کی دی ہوئی تھیں اور ہندوستانی نوٹ میں تھیں اس لئے ان کے لئے آپؓ نے اسٹیٹ بینک سے اجازت لے رکھی تھی اور وہ اجازت نامہ نوٹوں کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کے ساتھ نتھی کر کے رکھا ہوا تھا۔ حضرت اماں جانؓ کے ابا جانؓ کے ساتھ اس تعلق کا حضرت صاحب کو بھی احساس تھا۔ جب قادیان سے یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ مقامی حکام کے ارادے اچھے نہیں اور وہ کسی نہ کسی بہانے سے ابا جانؓ کو قید کرنا چاہتے ہیں تو حضرت صاحب نے اس وجہ سے اور پھر جماعتی کاموں کی خاطر ابا جانؓ کو حکم دیا کہ پاکستان چلے آئیں۔ ابا جانؓ بڑے مخدوش حالات میں قادیان سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔ حضرت صاحب نے ابا جانؓ کے لاہور پہنچنے پر سجدہ شکر ادا کیا اور پھر ننگے پاؤں شوق سے ابا جانؓ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اماں جانؓ کے پاس لے آئے اور فرمایا ''لیں اماں جان ! آپ کا بیٹا آ گیا ہے''۔

صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ابا جانؓ کو بہت گہرا لگاؤ تھا اور ان کی بہت عزت اور احترام کرتے تھے۔ ان میں ہر طبقہ کے لوگ تھے اور ہر ایک کے ساتھ یکساں محبت اور مروّت سے پیش آتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور بعض کو دعاؤں کے لئے باقاعدہ لکھتے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: ''یہ پاکیزہ گروہ اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور اب تو خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ ان سے ملتے رہنا چاہئے اور ان کی برکات سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور نوجوانوں کو چاہئے کہ کوشش کریں کہ وہ اپنے اندر انہیں اصحابؓ کے خلوص، فدائیت اور تعلق باللہ کا رنگ پیدا کریں''۔

ایک اور چیز جو ابا جانؓ میں نمایاں نظر آتی تھی وہ اسلام اور احمدیت کا مستقبل تھا۔ اکثر احادیث نبوی ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اور

الہامات کی روشنی میں اس کا گھر کی مجالس میں اور دوسرے دوستوں میں ذکر فرماتے تھے اور اس یقین سے بیان فرماتے تھے کہ یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ گویا کسی واقع شدہ بات کا ذکر فرما رہے ہیں- جماعت میں بہت سے اندرونی اور بیرونی فتنے اُٹھے لیکن جہاں آپ ان سے چوکس ضرور ہوتے وہاں ان کی مکمل ناکامی اور اس کے بالمقابل جماعت کی ترقی کے یقین سے پُر ہوتے تھے- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایسے ہی کسی موقع پر مکرمی درد صاحبؓ نے مجھ سے بات کی- فرمانے لگے کہ: '' ان معاملات میں جماعت کے چیدہ چیدہ لوگ بھی گھبرا اٹھتے ہیں لیکن میاں صاحب کا یہ حال ہے کہ جیسے کوئی مظبوط چٹان کھڑی ہو اور اس پر پانی کی لہریں اٹھ کر پڑتی ہوں لیکن وہ وہیں کی وہیں بغیر کسی تزلزل کے قائم ودائم کھڑی ہو''- آپؓ کی طبیعت میں شفقت بہت تھی لیکن باوجود ایسی نرم اور شفیق طبیعت رکھنے کے جہاں دِین کا معاملہ آ جائے وہاں دوستوں سے بھی سختی دکھانے میں اجتناب نہ کرتے- اپنے عمر بھر کے ایک دوست سے کہ جن سے آپ ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے ان دوست سے ایک مرتبہ حضور کسی جماعتی معاملہ میں ناراض ہوئے- اس دوست نے ابا جانؓ کو ایک ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ میں ملنے آنا چاہتا ہوں- آپؓ نے فرمایا:-

''حضرت صاحب اس سے ناراض ہیں- آپ کہہ دیں کہ پہلے حضرت صاحب سے معافی لے میں پھر ملوں گا یوں نہیں مل سکتا ''

ابا جان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو نبی نوع انسان کی ہمدردی کرنا تھا- میں نے آپؓ جیسا شفیق انسان اور کوئی نہیں دیکھا- ہر آن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کے کام آ سکیں- آپ کا دروازہ ہر دردمند کے لئے کھلا رہتا تھا- لوگوں کی تکالیف اور ان کی پریشانیوں کے بیان کو بڑے تحمل سے سنتے تھے اور اپنی طاقت اور موقع کے مطابق امداد فرماتے تھے- کسی کو اس کے بچوں کی تعلیم کے لئے مشورہ دے رہے ہیں تو کسی کو ملازمت کے لئے- کسی کو علاج معالجہ کے لئے تو کسی کو مقدمات کی پریشانی کے بارے میں- کسی کو کاروبار اور تجارت میں تو کسی کو رشتہ کے بارے میں- غرض ہر ضرورت مند آپؓ کے پاس آتا تھا اور آپؓ بڑے اطمینان سے اس کی بات کو سنتے تھے اور اسے صحیح مشورہ دیتے اور پھر اس کی حتیٰ المقدور امداد بھی فرماتے تھے- غرباء کی طرف بالخصوص توجہ دیتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپؓ ایسے مواقع کوشش سے ڈھونڈتے رہتے تھے کہ میں کسی طرح سے لوگوں کے بوجھ ہلکے کر سکوں اور ان کی پریشانیوں میں ایک گھر کا فرد ہو کر شامل ہو سکوں- ہم بچوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ: '' انسان کو نافع الناس وجود بننا چاہئے- ایسی زندگی جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو وہ کوئی زندگی نہیں''-

اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے اپنے اوپر ہر تکلیف کو بخوشی قبول فرماتے تھے- تعزیت کے لئے جو احباب تشریف لائے ان میں سرگودھا کے ایک غیر از جماعت دوست بھی تھے وہ جن صاحب کے ساتھ آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب سے انہوں نے حضرت میاں صاحبؓ کے وصال کی خبر سنی ہے انہیں اس کا شدید صدمہ ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں- یہ دوست کہنے لگے کہ میں ایک مقدمہ میں ماخوذ تھا اور بغیر کسی تعارف یا واقفیت کے ربوہ حضرت میاں صاحبؓ کے مکان پر چلا آیا- اندر اطلاع بھجوائی کہ میں ملنا چاہتا ہوں- خادم جواب لایا کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ: '' میری طبیعت اچھی نہیں اگر پھر کسی وقت تشریف لائیں تو بہتر ہوگا''- وہ کہنے لگے کہ میں اپنی تکلیف میں تھا اس لئے میں نے اصرار کیا کہ میں نے ضرور ملنا ہے- اس کے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ میاں صاحبؓ کمرہ سے باہر بڑی تکلیف اور مشکل سے دیوار کے ساتھ قریباً دونوں ہاتھوں کا سہارا لئے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں- وہ دوست کہنے لگے کہ میں بہت پشیمان ہؤا کیونکہ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اس قدر تکلیف ہے- آپؓ آ کر برآمدہ میں بیٹھ گئے اور میرے حالات بڑی توجہ سے سنے اور فرمایا: ''میں آپ کے لئے ضرور دعا کروں گا''- اپنی ایسی بیماری کی حالت میں ایک غیر معروف شخص کی خاطر اس طرح باہر چلے آنا آپؓ کی ہمدردی بنی نوعِ انسان کے خاصہ کی ایک مثال ہے- میں نے بیسیوں مرتبہ یہی کیفیت دیکھی ہے- اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے تا لوگوں کو سکھ نصیب ہو اور ان کے ہر قسم کے معاملات میں گہری دلچسپی لے کر ان سے پوری ہمدردی فرماتے

تھے۔مشورہ بھی دیتے تھے اور جہاں ہو سکے امداد بھی فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ صرف ملاقات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس سلسلہ میں بے شمار خطوط آتے تھے اور آپؓ ہر ایک کو بغیر توقف جواب دیتے تھے چنانچہ اس آخری بیماری میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور مجھے تعزیت کے خطوط میں ایک صاحب نے لکھا کہ میاں صاحبؓ کا خط ان کی وفات کی خبر کے بعد انہیں ملا۔

دوستوں سے ہمدردی کرتے وقت بڑی شفقت اور نرمی سے اپنا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر مخصوص انداز میں رکھتے تھے اور دلاسہ دیتے تھے۔اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہیں اس کا تجربہ ہؤا ہو۔ آپؓ کی بے پایاں شفقت جہاں دوسروں کے لئے تھی وہاں اپنے دوستوں کے لئے اور بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس نیک سلوک اور مروّت کا سلسلہ اپنے دوستوں کی اولادوں تک کے لئے قائم رکھتے تھے۔ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ اپنی والدہ محترمہ (اہلیہ حکیم قطب الدین صاحبؓ) کا جنازہ وہ ربوہ لے کر گئے۔رات کے ساڑھے تین بجے کے قریب پہنچے۔حضرت میاں صاحبؓ کو اطلاع ملی تو اسی وقت رات کو تشریف لے آئے اور تجہیز و تکفین تک میں شامل رہے اور ہر طرح ان کے غم میں شریک رہے اور ہمدردی فرماتے رہے۔ اسی طرح صوفی عبدالرحیم صاحب لدھیانوی نے بیان کیا کہ ان کی والدہ (اہلیہ میر عنایت علی شاہ صاحب) کا تابوت جب وہ تدفین کے لئے لائے تو ابا جانؓ نے کمال ہمدردی سے ان کے غم میں شرکت کی اور فرمانے لگے کہ: ''میر صاحب کو تو ہم اپنے گھر کا فرد سمجھتے ہیں''۔

اسی طرح اپنے بچوں کے دوستوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک رکھتے تھے اور ان کا خاص خیال کرتے تھے۔پچھلے ایام میں جب ہمارے دوست کرامت اللہ صاحب کراچی میں شدید بیمار ہوئے اور اپریشن کے لئے انگلستان گئے تو ابا جانؓ ان کے لئے بہت دعا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی تاکید سے دعا کے لئے کہتے تھے۔خود کرامت اللہ صاحب کو خط لکھا کہ: ''میں تو آج کل آپ کے لئے مجسم دعا بن گیا ہوں'' پھر دوبارہ جب کرامت صاحب علاج کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تو پھر ان کی بیماری کا شدید احساس تھا اور جہاں خود بھی دعا کرتے تھے وہاں دوستوں کو بھی تحریک کرتے تھے اور بالکل ایسے رنگ میں اور اضطراب سے کرتے تھے کہ جیسے کوئی اپنا بچہ بیمار ہو۔ہم بہن بھائیوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔اولاد کا احترام کرتے تھے اور جب کبھی ہم باہر سے جلسہ وغیرہ اور دوسرے مواقع پر گھر جاتے تو ہر ایک کے لئے بہت اہتمام فرماتے تھے۔خود تسلی کرتے تھے کہ سونے والے کمرہ میں بستر وغیرہ ہر چیز موجود ہے۔غسل خانے میں پانی،صابن اور تولیہ موجود ہے۔یوں احساس ہوتا تھا جیسے کسی بارات کا اہتمام ہو رہا ہے اور ہمیں شرم آتی تھی لیکن خود ذوقاً یہ اہتمام فرماتے تھے۔ہم واپس جاتے تو کمرے میں آکر دیکھتے کہ کوئی چیز بھول کر چھوڑ تو نہیں گئے۔اگر کچھ ہوتا تو اسے حفاظت سے رکھوا دیتے اور ہمیں اطلاع ضرور دیتے کہ:''فلاں چیز تم یہاں چھوڑ گئے ہو میں نے رکھوالی ہے پھر آؤ تو یاد سے لے لینا''۔مجھے فرمایا کرتے تھے :''کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں میرا وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔میں انہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں لیکن دراصل سہارا خدا کی ذات ہے جس کے آگے جھک کر میں دعا گو رہتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے اور دین کا خادم بناوے''۔آمین

ہمیں جب بھی نصیحت فرماتے تو اس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے کہ سُبکی کا پہلو نہ ہو۔فرمایا کرتے تھے کہ:'' اگر نصیحت ایسے رنگ میں کی جاوے کہ دوسرے کی خفّت ہو تو وہ ٹھیک اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ بعض دفعہ اُلٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے''۔مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب بھی میری کوئی حرکت پسند نہ آتی تو اس کے متعلق تفصیل سے خط لکھتے تھے اور بڑے مؤثر اور مدلل طور پر نصیحت فرماتے تھے۔کسی خادمہ یا چھوٹے بچے کے ہاتھ خط اس ہدایت کے ساتھ بھیجتے کہ پڑھ کر اسے واپس کر دو۔اس طریق میں ایک پہلو تو یہی ہوتا تھا کہ دوسروں کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ یا نصیحت کا اچھا اثر نہ پڑے گا اور دوسرے

بعض مواقع پر شاید حجاب بھی مانع ہوتا ہو- ہم بہن بھائیوں کو دین کے کسی معاملہ میں دلچسپی لینے اور کام سے بہت خوش ہوتے تھے اور اپنی خوشی کا اظہار بھی فرماتے تھے اور یہی خواہش رکھتے تھے کہ دنیاوی زندگی کا حصہ ایک ثانوی حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل نہ کرے-

والدہ کی گذشتہ سات سالہ بیماری کے دوران میں جس میں بعض ایام میں بیماری کی شدت اور تکلیف بہت بڑھ جاتی تھی آپؓ نے جس خوشی اور صبر و تحمل سے ان کی تیمارداری کی وہ آپؓ ہی کا حصہ تھا- باوجود اس کے کہ آپؓ خود بیمار رہتے تھے لیکن پھر بھی دن اور رات میں متعدد مرتبہ والدہ کے کمرہ میں تشریف لاتے، طبیعت پوچھتے اور ساتھ بیٹھے دعائیں کرتے رہتے- میری آنکھوں کے سامنے یہ سب نظارے اب بھی تازہ ہیں- بعض مرتبہ خود اتنی تکلیف میں ہوتے تھے کہ مشکل سے چل سکتے تھے لیکن اس حالت میں بھی کراہتے، سوٹی یا دیوار کا سہارا لیتے ہوئے آتے اور کافی دیر تک پاس بیٹھ کر تسلی دیتے اور دعائیں کرتے رہتے- سچ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم بہن بھائی بھی والدہ کی خدمت کرتے رہے اور گو ہم جوان تھے لیکن یہ ساری خدمت ابا جانؓ کی خدمت کا پاسنگ بھی نہ تھی اور میں تو کئی مرتبہ اس - CONTRAST - کا احساس کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتا تھا- میرے خیال میں آپ کی اپنی بیماری میں زیادہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی علالت اور والدہ کی بیماری کے گہرے اثر کا تھا- حضور کی بیماری سے بالخصوص بہت فکر مند رہتے اور اس کے جماعتی لحاظ سے بداثرات سے چوکس رہتے- خود بھی بہت دعائیں کرتے تھے اور اخبارات اور اپنی مجلس میں دوستوں کو بھی تحریک فرماتے رہتے تھے- اپنی آخری بیماری میں بھی جب ایک روز خبر آئی کہ حضور کی ران پر زخم کے آثار ہیں تو اس پر بہت پریشان تھے اور آبدیدہ ہو کر مجھے فرمایا کہ: ''یہ بڑے فکر کی بات ہے''-

طبیعت کے لحاظ سے آپ بہت حساس تھے اور لوگوں کے جذبات کا خاص خیال رکھتے تھے اور خود بھی اس معاملہ میں کسی کی لغزش کو محسوس فرماتے تھے- طبیعت میں نفاست تھی اور باریک بین- ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے رکھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی سے گھبراتے تھے- میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ نظارہ آتا ہے کہ جب اپنی بیماری کی شدت کے آخری ایام میں اغلباً ۳۱ راگست کی بات ہے- میں پاس بیٹھا تھا- چارپائی پر لیٹے ہوئے تھراتا ہوا آپؓ کا ہاتھ اٹھا اور اسے سرہانے کی میز کی طرف بڑھایا- میں نے محسوس کیا کہ گھڑی جو میز پر پڑی تھی وہ کچھ ترچھی پڑی تھی اسے سیدھا کرنا چاہتے تھے- میں نے جلدی سے اسے سیدھا کر کے رکھ دیا- اس کے کچھ وقفہ کے بعد پھر کانپتا ہوا ہاتھ میز کی طرف بڑھایا اور دو قلم جو ترچھے پڑے تھے انہیں بڑی احتیاط سے سیدھا کر کے رکھا اور پھر غنودگی کی سی کیفیت میں آنکھیں بند کر لیں--- اس میلان طبیعت کے لحاظ سے ہر چیز کو تحریر میں لے آتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کی ایک علیحدہ فائل کھول کر اس میں تمام متعلقہ کاغذات اہتمام سے رکھتے تھے- خط لکھتے وقت یا یادداشتی نوٹ لکھتے وقت انہیں نمبروار لکھتے اور پھر انہیں سرخ سیاہی سے نمایاں کر لیا کرتے تھے- ایک سے زائد کاغذ کو پن کے ساتھ نتھی کرتے- غرض یہ کہ نفاست اور باریک بین کا مظاہرہ ہر جگہ ہوتا تھا-

انتظامی قابلیت خدا نے بہت دے رکھی تھی اور ہر انتظامی معاملہ میں بڑی تفصیل میں جاتے تھے اور اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے- فرمایا کرتے تھے کہ: ''موٹی موٹی باتیں تو ذہن میں آ ہی جاتی ہیں لیکن انتظامی ناکامی چھوٹی باتوں کی طرف سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے''- طبیعت کے اسی محتاط پہلو کا نتیجہ تھا کہ جہاں تحریر کو بڑی احتیاط سے دیکھتے اور درُستی فرماتے وہاں زبانی ارشاد کو دوسرے سے دہروا لیا کرتے تھے تا غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے- معاملہ کے بہت صاف تھے اور ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتے اور اِس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ خود کرتے اور نہ دوسرے کی طرف سے پسند فرماتے- قرض سے بہت بچتے تھے- خود تنگی برداشت کر لیتے لیکن قرض سے حتیٰ الوسع گریز کرتے اور کبھی ناگزیر ہو

جائے تو اس کی ادائیگی میں کمال باقاعدگی سے کام لیتے -طبیعت کا یہ خاصہ صرف مالی لین دین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہر شعبہ میں نمایاں تھا-سیدھی بات کو پسند فرماتے اور پیچدار بات سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے-

لباس بہت سادہ پہنتے تھے اور تنگ لباس کو برداشت نہ کرتے تھے-سفید قمیص اور شلوار، کھلا کوٹ اور پگڑی پہنتے تھے-کبھی کبھی خصوصاً غیر رسمی مواقع پر ٹوپی بھی پہن لیتے تھے-شروع میں دیسی جوتی پہنا کرتے تھے لیکن بعد میں گرگابی طرز کا کھلا بغیر تسموں والا بوٹ - یہی سادگی رہائش میں پسند فرماتے تھے اور نمائش کی چیزوں سے گھبراتے تھے- رہائش میں مشقت پسند فرماتے تھے- مجھے یاد ہے کہ جب شروع شروع میں- AIR CONDITION - کا رواج بڑھا اور میں نے ایک خریدا تو میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ میں اپنے لئے کوئی ایسا آرام ڈھونڈوں جو ابا جانؓ کے استعمال میں نہ ہو -چنانچہ میں نے اس کیفیت کے مدنظر اور ربوہ کی گرمی کا احساس کرتے ہوئے ایک ایرکنڈیشنڈ تحفتاً بھیجا اور آدمی بھیج کر اسے آپؓ کے کمرہ میں لگوادیا- آپؓ اسے استعمال فرماتے رہے لیکن ایک مرتبہ یہ خراب ہو گیا تو خفگی سے فرمایا کہ:'' مظفر نے خوامخواہ مجھے اس کی عادت ڈال دی ہے اور اس کے بند ہونے سے اب مجھے تکلیف ہوتی ہے ورنہ میں اپنے لئے کسی ایسی سہولت کو مرغوب نہیں پاتا''-

طبیعت میں بلند پایہ کا مزاح بھی تھا اور بعض مرتبہ نصیحت کرتے وقت اس جوہر سے کام بھی لیتے تھے-اپنے ایک رفیق (مکرمی درد صاحبؓ) کا بچہ باہر سے ربوہ آیا اور بغیر ملاقات واپس چلا گیا تو اسے لکھا کہ:''میں نے سنا ہے تم آئے تھے لیکن اغلباً تم نے اپنے بزرگوں کے تعلقات کو کافی سمجھا اور ملاقات کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا''-علمی تحقیق کا ذوق رکھتے تھے اور نوجوانی کے زمانہ سے اسلام اور احمدیت کی خدمت میں اپنا قلم اٹھایا اور ۲۴ کے قریب قیمتی کتب اور رسائل کا روحانی خزانہ اپنے پیچھے چھوڑا- اس کے علاوہ الفضل میں بھی ہر موقع پر مضامین لکھتے رہے-طرزِ تحریر بہت دلکش اور سادہ تھا اور مشکل سے مشکل مضمون کو سادگی سے نبھانے والی اور بڑی صاف تحریر تھی جو اپنے خلوص کی وجہ سے دل میں اترتی چلی جاتی تھی- اپنی کتب میں ''سیرۃ خاتم النبیین'' اور ''سیرۃ المہدی'' کے علاوہ '' تبلیغِ ہدایت'' کو بھی اس خیال سے پسند فرماتے تھے کہ یہ میری جوانی کے زمانہ کی یادگار ہے کیونکہ جب آپؓ نے یہ کتاب لکھی تب آپؓ کی عمر اس وقت ۲۹ سال تھی-

مرکزِ احمدیت سے گہری وابستگی رکھتے تھے-شروع میں قادیان اور اب ربوہ سے بھی یہ وابستگی قائم رہی- مرکز سے باہر جانا آپؓ کی طبیعت پر بہت گراں گزرتا تھا اور سوائے خلیفہ وقت کے حکم یا اشد طبی ضرورت کے باہر نہ جاتے تھے- قادیان سے عشق قائم رہا اور درویشان قادیان کی خدمت بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور تحریرات کی روشنی میں اس پختہ یقین پر قائم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے وقت پر مرکزِ احمدیت جماعت کو واپس دلائے گی اور کوئی دنیاوی تدبیر اس میں حائل نہ ہو سکے گی- فرمایا کرتے تھے کہ'' الہامات اور حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں وقت کا تعین نہیں بلکہ اشارہ ہے کہ یہ واقع اچانک اور ایسے رنگ میں ہو گا کہ بظاہر ناممکن نظر آئے گا اور اس کی درمیانی کڑیاں نظر سے اوجھل رہیں گی''- مرکز سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی آخری بیماری کے ایام میں جب گھوڑا گلی طبی مشورہ کے تحت تشریف لے گئے تو ایک منذر خواب کی بناء پر فرمایا کہ پروگرام سے پہلے واپس چلیں اور مجھے کہنے لگے کہ'' پرندہ اپنے گھونسلے میں ہی خوش رہتا ہے- میں تو ربوہ جانا پسند کروں گا لیکن چونکہ وہاں بجلی کا انتظام ناقص ہے اور شاید طبی لحاظ سے بھی لاہور سے گزرنا مناسب ہو اس لئے لاہور جانا پڑتا ہے''- ایسی کیفیت کے تحت میرے چھوٹے بھائی مرزا منیر احمد کو تاکیداً فرمایا کہ'' دیکھو میرا جنازہ ربوہ بغیر کسی توقف کے لے جانا''- چنانچہ اسی خواہش کے مدنظر ہم رات کو ہی لاہور سے چل پڑے اور رات ساڑھے تین بجے ربوہ پہنچے-

مضمون میرے اندازہ سے کچھ لمبا ہو گیا ہے لیکن میں ایک دو امور کا ذکر کر کے اسے ختم کرتا ہوں- ذاتی دعاؤں میں ابا جانؓ دو باتوں کے لئے بہت دعا فرمایا کرتے تھے- اوّل یہ کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے'' اور دوئم یہ کہ ''انجام بخیر ہو'' -اس آخری امر کے لئے بڑی تڑپ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے- مجھے کئی بار فرمایا کہ: ''ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا مورد ہو جاتی ہے اور وہ جہنم کے گڑھے کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے- ایک دوسرا انسان ساری عمر بد اعمالی میں گزارتا ہے لیکن آخر میں ایسا کام کر جاتا ہے کہ جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے سو اصل چیز انجام بخیر ہے'' اور اس کے لئے ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے اور کسی سے کہا کہ: ''میں نے ایک مرتبہ بڑے اضطرار سے یہ دعا کی اور خدا سے درخواست کی کہ اس بارہ میں مجھے کوئی تسلی دے دے'' -اس دعا پر جو غالباً قرآن شریف کی تلاوت کے دوران میں کر رہے تھے کہ یکدم قرآن شریف کے سامنے کے دو ورق سفید ہو گئے اور دائیں ورق پر موٹے الفاظ میں صرف یہ دو لفظ لکھے نظر آئے ''بغیر حساب'' -

غرض یہ کہ تعلق باللہ، عشقِ رسول ﷺ، مسیحؑ زمان سے گہری روحانی وابستگی، خلیفہ وقت کی بے مثال اطاعت وفرمانبرداری، خلقِ خدا سے بے پایاں شفقت، غربا سے ہمدردی، مرکز سے گہرا لگاؤ نیز اسلام اور احمدیت کے مستقبل پر کامل یقین آپؓ کی زندگی کے خصوصی پہلو تھے- اپنی ساری عمر اپنی تمام تر طاقت اس کوشش میں صرف کی کہ خدا کا نام بلند ہو اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو- عین جوانی میں وقفِ دین کا عہد باندھا اور آخری سانس تک اسے بڑے ذوق وشوق سے نبھایا- احمدیت کی یہ مایہ ناز شخصیتیں زمانہ کے لحاظ سے ہمارے بہت قریب ہیں اور ہم ان کی قدر ومنزلت اور مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن اسلام اور احمدیت کا آنے والا مؤرخ ان کے خط و خال کو اجاگر کرے گا اور تاریخ کے اس دور سے نہیں گزر سکے گا کہ جب تک وہ مسیحِؑ محمدی ﷺ کے ان پروانوں کو خراجِ تحسین نہ ادا کرے- یہ خوش قسمت لوگ مسیحِؑ محمدی ﷺ کی فوج کے صفِ اوّل کے سپاہی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو اور دنیا کو ایک زندہ خدا اور ایک زندہ نبی حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی پہچان ہو- ان بزرگوں نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمتِ دین کا حق ادا کر دیا- اسلام اور احمدیت کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی اور دنیا کی کوئی کشش اس کے راستہ میں حائل نہ ہونے دی- دین سے باہر کسی چیز میں دلچسپی لی تو فروعی اور وقتی طور پر اور زندگی اور ہر توجہ کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدمتِ دین رہا- اپنی تمام زندگی کا یہی MOTO رہا کہ دین دنیا پر بہر حال مقدم رہے اور اپنے پر ہر موت اس لئے وارد کی تا اسلام زندہ ہو -

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیماری کے حملہ کے دوران ڈاکٹروں نے ابا جانؓ کو مشورہ دیا کہ اب آپؓ کی صحت کی حالت ایسی ہے کہ آپؓ کام کم کیا کریں- آپؓ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور فرمانے لگے کہ: ''یہی تو میں چاہتا ہوں کہ دین کی خدمت کرتے کرتے انسان جان دیدے'' - چنانچہ ڈاکٹروں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ ابا جانؓ کو کام کرنے سے نہ روکیں بلکہ یہ مشورہ دیں کہ آپؓ تھوڑے عرصہ کے لئے آرام فرما لیں تا پھر تازہ دم ہو کر پہلے کی طرح اپنا کام کرتے چلے جائیں- چنانچہ یہ گُر کارگر ہؤا اور کچھ عرصہ کے لئے آرام کا مشورہ آپؓ نے اس رنگ میں قبول فرمایا کہ کچھ دن کے لئے کام کو کچھ ہلکا کر دیا جائے-

اے جانے والے! تجھ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ تُو عمر بھر اپنے اور غیروں سب کے لئے ایک بے پایاں شفقت اور رحمت کا سایہ بن کر رہا- دیکھ میرا ہاتھ کانپ رہا ہے اور میری آنکھیں اشکبار ہیں اور میرا دل تیری محبت کی یاد میں بے قابو ہؤا جاتا ہے- اے اللہ رحم کر رحم - میرے مولا ہم

کون جو تیری قضاء کے سامنے چون و چرا کریں؟ تُو گواہ ہے کہ باوجود اس دنیا کی تمام تلخیوں کے ہم نے تیری تقدیر کو بانشراح صدر قبول کیا ہے لیکن میرے مولا ! تیرے در کا سوالی تجھ سے ایک بھیک مانگتا ہے کہ میرے ابا کا خاکی جسم تو ہم سے جدا ہو گیا لیکن ان کی برکات ہمارے ساتھ رہنے دیجیئو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سے وہ کام لے لے کہ جس سے تُو راضی ہو جائے اور جو ہمارے باپ کی روح کے لئے تسکین کا باعث ہو۔ آمین

بالآخر مَیں اُن تمام احباب کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے ابا جان کے لئے اور ہمارے لئے دعائیں کیں اور کر رہے ہیں اور پھر آپؓ کے ان معالجوں کا کہ جنہوں نے آپؓ کی بیماری میں کمال محبت اور محنت سے علاج کی تکلیف اٹھائی - ان ڈاکٹروں میں ربوہ میں عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور لاہور میں ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب بالخصوص قابلِ ذکر ہیں -مکرمی ڈاکٹر یعقوب صاحب نے اس آخری بیماری میں اور اس سے پہلے بھی ہر بیماری کے موقع پر بے حد محبت اور اخلاص سے علاج کیا - لاہور میں صبح اور شام کا آنا ان کا تو معمول تھا ہی اس کے علاوہ بھی ضرورت کے موقع بلا توقف تشریف لاتے تھے اور دیر تک پاس بیٹھے رہتے تھے - اسی طرح ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اور کرنل عطاء اللہ صاحب نے بھی بڑے اخلاص اور محبت سے علاج اور تیمارداری میں حصہ لیا --- اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور جو آرام اور راحت انہوں نے میرے باپ کو پہنچانے کی کوشش کی ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور ان کی اولادوں کو پہنچائے - خادموں میں سے سب سے اوّل بشیر احمد نے خدمت کی نہ صرف بیماری میں بلکہ گزشتہ قریباً بیس سال سے اس نے حد درجہ وفاداری اور جانثاری سے خدمت کی ہے اور ابا جانؓ بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے اور اس سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے-

جنازہ کے موقع پر بھی احباب جماعت کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور ایک اندازہ کے مطابق کوئی چھ سات ہزار لوگ باہر سے ربوہ تشریف لائے - ان میں سے بعض دور دور کے مقامات سے باوجود یہ کہ وقت بہت کم ملا تکلیف اٹھا کر آئے - مجھے شیخ فیض محمدؐ صاحب نے سنایا کہ وہ کراچی سے جنازہ میں شمولیت کے لئے آ رہے تھے کہ ایک دیہاتی ملتان سے ہوائی جہاز میں سوار ہوا اور ان کے ساتھ لائل پور میں اُترا - لائل پور میں اُس نے دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں - جب انہوں نے کہا کہ ربوہ تو اس نے درخواست کی کہ وہ اس کو بھی ٹیکسی میں ساتھ لیتے جائیں - ان کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ مجھے اپنے گاؤں میں حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کی خبر ملی تو میں اسی وقت ریلوے سٹیشن گیا تو گاڑی نکل چکی تھی تب میں بسوں کے اڈہ پر گیا لیکن وہاں سے بھی پہنچنے کی کوئی صورت نہ بنی تو میرے اس اضطراب پر کسی نے کہا کہ ہوائی جہاز پر جاؤ تو شاید پہنچ سکو - سو یہ بیچارہ ہوائی اڈہ پر پہنچا اور وہاں سے ٹکٹ خرید کر لائل پور آیا - شیخ صاحب کہتے تھے کہ اس کی حالت یہ تھی کہ شائد وہ اپنی کسی دنیاوی ضرورت کے لئے اتنی رقم کبھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا جو اس نے تکلیف اٹھا کر جنازہ میں شمولیت کی خاطر برداشت کی - اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے - آمین

تعزیت کے پیغام اور خطوط بھی سینکڑوں کی تعداد میں دنیا بھر سے آ چکے ہیں اور ابھی چلے آ رہے ہیں - اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے جنہوں نے غم میں شریک ہو کر اس کے ہلکا کرنے کی کوشش کی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسے اپنا سمجھا - بعض دوست یہ کہہ رہے تھے کہ: '' ہم تعزیت کس سے کرنے جائیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ لوگ ہم سے آ کر تعزیت کریں'' - متعدد احباب نے اپنے خطوط میں یہ لکھا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم آج یتیم ہو گئے - بعض دوستوں نے یہاں تک لکھا کہ ہمیں حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کا صدمہ اپنے والد کی وفات کے صدمہ سے بھی زیادہ ہوا ہے اور ایک مخلص

دوست نے مجھے بتایا کہ بیماری کی شدت کے ایام میں وہ خدا کے حضور یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! تُو میری زندگی بھی حضرت میاں صاحبؓ کو دے دے کیونکہ میری موت سے تو ایک خاندان پر مصیبت آتی ہے لیکن حضرت میاں صاحبؓ کی وفات جماعت اور عالم اسلام کے لئے صدمہ کی حیثیت رکھتی ہے- یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم سب کو محبت اور اخوّت کے اس رشتہ میں منسلک کر دیا ہے کہ دوسرے کی تکلیف اپنی اور بعض حالات میں اپنی سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہے-

ان تعزیت کے خطوط میں ابا جان کی وفات سے ایک روز بعد امریکہ سے لکھا ہوُا خط مکرم محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی طرف سے بھی ملا- جناب چوہدری صاحب نے اپنے اس خط میں ابا جان کی سیرت کا بڑا صحیح نقشہ کھینچا ہے اس لئے اس خط سے ایک اقتباس درج ذیل کرتا ہوں:-

'' میں ابھی تک اس قابل نہیں ہوُا ہوں کہ اپنے خیالات کو پورے طور پر مجتمع کر کے آپ کو ایک مربوط خط لکھ سکوں- آپ کے واجب الاحترام والد کی وفات نے میری زندگی میں خلاء پیدا کر دیا ہے- جیسا کہ آپ کو بخوبی علم ہے ہماری بہت قریبی اور گہری اور جہاں تک اُن کا تعلق ہے اُن کی جانب سے بہت ہی مشفقانہ وابستگی ۵۳ سال سے زائد عرصہ تک جاری رہی- اس تمام عرصہ میں کبھی اختلاف یا غلط فہمی کا شائبہ بھی پیدا نہ ہوُا- فیض کا چشمہ ایک ہی سمت بہتا رہا یعنی اُن کی جانب سے میری طرف- اُن کی محبت اور نوازشات کی کوئی انتہا نہ تھی- اِن محبتوں اور شفقتوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہوُا تو صرف اُن کی وفات پر- اُن کے لئے اور اُن کے عزیزوں کے لئے مخلصانہ دعاؤں کے سوا میں اُن کی کوئی خدمت بجا نہ لا سکتا تھا اور کسی لحاظ سے بھی اُن کی پیہم نوازشات کا بدلہ اتار سکتا تھا- مَیں اِس خیال سے کسی قدر تسلی پاتا ہوں کہ مخلصانہ دعاؤں میں مجھ سے کبھی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی- اب وہ رحلت فرما گئے ہیں اور اُنہوں نے اپنے پیچھے جو خلاء چھوڑا ہے اُس سے آپ سب کی زندگیاں اور میری زندگی ہی متاثر نہیں ہوئی ہے بلکہ پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی ہر جگہ جماعت پر اس کا اثر پڑا ہے- حضرت صاحب کی علالت ان کے لئے مسلسل دُکھ اور ملال کا موجب رہی- اس کی وجہ سے اُن کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آ پڑا اور بسا اوقات انہیں پریشان کن اور بہت کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا- انہوں نے اس بار عظیم اور مشکلات و مصائب کو بڑی سنجیدگی، وقار، کامل وفاداری اور بڑی جواں ہمتی اور مستقل مزاجی سے اٹھایا- ہر لمحہ انہوں نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ اور اس کے دین کی راہ میں وقف کئے رکھا اور اس راہ میں کئی موتیں اپنے پر وارد کیں- ان کی جسمانی وفات ان کے لئے اس کمر جھکا دینے والے بوجھ سے جسے انہوں نے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر لائے بغیر بطیّب خاطر دن اور رات اٹھائے رکھا- خوش آئند رہائی کا درجہ رکھتی ہے- خواہ دل نے کتنے ہی آنسو بہائے ہوں اور وہ کتنا ہی خون ہو ہو گیا ہو ان کی زبان سے اپنے خالق و مالک کے لئے محبت، اطاعت، وفاداری، تسلیم و رضا اور تحمید و تمجید کے الفاظ کے سوا کبھی کوئی لفظ نہیں نکلا- وہ ہم سب کے لئے ایک عظیم الشان اور درخشندہ و تابندہ اسوہ تھے''-

میرے لئے یہ امر قدرے اطمینان کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور میرے بھائی بہنوں کو بھی اپنے اپنے رنگ میں ابا جان کی خدمت کی توفیق بخشی- میری کسی خدمت کی توفیق میں سب سے بڑا حصہ اور دخل میری بیوی امۃ القیوم بیگم دُختر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ہے کہ جنہوں نے ہر موقع پر خود تکلیف اٹھا کر ابا جان اور والدہ کی بڑے شوق اور محبت سے خدمت کی- میرا دل ان کے لئے شکر کے جذبات سے لبریز ہے- ابا جان کی ایک امانت (سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ- ناقل) ہمارے سپرد ہے- دوست جہاں ہم سب کے لئے اور دینی و دنیاوی امور کے لئے دعا فرمائیں وہاں یہ بھی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدہ محترمہ کی ایسی خدمت کی توفیق بخشے کہ وہ ہماری کسی حرکت سے غمگین نہ ہوں اور ابا جانؓ کی بے مثال تیمارداری کی کمی کو کسی رنگ میں محسوس نہ کریں- آمین ثم آمین- خاکسار دستخط (مرزا مظفر احمد)-(مکتوبات نسیم)-(روزنامہ ''الفضل ربوہ'' خاص نمبر ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۸)

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ

(۶رفروری ۱۸۹۳ء- یکم ستمبر ۱۹۸۵ء)

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں عرض ہے کہ آپؓ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک نامور صحابی ہیں اور کم وبیش حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عمر بھی تھے اور ہم مکتب بھی- آپؓ نے انتہائی شاندار نمبروں میں ہائی سکول پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپؓ نے انگلستان میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی- آپؓ ۱۹۱۴ء میں باقاعدہ وکیل بنے- ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک آپؓ متحدہ ہندوستان کے شمال مغربی صوبہ پنجاب کی لیجسلیٹو کؤنسل کے ممبر رہے- اسی دوران ۱۹۳۰ء میں آپؓ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے- ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۱ء تک آپؓ گورنر جنرل آف انڈیا کی ایگزیکٹو کؤنسل کے رکن رہے- ۱۹۴۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آپؓ سپریم کؤرٹ آف انڈیا کے جج رہے-

ہندوستان کی تقسیم کے بعد ۱۹۴۷ء میں آپؓ کو قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب نے پاکستان کا سب سے پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا اور آپؓ ۱۹۵۴ء تک اس عہدہ پر پاکستان کی خدمت بجالاتے رہے- اسی دوران آپؓ کو لیبیا، الجزائر اور مراکش نے اپنا وکیل بننے کی پیش کش کی جسے آپؓ نے منظور فرمالیا اور پھر اس خوش اسلوبی کے ساتھ آپؓ نے ان ممالک کی وکالت کی کہ بالآخر آپؓ کی مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں ان تمام ممالک کو آزادی نصیب ہوئی- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ - ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک آپ کو اقوام متحدہ کی عالمی عدالت انصاف کا ممبر بننے کا بھی شرف حاصل ہؤا- ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک آپ UNO اقوام متحدہ میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیتے رہے- اسی دوران ۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۶۳ء تک آپؓ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا صدر بھی منتخب کیا گیا- مؤرخہ ۱۳ راکتوبر ۱۹۶۳ء کو آپؓ کو اقوام متحدہ کی عالمی عدالت انصاف کا صدر منتخب کر لیا گیا- اس عہدہ پر آپؓ اپنی ریٹائرمنٹ تک انسانیت کی خدمت سرانجام دیتے رہے- اپنی ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپؓ نے اردو اور انگریزی زبانوں میں بہت سی گرانقدر تصنیفات بھی فرمائیں- آپؓ نے یکم ستمبر ۱۹۸۵ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہوئے- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o (البقرة:۱۵۷) - اسلام واحمدیت اور دنیا کی تاریخ میں آپؓ کا نام نامی ہمیشہ نہایت فخر سے تحریر کیا جاتا رہے گا- انشاء اللہ تعالیٰ- حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے موقعہ پر درج ذیل سطور آپؓ کے ایک مضمون سے منتخب کی گئی ہیں جس میں حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ نے فرمایا:-

''حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی پاکیزہ زندگی سنِ شعور سے لے کر دمِ واپسیں تک ہمارے لئے ایک نیک نمونہ اور مشعلِ راہ رہی- جب تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹریکولیشن کی سند حاصل کرنے کے بعد آپؓ گورنمنٹ کالج میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے لاہور تشریف لائے تو خاکسار بھی گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا- ان ایام میں بعض پہلوؤں سے سلسلے کی مخالفت اور جماعت کے ساتھ عناد شدت کا رنگ لئے ہوئے تھے لیکن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا نیک کردار، آپ کا حُسنِ سلوک، اعلیٰ خلق اور وقار وہ درجہ رکھتے تھے کہ نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ بھی آپ کے ساتھ تلطّف کے ساتھ پیش آتے تھے اور آپؓ کا احترام کرتے تھے- پروفیسروں میں سے مسٹر جی- اے- وادن صاحب تو خاص طور پر آپؓ کے مداح تھے- کالج کے زمانے میں صاحبزادہ صاحبؓ نہ صرف جماعت میں حاضری کی پابندی کرتے تھے اور مطالعہ میں توجہ سے مصروفیت رکھتے تھے بلکہ کالج کے

دیگر جائز مشاغل میں بھی مناسب حصہ لیتے تھے- خاکسار کو یاد پڑتا ہے کہ کھیل تفریح میں سے فٹ بال میں آپؓ شریک ہؤا کرتے تھے-

موجودہ صورت سے تو خاکسار واقف نہیں لیکن اس زمانے میں کالج کے ابتدائی سالوں میں ہوسٹل میں رہنے والے طلباء کو سات دیگر طلباء کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا ہوتا تھا- صاحبزادہ صاحبؓ بھی چونکہ ہوسٹل میں قیام پذیر تھے اس لئے انہیں بھی یہی صورت درپیش تھی جس میں انہیں خلافِ معمول دقتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا- کھانے کا انتظام بھی ان دنوں ہوسٹل میں کوئی ایسا تسلی بخش نہیں تھا، دو وقت سالن اور چپاتی پر گذران تھی لیکن صاحبزادہ صاحبؓ نے اپنا وقت کالج اور ہوسٹل میں نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے گزارا- نہ ماتھے پر شکن آیا نہ زبان پر حرفِ شکایت- حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوسطاً ہر مہینے آپ کے لئے خشک میوہ ایک کنستر بھر کر ارسال فرمادیا کرتی تھیں لیکن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ اپنے سب دوستوں کو اس میں شریک فرمالیا کرتے تھے- خاکسار کا اندازہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا حصہ اس تبرک میں صاحبزادہ صاحبؓ کے حصے سے کہیں بڑھ کر ہؤا کرتا تھا- غرض کالج کے تمام زمانے میں اگرچہ صاحبزادہ صاحبؓ کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہؤا لیکن آپؓ نے اپنے لئے کسی خصوصیت یا امتیاز کی نہ خواہش کی نہ اسے پسند فرمایا- قناعت، فروتنی، حلم اور مسکنت کو شعار رکھا اور یہ صفات عمر بھر آپؓ کا امتیاز رہیں-

خاکسار ۱۹۱۴ء کے آخر میں تعلیم سے فارغ ہو کر انگلستان سے واپس آیا اور انگلستان کے قیام کے عرصے میں صاحبزادہ صاحبؓ کی رفاقت سے جو محرومی ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی البتہ کسی قدر بُعد مکانی ضرور پیش آ گیا کیونکہ خاکسار کی رہائش اول دو سال سیالکوٹ میں رہی اور آخر اگست ۱۹۱۶ء میں لاہور میں منتقل ہوگئی لیکن جب قادیان حاضر ہونے کا موقعہ میسر آتا تو خاکسار حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا مہمان ہوتا- یہ صورت سالوں رہی لیکن ایک لحظہ بھر بھی کبھی خاکسار نے اپنے تئیں آپؓ کے ہاں مہمان شمار نہیں کیا بلکہ ہر لحاظ سے آپؓ کے گھر کو بے تکلفی میں اپنا گھر ہی محسوس کیا اور آرام میں اسے اپنے گھر سے بھی بہت بڑھ کر پایا اور یہی کیفیت ان تمام احباب کی بھی ہؤا کرتی تھی جو قادیان کے سفر اور قیام کے دوران میں خاکسار کے رفیق ہؤا کرتے تھے''- (''حیات بشیر'' صفحہ ۴-۷)

☆

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

از حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ - لائیلپور

(نومبر ۱۸۹۶ء - ۲۸ رمئی ۱۹۹۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب کشتی نوح میں اپنی جماعت کو جن ہدایات پر کاربند ہونے کے لئے فرمایا ہے، وہ ہدایات زیر عنوان ''ہماری تعلیم'' کشتی نوح میں درج ہیں اور دراصل یہ تعلیم قرآن حکیم اور حدیث شریف کا خلاصہ اور لُب ہے - حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھا - آپؓ کے اندر علم اور عمل کے کمالات تھے، عفوو درگذر، رفق و مدارت، تحمل و برداشت، زہد و تعبد، اپنوں اور بیگانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی، شجاعت اور انتظامی قابلیت، مہمات امور میں اور مشکل حالات میں ہمیشہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے جان بکف اور سینہ سپر ہو جانا - یہ وہ اخلاق عالیہ تھے - جن کو ایک دنیا نے مشاہدہ کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ان اخلاق کریمہ کی وجہ سے آپؓ ایک ایسے انسان تھے، جو احسن التقویم کا زندہ نمونہ تھے - انہی اوصاف اور کمالات کی وجہ سے آپؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کے معتمد علیہ رفیق اور دستِ راست تھے اور جیسا کہ الٰہی جماعتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے ہماری جماعت کو کئی مشکل مرحلوں اور ابتلاؤں میں سے گذرنا پڑا ہے - ایسے موقعوں پر خاکسار نے آپؓ کے اندر ایک عجیب شجاعت اور توکل علی اللہ کی روح دیکھی - مشکلات اور مصائب کے اندر آپؓ کے علمی اور عملی جوہر اور زیادہ روشن ہو جاتے تھے اور جس مجلس میں آپؓ موجود ہوں، آپؓ کے رفقائے کار کو یہ یقین اور اطمینان ہوتا تھا کہ پیش آمدہ مشکل پر انشاءاللہ قابو پالیا جائے گا - آپؓ کی سیرت کا یہ ایک مستقل باب ہے اور کثیر واقعات اس کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں -

آپؓ قرآن و حدیث کے متبحر عالم تھے، اور زبان عربی، انگریزی اور اردو پر پوری قدرت رکھتے تھے - تحریر ہو یا تقریر، کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرتے تھے جو رکیک یا دل آزار ہو اور میانہ روی کے خلاف ہو - آپؓ کی تحریر گویا ایک قانونی مسودہ ہوتی تھی جس کا ہر لفظ جچا تُلا اور برمحل ہوتا تھا - یہ احتیاط نہ صرف تصانیف کے اندر پائی جاتی تھی بلکہ روزمرہ کتابت میں بھی مدنظر رہتی تھی - خطوں میں بھی کوئی لفظ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں مخاطب کے جذبات اور نفسیات کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو کیونکہ آپ کو یہ عرفان حاصل تھا کہ انسان کی فطرت معزز واقعہ ہوئی ہے اور کسی تحقیر کو برداشت نہیں کرسکتی - آپؓ کے مخاطب دوست بھی ہوتے تھے اور مخالف اور دشمن بھی لیکن آپؓ ہمیشہ اپنی تحریر میں نرمی اور میانہ روی اختیار کرتے تھے - ایسی نرمی جو دلوں کو موہ لیتی ہے اور بیگانوں کو اپنا بنا دیتی ہے - آپؓ کی تصانیف سے عیاں ہے کہ آپؓ بہت بڑے تاریخ دان، قلم کے بادشاہ، زبان کے استاد، تحقیقی مسائل میں دوررس نظر رکھنے والے، محنت اور کاوش کے عادی تھے اور آپؓ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی مضمون تشنہ اور نامکمل نہ رہے - یہ وہ خوبی ہے جو ہمارے اہل قلم اصحاب کے لئے اسوہ ہے - آپؓ کا خط بہت پاکیزہ تھا - مایقرئی لکھتے اور سطروں میں زیادہ فاصلہ ڈالتے تاکہ پڑھنے والے کی نگاہ پر بار نہ ہو، اسلوب تحریر، مافل ودل اور اطناب سے بری -

قانون ملکی سے آپؓ واقف تھے اور بہت سے مواقع پر خاکسار نے آپؓ کو قانونی نکات بیان کرتے دیکھا ہے - ظاہر ہے کہ جو لوگ کسی جماعت کے

رہنما، مصنف، مبلغ یا مدیر ہوں، انہیں ایک حد تک ملکی قانون سے واقفیت رکھنا بھی ضروری ہے-تقسیم ملک سے پہلے آپؓ کی دور اندیش نظر نے آنے والے واقعات کا اندازہ لگایا اور اس کے متعلق سبق آموز مضامین لکھے- بعد میں آنے والے واقعات نے آپؓ کی فراست کی تصدیق کی- قادیان سے ہجرت ایک بڑا دشوار گذار مرحلہ تھا- آپؓ کی حوصلہ مندی اور حسن انتظام سے آپؓ کے ساتھی بھی اثر پذیر ہوئے اور سب نے مل کر تنظیم اور تعاون کے ساتھ یہ کٹھن منزل اس عمدگی سے طے کی کہ تمام اہل قادیان صحیح سلامت اور عزت کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم کے ماتحت آپؓ کو بھی قادیان سے لاہور آنا پڑا لیکن قادیان کے لئے آپؓ نے مشکلات کو آسان کر دیا تھا- حسن تدبیر سے، حسن انتظام سے اور دعاؤں سے-

قادیان کے درویشوں کی خدمت ایک بہت ہی مشکل اور پیچیدہ معاملہ تھا اور ہے- اس کی تفاصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے- قادیان کے ہر درویش کے حالات کو نگاہ میں رکھنا- اس کے رشتہ داروں اور متعلقین کی مشکلات کو دور کرنا، ہر درویش کے لئے آرام وآسائش کا بہم پہنچانا، بیماروں کی تیمارداری، ناداروں کی حاجت روائی،- کوئی تنازعات یا مقدمات پیدا ہوں تو ان کو نپٹانا- حکومتوں سے ربط وضبط رکھنا- جلسہ سالانہ پر وفود کا بھیجنا- یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کام تھے جنہیں آپؓ تن تنہا سر انجام دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ ہر کام اس قسم کا تھا جس میں انتہائی احتیاط اور تدبر کی ضرورت تھی - ہر درویش اور اس کے رشتہ دار سے آپؓ کو محبت تھی، ایسی محبت جو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے ہوتی ہے اور ہر ایک کی تکلیف کو آپؓ اپنی تکلیف جانتے تھے- خاکسار کو خدمت درویشاں کے سلسلہ میں آپؓ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے- کیونکہ بہت سے قانونی امور میں آپؓ ازراہ کرم خاکسار سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی قدر فرماتے تھے اور یہ آپؓ کا قاعدہ تھا کہ جو شخص اچھا کام کرے اس کے قدردان اور شاکر ہوتے تھے- اس قدردانی اور محبت کا خاکسار پر یہ اثر پڑا تھا کہ جب بھی آپؓ نے کوئی کام کرنے کو فرمایا تو خاکسار نے خوشی خوشی سب کاموں کو چھوڑ کر آپؓ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھا- آپؓ اللہ تعالیٰ کے درویشوں کے سرتاج تھے- تمام عمر درویشانہ زندگی گزاری اور نام ونمود سے فطرتاً نفور رہے- بڑے وفادار اور دلنواز دوست تھے- پرانے احمدی خاندانوں کی خاص تکریم فرماتے تھے- آپؓ کی زبان پر سعدی کا یہ مصرعہ ؎ **قدیمانِ خود را بیفزائے قدر** - بہت بھلا معلوم ہوتا تھا کیونکہ آپؓ کا عمل اس کے مطابق تھا- خاکسار نے اپنے والد صاحب مرحوم کی آخری بیماری کی آپؓ کو اطلاع دی اور یہ لکھا کہ والد صاحب مرحوم کی حالت نازک ہے تو آپؓ نے فوراً مجھے لکھا کہ آپؓ کا السلام علیکم، والد صاحب کو پہنچا دیا جائے اور والد صاحب کی وفات پر آپؓ نے جو دردانگیز مضمون لکھا اس میں اس خوشی کا اظہار کیا کہ وفات سے پہلے والد صاحب کو آپؓ کا السلام علیکم پہنچ گیا ہے- والد صاحب کی وفات کے متعلق میں نے آپؓ کو تار دیا اور آپؓ نے تدفین کا اہتمام فرمایا اور مقبرہ بہشتی قادیان کے اندر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار سے جو جگہ قریب ترین میسر ہو سکتی تھی وہاں قبر کھدوانے کا بندوبست فرمایا- خاکسار، والد صاحب کا تابوت لے کر قادیان پہنچا تو آپؓ کو اس وفات کی وجہ سے بڑا مغموم اور دردمند پایا اور نہایت رقت کی حالت میں آپؓ نے مجھے سینے سے لگا لیا اور حالات پوچھتے رہے-

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے- حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین مقبرہ بہشتی ربوہ کے اندر ہو رہی تھی- چاردیواری کے اندر خاکسار دم بخود اور مغموم حالت میں ایک طرف الگ کھڑا تھا، آپؓ نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی- بڑی محبت سے آگے بڑھے اور مجھے چھاتی سے لگا لیا- آپؓ کی طبیعت کے اندر بہت ضبط تھا لیکن ان دونوں موقعوں پر آپؓ نے جو بے اختیاری اختیار کی اس کے سبب میں کیا عرض کروں- آہ ! آہ !

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی
زخم و مرہم برہ یار تو یکساں کردی

دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا اور مصالحت کو کام میں لانا آپؓ کا ایک خاص وصف تھا- ایک دفعہ خاکسار نے آپؓ کو ایک خط لکھا اور اس میں

ایک شخص کے متعلق میرے قلم سے بعض تیز الفاظ لکھے گئے، جو میری غلطی سمجھو یا سہو قلم۔ بہرحال آپؓ کو وہ الفاظ پسند نہ آئے۔ اب یہ بھی ضروری تھا کہ مجھے ٹوکا جائے اور یہ بھی کہ میرے جذبات کا لحاظ رکھا جائے۔ دیکھئے ان دونوں اَنمِل اور متضاد باتوں کو آپؓ نے کس خوبی سے ادا کیا۔ آپؓ نے مجھے لکھا: ''میں تو سمجھتا تھا کہ آپ کی طبیعت میں جمال ہے لیکن خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جلال بھی ہے''۔ خاکسار ان الفاظ سے شرمسار بھی ہوا اور شکرگزار بھی۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ خدا کے پاک بندے ایسے طریق پر خطا پوشی کرتے ہیں جو خطا نوازی معلوم ہوتی ہے۔ اصلاح کا یہ طریق کتنا دلنشین، کتنا کمیاب اور کتنا درد انگیز ہے۔ آپؓ کے مندرجہ بالا فقرہ سے مجھے فارسی کی وہ ضرب المثل عملاً سمجھ میں آ گئی جو کہتے ہیں: **کجدار و مریز**

۔قادیان اور درویشانِ قادیان سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ ایک دفعہ ایک آم قادیان سے ربوہ میں آپؓ کے پاس پہنچا اور آپؓ نے مجھے لکھا:۔

''آج آپ کو تندرست کی حالت میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ورنہ میں آپ کا خط پڑھ کر ڈر گیا تھا اور دعا کرتا رہا۔ قادیان سے ایک فجری آم آیا تھا جس کا ایک حصہ ایک اور مہمان کو دے دیا اور باقی حصہ آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ خاکسار دستخط (مرزا بشیر احمد) ۱۶؍جون ۱۹۵۹ء''۔

اس طریق پر آپؓ اپنی محبت اور دعاؤں سے نوازتے تھے، کبھی خط میں لکھتے:۔

''مجھے آپ کے ساتھ خاص محبت ہے۔ اس عاجز کے لئے ضرور دعا فرمائیں۔ دعا مؤمنوں کا ایک بڑا سہارا ہے''۔ ایک حقیر خادم کے ساتھ اس قدر مروت و مؤدت آپؓ کے طبعی انکسار اور بلندیٔ اخلاق کی روشن دلیل ہے۔ مجلس مشاورت نے یہ تجویز کیا کہ سلسلہ کے مختلف صیغوں میں زیادہ ربط پیدا کرنے کے لئے حضرت صاحب کی منظوری کے بعد ایک نگران بورڈ قائم ہو جس کے صدر حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ ہوں اور آپؓ کی رائے فیصلہ کُن ہو۔ آپؓ کی طبیعت میں ایک بڑا پیارا رکاد اور حجاب تھا۔ اس اصول کے لحاظ سے کہ ؎ **برائے مامنہ کرسی کہ مومریم خدمت را** لیکن جب ذمہ داری آپؓ کو سونپ دی جاتی تو آپؓ مردانہ وار کاموں کی انجام دہی میں مشغول ہو جاتے اور جو کام آپؓ کے سپرد ہوتا اس کے ہر پہلو پر غور کرتے، آنے والی مشکلات کا اندازہ لگاتے اور ایک ضابطہ عمل مرتب فرماتے۔ گویا منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ایک پٹڑی بچھا دیتے اور پھر کام کو رواں کر دیتے اور اس ضابطہ کی پابندی ضروری سمجھتے۔ خدمت درویشاں کے سلسلہ میں بھی آپؓ نے ایسے مفید قواعد بنائے اور نگران بورڈ کے لئے بھی۔۔۔ ایک راہ عمل تجویز فرمایا جس کے مطابق کام چلتا رہا۔ **وقس علیٰ ھذا**

نگران بورڈ کے اندر آپؓ کے ساتھ کام کرنے کا جن لوگوں کو اتفاق ہوا ہے وہ مندرجہ ذیل باتوں کے گواہ ہیں:۔

الف:۔ بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی آپؓ کام کو جاری رکھتے اور ہمارے یہ عرض کرنے پر کہ آپؓ کمزور ہیں یا آپؓ کو بخار ہے۔ لمبے عرصہ تک آپؓ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپؓ اس بات کو قبول نہ فرماتے اور کام کو اٹھا نہ رکھتے بلکہ اسے ختم کر کے ہی اٹھتے۔ بیماری کی حالت میں یہ استقلال اور یہ ہمت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

ب:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اطاعت اور فرمانبرداری آپؓ کو بدرجہ کمال منظور تھی اور کسی کام کے متعلق اگر حضور کی کوئی ہدایت یا اشارہ پیش کیا جاتا تو آپؓ من وعن اس کی تعمیل کو لازم جانتے کیونکہ آپؓ کو اس بات کا لمبا تجربہ تھا کہ امام کی اطاعت میں ہی برکت اور سعادت ہے اور مظہر الحق والعلاءؔ کے مقام پر ہوگا۔

ج:۔ اختلاف رائے کو خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے اور اس کی قدر کرتے اور ایک نتیجہ برآمد فرماتے جو ایک ایسے عمل مصفیٰ کا مصداق ہوتا جو مختلف پھولوں سے جمع کیا گیا ہو۔ مال، تجارت سے بڑھتا ہے اور علم، بحث سے۔ اسی طرح صحیح نتیجہ اختلاف رائے کو ہموار کرنے اور ہر رائے میں سے اچھا حصہ لے لینے سے پیدا ہے۔ لیکن خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَر ایک آسان کام نہیں ہے اور مختلف

آراء کو ہموار کرنے کے لئے بڑے حوصلے اور حکمت، وسیع علم اور لمبے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آپؓ میں یہ باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

د:- آپؓ کی محبت، حکمت اور دانائی سے نفسیاتی اثرات پیدا ہوتے تھے اور آپؓ کے رفقائے کار کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ آپؓ کے ساتھ کام کرنا اور مشقت اٹھانا ایک راحت ہے اور ایک نعمت غیر مترقبہ۔ جو شخص اپنے طریق کار سے مشقت کو نشاط روح میں تبدیل کردے اس کے اخلاق اور ہمت کی بلندی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے آئیں؟ خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں کی معیت وہ کیمیا ہے جو ہر قسم کی قربانی کو مسرت اور راحت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا آسان کام نہیں اور ایک قوت قدسی کو چاہتا ہے۔

خندہ پیشانی سے ملتے، خوش ہوتے اور خوش کرتے، چہرہ ہمیشہ متبسم رہتا اور آپؓ سے ملاقات کرنے والا خوش اور مطمئن ہوتا۔ دو موقعوں کے سوا، خاکسار نے آپؓ کو خفگی کی حالت میں نہیں دیکھا اور یہ دونوں موقعے دینی غیرت اور جماعتی نظام سے تعلق رکھتے تھے اور آپؓ کی خفگی بالکل برمحل اور اصلاح آفریں تھی اور وضع الشیٔ فی محلہ کی عین مصداق تھی۔ خطوں کا جواب بڑی پابندی اور باقاعدگی سے دیتے تھے۔ آپؓ کی ڈاک بڑی کثیر ہوتی تھی لیکن کسی شخص کو یہ شکایت پیدا نہ ہوتی تھی کہ اس کے خط کا جواب نہیں دیا گیا یا بروقت نہیں دیا گیا۔ خط کا جواب دینا دراصل ایک بڑی نیکی ہے لیکن بعض لوگ اس نیکی کی اہمیت سے غافل ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے خط کا جواب نہ دیا جائے تو وہ ضرور شاکی ہوتا ہے کہ اس کی تحقیر کی گئی ہے۔ جو محکمہ، ادارہ، انجمن، اخبار یا ایڈیٹر خطوں کا جواب نہیں دیتا وہ رفتہ رفتہ اپنی ساکھ کھو دیتا ہے۔ خط کے جواب نہ دینے سے بہت دفعہ اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں اور خط کا جواب بروقت ملنے سے بیگانے اپنے بن جاتے ہیں۔ غرض کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے خطوں کا جواب دینے کے لحاظ سے بھی ہمارے لئے ایک اعلیٰ نمونہ قائم فرمایا ہے۔ فتدبر

آپؓ بڑے صبار و شکور تھے۔ ایک شخص نے آپؓ کو بہت تنگ کیا، خطوں میں دھمکیاں بھی دیں۔ خاکسار سے آپؓ نے مشورہ کیا۔ میں نے اینٹ کا جواب کم از کم اینٹ سے دینا چاہا اور جوابی مضمون لکھا لیکن کیا عرض کروں کہ آپؓ نے سختی کا جواب سختی سے دینا گوارا نہ فرمایا اور یہ کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آپؓ کے مدنظر یہی بات تھی کہ بعید کو بعید تر نہ کیا جائے بلکہ قریب لانے کی کوشش کی جائے اور صبر و تحمل کو نہ چھوڑا جائے۔ میرے لئے یہ نرمی بڑی حیران کن اور سبق آموز تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تعلیم کہ

گالیاں سُن کے دعا دو ، پا کے دُکھ آرام دو
کِبر کی عادت جو دیکھو ، تُم دکھاؤ اِنکسار (درثمین)

خاکسار نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اخلاق میں عملاً اس کا مشاہدہ کیا۔ استاذی و مخدومی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور آپؓ میں ایسی محبت اور یک رنگی میں نے دیکھی جو کم کہیں پائی جاتی ہے. میں نے دیکھا کہ مخدومی چوہدری صاحب کے متعلق جو کام ہوتا، حضرت میاں صاحبؓ، محترم چوہدری صاحب کی طرف سے خود اس کا ذمہ لے لیتے گویا آپؓ اور چوہدری صاحب کوئی دو وجود نہیں ہیں۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے جو خطوط آتے اُن میں اکثر یہ بات درج ہوتی کہ آپؓ کے انجام بخیر کے لئے دعا کی جائے۔ ایسا خط پڑھ کر میرا ماتھا ٹھنکتا اور دل دھڑکتا کیونکہ حکیم کی بات حکمت سے خالی اور بلاوجہ نہیں ہوتی۔ اس کے بعد

جس وقت کا دھڑ کا تھا وہ وقت آ گیا آخر

اور آپؓ سلسلہ کی روز افزوں ترقیات دیکھتے ہوئے جن میں خود آپؓ کا بھی وافر حصہ تھا، کامیاب و بامراد ہو کر اپنی منزل مقصود پر جا پہنچے۔ فِــيْ مَـقْـعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَا مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ O ﴿القمر : ۵۶﴾ سچائی کی مسند پر ایک مقتدر شہنشاہ کے حضور۔ ناقل﴾۔ جو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں، ان سے آپؓ کی سیرت کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ ایسے محبوب کی جدائی سے دل میں ہر وقت ایک درد ہے، رہے گا اور رہنا چاہیئے تا کہ ہم آپؓ کے اسوہ سے فائدہ اٹھاتے رہیں اور آپؓ کا طرز عمل ہمارا نصب العین رہے اور اسی غرض کے لئے یہ چند سطور خاکسار نے ایک زخمی دل اور نمناک آنکھوں کے ساتھ سپرد قلم کی ہیں ۔(حیات بشیرؓ صفحہ ۲۳-۳۱)

☆

حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ

نور اللہ مرقدہٗ

(۱۴؍اپریل ۱۹۰۴ء - ۳۰؍مئی ۱۹۷۷ء)

سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تین مجاہدین احمدیت کو ان کی انتہائی مخلصانہ اور بے لوث خدمات سرانجام دینے پر ''خالد'' کے عظیم الشان خطاب سے نوازا۔ ان معزز بزرگان دین اور خالد احمدیت کے اسم گرامی ہیں: حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ۔ حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء صاحب جالندھریؒ اور حضرت ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب گجراتیؒ ۔ ایک تقریب میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے ذکر خیر کے ساتھ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطا جالندھری صاحبؒ کے بارہ میں فرمایا کہ:۔

'' مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ رسالہ الفرقان کے موجودہ ایڈیٹر محترم مولوی ابوالعطا صاحب کے متعلق ان کی طالبعلمی کے زمانہ میں (حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے) فرمایا کہ یہ نوجوان خرچ کے معاملہ میں کچھ غیر محتاط ہے مگر بڑا ہونہار اور قابل توجہ اور قابل ہمدردی ہے۔ کاش! اگر حضرت حافظ صاحبؓ اس وقت زندہ ہوتے تو محترم مولوی ابوالعطا صاحب اور محترم مولوی جلال الدین شمس صاحب کے علمی کارناموں کو دیکھ کر ان کو کتنی خوشی ہوتی کہ میرے شاگردوں کے ذریعہ میری یاد زندہ ہے''۔ (الفضل ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء)

ان تینوں میں سے خاکسار کو دو خالدین احمدیت کو انتہائی قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں سے حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ سے اس لئے کہ آپ صدر انجمن کے کواٹروں میں چونکہ ہمارے قریبی ہمسایہ تھے کہ جس کی بدولت دفتر یا مسجد یا بازار آتے جاتے آپ کا دیدار ہوتا رہتا تھا دوسرے اس لئے بھی کہ مسجد مبارک میں عموماً تمام نمازیں آپ کی اقتدا میں ادا کی جاتی تھیں اور جمعۃ المبارک کے روز تو خصوصاً آپ کا خطبہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کی شیریں آواز اور خطبات میں فقرات کی روانی اور آپ کا ایک مخصوص انداز بیان آج بھی میرے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ اسی طرح مجھے حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ کی ایک نہایت ہی قابل تقلید ادا بہت پسند تھی اور وہ پیاری عادت یہ تھی کہ محلّہ

دارالرحمت میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود سردی ہو یا گرمی- آندھی ہو یا بارش- آپ ہمیشہ یہ کوشش فرمایا کرتے تھے کہ جتنی بھی نمازیں ممکن ہوں وہ مسجد مبارک میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی امامت میں ادا کریں- خصوصاً نماز مغرب میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؒ موجود نہ ہوں- میں چونکہ حلقہ مسجد مبارک کا ممبر ہونے کی وجہ سے سائق اور پھر حزب لیڈر بھی رہا ہوں لہذا میں نے حضرت خلیفۂ وقت سے آپؒ کی اس محبت کو خصوصی طور پر محسوس کیا کہ امام وقت کی پیروی- اطاعت اور فرمانبرداری میں خود حاضر ہو کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت آواز کو سننے کی کوشش کی جائے اور خلفائے وقت کی قربت سے حاصل ہونے والی برکات کو کماحقہٗ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے- انہی قابل تقلید اسوائے حسنہ کی وجہ سے حضرت مولانا بولعطاً جالندھری صاحب جماعت کے ہر خاص و عام طبقہ میں بہت مقبول تھے- حضرت قمرالانبیا مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ کے بارہ میں دسمبر ۱۹۶۱ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ کی نئی پختہ عمارت کے افتتاح کے موقعہ پر اپنے خطاب میں فرمایا کہ:-

'' اس وقت مجھے قریباً نصف صدی پہلے کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے جب کہ میں مدرسہ احمدیہ کا مینجر ہوتا تھا- اس زمانہ میں ایک روز حاجی غلام احمد صاحب سکنہ کریام ضلع جالندھر اور میاں امام الدین صاحب، مولوی ابوالعطاء صاحب کو مدرسہ میں داخل کرانے کے لئے لائے- اس وقت میں مدرسے کے کچے کمروں میں سے ایک کمرے میں بیٹھا تھا- حاجی صاحب نے انہیں مدرسہ میں داخل کرنے کی سفارش کی اور میں نے انہیں داخل کر لیا - میں جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو مجھے خوشی ہوتی ہے کیونکہ وہ پھل خدا کے فضل سے شیریں ثابت ہوا- اور آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب کو خدمت دین کی توفیق دی''- (الفضل ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے امتحان میں اول آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا- آپؒ کو ایک لمبا عرصہ شرق اوسط (مشرق وسطیٰ) میں بھی دینی خدمات بجالانے کا شرف حاصل ہوا- قادیان سے باہر ''البشریٰ'' کے نام سے پہلا رسالہ بھی آپؒ ہی نے جاری فرمایا- حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کئی مرتبہ آپؒ کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا اسی طرح آپ کو امیر مقامی بھی مقرر کیا گیا- اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو زبان و قلم کے استعمال کا ملکہ مرحمت فرمایا تھا- آپؒ کی تقریر سلاست روانی اور تاثر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی- ہندوستان اور شرق اوسط میں آپؒ کی تحریری خدمات قابل رشک ہیں- تفہیمات ربانیہ، تفہیمات الٰہیہ، مقامات النساء اور بہائیت کے متعلق ایک سے زیادہ کتب کے علاوہ رسالہ ''الفرقان'' کی سالہا سال شاندار خدمات، جامعہ احمدیہ کے تیسرے پرنسپل حضرت مولانا ابوالعطاء اللہ دتا صاحبؒ جالندھریؒ کے نام کو انشاءاللہ ہمیشہ زندہ رکھیں گی-

یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ اس خاکسار پر بے حد مہربان تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جن ایام میں یہ عاجز تعلیم السلام کالج ربوہ میں زیر تعلیم تھا اور خوش قسمتی سے ہسٹری سوسائٹی کی ''بزم تاریخ'' کا صدر بھی تو حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ ازراہِ شفقت ہمیشہ اس بزم کے تحت منعقد ہونے والے اجلاسات میں ازراہ شفقت شمولیت اختیار فرمایا کرتے تھے اور خاکسار کی درخواست پر ازراہ مہربانی ان اجلاسات کی صدارت بھی فرماتے رہے- میں آپؒ کے ان احسانات کے لئے آج بھی آنجنابؒ کا مشکور و ممنون ہوں اور رہوں گا اور میری عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس پیارے بندے حضرت مؤلانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحبؒ کے درجات جنت الفردوس میں تا ابد بڑھاتا چلا جائے- آمین ثم آمین - اب خاکسار یہاں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بارہ میں خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء صاحبؒ جالندھری کا مضمون سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ''چار خصوصیات'' پیش خدمت کرنے کی

سعادت حاصل کرتا ہے۔

☆

حضرت قمر الانبیاء کی چار خصوصیات

از خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

’’ایک شاعر نے کہا ہے:-

انما المرء حدیث بعده

فکن حدیثاً حسناً لمن وعی

’’انسان زندگی کے بعد لوگوں کے لئے ایک قصہ اور کہانی ہوتا ہے اور لوگ کبھی کبھی اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں- تجھ پر لازم ہے کہ تو یاد رکھنے والوں کے لئے ایک ایسی اچھی بات ثابت ہوتا کہ لوگ ہمیشہ تیرا ذکر خیر کرتے رہیں‘‘-(آمین)

سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی ایک ایسی جامع زندگی تھی اور آپؓ کے فیوض و برکات جماعت کے دوستوں پر اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ آپؓ کی وفات پر جماعت کا ہر طبقہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ ہم بہت بڑے محسن اور سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں- آپؓ کی زندگی ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے ’’حدیث حُسن‘‘ ہے اور آپؓ کا ذکرِ خیر انشاء اللہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا- الٰہی جماعتوں پر ان کے آغاز میں خاص امتحانات آتے ہیں- ان امتحانوں میں کامیاب ہونے والے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص درجات پاتے ہیں- ان لوگوں کو نمایاں قربانی اور مقبول خدمات کی توفیق ملتی ہے- سلسلہ احمدیہ ایک آسمانی تحریک ہے- اس پر بھی سنت اللہ کے موافق ابتلاؤں کے دور آتے رہتے ہیں- تحریک احمدیت کے گذشتہ پچھتر برس کے آخری پچاس سال میں سیدی حضرت میرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلسلہ کی نمایاں خدمات بجالانے کا فخر حاصل رہا ہے اور ہر دورِ ابتلاء میں آپؓ دفاعِ اسلام کے لئے سینہ سپر رہے ہیں- آپؓ کے قیمتی مقالات ، آپؓ کی شاندار اور ٹھوس تصانیف ، آپؓ کی دل پزیر تقاریر اور جماعتی مشورے یہ سب چیزیں مستقل باب ہیں- جن پر احباب لکھتے رہیں گے- میں اس عجالہ میں حضرت میاں صاحبؓ کی زندگی کی چار خصوصیات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں-

اوّل

آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو حوصلہ، قوت برداشت اور زیرکی عطاء فرمائی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ آپؓ ہر پیش آمدہ مشکل اور مصیبت کے اچھے پہلو پر نظر رکھتے تھے اور جملہ ناموافق حالات کے روشن نتائج پر آپؓ کی نگاہ ہوتی تھی- اس طریق سے آپؓ دوسروں کے لئے بہت بڑی ڈھارس کا موجب

بنتے تھے- یہ ملکہ بھی خاص افراد کو ودیعت ہوتا ہے اور واقعہ یہ تھا کہ حضرت میاں صاحبؓ میں یہ ملکہ وافر طور پر موجود تھا- اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں لیکن میں یہاں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں: ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم ہو کر دو آزاد حکومتیں قائم ہو رہی تھیں (یعنی پاکستان اور بھارت) تو اس وقت جماعت احمدیہ کی پُوری کوشش تھی کہ ضلع گورداسپور مسلم آبادی کی اکثریت کی وجہ سے سارے کا سارا پاکستان میں شامل ہو جائے اور اس کے لئے جماعت نے بہت جدوجہد کی- اوائل میں ایک دو روز کے لئے ایسی صورت پیدا بھی ہو گئی تھی کہ ضلع گورداسپور قادیان سمیت پاکستان میں شامل ہو گیا ہے- اس سے ہم سب بہت خوش تھے لیکن ریڈکلف ایوارڈ کے قطعی اعلان پر معلوم ہوا کہ قادیان سمیت ضلع گورداسپور کا بیشتر حصہ بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے- جس دن یہ اعلان ہوا وہ رمضان المبارک کا آخری دن تھا- ہم لوگ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف میں تھے- قرآن مجید کا درس ختم ہوا ہی تھا اور دعا کے لئے سب احباب جمع تھے کہ ہمیں وہاں پر ہی یہ اطلاع مل گئی جس سے طبیعتوں پر بہت افسردگی تھی- دوسرے دن عید تھی- میں مسجد اقصیٰ سے اعتکاف کے خاتمہ پر مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر واقعہ محلّہ دارالعلوم کو جا رہا تھا- دل نے چاہا کہ حضرت میاں صاحبؓ سے مل کر جاؤں- ان کے مکان پر پہنچا تو بعض اور احباب بھی افسردگی کی حالت میں حضرت میاں صاحبؓ سے مل رہے تھے- جونہی میں آگے بڑھا تو آپؓ نے نفس پر جبر کر کے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ:- ''مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے- اب جماعت احمدیہ کو بھارت میں تبلیغ اسلام کا خوب موقع ملے گا''۔ اس طرح آپؓ نے صدہا انسانوں کی افسردگی کو تسلی سے تبدیل کر دیا- اُس وقت بظاہر یہ کلمات صرف ایک تسلی دہندہ کے کلمات تھے مگر بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خاص فراست سے آپؓ نے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست اور واقعی برحق تھا کیونکہ جماعت احمدیہ کی اکثریت کی ہجرت کے باوجود بھارت میں قادیان اشاعت اسلام کا واحد نمایاں مرکز ہے- اللہ تعالیٰ اسے اور ترقی عطاء فرمائے اور جلد اسے پہلے سے بھی بڑھ کر شان اور جلالت بخشے- اللھم آمین

دوم

اللہ تعالیٰ نے حضرت میاں صاحبؓ کو ایسا دل دیا تھا جو ہر مصیبت زدہ کی مصیبت پر پسیج جاتا تھا اور آپؓ ہر ممکن طریق سے اس شخص کی امداد کرتے تھے- بلکہ بعض دفعہ عام راستہ سے ہٹ کر بھی مصیبت زدہ کی دستگیری فرماتے تھے- اور اگر اس شخص کی مشکل کو کوئی دوسرا حل کر سکتا ہو تو حضرت میاں صاحبؓ بڑے شوق سے اس دوست کے پاس گرفتارِ مصیبت کی سفارش فرماتے تھے اور جب تک امداد نہ ہو جاتی آپؓ کو چین نہ ہوتا- آج کے زمانہ میں یہ چیز نایاب و ناپید ہے مگر حضرت میاں صاحبؓ میں یہ خوبی بہت نمایاں رنگ میں موجود تھی- یہی وجہ تھی کہ آپؓ مرجع خاص و عام تھے- غرباء اور امداد کے محتاج ہر طبقہ کے افراد آپؓ کے پاس پہنچتے تھے اور آپؓ کا دروازہ ہر ایسے شخص کے لئے کھلا رہتا تھا جسے آپؓ کی امداد کی ضرورت ہوتی تھی- غریب پروری کا یہ جذبہ اتنا نمایاں اور اتنا عام تھا کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے پُوری طرح فیض یاب ہوتے تھے- غیر مسلموں میں سے غریب اور مستحقین امداد بھی آپؓ کی جود و سخا سے بہرہ یاب ہوتے تھے- آپؓ کی خدمتِ نبی نوعِ انسان سے سب فائدہ اٹھاتے تھے- اس کی ہزاروں مثالیں ہیں لیکن اختصار کے لئے میں جالندھر سے نکلنے والے پندرہ روزہ اخبار ''بھیم پتریکا'' کے محترم ایڈیٹر صاحب کی شہادت پر اکتفاء کرتا ہوں- وہ سیدی حضرت میرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات پر لکھتے ہیں:-

'' احمدی جماعت کے ممتاز رہنما اور ٹھکرائی ہوئی خلق کے عظیم خدمتگار مرزا بشیر احمد صاحب ایک لمبی علالت کے بعد چند دن ہوئے پاکستان میں رحلت فرما گئے- مرزا صاحب علم و ادب اور بلند ترین انسانی قدروں کا مجسمہ تھے- انہوں نے اپنی ساری زندگی نبی نوعِ انسان کی بہتری و بہبودی کے لئے صرف کی- اچھوت پکارے جانے والے کروڑوں دبے کچلے لوگوں کو سماجی غلامی سے نجات دلانے کے لئے جو قابل داد خدمات انہوں نے اپنے حیران کن طریقوں سے سرانجام دیں اس کے لئے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یاد کیا جاتا رہے گا'' (بھیم پتریکا جالندھر بھارت اکتوبر ۱۹۶۳ء)

سوم

حضرت میاں صاحبؓ میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؓ دین کے خادموں اور واقفینِ زندگی کے ساتھ ایک خاص احترام سے پیش آتے تھے اوران کی دلجوئی فرماتے تھے- ان احباب کی مشکلات میں ان کی ایسے طور سے رہنمائی فرماتے تھے کہ گویا وہ خود ان کی اپنی مشکل ہے- جذبات کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے اور جہاں انتظامی اور معاملاتی قسم کے امور صدہا انسانوں سے متعلق ہوں وہاں پر دوسروں کے جذبات کو ملحوظ رکھنا اوران کی دلداری کرنا ایک عام انسان کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے- اور جہاں قبولیت اور اقتدار بھی حاصل ہو وہاں پر تو اس کی مثالیں خال خال ہی ملتی ہیں -میرے علم کے مطابق حضرت میاں صاحبؓ اس پہلو سے بھی خاص مقام رکھتے تھے-سلسلہ کے قریباً ہر چھوٹے بڑے کارکن کو کسی نہ کسی مرحلہ پر حضرت میاں صاحبؓ کے اس اعلیٰ خلق کا تجربہ ہؤا ہوگا - خدام دین اور زندگی وقف کرنے والے نوجوانوں کی جس طرح حضرت میاں صاحبؓ حوصلہ افزائی فرماتے تھے وہ بڑی نایاب چیز تھی-بعض دفعہ تلخ حقائق سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا مگر حضرت میاں صاحبؓ جس پرلطف اور مشفقانہ انداز میں بات کرتے تھے اس سے تلخی میں بے اندازکمی ہو جاتی تھی- یہ خصوصیت اتنی واضع اور پھیلی ہوئی تھی کی اس کے لئے مثالوں کے انبار سامنے آ رہے ہیں جن کا یہ عجالہ متحمل نہیں ہوسکتا اوران کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی-

چہارم

حضرت میاں صاحبؓ کی ایک عظیم اور قابل تقلید خصوصیت یہ تھی کہ آپؓ ہر شخص کے خط کا جواب ضرور دیتے تھے- دعائیہ خطوط تک کے باقاعدہ جواب کا التزام فرماتے تھے بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کے لئے خود اخبار میں تحریک فرماتے تھے جو سلسلہ کی خدمت کرتے ہیں- اگر کسی خاص خادم کی وفات ہوتی تھی تو آپؓ اس کا ذکر خیر فرماتے تھے جس سے اس کے لئے دعا کا موقعہ پیدا ہو جاتا تھا اور پس ماندگان کے لئے تعزیت اور تسلی کا گونہ سامان ہو جاتا تھا-حضرت میاں صاحبؓ کی ذرہ نوازی تھی کہ آپؓ غریب اور کمزور انسانوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے- خود دعائیں کرتے تھے اور دوسروں سے دعائیں لیتے تھے- اور ہر شخص کے خط کا مشفقانہ جواب دینا آپؓ کی عادت میں داخل تھا- آپؓ سب بنی نوع انسان کے خیر خواہ تھے اور مقدور بھر ہر شخص کی ضرورت کو پُورا فرماتے تھے- آج آپؓ کے وجود کی اشد ضرورت ہے کیونکہ سلسلہ کے لئے کچھ مشکلات درپیش ہیں- سچ ہے و فی اللیلة اللیلاء یفتقد القمر اندھیری رات میں چاند کی بہت تلاش ہوتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت پُوری ہوئی - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّـآ اِلَیۡہِ رٰاجِعُوۡنَ ○ (البقرة:۱۵۷) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطاء فرمائے اور آپؓ کی محترمہ بیگم صاحبہ اور آپؓ کی سب اولاد پر رحمت کی بارشیں برساتا رہے اور اپنے سلسلہ کی خود حفاظت فرمائے- اللھم آمین یا رب العالمین"-(روزنامہ "الفضل" خاص نمبر ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۳ صفحہ ۲۳)

☆

شہیدِ احمدیت

از خالدِ احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ

(۱۹۰۱ء-۱۳/اکتوبر ۱۹۶۶ء)

مرحوم ومغفور ایک ایسے وجود تھے جن کی ولادت سے بھی کئی ماہ قبل اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی پیدائش کے بارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ الہام بشارت دی تھی- اوران کاموں کے پیشِ نظر جواس مولود نے خدمتِ دین کے لئے کرنے تھے اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو قمر الانبیاءؓ کے لقب سے نوازا- یعنی توحید الٰہی اور دینِ الٰہی کے قیام کے لئے جو قلمی جہاد کرے گا- اس کے پیشِ نظر وہ نبیوں کا چاند یعنی ان کا محبوب ہوگا جیسے ماں باپ پیارے رنگ میں اپنے بیٹے کو گھر کا چاند یا میرے چاند وغیرہ کہہ دیتے ہیں- اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انبیاء بمنزلہ سورج ہیں اور وہ ان کے لئے بمنزلہ چاند ہوگا یعنی ان کی پیروی سے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر اور ان سے اکتسابِ نُور کرکے لوگوں کو نُورانی کرنوں سے منور کرے گا- چنانچہ مرحومؓ نے زمانہ شباب سے لے کر اپنی وفات تک قلمی جہاد کیا اور توحیدِ الٰہی کی تائید میں اور آنحضرت ﷺ اور آپؑ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت اور صداقت پر ایسا بلند پایہ اور شاندار قیمتی لٹریچر تیار کیا جو رہتی دنیا تک آپؓ کی یاد کو تازہ رکھے گا- آپؓ نے ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' ایسے رنگ میں تحریر فرمائی کہ اپنوں اور بیگانوں نے خراجِ تحسین ادا کیا- اسی طرح آپؓ کی دیگر تالیفات بھی حقائق ومعارف سے لبریز اور دوسرے مذاہب پر اسلام کی شان وشوکت اور اس کے غلبہ اور تفوق کو ظاہر کرنے والی ہیں- پھر اس الہام میں ایک نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ اس بچے کی جو قمر الانبیاء ہوگا (اگر انبیاء سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام لئے جائیں کیونکہ آپؑ کو مختلف انبیاء کے نام دئے گئے ہیں تو قمر الانبیاء سے مراد آپؑ کا پیارا بیٹا ہوگا) کی پیدائش کے بعد آپؑ کا کام آسان ہوجائے گا- چنانچہ مرحوم ومغفور کی پیدائش ۲۰/اپریل ۱۸۹۳ء کو ہوئی اور ۲۴/اپریل ۱۸۹۳ء کو ''جنگِ مقدس'' کی شرائط عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان طے پائیں اور مباحثہ ۲۲/مئی سے لے کر ۵/جون ۱۸۹۳ء تک قرار پایا - اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے نہایت خوشکن امر تھا کیونکہ وہ مسلمان جو آپؑ کو کافر کہتے تھے وہی خود ان عیسائیوں کے مقابلہ میں آپؑ کو اسلام کی طرف سے بطور نمائندہ پیش کر رہے تھے- فَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ

یہ مباحثہ مسلمانوں کے نمائندہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور عیسائیوں کے نمائندہ پادری عبداللہ آتھم کے مابین پندرہ دن تک ہوا اور اسلام کو عیسائیت پر ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ ''مسیح موعودؑ کے ذریعہ کسرِ صلیب ہوگی'' ویسا ہی ظہور پزیر ہوا اور وہ پیشگوئی بڑی آب وتاب سے پُوری ہوئی- اس عظیم الشان مباحثہ میں نامور پادریوں کو شکست فاش ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس رنگ میں اسلام کو زندہ مذہب اور آنحضرت ﷺ کو زندہ نبی اور قرآن مجید کو زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا وہ ایسے امور نہ تھے کہ جن سے عیسائی دنیا متاثر نہ ہوتی کیونکہ اس مباحثہ نے تمام عیسائی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا- فَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ

پھر اسی سال پنڈت لیکھرام کی ہلاکت سے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بشارت دی کہ وہ چھ سال کے عرصہ میں ہلاک ہوجائے گا اور الحمداللہ! کہ ایسا

ہی ہؤا نیز اسی سال آپؓ نے فصیح عربی زبان میں ''کرامات الصادقین'' لکھی اور علماء کو بالمقابل ایسا رسالہ لکھنے کی دعوت دی لیکن کسی عالم کو بالمقابل قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد مرحوم ومغفور کی پیدائش پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ''کسوف وخسوف'' کا نشان ظاہر ہو گیا اور احادیث کے عین مطابق ۲۰؍ مارچ ۱۸۹۴ء موافق ۱۳؍ رمضان المبارک کو چاند گرہن ہؤا اور ۶؍ اپریل ۱۸۹۴ء بمطابق ۲۸؍ رمضان المبارک کو سورج گرہن ہؤا - احادیث نبویہ ﷺ میں ایک ہی سال اور ایک ہی ماہ یعنی رمضان المبارک میں چانداور سورج کا گرہن کا لگنا سچے مہدی علیہ السلام اور سچے مسیح علیہ السلام کی سچائی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ الغرض مرحوم ومغفور کی ولادت کے بعد جیسا کہ پیشگوئی میں ذکر تھا اللہ تعالیٰ نے اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے زمین وآسمان سے پے درپے نشانات ظاہر کئے کہ جن سے آپؓ کا کام سہل ہو گیا۔ مرحوم ومغفور کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور صداقت کا ایک اور نشان بھی پُورا ہؤا جس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

''بشیر احمد میرا لڑکا آنکھوں کی بیماری سے ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ کوئی دوا فائدہ نہ کر سکتی تھی اور بینائی جاتے رہنے کا اندیشہ تھا۔ جب شدتِ مرض انتہا تک پہنچ گیا تب میں نے دعا کی تو الہام ہؤا '' برق طفلی بشیر'' یعنی میرا لڑکا بشیر دیکھنے لگا تب اسی دن یا دوسرے دن وہ شفایاب ہو گیا'' ۔(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۹)

اس الہام کے سلسلہ میں حضرت مرحوم ومغفور کے اس خط کا ایک حصہ بھی لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں جو آپؓ نے ۲۹؍ جولائی ۱۹۶۳ء کو گھوڑا گلی سے مجھے لکھا اور کراچی میں مجھے ملا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:۔'' کل رات مجھ پر خواب میں ایک عجیب کیفیت طاری رہی۔ قریباً ساری رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر وقفہ وقفہ کے بعد میری زبان پر جاری رہا :۔

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار (درثمین)

جاگنے پر خیال آیا کہ شاید اس شعر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے تعلق ہو کہ ''برق طفلی بشیر'' کیونکہ دونوں میں طفل کا لفظ آیا ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے''۔

میں نے جواباً لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر کے زبان پر جاری ہونے سے الہام ''برق طفلی بشیر'' میں لفظ طفلی سے میں سمجھتا ہوں کہ ایک معنی کے لحاظ سے طفلی میں یاء کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہے یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بیٹے بشیر کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں اولیاء کے متعلق فرماتے ہیں ۔ **اولیاء اطفال حق اندائے پسر** ۔پس! مذکورہ بالا شعر کے مرحومؓ کی زبان پر جاری ہونے اور الہام ''برق طفلی بشیر'' سے آپؓ کا اطفال حق میں سے ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس القاء کے ایک ماہ اور چار دن کے بعد آپؓ ہمیشہ کے لئے اپنے مولائے حقیقی کی گود میں چلے گئے۔ اس زمانہ کا جہاد جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں تبلیغ دینِ حق اور اشاعت قرآن اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔ پس جو شخص اپنی تمام زندگی اس غرض کے لئے وقف کر دیتا ہے اور قلمی جہاد کے میدان میں آخر دم تک جہاد کرتا چلا جاتا ہے یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جیسے مردِ مجاہد ہے ویسے ہی وہ شہید ہے اور آپ تو کشف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لحاظ سے بھی میرے نزدیک شہداء میں داخل ہیں اور شہید جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے استقامت اور سکینت کی قوت پاتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ شہید شہد سے بھی نکلا ہے۔ عبادات شاقہ بجالانے والے شہد جیسی ایک شیرینی اور حلاوت پاتے ہیں اور جیسے شہد فیہ شفاء للناس کا مصداق ہے

اسی طرح شہید لوگ بھی ایک تریاق ہوتے ہیں جن کی صحبت سے لوگ امراض سے نجات پاتے ہیں۔ پھر شہید اس درجہ اور مقام کا بھی نام ہے جہاں بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ آپؓ کی وفات کے بعد جب میں نے خطبہ جمعہ میں آپؓ کے مناقب کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ کا مرتبہ شہید کا بتایا تو اس کے بعد مڈھ رانجھا کے سیکرٹری مال مکرم راجہ بشیر الدین احمد صاحب نے لکھا کہ جس دن حضرت میاں صاحبؓ نے وفات پائی اسی رات میں نے خواب میں ایک شخص کی آواز سنی جو کہتا ہے کہ: ''حضرت علیؓ شہید ہو گئے اور وہ شخص نظر نہیں آیا''۔ صبح ریڈیو پر خبریں سننے سے آپؓ کی وفات کا علم ہؤا۔ اسی طرح عزیز صباح الدین نے ایک خواب دیکھا جس میں ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے کہا کہ:۔

''اب مصنوعی سانس دینے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے''

ان خوابوں سے بھی ظاہر ہے کہ آپؓ کو شہادت کا مقام حاصل ہے اور آپؓ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں اور یہ حقیقت ہے

ہرگز نمیرو آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام شاں

مرحوم و مغفور سے زمانہ طالبعلمی سے خاکسار کو ملنے کا شرف حاصل ہے۔ آپؓ مدرسہ احمدیہ میں بطور پرنسپل بھی رہے اور ہمارے استاد بھی اور پھر تبلیغ کے زمانہ میں بکثرت ملاقاتیں ہوئیں اور ربوہ میں تو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپؓ عیب اور ریاء سے بالکل خالی تھے۔ آپؓ حد درجہ متواضع اور ملنسار تھے۔ آپؓ کی خاکساری اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی سے خشیت آپؓ کی متعدد تحریروں سے ظاہر و باہر ہے۔ باوجود یہ کہ رات دن آپؓ سلسلہ کے کام میں مشغول رہتے پھر بھی آپؓ یہی سمجھتے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔

آپؓ نے ۱۹۶۲ء کے ماہ رمضان میں اپنی خرابی صحت کا ذکر کر کے لکھا کہ میرے لئے ان مبارک ایام میں از راہ مہربانی دعا فرمائیں کہ: ''اللہ تعالیٰ صحت اور کام کی زندگی عطاء کرے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ یہ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن اپنے فضل و کرم اور ذرہ نوازی سے ان لوگوں میں شامل فرمائے جو مطابق بشارت رسول اکرم ﷺ حساب کتاب کے بغیر بخشے جائیں گے کیونکہ مجھ میں اپنے حساب کتاب کے لئے خدا کے سامنے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں۔ یہ دو دعائیں ضرور رمضان میں میرے حق میں کر کے مجھے ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ یہ عاجز ساری جماعت کے لئے دعا کرتا ہے''۔ مطابق آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (النّٰزعٰت: ۴۱-۴۲۔ یعنی: اور جس نے اپنے رب کے مقام کو پہچانتے ہوئے خوف خدا کی بنا پر اپنے آپ کو برے کاموں سے روکے رکھا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔ ناقل)۔ مرحوم و مغفور کے مذکورہ بالا الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ آپؓ واقعی جنتی تھے۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطاء فرمائے۔ آمین۔ (روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۴-۱۶)

☆

معزز قارئین جیسا کہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے شہادت کا اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہؤا اسی طرح خاکسار کا بھی یہی پختہ یقین ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک پاکیزہ کشف کی بنا پر حضرت میاں صاحبؓ اسلام کی راہ میں اپنے بچپن اور اپنی جوانی

سے لے کر اپنی ادھیڑ عمر بلکہ اپنے بڑھاپے تک بے پناہ تگ و دو اور فقید المثال جد و جہد کرتے ہوئے شہید ہو گئے-اس قلمی جہاد کا ثبوت آپؓ کی بہت سی کتب اور وہ لاتعداد مضامین ہیں جو کہ مختلف رسائل اور اخبارات کی زینت بن کر ایک دنیا کی اصلاح کا باعث بنتے رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی تا قیامت موجب ہدایت بنتے رہیں گے-اب یہ عاجز سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف ایک مرتبہ پھر یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے :-

’’ایک گھنٹہ ہوا ہو گا ہم نے دیکھا والدہ محمود قرآن شریف آگے رکھے ہوئے پڑھتی ہیں جب یہ آیت پڑھی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ٥ (النسأ:۷۰-یعنی ’’اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاً اور صدیقین اور شہداً اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں‘‘-ناقل)- اور اس میں اُولٰٓئِكَ پڑھا تو محمود سامنے آ کھڑا ہوا -پھر دوبارہ اُولٰٓئِكَ پڑھا تو بشیر آ کھڑا ہوا -پھر شریف آ گیا‘‘-پھر فرمایا :-’’جو پہلے ہے وہ پہلے ہے‘‘ -(تذکرہ صفحہ ۵۹۷) +(تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳ از حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ)

پس اگر آپ غور فرمائیں تو یہ تمام رتبات عالیہ ہم کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مبشر اور بابرکت اولاد پر پورے ہوتے ہوئے صاف نظر آتے ہیں اور اسی کشف کی بنا پر خاکسار نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو شہدا میں شمار کیا ہے-سوائے انبیائے کرام علیہ السلام کے علاوہ کون ہے جو اپنی اولاد کے بارہ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ ضرور زندہ رہے گی اور پھر لمبی عمر بھی پائے گی؟ واللہ! کوئی نہیں-ہاں! البتہ ہم سب اپنی اولاد کے بارہ میں یہ خواہش تو کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں لمبی اور صحت والی زندگی عنایت فرمائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دست بستہ دعا بھی مانگ سکتے ہیں لیکن بغیر کسی قسم کی خدائی اطلاع یا الہام یا رویہ صالحہ کے ہم میں سے کوئی بھی کسی بھی قسم کا بیان اپنی اولاد کی صحت و سلامتی یا لمبی عمر کے بارہ میں نہیں دے سکتا جبکہ بذات خود ہمیں اپنی ہی زندگی کے بارہ میں بھی یہ علم نہیں دیا گیا کہ آیا ہم میں سے کوئی کل کا دن دیکھ بھی سکے گا یا نہیں-اسی لئے تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو اپنی سچائی کے نشان کے طور پر پیش فرمایا ہے-سیدنا حضرت اقدسؑ نے اپنی صداقت کے ذیل میں درج ذیل نشانات اپنی بابرکت و مبشر اولاد کے بارہ میں پیش فرمائے ہیں جو میں اس مضمون کے تعلق میں یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:-

چونتیسواں نشان	حضرت مصلح موعودؓ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب	(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۷)
پینتیسواں نشان	حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ	(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۷)
چھتیسواں نشان	حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ	(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۷)
سینتیسواں نشان	حضرت صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ	(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۷)
چالیسواں نشان	حضرت صاحبزادی نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ	(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۸)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نام نامی اپنے دو بڑے بھائیوں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اول اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کے نام نامی سے منسلک ہے-اسی طرح یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ آپؓ کے اپنے خاندان کے علاوہ آپؓ کے خدام کے ساتھ بھی ’’بشیر‘‘ یا ’’بشریٰ‘‘ نام کی مشترکہ مناسبت قریباً تمام زندگی بھر قائم رہی-حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر

احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی والدہ محترمہ ام المؤمنین حضرت اماں جان نصرت جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو دلی محبت تھی اس کا مونہہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ زندگی بھر وہ حضرت میاں صاحبؓ کو میرا '' بشریٰ '' کہہ کر پکارتی رہیں اور آپؓ نے بھی اسی لئے اپنے مکان کا نام '' البشریٰ '' رکھا۔ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد بھی آپؓ کے نام کی قربت نصرت جہاں گرلز سکول کے نام کی صورت میں '' البشریٰ '' کے قریب قائم رہی۔ پھر وفات کے بعد بھی ان دونوں بزرگوں کا بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں مدفون ہونا بھی ایک حسین حسن اتفاق ہے بلکہ آپ دونوں مقدس ماں بیٹے رضوان اللہ علیہما کی محبت کا ایک مونہہ بولتا ثبوت ہے۔ آپؓ کی پروردہ میری ایک بہن کا نام بھی بشریٰ ہے کہ جس سے آپؓ بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحبؓ نے انہیں اپنی بیٹی بنالیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپؓ نے کسی سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ام مظفر احمد نے سودے خان کو بیٹا بنالیا ہے اور میں نے بشریٰ کو اپنی بیٹی بنالیا ہے۔ عزیزہ بشریٰ بیگم صاحبہ نے مجھے ۲۰۰۵ء میں پاکستان سے فون پر بتایا کہ:-

'' جب آپؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بغرض علاج لاہور میں جا کر علاج کروانے کا فیصلہ ہوا۔ اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا لیکن بعد میں اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا اور میری دلداری کے واسطے مجھے حضرت صاحبزادی بی بی امتہ اللطیف (بی بی طفیی) صاحبہ کے یہاں پشاور میں یہ کہہ کر بھجوایا کہ یہ میری بیٹی ہے اس کا خاص خیال رکھنا۔ میں وہاں حضرت میاں صاحبؓ کی وفات تک مقیم رہی اور پھر حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کا سن کر واپس آئی لیکن پشاور سے ربوہ تک سفر چونکہ بذریعہ چناب ایکسپریس کرنا پڑا اس لئے مجھے اس امر کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں حضرت میاں صاحب کے چہرہ مبارک کا آخری مرتبہ دیدار نہ کرسکی''۔ (زبانی روایت بذریعہ فون ۲۰۰۵ء)

مجھے یاد ہے کہ جب البشریٰ کی تکمیل ہوئی تو ایک باغبان (مالی) کی ضرورت محسوس ہوئی اور جس شخص کو ملازم رکھا گیا حسن اتفاق سے ان کا نام بھی بشیر احمد صاحب ہی تھا۔ مکرم بشیر احمد صاحب کا تعلق احمد نگر سے تھا اور یہ صاحب باغبان ہونے کے ساتھ ساتھ پہریدار بھی تھے اور بعد میں مکرم محمد شریف صاحب پہریدار کی دوکان سے متصل مکرم بشیر احمد خادم صاحب کے کھوکھے میں پرچون بیچنے کا کاروبار بھی کرتے رہے۔ اسی طرح حضرت میاں صاحبؓ نے اپنے گھر میں مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو پالا تھا۔ صدر انجمن ربوہ کے دفتر میں بھی کچھ عرصہ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب سیالکوٹی (مالک حبیب کلاتھ ہاؤس ربوہ) حضرت میاں صاحبؓ کے دفتر کے ہیڈ کلرک رہے۔ اس زمانہ میں اس دفتر کا نام تھا دفتر حفاظتِ مرکز۔ پس یہ سب کچھ ایک عجیب اتفاق نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضرت قمر الانبیاءؓ کی لاہور میں وفات بھی اسی مناسبت کی ایک کڑی ہے اور جو ہمیشہ ہمیش قائم رہے گی اور میری دعا ہے کہ آپ سب بزرگ جنت الفردوس میں بھی اسی طرح ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ آمین۔ امید ہے کہ آپ سب احباب جماعت میرے ساتھ مل کر حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند جلیل حضرت میاں صاحبؓ کو اپنی خاص دعاؤں میں شامل رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحبؓ کو اپنے قرب میں اور حسب خواہش حضرت رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے کہ جس کی آپؓ کو تمام عمر تمنا ہی رہی اور آپؓ اس کے لئے ہمیشہ دعا گو بھی رہے۔ اسی مضمون کی مناسبت سے ایک حقیقت مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمائی ہے کہ:-

'' آپؓ کی وفات سے پہلے جماعت میں ایک فرد بھی یہ خیال نہ کرتا تھا کہ اس قدر جلد آپؓ کی موت واقع ہو جائے گی۔ حضرت میاں صاحبؓ کو اپنی وفات سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک حد تک مشابہت ہو گئی تھی اور اس کی تصدیق آپؓ کے حق میں ہونے والا الہام ''

یـــاتیـک قـمـر الانبیـاء ‘‘ پورے طور پر کرتا ہے کیونکہ قمرالانبیاء کا نام ایک بڑی مشابہت کی دلیل ہے-اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ اپنی باطنی قوت کی وجہ سے اور خدمت دین کا مقدس کام انجام دینے کی وجہ سے اپنے آئینہ قلب میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کودکھارہے تھےاور چونکہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام حسب الہام ’’جـری اللہ فـی حـلـل الانبیـاء ‘‘ جملہ انبیاء کےانوارکواپنے اندر دکھلانے والے تھے - پس!جوجوحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کواپنے آئینہ دل میں دکھلائے گاوہ لازمی طور پر جملہ انبیاء کےانوارکودکھلانے والا ہوگا‘‘-(روزنامہ الفضل ربوہ خاص نمبرمؤرخہ ۲۹/اکتوبر۱۹۶۳ءصفحہ ۲۴)

ہمارے بعض ناسمجھ مسلمان بھائی اورخصوصاً آج کےخودساختہ نام نہادمسلمان ملاں صاحبان کہ جن کوقرآن مجیدو حدیث نبویہؐ کا کوئی خاص علم نہیں وہ اب تک یہ ہی سمجھتے چلے آرہے ہیں کہ شہیدصرف وہی مسلمان کہلاتا ہے جوکہ کسی غزوہ یاجنگ کے دوران میدان کارزارمیں دادشجاعت دیتے ہوئے اپنی جان قربان کردےلیکن ایسے نام نہادعلمائے کرام کواس بات کی سمجھ ہی نہیں ہے کہ یہ تو شہادت کا صرف ایک درجہ ہےلیکن ان شہدائے کرام کے ساتھ ہی وہ شہدائے کرام بھی ثواب دارین میں شامل ہیں جوکہ اپنے گھرانوں کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دیں یاڈوب کرمرجائیں یاپھر درج ذیل حدیث کے مطابق کسی دینی خدمت کی ادائیگی کرتے ہوئے اپنے بستر پرہی جاں بحق ہوجائیں کیونکہ جب ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شہدأ کا تذکرہ کیا گیاتو آپؐ نے فرمایا:-’’میری امت کے اکثر شہدأوہ ہیں جواپنے بستروں پرطبعی وفات پاجائیں گےاور بہت سے لوگ جنگوں میں بھی مارے جائیں گے-اس لئےصرف اللہ ہی ان کی نیتوں کوبہتر جانتا ہے‘‘-(مسنداحمدبن حنبلؒ)

☆

میرے منجھلے بھائی

از حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ

(۲/مارچ ۱۸۹۷ء-۲۳/مئی ۱۹۷۷ء)

خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے میرے بھائیوں کا ظاہر تو تھا ہی بہترین مگر باطن بھی پاکیزہ رہا- میری نظر نے تمام تعلقات، رشتہ اور محبت کو الگ رکھتے ہوئے جب بھی غور کیا ظاہر سے بھی بہتر ان کے دلوں کو پایا- کوئی نفاق نہیں، کوئی ریا نہیں، کوئی مکاری نہیں، نہ کسی سے بغض وحسد، نہ دنیا کے معاملات کے لئے غصہ اور انتقام کا جذبہ، ہمیشہ صاف شفاف دل والے رہے- یہی نمونہ گھریلو زندگی میں حضرت منجھلے بھائی صاحبؓ کا بھی ہمیشہ دیکھا اور ہمیشہ رہا- وہ بھی بہت اچھے بھائی، اچھے بیٹے، اچھے شوہر، اچھے آقا، اچھے عزیز، اچھے ہمسایہ، اچھے دوست، اچھے رفیق تھے- اچھے صلاح کار، نیک مشورہ دینے والے اور ہر ایک کا بھلا چاہنے والے- مجھے کبھی یاد نہیں کہ بہت چھوٹی عمر میں بھی کبھی کسی بھائی نے مجھے کڑوی نظر سے بھی دیکھا ہو یا لڑے جھگڑے ہوں- بڑے بھائی تو خیر بڑے تھے- ان کا پیار تو ہمیشہ مجھے سب سے بڑھ کر ملا مگر میرے منجھلے بھائی اور چھوٹے بھائی بھی اس عمر سے اب تک ہمیشہ شفیق اور چاہنے والے ہمدرد رہے- میری ہوش میں پہلا نظارہ منجھلے بھائی کے بچپن کا جو مجھے بہت صاف یاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہیں باہر سے تشریف لائے تھے- گھر میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئی- آپؑ آ کر بیٹھے میں پاس بیٹھ گئی اور سب معہ حضرت اماں جانؓ بھی بیٹھے تھے کہ ایک فراخ سینہ، چوڑے منہ والا ہنس مکھ لڑکا سرخ چوگوشیہ مخملی ٹوپی پہنے بے حد خوشی کے اظہار کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے کھڑا ہو کر اچھلنے کودنے لگا- یہ میرے منجھلے بھائی تھے- حضرت اقدسؑ مسکرا رہے ہیں، دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ: ''جاٹ ہے جاٹ''-

آپؓ، حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن میں ''تُو'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے- حضرت اماں جان روکتی تھیں کہ اب تم ''تُو'' نہ کہا کرو تو حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ''تم روکو نہیں اس کے منہ سے مجھے ''تُو'' کہنا پیارا لگتا ہے''- پھر ذرا بڑے ہوئے تو خود ہی ''تُو'' کہنا تو چھوڑ دیا مگر ایسا حجاب رہا کہ تم یا آپ بھی نہ کہا بس یونہی بات کر لیتے مگر تُو کی جگہ کچھ نہ کہتے- طبیعت میں سنجیدگی اور حجاب بہت جلدی پیدا ہو گیا تھا- بہت کم بولتے اور کم ہی بے تکلف ہو کر سامنے آتے تھے ویسے طبیعت میں لطیف مزاح بچپن سے اب تک تھا- چپکے سے ایسی بات کرتے کہ سب ہنس پڑتے اور خود وہی سادہ سا منہ بنائے ہوتے- حضرت اماں جانؓ فرماتی تھیں کہ اوّل تو بچوں کو کبھی میں نے مارا نہیں ویسے ہی کسی شوخی پر اگر دھمکایا بھی تو ''میرا بشریٰ'' ایسی بات کرتا کہ مجھے ہنسی آ جاتی اور غصہ دکھانے کی نوبت نہ آنے پاتی- ایک دفعہ شائد کپڑے بھگو لینے پر ہاتھ اٹھا کر دھمکی دی تو بہت گھبرا کر کہنے لگے ''نہ اماں! کہیں چوڑیاں نہ ٹوٹ جائیں'' اور حضرت اماں جانؓ نے مسکرا کر ہاتھ نیچے کر لیا- حضرت اماں جانؓ سے محبت بھی بے حد کرتے تھے اور ادب و احترام بھی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا- روز آ کر بیٹھنے کے علاوہ مسجد میں جاتے آتے وقت بھی ضرور خیریت پوچھ کر اور باتیں کر کے جاتے- اپنے دل کا ہر درد دکھ حضرت اماں جانؓ سے بیان کرتے اور حضرت اماں جانؓ کی دعا پیار و محبت کی تسلی سے تسکین پاتے- حضرت اماں جانؓ کی ملازمات تک کو ادب سے پکارتے اور ان کا ہر طرح خیال رکھتے تھے- جب کسی پرانی بڑھیا بے تکلف خادمہ سے مذاق بھی کرتے تو بڑے ہی انکسار سے کہ سب ہنس دیتے اور وہ نادم سی ہو جاتی- ابتداء سے ہی جب آمدنی کم اور گزارا اپنا بھی مشکل تھا ضرور ہر ماہ چپکے سے کچھ رقم حضرت اماں جانؓ

کے ہاتھ میں ادب اور خاموشی سے دے دیتے - آپؓ کو کوئی حاجت نہ تھی مگر ان کی دلداری کے خیال سے واپس نہیں کرتی تھیں - ہر وقت اماں جانؓ کے آرام کا خیال رہتا اور خدمت کی تڑپ - اس معاملہ میں وہ بالکل بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلے اور ان سے کم نہ رہے - آپؓ کی بیماری میں پروانہ وار پھرتے تھے - کسی وقت ان کے دل کو چین نہ تھا - برآمدے میں ہی ٹہلتے پھرتے اور وہیں رہتے - کئی بار آکر دیکھتے ہاتھ پکڑتے السلام علیکم کہتے اور چلے جاتے - ہر وقت بعض پردہ دار خدمت کرنے والوں کی وجہ سے کمرہ میں رہ نہ سکتے تھے ورنہ وہ تو پٹی نہ چھوڑتے -

شادی ہوئی تو آج کل کی پود کو دیکھتے ہوئے بچہ ہی تھے مگر بہت سنجیدگی اور وقار سے وہ پہلے پہل کے دن بھی گزارے - کوئی ناپختگی یا بچپن کی علامت، لڑائی جھگڑا کسی قسم کی کوئی بات میں نے نہیں دیکھی حالانکہ ہر وقت کا ساتھ تھا - صرف عزیزہ امتہ السلام کی پیدائش پر شرمائے - ان کو نہ کبھی گود میں لیا نہ بات کی جب وہ بیاہی گئیں تو وفورِ شرم ٹوٹی اور بولنے چالنے لگے - عزیزہ امتہ السلام کا بچپن تو حضرت اماں جانؓ اور حضرت بڑے بھائی صاحب کی ہی گود میں گزرا - انہوں نے ہی سب لاڈ پیار کیئے ناز اٹھائے - ان کی شادی کے وقت بھی سب اماں جانؓ اور بڑے بھائی پر فیصلہ چھوڑا کہ آپ کو ہی اختیار ہے اور بعد میں دوسرے بچوں کے مواقع پر بھی یہی طرزِ عمل قائم رہا - اگر حضرت اماں جانؓ نے کہہ دیا کہ اپنے اس لڑکے کا فلاں لڑکی سے رشتہ کر دو تو بلا چون و چرا منظور تھا اسی طرح لڑکیوں کا معاملہ بھی غرض سب ان دونوں بزرگ ہستیوں پر ہمیشہ چھوڑا - منجھلی بھابی جان (حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ - ناقل) بیاہ کر آئیں تو نہ معاشرت نہ طور و طریق نہ وضع لباس وغیرہ نہ زبان کچھ بھی مشترک نہ تھا اور آخر نادان کم عمر تھیں وہ بے چاری بھی - کئی بار اگر وہ تعلقات بگاڑنے والے ہوتے تو بگڑ سکتے تھے مگر ایسی خوش اصلوبی سے نبھایا کہ ایسے نمونے مشکل سے ہی ملتے ہیں - ادھر سالہا سال سے وہ بیمار بھی چلی آ رہی ہیں - اتنے دراز عرصہ میں انسان اور اتنے کاموں والا جس کے کندھوں پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ہوں اور خود بیمار ہو اس سے غفلت بھی ہو سکتی ہے کسی وقت بے دھیان بھی ہو سکتا ہے مگر کبھی ان کی خدمت اور دیکھ بھال سے غافل نہیں ہوئے - ذرہ ذرہ دیر کے بعد اس حال میں کہ اپنی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں طبیعت خراب ہے ان کی خبر پوچھنے ان کے کمرے میں جا رہے ہیں - ان کی خادمات کی خاطریں ہو رہی ہیں کہ اس بے کس بیمار و لاچار کو چھوڑ کر نہ چل دیں - غرض بچپن کی حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھوں کی لگائی خوب نبھائی - اولاد کے لئے بہترین شفیق باپ تھے - کسی بات پر سمجھاتے بھی تو نرمی سے اگر کسی امر کی اصلاح مدنظر ہوتی اور شائید اس خیال سے کہ میں نرمی کروں گا تو دوسرے عزیز کو قریب سے کہتے کہ ذرہ فلاں بچہ کو تم اس معاملہ میں سمجھانا - مجھ سے بھی یہ خدمت لی ہے - غرض آپؓ کی گھریلو زندگی کا بھی ہر پہلو ایک نمونہ تھا - یہ سوچ کر ایک ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے کا سماں تصور میں آتا ہے کہ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی ہے اور ابرِ رحمت سے قطرے گر رہے ہیں - اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر تا ابد برستی رہے - آمین

مبارک بزرگ ہستیوں کا ذکر خیر کرنا اور ان کے اخلاق و شمائل کو محفوظ رکھنا، بے صبری اور جزع فزع میں ہرگز شامل نہیں - یہ تحریریں تو نوجوانوں کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہیں - الفضل کے مضامین یا جو بعد میں بھی لکھا جائے، آئیندہ تاریخ احمدیت کا ایک اہم باب ہوں گے - ان بزرگ ہستیوں کی جدائی کا احساس تو صرف یہاں تک ہونا چاہیئے اور ضرور ہوگا کہ افسوس! آج ہم ایک اور نعمت الٰہی سے محروم ہو گئے لیکن اصل چیز جس کا خیال خصوصیت سے جوان طبقہ کو رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ان کی قربانیاں - ان کے کام - ان کے اخلاق دیکھیں اور پختہ عزم سے آگے بڑھیں، عہد کریں کہ آئندہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے اور نیکیوں اور خدمت دین میں قدم آگے ہی آگے بڑھائیں گے - خدا تعالیٰ سب کا ناصر رہے اور اگر آج ایک چاند ایک ''بشیر'' ہم سے رخصت ہو کر اپنے مولےٰ کے حضور میں حاضر ہو گیا ہے تو اس کے عوض ہمارا رب ہزاروں ''بشیر'' ہم کو عطاء فرمائے - آمین - دستخط (مبارکہ) - (''الفضل'' ربوہ خاص نمبر مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷-۸)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ مضمون پڑھ کر مجھے یاد آیا کہ آپؓ نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ایک سال کے بعد احباب جماعت کو اپنے منجھلے بھائی حضرت قمرالانبیاءؓ کی بابرکت زندگی سے سبق حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مضمون میں مزید تحریر فرمایا کہ:-

''برادران عزیز! السلام علیکم-آج اس پیاری اور مکرم ہستی کو دنیائے فانی سے رخصت ہوئے ایک سال سے اوپر ہوگیا مگر اب تک ان کی یاد دل میں تازہ ہے-ہر وقت وہ صورت آنکھوں میں پھرتی ہے-بعض اوقات تصور ایسی صورت اختیار کرتا ہے گویا وہ کہیں نہیں گئے-قریب ہی میں ابھی ملنا ہوجائے گا-اس یاد میں آپ سب دلی محبت اور قدر شناسی کے جذبہ کے ساتھ شریک ہیں مگر یہ شرکت جب ہی مفید ہوسکتی ہے اگر آپ ایسی ہستیوں کی زندگی اور عمل سے سبق سیکھیں اور اس کو اپنا لیں-آپ میں سے اکثر ابھی بچے ہی کہلانے کے مستحق سمجھے جاتے ہوں گے اور اپنے کو خود بھی لڑکپن کی حدود میں سمجھتے ہوں گے مگر میں بتاؤں آپ کو کہ جن کی یاد میں یہ جلسہ منعقد کیا گیا ہے وہ آپ سے کم عمر میں یعنی محض ۱۳ سال کی عمر میں بچپن کی حدوں کو پھلانگ کر سنجیدہ بن چکے تھے-شادی ہوچکی تھی مگر ایسی شادی نہیں کہ محض ہنسی کھیل اور بچگانہ خوشی کا مظاہرہ ہو---یا اپنی ذمہ داریوں اور تعلیم سے غفلت برتنا شروع کردیں-میری آنکھوں میں وہ نقشہ ہے گویا آج دیکھ رہی ہوں کہ نئی بیاہی دلہن پلنگ پر بیٹھی ہے اور آپ میز پر برابر کتابوں کا ڈھیر سامنے رکھے پڑھ رہے ہیں-سر جُھکا ہے، استغراق کی کیفیت ہے گویا محض اپنے کام سے تعلق ہے-کام سے فارغ ہوکر باہر پھرنے بھی جاتے-اپنی مخصوص طرز سے ہم لوگوں سے ہنسی مذاق کی بات بھی کرتے مگر اب بالکل ایک پورے مرد کے انداز ان کے ہوگئے تھے اور شادی نے کسی فرض سے ان کو غافل نہ کیا تھا-

طبیعت میں احساس ذمہ داری بہت زیادہ تھا-فرائض کی ادائیگی کا بہت خیال رہتا تھا-یہی وجہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت بڑے بھائی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی ہر بوجھ کو اٹھانے کے لئے اپنے کمزور کاندھے آگے کردئے-انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ قابل بھائی، بڑا بھائی جب سب بار اٹھانے کو آگے بڑھ آیا، خواہ وہ بار ذہنی ہوں، روحانی ہوں یا جسمانی تو چلو ہم ذرا آرام ہی کرلیں-نہیں! انہوں نے بھی اپنا فرض سمجھا اور یہی محسوس کیا کہ یہ گاڑی اب ہم سب نے ہی چلانی ہے-دل میں ایک تپش تھی تڑپ تھی کہ اب حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کی تکمیل اور آپؑ کے منشاء کو جو منشائے الٰہی ہے پُورا کرنے میں جان لڑا دینا ہم سب کا کام ہے-چونکہ جائیداد وغیرہ پر بھی نظر ڈالنا دوراندیشی کے لحاظ سے اب ضروری ہوگیا تھا-حضرت بڑے بھائی صاحب نے اس طرف بھی توجہ دی تو یہ ساتھ مددگار و مشیر تھے-بعد میں چونکہ بڑے بھائی صاحب اتنا وقت دے نہ سکتے تھے، پُورا کام ہی آپؓ کے سپرد کردیا گیا-حضرت اماں جانؓ کے ہر چھوٹے موٹے کام کی خبر گیری وغیرہ غرض دینی و دنیاوی ہر قسم کے بوجھ اٹھا لینا اپنا فرض جانا اور کبھی آرام کا خیال نہیں کیا-اطاعت خلافت میں وہ اپنی نظیر آپ ہی رہے-حضرت بڑے بھائی صاحب نہایت درجہ شفقت فرماتے رہے ہمیشہ مگر یہ ہمیشہ سر جھکائے تابعدار خادم کی طرح ہی بنے رہے-با ادب، بانصیب-وہی ادب و اطاعت، عملی و زبانی، ہر طرح سامنے بھی اور پس پشت بھی-غرض ان میں بہت ہی خوبیاں تھیں اور ایسی شخصیت تھی جس کی یاد میں بھی ایک زندگی ہے اور آج تک ایک خاص قُرب محسوس ہوتا ہے-

اس ایک صفت احساس ذمہ داری کی جانب میں اس وقت آپ لوگوں کو خاص توجہ دلانا چاہتی ہوں کہ آپ میں سے بھی ہر ایک یہ جان لے اور ایسا ہی سمجھنے کا عزم کرلے کہ بیعت اور احمدیت کے حلقہ میں آجانے کے بعد اطاعت خلافت کا محض فرضی جوا اٹھا کر آپ ہرگز فارغ نہیں ہوسکتے-اس جوئے کو اگر آپ نے اٹھایا ہے تو اٹھانے کی طرح اٹھایئے اور سمجھ لیجئے کہ بس آج سے احکام خلافت سے وابستہ رہتے ہوئے تنظیم کامل کے ساتھ ہر ایک

فرد سمجھے کہ یہ بوجھ گویا میں نے ہی اٹھانا ہے- دوسروں کا مونہہ مت دیکھئے، ارد گرد مت تاکیئے، کام کرنے والوں میں جو آپ سے پیش پیش ہیں نقائص مت ڈھونڈیئے- خود اپنی گٹھڑی اٹھا کر آگے بڑھیئے- اتنا درد دین کے لئے آپ کے قلوب میں پیدا ہو جائے کہ یہ سارا غم دین اور دکھ گویا آپ کا ہی حصہ ہے اور سمجھیں کہ

؎ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اب آئندہ اس بہت بھاری ذمہ داری کو اٹھا لینے والے آپ لوگ ہی ہیں- آئندہ آپ نے ہی اس کام کو نبھانا ہے جس کام کے لئے آپ کے بزرگ اپنی زندگی اسی کوشش مں صرف کر کے ادائے فرض کر گئے یا بقیہ جو ہیں، خدا تعالےٰ ان کی زندگیوں میں برکت بخشے، کر رہے ہیں- اب آپ ان کے دست و بازو صحیح معنوں میں صفائی قلب و نیک نیتی کے ساتھ بغیر کسی فخر یا ظاہری وقار کے حصول کی آرزو کے بنیں اور یاد رہے اور پھر یاد رہے کہ یہ ٹریننگ کے دن ہیں- یہ پہاڑ جو دن بدن بوجھل ہوگا- انشاء اللہ آپ نے ہی اٹھانا ہے- پس! قدم بڑھائیں- نئے حوصلوں کے ساتھ، نئے مبارک و صافی دلوں کے ساتھ- خدا تعالےٰ کی نصرت آپ سب کے اور آپ کے بعد آنے والی نسلوں در نسلوں کے ساتھ رہے- آمین- فقط- مبارکہ''- (حیات بشیر صفحہ ۴۹۱-۴۹۳)

کسی بھی معزز محترم اور بزرگ شخصیت کے اس دنیا سے گزر جانے کے بعد یعنی اس کی وفات پر تعزیت کی مختلف قرار دادیں پاس کی جاتی ہیں- یہ کوئی زبانی کلامی اظہار افسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک تحریری قرار داد ہوتی ہے جو کہ کسی شخص کی اعلیٰ دینی و دنیاوی خدمات کے صلہ میں اسے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے پاس کی جاتی ہیں نیز ان قراردادوں کے ذریعہ وفات پا جانے شخص کے لواحقین کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے- ان قراردادوں کے ذریعہ جہاں ایک طرف مرحوم کے لواحقین کو کچھ تسکین پہنچتی ہے تو وہاں دوسری طرف اس میں درج دعائیں مرحوم کے درجات کی بلندی کا بھی باعث بنتی ہیں لہذا:-

'' تعزیت کی قراردادوں کا اگر شمار کیا جائے تو لامحالہ وہ ہزاروں تک جا پہنچیں گی- مرکزی اداروں صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، وقف جدید، انصار اللہ مرکزیہ، خدام الاحمدیہ مرکزیہ، لجنہ اماءُ اللہ مرکزیہ اور جملہ تعلیمی اداروں نے تعزیت کی قراردادیں پاس کیں- ربوہ کی مقامی مجالس اور محلّہ جات نے بھی افسوس کے ریزولوشنز پاس کئے اور پاکستان کے دونوں حصوں کی تمام صوبائی، اضلاعی، شہری اور دیہاتی مجالس اور جماعتوں نے اپنی قراردادوں کے ذریعہ اپنے حزن و ملال کا اظہار کیا پھر بیرون ممالک جماعتوں میں سے بھی بیسیوں تعزیتی قراردادیں مرکز میں موصول ہوئیں اور انفرادی طور پر تاروں (ٹیلیگرامز) اور خطوط کے ذریعہ سے جو اظہار غم کیا گیا اس کا شمار تو سینکڑوں تک کیا جا سکتا ہے'' - (الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۶۳ء)

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے موقعہ پر اپنے تو اپنے غیر بھی بہت ہی رنجیدہ خاطر نظر آتے تھے- ان ایام میں حضرت میاں صاحبؓ کے بڑے بھائی حضرت مصلح موعودؓ پر جو بیتی جو کہ ایک لمبے عرصہ سے شدید بیمار بھی چلے آ رہے تھے وہ میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحب کی زبانی یہاں تحریر کرتا ہوں کہ اس صدمہ عظیم کے وقت بھی آپ تبلیغ اسلام میں مصروف تھے- آپ نے بیان کیا کہ:-

'' حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات پر کیا اثر پڑا؟ یہ ایک سوال ہے کہ جس کے جواب کے متعلق ہم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہئے- ظاہر ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے چھوٹے بھائی تھے- نہایت ہی عزیز، حد درجہ کے فرمانبردار، آپؓ کے پسینہ جگہ خون بہانے والے اور آپؓ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جان تک فدا کرنے والے- ایسے جانثار بھائی، ساتھی اور فدائی کی جدائی کوئی معمولی بات نہیں تھی- اس بھائی کی وفات پر آپؓ کی طرف سے کسی بیان کا جاری نہ ہونا کچھ معنی رکھتا ہے! - میرے دل میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا تھا اور میں حیران تھا کہ اگر کوئی سوال کر بیٹھے تو اسے کیا جواب دوں گا؟ خدا بھلا کرے حضرت

صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا کہ انہوں نے مشرقی پاکستان کے کسی جلسہ میں اس سر بستہ راز کی نقاب کشائی کی۔ آپ نے فرمایا کہ:-

"حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کا سب سے زیادہ غم اگر کسی شخص کو ہو سکتا تھا تو وہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذات تھی مگر آپؓ اس غم کو پی گئے اور چند دن کے اندر اندر ہی آپ نے جو تازہ پیغام جماعت کے نام دیا وہ اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ جس مقصد کے لئے آپ کے بھائی نے کام کرتے کرتے اپنی جان تک قربان کر دی۔ جماعت کو بھی چاہیئے کہ اس مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے کہ اسی کام کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تھا۔ اسی کام کے لئے مَیں کام کر رہا ہوں اور اسی کام کے لئے میرے بھائی نے زندگی قربان کی۔ پس! اگر آپ لوگوں کو حضرت میاں صاحبؓ سے محبت تھی تو اس کا ثبوت اپنے اعمال سے دو تا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے افضال و انوار کی بارش نازل کرے"۔ (حیات بشیر صفحہ ۴۲۷-۴۲۸)

اب خاکسار یہاں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی حضرت امیر المؤمنین مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس خط کی نقل آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے کہ جس میں حضورؓ نے تعزیت کرنے والوں کو حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

السلام

عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب کی وفات پر آپ نے جس گہری ہمدردی اور غم کے جذبات کا اظہار کیا ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے آپ کو اس کہ بہترین جزاً عطاً فرمائے اور دین و دنیا میں ہر قسم کی مکروہات سے بچا کر خیر و برکت سے متمتع کرے۔ عزیز مجھ سے چھوٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت وہ پہلے اُٹھا لئے گئے۔ دل اُن کی وفات سے زخم خوردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہمیں ہر چیز پر مقدم ہے اور اُسی کے آستانہ پر جھکنے سے ہماری نجات ہے۔

اگر مؤمن اِس قسم کے اِبتلاؤں میں ثابت قدمی دکھائے اور خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے چلنے لگے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ سُست ہو جائے تو اپنے پہلے مقام کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ پس! اِبتلاؤں کا آنا مؤمنوں کے لئے بڑے فکر کا موجب ہوتا ہے اور جماعت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ایسے اِبتلاؤں کے وقت پہلے سے بھی زیادہ جوش اور ہمت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کھڑی ہو جائے اور اپنی آئندہ نسلوں کی درستی کی فکر کرے۔ ہم مِیں سے کون ہے جس نے ایک دن اپنے رب کے حضور حاضر نہیں ہونا؟ پھر کیوں ہم اپنے فرض سے غافل رہیں؟ ہمیں ہمیشہ اپنے دلوں کو ٹٹولتے رہنا چاہیئے اور اچھے قائم مقام اور اعلیٰ درجہ کی نیک نسلیں چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے تمام اعزہ و متعلقین کے ساتھ ہو۔ خاکسار۔ دستخط (مرزا محمود احمد)"۔ (حیات بشیر صفحہ ۴۲۰-۴۲۱)

حضرت عمو صاحبؓ

از حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب

بیرسٹرایٹ لاءٔ ڈھاکہ

حضرت عمو صاحبؓ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات - جماعت احمدیہ کے لئے ایسا المناک واقعہ اور ایسا دھکہ ہے کہ جس کی مثالیں جماعت میں بہت کم ہیں - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات ایسا واقعہ تھی کی جس سے ساری جماعت ہل گئی - اس کے بعد جماعت کے بزرگ آہستہ آہستہ فوت ہوتے چلے گئے اور ایک ایک کر کے یہ ستارے ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے گئے مگر جماعت کو مجموعی طور پر کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ ان کی وفات سے ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے کہ جس کا پُر ہونا مشکل ہے - ۱۹۵۲ء میں حضرت ام المومنینؓ کی وفات ہوئی اور دسمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحبؓ کی وفات ہوئی مگر جماعت ان دونوں صدموں کو برداشت کر گئی اور یہ آواز پیدا نہ ہوئی ” کہ اب کیا ہوگا ؟ “ - بہر صورت یہ تین عظیم صدمے ہیں جو کہ جماعت کو پچھلے پچپن برس میں پہنچے گو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات ایک لمبی بیماری کے بعد ہوئی اور باوجود اس کے کہ آپؓ کی علالت کی خبریں اخبارات کے ذریعہ سے جماعت کو ملتی رہیں مگر وفات کی خبر نے ایک ایسا دھکہ پہنچایا کہ ہر آدمی کہتا تھا کہ اب کیا ہوگا ؟ - اس کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ حضرت عمو جانؓ نے ۱۹۱۴ء سے ہی جماعت کے کاموں میں بہت تندہی سے کام کیا اور حقیقی طور پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کا دست راست بن کر دکھا دیا - جماعت کے دل میں آپؓ کے کام کی اہمیت اور آپؓ کے وجود کی برکات پوری طرح عیاں ہو گئیں -

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی طریق رہا ہے کہ ہر ایک ضروری کام آپؓ کے سپرد فرماتے - پچھلے پچاس برس میں ہزاروں نہیں لاکھوں ضروری کام حضور نے آپؓ کے سپرد کئے اور آپؓ نے بھی پوری ذمہ داری سے ان کاموں کو سرانجام دیا - اسی طرح جب بھی کبھی مشورے کی ضرورت ہوتی تو پہلے آپؓ ہی کو یاد فرمایا - حضور ایدہ اللہ نے اپنی لمبی بیماری میں تو قریباً سارا کام ہی آپؓ کے سپرد کر دیا - بچپن سے اب تک میں یہی نظارہ دیکھتا آیا ہوں - اس کے علاوہ جماعت کے ہر فرد کو آپؓ کے وجود میں ایک نہایت شفیق اور ہمدرد باپ نظر آتا تھا - لوگ اپنی اپنی ضروریات لے کر آتے اور آپ سب بڑے غور سے سنتے - ان میں سے بعض لوگ ایسے امور میں بھی مشورے لینے آتے جن پر غور کرنا ایک عام آدمی کو بھی تو ضیع اوقات نظر آتا تھا لیکن آپؓ نے کبھی یہ اظہار نہیں فرمایا کہ آپؓ کا وقت ضائع ہو رہا ہے بلکہ ساری تفصیل تحمل سے سنتے اور پھر جو مشورہ ٹھیک ہوتا دے دیتے - بڑے تو خیر بڑے ہیں بچوں سے بھی بہت پیار سے ملتے اور جب کوئی بچہ آپؓ کے پاس جاتا تو آپؓ کام کرتے ہوئے بھی اٹھتے اور الماری کھول کر ان میں سے کچھ کھانے کی چیز نکال کر دیتے - بچہ وہ چیز لے کر چلا جاتا مگر کھانے کے بعد پھر حاضر ہو جاتا اور آپ اسی طرح اسے پھر کچھ نہ کچھ نکال کر دیتے مگر یہ کبھی نہ کہتے کہ مجھے تنگ نہ کرو - یہ دستور آپ کا آخری عمر تک رہا -

حضرت ام المؤمنینؓ سے آپؓ کو خاص محبت تھی - ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے - جب تک قادیان میں رہے آپؓ کا دستور تھا کہ شام کا

کھانا حضرت اماں جانؓ کے پاس ہی کھاتے- مغرب کی نماز پڑھ کر آپؓ گھر نہ جاتے بلکہ حضرت اماں جانؓ کے پاس ہی بیٹھ جاتے اور اپنے گھر کا کھانا بھی وہیں منگوا لیتے اور پھر کھانا کھا کر اور عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جاتے- جب کبھی حضرت ام المؤمنینؓ ہمارے ہاں آئی ہوئی ہوتیں تو یا کسی کے ذریعہ آپؓ کی طبیعت پوچھواتے اور یا پھر خود ہی آجاتے- ہر نیا پھل یا ہر نئی چیز جو آتی آپؓ پہلے ان کو بھجواتے- جب کبھی حضرت اماں جانؓ باہر جاتیں تو حضرت عمو صاحبؓ کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ جلدی واپس آجائیں- قادیان میں رہنے کا آپؓ کو خاص خیال رہتا تھا- بہت کم باہر جانا یا باہر رہنا پسند فرماتے کبھی مجبوری سے باہر جانا پڑتا تو یہی سوچتے کہ کب واپس جاویں- گرمیوں کے موسم میں لوگ پہاڑوں وغیرہ میں چلے جاتے ہیں مگر آپؓ قادیان میں ہی رہتے- بعض دفعہ تو یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے آپؓ واحد فرد ہوتے جو کہ قادیان میں رہ جاتے تھے- حضرت عمو جانؓ کی طبیعت بہت حساس تھی مگر باوجود اس کے آپؓ ہمیشہ درگذر فرماتے- اگر کبھی ناراضگی بھی ہوتی تو ایسے رنگ میں اظہار فرماتے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو- دراصل اس کا مقصد بھی اظہار تعلق ہوتا نہ کہ ناراض ہونا-

میری آخری ملاقات آپؓ سے عزیزہ طلعت (بیٹی) کی وفات پر ہوئی- عزیزہ طلعت جب فوت ہوئیں تو آپؓ کی طبیعت بہت خراب تھی- جنازہ ربوہ پہنچا تو آپؓ کی شدید خواہش تھی کہ جنازہ میں شامل ہوں مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ڈاکٹروں کا مشورہ یہی تھا کہ آپؓ اپنے بستر سے نہ ہلیں کجا یہ کہ باہر جا کر جنازہ میں شامل ہوں- مگر آپؓ بار بار جنازہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کرتے- بالآخر ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ ڈاکٹری مشورہ یہی ہے کہ آپؓ شامل نہ ہوں ورنہ سخت مضر ہوگا- اس کے بعد آپؓ نے ایک عزیز کے ذریعہ سے مجھے پیغام بھجوایا کہ: ''میری تو جنازہ میں شامل ہونے کی شدید خواہش ہے لیکن ڈاکٹر اجازت نہیں دیتے اور اگر میں شامل نہ ہوسکوں تو مجھے کسی رنگ میں گراں تو نہ گزرے گا ؟ ''- اللہ اللہ کیا مقام ہے- اس بیماری میں بھی جس سے آپؓ جانبر نہ ہوسکے اپنے ایک عزیز کا اس قدر خیال- اب جب بھی میں اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو دل بھر آتا ہے۔ عزیزہ طلعت کے جنازہ اور تدفین کے بعد جب ہم آپؓ سے ملنے گئے تو آپؓ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور بار بار صبر کی تلقین فرماتے تھے کہ: ''تم نے تو خدمت کا اجر پالیا اب اللہ تعالیٰ سے صبر کا اجر بھی پاؤ''- اس ملاقات کے دوران میں آپؓ ہم سے باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور دعائیں بھی ساتھ ساتھ بلند آواز سے پڑھتے جاتے- پھر فرمانے لگے کہ: ''میں سخت بیمار ہوں اور میرے بارہ میں بعض لوگوں نے خوابیں دیکھی ہیں'' - اور بعض اپنی خوابوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا- ہم لوگ روز آپؓ سے ملنے جاتے تھے اور ہر ملاقات میں آپؓ ہمیں تسلی دیتے- ڈھاکہ کے لئے چلنے سے پہلے آپؓ نے پھر وہی صبر کی تلقین فرمائی اور ہر ایک سے بڑے تپاک سے ملے- بچوں کو پیار کیا- گو دل نہ مانتا تھا مگر ایک آواز کہہ رہی تھی کہ اس مقدس وجود سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے-

بالآخر وہی ہوا جو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تھا- ڈھاکہ میں اخبار الفضل دیر سے آتا ہے اس لئے آپؓ کی ابتدائی بیماری کا علم نہ ہوا- پہلی خبر جو ہمیں ملی وہ پہلی تاریخ کو تھی- ایک تار مرزا منیر احمد صاحب کی طرف سے ملی کہ آپؓ کو ۱۰۸ بخار ہے اور بے ہوشی کی حالت ہے- اسی وقت ٹیلیفون کی کال بک کی- گیارہ بجے رات فون مل گیا- اس میں مرزا طاہر احمد صاحب نے بتایا کہ بخار کم ہوگیا ہے مگر حالت خطرناک ہے- فون کے ختم ہونے سے پہلے ہم نے خوب تاکید کردی کہ آپؓ کی طبیعت کے بارہ میں ضرور صبح تار دے دیں- اگلے دن جب تار نہ ملی تو خیال ہوا کہ طبیعت سنبھل گئی ہوگی- شام تردد رہا اور اسی پریشانی میں ہم سو گئے- رات کے ایک بجے فون کی گھنٹی بجی اٹھ کر فوراً فون پر گیا تو ایکسچینج -EXCHANGE- نے بتایا کہ لاہور سے کال آئی ہے- یہ الفاظ سن کر دل بیٹھ گیا -تھوڑی دیر کے بعد ایک خادم بولا- اس نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ الثانی کے بھائی صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ شام کو وفات پاگئے ہیں- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)- اور آپؓ کا جنازہ ربوہ لے گئے ہیں- یہ خبر سن کر

آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ ایسی حالت تھی کہ باقی گھر والوں کو بھی یہ خبر نہ بتا سکا۔ سب لوگ جو پاس کھڑے تھے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ کیا ہؤا۔ یہ خبر سن کر عزیزہ طلعت کا صدمہ بھول گئے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسی قدر طبیعت سنبھلی تو یہ سوچا کہ اب کیا کیا جاوے؟۔ ان دنوں چونکہ میں دفتر میں اکیلا ہی تھا اس لئے میرا جانا ممکن نہ تھا مگر عزیزم مرزا خورشید احمد اور عزیزہ امتہ الوحید بیگم اور ان کے بچے جو کہ ہمارے پاس کھڑے ہوئے تھے سب تیار ہو گئے۔ اسی وقت ''پی آئی اے'' کے آفس میں جا کر سیٹیں بک کروائیں اور پھر تیاری میں لگ گئے۔ ان کو روانہ کرتے وقت تک یہی خیال رہا کہ کسی طرح ربوہ پہنچنے کا موقعہ مل جاوے مگر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مجھے یہ رنج ہمیشہ رہے گا کہ ایسے مشفق اور مہربان وجود کو کہ جس نے اپنی ساری عمر خدمت دین میں صرف کر دی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی قمر الانبیاء کا خطاب دیا۔ اس کو آخری بار نہ دیکھ سکا۔ اللہ تعالیٰ آپؓ پر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل کرے اور ہمیں صبر جمیل عطا فرماوے۔ اللھم آمین۔ (روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۱)

صاحبزادی طلعت بیگم صاحبہ کی تدفین سے پہلے اور بعد کے تمام واقعات خاکسار کے سامنے پیش آئے۔ میری ہوش میں چونکہ اس وقت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی سب سے پہلی چھوٹی سی بچی کا انتقال ہؤا تھا اس لئے مجھے یہ تمام واقعات اسی طرح یاد ہیں کہ جیسے اوپر بیان ہوئے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ صاحبزادی طلعت بیگم صاحبہ کے والدین جب جنازہ اور تدفین کے بعد آپؓ سے ملنے کے لئے آئے تو آپؓ اپنے نواری پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئے آپؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے کہ جنہیں آپ اپنے سرخ ریشمی رومال میں جذب کرتے چلے گئے۔ آپؓ نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو کنٹرول کیا کیونکہ آپؓ کو عزیزہ طلعت بیگم صاحبہ کے جنازہ میں شرکت نہ کر سکنے کا بہت افسوس تھا لیکن اس کے باوجود آپؓ نے انہیں بار بار صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ: '' تم نے تو خدمت کا اجر پا لیا اب اللہ تعالیٰ سے صبر کا اجر بھی پاؤ''۔ یہ فقرات آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں کیونکہ اس سے قبل میں نے یہ فقرہ کسی سے نہیں سنا تھا کہ ''اب اللہ تعالیٰ سے صبر کا اجر بھی پاؤ''۔ شاید اسی لئے جب میں مئی ۱۹۹۶ء کو پہلی مرتبہ پاکستان گیا تو صاحبزادی طلعت بیگم صاحبہ کی قبر پر بھی جا کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔ آمین

☆

حضرت قمر الانبیاءؓ کے چند اوصاف

از مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب

آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جن کا ہر لمحہ دین کے لئے وقف تھا اور جن کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ انؓ کے سوانح حیات کو ترتیب دینا ایک بہت اہم اور محنت طلب کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ جلدی اس کام کو پوری توجہ اور کوشش سے سرانجام دے سکے۔ میں اس وقت صرف دو واقعات لکھ رہا ہوں جو گو بظاہر بالکل معمولی ہیں لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کو اللہ تعالیٰ پر جو پختہ ایمان تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؓ کو جو عشق تھا اس کا پتہ ان سے چل جاتا ہے۔

ا:۔ غالباً ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے کہ میں آپؓ کے پاس انگریزی کا ایک ڈرافٹ درستی کے لئے لے گیا۔ اس میں لفظ محمدؐ (ﷺ) کو '' MOHD '' لکھا ہوا تھا ۔ جب آپؓ اس لفظ پر پہنچے تو قلم میز پر رکھ دی اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ: '' محمدؐ ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ بعض انگریزی خواں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اسے صرف '' MD یا MOHD '' لکھ دیتے ہیں۔ میں اس معاملہ میں بہت KEER (حساس) ہوں۔ میں یہ بات ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ آنحضرت ﷺ کے نام ہم مخفف کر کے لکھیں''۔ حضرت موصوفؓ کی اس نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں مرتبہ یہ نام لکھنے کی سعادت بخشی لیکن میں نے کبھی اس غلطی کو نہیں دہرایا بلکہ اس نیک تحریک کو متعدد دوستوں تک پہنچانے کی بھی توفیق پائی۔

۲:۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ایک مسلم لیڈر فوت ہو گئے۔ جماعت کی طرف سے ان کے ورثاء کو تعزیت کا تار جانا تھا۔ میں نے فوراً ڈرافٹ بنایا اور اس میں - UNTIMELY DEMISE - (بے وقت موت) کے الفاظ لکھ دئے۔ جب میں اسے صاحبزادہ صاحبؓ کے پاس درستی کے لئے لے گیا تو آپؓ نے - UNTIMELY DEMISE - کے الفاظ کو اچھی طرح سے کاٹا اور فرمانے لگے کہ: '' ہر انسان کی موت کا وقت معین ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو بھی اس کا علم دے دیتا ہے۔ جب بھی کوئی انسان موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اپنے مقررہ وقت پر ہی مرتا ہے۔ اس لئے کسی کی موت کو بے وقت کہنا درست نہیں''۔ (روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴۰)

☆

طلباء کے محسن

از میاں عبدالرشید غنی صاحب

سابق لیکچرر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

(۱۶ر ستمبر ۱۹۳۴ء - ۲۹ر مارچ ۲۰۰۴ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا پاک وجود خدا تعالےٰ کی بشارتوں کے مطابق ہمارے لئے غیر معمولی طور پر بہت سی برکات کا موجب تھا- اللہ تعالےٰ نے آپؓ کو اتنی گوناگوں اور متنوع خوبیوں سے نوازا تھا کہ کسی ایک مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے- آپؓ کی بے پایاں شفقت، سچی ہمدردی، بے لوث محبت اور ہر لحاظ سے صحیح، ہر وقت متوازن اور از حد دور اندیشی پر مبنی صائب رائے اور مشورہ سے جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ کے افراد ہزاروں کی تعداد میں مستفید ہؤا کرتے تھے اور ہر ایک ان میں یہی سمجھتا تھا کہ میں ہی سب سے بڑھ کر حضرت میاں صاحبؓ کی ہمدردی اور شفقت کا مورد ہوں- حضرت میاں صاحبؓ جماعت کے نوجوانوں بالخصوص جماعتی درسگاہوں میں پڑھنے والے طلباء کے معاملات میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے اور ان کی ہر معاملہ میں صحیح اور بروقت رہنمائی اور مدد فرمایا کرتے تھے- آپؓ کے دل میں اس بات کی شدید خواہش اور تڑپ کہ نوجوان حضرت مسیح موعودؑ کے اس فرمان کو پورا کردیں کہ ہماری جماعت علم اور معرفت میں اس قدر ترقی کرے گی کہ دنیا کا منہ بند کردے گی- اور علوم سائنس اور فلسفہ میں اس قدر ترقی کریں کہ دنیا کی صف اول میں کھڑے ہوسکیں- چنانچہ آپؓ اپنے پیغام مؤرخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۶۳ء میں فرماتے ہیں: ’’ احمدی بچوں کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ان کی ترقی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے بڑی بڑی بشارتیں دے رکھی ہیں- چنانچہ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:- ’’ اللہ تعالےٰ میری جماعت کے لوگوں کو علم و معرفت میں اتنی ترقی دے گا کہ وہ ساری دوسری قوموں کا منہ بند کردیں گے‘‘ لیکن جیسا کہ سنت الٰہی سے ثابت ہے کہ خدا تعالےٰ کے کام تدریجی ہؤا کرتے ہیں- شروع میں ایک حقیر سا بیج ہوتا ہے پھر وہ آہستہ آہستہ ترقی کرکے ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے- مگر چونکہ ہر تقدیر کے ساتھ تدبیر کا لازمہ ضروری ہے اس لئے احمدی بچوں کو چاہئیے کہ محنت اور جانفشانی اور عرق ریزی کے ذریعہ اپنے لئے ترقی کا رستہ کھولیں اور امتحانوں میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کریں- جو شخص کوشش کرتا ہے اور کوشش بھی صحیح طریق پر کرتا ہے وہ ضرور اللہ تعالےٰ کی نصرت سے حصہ پالیتا ہے- پس! ضروری ہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی گئی ہے احمدی بچے خاص کوشش اور توجہ اور محنت سے کام لیں‘‘- پھر اسی طرح حضرت میاں صاحبؓ احمدی طالب علموں کی اعلےٰ کامیابیوں کو سراہتے ہوئے اور ان کا حوصلہ بلند سے بلند تر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ’’ یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ کچھ عرصہ سے ہماری جماعت کے بچوں اور بچیوں کے نتائج اچھے نکل رہے ہیں اور ان کا معیار دن بہ دن بلند ہوتا جارہا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام والی بشارت حاصل کرنے کے لئے میں کہتا ہوں ؎ **نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز** ‘‘- (الفضل ۱۶ر مارچ ۱۹۶۳ء)

آپؓ نے طلباء کو اس قابل بنانے کے لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بشارتیں حاصل کرسکیں ان کی اجتماعی اور انفرادی رنگ میں رہنمائی اور

مدد فرمائی - شاید ہی کوئی ایسا طالب علم ہو (خواہ وہ کسی کلاس یا مضمون کا ہو) جو ملاقات اور مشورے کے لئے کسی وقت حاضر ہؤا ہو تو ناکام لوٹا ہو- طالب علموں کی خاص عزت اور اہمیت حضرت میاں صاحبؓ کے دل میں تھی - آپؓ ان کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتے اور ان کو ٹھوس اور مناسب مشورے دیا کرتے تھے نیز ان کی ذہنی استعدادوں کو جاننے کے معاملہ میں آپؓ کو ید طولےٰ حاصل تھا - آپؓ کی نظر میں ہر طالب علم احمدیت کا ایک انمول موتی تھا - آپؓ اس کا اسی طرح خیال رکھتے تھے جیسے کہ ایک ماہر مالی اپنے چھوٹے چھوٹے اور کمزور پودوں کا خیال رکھتا ہے کہ اب ان کو کس موزوں زمین میں منتقل کیا جائے؟ اور کس طرح ان کو موسم کے بد اثرات، آندھی، طوفان اور حوادث سے بچایا جائے ؟ اور کس طرح ان کو مختلف مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھا جائے؟

آپؓ کی ان صفات ہی کی وجہ سے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے جب ۱۹۴۴ء میں تعلیم السلام کالج کا اجراء فرمایا تو آپؓ کو صدر کمیٹی کالج مقرر فرمایا- اور آج آپؓ کی اور محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کی ہی دن رات محنت اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس کالج کا شمار پاکستان کی بہترین درسگاہوں میں ہوتا ہے- اب میں ذیل میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ نے کس طرح بروقت اور صحیح رہنمائی طالب علموں کی فرمائی! میں نے بی ایس اے BSC کرنے کے بعد حضرت میاں صاحبؓ سے اپنی ایم اے M.A. کی تعلیم کے بارے میں مشورہ چاہا تو آپؓ نے تحریر فرمایا کہ:-

’’ آپ نے ایم اے کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے- ایم اے ریاضی یا فزکس میں سے جس مضمون میں زیادہ دلچسپی ہو لے لیں- داخلہ نہ ملنے کی تو کوئی وجہ نہیں لیکن اگر خدانخواستہ کامیابی نہ ہو تو لاء LAW (قانون- ناقل) بھی اچھی لائن ہے- اس میں محنتی اور ذہین آدمیوں کے لئے اب بھی بڑی گنجائش ہے اور ابھی تک آپؓ کے خاندان میں کوئی لاء میں نہیں گیا--- اللہ تعالےٰ آپ اور سب بہن بھائیوں کے ساتھ ہو اور دین و دنیا میں حافظ و ناصر رہے‘‘- فقط والسلام خاکسار دستخط (مرزا بشیر احمد ایم- اے) ۸/ستمبر ۱۹۵۶ء

آپؓ طالب علموں کو صرف مشورہ ہی دے کر نہ چھوڑ دیتے تھے بلکہ جب تک وہ تعلیم مکمل نہ کر لیں آپؓ ان میں برابر دلچسپی لیتے رہتے اور ان کے معاملات کو اتنا اہم سمجھتے کہ گویا آپؓ کا اپنا ہی بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہے اور آپؓ اس کے مستقبل کے بارے میں متفکر ہیں- پھر آپؓ حوصلہ جرأت، ہمت، محنت، استقلال اور سب سے بڑھ کر توکل علیٰ اللہ کا ایک بلند مقام احمدی طالبعلموں میں پیدا کرنا چاہتے تھے جن کی بدولت طالب علم مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سرخرو نظر آتے تھے- ایک دفعہ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عبدالشکور- ایم بی بی ایس M.B.B.S. کے ایک امتحان میں فیل ہو گئے- انہوں نے ایک پُر ندامت خط حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں لکھا- حضرت میاں صاحبؓ نے جواباً تحریر فرمایا :-

’’ ابھی ابھی آپ کا خط مؤصول ہؤا- آپ کے فیل ہو جانے کا افسوس ہؤا مگر آپ اس پر حد سے زیادہ غم نہ کریں- کئی ناکامیاں آئندہ ترقیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں- آخر آنحضرت ﷺ کو بھی احد کے میدان میں ایک عارضی تکلیف پہنچی تھی جو بظاہر شکست کا رنگ رکھتی تھی مگر اللہ تعالےٰ نے اسے عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ بنا دیا- آپ گھبرائیں نہیں اور آئندہ امتحان کے لئے پوری توجہ اور محنت سے تیاری کریں- بعض اوقات اچھے اچھے طالب علم بھی کسی وجہ سے فیل ہو جاتے ہیں- اللہ تعالےٰ آپ کو اور عزیز احمد کو اپنے فضل سے کامیاب فرماوے اور دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو - فقط دستخط (مرزا بشیر احمد) ربوہ ۵/جولائی ۱۹۵۶ء‘‘ -

اللہ اللہ کس قدر حوصلہ افزا اور امید افزا خط آپ نے ایک فیل ہونے والے طالب علم کو تحریر فرمایا اور کس صبر اور محنت اور ہمت کی تلقین فرما کر اسے امید کی روشنی دکھلائی اور آج آپؓ کی رہنمائی، ہمدردی اور دعاؤں کے نتیجہ ہے کہ ہمارے جیسے کئی نوجوان اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد زندگی کے وسیع میدان میں کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپؓ کو دعائیں دے رہے ہیں۔ حضرت میاں صاحبؓ نے طالب علموں کی رہنمائی صرف درسگاہوں تک ہی نہیں فرمائی بلکہ بعد کی زندگی کے عملی میدان میں بھی آپؓ کو ان کا فکر رہتا۔ چنانچہ پچھلے سال خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر افتتاحی خطاب میں آپؓ نے فرمایا:۔

’’ آپ لوگوں میں سے کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جو ابھی سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ انہیں اس غلط فہمی میں نہیں مبتلا ہونا چاہئیے کہ تعلیم پانے کا زمانہ صرف درسگاہوں کی چار دیواری تک محدود ہے۔ حق یہ ہے کہ درسگاہیں تو صرف علم کے دروازے تک پہنچاتی ہیں۔ اس کے آگے ایک بہت وسیع میدان ہے ایسا وسیع جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس میدان میں انسان سکول اور کالج سے فارغ ہونے کے بعد خود اپنی کوششوں اور اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھنے کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔ پس درسگاہوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھو اور ضرور جاری رکھو کیونکہ یہ وہ علم ہے جو درسگاہوں میں حاصل ہونے والے علم سے بہت زیادہ وزن رکھتا ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے علم کے آسمان پر پہنچا دیا مگر پھر بھی آپؐ کی یہی پکار رہی:۔

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ٥ (طٰهٰ:۱۱۵) یعنی: ’’ خدایا مجھے مزید علم عطا فرما‘‘۔

ان تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کس طرح احمدیت کی نرسری کا خیال رکھتے تھے اور کس طرح اس کو شب و روز کی محنت شاقہ اور پر خلوص دعاؤں سے پروان چڑھاتے تھے۔ آپؓ کی طلباء کے ساتھ شفقت میں مندرجہ ذیل پہلو بہت نمایاں تھے:۔

ا:۔ طالب علم کے مستقبل کے بارے میں مشورہ دیتے وقت آپؓ اس کے خاندان کو ملحوظ نظر رکھتے تھے کہ کس کس شعبہ میں اس خاندان کے افراد شامل ہو چکے ہیں اور کس شعبہ میں نہیں۔ پھر آپؓ اپنی محتاط، مفید اور نہایت کارآمد رائے سے نوازتے تھے۔ ۲:۔ فیل ہو جانے والے طلباء کا خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہوں نہایت مشفقانہ رنگ میں حوصلہ بڑھاتے اور انہیں بہت ہی مؤثر انداز سے محنت اور ہمت کی طرف توجہ دلا کر ان میں اولوالعزمی پیدا کرتے تھے۔ مایوسی کے تمام خدشات کو طالب علم کے دل سے نکالنے کی کوشش فرماتے۔ ۳:۔ دوران تعلیم طالب علموں کا بہت خیال رکھتے۔ ان میں بہت گہری دلچسپی لیتے اور ان کی ہر ممکن رہنمائی اور مدد فرماتے۔ ۴:۔ طلباء کو آپؓ ہمیشہ محنت، ہمت، جانفشانی اور عرق ریزی کے ذریعہ اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی تلقین فرماتے رہتے۔ ۵:۔ درسگاہوں سے نکلنے کے بعد آپؓ ان سے یہ امید رکھتے کہ اب علم کے وسیع میدان میں داخل ہو کر نہایت محنت اور ہمت سے کام کرتے ہوئے کامیاب رہیں اور مسلسل طور پر تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھیں اور اپنے پیارے آقا حضرت رسول اکرم ﷺ (فداہٗ امی وابی) کی اس پکار کو کبھی نہ بھولیں رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ٥ (طٰهٰ :۱۱۵) یعنی :’’ خدایا مجھے اور علم عطا کر‘‘۔ اور عملاً اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ جسمانی طور پر فوت ہو گئے ہیں لیکن آپؓ اپنی خوبیوں، نیکیوں اور عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے بلا شبہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نوجوان ان توقعات کو جو حضرت میاں صاحبؓ ہم سے رکھتے تھے پورا کرنے کی کوشش کریں اور آپؓ کی زریں نصائح کو عملی جامہ پہنائیں۔ ہمارا جینا اور مرنا، اسلام کی خاطر ہو۔ حضرت میاں صاحبؓ کی ظاہری وفات ہمارے لئے ایک گہرے زخم کی حیثیت رکھتی ہے اور حضرت میاں صاحبؓ کے تحریر فرمودہ الفاظ کے مطابق جو آپؓ نے میرے والد محترم کی وفات پر ۱۹۵۶ء میں فرمائے تھے کہ:’’

گھرے زخم مندمل ہونے میں وقت لیتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے اس زخم کو مندمل فرما سکتا ہے"۔ اسی سے ہماری دعا ہے کہ اے خدا ! ہمارے پیارے امام کو جلد شفائے کامل و عاجل عطاء فرما اور صحت کے ساتھ لمبی عمر عطاء فرما تا حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کا گہرا زخم جلد مندمل ہو سکے۔ آمین۔ (روزنامہ "الفضل" خاص نمبر مؤرخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۸-۳۹)

☆

آخری علالت

از مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب

میں اسے اپنے لئے سعادتِ عظمیٰ سمجھتا ہوں کہ مجھے مسلسل کئی سال تک قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیماری کے ایام میں کچھ خدمت کرنے اور علاج میں حصہ لینے کی توفیق ملتی رہی۔ آخری بیماری کے دنوں میں تو مسلسل کئی ہفتے قریب رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ احباب کو علم ہے کہ کئی سال سے حضرت میاں صاحبؓ کی صحت تسلی بخش نہیں تھی۔ تقریباً دس سال ہوئے آپؓ پر دل کی بیماری کا ایک شدید حملہ ہؤا تھا۔ اس وقت آپؓ نہایت خطرناک حالت سے گذرے اور کئی ہفتے صاحب فراش رہے۔ اس کے بعد گو آپؓ صحت یاب تو ہو گئے مگر دل کی حالت پوری طرح صحت والی نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ جوڑوں کی درد (GOUT) کی بہت پرانی تکلیف تھی جس کے حملے اکثر ہوتے رہتے تھے۔ پھر ۷-۸ سال سے ذیابیطس (DIABETES) کا مرض بھی لاحق ہو گیا تھا۔ ان تمام عوارض کی وجہ سے ہر ۵-۶ ماہ کے بعد آپؓ کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ دل کی کمزوری کی وجہ سے آپؓ کو کبھی تنفس کی تنگی یا دل کی درد (ANGINA) کا دورہ ہو جاتا تھا۔ کبھی خون کا دباؤ بڑھ کر پریشانی اور بے خوابی کا باعث بن جاتا تھا۔ پھر کبھی CONGESTIVE FAILURE کی وجہ سے پاؤں وغیرہ پر ورم ہو جاتا تھا۔ یہ دورے اکثر کثرت کار یا جماعتی تفکرات کی وجہ سے ہو جاتے تھے اور کچھ آرام اور علاج سے حالت بہتر ہو جاتی تھی۔ علاج اور آرام کے لئے آپؓ اکثر لاہور تشریف لے آتے تھے۔ گو یہاں مجبوراً ٹھہرتے تھے اور جلد ربوہ واپس جانے کی کوشش فرماتے تھے۔

موجودہ بیماری کا حملہ جون کے وسط کے قریب ہؤا۔ جون کے شروع میں لمبی چھٹی کے بعد پاکستان واپس آیا اور ربوہ جا کر حضرت میاں صاحبؓ کو ملا۔ اس وقت آپؓ کی صحت کافی حد تک اچھی تھی۔ میری موجودگی میں آپؓ چل پھر کر کام کر رہے تھے اور اپنے دفتر کے کارکن کو چٹھیاں لکھوا رہے تھے۔ چند دن کے بعد معلوم ہؤا کہ پرانے عوارض پھر عود کر آئے ہیں اور اس کے علاوہ رات کے وقت کثرت پیشاب کی تکلیف بھی شروع ہو گئی۔ آپؓ کو دیکھنے کے لئے دو ڈاکٹر صاحبان ربوہ گئے۔ تشخیص کیا گیا کہ کثرت پیشاب پراسٹیٹ (PROSTATE) یعنی مثانہ کے اندر والی غدود کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہے اور آپؓ کو مشورہ دیا گیا کہ اپریشن کے لئے فوراً لاہور آ جاویں۔ اس فوری اور اچانک اپریشن کے مشورہ کے نتیجہ میں آپؓ کو گھبراہٹ اور بے خوابی شروع ہو گئی اور چند دنوں میں یہ تکلیف شدید صورت اختیار کر گئی۔ جون کے آخر میں آپؓ کو تشخیص اور علاج کے لئے لاہور آنا پڑا۔ جب آپؓ لاہور تشریف لائے تو کافی کمزور تھے۔ بہت بے چینی تھی اور جسم اور ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ آپؓ کو دیکھنے کے لئے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بلایا گیا جس میں فزیشن اور سرجن دونوں شامل تھے۔ چنانچہ کرنل ملک عطاء اللہ، ڈاکٹر مسعود احمد سرجن میو ہسپتال، کرنل محمود الحسن سرجن ملٹری

ہسپتال، ڈاکٹر محمد اختر خان فزیشن میوہسپتال، ڈاکٹر محمد رشید صاحب چوہدری اور خاکسار اس مشورہ میں شامل تھے- خون اور ایکس رے (X-RAY) وغیرہ ٹیسٹ کئے گئے اور پروسٹیٹ کو دوبارہ دیکھا گیا- اس مشورہ کے بعد فیصلہ ہوُا کہ '' چونکہ پروسٹیٹ کوئی زیادہ بڑھا ہوُا نہیں اور بہت سی علامات اعصابی یعنی (ANXIETY NEUROSIS) کی وجہ سے ہیں اس لئے اپریشن کرنا مناسب نہیں ہوگا - دوائیوں سے علاج کرنا بہتر ہوگا'' - سومناسب دوائیاں اور ضروری ہدایات تجویز کی گئیں- کچھ علاج کے نتیجہ میں- کچھ اپریشن کی بلاٹل جانے کی وجہ سے عوارض میں قدرے افاقہ ہوُا-

ان دنوں گرمی جوبن پر تھی- مشورہ ہوُا کہ آپؓ کچھ ہفتے کسی ٹھنڈی جگہ تشریف لے جا کر آرام فرماویں اور علاج جاری رکھیں- اس کے لئے گھوڑا گلی کا مقام تجویز ہوُا جو کہ مری کے نزدیک اور اس سے کم بلندی پر واقع ہے- پہلے تو حضرت میاں صاحبؓ وہاں جانے پر رضامند نہیں تھے مگر ہمارے زور دینے پر آمادہ ہوگئے- چونکہ اکیلا جانے میں آپؓ کو گھبراہٹ تھی لہذا میں نے عرض کیا کہ میں آپؓ کے ساتھ گھوڑا گلی جاؤں گا اور کچھ وقت ساتھ رہوں گا- اس سے آپؓ کو اطمینان ہوگیا- ہم ۱۷ رجولائی کو کار میں لاہور سے روانہ ہوئے- میں حضرت میاں صاحبؓ کے ساتھ کار میں تھا- راستہ میں جہلم ڈاک بنگلہ میں دوپہر کے وقت آرام فرمایا- جہلم کے دوست ملاقات کے لئے آئے- ان میں بیٹھ کر گفتگو فرماتے رہے- رات راولپنڈی میں ٹھہر کر صبح گھوڑا گلی کے لئے روانہ ہوئے- راستہ میں راولپنڈی کے احباب کی خواہش پر مری روڈ پر احمدیہ مسجد کے سامنے کار کھڑی کر کے دعا فرمائی- ہم پہلے پہر ہی گھوڑا گلی پہنچ گئے- آپؓ کی رہائش گاہ ایک پر فضا جگہ تھی- آپؓ نے اسے پسند فرمایا- میں وہاں آپؓ کے ساتھ ۵-۶ دن ٹھہرا - اس عرصہ میں آپؓ کی طبیعت نسبتاً بہتر تھی- گو کسی حد تک بے خوابی اور کمزوری تھی اور کبھی کبھی گھبراہٹ ہو جاتی تھی مگر عموماً طبیعت پُرسکون رہتی- ایک دن راولپنڈی سے بہت سے دوست ملاقات کے لئے آئے- ان سے مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے- سالمی سینی ٹوریم کے ڈاکٹر اور سول سرجن مری آپؓ کو دیکھنے کے لئے آئے اور انتظام کیا گیا کہ وہ آپؓ کو باقاعدگی سے دیکھتے رہیں گے- میں چند دن رہ کر واپس آ گیا- آنے کے ہفتہ دس دن بعد رپورٹ ملنی شروع ہوگئی کہ حضرت میاں صاحبؓ کو پھر بے چینی کی تکلیف زیادہ ہوگئی ہے اور رات کے وقت خصوصاً گھبراہٹ زیادہ ہو جاتی ہے- پروگرام تو یہ تھا کہ آپؓ کم از کم ۷-۸ ہفتے وہاں قیام فرماویں مگر اس گھبراہٹ کی وجہ سے ۱۸-۱۹ دن رہنے کے بعد ہی آپؓ لاہور تشریف لے آئے اور غالباً ۶ اگست کو واپس یہاں پہنچے- پھر ڈاکٹری مشورہ ہوُا- علاج کا دوبارہ جائزہ لیا گیا- بعض نئی دوائیں تجویز ہوئیں- مشورہ میں ڈاکٹر محمد اختر خان، ڈاکٹر محمد رشید چوہدری، کرنل عطاء اللہ صاحب شامل تھے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مشورہ ہوتا رہا-

ان دنوں حضرت میاں صاحبؓ کو بے چینی کی تکلیف اکثر رہتی تھی اور یہ خصوصاً دوپہر کے بعد اور رات کے پہلے حصہ میں زیادہ ہو جاتی تھی- شام ہوتے ہی ایک کرب کی سی حالت ہوتی تھی- ایسے وقت میں اکیلے نہیں رہ سکتے تھے- چاہتے تھے کہ عزیز آپؓ کے پاس رہیں- اکثر فرماتے تھے کہ:'' مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی تکلیف کی وجہ سے سب کو بے آرام کرتا ہوں''- چھوٹی اور معمولی سی بات بھی آپؓ کی پریشانی کا باعث بن جاتی تھی- مگر عجیب بات ہے کہ آپؓ کے پرانے عوارض میں سے کوئی عارضہ عود کر ہماری پریشانی کا باعث نہیں ہوُا- بلڈ پریشر (خون کا دباؤ) نبض اور دل کی عام حالت تسلی بخش رہی- میں آپؓ کو دیکھنے کے لئے صبح شام- دن میں دو دفعہ حاضر ہوتا- جب تکلیف زیادہ ہوتی تو بعض دنوں میں ۳-۴ دفعہ بھی جاتا- بے چینی کے وقت آپؓ کی خواہش ہوتی کہ میں زیادہ دیر آپؓ کے پاس بیٹھوں- اس سے بھی آپؓ کو کچھ سکون ہوتا- اکثر دست مبارک بڑھا دیتے اور ارشاد فرماتے کہ میں کرسی نزدیک کرلوں- اکثر دفعہ میں جانے کا ارادہ کرتا تو فرماتے چند منٹ اور بیٹھیں اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ احساس کرتے ہوئے کہ میں دیر سے بیٹھا ہوُا ہوں جانے کی اجازت فرماتے مگر ضرور پوچھتے کہ:'' آپ صبح آئیں گے نا ؟ ''- پھر خادموں کو حکم تھا

کہ جب میں صبح آؤں اور آپؓ سوئے ہوئے ہوں تو بھی آپؓ کو جگا دیا جاوے- ایک دو دفعہ رات کو بے چینی کی وجہ سے جگانا مناسب نہ خیال کیا تو خادموں پر ناراض ہوئے کہ آپؓ کو کیوں اطلاع نہیں دی- ان گھبراہٹ کے دنوں میں بھی دوست ملنے کے لئے آجاتے تھے- بعض عیادت کے لئے اور بعض اپنے کاموں میں مشورہ کے لئے - باوجود بے چینی کے یہی کوشش فرماتے کہ ان کو مل لیں - اگر بہت زیادہ تکلیف ہوتی تو کہلا بھیجتے کہ تکلیف ہے دعا کریں- اکثر جب آپؓ کو بلڈ پریشر اور نبض وغیرہ دیکھنے کے بعد بتایا جاتا کہ وہ نارمل ہیں تو فرماتے کہ:-

''آپ کہتے ہیں سب نارمل اور ٹھیک ہے مگر میں تو محسوس کرتا ہوں کہ اب میرے اندر کچھ باقی نہیں رہا''

پھر ان دنوں بہت تکرار کے ساتھ ذکر فرماتے کہ آپؓ کو بہت سی منذر خوابیں آئی ہیں اور آپؓ کا وقت نزدیک ہے- پھر کئی دفعہ فرمایا کہ:-

''ایک ہی طرح کی خواب ربوہ سے چلتے وقت گھوڑا گلی اور لاہور میں آئی ہے''

پھر میری موجودگی میں میاں مظفر احمد صاحب کو فرمایا کہ:-

''مظفر! آپ ڈاکٹروں کی باتوں پر نہ جائیں- اب مجھ میں کچھ باقی نہیں اور میں نے متواتر خوابیں دیکھی ہیں''

ایک دفعہ فرمایا کہ:-

''اب میری عمر ۷۰ سے زائد ہو چکی ہے- میں موت سے نہیں ڈرتا- اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے''

میں نے اور بعض دوسرے دوستوں نے کئی دفعہ عرض کیا کہ خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں مگر ظاہر تھا کہ اس بات کا آپؓ پر اثر نہیں تھا- آپؓ کو اپنی موت کے قریب ہونے کا پورا یقین تھا- ہمیں معلوم ہوا کہ ایک انگریز ڈاکٹر اعصابی امراض کا ماہر (NEUROPHYSICIAN) ڈاکٹر ملر (MILLER) آسٹریلیا جاتا ہوا لاہور ایک دو دن کے لئے آیا- اس سے مشورہ لینے کی تجویز ہوئی- چنانچہ ۲۸/ اگست کو بعد دوپہر وہ حضرت میاں صاحبؓ کو دیکھنے کے لئے آیا- آپؓ کے تمام معالج بھی موجود تھے- آپؓ نے خود اپنی بیماری کے تمام حالات اور نوٹ ترتیب وار لکھوائے- ہم نے اس کو بیماری کی تمام سرگذشت سنائی اور حضرت میاں صاحبؓ والے نوٹ بھی دکھائے- پھر اس نے آپؓ سے خود بھی حالات سنے- اس نے آپؓ کے کام کے متعلق دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ: ''میں زیادہ تر تصنیف اور لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں''- اس نے پوچھا کہ آپؓ کی آخری تصنیف کون سی ہے ؟ - آپؓ نے فرمایا کہ فیملی پلاننگ کے متعلق- اس نے مسکرا کر پوچھا کہ اس کے حق میں یا اس کے خلاف؟- تو آپؓ نے فرمایا کہ بعض حالات میں اس کے حق میں اور بعض حالات میں اس کے مخالف-

تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے رائے تھی کہ آپؓ کی اعصابی تکلیف- جس کو ہم طبی اصطلاح میں ANVOLUTIONAL DEPRESSION کہتے ہیں کی وجہ سے ہے- اس میں عموماً تو DEPRESSION یعنی افسردگی اور چپ چاپ رہنے کی کیفیت ہوتی ہے مگر زیرک اور ذہین مریض جب اس افسردگی کو غیر شعوری طور پر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بے چینی اور گھبراہٹ کی علامات زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں- بہر حال اس کا خیال تھا کہ کوئی وجہ نہیں کہ میاں صاحبؓ اس تکلیف سے صحت یاب نہ ہوں- حضرت میاں صاحبؓ کے سامنے اور علیحدگی میں ہمارے پاس بھی اسی رائے کا اظہار کیا- اس نے وثوق سے کہا کہ چند ہفتوں میں بہتری کا آغاز ہو جائے گا اور امید ہے کہ ۲-۳ ماہ کے اندر آپؓ اس NEUROSIS کے حملہ پر قابو پا لیں گے- سو اس انگریز ماہر کی رائے بھی ہماری رائے کے عین مطابق تھی کہ آپؓ کا اعصابی مرض گو تکلیف دہ ہے مگر خطرناک نہیں ہے- اس نے چند ایک دوائیاں لکھیں، وہ لاہور سے دستیاب نہ ہو سکیں تو اسی دن انگلستان سے بذریعہ کیبل گرام ان کے منگوانے کے لئے آرڈر بھیجے گئے- ان حالات میں ہم مطمئن تھے- انسان بعض دفعہ پورے زور شور سے تدبیر کر رہا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کامیابی کے قریب ہے مگر تقدیر اس کی بے خبری اور لاعلمی پر خنداں ہوتی ہے- ہم کو کیا علم تھا کہ اب بیماری کا ایسا طوفانی دور شروع ہونے والا ہے کہ جس میں ہمارا

یہ محبوب اور قیمتی وجود ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا جائے گا - دوسرے دن ہی یعنی ۲۹؍ اگست کی صبح کو آپؒ کو معمولی سی حرارت ہو گئی - ۹۹ ڈگری کے قریب - پہلے بھی کبھی ایسا ہو جاتا تھا - اس کے لئے دوائی دی گئی مگر شام کو ٹمپریچر قدرے زیادہ ہو گیا یعنی ۱۰۰ ڈگری - رات کو کچھ دوائی کی وجہ سے یا حرارت کی وجہ سے غنودگی سی رہی - بخار کے لئے مزید دوائی دی گئی - ۳۰؍اگست کی صبح کو بجائے کمی کے بخار کچھ اور زیادہ تھا - چھاتی میں کچھ CONGESTION کی علامات تھیں - پھر مشورہ ہوا - خون ٹیسٹ کرایا گیا - جس سے چھاتی کی INFECTION کی تصدیق ہوئی - مزید دوائیاں اور INJECTION دئے گئے مگر اس کے باوجود رات کو بخار ۱۰۲ کے قریب تھا - ۳۱؍اگست کی صبح کو حرارت ۱۰۲-۱۰۳ کے درمیان تھی اور نیم غنودگی کی حالت تھی -

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا پروگرام راولپنڈی سے شام کو آنے کا تھا مگر بخار کی زیادتی کی اطلاع ملنے پر بارہ بجے دن کے وقت ہی وہ پہنچ گئے - آپؒ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا ''مظفر ! آپ آ گئے'' - تقریباً سارا دن ٹمپریچر کو بڑھنے سے روکنے کے لئے جسم پر پانی اور برف سے مالش جاری رہی - رات کو پرائیویٹ نرس خدمت کے لئے رکھی گئی اور اس کو ہدایت تھی کہ ٹمپریچر ۱۰۱-۱۰۲ سے بڑھنے نہ پاوے اور اگر کوئی نئی علامت اور پیچیدگی ہو تو مجھے اطلاع دے - رات تو مجھے نہیں بلایا گیا مگر فجر کی نماز کے فوراً بعد (مؤرخہ یکم ستمبر) اطلاع آئی کہ حضرت میاں صاحبؒ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے - میں گیا تو ٹمپریچر زیادہ تھا - آپؒ پوری طرح بے ہوش تھے - آپؒ بلغم اور ہوا کی نالیوں کی رطوبت باہر نہیں نکال سکتے تھے - اس لئے سانس میں کافی تنگی اور رکاوٹ تھی - اس وقت بلغم نکالنے کے لئے ہسپتال سے ELECTRIC SUCKER کے منگوانے کا انتظام کیا گیا اور اس سے آپؒ کی سانس کی نالیوں کو صاف کیا گیا اور ناک کے راستے سے آکسیجن دینی شروع کی گئی - مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ٹمپریچر ۱۰۴، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہو گیا اور جلد ہی ۱۰۷ کے قریب پہنچ گیا - یہ بغل کا ٹمپریچر تھا - چونکہ اندرونی حرارت اس سے ڈیڑھ یا دو ڈگری زیادہ ہوتی ہے - اسی لحاظ سے آپؒ کا ٹمپریچر ۱۰۸ کے قریب ہو گا - اس کو کم کرنے کے لئے جسم کو برف سے ڈھانپ کر ٹھنڈے کپڑوں سے نہایت تیزی سے رگڑا گیا - ڈیڑھ یا دو گھنٹے ایسا کرنے کے بعد ٹمپریچر کم ہونا شروع ہوا اور دوپہر تک تقریباً ایک سو ڈیڑھ تک آ گیا - اس کے کم ہونے پر غنودگی اور بیہوشی بھی قدرے کم ہوئی - آواز دینے پر آپؒ آنکھیں کھولتے اور کچھ بولنے کی کوشش بھی فرماتے - سر میں گرانی کی شکایت کی - ایک دفعہ اپنے خادم بشیر کو بھی بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا - آپؒ کی نہایت درجہ تشویشناک حالت کے مدنظر دن میں کئی دفعہ مشورہ کیا جاتا اور بدل بدل کر بہت سی دوائیاں استعمال کی گئیں - پانی اور کچھ غذا معدہ میں نالی ڈال کر دینی شروع کی گئی - شام کے وقت برف کے بغیر آپؒ کا ٹمپریچر ۱۰۲ تھا - سانس کی حالت کافی بہتر تھی - رات بھر یہی حالت رہی -

۲؍ ستمبر کی صبح کو تنفس میں پھر کچھ تنگی اور تیزی تھی اور حرارت بھی کچھ زیادتی پر تھی اور گردن میں قدرے اکڑاہٹ - آپ کی چھاتی کا ایکسرے لیا گیا جس سے نمونیہ اور پھیپھڑوں کی انفیکشن کی مزید تصدیق ہوئی - خون بھی ٹیسٹ کیا گیا - اکڑاہٹ کے مدنظر LUMHAR PUNCTURE کیا گیا اور CEREBRO SPINAL FLUID بھی نکالا گیا - وہ بالکل صاف تھا اور اس طرح MENINGITIS یعنی دماغ کی جھلی کی سوزش کا شک بھی رفع کیا گیا - مگر حالت بگڑتی گئی - اس وقت اور ڈاکٹروں کو بھی مشورہ میں شامل کیا گیا - چنانچہ ڈاکٹر محمدؐ یوسف صاحب بھی آپؒ کو دیکھنے کے لئے آئے - باوجود تمام کوششوں کے سانس کی تکلیف اور غنودگی بڑھتی گئی - باہر کوٹھی کے لان میں مغرب کی اذان ختم ہوئی ہی تھی اور نماز کھڑی ہو ہی رہی تھی کہ سانس رک گیا - ایک دو کوششیں مصنوعی تنفس کی بھی کی گئیں مگر بے سود - جس بلاوے کا آپؒ کئی ہفتوں سے انتظار فرما رہے تھے وہ آ گیا تھا اور آپؒ اپنے مولا کی آغوشِ رحمت میں پہنچ چکے تھے -

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین)

حضرت میاں صاحبؓ کی بیماری طبی لحاظ سے کئی وجہ سے غیر معمولی اور اس کا انجام غیر متوقع تھا۔ عموماً آپؓ کے پرانے عوارض کی وجہ سے خطرہ رہتا تھا کہ کسی وقت دل کی پیچیدگی کی وجہ سے آپؓ کی حالت مخدوش نہ ہو جاوے۔ مگر اس آخری مرض میں دل کی حالت آخر تک تسلی بخش رہی۔ آپؓ کی گھبراہٹ اور بے چینی جو کہ NEUROSIS کی وجہ سے تھی پریشان کُن اور تکلیف دہ ضرور تھی مگر اس سے جان کو خطرہ کا امکان نہیں تھا۔ آپؓ کی وفات سے ۴۸ گھنٹہ پہلے تک بھی وہم وگمان نہیں تھا کہ آپؓ کی وفات اس قدر نزدیک ہے۔ آپؓ کی وفات نمونیہ اور پھیپھڑوں کی انفیکشن اور تیز بخار کی وجہ سے ہوئی ہے جو کہ عام حالات میں علاج اور خصوصاً موجودہ ANTIBIOTICS علاج سے آسانی سے قابو میں آ جاتی ہیں مگر باوجود تمام کوششوں کے کوئی دوائی ذرہ بھر اثر پذیر نہیں ہوئی۔ یہ تمام باتیں ہمیں اس نتیجہ پر مجبور کرتی ہیں کہ آپؓ کی وفات اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ اور تقدیر مبرم تھی جو اس کی مشیت کے مطابق پُوری ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ (البقرة:۱۵۷)۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ہ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ہ (الرحمٰن : ۲۷-۲۸)۔ اس زمین پر جو کوئی بھی ہے بالآخر ہلاک ہوگا اور صرف وہی بچتا ہے کہ جس کی طرف تیرے جلال اور عزت واکرام والے رب کی توجہ ہو۔ (روزنامہ "الفضل" ربوہ خاص نمبر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۲-۳۳)

☆

اخلاق عالیہ

از مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب

یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ماتحت کئی سال تک نظارت خدمتِ درویشان میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعض احباب کے تقاضہ پر میں چند ایسے واقعات ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جو حضرت میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارفع و اعلیٰ مقام، پاک سیرۃ، اخلاق فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ کے آئینہ دار ہیں۔ میں آخر اکتوبر ۱۹۵۹ء میں نظارت خدمتِ درویشاں میں متعین ہوُا۔ جس پر اب قریباً چار سال ہونے کو ہیں۔ اس مختصر عرصہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دفتری امور کی سرانجام دہی کے سلسلہ میں بکثرت حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوُا۔ میرے اس دفتر میں آنے سے قبل تک آپؓ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی بلڈنگ میں اپنے دفتر میں باقاعدہ تشریف لایا کرتے تھے مگر جب سے آپؓ کی طبیعت خراب رہنے لگی آپؓ دفتری کام اپنے مکان پر ہی سرانجام دینے لگے۔ آپؓ نے وہاں ایک کمرہ دفتر کے نام سے مخصوص کر رکھا تھا۔

ایک مرتبہ میں حضرت میاں صاحبؓ کے مکان پر دفتر کی ڈاک لے کر حاضر ہوُا تو آپؓ نے کام کے اختتام پر فرمایا کہ میرے قلم کا نب خراب ہو گیا ہے

-آپ مجھے بازار سے کوئی اچھا سا قلم خرید کرلا دیں- چنانچہ میں بازار سے دو تین نمونے لے کر حاضر ہؤا-آپؓ نے ایک کاغذ پر باری باری ہر قلم سے کچھ لکھا اور بالآخر ایک قلم پسند فرمالیا- آپؓ نے مجھے اس قلم کی لکھائی بھی دکھائی- جب میں نے کاغذ دیکھا تو اس پر کئی مرتبہ ''بسم اللہ'' لکھی ہوئی تھی- آپؓ نے فرمایا کہ'' میں نے جب کبھی بھی نیا قلم خرید کیا ہے تو اس سے ہمیشہ پہلے'' بسم اللہ ''ہی لکھی ہے- جب قلم کا خط اور روانی دیکھنے کے لئے کچھ لکھنا ہی ہے تو بجائے کچھ اور لکھنے یا یونہی لکیریں ڈالنے کے کیا یہ بہتر نہیں کہ اسے اللہ کے نام سے شروع کیا جائے ؟ '' -اسی طرح قافلہ قادیان کے سلسلہ میں جو خطوط سرکاری دفاتر کو انگریزی میں بھجوائے جاتے ان کے بارہ میں آپؓ نے دفتر کو مستقل ہدایت دے رکھی تھی کہ اس کے ابتداء میں'' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ '' لکھا جائے اور جہاں خطاب کیا جائے وہاں '' اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَتُہ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ '' لکھا جائے- چنانچہ دفتر کی طرف سے اس کی پوری پابندی کی جاتی رہی ہے-

ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے ایک مسودہ املا کو دیا- اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ '' حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا''- میں نے جلدی میں'' ﷺ'' لکھنے کی بجائے صرف ''صلعم'' لکھ دیا- دستخط کرتے وقت فرمایا کہ'' صلعم'' لکھنا ناپسند ہے- جب اتنی طویل وعریض عبارتیں لکھی جاسکتی ہیں تو صرف رسول کریم ﷺ کے نام کے ساتھ ہی تخفیف کا خیال آجاتا ہے؟ پھر اپنی قلم سے ﷺ لکھ دیا- چنانچہ اس کے بعد میں نے پھر کبھی ''صلعم'' نہیں لکھا- اس موقعہ پر آپؓ نے مزید فرمایا کہ مجھے انگریزی میں محمدؐ کا مخفف MOHD لکھا ہؤا دیکھ کر ہمیشہ ہی افسوس اور رنج پہنچا ہے- نہ معلوم کس نے یہ مکروہ ایجاد کی ہے اور تخفیف کا سارا زور صرف'' محمد '' کے نام پر ہی صرف کرڈالا ہے- ایک دفعہ حضرت میاں صاحبؓ نے بیرون پاکستان کے مبلغین کو دفتر کے مطبوعہ پیڈ کی بجائے سفید کاغذ پر خطوط لکھوائے- میں نے ان کی ابتداء میں''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ'' لکھدیا- دستخط کرتے وقت فرمایا کہ:'' آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ صلوٰۃ اور سلام دو چیزیں لکھی ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھ صرف صلوٰۃ -یہ طریق درست نہیں ہے- یہ آقا ہیں اور وہ غلام- اس مقام پر '' وعلیٰ عبدہٖ المسیح الوعود '' کافی ہے- البتہ اگر کہیں الگ لکھنا ہوتو'' والصلوٰۃ والسلام'' لکھنے میں حرج نہیں'' -

جب آپؓ کا ذاتی مکان'' البشریٰ'' تعمیر ہوگیا اور آپ صدر انجمن احمدیہ کا کوارٹر چھوڑ کر وہاں تشریف لے جانے لگے تو اس وقت فرمایا کہ:'' میرا دل چاہتا ہے کہ اسی مکان میں رہوں- یہاں ہم حضرت صاحبؑ کے قرب میں بیٹھے ہیں- وہاں دور ہوجائیں گے''- یہ ایک مختصر سا فقرہ ہے مگر اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کو سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے یہ تھوڑا سا مکانی بُعد بھی کتنا دوبھر معلوم دیتا تھا- جو احباب مرکز میں بار بار آنے میں سستی کرتے ہیں انہیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے -ایک دن حضرت میاں صاحبؓ نے فرمایا کہ:-

'' جو شخص امام وقت کے ایسے حکم کی اطاعت کرتا ہے جس کو اس کا اپنا دل اور دماغ بھی تسلیم کرتا ہے تو یہ اطاعت درحقیقت امامِ وقت کی اطاعت نہیں کہلا سکتی بلکہ یہ تو اس کے اپنے دل ودماغ کی اطاعت ہے- دراصل امامِ وقت کی اطاعت یہ ہے کہ وہ امامِ وقت کے ایسے حکم کو انشراح صدر سے تسلیم کرے جس کو بظاہر اس کا دل اور دماغ ماننے کو تیار نہ ہو''-

چنانچہ حضرت میاں صاحبؓ نے اسی مفہوم کو ایک موقعہ پر اپنی چٹھی میں بھی بیان فرمایا ہے- جس کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:-

'' ہم نے تو روحانیت کا شروع سے یہی سبق سیکھا ہے کہ اگر امام کی طرف سے کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں کوئی سزا دی جائے تو اسے بشرح صدر قبول کرنے

میں ہی برکت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ خود مجھے ایک دفعہ قادیان کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک معاملہ میں ۳۲/ روپے کا حرجانہ ڈالا تھا اور میں یقین رکھتا تھا کہ حضور کا یہ فیصلہ غلط فہمی پر مبنی ہے مگر میں خاموش رہا اور جرمانہ ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نتیجہ میں برکت دی۔ پس آپ لوگ ان برکتوں سے کیوں اجتناب کرتے ہیں؟ ---انسان کی تربیت کا یہ بھی ایک بھاری ذریعہ ہے کہ وہ بعض باتیں اپنے مزاج کے خلاف قبول کرنے کی عادت ڈالے'' ۔

حضرت میاں صاحبؓ نے یہ فیصلہ فرمایا ہوا تھا کہ جو دوست قافلہ قادیان میں نام لکھانے اور منظور کئے جانے کے بعد قافلہ میں نہ جائیں تو ان سے پندرہ روپئے بطور ہرجانہ وصول کئے جائیں۔ چنانچہ ایسے اصحاب سے دفتر وصولی کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اپریل ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ ایک صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا ۔ اس پر میں نے حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے جو ڈرافٹ کیا اس کے آخر میں لکھ دیا کہ'' اس سلسلہ میں آپ سے کافی خط وکتابت ہو چکی ہے اور اس خط کو آپ اس تعلق میں آخری سمجھیں۔ میرے ذمہ اور بہت سے امور ہیں۔ جنہیں سرانجام دینا ہے''۔ اس چٹھی پر حضرت میاں صاحبؓ نے دستخط تو فرما دئے مگر میرے اس طرح لکھنے کو پسند نہ فرمایا اور مجھے دوسرے دن تحریر فرمایا کہ:'' قافلہ میں شامل نہ ہونے پر آپ جو خطوط ہرجانہ کے متعلق لوگوں کو لکھتے ہیں۔ ان میں ضابطہ پرستی کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ جماعت کا نظام اخوت پر قائم ہے۔ بیشک ضابطہ کا خیال رکھا جائے مگر اندازِ تحریر برادرانہ ہونا چاہئیے'' ۔اس مختصر عبارت میں دو اہم امور کو کس خوش اصلوبی سے بیان فرما دیا کہ ضابطہ کا خیال بھی رکھا جائے لیکن اس طور پر کہ اخوت کا سلسلہ بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ احبابِ جماعت جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے وسعتِ رزق عطا فرمائی ہوئی ہے وہ مرکز میں رہنے والے مساکین اور غرباء کے لئے جہاں امدادی رقوم بھجواتے ہیں اور ساتھ ہی اس امر کی تصریح بھی فرما دیتے ہیں کہ اس رقم سے بکرا یا چھترا خرید کر اس کا گوشت مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت میاں صاحبؓ کا معمول تھا کہ فرسیندہ رقم کی منشا کے مطابق عمل کرواتے۔ صدقہ بکرا کی صورت میں علاوہ مستحقین میں گوشت تقسیم کروانے کے چیلوں اور کتوں کو بھی گوشت ڈلوانے کی ہدایت فرماتے۔

ایک دفعہ میرے استفسار پر کہ چیلوں اور کتوں کو گوشت ڈلوانے کی کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ میں اللہ تعالےٰ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسا کرتا ہوں اور پھر سورۃ ذاریات کی یہ آیت پڑھی '' وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ'' لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ O (الذّٰریٰت : ۲۰ –ناقل) '' فرمایا کہ'' محروم میں وہ لوگ شامل ہیں جو سوال نہیں کرتے اور ان میں حیوان وغیرہ بھی شامل ہیں جو سوال نہیں کر سکتے۔ سوال کرنے والا تو اپنے حق کا مطالبہ کر لیتا ہے مگر جو سوال نہیں کرتا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہدایت فرمائی ہے کہ محروم کے حق کا بھی خیال رکھا جائے''۔ اسی طرح ایک مرتبہ مجھے ہدایت فرمائی کہ:'' اگر آپ کی نظر میں کوئی امداد کا مستحق ہو اور وہ خود سوال کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہو تو ایسے افراد کے نام آپ اپنی طرف سے پیش کر دیا کریں مگر یہ خیال رہے کہ وہ واقعی امداد کا مستحق ہو''۔ چنانچہ میں اس عرصہ میں ہر موقعہ پر مستحق افراد کے نام پیش کر کے انہیں امداد دلواتا رہا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت میاں صاحبؓ نے چند غرباء کو رقم بطور امداد ادا کرنے کی مجھے ہدایت فرمائی مگر میں خاموش ہو رہا۔ اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے میری طرف دیکھتے ہوئے میری خاموشی کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ امدادی فنڈ ختم ہو چکا ہے اور کوئی '' بیلنس'' نہیں ہے۔ آپؓ نے مشفقانہ نگاہوں سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: '' گھبرائیں نہیں یہ رقوم اوورڈرا OVER DRAW کر کے ادا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ بہت روپیہ دے گا'' ۔چنانچہ اگلے چند دنوں میں اس مد میں سینکڑوں روپئے آ گئے۔

آخر ستمبر ۱۹۶۲ء میں حضرت میاں صاحبؓ نے'' ذکرِ حبیب'' کی تیاری کے لئے مجھے مواد کا ایک رجسٹر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس میں سے

ایسی روایات نوٹ کر کے دوں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی کمالات، اخلاقی فضائل، دعاؤں کی تاثیرات اور معجزات کا ذکر ہو یا اسی قسم کی اور باتیں جو غیر از جماعت لوگوں اور جماعت کے لوگوں کے لئے مفید اور مؤثر ہوں- اس شرط کے ساتھ کہ ان کی پہلی تقریروں میں یہ روایات نہ آئی ہوں- مگر میں بوجہ مصروفیت یہ کام سرانجام نہ دے سکا- اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے مجھے بطور یاددہانی تحریر فرمایا: '' میں نے آپ کو ایک ضخیم مسودہ '' ذکرِ حبیب'' کے مواد کا بھجوایا تھا- شاید آپ بھول گئے ہیں مجھے ۱۹۶۲ء کے جلسہ سالانہ کے لئے تیاری کی ضرورت ہے نہ کہ ۱۹۶۳ء کے لئے- اس لئے انتخاب کی فوری ضرورت ہے'' - سبحان اللہ! حضرت میاں صاحبؓ اپنے ایک کارکن کو کس عمدگی اور کس خوش طبعی سے یاد دلاتے ہیں- '' ذکرِ حبیب'' کی یہ تقریر اب '' آئینہ جمال'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے-

حضرت میاں صاحبؓ جب ربوہ سے باہر سفر پر تشریف لے جاتے تو یہ ان کی مستقل ہدایت تھی کہ دفتر کی طرف سے روزانہ ایک خط انہیں بھجوایا جاتا رہے اور ان کی طرف سے بھی روزانہ ایک خط آیا کرتا تھا- ۱۹۶۱ء میں کسی وجہ سے میرے مختلف تاریخوں کے چار خط ایک ہی دن انہیں ملے- اس پر آپؓ نے اس کا یوں اظہار فرمایا: '' آج آپ کی طرف سے چار خط اکٹھے ملے اور میرا بوجھ بڑھ گیا اب سوچتا ہوں کہ آپ کا شکریہ ادا کروں یا شکوہ کروں'' - حضرت میاں صاحبؓ کو صحت لفظی کا بھی بہت خیال ہوتا تھا- ایک مرتبہ میری موجودگی میں ایک صاحب نے ایک معاہدہ کی عبارت پڑھ کر سنائی- اس میں مسمّٰی کو مسمّی پڑھا- آپؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: '' کہ مسمّی مالٹا کی ایک قسم ہے اور یہ صاحب مسمّی نہیں بلکہ ایک اچھے بھلے آدمی ہیں مسمّٰی پڑھیں'' - اسی طرح ہمارے دفتر کے کارکنان بھی اگر لفظ غلط پڑھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور صحتِ لفظی کروا دیتے - حضرت میاں صاحبؓ اپنے دفتر کے کارکنان کی رائے کی قدردانی فرمایا کرتے تھے- ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؓ نے ایک کام کے تعلق میں دفتر کی کوتاہی خیال فرماتے ہوئے اظہار ناراضگی فرمایا اور ایک کاغذ پر آفس آرڈر لکھ کر تاکید کی کہ اسے فوراً آرڈر بک پر درج کر کے مجھے دکھایا جائے- جس کی اُسی وقت تعمیل کر دی گئی مگر بعد میں میں نے کسی ذریعہ سے حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں یہ گذارش کی کہ یہ آرڈر فلاں فلاں وجہ سے درست نہیں معلوم ہوتا ہے- اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے وہ مسودہ آرڈر واپس منگوا کر اس پر صدر انجمن احمدیہ کے ایک افسر کی رائے حاصل کی اور پھر یہ آرڈر واپس بھجوا کر دریافت فرمایا کہ اب میری اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ میں نے اس پر نہایت ادب کے ساتھ پھر یہ نوٹ کر دیا کہ میں اپنی سابقہ رائے پر بدستور قائم ہوں- چنانچہ حضرت میاں صاحبؓ نے دفتر کی آرڈر بک منگوا کر اس آرڈر کو اپنے ہاتھ سے قلم زن کر دیا-

حضرت میاں صاحبؓ باوجود خرابیٔ صحت کے شدید محنت کرتے تھے- اکثر اوقات کھانے کی بھی پرواہ نہ فرماتے اور کام میں لگن رہتے- جب خادم بار بار آ کر اطلاع دیتا کہ کھانا تیار ہے تو فرماتے کہ: '' ہاں بھئی! میں نے سن لیا ہے- میں فارغ ہو کر آ جاؤں گا آپ کھانا کھالیں'' - قافلہ قادیان کے انتظام ویزا کے سلسلہ میں قریباً روزانہ کراچی سے پاسپورٹوں کی اطلاع رات کو آیا کرتی تھی کہ اخبار الفضل کی شائع شدہ فہرست کے فلاں فلاں نمبر کے پاسپورٹ پہنچ گئے ہیں اور اس غرض کے لئے بعض اوقات رات بارہ بارہ بجے تک انتظار فرماتے- اگر میں اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو اسی وقت فون کی اطلاع نوٹ کر کے مجھے بھجوا دیتے اور کبھی کبھی دفتر کے کارکنان میں جوشِ عمل پیدا کرنے کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ: '' دیکھو بھئی! میں ستر سال کا بوڑھا آدمی اتنے گھنٹہ روزانہ کام کر سکتا ہوں تو آپ نوجوان اس قدر کام کیوں نہیں کر سکتے؟ ''-

مجلس مشاورت کے موقعہ پر ایک صاحب اپنی بات کو طول دیتے ہوئے اپنے مؤقف پر اصرار کر رہے تھے- حضرت میاں صاحبؓ نے (جو اس وقت کرسی صدارت پر تشریف فرما تھے) وقت کو کنٹرول کرنے کی غرض سے فرمایا: '' بیٹھ جائیں'' - جب اس دن کا پہلا اجلاس ختم ہؤا اور حضرت میاں

صاحبؓ واپس تشریف لے جانے لگے تو مجھے ہال کی دوسری جانب سے آتے دیکھ کر فرمانے لگے کہ آپ کو ایڈمٹ ADMIT کا ٹکٹ نہیں ملا؟ - میں نے عرض کیا کہ سٹیج پر جگہ تنگ ہوتی ہے اس لئے میں دو سال سے زائر کا ہی ٹکٹ لیتا ہوں مگر مشاورت کی کاروائی میں نے پوری سنی ہے - فرمایا: ''پھر کوئی بات؟'' - میں نے عرض کیا کہ آپؓ نے اجلاس میں فلاں صاحب کو جب بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا تھا تو لہجہ کچھ سخت معلوم ہوتا تھا - جب آپؓ دوسرے اجلاس میں تشریف لائے تو آپؓ نے کاروائی شروع کرنے سے قبل اس پر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میرے دفتر کے ایک کارکن نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے - جس پر میں دوستوں سے معذرت کرتا ہوں - میں جماعت کے دوستوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے اخلاص اور محبت کی قدر کرتا ہوں اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتا ہوں'' - حضرت میاں صاحبؓ نے نگران بورڈ کے ذریعہ مسجد مبارک ربوہ میں درس القرآن کا سلسلہ جاری کر دیا تھا اور آپؓ وقتاً فوقتاً اس میں حاضری کا جائزہ بھی لیا کرتے تھے - چنانچہ مجھے اپنے ایک خط میں ارشاد فرمایا کہ: ''کسی دن درس کی حاضری نوٹ کر کے لکھیں'' - چنانچہ اس کی تعمیل کر دی گئی -

حضرت میاں صاحبؓ کو مرکز سے باہر زیادہ دیر رہنا بہت دوبھر معلوم ہوتا تھا - درحقیقت آپؓ مرکز سے باہر بحالتِ مجبوری ہی جاتے تھے - آپؓ نے اپنے ایک خط میں مجھے تحریر فرمایا: ''مجھے روزانہ ربوہ کے موسم کا حال لکھتے رہیں کیونکہ اب میں موسم کے بدلتے ہی واپس آنا چاہتا ہوں - مرکز سے غیر حاضری لمبی ہو رہی ہے'' - اسی طرح اپنے ایک اور خط میں تحریر فرمایا کہ: ''آج ۱۷ فروری ۱۹۶۱ء لاہور میں پہلا روزہ ہے مگر افسوس ہے کہ بوجہ علالت روزے سے محروم ہوں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ لاہور میں ہونے کی وجہ سے نماز تراویح سے بھی محروم ہوں - لوگ غور کریں تو مرکز کی غیر معمولی برکات ہیں اور رمضان میں تو مرکز کی برکات بہت زیادہ ہو جاتی ہیں'' -

حضرت میاں صاحبؓ بعض اوقات اپنے ساتھ کام کرنے والوں سے ازراہ شفقت مزاح کے رنگ میں بھی گفتگو فرما لیتے تھے - ایک مرتبہ لاہور کے ایک دوست نے حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں ریوڑیاں تحفۃً بھجوائیں - اس وقت میں بھی حضرت میاں صاحبؓ کے پاس بیٹھا تھا - آپؓ نے اس میں سے کچھ ریوڑیاں ایک کاغذ میں ڈال کر مجھے بھی دیں اور باقی اندر گھر میں بھجوا دیں - میں نے وہاں ریوڑیاں نہ کھائیں اور اپنے کام میں مصروف رہا اور فارغ ہونے پر اپنے ساتھ لے آیا - اس کے کچھ عرصہ کے بعد قافلہ قادیان کے کام کے سلسلہ میں نماز عشاء کے بعد حضرت میاں صاحبؓ کے ہاں حاضر ہؤا تا کہ حضرت میاں صاحبؓ سے افراد قافلہ کا انتخاب کروا لوں - اس دوران میں ایک خادم، حضرت صاحب کی طرف سے ایک تھالی میں کچھ مٹھائی لایا - آپؓ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ حضور کا تبرک ہے - آپ بھی مٹھائی کھا لیں'' - میں نے برفی کی ایک ڈلی اٹھالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا - اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے بشیر احمد خادم کو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ: ''میری الماری میں سے ایک لفافہ اٹھا لاؤ تا کہ میں اس میں مٹھائی ڈال دوں - ہاشمی صاحب اپنے اہل خانہ کے بغیر اکیلے کھانا نہیں چاہتے'' -

حضرت میاں صاحبؓ کو اپنے ساتھ کام کرنے والے افراد کی دلداری کا بڑا خیال رہتا تھا - دو اڑھائی سال کی بات ہے کہ رشتہ میں میرے ایک چچیرے بھائی کی وفات پر جب کہ ان کا لڑکا ان کی نعش کو بہشتی مقبرہ میں دفن کرنے کے لئے سیالکوٹ سے ربوہ لایا تو میرے عرض کرنے پر کہ اگر آپؓ کی طبیعت اچھی ہو تو آپؓ جنازہ پڑھا دیں - فرمایا کہ میں جنازہ پڑھا دوں گا - اور پھر باوجود علالت طبع کے اور نقرس کی تکلیف کے پاپیادہ کوٹھی سے تشریف لا کر احاطہ مسجد مبارک میں نماز جنازہ پڑھا دی اور میت کو کندھا بھی دیا - گزشتہ ڈیڑھ سال سے جب کہ آپؓ کی صحت اچھی نہ رہتی تھی آپؓ مختلف تقریبات میں شمولیت فرمانے سے معذرت کر دیتے تھے - میں نے ۷/مارچ ۱۹۶۳ء کو اپنی بچی کے رخصتانہ کی تقریب پر دعا کرانے کی

درخواست کی۔جس پر تحریر فرمایا:'' اللہ مبارک کرے۔اگر صحت ہوئی اور زندگی رہی تو انشاء اللہ حضرت صاحبؓ کی سیر کے بعد آپ کی بچی کی شادی میں شریک ہوں گا۔وقت کی تعین کرنا مشکل ہے شاید پونے پانچ بجے کا وقت ہوگا'' ۔ چنانچہ آپؓ ازراہ شفقت تشریف لے آئے اور آپؓ نے دعا کو ان کلمات سے شروع فرمایا:''مختار احمد ہاشمی صاحب، جن کی بچی کا آج رخصتانہ ہے میرے دفتر کے ہیڈ کلرک ہیں۔اس لحاظ سے ان کا دوہرا حق ہے۔احباب دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ان کی بچی کو امن وراحت کی زندگی نصیب کرے۔اس رشتہ کو مثمر ثمراتِ حسنہ بنائے۔میاں بیوی کو اتحاد واتفاق سے نوازے اور انہیں بابرکت زندگی نصیب ہو''۔اس کے بعد اجتماعی دعا کرائی۔'' دوہرا حق'' کے الفاظ میں جو دلجوئی، دلداری، حوصلہ افزائی، محبت اور شفقت کا اظہار ہے وہ میرے لئے اور میرے عزیز واقارب کے لئے باعث صد فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اب انہی چند واقعات کو یہاں ختم کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے متعلق چند امور کا ذکر کرتا ہوں۔ غالباً تین ساڑھے تین ماہ کی بات ہوگی کہ میں بعض دفتری امسلہ لے کر حاضر ہوا تو آپؓ نے فرمایا:'' ہاشمی صاحب ! آپؓ کو علم ہے کہ مجھے ایک عرصہ سے منذر خوابیں آ رہی ہیں۔آج صبح جب میں بیدار ہوا تو میری زبان پر یہ مصرع جاری تھا ؎ آ و بلبل چلیں کہ وقت آیا ۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا وقت قریب آ رہا ہے''۔میں آخری مئی ۱۹۶۳ء سے رخصت پر ربوہ سے باہر گیا ہوا تھا۔اس دوران مجھے (مکرم عطاء اللہ قریشی صاحب کے ذریعہ) اطلاع ملی کہ حضرت میاں صاحبؓ بغرض علاج لاہور جانے والے ہیں اور یہ کہ میں جلد واپس آ جاؤں۔چنانچہ میں 26.06.1963 کو صبح آٹھ بجے کوٹھی البشریٰ میں حاضر ہوگیا۔اس وقت حضرت میاں صاحبؓ بستر پر آرام فرما رہے تھے۔میں نے سلام عرض کیا تو آپؓ نے مصافحہ فرماتے ہوئے حسب معمول خیر وعافیت دریافت فرمائی اور فرمایا کہ:'' میرا تو اب آخری وقت قریب آ رہا ہے۔مجھے ایک عرصہ سے منذر خوابیں آ رہی ہیں اور ان کی بناء پر میں ایسا سمجھتا ہوں'' ۔اس پر میں نے عرض کیا کہ ان خوابوں میں وقت کی بھی تعین ہے؟ ۔ممکن ہے کہ یہ واقعی کئی سالوں کے بعد رونما ہو۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات رویاء وکشوف تین سو سال تک پورے ہوتے رہیں گے۔فرمایا کہ:'' وقت کی تعین تو نہیں ہے مگر میں علم تعبیر کی رو سے سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے'' ۔میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے '' وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمۡرِہٖ'' (یوسف : ۲۲۔ناقل) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر بھی غالب ہے''۔یہ سن کر آپؓ کی آواز میں بلندی اور شوکت پیدا ہوگئی۔فرمایا:'' ہاشمی صاحب! میرا اس آیت پر پورا یقین اور ایمان ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر غالب ہے اور اس کے سامنے عاجز نہیں ہے۔وہ ماتحت اور محکوم نہیں ہے۔وہ پوری طاقت اور غلبہ رکھتا ہے۔وہ اس میں ترمیم وتنسیخ کر سکتا ہے۔وہ اسے بدل سکتا ہے مگر میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا مقدر وقت قریب آ رہا ہے'' ۔

میں نے عرض کیا کہ احباب جماعت آپؓ کی خدمت میں شکستہ حالت میں حاضر ہوتے ہیں اور حوصلہ مند ہو کر جاتے ہیں مگر آج آپؓ کی کیفیت کچھ معمول کے خلاف ہے۔فرمایا:'' کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ عزیز میاں عبداللہ خان صاحبؓ کی وفات کے صدمہ کو میں نے کس طرح برداشت کیا ؟ اور پھر عزیز میاں شریف احمد صاحبؓ کی وفات کے وقت کس طرح اپنے جذبات کو قابو میں رکھا ؟ حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں یہ اطلاع میں نے کس طرح کنٹرول کرتے ہوئے دی ؟ اور پھر جلسہ سالانہ کے سٹیج پر میں نے میاں شریف احمد صاحبؓ کی وفات کا اعلان کیا۔کیا آپ نے میرے کسی لفظ یا فقرہ یا کسی حرکت سے یہ محسوس کیا تھا کہ میں جذبات کی رَو میں بہہ گیا ہوں ؟ ۔اب میرا مقدر آ گیا ہے جو بہر حال آنا ہی تھا''۔پھر آپؓ نے فرمایا کہ:'' اگر آپ کے علم میں مَیں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر دفتر کے یا کسی اور آدمی کے ساتھ جائز یا ناجائز سختی کی ہو تو آپ میری طرف سے معافی مانگیں۔میں چاہتا ہوں کہ اس دنیا کا حساب اسی دنیا میں ختم کر جاؤں'' ۔میں نے عرض کیا کہ اگر آپؓ نے کبھی ایسا کیا بھی ہے تو اس میں

آپؓ کے مدنظر اس شخص کی اصلاح اور تربیت ہی مقصود تھی۔ اس کے بعد آپؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر رقت آمیز لہجہ میں فرمایا:۔

’’ ہاشمی صاحب! آپ اس بات کے گواہ رہیں اور مَیں آپ کے سامنے اس امر کا اقرار اور اظہار کرتا ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے لے کر اب تک میرے دل میں سب سے زیادہ حضرت سرور کائنات ﷺ کی محبت جاگزیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے ’’ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ‘‘ اس لحاظ سے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے تحت مجھے وہاں آنحضرت ﷺ کے قرب سے نواز دے گا‘‘ ۔ اور پھر فرمایا کہ: ’’ آپ اس بات کے بھی گواہ رہیں اور مَیں آپ کے سامنے اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر انشراح صدر سے راضی ہوں‘‘۔ پھر فرمایا کہ: ’’ میں ہمیشہ جماعت کے غریبوں اور نادار طلباء کی امداد کا خیال رکھتا رہا ہوں۔ مَیں دوستوں کو تحریک کر دیتا تھا اور دوست مجھے روپیہ بھجوا دیتے تھے اور اس طرح غریبوں کی مدد کا سامان ہو جاتا تھا۔ آپ اس بات کو ملحوظ رکھیں‘‘ ۔ پھر فرمایا کہ: ’’ کل مَیں نے قریشی عطاء اللہ صاحب کو پانچ پانچ روپے کے سو نوٹ اور ایک ایک روپیہ والے سو نوٹ۔ کُل چھ سو روپیہ دیا ہے۔ وہ روپیہ آپ دفتر میں رکھیں یا گھر میں یا اپنی امانت میں جمع کر لیں۔ جب میری وفات کی اطلاع آئے تو ام مظفر احمد کو دے دیں‘‘ ۔ اور پھر آپؓ نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس پر میں نے واپسی کے لئے اجازت چاہی تو مصافحہ کر کے فرمانے لگے کہ: ’’ کل صبح چھ سات بجے لاہور جانے کا پروگرام ہے۔ ممکن ہے کہ یہ میرا آخری سفر ہو۔ آپ میرے انجام بخیر کے لئے دعا کرتے رہیں‘‘۔

حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے قریباً روزانہ ہی ایک خط آ جایا کرتا تھا اور دفتر کی طرف سے بھی روزانہ ایک خط حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ان خطوط میں حضرت میاں صاحب اپنی طبیعت کے بارہ میں اطلاع لکھواتے رہتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی طرف سے ۹ر اگست ۱۹۶۳ء کو جو خط موصول ہؤا اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:۔

’’ آج دہلی کے مشہور حکیم محمد نبی صاحب نے دیکھا اور بعض دوائیاں تجویز کیں مگر دن بدن کمزوری زیادہ محسوس کر رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اب شاید میرا چل چلاؤ ہے اور میرا مقدر آ چکا ہے۔ آگے اللہ بہتر جانتا ہے‘‘ ۔ اس کے بعد میں حضرت میاں صاحبؓ کی خدمت میں وفات سے دو یوم قبل ۳۱ر اگست بروز ہفتہ بوقت دس بجے صبح لاہور حاضر ہؤا تھا۔ اس وقت آپؓ کو تیز بخار تھا۔ میرے خیال میں ۱۰۴ کے قریب ہوگا ۔ میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے وعلیکم السلام کہا اور حسب معمول میری اور میرے اہل وعیال کی خیریت دریافت کی۔ میرے عرض کرنے پر کہ آپؓ کی طبیعت کیسی ہے ؟ فرمایا کہ: ’’میرا تو آخری وقت قریب آ رہا ہے۔ ہر شخص کے لئے ایک وقت مقدر ہے اور میرا مقدر قریب آ رہا ہے۔ مَیں ربوہ سے لاہور آیا۔ لاہور سے گھوڑا گلی گیا اور پھر وہاں سے واپس لاہور پہنچا مگر طبیعت کو کہیں سکون نہ ہؤا‘‘ ۔ پھر ان کے دریافت کرنے پر میں نے عرض کیا کہ بزرگان کو باقاعدگی کے ساتھ دعا کے لئے خط لکھتا رہتا ہوں۔ اسی طرح قادیان بھی روزانہ خط جاتا ہے اور الفضل کو بھی اطلاع دیتا رہتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ: ’’ ام مظفر احمد کو محتاط الفاظ میں اطلاع دیا کریں‘‘۔ پھر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی مگر ابھی میرا ہاتھ آپؓ کی گرفت میں تھا۔ پھر آنکھیں کھول کر فرمایا: ’’کیا آپ اب جا رہے ہیں؟‘‘ ۔ میرے اثبات میں جواب دینے پر مصافحہ کر کے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ: ’’ میرے انجام بخیر کے لئے دعا کرتے رہیں‘‘ ۔

میں جب شام کو واپس ربوہ پہنچا تو معلوم ہؤا کہ اس دن بخار بہت شدت اختیار کر گیا جو ۱۰۸ درجے تک پہنچ گیا تھا۔ دوسرے دن یکم ستمبر کو ساڑھے نو بجے کے قریب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں فوراً لاہور پہنچ جاؤں۔ چنانچہ میں اسی وقت لاہور کے لئے روانہ ہو گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب ممدوح کی ہدایت کے تحت ڈیوٹی بجا لاتا رہا۔ دو ستمبر کو دوپہر کو ایک بجے کے قریب حالت بہت نازک صورت اختیار

کرگئی تھی مگر کچھ وقت کے بعد سنبھل گئی لیکن آخر وہ مقدر وقت بھی آ پہنچا جس کا حضرت میاں صاحبؓ بار بار ذکر فرمایا کرتے تھے۔ شام چھ بج کر اڑتالیس منٹ پر یہ ''نبیوں کا چاند'' ہمیشہ ہمیش کے لئے اس دنیا سے اوجھل ہوگیا۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ ((الرحمٰن : ۲۷-۲۸) یعنی: س زمین پر جو کوئی بھی ہے بالآخر ہلاک ہوگا اور صرف وہی بچتا ہے کہ جس کی طرف تیرے جلال اور عزت و اکرام والے رب کی توجہ ہو۔ ناقل)۔ (روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر ۲۹ر نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۴-۳۷)

☆

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب

(۲۳ر ستمبر ۱۹۲۳ء - ۱۶ر جولائی ۱۹۹۵ء)

اس کتاب میں آپ کو خدا تعالیٰ کے بہت سے ایسے نیک طینت احباب کا ذکر ملے گا جو کہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول آنحضرت ﷺ اور اسلام کی سچی محبت میں ایسے غرق تھے کہ انہوں نے اپنی تمام پیری فقیری سجادہ نشینی اور خلافتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے اس زمانہ کے مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چوکھٹ پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ کی غلامی کو ترجیح دی۔ درج ذیل مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مکرم سید منیر احمد صاحب آف کینیڈا تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''ہمارے بڑے بھائی جان سید اعجاز احمد شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال، ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو رجاؤلی، انبالہ میں حضرت پیر جی سید علی احمد صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ ہمارے والد صاحب خانقاہ حضرت سید محمد پناہ صاحب، رجاؤلی کے متولی اور سجادہ نشین تھے مگر ۱۹۰۷ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد سجادہ نشینی سے دستبردار ہو گئے۔ آپؓ نے اس عظیم مریدی کی خاطر پیری کے ظاہری منفعت والے سلسلہ کو خیر باد کہا اور حضرت مسیح موعودؑ کے در پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور اس بیعت کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے خاندان کو حسب توفیق خدمتِ دین کا موقع ملتا رہا۔ بھائی جان نے اپنے خاندان کے حالات قلمبند کئے جو'' پیری سے مریدی تک'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ہمارے ابا جان نے ابتدا ہی میں قادیان میں سکونت اختیار کر لی تھی چنانچہ بھائی جان کی تعلیم و تربیت قادیان میں ہوئی اور آپ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۳ء سے آپ نے باقاعدہ طور پر سلسلہ کی خدمت کا آغاز قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحبؓ کے دفتر میں بطور کلرک کیا۔ پھر کچھ عرصہ اخبار الفضل کے دفتر اور نظارت تعلیم میں خدمات سرانجام دیں اور بالآخر ۱۳ر مئی ۱۹۴۶ء کو نظارت بیت المال قادیان کے ساتھ منسلک ہو گئے جہاں آپ کو بطور انسپکٹر مال ایک لمبا عرصہ خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو بعمر ساٹھ سال آپ کو ملازمت سے سبکدوش ہو جانا تھا لیکن آپ کو ملازمت سے فارغ نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی ملازمت کی مدت میں توسیع کر دی گئی اور خدمت کا یہ سلسلہ چھ سال تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو بوجہ خرابیِ صحت آپ کی درخواست پر آپ کو بخیر و خوبی سبکدوش کر دیا گیا۔ اس طویل عرصہ میں آپ کو گورداسپور، جالندھر اور پاکستان کے بیشتر اضلاع میں خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی اکثر جماعتوں میں آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ عجب ذہانت تھی کہ ذرا سا اشارہ ملتے ہی لوگوں کا پورا شجرہ نسب بیان کر دیتے تھے۔ سلسلہ کے کام بڑی محنت اور لگن سے کرتے تھے۔ بارش ہو آندھی ہو اپنا جھولا اٹھائے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں سے تیسرے گاؤں چل پڑتے، اگر سواری نہیں ملتی تو پیدل چل پڑتے تھے۔

بڑے باہمت تھے- وعدہ اور وقت کے پابند تھے- خدا تعالیٰ کے فضل سے نماز وروزہ بڑی باقاعدگی سے ادا کرتے، بڑے خلیق اور ملنسار تھے- بچوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے- ہماری بھابی جان کے لئے مثالی شوہر تھے-

صدر انجمن احمدیہ کی باقاعدہ ملازمت سے فراغت کے بعد آپ جولائی ۱۹۹۰ء میں اپنے بیٹوں کے پاس جرمنی آ گئے تھے اور تادمِ حیات مجلس انصار اللہ جرمنی کے محاسب اور قائد تعلیم و تربیت رہے- آپ جرمنی میں جماعت احمدیہ ORTENBERG کے صدر بھی تھے- آپ کو بچپن سے ہی جماعت کے کاموں میں بھاگ بھاگ کر اور دوڑ دوڑ کر حصہ لینے کی عادت تھی- اس تیزی اور پھرتی کی وجہ سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ان کو پیار سے ''ہوائی جہاز'' کہا کرتے تھے- آپ کو حضور انور کا ہم جماعت ہونے کا بھی شرف حاصل ہے- ہمارے بھائی جان کی شادی حافظ آباد کے سابق امیر جماعت مکرم قاضی ضیاء اللہ صاحب کی سب سے بڑی بیٹی سے ۱۹۵۳ء میں ہوئی - ابتدا میں انہیں اولاد کے فوت ہو جانے کے صدمات سے دوچار ہونا پڑا مگر اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور صحت و عمر والی اولاد سے آپ کو نوازا جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے والد محترم کی طرح سلسلہ کی فدائی اور جانثار ہے- اللہ تعالیٰ انہیں خدمت سلسلہ کی راہ پر ہمیشہ گامزن رکھے- آمین

بھائی جان اپنے خط و کتابت میں اپنے نام کے ساتھ عفی عنہ ضرور لکھا کرتے تھے اور چند ماہ سے اپنے خطوں میں عبدالشکور کا لفظ بھی استعمال کرنا شروع کر دیا تھا- حقیقت یہ ہے کہ بھائی جان کو کچھ عرصہ سے اپنے آخری وقت کا اندازہ ہونے لگا تھا چنانچہ آپ نے گزشتہ چند مہینوں میں متعدد خطوط میں اپنے اعزہ و اقارب اور دوستوں کو اپنی مغفرت اور انجام بخیر ہونے کے لئے خصوصیت کے ساتھ لکھا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ خدمت دین کرتے ہوئے میری روح اپنے مولا کریم کے حضور پیش ہو- چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ مجلس انصار اللہ کے ایک تبلیغی اور تربیتی دورہ کے بعد کولون جرمنی سے واپسی پر جماعت احمدیہ کے مرکزی دفتر بیت المقیت فرینکفرٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ آپ کو اچانک بلڈ پریشر کا شدید حملہ ہوا- فوری طور پر گھر کے قریب ایک ہسپتال میں پہنچایا گیا جہاں ابتدائی طبی امداد کے بعد ڈاکٹروں نے انتہائی نازک صورتِ حال کے پیش نظر انہیں بذریعہ ہیلی کاپٹر اسی وقت دماغی امراض کے ہسپتال کی انتہائی نگہداشت وارڈ میں پہنچا دیا- جہاں آپ تین دن زیر علاج رہنے کے بعد بالآخر ۱۶؍جولائی ۱۹۹۵ء کو بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے مولا حقیقی سے جا ملے- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)

آپ کی زندگی کے معمولات میں ایک خاص قسم کی تیزی پائی جاتی تھی کہ دین کے کام میں کبھی تاخیر نہیں کرتے تھے- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے بعد کے انتظامات میں بھی اسی تیزی کو برقرار رکھا اور غیر معمولی اور غیر متوقع سرعت سے آپ کی میت کو ربوہ پہنچانے کے انتظامات کر دئے- ربوہ میں ۱۸؍جولائی کو بعد نماز عصر مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب ایم-اے نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی - بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی - تدفین کے بعد صاحبزادہ مرزا حنیف احمدؐ صاحب نے دعا کروائی - سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی از راہ شفقت ان کی نماز جنازہ غائب لندن میں پڑھائی --- خدا انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے- مرحوم نے بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں - اللہ تعالیٰ بھائی جان کی یادوں، قربانیوں، نیکیوں اور خوبیوں کو نسل در نسل زندہ جاوید رکھے - آمین''- (احمدیہ گزٹ کینیڈا)

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب کے ذکر خیر کے سلسلہ میں مکرم ایم-اے-سعید صاحب جرمنی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' گزرتے ہوئے عہد میں انسان کو کئی مراحل سے اپنی زندگی کو گزارنا پڑتا ہے۔جس سے انسان کو اپنی زندگی کے ڈھب بنانے کا موقع ملتا ہے۔کئی شخصیتوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے، رہنمائی ملتی ہے اور ان کے چلے جانے کے بعد ان کے کئی رنگ نظر آنے لگتے ہیں جو اُن کے موجود ہوتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ایسی ہی ایک شخصیت جو آج ہم میں موجود نہیں رہی وہ مکرم شاہ صاحب تھے۔آپ کا نام سید اعجاز احمد شاہ تھا۔مکرم شاہ صاحب سے تعارف ۱۹۷۴ء کی گرمیوں میں ہوا۔گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم اپنے نانا محترم ماسٹر حمید احمد سنیاسی کے پاس جایا کرتے تھے۔نانا جان ان دنوں دارالضیافت ربوہ میں جماعتی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ایک دن ہم نے دیکھا کہ ایک بزرگ سیاہ اچکن زیب تن کئے، گول شیشوں کی عینک پہنے نانا جان کے پاس بیٹھے ہیں۔بڑی تیز اور اونچی آواز میں باتیں کر رہے ہیں اور ساتھ ادبی چٹکلے بھی سنا رہے ہیں۔وہاں پر ان بزرگ سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ بزرگ مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب ہیں اور انسپکٹر بیت المال آمد ہیں۔آج کل اپنی فیملی کے ساتھ دارالضیافت میں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں ویسے حافظ آباد سے تعلق ہے۔اس طرح آہستہ آہستہ یہ تعارف ذاتی تعلق میں تبدیل ہوتا گیا اور ہم بھی ان کی انجمن میں شامل ہوتے گئے۔بچپن میں مکرم شاہ صاحب کی ایک بات بڑی حیرت میں ڈالتی کہ جب بھی کسی سے ملتے یا کسی کا ذکر برسبیل تذکرہ آتا تو فوراً کمپیوٹر کی طرح تمام اعداد و شمار تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔تمہارے دادا، نانا، والد کا نام یہ ہے۔ہندوستان یا پاکستان کے فلاں مقام سے تعلق ہے اور ساتھ ہی ان کے حوالہ سے کوئی نہ کوئی لطیفہ جڑ دیتے۔جو کبھی سمجھ میں آتا اور کبھی اوپر سے گزر جاتا لیکن دوسرے بڑے اس بات سے ضرور محظوظ ہوتے۔مکرم شاہ صاحب کی ذات ایک انجمن تھی جس کا دائرہ قادیان اور پھر پاکستان کی احمدی جماعتوں کے علاوہ جرمنی تک پھیلا ہوا تھا۔وفات سے ایک رات قبل خاکسار کے پاس MITTELWEG مٹل ویگ فرینکفرٹ جرمنی میں کمپیوٹر پر ایک جائزہ فارم تعلیم و تربیت مجلس انصاراللہ جرمنی کے لئے تیار کروایا۔سخت گرمی تھی اور رات کو سوتے ہوئے بھی گرمی کا اظہار کیا۔صبح ہوتے ہی ماتھے پر شدید پسینہ آنے کا بتایا اور طبیعت خراب ہونے کا کہا۔پھر اُلٹی آگئی لہذا طبیعت کی بحالی کے لئے الائچی کا پانی بنا کر دیا۔ان کے گھر فون پر اطلاع دی گئی۔شام کو اطلاع ملی کہ طبیعت زیادہ خراب ہونے پر قریبی ہسپتال میں داخل کروادیا گیا۔جہاں ۱۶؍جولائی ۱۹۹۵ء کو وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)

ہمیشہ خاتمہ بالخیر کے لئے دعا کی درخواست کرتے۔جب کسی سے دوستی کا عہد باندھتے تو باقاعدہ اس سے بذریعہ خط رابطہ رکھتے۔خدمت و تواضع کرنے میں پہل کرتے۔آپ کی شخصیت بڑی رعب دار اور آواز گرجدار تھی۔جُملوں میں دھماکہ خیز مواد آپ کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھا۔محفلوں میں بیباکی اور برمحل جُملوں کا استعمال کرتے اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔حق بات کرتے جس میں سلسلہ سے محبت و عقیدت، دوراندیشی اور خیرخواہی کا عنصر ضرور شامل ہوتا۔مخلصانہ اور پُرحکمت مشورے دیتے۔ہر کام میں جلدی اور تیزی کا رجحان رکھتے۔دوستوں پر حکم بھی چلاتے۔کبھی کوئی جملہ مونہہ میں آتا تو کہہ دیتے روکتے نہیں تھے۔اس بات کے قائل تھے کہ بندہ ہاتھ سے جائے تو جائے مگر جُملہ ہاتھ سے نہ جائے۔ اپنے آپ سے نیچے اتر کر رہنے والے تھے۔دل میں سرایت کرنے والے بزرگ تھے۔میں نے ہمیشہ انہیں گرم جوش مخلص و مہربان پایا۔ان کی شخصیت کے گرد ایک طلسمی حصار تھا جو عام آدمی نہ دیکھ سکتا تھا۔خدا تعالیٰ غریق رحمت کرے۔آمین۔کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ۝ وَّیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۷-۲۸۔یعنی: اس زمین پر جو کوئی بھی ہے بالآخر ہلاک ہوگا اور صرف وہی بچتا ہے کہ جس کی طرف تیرے جلال اور عزت و اکرام والے رب کی توجہ ہو۔ناقل)۔(الفضل انٹرنیشنل لندن ۲۷؍جون ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۳)

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب مجلس انصاراللہ احمدیہ جرمنی کی مجلس عاملہ میں مختلف خدمات سرانجام دیتے رہے اور انہی دنوں صدر مجلس انصاراللہ جرمنی مکرم عبدالغفور بھٹی صاحب نے خاکسار کو بھی جرمنی کے سہ ماہی رسالہ '' الناصر'' کی ترتیب و تدوین اور لکھنے کی ذمہ داری سونپی ہوئی تھی لہذا

مکرمی شاہ صاحب سے دلچسپ گفتگو کا خوب موقعہ ملتا رہتا تھا - ان کی باتوں کا انداز بے حد دلچسپ ہوا کرتا تھا اور نہ جانے انہیں اتنے چٹکلے کہاں سے آتے تھے جن کی بدولت مجلس بہت رنگین رہا کرتی تھی - ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ قادیان کے زمانہ میں حضرت قمر الانبیاءؓ ناظر تعلیم و تربیت مقرر تھے اور چونکہ کچھ عرصہ آپ نے بھی حضرت قمر الانبیاءؓ کے ساتھ پرسنل اسٹنٹ کے طور پر کام کیا ہے لہذا یہ کیسی حسین مناسبت ہے کہ آج آپ کو بھی دنیا کے ایک ملک جرمنی میں تعلیم و تربیت کا قائد بننے کی سعادت نصیب ہوگئی ہے - اس بات کو مکرمی شاہ صاحب نے بے حد پسند کیا اور فرمایا کہ مجھے پہلے کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا - شکریہ کہ آپ نے یہ نقطہ مجھے بھی سمجھایا - چند سال ہوئے شاہ صاحب یہی دینی خدمات سرانجام دیتے ہوئے جرمنی میں رحلت فرما گئے - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) - آپ سے میری آخری ملاقات ہمارے ریجن رائینموزل جرمنی کے ریجنل اجتماع ۱۹۹۵ء کے موقعہ پر کولون KÖLN میں ہوئی - اس کے بعد صرف آپ کی وفات کی ہی اطلاع موصول ہوئی - خدا غریق رحمت فرمائے - آمین - آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مضمون خاکسار نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور اس کتاب کی زینت بڑھانے کے لئے یہاں درج ذیل ہے - آپ تحریر فرماتے ہیں :-

مکرمی و محترمی مقصود احمد نسیم صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - امید ہے کہ آپ بفضل خدا بخیر و عافیت ہوں گے - حسب ارشاد قوم القمام حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات و واقعات جو مجھے یاد آئے ایک ہی نشست میں لکھ کر ارسال ہیں - خاکسار کا کام تمام عمر حساب کتاب کا رہا، مضمون نگاری کا موقع نہ ملا، نہ کی - حضرت میاں صاحبؓ میرے مربی و محسن تھے - ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں انؓ کا ذکر خیر محض اس لئے کہ میرے لئے ذریعہ ثواب و نجات ہے ارسال ہے - نفس مضمون کو قائم رکھتے ہوئے آپ اس میں جو کمی بیشی (نوک پلک) درستی کریں گے مجھے منظور و قبول ہوگی --- (مکتوبات نسیم ۔ ۱۸؍نومبر ۱۹۹۳ء)

اب خاکسار مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب کا مضمون پیش خدمت کرتا ہے - ملاحظہ فرمائیں :-

خاکسار کو حضرت قمر الانبیاءؓ میاں بشیر احمد صاحبؓ کو اپنے بچپن سے دیکھنے کا موقع ملا پھر جب ۱۹۴۲ء میں میٹرک کے بعد تعلیم الاسلام سکول سے فراغت پائی تو مجھے محترم المقام حضرت میاں صاحبؓ کے پاس بطور پرسنل کلرک خدمت کی سعادت ملی - حضرت میاں صاحب اپنی اور اپنے دوسرے بھائیوں یعنی حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ کی قادیان کی زمینوں کے ہر طرح کے انچارج تھے - چنانچہ اراضیات قادیان کا کام دیکھ بھال اور خرید و فروخت آپؓ ہی فرماتے تھے - حضرت میاں صاحبؓ کی خوراک سادہ اور تحریک جدید کے مطالبہ کے مطابق ایک سالن پر تھی - قمیص شلوار سفید اور سر پر سفید ململ کا عمامہ اور کبھی کبھی سیاہ ٹوپی بھی استعمال فرماتے واسکٹ اور کوٹ پہنتے - پاؤں میں گرگابی کے علاوہ سادہ پنجاب کی دیسی جوتی بھی استعمال فرماتے - رومال کافی عرصہ سرخ رکھا اور سفید کبھی استعمال فرمایا - گفتگو بہت نرمی سے آہستہ آہستہ کرتے - تحریری کام زندگی بھر کیا - مطالعہ کی عادت تھی اس لئے سونے کے کمرہ میں نئی سے نئی کتاب مطالعہ کے میز پر رکھا کرتے تھے - مطالعہ و تحریر ٹیبل لیمپ پر کرتے - وقت کے پابند تھے اور دوسروں سے وقت کی پابندی کرتے دیکھ کر خوش ہوتے - وقت پر دفتر آنا پھر قبل از ظہر دفتر سے جانا پھر بعد ادائیگی نماز بھی تشریف لاتے - حضرت میاں صاحبؓ زبان و قلم کے معاملہ میں انتہائی نرم تھے - اونچی آواز میں تو مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی گھر یا دفتر میں آپؓ کی آواز سنی ہو - پا پیادہ ہی چلتے بہت کم موٹر پر سوار دیکھا - حلقہ مسجد مبارک (گھر) قادیان سے بیرون شہر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی کوٹھی تقریباً ایک میل کی مسافت پر تھی لیکن آپؓ پیدل ہی تشریف لے جاتے - جب کوئی امر خاص پیش نظر ہوتا تو مجھ سے بزرگان سلسلہ کو خطوط لکھوا کر اپنے دستخطوں سے بغرض دعا و استخارہ بھجواتے - جب کبھی کسی کا خط آتا تو اولین فرصت میں اس کا جواب بھجوانا فرض اولین سمجھتے - خطوط کے جواب میں آپ کا اخلاق و کردار بہت بلند تھا - انکساری فروتنی عاجزی کا مظہر آپ کی ذات تھی - گھر کا ملازم

عبدالعزیز گونگااس سج دھج سے گھر میں رہتا تھا کہ جس طرح آپؓ کے بچے میاں حمید احمد صاحب، میاں مبشر احمد صاحب یا میاں مجید احمد صاحبان-

شام سہ پہر کی چائے میاں صاحب کے ذاتی ملازم مکرم عبدالعزیز صاحب عرف گونگا (وہ زبان سے معذور اور گونگا تھے) روزانہ دفتر لاتے- حضرت میاں صاحبؓ اور میرے بیٹھنے کے لئے بڑا سا ایک کمرہ تھا مگر درمیان میں لکڑی سے پارٹیشن کی ہوئی تھی- جونہی چائے آتی حضرت میاں صاحبؓ بہت پیار ومحبت سے مجھے آواز دیتے- خاکسار میز کی ایک طرف سمٹ سمٹا کر بیٹھ جاتا تو حضرت میاں صاحبؓ پہلے چائے کی پیالی خاکسار کو خود بنا کر دیتے- خاکسار شرم جھجک اور حضرت میاں صاحبؓ کے روحانی رعب و دبدبہ کے باعث آہستہ آہستہ چائے پیتا- پھر حضرت میاں صاحبؓ (نمکین سویاں یا پکوڑے یا بسکٹ جو ہر روز چائے کے ہمراہ ہوتے تھے) طشتری میری طرف بڑھا کر فرماتے: ''لیں'' خاکسار عرض کرتا کہ نہیں بس! چائے کافی ہے- فرماتے: ''نہیں نہیں لو۔کھاؤ گے تو کام کرو گے'' -کئی دفعہ مجھے فرمایا کہ: ''جاؤ! حضرت ام المؤمنین اماں جانؓ سے کہہ آؤ کہ آج دوپہر کا کھانا میں آپؓ کے ساتھ آپؓ کے گھر آ کر کھاؤں گا اور پکوڑیاں ڈال کر کڑھی ضرور خود بنا دیں''-چنانچہ خاکسار حضرت ام المومنینؓ کو جا کر بعد السلام وعلیکم پیغام عرض کرتا-حضرت اماں جانؓ فرماتیں: ''اچھا تم بھی کھانا یہاں آ کر ہی کھانا'' -اکثر گرمیوں میں مجھ سے خربوزے بازار سے منگواتیں اور فرماتیں:'' دیکھو میٹھے خربوزے لانا اگر پھیکے ہوئے تو سبھی تم کو کھانا ہوں گے''-لہذا یہ عاجز گھر سے چھوٹا بازار پھر بڑا بازار اور ریتی چھلہ تک ہر خربوزے والے کے خربوزے دیکھتا سونگھتا جانکلتا اور بفضل خدا حضرت ام المؤمنینؓ کی دعا اور برکت کے طفیل میٹھے خربوزے ہی لا حاضر کرتا- پھر کھانے کے بعد حضرت اماں جانؓ فرماتیں کہ:''خربوزے میٹھے تھے -شاباش''-حضرت میاں صاحبؓ دفتر آ کر فرماتے کہ:'' دیکھا حضرت اماں جانؓ کے ہاتھ کی پکی ہوئی کڑھی اور پکوڑیاں کتنی مزیدار تھیں؟'' -

روزانہ ڈاکخانہ سے ڈاک لا کر حضرت میاں صاحبؓ کو دیتا-آپؓ خطوط پر سرخ یا نیلے قلم سے مختصر جواب تحریر فرماتے پھر خاکسار ڈاک کا جواب لکھتا اور حضرت میاں صاحبؓ کے سامنے پیش کرتا- آپؓ اصلاح فرماتے اور دستخط فرماتے پھر ڈاکخانہ کے لیٹر بکس میں پوسٹ POST کرنے جاتا-ایک دفعہ بوجہ نوعمری ڈاک پوسٹ کر کے اِدھر اُدھر سے ہوتا ہؤا جب دفتر گیا تو حضرت میاں صاحبؓ گھر جا چکے تھے- چنانچہ خاکسار گھر حاضر ہوا-اس وقت آپؓ کے پاس حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ اور حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ تشریف فرما تھے-کمرہ میں موجود دونوں کرسیوں پر دونوں بزرگ رضوان علیہم بیٹھے تھے -یہ عاجز نیچے قالین پر بیٹھنے لگا تو حضرت میاں صاحبؓ نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ پلنگ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا- دونوں بزرگ کافی دیر گفتگو کرنے کے بعد آخر مصافحہ کر کے چلے گئے تو ان کے جانے کے بعد مجھے فرمایا:'' کافی دیر انتظار کیا-تم جیسے کے لئے جس کی ساری عمر ابھی کام کرنے کی پڑی ہے اس طرح دیر نامناسب ہے''-بس یہ الفاظ مجھے حضرت میاں صاحبؓ ان دو بزرگوں کے سامنے بھی فرما سکتے تھے لیکن محض اس لئے نہ کہے تا میری عزت نفس مجروح نہ ہو- پھر اس کے بعد مزید فرمایا کہ:''ایک دفعہ دوران گفتگو لفظ گڑبڑیشن تم سے ادا ہؤا-تم دودھیال اور ننہیال سے اُردو بولنے والے ہو(میرے والد صاحب انبالہ اور والدہ صاحبہ پٹیالہ ریاست کی تھیں) محض گڑبڑ کہہ دیتے تو مطلب واضح ہو جاتا خواہ مخواہ گڑبڑ کے ساتھ انگلش کے شن TION کا اضافہ کر کے بات بھدی سی کر دی''-اصلاح کا پہلو ہمیشہ مدنظر رہتا-ایک دفعہ میری آنکھ پر گوہانجنی (پھُنسی) نکل آئی-ایک دن کی رخصت کی درخواست حضرت میاں صاحبؓ کو بھجوادی- دوسرے دن حاضر ہؤا تو پوچھتے ہوئے فرمایا کہ: ''کیا حال ہے؟'' عرض کیا کہ آپؓ کی دعا سے اللہ کا فضل ہے-اس پر بڑے جوش سے شہادت کی انگلی اوپر کر کے فرمایا کہ:-

''اللہ کا فضل پہلے اور میری دعا بعد''

یعنی احتیاط کا پہلو اس قدر غالب تھا اور خدا تعالیٰ کا مقام و مرتبہ اس قدر محبوب و منظور تھا کہ ذرہ سی بے احتیاطی بھی پسند نہ کرتے اور نہ ہی کسی کو کرنے دیتے۔ گھریلو ملازمین اور دھوبی وغیرہ کا حساب کتاب کرنا بھی میرے ذمہ تھا۔ دھوبی کی دھلائی فی سینکڑہ مقرر تھی۔ گھر سے سیدہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ سے جتنے پیسے وہ لکھوا لاتا میں دھوبی کو ادائیگی کر دیتا۔ ایک دفعہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے پیسے کپڑوں کی تعداد دھلوائی سے غالباً پانچ روپے زیادہ لکھ کر بھجوائے۔ میں نے دھوبی سے کپڑوں کی تعداد وغیرہ پوچھ کر کپڑوں کی دھلوائی کے مطابق رقم ادا کی لیکن چونکہ دھوبی جو رقم گھر سے لکھوا کر لایا تھا وہ پانچ روپے زیادہ تھی اور میں نے اسے کپڑوں کے مطابق کم ادائیگی کی لہذا دھوبی نے گھر جا کر حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ سے ذکر کیا۔ دوسرے دن حضرت میاں صاحبؓ دفتر تشریف لائے تو اپنے مخصوص روایتی نرم انداز میں فرمایا: ”دھوبی نے گھر جا کر شکایت کی“۔ میں نے عرض کیا کہ پانچ روپے کا فرق تھا۔ فرمایا: ”دے دئے ہوتے۔ خواہ مخواہ کا مسئلہ دھوبی نے بنالیا“۔ کسی کا حق ادا کرنا یاد رکھتے تھے اور حق سے زیادہ ادا کر کے سرخروئی اختیار فرماتے۔ حضرت میاں صاحبؓ کی شفقت و محبت کے سبب جب یہ عاجز صدر انجمن احمدیہ میں بطور انسپکٹر بیت المال خدمت پر مامور ہوا تو اس وقت بھی اور پھر اس کے بعد بھی میری بیوی بچے آپؓ کی خدمت میں سلام اور دعا کے لئے حاضر ہوتے تو آپؓ ضرور بچے کو ٹافیاں یا بسکٹ مرحمت فرماتے اور دعا دیتے اور بہت خوش ہوتے۔ وہ دنیائے احمدیت کے چاند تھے اور حقیقتاً چاند سی خوبو رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ ہم کو حضرت میاں صاحبؓ کے نقش قدم پر چلا کر انجام بخیر فرمائے۔ آمین۔ (مکتوبات نسیم ۔ ۱۸/نومبر ۱۹۹۳ء)

☆

مکرمی سید اعجاز احمد شاہ صاحب کے مضمون میں ”اللہ کا فضل پہلے اور میری دعا بعد“ کے الفاظ سن کر مجھے سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پاکیزہ نصیحت ایک مرتبہ پھر یاد آ گئی کہ ”خدا کا فضل ہی سب سے زیادہ اچھا ہوتا ہے“۔ سوانح فضل عمر میں تحریر ہے کہ:-

”ایک دفعہ تعلیم الاسلام سکول کے طلبہ کو یہ مضمون دیا گیا کہ ”علم اور دولت کا مقابلہ کرو“۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے اس مضمون کے متعلق بہت سوچا لیکن آپؓ کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ علم اور دولت میں سے کون سا اچھا ہے۔ کھانے پر جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہاں تشریف فرما تھے تو آپؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ: ”بشیر! کیا تم بتا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت؟“۔ حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خاموش رہے لیکن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر فرمایا:-

”بیٹا محمود! توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ نہ علم اچھا نہ دولت۔ خدا کا فضل اچھا ہے“۔ (سوانح فضل عمر صفحہ ۸۵-۸۶)

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب کے ذاتی مضمون اور ذکر خیر کے ساتھ ساتھ مجلس انصار اللہ احمدیہ جرمنی کے مجلّہ ”الناصر“ کا ذکر بھی چل پڑا تھا اس لئے اس سلسلہ میں یاد آیا کہ یہ رسالہ مرکزی ماہنامہ ”انصار اللہ“ ربوہ کی طرز پر صدر مجلس انصار اللہ احمدیہ جرمنی مکرم عبد الغفور بھٹی صاحب نے یہاں جرمنی سے جاری فرمایا تھا جب کہ مرکزی ماہنامہ ”انصار اللہ“ کا اجراء ربوہ سے کیا گیا تھا۔ اس رسالہ کی غرض و غایت کے بارہ میں عرض ہے کہ اس کے اجرأ کا مقصد حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیوض و برکات کے تذکرہ، اراکین انصار اللہ اور آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت اور تنظیمی امور کو مجالس تک پہنچانے کے لئے اس رسالہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو مجلس انصار اللہ کے ترجمان ماہنامہ ”انصار اللہ“ کا اجراء نومبر ۱۹۶۰ء میں کیا گیا۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسالہ کا نام ”انصار اللہ“ تجویز فرمایا۔ جناب مسعود

احمد خان دہلوی صاحب اس کے سب سے پہلے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔مکرم مسعود احمد خان دہلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’جب ۱۹۶۰ء کے اواخر میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنا عہد خلافت شروع ہونے سے بھی پانچ سال قبل صدر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کی حیثیت سے ماہنامہ ’’انصاراللہ‘‘ کا اجراء فرمایا تو ازراہ شفقت اس خاکسار کو اس کا پہلا ایڈیٹر مقرر فرمایا۔آپؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ’’ہمیں اس رسالہ کی مستحکم بنیادیں استوار کر کے ایسی روایات قائم کرنی ہیں کہ آئندہ زمانوں میں بھی یہ رسالہ جاری رہ کر ان روایات پر پورا اترتا چلا جائے۔حضور نے خاکسار کو نہ صرف تفصیلی ہدایات سے نوازا بلکہ رسالہ کے ہر شمارہ کو براہ راست اپنی نگرانی میں مرتب کرواتے رہے اور آپؒ نے اس امر کا خاص خیال فرمایا کہ رسالہ کا معیار نہ صرف یہ کہ گرنے نہ پائے بلکہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے‘‘۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن ۹؍ جولائی ۱۹۹۹ء صفحہ۳)

مجلس انصاراللہ کے اس مجلّہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے حضرت قمرالانبیاءؓ نے تحریر فرمایا:-

’’اس رسالہ کے ایڈیٹروں کو چاہئے کہ خود بھی انصاراللہ یعنی خدا کے مددگار بنیں اور رسالہ کے نامہ نگاروں کو بھی تلقین کریں کہ وہ اپنے تمام مضامین کو اس مرکزی محور کے اردگرد چکر دیں۔اس وقت دنیا نے موجودہ زمانہ کی مادی تہذیب وتمدن کے اثر کے ماتحت خدا کو گویا اکیلا چھوڑا ہوا ہے۔انصاراللہ کو چاہئے کہ سب سے پہلے قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لٹریچر کو گہری نظر سے دیکھ کر خدا کا منشاء معلوم کریں کہ وہ اس زمانہ میں کیا چاہتا ہے؟ یعنی وہ کن خرابیوں کو مٹانا چاہتا ہے اور کن خوبیوں کو قائم کرنا چاہتا ہے اور پھر اس مطالعہ کے بعد اپنی تمام قوتوں اور تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کی خدمت میں لگ جائیں، اس کے بغیر نہ تو مجلس انصاراللہ حقیقی معنوں میں انصاراللہ کہلاسکتی ہے اور نہ یہ رسالہ صحیح طور پر خدا تعالیٰ کا ناصر ومددگار سمجھا جاسکتا ہے۔رسالہ انصاراللہ کے مضامین اعلیٰ درجہ کے علمی اور تحقیقی ہونے چاہئیں اور اس رسالہ کو اپنے بلند معیار سے ثابت کردینا چاہیے کہ حقیقتاً مذہب وسائنس میں کوئی ٹکراؤ اور تضاد نہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔سچا مذہب خدا کا قول ہے جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ دنیا پر نازل ہوا اور پھر آپؐ کے خادم اور ظلّ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اس نے اس زمانہ میں نئی روشنی پائی اور سچی سائنس خدا کا فعل ہے جو خدا کی پیدا کی ہوئی نیچر کے پردوں میں مستور رہ کر زمانہ کی ضرورت کے مطابق ظاہر ہوتی رہتی ہے۔۔۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء اور آپ سے تربیت یافتہ اصحاب کے لٹریچر نے اس نام نہاد تضاد کو بیشتر صورتوں میں صاف کردیا ہے اور اگر کوئی ظاہری تضاد باقی ہے تو وہ بھی انشاءاللہ جلد صاف ہو جائے گا۔رسالہ انصاراللہ کو اس کام میں خاص حصہ لینا چاہیے‘‘۔(تاریخ انصاراللہ صفحہ۱۳۸۔۱۳۹)

حضرت قمرالانبیاءؓ نے مجلس انصاراللہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۶۲ء کے موقعہ پر اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا:-

’’میں اس جگہ رسالہ ’’انصاراللہ‘‘ کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔یہ رسالہ خدا کے فضل سے بڑی قابلیت کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور ترتیب دیا جاتا ہے اور اس کے مضامین بہت دلچسپ اور دماغ میں جلا پیدا کرنے اور روح کو روشنی عطا کرنے میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔پس! انصاراللہ کو چاہیے کہ اس رسالہ کو ہر جہت سے ترقی دینے کی کوشش کریں۔اس کی اشاعت کا حلقہ وسیع کریں اور اس کے لئے مختلف علمی موضوعات پر اچھے اچھے مضامین لکھ کر بھجوائیں تا کہ اس کی افادیت میں ترقی ہو اور جماعت میں اس کے متعلق دلچسپی بڑھتی چلی جائے‘‘۔(تاریخ انصاراللہ صفحہ۱۴۱)

خاکسار کی خوش قسمتی ہے کہ مجلس انصاراللہ جرمنی کے آخری ماہانہ رسالہ ’’الناصر‘‘ کی کتابت اور ترتیب وتدوین کرنے کی سعادت مجھے بھی نصیب ہوئی۔۱۹۹۳ء میں اس رسالہ کی آخری اشاعت کے بعد اس کو ہفت روزہ ’’الفضل انٹرنیشنل لندن‘‘ میں مدغم کردیا گیا۔

حضرت قمر الانبیاءؓ کی سیرت کے بعض پہلو

از حضرت مرزا عبدالحق صاحب

(جنوری ۱۹۰۰ء - ۲۸/اگست ۲۰۰۶ء)

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی پیدائش ۲۰/اپریل ۱۸۹۳ء کو ہوئی --- حضرت مسیح موعودؑ نے جس رنگ میں اپنی اولاد کے لئے دعائیں کیں --- ان میں آپؓ نے جو کچھ مانگا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولاد دی اور ان کی زندگیوں کو ان ہی صفات کا مرقع بنایا --- آپؓ میں واقعی قمر جیسا نور اور ٹھنڈک اور دلربائی تھی - پھر حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کے مطابق آپؓ کو قلبی پاکیزگی بھی دی گئی جس کا اظہار آپؓ کے ہر فعل سے ہوا - آپؓ حضرت مسیح موعودؑ کے نقش قدم پر چل کر دین کے منادی بھی بنے اور ساری عمر اسی میں گزاری - آپؓ کو خوشحالی اور فرخندگی بھی دی گئی - شمشاد کی طرح بڑھنے والی بات بھی آپؓ میں پوری ہوئی غرض یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کا ہر حصہ آپؓ کے برکت والے وجود میں پورا ہؤا - اس جگہ خاکسار آپؓ کی سیرت کے چند ایک پہلو وقت کی رعایت کے لحاظ سے نہایت اختصار سے بیان کرتا ہے - یہ سب ذاتی مشاہدہ کی بناء پر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمبا عرصہ آپؓ کے ساتھ تعلقات کا موقعہ عطا فرمایا -

آپؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو وہی تھا جو الہام الٰہی میں بتایا گیا تھا - آپؓ نہایت درجہ حلیم اور بردبار تھے - کسی کا دل نہ دکھاتے تھے - اگر کوئی تیزی سے بھی کام لیتا تو آپؓ تحمل سے جواب دیتے - سوائے ایسے موقع کے کہ جس میں دینی غیرت کا سوال ہو - آپؓ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرتے - ہمیشہ کوہ وقار نظر آتے - دوستوں کے ساتھ بھی رأفت اور شفقت کا سلوک کرتے اور ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ بھی - خط میں ہمیشہ مکرمی محترمی سے مخاطب فرماتے - دوستوں کے احساسات کا بہت خیال رکھتے - ایک دفعہ گورداسپور میں میرے مکان پر تشریف لائے تو خاکسار کو اندر سے نہ بلایا بلکہ کمرہ میں ٹہلتے رہے - جب خاکسار خود کسی کام کے لئے باہر آیا تو آپؓ کو ٹہلتے ہوئے دیکھا - میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اندر سے بلا کیوں نہ لیا؟ فرمانے لگے کہ مجھے خیال ہؤا کہ اس طرح آپ کو تکلیف ہوگی - آپ خود ہی باہر نکلیں تو ٹھیک ہے -

آپؓ دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے - دوست ہوں یا غیر - حتیٰ الوسع ان کی مدد فرماتے - خاکسار کو کئی بار آپؓ کی خدمت میں دوستوں کے کاموں کے لئے حاضر ہونا پڑتا - آپؓ ہمیشہ بشاشت سے توجہ فرماتے اور جہاں تک ہوسکتا کام کر دیتے - انکار کبھی نہ کرتے - تعلقات کو آپؓ خوب نباہتے - خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیتے - ایسا کبھی نہ ہوتا کہ کوئی خط بغیر جواب رہ جائے - یہ بھی ایک بہت پسندیدہ اور تعلقات کو بڑھانے والا خلق ہے - بعض دوست اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے لیکن یہ نہایت نامناسب ہوتا ہے - حضرت صاحبزادہ صاحبؓ اس بارہ میں بہت احتیاط فرماتے - فوت شدہ دوستوں کے متعلق آپؓ تعزیتی مضمون بھی الفضل میں چھپواتے تا کہ متوفی کی خوبیاں ضبط تحریر میں آجائیں اور اس کے لئے دعا ہوجائے اور پسماندگان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہو کر ان کے لئے باعث تسکین ہو - یہ بات آپؓ کے بعد حضرت مولوی ابوالعطاء صاحب مرحوم نے بھی جاری رکھی - آپ بھی ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے -

آپؓ کی ہمدردی خلق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ خاکسار پر ایک تکلیف آئی- آپؓ کو کسی دوست سے اس کا علم ہؤا تو قادیان کی ساری بیوت الذکر میں خاکسار کے لئے دعا کا اعلان کروایا اور جب خاکسار حسن معمول قادیان آیا تو اس امر پر بہت افسوس کا اظہار فرمایا کہ خاکسار نے آپؓ کی خدمت میں اس کی اطلاع نہ دی- اگر آپس میں ہمدردی کی یہ صورت پیدا ہو جائے تو معاشرہ کیسا خوبصورت بن جائے- آپؓ اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ملنے والوں کو وقت دینے سے گریز نہ کرتے- خاکسار کو جب بھی حاضر ہونے کا موقعہ ملا- آپؓ کو نہایت بشاشت اور خوشدلی سے ملتے ہوئے اور وقت دیتے ہوئے پایا- آپؓ کے کاموں میں باقاعدگی بہت ہوتی- وقت کی پابندی فرماتے- اس بات کا خیال رکھتے کہ ساتھ کام کرنے والے کا وقت آپؓ کی وجہ سے ضائع نہ ہو- نگران بورڈ میں خاکسار کو آپؓ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا- اجلاس کے لئے وقت کی پابندی کے ساتھ تشریف لے جاتے اور بڑی متانت اور خوش اسلوبی اور تدبیر کے ساتھ تمام معاملات طے کرتے اور ایسا راستہ اختیار کرتے کہ جس سے تمام ممبران کا اتفاق ہو جائے-

روحانی اور اخلاقی رفعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو فہم بھی بہت عطاً کیا تھا- بات کی تہہ تک پہنچتے اور مضبوط دلائل سے کام لیتے- حضرت مصلح موعودؓ کے دست راست کے طور پر کام کرتے اور حضورؓ بھی آپؓ کو سب کاموں میں شریک رکھتے- آپؓ خلافت کو اس کا صحیح مقام دیتے اور نہایت درجہ احترام اور اطاعت کرتے- ایک دفعہ خاکسار آپؓ کے ہمراہ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ بے احتیاطی سے کوئی کلمہ نکل گیا- باہر آ کر فرمانے لگے کہ خلیفہ وقت کے سامنے پورا متادب ہونا چاہئے کسی وقت بھی آواز میں نا ملائمت نہیں پیدا ہونی چاہئے- مشوروں میں آپؓ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور کسی حصہ کو تشنہ نہ رہنے دیتے خواہ کوئی بڑا مشورہ ہوتا یا معمولی- آپؓ کی قوت استدلال کا اس میں اظہار ہوتا- گورداسپور میں ایک مرتبہ خاکسار کو سرکاری وکالت کی پیشکش ہوئی تو خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں لکھا کیونکہ حضورؓ کے حکم پر ہی خاکسار نے گورداسپور میں وکالت کی پریکٹس شروع کی تھی ورنہ میں نے کئی مرتبہ وقف زندگی کے لئے حضورؓ کی خدمت میں لکھا تھا- حضورؓ نے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ اور حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ سے اس بارہ میں مشورہ طلب فرمایا- حضرت صاحبزادہ صاحبؓ نے جو خط اس کے متعلق حضورؓ کی خدمت میں لکھا وہ حضورؓ نے مجھے اپنے حکم کے ساتھ بھجوا دیا- اس خط سے آپؓ کے مشورہ کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح وہ اپنے اندر ہر پہلو کو لئے ہوئے تھے- وہ خط یہ ہے:-

'' حضور نے مکرم مرزا عبدالحق صاحب کے خط پر جس میں انہوں نے حضور سے مشورہ مانگا ہے مکرم چوہدری فتح محمد سیال اور خاکسار کی رائے پوچھی ہے- جواباً عرض ہے کہ ہم دونوں نے اس بات پر باہم مشورہ کیا ہے- دلائل میں ہم دونوں متفق تھے کہ تجویز زیر غور میں یہ فائدے کے پہلو ہیں اور یہ نقصان کے مگر نتیجہ میں آپس اختلاف تھا کیونکہ مکرم چوہدری صاحب یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ بحیثیت مجموعی اس پہلو کو غلبہ ہے کہ مرزا صاحب پی پی مقرر ہو جائیں- مگر میں یہ نتیجہ نکالتا تھا اور نکالتا ہوں کہ بحیثیت مرزا صاحب کا گورداسپور میں آزادہ کر پریکٹس کرنا جماعتی مفاد اور خود ان کے ذاتی مفاد کے لحاظ سے بہتر ہے- یہ تو ظاہر ہے کہ پی پی مقرر ہوتے ہی مرزا صاحب کو گورداسپور سے چلے جانا ہوگا کیونکہ انہیں افسران بالا اس ضلع میں نہیں رہنے دیں گے- تو گویا ہم نے اس لحاظ سے دیکھنا ہے کہ مرزا صاحب سرکاری وکیل ہو کر باہر جانا منظور کر لیں یا یہیں گورداسپور میں پریکٹس کرتے رہیں-

سرکاری وکیل بننے میں مرزا صاحب کو ذاتی فائدہ اس قدر ضرور ہے کہ باعزت عہدہ ملتا ہے اور ماہوار آمد معین اور باقاعدہ صورت اختیار کر لیتی ہے مگر ذاتی لحاظ سے ان کا یہ نقصان ہے کہ ان کی موجودہ آمد سرکاری وکیل کی تنخواہ سے کم از کم فی الحال زیادہ ہے اور باہر جانے سے وہ قادیان کی ہفتہ وار آمد اور مرکزی جماعت کی خدمت سے محرومی کے دکھ میں مبتلاً ہو جاتے ہیں اور ان کی طبیعت اور عادت کے لحاظ سے ان کے لئے یہ واقعی ایک بھاری تکلیف

اور نقصان ہے۔ اور پھر وہ غالباً اپنی عادت کے لحاظ سے سرکاری ملازمت کی پابندیوں کو بھی برداشت نہیں کرسکیں گے۔ دوسری طرف گورداسپور میں آزاد پریکٹس کریں تو ایک تو ان کو وہ ذاتی فائدہ حاصل ہوگا جو اوپر درج ہے اور دوسرے وہ ضلع کے مرکز میں جو خاص اہمیت رکھتا ہے جماعت کی نمائندگی اور جماعتی مقدمات میں پیروی کی خدمت بجالاسکتے ہیں۔ ان کا وجود ضلع کے مرکز میں واقعی بے حد غنیمت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ چونکہ جماعت بڑھ رہی ہے اس لئے اگر کل گورداسپور میں کوئی احمدی وکیل بھی پریکٹس شروع کردے تو اس کا واقعی اثر مرزا صاحب کی آمد پر پڑے گا مگر یہ اثر اگر ہو بھی تو وقتی ہوگا اور بہرحال دوسرے ذاتی اور جماعتی مفاد زیادہ وزن دار نظر آتے ہیں۔ پس! ساری بحث کے بعد ہم دونوں اس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ بحیثیت مجموعی مرزا صاحب کے لئے گورداسپور میں آزاد پریکٹس کرنا ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ والسلام۔ خاکسار مرزا بشیر احمد

P.S. یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے متعلق جو تحریک از خود ہو چکی ہے اسے آگے نہ چلایا جائے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ بشیر احمدؐ۔ خاکسار فتح محمدؐ سیال:۔ اب مجھے انشراح ہے کہ مرزا صاحب کو گورداسپور میں رکھا جائے۔ اس پر جو حضورؓ نے ارشاد فرمایا اس کے پیش نظر خاکسار نے وہاں اپنی پرائیویٹ پریکٹس ہی جاری رکھی اور سرکاری وکالت سے انکار کردیا۔ آپؓ ہر قسم کے معاملات میں نہایت صاف اور ستھرے تھے۔ کبھی کسی کا حق نہ رکھا۔ ہر ایک کے ساتھ احسان کی کوشش کرتے۔ قرضہ دیتے تو لکھوا ضرور لیتے تاکہ شریعت کا منشاء پورا ہو لیکن میعاد گزر جانے کے باوجود تقاضا نہ کرتے۔ مقروض کی تنگ دستی دیکھتے تو بسا اوقات قرضہ چھوڑ دیتے۔ بھائیوں کی زمین کا انتظام و انصرام آپؓ ہی کے سپرد ہوتا۔ آپؓ باقاعدہ حساب رکھتے اور ان کا حق انہیں دیتے۔ زمینوں کی خرید و فروخت بھی آپؓ ہی کے سپرد ہوتی۔ کبھی کسی کو شکایت نہ پیدا ہونے دی۔ سب مطمئن رہتے کہ آپؓ کے ہاتھوں ہمارے حقوق پورے محفوظ ہیں۔

بڑا زمیندار ہونے کی وجہ سے زمینوں کے مقدمات رہتے۔ ان میں کامل سچائی سے کام لیتے۔ نہ کبھی دعویٰ یا جواب دعویٰ میں جھوٹ شامل کیا اور نہ ہی کبھی جھوٹی شہادت دی خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس سچائی کی برکت سے عام طور پر کامیابی عطاً فرماتا رہا۔ ایک مرتبہ آپؓ کے مختار عام نے ایک بیع اراضی میں قیمت زیادہ لکھوالی تاکہ شفعہ سے بچاؤ ہوسکے اور گار شفعہ ہو جائے تو متفرق اخراجات برداشت کرنے سے نقصان نہ رہے۔ آپؓ کو علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور آئندہ کے لئے ایسا ہرگز نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپؓ کا معاملہ ہمیشہ فراخدلانہ ہوتا۔ ہر ایک کے حقوق کی حفاظت کرتے۔ آج کل بسا اوقات معاملات میں بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تکلیف دہ قسم کے مقدمات ہوتے رہتے ہیں بحیثیت صدر قضاءً خاکسار کو اس کا بہت تلخ تجربہ ہے۔ ہمارے تو ایک بھی کیس ایسا نہیں ہونا چاہئے جو بد معاملگی کے نتیجہ میں ہو۔ قرض کی ادائیگی میں بھی دوستوں کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ بد معاملگی مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ اگر ہوسکے تو قرض واپس کرتے وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق زیادہ دینا چاہئے۔ خوشگوار معاشرہ کے لئے معاملات کی صفائی ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ اس بارے میں بہت محتاط تھے۔ آپؓ میں عجز کا خلق بھی بہت نمایاں تھا اور یہی درحقیقت تقویٰ کی علامت ہے۔ آپؓ کے چہرے سے ہمیشہ عجز اور انکسار ٹپکتا تھا۔ نماز پڑھانے کے لئے عرض کیا جاتا تو گریز فرماتے اور دوسروں کو آگے کرتے۔ ایک مرتبہ میرے پاس گورداسپور تشریف لائے ہوئے تھے۔ خاکسار نے آپؓ کی خدمت میں جمعہ پڑھانے کے لئے عرض کیا۔ سب دوستوں کی بھی یہی خواہش تھی کہ آپؓ کے ایمان پرور کلمات سنیں لیکن آپؓ نے انکار کردیا اور فرمایا میں اس قابل نہیں۔ ایک مرتبہ خاکسار کو فرمانے لگے کہ میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی طرح یہ کہتا ہوں کہ لالی ولا علی یعنی اے خدا! میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ میں ثواب کا مستحق بنوں۔ اگر آپ مجھے سزا سے بچالیں تو یہی بڑا ہے۔

اب میں آخر میں آپؓ کی دینی خدمات کا تذکرہ کر کے اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں۔ آپؓ کا وجود سراپا خدمت دین تھا۔ پڑھائی کے زمانہ میں آپؓ نے دین کی تائید میں مدلل مضمون لکھنے شروع کر دئے اور پڑھائی کی تکمیل کے دوران نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں خاص طور پر سیرت خاتم النبیین ﷺ جو تین جلدوں میں ہے۔ بڑے پایہ کی علمی تصنیف ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشق کا پورا حق ادا کیا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر جو اعتراض مغربی مصنفین یا معاندین کی طرف سے کئے گئے۔ ان سب کا کافی وشافی جواب دیا گیا ہے۔ دینی مسائل کا تسلی بخش حل کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ کوئی پہلو اس میں تشنہ نہیں رہنے دیا گیا لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی اور کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ اسی طرح اور بھی کتب آپؓ نے تصنیف فرمائیں۔ جیسا کہ ہمارا خدا۔ سلسلہ احمدیہ۔ تبلیغ ہدایت۔ کلمۃ الفصل۔ الحجۃ البالغہ۔ ختم نبوت کی حقیقت۔ چالیس جواہر پارے نیز مقالہ سیرت طیبہ۔ درمنثور۔ درمکنون۔ آئینہ جمال اور متفرق تربیتی مضامین اور بہت سے مختلف مضامین پر رسائل کہ جن کی تعداد بھی تیس سے کم نہیں۔ مذکورہ بالہ چار میں سے اولذکر تین آپؓ نے جلسہ ہائے سالانہ میں پڑھ کر سنائے۔ آپؓ کی تقریر کرنے کا طریق بہت عمدہ اور دلنشین تھا۔ آہستہ آہستہ اور بڑے مؤثر انداز سے تقریر فرماتے۔ اس لٹریچر سے صاف نظر آتا ہے کہ آپؓ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین میں گزارا اور کبھی آرام نہ کیا۔ یہ کتابیں نہایت وزنی دلائل پر مشتمل ہیں اور عبارات نہایت شستہ ہیں۔ باقی قسم قسم کے دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ ایسی بلند پایہ تصانیف چھوڑ جانا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحبؓ کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کرے۔ آمین۔ (الفضل ربوہ۔ ۲۶؍اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ ۳۔۴)

☆

حیات بشیرؓ

از حضرت شیخ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ

(۱۵؍اگست ۱۹۰۹ء۔ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۶ء)

خاکسار نے اپنی اس کتاب ’’انوارِ بشیرؓ‘‘ کی تکمیل کے واسطے حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ کی مشہور زمانہ کتاب ’’حیات بشیر‘‘ سے بہت فیض حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں حضرت شیخ صاحبؓ کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ آمین۔ حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں:۔

’’آپ ۱۵؍ اگست ۱۹۰۹ء کو سوداگر مل کے نام سے گورنہ پٹھاناں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ لالیاں سے مڈل کر کے ننھیال بیر انوالہ ضلع حافظ آباد چلے آئے۔ احمدیت کے قبول کر لینے پر حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کا نام عبدالقادر رکھا۔ ۱۹۳۱ء میں مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد باقاعدہ مربی کے طور پر جماعتی خدمت کا کام شروع کر دیا، ۱۹۳۹ء میں میٹرک اور پھر ۱۹۴۰ء میں ایف اے بھی کر لیا۔ بہت شاندار مناظر تھے اور مناظرے کے دوران پُر جوش اور پُر تاثیر آواز سے گفتگو فرماتے۔ تحریر میں بھی شوق تھا اور تاریخی امور کی طرف رجحان تھا۔ تذکرہ کی ابتدائی ترتیب میں آپ کا خاص حصہ تھا۔ آپ ایک عرصہ تک کراچی میں مبلغ انچارج رہے سرگودھا، لائل پور، شیخوپورہ اور لاہور میں بھی تعینات رہے۔ آپ نے متعدد کتب

تصنیف کیں، جن کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے - آپ کی پہلی کتاب ''سیرۃ سیدالانبیاء'' ۱۹۳۹ء میں خلافت جوبلی کے موقعہ پر شائع ہوئی - دوسری کتاب ''حیات طیبہ'' سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ پر ۱۹۵۹ء میں لکھی - حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی سوانح عمری ۱۹۶۳ء میں '' حیات نور'' کے نام سے چھپی اور ۱۹۶۴ء میں ''حیات بشیر'' میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات زندگی مدون کئے - ۶ /نومبر ۱۹۶۶ء کو محترم مولانا حضرت شیخ عبدالقادر صاحب پر اُس وقت فالج کا اچانک حملہ ہوا جب آپ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے بعض دفتری ہدایات لے رہے تھے - حضورؒ کی ہدایت اور نگرانی میں پہلے آپ کو ربوہ میں طبی امداد دی گئی اور پھر لاہور منتقل کردیا گیا لیکن ۱۸ /نومبر کو آپ وفات پاگئے - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی'' - (الفضل انٹرنیشنل ۲۳ /اگست ۱۹۹۶ صفحہ ۱۴ + الفضل انٹرنیشنل ۴ /جون ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۴)

☆

حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب

نوراللہ مرقدہٗ

(۳ /جنوری ۱۹۱۵ء قادیان - ۱۹۸۹ء ربوہ)

سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو مجھ عاجز کے ساتھ انتہائی محبت، خصوصی لگاؤ اور بے حد انس تھا اور آپ دونوں رضوان اللہ علیہم مجھ پر بہت اعتماد بھی رکھتے تھے - حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے عموماً خاکسار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے - ۱۹۶۱ء میں جب آپؓ نے ایک عدد نئی موٹر کار کو بُک کروایا تو آپؓ نے اس بات کی قطعاً تشہیر نہ فرمائی کہ آپؓ نے کسی قسم کی کوئی کار خریدنے کا سوچ رکھا ہے لیکن مجھے پہلے سے ہی اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے اپنا ہمراز بنا کر بتا دیا کہ اس نئی کار کا رنگ نیلا ہوگا اور اس کی ٹوپی سفید رنگ کی ہوگی - اب بچپن میں مجھے کیا علم تھا کہ یہ موٹر کار کی ٹوپی کیا چیز ہوتی ہے ؟ جب میں روزانہ شوق سے پوچھتا کہ کار کی یہ ٹوپی کیسی ہوتی ہے ؟ تو آپؓ مسکراتے ہوئے فرماتے کہ جب کار آجائے گی تو دیکھ لینا اس نے پہنی ہوئی ہوگی - اس طرح سے میرا شوق بڑھتا ہی چلا گیا اور جب یہ کار آئی تو مجھے اس کار کی سفید ٹوپی والی پہیلی کی سمجھ آئی - اس کار کی نچلی باڈی کا رنگ نیلا تھا اور چھت سفید رنگ کی تھی اور اس زمانہ میں موٹر کاروں پر دو طرح کے مختلف رنگوں کو بہت ماڈرن خیال کیا جاتا تھا - آپؓ کی اس - OPEL RECORD 1700 - کار میں ہم نے بہت لمبے لمبے سفر کئے -

مجھے یاد ہے کہ جب یہ کار لے کر حضرت میاں صاحبؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب لاہور سے ربوہ تشریف لائے تو سب سے پہلے حضرت میاں صاحبؓ اپنے ساتھ حضرت صاحبزادہ میاں حمید احمد صاحب کو مجھے اور اپنے خادم مکرم بشیر احمد صاحب نیز ڈرائیور مکرم عبدالحلیم صاحب کو لے کر اس کار کی ٹیسٹنگ - TESTING - کے لئے کچھ دور تک تشریف لے گئے لیکن چلنے سے پہلے اس میں بیٹھتے ہی دعا

کی اور تمام راستہ بھر دعاؤں میں مصروف ومشغول رہے- پھر اس کے بعد گھر میں موجود تمام افراد کو باری باری سیر کروائی گئی -خوشی کے اس موقع پر حضرت میاں صاحبؓ اپنے انجمن کے اہلکاروں کو بھی نہ بھولے بلکہ ان کی عزت افزائی کے لئے اپنے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب سے فرمایا کہ ان کو بھی بمعہ فیملی سیر کروائی جائے -اس ارشاد پر حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب مجھے لے کر مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب کے مکان واقع کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ تشریف لے گئے اور پھر انہیں اور ان کے سب بیوی بچوں کو دریائے چناب کے دوسرے پل کے پار تک سیر کروائی - یہ ہے آپؓ کی اعلیٰ سیرت کی جس کی مثال بھی اس زمانہ میں بے حد مشکل سے ملے گی کیونکہ اس زمانہ میں موٹر کار تو کیا اہالیان ربوہ کے پاس گنتی کے کچھ سائیکل اور دو تانگے ہی ہؤا کرتے تھے -حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب جب بھی کسی فیملی کو اس موٹر کار پر سیر کروانے کے لئے لے جاتے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور اس طرح میرا کار میں سیر کرنے کا شوق پورا ہوتا رہتا تھا کیونکہ نئی نئی کار تھی اور نئی کار میں سفر کرنے کا کسے شوق نہیں ہوتا؟

۱۹۸۴ء تک میں یہاں جرمنی میں سیکنڈ ہینڈ کاریں ہی خرید کر اپنی ضرورت پوری کرتا رہا لیکن اُس سال جب مجھے اپنی سب سے پہلی نئی کار خریدنے کا اتفاق ہؤا تو میں نے بھی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی اتباع میں اور آپؓ کی اسی اوپل ریکارڈ کار کی یاد میں اوپل ریکارڈ کے سب سے آخری ماڈل کو خریدا حالانکہ انہی دنوں اوپل کی ریکارڈ کار کی جگہ ایک نئی کار OMEGA آنے والی تھی -میری خوش قسمتی یہ کہ خاکسار کی اس کار میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب اور بہو حضرت صاحبزادی بی بی طاہرہ بیگم صاحبہ نے بھی سفر کیا اور یوں اس اوپل کی بدولت میری پرانی یادیں ایک مرتبہ پھر سے تازہ ہوگئیں- بہر حال مکرم صاحبزادہ میاں حمید احمد صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے بعد بھی مجھے اپنی کار میں سیر کروانے کا سلسلہ جاری رکھا - **جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْجَزَاء فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ**

حضرت صاحبزادہ میاں حمید احمد صاحب کے بارہ میں خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچوں میں حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کے بارہ میں عموماً یہ مشہور تھا کہ آپ سخت طبیعت کے مالک ہیں لیکن خدا جانتا ہے کہ میں نے کبھی آپ کو کسی کو غصہ سے بلاتے ہوئے نہیں سنا-ممکن ہے کہ آپ کی طبیعت میں کچھ سختی ہو لیکن آپ نے کبھی بھی سرِ عام اس کا اظہار نہیں کیا- مجھے آپ کی شفقت کے بہت سے واقعات یاد ہیں ان میں سے ایک حاضر خدمت کرتا ہوں کہ آپ تقریباً ہر سال ہی نئی نویلی سفید رنگ کی جاپانی - MAZDA - کار خریدا کرتے تھے اور کسی کو بھی اس کار کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوتی تھی لیکن اپنے والد محترم حضرت قمر الانبیاءؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صرف مجھ ناچیز کو ہی آپ کی کار میں کھیلنے کودنے بلکہ اس کو چلانے بھی کی اجازت تھی -اس طرح جب جلسہ سالانہ اجتماعات عیدین یا کسی شادی بیاہ کے موقع پر خاندان مبارکہ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے بچوں کے پاس اپنی اپنی کار ہوتی تھی اور وہ ربوہ میں اِدھر اُدھر اپنی کاروں میں گھومتے پھرتے تو مجھے بھی کسی کمی کا احساس نہ ہؤا کرتا تھا اور مکرم میاں حمید احمد صاحب کی کار تقریباً ہر وقت ہی میرے قبضہ میں رہتی اور یوں میں بھی ان ایام میں پورے ربوہ میں اِدھر اُدھر کار چلا کر اپنا شوق پورا کر لیا کرتا تھا-

مجھے یاد ہے کہ میرے سکول اور پھر بعد میں کالج کے کلاس فیلو بھی مجھے ربوہ میں ایک سے ایک نئی نویلی کار کو چلاتے ہوئے بہت ہی حیرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ تمہیں اتنی چھوٹی میں عمر کار چلانی کیسے آ گئی -پس جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ سب خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے معزز و محترم افراد کی بے انتہا شفقت اور محبت ہی تو تھی کہ جس کی بدولت خاکسار کو خاندان کے بچوں کی طرح چھوٹی عمر میں ہی کار چلانے کی اچھی خاصی پریکٹس ہوگئی تھی- اس مقدس خاندان کی اپنے خدام پر یہی شفقت ہی تو تھی کہ جس کی بنا پر مکرم میاں حمید احمد صاحب نے کبھی بھول کر بھی نہ پوچھا تھا کہ آج صبح تو پیٹرول کی ٹینکی بھری ہوئی تھی اب آدھی کیسے ہوگئی ہے؟ لہذا مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب اس گاڑی میں پیٹرول بہت ہی کم رہ گیا تو میں نے عرض کیا کہ میاں صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو میں چنیوٹ جا کر گاڑی میں پیٹرول ڈلوا لاؤں؟ میری کم عمری کے باعث حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر میرے ساتھ اپنی گاڑی میں پیٹرول ڈلوانے کے لئے چل پڑے- ان دنوں ربوہ سے چنیوٹ جاتے ہوئے چنیوٹ کے پرانے لاری اڈے سے چند میٹر پہلے ہی دائیں جانب پیٹرول پمپ ہوا کرتا تھا- وہ پیٹرول پمپ بھی صرف ایسا ہی تھا کہ وہاں سرراہ دو مختلف پمپ تو لگے ہوئے تھے لیکن کوئی شیڈ وغیرہ نہیں تھا- وہاں سے پیٹرول ڈلوا کر ہم پھر واپس ربوہ چلے آئے- بہرحال اس طرح حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کی خاص توجہ اور عنایت سے مجھے چھوٹی عمر میں ہی کار چلانے کی عمدہ مہارت حاصل ہوگئی تھی-

اس کے علاوہ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جب آپ اپنے خاندان کے ہمراہ جرمنی تشریف لائے تھے تو وقت پر اطلاع نہ ملنے کے باعث آپ کی مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی لیکن آپ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی خاکسار آپ کی وطن واپس روانگی سے کچھ دیر قبل ہی میں مسجد نور فرینکفرٹ پہنچ گیا تھا- مجھے دیکھتے ہی حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ العزیز بیگم صاحبہ اور آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی محترمہ امتہ الکوثر بیگم صاحبہ بہت خوش ہوئے تھے- کچھ ہی دیر کے بعد ایئر پورٹ کو روانگی تھی لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کو میرے مل جانے کی اتنی خوشی تھی کہ آپ نے اپنی بیگم صاحبہ اور صاحبزادی کی بجائے خاکسار کے ساتھ دوسری موٹر کار میں بیٹھ جانے کو ترجیح دی تا کہ دوران سفر ہی کم از کم بات چیت اور گفتگو ہو سکے حالانکہ میں نے عرض بھی کیا کہ آپ فیملی کے ساتھ بیٹھ جائیں میں دوسری کار میں آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں- اسی طرح پھر ایئر پورٹ پر بھی مجھے اپنے ساتھ ہی رکھا کیونکہ ابھی جہاز کے چلنے میں کچھ دیر تھی لہذا ہم سب وہیں بیٹھے آپس میں گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ جدائی کا وقت بھی آن پہنچا اور یوں آپ مجھ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جدا ہو گئے کیونکہ اس پیاری ملاقات کے کچھ عرصہ کے بعد ۱۹۸۹ء میں صرف آپ کی دفات کی ہی اطلاع ملی لیکن جیتے جی ملاقات نہ ہو سکی-

حضرت صاحبزادی بی بی امتہ العزیز بیگم صاحبہ کے بارہ میں مجھے یاد ہے کہ جب بھی آپ یہاں ربوہ تشریف لاتیں یا یہ خاکسار چھٹیوں میں آپ کے پاس جودھامل بلڈنگ لاہور میں حاضر ہوتا تو بہت ہی محبت کے ساتھ اس عاجز سے پیش آتیں اور انتہائی شفقت کا سلوک فرماتیں یہاں تک کہ اپنی بچیوں سے بھی پہلے مجھے کھانا ڈال کر عنایت فرماتیں حالانکہ اس طرح سب سے پہلے کھانا ملنے پر خاکسار کو خاصی ندامت کا سامنا کرنا پڑتا تھا کیونکہ آپ کی تمام بیٹیاں عمر میں مجھ سے کہیں بڑی تھیں- اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور لمبی صحت والی زندگی عطا فرمائے- آمین- ان چھٹیوں کے علاوہ بھی جب کبھی مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوتا اور یہ اتفاق اپنی ہمشیرہ زبیدہ تسنیم صاحبہ کی ایم-اے اور بی-ایڈ کی تعلیم کے حصول کی بدولت ۷۱ء-۷۴ء ہوتا ہی رہتا تھا تو مجھے لاہور میں حضرت صاحبزادہ میاں حمید احمد صاحبؒ سے بھی ملنے کا بارہا اتفاق ہوا- آپ بے حد محبت اور شفقت سے ملا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ میاں حمید احمد صاحب کو جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطاء فرمائے اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے -آمین

حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب

نوراللہ مرقدہٗ

(۲؍جنوری ۱۹۲۲ء - ۲۸؍اکتوبر ۱۹۹۷ء)

آپ ہندوستان کے شہرقائم گنج ضلع فرخ آباد یوپی میں پیدا ہوئے- آپ کی پہلی شادی حضرت مولانا عبدالمغنی صاحبؓ ناظر دعوة تبلیغ و وکیل التبشیر قادیان کی صاحبزادی محترمہ قانتہ بیگم صاحبہ سے ہوئی اور وہ ایک سالہ بچی محترمہ باجی ساجدہ بیگم صاحبہ (بیگم صاحبہ ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب ہارٹلے پول برطانیہ) کو چھوڑ کر وفات پا گئیں- اِنَّـا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرة:۱۵۷) -ان کی وفات کے بعد آپ کی دوسری شادی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صاحبزادی حضرت امتہ المجید بیگم صاحبہ سے ہوئی جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ مکرم کیپٹن ماجد احمد خان صاحب اور دو بیٹیاں صاحبزادی امتہ الکبیر لبنیٰ صاحبہ اہلیہ مکرم سید قمر سلیمان احمد (بی میاں) صاحب اور صاحبزادی امتہ النصیر (پنّے) صاحبہ اہلیہ مکرم سید طاہر احمد صاحب پیدا ہوئیں- صاحبزادی امتہ النصیر (پنّے) صاحبہ چونکہ صاحبزادی لبنیٰ صاحبہ کے بہت بعد میں پیدا ہوئی تھیں لہذا ان کا بچپن تو ہماری گود اور بانہوں میں ہی انتہائی لاڈ پیار سے گزرا- یہاں مجھے یاد آیا کہ مئی ۱۹۹۶ء میں جب میں اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی تیمارداری کے لئے ربوہ حاضر ہؤا تو آپ کی وفات ہوتے ہی حضرت صاحبزادی امتہ المجید (بی بی موجن) صاحبہؓ اپنے خاندان کے ساتھ ازراہ شفقت بغرض تعزیت کئی مرتبہ تشریف لائیں- ایک دن باتوں ہی باتوں میں آپ نے مسکراتے ہوئے ایک جوان جہان بچی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ سُودے! اسے پہچانو؟ میں نے بہت سوچا لیکن میں چونکہ صاحبزادی امتہ النصیر (پنّے) صاحبہ کو ایک چھوٹی سی بچی چھوڑ کر گیا تھا اس لئے خوب غور کرنے کے باوجود بھی نہ پہچان سکا تو میں نے عرض کیا کہ بی بی جی! میں نے تو انہیں نہیں پہچانا- اس پر آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ یہ تو پنّے ہے کہ جس پر غیر ارادی طور پر خاکسار کا ہاتھ صاحبزادی امتہ النصیر (پنّے) صاحبہ کے سر پر پیار کرنے کے لئے اٹھ گیا اور میں نے انتہائی حیرت سے پوچھا کہ ہیں؟ یہ پنّے ہے؟ جس پر ایک قہقہہ پڑا-

حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب مدرسہ احمدیہ قادیان میں بطور واقف زندگی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہو گئے- ۱۹۴۴ء میں آپ کو کمیشن ملا اور ۱۹۷۴ء میں بریگیڈیئر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے- آپ حلیم الطبع، خدا رسیدہ، شریف النفس، ایک فدائی اور مخلص وجود تھے- آپ کو سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفة المسیح الرابعؒ کی حفاظت کا بھی خاص موقعہ نصیب ہؤا اور ۱۹۸۴ء میں بوقت ہجرت آپ حضورؒ کی حفاظت کی خاطر آپ کے ہمراہ کراچی سے لندن تک ساتھ تھے- مؤرخہ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۹۷ء کو دن کے پونے ایک بجے اپنے گھر واقع لاہور میں آپ معمول کے مطابق اپنے کمرہ میں کرسی پر بیٹھے کام کر رہے تھے کہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے آپ وفات پا گئے- اِنَّـا لِلّٰـهِ وَ اِنَّآ اِلَيْـهِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرة:۱۵۷) -اس وقت آپ کا سر میز پر ٹکا ہؤا تھا- گھر والوں نے آواز دی مگر آپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے- بوقت وفات آپ کی عمر ۷۵ سال نو ماہ تھی- ۳۱؍اکتوبر کو خطبہ جمعہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص اور اوصاف حمیدہ کا بڑے پیار سے ذکر فرمایا اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ غائب پڑھائی- اللہ تعالیٰ مکرم بریگیڈیئر صاحب کو جنت الفردوس میں

اپنے خاص قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۴/نومبر ۱۹۹۷ء صفحہ۴)

☆

حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم صاحبہ

(بی بی موجن) صاحبہ

نوراللہ مرقدہا

(۱۵/جنوری ۱۹۲۶ء-۲۰/جولائی ۱۹۹۸)

حضرت قمرالانبیاء میاں صاحبؓ اپنے بچوں میں کوئی تفریق نہیں فرماتے تھےلیکن بڑا بیٹا ہونے کے سبب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھےاور بیٹیوں میں سے سب سے زیادہ آپؓ اپنی بیٹی حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ کا خاص خیال رکھا کرتے تھے بلکہ ان کی دلداری کے لئے آپؓ نے اپنے صدرانجمن والے مکان کے شمالی کونے والا کمرہ مخصوص (ریزرو) کررکھا تھااور پھر بعد میں البشریٰ میں سب سے زیادہ عمدہ کھلا اورشاندار کمرہ بھی تعمیر کروایا تھا- اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ کی پہلی شادی خاندان میں ہی مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب سے ہوئی تھی لیکن کچھ عرصہ کے بعد علیحدگی ہوگئی کہ جس کے بعد آپ کی دوسری شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی پھر آپ کے شوہر حضرت میاں وقیع الزمان خان صاحب کی بھی یہ دوسری شادی تھی اور جیسا کہ میں اس سے پہلے حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب کے ذکر کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں کہ ان کی پہلی بیوی میں سے ایک صاحبزادی باجی ساجدہ حمید بیگم صاحبہ بھی تھیں اس لئے ان تمام وجوہات کی بناء پر بھی حضرت میاں صاحبؓ کو حضرت صاحبزادی امتہ المجید صاحبہ کی دلداری کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا-

حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم صاحبہ کے حوالے سے میں کچھ واقعات کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں- حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ نے جون ۱۹۹۶ء میں ربوہ میں مجھے اپنے کچھ ذاتی واقعات سنائے اور ان میں سے ایک انتہائی سبق آموز اور انتہائی قابل تقلید واقعہ میں یہاں آپ کے سامنے رکھتا ہوں- خاکسار اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی وفات کے چند دن کے بعد اپنی ہمشیرہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کے ہمراہ حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم صاحبہ اور حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب کے یہاں ان کے مکان دارالایمن محلّہ دارالصدر غربی پر اپنی والدہ صاحبہ کی وفات پر دلداری کے لئے تشریف آوری کا شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوئے کیونکہ میری والدہ صاحبہ کی وفات پر باوجود شدید گرم موسم کے نہ صرف آپ خود از راہ شفقت بمعہ بچوں کے تشریف لاتی رہیں بلکہ ہمارے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی آپ نے بڑی محبت سے اور

بہ اصرار ہمارے تمام گھر کے لئے کھانا پکوا کر بھی بھجوایا- الغرض شکریہ ادا کرنے اور محض دعا حاصل کرنے کے لئے ہم دونوں بہن بھائی تازہ مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی ساتھ لے گئے- میری درخواست پر کہ آپ ہمیں حضرت میاں صاحبؓ کا کوئی واقعہ سنائیں تو حضرت قمرالانبیاءؓ کی دختر نیک اختر حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ نے حضرت قمرالانبیاءؓ کا ایک بہت ہی پیارا اور سبق آموز واقعہ سنایا کہ:-

'' ایک مرتبہ گرمیوں کی چھٹیوں میں میں بچوں کے ساتھ گھر آئی تو کچھ دیر کے بعد ابا جان بھی مجھے ملنے کے لئے آئے اور سلام دعا اور پیار محبت کے بعد بڑے پیار سے پوچھا کہ ''تم میرے لئے کیا لائی ہو؟''- میں نے کہا : ابا جان ! میں تو اپنے گھر میں آئی ہوں اس لئے کچھ بھی نہیں لائی-تو اس پر آپؓ نے فرمایا کہ:'' انسان خواہ اپنے گھر میں بھی آئے تو اسے خالی ہاتھ نہیں آنا چاہئے''- آپؓ کی اس پیاری نصیحت کے بعد میں پھر کبھی بھی خالی ہاتھ ملنے نہیں آئی لہذا مجھے تم لوگوں کے مٹھائی لے کر آنے کی بے حد خوشی ہوئی ہے''-

اس دل موہ لینے والی ملاقات کے بعد بریگیڈیئر حضرت صاحبزادہ میاں وقیع الزمان خان صاحب ہمارے نہ نہ کرتے ہوئے بھی اپنی کار میں ہمیں گھر چھوڑنے چلے آئے حالانکہ ان کے گھر سے ہمارے گھر تک صرف چند منٹ کا فاصلہ ہے-حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب نے بچپن میں کئی مرتبہ اپنی سفید VW-Beatle ڈڈو کار مجھے سیر وتفریح کی غرض سے چلانے کے لئے بھی دی اور گاہے بگاہے تحفتہً کچھ رقم بھی عنایت کرتے رہتے تھے بلکہ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں آپ کے صاحبزادے مکرم ماجد احمد خان صاحب نے کئی مرتبہ مجھے بھی یہ کار چلانے کے لئے دی-یوں تو میں کار کو بہت اچھے طریق پر چلا لیتا تھا لیکن اس ڈڈو کار کا ریورس گیئر مجھ سے نہیں لگا کرتا تھا کیونکہ یہ گیئر-لیور کو دبا کر لگانا پڑتا تھا اور جب میں اس کو دبانے کے لئے زور لگاتا تو کلچ کا پیڈل پاؤں کے نیچے سے نکل جاتا اور موٹر ایک جھٹکا کھا کر رک جاتی نتیجہ یہ کہ عموماً مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب کار سٹارٹ کئے بغیر خود ہی مجھے ریورس گیئر لگا دیتے اور پھر ساتھ والی سیٹ پر آبیٹھتے اور مجھے کہتے کہ اب کار کو سٹارٹ کرو، آہستہ آہستہ کلچ کو چھوڑو اور یوں مجھے بڑے پیار سے ٹریننگ دیا کرتے کہ جس کے بعد میں کار کو بیک کر لیا کرتا تھا-میں آج بھی اپنے ان عزیز دوستوں کی نوازشوں، الفتوں اور محبتوں کا شکر گزار ہوں اور انشاء اللہ تا عمر رہوں گا-اللہ تعالیٰ میرے ان تمام عزیز محبوں کی عمر دراز فرمائے اور ہر پریشانی ہر بلا نیز ہر آفت کو ان سے دور رکھے-آمین

حضرت صاحبزادہ میاں وقیع الزمان خان صاحب سے بہت عرصہ کے بعد آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی باجی ساجدہ حمید بیگم صاحبہ (HARTLAYPOOL) انگلینڈ کی وفات پر بذریعہ فون برطانیہ میں ملاقات ہوئی-اپنی جواں سال صاحبزادی کی وفات کے غم کے باوجود آپ بے حد محبت سے میرا حال چال پوچھتے رہے نیز تعزیت کے لئے اور میری جرمنی آنے کی دعوت کا یا کم از کم یہاں سے گزرتے ہوئے ملتے جانے کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتے رہے کہ اس افراتفری میں جرمنی کے ویزا کا خیال نہیں آیا پھر کبھی سہی لیکن افسوس کہ یہ دونوں معزز میاں بیوی یکے بعد دیگرے گزشتہ چند سالوں میں اللہ کو پیارے ہوگئے- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷) -اور یوں ہماری یہ مجوزہ ملاقات نہ ہو سکی-تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب کی اچانک وفات کے بعد آپ کی بیگم صاحبہ حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ اپنے پیارے شوہر کی جدائی کو چند ماہ تک بھی برداشت نہ کر سکیں اور مؤرخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۹۸ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئیں- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷) -آپ کی عمر ۷۱ سال تھی-'' آپ کی نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ وامیر مقامی ربوہ نے ۲۲ر جولائی کو صدر انجمن کے احاطہ میں پڑھائی اور پھر بہشتی مقبرہ میں تدفین مکمل ہونے کے بعد دعا کروائی''-(اقتباس از ماہنامہ احمدیہ گزٹ ٹورانٹو کینیڈا-اکتوبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۲)۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ بے حد پیارے عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں۔ایک مرتبہ آپ اپنے بچوں کے ہمراہ چھٹیوں میں ربوہ تشریف لائی ہوئی تھیں۔اور آپ کے سب سے بڑے بیٹے مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب بھی آپ کے ہمراہ آئے ہوئے تھے جو میرے بچپن کے دوست بھی ہیں لیکن ان چھٹیوں میں نہ جانے کس بات پر ہم دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور چونکہ مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب اس وقت مجھ سے قد میں کچھ چھوٹے تھے لہذا انہوں نے میری پنڈلی پر زور سے کاٹا اور چھوڑا نہیں۔اس پر پہلے تو میں نے انہیں سمجھایا اور یہ کوشش بھی کی یہ صاحب میری پنڈلی کو چھوڑ دیں کیونکہ درد کی وجہ سے میری جان نکلی جاتی تھی لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی لاچار میں نے بھی ان کے سر پر اپنے دانتوں سے کاٹا جس پر یہ صاحب چلا اٹھے اور یوں میری پنڈلی کو رہائی ملی۔اب ان کی چیخ سن کر حضرت صاحبزادی صاحبہ فوراً اپنے کمرہ سے باہر نکلیں ادھر میری والدہ محترمہ بھی جلدی سے ہماری طرف آئیں اور یوں دونوں ماؤں نے اپنے اپنے اکلوتے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ کیا اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کی کہ تمہیں لڑنے کو اور کوئی نہیں ملتا کہ اب ایک دوسرے کے ساتھ ہی لڑنا جھگڑنا شروع ہو گئے ہو؟ لاہور سے چلتے وقت تک تو سُودے (خاکسار) کے ساتھ کھیلنے کی ضد کرتے رہے ہو اور سارا راستہ بھی آرام سے نہیں بیٹھے کی جلدی چلو سُودا انتظار کر رہا ہو گا۔اس لئے اب آرام سے مل بیٹھ کر کھیلو۔اور یوں چند منٹوں کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنے اپنے نیل دکھا کر ہمدردی جتانے لگے کہ تم نے پہل کی تھی۔نہیں! تم نے چیٹنگ کی تھی اور پھر ہم دونوں کھسیانی ہنسی ہنستے ہنستے چند لمحات کے بعد پھر سے گھل مل کر کھیلنے لگے کیونکہ یہ بات یونہی مشہور نہیں کہ ''جو بچے آپس میں زیادہ جھگڑتے ہیں وہی بڑے ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ پیار بھی کرتے ہیں''۔

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جن دنوں حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب لاہور میں میجر متعین تھے ان ایام میں ایک مرتبہ میں ان کے پاس لاہور چھاؤنی میں اپنی چھٹیاں منانے گیا تو مکرم صاحبزادہ ماجد احمد صاحب کی تین پہیوں کی سائیکل کو خوب اِدھر اُدھر چلانے کا موقع ملا۔یہ تین پہیوں والی سائیکل عام تین پہیوں والی سائیکل نہ تھی بلکہ اس کے پہیے بچوں کے عام سائیکل کی طرح بڑے اور عام سائیکلوں کی طرح پیڈل اور چین کے ساتھ پچھلے پہیوں کے ساتھ منسلک ہونے کی بدولت یہ بھی عام سائیکل کی طرح بہت تیز رفتار سائیکل تھی بہر حال ایک دن یہ ٹرائی سائیکل گھر کے سامنے ہی ایک موڑ پر میرے کنٹرول میں نہ رہی کیونکہ مجھے دو پہیوں والی سائیکل چلانے کی عادت تھی اور یہ تین پہیوں والی سائیکل اتنے تیز موڑ نہیں مُڑ سکتی جتنی کہ دو پہیوں والی بائیسکل۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں سائیکل سے گر گیا۔اس حادثہ میں سائیکل کو تو کچھ نہ ہوا لیکن میں سائیکل سے گر کر لڑھکتا ہوا کچھ دور جھاڑیوں میں جا گرا اور میرے کہنیوں اور گھٹنوں پر رگڑ لگنے سے کچھ معمولی سا خون بھی نکلنے لگا۔میں سائیکل کو لے کر بمشکل گھر کے اندر پہنچا تو حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم صاحبہ مجھے دیکھ کر سخت پریشان ہو گئیں کہ خدانخواستہ کوئی خطرناک حادثہ تو پیش نہیں آ گیا لہذا جلدی سے انہوں نے خود میرے زخم دھوئے اور پھر ان پر دوائی لگا کر مرہم پٹی کی اور دودھ پینے کو دیا اور پھر پھل وغیرہ دے کر دلاسہ دیا اور پھر بار بار پوچھتی رہیں کہ کہیں درد تو نہیں ہو رہا؟ اس کے بعد میں کچھ دن لنگڑا کر چلتا رہا لیکن سائیکل چلانے سے باز نہیں آیا کہ جس کے چلانے کی اجازت حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ سے صرف اس صورت میں دوبارہ ملی تھی کہ اب جتنا عرصہ لاہور میں ان کے یہاں میرا قیام رہے گا میں اتنا عرصہ تیز سائیکل نہیں چلاؤں گا۔دراصل مجھے تیز سائیکل چلانے کی عادت بچپن سے ہی تھی کہ جس کا پورا ربوہ گواہ ہے بلکہ خاکسار کا سائیکل اپنی سجاوٹ کی بدولت ربوہ اور گرد و نواح میں بھی بے حد مشہور تھا۔پانچویں جماعت کے امتحانات کے دنوں میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم پاس ہو کر ہائی سکول میں داخل ہو گئے تو میں انشاءاللہ تمہیں ایک سائیکل لے کر دوں گی کیونکہ ویسے تو تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ، گھر سے تقریباً ایک میل ہی کی دوری پر ہے مگر آپؓ تو صرف اسی بہانہ سے تعلیم حاصل کرنے میں میری دلچسپی بڑھانا چاہتی تھیں۔۱۹۶۴ء کے ان دنوں میں بیکو کمپنی لاہور۔ BECO۔کے سائیکل نئے نئے نکلے تھے اور رستم یا سہراب سائیکلوں کے مقابلہ میں سستے

بھی تھے اور اخبارات میں روزاشتہار بھی چھپا کرتے تھے کہ یہ بائیسکل ایک سو روپیہ میں دستیاب ہیں لہذا میں نے دل میں بیکو کمپنی کا سائیکل لینے کا سوچا - امتحان میں کامیابی کے بعد ہائی سکول میں داخل ہؤا تو خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے پرائمری سکول کی جماعت پانچویں بی کے انچارج مکرم ماسٹر نذیر احمد صاحب کا تبادلہ بھی ہمارے ساتھ ہی پرائمری سکول سے ہائی سکول میں ہوگیا اور خوش قسمتی سے وہ ہی چھٹی جماعت کے بی سیکشن کے انچارج بھی مقرر ہوئے - چند ہفتے تو اپنے پاس ہوجانے اور ہائی سکول میں داخل ہوجانے کی خوشی میں ہی گزر گئے کہ ایک دن مجھے یاد آیا کہ اماںؓ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا خیر میں نے آپؓ سے تو ذکر نہیں کیا لیکن اس دن دوپہر کو کھانا نہیں کھایا - سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے پوچھا بھی لیکن میں نے بات کو ٹال دیا لیکن جب شام کی چائے بھی نہ پی اور رات کا کھانا بھی نہ کھایا تو آپؓ پریشان ہوگئیں اور خود بھی کھانا نہ کھایا اور اپنی بیماری کے باوجود میری والدہ صاحبہ محترمہ کا سہارہ لے کر بڑی مشکل سے خود چل کر خاکسار کے کمرہ میں تشریف لائیں - میں اس وقت اپنے بستر پر لیٹاہؤا تھا - آپؓ کو دیکھتے ہی میں ادب سے اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا کیونکہ یہ بات مجھ عاجز کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ آپؓ اپنی سخت بیماری کے باجود بذات خود چل کر میرے کمرہ میں تشریف لائیں گی - ایک ماں بیٹے کے درمیان پیار محبت اور شفقت وعنایات کی تمام داستانیں اس حقیقت کے سامنے بے رنگ وبے ثبات دکھائی دیتی ہیں جو کہ آپؓ جیسی شفیق ماں کو مجھ جیسے عاجز اور صرف ایک مونہہ بولے بیٹے کے ساتھ تھی -

جزاک اللہ! ہزاروں بار جزاک اللہ! لاکھوں بار جزاک اللہ! کروڑوں بار جزاک اللہ!

ہزاروں لاکھوں درود وسلام سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ پر - آپؓ نے بڑے پیار سے پوچھا کہ مسعود ! بتاؤ کیا بات ہے؟ کیونکہ تم نے آج کھانا بھی نہیں کھایا؟ میں نے دھیرے سے عرض کیا کہ آپؓ نے تو مجھے ایک سائیکل لے کر دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں نے تو وہ سائیکل لینا ہے - یہ سن کر آپؓ نے فرمایا: ''اوہو! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا - لو بتاؤ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کروایا؟'' - آپؓ نے اسی وقت مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو بلوا کر ایک سو روپیہ تھمایا اور صبح ہی صبح مجھے ساتھ لے جا کر لاہور سے سائیکل خریدنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ :-

''چلو! اب تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالو کیونکہ تمہاری وجہ سے میں نے بھی کھانا نہیں کھایا''

اس طرح ہم دونوں ماں بیٹے کے لئے کھانا منگوایا گیا اور ہم نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا - میں کیا بتاؤں کہ اس وقت میرے دل میں آپؓ کے لئے احسان مندی، تشکر اور محبت کے کیسے جذبات امڈ آئے تھے کیونکہ اب تک تو مجھے سائیکل کی طلب کی وجہ سے بھوک نہ لگی تھی لیکن اب اس خبر التفات کو سننے کے بعد سائیکل کے ملنے کی خوشی میں اڑ گئی - خیر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خاطر کچھ کھانا کھایا وگرنہ ڈر تھا کہ شائید آپؓ بھی اس دن کھانا نہ کھاتیں - اس رات خوشی کی وجہ سے مجھے نیند بھی نہ آئی اور یوں اگلے دن صبح ہی صبح تقریباً آٹھ بجے لاہور جانے والی طارق ٹرانسپورٹ کی بس میں لاہور روانہ ہوئے اور محبوب عالم اینڈ سنز راجپوت سائیکل ورکس نیلا گنبد لاہور سے (BECO) بیکو کمپنی کا نیا سائیکل خرید کر تانگہ کے ذریعہ لاہور کے بادامی باغ والے بس اڈہ پر پہنچے اور پھر شام کو چار بجے لاہور سے طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کی بس کے ذریعہ سفر کر کے ربوہ واپس آئے - مکرم بشیر احمد خادم صاحب نے بس کنڈیکٹر صاحب کو اس سائیکل کو نہایت ہی احتیاط کے ساتھ دوسرے سامان سے علیحدہ رکھنے کی تاکید کی اور کمپنی کے لوگ چونکہ مکرم بشیر احمد خادم صاحب کو جانتے تھے اس لئے انہوں نے واقعی بہت احتیاط کی اور یوں یہ سائیکل بغیر کوئی خراش لگے لاہور سے ربوہ لایا گیا -

مجھے یاد ہے کہ جب ہم شام گئے اندھیرا پھیلنے کے بعد تقریباً آٹھ سوا آٹھ بجے ربوہ واپس پہنچے تھے تو بس سے اترنے کے بعد مکرم بشیر احمد صاحب نے تو تانگہ کروالیا لیکن یہ خاکسار اپنے سائیکل پر سوار ہو کر البشریٰ پہنچا اور آپ یقین مانیں کہ اس وقت میں تقریباً گیارہ بارہ برس

کا اتنا چھوٹا سا بچہ تھا کہ میرے پاؤں سائیکل کے پیڈلوں تک بھی نہیں پہنچتے تھے لیکن سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے حکم پر حفظ ماتقدم کے طور پر یہ سائیکل کچھ بڑا لیا گیا تھا تا کہ بعد میں چھوٹا نہ ہو جائے اور اسی لئے یہ سو روپے کی بجائے تقریباً ایک سو چالیس روپیہ میں ملا تھا اور پھر واقعی آپؓ کی دعاؤں کی بدولت اسی سال میرا قد اتنا بڑھ گیا کہ میرے پاؤں سائیکل کے پیڈلوں تک پہنچنے شروع ہو گئے- آپؓ کی بابرکت دعا سے یہ ہیکو سائیکل بڑا مضبوط نکلا اور کافی لمبے عرصے تک اس سے کام لیا جاتا رہا- اس سائیکل پر گھنٹی، بیٹری والا جاپانی ڈبل ہارن نیشنل کمپنی جاپان کا بنا ہوُا بارہ وولٹ 12 VOLT والا ڈائینمو کہ جس کی قیمت اس زمانہ میں مبلغ تیس روپے ہوُا کرتی تھی، ٹریفک دیکھنے والا شیشہ، CHINA چائنا کا تالہ، ہینڈل پر کتابیں رکھنے والی ٹوکری اور بھی نہ جانے کیا کچھ میں نے لگایا ہوُا تھا کہ جس کی بدولت اس سائیکل کی شان ہی نرالی ہوُا کرتی تھی اور لوگ دور سے دیکھتے ہی پہچان لیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بے انتہا محبت، شفقت اور ذرہ نوازی ہی کی بدولت خاکسار کو میسر تھا- یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس سائیکل کی مرمت وغیرہ پر اٹھنے والا تمام خرچ بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اٹھاتی رہیں- الغرض آپؓ اتنی عظیم الشان پیاری اور عزیز جان ہستی تھیں کہ میں اپنے بے مایہ الفاظ میں اس اعلیٰ وارفع عظمت کو بیان بھی نہیں کر سکتا لیکن دعا تو کر سکتا ہوں اور وہ میں کرتا رہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپؓ پر اپنی لازوال رحمتیں نازل فرماتا چلا جائے اور آپ کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے- آمین اللھم آمین

مجھے یاد ہے کہ اس سائیکل کے ملنے سے بھی بہت پہلے میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (وکٹر) صاحب کے پاس لکڑی کا بنا ہوُا لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پہیوں والا ایک رولر سا ہوُا کرتا تھا اور ہم دونوں اسی پر سائیکل چلانے کی مشق کیا کرتے تھے- البتہ بعد میں گھر سے سکول جاتے ہوئے راستے میں غلہ منڈی (رحمت بازار) کے ریلوے سٹیشن والے کونے پر مکرم محمد عبداللہ صاحب کی سائیکل ورکس کی دوکان تھی کہ جہاں پر بچوں کے لئے ایک چھوٹا سا سائیکل بھی موجود ہوتا تھا اور خاکسار وہاں سے یہ سائیکل شاید دو آنہ گھنٹہ کے حساب سے کرایہ پر لے کر اپنا شوق پورا کرتا رہتا تھا- مکرم محمد عبداللہ صاحب ایک بہت ہی شریف النفس انسان تھے لہذا میں نے انہیں کبھی کسی گاہک سے جھگڑتے نہیں دیکھا- اسی دوکان کے ذکر سے یاد آیا کہ مکرم محمد عبداللہ صاحب کی دوکان غلہ منڈی سے پہلے ہمارے گھر ''الوفا'' کے قریب یعنی ربوہ کی احمد نگر والی چونگی کے عین بالمقابل محلّہ دارالصدر شمالی میں ہوُا کرتی تھی کہ جس پر ایک مشہور و معروف شعر بھی لکھا ہوُا تھا- یہ شعر شاید آج بھی کسی کو یاد ہو ؎

کہاں جارہے ہو ؟ کدھر کا خیال ہے؟
بیمار سائیکلوں کا یہی ہسپتال ہے

اسی طرح بچوں کی پیڈل کے ذریعہ چلنے والی ٹین کی بنی ہوئی ایک کار مکرم ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا التسلیم احمد (بے بی میاں) صاحب کے پاس ہوُا کرتی تھی اور وہ البشریٰ سے لے کر کرنل حضرت صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کے مکان تک اس پر چکر لگایا کرتے تھے لہذا ان کی مہربانی سے میرا یہ شوق بھی پورا ہوتا رہتا تھا- تین پہیوں والا سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا سائیکل میرے بہنوئی برادرم مکرم محمد شریف صاحب نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے عزیزم مکرم تنویر احمد شاد صاحب کے لئے لے رکھا تھا اور جب بھی میں دریا پر (محلّہ دارالنصر شرقی) جاتا تو وہ بھی کھیلنے کے لئے مل جایا کرتا تھا- اسی طرح میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں نے کبھی بھی خاندان مبارکہ حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی بچے کو اپنا قیمتی سے قیمتی کھلونا بھی چھپاتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کھلونوں پر کسی قسم کا کوئی فخر کرتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کو چڑاتے ہوئے دیکھا کہ ہمارے پاس تو یہ ہیں اور تمہارے پاس کیا ہے؟ بلکہ ان قیمتی کھلونوں کی موجودگی کے باوجود اس معزز و محترم خاندان مبارکہ کے بچوں کی ایسی قابل رشک اعلیٰ تربیت اور ایسی قابل رشک عمدہ پرورش کہ جس کی بنا پر سب بچے اپنے بچپن سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کے عادی

اور اپنے قیمتی سے قیمتی کھلونے بھی ایک دوسرے کے ساتھ بانٹ کر کھیلنے کے عادی تھے- اس کو کہتے ہیں قابل تقلید تعلیم و تربیت- یہ پاکیزہ خصائل خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ جو اس مقدس خاندان کو دنیا بھر کے دوسرے تمام خاندانوں اور ان کی اولاد در اولاد سے ممتاز کرتے چلے آرہے ہیں-

میرے علاوہ میری منجھلی بہن محترمہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ بھی آپ کے ہاں گرمیوں کی چھٹیوں میں کبھی ملتان اور کبھی راولہ کوٹ آزاد کشمیر وغیرہ غرض جہاں کہیں بھی حضرت صاحبزادہ میاں وقیع الزمان خان صاحب کی پوسٹنگ ہوا کرتی تھی حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ کے پاس جایا کرتی تھیں- انہی ایام میں باجی ساجدہ بیگم صاحبہ کو بھی چھٹیاں ہوا کرتی تھیں کہ جن کی وجہ سے ان دونوں سہیلیوں کا وقت خوب اچھی طرح سے گزرتا اور واپسی پر ان کی صحت دیکھ دیکھ کر ہمیں رشک آیا کرتا تھا کیونکہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ المجید بیگم صاحبہ بالکل اپنے بچوں کی طرح میری اس بہن کا خیال رکھا کرتی تھیں کہ جس کی وجہ سے چھٹیوں کے ان ایام کے بعد میری ان ہمشیرہ کی صحت قابل دید ہوتی - اللہ تعالیٰ ان معزز محترم بزرگوں کو ان کے اس حسن اخلاق اور محبت اور شفقت کے لئے اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات کو تا ابد بڑھاتا چلا جائے- آمین

بہرحال اس بائیسکل کے ذکر سے یاد آیا کہ خاکسار کی تعلیم کا خرچ اور ہر قسم کا بار اٹھانے کا وعدہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے کیا ہوا تھا اور یوں خاکسار نے ربوہ کے تعلیم السلام پرائمری اور ہائی سکول نیز کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی اور مجھے یاد ہے کہ ہر سال آپؓ مجھے ہمیشہ نئی کتابیں بلکہ پرائمری سکول تک ہر سال نیا بستہ بھی لے کر دیا کرتی تھیں لیکن ایک مرتبہ اغلباً ساتویں جماعت میں کسی ہمدرد نے خرچ بچانے کے لئے سیکنڈ ہینڈ کتابیں خریدنے کا مشورہ دیا تو میں نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے ارشاد پر بے چون و چرا کسی طالبعلم سے وہ خرید لیں- چند دن کے بعد آپؓ کی نظر ان میں سے کسی کتاب کی پھٹی ہوئی جلد پر پڑی تو آپؓ نے دریافت فرمایا کہ ''یہ کتابیں اندر سے کیسی ہیں؟'' اس پر میں نے وہ کتابیں آپؓ کو دکھادیں کہ کچھ صفحات پھٹے ہوئے ہیں یا پھر سرے سے ہی غائب ہیں اس پر فرمایا کہ ''جاؤ ! یہ کتب واپس کر آؤ اور فوراً بازار سے نئی کتب خرید لاؤ'' -اس زمانہ میں چونکہ یہ کتب ربوہ میں آرڈر پر منگوائی جاتی تھیں اور وہ میں نے مکرم پیر صاحب مون لائیٹ جنرل سٹور گولبازار ربوہ کو نہیں دیا تھا لہذا ان نئی کتب کے آنے میں کچھ دیر لگ گئی لیکن اس کے بعد پھر مجھے ہمیشہ نئی کتب ہی خریدنے کا حکم ملا-

☆

حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

(۲۶ر اگست ۱۹۱۸ء - یکم دسمبر ۱۹۹۹ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کو جماعت احمدیہ پاکستان میں طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ لاہور کی بدولت لاہور اور ربوہ نیز سرگودھا کا ہر خاص و عام احمدی جانتا تھا اور پھر بعد میں پاکستان چپ بورڈ فیکٹری کی معرفت جہلم اور راولپنڈی کے ساتھ ساتھ کم و بیش تمام پاکستان میں شہرہ ہوا - حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے بارہ میں مجھے یاد ہے کہ جب بھی آپ تشریف لاتے تو گھر ایک محفل زعفران زار بن جاتا - ہر وقت کوئی نیا لطیفہ اور کوئی نیا چٹکلہ سناتے رہتے اور یوں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے ساتھ ساتھ ہم سب کا بھی خوب دل لگا رہتا لہٰذا ہم بچوں کو جلسہ سالانہ، عیدین یا کسی اور بھی موقعہ پر آپ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار رہا کرتا تھا نیز آپ کے ساتھ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اپنے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب کا بھی کیونکہ وہ مجھے اپنی VW ڈڈو کار میں ربوہ میں خوب اِدھر اُدھر گھمایا پھرایا کرتے تھے اور یوں میرا چھٹیوں کا لطف دوبالا ہو جایا کرتا تھا - خاکسار کے ساتھ تو حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کو بے حد پیار تھا مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے قافلہ کے ہمراہ جلسہ سالانہ بر موقعہ ناصر باغ - گروس گیراؤ جرمنی تشریف لائے تو آپ جلسہ کی تقاریر کے درمیان سٹیج کے دائیں طرف رکھی ہوئی خصوصی مہمانوں کی کرسیوں پر تشریف فرما تھے - اس دوران آپ نے مجھے حاضرین میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا اور فوراً خاکسار کے پاس تشریف لا کر بڑی محبت سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ کہ جہاں آپ تشریف فرما تھے لے گئے اور مجھے اپنے پاس کرسی پر بٹھا لیا اور دوران تقریر خاموشی سے لیکن بہت ہی محبت سے میرا ہاتھ تھامے رکھا - تقریر کے اختتام پر جرمنی میں مقیم ہماری فیملی کا حال احوال دریافت فرماتے رہے اور خاکسار کی دعوت پر تشریف لانے کا وعدہ فرمایا اور پھر کئی مرتبہ جرمنی کے دوروں کے موقعہ پر بمعہ فیملی تشریف لا کر ہمارے غریب خانہ کو رونق بخشی اور دعاؤں سے نوازا -

حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی ہم سب کے لئے شفقت ومحبت کے اظہار کے لئے مناسب ہوگا کہ یہاں میں آپ کی جانب سے مؤصولہ ایک خط کا عکس اور اس خط کی نستعلیق یہاں پیش کروں - حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف خدا تعالیٰ کا نام سب سے پہلے اور بقیہ کام بعد میں کرنے کے عادی تھے اور اس کا اندازہ آپ کو اس خط کا عکس دیکھتے ہی ہو جائے گا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤرخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۳ء

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مکرمی سُودے صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا - اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم ابا جان اور والدہ صاحبہ کے بارہ میں جو کتاب لکھ رہے ہو وہ مقبول اور بابرکت ہو- تم نے مجھے بھی کچھ لکھنے کو کہا ہے، میں بالکل معذور اور مجبور ہوں کیونکہ شوگر کی بیماری کی وجہ سے لکھنا اور پڑھنا میرے لئے بہت مشکل ہوتا ہے نیز عمر اور بیماری کی وجہ سے یادداشت پر بھی اثر ہے- بہرحال میں اپنے بہن بھائیوں کو مل کر تاکید کروں گا اور تم کو دوبارہ اطلاع دوں گا - اگر تمہاری والدہ وہاں ہیں تو میرا ان کو بہت بہت سلام کہنا اور بہنوں کو بھی سلام کہنا - بیدی اور اس کے خاوند کو بھی میرا سلام کہنا - امید ہے تم ،تمہاری بیوی اور بچے سب خیریت سے ہوں گے- فقط والسلام- دستخط (مرزا منیر احمد)-(مکتوبات نسیم -۱۷رد سمبر ۱۹۹۳ء)

مجھے یاد ہے کہ جب میں مئی ۱۹۹۶ء میں اپنی والدہ محترمہ کی بیماری کے دوران ربوہ پاکستان گیا تو اس کے بعد دو تین دن کے اندر اندر ہی میری والدہ محترمہ وفات پا گئیں- اس پر حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نے سنتے ہی اپنی بیماری کے باوجود خود مجھے بار بار فون کئے اور پھر بڑی محبت سے میری والدہ محترمہ کا ذکرِ خیر فرماتے رہے اور مجھے تسلی و تشفی ودلاسہ بھی دیتے رہے نیز نہایت ہی پیار بھرے لہجے میں فرمایا کہ تمہیں! جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ مجھے بتاؤ- غرض تمام عمر انتہائی شفقت کا سلوک جاری رکھا- اسی طرح مجھے یاد ہے کہ اپنی شدید بیماری کے باوجود آپ، خاکسار کی اس کتاب کے بارہ میں گاہے بگاہے بےحد مفید مشورے دے کر ممنونِ احسان فرماتے رہے لہٰذا میری آپ سے محبت اتفاقیہ نہیں بلکہ ایک قدرتی چیز ہے اسی لئے جب میں نے حضرت صاحبزادہ میاں منیر احمد صاحب کے بارہ ایک تشویش ناک خواب یکم نومبر ۱۹۹۶ء کو دیکھی تو یہ خواب اسی دن حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں لندن بغرض دعا تحریراً بذریعہ فیکس بھجوادی تاکہ حضور کی بابرکت دعائیں بھی حضرت میاں منیر احمد صاحب کی شفایابی کے لئے شامل ہو جائیں- اس خط سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:-

از جرمنی

مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

میرے پیارے سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب

خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

--- میرے پیارے آقا! جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ میری والدہ محترمہ ۲۳رمئی کو وفات پا گئیں--- ان کی وفات کے بعد سے ابھی تک دل سے ان کی وفات کا صدمہ زائل نہیں ہؤا - کسی بھی کام میں جی نہیں لگتا - اپنی مرحومہ والدہ سے بارہا خواب میں ملاقات ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے- میری آخری خواب میں میری والدہ محترمہ، حضرت صاحبزادی ام مظفر احمد صاحبہؓ کے ساتھ کوٹھی البشریٰ میں مقیم ہیں- دونوں بےحد خوش وخرم نظر آرہی ہیں اور البشریٰ انتہائی سستے داموں میں بیچ کر یعنی تقریباً (۱۲۰۰) بارہ سو جرمن مارکس DM --,1200 میں کسی کے ہاتھ فروخت کر کے جناب صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے پاس مستقل رہنے کے لئے جہلم جارہی ہیں- اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی-

اب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں ان تمام مرحومین کے لئے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے اور اسی طرح حضرت صاحب! میرے آقا! میرے پیارے! آپ کی خدمت میں صاحبزادہ جناب مرزا منیر احمد صاحب کی صحت یابی کے لئے بھی دعا کی دلی درخواست ہے- جناب صاحبزادہ صاحب کا اس عاجز سے ایک نہایت ہی مشفقانہ سلوک روا ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دعا کے لئے دل میں بار بار تحریک اٹھتی ہے- اللہ تعالیٰ انہیں

صحت مند بناوے۔آمین۔۔۔خدا حافظ۔والسلام

حضور پُر نور کی صحت وسلامتی کے لئے انتہائی دلی دعا گو۔حضور کا خادم مقصود احمد نسیم

(درخواست دعا بخدمت اقدس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تحریر شدہ یکم نومبر ۱۹۹٦ء)

اب اگر آپ غور فرمائیں تو میں نے یہ خواب یکم نومبر ۱۹۹٦ء کی صبح کو دیکھی تھی اور اسی وقت حضرت میاں منیر احمد صاحب کے بلاوے کے لئے دل میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہ بیماری بڑھ تو سکتی ہے لیکن کم نہ ہو گی لہذا میں نے فوراً حضور ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی درخواست پیش خدمت کر دی تھی اور بعد میں بھی تادم وفات وتدفین لکھتا رہا ہوں۔اس کے علاوہ اگر آپ غور فرمائیں تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا مستقل طور پر حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے یہاں جہلم منتقل ہو جانا بھی اسی امر کی جانب اشارہ ہے ۔حضرت میاں منیر احمد صاحب اس خواب کے تین سال اور ایک ماہ کے بعد عین یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کو وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)

مؤرخہ ۱۰ ؍جولائی ۲۰۰۰ء کو یہ مضمون لکھتے ہوئے میری بوقت 20:00 UTC اپنے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (میاں مودی) صاحب سے بھی اسی سلسلہ میں امریکہ فون پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے مجھے ایک اور نقطہ بھی سمجھایا کہ دیکھو! اس میں تین سال کے ساتھ ساتھ صرف تین اشخاص کو ہی اکٹھے دکھایا گیا تھا جو،اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔اب آپ دیکھ لیں کہ سال کا تعین نہیں تھا اور تاریخ کا تعین بھی نہیں تھا لیکن آج جب مجھے یہ خواب یاد آئی اور میں نے اپنے پرانے خطوط کو چھانٹا تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے نام لکھے گئے خط سے اس کی تصدیق ہو گئی کہ یکم تاریخ بہر حال موجود تھی لیکن خدائی تقدیر سے ماہ نومبر کی بجائے دسمبر ہو گیا،تین افراد کو دیکھا تھا اور تین ہی سال کی مدت نکلی۔ان تینوں میں سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ پہلے ہی وفات پا چکی تھیں لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب اس خواب کے آنے کے بعد وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)۔یہ سب کیوں؟ یہ سب کچھ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی نیز حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی نیک وپاک صحبت اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی مامتا بھری دلی دعاؤں کی بدولت ہے ورنہ میری کیا حیثیت ہے؟ یہ سب کچھ میرے ان معزز بزرگوں کی پاکیزہ دعاؤں کے طفیل ہے کہ مجھ جیسے عاجز اور کمزور انسان کو بھی سچی خوابیں نظر آتی رہتی ہیں کہ جن کا تذکرہ میں اس کتاب میں تحدیث نعمت کے طور پر شکریہ اور احسانمندی کے جذبات کے ساتھ بارہا کر چکا ہوں۔الحمدللہ! کہ یہ سچی خوابیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہیں۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ:۔

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَکَدْ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ تَکْذِبُ وَرُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ ۔ بہت کم غلط ثابت ہوگا اور مؤمن کو آنے والا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔(مسلم کتاب الرؤیا)۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب زمانہ اپنے اختتام کے قریب ہوگا تو ایک مؤمن کا خواب بہت کم غلط ثابت ہوگا اور مؤمن کو آنے والا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی بہادری اور دلیری کے ضمن میں ایک چھوٹا سا واقعہ میں یہاں مزید درج کرتا ہوں کہ کیسے کیسے دلخراش حالات وواقعات میں سے آپ گزرے لیکن آپ کا ایمان ذرا بھی متزلزل نہ ہؤا۔مکرم رانا مبارک علی صاحب اپنے ایک مضمون بہ عنوان ''میرا قبول احمدیت'' میں بیان کرتے ہیں کہ:۔''۱۹۵۳ءوالی تحریک تو اس وقت قریب قریب شروع تھی---خاص طور پر عارف والا بہت زیادہ تحریک کی زد میں تھا-اس کی وجہ یہ تھی کہ عارف والا میں صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب رہتے تھے-ان کی وہاں ایک کاٹن فیکٹری تھی-پاکپتن، بورے والا، بہاولنگر اور گردونواح سے لوگ جلوس کی شکل میں عارف والا آتے تھے-مولوی تقریروں میں بھی انہی کا نام لے کر جوش دلاتے تھے کہ: ''عارف والا میں مرزا صاحب کا پوتا رہتا ہے-اس لئے اس پر حملہ کے لئے عارف والا چلو''-(ماہنامہ انصاراللہ چناب نگر (ربوہ) پاکستان-نومبر ۲۰۰۰ءصفحہ ۲۹-۳۰)

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ آپؑ کے تمام عزیز واقارب اور تمام جماعت احمدیہ کو بھی اسلام کے ان دشمنوں نے کبھی چین سے نہیں رہنے دیا اور ہمیشہ ہی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائے رکھا-میری دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کی تجلی دکھاتے ہوئے ان دشمنان اسلام کے دلوں کو پھیر دے-آمین۔حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقعہ پر مکرم میاں عبدالسمیع خان نون صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا بیان کرتے ہیں کہ:۔

'' کچھ عرصہ سے محترم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب پسر حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار چلے آرہے تھے اور عمر کے آخری حصے میں ربوہ میں ہی سکونت اختیار کرلی تھی-امسال (۱۹۹۹ء-ناقل) گرمیوں کے موسم میں برادرم قریشی محمود الحسن صاحب اور میں انہیں ملنے کے لئے ربوہ گئے تو گو وہ سہارے سے ڈرائینگ روم میں خود چل کر تشریف لائے مگر ہم نے محسوس کیا کہ انہیں بیماری نے اندر سے کھوکھلا کردیا ہے مگر پھر بھی ؎

اس عمر کی رعنائی کا قلب حزیں سے پوچھئے!

وہ بہت دلیر، نڈر، بلند ہمت والے اور مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کے سہارے ہی زندگی کے دن گزار رہے تھے-ہم نے مزاج پُرسی کی-بیماری کی تفصیلات جاننے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کیونکہ ان کی حالت زبان حال سے پکار رہی تھی:۔

اک نوح ہی نہیں جو مجھے کشتی میں بٹھا لے
ورنہ کسی طوفان کے آثار تو سب ہیں

باوجود شدید علالت کے ہم نے اس روز محسوس کیا کہ ان کے محبت کے دریا میں لہریں اٹھ اٹھ کر کناروں سے چھلک رہی ہیں مگر ہم جو برسوں سے بے تکلف محبت اور شفقت کے نظارے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے، اس مختصر اور وہ بھی آزردہ خاطر کرنے والی ملاقات سے دل گرفتہ ہو کر اٹھ آئے-ربوہ میں آپ کی تشریف آوری کا علم ہوتا تو ربوہ پہنچ جاتے اور جہلم میں ہوتے تو آتش فراق کی لَو تیز ہو جاتی تو دل کی لگی بجھانے جہلم بھی کئی بار چلے گئے-محترم صاحبزادہ میں ایک کامیاب خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے خاندانی اور ذاتی بلند وبالا مقام ومنصب سے نیچے اتر کر ہماری سطح پر آ کر ہم سے پیار کرتے اور یہ نزول ان کی طبیعت کے عین مطابق ہوتا تھا-اس میں کسی قسم کے تکلف کا دخل نہیں تھا-ہم راز ونیاز کی ان محفلوں کو اپنا اعزاز یقین کرتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ شخص کس باپ کا بیٹا ہے اور کس دادا کا پوتا ہے-ہر بار ان کی گفتگو ہمارے دنیاوی اور روحانی امراض کا شافی علاج بن جاتی تھی-ان کی کس کس خوبی اور احسان کا ذکر کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے-ان کی رگوں میں وہ پاک خون گردش کررہا تھا جو انہیں وراثت میں اس عالی مقام دادا سے عطا ہؤا تھا-جس کی اخلاقی اور روحانی فضاؤں میں بلند ترین پرواز کو گزشتہ ۱۴ صدیوں میں کوئی نہ پہنچ پایا اور ہم وہ جن کی دین ودنیا میں کوئی بھی حقیقت نہیں تھی-بقول شاعر

ہاتھوں پہ بہہ رہی ہے لکیروں کی آب جو

قسمت کا کھیت پھر بھی ہے بنجر پڑا ہوا

بدقسمتی سے ہمارا ملکی کلچر ایسا آلودہ ہوگیا ہے کہ جس میں گردن اکڑا کر چلنا ''معزز'' ہونے کی دلیل خیال کیا جاتا ہے- دوسروں کو اچٹتی نگاہ سے دیکھنا، بے اعتنائی برتنا، سلام اور خطوط کا جواب نہ دینا آبرومندی اور اونچے رتبہ کا لازمہ تصور کیا جاتا ہے- لہجوں میں درشتگی بلکہ زہرناکی شدت پکڑتی جارہی ہے- میں یہاں ملکی اخلاق باختگی کا نوحہ نہیں کرنا چاہتا- صرف ضمناً ایک گزارش کرنا ضروری جانتا ہوں کہ ہمارے بعض دوستوں میں بھی یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ خطوط کا جواب نہیں دیتے- یوں بھی خطوط نویسی جو علم وادب کی ایک ثمردار شاخ مانی گئی ہے، اب متروک ہورہی ہے- دوسرے جانیں اور ان کا کام- ہمارے دوستوں کے لئے اس خلق کا اظہار اور اس کی پوری پابندی بہت ضروری ہے- دوسرے کسی کے خط کا جواب نہ دینا ایک قسم کا کبر ہے -جس کے خلاف ہمارے مقتداء اور پیشوا نے بہت زور دیا ہے- اس لئے قارئین کرام سے میری دردمندانہ درخواست ہے کہ اپنے بزرگ اسلاف کے اسوہ کے مطابق اس طرف پوری توجہ مبذول فرماویں-

مجھے یہ احساس ہے کہ میرا مقام کسی کو نصیحت کرنے کا نہیں مگر اس امر کی شدت نے مجھے بے اختیار سا کر دیا اور یہ نصیحت آمیز شکوہ، نوک قلم پر آ گیا- میں صاحبزادہ مرزا منیر احمدؓ صاحب کا ذکر کرتے کرتے بظاہر اپنے نفس مضمون سے ہٹ گیا ہوں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے- میں صاحبزادہ صاحب مرحوم کا یہ وصف بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آپ خطوط کا جواب دینے میں بڑی پابندی اور مستعدی کا اظہار فرماتے تھے- جب نظر کی خرابی یا دیگر علالتوں کے باعث لکھنے کے قابل ہی نہ رہے تو خط املاء کروادیتے اور نیچے اپنے دستخط ثبت کرتے مگر پھر ایسی صحت بگڑ گئی کہ دستخط بھی نہ کرسکتے تھے- نیچے نوٹ تحریر ہوتا کہ محترم میاں صاحب نے یہ خط لکھوایا ہے- لیکن جواب ضرور آتا، جس میں اظہار محبت بھی ہوتا، دعائیں بھی ہوتیں اور ملاقات کی خواہش بھی- یہ بظاہر چھوٹی سی بات ہے مگر بنیادی دینی خلق ہے- موصوف اس کا اہتمام فرماتے تھے- میں نے ۱۹۴۴ء میں انہیں قادیان میں دیکھا تھا -پاکستان میں آکر ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں جب داخل ہوئے تو سرگودھا میں قریبی تعارف پیدا ہوا- میں نے ان میں مہدوی خاندان کے اوصاف کریمانہ بہت کثرت سے مشاہدہ کئے اور یہ سب اس لئے تھا کہ ''دبستان احمد'' کے فارغ التحصیل تھے اور اس درس گاہ میں اعلیٰ اخلاق کریمانہ کا درس ملتا تھا- پھر اس باپ کی تربیت جو ایمان واخلاق فاضلہ اور علم وآگہی کا بہت بلند مینار تھا- اسے خود عرش کے رب نے ''قمرالانبیاء'' کا لقب عطا فرمایا تھا- میں اس ''موعود قمرالانبیاء'' کی میٹھی ٹھنڈی چاندنی کے نُور کی تفاصیل کا ذکر یہاں بیان نہیں کرسکتا- صرف اس نورانی وجود کی ایک شعاع نور کا تذکرہ کرکے گزر جاؤں گا- تقسیم ملک کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا منیر احمدؓ صاحب کو دہلی کی دوکان کے بدلے ایک دوکان مال روڈ لاہور پر الاٹ ہوئی جو YMCA ہال کے ملحق چوک میں واقع تھی- نہ معلوم اس میں کیا کاروبار میاں صاحب نے شروع کیا- دوکان کا نام ORSUCO تھا اور غالباً یہی نام دہلی میں متروکہ دکان کا تھا- جب قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دکانداری کا علم ہوا تو آپؓ نے میاں منیر احمد صاحب کو بلا کر فرمایا:-

'' میاں! رزق حلال کمانے کے لئے جو کاروبار تم کرنا چاہو، بے شک کرو مگر خیال رہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی فرزند کو کاؤنٹر پر بیٹھ کر فروخت کردہ مال کی قیمت وصول کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے دیکھنا پسند نہیں کرتا''-

قارئین کرام! غور فرماویں کہ قیمت وصول کرنے کے لئے ہاتھ بڑھانا، وہ عرف عام میں ہاتھ پھیلانے والی بات ہرگز نہیں مگر حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حق لینے کے لئے بھی ہاتھ بڑھانا پسند نہیں تھا- پھر یہ انفرادی مثال اس مقدس خانوادے کے ایک فرد کی ہی نہیں بلکہ اس سے بہت عرصہ قبل کا ایک واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے اپنے ابا جان سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کے اندرون خانہ حالات تحریر فرماتے ہوئے اپنی ایک تصنیف ''یادوں کے دریچے'' میں بیان کیا جو میں حضرت صاحبزادہ موصوف کے الفاظ میں ہی پیش کرتا

ہوں:-

'' آپ کے ناک کی حس بہت تیز تھی- اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھینس یا گائے کے دودھ کا ایک گھونٹ لے کر بتا دیتے کہ جانور نے کون سا چارہ کھایا ہے- کسی قسم کی بدبو برداشت نہیں تھی- غالباً اسی لئے آپ عطر کا استعمال عموماً کرتے اور اسی وجہ سے خود عطر بنانے کا شوق بھی فرماتے- جب کوئی نیا عطر بنتا تو اپنی بیویوں یا بچیوں کو بھی سنگھاتے اور پوچھتے کہ یہ عطر کیسا ہے؟ ایک دفعہ کوئی نیا عطر بنایا تو آپ نے ہماری بڑی بہن کو بلا کر کہا کہ ہاتھ آگے کرو، میں یہ عطر تمہیں لگا تا ہوں- پھر بتانا کہ یہ کیسا ہے- ہماری ہمشیرہ نے اپنی ہتھیلی آگے کی تو فرمایا کہ اس طرح نہیں- اپنا ہاتھ الٹا کر کے میرے سامنے کرو- پھر عطر لگایا اور فرمایا کہ سیدھا ہاتھ آگے کرنے سے مانگنے کی عادت پڑ سکتی ہے جو میں اپنی اولاد میں برداشت نہیں کر سکتا- ایک چھوٹی سی بات میں کتنا بڑا سبق دے گئے''- (''یادوں کے دریچے'')

حسیں کہنے کو گو سارا جہاں ہے

مگر تجھ سا حسیں کوئی کہاں ہے؟

میں نے اس واقعہ کو اپنی کئی نجی محفلوں میں بیان کیا ہے- اچھے پڑھے لکھے اور فہمیدہ و سنجیدہ لوگوں نے ہمیشہ اس باریک بینی اور گہری نگاہ سے تعلیم اخلاق فاضلہ پر حیرت اور تحسین و آفرین کا برملا اظہار کیا- اوپر جو دو واقعات میں نے بھائیوں کی اس مقدس ''جوڑی'' کے تحریر کئے ہیں اس سے دست دراز کرنے کے خلاف اور شان بے نیازی اور استغناء اور قناعت پسندی اور ہر حال میں رزاق سے ذوالقوۃ المتین آسمانی آقا کی رزاقی پر توکل کرنے کا جو دلکش اور دلفریب سبق بلکہ عملی نمونے ملتے ہیں ان پر کسی تبصرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے- عبدالاحد خان صاحب افغانی جنہیں ان کا اور ہمارا آقا حضرت مصلح موعودؓ جب یاد فرماتا تو جن پیارے الفاظ میں وہ جواب دیتے تھے، بے اختیار ہو کر ہم ان دونوں سرداروں کو خان صاحب موصوف کے انہی الفاظ میں، عرض کرتے ہیں '' **قربانت شوم ، قربانت شوم** '' اور کون ہے ایسا سنگ دل جو ایسے لطیف روحانی مائدے کو چکھ کر بھی قربان ہونے کے لئے اپنے اندر کوئی تڑپ محسوس نہ کرے؟

غالباً قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصیحت ہی اپنا کام کر گئی اور میاں منیر احمد صاحب نے اس دکانداری سے اپنا دامن چھڑا لیا، پھر ان دنوں ٹرانسپورٹ کا کاروبار بڑی شہرت رکھتا تھا- آپ نے طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کے نام سے اس شعبے میں بھی تھوڑے عرصے میں بڑا نام پیدا کیا مگر اس کاروبار میں ایک احمدی خاندان کی رقابت کا سامنا کرنا پڑا- قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت کوشش کی کہ دونوں کمپنیاں بجائے حریف بننے کے حلیف بن کر کام کریں اور خود مجھے یہ پیغام دے کر بھجوایا کہ ایک دوسرے کو برداشت کریں جبکہ کئی اور لوگ اپنی اپنی ٹرانسپورٹ چلا رہے ہیں تو دو احمدی گروپ ایک دوسرے کے خلاف رقیبانہ کاروائیاں کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ فرمایا '' میں نے تو منیر احمد کو کہا ہے کہ احمدی خاندان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے تم رُوٹ پرمٹ واپس کر دو''- حالانکہ اُن دنوں رُوٹ پرمٹوں کا حصول جُوئے شیر لانے کے مترادف تھا اور رُوٹ پرمٹ بڑے نفع آور کاروبار کا پیش خیمہ ہوتا تھا- جواب میں صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نے کہا کہ ابا جان! اگر آپ کا حکم ہے تو میری مجال نہیں کہ خواہ کتنا نقصان نظر آ رہا ہے میں تعمیل ارشاد نہ کروں، ورنہ یہ دیکھ لیں کہ میں نے بڑی مشکلوں سے یہ مرحلہ طے کیا ہے- حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''نہیں ! میں حکم تو نہیں دے سکتا '' -غرض یہ کھینچا تانی بہت طویل ہو گئی- بالآخر صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کامیاب ہوئے مگر پھر شاید اس کاروبار کے ایسے نقائص سامنے آئے جو آپ کے خاندانی وقار اور عظمت کے منافی تھے لہذا اسے چھوڑ چھاڑ کر ''پاکستان چپ بورڈ'' کے نام سے جہلم میں ایک فیکٹری قائم کی اور پھر اس نے جو ترقیات کی منازل طے کیں وہ اس عالی ہمت، الوالعزم برلاس جوان کی زیرکی، دانش مندی اور بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی واضح علامت ہیں- اس ادارے کے ساتھ سینکڑوں

آدمیوں کا روزگار وابستہ ہے جنہیں عزت اور وقار کے ساتھ معقول آمدنی ہورہی ہے۔ اس طرح محترم میاں منیر احمد صاحب کی یہ کاوش انشاءاللہ ایک صدقہ جاریہ بن کر ان کی بلندی درجات کا موجب بنتی رہے گی۔

ہم نے میاں صاحب موصوف کو بہت قریب سے دیکھا، ان میں فیاضی، دوست داری اور وفا شعاری اور ایمانی غیرت کے جذبات فراواں تھے۔ شجاعت اور ایمان، لازم ملزوم ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ہم نے بزدل نہیں دیکھا اور کسی فتویٰ فروش ملاں میں ہم نے شجاعت اور بہادری نہیں پائی۔ بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا۔ میاں صاحب جہلم شہر سے بہت دور جنگل میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے تھے۔ مخالفتوں کی آندھیاں آئیں مگر کیا مجال جو اس شیر دل شہزادے کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش آئی۔ وہ جہلم کے اونچے ٹیلے پر ایک چٹان کی صورت میں قائم رہا۔ حاسدوں اور بدخواہوں کو ناداری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ میاں صاحب ایک عظیم شخص تھے۔ انہیں شہرت یا نام ونمود سے نفرت تھی۔ اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے بہادری اور خاموشی کے ساتھ نتیجہ خیز جدوجہد جاری رکھی۔ اس فکری سقوط اور ذہنی جمود کے دور میں ان کا دم غنیمت تھا۔ وہ ایک غریب پرور، باوفا دوست اور دینی غیرت رکھنے والے اور نہایت پیاری عادات اور خصائل کا مالک صاحبزادہ تھے۔ مصر کے شاعر شوقیؔ نے سچ تو کہا تھا

الناس صقان موتی فی حیاتھم

وآخرون ببطن الارض احیاء (شوقی)

"کچھ لوگ اپنی زندگی میں بھی مُردوں کی طرح بیکار ہی ہوتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنے مرنے کے بعد زمین میں دفن تو ہوجاتے ہیں مگر پھر بھی زندہ رہتے ہیں"

اور حضرت سلطان باہوؒ کا پنجابی کا ایک قول بھی اسی مضمون کا ہے:۔

؎ میں قربان اونہاں توں قبر جنہاں دی جیوے

آخری ہفتہ عشرہ تو قومے میں رہے۔ میں ہر شام صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کی کوٹھی پر فون کر کے میاں صاحب کی حالت کا پتہ کرتا رہا۔ آخر یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کو دوپہر کے وقت مجھے وہ خبر سنائی گئی جو کئی دنوں سے حقیقت بن کر مجھے ڈرا رہی تھی۔ پھر بھی میں اسے سننے کو تیار نہ تھا۔ بے اختیار آنسو ٹپ ٹپ گرے

؎ یہی تھا ہدیہ تیرے سودائی کا

پھر شام کو ربوہ پہنچا۔ میت کی زیارت کی۔ علامہ اقبال نے بھی مردمؤمن کی علامت بعد از مرگ "تبسم برلب اوست" بیان کی ہے لیکن یہ اظہار بھی ناکافی لگا اور میں نے عرش کے کلام سے ہی تسلی پائی

؎ عشق الٰہی وسے مونہہ تے ولیاں ایہہ نشانی

جنازہ میں شرکت کی، پھر دوبارہ الوداع کہنے کے لئے میت کے پاس گیا۔ چہرے پر نور کی پھوار دیکھی تو اپنی حالت غیر ہوگئی۔ میں نے بے اختیار کہا

میلے فیر محمدؐ قسمتاں دے، کتھے شمع، تے کتھے پتنگ ہوسی

طویل بیماری اور پھر کئی دنوں تک قومے کی حالت پر غور کیا تو مجھے میاں صاحب کے والد بزرگوار حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، وہی جن کی پیدائش سے بھی پہلے ان کے مقدس باپ کو ان کے بارہ میں بشارت عطا ہوئی تھی۔ ہاں! وہی حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا "بشریٰ"، ہاں وہی جو سلطان القلمؑ کا حقیقی وارث بنا، جس کے قلم سے موتی جھڑتے تھے۔ وہ قلم جو حکیم وعلیم رب کے اشاروں پر چلتا تھا۔ ان کی ایک دعا سامنے آئی جو یوں ہے:۔

’’ اے اللہ! تیرے وہ سارے بندے جو احمدیت کی پاک لڑی میں محبت اور اخلاص کے ساتھ پروئے ہوئے ہیں--- تُو اس وقت تک ان سے موت روکے رکھ جب تک کہ تیری قدرت کا طلسمی ہاتھ ان کو گناہوں سے پاک وصاف کر کے تیرے قدموں میں حاضر ہونے کے قابل بنا دے- تا کہ ان کی موت عروسی جشن والی موت ہو--- تیری اس عظیم الشان رحمت کی قسم ہے جو تیرے پاک مسیح کی بعثت کی متحرک ہوئی کہ تُو ایسا کر‘‘-

ایسے نادر وجود کے چلے جانے سے دل کی افسردگی اور پژمردگی، نا قابل فہم نہیں، پھر بھی اسے سمجھایا کہ بڑا چاہنے والا موجود ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے چاہنے سے ہوتا ہے- اگر ہم اپنی غلامانہ حیثیت کا تعین کر لیں اور اس کے مالکانہ اور قادرانہ مقام کا صحیح ادراک ہمیں ہو جائے تو رنج والم کیسا اور اس پر اتنا دکھ کیوں کہ جو ہم نے چاہا تھا نہیں ہوا؟ جسمانی موت سے نہ خدا کا پیغمبر محفوظ ہے نہ وقت کا سکندر، نہ ظل سبحانی بچا، نہ کوئی تاجدار! ہر ایک نے یہ جام پینا ہے- اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ کہ ہمارے پیارے میاں صاحب کا انجام بخیر ہوا- اللہ کریم ورحیم ان کو اپنے آباء کا قرب عطا فرمائے جو یقیناً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محفل میں اللہ کی رحمتوں سے سرشار ہوں گے- میں غم زدہ بھی تھا، تھک بھی چکا تھا- سرشام واپس سرگودھا کا سفر شروع ہوا- اتنا سمجھانے بجھانے کے باوجود وحشت نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اور تابش دہلوی سے ہم زبان ہو کر اپنی حالت کا یوں اظہار کیا‘‘-

کوئی تمنا پاس نہیں ہے ، کوئی تصور ساتھ نہیں ہے
کیسے کٹے گی یہ شب ہجراں؟ آج اکیلے شام سے ہیں (تابش دہلوی)

(ماہنامہ ’’احمدیہ گزٹ‘‘ ٹورانٹو کینیڈا دسمبر ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۳-۱۶)

☆

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

(المعروف جناب ایم۔ایم۔احمد صاحب)

نوراللہ مرقدہٗ

(۲۸؍فروری ۱۹۱۸ء-۲۲؍جولائی ۲۰۰۲ء)

جیسا کہ خاکسار پہلے بھی عرض کر چکا ہے کہ مؤرخہ ۱۵؍جون ۲۰۰۲ء کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے بریگیڈیئر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب لاہور پاکستان میں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)۔ لیکن ابھی یہ المناک صدمہ تازہ ہی تھا کہ چند دن کے اندر اندر ہی مؤرخہ ۲۲؍جولائی ۲۰۰۲ء کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ بھی ایک لمبی اور فعال زندگی بسر کرنے کے بعد امریکہ میں واشنگٹن ڈی سی کے ایک ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)۔آپ دونوں بزرگوں کی یکے بعد دیگرے المناک وفات کے بعد بے شمار احباب جماعت کے فون اور خطوط مؤصول ہوئے۔ان تمام معزز احباب جماعت کا شکریہ ادا کرنا میرا اولین فرض ہے کہ جن میں سے مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب اور مکرم مولانا سید شمشاد احمد ناصر صاحب مبلغ امریکہ نیز مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب سابق مبلغ جرمنی کا میں خصوصی مشکور ہوں۔تعزیت کے ہمدردانہ پیغامات کے ساتھ ساتھ بعض احباب نے خاکسار کو حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے شمائل جلیلہ پر بھی کچھ تحریر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔میں اسے اپنی خوش قسمتی تصور کرتا ہوں کہ بفضل خدا خاکسار کو اپنے بچپن سے لے کر ادھیڑ عمر تک حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ کے بہت ہی پیارے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو قریب سے دیکھنے کا سنہری موقعہ نصیب ہوا۔حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی تمام زندگی کے واقعات کا احاطہ کرنے کرنا کسی ایک شخص کا کام نہیں اس لئے اس عجلت میں یہاں مختصراً چند ایک خصوصی واقعات کا ذکر پیش خدمت کرتا ہوں۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مؤرخہ ۲۸؍فروری ۱۹۱۳ء کو قادیان ہندوستان میں پیدا ہوئے۔آپ ہی کی ذات گرامی کی پیدائش کے بعد حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ کو نہایت ہی پیار سے ''ام مظفر'' کا پیارا لقب عطاء فرمایا اور پھر جماعت عالیہ احمدیہ میں یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ احباب جماعت کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا صحیح اسم گرامی یعنی حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہؓ بھول گیا۔حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزدگان کے بڑے بیٹوں کو گود میں لیا تھا۔اس طرح حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ ،حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحبؒ اور حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحبؒ حضرت اماں جانؓ کی پاکیزہ تربیت میں پرورش پا کر پروان چڑھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحبؒ نے ایک ایسے معزز و محترم گھرانہ میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی کہ جس خاندان کا طرہ امتیاز ہی عبادت الٰہی، جودوسخا، اور صداقت پسندی ہے۔انہی تمام پاکیزہ خوبیوں کی بدولت حضرت میاں مظفر احمد صاحبؒ جلد از جلد ترقی کی منازل طے کرتے رہے۔

آپ نے ہائی سکول تک ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی-گورنمنٹ کالج لاہور سے بی-اے اور ایل-ایل-بی پاس کرنے کے بعد آپ نے انڈین سول سروس I.C.S کا امتحان پاس کیا-۱۹۳۳ء میں آپ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر انگلستان تشریف لے گئے-جہاں آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اکنامکس کی تعلیم حاصل کی-اسی حصول تعلیم کے دوران حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ آپ کی رفاقت بھی رہی-انگلینڈ سے واپس آکر آپ نے ہندوستانی سول سروس میں ملازمت اختیار کرلی -تقسیم ہندوستان کے وقت آپ امرتسر میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے تاکہ اگر امرتسر کا الحاق پاکستان سے ہؤا تو آپ کو بطور انچارج اس ضلع کا کمشنر بنا دیا جائے گا لیکن افسوس! کہ ضلع امرتسر بلکہ ضلع گورداسپور کو بھی انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت کی بنا پر پاکستان کو نہ ملے-بہرحال پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے آپ کو سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا کہ جہاں آپ نے نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دیں-یہ وہی شہر ہے کہ جہاں آپ کے معزز و محترم دادا جان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی صرف اپنے والد صاحب حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی رضا کی خاطر کچھ عرصہ حکومتی کاروبار میں شرکت کی تھی-بہرحال حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کچھ عرصہ تک سرگودھا اور ملتان میں محکمہ ریونیو سے بھی منسلک رہے-اسی طرح میانوالی میں بھی ڈپٹی کمشنر رہے لیکن اپنی بے انتہا قابلیت کی بدولت ترقی کرتے کرتے گورنر پنجاب جناب امیر محمد خان صاحب نواب آف کالا باغ کے دور میں آپ مغربی پاکستان کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری مقرر ہوئے-

صدر پاکستان جناب جنرل محمد ایوب خان صاحب وطن کی تعمیر و ترقی کے لئے ہر میدان میں جوہر قابل کی تلاش میں رہتے تھے لہذا آپ کی نظر شناس نگاہ نے مرکزی حکومت کے کاروبار کو چلانے کیلئے جناب ایم ایم احمد صاحب کو منتخب کرلیا اور یوں جناب ایم ایم احمد صاحب صوبائی حکومت سے مرکزی حکومت میں منتقل ہوگئے اور مرکزی حکومت میں آپ وزارت خزانہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے-اس زمانہ میں ایک روپیہ کے نوٹ پر بطور سیکرٹری مرکزی وزارت خزانہ آپ کے دستخط ثبت ہوتے تھے-حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کو تو اُس زمانہ میں پاکستان کا بچہ بچہ ایک روپیہ کے نوٹوں پر سیکرٹری خزانہ کے دستخطوں ''مرزا مظفر احمد'' کی وجہ سے جانتا تھا لیکن اب اس بات کے تیس سال کے بعد سلسلہ کے اس معزز بزرگ اور پاکستان کے اس عظیم سپوت کو ہماری نئی نوجوان نسل کے صرف چند لوگ ہی جانتے ہیں کیونکہ آپ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی بجائے جناب ایم ایم احمد صاحب کے نام سے زیادہ مشہور ہیں-جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اپنی خداداد ذہانت، لیاقت، دیانت اور محنت کے بل بوتے پر ایک کے بعد دوسری ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے اور اقتصادیات نیز مالیات کے امور میں اتنے قابل اور لائق ثابت ہوئے کہ صدر پاکستان نے آپ کو ترقی دے کر پاکستان منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین مقرر کر دیا-مملکت پاکستان کا یہ سب سے زیادہ اہم شعبہ تھا اسی لئے اس کمیشن کے چیئرمین خود صدر پاکستان فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خان صاحب اور ان کے بعد آنے والے دوسرے صدور مملکت ہؤا کرتے تھے-اور یوں ملک بھر میں توسیع و ترقی کے پنجسالہ منصوبہ بندی کی وقیع ذمہ داری آپ کے سپرد ہوگئی-صدر پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان صاحب کے دور میں جناب ایم ایم احمد صاحب کو جب صدر پاکستان کا اقتصادی مشیر بھی مقرر کیا گیا (یہ عہدہ مرکزی وزیر کے برابر تھا) تو موسٹ سینئر کیبنٹ ممبر ہونے کی حیثیت میں آپ کی مصروفیات مزید وسیع اور کلیدی نوعیت کی ہوگئیں-

مجھے یاد ہے کہ جن دنوں آپ مرکزی سیکرٹری خزانہ پاکستان تھے تو اس وقت ایک روپیہ کے نوٹ پر سیکرٹری خزانہ کے دستخط ہؤا کرتے تھے-اس لئے جب پاکستان کے ایک روپیہ کے نوٹ پر آپ کے دستخط ''مرزا مظفر احمد'' پاکستان میں منظر عام پر آئے تو نام نہاد مسلمان ملاؤں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور انہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں میں جابجا اجلاسات میں شر انگیز مخالفانہ تقاریر کیں لیکن صدر مملکت ان مولویوں کی خصلت کو بخوبی

جانتے تھے کہ یہ لوگ ملک میں صرف تفرقہ بازی کو ہوا دینا چاہتے ہیں لہذا حکومت وقت میں سے کسی ایک نے بھی ان مولویوں کی شرانگیز تقاریر پر دھیان نہ دیا کہ جس کے بعد یہ شر پسند ملاں ایک ایک کر کے خود ہی خاموش ہوتے چلے گئے لیکن مخالفت احمدیت کا یہ خطرناک ناسور اندر ہی اندر بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ جب صدر مملکت جناب جنرل آغا محمد یحیٰی خان صاحب ہمسایہ ملک ایران کے سرکاری دورہ پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے بعد حضرت صاحبزادہ ایم-ایم-احمد صاحب کو پاکستان کا ACTING PRESIDENT یعنی قائم مقام صدر مقرر کیا- صدر پاکستان کے دورہ ایران سے قبل یہ خبر ریڈیو پاکستان پر نشر کی گئی اور اگلے دن اخبارات میں بھی چھپی- اتنا سنتے ہی پاکستانی نام نہاد مسلمان ملاؤں کے تن بدن میں غم وغصہ سے بھری ہوئی بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ہر طرف اپنی نفرت آمیز سازشوں کا جال پھیلا دیا کہ جس سے متأثر ہو کر حکومت پاکستان کے ایک ملازم محمد اسلم قریشی نے حکومتی دفاتر کی لفٹ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب پر ایک چاقو سے قاتلانہ حملہ کر دیا- حملہ آور نہایت قوی جسم کا مالک اور اپنے فن خنجر بازی میں بہت مہارت رکھتا تھا لیکن اس خنجر باز کی بدقسمتی کہ آپ چونکہ ان دنوں خوب اونچے لمبے ڈیل ڈول کے مالک ایک مضبوط جوان آدمی تھے اس لئے شدید زخمی ہونے کے باوجود بھی آپ نے اس پر قابو پا کر اسے سیکورٹی گارڈز کے حوالہ کر دیا-

یہ وہی بدنام زمانہ مجرم محمد اسلم قریشی تھا کہ جس کے جھوٹے اغوا کی افواہ کو بنیاد بنا کر حکومت پاکستان نے ۱۹۸۴ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو گرفتار کرنے کا ناجائز حکم جاری کیا تھا بلکہ صدر پاکستان جنرل ضیاالحق نے بغیر کسی جواز کے آپ کے ملک سے باہر جانے پر بھی پابندی لگا دی تھی لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر کہ آپ کا یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا نام لکھتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر اندھیرا چھا گیا اور اس نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کے اسم مبارک حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی بجائے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا نام تحریر کر دیا جو کہ ۱۹۸۲ء میں وفات پا چکے تھے- اس واقعہ کی تفصیل ابھی بعد میں بیان کی جائے گی- بہر حال ہوا یہ کہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت یورپ کے کچھ عرصہ کے بعد میں یہی نام نہاد اغوا شدہ اور مقتول شخص لیکن دراصل روپوش مجرم محمد اسلم قریشی ایران میں پکڑا گیا- وہاں سے اسے پاکستان لایا گیا اور پاکستان آ کر اس نے سرعام اخباری میڈیا ریڈیو اور ٹیلیویژن پر عوام سے معافی مانگی کہ وہ اپنے پیٹ کے جہنم کو بھرنے کے لئے خاموشی سے پاکستان سے رفو چکر ہو کر ملازمت کی تلاش میں ایران چلا گیا تھا لیکن اس کی خاموش روپوشی کو پاکستان کے نام نہاد مسلمان ملاؤں نے پہلے اغوا سے تشبیہ دی اور پھر بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ پر اس شخص محمد اسلم قریشی کے قتل عمد کا سراسر جھوٹا الزام تھوپا- یوں اس ناجائز مکروہ اور انتہائی گھناؤنے بے بنیاد جھوٹے الزام کی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو چاروناچار پاکستان سے ہجرت کرنا پڑی کہ جس کی بنا پر ہم احمدی مسلمانوں کو سخت ذہنی اور روحانی اذیت پہنچی لیکن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ یہی جھوٹا الزام احمدیت کے حق میں انتہائی ممد و مددگار ثابت ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کی بے حدوحساب ترقی کے لئے ایک بے نظیر پیش خیمہ ثابت ہوئی اور خدا تعالیٰ کی تقدیر کہ اس کمینے دشمن کا وار اُلٹ کر اُسی پر واپس جا پڑا- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

بہر حال حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے ڈرائیور کا بیان ہے کہ اس قاتلانہ حملہ کے بعد میں آپ کو کار میں لٹا کر آندھی اور طوفان کی طرح تیز رفتاری سے اُڑتا ہوا راولپنڈی کے CMH سینٹرل ملٹری ہسپتال پہنچا- ان کے بیان کے مطابق اس سفر کے دوران آپ کے زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث آپ بیہوش ہو گئے اور کار کے اندر یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی بکرا ذبح کر دیا گیا ہو لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ کے مترادف آپ کی جان بچ گئی- شکر الحمد للہ -حکومت کا تمام کاروبار چونکہ آپ کے سپرد تھا لہذا صدر پاکستان جنرل آغا

محمد یحییٰ خان صاحب فوراً اپنا دورہ منسوخ کر کے راولپنڈی واپس پہنچے اور مزاج پرسی اور عیادت کے لئے ایئرپورٹ سے سیدھے ہسپتال تشریف لائے- یہاں اس واقعہ کے بیان کرنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ عالمی جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے احباب کو ان تکالیف کے بارہ میں مطلع کیا جائے جو کہ خدا کے مقرب بندوں کو خدا کی راہ میں اٹھانی پڑتی ہیں لہٰذا ان درپیش مصائب سے گھبرا کر بددعا کرنے کی بجائے ان کے رفع کے لئے دردِ دل سے دعا کرتے ہوئے کبھی بھی صراط مستقیم سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب اتنے اونچے عہدوں پر کام کرنے کے باوجود بھی بہت ملنسار اور خوش اخلاق تھے- آپ کی انکساری اور اخلاق کے بارہ میں مکرم عبدالسمیع نون صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''حضرت میاں صاحب کا خاندانی وقار، وجاہت اور اخلاق ایسے کریمانہ تھے کہ آپ کے ماتحت بھی آپ کے مداح تھے اور افسران بالا بھی---ایک بار گورنر پنجاب امیر محمد خان نواب آف کالاباغ نے آپ کو پنجاب کا چیف سیکرٹری مقرر کرنا چاہا اور صدر مملکت سے اس بارہ میں بات بھی کر لی لیکن آپ نے انہیں معذرت کر دی اور وجہ یہ بیان کی کہ:''سابق چیف سیکرٹری نے مجھے ایڈیشنل چیف سیکرٹری مقرر کرنے کی سفارش کی تھی اور یہ محسن کشی ہے کہ اسے ہٹا کر میں خود چیف سیکرٹری بن جاؤں اور دوسرا یہ کہ کئی افسر مجھ سے بھی سینئر ہیں اور یہ ان کا حق ہے''-

۱۹۷۸ء میں جب پاکستان کے سابق صدر جناب آغا محمد یحییٰ خان صاحب پر فالج کا حملہ ہوا تو وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ علاج کروانے کے لئے امریکہ گئے- وہاں ان کی فیملی کا قیام حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے ہاں رہا- بعد میں یحییٰ خان صاحب بھی آپ کے ہاں ہی قیام پذیر رہے- جب یہ فیملی واپس پاکستان آنے لگی تو یحییٰ خان صاحب کی بیوی رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ یا اللہ! مظفر اگر کافر ہے تو ساری دنیا کو اس جیسا کافر بنا دے- کہنے لگیں کہ ہمارے ساتھ اب میاں صاحب کو کوئی غرض نہیں ہو سکتی مگر جس وفا شعاری اور بلند اخلاق کے تحت انہوں نے خدمت کی ہے کوئی انسان ایسا نہیں جو ایسی خدمت کر سکے- یحییٰ خان صاحب نے خواہش کر کے حضرت میاں صاحب کے گھر پر اپنی تصاویر بھی کھنچوائیں- ایک تصویر میں عقب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی سی تصویر نظر آ رہی تھی- حضرت میاں صاحب نے باقی تصاویر تو انہیں بھجوا دیں لیکن وہ ایک تصویر نہ بھجوائی- اس پر یحییٰ خان صاحب نے اصرار سے کہا کہ وہ تصویر بھی بھیجیں جس کے عقب میں بڑے مرزا صاحب کا فوٹو ہے''-(روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍اکتوبر ۲۰۰۲ء)

آپ نے اپنی تمام زندگی پاکستان کا ایک نہایت وفادار شہری بن کر گزاری بلکہ پاکستان سے امریکہ منتقل ہو جانے کے باوجود بھی اپنی پاکستانی شہریت کو برقرار رکھا اور آپ ایک پاکستانی باشندہ ہونے کو انتہائی قابل فخر سمجھتے تھے- پاکستان سے امریکہ منتقلی کی وجہ یہ تھی کہ سن ستر کی دہائی کے آغاز میں پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور حکومت میں حکومت کی غلط پالیسیوں کے باعث آپ نے سلطنت کے کاروبار سے دست کشی اختیار کر لی- میں یہاں آپ کے اس اعلیٰ حسن کردار کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسے نڈر اور جیالے احمدی مسلمان کی جگہ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو وہ یقیناً ایسے اعلیٰ عہدوں کی ملازمت کے لئے اپنا دین تو کیا اپنا ایمان تک بھی بیچ ڈالتا لیکن آفرین! صد آفرین! کہ آپ کی غیرت ایمانی نے ایسا کرنا پسند نہ کیا چنانچہ آپ نے پاکستان سے ہجرت کر جانے کو ہی مناسب جانا کہ جہاں دشمن اسلام ملاں اور ان کے چیلے چانٹے ہر وہ مکروہ حرکت جو کہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے کرنے کو اسلام کی اولین خدمت گردانتے ہیں حتیٰ کہ کسی مرد مؤمن کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے- جیسا کہ آپ اس کتاب میں بار بار پڑھ چکے ہیں کہ بعض نام نہاد مسلمان عوام اور ملاں بار بار ہم احمدی مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کر دینے اور دوکانوں کو لوٹ لینے اور جانوں کو قتل کر دینے کے بارہ میں تقاریر و تحاریر سے عوام الناس کو بھڑکاتے رہتے ہیں حالانکہ قرآن مجید

اورحدیث نبویہ اورسنت الرسول ﷺ پر قائم ایک سچا مسلمان اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ کسی بھی مسلمان شخص حتیٰ کہ غیر مسلم-مشرک اور کسی کافر کے خلاف بھی یونہی ہتھیار اٹھانا اسلام میں سخت منع ہے جب تک کہ مخالف ازخود مسلمانوں پر ہتھیار بند ہو کر حملہ نہ کرے-اس کے علاوہ کلمہ طیبہ کا دم بھرنے والے کے بارہ میں تو اس سے بھی زیادہ شدت سے ممانعت کردی گئی ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے مونہہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارث کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ بن حارث پر سخت خفا بھی ہوئے تھے کہ انہوں نے حالت جنگ میں ایک شخص کو عین اس وقت قتل کردیا جبکہ وہ شخص کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا- کیونکہ دلوں کا حال صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتا ہے اور دنیا بھر کا کوئی بھی مسلمان قطعاً نہیں-پس اسی لئے تو قتل انسانی دُنیا میں سب سے زیادہ بڑا اور نا قابلِ معافی جُرم ہے کہ جس کی تلافی کسی بھی قصاص سے قطعاً ممکن نہیں اور قتلِ مؤمن تو اس سے بھی زیادہ بڑھ کر گھناؤنا جُرم ہے لہٰذا تمام نام نہاد مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد‘‘ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

’’ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں‘‘

یعنی کلمہ طیبہ کا سچے دِل سے وِرد کرنے والے مسلمان ہیں اور ایک کلمہ گو مسلمان کو کسی بھی قسم کی تکلیف دینا اسلام میں قطعاً ممنوع ہے-اس لئے جو کوئی بھی ہم پر کسی بھی قسم کا ہتھیار اٹھا کر حملہ کرتا ہے اسے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے بارہ میں کیا فرماتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ٥ (الاحزاب : ۵۹)۔یعنی: ’’وہ لوگ جو کسی مؤمن مرد یا مؤمنہ عورت کو بلاوجہ اور بغیر کسی جرم کے ارتکاب کے کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف دیتے ہیں تو انہیں یہ یاد رہے کہ انہوں نے ایک بہت بڑے جھوٹ اور ایک کھلے کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھالیا‘‘-پھر ایذا رسانی کے بعد قتل عمد کے بارہ میں مزید ارشاد فرمایا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن مجید میں درج میرے اس کھلے کھلے اعلان کے باوجود کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور پھر ان کلمات مبارکہ کو پڑھتے ہوئے یا سنتے ہوئے اور اپنے آپ کو ایک مسلمان متقی سمجھتے ہوئے کوئی ایسا بھیانک اور قبیح جرم کرسکتا ہے-فرمایا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ---٥ (النساء : ۹۳) ۔یعنی: ’’ اور کسی ایک مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کرے---‘‘۔یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمن مسلمانوں کا ذکر کیا ہے-کسی چور-لٹیرے-ڈاکو یا قاتل کا نہیں-یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرماتا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنے والے کسی بھی شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمن ہی نہیں سمجھتا کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی جانے اور پھر اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو قتل بھی کرتا پھرے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ روز ازل سے ہی ان نام نہاد مسلمانوں کے دلوں کا حال خوب جانتا تھا لہٰذا ایک مرتبہ پھر تاکیداً ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ان احکامات کے بعد بھی کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو میں اسے سخت سزا دوں گا-اس لئے فرمایا کہ: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ٥ (النساء : ۹۴) ۔یعنی:’’ اور جو شخص کسی مؤمن کو دانستہ قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہوگی- وہ اس میں دیر تک رہتا چلا جائے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کی لعنت بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس کے لئے ایک بہت بڑا عذاب تیار کرے گا‘‘-اب آپ ذرا خود ہی غور فرمالیں کہ یہ قاتل اپنی اپنی موت کے بعد آخر بچ کر کہاں جائیں گے کیونکہ:-

’’ خدا کے گھر میں دیر تو ہے لیکن اندھیر نہیں‘‘

اور پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرما رہا ہے کہ اگر وہ قاتل دنیا کو، پولیس کو، عدالت کو دھوکہ دے کر بچ بھی جائیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ خود روز قیامت کے دن ان کو پکڑ لے گا-اسی طرح حدیث نبویؐ میں بھی درج ہے-حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ’’جو شخص ہم پر

ہتھیار اُٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔(ابن ماجہ ابواب الحدود باب من شھر السلاح) ۔یعنی آنحضرت محمد مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ کو اپنے پیروکار مسلمانوں پر اتنا زیادہ اچھا گمان تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص مسلمان ہو کر کسی دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی کوئی زک بھی پہنچا سکتا ہے لیکن آج کے غیر احمدی مسلمان ان نفیس باتوں کو سمجھنے والے وہ مسلمان نہیں کہ جن کا ذکر آنحضرت ﷺ نہایت فخر سے فرمایا کرتے تھے بلکہ وہ بدنصیب نام نہاد مسلمان ہیں کہ جن کا ذکر آنحضرت ﷺ انتہائی غم وافسوس میں ڈوب کر فرمایا کرتے تھے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ڈاکو چور قاتل اشخاص مسلمانوں میں کیسے پیدا ہو گئے ؟ کوئی مسلمان تو کیا دنیا کا کوئی ایک بھی بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے قاتل اور خونی اور ڈاکو بن کر پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ مسلمان قرآن وحدیث کی پاکیزہ تعلیم پر عمل کرنے کی بجائے اپنے اپنے نام نہاد مسلمان ملاؤں کی تحریر و تقاریر پر عمل کرنے کی وجہ سے لٹیرے اور جلاد حتیٰ کہ TERRORIST بھی بن جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب مسلمانوں کے علماء اپنے غیر اسلامی کرتوتوں میں یہود کے علماء سے بھی زیادہ آگے بڑھ جائیں گے"۔(حدیث نبویہؐ)

ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا نام محمد اسلم قریشی یعنی -محمد- اسلم- قریشی- ہو اور وہ اپنے ہی نام کا مطلب و معنی نہ سمجھتا ہو؟ اور آنحضرت ﷺ کے پاکیزہ ومتبرک اسم گرامی کو اپنی غیر اسلامی حرکات سے طعن وتشن کا نشانہ بنانے والا ہو؟ کیا کسی کلمہ گو انسان پر قاتلانہ حملہ کرنا ایک اسلامی فعل ہے؟ نہیں- قطعاً نہیں- اب خاکسار کو اس سلسلہ میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسے تمام افراد کو جو کہ ایک کلمہ گو کے قتل کے درپے ہیں انہیں خود رسول اللہ آنحضرت محمد مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ ہی نامسلم قرار دے رہے ہیں یعنی ایسے افراد کو جو کہ ہم کلمہ گو احمدیوں پر مختلف قسم کے ہتھیار اٹھا کر بار بار حملہ کر رہے ہیں۔ بہر حال روبصحت ہونے پر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے پاکستان سے امریکہ ہجرت فرمائی اور ۱۹۷۲-۷۴ میں عالمی بینک کے اگزیکٹو ڈائریکٹر EXECTIVE DIRECTOR OF WORLD BANK کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے اس کے ساتھ ہی آپ EXECUTIVE SECRETARY MONETARY FUND بھی مقرر ہوئے- ایک قابل ماہر مالیات ہونے کے باعث ان ملازمتوں کے اختتام کے بعد بھی معاشرتی اور مالیاتی معاملات میں آپ کے مشورہ کو بہت زیادہ اہمیت اور ترجیح دی جاتی تھی- پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے آپ نے اپنی سروس کے بعد بھی متعدد بار کارہائے نمایاں ادا کئے کہ جن کی بدولت پاکستان کے خلاف لگائی گئی بہت سی ناجائز پابندیاں اٹھا لی گئیں- ان گرانقدر خدمات کے لئے پاکستان کے صدر مملکت اور وزیر اعظم کے تحسین آمیز پیغامات کو امریکہ میں مقیم پاکستانی سفیر نے خود دستی پہنچایا- ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ نے امریکہ میں ہی قیام فرمایا اور ۱۹۸۹ء سے تادم حیات آپ جماعت عالیہ احمدیہ امریکہ USA کے امیر جماعت کے منصب جلیلہ پر فائز رہے- حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دین اور دنیا دونوں میں نمایاں خدمات بجالانے کا موقع نصیب ہوٗا لہذا آپ کی تمام خوبیوں کا احاطہ کرنا ایک بہت ہی تحقیق طلب کام ہے اور اس کے لئے کئی ضخیم کتب تحریر کرنا پڑیں گی لیکن پھر بھی یہ عاجز آپ کی چند نمایاں خصوصیات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا- یہاں مجھے آپ کی حب الوطنی کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ آپ نے ۱۹۹۷ء میں پاکستان کے قیام کی پچاس سالہ تکمیل کے موقع پر جماعت احمدیہ امریکہ کی جانب سے ایک دیدہ زیب رسالہ

PAKISTAN 50th ANIVERSARY

شائع کیا کہ جس میں احمدیوں کی حب الوطن خدمات کا بہت مؤثر انداز میں اظہار کیا گیا- یہ رسالہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمدؐ (ایم-ایم-احمدؐ) صاحب نے ازراہ شفقت مجھے مؤرخہ ۱۷/ مارچ ۲۰۰۱ء کو اپنے دستخط ثبت فرماتے ہوئے عنایت فرمایا تھا جو کہ میں نے بطور تبرک سنبھال کر رکھا ہوٗا ہے- آپ نے اس پر اپنے قلم سے تحریر فرمایا:-

" WITH BEST WISHES FOR SUDAY KHAN "

اس قسم کا کوئی رسالہ تو کیا کوئی مضمون بھی غیر ممالک میں آباد پاکستانیوں کو کروڑوں کی آمدنی ہونے کے باوجود شائع کرنا تو درکنار تحریر کرنا بھی نصیب نہ ہؤا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب کی انکساری ملاحظہ ہو کہ اس تمام رسالہ میں آپ نے اپنی تمام ملی خدمات کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ آپ نے پاکستان اور پاکستانی عوام کی معاشی فلاح و بہبود کے لئے سالہا سال تک کلیدی کردار ادا کیا۔ پاکستانی ٹیکس سسٹم کو ہر خواص وعام کے لئے قابل قبول بنایا۔ پاکستانی کرنسی (روپیہ) کی گرتی ہوئی قیمت کو سہارا دے کر پاکستان کی معشیت کو انتہائی مظبوط بنیادوں پر قائم کیا کہ جس کی بدولت پاکستان کے عوام فاقہ کشی سے محفوظ رہے۔ اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی تو وہاں عوامی لیگ کی مکتی باہنی نے ۱۹۷۱ء میں بے شمار بینک لوٹ کر تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ کی رقم کو ہندوستان میں منتقل کر دیا اور پھر یہ لوٹا ہؤا روپیہ ہندوستان سے افغانستان کے راستہ مغربی پاکستان میں آ کر اس کی معشیت کو تباہ کرنے لگا۔ اس پر آپ نے فوری قدم یہ اٹھایا کہ پاکستانی کرنسی کے بڑے بڑے نوٹ مثلاً ایک سو اور پانچ سو روپیہ کے کرنسی نوٹوں کو فی الفور منسوخ کر دیا کہ جس کی بدولت پاکستان اقتصادی طور پر مفلوک الحال ہونے سے بچ گیا۔ پاکستان کے لئے آپ کے ان تاریخ ساز اقتصادی اقدامات کو کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ آپ نے کئی پنجسالہ منصوبوں کے ذریعہ دنیا بھر میں پاکستان کی ساکھ کو بہت تقویت پہنچائی کہ جن کے تحت پہلے منگلا ڈیم اور اس کے بعد تربیلا ڈیم جیسے عظیم الشان منصوبوں پر عمل درآمد ہؤا۔ پاکستان کی مظبوط اقتصادی حالت کی بدولت غیر ملکی امداد کے ساتھ ساتھ بیرونی سرمایہ کاری کی وجہ سے بھی پاکستان کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ بہرحال یہاں اس رسالہ میں درج ان نامور احمدی افراد کی مختصر فہرست حاضر خدمت ہے کہ جنہوں نے پاکستان کا نام سربلند کرنے میں خصوصی کردار ادا کیا۔ **فالحمدللہ**

(۱):۔ سیاسی محاظ پر حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶ر فروری ۱۸۹۳ء۔ یکم ستمبر ۱۹۸۵ء) نے مسلم لیگ کے سب سے پہلے صدر کی حیثیت میں، اقوام متحدہ میں پاکستان کے سب سے پہلے مندوب کی حیثیت سے، پاکستان کے اولین وزیر خارجہ کی حیثیت میں، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا صدر منتخب ہو کر، عالمی عدالت انصاف کا ممبر بن کر اور پھر اپنی زندگی کے اختتام تک اسی عدالت کا صدر منتخب ہو کر پاکستان کا نام دنیا کے کونے کونے میں بہت روشن کیا۔

(۲):۔ فوجی محاظ پر مکرم میجر جنرل اختر حسین ملک صاحب (۱۹۱۷ء۔۱۹۶۹ء)۔ (ستارہ قائداعظم + ہلال جرأت)۔ مکرم جنرل عبدالعلی ملک صاحب (وفات ۱۹۹۲ء)۔ (ہلال جرأت)۔ مکرم جنرل افتخار جنجوعہ صاحب شہید۔ مکرم سکواڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین احمد صاحب شہید (ستارہ جرأت)۔ یہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مکرم میجر منیر احمد صاحب، مکرم میجر قاضی بشیر صاحب، مکرم ایئر مارشل ظفر چوہدری صاحب کے ساتھ ساتھ دیگر ہزاروں احمدی افراد نے وطن کے دفاع کے لئے نہایت ہمت دلیری اور جانبازی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔

(۳):۔ سائنسی محاظ پر نوبل پرائز انعام یافتہ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (۲۹ر جنوری ۱۹۲۶ء۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۹۶ء) نے ۱۹۶۱۔۱۹۶۴ صدر خلائی کمیٹی پاکستان نامزد ہو کر پھر ۱۹۶۱۔۱۹۷۴ صدر پاکستان کا سائنسی مشیر اعلیٰ بن کر پاکستان کا نام بلند کرنے کے لئے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اسی طرح مؤرخہ ۱۵را کتوبر ۱۹۷۹ء کو فزکس کا نوبل پرائز انعام حاصل کر کے سب سے پہلے پاکستانی اور عالم اسلام کے سب سے پہلے مسلمان شخص کی حیثیت میں اپنے نام نامی کے ساتھ ساتھ جماعت عالیہ احمدیہ کو بھی تمام دنیا میں روشناس کروایا اور پاکستان کے قومی لباس شلوار قمیض شیروانی اور پگڑی کو پہن کر پاکستان کے نام کو بھی تمام دنیا میں بلند کیا حالانکہ اگر آپ کی جگہ کوئی دوسرا پاکستانی ہوتا تو ٹوپی یا پگڑی کا تو سوال ہی کیا وہ یقیناً قیمتی سے قیمتی انگریزی کوٹ پتلون پہن کر یہ اعزاز حاصل کرتا۔

(۴):-آزادیٔ کشمیر کے محاذ پر حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدر کشمیر کمیٹی کی بے لوث ملی جد وجہد اہل کشمیر کو تا قیامت یاد رہے گی کہ جس کی بدولت انہیں مہاراجہ کشمیر کے ظلم وستم سے رہائی نصیب ہوئی۔ اسی طرح احمدی فرقان بٹالین یعنی فرقان فورس کے مجاہدین اور شہداء کی عظیم الشان قربانیاں بھی پاکستان کی تاریخ کا ایک انمٹ باب ہیں جنہوں نے ۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء میں اپنی قیمتی جان عزیز کا نذرانہ دے کر کشمیر کے ایک بہت بڑے حصہ کو آزاد کروالیا تھا۔ اس حصہ کا نام اب آزاد کشمیر ہے۔

پاکستان کے سرکاری مؤرخین نے جماعت احمدیہ کے خلاف محض اپنی متعصّبانہ مخالفت کی بناء پر اوپر درج حب الوطن پاکستانی احمدیوں کے بارہ میں تفصیلات میں جانے سے احتراز کیا ہے لیکن انہیں شائد اس بات کا علم نہیں کہ ان بیچارے نام نہاد مسلمان مؤرخین نے پاکستان کی تاریخ کیا مرتب کرنی ہے کہ جس میں سراسر جھوٹ اور بغض وعناد کی ملاوٹ ہے؟ پاکستان کی تاریخ تو خدائے ذوالجلال کی مبارک تقدیر تحریر کر رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ایک وقت آئے گا جب دنیا بھر کے محققین حق ان جھوٹے تاریخ دانوں کی مرتب کی ہوئی تاریخ کی جھوٹی کتب پر لعنت بھیجتے ہوئے جماعت احمدیہ کی تاریخ کی سچائی اور حق وانصاف پر مبنی کتب سے اکتساب حاصل کیا کریں گے اور فرزندان احمدیت کی ان حب الوطن خدمات کی بدولت ان کا نام اور ان کا کام جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے نام کے ساتھ تا قیامت پاکستان کی تاریخ میں اپنی بے نظیر آب وتاب اور اپنی عظیم الشان چمک دمک کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا:-

ہم نے جس گلشن کی خاطر - اپنا سب کچھ وار دیا
آج چمن کے رہنے والے - غیر ہمیں کو کہتے ہیں
ہم نے ویرانوں کو بسایا - شہر نئے تخلیق کئے
اِس جُرمِ تعمیر پہ اب تک رنج و مصائب سہتے ہیں
کٹتی ہیں زبانیں کٹ جائیں - جاتے ہیں تو سر جائیں
ہم پاگل دیوانے وحشی سچی باتیں کہتے ہیں (اعجاز رحمانی)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب خدا تعالیٰ کے فضل سے چونکہ نہایت نمازی اور پرہیز گار تھے اس لئے دینی اور دنیاوی مسائل کو سلجھانے میں بھی آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ اور آپؐ کے امتی نبی مسیح محمدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اور تمام خلفائے وقت پر اپنے دل وجان سے فدا تھے اسی طرح آپ چونکہ اپنے ماں باپ کے انتہائی فرمانبردار تھے لہذا ان معزز بزرگ رضوان اللہ علیہم کی سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خدمت کرنا اپنا اولین فرض گردانتے تھے۔ اسی لئے جب ہم بچے حضرت قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا کوئی نہ کوئی خط آپ کی خدمت میں پیش کرتے تو تو آپ نہایت احترام سے اسے کھولا کرتے تھے اور پھر فوراً ہی اس کا جواب بھی عنایت فرمایا کرتے تھے کبھی تحریری یا پھر کبھی زبانی۔ حضرت قمر الانبیاءؓ کے دل میں بھی آپ کی بہت محبت تھی۔ اسی محبت کے سلسلہ میں خاکسار کی منجھلی ہمشیرہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ فرینکفرٹ جرمنی بیان کرتی ہیں کہ:-

''حضرت قمر الانبیاءؓ کے آخری ایام میں گھوڑا گلی سے واپسی پر چیک اپ کے لئے لاہور میں چند روز ٹھہرنے کا پروگرام تھا۔ ان دنوں حضرت قمر الانبیاءؓ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی اور آخری چند ایام میں تو بخار بھی رہنے لگا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ آپؓ خود اپنا بخار چیک فرماتے اور جب زیادہ ہو گیا تو آپؓ کو بہت فکر لاحق ہوئی اور تب سے آپؓ اپنے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مرزا مظفر احمد (میاں ایم ایم احمد) صاحب کا انتظار فرمانے

لگےاور بار بار دریافت فرماتے کہ ’’مظفر احمد آئے؟‘‘ اور جب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب تشریف لے آئے تو آپؓ نے کچھ سکون محسوس کیا‘‘۔(مکتوبات نسیم)

خاکسار پر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے بہت سے احسانات ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی والدہ محترمہ اور خاکسار کی مونہہ بولی والدہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں اپنے دست مبارک سے ایک بہت ہی پیارا مضمون ’’ہماری والدہ‘‘ تحریر فرمایا تو اسے کسی اخبار یا رسالہ میں چھپوانے سے قبل از راہ شفقت خاکسار کو بھی بھجوایا۔ خاکسار کو یاد ہے کہ مجھے آپ کا وہ مضمون ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو موصول ہوا تھا لیکن ان دنوں میری یہ زیر تحریر کتاب ’’انوار بشیرؓ ‘‘ چونکہ ابھی نامکمل تھی لہذا یہ مضمون ایک سال کے لمبے انتظار کے بعد الفضل ربوہ میں ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو بعنوان ’’حضرت سرور سلطان صاحبہؓ ‘‘ شائع کروادیا گیا۔ یہ آنجناب کی ذرہ نوازی ہی تو تھی کہ آپ نے مجھ ناچیز کو بھی اس قابل جانا کہ اس پیارے مضمون کو شائع کروانے سے بھی ایک سال قبل از راہ شفقت ارسال فرمایا۔ دنیا میں یہ مقولہ یونہی تو مشہور نہیں کہ:۔

’’بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں‘‘

اور درحقیقت میں نے ان تمام عظیم الشان خوبیوں کو آپ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اُتم موجود پایا جو کہ آپ نے اپنے معزز و محترم آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائی تھیں۔ آپ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی محبت میں غرق ہو کر جماعت کے بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے اپنی ایک خواہش کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:۔

’’نبی کریم ﷺ کا یہ قول ان کے سب اقوال کی طرح بڑا سچا اور گہرا ہے کہ ’’جنت ماں کے قدموں کے تلے ہے‘‘۔ جہاں ایک طرف ماں کی بچوں کی تربیت کی اہمیت پر تاکید کرتا ہے وہاں ایک اور رنگ میں بچوں پر ماں باپ کی خدمت اور ان کی دعاؤں سے فیض یاب ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑا حجاب ہے لیکن **انما الاعمال بالنیات** کے سہارے اور اس خواہش میں کہ شائید میری یہ بات کسی لاپرواہ بچے میں ماں باپ کی خدمت کے جذبہ کو ابھارے لکھ رہا ہوں۔ انگلستان سے ۱۹۳۹ء میں واپسی پر جب میں نے ملازمت شروع کی تو اس وقت سے لے کر ۱۹۷۰ء یعنی امّاںؓ کی وفات تک مجھے ایک ماہ بھی ایسا یاد نہیں کہ جس میں میں نے امّاںؓ کی کوئی نہ کوئی خدمت کسی رنگ میں نہ کی ہو لیکن باوجود اللہ کے اس احسان کے اگر کوئی میرے دل کو ٹٹولے تو بعض مرتبہ اس میں حسرت کا پہلو غالب نظر آتا ہے اور حسرت سے کہہ اٹھتا ہوں کہ کاش! میں یہ خدمت بھی کرسکتا اور کاش! میں یوں بھی خدمت کرسکتا۔ امّاںؓ نے لمبی بیماری برسوں بستر پر کولہے کی ہڈی کے ٹوٹ جانے سے اور دیگر عوارض میں بھی بڑے صبر سے بغیر کسی شکوہ یا شکایت کے کاٹی۔ بعد میں جب ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا اور کسی معذور کو۔ WHEEL CHAIR ۔ پر بیٹھے گھومتے پھرتے دیکھتا تو دل چاہتا کہ کیوں نہ امّاںؓ کے لئے اس سہولت کو مہیا کیا؟ تا کم از کم گھر میں ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ یا صحن میں تو جا سکتیں۔

ماں کا وجود خدائے رحیم و رحمٰن کے فیض کا مظہر ہے اور میرے نزدیک ماں قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار ہے۔ بچے کی پیدائش پر اس کے پہلے سانس سے اس کی وفات پر آخری سانس تک وہ اس کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتی ہے۔ اپنی راتوں کی نیند اس کی تیمارداری اور اس کے سکون کے لئے قربان کرتی ہے۔ بغیر کسی معاوضہ یا اس کی توقع کے۔ بچے سے لاپرواہی بھی ہوتی ہے لیکن اس کی محبت اور خدمت کا دریا اسی پہلی سی تیز رفتاری کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی دولت ڈھونڈے سے بھی ایسی خدمت کسی قیمت پر خرید نہیں سکتی۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ماں قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار ہے شاید اس لئے قدرت کا ہر حسین ترین منظر مجھے اپنی ماں کی یاد دلاتا ہے‘‘۔(مکتوبات نسیم + الفضل ربوہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۴ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے اس بیان سے یاد آیا کہ حضرت سیدہ اماں ام مظفر احمد صاحبہؓ کی حیات مبارکہ میں ہی میں وہیل چیئر کا خیال میرے بھی ذہن میں آیا تھا لیکن افسوس کہ میں کسی سے اس کا اظہار نہ کرسکا۔ اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ہاں حضرت میاں مظفر احمد صاحب واقعی اپنے معزز و محترم والدین کے بہت خدمت گذار تھے۔ آپ کے جلیل القدر والد محترم حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ہمیشہ آپ کے قول وفعل اور کردار کی تعریف فرمائی۔ مثالیں تو ہزاروں ہیں لیکن اختصار کی خاطر میں یہاں صرف ایک ہی کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ حضرت قمر الانبیاءؓ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحبؓ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

''۔۔۔اب میری ساری اولاد خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہے۔ سوائے میرے بڑے لڑکے عزیز مظفر احمد کے جو سب سے زیادہ خدمت گزار اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی عزیزہ امتہ القیوم سلمہا (نواسی حضرت خلیفہ اولؓ) کے ساتھ شادی شدہ ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے فضل خاص سے اولاد سے نوازے۔ یہ بہت سعید اور دیندار اور خدمت گزار بچہ ہے۔ اس لئے اس کے ابھی تک اولاد نہ ہونے کا مجھے بہت احساس اور قلق ہے۔ اس کے لئے ضرور خاص توجہ سے دعا فرمائیں۔ آپ کو اس کے متعلق بشارت بھی ہوئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس بشارت کو قریب تر لائے اور میری ساری اولاد پر فضل و رحمت کا سایہ رکھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سچا وارث بنائے اور جماعت کی بہترین اور مقبول خدمت کی توفیق دے۔ میں آپ کے لئے آپ کی اولاد اور اہل خانہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب پر فضل و رحمت کا سایہ رکھے۔ آمین۔ (اقتباس از خط ۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء)۔ (الفضل ربوہ ۔ خاص نمبر ۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۳)

حضرت میاں مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب کی امانت و دیانت کا ایک چھوٹا سا واقعہ یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ہونے کی وجہ سے حضرت میاں مظفر احمد صاحب کا درجہ پاکستان کی مرکزی حکومت کے تمام وزرا کے برابر تھا اس لئے آپ کو بھی حکومت کی جانب سے دفتری استعمال کے لئے ایک موٹر کار ملی ہوئی تھی۔ میں اُس زمانہ اور اِس زمانہ کے بھی بہت سے ایسے افسران کو ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ جنہوں نے بے دریغ حکومتی گاڑیاں استعمال کیں۔ کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم نے کبھی حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو وہ حکومتی گاڑی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی حب الوطنی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی صرف دکھاوے کے لئے بڑی بڑی اور مہنگی موٹر کاریں مثلاً شیورلیٹ امپالہ وغیرہ نہیں خریدیں حالانکہ آپ ایسا کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے دوست مکرم چوہدری شاہ نواز صاحب سے جو کہ پاکستان میں جرمن مرسڈیز کمپنی کے ڈیلر تھے ایک چھوٹی سی مرسڈیز یعنی MERCEDES 200 خریدی تو وہ آپ کے ڈرائیور صاحب کی نگرانی اور حفاظت کے باوجود چند ماہ کے اندر اندر ہی راولپنڈی میں چوری ہوگئی تو اس کے بعد آپ نے پھر اسی طرح کی فاکس ویگن VOLKSWAGEN کار دوبارہ خرید لی جو کہ آپ مرسڈیز خریدنے سے پہلے استعمال کیا کرتے تھے۔ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے ذکر خیر سے یاد آیا کہ جب میری یہ زیر تحریر کتاب مکمل ہوگئی تو میں اسے لے کر خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز و محترم افراد کو دکھانے کے لئے مارچ ۲۰۰۱ء میں امریکہ حاضر ہوا تا کہ آپ سب کی ذاتی ہدایات کی روشنی میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں تو اس سفر کی تکمیل میں مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب اور مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب نیز مکرم صاحبزادہ سید ہارون مکرم احمد (مُنّو میاں) صاحب اور آپ کے گھرانوں کے جملہ افراد نے میرا بہت ساتھ دیا اور ان ایام میں مجھ ناچیز کی خاطر دن رات اپنے آرام و آسائش کو بھی تج کر دیا۔ امریکہ میں مقیم تمام خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ حقیر عاجز کی بہت پذیرائی کی اور اپنی انتہائی قیمتی آراء سے نوازا کہ جن کی بدولت اس کتاب کا رنگ اور بھی نکھر گیا اور میری خوش قسمتی کہ ان پاکیزہ نصائح کے حصول کے ساتھ ساتھ مجھے خاندان مبارکہ کے معزز و محترم گھرانوں کا بابرکت تبرک بھی کھانے کی سعادت نصیب

ہوئی اور یہ سعادت ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی - فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِک

مجھے یاد ہے کہ ایک دن جب ہم سب حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے ڈرائینگ روم میں بیٹھے خاکسار کی اس کتاب ''انوارِ بشیرؓ'' اور مزید دیگر گھریلو معاملات پر گفت وشنید کر رہے تھے تو اسی دوران حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب خاموشی سے اٹھ کر گھر میں اوپر کی منزل پر تشریف لے گئے اور صرف مجھے دکھانے کے لئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ایک بہت بڑی قد آور تصویر اٹھائے بڑی مشکل سے نیچے اترے اور پھر وہ مجھے تھماتے ہوئے اپنی نقاہت کے باعث ہانپتے ہوئے گھر کی اندرونی سیڑھیوں کے پاس ہی رکھی ہوئی کرسی پر تشریف فرما ہو گئے - میں نے جب اپنی جان سے بھی پیاری سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وہ خوبصورت تصویر دیکھی تو فرط محبت سے بے اختیار میری دبی دبی چیخیں نکل گئیں اور میں نے اس رنگین تصویر کو انتہائی پیار اور فرط عقیدت سے اپنے سینے سے لگا لیا - یہ منظر دیکھ کر وہاں موجود تمام اہل خانہ اور مہمانوں کی آنکھیں بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی محبت بھری یاد میں اس عاجز کی طرح نمناک ہو گئیں اور اس دلگداز منظر کو دیکھ کر سب کی سسکیاں نکل گئیں - اس واقعہ کے چند یوم کے بعد خاکسار کو واشنگٹن ورجینیا سے میرا مار فلوریڈا حضرت صاحبزادہ سید محمد احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی امتہ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو حضرت صاحبزادی بی بی طیفی صاحبہ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وہی تصویر خاکسار کو عنایت فرماتے ہوئے نہایت شفقت سے فرمایا کہ میں نے ہی یہ تصویر بھائی جان (حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب - ناقل) کو دی تھی اور ایک تمہارے لئے بھی بنوا کر رکھی ہوئی تھی اور پھر میری منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی ایک رنگین کاپی بیدی کو بھی دے دینا - یہ سن کر مجھے اتنی خوشی و مسرت ہوئی کہ جس کا اظہار الفاظ کی صورت میں بالکل ناممکن ہے لہذا شکریہ کے ساتھ ساتھ میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کے لئے صرف یہی دعا نکلتی ہے اور بار بار نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسی معزز محترم بزرگ ہستیوں کی عمر دراز فرمائے اور دین و دنیا کی مزید ترقیات نصیب ہوں - آمین

خاکسار کی خوش نصیبی کہ وہیں ''میرامار'' میں میری ملاقات حضرت قمر الانبیاءؓ اور حضرت سیدہ اماں ام مظفر احمد صاحبہؓ کے نواسہ مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب اور آپ کی زوجہ محترمہ صاحبزادی شمیم بیگم صاحبہ بھی ہوگئی کہ جنہوں نے ازراہ شفقت ام المؤمنین حضرت اماں جان نصرت جہان بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتی جائے نماز مجھ عاجز، عاصی اور پُر تقصیر انسان کو نماز پڑھنے کے لئے عطا فرمائی اور اس طرح خاکسار کو انتہائی خوش قسمتی سے حضرت اماں جانؓ کی بابرکت جائے نماز پر نمازیں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور ان نمازوں کی ادائیگی کے دوران خاکسار کو آنحضرت ﷺ - حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اماں جانؓ نیز آپؓ کے معزز و محترم تمام خاندان مبارکہ پر بکثرت درود و سلام بھیجنے کی سعادت ملتی رہی اور درحقیقت اس دن مجھے ''جائے نماز'' کا درست مطلب سمجھ میں آیا ورنہ تب تک گھر میں جائے نماز موجود ہونے کے باوجود بھی میں جائے نماز پر نمازیں پڑھنے کے سوا درحقیقت جائے نماز کے اصل مطلب اور معنی سے قطعاً غافل تھا - یہ تمام واقعات ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک ہیں کہ میں انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا لہذا ان تمام بزرگوں کی شفقت اور عنایات کے شکریہ کے طور پر یہ تمام واقعات آپ کی خدمت میں بھی پیش کر رہا ہوں تا کہ احباب جماعت کو یہ علم ہو جائے کہ خاندان مبارکہ کے معزز و محترم افراد اپنے غلاموں پر کس قدر شفقت بھری عنایات فرماتے رہتے ہیں - یہاں مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے اخلاق حسنہ کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ گذشتہ سال ۲۰۰۱ء میں کئی مرتبہ خاکسار کو آپ کے یہاں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو کھانے کے اوقات میں مختلف اشیائے خورد و نوش کے لئے میں نہایت عقیدت سے حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی خدمت میں یہ مؤدبانہ درخواست پیش کر دیتا کہ میں نے تو آپ کے ہاتھ سے ہی یہ تبرک

لینا ہے اور حضرت میاں مظفر احمد صاحب بھی نہایت ہی شفقت سے مسکراتے ہوئے میری پلیٹ یا رکابی میں وہ مطلوبہ تبرک ڈال کر عنایت فرما دیتے بلکہ جب بھی آپ کچھ عنایت فرماتے تو میرے اندازہ سے کچھ زیادہ ہی مرحمت فرماتے اور یوں ان لذیز اشیاء کا مزہ دوبالہ ہو جاتا بلکہ میرے موٹاپے کو دیکھتے ہوئے ایک خاص قسم کی بالائی (ملائی) بھی جیلی پر ڈال کر مرحمت فرمائی کہ یہ بہت ہی عمدہ چیز ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت اچھا ہے اور اس کے کھانے سے موٹاپا ہو جانے کا خطرہ بھی نہیں اس لئے میں یہی استعمال کرتا ہوں اب تم بھی کھا کر بتاؤ کہ اس کا TASTE ٹیسٹ (ذائقہ۔مزہ) کیسا ہے۔ الغرض جو چیز عنایت فرماتے اس کی خصوصیات بھی بیان فرماتے۔

حضرت صاحبزادہ ناصر احمد سیال صاحب اور حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب کی لمبی بیماری کے دوران خاکسار کو خطوط، فیکسز FAXES اور ای میلز E-MAILS کے ساتھ ساتھ کم وبیش ہر ہفتہ میں ایک دو بار فون کر کے طبیعت پوچھنے کی سعادت ملی۔ اس لئے آپ دونوں بزرگوں کی جان لیوا بیماری کی تمام تفصیلات میرے سامنے ایک فلم کی طرح گزر رہی ہیں لیکن میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا کیونکہ میرا یہ مضمون میرے اندازہ کی نسبت کچھ زیادہ ہی لمبا ہوتا جا رہا ہے لیکن یہ بتائے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ آپ کی وفات سے پہلے چھ ماہ کے عرصہ میں بیماری نے کئی بار ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی کہ اٹھنا بیٹھنا تو درکنار بولنے کی بھی ہمت نہ رہی جس کی بنا پر آپ کو کئی مرتبہ ہسپتال میں داخل کیا جاتا رہا لیکن آپ چند یوم وہاں گذار کر اپنی مظبوط قوت ارادی کی بدولت پھر گھر واپس تشریف لے آتے رہے۔ ان ایام میں جب ہم سنتے کہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب ایک مرتبہ پھر ہسپتال چلے گئے ہیں تو دل مغموم ہو جاتے لیکن چند روز کے بعد جب یہ سنتے کہ آپ پھر دوبارہ صحت یاب ہو کر گھر واپس تشریف لے آئے ہیں تو ہمارے دم میں دم آتا اور اسی آنے جانے کی کشمکش میں ہمہ وقت آپ کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے دعا گو ہی رہے۔ پچھلے دو برس کے دوران مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد احمد (بتو میاں) صاحب نے جس طرح دن رات ایک کر کے اپنے ان دونوں بزرگوں کی دن رات گھر میں اور پھر ہسپتال میں بے انتہا خدمت کی ہے وہ ہم سب کے لئے انتہائی قابل تقلید نمونہ ہے کیونکہ تیمارداری کوئی آسان کام نہیں کہ مریضوں کو اپنے دفتری کام کے ساتھ ساتھ صبح شام ڈاکٹروں کے پاس لے جانا واپس لانا ہسپتال میں پہروں ان مریضوں کے پاس رہنا ایک بہت بڑے دل گردے کا کام ہے اور نہ صرف یہ کہ ان کی ہر قسم کی ضروریات کا خیال رکھا بلکہ اپنے ہاتھ سے کھانا بھی کھلاتے رہے۔ یہ تمام حالات سن کر ہی ایک انسان کانپ اٹھتا ہے لیکن صد آفرین! کہ مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد صاحب نے بہت محبت سے یہ تمام خدمات آخری وقت تک بنفس نفیس خود سرانجام دیں۔ مجھے اپنے اس معزز اور پیارے دوست پر رشک آتا ہے اور اس کی دوستی پر ناز ہے۔

مؤرخہ ۳۱ رمئی ۲۰۰۲ء کو نہ جانے کیوں میں جرمن وقت کے مطابق بعد دوپہر تقریباً پونے پانچ بجے اور واشنگٹن وقت کے مطابق قبل از دوپہر تقریباً پونے گیارہ بجے سے ہی حضرت میاں صاحب کے لئے دعاؤں میں مصروف تھا۔ اس دن میں نے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؒ کی ایک نایاب تصویر ڈھونڈی۔ اسی طرح حضرت ام مظفر احمد صاحبہؒ کے ایک مفلر کی تصویر بھی کمپیوٹر کے SCANNER پر رکھ کر تیار کی۔ یہ مفلر حضرت میاں مظفر احمد صاحب سن ۶۰ ء کی دہائی میں انگلینڈ سے تحفۃً اپنی والدہ صاحبہ محترمہ کے لئے لائے تھے اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ نے ایک دو مرتبہ استعمال کرنے کے بعد از راہ شفقت مجھ خاکسار کو از راہ تبرک عنایت فرمایا تھا اور ان دنوں یعنی مئی ۲۰۰۲ء میں میری اپنی بیماری کے باعث چند مہینوں سے یہ مفلر میرے گلے کی زینت بنا ہؤا تھا۔ بہر حال اس مفلر کی تصویر بھی تیار کی تا کہ شائید یہ تصاویر دیکھ کر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو کچھ تقویت پہنچے اور خیال تھا کہ بذریعہ انٹرنیٹ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو اس دن شام کو بھجوا دوں گا لیکن اس کا موقعہ ہی نہیں ملا اور میرے فون کرنے سے قبل ہی حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الجمیل بیگم صاحبہ دختر نیک اختر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی تشویش ناک صورت حال سے گھبرا کر ازراہ شفقت بنفس نفیس خود امریکہ سے بذریعہ فون اس عاجز کو مطلع فرماتے ہوئے تاکید فرمائی کہ بھائی جان (حضرت میاں مظفر احمد صاحب- ناقل) کی معجزانہ صحت یابی کے لئے مزید گڑگڑا کر دعا کی جائے اور یہ بھی فرمایا کہ بتو (مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد صاحب- ناقل) حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی تشویش ناک صورت حال کے باعث ایمبولینس کا انتظار کرنے کی بجائے خود ہی حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو اپنی گود میں اٹھا کر مشکل سے اوپر کی منزل سے نیچے اترا اور پھر اپنی کار میں لٹا کر فوراً ہسپتال چلا گیا- حضرت بی بی امتہ الجمیل صاحبہ نے فون پر مزید یہ بھی فرمایا کہ ''بتو نے کبھی بھی ہسپتال سے فون کر کے دعا کرنے کے لئے نہیں کہا لیکن اس وقت وہ بھی گھبرا کر سب کو دعا کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اس لئے بیٹا! تم بھی دعا کرو''- اس ارشاد کو سن کر ہم سب حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے لئے خصوصی دعاؤں میں مصروف ہو گئے-

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے بارہ میں مجھے کئی مرتبہ مختلف خوابیں آئیں لیکن میں ان میں سے اپنی ایک خواب کا ذکر کئے بنا نہیں رہ سکتا جو کہ خاکسار نے حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ تمام خاندان مبارکہ کے معزز احباب کو مؤرخہ ۱۴؍مئی ۲۰۰۲ء کو بذریعہ ای میل اور فیکس دعا کی غرض سے تحریر کی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن بروز ہفتہ صبح صبح مجھے ایک خواب آئی- اس رؤیا میں میں نے دیکھا کہ:-

'' اغلباً میں کسی سفر سے گھر (البشریٰ ربوہ پاکستان) واپس آیا ہوں اور گیلری میں سے ہوتے ہوئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں سے گزر کر اپنے کمرہ متصل کمرہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ میں جانا چاہتا ہوں لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں کچھ ڈاکٹر اور نرسیں جمع ہیں اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو ورزش کروائی جا رہی ہے لہٰذا میں نے اس کمرہ میں سے گزرنے کی بجائے حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہؒ کے کمرہ میں سے گزر کر اپنے کمرہ میں جانے کا سوچا لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ اس کمرہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب ایک ہسپتال والے بیڈ پر شمال مغرب کی جانب سر کئے ہوئے لیٹے ہیں اور بلڈ پریشر کے دباؤ کے کم ہو جانے کی وجہ سے آپ کا بیڈ سر کی جانب کچھ نیچا کیا ہوا ہے اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہؒ اور گھر کی کچھ دوسری مستورات حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی خدمت کر رہی ہیں-

اسی دوران منظر بدل جاتا ہے اور میں حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے بیڈ کو سیدھا یعنی ہموار دیکھتا ہوں لیکن حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے جسم پر ایک ہلکے سبز رنگ کی چادر پڑی ہوئی ہے کہ جسے شائید میری والدہ صاحبہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے جسم کے ساتھ ساتھ چہرہ پر بھی ڈال دیتی ہیں- یہ دیکھ کر مجھے شبہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں حضرت میاں مظفر احمد صاحب انتقال تو نہیں فرما گئے؟ جس پر میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ نے یہ چادر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے چہرہ پر ڈالی ہے؟ تو انہوں نے مجھے کہا کہ نہیں! یہ چادر حضرت میاں مظفر احمد صاحب نے خود اوڑھ لی ہے لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ کوئی بات چھپا رہی ہیں تا کہ مجھے رنج نہ ہو- یہ سُن کر میں البشریٰ کے زنانہ صحن میں پڑی ہوئی ایک چارپائی پر جا بیٹھا کہ اسی دوران میری والدہ صاحبہ نے میرے قریب آ کر مجھے فرمایا کہ جاؤ! اور ماجد (مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب) کو اپنے ساتھ لے جا کر مسجد مبارک ربوہ میں عشاء کی نماز سے پہلے یہ اعلان کروا دو کہ پہلے تو صرف سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ہی بیمار تھیں لیکن اب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھی سخت بیمار پڑ گئے ہیں لہٰذا احباب جماعت درددل کے ساتھ ان کی صحت یابی کے لئے دعا کریں- میں ابھی یہ اعلان لکھنے کے لئے اپنے ہینڈ بیگ میں سے کسی خالی کاغذ کی تلاش میں ہی ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کسی تحریری درخواست کے بغیر اعلان کروانا

ناممکن ہے اور ابھی مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب کو بھی دارالایمن یعنی البشریٰ سے متصل قریبی مکان سے اپنے ساتھ لینا ہے کہ میری آنکھ کھل گئی''۔

خوابوں کی تعبیر بتانے والوں سے سنا تھا کہ اگر کسی کو خواب میں فوت شدہ دیکھیں تو اس شخص کی زندگی بڑھ جاتی ہے لہٰذا میں بیدار ہوتے ہی آپ کی مکمل صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے دعاؤں میں مشغول ہو گیا لیکن تقدیر الٰہی کو کون بدل سکتا ہے؟ یہ بات بھی یقیناً حضرت میاں مظفر احمد صاحب کا خدا تعالیٰ کا ایک مقبول اور مقرب بندہ ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ خاکسار کی طرح نہ جانے جماعت عالیہ احمدیہ کے کتنے دیگر مخلص احباب کو آپ کے بارہ میں مختلف خوابیں آئیں تا کہ وہ خدائی اشارہ پا کر آپ کے لئے پہلے سے زیادہ بڑھ کر دعائیں کر سکیں۔ بہر حال اس خواب کی تفصیل کو بذریعہ انٹرنیٹ اور فیکس سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں روانہ کرنے کے بعد میں نے مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد (بتو میاں) صاحب کو فون بھی کیا۔ وہ اس وقت حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو دوپہر کا کھانا کھلا رہے تھے لہٰذا میں نے تفصیل میں جانے کی بجائے ان سے دریافت کیا کہ انہیں میری اس خواب والا خط بذریعہ فیکس مل گیا ہے؟ تو انہوں نے ہاں میں جواب دیا کہ جس پر میں نے ان سے درخواست کی کہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کو میرا سلام عرض کر دیں کہ جس پر حضرت میاں مظفر احمد صاحب نے بھی اشارہ سے مجھے سلام بھجوایا ۔اس کے بعد میں نے خدا حافظ کہتے ہوئے فوراً فون کو بند کر دیا تا کہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب تسلی سے کھانا کھا لیں۔ کھانا کھلانے کے اس واقعہ سے یہاں مجھے یاد آیا کہ ایک دن حضرت صاحبزادی بی بی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ سے اسی طرح کی گھریلو باتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو مجھے یاد آیا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی لمبی بیماری کے ایام میں جو کئی برسوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس بیماری کے دوران آپؓ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے یا اٹھنے بیٹھنے یا چلنے پھرنے کے لئے معذور نہ تھیں بلکہ صرف حفظ ماتقدم کے طور پر سہارا لے کر اِدھر اُدھر آیا جایا کرتی تھیں لیکن بعض اوقات آپؓ کی بیماری کی شدت کے دوران انتہائی کمزوری کی بنا پر خاکسار کی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو کھانا کھلانے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس لمبے عرصہ کے دوران خوش قسمتی سے خاکسار کو بھی آپؓ کو عموماً کٹورے سے پانی یا شربت وغیرہ پلانے کی اور کبھی کبھی کھانا کھلانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور عموماً سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ کے حکم پر کئی مرتبہ پہلے خود بھی کھانے کو اسی چمچ سے چکھنا بھی پڑتا تھا کہ کھانا کہیں خدانخواستہ زیادہ گرم تو نہیں کہ جس کی وجہ سے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اس عاجز کے کھانا چکھ لینے اور اس یقین دہانی پر کہ کھانا زیادہ گرم نہیں ہے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ از راہ شفقت اسی چمچ سے کھانا کھانے کو پسند فرماتیں اور کبھی کسی دوسرے چمچ کے لئے نہیں فرمایا لیکن میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ ہمیشہ اپنے لئے علیحدہ ایک دوسرے چمچ کا انتظام رکھتیں کہ ہماری اس جان سے پیاری ہستی کو بُھولے سے بھی میرا (والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کا ۔ناقل) جوٹھا کھانا نہ کھانا پڑے البتہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا بچا ہوا کھانا تبرک کے طور پر بڑے شوق سے تناول فرماتیں۔ افسوس! صد افسوس! کہ ان دونوں معزز بزرگوں کی وفات کے بعد آقا اور خادم کے درمیان اس قسم کی انتہائی گہری محبت کا تعلق اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔

مؤرخہ ۲۲؍جولائی کی رات واشنگٹن امریکہ کے وقت کے مطابق رات تقریباً نو۔دس بجے 21:00-22:00 کے درمیان اور جرمن وقت کے مطابق ۲۳؍جولائی کی صبح صبح تین چار بجے 03:00-04:00 کے دوران نہ جانے کیوں اچانک دل کو حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی وجہ سے کچھ بے چینی سی ہوئی اس لئے میں نے گھبرا کر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے یہاں فون کیا لیکن اس وقت شاید سب احباب حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی مزاج پُرسی کے لئے ہسپتال تشریف لے جا چکے تھے لہٰذا میں نے واشنگٹن امریکہ کے قریب رہائش پذیر اپنے دوست مکرم صاحبزادہ

مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کو یہاں سے فون کیا اوران سے بھی اپنی بے چینی کا اظہار کیا اوراس کے بعد حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے لئے دعا کرتا ہؤا سونے چلا گیا لیکن خدا جانتا ہے کہ کافی دیر تک مجھے نیند نہ آئی کہ جس کی بدولت مجھے دعا کرنے کا مزید موقعہ ملا لیکن تقریباً دو گھنٹہ کے اندر اندر ہی مؤرخہ ۲۳ر جولائی کی صبح صبح جرمنی کے مقامی وقت کے مطابق 05:57 صبح پانچ بج کر ستاون منٹ پر اور واشنگٹن امریکہ کے وقت کے مطابق ۲۲ر جولائی کی رات گیارہ بج کر ستاون منٹ 23:57 پر آپ کے بھانجے مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب مقیم امریکہ نے ازراہ شفقت خاکسار کو حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات کی غمناک اطلاع دی کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب میرا فون ملنے کے چند لمحات کے بعد واشنگٹن امریکہ کے مقامی وقت کے مطابق شام دس ساڑھے دس بجے کے قریب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنَّـآ اِلَیْـهِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)

جب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات اور پھر تدفین کی تفصیلات مؤصول ہوئیں تو میں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا کہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب واقعی مؤرخہ ۴ر مئی کو مجھے نظر آنے والی خواب کے عین مطابق واشنگٹن امریکہ میں نماز مغرب وعشاء کے اوقات کے عین مطابق رات ۲۲۰۰-۲۳۰۰ بجے یعنی رات دس-گیارہ بجے کے درمیان یعنی نماز عشا سے کچھ دیر قبل انتقال فرما گئے نیز اسی طرح مسجد بیت الرحمٰن میری لینڈ امریکہ میں آپ کی نماز جنازہ مغرب اور عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کی گئی- یہاں یہ بات بھی انتہائی قابل ذکر ہے کہ دنیا کے شمالی کرہ کے انتہائی شمالی ممالک مثلاً جرمنی-برطانیہ-اور کینیڈا اور شمالی امریکہ میں گرمیوں کے موسم میں اور خصوصاً ماہ جولائی کے ایام میں سورج شام کو ۲۱۰۰-۲۲۰۰ بجے کے قریب غروب ہوتا ہے یعنی اس وقت ان ممالک میں نماز مغرب کا وقت ہوتا ہے اوراس کے بعد یعنی ۲۲۰۰-۲۴۰۰ بجے تک نماز مغرب و عشا کا وقت ہوتا ہے- پھر میں نے حضرت میاں مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحبؓ کو اپنی خواب میں ربوہ میں دیکھا تھا اور آپ واقعی بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہی مدفون ہوئے حالانکہ آپ امریکہ یا قادیان یا کہیں اور بھی مدفون ہو سکتے تھے-اسی طرح میں نے آپ کی میت کو البشریٰ ربوہ میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ کے جنوبی جانب حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ کے کمرہ میں دیکھا تھا اوراگر غور سے دیکھا جائے تو بہشتی مقبرہ ربوہ میں بھی آپ کے جسد فانی کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے مزار مبارک کے قدموں میں جنوب کی سمت جگہ ملی-جن احباب نے کوٹھی البشریٰ کو اندر یا باہر سے دیکھا ہؤا ہے وہ حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحب کے کمرہ کے محل وقوع کو دیکھ کر بخوبی جان سکتے ہیں کہ یہ کمرہ بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ کے جنوبی جانب ہی واقع ہے نیز ایک ہسپتال والے بیڈ پر فوت شدہ دیکھا تھا اور واقعی آپ نے واشنگٹن کے ہسپتال کے ایک بیڈ پر ہی وفات پائی -اسی طرح مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب کی جنازہ میں شرکت بھی میری خواب کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح دنیا کے کسی دوسرے ملک میں بھی موجود ہو سکتے تھے جو کہ اس جنازہ میں شرکت نہ فرما سکے تھے-

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحبؓ کی وفات کے وقت حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ آپ کے پاس موجود تھیں بلکہ حضرت میاں مظفر احمد صاحبؓ کی علالت کے آخری ایام میں تو اپنی بیماری کو بھی بھول کر ہمہ وقت وہیں ہسپتال میں ہی تشریف فرما رہیں لیکن باقی گھر والے شام کو گھر واپس آجاتے تھے-اس وفات والے دن بھی گھر والے آپ کے انتقال سے قبل آپ سے مل کر ابھی گھر واپس آئے ہی تھے کہ چند منٹ کے بعد ان کے پیچھے پیچھے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب بھی میرا فون ملنے کے بعد گھبرا کر پہلے ہسپتال پہنچے اور پھر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی وفات کے بعد وہاں سے حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے یہاں آئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحبؓ

کے یہاں پہنچ کر ان کی وفات کی اطلاع دینے کی بجائے صرف یہ بتایا کہ ہسپتال واپس چلیں کیونکہ چچا جان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے لیکن جب ابھی آدھے راستہ ہی میں تھے تو تب فرطِ غم سے مزید برداشت نہ ہوسکا اور بتایا کہ چچا جان حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحبؒ وفات پا چکے ہیں -یہ خبر سنتے ہی سب کی چیخیں نکل گئیں اور سب شریک سفر آنسو بہانے لگے اور اس طرح آنسو بہاتے ہوئے قلوب حزیں کے ساتھ ہسپتال پہنچ کر حضرت میاں مظفر احمد صاحب کے چہرہ مبارک کا دیدار کیا-

مجھے یاد ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے فوراً بعد حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے اپنے انتہائی دکھ اور قلق کے باوجود احباب جماعت کی تسلی و تشفی کے لئے ایک سیر حاصل مضمون روزنامہ الفضل کے لئے تحریر فرمایا-آپ نے حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ میں سے چند چیدہ چیدہ واقعات کو جس محبت ،خلوص اور محنت سے ایک انتہائی مختصر عرصہ میں تحریر فرمایا اس کا اندازہ یہ پیارا مضمون پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے-حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے ازراہ مہربانی وشفقت خاکسار کو بھی اپنا وہ مضمون اس کتاب میں اشاعت کے لئے امریکہ سے بھجوایا-آپ تحریر فرماتے ہیں:-

''عزیزم مقصود نسیم ! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ-آپ کا خط ملا-جن جذبات کا آپ نے اظہار کیا ہے اس کے لئے میں ممنون ہوں---حضرت ابا جان کی وفات پر روزنامہ الفضل میں میرا بھی ایک مضمون شائع ہؤا تھا اس کی کاپی بھجوار ہا ہوں---ابا جان کی وفات کے بعد مکرم شیخ عبدالقادر صاحب نے ان کے سوانح پر کتاب لکھی تھی وہ ربوہ سے منگوالیں---والسلام- دستخط (مرزا مظفر احمد) ''-(مکتوبات نسیم -۱۰ردسمبر۱۹۹۳ء)

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ میری زیر تحریر کتاب کی منظوری کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ازراہ شفقت خاکسار کی مؤدبانہ درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اس کتاب کا مسودہ اور اس پر اپنے ذاتی نوٹس کا مجموعہ بروز جمعرات مؤرخہ ۲۳راگست ۲۰۰۱ء کو مبلغ جماعت احمدیہ امریکہ مکرم مولانا سید شمشاد احمد صاحب کے حوالے فرما کر اس مسودہ کو جرمنی بھجوانے کی تاکید فرمائی-جس پر عزیزم مکرم سید ممتاز احمد صاحب ابن مکرم مولانا سید شمشاد احمد صاحب واشنگٹن امریکہ سے یہ بھاری بھرکم مسودہ لے کر بروز جمعہ مؤرخہ ۲۴راگست ۲۰۰۱ء کو جرمنی کے سالانہ جلسہ گاہ منہائیم MANNHEIM میں واقع پریس کے دفتر میں تشریف لائے اور اسے خاکسار کے حوالہ کردیا کہ جسے خاکسار نے شکریہ کے ساتھ وصول کیا-یہ بھی ایک انتہائی عجیب حسن اتفاق ہے کہ اسی وقت مکرم عبدالسمیع نون صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا بھی وہیں تشریف فرما تو میں نے اپنے تعارف کے لئے وہی مسودہ اسی وقت ان کی خدمت میں بھی پیش کردیا کہ جس پر انہوں نے ازراہ شفقت پاکستان واپس پہنچ کر اس کتاب کے لئے مزید مضامین بھجوانے کا وعدہ فرمایا-ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:-

''عزیزم سُودے خان سلمہٗ-السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کے خط اور فیکس ملتے رہے ہیں لیکن کچھ عرصہ سے بی بی (حضرت صاحبزادی بی بی امتہ القیوم بیگم صاحبہ-ناقل) میں خود اور ناصر صاحب سیال سب بیمار رہے ہیں-ناصر صاحب کے تو دو بڑے اپریشن بھی ہوئے-جسے دو ماہ کا عرصہ گزرا ہے-اپنی دعاؤں میں ہم سب کو یاد رکھیں---مشنری شمشاد صاحب کے بیٹے جرمنی جارہے ہیں-ان کے ہاتھ آپ کی کتاب کا مسودہ بھجوار ہا ہوں اور جلدون ONE بھی-آپ کے قیام کے دوران جو حصے تصحیح طلب تھے وہ آپ کو بتلا تا رہا تھا اور کچھ کتاب میں بھی لکھ دئے تھے---سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز ضروری ہے-اس کا خیال رکھیں اور مسودات کی وصولی سے مطلع فرماویں-خاکسار-دستخط (مظفر احمد)''-(مکتوبات نسیم - ۲۴راگست ۲۰۰۱ء)

اپنے دشمن کے خلاف سخت الفاظات کے استعمال سے پرہیز کرنے کی تلقین کرنا یقیناً ایک ولی اللہ ہی کا کام ہے ورنہ کسی عام شخص کے لئے تو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پالینا تو شائید ممکن ہو لیکن اپنی زبان پر قابو رکھنا ایک بہت ہی مشکل امر ہے۔اس سلسلہ میں مکرم محمد صدیق صاحب گورداسپوری بیان کرتے ہیں کہ جب ۱۹۷۴ء کے فسادات کے دوران:-

'' جماعت احمدیہ کے خلاف ہنگامے ہو رہے تھے، احمدیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے تھے، جائیدادیں تباہ کی جارہی تھیں، لوٹی جارہی تھیں بلکہ بعض احمدیوں کو راہ مولیٰ میں قربان بھی کیا گیا تھا تو ایسے حالات میں جماعت امریکہ کی طرف سے اقوام متحدہ .U.N.O کے انسانی حقوق کے ادارہ HUMAN RIGHTS COMMISSION کو میمورنڈم بھجوانا تھا۔امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور پاکستانی ہائی کمشنر سے رابطہ پیدا کر کے حالات کی وضاحت کرنا تھی۔تب حضرت صاحبزادہ صاحب (ایم۔ایم۔احمد صاحب۔ناقل) نے ان حالات میں ہر قدم پر ہماری راہنمائی فرمائی اور اپنی فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے مفید اور دوررس نتائج کے حامل مشوروں سے نوازتے رہے---آپ پاکستان سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔اسی وجہ سے آپ نے آخری وقت تک اپنی پاکستانی قومیت ختم نہیں کی تھی لہذا آپ احتجاجی خطوط یا میمورنڈم وغیرہ میں کوئی ایسا فقرہ برداشت نہ کرتے تھے کہ جس سے پاکستان کے وقار یا ساکھ پر کوئی زد پڑتی ہو اور پاکستان کے خلاف کوئی بات لکھنے سے روک دیتے تھے۔انہی دنوں میں نے جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے کہ جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بیرونی ممالک میں اپنا نمائندہ مقرر فرمایا تھا ہدایات لیں تو تب بھی آپ نے یہی فرمایا کہ دیکھیں احتجاج ضرور کریں لیکن پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی۔پاکستان سے کیسی عقیدت اور محبت تھی ان بزرگوں کو۔اس وقت اقوام متحدہ میں ہندوستان کے نمائندہ ڈاکٹر سید برکات احمد صاحب تھے۔انہوں نے ایک میمورنڈم میں پاکستان کے بارہ میں کچھ سخت الفاظ استعمال کئے۔جب یہ میمورنڈم حضرت میاں صاحب کی خدمت میں مشورہ کے لئے پیش کیا گیا تو آپ نے اسے پسند نہ کیا اور فرمایا کہ اس میں سے ایسے الفاظ نکال دئے جائیں کہ جن سے کسی رنگ میں بھی پاکستان کی عزت اور وقار پر زد پڑتی ہے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا''۔(النور امریکہ۔اشاعت خصوصی جون۔جولائی ۲۰۰۳ء۔صفحہ ۱۷۔۱۸)

افسوس کہ اتنی زیادہ عمدہ اور اعلیٰ ترین خوبیوں کا حامل یہ عظیم الشان شخصیت اب ہم میں موجود نہیں۔بہرحال حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب کا میں ذاتی طور پر بے حد مشکور وممنون ہوں اور ہمیشہ رہوں گا کہ آپ نے اپنے بڑھاپے کی ناتوانی اور اپنی بیماری کی کمزوری کے باوجود بھی نہایت شفقت اور محبت اور خلوص سے بھرپور نہایت اعلیٰ درجہ کی قیمتی آراء سے خاکسار کی اول تا آخر دم قدم راہنمائی فرمائی۔اپنی انمول نصائح کے ساتھ ساتھ بہت شوق سے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور بار بار سخت الفاظات کے استعمال سے پرہیز کی نصیحت بھی فرماتے رہے۔اپنے ایک اور مکتوب میں آپ نے از راہ شفقت تحریر فرمایا:-

''عزیزم سُودے خاں صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔امید ہے کہ آپ ہر طرح خیریت سے ہوں گے۔آپ کا خط مجھے مل گیا ہے---میں آپ کو دو صفحات اور بھی ارسال کر رہا ہوں جس میں میں نے کچھ اور تجاویز برائے تصحیح مناسب سمجھی ہیں جس پر آپ غور کر لیں۔ان دو صفحات کے علاوہ بعد میں میں نے مسودہ پر ساتھ ساتھ کچھ نوٹ لکھے تھے جو مختصر اور اشارۃً تھے تا بعد میں وہ یاد رہیں اور ان کی مزید وضاحت کی جا سکے۔جو مسودہ آپ کو بھجوایا گیا ہے اس میں کہیں کہیں آپ کو یہ تصحیح مل جائے گی---اللہ تعالیٰ آپ کو اس بابرکت کام کی احسن جزا دے اور اپنے خاص فضلوں سے نوازے۔آمین۔والسلام۔خاکسار۔دستخط (مرزا مظفر احمد) ''۔(مکتوبات نسیم۔۲۱ ستمبر ۲۰۰۱ء)

اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں نہایت ہی

شفقت بھرے انداز میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:-

''عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب ۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کی خواہش کے مطابق میں نے ایک مختصر سا نوٹ آپ کی کتاب کے بارے میں لکھا ہے جسے میں آپ کو بھجوار ہا ہوں- پسند کریں تو اسے ''پیش لفظ'' کے طور پر شامل کر لیں- جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ- والسلام- خاکسار- دستخط (مرزا مظفر احمد)''- (مکتوبات نسیم -۲۹ ستمبر ۲۰۰۱ء)

واقعی بڑے بڑے انسانوں کی ایک منفرد اور بالکل ہی نرالی شان ہوتی ہے- میرے لئے تو آپ کا ایک ایک لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے لیکن آپ کی منکسر المزاجی ملاحظہ ہو کہ آپ '' پسند کریں'' کے الفاظ تحریر فرما رہے ہیں- پس آپ کی یہی وہ پیاری ادائیں ہیں کہ جن پر میں فریفتہ ہوں اور اسی لئے میں نے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی یہ تمام تحریرات اور اپنی کتاب کے مسودات پر آپ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے نوٹس محض تبرک کے طور پر بہت پیار سے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے صفحات پر آپ کے ہاتھوں کا لمس نیز صفحہ پلٹتے وقت آپ کے دہن مبارک کی رطوبت چسپاں ہے- حضرت میاں مظفر احمد صاحب تمام زندگی بھر خاکسار کے ساتھ نہایت ہی محبت بھرا شفقت کا سلوک فرماتے رہے اور خاکسار کی اس کتاب کے لئے آپ تاحیات اپنے انتہائی قیمتی اور انمول مشورہ سے بھی لگاتار فیض یاب فرماتے رہے- آپ کی پاکیزہ نصائح کی بدولت اس کتاب کا حسن ایک نہایت ہی حسین انداز میں نکھر کر سامنے آ گیا ہے- اسی طرح آپ کی بے لوث دعاؤں نے مجھے دم قدم بہت سہارا دیا- یہ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی ذرہ نوازی ہی تھی کہ آپ نے نہایت ہی خلوص کے ساتھ خاکسار کی کتاب ''انوار بشیرؓ'' کے لئے قدم قدم پر راہنمائی فرمائی اور اس کا پیش لفظ بھی اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا- جَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ -میری یہ ادنیٰ سی خواہش تھی کہ میری یہ کتاب آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو جائے اور اس بات کا ذکر میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور خاندان مبارکہ کے معزز احباب سے کرتا رہتا تھا لیکن وائے افسوس کہ خود میری اپنی لمبی بیماری کی بدولت میرا یہ خواب آپ کی زندگی میں شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا کہ جس کی وجہ سے مجھے تمام عمر اس بات کا انتہائی افسوس رہے گا- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بہت ملنسار، شفیق اور مددگار انسان تھے اور احمدی- غیر احمدی- بدھ- ہندو- سکھ- مسلم اور عیسائی غرض متحدہ ہندوستان اور بعد میں پاکستان کے تمام سنی شیعہ اور عیسائی شہریوں کے لئے بھی تادم حیات وجود رحمت تھے اور آپ کی سفارش پر جماعت عالیہ احمدیہ کے احباب کے ساتھ ساتھ بہت سے دوسرے افراد بھی کو اعلیٰ ملازمت ملی بعض کو اعلیٰ ترقیات ملیں- اپنی زندگی کے ان آخری ایام میں حضرت میاں مظفر احمد صاحب نے بہت تکلیف اٹھائی اس لئے میری خدا تعالیٰ کے حضور یہ عاجزانہ دعا ہے کہ وہ حضرت میاں صاحب کی شفقتوں اور محبتوں اور دنیا جہان پر بے حد وحساب احسانات کے بدلے انہیں جنت الفردوس میں بے حساب جانے دے نیز وہاں اپنے قرب میں اعلیٰ اور افضل ترین مقام عطاء فرمائے- آمین

اس وقت دل بے حد غمگین ہے اس لئے مجھے اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے مناسب الفاظ بھی نہیں مل رہے لیکن اس کے باوجود یہ ضرور عرض کرتا چلوں کہ دنیا بھر کے مسلمان خوش قسمتی سے اب تک آنحضرت ﷺ کے نواسے نواسیوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نیز حضرت فاطمہ الزہرہؓ کی مبارک یادوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں بلکہ شیعہ مسلمان حضرات تو اپنے آپ کو پیٹتے بھی چلے آ رہے ہیں- اس لئے مجھے یہ کامل یقین ہے کہ ابھی زیادہ مدت نہیں گزرے گی کہ دنیا بھر کے تمام مخلص مسلمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد اور آپ کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو یاد کیا کریں گے لیکن افسوس کہ اُس وقت یہ بابرکت وجود ہم میں نہ ہوں گے- اسی لئے تو میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا رہتا ہوں کہ چلو اگر اپنی کم عمری کی وجہ سے ہمیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک کی زیارت میسر نہیں آئی

توکم ازکم حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد اور اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت نسل کی ہی وقتاً فوقتاً زیارت ہوتی رہتی ہے کیونکہ اس بابرکت اولاد میں سے کسی کا ماتھا تو کسی کی آنکھیں یا کسی کا ناک یا کسی کا چہرہ حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ مبارک سے ملتا جلتا ہے اور اسی بہانہ ہمیں بھی دیدار یار کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے اور پھر اسی طرح سیدنا حضرت اقدسؑ کے صحابہ رضوان علیہم کی بزرگانہ صحبت میں رہتے ہوئے خوش قسمتی سے ہمارا شمار بھی تابعین میں ہو گیا ہے لہذا احباب کو اس بات کا فائدہ اٹھانا چاہیے اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی بار بار زیارت کرنی چاہیے ورنہ ان معزز و محترم بزرگوں کے گزر جانے کے بعد زمانہ ان کے دیدار کے لئے تڑپے گا اور روئے گا لیکن یہ پیارے مقدس بابرکت وجود ہم میں نہ ہونگے اس لئے آپ کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ ان معزز و محترم بزرگوں سے دعائیں لینے کا اب بھی سنہری موقع ہے- میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بابرکت وجودوں کو صحت و عافیت سے بھرپور لمبی زندگیاں عطا فرمائے اور ہمیں اس خاندان مبارکہ کی پاکیزہ اور بے لوث دعاؤں کو جذب کرنے کا صحیح حقدار بنائے- آمین

واشنگٹن ڈی سی امریکہ میں حضرت میاں مظفر احمد صاحب کی نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد آپ کے جسد مبارک کو نیویارک سے PIA پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ لاہور پاکستان لے جایا گیا جہاں سب سے پہلے لاہور میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اس کے بعد جنازہ کو ربوہ (چناب نگر) پاکستان لے جایا گیا- وہاں مؤرخہ ۳۰ رجولائی ۲۰۰۲ء بروز منگل کی صبح کو دس بجے مسجد مبارک میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کی نماز جنازہ ادا کی گئی- نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر صدر انجمن احمدیہ ربوہ یعنی موجودہ امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے پڑھائی کہ جس کے بعد آپ کے جسد فانی کو بہشتی مقبرہ ربوہ پاکستان میں آپ کی جان سے پیاری والدہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے قدموں میں سپرد خاک کر دیا گیا- اس دن جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کا ایک عظیم الشان فرزند ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن احمدیت کے آسمان پر اس ستارے کی چمک دمک ہمیشہ قائم و دائم رہے گی کیونکہ آپ نہ صرف خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کا چشم و چراغ تھے بلکہ جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کا بھی ایک روشن ترین ستارہ تھے- اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور نہایت التجا کے ساتھ دردمندانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت میاں مظفر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین و دنیا کے پاکیزہ حسنات سے مالا مال فرمائے اور خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ تمام جماعت احمدیہ کو بھی صبر جمیل عطاء فرمائے- **آمین یا رب العالمین**

☆

والدہ محترمہ احمد بی بی (احمدہ) صاحبہ

نوراللہ مرقدہا

(یکم جنوری ۱۹۲۳ء - ۲۳ رمئی ۱۹۹۶ء)

اس کتاب میں تحریر تمام مضامین خاکسار نے سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور تمام خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت نصائح اور ارشادات کے عین مطابق لکھے ہیں تاکہ ان سب معزز بزرگان سلسلہ کی یہ خواہش رائیگاں نہ جائے کہ جماعت احمدیہ میں سے کوئی شخص کسی وقت بھی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین سن کر خاموش نہ رہے اور یوں اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی اپنی اس خاموشی کی بنا پر نعوذ باللہ مورد لعنت بن جائے۔اسی طرح میرے پیارے عزیزم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب شہید کی شہادت نے بھی مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اس کلمہ حق کو بیان کرنے سے نہ رکوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے کیونکہ اگر ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے خلفائے احمدیت کی مبارک نصائح پر عمل کرتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے رہے تو کم از کم دشمن کی دشنام ترازی کا جواب کلمہ حق کہہ کر تو دے ہی سکتے ہیں۔یہ کلمہ حق کہنے سے تو ہمیں کسی نے نہیں روکا؟ پس مجھے امید ہے کہ خاکسار کو اپنے ان معزز بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے اور ان کی تمام پاکیزہ نصائح پر عمل کرتے ہوئے دیکھ کر نہ صرف گزرے ہوئے میرے ان تمام بزرگوں کی ارواح خوش ہوں گی بلکہ آج اور اس زمانہ میں موجود ہمارے بزرگ علمائے احمدیت کے ساتھ ساتھ آپ سب احباب کو بھی یقیناً بے حد مسرت ہوگی۔اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے بعد آنے والوں میں سے جو کوئی بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی مبشر اولاد کے ان مبارک کلمات کو پڑھے گا وہ بھی ضرور ان بزرگوں کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لے گا کیونکہ اپنے ان بیش قیمت کلمات کے ذریعہ ان بزرگوں نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اسی طرح مجھے یہ بھی یقین واثق ہے کہ خاکسار کی کتاب میں ان تحریر شدہ مضامین کے ذریعہ حق کے متلاشیوں کو ان کے بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔میں اپنے ان مضامین کا آغاز سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی ایک بہت ہی پیاری نصیحت سے کرتا ہوں جو کہ آپؓ نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے موقعہ پر احباب جماعت کو فرمائی تھی۔آپؓ احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے اِنِّی مُهِين'' مَن اَرَادَ اِهَانَتَکَ ''

بے شک یہ آپؑ کی اہانت کرنے والے اعدار کے لئے خاص طور پر ہے اور بارہا پورا ہو چکا ہے مگر میرے عزیزو! میرے پیارو! ہوشیار باش! خدا تعالیٰ کا کلام بہت وسیع المعنی اور بہت جگہ حاوی ہونے والا ہوتا ہے۔تقویٰ اختیار کرو، نیک نمونے بنو، ایسا نہ ہو کہ اتنا قرب پا کر، اتنے عزیز و قریب ہو کر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے والوں اور صحابہؓ کا زمانہ پانے والے ہو کر اپنے کسی عمل، کسی غلطی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک نام پر دھبہ لگانے والے اور دشمنوں کو استہزا اور طعن و شماتت کا موقعہ دینے والے بن جاؤ۔تمہاری کمزوریوں سے جو لوگ فائدہ اٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں توہین کے الفاظ کہنے والے ہوں گے صرف وہ ہی نہیں پکڑے جائیں گے بلکہ خدا نہ کرے تم بھی پکڑے جاؤ گے جنہوں نے بُرا نمونہ دکھا کر آپؑ کی اہانت کروائی۔اللہ تعالیٰ نے تو صاف کہہ رکھا ہے

؎ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس ! بچ بچ کے چلو- ڈر ڈر کر قدم اٹھاؤ- نیکی میں ترقی کرو- دنیا دیکھ لے اور سمجھ لے کہ یہ پھل جس درخت کے ہیں وہ کیسا نہ ہوگا- تم اللہ کے بن جاؤ -تم سب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں ہزار گنا ہو کر لگیں- تم ایک قدم بڑھاؤ تو خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے ہزار قدم بڑھائے گا- (انشاء اللہ تعالیٰ)- حضرت منجھلے بھائی کے جانے سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اس کو ہر ایک پُر کرنے کی کوشش کرے- جو بوجھ وہ اتار چکے ہیں تم اٹھاؤ''- (الفضل ۱۱ر ستمبر ۱۹۶۳ء)

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تمام زندگی بھر اپنی قیمتی نصائح اور اپنے بےنظیر قلمی جہاد کے ذریعہ یہی کوشش فرماتے رہے کہ اسلام واحمدیت کا بول بالا ہو اور اس سلسلہ میں تادم حیات کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ہمارے لئے مشعل راہ بن کر اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کئے رکھی- اپنی جوانی کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت قمرالانبیاءؓ نے فرمایا:-

'' جوانی کی عمر کا بھروسہ نہ کرو کہ موت جوانی کو نہیں دیکھتی- کچھ کرلو- کیا معلوم کہ کب موت آجائے؟''- (الحکم ۷ر جون ۱۹۱۷ء)

اور پھر جیسا کہ سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے فرمایا کہ:-

'' جو بوجھ وہ اتار چکے ہیں تم اٹھاؤ''- (الفضل ربوہ مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷-۸)

اسی طرح میری والدہ محترمہ احمدی بی بی صاحبہ کے مونہہ بولے بھائی ماموں جان مکرم عبدالرشید غنی صاحب لیکچرر تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے بھی کیا خوب نصیحت فرمائی کہ:-

''یہ صحیح ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ جسمانی طور پر فوت ہو گئے ہیں لیکن آپؓ اپنی خوبیوں، نیکیوں اور عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے بلاشبہ ہمیشہ زندہ رہیں گے- ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نوجوان ان توقعات کو جو حضرت میاں صاحبؓ ہم سے رکھتے تھے پورا کرنے کی کوشش کریں اور آپؓ کی زریں نصائح کو عملی جامہ پہنائیں- ہمارا جینا اور مرنا، اسلام کی خاطر ہو---آمین''- (''الفضل'' خاص نمبر مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۸-۳۹)

پس خاکسار اپنے ان تمام معزز بزرگوں کے فرمان کے عین مطابق اسلام اور جماعت احمدیہ کے علمی و قلمی جہاد میں اپنی اس کتاب کے ذریعہ ایک ادنیٰ سی کوشش کر رہا ہے- شاید بعض لوگ ان خیالات پر ہنسیں لیکن مجھے ان کی ہنسی کی ذرہ سی بھی پرواہ نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ اے کاش! یہ لوگ مجھ پر ہنسنے کی بجائے اسی قیمتی وقت کو ہنسی مذاق پر ضائع کرنے کی بجائے احمدیت یعنی آج کے سچے اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے استعمال کرتے یا اپنے قلمی جہاد کے ذریعہ اس راہ میں کوئی قربانی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ضائع ہونے سے بچا لیتے کیونکہ اس قسم کی کتابیں لکھنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ اس کے لئے سینکڑوں گھنٹے مضامین کی تلاش کے لئے وقف کرنا پڑتے ہیں اور ہزاروں گھنٹے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کسی مضمون پر جمع شدہ تمام مواد کو ٹائپ کرنا پڑتا ہے اور ابھی یہ کام ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد نہ جانے کتنا وقت اردو اور عربی نیز فارسی اور انگریزی نیز جرمن املا کی درستی پر صرف ہوتا ہے- پس اسی لئے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہنسی اور ٹھٹھا کرنے والوں کے دلوں میں اسلام واحمدیت کی خدمت کرنے کا نیک جذبہ ابھارے اور میرے جذبہ شوق شہادت کو اپنا فضل فرماتے ہوئے اپنی رضا کے ساتھ مزید بڑھاتے ہوئے مجھے مزید تصنیفات تحریر کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور میری اس حقیری سی کاوش کو قبول فرمائے- آمین اللھم آمین

خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مجھ عاجز کا لڑکپن اور بچپن کا وقت اتنی مصروفیت میں گزرا کہ مجھ کو یہ احساس بھی نہ ہؤا کہ میں بچپن کی حدود کو پھلانگ کر جوانی کی حدود میں داخل ہو چکا ہوں-تمام خاندان مبارکہ نے اپنے بچوں کی طرح میرے ناز کئے اور چونچلے اٹھائے اور ہر طرح حامی و مددگار ثابت ہوئے اور عزت افزائی کی نیز سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں اپنا احمدی بھائی سمجھ کر محبت اور یگانگت کا بہترین سلوک کیا اور کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہونے دیا کہ میں خاندان کی ایک ادنیٰ سی خادمہ کی اولاد ہوں اور اس پیار محبت اور شفقت وعنایات کا تعلق اب بھی قائم ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ قائم رہے گا-اس کو کہتے ہیں کہ:-

’’اللہ دے اور بندہ لے‘‘

لہٰذا اب اس کتاب کے اختتام سے قبل میں اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کا ذکر خیر بھی کرنا چاہتا ہوں ورنہ اُن کے ان تمام عظیم احسانوں کی ناشکری ہوگی جو کہ انہوں نے اپنی ماماتا کے جذبات کے تحت محبت،شفقت،تربیت، رحم،دلداری اور احسان بطور اولاد ہونے کے اس کمزور عاجز پر کئے اور جو میری پیاری والدہ محترمہ نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود دنیا کے تمام آرام کو تج کر نیز اپنی زندگی کی ہر آسائش کو قربان کرتے ہوئے ہم پر فرمائے لہٰذا درج ذیل سطور میں یہ خاکسار اپنی باہمت والدہ کے بارہ میں بغرض دعا چند الفاظ لکھ رہا ہے تاکہ شاید اسی طرح خدا کے کسی نیک بندے کو اپنی نیک،صالح اور دعا گو والدہ محترمہ کے لئے دعا کی تحریک کر سکوں-ان پیاری دُعاؤں کے لئے یہ خاکسار ابھی سے آپ ناظرین کا تہہ دل سے مشکور اور ممنون احسان رہے گا-انشاءاللہ تعالیٰ اور جَزَاکُمُ اللہُ اَحْسَنُ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ کا تحفہ بطور شکریہ بھی پیش خدمت کرتا ہوں-سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:-

’’گزشتہ چند سالوں میں، میں نے جماعتوں کو بار بار (یہ) نصیحت کی (ہے) کہ وہ سارے خاندان (کہ) جن کے آباؤاجداد میں کوئی رفیق یا تابعی تھے،ان (کے خاندانوں) کو چاہئے کہ (وہ) اپنے خاندان کے بزرگوں کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری کریں‘‘-(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍اپریل ۱۹۹۳ء)

پس انہی تمام ارشادات کی تعمیل میں میں اپنے خاندان کے کچھ حالات مختصراً آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں-ملاحظہ فرمائیں:-

ننھیال

میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کا تعلق مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ میں قادیان دارالامان کے علاقہ کے ایک گاؤں ’’پھیروچیچی‘‘ سے ہے-یہ گاؤں قادیان سے تقریباً ۹ کوس یعنی تقریبا ۱۳؍میل یا تقریباً ۲۰؍کلومیٹر کے فاصلہ پر قادیان کے مشرق میں واقع ہے-یہ گاؤں دریائے بیاس کی ایک شاخ پر واقع وہی گاؤں ہے کہ جس کے پار موضع ---میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود الدین بشیر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین تھی اور جب بھی آپؓ اپنی اس زمین پر تشریف لے جاتے تو آپؓ کا گزر پھیروچیچی سے بھی لازماً ہؤا کرتا تھا کیونکہ گھوڑوں پر یا تیر کر یا کشتیوں پر دریائے بیاس کے پار جانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں راستہ پھیروچیچی کے گاؤں سے ہی ہو کر گزرتا تھا-میری والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے آپؓ کو بارہا گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا اور کبھی کبھی پھیروچیچی میں رکتے ہوئے بھی دیکھا-میرے نانا جان اور نانی جان کے والدین اور آباؤاجداد قدیمی مسلمان تھے-میرے نانا جان کا نام مکرم چوہدری محمد منشی خان

سندھو صاحب (وفات ۱۹۴۷ء) ہے اور میری نانی جان کا نام محترمہ کریم بی بی صاحبہ (۱۸۹۷-۴؍جولائی ۱۹۷۴ء) ہے- میرے نانا جان، اپنے منہ بولے بھائی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت چوہدری اکبر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آف پھیروچیچی کی تبلیغ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی احمدی ہو گئے تھے۔ حضرت چوہدری اکبر علی صاحبؓ تقسیم ہندوستان کے بعد کنری سندھ میں جا مقیم ہوئے اور پھر وہیں وفات پائی لیکن ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ میری نانی اماں جان نے ۱۹۱۴ء میں احمدیت کو قبول کیا- میرے نانا جان تقدیر الٰہی سے ۱۹۴۷ء کے آغاز میں میری خالہ جان محترمہ فضل بی بی صاحبہ (۱۹۲۱ء-۱۱؍جنوری ۱۹۸۳ء) کے یہاں مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں دھاریوال ہندوستان میں اسہال کی تکلیف ہو جانے سے اُس وقت اچانک وفات پا گئے جب کہ آپ وہاں بطور مہمان تشریف فرما تھے لہٰذا آپؒ کو اسی گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا- میری نانی جان محترمہ نے مؤرخہ ۴؍جولائی ۱۹۷۴ء کو رات تقریباً ساڑھے گیارہ (۲۳:۳۰) بجے ہمارے پاس ''الوفا'' ربوہ پاکستان میں وفات پائی اور اگلے دن مؤرخہ ۵؍جولائی ۱۹۷۴ء کو عصر کی نماز کے بعد آپ کا جنازہ ربوہ کے صدر بازار المعروف گولبازار کی پرانی مسجد مہدی میں پڑھا گیا اور اس کے بعد بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہوئیں- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)

آپ کی وفات دل کی کمزوری کی وجہ سے ہوئی- اپنی وفات والے دن، دوپہر کو ہمارے ساتھ گھر کی گیلری میں بچھے ہوئے دستر خوان پر بیٹھیں لیکن آپ نے کھانا نہیں کھایا- میں نے عرض بھی کیا کہ کچھ تھوڑا سا کھانا تناول فرما لیں لیکن انہوں نے فرمایا کہ نہیں آج مجھے بھوک نہیں ہے- شام کو بھی اپنے کمرہ میں شاید دو چار نوالے ہی لئے اور مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئیں- اس دن میری والدہ محترمہ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں میری نانی اماں جان کے کمرہ میں ہی ادا کیں- میں اور میرے خالہ زاد بھائی جان محمد یونس صاحب ایک ریڈیو کو ٹھیک کرنے لگ گئے کہ تقریباً ساڑھے دس بجے شب میری والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ریڈیو کی آواز کو آہستہ کرو ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں- خیر ہم نے ریڈیو آہستہ کر دیا لیکن کچھ دیر کے بعد یعنی تقریباً گیارہ بجے میری والدہ صاحبہ نے سختی سے فرمایا کہ ریڈیو کو بند کر دو کیونکہ ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہے- یہ سن کر ہم اپنی نانی اماں جان کے کمرہ میں چلے گئے اور ان کی صحت یابی کے لئے دعا کرنے لگے لیکن اس دوران وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً سوا گیارہ ساڑھے گیارہ بجے شب وفات پا گئیں- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷)

اس رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا- ہماری نانی اماں کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد شدید طوفان بادو باراں (یعنی تیز آندھی اور بارش) آیا اور ہمارے محلّہ دارالصدر شمالی کے تمام علاقہ میں بجلی بند ہو گئی لیکن خدا کی قدرت کہ صرف ہمارے ہاں تمام رات بجلی آن رہی جس کی بدولت باہر کے زنانہ و مردانہ صحنوں میں روشنی جلتی رہی اور کمروں میں بھی پنکھے اور ڈیزرٹ کولر چلتے رہے اور آس پاس کے ہمسائے مثلاً سامنے حضرت عبدالسلام بھٹی صاحب کے اہل خانہ ، بائیں حضرت شاہزادہ عبداللطیف شہید صاحب کے اہل خانہ اور ہمارے مکان کے پچھواڑے مکرم چوہدری پیر محمد باجوہ صاحب کے اہل خانہ قدرت کا یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے (یعنی ہمارے) گھر میں بجلی موجود ہے جب کہ اس رات تمام محلّہ حتیٰ کہ تقریباً تمام ربوہ میں ہی بجلی بند (فیل) رہی- اس بارش کے نتیجہ میں اگلے دن یعنی جنازہ کے دن موسم خوشگوار ہو گیا لیکن ربوہ کے بعض محلوں مثلاً فیکٹری ایریا میں دوپہر تک بھی بجلی بند رہی کہ جس کی بدولت دارالصدر غربی اور فیکٹری ایریا کے ریلوے پھاٹک کے سامنے والے آرے پر تابوت وقت پر نہ بن سکا جس کی وجہ سے کچھ پریشانی ہوئی لیکن خدا نے نہ صرف بارش کی صورت میں اپنی رحمت نازل فرمائی بلکہ خدا کے فضل سے دوپہر ایک بجے تک فیکٹری ایریا میں بھی واپڈا ربوہ کے اہلکاروں کی جدوجہد سے بجلی کی رو چل پڑی اور یوں دوپہر دو بجے تک تابوت بن کر

ہمارے یہاں الوفا میں پہنچ گیا- ٹاؤن کمیٹی ربوہ اور گولبازار میں میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کے بہت سے دوستوں کے اصرار پر جنازہ نمازعصر کے معاً بعد گولبازار کی پرانی چھوٹی سی مسجد میں ادا کیا گیا تا کہ وہ دوست بھی نماز جنازہ میں شمولیت اختیار کر سکیں-نماز جنازہ کے بعد آپ کی میت کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کر دیا گیا-

مؤرخہ ۳۱ رمئی ۱۹۷۴ء کی صبح مونہہ اندھیرے حکومت پاکستان کی ایما پر پولیس نے ہمارے ربوہ کے بہت سے بے قصور اور معصوم احمدی احباب کو بغیر وارنٹ ربوہ کی سڑکوں پر سے اس وقت جب کہ وہ صبح صبح نماز فجر ادا کرنے کے لئے ربوہ میں اپنے اپنے محلّہ کی مساجد کی جانب جا رہے تھے ناحق پکڑ کر پولیس چوکی ربوہ کی حوالات میں لے جا کر بند کر دیا-محلّہ دارالصدر شمالی کا زعیم ہونے کی حیثیت سے مجھے یاد ہے کہ اس رات ہمارے محلّہ کے تمام خدام بغرض حفاظت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ قصر خلافت میں چلے گئے تھے اور بعد میں بھی کافی لمبے عرصہ تک دن رات وہاں ڈیوٹیاں دیتے رہے-صبح تقریباً دس بجے کے قریب میں حالات کا پتہ لگانے کے لئے اپنے سائیکل پر گولبازار گیا اور پھر وہاں سے ربوہ کے نئے بس (لاری) اڈہ پر-جہاں پہنچ کر میں ٹاؤن کمیٹی ربوہ کی محصول چونگی پر موجود محرر صاحب کے پاس کرسی پر جا بیٹھا اور میرے سامنے ہی ربوہ کی پولیس چوکی سے ان بے قصور احمدی احباب کو ایک ٹرک کے ذریعہ سرگودھا جیل لے جایا گیا کہ جسے دیکھ کر بے حد دکھ اور قلق ہؤا جبکہ ان بے گناہ احباب کے سفر کے لئے کسی نہ کسی بس وغیرہ کا انتظام بھی کیا جاسکتا تھا تا کہ یہ معصوم لوگ بغیر کسی جسمانی تھکاوٹ کے آرام سے سرگودھا پہنچیں لیکن حکومت پاکستان چونکہ ظلم کرنے پر تُلی ہوئی تھی اس لئے حکومتی کارندوں سے کسی بھی قسم کے رحم کی امید کرنا ہی فضول تھا-یہاں پر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت خلیفہ وقت سیدنا مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی جانب سے ہمیں ہر طرح کے ظلم و ستم کو خاموشی سے برداشت کرنے کا حکم تھا لہٰذا دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پیتا ہؤا اپنے ان پیارے احباب جماعت کی خیر و عافیت کی دعائیں کرتا رہا-میری نانی جان محترمہ کہ جنہیں ہم پیار سے ''ماں'' کہہ کر پکارا کرتے تھے ان بے گناہ احمدی مظلومین کے بارہ میں بہت فکر مند رہا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ ہمیں تو گھر میں کولر (ڈیزرٹ کولر) ہونے کے باوجود اتنی گرمی لگتی ہے نہ جانے ان بیچاروں کا اس شدید گرمی میں کیا حال ہوتا ہوگا-ہمیں تو فریج (ریفریجریٹر) ہونے کی بدولت ٹھنڈا پانی پینے کو مل جاتا ہے یا پھر پانی میں برف ڈالنے کو مل جاتی ہے لیکن ان بے چارے معصوموں کا نہ جانے اتنی گرمی میں کیا حال ہوتا ہوگا -نہ جانے کوئی انہیں جیل خانہ میں پانی بھی پوچھتا ہوگا یا نہیں اور ان بے قصور احباب جماعت کے لئے وہ بے حد دعا گو رہا کرتی تھیں-اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور آپ کے درجات تا قیامت بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے-آمین

ددھیال

میرے والد صاحب کا نام چوہدری محمد اسمٰعیل سندھو صاحب ہے-آپ ۱۹۱۳ء کو قادیان ہندوستان کے نزدیک ایک گاؤں '' گھوڑے واہاں (گھوڑے وال)'' میں پیدا ہوئے-تقسیم ملک تک میرے دادا جان چوہدری خیرالدین سندھو صاحب اپنے دو بیٹوں یعنی اپنے بڑے بیٹے میرے والد صاحب محترم چوہدری محمد اسماعیل سندھو صاحب اور اپنے چھوٹے بیٹے مکرم چوہدری محمد شریف سندھو صاحب کے ساتھ گھوڑے واہاں اور گھوڑے وہاں کے قریبی گاؤں بگول میں اپنی ذاتی زمین اور پھیروچیچی کے قریبی گاؤں بیری میں ٹھیکے پر لئے ہوئے آم، جامن، مالٹے، سنگترے، میٹھے، امرود اور بیروں وغیرہ کے مختلف باغات کی آمدن پر ہی گزر بسر کرتے رہے اور اسی تجارت پر سارا دارومدار رہا لہٰذا زمینداری کے سوا اور کوئی

دوسرا ہنر سیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ جس کی بنا پر ہمیں ہندوستان سے ہجرت کے بعد بہت سے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ خاکسار کے بہنوئی مکرم چوہدری محمد شریف آرائیں صاحب نے ایک مرتبہ بتایا کہ:-

''تمہارے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب اور میں تقریباً ہم عمر تھے لہذا ہم دونوں گھوڑے واہاں کے پرائمری سکول میں پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے جایا کرتے تھے۔ پھیروچیچی سے گھوڑے واہاں کو دو راستے جاتے تھے ایک تو لکھن پور سے ہوتا ہوا گھوڑے واہاں کو جاتا تھا اور دوسرا موضع بیری سے ہوکر جاتا تھا اس لئے ہم کبھی اس راستہ سے تو کبھی دوسرے راستہ سے سکول آیا جایا کرتے تھے۔ بیری میں بی بی (خاکسار کی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ۔ ناقل) ہمیں کھانے پینے کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ دے کر آگے سکول یا گھر واپس بھجوایا کرتی تھیں''۔ (جرمنی۔کینیڈا گفتگو بذریعہ فون۔ مؤرخہ یکم دسمبر ۲۰۰۴ء)

بہرحال جب میرے والد صاحب کو ہجرت کے بعد کسی قسم کا کوئی خاص کام نہ ملا تو آپ نے اغلباً ۵۳-۱۹۵۴ء سے لے کر اپنی وفات تک مسجد احمدیہ نیو سول لائینز سرگودھا کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر لی اور پھر مسجد احمدیہ کا خادم ہونے کی حیثیت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کی دل و جان کے ساتھ حفاظت کرتے رہے۔ جماعت عالیہ احمدیہ کے جن احباب کو اس مسجد کے محل وقوع اور اس کی تاریخ کے بارہ میں علم ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اس مسجد پر کتنے حملے کئے گئے اور اس کی حفاظت کرنے والوں کو کتنی مرتبہ ڈرایا دھمکایا گیا اور ان سے کتنی مرتبہ اس احاطہ کے اردگرد کے دکانداروں نے مقاطعہ کرتے ہوئے عام گھریلو سودا سلف دینے سے بھی انکار کر دیا اور کتنے سال تک اس خانہ خدا کا مقدمہ مختلف مسلمان عدالتوں میں چلتا رہا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس قسم کے مقدمہ باز دشمن اسلام انسانوں کو فوراً عدالت عظمیٰ سے دھکے دے کر باہر نکال دیا جاتا کہ تم لوگ ایک خانہ خدا کی تعمیر کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے ہو لیکن ہوا یہ کہ پاکستان کے بہت سے نام نہاد مسلمان جج صاحبان اور ان مقدمات کی پیروی کرنے والے بہت سے نام نہاد مسلمان وکلاء صاحبان اپنی ہر ممکنہ تدابیر سے خدا تعالیٰ کے ایک معزز و محترم گھر کی تعمیر کو ناممکن بنانے کی ہر ممکن جدوجہد کرتے رہے۔ یہ ایک لمبا قصہ ہے لہذا میں اسے انشاءاللہ کسی دوسری جگہ پیش کروں گا کہ کس کس طرح میرے والد صاحب نے اس مسجد کو ڈھا دئے جانے والی یورشوں کا جان کی بازی لگا کر مقابلہ کیا اور کتنی مرتبہ بھوکے پیاسے رہ کر بھی صبر و شکر کے ساتھ تن تنہا خدا تعالیٰ کے اس گھر کا دفاع کیا۔ جان، مال، عزت اور وقت کو قربان کرنے کا عہد کرنا تو نہایت آسان ہے لیکن اسے صدق دل سے نباہنا ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ مجھے اپنے والد صاحب کی دلیری پر ناز ہے کہ انہوں نے نہایت جرأت اور بہت بہادری کے ساتھ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کیا اور خدمت دین کے سلسلہ میں اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرماتا چلا جائے۔ آمین

بہرحال اس وقت بات تقسیم ہند سے پہلے کی چل رہی ہے اور اس زمانہ میں ''گھوڑے واہاں'' بلکہ موضع ''بگووال'' اور موضع ''بیری'' میں بھی میں ہمارا مسلمان خاندان سب سے پہلا احمدی گھرانہ تھا۔ ہمارے ننھیال کی طرح ہمارے ددھیال کا خاندان بھی موروثی مسلمان ہے اور خاندان کے بزرگ ہمیشہ اس بات پر فخر کرتے رہے کہ سکھا شاہی یعنی سکھوں کے دور حکومت سے بھی بہت پہلے ہمارے خاندان میں بھی ایک بہت بڑے مسلمان بزرگ ''حضرت جھنڈے شاہ صاحب گھوڑوں والے'' گزرے ہیں۔ اغلباً گھوڑے واہاں یا گھوڑے وال کا گاؤں انہی کے دم قدم سے آباد ہوا ہے بہرحال میرے دادا جان اور دادی اماں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ ماموریت کے پہلے چند برسوں کے دوران ہی احمدیت کو قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔ میرے دادا جان اور دادی جان کے ان پڑھ ہونے اور جلدی وفات پا جانے کی وجہ سے زیادہ معلومات میسر نہیں آسکیں لیکن یہ ضرور علم ہے کہ ان دونوں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی اور اسی وجہ سے میری

پھوپھی جان برکت بی بی صاحبہ، میرے والد صاحب چوہدری محمد اسمٰعیل سندھو صاحب اور میرے چچا مکرم محمد شریف سندھو صاحب کو پیدائشی احمدی ہونے کا شرف حاصل ہؤا۔فالحمدللہ

ہندوستان سے ہجرت کے وقت میرے ددھیال اور ننہیال نے بیک وقت اپنے اپنے دیہات سے اکٹھے ہجرت کرنے کا سوچا اور اس طرح اکٹھے جمع ہوکر قادیان پہنچے لیکن وہاں چونکہ کوئی پرسان حال نہ تھا اس لئے وہاں سے ایک قافلہ کی صورت میں پاکستان کو ہجرت کی۔راستہ میں اس قافلہ پر سکھوں نے کئی حملے کئے کہ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ زخمی اور شہید ہوئے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے خاندان کا کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہؤا۔اس وقت میری دادی اماں محترمہ زینت بی بی (زینو) صاحبہ کے پاس برطانوی سونے کے پاؤنڈز سے بھراہؤا ایک کنستر (پیپا) تھا کہ جن کو عرف عام میں اشرفیاں یا سونے کے روپے بھی کہا جاتا تھا۔یہ کنستر ہجرت کے بعد انہوں نے پاکستان کے ایک قصبہ میں (اس قصبہ کا نام یہاں مصلحتاً نہیں لکھا) اپنے عزیزوں کے ایک گھر میں حالات کی تبدیلی تک احتیاطاً دفنا دیا لیکن یا تو ہجرت کی اُفتاد میں آپ اس جگہ کو بھول گئیں یا پھر کسی نے ان کو یہ کنستر زمین میں دفناتے ہوئے دیکھ لیا اور موقع پا کر لے اُڑا۔اسی غم میں میری دادی اماں کی وفات ہوئی اور یوں یہ روپیہ ہمارے کسی کام نہ آسکا کہ جس کی بدولت اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ ایک نئے اور انجان دیس میں کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگیا۔اُن دنوں چونکہ ربوہ کا تصور بھی موجود نہ تھا اور ہندوستان واپسی کے بھی تمام راستے بند ہو چکے تھے لہٰذا آپؒ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۵۷)۔میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ میرے والد صاحب محترم چوہدری محمد اسمٰعیل سندھو صاحب کی دوسری بیوی تھیں۔میری بڑی والدہ صاحبہ کا نام جنت بی بی صاحبہ تھا اور ان میں سے دو بچے بھی تھے جو کہ بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے لیکن افسوس کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے مجھے ان دونوں بچوں کے نام یاد نہیں رہے۔بہرحال میری بڑی والدہ صاحبہ بھی ان دونوں معصوم بچوں کی وفات کے بعد بقضائے الٰہی وفات پاگئیں تو میرے دادا جان کو میرے والد صاحب کے دوبارہ گھر بسانے کی فکر دامن گیر ہوئی اور یوں احمدیت کے مقدس رشتہ کی بنا پر میرے والد صاحب کی دوسری شادی ۱۹۳۸ء میں ہمارے آبائی گاؤں گھوڑے واہاں کے قریبی گاؤں پھیروچیچی میں میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ سے قرار پائی۔شادی کے وقت میری والدہ محترمہ کی عمر پندرہ سال اور میرے والد صاحب کی عمر پچیس سال کی تھی۔میری والدہ محترمہ کی طرح میرے والد صاحب بھی بہت نمازی پرہیزگار اور خادم دین وجود تھے جس کا اندازہ درج ذیل خط پڑھ کر لگایا جاسکتا ہے جو کہ انہوں نے ۱۹۶۹ء میں میرے میٹرک میں پاس ہونے کے موقع پر خاکسار کو تحریر فرمایا تھا۔ہمارے ددھیال اور ننہیال میں خدا کے فضل سے میں سب سے پہلا لڑکا ہوں کہ جس نے اس وقت تک میٹرک پاس کیا تھا لیکن بعد میں میں نے ایم۔اے اقتصادیات تک جرمنی میں تعلیم حاصل کی البتہ لڑکیوں میں میری منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ (بیدی) نسیم صاحبہ (ایم۔اے+بی۔ایڈ) اور خالہ زاد بہن عزیزہ امتہ الرشید (رشیدہ) صاحبہ (ایف۔اے+نرسنگ) اولین تعلیم یافتہ افراد میں شمار ہیں:-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط وَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ وَ الۡمُصۡلِحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

''خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ'' ''ھوالناصر''

عزیزم مسعود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آج یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی کہ تم دسویں میں بفضل خدا کامیاب ہوگئے ہو۔خدا تعالیٰ مبارک کرے اور اس کامیابی کو آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ بنائے۔آمین یارب العالمین۔اب آپ بفضل خدا پوری طرح سمجھدار اور بالغ ہو چکے ہیں اور میرے ایک ہی لڑکے ہیں۔میں کس طرح بتاؤں کہ

میرے دل میں آپ کے متعلق کیا کچھ ارمان ہیں- میرے تہہ دل سے ہر وقت آپ کے لئے دعائیں نکلتی رہتی ہیں- خدا تعالیٰ آپ کو بلند اقبال کرے اور صحت وتندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرما کر نیک، صالح، خادم دین بنائے- آمین- میری تو صرف دعائیں ہی ہیں- خدا تعالیٰ آپ کو سدا سکھی رکھے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے- آمین- میری زباں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر وقت یہ دعا رہتی ہے کہ:-

میرے مولیٰ مری یہ اک دعا ہے
تری درگاہ میں عجز و بکا ہے
وہ دے مجھ کو جو اِس دل میں بھرا ہے
زباں چلتی نہیں شرم و حیا ہے
میری اولاد جو تیری عطا ہے
ہر اک کو دیکھ لوں وہ پارسا ہے
نجات ان کو عطا کر گندگی سے
برات ان کو عطا کر بندگی سے
رہیں خوش حال اور فرخندگی سے
بچانا اے خدا ! بد زندگی سے
دعا کرتا ہوں اے میرے یگانہ
نہ آوے اِن پہ رنجوں کا زمانہ
نہ چھوڑیں وہ تیرا یہ آستانہ
مِرے مولیٰ انہیں ہر دم بچانا
یہی امید ہے اے میرے ہادی
فَسُبۡحَانَ الَّذِی اَخۡزَی الۡاَعَادِی
نہ دیکھیں وہ زمانہ بے کسی کا
مصیبت کا - الم کا - بے بسی کا
یہ ہو - میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا (درثمین)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے چھوٹوں اور بڑوں، ہمارے مردوں اور عورتوں، ہمارے بچوں اور بوڑھوں- تمام کو اپنی پناہ میں لے لے- اپنا فضل شامل حال رکھے- اپنی برکات نازل فرماتا رہے- آمین اللھم آمین

والسلام- دستخط (محمد اسمعیل)

مسجد احمدیہ نیو سول لائن- سرگودھا 11-September-1969 -آپ کی کامیابی کی سب کو مبارک ہو- (مکتوبات نسیم - ۱۲رستمبر ۱۹۶۹ء)

اس خط میں تحریر پاکیزہ کلام- اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ نبی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوۃ

والسلام کا ہے کہ جسے پڑھ کر یا سن کر ہر دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے خوشی ومسرت سے جھوم جھوم جاتا ہے۔محترم والد صاحب کے اس پیارے خط کو پڑھ کر مجھے آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث یاد آ گئی جو میں والدین اور اولاد دونوں کے فائدہ کے لئے یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَات'' لَا شَکَّ فِیْھِنَّ : دَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ دَعْوَۃُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ '' (ترمذی کتاب الدعوات باب ما ذکر فی دعوۃ المسافر)۔یعنی: تین دعائیں بے شک قبول ہوتی ہیں۔مظلوم کی دعا،مسافر کی دعا اور باپ کی بیٹے کے لئے دعا''۔

پس جن احباب کے والدین بفضل خدا ابھی زندہ سلامت موجود ہیں ان کو اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے بزرگوں کی خدمت کرنا چاہئے کیونکہ اپنی بے لوث خدمت کے ذریعہ ان بزرگوں کی دعائیں حاصل کرنے کا یہ بہترین وقت ہے۔فرمان خداوندی ہے:-

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُ ھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا o (بنی اسرائیل :۲۴)۔یعنی: تیرے رب نے اس بات کا تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور نیز یہ کہ اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر تیری زندگی میں ہی بڑھاپا آ جائے تو ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اُف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں جھڑک نیز ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے کلام کرو۔(بنی اسرائیل:۲۴)

نیز اسی سلسلہ میں مزید ارشاد فرمایا:-

وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا o (بنی اسرائیل :۲۵) ۔یعنی: اور جذبہ رحمت کے تحت اپنے والدین کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کرو اور ان کے لئے دعا کرتے وقت کہا کرو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما کیونکہ انہوں نے میرے بچپن یعنی میری کمزوری کی حالت میں میری پرورش کے وقت مجھ پر رحم کیا تھا۔

میٹرک کے ذکر پر یاد آیا کہ میٹرک کا امتحان دے کر یہ خاکسار چند دنوں کے لئے اپنی دوسری بڑی بہن آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ اور بہنوئی بھائی جان مکرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب (احمد موٹرز ر۔عنایت بازار۔مری روڈ۔راولپنڈی) کے پاس چلا گیا جو کہ اُن دنوں محلّہ ٹینچ بھاٹہ میں رہائش پذیر تھے اور ماڈرن موٹرز میں مکینک کا کام سیکھ رہے تھے۔وہاں کافی سیر وتفریح رہی کیونکہ کسی دن ایوب پارک جا رہے ہیں تو کسی دن مری،اس سے اگلے دن راول ڈیم تو پھر تربیلہ ڈیم۔سیر وتفریح کے باوجود نماز گھر پر ہی پڑھتے لیکن نماز جمعہ ہم باقاعدگی کے ساتھ ماڈرن موٹرز کے ایک کھلے ہال میں باجماعت پڑھا کرتے تھے۔غرض انہی مصروفیات میں دن پر دن گزرتے چلے گئے اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا کہ ایک دن سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خط بذریعہ ڈاک ماڈرن موٹرز کے پتہ پر میرے بہنوئی بھائی جان محمد شریف شاؔد صاحب کی معرفت موصول ہوا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بیٹے !عزیزم مسعود احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ تم خیریت سے ہو گے-تمہیں پنڈی گئے ہوئے تقریباً تین چار ہفتے گزر گئے ہیں-وقتاً فوقتاً تمہاری طرف سے خیر خیریت کی اطلاع ملتی رہتی ہے لیکن جب سے تم گئے ہو گھر میں بہت خاموشی چھائی ہوئی ہے اور میں بھی تمہاری غیر موجودگی کے باعث بہت اداس ہوں اس لئے اب تم جلدی سے واپس چلے آؤ---- والسلام-تمہاری صحت و سلامتی کے لئے بے حد دعا گو اور تمہاری واپسی کی منتظر-تمہاری اماں- دستخط (ام مظفر احمد)-(مکتوبات نسیم-ستمبر ۱۹۶۹ء)

یہ فرمان ملتے ہی میں اسی دن شام کو پشاور سے براستہ ربوہ۔ کراچی جانی والی چناب ایکسپریس کے ذریعہ راولپنڈی سے فوراً ربوہ واپس چلا آیا اور صبح دن کے تقریباً ساڑھے دس بجے ربوہ کے سٹیشن پر اترا-وہاں سے چند منٹ کے فاصلہ پر البشریٰ ہے-اس لئے گھر آتے ہی سب سے پہلے میں سیدہ اماں حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا آپؓ اس وقت اپنے پلنگ پر تشریف فرما تھیں-آپؓ نے مجھے دیکھتے ہی اپنی لازوال مامتا کے پیار سے بھری ہوئی بانہیں اٹھائیں اور یہ عاجز آپؓ سے یوں جا لپٹا کہ جیسے ایک چھوٹا سا بچہ اپنی والدہ کی گود میں جا بیٹھتا ہے-آپؓ نے مجھے گلے لگا کر بہت پیار کیا اور فرط محبت سے آپؓ کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے اور ادھر فرط جذبات سے میری آنکھیں بھی پُرنم تھیں اور پھر کافی دیر تک ہم دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے سے گلے لپٹے سسکیاں لیتے رہے-میں نے اپنی تمام زندگی بھر سیدہ اماں حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھے تھے اس لئے اُس دن دل اتنا گداز تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا-اس چند دن کی جدائی نے آپ کی الفت وشفقت اور ذرہ نوازمحبت کی ایک انمٹ اور یادگار بلکہ ایک بے نظیر مُہر ثبت کر دی کہ آپؓ اس عاجز کو کتنا عزیز رکھتی تھیں اور میں نے بھی اپنے دل میں یہ پکا عہد کیا کہ اب میں کبھی بھی اتنا لمبا عرصہ اماں کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا لیکن افسوس! صد افسوس! کہ اس کے چند ماہ کے بعد ہی ہم سب سے اتنی زیادہ محبت اور بے مثال شفقت کرنے والی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیں داغ مفارقت دے کر جنت الفردوس کو سدھار گئیں- اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ٥ (البقرة:۱۵۷) -اب آپؓ کی ہزاروں پیاری باتیں یاد آتی ہیں اور لاکھوں سہانی یادیں ہیں-جب کبھی دل بہت اداس ہوتا ہے تو خاکسار آپؓ کی عنایت فرمودہ تصاویر کو نکال کر پیار سے یاد کر لیتا ہے اور پھر تصورات میں ہی آپؓ سے محو گفتگو بھی ہو جاتا ہے-اس کے علاوہ خدا کے فضل سے خوابوں میں بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن آپؓ کی پیاری ہستی کی دید سے ہم اب محروم ہیں لہذا اس وقت میں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ یہ واقعات یعنی اپنی داستان قلمبند کر رہا ہوں اور بار بار آپؓ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اے میرے اللہ! تو ہمیں اگلے جہان میں بھی ایک دوسرے سے ضرور ملانا-اللہ تعالیٰ یہ دعائیں قبول فرمائے-آمین اللھم آمین

خاکسار کا پیدائشی نام مقصود پرویز تھا کہ جسے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ازراہ شفقت مسعود احمد نسیم میں تبدیل فرما دیا تھا یعنی یہ نسیم کا تخلص بھی حضرت میاں صاحبؓ کا ہی عطا فرمودہ ہے-اغلباً آپ پرویز کے نام کو شہنشاہ فارس خسرو پرویز یعنی کسریٰ ایران کا ہم نام ہونے کی بنا پر پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے دوسرے تمام ہم عصر بادشاہوں کی طرح اس کو بھی ایک تبلیغی خط لکھا تھا-(صحیح البخاری کتاب الجهاد باب دعوة اليهودی و النصرانی ما يقاتلون عليه وما كتب النبی ﷺ الیٰ كسریٰ و قيصر) کہ جس کے جواب میں اس نے بڑے تکبر اور نہایت رعونت کے ساتھ آپؐ کے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اپنے ماتحت علاقہ یمن کے گورنر کو یہ حکم دیا کہ وہ عرب کے اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ گرفتار کر کے اس کے دربار میں پیش کرے-اس پر گورنر یمن کے دو سپاہی کسریٰ کا خط لے کر مدینہ آئے کہ جس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک رات ٹھہرنے کے لئے فرمایا-رات کو آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں

نہ جانے کیا مناجات کیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اسی رات کو خدا تعالیٰ نے اپنی عظمت وجلال کا ایک عظیم الشان جلوہ دکھایا۔ صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔" جاؤ تم واپس جا کر والیٔ یمن سے کہہ دو کہ آج رات میرے رب نے تمہارے رب یعنی کسریٰ کو ہلاک کر دیا ہے۔(الخصاص الکبریٰ الجزء الثانی صفحہ ۱۰ باب ما وقع عند کتابہ ﷺ الیٰ کسریٰ)۔ وہ لوگ یہ بات سُن کر ہکا بکا رہ گئے اور دم بخود واپس چلے گئے اور پھر وہی ہؤا کہ جس بات کے ہونے کا فرمان جاری ہو چکا تھا یعنی کسریٰ کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور تمام ایران وخراسان مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا لیکن میرے ساتھ یہ ہؤا کہ ۱۹۵۹ء میں جب میرے سب سے چھوٹے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب مجھے ربوہ کے تعلیم السلام پرائمری سکول محلّہ دارالرحمت میں داخل کروانے کے لئے لے گئے تو انہوں نے یا سکول کے ماسٹر مکرم مقصود احمد صاحب نے غلطی سے مسعود کی بجائے مقصود سکول کے رجسٹر میں لکھ دیا اور پھر وہی نام اب تک چلتا چلا آ رہا ہے۔ ان دنوں چونکہ میرے نام کی تبدیلی نئی نئی ہوئی تھی لہذا میرے ماموں کو بھی شاید صحیح علم نہ تھا اور میں تو چھوٹا سا بچہ تھا اس لئے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ماموں جان نے کیا لکھوایا اور مکرم ماسٹر مقصود احمد صاحب نے کیا لکھا بہرحال حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نیز میری والدہ صاحبہ محترمہ احمدی بی صاحبہ اور میرے والد صاحب محترم چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب مجھے پیار سے ہمیشہ مسعود کہہ کر ہی تمام زندگی پکارتے رہے اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نیز گھر میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیار سے دئے گئے نام مسعود۔ سُودی یا سُودا اور عموماً سُودے خان کے نام سے بھی بلایا یا پکارا جاتا ہے یعنی سُودی بھی ایک خاص نام ہے۔ ایسے نام صرف خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہی عموماً استعمال ہوتے ہیں یعنی خاندان مبارکہ کے بہت سے معزز ومحترم احباب کے اصل ناموں کی بجائے عموماً انہیں پیار سے درج ذیل ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً:۔

(۱)۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو خلافت سے پہلے ہر جگہ میاں طاہری کہہ کر پکارا جاتا تھا۔(۲)۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو گھر میں سُوری میاں کہہ کر پکارا جاتا تھا۔(۳)۔ حضرت امیر مقامی ربوہ پاکستان صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کو گھر میں خُوچی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۴)۔ حضرت صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب کو اجی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۵) مکرم صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب کو پھیکی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۶)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا شمیم احمد صاحب کو میاں شامی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔(۷)۔ مکرم ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب کو بچھی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۸)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب کو جیبی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۹)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق صاحب کو چھیری میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۱۰)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا لئیق احمد صاحب کو LUCKY لکی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۱۱)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب کو تانی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۱۲)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب کو LOOKY لُکی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔(۱۳)۔ مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد صاحب کو سیفی میاں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ الغرض مثالیں تو بہت سی ہیں لیکن میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں تا کہ اسی طور خاکسار کے نام سُودی کی وجہ تسمیہ کا علم بھی ہو جائے کہ یہ نام کہاں سے آیا؟ اب خاکسار اپنے خاندان کے مکمل تعارف کے لئے اپنے تمام بہن اور بھائیوں کے نام یہاں تحریر کرتا ہے کہ جن میں سے میرے دو مرحوم بھائیوں کے سوا بقیہ پانچ خوش قسمت افراد نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بے حد وحساب شفقت، محبت اور پُرخلوص دعاؤں میں سے حصہ لیا ہے۔ خاکسار کے بھائی بہنوں کے اسمائے گرامی:۔

محترمہ آپا امتہ الحفیظ (حفیظہ) بیگم صاحبہ۔ مکرم بھائی جان عبدالغفور صاحب۔ محترمہ آپا امتہ الغفور (غفورہ) بیگم صاحبہ۔
محترمہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ۔ مکرم بھائی جان بشیر احمد صاحب۔ محترمہ آپا بشریٰ پروین (بچھی) صاحبہ۔

اور خاکسار مقصود احمد نسیم (سودی یا سودے خان)۔

خداتعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی بابرکت دعاؤں کے صدقے میری والدہ صاحبہ اور وفات یافتہ بھائی بہنوں یعنی محترمہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ - مکرم بھائی جان عبدالغفور صاحب - محترمہ آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ - محترمہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ اور مکرم بھائی جان بشیر احمد صاحب کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے - آمین اللھم آمین - جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اوپر درج میرے دونوں بھائی صغیر سنی میں ہی انتقال فرما گئے تھے اور ان کی وفات کے بعد مجھ سے بڑی چار بہنیں موجود تھیں کہ جن کے بعد اگست ۱۹۵۳ء میں خاکسار کی پیدائش ہوئی - اس سلسلہ میں یہاں ایک دلچسپ روایت کو بھی بیان کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ جس کا میرے والدین یا مجھے اب تک قطعاً علم نہ تھا - حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب انچارج شعبہ زودنویسی نے بیان کیا کہ:-

''ڈاکٹر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ذوق کے مطابق الفضل (۲۱رجون ۱۹۵۹ء) میں ایک مضمون لکھا - جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر کسی کے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں اور وہ اپنی سب سے آخری لڑکی کی پیدائش پر اس کا نام بشریٰ رکھے تو اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا وہ لڑکا ہوگا اور اس بات کی ستر فیصدی (۷۰٪) امید ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا - بہر حال اسی طرح تیس فیصدی (۳۰٪) یہ بھی امکان ہے کہ اس کے معاً بعد تو ایک اور لڑکی پیدا ہو جائے لیکن پھر اس کے بعد دوسرے نمبر پر لڑکا ہی پیدا ہوگا - خدا کی منشا کہ اس وقت میرے ہاں سب لڑکیاں ہی تھیں - چنانچہ جب آخری لڑکی پیدا ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا نام بشریٰ رکھا - اس کے بعد جب میں گھر واپس آرہا تھا تو راستہ میں حضرت میر صاحبؓ مل گئے - میں نے ازراہ مذاق کہا کہ میں نے تو یہ نام نہیں رکھنا تھا لیکن حضرت صاحب نے لڑکی کا نام بشریٰ رکھا ہے - اب دیکھیں گے کہ آپ کا قاعدہ کہاں تک پورا ہوتا ہے - آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا: تو اب اس کے بعد لڑکا لو - چنانچہ خدا کی قدرت کہ اس کے بعد لڑکا ہی پیدا ہوا اور تقریباً سال بھر کے بعد جب حضرت میر صاحبؓ دوبارہ ملے تو میں نے ذکر کیا کہ آپ کی بات پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکا دیا - اس پر آپ نے پھر ہنستے ہوئے فرمایا کہ: آپ بھی عجیب آدمی ہیں - میں تو سمجھتا تھا کہ آپ ایک مٹھائی کا تھال اٹھائے یہ خوشخبری سنانے آئیں گے لیکن آپ نے تو یہ اطلاع ہی سال بھر کے بعد دی''۔ (الفضل ربوہ مؤرخہ ۱۶رجولائی ۲۰۰۳ء صفحہ ۴)

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی یہ بات نہ صرف مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب کے یہاں پوری ہوئی بلکہ ہمارے یہاں بھی ایسا ہی ہوا - جیسا کہ ابھی آپ پچھلے چند صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے میری چار بہنیں تھیں - دو بھائی بھی ہوئے لیکن وہ بقضائے الٰہی چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے اور اتفاقاً مجھے سے بڑی میری ہمشیرہ کا نام بھی بشریٰ ہی رکھا گیا کہ جن کی پیدائش کے چند برس بعد یہ خاکسار پیدا ہوا - اللہ تعالیٰ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے درجات بلند فرمائے کہ آپؓ نے اس مضمون کو تحریر کرنے سے پہلے نہ جانے کیا کیا نہ دعائیں کی ہوں گی - میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں لیکن اس کے باوجود آپ قرآن شریف ناظرہ بڑے پیار سے ذرا اونچی آواز میں پڑھا کرتی تھیں اور حضرت میاں صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اسی وجہ سے میری والدہ صاحبہ کو ان پڑھ نہ گردانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:-

''جس کو قرآن پڑھنا آتا ہے وہ ان پڑھ نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کریم ہی تو تمام علوم کی جڑھ ہے اور ان کا خزینہ ہے''

قرآن مجید کی اسی برکت کی بدولت آپ اردو پڑھ لیتی تھیں اور چھوٹا سا خط بھی لکھ لیتی تھیں لیکن آپ کے کم پڑھے لکھے ہونے کا نہ کسی کو یقین آتا تھا اور

نہ ہی کوئی اس بات کو سچ مانتا تھا بلکہ پاکستان کے بڑے بڑے مشہور و معروف ڈاکٹر صاحبان مثلاً مکرم ڈاکٹر جمعہ صاحب آف کراچی، مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب آف لاہور اور مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سرجن میو ہسپتال لاہور یہ سن کر بے حد حیرانگی کا اظہار کیا کرتے تھے کہ باوجود اتنی کم پڑھائی ہونے کے یہ انگریزی ادویات کے نام کیسے پڑھ لیتی ہیں اور پھر ان کی مخصوص خوراک کی مقدار اور ان کے اوقات کے بارہ میں صرف ایک ہی مرتبہ سُن کر کیسے حفظ کر لیتی ہیں؟ جب کہ ہماری بڑی بڑی پڑھی لکھی، ذہین اور تجربہ کار نرسیں بھی بعض ادویات کا مشکل سا نام لیتے وقت تھتھلا جاتی ہیں اور پھر کئی مرتبہ تجویز کردہ خوراک کی مقدار بھی بھول جاتی ہیں اور پھر دوا کے ساتھ چھپی ہوئی تفصیلات کی پرچی کو پڑھ کر ہی دوا دے سکتی ہیں۔ اسی ذہانت کی بنا پر یہ معزز و محترم احباب میری والدہ صاحبہ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے لیکن میری والدہ محترمہ انکسار سے اپنی اس قابلیت کو حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی دعاؤں کا نتیجہ گردانتی تھیں۔ اس لئے ۲۰۰۱ء میں جب خاکسار اپنی اس کتاب کا مسودہ لے کر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت میں امریکہ حاضر ہؤا تو وہاں اپنے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کے یہاں حضرت میاں عبدالرحیم احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کی بیٹی صاحبزادی امتہ البصیر بیگم (بی بی سُری) صاحبہ اور داماد مکرم ڈاکٹر میر داؤد احمد صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تو اس وقت صاحبزادی بی بی سُرِّی صاحبہ نے بھی میری والدہ محترمہ کا ذکر تحسین آمیز کلمات کے ساتھ کرتے ہوئے بتایا کہ:-

’’ ایک مرتبہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بے حد بیمار تھیں تو میری امی (حضرت صاحبزادی امتہ الرشید بیگم صاحبہ- ناقل) نے جا کر جب حضرت عمو جانؓ سے خیر خیریت دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ’’ میں نے اپنے اندازہ اور احمدہ کے مشورہ سے ام مظفر احمد کو ایک دوائی تجویز کر کے دی ہے کہ جس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ افاقہ ہے اور امید ہے کہ یہ بیماری انشاءاللہ جلد ہی دور ہو جائے گی‘‘۔

اسی سلسلہ میں میں نے جب واپس وطن یعنی جرمنی پہنچ کر شکریہ ادا کرنے کے لئے حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کو فون کیا اور خاکسار کے پاکستان آنے کے لئے دعا کے لئے بھی عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو! جب یہاں ربوہ آؤ تو مجھے ضرور ملنا۔ پھر فون پر چند واقعات سناتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:-’’میں نے ظہیر (آپ کے صاحبزادے مکرم ڈاکٹر صاحبزادہ ظہیر الدین منصور احمد صاحب- ربوہ) کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جیسے ہی احمدہ (خاکسار کی والدہ محترمہ) کا فون آئے تو بیٹا! خود ان کے گھر جا کر انہیں دیکھ آیا کرو تا کہ انہیں تمہارے کلینک میں آنے کی دقت نہ اٹھانی پڑے‘‘۔ یہ سن کر میں نے آپ کی ان بے پایاں عنایات کا شکریہ ادا کیا اور خدا کے حضور بھی سربسجود ہؤا کہ اس نے ہم احمدیوں کو کیسے کیسے اعلیٰ حسن کردار والے عظیم الشان پیارے وجود عطا کئے ہوئے ہیں۔ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْم

☆

محترمہ آپا امتہ الغفور (غفورہ) بیگم صاحبہ

نوراللہ مرقدہا

حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کے ذکر خیر سے مجھے یاد آیا کہ آپ غیروں کو دین اسلام کی تبلیغ اس درجہ پیار سے کیا کرتی تھیں کہ دل عش عش کر اٹھتا تھا۔ آپ کے اسی حسن سلوک سے متاثر ہو کر ایک عیسائی لڑکی نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس مسلمان احمدی بہن کا نام تو میں اب بھول چکا ہوں لیکن حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کا یہ سنہری کام میں تمام زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔ بہر حال اس احمدی لڑکی کے والدین ہمارے گھر کے قریب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے مکان میں رہا کرتے تھے اور یہ لوگ میری ہمشیرہ آپا امتہ الغفور بیگم (آپا غفورہ) صاحبہ سے اپنے کپڑے سلوایا کرتے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میری یہ دوسری بڑی بہن آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ بہت سگھڑ تھیں لہذا میں آپ کے اس سگھڑ پنے کی ایک چھوٹی سی مثال میں یہاں پیش خدمت کرتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ ربوہ کے ابتدائی ایام کے دنوں میں ہمارا مکان کچا تھا یعنی کچی اینٹوں سے بنایا گیا تھا لیکن اس کی اندرونی اور بیرونی دیواروں اور چھت پر ہمیشہ مٹی اور گندم کے بُھوسے (تُوڑی) کو ملا کر لیپ کیا جاتا تھا اور اس مکان کے اندر اور باہر چونے کی سفیدی کی جاتی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت نیا نظر آیا کرتا تھا نیز مکان کے اندر در و دیوار پر ربوہ میں اگنے والے جنگلی پھولوں کے گلدستے ہمیشہ آویزاں نظر آیا کرتے تھے کہ جن کی بدولت گھر کا ماحول بہت ہی خوبصورت نظر آیا کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں ربوہ میں بہت ہی خوبصورت مختلف اقسام کے رنگین خودرو پھول اگا کرتے تھے جو کہ بعد میں ربوہ کی آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نابود ہوتے چلے گئے۔ بہر حال آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ ان خودرو جنگلی پھولوں کے مختلف گلدستے بنا کر انہیں کمرہ کی چھت کے نیچے شہتیر کے ساتھ باندھ کر لٹکا دیا کرتی تھیں اور جب وہ خشک ہو جاتے تو تب انہیں کسی گلدان میں ڈال کر انگیٹھی پر سجا دیا کرتی تھیں۔ اس طرح پھولوں کو خشک کر کے اپنے سادہ سے گھر کو خوبصورت بنانے کا یہ کام آپا نے ہماری نانی اماں جان سے سیکھا تھا کیونکہ انہیں ایسے گلدستے بنانے کی بہت مہارت حاصل تھی۔ ان پھولوں کے علاوہ میری بہنیں کڑھائی سلائی کا کام بھی بہت عمدگی سے کیا کرتی تھیں کہ جس میں دو سلائیوں سے سوئیٹر بننا اور ایک سلائی کو دھاگہ میں پرو کر کروشیا سے بنے جانے والے میز پوش نیز تکیہ کا کور COVER بننا وغیرہ بھی شامل تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اگر تکیہ کا کور یا انگیٹھی دان وغیرہ سادہ کپڑے سے بھی بنائے جاتے تو تب بھی ان پر کروشیا کے ساتھ پھول بوٹوں کی کڑھائی ضرور کی جاتی تھی۔ پس اس طرح ہمارے گھر کے در و دیوار کو دیکھ کر کوئی مہمان یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں کا گزارہ کسی محدود آمدنی پر ہو رہا ہے اور آنے جانے والے مہمان ہمارے گھر کی عورتوں کی تعریف کئے بنا نہ رہ سکتے تھے۔

خاکسار کی اس ہمشیرہ کی شادی خانہ آبادی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے ۱۹۶۴ء میں خود اپنے دست مبارک سے البشریٰ میں سرانجام دی۔ اس شادی میں خاندان حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احباب نے بنفس نفیس شرکت فرما کر اپنی شفقت کا اظہار فرمایا اور پھر اپنی بے لوث دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ ان ایام میں میرے بہنوئی برادرم مکرم محمد شریف شاد صاحب حضرت مصلح موعودؓ کی زمینوں کا نظم ونسق چلانے والے ادارہ ایم۔این۔سنڈیکیٹ (M.N.SYNDICATE) میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی وفات کے بعد جب

زمینیں آپؒ کے تمام بچوں میں تقسیم کردی گئیں تو تب یہ ادارہ ختم ہو گیا تو آپ نے تعلیم السلام پرائمری سکول ربوہ کے سامنے ایک بجلی کے آرے اور لکڑیوں کے ٹال کی دوکان لے لی اور ٹاؤن کمیٹی ربوہ کے دفتر میں بھی اکاؤنٹنٹ کی ملازمت اختیار کر لی-اس کے علاوہ ربوہ کے جنوب کی جانب واقع ایک گاؤں موضع چھنیاں میں بھی کچھ رقبہ ٹھیکہ پر لے لیا لیکن چند سال گزرنے کے بعد ایک دو سال ایسا ہؤا کہ تمام فصلیں سیلاب اور بارش نیز برفانی اولوں کی زد میں آ کر ماری گئیں لیکن میرے بہنوئی مکرم برادرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب نے ہمت نہ ہاری اور ربوہ کو چھوڑ کر راولپنڈی منتقل ہو گئے اور وہاں ماڈرن موٹرز میں مکینک کا کام سیکھ کر اپنا ذاتی کاروبار احمد موٹرز عنایت بازار مری روڈ پر راولپنڈی میں شروع کیا اور پھر ایسی ترقی کی پاکستان بھر میں تو کیا یہ لوگ سیر و تفریح کے لئے یہاں جرمنی، فرانس، سپین، برطانیہ، کینیڈا اور امریکہ وغیرہ جایا کرتے تھے-اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محنتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتا-اب ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں-

زندگی کے آخری چند برسوں میں میری یہ بہن کچھ بیمار رہیں کہ جس پر پاکستان میں ان کے کئی بڑے اپریشن ہوئے لیکن انہیں آرام نہ آنا تھا نہ آیا تو اس پر جب میری بہن زیادہ بیمار ہوئیں تو میرے بہنوئی برادرم مکرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب پاکستان میں علاج معالجہ کروانے کی بجائے ۱۹۸۳ء میں انہیں ہمارے پاس جرمنی لے آئے اور پھر یہاں کے مہنگے ترین ہسپتالوں میں پرائیویٹ مریض ہونے کی بدولت تمام اخراجات خود برداشت کئے اور پھر اس تمام عرصہ کے دوران انہوں نے خلوص دل کے ساتھ میری بہن کی بہت خدمت کی اور بظاہر میری ہمشیرہ تندرست ہو کر واپس پاکستان گئیں لیکن چونکہ ان کی زندگی لمبی نہیں تھی لہذا پاکستان جا کر کچھ عرصہ کے بعد ایک اور تکلیف شروع ہو گئی۔گردے کی اس بیماری کا بھی علاج کروایا گیا لیکن تقدیر الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے اور ان تمام تدابیر کے باوجود بھی وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں-آپا غفورہ بیگم صاحبہ کی وفات سے دو تین دن قبل میں نے یہاں نوئے ویڈ جرمنی سے راولپنڈی فون کر کے انہیں تسلی دی اور دعا کے لئے کہا اور یہ بھی عرض کیا کہ آپ کسی نہ کسی طرح یہاں جرمنی آ جائیں تا کہ کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھایا جا سکے لیکن انہوں نے مجھے بتایا کہ نہیں سُو دے ! اب مجھ میں ہمت نہیں رہی-بہر حال اس گفتگو کے بعد ہم دونوں نے حسب معمول ایک دوسرے کو دعائیں دیتے ہوئے خدا حافظ کہا اور میں نے فون پر اپنی والدہ صاحبہ سے بھی گفتگو کی جو کہ اپنی بچی کی تیمارداری کے لئے ربوہ سے راولپنڈی تشریف لائی ہوئی تھیں-بہر حال اس فون کے بعد آپ کی حالت مزید بگڑنا شروع ہو گئی اور پھر تقریباً دو دن کی بے ہوشی کے بعد انہوں نے مؤرخہ ۳/جولائی ۱۹۸۵ء کو راولپنڈی میں وفات پائی- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)

آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ کے پانچ بچے تھے کہ جن میں سے سب سے پہلے بیٹے عزیزم محمود احمد (اول) صاحب ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے لیکن دائی کی غلطی کی وجہ سے اپنی پیدائش کے چند گھنٹوں کے بعد ہی اسی دن بعد دو پہر وفات پا گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷) ۔نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد اس معصوم بچہ کو ہم نے دریائے چناب کے کنارے ہمارے آبائی ہندوستانی گاؤں پھیرو چیچی سے تعلق رکھنے والے ملاحوں کے گھروں کے قریب بنے ہوئے سیلاب کے پانی کو ماپنے والے پیمانہ کے قریب ربوہ کے جنوبی قبرستان میں دفنا دیا۔میری ہمشیرہ آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ نے اپنی وفات کے وقت اپنے پیچھے چار بچے یعنی دولڑکے عزیزم مکرم محمود احمد شاد صاحب کینیڈا اور عزیزم مکرم نسیم احمد شاد صاحب کینیڈا اور دولڑکیاں عزیزہ ثمینہ قدوس صاحبہ بیلجیئم اور عزیزہ روبینہ صابر صاحبہ (کوبلینز جرمنی) حال مقیم لندن برطانیہ میں یادگار چھوڑے ہیں-اپنی اس بہن کے ذکر خیر سے مجھے یاد آیا کہ جب میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ہدایت پر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت کے لئے رات کو بھی وہیں رہنے لگیں تو اس وقت میری عمر تقریباً تین چار برس کی ہو گی لہذا میں اپنی والدہ صاحبہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیشہ اپنی اس ہمشیرہ آپا امتہ الغفور بیگم صاحبہ کے ساتھ چمٹ کر سویا کرتا تھا اور ان کے بغیر مجھے

نیند نہ آتی اورانہوں نے بھی مجھ پر اپنی شفقت ومحبت کی انتہا کر دی - بچپن میں سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ رات کوسوتے ہوئے بستر میں میرا پیشاب نکل گیا تو میری یہ پیاری بہن سخت سردی کے باوجود نہایت خاموشی سے اٹھیں - چولہا جلایا - پانی گرم کیا - بہت ہی محبت سے مجھے گرم پانی سے دھویا، مجھے نئے کپڑے پہنائے ، بستر کو بدلا اور اُف تک نہیں کی اور آپ کی لازوال شفقت اور محبت کی انتہا اس وقت میں نے دیکھی کہ جب کہ آپ ایک مرتبہ پھر مجھے اپنے سینے سے لگا کر سو گئیں - اسے کہتے ہیں ایک بہن کا بیکراں پیار - ایسا انمول پیار جو کہ ماں کے ایک لازوال جذبے کی طرح رحمت کی بارش بن کر چھوٹے بہن بھائیوں پر پڑتا رہتا ہے - اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر سے نوازے اور ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے ۔ آمین

میری اس بہن کے خود اپنے چار بچوں اور میرے بہنوئی کی پہلی بیوی آپا صغریٰ بیگم صاحبہ کے پانچ بچوں عزیزم مکرم نصیر احمد شاد صاحب (کوبلینز - جرمنی)، عزیزہ امتہ النصیر (بیگی) بیگم صاحبہ (ربوہ - پاکستان)، عزیزہ امتہ السلام (چھمی) بیگم صاحبہ (لاہور - پاکستان)، عزیزم مکرم منیر احمد شاد صاحب (بین ڈورف - جرمنی)، عزیزم مکرم تنویر احمد شاد صاحب (ٹورانٹو - کینیڈا) نیز اپنے سسرال اور اپنے والدین کے خاندانوں کے بہت سے چھوٹے بڑے بے ہنر، نادار اور ناکارہ افراد پر بے حد احسانات ہیں - دونوں جانب کے خاندانوں کے یہ تمام کم عمر اور بڑے بچے سالہا سال ان کے یہاں پل کر جوان ہوئے - اتنا لمبا عرصہ مختلف خاندانوں کے بچے پالنا ، ان کے کھانے پینے اور آرام و آسائش اور دوسری سہولیات کا بے لوث خیال رکھنا کوئی آسان کام نہیں لیکن میری اس ناتواں بہن نے اُف تک نہیں کی اور اپنے خاوند کی مرضی پر جان دے کر سرخروئی حاصل کی - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - اسی طرح میرے بہنوئی برادرم مکرم محمد شریف شاد صاحب نے بھی اپنے خرچ پر دونوں جانب کے ان عزیزوں کو اپنی ورکشاپ پر آٹو مکینک کا پیشہ سکھا کر اتنا ہنر مند بنا دیا کہ وہ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے - اسی طرح مجھے اپنے بارہ میں بھی یاد ہے کہ جب میں فروری ۱۹۷۵ء میں پاکستان سے ہجرت کر کے یہاں جرمنی آ رہا تھا تو اس وقت مکرم برادرم محمد شریف شاد صاحب نے خاکسار کی چار ہزار روپؤں سے مدد کی تھی - اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر سے نوازے - آمین

☆

محترمہ آپا امتہ الحفیظ (حفیظہ) بیگم صاحبہ

نوراللہ مرقدہا

معزز قارئین ! میری سب سے بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ (حفیظہ) بیگم صاحبہ ربوہ پاکستان میں مؤرخہ ۱۰ر - ۱۱رستمبر ۲۰۰۰ء کی درمیانی شب ایک لمبی بیماری کے بعد اپنے گھر الوفا واقع محلّہ دارالصدر شمالی ربوہ پاکستان میں وفات پا گئیں- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)- بوقت وفات آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ(۱۹۳۹ء-۱۱رستمبر ۲۰۰۰ء) کی عمر ۶۱ رسال تھی- آپ موصیہ تھیں لہذا مؤرخہ ۱۲رستمبر کو نماز مغرب کے معاً بعد مسجد مبارک ربوہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی- نماز جنازہ امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سلمہا اللہ تعالیٰ (موجودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے پڑھائی جس کے بعد بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین عمل میں آئی- آپ کی وفات سے چند یوم قبل آپ کے ڈاکٹروں نے آپ کے کینسر کا علاج ختم کر دیا تھا اور سب کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ اب یہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے- آپ کی وفات سے دو روز قبل مؤرخہ ۸رستمبر بروز جمعہ ،نماز جمعہ سے واپسی پر اغلباً شام چار بجے (پاکستان میں رات آٹھ بجے) کے قریب پاکستان سے آپ کی بگڑتی ہوئی تشویش ناک صحت کے بارہ میں اطلاع مؤصول ہوئی- یہ خبر سنتے ہی میں نے پاکستان فون کیا تو اس وقت آپ نے کمزوری کے سبب اپنی زبان سے بولنا بند کر دیا تھا لہذا میں نے اپنے بھانجے عزیزم نعیم احمد صابر صاحب سے کہا کہ تم فون کا لاؤڈ سپیکر آن کر دو اور پھر آپا تمہیں جو بھی اشارے سے جواب دیں وہ مجھے بتاتے چلے جاؤ لہذا اس نے یوں ہی کیا اور اس طرح میں نے فون پر آپا کی ہمت بندھائی کہ ہم سب لوگ آپ کے لئے بے حد دعاؤں میں مصروف ہیں اور پاکستان پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں نیز آپ بھی دعا کریں کیونکہ اس وقت آپ کی ہر دعا انشاءاللہ ضرور قبول ہوگی-

آپا اپنی کمزوری کی باوجود بھی مکمل ہوش وحواس میں تھیں لہذا وہ اشارہ سے ہاں یا نہ میں جواب دیتی رہیں اور عزیزم نعیم احمد صابر صاحب، آپا کا اشارہ دیکھ کر مجھے بول کر فون پر بتلا دیتے رہے- خیر فون پر اپنی اس گفتگو کے بعد میں باعث تشویش آپ کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگتا ہوا اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا اور پھر میری آنکھ لگ گئی- اسی نیند کے دوران میں نے ایک خواب دیکھی کہ جس میں میں نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور اپنی والدہ صاحبہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں دیکھا اور اسی خواب میں مجھے اپنی سب سے بڑی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے بارہ میں ایک یا دو دن کی جانب واضح اشارہ ملا- خیررات گئے میں نے اپنی منجھلی بہن زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کو فرینکفرٹ فون کیا اور اپنی خواب بتا کر خصوصی دعا کی درخواست کی لیکن کسی دوسرے کو بتانا مناسب خیال نہیں کیا کیونکہ اگلے ہی دن یعنی مورخہ ۹رستمبر ۲۰۰۰ء کو میرے بھانجے عزیزم منور احمد ندیم صاحب کی بیوی عزیزہ فرزانہ بیگم صاحبہ کے ماموں جان کی فرینکفرٹ کے قریب ایک شہر میں شادی کی تقریب تھی اور ان سب نے وہاں بھی جانا تھا- اس شادی میں شمولیت کی دعوت تو میری فیملی اور میری بہن عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ کی فیملی کو بھی ملی ہوئی تھی لیکن آپا کی بیماری اور تشویش ناک صورت حال کے باعث ہم سب کا دل نہ چاہا کہ ایسی پریشانی کے وقت کسی خوشی کی تقریب میں شرکت کریں اور یوں ہم دونوں گھرانے اپنے اپنے گھروں میں مقیم آپا کی صحت یابی کے لئے دعاؤں میں مصروف رہے-

لیکن جب یہ لوگ واپس آئے تو میرا خیال تھا کہ یہ لوگ آ کر مجھے خود فون کریں گے لیکن ہفتہ کی رات جب دس بجے تک کسی نے مجھے فون نہ کیا تو میں نے خود اپنے سب سے بڑے بھانجے عزیزم منور احمد ندیم صاحب کو نوئے ویڈ فون کر کے دریافت کیا - وہاں ان کی بیوی نے معمول کے مطابق فون اٹھایا تو میں نے پوچھا کہ آپ لوگ شادی میں شرکت کے لئے جب فرینکفرٹ کے قریب گئے ہی تھے تو کیا جاتے ہوئے یا واپسی پر پاکستان جانے کے لئے ہوائی جہاز کی ٹکٹوں کا انتظام بھی کر کے آئے ہو یا نہیں؟ اس پر وہ کہنے لگیں کہ نہیں ماموں! ہفتہ کا دن ہونے کی وجہ سے آج تو دوکانیں سب بند ہیں - اس پر میں نے کہا کہ نہیں! جرمنی میں تو تمام ہفتہ بھر کام کرنے والے ملازمین عموماً ہفتہ کے دن ہی ایسے کام نپٹاتے ہیں اور اس لئے تمام دوکانیں سہ پہر تک کھلی رہتی ہیں اور یہ سمجھا کر میں نے انہیں اپنی کل والی خواب کے بارہ میں بتایا کہ جسے سن کر میرے بھانجے عزیزم منور احمد ندیم صاحب بھی فون پر آ گئے اور مجھ سے اس خواب کی تفصیل پوچھنے لگے - بہر حال تقریباً آدھ گھنٹہ کی گفتگو کے فون کے بعد میں نے دعائیں دیتے ہوئے فون کو بند کر دیا اور اپنی اس کتاب کی تکمیل کے لئے کمپیوٹر پر آ بیٹھا - رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی، میں چونکہ اس وقت فون کے قریب ہی بیٹھا کمپیوٹر پر یہ کتاب ٹائپ کر رہا تھا لہذا دھڑکتے دل کے ساتھ فوراً ریسیور کو اٹھایا تو میرے بھانجے عزیزم منور احمد ندیم صاحب نے مجھے روتے ہوئے اپنی والدہ صاحبہ کی وفات کی اندوہناک اطلاع دی کہ جسے سن کر میں فوراً ان کو تسلی تشفی دینے کے لئے ان کے پاس NEUWIED چلا گیا - وہاں پہنچ کر میں نے اپنے دونوں بھانجوں کے لئے اِدھر اُدھر حتیٰ کہ لندن تک فون کئے کہ کسی طرح ان دونوں کو کوئی فلائیٹ پاکستان کی مل جائے لیکن سوموار یعنی پیر کے دن جو بھی فلائیٹ پاکستان جا رہی تھی وہ پہلے سے ہی بُک ہو چکی تھی لہذا کسی سیٹ کے ملنے کا تو سوال ہی نہیں تھا -

اپنی اس بہن کے ذکر خیر سے مجھے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی لازوال شفقت اور بے نظیر پیار کا ایک پیارا واقعہ یاد آ گیا کہ کس محبت سے خاکسار کے مربی و مشفق ان دونوں میاں بیوی نے ۱۹۵۸ء میں میری ان سب سے بڑی ہمشیرہ محترمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی مکرم قاضی مبارک احمد صابر صاحب قریشی ابن مکرم قاضی دین محمد قریشی صاحب قادیانی سے اپنے پرانے گھر ربوہ میں از راہ شفقت اپنے دست مبارک سے سرانجام دی تھی - مکرم قاضی دین محمد صاحب کا ذاتی بیان ہے کہ بچپن میں وہ بھی کبھی کبھی سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ قادیان سے حضورؑ کے باغ میں سیر کے لئے جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی حضرت اقدسؑ کے عصا کو بھی پکڑ کر باغ تک جایا کرتے تھے - حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ایما پر نکاح کی تقریب مؤرخہ ۷؍ فروری ۱۹۵۸ء کو نماز عصر کے بعد مسجد مبارک ربوہ میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں حضرت میاں صاحبؓ بھی از راہ شفقت بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ خطبہ نکاح حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ نے پڑھا - سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دو معزز بزرگوں یعنی حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا ابو المنیر نور الحق صاحبؒ نے بطور گواہ حاضر مجلس نکاح فارم پر دستخط فرمائے - اعلان نکاح کے بعد مسجد میں چھوہارے اور مکھانے بانٹے گئے - چند یوم کے بعد حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پرانے گھر واقع کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ بالمقابل مسجد مبارک ربوہ سے رخصتی ہوئی - آپ دونوں رضوان اللہ علیہم نے تمام جملہ انتظامات نہایت محبت سے نمٹائے اور بے حد دعاؤں کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت فرمایا - اللہ تعالیٰ ہمارے ان مشفق و محبّ بزرگوں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضوان اللہ علیہم کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے - آمین

حضرت قمرالانبیاءؓ اور حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی بابرکت دعاؤں کا اثر ہم نے تمام زندگی بھر اپنی ان سب سے بڑی ہمشیرہ پر دیکھا کہ تمام زندگی بھر انہیں کسی قسم کی تنگی یا پریشانی سے دوچار نہیں ہونا پڑا لیکن مال و دولت نیز رزق کی اس فراوانی کے باوجود بھی آپ نے اپنی تمام زندگی نہایت کفایت شعاری کے ساتھ بسر کی تاکہ اپنے سسرال کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرسکیں- دونوں میاں بیوی نے کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے تمام زندگی بھر ہر ماہ ایک معین خرچ انہیں بھجوایا اور اس کے علاوہ بھی ہر طرح سے ان کا خیال رکھا اور تمام بہوؤں سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے کی توفیق پائی اور پچھلے دس برس سے اپنی کوٹھی کی بالائی منزل پر نئے کمرے تعمیر کروا کر اپنی ساس صاحبہ کو اپنے سینے سے لگا کر رکھا، پھر اپنے ایک دیور کو بھی سر چھپانے کی جگہ دی اس کے علاوہ اپنی ایک بیوہ اور بے سہارہ نند کو بھی ان کے یتیم بچہ کے ساتھ اپنے یہاں بلا لیا اور اپنے خاوند کی وفات کے بعد ان پر شفقت مزید اور بھی بڑھا دی- اسی طرح اپنے سسرال کے دوسرے تمام غرض مندوں کی بھی ہر طرح سے مالی مدد اور معاشرتی بہبودی کے کام سرانجام دیتی رہیں نیز آپ کو خود اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی بھی خدمت کرنے کا خوب موقعہ نصیب ہؤا- دینوی لحاظ سے انہوں نے ایک عمرہ اور ایک حج بھی کیا اور حاجن ہونے کے باوجود بھی کبھی کسی مجلس میں بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے کی کوشش نہیں کی- موصیہ ہونے کی بدولت جماعت کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق تھا- آپ بے حد نمازی اور پرہیزگار خاتون تھیں- دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی جوار رحمت کے سایہ میں لپیٹ کر جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے- آمین

جب مکرم ڈاکٹر میاں شمیم احمد صاحب کا مسجد رحمٰن واشنگٹن امریکہ سے واپسی پر ایک موٹر کار کے حادثہ میں انتقال ہؤا تو خاکسار نے اظہار تعزیت کے لئے ان کی بیگم صاحبہ صاحبزادی امتہ النور (بی بی نوشی) صاحبہ کو امریکہ فون کیا تو انہوں نے اپنے غم کو بھول کر مجھے حضرت عموجانؓ کے چند واقعات سنائے اور تاکید کی کہ اِن واقعات کو اُن کے نام کے ساتھ اس کتاب میں چھاپا جائے- نیکی اور پوچھ پوچھ؟ ان میں سے ایک واقعہ پیش خدمت کرتا ہوں- آپ نے بتایا کہ:-

'' ایک مرتبہ ہم حضرت عموجانؓ کو ملنے گئے تو اس وقت آپ کی بہن امتہ الحفیظ بیگم بھی آئی ہوئی تھیں اور کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت عموجان نے انہیں اپنے ساتھ کھانے کی میز پر بٹھا کر کھانا کھلایا کہ جسے دیکھ کر ہمیں آپ کی بہن پر بے حد رشک آیا کہ دیکھو! حضرت عموجانؓ نے آپ کی بہن کی کتنی عزت افزائی فرمائی''- فون پر یہ واقعہ سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے صاحبزادی بی بی نوشی صاحبہ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا- پس اسی قسم کے ان گنت احسان و مروت کے واقعات ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم لوگ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان ہو ہو جاتے ہیں- اے میرے اللہ! تو اس مبارک خاندان پر ہمیشہ اپنی برکات نازل فرماتا چلا جا- آمین

خاکسار کی ہمشیرہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پانچ بچے ہیں- آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے چھوڑے ہیں جن میں سے ایک مکرم منور احمد ندیم صاحب جماعت NEUWIED اور دوسرے مکرم تنویر احمد صابر صاحب (جماعت KOBLENZ جرمنی) حال لندن برطانیہ میں مقیم ہیں- صاحبزادی عزیزہ امتہ النصیر لبنیٰ صاحبہ MELBORN آسٹریلیا میں مقیم ہیں- سب سے چھوٹی بیٹی عزیزہ امتہ العزیز مونا صاحبہ ۱۹۷۵ء میں اپنی دادی اماں کے گھر کراچی میں آتشزدگی کے ایک واقعہ میں زخمی ہونے کے چند روز بعد زخموں کی تاب نہ لا کر ہسپتال میں وفات پا گئی تھیں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے مکرم نعیم احمد صابر صاحب ربوہ پاکستان میں مقیم ہیں اور MTA کے ذریعہ جماعت عالیہ احمدیہ کی خدمت کرنے میں دل و جان سے مصروف ہیں- سب سے چھوٹے صاحبزادے کے سوا بقیہ تمام بچوں کے نام حضرت

قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود تجویز فرمائے تھے۔ خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات کی اطلاع پاتے ہی دنیا بھر سے تعزیت کے بے شمار پیغامات موصول ہوئے اور اپنی جماعت کے علاوہ قریبی جماعتوں کے احباب نے بھی خاکسار کے غریب خانہ پر تشریف لا کر افسوس کا اظہار فرمایا جن میں سے بعض نے نہ نہ کرنے کے باوجود احادیث اور سنت نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے چند دن تک ہمارے اور تمام مہمانوں کے لئے کھانا بھجوانے کا انتظام بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ ترین جزائے خیر اور ہمارے اعزاء اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحومہ آپا کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ آمین

☆

محترمہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ

بی۔اے، بی۔ایڈ، ایم۔اے (اردو)

نور اللہ مرقدہا

معزز قارئین! میری اس منجھلی ہمشیرہ کا ذکر آپ کو بار بار اس کتاب کے مختلف موضوعات میں ملے گا۔ گھر میں پیار سے آپ کو بیدی کہا جاتا ہے۔ آپ مؤرخہ ۳۰؍ جون ۱۹۴۵ء کو گھوڑے واہاں ہندوستان میں پیدا ہوئیں اور مؤرخہ یکم اگست ۲۰۰۴ء کے دن صبح سوا چھ بجے فرینکفرٹ جرمنی میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)۔ ہائی سکول میں میٹرک تک آپ کا نام ہمارے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کے نام پر تفاول کے طور پر زبیدہ رشید تھا۔ کالج کے زمانہ میں زبیدہ تسنیم کے نام سے مشہور ہوئیں اور پھر شادی کے بعد زبیدہ نسیم صاحبہ کے نام سے شہرت پائی۔ ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور دبلی پتلی ہونے کے باوجود کھیلوں (سپورٹس) کی بے حد شوقین۔ نصرت جہاں گرلز کالج ربوہ کے زمانہ میں آپ والی بال اور نیٹ بال بھی کھیلا کرتی تھیں اور ایک مرتبہ آپ کی انگلی بھی اس کھیل میں ایسی مڑ گئی کہ کئی دنوں تک آپ بہت تکلیف میں مبتلا رہیں لیکن اپنی سپورٹس مین سپرٹ کی بدولت کھیل کو نہیں چھوڑا اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جن ایام میں آپ لاہور میں زیر تعلیم تھیں ان دنوں آپ کو کشتی رانی کا بھی شوق پیدا ہوا اور آپ نے اپنی تعلیم کے دوران کوئین آف دی رِور راوی " QUEEN OF THE RIVER RAVI " یعنی ''دریائے راوی کی ملکہ'' کا گرانقدر ایوارڈ اور انعام بھی جیتا تھا جب کہ آپ کے مدمقابل یونیورسٹی کی بہت سی قد آور اور طاقتور طالبات تھیں۔ میری ہمشیرہ صاحبہ کو اس مقابلہ کے لئے جو جگہ دی گئی تھی وہ ناکافی بہاؤ ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ بیکار جگہ تھی جبکہ دوسری طالبات کو منجدھار کے عین وسط میں جگہ دی گئی تھی تاکہ وہ دریا کے بہاؤ کی روانی سے بھی فائدہ اٹھا سکیں لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی دعاؤں اور اپنی مہارت کے زور پر ان سب کو مات کر دکھایا کہ جس کی بنا پر لاہور سے نکلنے والے تمام مشہور و معروف اخبارات مثلاً امروز۔ مشرق۔ نوائے وقت وغیرہ میں آپ پر بہت سے لمبے لمبے کالم بڑی بڑی تصاویر کے ساتھ لکھے گئے کہ جن میں آپ کو برقعہ پہنے کشتی رانی کا مقابلہ کرتے ہوئے دکھایا گیا اور پھر جب آپ نے بی ایڈ بھی کر لیا تو آپ کو آپ کی ہمراہی ساتھی لیکچررز کے ساتھ لاہور میں وزیر اعلیٰ پنجاب پاکستان سے ٹرافی اور سند وصول کرتے ہوئے بھی انہی اخبارات میں دکھایا گیا۔ یہ تمام اخبارات میں نے سنبھال کر رکھے

ہوئے ہیں کیونکہ ایسی ہونہار بہنیں کسی کسی کے نصیب میں ہی ہوتی ہیں کہ جن کا کام ان کے نام کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔شکر الحمدللہ کہ مجھے بھی ایسی ہی بہنیں ملیں۔ یہاں مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا کہ جب میری ہمشیرہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ نے ایم۔اے کا فائنل امتحان دینا تھا تو اس سے پہلے تمام طلبہ و طالبات کو ایک ایک مقالہ بھی تحریر کرنا پڑتا ہے کہ جسے تھیسس بھی کہتے ہیں۔ میری بہن کو جو مقالہ تحریر کرنے کے لئے دیا گیا اس کا عنوان تھا ''شکیل بدایونی''۔ مجھے چونکہ ان ایام میں شعر و شاعری کا بہت شوق تھا اس لئے میرے پاس جناب شکیل بدایونی صاحب کا کم و بیش تمام کلام ہی موجود تھا کہ جس سے میری ہمشیرہ نے بہت فائدہ اٹھایا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ آدھا تھیسس میرا ہی لکھا ہوا ہے تو اس میں ذرا بھی شک نہیں لیکن تھیسس کے معنی کیا ہیں؟ لیجئے آپ بھی پڑھیئے:۔

THESIS means : a treatise advancing a new point of view resulting from research; usually a requirement for an advanced academic degree.

اس مذکورہ مقالہ کی تکمیل کے لئے ہمیں مکرم شکیل بدایونی صاحب کا انٹرویو بھی درکار تھا لیکن جناب شکیل بدایونی صاحب چونکہ ہندوستان میں رہائش پذیر تھے اور ہم یہاں پاکستان میں اس لئے یہ ممکن نہ تھا۔ الغرض قصہ یہ کہ ہمیں کہیں سے یہ علم ہوگیا کہ جناب شکیل بدایونی صاحب کی ایک بیٹی راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ بس! پھر کیا تھا۔ ہم دونوں بہن بھائی ان کے پاس راولپنڈی جا پہنچے اور ان کے انٹرویو سے ہمیں بہت سی ایسی باتوں کا بھی علم ہوگیا جو کہ شائید جناب شکیل بدایونی صاحب از خود ہمیں نہ بتلاتے۔ بہر حال ہم آج بھی جناب شکیل صاحب کی صاحبزادی صاحبہ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایسے ایسے پیارے واقعات بتائے کہ جن کی بدولت میری ہمشیرہ کے مقالہ کو چار چاند لگ گئے اور وہ بہت ہی اچھے نمبروں میں کامیاب ہوگئیں۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جب اپنے علاج معالجہ کے لئے جون ۱۹۶۳ء میں لاہور تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے آپؓ میری سب سے چھوٹی بہن عزیزہ بشریٰ پروین (بچھی) صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن انہی دنوں آپؓ نے اپنی ایک منذر خواب کی بنا پر اپنے اس فیصلہ کو تبدیل فرما کر میری تیسری بڑی بہن محترمہ آپا زبیدہ (تسنیم بیدی) نسیم صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس خواب کے آنے سے پہلے چونکہ پروگرام بن چکا تھا اور آپا بشریٰ پروین (بچھی) صاحبہ کی تیاری بھی مکمل تھی لہذا آپؓ انہیں اپنے پاس بلا کر اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعائیں دیتے ہوئے بہت پیار سے کسی نہ کسی بہانہ سے دل بہلانے کی کوشش فرماتے رہے کیونکہ دنیا بھر کے تمام بچے کسی نہ کسی سفر پر جانے کے لئے تفریح کی غرض سے بہت خوش ہو جاتے ہیں۔ حضرت میاں صاحبؓ کے ہمراہ آپؓ کے خادم مکرم بشیر احمد خادم صاحب بھی لاہور جا رہے تھے اور گھر میں چونکہ اور کوئی نہ تھا لہذا خاکسار کو اپنی زوجہ محترمہ اور خاکسار کی منہ بولی والدہ صاحبہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا خاص خیال رکھنے کی تلقین فرمائی اور خصوصاً یہ بھی فرمایا کہ ام مظفر احمد کو تنگ نہ کرنا اور صحن میں ان کے قریب سوتے ہوئے چوکس رہنا۔ اسی طرح میری والدہ محترمہ صاحبہ کو بھی چند ہدایات دیں اور کچھ نصائح فرمائیں۔ بالآخر موٹر کار میں سوار ہونے سے قبل نہایت خشوع و خضوع سے دعا بھی کی کہ جس میں آپؓ کی اقتداء میں ہم سب بھی شامل ہوئے۔ ان ایام میں آپؓ چونکہ بے حد کمزور ہو چکے تھے لہذا حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی اس سٹیشن ویگن کار کی ڈگی میں ایک فوم کے گدہ پر سفید چادر اور تکیہ وغیرہ ڈال کر بستر بنا دیا گیا تھا کہ جس پر آپؓ لیٹ گئے اور مکرم ڈرائیور صاحب نے ڈگی کے دروازہ کو بند کر دیا کہ جس کے بعد آپؓ نے بھرائی ہوئی آواز میں چلنے کا حکم دیا۔ آج میرے دل میں یہ حسرت آمیز خیال بار بار آتا ہے کہ اگر خاکسار ان دنوں اپنی کم عمری کی بنا پر نو یا دس برس کا بچہ نہ ہوتا تو شائید حضرت میاں صاحبؓ از راہ شفقت مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور یوں مجھے بھی آپؓ کے آخری ایام میں مزید قربت و صحبت نصیب ہوتی نیز کچھ نہ کچھ مقدور بھر خدمت

کرنے کی بھی توفیق مل جاتی لیکن :-

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

عزیزہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ یہاں جرمنی میں ایک لمبا عرصہ نفسیاتی مرض افسردگی کا شکار رہیں-اپنی وفات تک آپ مختلف ڈاکٹروں کے زیر علاج بھی رہیں لیکن شفایابی ان کے مقدر میں نہ تھی نہ ہی آپ شفایاب ہوئیں-مرتے دم تک آپ کا ذہنی توازن بالکل درست تھا یعنی وہ پاگل تو کیا نیم پاگل بھی نہیں تھیں کیونکہ پاگل تو بعض اوقات اپنی اولاد کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور پھر کبھی کبھی آئیں بائیں شائیں بھی کرنے لگتا ہے اسی طرح کبھی گھر کی مختلف اشیائ کو ہی اِدھر اُدھر چھپاتا رہتا ہے اور کبھی اِدھر اُدھر پھینک دیتا ہے تو کبھی یونہی کسی نہ کسی چیز کو توڑ دیتا ہے تو کبھی کسی گلاس یا چھری کانٹے وغیرہ سے ہی اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے کیونکہ وہ احتیاط کے ساتھ کھانا بھی نہیں کھا سکتا بلکہ بعض لوگ تو اپنے کپڑے وغیرہ بھی پھاڑنے لگتے ہیں نیز آج کی کہی بات اسے کل تو کیا چند منٹ کے بعد بھی یاد نہیں رہتی لیکن فرینکفرٹ کی تمام لجنات اور لجنہ اماءُ اللہ کی تمام معزز و محترم عہدیداران میری اس شہادت کی گواہ ہیں کہ میں نے تو کیا بلکہ کسی دوسرے نے بھی آپا بیدی صاحبہ کی حرکات وسکنات میں اس قسم کی کوئی علامت نہیں پائی یعنی ان کے مرض میں پاگل پن کا دور دور تک نام و نشان نہیں ملتا اس لئے میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ صرف نفسیاتی طور پر بیمار تھیں-یہی نہیں بلکہ آپ کے تمام ڈاکٹر صاحبان کا بھی یہی خیال ہے-میرے اس خیال کی تصدیق فرینکفرٹ لجنہ اماءُ اللہ جرمنی کی کئی معزز و محترم شخصیات نے بھی کی ہے-

اس کے علاوہ مجھے خوب یاد ہے کہ انہیں تو اپنی موت سے بہت زیادہ ڈر لگا کرتا تھا-یہاں تک کہ جب کبھی وہ ہمارے ساتھ موٹر کار میں شریک سفر ہوتیں تو خصوصاً ہمیں آہستہ کار چلانے کی ہدایت کیا کرتی تھیں بلکہ عموماً اس وعدہ پر ہمارے ساتھ سفر کیا کرتی تھیں کہ ہم کار کو آہستہ چلائیں گے-اس کی وجہ شائید یہ تھی کہ خاکسار کو ربوہ میں بہت تیز سائیکل چلانے کی عادت تھی اور مرحومہ کے سامنے ربوہ کی سڑکوں پر سائیکل سے گر جانے کی وجہ سے مجھے کئی مرتبہ چوٹیں بھی لگیں-سائیکل کے ذکر سے مجھے خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت کا ایک واقعہ یاد آ گیا -مجھے یاد ہے ۶۷-۱۹۶۸ء کے دوران محترمہ صاحبزادی نصرت جہاں بیگم (چوچو) صاحبہ کو ان کے ابا حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب نے ایک سائیکل لے کر دیا کہ جسے وہ لندن برطانیہ سے واپسی پر لے کر آئے تھے-یورپ کا بنا ہوٗا نیا نیا بائیسکل اور وہ بھی انتہائی قیمتی-کوئی دوسرا ہوتا تو اسے کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا لیکن خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے مرد وزن کی تربیت ہی ایک ایسے پاکیزہ ماحول میں ہوئی ہے کہ ان کے دل نہ صرف اپنے خدام کے لئے انتہائی فراخ ہیں بلکہ اپنے خدام کے لئے شفقت سے انتہائی لبریز بھی ہیں-اس لئے یہ معزز و محترم افراد نہ صرف ایسی قیمتی چیزوں اور اپنے کھلونوں سے خود کھیلتے ہیں بلکہ اپنے خدام کو بھی اپنی قیمتی اشیاء سے کھیلنے کا موقع فراہم کرتے ہیں-یہی وجہ ہے کہ ہم خداموں کے دل بھی ان کے لئے عزت و محبت سے لبریز ہیں زبان پر بھی ہر وقت ان کی صحت و سلامتی کے لئے دعائیں رہتی ہیں-بہر حال میں نے صاحبزادی چوچو صاحبہ اور اپنی بہن عزیزہ بیدی صاحبہ کو البشریٰ کے مردانہ گراسی پلاٹ میں سائیکل چلانا سکھایا کہ جس کے بعد یہ دونوں باری باری سائیکل چلاتی رہتیں اور میں ساتھ ساتھ بھاگتا رہتا تا کہ خدانخواستہ سائیکل پر سے گر جانے پر انہیں زیادہ چوٹیں نہ آئیں-ان دونوں کی اس سائیکل پر کھینچی گئی تصاویر آج بھی میرے سامنے ہیں-بہر حال کچھ یوم کے بعد جب یہ دونوں کچھ ماہر ہو گئیں تو پھر میں ان دونوں کو احتیاطاً دیکھتا رہتا اور یہ دونوں گھر کے گراسی پلاٹ کی بجائے مردانہ اور زنانہ صحن کے پکے فرش پر سائیکل چلا کر خوب لطف اندوز ہوتی رہتیں یہاں تک کہ ان

دونوں نے سائیکل چلانے کی خوب مہارت حاصل کر لی تو پھر انہیں میری نگرانی کی ضرورت نہ رہی تو میں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس ٹریننگ اور نگرانی سے جان چھوٹی۔ آج کے زمانہ کا تو مجھے علم نہیں لیکن اب سے تقریباً ۳۵-۴۰ برس قبل ربوہ جیسے مذہبی اور مقدس شہر میں مستورات کا اپنے گھر سے باہر سڑکوں پر سر عام سائیکل چلانا انتہائی معیوب تصور کیا جاتا تھا اس لئے یہ دونوں گھر کی چار دیواری کے اندر ہی سائیکل چلا کر اپنا شوق پورا کر لیا کرتی تھیں۔ صاحبزادی صاحبہ کے بارہ میں تو یہ علم نہیں کہ وہ بعد میں سائیکل چلاتی رہیں یا نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ابا کی VW فاکس ویگن موٹر کار چلانا شروع کر دی تھی لیکن میری ہمشیرہ ۱۹۷۵ء تک یعنی میرے جرمنی چلے آنے تک اپنے گھر ''الوفا'' کے چاروں طرف سیمنٹ سے بنے ہوئے پکے فرش پر میرا سائیکل چلاتے رہنے کی ورزش کرتی رہیں۔

عزیزہ بیدی صاحبہ کو اپنی موت سے جو خوف لگا کرتا تھا اس ڈر کی بنا پر میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ان میں کسی قسم کی بھی بزدلی قطعاً نہیں پائی جاتی تھی بلکہ آپا بیدی صاحبہ ایک نڈر خاتون تھیں لیکن موت کا خوف ایک حقیقی امر ہے کہ جس سے ہر انسان کو ہر وقت ڈرنا چاہیئے اور اپنی موت کے آنے سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیئے۔ اس لئے میں یہاں آپا زبیدہ صاحبہ کی دلیری کا ایک چھوٹا سا واقعہ پیش خدمت کرتا ہوں کہ جن سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ بزدل نہیں تھیں اور دوسری یہ کہ انہیں سلسلہ عالیہ احمدیہ سے سچی محبت تھی۔ یہ مئی جون ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے کہ جماعت عالیہ احمدیہ کے خلاف پاکستان کے طول وعرض میں ہنگامے شروع ہوئے اور یہ ہنگامے بڑھتے بڑھتے فسادات میں تبدیل ہو گئے۔ عزیزہ آپا زبیدہ (تسنیم) نسیم صاحبہ ان ایام میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم تھیں اور یونیورسٹی کے زنانہ ہوسٹل میں مقیم تھیں کہ ان کی اپنی ہی کلاس فیلوز نے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیا کہ جس پر میری ہمشیرہ نے نہایت جرأت سے ان کے سوالات کا جواب دیا بلکہ جب کسی نے ان سے ہاتھا پائی کرنے کی کوشش بھی کی تو انہوں نے شیر کی طرح ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور انہیں کہا کہ تم لوگ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود مجھ پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ ہو سکتا ہے میرے ہاتھوں تمہیں کوئی ایسی چوٹ لگے جائے کہ تم لوگ جانبر نہ ہو سکو اور ان پر یہ ثابت کر دیا کہ احمدی مرد و زن خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنے والے نہیں۔ بہر حال ۱۹۷۴ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف مبینہ شورش کے ایام میں جب بگڑے ہوئے حالات کو قابو میں لانے کی بجائے حکومت کی شہہ پر قابو سے باہر ہو گئے تو تب حکومت پاکستان نے ملک کے تمام سکول اور کالج بند کر دئے۔ اس پر میری بہن نے ہمیں فون کیا کہ وہ شام کی ٹرین سے ربوہ آ رہی ہیں لہذا میں انہیں چنیوٹ کے ریلوے سٹیشن سے لے لوں۔ اس پر میں دوپہر کو سرگودھا سے لائیلپور جانے والی ٹرین پر ربوہ سے چنیوٹ چلا گیا اور وہاں ریلوے سٹیشن پر شام گئے تک لاہور سے آنے والی گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ جب یہ ٹرین لاہور سے چنیوٹ پہنچی تو میں نے اس گاڑی کے ایک زنانہ ڈبہ میں اپنی بہن کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور انہوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور پھر اسی گاڑی سے ہم دونوں بہن بھائی واپس ربوہ چلے آئے۔ ان انتہائی مخدوش ایام میں جب میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں خود چنیوٹ جا کر انہیں اپنے ساتھ واپس ربوہ لے کر آؤں گا تو جماعت کے بعض مخلص احباب نے مجھے چنیوٹ کے مخصوص حالات کی بنا پر روکا کہ '' آ بیل مجھے مار'' کے مصداق خود چنیوٹ جا کر وہاں کے نام نہاد مسلمان غنڈوں کو یہ دعوت نہ دوں کہ وہ کسی قسم کی کوئی شرارت کریں جبکہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے شہر کے بہت سے لوگ مجھے ذاتی طور پر جانتے اور پہچانتے بھی تھے لیکن مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی پر یہ یقین تھا کہ اگر ہم احمدی سچے ہیں تو چنیوٹ کے لوگ میرا اور میری بہن کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے اور یہی ہؤا کہ باوجود اس کے کہ میں چنیوٹ کے اسلامیہ کالج میں کئی برس تک پڑھتا رہا تھا اور بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے لیکن اس کے باوجود اس دن دوپہر ایک ڈیڑھ بجے سے لے کر شام گئے تقریباً ساڑھے سات آٹھ بجے تک اس چھ یا سات گھنٹے کی درمیانی مدت میں کسی نے مڑ کر بھی میری طرف نہیں دیکھا کہ یہ آدمی کئی گھنٹوں سے یہاں چنیوٹ کے پلیٹ فارم پر کیا کر رہا ہے اور مجھے یہی محسوس ہوتا رہا کہ میں ان لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں اور یوں میں بے خوف وخطر وہاں بیٹھا

لاہور سے آنے والی ٹرین کا انتظار کرتا رہا اور اس بات پر میں آج بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا مشکور ہوں کہ کسی نے مجھے دیکھ کر بھی نہیں پہچانا اور نہ ہی کوئی گزند پہنچائی۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ

نفسیاتی امراض کے ذمرہ میں عرض ہے کہ یورپ اور شمالی امریکہ کے ممالک میں نفسیاتی مریضوں کو ان کی بیماری کی پیچیدگی کی بنا پر بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور ان کا سالہا سال تک علاج کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہندوستانی یا پاکستانی معاشرہ میں اس موذی مرض کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ اگر کسی کو یہ مرض لاحق ہو جائے تو اسے دیکھنے والے اور خصوصاً اس مریضہ کے رشتہ دار عموماً یہی کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ''اجی بس یونہی نخرے کر رہی ہے''۔ یعنی اس تکلیف دہ بلکہ جان لیوا مرض کو بیماری سمجھا ہی نہیں جاتا حالانکہ یہ بیماری نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کو بھی لگ جاتی ہے اور جسے یہ مرض لگ جائے اور پھر اس مریض کا مناسب اور بروقت درست علاج نہ ہو تو وقت کے ساتھ ساتھ اس مرض کی شدت میں اضافہ ہونے کے باعث اس مریض کی ذہنی تکلیف بھی دن بدن بڑھتی ہی چلی جاتی ہے کہ جس کے نہایت ہی خطرناک نتائج ثابت ہو سکتے ہیں۔ بہرحال عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ کو اس نفسیاتی بیماری کے ساتھ ساتھ وہم کی بیماری بھی لاحق ہو گئی تھی کہ جس کی بنا پر وہ کسی نہ کسی بات پر مصر رہتیں کہ یہ بات ایسے کیوں ہے ؟ یا وہ بات ایسے کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور یوں آپ سالہا سال کے لمبے عرصہ کے دوران دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں اور بالآخر ہڈیوں کا ایک پنجر بن کر رہ گئی تھیں لیکن شاباش کہ اپنی ناگفتہ بہ حالت کے باوجود انہوں نے اُف تک نہیں کی اور تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اپنی طبیعت پر اتنا کنٹرول رکھا کہ خاندان سے باہر کسی شخص یا لجنہ اماء اللہ احمدیہ فرینکفرٹ کی اراکین کو بھی مرتے دم تک کانوں کان یہ خبر نہ ہونے دی کہ آپ کس قدر شدید ذہنی اور جسمانی تکلیف میں مبتلا یا بیمار ہیں۔ مجھے نہ صرف ان کی بیماری کی تمام تفصیلات کا علم تھا بلکہ مجھے ان کی کمزور جسمانی حالت کا بھی علم تھا۔ آخر وہ میری بہن تھیں اس لئے جب بھی ملاقات ہوتی تو مصافحہ اور معمولی سا معانقہ کرتے ہی تمام حالات کا علم ہو جاتا لیکن پھر بھی میری دعا یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفایاب فرمائے اور یہ اپنے اکلوتے بچے عزیزم مکرم ابراہیم نسیم صاحب کی خوشیاں دیکھیں بلکہ میں تو انہیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشعار پڑھ پڑھ کر بے حد تسلی بھی دیا کرتا تھا اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ دیکھو! میں بھی تو آپ کا اکیلا بھائی ہوں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارے باپ کی نسل مجھ سے ہی چلے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نیز ہمارے والدین اور تمام بزرگوں کی دعاؤں کے صلہ میں مجھے دو لڑکے عطا فرمائے ہیں۔ اس لئے اگر ابراہیم اکیلا ہے تو کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ اللہ اس اکلوتے بچے میں ہی ''اک سے ہزار ہوویں'' کے مصداق برکت ڈالے اور یہ خادم دین بنے۔ آمین۔ اور میں خصوصاً یہ شعر سنا کر ان کی ڈھارس بندھایا کرتا تھا کیونکہ ان کو مزید اولاد کی بہت تمنا تھی لیکن بہ تقدیر الٰہی سے ان کے کچھ بچے پیدائش سے قبل ہی ضائع ہو گئے تھے اور یہ حادثات ہی ان کی نفسیاتی بیماری کا محرک تھے۔

ان کی ایک بہت ہی پیاری خوبی یہ بھی تھی کہ جوانی کے زمانہ سے ہی آپ کی خاندان مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام معزز و محترم خواتین مثلاً حضرت چھوٹی آپا بی بی ام متین صاحبہؒ۔ حضرت صاحبزادی بی بی امۃ القیوم بیگم صاحبہ۔ حضرت صاحبزادی بی بی امۃ الباسط بیگم (بی بی باچھی) صاحبہ۔ حضرت صاحبزادی بی بی امۃ اللطیف بیگم (بی بی طیفی) صاحبہ۔ حضرت صاحبزادی بی بی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ بلکہ اور بھی بہت سی خواتین سے ذاتی خط و کتابت جاری رہتی تھی لیکن اپنی لمبی بیماری کے دوران ان کی یہ خط و کتابت تو اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اسی طرح خط و کتابت کے ساتھ ساتھ ان کی یہ بھی خواہش ہوتی تھی کہ اگر خاندان مبارکہ کی کوئی بھی صاحبزادی جلسہ سالانہ جرمنی وغیرہ کے موقعہ پر یہاں جرمنی تشریف لاتیں تو وہ انہیں بہت ہی چاہت کے ساتھ اپنے یہاں مدعو کرتیں اور پھر ان کے اعزاز واکرام کی غرض سے نہ صرف گھر پر کھانے اور چائے وغیرہ کی دعوت کا

انتظام کرتیں بلکہ باہر اپنے پھلوں والے باغ اور پھولوں والے باغیچہ میں بھی پکنک کا پروگرام ضرور بناتیں اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق خاندان مبارکہ کی ان صاحبزادیوں کی ہر طرح سے بذات خود خاطر و مدارت کر کے انتہائی خوشی محسوس کرتیں اور ان معززین کی دعائیں لیتیں۔معزز و محترم مہمانوں کی عزت و توقیر کیا چیز ہے؟ یہ سبق ہمیں محترمہ آپا زبیدہ نسیم بیدی صاحبہ سے ہی ملا۔آپ نہایت باقاعدگی کے ساتھ خاندان مبارکہ کی ان سب معزز و محترم خواتین کو اپنے خطوط کے ذریعہ دعا کی خصوصی تحریک کیا کرتی تھیں بلکہ اگر مرض کی شدت میں اضافہ ہو جاتا یا کسی اور وجہ سے طبیعت بوجھل یا بے چین ہو جاتی تو عموماً فون پر بھی اپنے قلبی سکون کے حصول کی خاطر دعا کی درخواست کیا کرتی تھیں۔اگر کسی کا فون نمبر نہ ملتا تو خصوصی طور پر مجھے فون نمبر مہیا کرنے کو کہتیں بلکہ ابھی دو سال ہوئے جب حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے وفات پائی تو تب بھی انہوں نے مجھ سے ان کے گھر کا نمبر پوچھا اور خصوصاً ان کی بیٹی صاحبزادی محترمہ امتہ الباقی عائشہ (نونو) صاحبہ کے فون نمبر کے بارہ میں دریافت کیا کہ جس پر میں نے عرض کیا کہ وہ تو کافی عرصہ سے کینیڈا میں مقیم ہیں لہذا وہاں اپنے کسی دوست سے پوچھوں گا۔یعنی مرتے دم تک بھی خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد سے ان کی محبت قابل دید رہی۔بہرحال اسی فون نمبر کے حصول کے واسطے خاکسار نے اپنے دوست مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب امیر جماعت احمدیہ و مشنری انچارج کینیڈا سے ہینڈی پر رابطہ کیا اور ان سے مکرم صاحبزادہ مرزا احسن احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا انور احمد (میاں انو) صاحب کا فون نمبر حاصل کر کے جب انہیں فون کیا تو وہ گھر پر نہ ملے لیکن ان کی بیگم صاحبہ نے ازراہ مہربانی محترمہ صاحبزادی امتہ الباقی عائشہ (نونو) صاحبہ کا فون نمبر دے دیا کہ جس کے بعد خاکسار نے محترمہ صاحبزادی بی بی نونو صاحبہ سے ان کے ابا کی وفات پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار تعزیت کی صورت میں کیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (۹رمئی ۱۹۱۴ء-۲۱رجون ۲۰۰۴ء) کے ذکر خیر سے یاد آیا کہ خاکسار اکثر اپنے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا تسلیم احمد (بے بی میاں) صاحب کے کھلونوں خصوصاً میچ بکس MATCHBOX اور ڈنکی ٹوائز DINKYTOYS کاروں کے ساتھ دن رات کھیلتا رہتا تھا اور اس کے علاوہ بھی ہم لوگ آپس میں مل کر بہت اودھم ڈالا کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی بھی اس کا برا نہیں منایا بلکہ ہمیشہ یہ دونوں معزز میاں بیوی ہمیں آپس میں گھل مل کر کھیلتا دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔حضرت میاں مبارک احمد صاحب کے گھر سے ایک چیز جو میں نے خصوصاً سیکھی وہ تھی پھولوں سے محبت۔یوں تو آپ کو تمام اقسام کے پھول ہی پسند تھے لیکن گلاب کے پھول بہت زیادہ پسند تھے اور اسی لئے آپ کے مردانہ اور زنانہ باغیچوں میں ہمیشہ گلاب کی مختلف انواع کے بڑے بڑے خوبصورت پھول اپنی بھینی بھینی خوشبو بکھیرتے رہتے تھے۔اسی طرز پر خاکسار نے بھی اپنے یہاں ''الوفا'' دارالصدر شمالی ربوہ میں گلاب کے مختلف پودے لگوائے تھے اور پھر جرمنی چلے آنے تک یعنی فروری ۱۹۷۵ء تک ان کے بڑے بڑے گلدستے روزانہ ہی جماعت عالیہ احمدیہ ربوہ کے مختلف عالی مرتبہ بزرگوں اور اپنے عزیز دوستوں نیز ٹی آئی کالج ربوہ کے مختلف پروفیسروں کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔حضرت میاں مبارک احمد صاحب کی خاص توجہ سے دفاتر تحریک جدید ربوہ کے گراسی پلاٹس میں بھی گلاب کے پھول کھلے رہتے تھے اور کسی کو یہ پھول توڑنے کی اجازت نہ تھی کہ جس کی بدولت یہ دفاتر گل و گلزار بنے رہتے تھے۔پھولوں کے علاوہ حضرت میاں مبارک احمد صاحب کو کبوتروں کی ایک خاص قسم یعنی لکا کبوتر پالنے کا بھی بہت شوق تھا اور مجھے یاد ہے کہ دفاتر تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس کے ایک کونہ میں ان کے لئے ایک بڑا سا ڈربہ بنا ہوا تھا اور ہم بچے کبھی کبھی اس چھوٹے سے چڑیا گھر کو دیکھنے بھی جایا کرتے تھے اور ان کبوتروں کے چونچلے دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے درجات بلند فرماتا چلا جائے کہ آپ ہر طرح سے ہم بچوں کی دلداری کیا کرتے تھے۔آمین

الغرض خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز و محترم افراد سے خط و کتابت اور فون پر ذاتی گفتگو سے یاد آیا کہ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ ساتھ خاکسار بھی اپنی بہن کی شفایابی کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مختلف بزرگوں اور اپنے مختلف دوستوں کو ان کی صحت یابی کی دعا کے لئے عرض کرتا رہتا تھا بلکہ ان تمام گزرے برسوں میں حضورؒ کے داماد اور خاکسار کے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب نے تو کئی مرتبہ ازراہ شفقت خود اُن کو اور اُن کے شوہر مکرم محبوب احمد نسیم صاحب کو نیز خاکسار کو بھی ان کے ڈیپریشن اور وہم کے بارہ میں گاہے بگاہے نہایت مفید مشورے دئے اور زود اثر دوائیں بھی تجویز کیں لیکن مرحومہ کے مرض کو آرام نہ آنا تھا نہ آیا اور ان کی تقدیر میں جو مقدر تھا وہ پورا ہؤا۔ خاکسار کے یہ بے مایہ الفاظ مرحومہ کی تمام خوبیوں کا نعم البدل کبھی بھی نہیں بن سکتے کیونکہ مرتے دم تک عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ کی زبان پر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا بابرکت نام تھا لیکن اگر ان کی کسی عبادت الٰہی یا جماعتی خدمت یا اقربا سے حسن سلوک کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت کی چادر اوڑھا دے تو عزیزہ آپا بیدی صاحبہ کی روح کے لئے یقیناً یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی کیونکہ آپ نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری جان لیوا بیماری اور پھر حضرت میاں صاحبؓ کے ماہ جون سے لے کر ستمبر ۱۹۶۳ء تک پاکستان کے مختلف شہروں میں جاری سفر آخرت کے دوران حضرت صاحبزادی بی بی امتہ اللطیف (بی بی طیفی) صاحبہ اور باجی ساجدہ حمید خان صاحبہ (ہارٹلے پول برطانیہ) کے ساتھ رہ کر دن رات ہر طرح سے خیال رکھا اور اس خدمت کے بدلہ میں بے حد وحساب دعائیں لیں۔ خود اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی بھی حتیٰ المقدور خدمت کرنے کی توفیق پاتی رہیں اور تاحیات ان کی دعائیں سمیٹتی رہیں یہاں تک کہ جب ۱۹۹۲ء میں ہماری والدہ صاحبہ اپنی بیماری کے باعث جرمنی چھوڑ کر پاکستان واپس تشریف لے جارہی تھیں تو تب بھی آپ والدہ صاحبہ کی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے آرام اور سہولت کی خاطر ان کو جرمنی سے پاکستان واپس چھوڑنے کے لئے ساتھ گئیں بلکہ بعد میں جب مئی ۱۹۹۶ء میں والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی آپ پاکستان میں ہی تھیں اور نہایت تندہی سے والدہ صاحبہ کی خدمت میں مصروف رہیں۔

اسی طرح آپ حضرت سیدہ سرور سلطان جہان بیگم (حضرت ام مظفر احمد) صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی پروردہ تھیں۔ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ عزیزہ بیدی صاحبہ کی تعلیمی قابلیت کو خوب اچھی طرح سے جانتی تھیں اس لئے آپؓ نے ان کو بی۔اے تک تعلیم دلوانے کا وعدہ کیا تھا اور آپؓ نے اپنے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ اس سلسلہ میں عزیزہ بیدی صاحبہ کی وفات پر مجھے مکرم صاحبزادہ مرزا احسن احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب کا کینیڈا سے ای میل خط ملا کہ جب آپا بیدی صاحبہ نے بی۔اے کیا تھا تو اس وقت تمام خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بہت خوشیاں منائی گئی تھیں کیونکہ اتنی زیادہ تعلیم اس زمانہ میں اغلباً کسی نے بھی حاصل نہ کی تھی۔ اسی تعلق کی بنا پر آپ کو بھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام افراد سے بہت ہی عقیدت بھری محبت تھی بلکہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے بتایا کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد انہیں اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ان کی تعلیم و تربیت اور رہن سہن کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں۔ تعلیم کے لحاظ سے انہوں نے بی۔اے اور بی۔ایڈ کے ساتھ ساتھ ایم۔اے (اردو) بھی کیا تھا اور حکومت پاکستان کے نیشنل ڈیویلپمنٹ والنٹیئر پروگرام NDVP کے تحت چند سال نصرت جہاں گرلز کالج فار ویمن ربوہ میں بھی بطور لیکچرر احمدی طالبات کو تعلیم دیتی رہیں۔ الغرض سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی تعلیم و تربیت تمام زندگی بھر عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ کے لئے مشعل راہ بنی رہی اور اسی لئے آپ مرتے دم تک صوم وصلوٰۃ کی انتہائی سختی سے پابند رہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت باقاعدگی سے کیا کرتی تھیں اور سب سے زیادہ بڑھ کر آپ موصیہ بھی تھیں اس لئے زندگی کے آخری چند سالوں میں آپ کا سوائے خدائے واحد کی عبادات بجا لانے اور

ایم-ٹی-اے پر جماعتی پروگرام دیکھنے کے اور کوئی خاص شغل نہیں رہا تھا- اپنی وفات سے چند منٹ قبل بھی صبح خود اٹھ کر وضو کیا اور پھر خدا کے حضور حاضر ہوگئیں- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)

آپ اپنے شوہر مکرم محبوب احمد نسیم صاحب کی انتہائی فرمانبردار تھیں اس لئے آپ نے کبھی ان صاحب کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کی بلکہ اگر کوئی حق بات تھی بھی تو تب بھی خاموشی سے اپنے حقوق کو اپنے شوہر کی مرضی پر بے دریغ قربان کر دیا- حالات سے ناواقف ہمارے خاندان کے ہی اپنے کئی عزیز اُن سے اس بات پر خفا بھی رہتے تھے کہ آپ اپنے حق کو استعمال کیوں نہیں کرتیں؟ لیکن آپ نے اپنی تمام زندگی اپنے رشتہ داروں کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اپنے مجازی خدا کی ہر بات کو مان کر اطاعت کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ دکھلایا کہ ہمارے تمام مرد و زن رشتہ دار اس خاموش اطاعت کو ہمیشہ ہمیش یاد رکھیں گے- رشتہ داری کے تعلق میں میں یہاں یہ ذکر کرنا بھی نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے بہنوئی مکرم برادرم محبوب احمد نسیم صاحب نے مرحومہ کی حد سے زیادہ بڑھ کر تیمارداری کی جو کہ تیمارداری کی حد سے بڑھ کر خدمت کا درجہ اختیار کرتی چلی گئی یعنی آپ نے اپنی بیمار بیوی کی خدمت کرنے کا حق ادا کر دیا- آپ اپنے دفتری اور جماعتی کاموں کے ساتھ ساتھ گھر کا تمام سودا سلف لا کر دیتے- کھانا پکاتے -کپڑے دھوتے- کپڑے استری کرتے اور گھر کی صفائی کرتے یہاں تک کہ کوڑا کرکٹ سے بھرے مومی لفافے بھی گھر کے نیچے پڑے ڈرموں میں لے جا کر ڈالتے یعنی کسی بھی گھریلو کام کو انہوں نے کبھی کوئی عار نہیں سمجھا بلکہ مرحومہ کی بیماری کے آخری کئی سال تو گھر کے تقریباً تمام کام میرے بہنوئی اپنے ہاتھ سے خود ہی سرانجام دیتے رہے- یہی نہیں بلکہ زندگی بھر نہایت بشاشت کے ساتھ گھر کے ہر کام کاج میں میری ہمشیرہ کا ہاتھ بٹاتے رہے اور کسی کو کانوں کان یہ علم نہ ہونے دیا کہ ان کی بیوی کتنی شدید بیمار ہیں لیکن خاکسار کو چونکہ ان دونوں کا ہمراز ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس لئے میری موجودگی میں یا میرے ساتھ فون پر بھی یہ دونوں میاں بیوی کھل کر اور بغیر جھجک کے بات کرتے- اس لئے میں تو کئی برس سے یہ نظارہ دیکھتا چلا آرہا تھا کہ مکرم برادرم محبوب احمد نسیم صاحب مرحومہ کو ہمیشہ تسلی و تشفی ہی دیتے رہے اور کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ ان کا دل بہلانے کے لئے انہیں کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتے تاکہ وہ اِدھر اُدھر کے کاموں میں واہمات سے بچتی رہیں- مرحومہ احمدیت و اسلام پر اس سچے دل سے یقین رکھتی تھیں کہ واہمہ ہونے کے باوجود وہ کبھی بھی توہمات کا شکار نہیں ہوئیں اور کسی قسم کے ٹونے ٹوٹکے انہوں نے نہیں کئے لیکن جس ڈاکٹر کا بھی کسی نے پتہ بتایا میرے بہنوئی میری ہمشیرہ کو علاج کے لئے ان کے پاس لے گئے اور اسی طرح برسوں پر برس گزرتے چلے گئے حتیٰ کہ مرض کی شدت بڑھ جانے پر کئی مرتبہ مرحومہ کے قدموں میں بیٹھ کر انہیں نہایت پیار سے سمجھانے کی کوششیں کیں- کبھی میرے سامنے تو کبھی تنہائی میں لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"-

اسی طرح خاکسار نے بھی حتیٰ المقدور کوشش کی بلکہ کئی برس قبل اُس وقت جب کہ اس موذی مرض کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا میں نے کبھی پیار سے تو کبھی بڑی بہن ہونے کے باوجود سختی کے ساتھ بھی انہیں سمجھایا لیکن اسی دوران جب ہمیں یہ علم ہوگیا کہ نفسیاتی مریضوں پر سختی یا نرمی کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کی سوچ کو کسی صورت میں بھی بدلا نہیں جا سکتا تو پھر بعد کے کئی سال میں نے کبھی سختی تو کیا کبھی اونچی آواز میں بھی ان سے کلام نہیں کیا- مئی ۲۰۰۴ء میں جب میرے بہنوئی اپنی والدہ صاحبہ کی تیمارداری کے لئے ربوہ پاکستان تشریف لے گئے تو تب بھی وہاں جانے سے قبل مجھے یہ خصوصی تاکید کی کہ اپنی بہن کا خاص خیال رکھنا کیونکہ یہ اب زیادہ ہی بیمار رہنے لگی ہے اور فون پر ہمیشہ رابطہ رکھنا تاکہ اسے تنہائی کا احساس نہ ہو بلکہ اگر ممکن ہو تو آ کر مل جانا- میں نے اس حکم کی حتیٰ الوسع تعمیل کی اور ان کی غیر موجودگی میں فون پر لگاتار رابطہ رکھا اور ایک مرتبہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ انہیں ملنے بھی گیا- آپ میرے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں کہ اب تو ماشاءاللہ یہ کافی بڑے ہوگئے ہیں بلکہ میں نے اپنے بڑے بیٹے عزیزم ڈانئیل

مسعود نسیم صاحب کو بھی تقریباً دس پندرہ یوم کے لئے ان کے پاس بھجوا دیا تا کہ اسی طرح ان کا دل کچھ بہلا رہے بہر حال اس ملاقات کے چند ہفتہ بعد مجلس انصاراللہ جرمنی کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر بھی ملاقات ہوئی اور یوں میں نے دوبارہ پھر خود حاضر ہو کر ان کو تسلی و تشفی دی۔اس کے کچھ عرصہ کے بعد اغلباً جولائی میں یہ دونوں میاں بیوی ہمیں خود بھی ملنے آئے لیکن ہماری یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔کسی مریض کا قرب بعض اوقات ایک صحتمند انسان کے لئے تشویش کا باعث بھی بن جاتا ہے لیکن میرے بہنوئی کبھی نہیں گھبرائے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر تیمارداری میں مصروف رہنے لگے۔پس! دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر سے نوازے اور صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

مرحومہ کی جماعتی خدمات کے ضمن میں یاد آیا کہ مرحومہ کو نہ صرف نصرت جہاں گرلز کالج فارویمن ربوہ پاکستان میں معمولی مشاہرہ پر احباب جماعت کی بچیوں کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی جبکہ ربوہ سے باہر کسی دوسرے کالج میں زیادہ تنخواہ بھی مل سکتی تھی لیکن آپ نے جذبہ خدمت کے تحت کم مشاہرہ پر ہی کام کیا۔پھر یہاں جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں بھی آپ اپنے محلّہ کی صدر رہنے کے ساتھ ساتھ جماعت کے دوسرے مختلف عہدوں پر بھی ایک لمبے عرصہ تک دینی خدمات بجالانے کی توفیق نصیب ہوتی رہی۔زندگی بھر جماعت عالیہ احمدیہ سے محبت اور خلفائے وقت کی اطاعت ان کے ایمان کا ایک نمایاں حصہ تھی۔اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل صرف اور صرف اسی مقصد کے لئے کئی ہفتہ تک لندن جا کر سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی امامت میں نمازیں پڑھنے کی سعادت حاصل کرتی رہیں کہ شاید اسی طرح ان کے دل کو کچھ سکون نصیب ہو۔اس دوران عزیزہ محترمہ شمامہ باجوہ صاحبہ نے ان کو لندن میں اپنے پاس ٹھہرا کر حق ہمسائیگی ادا کیا کہ جس کے لئے ہمارا تمام خاندان ان کا اور ان کے خاندان کا بے حد شکرگزار ہے۔یہاں جرمنی میں مساجد کی تعمیر کے بابرکت مقصد کے لئے بھی انہوں نے گرانقدر چندہ اور عطیات دئے۔اس لئے اس مجاہدہ کا نام جماعت احمدیہ کے DM 500,-- پانچ صد مارک سے زائد چندہ دہندگان کی فہرست میں شامل مجاہدین کے شانہ بشانہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت اقدس میں بغرض دعا بھجوایا جاتا رہا اور الفضل انٹرنیشنل لندن نیز اخبار احمدیہ جرمنی کے ساتھ ساتھ احمدیہ بلیٹن جرمنی میں بھی شائع ہوتا رہا۔**فالحمدللہ**

اپنی جماعتی اور گھریلو مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے بارہ میں بھی بہت سی قیمتی مضامین تحریر کئے کہ جن میں سے بعض کو اخبار ''الفضل انٹرنیشنل لندن'' میں چھپنے کا اعزاز بھی حاصل ہؤا۔خاکسار کی اس زیر تحریر کتاب '' انوارِ بشیرؓ '' کے لئے بھی انتہائی بیش قیمت مضامین تحریر کئے اور بہت سے ایسے واقعات بھی سناتی رہیں کہ جن کا آج سے پہلے کسی کو علم نہ تھا بلکہ تاوقت آخر اپنی بیماری کے باوجود مجھے ہمت دلاتی رہیں کہ جن سے خاکسار کا قلم اور بھی زیادہ مستعدی کے ساتھ چلنے لگا یعنی آپ ہمیشہ مجھے قدم قدم پر اپنی انتہائی قیمتی بلکہ انمول آراً سے نوازتی رہیں۔عید وغیرہ کے موقعہ پر ہمیشہ مجھے کوئی نہ کوئی نئی جماعتی کتاب تحفہ کے طور پر دیتی رہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر سے نوازے اور ان کے تمام گناہ معاف فرماتے ہوئے انہیں بخش دے۔آمین۔الغرض یہ کہ آپ نیکی کے کاموں میں تادم حیات ہمیشہ پیش پیش رہیں۔خاکسار کی بڑی بہن ہونے کے ناطے اور اکلوتا بھائی ہونے کی بدولت انہیں مجھ عاجز سے بہت زیادہ محبت تھی اور وہ بھی میرے لئے والدہ صاحبہ اور دو بڑی بہنوں کی وفات کے بعد ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔یہاں جرمنی میں ہمارے بہت سے قریبی عزیز رہائش پذیر بھی ہیں لیکن ان سا قریبی ماں جایا اور کوئی نہ تھا اس لئے مجھے بھی ان سے بہت زیادہ پیار تھا اور ان کی وفات سے چند یوم قبل میں ان کے بارہ میں سوچتے ہوئے یونہی ایک مشہور و معروف ہندوستانی شاعر جناب آنند بخشی صاحب کے یہ شعر گنگنا رہا تھا کہ:۔

پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے

ایک ہزاروں میں میری بہنا ہے
ساری عمر ہمیں ساتھ رہنا ہے

اور ساتھ ہی یہ سوچتے ہوئے یہ حظ بھی اٹھا رہا تھا کہ درحقیقت ہم دونوں بہن بھائی ہی اس ملک میں اکٹھے رہ رہے ہیں اور بقیہ قریبی عزیز تو ہم سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں لیکن اس وقت کسے یہ خبر تھی کہ چند دنوں کے اندر اندر ایک ایسا جانکاہ حادثہ بھی پیش آنے والا ہے کہ جس کے بعد ہم دونوں بہن بھائی بھی ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں گے۔ تقدیر کے سامنے واقعی کسی کی کچھ پیش نہیں چلتی۔

پس افسوس کہ مرحومہ کے جان لیوا نفسیاتی مرض نے ایک ایسے پیارے عزیز۔ نادر اور انمول وجود کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ نے وفات پائی اسی دن یعنی یکم اگست بروز اتوار کو میں نے تعزیت کے لئے آنے والے احباب سے ان شعار کا ذکر بھی کیا تھا لیکن اُس وقت بلکہ بعد میں آنے والے چند ایام کے دوران بھی ہمیں اس بات کی قطعی خبر نہ تھی کہ ان کی تدفین کہاں ہوگی کیونکہ موصیہ ہونے کی وجہ سے غالب خیال یہی تھا کہ ان کی میت کو ربوہ لے جایا جائے بہرحال جب حتمی طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں یہیں جرمنی میں ہی دفنایا جائے گا تو اس سلسلہ میں فرینکفرٹ شہر کی انتظامیہ اور قبرستان کی انتظامیہ سے رابطہ کیا گیا۔ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کی تدفین سے چند روز قبل انتظامیہ نے میرے بہنوئی مکرم محبوب احمد نسیم صاحب کو مرحومہ کی تدفین کے لئے شہر کے کسی بھی پسندیدہ قبرستان میں قبر کے لئے جگہ کو چُن لینے کے لئے کہا۔ اس پر انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی عزیزم مکرم محمود احمد ندیم صاحب کے ساتھ مختلف قبرستانوں میں جا کر قبر کی جگہ دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مرحومہ کو شہر کے جنوبی قبرستان میں دفنایا جائے۔ اسی دوران نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی ازراہ شفقت ہمیں اجازت مرحمت فرما دی تھی اس لئے آپا زبیدہ نسیم صاحبہ کے جسد خاکی کو مؤرخہ ۱۰ اگست ۲۰۰۴ء کی صبح دس بجے فرینکفرٹ جرمنی کے جنوبی قبرستان SÜD FRIEDHOF میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا۔ تدفین کے وقت جماعت کی ایک کثیر تعداد نے شرکت فرما کر دعا میں شمولیت کی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْجَزَاء فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ

اس قبرستان میں اس جگہ آپ کی تدفین میں بھی یقیناً تقدیر الٰہی کا ہاتھ ہے کیونکہ جیسا کہ آپ اوپر تحریر شدہ اشعار پڑھ چکے ہیں کہ ''ساری عمر ہمیں ساتھ رہنا ہے'' بالکل ویسے ہی ظہور پذیر ہوا یعنی قبرستان کے اس حصہ میں کہ جہاں آپ کے جسد فانی کو تدفین کے لئے جگہ ملی وہاں مزاروں کی ایک قطار میں ایک جانب ڈاکٹر مکرم عبدالہادی اطالو کیوسی صاحب Dr. ITALO CHIUSSI (احمدی مسلمان مترجم قرآن مجید بزبان جرمن) کا مزار ہے تو اسی قطار میں آپ کے مزار کے بالمقابل یعنی دوسری جانب مکرم مولانا مسعود احمد جہلمی صاحب مبلغ احمدیت واسلام جرمنی وامریکہ کا مزار ہے اور ان کے بائیں پہلو میں میری پیاری بہنا عزیزہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کا مزار بنا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک عجیب قدرت ہے کہ گھر میں خاکسار کو مسعود کہہ کر پکارا جاتا ہے اور قرآنی آیات کے مطابق چونکہ '' تمام مسلمانوں کا ایک دوسرے سے بھائی بھائی جیسا تعلق ہے'' ۔(ال عمران : ۱۰۴) لہذا برادرم مکرم مولانا مسعود احمد جہلمی صاحب کے اسم گرامی مسعود کی صورت میں بھائی بہن کا یہ تعلق وہاں قبرستان میں بھی قائم ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کی وفات پر دنیا بھر سے بے شمار خطوط۔ ای۔ میل اور فون موصول ہوئے۔ ان تمام ایام میں تعزیت کے لئے تشریف

لانے والوں کا تو تانتا ہی بندھا رہا- جماعت کے بہت سے احباب نے ہم سب کا حد سے زیادہ بڑھ کر ہر طرح خیال رکھا- محلّہ داروں نے اپنائیت کے جذبہ کے تحت روزانہ گھر کے تمام افراد کے لئے باقاعدگی سے کھانا بھجوایا- بذات خود بنفس نفیس تشریف لا کر اظہار ہمدردی کیا اور تعزیت فرمائی- سلسلہ عالیہ احمدیہ فرینکفرٹ جرمنی کے جماعتی مرکزی شعبہ جات اور ذیلی تنظیموں کے کم وبیش تمام جماعتی عہدیداران نے تشریف لا کر ہمارے غم وحزن میں ہمارا ساتھ دیا- خاکساران تمام معزز ومحترم احباب وخواتین کا دلی طور پر انتہائی مشکورو ممنون ہے کہ حزن وملال کے اس تکلیف دہ حادثہ پر تمام مکتوب نگاروں اور تعزیت کے لئے تشریف لانے والوں نے ہمیں اپنا سمجھ کر اپنے سینہ سے لگا کر تسلی وتشفی دی اور ہمارے رنج والم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر طرح سے ہماری ڈھارس بندھائی - اس المناک حادثہ کے موقعہ پر یہ امر بھی انتہائی قابل ذکر ہے کہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز ومحترم افراد نے ایک دوسرے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اپنی شفقت و محبت کا خصوصی اظہار فرمایا اور خصوصاً ہر ایک فرد نے ہم جیسے ادنیٰ خادمین سے اپنے اپنے دلی قرب اور کرب یعنی اپنے لگاؤ اور رنج وغم کا اظہار بھی جی کھول کر کیا اور اس غمناک موقعہ پر اپنے اپنے خطوط اور پیغامات کے ذریعہ اور فون اور فیکس نیز ای- میل پر رابطہ قائم کر کے ہمیں تنہا نہیں چھوڑا بلکہ ہر طرح سے ہم غمگین لواحقین کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنی بے لوث دعاؤں سے نوازا- اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب کو بہترین جزائے خیر سے نوازے اور ان کی زندگی میں برکت ڈالے تا کہ اس مبارک خاندان کی بابرکت دعاؤں اور اس مبارک خاندان سے منسلک برکات سے ہم لوگ بھی ہمیشہ ہمیش فیض یاب ہوتے رہیں- آمین-

حفظ مراتب کے سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ آپ نہ صرف اپنی ذاتی ملاقاتوں میں بلکہ فون کے ذریعہ گفتگو کرتے ہوئے بھی ہمیشہ خاندان مبارکہ کے معزز ومحترم افراد کو عزت وتقریم سے پکارنے پر ہی زور دیا کرتیں جبکہ انہیں یہ بھی علم تھا کہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں میرے ہم عمر دوست اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ میں انہیں آپ کہہ کر پکاروں بلکہ اسی بات پر اصرار کرتے ہیں کہ میں انہیں تم کہہ کر ہی پکاروں لیکن پھر بھی آپ اپنے فیکس نیز خطوط میں یہی تحریر فرماتیں کہ ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان مبارکہ کے افراد سے عزت وتکریم کے ساتھ پیش آئیں- آپ کو اردو زبان پر مکمل دسترس حاصل تھی لیکن اس کے باوجود اپنے مضامین اخبار کو دینے سے قبل مجھے دکھلایا کرتی تھیں کہ اگر ان میں کوئی غلطی ہو تو وہ درست کر لی جائے اور ان مضامین کے بارہ میں مجھے ہمیشہ یہی لکھتیں کہ ان خطوط میں درج مضامین کی کتر بیونت اور کانٹ چھانٹ میں حفظ مراتب کا خاص خیال رکھا جائے اور نامکمل فقرات میں مناسب اور موزوں الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے- آپ کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے معزز ومحترم افراد سے عقیدت دنیاداری کی غرض سے نہ تھی بلکہ یہ آپ کی دل کی گہرائیوں میں پنہاں تھی کہ جس کا اظہار آپ کی تمام تحاریر میں ملتا ہے- اسی سلسلہ میں ایک مضمون پیش خدمت کرتا ہوں جو کہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ نے تحریر کیا ہے- آپ تحریر فرماتی ہیں کہ:-

'' ربوہ چلے آنے کے بعد شروع شروع میں ہم لوگ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ملاقات کے لئے چند گھنٹوں کے لئے چلے جایا کرتے تھے لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ وقت زیادہ ہونے لگا اور اس طرح بعض اوقات شام بھیگ جاتی - مجھے یاد ہے کہ مغرب کے وقت آپ ہمیں اکیلے واپس گھر نہیں بھجوایا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ ہمیں کسی نہ کسی کے ہمراہ روانہ فرماتے اور عموماً اپنی صاحبزادی حضرت امتہ الحمید بیگم صاحبہ سے ازراہ شفقت فرماتے کہ: ''ان بچوں کو بھی اپنے ساتھ لیتی جانا ورنہ یہ راستے میں اکیلے ڈریں گے'' کیونکہ ان کا گھر بھی اسی جانب تھا- اس طرح ہم خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے- آپؓ کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ آپؓ صبح سویرے بیدار ہو کر وضوٗ کرتے اور نماز پڑھتے اور نماز کی ادائیگی کے بعد آپؓ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے:'' بیدی! بچھی ! اٹھو! نماز پڑھو! بعد میں پھر سو

جانا‘‘۔چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔یوں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرزند عظیم کی پاکیزہ صحبت میں رہتے ہوئے ہمیں آپؓ کی اعلیٰ ترین تربیت میسر آئی کہ جس پر ہم اپنے خدائے رحیم و کریم کا جتنا بھی شکر بجالائیں اتنا ہی کم ہے۔چونکہ ہمارے والد صاحب کا سایہ ہمارے سر پر موجود نہ تھا لہذا آپؓ ہمارا بے حد خیال رکھتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ جیسے آپؓ نے ہمیں اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔آپؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کو دوہرایا کرتے تھے کہ:۔

’’یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنے والا۔قیامت کے دن میرے ساتھ اس طرح ہوگا کہ جیسے ایک ہاتھ کی دو جڑواں انگلیاں‘‘

اور پھر ہمیں اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں ملا کر دکھایا بھی کرتے تھے۔(یہ واقعہ بھی کئی مرتبہ خاکسار کے سامنے پیش آیا۔ناقل)۔آپؓ کی وفات کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کا حسن سلوک اور مہربانیاں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئیں اور آپؓ کی کمی کو بہ احسن پورا فرمایا اور پھر اپنی وفات تک کسی قسم کی کوئی فروگذاشت نہیں چھوڑی۔اللہ تعالیٰ آپؓ دونوں کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔آمین

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر ذریت کے ساتھ رہتے ہوئے ہمیں کسی قسم کی تنگی یا ترشی کا علم نہیں تھا،نہایت خوشگوار پاکیزہ ماحول، نہ جھوٹ نہ چوری نہ کوئی شکوہ نہ ہی کوئی شکایت،نہ ڈانٹ نہ ڈپٹ حتیٰ کہ نہ ہی کبھی کسی وقت سخت لہجہ میں کوئی بات۔یعنی ہم نے آپؓ دونوں کو بے حد مہربان اور پیار کرنے والا پایا اور یہ خدا کا ایک خاص فضل ہے کہ آج بھی خاندان مبارکہ اپنے خادموں سے ویسا ہی حسن سلوک فرماتا ہے۔بچپن کی سہانی یادوں کو لکھنے بیٹھی ہوں تو ایک ایک کر کے تمام گزرے ہوئے واقعات یاد آتے چلے جا رہے ہیں۔مجھے یاد ہے کہ جب ہم سکول جانے لگتے تو آپؓ ہمیں فرماتے کہ گھر سے باہر جاتے وقت سلام ضرور کر کے جانا چاہئے اور یوں یہ ہمارا روزانہ کا معمول بن گیا۔آپؓ کا دستور یہ تھا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی نصیحت آموز لطیفہ سناتے،کوئی واقعہ بیان فرماتے کبھی آپؓ ہم سے الفضل یا مختلف رسائل سے مضامین سنتے اور ہمیں املاءً بھی کروایا کرتے تھے کہ جس میں میری خالہ زاد بہن بھی شریک ہو جاتیں۔ایک مرتبہ ہماری ایک ایک غلطی نکلی تو تب بھی ہمیں شاباش دی کہ بہت اچھی املاءً تھی۔آپؓ کی یہ بہت ہی پیاری عادت تھی کہ جب کسی کو کوئی کام کرنے کا ارشاد فرماتے تو اس کی حوصلہ افزائی بھی ضرور فرماتے لہذا اس غلطی کو دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے خیال سے زیادہ اچھا لکھا ہے۔صبح کے وقت آپؓ کی خدمت میں دفتر سے ڈاک آجاتی،آپؓ ان خطوط کو نہایت توجہ سے سنتے اور پھر ان کے جوابات لکھواتے۔اس کے علاوہ بقیہ وقت میں تقاریر لکھتے اور لکھواتے رہتے یعنی آپؓ کا تمام وقت خدمت دین میں ہی گزرتا۔

کوٹھی البشریٰ میں منتقلی کے کچھ عرصہ کے بعد آپؓ کچھ بیمار سے رہنے لگے لہذا ان دنوں ہمیں کچھ تھوڑی سی خدمت کرنے کا موقع ملا۔کبھی آپؓ کو کٹورے میں پانی دیتے کبھی آپؓ کے پاؤں دباتے لیکن جب یہ بیماری بڑھ گئی تو آپؓ کے معالج ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور دوسرے ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا کہ آپؓ کو تبدیلی آب و ہوا کے لئے کسی دوسری جگہ لے جایا جائے لیکن جب آپؓ نے یہ بات سنی تو آپؓ خوش نہیں ہوئے بلکہ آپؓ کی گھبراہٹ اور بھی زیادہ بڑھ گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی دنوں آپؓ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ:۔

’’میں فوت ہو گیا ہوں اور بشریٰ میرے سرہانے کھڑی رو رہی ہے‘‘

عزیزہ بشریٰ میری چھوٹی بہن ہے۔اس منذر خواب کے آنے سے پہلے اس سفر میں آپؓ میری بہن بشریٰ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن اس خواب کو دیکھ لینے کے بعد قدرتاً آپؓ کی گھبراہٹ مزید بڑھ گئی لہذا آپؓ نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی بجائے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرماتے ہوئے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم تو پڑھنے والی لڑکی ہو اس لئے تمہاری پڑھائی کا حرج ہوگا لیکن پھر بھی کیا

تم میرے ساتھ چلوگی؟

معزز قارئین ! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اللہ کے یہ پیارے اور نیک بندے دوسروں کے احساسات، جذبات اور خیالات کا کتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں اور ان کی خوشیوں اور خواہشات کا کس قدر احترام کرتے ہیں خواہ وہ غریب، کمزور اور چھوٹی عمر کے بچے ہی کیوں نہ ہوں- میرے اس اقرار کو سن کر کہ میں آپؓ کی خدمت کے لئے آپؓ کے ہمراہ چلوں گی آپؓ میری چھوٹی بہن عزیزہ بشریٰ کو بار بار پیار سے اپنے پاس بلا کر دلداری کی باتیں فرماتے اور یہ بھی کہ تم ناراض نہ ہونا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جارہا اور اسے بار بار اپنی پاکیزہ دعاؤں سے نوازتے- جَـزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَـنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ - اس سفر پر روانگی کے وقت آپؓ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے کمرہ میں تشریف لائے اور فرمایا:-

''ام مظفر! فکر نہ کرنا''

پھر میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو بھی نصیحت فرمائی کہ:-

''ام مظفر احمد کا خاص خیال رکھنا''

اسی طرح فرمایا کہ:-

'' احمد بی بی! فکر نہ کرنا، تمہاری بیٹی انشاء اللہ صحیح سلامت واپس آئے گی''

اس وقت کسے معلوم تھا کہ آپؓ تو اپنی وفات کی خبر دے رہے ہیں- آج جب میں یہ سطور تحریر کر رہی ہوں تو میرے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے کہ اے کاش ایسی معزز اور شفیق ہستی کیوں ہم سے جدا ہوگئی؟ ربوہ میں گھر سے رخصتی کے وقت تقریباً تمام خاندان الوداع کے لئے موجود تھا- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شیورلیٹ گاڑی آگئی اور یوں آپؓ کی ہمراہی میں یہ چھوٹا سا قافلہ دعا کے بعد عازم لاہور ہوا کہ جس میں محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ کہ جنہیں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، ناصرہ مغلانی کہا کرتے تھے، میں اور آپؓ کے خادم بشیر احمد صاحب نیز مکرم لطف الرحمٰن صاحب کمپوڈر فضل عمر ہسپتال ربوہ شامل تھے- راستے میں ایک نہر کے کنارے ایک خوبصورت بنگلے میں کچھ عرصہ ناشتہ کے لئے رکے اور پھر حضرت صاحبزادی امتہ السلام بیگم صاحبہ کے یہاں لاہور (۲۳ ریس کورس روڈ لاہور- ناقل) میں قیام پذیر ہوئے- ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپؓ کا علاج شروع کر دیا گیا- اس دوران آپؓ روزانہ سیر کے لئے تشریف لے جاتے، ملاقات کے لئے تشریف لانے والوں سے بھی گفتگو فرماتے لیکن آپؓ کی گھبراہٹ بڑھنے لگی اور آپؓ کی صحت دن بدن کمزور ہونے لگی- ڈاکٹر صاحبان کا ایک باقاعدہ بورڈ تھا لیکن مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب (سرجن میو ہسپتال لاہور- ناقل) اور آپ کے اسسٹنٹ مکرم ڈاکٹر عبدالوحید صاحب روزانہ تشریف لایا کرتے تھے اور بہت توجہ سے آپؓ کا علاج کرتے- آپؓ بھی ان سے بہت خوش تھے اور ان کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے- مکرم ڈاکٹر عبدالوحید صاحب اگرچہ احمدی تو نہ تھے لیکن جماعت عالیہ احمدیہ کے ساتھ بڑی عقیدت کا اظہار کیا کرتے تھے-

اس بابرکت وجود کی تیمارداری کے لئے خاندان مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ سب نے دن رات ایک کر دیا تھا تو زیادہ مناسب ہوگا- الحمدللہ! کہ اس طرح سے میرا شمار بھی ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہے کہ جنہیں سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند جلیل حضرت قمر الانبیاءؑ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے قریب رہتے ہوئے دن رات آپؓ کی خدمت کرتے ہوئے ہزاروں ہزار پاکیزہ دعائیں لینے کا موقعہ نصیب ہوا- حضرت میاں صاحبؓ کے علاوہ خاندان مبارکہ کا جو بھی بزرگ آتا وہ مجھے دعائیں دیتے ہوئے ہی رخصت ہوتا لہٰذا میں خاندان مبارکہ کے ان احسانات کو کبھی نہیں بھلا سکتی اور تہہ دل سے شکر گزار اور ممنون بھی ہوں کہ اس

مقدس اور بابرکت خاندان نے کبھی بھی مجھے خود سے جدا نہیں کیا اور ہمیشہ ہی مجھ پر اپنی شفقت کی نظر رکھی ہے اور ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تو سب سے زیادہ بڑھ کر شفقت بھرا حسن سلوک فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی صحت والی زندگی عطا فرمائے اور ہمیشہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

لاہور میں کچھ عرصہ علاج کے بعد ڈاکٹر صاحبان کے مشورہ پر آپ کو تبدیلی آب و ہوا کے لئے مری کے قریب نتھیا گلی جانا پڑا۔ لاہور سے راولپنڈی جاتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے ایک ریسٹ ہاؤس میں کچھ دیر آرام کے لئے قیام فرمایا اور پھر پنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے اپنے والد المحترم کا پُر جوش استقبال کیا اور اپنا خاص کمرہ حضرت میاں صاحبؓ کے آرام فرمانے اور رہنے کے لئے حاضر کیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے مری کے قریب گھوڑا گلی کے ایک خوبصورت مقام پر آپؓ کی رہائش کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس مقام کے اردگرد کے قدرتی حسین مناظر کو دیکھ کر آپؓ بہت مسرور ہوئے اور خدا کی زمین پر موجود ان رعنائیوں کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی مزید حمد و ثناء کرتے۔ حضرت میاں صاحبؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''میری وجہ سے تم لوگ تکلیف اٹھا رہے ہو''۔ یہ سن کر ہمیں بے حد شرم محسوس ہوتی کیونکہ آپؓ جیسے عالی مرتبت انسان کی خدمت کرتے ہوئے آپؓ کی دعائیں لینا تو محض ہماری خوش نصیبی ہی تھی اور یوں آپؓ کی خدمت کر کے ہمیں قرار واقعی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ گھوڑا گلی میں بھی آپؓ جماعت کی جانب سے آنے والے چیدہ چیدہ خطوط کا جواب عنایت فرماتے اور بعض خطوط کے جوابات مجھے بھی املا کرواتے۔ بعض اوقات جب مجھے کوئی لفظ لکھنا نہ آتا تو میں آپؓ سے بلا جھجک پوچھ لیا کرتی تھی کہ اس لفظ کو کیسے لکھنا ہے؟ گھر کی تمام ذمہ داریاں آپؓ کی صاحبزادی حضرت امتہ اللطیف بیگم صاحبہ نے سنبھال رکھی تھیں۔ وہ دن رات آپ کی خدمت کرتیں اور دعاؤں میں وقت گزارتیں۔ انہوں نے آپؓ کی تیمارداری کے دوران اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور آپؓ کی خدمت کو ہی اولین فرض جانا۔ چند دنوں کے بعد مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب بھی گھوڑا گلی چلے آئے تو حضرت میاں صاحبؓ کو ان کے آجانے سے بہت اطمینان پہنچا اور آپؓ مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ:۔

''مبشر! بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ اس کے ہاتھ میں شفأ ہے''

چند دنوں کے بعد جب ایک مرتبہ پھر گھبراہٹ بڑھ گئی تو واپسی کا پروگرام بنایا گیا لیکن ربوہ واپسی سے پہلے حتمی چیک اپ کے لئے بذریعہ لاہور گزرنے کا پروگرام بنا۔ لاہور میں قیام کے دوران وہاں موجود تمام خاندان مبارکہ کے افراد روزانہ تشریف لاتے۔ مجھے یاد ہے کہ جب صاحبزادہ مرزا شمیم احمد صاحب آپؓ کے پاس آکر بیٹھتے تو آپؓ فرماتے:۔

''شامی دل کا بے حد نرم ہے اور بہت اچھی طبیعت کا مالک ہے''

ایک مرتبہ آپؓ کی صاحبزادی حضرت امتہ المجید بیگم صاحبہ آپؓ سے ملنے تشریف لائیں جب وہ واپس چلنے لگیں تو ان کی صاحبزادی ساجدہ مبشرہ صاحبہ کو روک لیا کہ تم میرے پاس ٹھہرو۔ چنانچہ آپؓ نے ہم دونوں کی یہ ڈیوٹی لگا دی کہ:۔

''تم دونوں نے رات کو سونا نہیں۔ بس جاگتے رہنا ہے''

آپؓ کا ارشاد سنتے ہی ہم دونوں نے رات کو نہ سونے کا وعدہ کیا کیونکہ آپؓ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر پریشانی میں کس کو نیند آتی؟ اور یوں ہم دونوں تمام رات آپس میں باتیں کرتی رہتیں اور ہماری دوستی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اس دوران کبھی کبھی آپؓ کی خدمت کرنے کا بھی کوئی نہ کوئی موقعہ نصیب ہو جاتا۔ صبح جب آپؓ سیر یا چہل قدمی کے لئے تشریف لے جاتے تو تب ہم دونوں سو جایا کرتیں۔ سوچتی ہوں کہ کاش ہمیں آپؓ کی خدمت کرنے کا زیادہ موقعہ مل جاتا۔ باوجود اتنے علاج معالجہ کے آپؓ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی اور آخری چند ایام میں تو بخار بھی رہنے لگا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ آپؓ خود اپنا بخار چیک فرماتے اور جب زیادہ ہو گیا تو آپؓ کو بہت فکر لاحق ہوئی اور تب سے آپؓ اپنے سب سے بڑے

صاحبزادے حضرت مرزا مظفر احمد (میاں ایم ایم احمد) صاحب کا انتظار فرمانے لگے اور بار بار دریافت فرماتے کہ:-

''مظفر احمد آئے؟''

اور جب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب تشریف لے آئے تو آپؓ نے کچھ سکون محسوس کیا -اس سفر سے پہلے آپؓ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی خواب آئے تو وہ بتادے لیکن مجھے کوئی خواب نہ آئی لیکن جس روز آپؓ کی وفات ہوئی تو اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ:-

'' ایک جگہ بہت سے کمرے ہیں اور میں ان کی چھتوں پر سے بھاگتی ہوئی حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ کی جانب جارہی ہوں اور کہہ رہی ہوں کہ حضرت میاں صاحبؓ کا کمرہ نہ گرے- مجھے نظر آرہا تھا کہ آپؓ کا پکا کمرہ بہت بڑا اور سب سے زیادہ اونچا ہے لیکن جب میں نے عین کمرہ کے دروازہ پر قدم رکھا تو میری آنکھ کھل گئی''-

حضرت میاں صاحبؓ کی صحت یابی کے لئے بہت دعائیں ہورہی تھیں اوراس دن تو سب احباب جماعت اور افراد خاندان بھی پہلے سے بڑھ کر دعاؤں میں مصروف تھے-دن کے آخری پہر میں بھی دعاؤں میں مصروف حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ کی جانب گئی اور جب میں دروازہ پر پہنچی تو ڈاکٹر صاحبان اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہوئے سر جھکائے آپؓ کے کمرہ سے باہر نکل رہے تھے-ہم بچوں اور غریبوں کے سروں پر دست شفقت رکھنے والے ہمارے پیارے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے اور مجھے یوں محسوس ہورہا تھا کہ جیسے حضرت میاں صاحبؓ ہم سے جدا نہیں ہوئے بلکہ ایک دنیا ہم سے جدا ہوگئی ہے-مشیت ایزدی کے سامنے کس کا اختیار ہے؟ تمام خاندان مبارکہ کے ساتھ ساتھ پوری جماعت احمدیہ بھی اداس و غمگین ہوگئی-خاندان مبارکہ حضرت سیدنا مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خاص خوبی ہے کہ وہ غریبوں کی غربت کو پھر محتاجوں کی محتاجی کو دور کرتے ہیں اور یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھتے ہیں نیز لاکھوں اور کروڑوں بے سہاروں کا سہارا ہیں-حضرت میاں صاحبؓ ان تمام خوبیوں سے مرصع تھے-رات گئے آپؓ کے جسد فانی کو لاہور سے ربوہ لایا گیا-اس رات چاندرات تھی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادل چھا گئے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی اور یوں ہمارے ساتھ آسمان بھی حضرت میاں صاحبؓ کی وفات پر رونے لگا-

ربوہ میں حضرت میاں صاحبؓ کے آخری دیدار کے لئے ہزاروں احباب جماعت جمع ہوگئے اور یوں جماعت احمدیہ نے انتہائی حزن و ملال اور سوگوار دلوں نیز لاکھوں کروڑوں دعاؤں کے ساتھ اپنی اس عظیم بزرگ ہستی کا جنازہ پڑھا اور پھر آپؓ کے جسد خاکی کو بہشتی مقبرہ میں دفنا کر سپرد خدا کردیا-اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکتیں اور رحمتیں آپؓ پر نازل ہوں-آمین-والسلام-دستخط (زبیدہ نسیم) ''-(مکتوبات نسیم -۲۲ر جنوری ۲۰۰۱ء)

اپنی ہمشیرہ آپا زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کے اس مکتوب کو پڑھ کر مجھے آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ شدت سے یاد آئی کہ جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:-

'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے کہ جس میں کوئی یتیم پرورش پارہا ہو اور وہاں اس سے حسن سلوک کیا جاتا ہو لیکن مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے کہ جہاں اس یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو''-(سنن اب ماجه – كتاب الادب–باب حق اليتيم)

ہمارے والد صاحب کا سایہ چونکہ ہم پر نہیں تھا لہذا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ ایک جہت سے ہمیں یتیم ہی تصور فرماتے تھے اور اسی لئے نہایت توجہ، مہربانی، شفقت اور محبت کا سلوک روا رکھتے تھے- اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے درجات جنت الفردوس میں مزید بلند فرمائے- آمین- کیونکہ اگر میں یہ کہوں کہ آپ دونوں رضوان اللہ علیہم دراصل اس حدیث نبویہؐ کی مجسم تصویر تھے تو قطعاً غلط نہیں بلکہ یہ حدیث تو کیا ہزاروں حدیثوں کو آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کے نام نامی اور اعمال واقوال سے منسوب کیا جا سکتا ہے- حضرت میاں صاحبؓ تمام گھر والوں کو صبح صبح نماز فجر کے لئے بیدار کیا کرتے تھے اس لئے نماز فجر کے لئے صبح سویرے جاگنے کی بدولت مجھے بھی اچھی طرح سے یاد ہے کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ علی الصبح بیدار ہوا کرتے تھے اور نماز فجر کی ادائیگی اور قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ناشتہ کیا کرتے تھے- ان دنوں چونکہ ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام صبح ساڑھے چھ بجے شروع ہوا کرتے تھے اور ان پروگراموں میں سب سے پہلے تلاوت قرآن مجید اور اس کا ترجمہ و تشریح پیش کیا جاتا تھا لہذا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ بلاناغہ ریڈیو پاکستان لاہور سے میڈیم ویو پر نشر ہونے والی تلاوت اور اس کے ترجمہ اور تشریح کو اپنے بجلی سے چلنے والے تین بینڈ والے برطانوی مارکونی ریڈیو پر بہت غور سے سنا کرتے تھے اور صبح سات بجے کی خبریں بھی نہایت باقاعدگی سے سنتے اور وقتاً فوقتاً اپنی دستی چابی سے چلنے والی گھڑی یا زنجیر سے بندھی ہوئی جیب میں لٹکانے والی گھڑی کا وقت بھی درست فرمایا کرتے تھے اور انہیں چابی بھی دیا کرتے تھے- ان دنوں ریڈیو پاکستان سے اردو میں خبریں جناب شکیل احمد صاحب یا جناب انور بہزاد صاحب سنایا کرتے تھے- یہ خبریں ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر کی جاتی تھیں لیکن انہیں ریڈیو پاکستان کے دوسرے تمام ریڈیو سٹیشنوں کی طرح لاہور سے بھی ریلے کیا جاتا تھا اور اگر کبھی ٹیلی فون لائینوں کی گڑبڑ کی وجہ سے خبریں صاف سنائی نہ دیتیں یا آواز کٹ جاتی تو پھر لاہور ریڈیو سٹیشن کی MONITORING ایجنسی کراچی سے نشر ہونے والی خبریں اپنے دفتر میں شارٹ ویوز کا ریڈیو لگا کر ریڈیو پاکستان لاہور کے سٹوڈیوز سے نشر کروانے کا اہتمام کیا کرتی- اس وقت بڑا مزہ آیا کرتا تھا کیونکہ اس میں کبھی کبھی دوسرے شارٹ ویو سٹیشنوں کی آواز بھی اس میں گڈمڈ ہو جاتی اور کبھی کبھی موسم کی گڑبڑ کی وجہ سے کڑکڑ بھی اس کے علاوہ کبھی سٹیشن کی آواز نیچے چلی جاتی اور کبھی شارٹ ویو کی مخصوص شاں شاں کی آواز اوپر آ جاتی- بہر حال یہ سیکشن ہمیں خبریں سنوانے کے لئے کافی محنت کیا کرتا تھا-

اس ریڈیو کے ذکر سے مجھے یاد آیا کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد بھی آپؓ کے کمرہ میں موجود تمام کی تمام اشیا اسی طرح رہنے دی گئی تھیں- اس لئے یہ ریڈیو بھی آپؓ ہی کے کمرہ میں پڑا ہوا تھا کہ ۱۹۶۴ء کی گرمیوں کے ایام میں ایک بار مکرم صاحبزادہ نواب محمود احمد (اُودی میاں) صاحب ہمارے یہاں البشریٰ میں تشریف لائے ہوئے تھے اور ہم دونوں حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ میں کرسیوں پر بیٹھے ریڈیو سنتے رہتے یا آپس میں باتیں کرتے رہتے- اسی طرح ایک دن دوپہر کو ہم دونوں حضرت میاں صاحبؓ کے کمرہ میں شاید BBC بی بی سی کی انگلش ورلڈ سروس کے پروگرام سن رہے تھے کہ اچانک میاں اُودی صاحب اپنی کرسی پر اُچھل پڑے اور مجھے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا- اس وقت چونکہ ہم دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے اس لئے میں فوراً خاموش ہو گیا اور غور سے ریڈیو پر نشر ہونے والی خبریں سننے لگا- اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم جناب پنڈت جواہر لال نہرو صاحب (پیدائش ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء- وفات ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء) کی وفات کی خبر اور تبصرہ نشر ہو رہا تھا- اس کے بعد چند دن تک ہم سب دن رات یہی خبریں سنتے رہے یہاں تک کہ چند یوم کے بعد جناب نہرو صاحب کی میت کو چتا میں ڈال دیا گیا اور آل انڈیا ریڈیو سے اس تمام کاروائی پر رننگ کمنٹری بھی نشر کی گئی جو کہ ہم دونوں نے خوب غور سے سنی اور جناب نہرو صاحب کے سر کا چتا کی آگ میں پھٹ جانے والا دھماکہ بھی اسی ریڈیو پر سنا- اپنے مسلمانوں کی وفات کے بعد نماز جنازہ اور تدفین وغیرہ کا تو مجھے بچپن سے ہی

خوب علم تھا لیکن ہندوؤں کے طور طریق کا کچھ علم نہ تھا اس لئے ایک دس گیارہ سالہ بچہ یعنی خاکسار کے لئے یہ تمام کارروائی بالکل ایک نئی چیز تھی -اس لئے وہ تمام پروگرام ہم نے خوب دلچسپی سے سنے-آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ ایک دس گیارہ سالہ بچہ کی انگریزی خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت میں رہتے ہوئے کتنی اچھی تھی کہ اسے ان تمام خبروں کی سمجھ آرہی تھی جو کہ انگریزی زبان میں نشر ہو رہی تھیں لیکن اس کے باوجود بھی جب کبھی کوئی مشکل لفظ آجاتا تو خاکسار مکرم اُودی میاں صاحب سے اس کے معنی پوچھ لیتا اور آپ ازراہ شفقت اس کا ترجمہ بیان کر دیتے-میں آج بھی ان کا ممنون ہوں-اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے اور عمر دراز فرمائے-آمین

ابھی اوپر عزیزہ زبیدہ بیدی بیگم صاحبہ نے یہ بیان کیا کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے باجی ساجدہ اور باجی زبیدہ دونوں کو یہ فرمایا تھا کہ ''تم دونوں نے رات کو سونا نہیں-بس جاگتے رہنا ہے'' -اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کو رات کے وقت اپنی وفات کے ہونے کا علم تھا یا یہ بات آپؓ کے دل میں ڈال دی گئی تھی کہ آپؓ کی وفات رات کے وقت ہی ہوگی اور بالکل ویسا ہی رو پذیر ہوا کہ عین اس وقت جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا اور رات کا دھندلکا بڑھ رہا تھا بالکل عین اسی وقت حضرت میاں صاحبؓ کی وفات ہوئی اور آپ ہمیں داغ مفارقت دے کر اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے-ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے انتہائی خاص سلوک روا رکھتا ہے یعنی حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان خاص بندوں میں شامل ہیں کہ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ راز و نیاز کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ**

☆

خاندان

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی بے لوث شفقت و محبت اور انمول دلداری و غمگساری

معزز قارئین آپ کو اس کتاب میں تین جگہ کسی کو مونہہ بولا بیٹا بنانے کے واقعات پڑھنے کو ملے ہیں لہذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا متبنیٰ بنانا جائز ہے؟ اس سوال کا جواب آنحضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارث کو اپنا بیٹا بنا کر، حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو حضرت اماں جیؓ زوجہ محترمہ حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں بیٹے کے طور پر ڈال کر اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عاجز کو اپنا متبنیٰ بنا کر اپنے قول و فعل کے ساتھ علی الاعلان دیا ہے لیکن پھر بھی میں اس دقیق مسئلہ کا ایک بالکل آسان سا جواب سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مبارک الفاظ میں بیان کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے:-

''آنحضرت ﷺ نے خود حضرت زیدؓ کو متبنیٰ بنایا تھا۔ جو منع فرمایا ہے اس کو لوگ سمجھتے نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس سے رشتے تبدیل نہیں ہوتے۔ خونی رشتے اسی طرح رہیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے شادی کی حالانکہ وہ مونہہ بولا بیٹا تھا۔ تو نہ رشتے تبدیل ہوتے ہیں اور نہ ہی ورثہ کا قانون بدلے گا۔ اس لئے اگر کسی کو کوئی بیٹا کہے اور اپنائے اور کسی کو پالے تو یہ گناہ نہیں۔ اگر اس کے نام وصیت لکھنی ہو تو وراثت میں جو باقیوں کے حقوق خدا نے مقرر کئے ہیں، ان کی ادئیگی کے بعد ۱/۳ تک وصیت لکھ سکتا ہے''۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۱۶/ مارچ ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۱)

ہمارے مربی و محسن حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہمیشہ ہماری صحت و عافیت، حالات کی بہتری اور ترقی کے لئے بے حد دعا گو رہتے تھے نیز اپنی جود و سخا کی بدولت دامے ودرمے وسخنے ہر طرح کی مدد امداد بھی فرماتے رہتے تھے لیکن حضرت میاں صاحبؓ کی وفات کے بعد میری چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے میری والدہ محترمہ بعض اوقات گھبرا جایا کرتی تھیں کہ جس کا اظہار آپ اپنی مونس و غمگسار اور مشفق و مہربان ہستی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے ساتھ بھی کر لیا کرتی تھیں کہ اب اگر خدانخواستہ کچھ ہو جائے تو پھر آپؓ (حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ۔ ناقل) کے بعد ہمارا کیا بنے گا؟ اس پر آپؓ میری والدہ کو بے حد تسلی دیتیں کہ خدا پر بھروسہ رکھو اور میں بھی دعا کرتی رہتی ہوں بلکہ ایک دن فرمایا:-

''احمدہ! تم کیوں فکر کرتی ہو؟ میں تو ہر وقت تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے دعائیں کرتی رہتی ہوں اور میری دعائیں انشاءاللہ رائیگاں نہیں جائیں گی اور میری دعائیں انشاءاللہ سات پشتوں تک تمہاری اولاد کے ساتھ رہیں گی''۔

آپ یقین جانیں کہ واقعی ہم آپؓ کی ان مقدس، پاکیزہ اور پُر تاثیر دعاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کے صدقے بن مانگے ہی سب کچھ دے رہا ہے۔ انسان کو تو خود اپنی زندگی اور موت کے بارہ میں علم نہیں کجا کسی دوسرے کے بارہ میں کچھ بیان کرے لیکن یہ بات اس عاجز نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضوان اللہ علیہم میں خاص طور پر نوٹ کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی اپنے فضل سے ایک خاص مقبولیت بخشی ہے اور یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے یاد آیا کہ حضرت قمر الانبیاءؓ بھی ہمیشہ ہمارے لئے بے حد دعا گو رہا کرتے تھے ایک دعا جو میں نے اپنے بچپن میں بارہا سنی تھی الحمدللہ کہ وہ تحریراً بھی دستیاب ہوگئی ہے :-

''خُدایا! تُو ایسا فضل کر کہ ہمارے وہ سب عزیز جن کے ساتھ ہمیں محبت ہے اور وہ سب لوگ جنہیں تیرے ساتھ محبت ہے یعنی تیرے وہ بندے جو احمدیت کی پاک لڑی میں محبت اور اخلاص کے ساتھ پروئے ہوئے ہیں ان کی زندگیاں تیری رضا کے ماتحت گذریں اور (اگر) ان سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اے رحیم و مہربان آقا! تُو اس وقت تک اُن سے موت کو روکے رکھ جب تک کہ تیری قدرت کا طلسمی ہاتھ انہیں اُن کے گناہوں سے پاک وصاف کر کے تیرے قدموں میں حاضر ہونے کے قابل بنا دے۔ تا کہ ان کی موت عروسی جشن والی موت ہو اور وہ تیرے دربار میں اپنے گناہوں سے دُھل کر اور پاک وصاف ہو کر پہنچیں۔ اے خدا! تُو ایسا ہی کر۔ ہاں تجھے تیری اس عظیم الشان رحمت کی قسم ہے جو تیرے پاک مسیحؑ کی بعثت کی محرک ہوئی کہ تُو ایسا ہی کر۔ آمین یا رب العالمین'' -(الفضل ۹ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳)

ان تمام دعاؤں بلکہ آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کی ہزاروں دعاؤں کو میں نے اپنی زندگی میں مقبول ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ تو ابھی مؤرخہ ۱۰ اپریل ۲۰۰۲ء کا ہی واقعہ ہے کہ خاکسار کو MENINGITIS یعنی گردن توڑ بخار کا شدید حملہ ہوا کہ جس کی شدت سے میں اپنے گھر میں بے ہوش ہو کر صوفے پر لیٹا ہوا تھا اور سب گھر والے یہ سمجھ رہے تھے کہ میں سویا ہوا ہوں کہ اسی بے ہوشی کے عالم میں شائید میں نے کروٹ بدلی تو میں صوفے کے قریب قالین پر گر پڑا۔ اس وقت میرا دوسرا بڑا بیٹا عزیزم ٹوبیاز انیس نسیم صاحب میرے قریب کمپیوٹر پر کوئی کام کر رہا تھا۔ اس نے جو میرے گرنے کی آواز سنی تو اس نے فوراً اپنی والدہ صاحبہ کو بتایا کہ جس پر میری بیوی نے اسی وقت فون کر ہماری فیملی ڈاکٹر صاحبہ کو بلایا۔ ان صاحبہ سے میں ایک دن قبل ہی اپنے بخار کے لئے دوائی لے کر آیا تھا اس لئے انہوں نے فوراً ایمبولینس بلانے کے لئے فون کیا اور اس طرح مجھے فوری طور پر ایمبولینس کے ذریعہ ہسپتال پہنچایا گیا اور پھر وہاں موجود ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کی بدولت چند دن کی بیہوشی کے بعد میں واپس ہوش میں آ گیا اور پھر ہوش میں واپس آنے کے چند دنوں کے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ اس موذی بیماری کے کچھ اثرات ابھی تک باقی ہیں کہ جن کا علاج ہو رہا ہے لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی کیونکہ اس بخار میں مبتلا ہونے والے ایک سو مریضوں میں سے صرف پندرہ فیصد (۱۵٪) انسان ہی زندہ بچتے ہیں۔ اس موذی مرض کی اطلاع پاتے ہی خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام معزز و محترم بزرگ اس عاجز کے لئے خصوصی دعا کرتے رہے اور متفکر ہو کر بار بار اپنے فون اور خطوط کے ذریعہ خاکسار کی صحت کے بارہ میں دریافت فرماتے رہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ ۔ لہٰذا ہسپتال سے گھر واپس آتے ہی میں نے اپنے ان تمام بزرگوں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا۔ ایک دن حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الجمیل بیگم صاحبہ نے فون پر انتہائی شفقت سے فرمایا کہ:-

''سُودے بیٹا! ایک بات کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہاری صحت یابی تمہاری اس زیر تحریر کتاب ''انوار بشیرؓ'' کی برکت کی وجہ سے ہے تا کہ تم اسے مکمل کر سکو''

آپ کی اس بات کوسن کر میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان کو مبارک کرے۔آمین۔اور آپ جیسی معزز بزرگ ہستی کی بے لوث دردمندانہ دعاؤں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون کو بند کر دیا اور اس فون کے بعد میں بہت دیر گئے تک یہی سوچتا رہا کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وہ اوپر بیان کی گئی دعا تو واقعی میرے حق میں قبول ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے شاید اس دعا کی بدولت بھی مجھے اپنے بے حد وحساب گناہوں کی توبہ کرنے کا ایک اور سنہری موقعہ عطا فرمایا ہے۔اس لئے میری یہ نہایت ہی عاجزانہ دعا ہے کہ یا اللہ! اب جب کہ تو نے خود مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے تو مجھے مزید خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرما اور میری کمزوریوں کے باوجود میرے تمام گناہ معاف فرما دے کیونکہ میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ تو اپنے نیک اور متقی انسانوں کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ مجھ جیسے عاجز اور گناہگار عاصی کی دعاؤں کو بھی قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔آمین ثم آمین

حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الجمیل صاحبہ کی ان بے لوث دعاؤں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہم احمدی مسلمان بہن بھائیوں کی آپس میں سچی اور پُرخلوص نیز بے لوث محبت۔ایک ایسی پاکیزہ محبت جو کہ صرف سیدنا آنحضرت ﷺ کے صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان تھی۔جو کہ سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اور ام المؤمنین حضرت اماں جانؓ کے درمیان تھی اور اب یہی محبت ان تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم کی اتباع میں ہمیں خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر فرد سے ہے اور اس معزز خاندان کے ہر فرد کو ہم احمدیوں سے ہے۔اپنی اس بیماری سے مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ ۱۹۶۵ء کی گرمیوں میں مَیں پتہ یا جگر میں تکلیف کی وجہ سے انتہائی سخت بیمار ہو گیا اور درد کی کسی دوائی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا خیر مجھے فضل عمر ہسپتال میں داخل کر دیا گیا لیکن ڈاکٹروں کو کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ یہ کیا تکلیف ہے لہذا مجھے صرف مارفین کے ٹیکے لگتے رہے تا کہ درد سے نجات رہے۔دو دن اسی کشمکش میں گزر گئے بالآخر سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے مشورہ پر میری والدہ نے مجھے فوراً لاہور لے جانے کا فیصلہ کیا۔صبح بس کے ذریعہ سے لاہور روانگی ہوئی اور اس وقت چونکہ طارق ٹرانسپورٹ کی بس کا وقت نہ تھا لہذا لاہور جانے والی سب سے پہلی بس جو اس وقت مل سکتی تھی اسی پر ہم روانہ ہو گئے اور وہ بس تھی یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ بس کمپنی لاہور کی۔مجھے یاد ہے کہ DODGE کا ڈبہ بس تھی۔راستہ میں میری طبیعت قدرے بحال بھی ہو گئی اور میں نے سکھیکی کے اڈے پر کہ جہاں سرگودھا سے لاہور اور لاہور سے سرگودھا آنے جانے والی بسیں چند منٹ کے لئے ضرور ٹھہرا کرتی تھیں تا کہ مسافر کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو جائیں، اس اڈے پر میں نے بھی ایک گلاس شربت کا پیا۔سکھیکی کے بس سٹاپ کے نام سے یاد آیا کہ ہم لوگ جب بھی حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لاہور جاتے ہوئے یا لاہور سے واپس ربوہ آتے ہوئے یہاں سے گزرتے تو حضرت میاں صاحبؓ خصوصاً اس اڈے پر موٹر کار کو رکوا کر سب کی سموسوں، چائے اور مٹھائی کے ساتھ تواضع فرماتے بلکہ سردیوں کے ایام میں گرم گرم مونگ پھلی اور چلغوزے بھی لے کر دیا کرتے تھے کہ جس سے سکھیکی سے لے کر لاہور تک یا سکھیکی سے لے کر ربوہ تک کا سفر خوب مزے مزے سے گزرتا۔اللہ تعالیٰ حضرت قمرالانبیاء میاں بشیر احمد صاحبؓ کے درجات بلند فرمائے۔آمین

خیر شیخوپورہ سے لاہور کی جانب کچھ آگے جا کر ایک بہت بڑی نہر آتی ہے کہ جس کے کنارے پر ایک بڑ (بوہڑ) کا قدیم درخت بھی لگا ہوا ہے۔اس زمانہ میں یہ ایک ہی بہت بڑی نہر ہوا کرتی تھی لیکن اب وہاں قریب ہی ایک اور نیز اس سے بھی زیادہ بڑی نہر بنا دی گئی ہے جو کہ دریائے چناب کے پانی کو دریائے راوی میں لے جاتی ہے۔ وہاں اچانک طبیعت خراب ہو جانے پر میں نے بس رکوائی اور کچھ دیر کے لئے تازہ ہوا کھانے کے لئے نیچے اترا خیر طبیعت کے سنبھلنے پر واپس بس میں سوار ہوا اور بس پھر چل پڑی لیکن اس کے چند لمحوں کے بعد ہی میری طبیعت

اتنی نڈھال ہوگئی کہ مجھے کچھ ہوش نہ رہی حتیٰ کہ لاہور آ گیا اور یادگار مینار پاکستان سے کچھ پہلے جب مجھے بس سے اتارا جانے لگا تو تب کچھ ہوش آئی - میری والدہ محترمہ نے بہت بعد میں مجھے بتایا کہ جب تم دوبارہ بس میں سوار ہوئے تھے تو اس کے چند منٹ کے بعد ہی تمھاری سانس رک گئی تھی، نبض بند ہوگئی تھی اور دل کی دھڑکن رک گئی تھی - میری اس ناگہانی موت پر بس کو فوراً روک لیا گیا اور میری والدہ محترمہ اور میرے عزیز واقارب یعنی میرے سب سے چھوٹے ماموں جان مکرم عبدالرشید اختر صاحب بمعہ اپنی بیوی صفیہ بیگم صاحبہ اور میرے خالہ زاد بھائی مکرم محمد یونس صاحب جو کہ اسی بس میں سوار میرے ہمراہ لاہور جا رہے تھے فرطِ غم سے رونے لگے - بہرحال اس بس میں موجود دوسرے تمام لوگوں نے بھی میرے وجود کو ہلا جلا کر اپنی تسلی کر لی یہ بچہ فوت ہو چکا ہے - اس کے بعد یہ مشورہ کیا گیا کہ اب لاہور چل کر میت کی واپسی کا کوئی بندوبست کریں گے کہ جس پر بس لاہور کی جانب دوبارہ روانہ ہوئی -

یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مجھ سے پہلے میرے والدین کے دو بڑے بیٹے اپنے بچپن میں ہی وفات پا چکے تھے اور چار بڑی بیٹیوں کے بعد میں ہی سب سے چھوٹا اور اکلوتا بیٹا تھا نیز اس کے علاوہ بھی میرے والدین کی طلاق میری کم سنی کی عمر میں ہی ہو چکی تھی - ہندوستان سے ہجرت کا غم بھی ابھی تازہ ہی تھا غرض دنیاوی لحاظ سے میری والدہ کا میرے سوا بڑھاپے کا کوئی سہارا نہ تھا - یہ تمام باتیں سوچ سوچ کر میری والدہ کو دعا کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے فوت شدہ بچے یعنی مجھے اپنی گود میں لٹا کر خدا تعالیٰ کے حضور دست بستہ اور نہایت خشوع وخضوع سے یہ دعا کی کہ:-

'' اے میرے اللہ ! میں نے ان تمام مصائب وآفات پر ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیا ہے اور ہمیشہ تیری رضا پر راضی رہی ہوں لیکن اگر تو اپنی رحمت فرمائے اور اپنے خاص فضل سے میرے اس آخری سہارے کو واپس کر دے تو پھر میں پہلے سے بھی بڑھ کر تیری انتہائی عبادت گذار اور شکر گذار بندہ بن جاؤں گی '' -(انشاءاللہ)

میری والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اس دعا کے چند لمحوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ایک دکھی اور غمگین ماں کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا اور میری والدہ کے جھنجھوڑنے پر میں ایک مرتبہ پھر سے سانس لینے لگا - تمام بس والے میری والدہ صاحبہ کی دعا کی معجزانہ طور پر فوری مقبولیت پر بے حد حیران ہوئے کہ یہ کیسے ہوگیا؟ لیکن یہ تو اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے موت دے دے اور جسے چاہے اسے موت دینے کے بعد پھر سے زندہ کر دے ! اِدھر ایک طرف تو میری والدہ محترمہ ان عاجزانہ دعاؤں میں مصروف تھیں تو جیسا کہ مجھے صحت یاب ہو کر ربوہ واپس آنے پر پتہ چلا کہ اُدھر ربوہ میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ بھی انتہائی خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہیں لہذا یہ معجزہ صرف اور صرف میری ان دونوں معزز ومحترم ماؤں کی انتہائی عاجزانہ، پُرخلوص اور مقبول دعاؤں کی بدولت وقوع پذیر ہوا - جن لوگوں کو دعاؤں کی طاقت پر یقین نہیں وہ ایسی انہونی باتیں سن کر ہنستے ہیں لیکن جنہیں خلوص دل سے خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنے کی عادت ہے وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کے لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اربوں کھربوں واقعات دنیا میں رونما ہو چکے ہیں - بہرحال اگر اس دن میرا خاتمہ ہو جاتا تو صحابیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی سات پشتوں تک کے لئے مانگی ہوئی دعاؤں کی بابرکت پیشگوئی پوری نہ ہو پاتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی دعاؤں کو ان کے تضرع اور اعتماد کی وجہ سے سننے والا اور پھر فوراً ہی قبول کرنے والا ہمارا زندہ خدا ہے - مثل مشہور ہے کہ مسیحؑ موسوی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور ہمیں یہ علم ہے کہ یہ بات درست ہے لیکن وہ مردہ دراصل روحانی طور پر مردہ تھے یعنی اپنے یہودی مذہب سے لاتعلق تھے لیکن آپ میرے اس مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

برکت سے آپؑ کے ماننے والوں کی دعاؤں کا یہ عظیم الشان اثر دیکھیں کہ حقیقی مردہ کو بھی زندہ کر کے دکھا دیا اور یوں میری موت بھی ہاتھ ملتی ہوئی واپس چلی گئی اور ان دعاؤں کا زور دیکھیں کہ میری روح کو واپس میرے بدن میں پھونک دیا گیا لہذا میں بھی بفضل خدا صداقت مسیحؑ کا ایک زندہ نمونہ ،ایک زندہ ثبوت اور ایک زندہ نشان ہوں۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

اس واقعہ کی اب صرف ایک ہی گواہ میری سب سے چھوٹی ممانی محترمہ صفیہ رشید صاحبہ خدا کے فضل سے حیات ہیں اور اپنے بیٹے عزیزم مکرم وحید احمد صاحب اور بہو محترمہ ALEXANDRA صاحبہ کی سب سے پہلی بچی کی پیدائش کے موقعہ پر اور جلسہ سالانہ جرمنی ۲۰۰۳ء میں شرکت کرنے کے لئے راولپنڈی پاکستان سے یہاں جرمنی تشریف لائی ہوئی تھیں- میں نے جب ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹا! یہ تمام واقعہ بالکل درست ہے بلکہ میں نے خود یہ المناک نظارہ دیکھا کہ تمہاری آنکھیں سکتہ طاری ہو جانے کی وجہ سے بالکل ویسے ہی کھلی کی کھلی بے جان ہو چکی تھیں کہ جیسے کسی مرجانے والے کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں اور تمہاری آنکھوں میں زندگی کی کوئی بھی رمق باقی نہ تھی یعنی تمہاری آنکھیں پتھرا چکی تھیں نیز تمہارے بدن میں بھی کوئی جان باقی نہ رہی تھی۔ یہاں تک نبض کا تو ذکر ہی کیا تمہارے دل کی دھڑکن بھی بند ہو چکی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو اسی وقت سنا اور کچھ دیر کے بعد تم پھر دوبارہ سانس لینے لگے تو تب ہماری جان میں جان واپس آئی - احباب جماعت سے میری ان فرشتہ صفت ممانی جان کی لمبی اور صحت والی زندگی کے لئے دعا کی مؤدبانہ درخواست ہے-سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کلام میں دعا کی طاقت کے بارہ میں فرمایا ہے کہ:-

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو ! ذرا زورِ دعا دیکھو تو (کلام محمود)

بہرحال لاہور پہنچ کر ضروری چیک اپ کے بعد مجھے میوہسپتال MAYO HOSPITAL میں داخل کر لیا گیا-اس دن چونکہ مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سرجن میوہسپتال کی ڈیوٹی نہ تھی اس لئے وہ خود تو خاکسار کو اٹینڈ نہ کر سکے لیکن اس کے باوجود انہوں نے از راہ مہربانی اپنے ایک ساتھی ڈاکٹر صاحب کو کہ جن کی اس دن باری تھی یہ پیغام دے رکھا تھا کہ جیسے ہی یہ لوگ آئیں تو مریض کا خصوصی چیک اپ کیا جائے اور اسے فوراً ہسپتال میں داخل کر لیا جائے- میں تقریباً دو ہفتہ تک ہسپتال میں داخل رہا اور جب میری اس بیماری کی سمجھ میوہسپتال کے بڑے بڑے ماہر ڈاکٹروں کو بھی نہ آئی تو میری والدہ صاحبہ مجھے ہسپتال سے چھٹی دلوا کر لے کر لاہور کے دہلی دروازہ میں مقیم ایک مشہور زمانہ معزز اور بزرگ احمدی حکیم صاحب (افسوس! کہ ان کا نام نامی مجھے بھول گیا ہے ورنہ تشکر کے طور پر خاکسار ان کا نام بھی یہاں ضرور درج کرتا) کے پاس لے گئیں-انہوں نے میری نبض دیکھی ،آنکھوں کا معائینہ کیا، زبان دیکھی، ہتھیلی کے رنگ کا معائینہ کیا، ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں کو دبا کر دیکھا، ناخنوں کے رنگ کو دبا کر دیکھا اور ایک نسخہ تجویز کیا اور فرمایا کہ:-'' بیٹا ! یہ دوائی بے حد کڑوی ہے لیکن اس میں ناغہ نہیں ہونا چاہیے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ ان پڑیوں کے بعد آپ کو کسی اور دوائی کی ضرورت نہ ہوگی لیکن پھر بھی آپ ایک ماہ کے بعد احتیاطً آ کر مزید دوائی لے جائیں''-

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان بزرگ احمدی حکیم صاحب کے ہاتھ میں شفاء دی تھی اور واقعی مجھے اس ایک ماہ کے کورس کے ساتھ ہی نہ صرف افاقہ ہو گیا بلکہ میں بالکل روبصحت ہو گیا لیکن دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے لہذا سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے احتیاطً مکرم بشیر احمد خادم صاحب کے ہاتھ لاہور سے دوبارہ یہ دوا میرے لئے منگوا لی کہ جسے میں مزید ایک ماہ تک استعمال کرتا رہا- یہ دوا اتنی کڑوی تھی کہ

جس کی کوئی حد نہیں اور روح افزأ شربت کے سیریپ کے ساتھ لینے کے باوجود مونہہ میں بے حد کڑواہٹ بھر جاتی تھی- روح افزاء کا یہ شربت ان دنوں ایک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر تھا لیکن سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی مہربانی کی بدولت مجھے ہر وقت میسر تھا اور یہ بھی حکم تھا کہ جتنا چاہوں اتنا وافر مقدار میں پی لوں- بہر حال اس عمدہ علاج معالجہ اور میری دونوں ماؤں کی محبت بھری دعاؤں اور بہترین تیمارداری کی بدولت خدا تعالیٰ کے فضل سے آج تک وہ بیماری مجھے پھر دوبارہ نہیں ہوئی -شکر الحمدللہ

مجھے یاد ہے کہ جب مجھے میو ہسپتال سے فراغت ملی تو اس کے بعد میں اپنے ان بزرگ احمدی حکیم صاحب کی دوا کھانے کے لئے کچھ عرصہ لاہور کے قریب شاہدرہ باغ میں اپنے سب سے بڑے ماموں جان مکرم چوہدری رحیم بخش صاحب سندھو کے پاس چند دن کے لئے ٹھہر گیا تا کہ اس دوا کا اثر دیکھ لیا جائے اور کسی گڑ بڑ کی صورت میں پھر ربوہ سے واپس لاہور نہ دوڑنا پڑے-ان دنوں MW 1080kHz پر ریڈیو پاکستان لاہور کی نشریات اس کے پرانے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ ہوا کرتی تھیں لیکن اس کی آواز چونکہ پنجاب کے تمام علاقہ میں صاف سنائی نہ دیا کرتی تھی اس لئے اس ٹرانسمیٹر کے ساتھ ساتھ میڈیم ویو 630kHz پر ایک نیا طاقتور ٹرانسمیٹر نصب کیا گیا کہ جس نے میری بیماری کے ایام میں اپنی ٹیسٹنگ شروع کی اور اس ٹرانسمیٹر کی ٹیسٹنگ کے دوران چند دن کے اندر اندر ہی امرتسر سے بھی MW 702kHz پر ہندوستان کے ایک نئے ریڈیو سٹیشن کی ٹیسٹنگ کا آغاز ہوا- یہ بات مجھے اس لئے بھی یاد ہے کہ انہی دنوں میرے خالہ زاد بھائی جان محمد یونس صاحب نے ہسپتال میں میری دل لگی کے لئے ایک ٹرانسسٹر ریڈیو سیٹ مجھے لا کر دیا تھا کہ جس پر میں ان دونوں ریڈیو سٹیشنوں کی نشریات سنا کرتا تھا جو کہ بغیر کسی اعلان یعنی اناؤنسمنٹ کے ٹیسٹنگ کے ایام میں دن رات جاری رہا کرتی تھی- یہاں مجھے ان کے بڑے بھائی یعنی اپنے دوسرے خالہ زاد بھائی جان محمد یعقوب صاحب کی جانثاری کا ایک بہت ہی پیارا واقعہ یاد آ گیا-ہوا یوں کہ ان دنوں دریائے راوی میں شدید سیلاب آ گیا اور دریا کا پانی دیکھتے ہی دیکھتے شاہدرہ باغ کے بند کے کناروں تک بلند ہو گیا-شاہدرہ کے شہریوں کے علاوہ آس پاس کے علاقہ کے لوگ بھی بڑی تعداد میں سیلاب کی طغیانی دیکھنے کے لئے صبح وشام اس بند پر سیر کرنے کے لئے جایا کرتے تھے-ایک شام ہم سب بھی سیر کرنے کے لئے وہاں چلے گئے کہ اچانک ایک سانپ پانی میں سے نکل کر میری ٹانگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا بند کی پچھلی جانب کھیتوں کی طرف جانے لگا تو میری والدہ صاحبہ نے اچانک اسے دیکھتے ہی گھبرا کر سانپ سانپ کہتے ہوئے سب کو اس خطرہ کی جانب متوجہ کیا تو میرے یہ بہادر بھائی جان جو کہ مجھ سے صرف چند قدم ہی دور کھڑے سیلابی پانی کی زوردار لہروں کا نظارہ کر رہے تھے بھاگتے ہوئے میری جانب آئے اور آتے ہی آپ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس موذی سانپ پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنے بوٹ کے تلوے تلے مسلنے لگ گئے جس پر وہ سانپ سراسیمہ ہو کر واپس پلٹا اور پھر واپس دریا کے پانی میں جا کر غائب ہو گیا اور اس طرح ہم سب کی سانس میں سانس آیا اور ہم ایسی خطرناک جگہ سے جلد ہی واپس لوٹ آئے- اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی میرے دل کی گہرائیوں سے اپنے ان جانثار پیارے بھائیوں کی مغفرت کے لئے دعائیں نکلتی ہیں-خدا تعالیٰ انہیں قبول فرماتے ہوئے ان دونوں پیارے بھائیوں کے درجات آخرت میں بلند فرمائے- آمین

بہر حال ان ایام میں میری والدہ محترمہ میری دل لگی کے لئے کبھی مجھے شاہدرہ میں مغل بادشاہ جہانگیر کے مقبرہ پر تو کبھی لاہور کے چڑیا گھر یا شالیمار باغ وغیرہ میں لے جاتی رہیں اسی طرح ایک دن خرید و فروخت کے لئے مجھے اپنے ساتھ لاہور لے گئیں تا کہ میں وہاں انارکلی سے کوئی کھلونا لے لوں کیونکہ میرے تمام کھلونے ربوہ میں ہی تھے اور وہاں سے چلتے وقت جلدی میں کسی کو یہ خیال نہ رہا کہ چھوٹے بچوں کو اپنی بیماری اور تکلیف کے باوجود بھی کبھی کبھی کسی کھلونے سے کھیلنے کا شوق رہتا ہے-انارکلی میں مجھے کوئی خاص کھلونا پسند نہ آیا کیونکہ اس قسم کے تقریباً تمام کھلونے سیدہ اماں

حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خاص شفقت کی بدولت میرے پاس پہلے سے ہی موجود تھے لہٰذا میں نے مال روڈ کی ایک سپیشل دوکان پر چلنے کی خواہش کا اظہار کیا- خیر ہم لوگ وہاں گئے اور مجھے وہاں MATCHBOX برطانیہ کی کمپنی کی بنی ہوئی ایک برطانوی MORRIS کمپنی کی مائیکرو بس پسند آ گئی- جب میری والدہ صاحبہ نے اس کی قیمت پوچھی تو وہ قیمت سن کر میں حیران رہ گیا کہ اس چھوٹی سی دو انچ کی سکے کی بنی ہوئی مائیکرو بس کی قیمت تیس روپے بتائی گئی- اس قسم کی ایک مائیکرو بس ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم السلام کالج ربوہ کے پاس ہوا کرتی تھی- اس واقعہ کے چند ماہ کے بعد خلافت ثالثہ کا انتخاب ہوا اور حضرت میاں ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ منتخب ہوئے- بہر حال اس زمانہ میں یعنی ۱۹۶۵ء میں تیس روپے کی رقم ایک بہت بڑی خطیر رقم ہوا کرتی تھی لہٰذا میری والدہ نے کسی اور کھلونا کار کو دیکھنے کے لئے کہا لیکن اس دوکان میں مجھے اور کوئی دوسرا کھلونا پسند نہ آیا تو میری والدہ صاحبہ نے مجھے وہی کار خرید کر لے دی اور یوں میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ مجھے ہمیشہ سے کاروں کی نسبت بسوں وغیرہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی طارق ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ لاہور کی بدولت زیادہ محبت رہی ہے اس لئے اس چھوٹی سی بس نما کار کے حصول پر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا-

اس قیمتی تحفہ کے ملنے کے بعد میں شاہدرہ میں اپنی خالہ جان ماسی فضل بی بی صاحبہ کے مکان یعنی چھتی گلی کے مکان نمبر ۶۹ میں جتنے دن بھی مقیم رہا یہ مائیکرو بس دن رات میرے ہاتھ میں رہی اور میں ادھر اُدھر فرش پر اور چھت پر اور مکان کی منڈیر پر اس کو چلاتا رہا اور مونہہ سے اس کے انجن کی اور ہارن کی آوازوں کو نکال نکال کر خوش ہوتا رہا حتیٰ کہ رات کو سوتے وقت بھی اسے اپنے تکیہ کے نیچے سرہانے رکھ کر سوتا رہا- مجھے یاد ہے کہ میں اپنے بچپن سے ہی روزانہ طارق ٹرانسپورٹ کمپنی کی بسوں کو اپنی سلیٹ یا اپنی سکول کی کاپیوں پر بناتا رہتا تھا اور آج تقریباً چالیس سال گذرنے کے بعد بھی آنکھیں بند کر کے ڈرائینگ کر سکتا ہوں- مجھے اپنے بچپن سے ہی اس کمپنی کے ساتھ ایک خاص محبت رہی ہے لہٰذا مجھے یاد ہے کہ میں اپنے خالی وقت میں حضرت میاں صاحبؓ کی پرانی کوٹھی کے قریب پُرانے بس سٹاپ یعنی لاری اڈے پر اپنے ماموں جان مکرم عبدالرشید اختر صاحب کے پاس چلا جایا کرتا تھا جو کہ ان ایام میں ٹاؤن کمیٹی ربوہ کی محصول چونگی میں ملازم تھے اور پھر وہاں میں خاموشی سے کبھی کبھار گزرنے والی ٹریفک کو دیکھتا رہتا تھا- ان دنوں میری نظر اتنی اچھی ہوا کرتی تھی کہ میں ربوہ کے پرانے لاری اڈہ پر بیٹھے ہوئے ہی طارق ٹرانسپورٹ کمپنی یا کسی بھی دوسری کمپنی کی بس کو محلّہ دارالیمن کے پہاڑی درے سے اترتے ہی دیکھ کر پہچان لیا کرتا تھا- بہر حال یہ کمپنی تو شائید آج موجود نہیں لیکن اس کمپنی کے ساتھ میری محبت اسی طرح قائم و دائم ہے اور انشأ اللہ ہمیشہ رہے گی-

اسی سلسلہ میں یاد آیا کہ ابھی چند دن ہوئے کہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند دوستوں میں ایسی ہی پرانی باتوں کا ذکر ہو رہا تھا کہ اب عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ دور کی نظر کی خرابی کے ساتھ قریب کی نظر بھی کمزور ہو گئی ہے اور کافی عرصہ سے میں نے پڑھنے والی عینک بھی لگا رکھی ہے- جن دنوں میں میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا ان دنوں کلاس روم کے تختہ سیاہ پر لکھے ہوئے الفاظ مجھ سے صاف پڑھے نہ جاتے تھے لہٰذا میں نے جب گھر میں اس بات کا ذکر کیا تو میرے سب سے چھوٹے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب نے گھر کے کمرہ کی انگیٹھی پر اپنے قینچی کے سگریٹ کی ڈبیہ کو رکھ کر مجھے کچھ دور کھڑے ہو کر اس پر لکھے ہوئے حروف پڑھنے کے لئے کہا لیکن چند موٹے موٹے حروف کے سوا مجھے بقیہ تمام حروف دھندلائے ہوئے ہی نظر آتے تھے جس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ میری نظر کمزور ہو گئی ہے- لازمی بات ہے کہ یہ خبر سن کر میری جان سے بھی پیاری مشفق و مہربان سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ بھی پریشان ہو گئیں لہٰذا سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے مجھے آنکھوں کے ٹیسٹ کے لئے اپنے بیٹے میجر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمدؒ صاحب (آپ بعد میں ترقی کرتے

کرتے بریگیڈیئر ڈاکٹر بن گئے) کے پاس لاہور چھاؤنی میں بھیجا- شام کے وقت میں لاہور پہنچا اور حضرت میاں مبشر احمد صاحب کے بڑے بیٹے اور اپنے ہم عمر دوست مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد (گوگی میاں) صاحب کے ساتھ مل کر کھیل کود میں مصروف ہو گیا لہٰذا اگلے دن دیر سے آنکھ کھلی اور حضرت میاں مبشر احمد صاحب نے بھی جگانا مناسب خیال نہ کیا لیکن ناشتہ کی میز پر حضرت میاں مبشر احمد صاحب نے دفتر جانے سے پہلے مجھے آرام سے تیار ہو کر اپنے آفس میں آنے کی ہدایت کی لہٰذا بعد میں جب مجھے گھر سے فوجی ہسپتال لے جانے کے واسطے آپ کی بھیجی ہوئی فوجی جیپ آ گئی تو پھر میں تیار ہو کر وہاں پہنچا- جس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے بے حد محبت اور توجہ سے میری آنکھوں کا جدید ترین آلات کے ساتھ معائینہ کیا کہ جن کے بارہ میں میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسے ایسے آلات اس دنیا میں ہو بھی سکتے ہیں کیونکہ ربوہ میں تو آنکھوں کے ڈاکٹر صاحبان کے پاس صرف ایک شیشہ بدلنے والی عینک ہوا کرتی تھی اور سامنے دیوار پر ایک عدد چارٹ لگا ہوا ہوتا تھا اور بس- بہر حال اس چیک اپ کے بعد آپ نے ایک نسخہ پر عینک کے شیشوں کے لئے ایک نمبر لکھ کر دیا اور اس نمبر کے مطابق میں نے ربوہ پہنچ کر دور کی نظر والی عینک بنوا کر لگا لی- یہ عینک کے لگانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک بالکل ہی نئی اور نرالی دنیا میں آ گیا ہوں کیونکہ اب مجھے دور دور کی اشیأ بھی صاف نظر آنے لگیں جو کہ اس سے قبل نظر تو آیا کرتی تھیں لیکن دھندلائی ہوئی اور میں اپنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے یہی سمجھتا رہا کہ شائید یہ دھوپ کی گرمی کی وجہ سے یا زمین سے نکلنے والی تپش کی لہروں کا نتیجہ ہے- میں بریگیڈیئر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمدؒ صاحب کا آج بھی ممنون ہوں کہ ان کی خاص توجہ کی بدولت مجھے فائدہ پہنچا اور وہ عینک لگا لینے کی بدولت بعد میں میری نظر مزید کمزور ہونے سے بچ گئی- اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے کیونکہ ابھی چند روز قبل مؤرخہ ۱۵/جون ۲۰۰۲ء کو آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ گفتگو کرتے کرتے ایک دم فرمانے لگے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) اور یہ کہتے ہوئے وفات پا کر اپنے خالق حقیقی کے پاس پہنچ گئے- کسی نے کیا خوب ہی کہا ہے کہ:-

’’خدا کے نیک بندوں کا انجام ہمیشہ نیک ہی ہوتا ہے‘‘

یہاں چونکہ خاندان مبارکہ کا ذکر چل نکلا ہے اس لئے عرض ہے کہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں کچھ بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ یہ وہ معزز و محترم خاندان ہے کہ جس کے بابرکت و مبشر افراد نے اپنی عبادت و ریاضت- اپنی ذہانت و فطانت- اپنے علم و عرفان- اپنے ایثار و قربانی- اپنی حکمت و دانائی- اپنی شجاعت و سخاوت- اپنی مہمان نوازی اور انکساری کی بدولت دنیا کی تاریخ بدل کر رکھ دی ہے- یہی وہ پاکیزہ خوبیاں ہیں کہ جن کی بدولت اس معزز و محترم خاندان کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ لیا جاتا رہے گا- یہاں مجھے خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے انتہا شفقت الفت اور محبت کے بہت سے واقعات یاد آ رہے ہیں- لیکن اختصار کی خاطر میں یہاں صرف دو واقعات کو ہی بیان کروں گا- ان میں سے ایک واقعہ میری والدہ صاحبہ اور میری منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ نے خوشی و مسرت اور شکرانہ کے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے انتہائی عقیدت و محبت سے بھرپور لہجہ میں بیان کیا کہ جب جرمنی کے جلسہ سالانہ ۱۹۹۱ء کے موقعہ پر حضرت صاحبزادی آپا آصفہ بیگم (بی بی آچھی) صاحبہؒ (جنوری ۱۹۳۵ء قادیان- ۱۹۹۲ء لندن برطانیہ) حرم سیدنا حضرت امیر المؤمنین مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیحؒ زنانہ جلسہ گاہ میں تشریف لائیں تو آپؒ نے میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو سٹیج کے سامنے مستورات میں بیٹھے دیکھ کر پہچان لیا اور پھر بڑی محبت سے سٹیج پر بلا کر اپنے قریب کرسی پر بٹھا لیا اور فرمایا:-

’’ احمدہ ! تینوں ایتھے دیکھ کے تے مینوں بہت ہی خوشی ہوئی اے-
آ ! ایتھے میرے لاگے بیٹھ -توں تے ساڈے ہی گھر دا جی ایں‘‘-

یعنی ’’ احمدہ ! تمہیں یہاں جرمنی میں دیکھ کر تو مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے -
آؤ ! یہاں میرے قریب آکر بیٹھو کیونکہ تم تو ہمارے ہی گھر کا ایک فرد ہو‘‘-

سبحان اللہ! کہاں حضرت آپا آصفہ بیگم (بی بی آچھی) صاحبہؒ کا اعلیٰ وارفعیٰ مقام؟ اور کہاں ہم غریب خادم؟ لیکن خاندان مبارکہ کی تو تمام تاریخ ہی اپنے خدام سے شفقت و محبت کے ایسے ہی انگنت پاکیزہ واقعات سے مزین ہے- اسی لئے تو ہم تمام احمدی دل و جان سے ہردم اس خاندان پر اپنی جان بھی نچھاور کرنے کے لئے ہردم تیار رہتے ہیں- اللہ تعالیٰ اس بابرکت اور مقدس خاندان پر تا قیامت اپنی سلامتی نازل فرماتا رہے- آمین- حضرت آپا آصفہ بیگم (بی بی آچھی) صاحبہ نور اللہ مرقدہا کی دردناک وفات ۱۹۹۲ء میں کینسر کی ایک لمبی بیماری کے بعد لندن کے ایک ہسپتال میں ہوئی اور پھر آپ لندن کے ایک قریبی شہر کے احمدیہ مسلم قبرستان میں اماناً مدفون ہوئیں لیکن بعد میں یعنی ۲۰۰۳ء میں آپ کی میت مبارکہ کو وہاں سے لاکر اسلام آباد برطانیہ میں سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) -ہم لوگ جب بھی انگلستان جاتے ہیں آپؒ کے مزار مبارک پر ضرور حاضر ہو کر آپ کے درجات کی بلندی کے لئے دعاؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں- خدا تعالیٰ ہماری دعاؤں کو مقبول فرمائے اور آپ دونوں کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے- آمین اللھم آمین

یہاں مجھے یاد آیا کہ ۱۹۶۸ء میں جب خاکسار کو ناک میں غدود کے پھول جانے (پولی پائیز) کی تکلیف ہوئی تو ان دنوں میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ہدایت پر حضرت صاحبزادہ میاں طاہر احمد (میاں طاہری) صاحب (بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) سے علاج کروانے کے لئے جایا کرتا تھا لیکن ان دنوں حضرت صاحبؒ وقف جدید کے کاموں میں اتنے زیادہ مصروف رہا کرتے تھے کہ گھر واپسی کا کوئی وقت مقرر نہ تھا کبھی چار بجے تو کبھی پانچ بجے تو پھر کبھی چھ بجے شام اور اس تمام عرصہ کے دوران میں مکان کے جنوبی مردانہ برآمدے کے مغربی کونے میں موجود دواؤں کی ایک چھوٹی سی الماری کے قریب رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے بینچ پر بیٹھا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا انتظار کرتا رہتا- انتظار کی ان گھڑیوں میں حضرت صاحبزادی آصفہ بیگم (بی بی آچھی) صاحبہؒ اندر سے کبھی شربت بھجوا رہی ہوتیں تو کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز- حس صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی واپسی کا چونکہ کوئی وقت مقرر نہ تھا لہٰذا کچھ عرصہ علاج کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں چونکہ دیر گئے گھر واپس آتا ہوں اور تمہیں خوامخواہ میرا انتظار کرنا پڑتا ہے لہٰذا آئندہ سے تم میرے دفتر وقف جدید میں ہی آجایا کرو اور یوں دفتری کام کے کسی وقفہ میں مرض کی شدت دیکھ کر دوا دے دیا کروں گا-

گلے، ناک اور کان کے ماہرین ڈاکٹر صاحبان کے ساتھ ساتھ جن احباب کو پولی پائیز کی تکلیف ہو چکی ہے وہ خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس تکلیف میں جب یہ غدود پھول جاتے ہیں تو بعض اوقات انسان کے ناک کے نتھنوں کے ذریعہ سانس کی ہوا لینے میں بھی بے حد دقت ہوتی ہے اور ناک کا یہ قدرتی راستہ بند ہو جاتا ہے کہ جس کے باعث ناک کے نتھنوں میں قدرتی رطوبت کا اخراج بند ہو جانے کی بنا پر ناک کے نتھنوں کے اندر پپڑیاں سی جم جاتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر انسان کو خود بھی بہت کراہت محسوس ہوتی ہے اور کسی دوسرے کو دکھاتے ہوئے بھی انتہائی شرم محسوس ہوتی ہے لیکن میں صدقے جاؤں اپنے معالج سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (طاہری میاں) صاحب کے کہ ان تمام تلخ حقائق کے باوجود آپ کے چہرے پر میں نے اپنے تمام علاج کے دوران کبھی بھی کسی قسم کی ناگواری کے اثرات نہیں دیکھے بلکہ آپ نے ہمیشہ مسکراتے ہوئے ہی خاکسار کے ناک میں پُھول جانے والے غدود کا معائنہ فرمایا اور پھر ان غدودوں پر اپنے دست مبارک سے دوائی لگائی- یہی خوش خلقی ایک

ڈاکٹر یا حکیم یا کسی بھی طبیب کی وہ سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے کہ جس کی بدولت مریض کا آدھا مرض اس کے معالج کے چہرہ پر مسکراہٹ کے خوشکن اثرات دیکھتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔ بہرحال حضورؒ نے اس درجہ توجہ اور اتنی زیادہ محبت سے مجھ عاجز کا علاج کیا کہ میرے دل میں آپ کی عزت وتوقیر اور محبت پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔

اپنے بچپن کے واقعات کے تعلق میں یہ عرض ہے کہ مؤرخہ ۲۰؍اگست ۱۹۸۳ء کو میرے سب سے بڑے بیٹے عزیزم مکرم دانیئل مسعود نسیم صاحب کی پیدائش ہوئی تو ہسپتال والوں نے مجھے اس کی تصویر کے ساتھ ایک چھوٹا سا کتابچہ بھی دیا کہ جس کے پہلے صفحہ پر میرے اس پہلوٹے بچے کی تصویر لگائی گئی تھی اور اس کے دوسرے صفحہ پر تحریر تھا کہ:۔

Noch ahnt Ihr Kind nicht, daß Sie alle Ereignisse seines Lebens für später festhalten. Dann aber - wenn es groß ist - wird es dankbar sein für diese kleine Dokument der Elternliebe.

Andenken an eine behütete Kindheit,

Erinnerungen an ein glückliches Zuhause - Rückkehr in eine ferne, freundliche Vergangenheit.

یعنی:۔ ’’ابھی آپ کے بچے کو کسی چیز کا علم نہیں کہ آپ اس کی تمام پیاری باتیں، معصوم حرکات کہیں نوٹ کرتے چلے جارہے ہیں لیکن جب وہ بڑا ہوگا تو اسے اپنے ماں باپ کی انمول محبت بھرے یہ نوٹس بہت کام دیں گے کہ اس کا بھولا بھالا معصوم بچپن کیسے گزرا اور تب وہ بیتی ہوئی اپنی ان پرانی، سہانی اور انجانی حسین یادوں کے لئے آپ کا بے حد ممنون ہوگا‘‘

سینٹ ایلیزابیتھ ہسپتال نوئے وِیڈ۔(ST. ELISABETH KRANKENHAUS NEUWIED)

لہذا اب جب میں اپنے ماضی کی یادوں کو قلمبند کرنے کے لئے بیٹھا ہوں تو ایک ایک کر کے مجھے اپنے بچپن کے یہ تمام سہانے واقعات یاد آتے چلے جارہے ہیں اور میں ان کے حسین مناظر سے بے حد لطف اندوز ہورہا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا جارہا ہوں کہ مجھے خدا کے ایسے پیارے اور محبوب نیک بندوں کی پاکیزہ صحبت میں اٹھنے بیٹھنے اور رہنے یعنی ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا بابرکت موقع نصیب ہوا۔ ۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکُ ۔ان معزز بزرگ رضوان علیہم اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت اور محبت نیز سب سے بڑھ کر بابرکت دعائیں اب بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہیں کہ جن کے لئے میں جتنا بھی شکریہ ادا کروں اتنا ہی کم ہے۔ خاندان مبارکہ کے بڑی عمر کے صرف بزرگوں کے ساتھ ساتھ اس بابرکت خاندان کے بچے بھی ہمارے لئے بہت ہی معزز ومحترم ہیں اور ان کا سلوک بھی اپنے خدام سے نہایت ہی قابل ستائش ہے۔ مثال کے طور پر میں یہاں سینکڑوں مکتوبات میں سے صرف دو عدد انتہائی قیمتی دعاؤں سے بھرپور مکتوبات تاریخ وار آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ نمبر ایک:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے سُودے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہوگے- ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں-تم لوگوں کو سال نو اور پیشگی عید مبارک ہو-تم لوگوں نے جس طرح پیار اور خلوص سے ہمارا خیال رکھا-اس کا میں تمہارا اور خاص طور پر تمہاری بیوی کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے غیر ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ خلوص کا اظہار کیا اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر ہماری مہمانداری کی-تم خوش قسمت ہو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں اس (جرمن-ناقل) معاشرہ سے تعلق کے باوجود ایک اچھی بیوی عطا کی-اللہ اس کو اسلام اور احمدیت کے نور سے بھی منور کردے-آمین-اور اس سلسلہ میں تمہاری بہت بڑی ذمہ داری ہے-خدا تعالےٰ تمہیں اپنی یہ ذمہ داری بھی ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے-آمین-ہم تو تمہارے خلوص اور پیار بھرے سلوک کا اجر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے-خدا تعالےٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ تم لوگوں پر اپنے پیار و محبت، فضل و احسان اور رحمتوں کا مینہ ہر دم، ہر لحہ برساتا رہے-آمین---خدا حافظ و ناصر-والسلام-تمہارا دوست ثانی-دستخط (مرزا عمر احمد)-(مکتوبات نسیم - ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۷ء)

مکتوب نمبر دو:-مؤرخہ ۱۲ر نومبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ کی صبح صبح میں نے خواب میں دیکھا کہ:-

خاکسار حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ملاقات کے واسطے لندن حاضر ہؤا تو ایک بہت بڑی جگہ پر کہ جس میں بہت سی عمارات اور بہت کھلی کھلی کار پارکنگز بنی ہوئی ہیں حضورؒ اپنے دفتر کے ایک کمرہ میں ایک کرسی پر آرام فرما رہے ہیں-خاکسار بھی آپ کی دائیں جانب ایک دوسری کرسی پر بیٹھا ہؤا ہے-اسی گفتگو کے دوران خاکسار نے حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب امیر مقامی ربوہ و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کا خاکسار کے نام خوشنودی کا نیا خط حضورؒ کے ملاحظہ کے لئے پیش خدمت کیا تو اسے پڑھ کر حضورؒ بہت ہی خوش ہوئے لیکن جب اس کے ساتھ دو تین صفحات کا ایک دوسرا خط بھی منسلک دیکھا تو فرمایا کہ اسے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو دے دیں تا کہ ان کی معرفت مجھے ملے-پھر جب مجھے موقعہ ملے گا تو میں اسے دیکھ لوں گا-

یہ خواب دیکھنے کے چند یوم کے بعد ہی واقعی مجھے امیر مقامی اور ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کی جانب سے خاکسار کی اس زیر تحریر کتاب ''انوارِ بشیرؓ'' کے باہ میں مؤرخہ ۱۰ر نومبر ۲۰۰۳ء کو تحریر فرمودہ خوشنودی کا ایک خط مؤرخہ ۱۷ر نومبر ۲۰۰۳ء کو یہاں جرمنی میں مؤصول ہؤا- **فالحمدللہ علیٰ ذالک**- (اس خط کی فوٹو کاپی اس مضمون کے ساتھ منسلک ہے)-یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے اس خط کے ملنے سے قبل ہی خدا تعالیٰ نے مجھ جیسے عاجز اور پر تقصیر بندے کو بتا دیا تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کا کوئی خط آنے والا ہے- **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم**-حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان نے ازراہ شفقت اپنے اس مکتوب میں تحریر فرمایا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم مکرم مقصود احمد نسیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ۲ر اکتوبر ۲۰۰۳ء کا لکھا ہؤا خط مع سی ڈی CD کے مل گیا تھا-آپ نے اچھا کیا کہ اپنے نام کے ساتھ سودے خان لکھا-حضرت عمو صاحبؓ اور حضرت چچی جان ام مظفر صاحبہؓ کی یاد تازہ ہوگئی اور وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا-اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو-اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے اور بچوں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے-والسلام-خاکسار-دستخط (مرزا خورشید احمد)-ناظر اعلیٰ-صدر انجمن احمدیہ

پاکستان''۔(مکتوبات نسیم۔۱۷؍نومبر۲۰۰۳ء)

اوپر درج یہ دونوں خطوط پڑھ کر دل کو ایک خاص سکینت نصیب ہوتی ہے کہ خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمر میں چھوٹے اور بڑے سبھی پیارے احباب و بزرگ ہم جیسے معمولی خدام کے لئے بھی ویسی ہی دعائیں مانگتے ہیں کہ جیسے کہ کوئی اپنے کسی عزیز بچہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ مانگ رہا ہو۔پس یہ ہے وہ تعلق کہ جس کی وجہ سے ہم لوگ اس خاندان کے ہر ایک فرد پر دل و جان سے قربان ہیں۔مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب کا ایک شعر اس محبت کی وضاحت کر رہا ہے:۔

اُحِبُّکُمْ وَلَوْ بُغِضَتُ حَیَاتِی

اَوَدُّ کُمْ وَلَوْ کُسِرَتْ عِظَامِی (مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب)

'' میں تم سے محبت کرتا رہوں گا خواہ لوگ میری جان کے دشمن ہو جائیں نیز میں تم سے پیار کرتا ہی چلا جاؤں گا

خواہ اس کی پاداش میں میری ہڈیاں بھی کیوں نہ توڑ دی جائیں''

اس لئے اب یہ خاکسار اپنے خاندان کی احمدیت اور خلافت نیز خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دلی وابستگی کے چند واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ان تمام واقعات کا تعلق میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نور اللہ مرقدہٗ اور مجھ عاجز کی ناچیز ذات سے ہے۔ان واقعات کا آغاز یہ خاکسار ارشادات عالیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرتا ہے کیونکہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً یہ خبر دی ہے کہ :۔

" اِنِّی مَعَکَ و مع اھلک و مع من احبَّک ۔میری معیت تجھے حاصل ہے اور تیرے اہل کو حاصل ہے

اور اس خوش نصیب کو بھی حاصل ہے جو تیرے ساتھ محبت رکھتا ہے''(حیات قدسی حصہ پنجم صفحہ ۴۵)

ہمارے والدین اور ہم سب لوگ تو پیدائشی احمدی ہونے کے سبب روز ازل سے ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انتہائی پُرخلوص عقیدت اور دلی محبت رکھتے ہیں اور اس الہام کے پڑھنے کے بعد تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بیکراں پر مکمل یقین رکھتے ہوئے معیت الٰہی کے لئے بھی دعا گو ہیں لہذا اسی سلسلہ میں اب ایک ارشاد عالیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش خدمت کرتا ہوں:۔

'' دنیا کے لوگوں نے چاہا کہ اس سلسلہ کا نام ونشان مٹا دیں اور اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کبھی کا اس کو مٹا چکے ہوتے۔مگر یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔وہ جن باتوں کا ارادہ فرماتا ہے دنیا ان کو روک نہیں سکتی اور جن باتوں کا دنیا ارادہ کرے مگر خدا تعالیٰ ان کا ارادہ نہ کرے وہ کبھی نہیں ہو سکتی ہیں۔غور کرو! میرے معاملہ میں کل علماء اور پیرزادے اور گدی نشین مخالف ہو گئے اور دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی میری مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملا یا۔ پھر میری نسبت ہر طرح کی کوشش کی۔مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لئے مجھ پر کفر کا فتویٰ دیا اور پھر جب اس تجویز میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو پھر مقدمات شروع کئے۔خون کے مقدمے میں مجھے پھنسایا اور ہر طرح کی کوششیں کیں کہ میں سزا پاؤں۔ایک پادری کے قتل کا الزام مجھ پر لگایا گیا۔اس مقدمے میں مولوی محمد حسین نے بھی میری مخالفت کی اور خود شہادت دینے کے واسطے گیا۔وہ چاہتا تھا کہ میں پھنس جاؤں اور مجھے سزا ملے۔مولوی محمد حسین کی یہ کوشش ظاہر کرتی تھی کہ وہ دلائل اور براہین سے عاجز ہے۔

اس لئے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دشمن دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے اور براہین سے ملزم نہیں کر سکتا تو ایذاء قتل کی تجویز کرتا ہے اور وطن سے نکال

دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف مختلف قسم کے منصوبے اور سازشیں کرتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کو ایذائیں دیں مگر آخر وہ سب کے سب اپنے ارادوں اور منصوبوں میں نامراد و ناکام رہے۔ اب وہی سنت اور طریق میرے ساتھ ہو رہا ہے مگر یہ دنیا بغیر خالق اور رب العالمین کے ہستی نہیں رکھتی۔ وہی ہے جو جھوٹے اور سچے میں امتیاز کرتا ہے اور آخر سچے کی حمایت کرتا ہے اور اسے غالب کر کے دکھا دیتا ہے۔ اب اس زمانہ میں جب خدا تعالیٰ نے پھر اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا ہے۔ مَیں اس کی تائیدوں کا ایک زندہ نشان ہوں اور اس وقت تم سب کے سب دیکھتے ہو کہ میں وہی ہوں جس کو قوم نے ردّ کیا اور میں مقبولوں کی طرح کھڑا ہوں۔

تم قیاس کرو کہ اس وقت آج سے چودہ برس پیشتر جب میں یہاں آیا تھا تو کون چاہتا تھا کہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ ہو۔ علماء ، فقراء اور ہر قسم کے معظم و مکرم لوگ یہ چاہتے تھے کہ میں ہلاک ہو جاؤں اور اس سلسلہ کا نام و نشان مٹ جاوے۔ وہ کبھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ ترقیات نصیب ہوں۔ مگر وہی خدا جو ہمیشہ اپنے بندوں کی حمایت کرتا ہے اور جس نے راستبازوں کو غالب کر کے دکھایا ہے اس نے میری حمایت کی اور میرے مخالفوں کے خلاف ان کی امیدوں اور منصوبوں کے بالکل برعکس اس نے مجھے وہ قبولیت بخشی کہ ایک خلق کو میری طرف متوجہ کیا جو ان مخالفتوں اور مشکلات کے پردوں اور روکوں کو چیرتی ہوئی میری طرف آ رہی ہے۔ اب غور کا مقام ہے کہ کیا انسانی تجویزوں اور منصوبوں سے یہ کامیابی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے بارسوخ لوگ ایک شخص کی ہلاکت کی فکر میں ہوں اور اس کے خلاف ہر قسم کے منصوبے کئے جاویں ، اس کے لئے خطرناک آگ جلائی جاوے مگر وہ ان سب آفتوں سے صاف نکل جاوے۔ ہرگز نہیں ! یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں جو ہمیشہ اس نے دکھائے ہیں''۔ (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ ، صفحہ ۲۵۰-۲۵۲)

عرض ہے کہ تقسیم ہندوستان ۱۹۴۷ء کے فسادات کے زمانہ میں پاکستان کے حصول کے لئے ہمارے خاندان نے بھی بہت بڑی قربانی پیش کی ۔ ان دنوں جب کہ میری والدہ مجھ سے بڑی میری ہونے والی بہن عزیزہ بشریٰ پروین صاحبہ کی وجہ سے امید سے تھیں تو تب ہمارے خاندان کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں گھوڑے واہاں سے پھیروچیچی اور پھر وہاں سے قادیان ہجرت کرنا پڑی اور اس کے بعد قادیان سے ایک قافلہ کے ساتھ براستہ ڈیرہ بابا نانک صاحب دریائے راوی کے پار نارووال۔ خانووال اور وہاں میری بہن کی پیدائش کے بعد شاہدرہ اور پھر بعد میں سانگلہ ہل جنکشن کے قریبی گاؤں چک ۴۶ جانا پڑا اور پھر ربوہ۔ اس لئے ہجرت کے ان تمام واقعات پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر بہت شدت سے یاد آ جاتا ہے:۔

قادر ہے وہ بارگاہ ٹُوٹا کام بنا وے
بنے بنائے توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے (درثمین)

ایک مرتبہ میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نے میرے بچپن کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا کہ تمہارے اور تمہاری بہن بشریٰ کے بال پیدائش کے وقت سنہری تھے اور میں نے تمہارے اور تمہاری بہن کے ان سنہری بالوں کی ایک ایک لٹ ایک قینچی سے کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی۔ ۱۹۵۳ء کے حالات کی وجہ سے جب ہمیں ایک بار پھر دوبارہ نقل مکانی کرنا پڑی تو تم دونوں کے سنہری بالوں کی وہ پڑیا کہیں اِدھر اُدھر ہو گئی ۔ یہاں مجھے یاد آیا کہ میرے سر کے بڑے بالوں کے نیچے جو چھوٹے چھوٹے باریک بال ہیں کہ جنہیں عُرفِ عام میں لُوں کہا جاتا ہے وہ بچپن سے لے کر اب بڑھاپے تک بھی سنہری رنگ کے ہی ہیں۔ بہرحال محترمہ والدہ صاحبہ نے اسی طرح یہ بھی بیان فرمایا کہ تمہاری پیدائش سے چند ماہ قبل ۱۹۵۳ء میں جب فسادات شروع ہوئے تو ہم ان دنوں سانگلہ ہل جنکشن کے قریب ایک گاؤں (چک ۴۶) میں مقیم تھے کہ ہمارے گھر کے

باہر غیر احمدی نام نہاد مسلمانوں کا ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہو گیا اور چونکہ ہمارا گھرانہ اس گاؤں میں واحد احمدی مسلمان گھر تھا لہذا وہ لوگ اس بات پر قطعی تیار تھے کہ آج یا تو ان کو مسلمان بنا کر دم لیں گے یا پھر اس مرتد گھرانے کو قتل کر دیں گے یعنی جیسا کہ حضرت سیدنا مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے دشمن کی صورت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:-

'' اِس لئے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دشمن دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے اور براہین سے ملزم نہیں کر سکتا تو ایذاء قتل کی تجویز کرتا ہے اور وطن سے نکال دینے کا ارادہ کرتا ہے- اور اس کے خلاف مختلف قسم کے منصوبے اور سازشیں کرتا ہے- جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کو ایذائیں دیں مگر آخر وہ سب کے سب اپنے ارادوں اور منصوبوں میں نامراد و ناکام رہے- اب وہی سنت اور طریق میرے ساتھ ہو رہا ہے'' -(لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ ، صفحہ ۲۵۰-۲۵۲)

لہذا یہ شر پسند لوگ ان دنوں جب کہ میرے والد صاحب اپنے کام کے سلسلہ میں کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے اپنے بد ارادوں کے ساتھ ہمارے گھر کے سامنے جمع ہوئے- اس بے قابو ہجوم کو دیکھ کر ہمارے گاؤں کے چند شرفاء نے بھی میری والدہ محترمہ سے کہا کہ بی بی! تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کیوں اپنی اور ان کی جان کی دشمن بن رہی ہو ؟ یا تو تم کسی اور جگہ چلی جاؤ یا پھر اسلام قبول کر لو اور اگر ڈر لگتا ہے تو چلو ہم تمہیں کہیں اور چھوڑ آتے ہیں لیکن میری والدہ صاحبہ کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ '' ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہمیں اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے سے منع فرمایا ہے'' لہذا میں تو اپنے گھر میں ہی رہوں گی اور خواہ ہمارا سارا سامان ہی کیوں نہ لوٹ لیا جائے یا مجھے بھی جان سے ہی کیوں نہ مار دیا جائے- جب یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی تو ان میں سے کچھ افراد نے میری والدہ صاحبہ محترمہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ چلو! باہر تو آؤ! اور سب کے سامنے کلمہ پڑھ لو کیونکہ جلوس میں شامل چند اشخاص یہ کہتے تھے کہ یہ اوپر اوپر سے محمد ﷺ کا کلمہ پڑھتی ہے لیکن اپنے دل میں '' محمد ﷺ کی بجائے نعوذ باللہ! '' احمد '' کا کلمہ پڑھتی ہے- میری والدہ صاحبہ محترمہ نے کواڑ کے پیچھے سے انہیں بہت سمجھایا کہ '' نہیں! نہیں! ایسا نہیں ہے ! آپ لوگوں کو غلط فہمی ہے ہمارا کلمہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ہی ہے'' لیکن جب یہ شر پسند معاندین تب بھی نہ مانے تو پھر میری نڈر والدہ نے اللہ توکل ایک تلوار ہاتھ میں لے کر تن تنہا باہر جمع مجمع کو اپنے گھر کے آنگن سے ہی پنجابی زبان میں للکارا کہ:-

'' تہاڈے جیہئاں دی ایسی دی تیسی ! جِہنے میرے یا میرے بچیاں ول مونہہ وی کیتا تے میں اوہدے ڈکرے نہ کر دتے تے یاد رکھنا- اَج جے میں اِسلام تے احمدیت اُوتے مراں گی تے تُہاڈے وَنگرے خبیث مُسلیاں وِچوں وِی اِک دو بلکہ تِن چار نُوں اَپنے نال لَے کے مراں گی --- یعنی تم جیسے خبیث بزدل میں نے بہت سے دیکھے ہیں اگر ہمت ہے تو مجھ پر یا میرے معصوم بچوں پر ہاتھ اٹھا کر تو دیکھو- میں نے اگر تمہارے ٹکڑے نہ اڑا دئے تو یاد رکھنا کیونکہ اگر آج میں اسلام اور احمدیت پر جان دوں گی تو انشاءاللہ تم جیسے خبیث مُسلوں (نام نہاد مسلمانوں- ناقل) میں سے بھی ایک آدھ بلکہ تین چار کو اپنے ساتھ لے کر مروں گی''-

اب ایسی سر پھری دلیر عورت پر کون ہاتھ اٹھاتا ؟ اور اس مجمع میں شامل افراد کو بھی یقیناً اپنی مسلمانیت کی سچائی کا علم ہو گا کہ وہ خود کتنے سچے اور پکے مسلمان ہیں ؟ اور پھر سب سے اہم بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ایسے انسان پر ہاتھ اٹھانا بہت آسان ہوتا ہے جو کہ خود اپنی مدافعت نہ کرے لیکن ایک ایسے انسان پر تو قابو پانا بہت ہی مشکل امر ہوتا ہے جو کہ اپنے سر پر کفن باندھ کر لڑنے ، مرنے اور مر جانے یا مار دینے اور اپنے ساتھ دو چار

دشمنوں کو بھی لے جانے کے لئے سر بکف تیار ہو جائے اس لئے ایسے میں اپنی جان کون دیتا ؟ میری والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اس وقت میری غیرت ایمانی اپنے جوش پر تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے غیب سے مجھے اتنی ہمت اور طاقت عنایت فرمادی تھی کہ میں حاملہ ہونے کے باوجود صرف اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے اور احمدیت کی خاطر ان سب سے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور اگر اس دن میرے ہتھے کوئی آجاتا تو میں نے یقیناً اس کا قلع قمع کر دینا تھا خواہ میں خود بھی کیوں نہ ماری جاتی لہذا میں نے اپنے دل میں سوچ لیا تھا کہ آج میں ضرور احمدیت پر قربان ہو جاؤں گی اور اگر احمدیت سچی ہے تو پھر میرے معصوم بچوں کا انشاء اللہ تعالیٰ میرا خدا خود ہی حافظ و ناصر ہو گا ورنہ ہمیں شہادت کا رتبہ تو ضرور ہی نصیب ہو گا۔ ایسے کڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے بھی میری والدہ کی خاص مدد فرمائی اور گاؤں کے چند شرفاء نے وہاں پہنچ کر جمع شدہ مجمع کو لعن طعن کی کہ ایک کمزور عورت کو دھمکیاں دیتے ہوئے اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے تم لوگوں کو شرم کرنی چاہئے اور پھر تم کہتے ہو کہ وہ احمد کا کلمہ پڑھتی ہے اور اس کا کلمہ محمد ﷺ کا کلمہ ہے۔ جھوٹ کی ایک حد بھی ہوتی ہے جاؤ! اپنا اپنا کام کرو اور یوں بالآخر یہ جلوس منتشر ہو گیا۔ ایک احمدی مسلمان عورت کی اس بہادری اور دلیری کی بنا پر کسی کو ہم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان شرفاء میں سے ہماری ایک محسن فیملی (---) ڈوگر خاندان کی بھی ہے۔ مجھے یہ تو علم نہیں کہ یہ ڈوگر خاندان کس مسلمان فرقہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن غیرت اسلام ان میں آج بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازتا چلا جائے۔ آمین

اگست ۱۹۵۳ء میں میری پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد جب حالات کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تو میری والدہ صاحبہ نے ہم بچوں کے ساتھ ایسے گاؤں سے ہجرت کر جانے کا سوچا کہ جہاں صرف مذہب کی بنا پر دکھ دیا جائے اور آپ ہمیں لے کر اپنے بھائیوں کے پاس شاہدرہ باغ (نزد لاہور) تشریف لے گئیں اور پھر اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد اغلباً ۱۹۵۶ء کے جلسہ سالانہ پر ہم لوگ اپنے سب سے چھوٹے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کے ہمراہ اپنی خالہ جان محترمہ ماسی فضل بی بی صاحبہ کے یہاں ربوہ میں منتقل ہو گئے کیونکہ وہ شروع سے ہی ربوہ میں مقیم تھیں۔ اس وقت میری عمر تقریباً سوا تین سال سے کچھ اوپر کی تھی لیکن اتنا چھوٹا بچہ ہونے کے باوجود مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب ہم ٹرین کے ذریعہ ربوہ آئے تو ان دنوں جلسہ سالانہ کے ایام تھے اور ربوہ کو بے حد خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا اور ربوہ کے ریلوے سٹیشن کے بالمقابل گولبازار تک زمین پر چُونے سے لکیریں لگا کر حد بندیاں کی گئی تھیں اور گذرگاہیں بنائی گئی تھیں اور ان سفید چُونے کی لکیروں پر لکڑی یا بانسوں یا لوہے کی سلاخوں کو نصب کر کے ان پر مختلف رنگوں کی خوبصورت کاغذی جھنڈیاں بھی لگائی گئیں تھیں۔ ٹرین سے اترنے والے مسافروں کا استقبال انتہائی جوش و خروش سے ولولہ انگیز نعرہ ہائے تکبیر لگا کر کیا جاتا تھا۔ جلسہ سالانہ کے ایام سے کچھ روز قبل یہ رنگ برنگی جھنڈیاں اس واقعہ کے سالہا سال بعد تک بھی بہت باقاعدگی کے ساتھ ربوہ کے گلی کوچوں اور خصوصاً مردانہ و زنانہ جلسہ گاہ میں لگائے جانے کے لئے گھر گھر بنائی جاتی تھیں اور ہم بچے بھی بڑے شوق کے ساتھ ان کی تیاری میں مشغول رہا کرتے تھے۔

خوش قسمتی سے ہم لوگوں کو سیدہ ام المؤمنین حضرت نصرت جہان بیگم صاحبہ یعنی حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرہ کے قریب ریلوے لائن کی جانب ایک کچا مکان مل گیا اور کچھ عرصہ تک ہم لوگ وہاں مقیم بھی رہے۔ انہی ایام میں میری والدہ محترمہ نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بابرکت گھرانے میں اوپر کا کام سنبھال لیا یعنی کھانا پکوانے کا انتظام جس میں سٹور سے مناسب مقدار کے مطابق اشیاء کی باورچی خانہ میں خانساماں صاحب کو فراہمی، بازار سے سودا سلف منگوانا، گھر کی صفائی ستھرائی کرنا کروانا اور مہمانوں کی مہمان نوازی وغیرہ جیسے متعدد امور شامل تھے لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو ۱۹۶۰ء میں گر کر چوٹ لگ گئی تو پھر ان

کاموں کے ساتھ ساتھ سیدہ اماں حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہؓ کی تیمارداری اور تمام دیکھ بھال کی اہم ذمہ داری بھی میری والدہ محترمہ کے کندھوں پر آن پڑی - دن رات کی تیمارداری اور خبر گیری جیسے اس اہم کام کو بھی میری والدہ محترمہ نے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات تک نہایت تندہی اور لگن نیز خلوص سے دن رات ایک کر کے سرانجام دیا - اس لئے گھر کے دوسرے کاموں کے لئے محلّہ دارالیمن کی ایک احمدی بچی ناصرہ بیگم صاحبہ کو ملازم رکھ لیا گیا - ان کے نام سے یاد آیا کہ ان کی شادی البشریٰ ربوہ میں ہوئی تھی اور ان کے خاوند کا تعلق بھیرہ سے تھا۔ یہ وہی بھیرہ ہے کہ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ یہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کے دست مبارک سے سرانجام دی جانے والی سب سے آخری شادی تھی۔ اس شادی کے موقعہ پر حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے آخری کھینچی جانے والی تصاویر یہ وہ تصاویر ہیں کہ جو آج بھی جماعت عالیہ احمدیہ کے بیشتر گھرانوں میں آویزاں ہیں۔

بہرحال جس زمانے کا میں اس وقت ذکر کرنے لگا ہوں اُن دنوں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نئی کوٹھی ''البشریٰ'' دارالصدر غربی ربوہ میں ابھی تعمیر نہ ہوئی تھی لیکن اس کی بنیادیں کافی عرصہ سے رکھی جا چکی تھیں بلکہ ان بنیادوں کو رفتہ رفتہ سفید رنگ کا کلر لگنا بھی شروع ہو چکا تھا - البشریٰ کی انہی بنیادوں کی مغربی اور جنوبی سمت ایک ایک کمرہ کا کچا مکان بمعہ دالان تعمیر ہو چکا تھا - ان دونوں کمروں میں سے جنوبی کمرہ میری والدہ صاحبہ کو رہائش کے لئے ملا ہوا تھا - اس کمرہ کے ساتھ ایک کچا باورچی خانہ بھی متصل تھا کہ جسے میری نانی اماں محترمہ سباتڑی (سبات یعنی باورچی خانہ) کہا کرتی تھیں - بجلی ابھی اس مکان میں نہیں آئی تھی اور ان دنوں ربوہ میں درختوں کی کمی کے باعث بے انتہا گرمی پڑا کرتی تھی لہذا سارا دن تو دستی پنکھی اور پنکھیوں کو ہلاتے ہوئے گرمی سے بچنے میں گزر جاتا اور رات کو ہم سب پہلے ایک سیڑھی کے ذریعہ باورچی خانہ پر چڑھ کر پھر وہاں سے اس کچے کمرہ کی چھت پر جا کر سویا کرتے تھے لیکن ظالم مچھروں کی بدولت یہ پنکھیاں پھر بھی ہاتھوں میں ہی رہا کرتی تھیں - ان دنوں بجلی نہ ہونے کے باعث رات کے وقت عموماً سرسوں کے تیل کا دیا (دیوا) عموماً استعمال ہوا کرتا تھا کہ جس میں روئی کی ایک لٹ سی بنا کر تیل میں ڈبو دی جاتی تھی یا پھر مٹی کے تیل سے جلنے والا دیا بلکہ زیادہ روشنی حاصل کرنے کے لئے مٹی کے تیل سے جلنی والی لیمپ بھی استعمال کی جاتی تھی - مجھے یاد ہے کہ سرسوں کے تیل کے دیئے کی روشنی مٹی کے تیل کے دیئے کی نسبت کچھ کم ہوتی تھی لیکن اس کے جلنے سے کمرہ میں اتنا دھواں نہیں بھر جاتا تھا کہ جتنا مٹی کے تیل سے جلنے والے دیئے اور لیمپ کو جلانے سے - اس کے علاوہ مٹی کے تیل کی بدبو علیحدہ ناک میں چبھتی رہتی - اس لیمپ کے شیشہ کو روزانہ صاف کیا جاتا تھا کیونکہ وہ لیمپ کی بتی کے زیادہ دیر تک جلتے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو جایا کرتا تھا لیکن بعد میں گھر میں بجلی آ جانے کے بعد اگر کبھی رات کے وقت بجلی بند ہو جاتی تو پھر کسی موم بتی وغیرہ سے روشنی کی جاتی تھی - موسم برسات کے ایام میں اس مکان کی چھت بھی کبھی کبھی ٹپکا کرتی تھی لیکن آج اگر کسی کو یہ واقعات سنائے جائیں تو اس کو اس بات کا یقین نہیں آئے گا کہ ان تمام حالات و واقعات و مشکلات کے باوجود بھی ہندوستان سے لُٹ پُٹ کر آنے والے مہاجرین کے لئے وہ کچے کمروں کے مکانات سر چھپانے کے لئے ایک نعمت کبریٰ سے کسی طور پر بھی کم نہ تھے - بجلی تو حضرت میاں صاحبؓ کی زندگی میں ہی اس مکان میں آ گئی تھی لیکن اس ایک کمرہ کی جگہ دو کمروں کا ایک کھلا ہوا دار صحن والا پکا مکان ایک باورچی خانہ اور غسلخانہ کو آپؓ کی وفات کے بعد ۱۹۶۵ء میں تعمیر کیا گیا تھا کہ جس کے بعد میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب اور میری نانی اماں محترمہ کی یہ تکالیف دور ہو گئی تھیں کیونکہ ہم لوگ تو اپنے بچپن سے ہی پہلے پرانی کوٹھی میں اور پھر نئی کوٹھی البشریٰ کی تعمیر کے بعد نئی کوٹھی میں رہائش پذیر رہے اور حضرت میاں صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی شفقت اور محبت کی بدولت کسی قسم کی تکلیف ہم نے نہیں دیکھی - اللہ تبارک و تعالیٰ اس عظیم الشان احسانات کے بدلہ آپ دونوں رضوان اللہ علیہم کے درجات جنت الفردوس میں ہمیشہ بڑھاتا چلا جائے - آمین

اسی پہلے زمانہ میں ہم لوگ کھانا پکانے کے بعد بچے ہوئے لکڑی کے کوئلوں کو ایک لوہے کی استری میں ڈال کر اپنے کپڑے بھی استری کیا کرتے تھے اور اگر کسی جگہ شادی بیاہ پر جانے کا موقع ملتا تو اُس زمانہ کے فیشن کے مطابق آگ میں ہوا پھونکنے والی پھونکنی کو گرم کر کے اپنے بالوں میں گُنڈل وغیرہ بھی بنایا کرتے تھے کیونکہ اُس زمانہ میں بالوں میں اس طرح سے لٹ بنانے کا بہت رواج تھا۔ گھر میں دو طرح کی لکڑی استعمال ہؤا کرتی تھی ایک تو عام لکڑی یعنی ببول یا عرف عام میں مشہور کیکر یا پھر شیشم یعنی ٹاہلی کی لکڑی اور اس کے علاوہ دریائے چناب کے جنگلی بیلہ میں خُود رو اگنے والی جھاڑی کی لکڑی ہوتی تھی کہ جسے ہم لوگ پلچھی یا منجھیٹی بھی کہا کرتے تھے۔ یہ لکڑی بہت سستی ملا کرتی تھی لیکن جلد جل جانے کی وجہ سے استعمال بھی زیادہ ہؤا کرتی تھی۔ گھر کے زیادہ برتن ان دنوں تانبے کے ہؤا کرتے تھے اور ان پر بار بار قلعی کروائی جاتی تھی۔ المونیم کے برتن بہت بعد میں استعمال ہونا شروع ہوئے تھے کیونکہ ان دنوں یہ خیال بہت عام تھا کہ المونیم معدہ اور آنتوں کے لئے خطرناک ہے۔ پلاسٹک کے برتنوں کا تو کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔ اسی طرح چھریاں، چاقو اور قینچی وغیرہ کو پھیری لگانے والوں سے وقتاً فوقتاً تیز کروالیا جاتا تھا۔

انہی دنوں میرے بہنوئی مکرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب اکاؤنٹنٹ MNA SYNDICATE ایم۔این۔اے سنڈیکیٹ نے حضرت ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب چیئرمین ٹاؤن کمیٹی ربوہ پاکستان سے اپنے کلاس فیلو یعنی میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب کی سفارش کی کہ جس پر انہوں نے ماموں عبدالرشید اختؔر صاحب کو ٹاؤن کمیٹی میں چونگی محرر کی حیثیت میں ملازمت دلوادی اور ماموں جان اپنی محنت، لیاقت اور دیانت کے ساتھ چونگی محرر کے عہدہ سے ترقی کرتے کرتے چند سال کے اندر اندر ہی چونگی انسپکٹر بن گئے اور پھر اسی دوران VACCINATION یعنی ٹیکے لگانے کا کام بھی بطور VACCINATOR سیکھ کر ماموں جان نے تمام ربوہ اور ارد گرد کے دیہات میں حکومت پاکستان کے ایماء پر چیچک اور چند دوسری مہلک بیماریوں کے ٹیکے بھی لگانے شروع کر دئے۔ عموماً آپ کے ساتھ مکرم صلاح الدین صاحب ہؤا کرتے تھے۔ ٹاؤن کمیٹی ربوہ کے یہ ایک زندہ دل سادہ سے نوجوان تھے لیکن ان کی لکھائی یعنی تحریر بے حد عمدہ تھی اور نشانہ بہت ہی اچھا تھا کہ جس کی وجہ سے ہمیں ان پر رشک آیا کرتا تھا لہذا میرے ماموں ہمیشہ انہیں شکار پر بھجا کرتے تھے ورنہ پھر انہیں اپنے ساتھ شکار پر ساتھ لے جایا کرتے تھے اور اسی دن یا اس سے اگلے دن ہمیں ہماری ممانی جان کی جانب سے بھُنی ہوئی فاختائیں، ٹوٹرو، جنگلی کبوتر، بٹیرے یا تیتر وغیرہ کھانے کو ملا کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کیونکہ وہ نہایت ہی نفاست سے یہ کھانے پکایا کرتی تھیں۔ ۱۹۹۶ء میں مکرم صلاح الدین صاحب اپنی انتھک محنت کی بدولت ترقی کرتے کرتے ٹاؤن کمیٹی ربوہ کے چونگی انسپکٹر بن گئے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ آمین۔ ان کے علاوہ ماموں کبھی کبھی مجھے بھی اپنے ساتھ ٹیکے لگانے کے لئے ربوہ کے مختلف محلّہ جات میں لے جاتے رہے۔ ایک بڑا سا رجسٹر ان کے ہاتھ میں رہتا تھا کہ جس پر ترتیب وار تمام ٹیکہ لگوانے والوں کے اسماء، تاریخ پیدائش اور پتہ جات حکومتی ریکارڈ کے لئے نوٹ کئے جاتے تھے اور ٹیکہ لگوانے والوں کی لمبی لمبی قطاریں ہؤا کرتی تھیں لیکن اتنے ہجوم کے باوجود بھی میں نے کبھی ربوہ کی سلجھی ہوئی آبادی میں کسی افراتفری یا گھبراہٹ یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں دیکھا اور نہ ہی اتنا ہجوم جمع ہوتے دیکھ کر ان دونوں کو نروس ہوتے ہوئے دیکھا۔ مکرم صلاح الدین صاحب نام لکھوا لینے والوں کو ٹیکہ لگوانے کے لئے آگے بھیج دیتے اور ماموں جان نہایت اطمینان کے ساتھ ٹیکے لگاتے چلے جاتے پھر جو لوگ وقت پر آ کر ٹیکہ نہ لگوا سکتے وہ بعد میں کمیٹی کے دفتر میں آ کر ماموں جان سے حفاظتی ٹیکہ لگوا لیتے۔ ان ٹیکوں کے ذکر سے یاد آیا کہ اس زمانہ میں ٹاؤن کمیٹی ربوہ کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان ادویات کو گرمی سے بچانے کے لئے کوئی ریفریجریٹر خرید لے لہذا موسم گرما میں ٹاؤن کمیٹی ربوہ کو مؤصول ہونے والے یہ تمام ٹیکے یا ویکسیئن VACCINE گرمی سے بچاؤ کی خاطر ''البشریٰ '' دارالصدر غربی ربوہ کے فرِیج میں احتیاطاً رکھے جاتے تھے۔ حضرت سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی وفات کے بعد اہالیان ربوہ کے لئے تمام ویکسیئن اور ہر قسم کے ٹیکے وغیرہ ہمارے گھر ''الوفا'' واقع دارالصدر شمالی ربوہ کے

بڑے ریفریجریٹر کے مختلف خانوں میں مفت رکھے جاتے تھے تاکہ یہ ٹیکے خراب نہ ہو جائیں۔ یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس زمانہ میں تمام ربوہ کے چند اکا دکا گھرانوں میں ہی فریج کی سہولت موجود تھی۔ اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نے خدمت خلق کے اس کام میں اہالیان ربوہ اور نواحی علاقوں کے عوام الناس کی خاطر قربانی کی ایک نہایت ہی عمدہ مثال قائم کی ہے تو کوئی مبالغہ نہیں بلکہ کسر نفسی کی بنا پر بات کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا گیا کیونکہ جب مختلف بیماریوں کے ٹیکوں کی یہ ادویات آتی تھیں تو ان سے کم و بیش تمام فریج ہی بھر جایا کرتا تھا اور ہمیں کچھ دشواری بھی محسوس ہوتی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ میری دونوں ماؤں کو جزائے خیر سے نوازے کہ وہ ان باتوں سے کبھی نہیں گھبرائیں۔ پس اس وجہ سے بھی ان دونوں معزز ہستیوں کے لئے بے اختیار دعائیں مونہہ سے نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

یہاں میں خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے خاندان کی بے انتہا محبت کا ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں کیونکہ ہمارا خاندان تو اس خاندان سے ایسے محبت کرتا ہے کہ جیسے ایک سچا عاشق پروانہ کسی شمع سے اور پھر اپنی جان دے کر ہی سرخرو ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے یاد ہے کہ میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب بذات خود خاندان مبارکہ کے تمام گھرانوں میں حاضر ہو کر خاندان مبارکہ کے معزز و محترم افراد کو یہ ٹیکے لگایا کرتے تھے تاکہ اس معزز خاندان کے کسی بھی فرد بشر کو ربوہ کے کسی محلّہ کے عام افراد کے ساتھ کسی قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار نہ کرنا پڑے کیونکہ میرے پیارے ماموں جان اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ یہ معمولی سی بات بھی اس عالی مرتبہ مقدس خاندان کے کسی فرد کے شایان شان نہیں۔ ایسے مواقع پر کبھی کبھی آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ اسی طرح میرے ماموں اس بات پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ ربوہ کی سلجھی ہوئی آبادی خود ہی وقت پر ٹاؤن کمیٹی میں یا اپنے اپنے محلّہ کی باری آنے پر مقررہ جگہ پر آ کر حفاظتی ٹیکے لگوا لیتی ہے ورنہ ربوہ کے علاوہ دوسرے مقامات کے ان پڑھ اور اجڈ لوگ ٹیکہ لگوانے کی ذرا سی تکلیف اٹھا لنے کی بجائے ٹیکہ لگوانے سے نفرت کرتے ہیں اور پھر مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہو کر تمام زندگی خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور اپنے عزیز رشتہ داروں کو بھی پریشان رکھتے ہیں۔ اس بات سے مجھے اپنی دعا گو والدہ محترمہ کی دعاؤں کی مقبولیت کے بارہ میں ایک بہت ہی اہم واقعہ یاد آیا کہ مجھے اور مجھ سے بڑی ہمشیرہ آپا بشریٰ صاحبہ کو بچپن میں ایک مرتبہ کالی ماتا یعنی چیچک نکل آئی کہ جس کی بنا پر میری والدہ صاحبہ بہت متفکر ہوئیں کہ اگر میری بیٹی کے چہرے یا جسم پر اس بیماری کے داغ رہ گئے تو لڑکی ذات ہے کل کلاں اس کی شادی کے وقت لوگ قسم قسم کی باتیں نہ بنائیں اور اسی طرح میں بھی بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور پھر اکلوتا لڑکا ہونے کی بدولت بے حد چہیتا بیٹا تھا لہٰذا میرے بارہ میں بھی والدہ صاحبہ اسی طرح بے حد فکرمند تھیں۔ میری والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! میرے بچوں کو اس موذی مرض سے صحت یاب فرما اور میرے بچوں کو ایسی صحت دے کہ ان کے جسم کو چیچک کے دھبوں سے بچالے۔ آمین۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری والدہ کی دردِ دل سے کی گئی دعا کو مقبولیت بخشی اور آپ یقین مانیں کہ ہم دونوں بھائی بہن کی صاف شفاف جلد اس مقبول دعا کا زندہ ثبوت ہے کہ ہمارا تمام جسم چیچک کے کالے یا بھورے دھبوں سے محفوظ رہا اور کوئی نمایاں داغ باقی نہیں۔ ایک ماں کی درد بھری قیمتی دعاؤں کا کسی صورت میں بھی شکریہ ادا نہیں ہو سکتا لیکن خدا تعالیٰ کے حضور دعا تو کی جا سکتی ہے اور وہ میں بار بار کرتا رہتا ہوں کہ:-

اے میرے اللہ! میری والدہ صاحبہ کی قبر کو اپنی رحمت کے نور سے بھر دے اور اسے اپنے فضل سے فراخ کرتے ہوئے ان کو قبر کی گھبراہٹ میں مبتلا نہ کرنا اور روز قیامت ان کو بخش دے کیونکہ ہماری والدہ صاحبہ نے تیرے حضور انتہائی عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ ہمیں ہر طرح کی قربانی دے کر بہت ہی محبت سے پال پوس کر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بنایا ہے۔ اے میرے پروردگار! جنت الفردوس میں میری والدہ صاحبہ کے درجات ہمیشہ ہمیش تک بلند سے بلند فرماتا چلا جا۔ آمین

بات کہیں سے کہیں جانکلی لیکن میں اپنی والدہ صاحبہ کے ان عظیم احسانات کا بدلہ کبھی بھی نہیں چکا سکتا جو کہ انہوں نے ہم پر کئے- مجھے یاد ہے کہ میں ان کو اپنے لئے جب بھی دعا کرنے کے لئے عرض کرتا تو آپ یہی فرماتیں کہ بیٹا میں تو تمہارے لئے تمہاری آل اولاد کے لئے اتنی دعائیں کرتی رہتی ہوں کہ اب تو یہ دعائیں کرتے کرتے میرے دانت بھی گھس گئے ہیں لیکن میں پھر بھی تمہیں ہر وقت اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں- یہاں میں جذبہ تشکر سے مغلوب ہو کر اپنی والدہ محترمہ صاحبہ کی دلیری کا مزید ایک واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ایک دن ''الوفا'' دارالصدر شمالی ربوہ میں میری والدہ صاحبہ گھر کے جنوبی بیڈروم (سونے والے کمرہ) میں ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں کہ سجدہ کے دوران آپ کو اپنے ہاتھ اور سر کے بالوں پر کسی چیز کا لمس محسوس ہؤا تو آپ نے جب گھبرا کر سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا سیاہ وسفید سانپ آپ کی سجدہ گاہ کے سامنے سے گزر رہا تھا- یہ ناگہانی بلا دیکھ کر چیخنے چلانے اور حواس باختہ ہونے کی بجائے آپ نے سوچا کہ اس مُوذی سانپ کو مارنے کے لئے جلدی سے جا کر کہیں سے کوئی ڈنڈا وغیرہ لے آئیں لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اس دوران یہ مُوذی سانپ گھر میں کسی دوسری جگہ چُھپ کر میرے بچوں کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے لہذا آپ نے اسی وقت اپنی ہوائی چپل سے ہی اس سانپ پر حملہ کر دیا اور پھر اس وقت تک اسے مارتے چلی گئیں کہ جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو گیا کہ اب یہ موذی مر چکا ہے- اس کے بعد آپ نے ہمیں اپنے کمرہ میں بلا کر اس سانپ کو دکھایا اور مجھے فرمایا کہ جاؤ اسے گھر کے باہر ایک گڑھا کھود کر دفنا دو تا کہ کوئی کوا یا کتا اسے نہ کھالے- اس دن میں اپنی والدہ صاحبہ کی دلیری دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ آپ نے اپنی جان عزیز کی بھی پرواہ نہ کی اور ہمیں اتنے بڑے خطرہ سے بچانے کے لئے اپنی قیمتی جان کو بھی خطرہ میں ڈال کر ہمیں اس بہت بڑے خطرہ سے بچا لیا- مائیں اپنے بچوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتیں اس کی لاکھوں مثالیں دنیا میں آپ کو ملیں گی لیکن اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے بچوں پر قربان ہونے والی مائیں تو کسی کسی کے ہی نصیب میں ہوتی ہیں- **الحمدللہ** ! کہ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہمیں ایسی پیاری اور دلیر والدہ صاحبہ محترمہ نصیب ہوئیں- اللہ تعالیٰ آپ کے اپنی اولاد اور عزیز واقارب اور اہالیان ربوہ کے ساتھ احسن حسن سلوک کی بدولت آپ پر تا قیامت ہر دم ہر آن رحم فرماتا چلا جائے- آمین **اللھم آمین**

ایک مرتبہ میں گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران میں اپنے سب سے بڑے ماموں محترم چوہدری عبدالرحیم بخش صاحب سندھو کے پاس شاہدرہ گیا ہوا تھا اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ وہ مجھے بہت سی اچھی اچھی نصیحت آموز کہانیاں سنایا کرتے تھے کہ جن میں میرے بچپن کی سب سے زیادہ پسندیدہ کہانی '' داستان امیر حمزہؓ '' بھی شامل تھی- اس کہانی میں نہ صرف حضرت امیر حمزہؓ کی بہادری کی مختلف کہانیاں شامل ہؤا کرتی تھیں بلکہ مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے سبق آموز قصے بھی شامل ہؤا کرتے تھے کہ جن میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں بھی ایک کہانی شامل تھی اور میرے بے حد نمازی اور پرہیزگار سب سے بڑے ماموں انہی کہانیوں میں سے اچھے اچھے نتائج اخذ کر کے مجھے اور اپنی سب سے چھوٹی بچی عزیزہ مسعودہ بیگم (سُودی) صاحبہ کی تربیت کی غرض سے نہایت ہی دلنشین انداز میں سنایا کرتے تھے اسی طرح ایک رات میرے ماموں مکرم عبدالرحیم بخش سندھو صاحب نے بتایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ظالم بھائیوں نے انہیں ایک باوَلی (کنویں) میں پھینکا تھا تو تب سے دنیا بھر کی تمام فاختائیں جب بھی کسی درخت کی شاخ پر یا کسی مکان کی منڈیر پر یا کسی بجلی کی تار پر بیٹھ کر کلام کرتی ہیں تو دراصل وہ ''گُھگُو گُھو'' کی آواز نہیں نکالتیں بلکہ ''یوسف کھوہ'' یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کوئیں میں ہیں کی آواز نکالتے ہوئے دنیا کو خبردار کرتی رہتی ہیں کہ سوائے خدا تعالیٰ کی ذات عالی جناب کے کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کرو- اسی طرح آپ نے ایک کالے تیتر کی کہانی سناتے ہوئے بتایا کہ وہ تیتر بھی ہر صبح ''اللہ ہُو'' کا وِرد کیا کرتا تھا غرض اس طرح کے بہت سے دلچسپ قصے اور کہانیاں سناتے رہتے تھے کہ جن سے وہ چُھٹیاں پلک جھپکتے ہی ختم ہو جایا کرتی تھیں- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کسی ایسی ہی چھٹیوں کے اختتام پر میری والدہ محترمہ مجھے ربوہ واپس لے جانے کے لئے شاہدرہ تشریف لائیں - اطلاع ملنے پر میں بھی اپنی والدہ صاحبہ کو لینے کے لئے شاہدرہ جنکشن پر چلا گیا- اب یہاں میں نام نہاد مسلمانوں کے امن اور سلامتی کے مذہب

اسلام پر سچے دل سے عمل کرنے کا ایک تلخ واقع آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ صبح دس بجے کے قریب ربوہ سے آنے والی ٹرین (ریل کار کہ جسے ہم ڈبہ بھی کہا کرتے تھے) رُکی اور جیسے ہی میری والدہ محترمہ گاڑی سے اتریں تو شاہدرہ سٹیشن کے ٹکٹ کلکٹر صاحب آئے اور ٹکٹ چیک کرنے کے بعد بڑے غصہ میں کہنے لگے کہ تم یہاں نہیں اتر سکتی کیونکہ ٹکٹ لاہور کا ہے لہذا تمہیں لاہور ہی جانا ہوگا-اسی طرح ان ٹکٹ کلکٹر صاحب نے مجھے بھی سٹیشن سے چلے جانے کا حکم دیا-میری والدہ صاحبہ محترمہ نے کافی کوشش کی کہ وہ صاحب اپنی ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں لیکن احمدیت کی خار میں ان صاحب کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کسی طرح پر بات نہیں مان رہے تھے اور شاید شاہدرہ سٹیشن کے پلیٹ فارم کو اپنی نظر میں ناپاک نہ ہونے دینا چاہتے تھے لہذا میری والدہ محترمہ کو مجبوراً لاہور جانا پڑا اور پھر آپ وہاں سے رکشہ پر شاہدرہ واپس تشریف لائیں -

میں اس وقت تقریباً گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک بچہ تھا لیکن آج بھی یہ واقعہ میرے دل میں میخ کی طرح چبھتا ہے کہ صرف اور صرف اس لئے کہ میری والدہ صاحبہ محترمہ ربوہ سے اس گاڑی پر سوار ہوئی تھیں اور کالے برقعہ نیز نقاب کو ایک مخصوص طریق پر باندھنے کی بدولت اُن کو صرف احمدیت کے ناطے اور محض مذہبی تعصب کی بنا پر ایک احمدی خاتون ہونے کی بنا پر تکلیف دی گئی کہ جس کو انہوں نے احمدیت کی خاطر کمال خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے برداشت فرمایا جبکہ احتیاطاً ان کے پاس ربوہ سے لاہور تک کی ٹکٹ بھی تھی-حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ شاہدرہ کے ٹکٹ کلکٹر صاحب صرف یہ دیکھتے کہ آیا یہ مسافر بغیر ٹکٹ کے تو سفر نہیں کر رہا ؟ اور اگر ٹکٹ موجود ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ وہ کہاں اترتا ہے ؟ لیکن جب ایسے نام نہاد مسلمان افراد کی آنکھوں پر مذہبی مخالفت کے علاوہ تعصب کی تہہ بھی جمی ہوئی ہو تو تب انہیں یہ سب باتیں نظر نہیں آتیں اور وہ دنیا کے تمام مسلمہ قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسروں کو دکھ دے کر اپنی نفرت انگیز انانیت کو تسکین دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں-اسلام کی پیاری اور اعلیٰ تعلیم میں حقوق العباد کے بارہ میں بہت کچھ پڑھنے کو ملتا ہے لیکن میں یہاں صرف قرآن کریم کی ایک آیت پیش کرتے ہوئے اس دُعا پر ہی اکتفاء کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے متعصب افراد اوران کے مذہبی تعصب سے مسلم معاشرہ کے حُسن کو محفوظ رکھے-آمین-حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-''حقوق العباد کے معاملہ میں اسلام نے ایک نہایت اعلیٰ اور وسطی تعلیم دی ہے اور افراد اور اقوام کے درمیان عدل وانصاف کے ترازو کو پوری طرح قائم رکھا ہے''-(سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۳۱)-اسی طرح اے تمام نام نہاد مسلمانو! اگر تمہیں ہمارے بزرگوں کی باتوں پر یقین نہیں آتا تو ذرا قرآن شریف کھول کر ہی خدا تعالیٰ کے پاکیزہ الفاظ کو ہی دیکھ لو کہ اس میں کیا تحریر ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

وَ لَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز ---(المائدۃ : ۹)-یعنی: اور اے مسلمانو! یاد رکھو کہ کسی بھی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر کبھی آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہ کرو بلکہ تمہیں تو یہ چاہئیے کہ تم ہر حال میں دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا معاملہ کرو کیونکہ یہی تمہارے تقویٰ کا تقاضا ہے---''-

سبحان اللہ یہ ہے دراصل مذہب اسلام کا وہ عدل وانصاف کہ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ خود بیان فرمارہا ہے لیکن اسے تو وہ مانے گا جو کہ ایک سچا مسلمان ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو یا کسی بھی قوم کو کسی دوسری قوم کی دشمنی میں بھی کوئی ایسا مکروہ فعل کرنے کی اجازت نہیں کہ جو انصاف اور تقویٰ کے دائرے سے باہر ہو جائے،اس میں غیر اقوام کی دشمنی بھی شامل ہے مثلاً ہندو یا سکھ یا عیسائی یا یہودی یا بدھ مت یا لامذہب اقوام اوران کے علاوہ شیعہ ہو کر کسی سنی کی یا بریلوی ہو کر کسی دیوبندی کی یا وہابی ہو کر کسی احمدی کی یا سندھی ہوتے ہوئے کسی پشتون کی یا بلوچ ہوتے ہوئے کسی پنجابی کی ازلی وابدی دشمنی میں بھی اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ تم انصاف کی راہ کو چھوڑ دو-یعنی ہر دوسری قوم کے لوگوں کی

دشمنی کے باوجود عدل وانصاف کا معاملہ کرنے کا حکم ہے لیکن افسوس! صد افسوس! کہ اللہ تعالیٰ کے ان کھلے کھلے احکامات کے باوجود بھی مذہبی رواداری کی بجائے تعصب کی تنگ نظری نے ایسے نام نہاد مسلمانوں کو اندھا بنادیا ہے اور اسی لئے تو یہ لوگ مذہب اسلام پر ایک انتہائی بدنما دھبہ ہیں ورنہ

پاکستان کا مطلب کیا؟ = لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

جیسے مقدس فقرہ کی جتنی بے حرمتی میں نے پاکستان جیسے ملک میں ہوتے ہوئے دیکھی ہے اس کی مثال شاید کسی دہریہ یا عیسائی یا ہندو یا بدھ مت کے پیروکاروں کے ملک میں بھی نظر نہ آئے گی کہ ایک طرف تو ''پاکستان'' کو صرف اور صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا جائے اور دوسری طرف اسی اسلام کے کلمہ حق یعنی کلمہ طیبہ کا سچے دل سے وِرد کرنے والوں کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی آزادی کا حق بھی سلب کرلیا جائے؟ اور اس کا اظہار کرنے والوں کو یا اس مقدس کلمہ طیبہ کے بیج کو اپنے سینوں پر لگانے والوں کو تعزیرات پاکستان کے تحت حوالات یا جیل میں نظر بند کردیا جائے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اسی طرح پاکستانیوں نے اپنے ہی قومی ترانہ میں تحریر شدہ پیغام یعنی ''قوتِ اخوتِ عوام'' جیسے پاکیزہ الفاظ کی جو دھجیاں اتاری ہیں وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں اور ''اخوت عوام'' کی بجائے اب کئی برس سے ''قتل بر سر عام'' شروع کردیا ہے۔ انہی چند مثالوں سے یہ تلخ حقیقت کُھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک طرف تو ان پاکیزہ الفاظ کی انتہائی بیدردی سے پاکستان کے اندر مٹی پلید کی جارہی ہے تو دوسری طرف قرآن شریف اور احادیث نبویہؐ میں درج مقدس نصائح کو بھی انتہائی بُری طرح سے پامال کیا جارہا ہے۔ خدا تعالیٰ کے مبارک احکامات، آنحضرت ﷺ کی سنت مبارکہ اور قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب نیز دیگر معزز بزرگوں کے اقوال زریں پر عمل نہ کرنے کی جو مثال پاکستان میں ملتی ہے ایسی گھٹیا ترین اور نفرت انگیز مثال دنیا کے کسی بھی ملک یا دنیا کی کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ تو ہے تصویر کا ایک رُخ لیکن دوسری طرف جب میں حضرت رسول کریم ﷺ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو بھی عین اس زمانہ کے ان مسلمانوں پر پورا ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرے دل کو ایک گوں نہ گوں سکون آجاتا ہے کہ شکر الحمدللہ کہ ہمارے آباؤاجداد کو سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی عظیم الشان پیشگوئیوں کے مطابق مسیح الزماںؑ اور مہدی دوراں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچاننے کی سعادت نصیب ہوئی اور آپؑ کی بدولت ہمارے والدین کو اور ہمیں بھی پیدائشی احمدی ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کیونکہ یہی تو آنحضرت ﷺ نے بھی آج سے ۱۴۰۰ سال قبل فرمایا تھا کہ:-

''عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : یُوْشِکُ اَنْ یَّاتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ'' لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ' وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ' مَسَاجِدُ ھُمْ عَامِرَۃٌ'' وَ ھِیَ خَرَابٌ'' مِنَ الْھُدٰی عُلَمَآءُ ھُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَ فِیْھِمْ تَعُوْدُ –(رَوَاہ البیھقی فی شعب الایمان -مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ ۳۸، کنز العمال صفحہ ۴۳)– حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-'' عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہی میں سے ہی فتنے اُٹھیں گے اور اُن میں ہی لوٹ جائیں گے یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے''۔ (حدیقۃ الصالحین مرتبہ ملک سیف الرحمن صاحب صفحہ ۸۵۲ حدیث نمبر ۹۱۲ مطبوعہ ۱۹۶۷ء)

ان مقدس فقرات کے بعد مجھے پاکستان کے سرکاری مسلمانوں اور ان کے نام نہاد مسلمان علمائے کرام کے بارہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ پس اسی

لئے میں انہیں قرآن مجید کے احکامات وسنت نبویہؐ کی روشنی میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھتا ہوں کہ اے نام نہاد علمائے اسلام کیا آپ سب کو یہ احادیث نبویہؐ پڑھنے کو نہیں ملتیں؟ کیونکہ اس حدیث کے علاوہ ایک دوسری حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ نے تو اپنے پیارے مہدیؑ اور مسیحؑ کو محبت بھرا سلام بھی بھجوایا تھا- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَّسَلِّم -پس! اسی پیارے سلام کے شکریہ کے لئے ہی تو ہم احمدی ہمیشہ " بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ " کے بعد " نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ " بھی ضرور لکھتے ہیں- کیونکہ جس پیارے شخص کو خود ہمارے آقا ﷺ اور تمام نبیوں کے سردار محمدؐ احمدؐ ﷺ سلام بھیج رہے ہیں تو پھر ہماری کیا مجال کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اتنے مقبول بندے اور رسول اللہ ﷺ کے ایسے پیارے مہدی اور مسیح کو اپنی دعاؤں میں شامل نہ کریں اور درود و سلام نہ بھیجیں؟ ہم تو ضرور سیدنا آنحضرت ﷺ کی ان پاکیزہ احادیث کی پیروی کریں گے اور انشاءاللہ تا قیامت کرتے چلے جائیں گے- بہرحال میں وہ حدیث نبویہؐ حاضر خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:-

"اَلَآ اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ" وَلَارَسُوْل" ، اَلَآ اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِی ، اَلَآ اِنَّہٗ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ ، وَتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا ، اَلَآ مَنْ اَدْرَکَہٗ فَلْیَقْرَأْ عَلَیْہِ السَّلَامَ - یاد رکھو! کہ عیسیٰ بن مریم (یعنی حضرت مسیح موعودؑ) اور میرے درمیان کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا نیز میرے بعد وہ میری امت میں میرا خلیفہ ہوگا- وہ دجال کو ضرور قتل کرے گا- صلیب (یعنی صلیبی عقیدہ) کو پاش پاش کردے گا اور جزیہ کو بھی ختم کردے گا کیونکہ اس زمانہ میں (مذہبی) جنگوں کا خاتمہ ہوجائے گا لہذا جسے بھی اُن سے ملاقات کا شرف حاصل ہو وہ انہیں ضرور میرا سلام پہنچائے-(طبرانی الاوسط والصغیر) + (حدیقة الصالحین مرتبہ ملک سیف الرحمن صاحب صفحہ ۹۰۰-۹۰۱ حدیث نمبر ۹۵۲ مطبوعہ ۱۹۶۷ء)

اسی بات پر یہ عاجز اپنے آقا اور امام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور احمدیت کی سچائی کا ایک اور چھوٹا سا واقعہ بھی آپ ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مئی ۱۹۹۶ء میں جب میں اپنی والدہ صاحبہ کی تیمارداری کے لئے جرمنی سے ربوہ گیا تو شرف ملاقات اور صرف دعا لینے کی غرض سے میں اور میری بہن زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ آف جرمنی، حضرت صاحبزادی بو محمودہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو ملنے اور شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو خوش قسمتی سے وہیں حضرت صاحبزادی بی بی امتہ العزیز بیگم صاحبہ سے بھی ہماری ملاقات مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب انچارج فضل عمر ہسپتال ربوہ کے یہاں ہی ہوگئی اور اس ملاقات میں حضرت صاحبزادی بی بی امتہ العزیز بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب نے ہمیں اپنے یہاں کوٹھی البشریٰ میں مدعو کیا اور وہاں تبرکاً ہمیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت قمیض کا ایک ٹکڑا دعا کے لئے تحفۃً عنایت فرمایا- اس تبرک کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو کاٹ کر میں نے ایک چھوٹے سے مومی لفافہ میں تہہ کر کے محض تبرکاً اپنے بٹوہ میں رکھ لیا کہ یہ بابرکت تحفہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے اور جب بھی میں یہ بٹوہ کھولوں تو حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صاحبزادی بی بی امتہ العزیز بیگم صاحبہ کے لئے دل سے دعا نکلے اور آپ یقین مانیں کہ واقعی جب بھی میں اس بٹوہ کو کھولتا ہوں تو اس مومی لفافہ پر نظر پڑتے ہی میرے مونہہ سے دعائیں نکلتی ہیں اور ایسا دن میں کئی کئی بار ہوتا ہے- اب تقریباً دس سال کے بعد جب میں اپنے گزرے ہوئے حالات پر نظر ڈالتا ہوں تو میں حلفاً یہ بیان لکھ رہا ہوں تاکہ نہ صرف آج کی نسلوں پر بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں پر بھی حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی اور صداقت ثابت ہوجائے کہ صرف حضرت اقدسؑ کی متبرک قمیض کے ایک چھوٹے سے بابرکت ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی عظیم الشان برکت ڈال دی ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک انتہائی نامساعد حالات کے باوجود کبھی بھی روپے پیسے کی کمی محسوس نہیں ہوئی اور اس کے علاوہ بھی ہر ادنیٰ و اعلیٰ خواہش خدا کے فضل اور

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے پوری ہوتی چلی جا رہی ہے- اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو یہ مبارک اور عظیم خوشخبری پیشگوئی کی صورت میں دی تھی کہ:'' بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہو رہی ہے کہ بادشاہ تو بادشاہ یہ مبارک پیشگوئی ہم جیسے غریب غرباء پر بھی لاگو ہو کر برملا اپنی سچائی کا منہ بولا ثبوت فراہم کر رہی ہے- سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَان اللهِ الْعَظِيْم ۔اسی سلسلہ میں مَیں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ - WEITERSBURG - جرمنی میں ہمارا ذاتی مکان گزشتہ چند برس سے تعمیر کے مختلف منازل سے گزرتے ہوئے مکمل ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا لیکن اس مقدس تحفہ کی برکت سے وہی سالہا سال میں رینگتے رینگتے تیار ہونے والا مکان ایک سال سے بھی کم عرصہ میں مکمل ہو گیا اور مئی ۱۹۹۷ء کے آخر میں ہم لوگ- NEUWIED - کے کرایہ کے مکان کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہو گئے اور ہم نے کلمۂ شکر ادا کیا-

میٹرک کے امتحان کے بعد بعض گھریلو وجوہات کی بنا پر مجھے اسلامیہ کالج چنیوٹ میں داخلہ لینا پڑا کہ جس کو وہاں کے چند افراد نے احمدیت کے خلاف جلسے اور جلوس نکالنے کا ایک مناسب موقعہ گردانتے ہوئے میرے سامنے جمع ہو کر روزانہ خوب نعرہ بازی کی لیکن خدا کے فضل سے نہ مجھے کبھی کوئی ڈر محسوس ہؤا اور نہ ہی کبھی کوئی خوف اپنی جان کے بارہ میں پیدا ہؤا اور نہ ہی میرا ایمان ٹس سے مس ہؤا بلکہ یہ ہلڑ بازی میرے دینی ایمان میں اضافہ کا باعث ہوئی- اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے گھر میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنی والدہ صاحبہ سے اس نعرہ بازی کا ذکر کیا کہ اب تو دوسری کلاسوں کے علاوہ میرے پیچھے میری اپنی ہی کلاس کے طالب علم بھی ''مرزائی کتا! ہائے ہائے'' اور ''ربوے دی حور ہائے ہائے (ربوہ کی حور) '' کے نعرے لگاتے ہوئے ایک جلوس کی شکل میں کالج سے لے کر چنیوٹ کے لاری اڈہ تک پیچھا کرتے ہیں تو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور میری والدہ صاحبہ نے مجھے تسلی دیتے ہوئے اپنی زندگی کے چند واقعات بطور نصیحت سنا کر ثابت کر دیا کہ زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور کوئی دوسرا اپنی تمام تر ناپاک کوششوں کے باوجود کسی کو گزند پہچانے یا اس کی جان لینے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا کہ جب تک خدا ایسا نہ چاہے اور اگر تمھارا آخری وقت اسی طرح مقدر ہے تو تم شہادت کا اعلیٰ رتبہ پاؤ گے لہٰذا کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیئے- اسی دوران جب سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا گئیں تو آپؓ کی وفات کے کچھ ماہ بعد جب ہم اپنے نئے گھر ''الوفا'' دارالصدر شمالی ربوہ میں منتقل ہوئے تو اس دوران چنیوٹ کی ہلڑ بازی مزید بڑھ گئی- ایک دن میری والدہ صاحبہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑے ہی ایمانی رنگ میں فرمایا کہ:-

تم میرے ایک ہی زندہ بچ جانے والے بیٹے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں لمبی صحت والی اور خدمت دین سے بھر پور زندگی عنایت فرمائے لیکن تم اپنے ہمسایہ حضرت صاحبزادہ شہزادہ عبداللطیف شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سے سبق سیکھو کہ انہوں نے نہایت دلیری کے ساتھ تمام تلخ و ترش حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہادت کا جام نوش فرمایا لیکن آپؓ کا قدم ذرا بھی نہیں لڑکھڑایا- تم اپنی اخروی زندگی کی فکر کرو کہ شاید تمھاری یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائے لہٰذا سر اٹھا کر جاؤ اور اسی طرح واپس آؤ لیکن خبردار! اگر ان حالات سے ڈر کر تمھارے قدم ذرا بھی ڈگمگائے تو میں تمھیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی- تمہاری شہادت مجھے منظور ہے لیکن تمہارے ایمان کی کمزوری مجھے قطعاً منظور نہیں-

غرض اس طرح بھی والدہ محترمہ میرا دل بڑھاتی رہتی تھیں- انہی دنوں ایک اور طالب علم مکرم نعیم احمد صاحب (حال مقیم جرمنی) بھی احمد نگر سے چنیوٹ جا کر تعلیم حاصل کر رہے تھے اور بعض اوقات وہ صاحب اسی بس میں بھی ربوہ سے چنیوٹ تک نظر آ جایا کرتے تھے کہ جس کے ذریعہ میں بھی ربوہ سے چنیوٹ جا رہا ہوتا تھا کیونکہ وہ احمد نگر سے آیا کرتے تھے اور میں ربوہ سے سوار ہؤا کرتا تھا اس لئے کبھی کبھی ملاقات ہو جایا کرتی تھی

لیکن ان سے معمولی ہاں ہوں کے علاوہ کچھ شناسائی نہ تھی کیونکہ ان صاحب کی سرد مہری کی وجہ سے زیادہ بات چیت کا موقعہ نہ ملا پھر میں چونکہ سائنس کے سیکشن میں تھا اور وہ کامرس کے سیکشن میں لہذا مجھے یہ علم نہ ہوا کہ وہ صاحب احمدی بھی ہیں اور میں تقریباً ایک یا ڈیڑھ سال تک یہی سمجھتا رہا کہ اس کالج میں میں اکیلا ہی احمدی طالب علم ہوں- ایک دن میں نے انہیں ربوہ میں اپنے محلّہ کی اپنی ہی گلی کے ایک مکان میں سے نکلتے دیکھا تو میں نے حیران ہو کر سلام کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارا یہاں کون واقف ہے؟ کیونکہ میں تو انہیں غیر احمدی ہی سمجھتا تھا کہ اسی دوران ان کے بہنوئی بھی باہر تشریف لے آئے اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کہ زعیم صاحب ! آپ اسے نہیں جانتے ؟ یہ تو میرا سالا ہے اور تقریباً روزانہ ہی آپ کے ساتھ احمد نگر سے چنیوٹ کالج میں جاتا ہے اور آپ کے بارہ میں ہمیں بتاتا رہتا ہے کہ آپ کو وہاں کن حالات کا سامنا ہے- اس پر حقیقت حال کھلی کہ یہ صاحب چھپے رستم ہیں لیکن شاید بیچارے حفظ ماتقدم کے طور پر مجھ سے کلام نہ کرتے رہے اور نہ ہی کبھی اس بات کا اظہار کیا کہ یہ صاحب احمدی بھی ہیں- مجھے بہر حال اس بات کا سخت افسوس ہوا اور اب بھی یہ رنج موجود ہے کہ میں اکیلا ان تمام مصائب کا مقابلہ کرتا رہا لیکن اگر ''ایک اکیلا دو گیارہ'' کے مترادف یہ صاحب اپنا تعارف کروا دیتے تو شاید کچھ ڈھارس بندھ جاتی لیکن پھر سوچتا ہوں کہ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ خود تسلی وتشفی دے اور اس کی خود حفاظت فرمائے تو اسے بندوں سے کیا توقع رکھنی چاہئیے؟ اور پھر یوں ہی تو مشہور نہیں کہ :-

''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟''

اور یہ بات بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اور صداقت کا ایک کھلا کھلا ثبوت ہے کہ سینکڑوں غیر احمدی طلبا کے مقابلہ میں ایک اکیلا احمدی بھی ان کی روز روز کی نعرہ بازی اور جلسے جلوسوں اور تعاقب سے بالکل نہیں ڈرا اور ذرہ بھی خوف زدہ نہیں ہوا اور کئی سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتا رہا لیکن اس کھینچا تانی کی وجہ سے میری پڑھائی پر ضرور اثر پڑا اور اچھا نتیجہ نہ نکلا جس کی وجہ سے مجھے سائنس کو چھوڑ کر اکنامکس میں داخلہ لینا پڑا- اس تبدیلی کو کالج کی انتظامیہ نے بھی محسوس کیا اور کالج کے شریف النفس پرنسپل جناب---شاہ صاحب نے مجھے سپیشل طلب کر کے اپیل کی کہ اگر آپ اس ہلڑ بازی کی وجہ سے اپنی تعلیم کو یہاں مکمل نہیں کر سکتے تو پھر آپ کو کہیں اور مائیگریشن کروا لینے کی اجازت ہے کیونکہ آہستہ آہستہ حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں لہذا یہ التجا سن کر میں نے اپنے گارڈین حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب لیکچرر تعلیم السلام کالج ربوہ سے بات کی تو انہوں نے مجھے ربوہ کے تعلیم السلام کالج میں شفٹ ہو جانے کا مشورہ دیا کہ جس کے بعد میں نے اپنی بقیہ تعلیم یہیں ربوہ میں مکمل کی -لیکن اسی ایک بات سے آپ سب یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احمدیت کے خلاف منصوبہ بندی ۱۹۷۴ء میں ایک دم جھٹ پٹ سے ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ (مولوی ؟) منظور چنیوٹی صاحب اور دوسرے نام نہاد علما اور تحفظ ختم نبوت کے علم برداروں کی ملی بھگت سے بہت عرصہ پہلے سے ہی سازشوں کا جال بچھایا جا رہا تھا- میں نام نہاد علما اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ کسی مولوی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سیاست میں حصہ لے کر اُلٹے سیدھے بیان دیتا پھرے جبکہ آج کی سیاست جھوٹ کا گڑھ تصور کی جاتی کہ جس میں سیاست دان ایک دن کوئی بیان دیتے ہیں تو دوسرے دن کوئی اور متضاد بیان اور منظور چنیوٹی صاحب کے جھوٹے بیانوں سے تو پاکستان کے تمام اخبارات بھرے پڑے ہیں کہ جن میں وہ سولی پر بھی چڑھ جانے کے لئے تیار تھے لیکن مفرور ملزم محمد اسلم قریشی کی بازیابی کے بعد سے لے کر اب تک انہیں اپنا یہ وعدہ ایفا کرنے کا موقعہ نہیں ملا-

برسبیل تذکرہ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ یہ وہی نام نہاد مسلمان ملاں محمد اسلم قریشی ہے کہ جو کہ از خود ایک مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک دوسرے کلمہ گو مسلمان پر اپنے چاقو سے خونی حملہ بھی کرتا ہے- پس یاد رہے کہ اس لفٹ اوپریٹر (LIFT OPERATOR) نے ہی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب پر اپنے چاقو سے اس وقت حملہ کیا تھا جب کہ وہ اپنے دفتر کی لفٹ کے ذریعہ ایک منزل سے دوسری منزل کو جا رہے تھے اور اس واقعہ کے بہت سال بعد اسی لفٹ اوپریٹر محمد اسلم قریشی کو مقتول قرار دے کر پاکستان کی حکومت نے سیدنا

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو گرفتار کر لینے کی مذموم سازش بھی کی تھی جو کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ناکام رہی اور حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابعؒ پاکستان سے بخیریت ہجرت فرما کر برطانیہ چلے آئے۔اس لئے مجھے یقین ہے کہ اس بدنام زمانہ ملزم محمد اسلم قریشی کا نام بھی قبیلہ قریش کے ان تمام مشرک اور ملحد اور کافر افراد کے ساتھ لیا جاتا رہے گا کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام دوسرے مسلمانوں کو بھی اذیت ناک اذیتیں دی تھیں۔لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ O (الاعراف : ۴۵) یعنی: ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔آمین۔پس ان نام نہاد مولویوں کے سیاست میں حصہ لینے کے ناپاک عمل سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کی نیت نیک نہیں اور انہیں جھوٹ اور سچ میں تمیز نہیں رہی اور وہ ملک کی صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں اپنی سیٹوں کے ذریعہ اسلام کا نفاذ کم لیکن اپنے سیاسی اثر ورسوخ کو استعمال کر کے دنیاوی فوائد زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال میرے اس خیال کی تصدیق مندرجہ ذیل قصہ سن کر بھی ہو سکتی ہے۔حضرت فضل عمر مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:۔

’’کسی مسجد کا ملاّ ایک دن جماعت کرانے لگا تو اس نے دیکھا کہ مقتدی آسودہ حال ہیں۔اس پر نماز میں اُسے خیال پیدا ہؤا کہ اگر یہ مجھے تحفے تحائف دیں تو میرے پاس بڑا مال اکٹھا ہو جائے گا۔پھر جب مال جمع ہو گیا تو میں اس سے تجارتی سامان خریدوں گا اور خوب تجارت کروں گا۔کبھی دلی میں اپنی اشیا لے جاؤں گا کبھی کلکتے چیزیں لے جاؤں گا غرض اسی طرح وہ خیالات دوڑاتا چلا گیا۔پھر ہندوستان اور بخارا کے درمیان اُس نے تجارت کی سکیم بنانی شروع کر دی۔اب بظاہر وہ رکوع اور سجدہ کر رہا تھا مگر خیالات کہیں کے کہیں تھے۔ایک بزرگ بھی اُن مقتدیوں میں شامل تھے۔اُن پر کشفی حالت طاری ہوئی اور انہیں امام کے تمام خیالات بتا دئے گئے۔اِس پر وہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے۔جب اُس ملاّ نے نماز ختم کی تو وہ اُن پر ناراض ہؤا اور کہنے لگا کہ تمہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ نماز، امام کے پیچھے پڑھتے ہیں؟ وہ کہنے لگے۔مسئلہ تو مجھے بھی معلوم ہے مگر میری صحت کچھ کمزور ہے۔میں آپ کے ساتھ چلا اور دلی تک گیا پھر دلی سے بخارے گیا اور میں تھک کر رہ گیا اور چونکہ اتنے لمبے سفر کی تھکاوٹ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے آپ سے الگ ہو گیا۔اِس پر وہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا‘‘۔(فضائل القرآن صفحہ ۳۷۷-۳۷۸)

اس وقت بات ہو رہی ہے ان روز روز کی دھمکیوں کی کہ ربوہ میں رہتے ہوئے اور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پاکیزہ صحبت میں رہنے کے باعث نیز آپؓ کے بعد آپؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی اعلیٰ تربیت اور حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے علم وعرفان سے بھر پور خطبات سنتے ہوئے نیز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پرورش پاتے ہوئے دین اور دنیا کے بہت سے علوم سے بھی خوب واقفیت ہوتی رہتی تھی لہٰذا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاویٰ اور جماعت احمدیہ کے بارہ میں مجھے کبھی کوئی تجسس پیدا نہ ہؤا تھا لیکن اب چنیوٹ میں ہونے والی مندرجہ بالا بھر پور مخالفت کے بعد مجھے انتہائی زور وشور سے یہ تجسس پیدا ہؤا کہ یہ عام مسلمان لوگ ہماری مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ۔اس کے لئے میں نے ربوہ میں مختلف جماعتی دفاتر کے چکر لگانا شروع کر دئے اور جہاں سے بھی کوئی مفت کتاب یا رسالہ یا پمفلٹ دستیاب ہو جاتا وہ میں گھر لے آتا اور پھر تسلی سے بیٹھ کر پڑھتا رہتا۔غرض ان دنوں میں نے بیشمار دینی کتب کا مطالعہ کیا کہ جن کو پڑھ کر میرا ایمان تازہ ہؤا،اسلام کی حقیقت کھل کر واضح ہو گئی،اللہ اور اس کے رسول سیدنا آنحضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے ﷺ پر پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر ایمان لانے کا موقعہ ملا،میرا اشوق شہادت بڑھا اور دوسرے یہ فائدہ بھی ہؤا کہ احمدیت کی سچائی اور سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر پہلے سے بھی زیادہ محکم یقین کامل دل میں پیدا ہو گیا اور یوں میرے کمزور ایمان کو جلا ملی کیونکہ ان تمام کتب میں وہ سب کچھ موجود تھا کہ جس کی مجھے ایک عرصہ سے دلی طور پر تلاش تھی لیکن ایک پیدائشی احمدی ہوتے ہوئے مجھے ان امور پر کبھی غور کرنے کا موقعہ میسر نہ آیا تھا لہٰذا میں نے آہستہ آہستہ یہ تمام کتب اور رسائل

جلد کروانے شروع کر دئے اور پھر اپنے مختلف عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی بذریعہ ڈاک بھجوانے شروع کر دئے تا کہ ان کے دینی علم میں بھی اضافہ ہو اور مجھے بھی ثواب ملے- بلکہ ابھی دو سال قبل میرے بھانجے مکرم عزیزم تنویر احمد شاد صاحب ابن مکرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب حال مقیم ٹورانٹو کینیڈا نے بھی اپنے دورہ جرمنی ۲۰۰۴ء کے موقعہ پر میری یہ کتاب ''انوارِ بشیرؓ'' اور ایک اور دوسری زیر تحریر کتاب ''قرآنی خزائن'' دیکھ کر اس بات کا اظہار کیا کہ ہاں ماموں آپ سالہا سال پہلے بھی ہمیں ایسی ہی کتب بھیجا کرتے تھے- یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی تقریباً تیس پینتیس برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ایک چھوٹے سے بچہ کو خاکسار کی وہ ایک نہایت معمولی سی دینی خدمت ابھی تک یاد ہے-اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے اور دین و دنیا میں جزائے خیر سے نوازے-آمین

بہر حال اس واقعہ میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اس بات سے ظاہر و باہر ہے کہ اس شدید مخالفت کے باعث میرا ایمان ڈانواں ڈول ہونے کی بجائے پہلے سے بھی بڑھ کر زیادہ مضبوط ہو گیا اور میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور احمدیت کا شیدائی بن گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میری کایا پلٹ گئی اور کچھ ہی عرصہ کے اندر اندر میں اپنے محلّہ کا زعیم مجلس خدام الاحمدیہ دارالصدر شمالی ربوہ اور ربوہ کی مجلس مقامی یعنی مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ پاکستان کا بھی ایک اعزازی ممبر بن گیا کہ جس کی بدولت ربوہ کے مختلف محلّہ جات میں مقامی نمائندہ کی حیثیت سے ان محلّہ جات کے بعض خصوصی اجلاسات میں بھی شمولیت کی توفیق ملتی رہی اور مختلف موضوعات پر تقاریر کرنے کا موقعہ بھی میسر آیا-حتیٰ کہ اسلام اور احمدیت کی خدمت کے بارہ میں میرا عشق اور ولولہ اتنا بڑھا کہ میرے ان جذبات کو دیکھتے ہوئے میری کم عمری کے باوجود مجھے اپنے محلّہ کی مسجد انوار میں کہ جس میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے ناظران کرام اور انجمن تحریک جدید ربوہ کے وکلاء گرامی نماز ادا کیا کرتے تھے درس حدیث نبویؐ دینے کا موقعہ دیا گیا اور زہے قسمت کہ خوش نصیبی سے ان سب بزرگوں نے نہ صرف بڑے ذوق وشوق سے یہ درس سنے بلکہ ہر موقع پر مشفقانہ راہنمائی فرما کر میری ہمت مزید بڑھائی-فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ -اب خاکسار اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ نور اللہ مرقدہٗ کی اپنے خاندان سے محبت اور اور اپنے عزیزوں سے شفقت کے بعض واقعات بیان کرتا ہے لیکن ان سے قبل ایک فرمان خداوندی ملاحظہ فرمائیں:-

يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَ قْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ'' ٥ (البقرة:٢١٦)--یعنی: بعض لوگ تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم آپؐ کی خدمت میں کیا پیش کریں؟ تو تُو انہیں کہہ دے کہ اپنے مال میں سے جو کچھ بھی تم مجھے دو گے اس مال پر سب سے پہلے تمہارے ماں باپ-قریبی رشتہ داروں-یتیموں-مسکینوں اور مسافروں کا زیادہ حق ہے یعنی پہلے انہیں ان کا حق ادا کرو اور اس کے بعد جو بھی حصہ تم کسی نیک مقصد کے لئے مجھے دو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہاری اس قربانی کے عمل سے خوب باخبر ہے اور اس کا اعلیٰ اجر عطا فرمائے گا-

میری والدہ صاحبہ کو اوپر درج آیت کریمہ کے عین مطابق خشیت اللہ کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ جس کی کوئی مثال اس وقت میرے سامنے موجود نہیں ہے لہذا آپ ہر وقت اپنے کسی نہ کسی عزیز کی کسی نہ کسی رنگ میں مدد فرماتی رہتی تھیں اور مجھے بھی آپ یہی درس دیا کرتی تھیں کہ بیٹا! جب گھر میں امداد طلب لوگ موجود ہوں تو پھر باہر کسی کو صدقہ وخیرات دینے کا کیا فائدہ؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ہمارے دروازے پر کوئی فقیر آتا تو اسے دھتکار دیا جاتا تھا-نہیں نعوذ باللہ ایسا نہیں تھا بلکہ انہیں حسب توفیق کچھ نہ کچھ دیا جاتا تھا کیونکہ یہ آفت زدہ لوگ بھی خدا کے بندے ہوتے ہیں لیکن نہ جانے کس جرم کی سزا انہیں مل رہی ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں بہر حال آپ اپنے عزیزوں کے حالات سے

ہمیشہ باخبر رہا کرتی تھیں اور اپنی خداداد فراست سے کوئی نہ کوئی ایسا نقطہ یا ضرورت ضرور ڈھونڈ لیا کرتی تھیں کہ جس میں کسی عزیز کو کسی نہ کسی رنگ میں مدد کی ضرورت ہوا کرتی تھی - اپنے ان عزیزوں کی ان ضروریات کو پورا کرنے کی یہ خواہش آپ کو اس وقت تک بے چین رکھا کرتی تھی کہ جب تک اس عزیز رشتہ دار کی وہ ضرورت پوری نہ ہو جاتی - اس بارہ میں ہم نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن آپ کے پروقار چہرہ پر ایک خاص قسم کے سکون اور طمانیت کو دیکھ کر ہی ہمیں اندازہ ہو جایا کرتا تھا کہ آج آپ نے پھر کسی خوش نصیب کی مدد کی ہے کیونکہ جو خوشی اور رونق میں نے اپنی والدہ صاحبہ کے چہرہ پر ان خدمات کے بعد دیکھی وہ ناقابل بیان ہے - آپ تمام زندگی بھر اپنے عزیزوں کی ازلی وابدی محبت میں صرف یہی کلمات ’’اوّل خویش بعد درویش‘‘ خلوص دل سے دہراتی رہیں اور نہ صرف خود ان کو دہراتی رہیں بلکہ ان پر صدق دل سے عمل کر کے بھی ہمیں اپنا یہ قابل تقلید نمونہ دکھلاتی رہیں اور ہمیں بھی اس پر عمل کرواتی رہیں کہ جس کی بدولت میں نے آج تک اپنے کسی بھی عزیز کو اپنے گھر سے مایوس واپس لوٹتے ہوئے نہیں دیکھا -

علاوہ ازیں ہمارے گھر کا دروازہ بھی ہر وقت ہمارے عزیزوں کے لئے کُھلا رہتا تھا تا کہ وہ جب چاہے تشریف لائیں اور جتنا عرصہ چاہیں ٹھہریں اس لئے جلسہ سالانہ کے پیارے دنوں میں عموماً لیکن رمضان المبارک کے بابرکت ایام میں خصوصاً عید الفطر کے چند دن بعد تک نانا جان حضرت چوہدری اکبر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے معزز صحابہ ہمارے ہاں تشریف فرما رہا کرتے تھے - وہ ایام بھی کیا دن ہوا کرتے تھے کہ ہر دن نماز، روزے، درس اور دینی مشغلات میں وقت گذر جاتا اور رات کو سیدنا آنحضرت ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ذکر خیر چل پڑتا - اللہ! اللہ! یوں درود و سلام میں ہی یہ چند ایام بسر ہوا کرتے تھے لہذا عید کے گذرتے ہی ہمیں اگلے رمضان کی آمد آمد کا پھر سے انتظار شروع ہو جاتا - حضرت چوہدری اکبر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی کہ انہیں ربوہ میں اعتکاف بیٹھنے کی سعادت نصیب ہو جس کے لئے وہ ہر سال کُنری سندھ سے درخواست دے دیا کرتے تھے اور صحابی ہونے کی بدولت عموماً یہ درخواست منظور بھی ہو جایا کرتی تھی - آپؓ کے تشریف لانے سے ہمارے رمضان المبارک کی خوشی دوبالہ ہو جایا کرتی تھی - اپنی والدہ صاحبہ کی اعلیٰ تربیت کی بدولت ان پیارے عزیزوں کی آمد پر ہمیں بے حد خوشی محسوس ہوا کرتی تھی اور ان کی خدمت کر کے ایک سکینت نصیب ہوا کرتی تھی اور پاکیزہ دُعائیں اس کے علاوہ ملتیں - مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۳ء میں میرے منجھلے ماموں جان مکرم عبد العزیز سندھو صاحب لاہور میں رہائش پزیر تھے اور ان دنوں اغلباً کام نہ ہونے کی وجہ سے فارغ تھے تو وہ ہمارے یہاں ربوہ تشریف لائے - سب لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اپنے حالات بیان کئے - ان کے حالات سن کر دکھ ہوا - جب سب لوگ انہیں کوئی نہ کوئی اچھا مشورہ دے رہے تھے تو ربوہ میں ان لوگوں کی رہائش کا مسئلہ پیدا ہوا تو میں نے اس محفل میں عرض کیا ہے ہماری والدہ صاحبہ کا ایک مکان ان دنوں خالی پڑا ہوا ہے اس میں آپ لوگ آ کر ٹھہر جائیں - میری یہ بات سن کر سب لوگ بہت خوش ہوئے - اس وقت میری عمر دس برس کی تھی اس لئے گھر کے بزرگوں نے مجھے خوب داد دی اور میرے ماموں میری والدہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس لاہور چلے گئے اور پھر اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ مستقل قیام کے لئے ربوہ تشریف لے آئے - وہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پہرہ دار یعنی باڈی گارڈ تھے لیکن قلیل تنخواہ پانے اور زیادہ بچے ہو جانے کی وجہ سے ان کا گزارہ بہت مشکل سے ہوتا تھا لہذا میری والدہ صاحبہ تمام زندگی بھر ان کی مدد فرماتی رہیں حتیٰ کہ آپ نے اپنا ایک مکان واقع محلّہ دارالنصر شرقی میں بغیر کرایہ کے انہیں رہائش کے لئے دے رکھا تھا اس مکان کا معمولی سا سالانہ ٹیکس بھی خود ہی اپنی جیب سے ادا کرتی رہیں - وہ لوگ سالہا سال تک اور میرے خیال میں تقریباً دس سال سے بھی زائد عرصہ تک ہمارے مکان میں مقیم رہے - اس کے بعد جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میری والدہ صاحبہ انہیں اپنے یہاں ’’الوفا‘‘ میں لے آئیں اور ان کو ان کے کاروبار اور دودھ دینے والی بھینس کے لئے دیا ہوا ہزاروں روپے کا قرضہ حسنہ بھی کمال مہربانی کا سلوک فرماتے ہوئے

معاف کردیا- اس کے علاوہ ان کے علاج معالجہ کے لئے بھی کافی دوڑ دھوپ کی اور انہیں لائل پور کے ایک ہسپتال میں داخل بھی کروا دیا لیکن ان کے مقدر میں صحت نہیں تھی اور یوں وہ کچھ دن بعد ہسپتال میں ہی اپنی شدید تکلیف دہ بیماری کی وجہ سے ۱۹۷۵ء میں وفات پا گئے- اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنَّـآ اِلَیْـهِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرة:۱۵۷)

اسی طرح مجھے اپنے ایک دوسرے ماموں جان مکرم چوہدری عبدالحمید صاحب سندھو کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک دن وہ بیچارے اپنی بیوی سے ناچاکی کے بعد ہمیں مطلع کئے بغیر اپنے تمام بچوں سمیت ہمارے یہاں تشریف لے آئے کہ میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے- اس دن میں نے اپنی والدہ صاحبہ کے انتہائی بلند اخلاق کردار کا ایسا عالی شان مظاہرہ دیکھا کہ میں ان کی جواں ہمتی دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ ان مہمانوں کو دیکھ کر آپ ذرا بھی پریشان نہیں ہوئیں اور بالکل نہیں گھبرائیں بلکہ میری والدہ محترمہ نے خوشی خوشی ان کا استقبال کیا اور ان سب کی حسب توفیق خاطر مدارت کی اور انہیں تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں- اب آپ یہیں ہمارے پاس ہی ٹھہریں اور جو بھی روکھا سوکھا موجود ہے وہ ہم سب آپس میں مل بیٹھ کر کھالیا کریں گے اور یوں وہ لوگ سالہا سال تک ہمارے پاس اوپر کی منزل میں مقیم رہے- مکرم ماموں عبدالحمید صاحب اپنی بیوی کے سلوک کی بدولت بے حد دکھی رہا کرتے تھے اور دوسرے انہیں مختلف عوارض بھی لاحق تھے لیکن والدہ صاحبہ نے بڑی بہن ہونے کے ناطے، بہن کی بجائے ماں بن کر انہیں سنبھالا اور ان کی وفات ۱۹۷۹ء تک ان کی انتھک خدمت اور تیمارداری کی اور انہیں کسی بھی حالت میں اپنے سے جُدا کرنا پسند نہیں فرمایا- میرے پاس اپنے ان ماموں جان کی آواز میں دُعائیں ٹیپ پر موجود ہیں اور جب بھی میں ان کو سنتا ہوں تو ہمیشہ ایک نیا اطمینان نصیب ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ شکر گذار بندہ ہم سے خوش و خرم، ہمیں اپنی بے لوث دُعاؤں سے نوازتا ہوا اپنے مالک حقیقی سے جا ملا- اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنَّـآ اِلَیْـهِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرة:۱۵۷)- میرے یہ ماموں جان چونکہ ہر حال میں خدا کا شکر بجالانے والے ایک نیک وجود تھے لہذا میں نے عسر و یسر میں کبھی ان کی زبان پر کسی گلہ شکوہ کا اظہار نہیں سُنا- آپ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کرتے رہتے تھے اور حسن اخلاق ایسا بلند کہ اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنی دُعاؤں سے نوازتے رہتے تھے اور خدا کے ایسے نیک بندے کے لئے تو ہر شخص کے دل سے خود بخود ہی دُعائیں نکلتی ہیں- اللہ تعالیٰ ان دُعاؤں کو قبولیت بخشتے ہوئے میرے اس ماموں کا انجام بخیر فرمائے اور ان کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے- آمین

بھائی بہن کے اسی پیار اور محبت کے واقعہ سے مجھے ایک اور بہن بھائی کی ایسی ہی محبت اور چاہت کا ایک اور پیارا واقعہ یاد آ گیا- یہ واقعہ حضرت ماموں جان عبدالرحمٰن خان صاحب نیازیؓ ابن حضرت مولوی حسن محمد خان نیازی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے- سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی زندگی کے آخری چند برسوں میں آپؓ کے چھوٹے بھائی حضرت ماموں جان عبدالرحمٰن خان نیازی صاحبؓ بے اولاد ہونے کی بنا پر اپنی زوجہ محترمہ کی وفات کے بعد سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پاس البشریٰ ربوہ میں تشریف لے آئے تھے اور پھر اپنی وفات تک یہیں مقیم رہے- حضرت ماموں جان عبدالرحمٰن خان صاحب نیازیؓ کے آجانے سے گھر میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد جو اداسی چھائی رہتی تھی اس کا بھی کچھ ازالہ ہو گیا- لیکن حضرت میاں صاحبؓ کے بابرکت وجود کی کمی بہرحال ہمیشہ قائم رہی- حضرت ماموں جانؓ ایک نہایت شریف النفس اور نماز روزہ کے پابند انسان تھے- میرے ساتھ آپ کا سلوک نہایت محبت اور شفقت کا رہا اور آپ نے مجھے میری کسی بات یا کسی بھی حرکت پر آج تک کبھی نہیں ٹوکا بلکہ ہمیشہ شفقت کی نظر سے ہی دیکھا اور ہر موقع پر اپنی قیمتی نصائح سے نوازا- حضرت ماموں جانؓ مختلف امور کی انجام دہی کے لئے سال میں کئی مرتبہ پشاور اور مردان وغیرہ کے چکر لگاتے رہتے تھے لہذا مجھے یاد ہے کہ آپ وہاں سے بہت سی دوسرے اشیاء کے علاوہ عموماً عمدہ قسم کا پنیر لے کر آیا کرتے تھے- FETTA کی قسم کا وہ پنیر چونکہ ربوہ میں نہیں

ملتا تھالہذا اس پر نمک سرخ مرچ یا کالی مرچ وغیرہ لگا کر کھانے کا بہت مزہ آتا - انہی ایام میں میری منجھلی بہن محترمہ زبیدہ تسنیم صاحبہ کی ہم عمر سہیلی اوراماں کی بھتیجی یعنی ماموں جان حضرت عبداللطیف خان صاحب نیازی کی بیٹی باجی فہمیدہ خان بیگم (باجی فیدی) صاحبہ بھی کبھی کبھی ہمارے یہاں تشریف لایا کرتی تھیں اور یوں ہم سب خوب گھل مل کر ہنستے کھیلتے رہتے - شعروشاعری کے مقابلے ہوتے یا مختلف گیمز ہوتیں - شعروشاعری سے یاد آیا کہ سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی ایک غیر احمدی بھتیجی محترمہ ناہید نیازی صاحبہ فلموں میں اور ریڈیو پر بھی بہت اچھے نغمات گایا کرتی تھیں لیکن افسوس کہ وہ اپنے مذہبی تعصب کی بنا پر کبھی ربوہ تشریف نہیں لائیں ورنہ شائید ان سے بھی کچھ شعر ترنم کے ساتھ سُننے کا اتفاق ہوجاتا -

ایک مرتبہ گرمیوں کی چھٹیوں میں حضرت ماموں جان ؒ مجھے اور میری سب سے چھوٹی بہن عزیزہ بشریٰ بیگم صاحبہ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے ہمراہ آپ کی نیلی ٹویوٹا CORONA کار میں سیر کروانے کے لئے راولپنڈی بھی تشریف لے گئے - راستہ میں ہم سب حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے یہاں جہلم میں بھی ٹھہرے اور دوپہر کے کھانے کی دعوت کھائی - ان دنوں برسات کا موسم تھا اور پوٹھوہار کا خشک علاقہ خوب سرسبز تھا لہذا ہمیں اس تفریحی سیر کا خوب مزہ آیا اور پھر سہ پہر کی چائے پی کر ہم سب آگے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے - اس کے علاوہ مجھے یاد ہے کہ جب حضرت ماموں جان مکرم عبدالرحمٰن خان صاحب نیازیؒ کے مثانہ کا اپریشن میو ہسپتال لاہور میں ہؤا تھا تو میں بھی ربوہ سے فکرمندان کی عیادت کے لئے حاضر ہؤا تھا - مجھے دیکھ کر آپؒ کو بے حد خوشی محسوس ہوئی - آپؒ اپنے کمرہ میں اپریشن کے بعد لیٹے ہوئے تھے اور بستر کے ساتھ ایک عدد بوتل اپریشن کے بعد مثانہ سے خون اور پیشاب کے اخراج کے لئے لگی ہوئی تھی - آپ نے لیٹے لیٹے ہی میری آمد پر خوشی کا اظہار فرمایا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مجھے واپسی کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے بے حد دُعاؤں کے ساتھ واپس ربوہ رخصت فرمایا اسی طرح ایک مرتبہ مجھے اور میرے دوست مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب کو بھی اپنے دستخطوں کے ساتھ ایک ایک چھوٹے سائز کی تصویر مرحمت فرمائی تھی - میاں ماجد صاحب کی تصویر کا تو مجھے علم نہیں لیکن حضرت ماموں جانؒ کی وہ تصویر آج بھی میرے پاس محفوظ ہے بلکہ اس کی کئی کاپیاں میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف گھرانوں کو بھی وقتاً فوقتاً بغرض دعا بھجوا چکا ہوں کہ جن کے پاس ایسی نادر تصاویر موجود نہیں - آپؒ کی وفات میرے عزیز دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب کی موجودگی میں البشریٰ میں حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے کمرہ میں ہوئی - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ راجِعُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۵۷)

☆

حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

(۷رنومبر ۱۹۱۰ء قادیان - ۱۶رنومبر ۱۹۷۹ء ربوہ)

اب اگر ان باتوں یعنی خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقتوں کا، محبتوں کا عنایتوں کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۶۷ء میں میں نے مڈل (آٹھویں) کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا تو اس خوشی میں حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب مجھے اپنی نیلی ٹیوٹا کرونا TOYOTA CORONA کار میں ساتھ لے کر ربوہ سے سرگودھا تشریف لے گئے اور وہاں ریڈیو اور ٹی وی کی ایک دوکان سے جاپان کی ایک کمپنی SANORA کا بنا ہوا ایک بہت خوبصورت سیاہ رنگ کا ڈبل سپیکر والا شارٹ ویو ٹرانسسٹر ریڈیو خرید کر تحفۃً عنایت فرمایا کہ جس پر گہرے براؤن رنگ کے چمڑے کا کور چڑھا ہوا تھا - اس زمانہ میں ایک سپیکر والے ٹرانسسٹر ریڈیو تو بہت عام تھے لیکن ڈبل سپیکر والے ٹرانسسٹر اپنی اونچی آواز کی بدولت بہت قیمتی ہوا کرتے تھے اور اغلباً اسی وجہ سے بہت ہی کم لوگوں کے پاس ہوا کرتے تھے - اس کے علاوہ آپ مجھے گرمیوں کی چھٹیوں میں کئی مرتبہ مٹھہ ٹوانہ کے قریب اپنی زمینوں پر بھی اپنے ساتھ لے جاتے رہے تا کہ کچھ تفریح رہے - مجھے یاد ہے کہ وہاں آپ نے جو نئی کوٹھی تیار کروائی تھی اس کی چھت پر سے سامنے پہاڑ پر سکیسر کے راڈار کی سرخ لائٹس ہمیشہ نظر آتی رہتی تھیں لیکن سب سے زیادہ مزہ مجھے ہر رات سونے سے پہلے اسلام کے بارہ میں کوئی نہ کوئی ایمان افروز واقعہ آپ کے مخصوص تکیہ کلام کو سن کر آتا اور ابھی آپ وہ واقعات مزے مزے سے مجھے سنا ہی رہے ہوتے تھے کہ میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوتا تھا - اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے یورپ کے ملک سپین کی ایک چھوٹی سی معصوم بچی کا واقعہ بھی سنایا تھا جو کہ رات کو سوتے ہوئے ہسپانوی زبان کی بجائے کسی غیر زبان میں گفتگو کیا کرتی تھی جس کو سن کر اس کے ماں باپ بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے چند پادریوں کی مدد حاصل کی لیکن وہ پادری بھی اس لڑکی کے ماں باپ کی کچھ مدد نہ کر سکے اور انہوں نے نہایت مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شائید اس لڑکی پر کسی بدروح کا سایہ ہے لہذا کبھی اسے کسی کمرہ میں تنہا بند کر دیا جاتا اور کبھی اسے مار پیٹ کا نشانہ بنا کر اسے اس بھوت سے نجات دلوانے کی کوشش کی جاتی جو کہ ان پادریوں کے خیال میں اس معصوم بچی پر سوار تھا اور اس طرح وہ پادری ایک لمبے عرصہ تک اپنی نذر نیاز وصول کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن پادریوں کے ان مختلف غیر انسانی ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر اس لڑکی کے ماں باپ نے پادریوں کا داخلہ اپنے گھر میں ممنوع قرار دے کر کلیسا کے اس عذاب سے نجات حاصل کی اور ایک ماہر نفسیات کو اپنے گھر مدعو کیا کہ وہ خاموشی سے رات کو سوتے میں ان کی بچی کی حرکات دیکھیں اور گفتگو کو سنیں - اس ماہر نے چند دن تک یہ حرکات دیکھیں اور گفتگو سنی نیز اسے ٹیپ بھی کرتا رہا - اس ماہر نفسیات کو تو اس زبان کا علم نہ ہوا کہ یہ کون سی زبان ہے لیکن اس نے یہ ٹیپ اپنی یونیورسٹی کے چند ماہرین زبان کو سنائی کہ جنہوں نے وہ ٹیپ سن کر اس لڑکی کے والدین سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور انہیں بتایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ لڑکی رات کو سوتے میں تمام وقت عربی زبان میں قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور جو حرکات وہ کرتی ہے وہ تو تمام مسلمان نماز پڑھتے وقت کرتے ہیں یعنی یہ لڑکی سوتے ہوئے نیند کی حالت میں نمازیں پڑھتی رہتی تھی اور بقیہ وقت میں تلاوت قرآن مجید کیا کرتی تھی -

یہ واقعہ سنا کر آپ نے فرمایا کہ: ''نیک اور پاک مسلمانوں کے خون کا اچھا اثر اب تک سپین کے عوام میں پایا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ یہ قوم اسلام قبول کرنے میں بھی جلدی کرے'' - کیونکہ اس زمانہ میں تو جنرل فرانکو کی حکومت کی وجہ سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دن ہمیں میڈرڈ کے قریب پیڈرو آباد میں مسجد بنانے کی اجازت بھی مل سکے گی یا نہیں اور پھر یہ مسجد خدا کے فضل سے مسلمانوں کے سپین سے دیس نکالے کے بعد سب سے پہلی اسلامی مسجد بھی ہوگی - بہرحال یہ واقعہ آپ نے اس سوز و گداز سے بیان کیا کہ اسے سن کر سب سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں بھی اتنا متاثر ہؤا کہ پہلے سے بھی زیادہ نمازوں کی پابندی کرنے لگا - ان دنوں روزانہ ہی خرید و فروخت کے لئے کبھی جوہر آباد یا کبھی مٹھہ ٹوانہ یا قائد آباد وغیرہ جانا ہوتا - آپ اپنی مصروفیات کی بنأ پر ڈرائیور کو یا اپنے منشی صاحب کو خاکسار کے ہمراہ بھجوا دیتے غرض میرا تمام وقت خرید و فروخت اور سیر و تفریح میں ہی کٹتا اور چھٹیاں چٹکی بجاتے ہی ختم بھی ہو جاتیں - حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے ذکر خیر سے یاد آیا کہ جب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب پاکستان کی اقتصادی کمیشن کے نائب چیئرمین تھے تو ان دنوں پاکستان کے لئے امداد حاصل کرنے کے واسطے آپ عموماً مختلف ممالک کا دورہ کیا کرتے تھے کبھی یہاں تو کبھی وہاں - ان دنوں مغربی ممالک نے بھی پاکستان کو امداد دینے کے لئے ایک کنسورشیم بنا دیا تھا اس لئے مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دن حضرت نواب محمد احمد خان صاحب نے مسکراتے ہوئے سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو بتایا کہ: ''میں نے سوچا ہے کہ میں بھائی مظفر (ایم ایم احمد صاحب) کو چاندی کا ایک خوبصورت کشکول بنوا کر دے دوں تا کہ امداد مانگنے میں آسانی رہے'' - اس چٹکلے کو سنتے ہی وہاں موجود سب لوگ ہنس پڑے اور پھر بہت دنوں تک آپ کی اس تجویز پر تمام خاندان مبارکہ میں خوب چرچا ہؤا اور اس پر بے حد لطیف تبصرے بھی ہوتے رہے -

حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الحمید بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا (۱۹۱۶ء-۱۹۷۶ء) دونوں ہی نہایت فراخ دل تھے اسی لئے ان کا گھر موقع بے موقع مہمانوں سے بھرا رہتا تھا - ہم نے مہمان نوازی کا گُر انہی کے یہاں سے سیکھا کہ اپنے آرام کو تج کر مہمانوں کے آرام کا بندوبست کیا جاتا - جلسہ اور عیدین کے موقع پر تو مہمان یوں آتے کہ جیسے کوئی لنگر خانہ ہو - جلسہ سالانہ - عیدین یا موسمی چھٹیوں کے علاوہ بھی روزانہ شام کے وقت خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے افراد اکھٹے ہوتے - کبھی کسی نئی کافی مشین کا افتتاح ہوتا تو کبھی کسی جوس بنانے والی مشین کو آزمایا جاتا - پاندان محفل کی جان ہوتا اور یوں خوب رونق رہتی - اس محفل میں چونکہ بڑی عمر کے لوگ زیادہ تعداد میں شامل ہوتے تھے لہذا ہم نوجوان طبقہ کے لوگ باہر گیلری یا برآمدہ میں اپنی مجلس لگا لیتے لیکن اندرونی کمروں میں چونکہ موسم کی مطابق خشک و تازہ پھل اور دوسری مختلف کھانے پینے کی اشیا بھی وافر تعداد میں موجود ہؤا کرتی تھیں اس لئے گاہے بگاہے بھوک مٹانے کے لئے ان بڑے بزرگوں کی جمائی ہوئی اندرونی محفل کے چکر بھی لگتے رہتے بلکہ بعض اوقات اگر کوئی بہت زیادہ دلچسپ واقعہ بیان ہو رہا ہوتا تھا تو ہم لوگ بھی وہیں اندر بیٹھ جاتے اور یوں وہاں سنائے جانے والے مختلف واقعات اور چٹکلے سن سن کر ہم بھی بہت محظوظ ہوتے رہتے تھے - اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بہترین جزائے خیر سے نوازے اور جنت الفردوس میں ان کا مقام بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے - آمین

میرے یہاں جرمنی چلے آنے کے تقریباً ایک ڈیڑھ سال کے اندر اندر ہی حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الحمید بیگم صاحبہ کی وفات ہوگئی - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) - آپ کی وفات سے چند یوم قبل میری والدہ محترمہ احمدی بی صاحبہ آخری مرتبہ جب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئیں تو آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اپنے سرہانے پڑے ہوئے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی کچھ رقم میری والدہ صاحبہ کو عنایت فرمانے لگیں تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا بیٹا مجھے باقاعدہ خرچ بھیجتا ہے - یہ سن کر آپ نے اپنی علالت کی وجہ سے پیدا

ہوجانے والی ناتوانی کے باوجود جبکہ آپ بول بھی نہ سکتی تھیں بہت مشکل سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ فرمایا کہ چلو صرف بغرض دعا ہی رکھ لو کہ جس پر میری والدہ صاحبہ نے وہ رقم شکریہ کے ساتھ ان سے لے لی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم سے پیار، محبت اور شفقت کا سلوک صرف اسی لئے ہے کہ اس مقدس خاندان کے بابرکت وجودوں نے اپنے بزرگوں کو بھی ہم پر مہربان بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ قربان ہوتے دیکھا ہے لہٰذا جہاں میں ایک طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پاکیزہ دلوں میں ہماری محبت کو ڈالا وہاں میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس بابرکت خاندان کے سبھی معزز و محترم افراد کا بھی ان کی اس بے انتہا شفقت ومحبت کے لئے انتہائی شکر گزار ہوں کیونکہ فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق:۔عن ابی ھریرہ قال : قال رسول اللہ ﷺ مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ (ترمذی کتاب البصر والصلۃ باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک)۔یعنی: ’’ جو شخص بندوں کی مروت کا شکر گزار نہیں بنتا تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا‘‘۔

اور خدا جانتا ہے کہ اس ارشاد کو میں نے اپنے دل میں بٹھا رکھا ہے اور اپنی روح میں سمو رکھا ہے اور تبھی تو میں ہر وقت اس مبارک خاندان کی صحت وعافیت اور ترقی اور خوشحالی کے لئے دعا گو رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے حقیر اور عاجز بشر کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ذکر خیر سے مجھے یاد آیا کہ یوں تو سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور اللہ مرقدہٗ سے بیشمار مرتبہ خوابوں میں ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن اس مضمون کے تعلق میں ایک بہت ہی پیاری خواب یاد آ گئی جو میں نے بغرض دعا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بھی مؤرخہ ۲۴؍اپریل ۱۹۹۷ء کو بھی تحریراً بھجوائی تھی۔ اب میں آپ کے سامنے بھی اپنی وہ پیاری خواب بیان کرتا ہوں:۔

’’ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خاکسار ربوہ میں ہے اور کوٹھی البشریٰ اور حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے گھر کو جانے والی سڑک شارع صدر پر جا رہا ہے کہ اچانک حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ خاکسار نے اُن کو نہایت قریب سے دیکھا ہوا ہے اور خواب میں آپ کے چہرہ پر ایک عجیب قسم کا نُور ہے اور آپ نے پُوری داڑھی رکھی ہوئی ہے لیکن آپ کی یہ سفید داڑھی قلموں سے لے کر گردن تک بے حد نفاست سے بالکل ہموار اس طرح کٹی ہوئی ہے کہ جیسے اسے بال کاٹنے والی مشین سے برابر اور بالکل ہموار کاٹا گیا ہو۔ اور پھر یہ داڑھی ہے تو پُوری لیکن لمبے لمبے بال نہیں ہیں بلکہ ایک یا دو دن کی طرح بڑھی ہوئی داڑھی ہے جو کہ آپ کے چہرہ پر بہت پھب (اچھی لگ) رہی ہے نیز اس داڑھی کی وجہ سے آپ بہت ہی خوبصورت اور حسین نظر آ رہے ہیں اور خاکسار سے مل کر بے حد خوش ہوتے ہیں اور اسی خوشی میں خاکسار کو کچھ دینا چاہتے ہیں لیکن ان سے چند قدم پیچھے ان کے چھوٹے صاحبزادے مکرم صاحبزادہ نواب محمود احمد خان (اودی میاں) صاحب کھڑے ہیں اور انہیں وہ چیز مجھے دینے سے روک رہے ہیں‘‘۔

خیر اسی کشمکش میں میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہوا کہ اے اللہ! مجھ ناچیز کی مدد فرما اور وہ چیز مجھے دلوا۔ اس خواب کے دیکھنے کے چند دن کے بعد یعنی عید الاضحیٰ ۱۹۹۷ء سے ایک دو دن پہلے کی رات کو مجھے ایک اور بے حد پیاری خواب نظر آئی اور اس خواب میں مجھے حضرت قمر الانبیاءؓ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نظر آئے۔ تفصیل اس خوب کی یہ ہے کہ میں:۔

’’ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنی پہلی والی خواب کی طرح اس خواب میں بھی وہی جگہ ہے وہی مقام ہے اور سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر

احمد صاحبؓ مجھے بڑے پیار سے اسی سڑک پر ملتے ہیں لیکن اس بار مکرم صاحبزادہ نواب محمود احمد خان صاحب وہاں نہیں بلکہ حضرت میاں صاحبؓ سے دو تین قدم پیچھے ان کی جگہ حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کھڑے ہیں اور حضرت قمرالانبیاءؓ نے بھی ویسی ہی ایک دو دن کی بڑھی ہوئی اور بال کاٹنے والی مشین سے نہایت نفاست سے ہموار کٹی ہوئی خوبصورت پُوری سفید داڑھی رکھی ہوئی ہے اور آپؓ کا چہرہ مبارک اسی پاکیزہ نُور سے پُر ہے کہ جیسا میں نے حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب کے چہرہ پر چمکتا ہؤا دیکھا تھا - یہ مشابہت دیکھ کر خواب میں ہی مجھے آپ دونوں کی شکل و شباہت کی مماثلت پر حیرانی ہوتی ہے کہ کیسے یہ دونوں چہرے اور ان پر چمکتا ہؤا نُور ایک دوسرے سے مل رہا ہے نیز اسی خواب کے دوران ہی میرے دل میں اس بات کو ڈال دیا گیا کہ یہ دونوں بزرگ جنتی ہیں اور وہ چیز جو حضرت صاحبزادہ نواب محمد احمد خان صاحب مجھے دینا چاہتے تھے وہ خاص انعام خود حضرت قمرالانبیاءؓ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنے دستِ مبارک سے مجھے عنایت فرما دیا - ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپؓ نے مجھے صدر بنا دیا ہے - اور پھر اس کے بعد آپ دونوں کی انتہائی شفقت اور محبت کا سلوک بھی جاری رہا (وہ گفتگو اب مجھے یاد نہیں رہی)'' - فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں خدا تعالیٰ کے حضور اتنی پیاری خواب دکھلانے پر سجدہ ریز ہؤا اور اس کی حمد و تسبیح سے دل لبریز ہو گیا - سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ العَظِیْم - بعد میں یہ خواب اس طرح پوری ہوئی کہ خاکسار کو پہلے اپنی جماعت فالنڈار VALLENDAR جرمنی کا قائم مقام صدر بنایا گیا اور اس مخصوص مدت کے گزرنے کے بعد جب انتخابات ہوئے تو احباب جماعت نے ازراہِ محبت خاکسار کو پھر دوبارہ جماعت احمدیہ فالنڈار جرمنی کا صدر منتخب کر لیا اور مکرم عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب نیشنل امیر جماعت احمدیہ جرمنی نے ازراہِ شفقت نے مجلس عاملہ کی منظوری عنایت فرمائی - اسی دوران خاکسار نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو احسن رنگ میں سرانجام دینے کے لئے ایک نماز سینٹر کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے حصول کے لئے جدو جہد شروع کی - یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ ایک جانب مکرم ریجنل امیر جماعت احمدیہ جناب ملک طاہر احمد ظفر صاحب کو قائل کرنا اور دوسری جانب مکرم نیشنل امیر صاحب جماعت عالیہ احمدیہ اور نیشنل مجلس عاملہ جرمنی کی خدمت میں دلائل پیش کر کے ان کی منظوری کو حاصل کرنا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے خاکسار نے اپنے مؤقف کو اس عمدگی کے ساتھ ان حضرات کے سامنے پیش کیا کہ بالآخر ہمیں اپنا نماز سینٹر لینے کی منظوری مل گئی - فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ -

منظوری ملنے کے بعد نماز سینٹر کے حصول کے لئے دوڑ دُھوپ شروع ہوئی اور جلد ہی میرے بھانجے مکرم عزیزم منیر احمد شاد صاحب کے بڑے مکان میں ہمیں ہماری ضروریات کے مطابق ایک علیحدہ حصہ مل گیا کہ جس میں نمازوں کی ادائیگی اور جماعت کی مختلف تقریبات کے لئے دو بڑے کمرے تھے یعنی ایک مستورات کے لئے اور ایک مرد احباب کے لئے - ان سے منسلک ایک بڑا باورچی خانہ بھی تھا اور پھر مرد و خواتین کے لئے علیحدہ علیحدہ باتھ روم اور ٹوائلٹ وغیرہ کی سہولت بھی موجود تھی - جس کے بعد اس کی صفائی اور تزئین کا کام شروع ہؤا اور وقارِ عمل کے ذریعہ جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا - اپنے نماز سینٹر کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے احباب جماعت نے حسبِ توفیق مال و دولت فراہم کئے - نماز سینٹر کے افتتاح کے موقعہ پر سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی اپنے مکتوب گرامی میں اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور جماعت احمدیہ فالنڈار کے تمام احباب جماعت کو اپنی پاکیزہ دعاؤں کا تحفہ بھیجا - یوں جماعت احمدیہ فالنڈار کے جماعت احمدیہ کوبلینز KOBLENZ میں مدغم ہونے تک خاکسار کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مقدور بھر خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی - فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ - حضورؒ کا وہ پیغام من و عن یہاں پیش کرتا ہوں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم مقصود احمد نسیم صاحب صدر جماعت فالنڈار جرمنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط محررہ ۲۱ر فروری ۲۰۰۰ء سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں موٴصول ہوا جس میں آپ نے ماہ جولائی سے لے کر ماہ دسمبر ۱۹۹۹ء تک جماعت فالنڈار کی مساعی کی رپورٹ بھجوائی ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ کہ آپ آج کل صدر جماعت فالنڈار ہونے کے علاوہ مجلس انصار اللہ جرمنی کی طرف سے شائع ہونے والے پہلے سوونیئر کی کتابت اور ریجن میں اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری امور خارجہ کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا ہے۔ **جزاکم اللہ احسن الجزا**

آپ نے بتایا ہے کہ آپ کی جماعت کو اپنا نماز کا سینٹر مل گیا ہے اور ۱۴ر جنوری کو دعا کے ساتھ اس سینٹر کا افتتاح ہوا ہے۔ حضور انور نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ **الحمدللہ بارک اللہ لکم**۔ آپ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ سینٹر کے بعض احباب نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق ضروری اشیائ مہیا کی ہیں۔ حضور انور نے فرمایا ہے۔ **جزاھم اللہ احسن الجزا**۔ اللہ ان کے اموال اور نفوس میں برکت ڈالے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

خاکسار۔ دستخط (عبدالماجد طاہر)۔ ایڈیشنل وکیل التبشیر۔ لندن

(خط نمبر: T-313۔ ۲۸ر فروری ۲۰۰۰ء)

☆

آخری خواہش

بہر حال ان تمام واقعات کے بیان سے پہلے میں اپنی والدہ محترمہ کی جود وسخا کے بارہ میں کچھ عرض کررہا تھا کہ جسے وہ اپنی انکساری میں خدمت کا نام دیا کرتی تھیں لہذا یاد آیا کہ ۱۹۷۴ء کے فسادات کے دوران جب ہمارے بہت سے قریبی عزیز مختلف شہروں مثلاً جھنگ، لائل پور اور چنیوٹ سے ربوہ آگئے تو بھی ہماری والدہ صاحبہ نے ان مہاجروں کی ہر طرح سے امداد کی اور انہیں لنگر خانہ بھوجانے کی بجائے کوٹھی الوفا کی پہلی یا اوپر والی تمام منزل کو صرف ان کے لئے مخصوص کر دیا اور ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا تمام خرچ بھی خود ہی برداشت کیا۔اسی طرح سیلاب کے موسم میں بھی کئی مرتبہ ہمارے محلّہ دارالصدر شمالی کے سیلابی بند کے سامنے سرگودھا روڈ سے متصل ڈیروں کے غیر احمدی افراد نے ہمارے یہاں پناہ حاصل کی۔گرمیوں کے ایام میں ان لوگوں کی رہائش کے واسطے گھر کا تمام مردانہ صحن اور ایک بڑا سا کمرہ نما برآمدہ انہیں دے دیا جاتا تاکہ تیز دھوپ کی گرمی سے بچنے یا بارش ہونے کی صورت میں انہیں سر چھپانے کی جگہ مل جائے اور یوں ان کے کچے مکانات کی تعمیر تک یعنی کئی ہفتوں تک انہیں ہر طرح سے کھانے پینے، کھانا پکانے اور نہانے دھونے غرض رہن سہن کی تمام سہولیات بہم پہنچائی جاتیں کہ جس کی وجہ سے بجلی اور گیس وغیرہ کا بل بھی بڑھ جاتا تھا کیونکہ ان دنوں ہمارے گھر کی چھت پر بنی ہوئی پانی کی ٹینکی میں پانی بجلی کے نلکہ کے ذریعہ سے پہنچایا جاتا تھا جبکہ اس زمانہ میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند گھروں کے سوا تمام ربوہ میں کسی کے پاس ایسا کوئی انتظام موجود نہ تھا۔کھانا گیس (سوئی گیس) کے چولہوں پر پکا کرتا تھا لیکن میری والدہ محترمہ نے آج تک کبھی کسی کو کوئی بات نہیں جتلائی اور نہ ہی کبھی ان مہمانوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ ہی کیا۔اس دوران میری والدہ محترمہ بار بار ان سے ان کی ضروریات کا پوچھتی رہتیں اور ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتیں کہ یہ ہمارے مہمان ہیں لہذا ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔اس کے علاوہ مجھے ان دیہاتیوں کے ہمراہ لنگر خانہ بھجواتیں تاکہ انہیں کھانا وغیرہ ملنے میں سہولت رہے۔غرض ہر طرح سے ان کا خیال رکھتیں کہ یہ لوگ خدائی منشا کے تحت اس وقت ایک امتحان میں مبتلا ہیں لیکن ہمارے کسی قول و فعل سے انہیں کوئی دکھ نہ پہنچے۔ارشاد خداوندی ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ ج یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ٥ (النحل: ۹۱)۔یعنی: یقیناً اللہ تمہیں ہر معاملہ میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اچھا سلوک کرنے کا بھی حکم دیتا ہے اور بے حیائی نیز بُری باتوں سے روکتا ہے۔وہ تمہیں ہمیشہ سمجھاتا رہتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔اس قرآنی آیت میں درج مضمون کا مطلب اور اس کی صحیح تفسیر مجھے اپنی والدہ محترمہ کے اس عظیم الشان حسن سلوک کی بدولت سمجھ میں آئی جو کہ آپ نے اپنے اقربا سے تمام زندگی بھر روا رکھا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری والدہ محترمہ احمدی بی بی صاحبہ کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔آمین

آغاز ۱۹۸۹ء کا ذکر ہے کہ پاکستان میں میری والدہ محترمہ احمدی بی بی صاحبہ ایک عرصہ سے بیمار چلی آرہی تھیں لہذا میں نے انہیں بغرضِ علاج و ملاقات پاکستان سے اپنے پاس جرمنی بلوا لیا اور یوں وہ میرے پاس جرمنی کے خوبصورت دریائے رائین RHEIN کے کنارے پر واقع شہر نوئے وِیڈ- NEUWIED - میں ۱۹۸۹ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک مقیم رہیں۔آپ کے قیام کے دوران میں آپ کو جرمنی کے مختلف خوبصورت علاقوں کی سیر کرواتا رہا اور میں نے ہر ممکن طریق سے آپ کا علاج معالجہ بھی کروایا لیکن انہیں جرمنی کا ماحول پسند نہ آیا- کیونکہ اس وقت

ہماری جماعت میں احمدی احباب کی تعداد بہت کم تھی اور احباب جماعت کے مختلف شہروں میں رہنے کی وجہ سے نماز با جماعت کا اور درس و تدریس وغیرہ کا بھی کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا اور یہ بات آپ کو سخت ناپسند تھی - جمعہ کی نماز البتہ ضرور ہوتی تھی لیکن عید وغیرہ کے موقعہ پر ہمیں بہرحال فرینکفرٹ ہی جانا پڑتا تھا لہذا میری والدہ صاحبہ کا اصرار تھا کہ انہیں واپس ربوہ پاکستان بھجوادیا جائے - میری والدہ صاحبہ کی بیماری کے بارہ میں بھی ڈاکٹروں کو کچھ سمجھ نہ آتی تھی کی ان کا بلیڈ پریشر یکدم اونچا HIGH اور پھر یکدم کم LOW یعنی ڈاؤن کیوں ہو جاتا ہے لیکن اس بات کی میری والدہ کو ذرہ سی بھی فکر نہ تھی - انہیں اگر کوئی فکر تھی تو صرف یہ کہ یہاں نہ اذان کی آواز کانوں میں پڑتی ہے نہ رمضان میں درسوں کا سلسلہ ہے اور اس کے علاوہ بھی اللہ اور رسول ﷺ کا نام لیوا یہاں جرمنی میں کوئی نہیں - وہ مجھے بار بار کہتیں کہ مجھے واپس ربوہ بھجوادو تا کہ میرے کانوں میں روزانہ اذان کی پیاری آواز پڑے اور مسجد مبارک کے درس القرآن میں شمولیت کرسکوں اور اسی غم میں ان کی بیماری بڑھتی چلی گئی اور حضرت قمرالانبیاءؓ کی اتقاٗ میں اپنے انجام بخیر کے لئے انتہائی متفکر رہنے لگیں اور کمزور ہوتی چلی گئیں - وہ بار بار مجھے کہتی تھیں کہ مجھے واپس بھجوادو کیونکہ میں اپنے ایسے علاج سے باز آئی کہ جس کی وجہ سے میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ کا نام بھی نہ سنوں اور پھر میں ایسے عیسائی یا لا مذہب ڈاکٹروں کے ہاتھوں میں مرنا پسند نہیں کرتی - مرنا تو ہر ایک نے ہے اس کا مجھے کوئی ڈر نہیں لیکن میں تو وہاں مرنا چاہتی ہوں کہ جہاں میرے کانوں میں ہر وقت قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی آواز پڑتی رہے اور مروں بھی تو اسی حال میں اور اپنے مسلمانوں کے ہاتھوں میں - جماعت اور خلافت سے دلی وابستگی تمام عمر آپ کا نصب العین رہا -

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مرغیاں پالنے کا سوچا اور ایک کُڑک مرغی کے نیچے کچھ انڈے رکھ دئے - جب ان انڈوں میں سے چوزے نکل کر کچھ بڑے ہوگئے تو ان میں ایک نہایت ہی خوبصورت رنگین بڑے قد کا مرغ بھی تھا اور ہمارا خیال تھا کہ اس مرغ کو گھر کی مرغیوں کے لئے رکھ لیں گے لیکن ایک دن محترمہ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کو یہ مرغ تحفہ کے طور پر پیش کیا جائے - میں نے عرض کیا کہ یہ مرغ دوسرے مرغوں سے قد کاٹھ میں کچھ بڑا ہے اور پھر بہت خوبصورت بھی ہے لہذا کیا اس کی بجائے کسی دوسرے مرغ کو دے آؤں؟ یا ایک کی بجائے دو مرغ تحفہ کے طور پر لے جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ بیٹا! تحفہ وہ ہے جو تمہیں بھی پسند ہو نہ کہ جو تمہیں پسند نہیں وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا جائے؟ اور یہ بات مجھے قطعاً پسند نہیں - آخر ہمارے آقا کا ہم پر بھی کچھ حق ہے کہ انہیں سب سے زیادہ بہترین شے پیش کی جائے - جاؤ! اور میری طرف سے اس سب سے زیادہ اچھے مرغ کا تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کرو - چنانچہ میں اس مرغ کو ایک ٹوکری میں لے کر اپنے سائیکل پر قصر خلافت جا حاضر ہؤا - گھر میں چونکہ پردہ نہیں تھا لہذا زنانہ صحن کی جانب سے سیڑھیاں چڑھ کر حضور کے در دولت پر حاضر ہؤا تو وہاں حضرت قمرالانبیاءؓ کے پہریدار مکرم محمد شریف صاحب کی والدہ صاحبہ محترمہ کی ڈیوٹی تھی - انہوں نے وہ مرغ مجھ سے لے کر اندر پہنچا دیا - اس واقعہ سے مجھے یہ نصیحت ملی کہ خدا کے بندوں کو ہمیشہ سب سے اچھا تحفہ پیش کیا جانا چاہئیے - بہرحال انہی ایام میں ۱۹۹۲ء میں جب حضرت صاحبزادی آپا آصفہ بیگم (بی بی آچھی) صاحبہؒ زوجہ مطہرہ امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب لندن میں وفات پاگئیں - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرة:۱۵۷) - تو تب حضورؒ نے پرنم آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں جب تمام جماعت کو سیٹلائٹ پر اس اندوہناک واقعہ کی خبر سنائی اور انتہائی قرب میں ڈوبے ہوئے گلوگیر لہجہ میں بیماری کی تمام تفاصیل بھی بیان کیں تو حضورؒ کے ساتھ ساتھ ہم سب نے بھی پرنم آنکھوں اور انتہائی غمگین دل کے ساتھ BAD BREISIG باد برائیسگ جرمنی میں اپنے عزیزوں مکرم قاضی منور احمد قریشی صاحب اور مکرم قاضی تنویر احمد صابر قریشی صاحب کے گھر میں وہ خطبات سنے تو اس دلگیر صدمہ کے بعد والدہ صاحبہ کا پاکستان واپسی کے لئے اصرار مزید بڑھ گیا - الغرض یہ کہ ہم لوگ آپ کے سامنے مجبور ہوگئے اور یوں وہ صرف اسلام اور احمدیت

کی خاطر اپنے آرام اور قیمتی علاج کو چھوڑ کر ۱۹۹۲ء کے آخر میں بضد واپس ربوہ پاکستان تشریف لے گئیں۔ جہاں ۱۹۹۶ء تک دو تین مرتبہ شدید بیمار ہوئیں لیکن چند دن ربوہ کے مقامی فضل عمر ہسپتال میں گزارنے کے بعد صحت یاب ہو کر گھر واپس آ جاتی رہیں لیکن ۱۹۹۶ء کے آغاز میں آپ شدید بیمار پڑ گئیں کہ جس کی وجہ سے آپ کو چند یوم کے لئے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر صحت بخشی حتیٰ کہ مؤرخہ دو مئی ۱۹۹۶ء کو جب آپ ایک مرتبہ پھر شدید بیمار ہوئیں تو آپ کو پھر دوبارہ ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔

اسی دن ربوہ سے اپنی ہمشیرہ آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا فون ملتے ہی میں نے اپنے پیارے آقا سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے فیکس روانہ کی اور ربوہ جانے کی تیاری کرنے لگا کہ اچانک میری بیوی کے والد صاحب دل کی تکلیف کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئے اور میں فوراً انہیں اپنے قریبی شہر۔ BENDORF - میں ان کے ذاتی معالج - Dr. UNKEL - کے پاس لے گیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے فوراً ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ میں انہیں لے کر فوراً گھر واپس پلٹا اور پھر اپنی ساس صاحبہ محترمہ IRENE BRITSCHO صاحبہ سے چند ضروری اشیاء لے کر انہیں۔ St. ELISABETH - ہسپتال۔ NEUWIED - لے گیا جہاں ڈاکٹروں نے معائینہ اور تشخیص کے بعد انہیں داخل کر لیا۔ یہاں مجھے یہ بات بتاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میرے جرمن سسرال نے اپنے یہاں ہمیشہ ہی میری بہت زیادہ عزت افزائی فرمائی اور اپنے قول و فعل سے کبھی مجھے یہ احساس تو کیا شائبہ تک نہیں ہونے دیا کہ میں ان کے ملک میں کوئی غیر ملکی یا اجنبی شخص ہوں بلکہ ہمیشہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر میری عزت اور آؤ بھگت کی۔ اپنے سسرال کے اس انتہائی محبت و یگانگت اور انس و پیار کی وجہ سے مجھے قرآن مجید کی وہ آیت بار بار یاد آ جاتی ہے کہ جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ (المائدة:۸۳)۔ یعنی: مؤمنین سے عداوت رکھنے کے بارہ میں تو یقیناً یہودیوں اور مشرکین کو انتہائی سخت پائے گا لیکن اس کے برعکس جو لوگ خود کو نصاریٰ کہتے ہیں انہیں مؤمنین سے محبت کرنے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ رحم دل پائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عیسائیوں میں اب بھی تورات کے عالم اور خدا کے پرستار عابد پائے جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ مؤمنین سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں اور ان کے سامنے قطعاً تکبر اختیار نہیں کرتے۔

بہرحال اب ایک طرف تو میری والدہ شدید بیمار تھیں کیونکہ میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے مجھے فون پر بتا دیا تھا کہ والدہ کے دل کے تین پردوں یعنی VALVE نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور ہم نے والدہ کو یہ بات نہیں بتائی ہے لیکن اس نازک حالت کے پیش نظر اب تم جلدی سے آ جاؤ اور دوسری طرف میری بیوی کے والد صاحب کی حالت اتنی زیادہ بگڑ گئی کہ انہیں نارمل وارڈ سے ایمرجینسی کے سپیشل کمرہ میں منتقل کر دیا گیا کہ جہاں ان کو غیر طبعی یعنی مصنوعی طور پر بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا اور وہ میری پاکستان سے واپسی تک چند ہفتے اسی حالت میں رہے اور تقریباً جون ۱۹۹۶ء کے وسط میں انہیں ان کی بیماری کی تسلی بخش صورت حال کے بعد ہوش میں واپس لایا گیا اور پھر کچھ ہفتوں کے بعد انہیں ہسپتال سے روبصحت فارغ کر دیا گیا۔ لہذا ایک طرف تو میں اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے سخت بے چین تھا تو دوسری طرف اپنی بیوی کے والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے بھی انتہائی پریشانی میں مبتلا تھا۔ ''یک نہ شد دو شد '' کی سمجھ مجھے اس موقع پر صحیح طور پر آئی کہ اس فقرے کا اصل مطلب کیا ہے ؟ اسی دوران میری والدہ صاحبہ نے بھی صرف ایک دو دن کے بعد ہی ہسپتال سے گھر جانے کی فرمائش شروع کر دی اور مکرم ڈاکٹر عبداللطیف قریشی صاحب نے بھی میرے عزیزوں کو یہی مشورہ دیا کہ آپ انہیں گھر لے جائیں تا کہ یہ چند دن خوشی خوشی گزار لیں۔ البتہ میری والدہ کو ان کی بیماری کی

تشویشناک صورت حال سے مطلع نہ کیا گیا اور صرف ضعف کا بتایا گیا کہ آپ خوب یخنی وغیرہ پئیں اور اچھا کھانا کھائیں- لیکن مجھے یوں محسوس ہؤا کہ ڈاکٹر صاحبان کے بات کو چھپانے کے باوجود بھی میری والدہ کو خدا کی طرف سے یہ خیال دل میں ڈال دیا گیا تھا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے- لہٰذا آخری مرتبہ گھر آتے ہی آپ نے ۱۴رمئی ۱۹۹۶ءکو ربوہ سے جرمنی فون بک کروایا اور سلام ودعا کے بعد مجھے آخری مرتبہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا اور فرمایا کہ:-

'' دیکھو بیٹا ! آج تک میں نے اپنی کسی ذاتی خواہش کی بناء پر تمہیں کبھی تنگ نہیں کیا لیکن اگر تم اپنی زندگی میں میرا مونہہ دیکھنا چاہتے ہو تو بس! اب تم آجاؤ کیونکہ میں بھی تمہیں مرنے سے پہلے اپنے جیتے جی ایک مرتبہ خوب جی بھر کر دیکھ لینا چاہتی ہوں اور یہی میری آخری خواہش ہے- پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں وقت پر مطلع نہیں کیا تھا ''-

اس کے بعد میری والدہ محترمہ نے معمول کے مطابق دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا- میں نے فوراً اپنی بیوی - INGRID - (انگرڈ کا مطلب جرمن زبان میں '' اللہ کی شاہ سوار'' ہے) کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا - یہاں میں اپنی اہلیہ کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے والد صاحب کی بیماری کی خطرناک صورت حال کے باوجود مجھے فوراً پاکستان چلے جانے کا مشورہ دیا کہ میں یہاں اپنے والد صاحب کی تیمارداری کرتی ہوں اور آپ وہاں اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت کر لیں اور یوں مجبوراً میں نے اکیلے ہی رخت سفر باندھ لیا ورنہ اگر میری بیوی کے والد صاحب بیمار نہ پڑتے تو شائد میرے بیوی بچے بھی میرے ہمراہ پاکستان کا چکر لگا لیتے اور اپنی دادی اماں جان کا مونہہ آخری بار دیکھ لیتے - اگلے ہی دن بدھ کے روز ۱۵رمئی ۱۹۹۶ءکو میں نے NEUWIED نوئیویڈ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلہ پر اس وقت کے جرمن دارالحکومت بون BONN جا کر پاکستانی ایمبیسی سے ارجنٹ ویزا لیا لیکن وہاں ایمبیسڈر صاحب کے موجود نہ ہونے کی بدولت دوپہر کو دیر گئے فارغ ہؤا لہٰذا دیر ہو جانے کی وجہ سے FRANKFURT AM MAIN فرینکفرٹ جا کر ہوائی جہاز کی ٹکٹ نہیں خرید سکتا تھا اور اگلے روز مؤرخہ ۱۶رمئی بروز جمعرات تمام جرمنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر چڑھ جانے کی خوشی میں ایک مذہبی چھٹی فاٹرٹاگ VATERTAG ہونے کی بدولت بھی میں ہوائی جہاز کی ٹکٹ نہیں خرید سکتا تھا لہٰذا میں نے فون کر کے بکنگ کروالی اور پھر مؤرخہ ۱۷رمئی بروز جمعہ نوئیویڈ سے ایک سو تیس کلومیٹر دور فرینکفرٹ جا کر پی آئی اے کے دفتر سے ٹکٹ خریدی اور یوں میری سیٹ مؤرخہ ۱۸رمئی ہفتہ کے روز لاہور کے لئے- OK -ہو گئی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا تاہم میرا دل اپنی والدہ سے ملنے کو بے حد بیتاب تھا اور نہ جانے کتنی دعائیں کر رہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ تو اپنا خاص فضل فرما اور میری والدہ کو صحت یاب فرما اور اس سلسلہ میں ہر طرف دعا کے لئے پیغامات بھی بھجوائے اور خطوط بھی لکھے اور صدقات بھی دئے-

مؤرخہ ۱۸رمئی بروز ہفتہ کو PIA کے JUMBO 747 جمبو جیٹ جہاز کے ذریعہ فرینکفرٹ جرمنی سے روانہ ہو کر میں ۱۹رمئی بروز اتوار ۱۹۹۶ءکی صبح کو تقریباً چھ بجے لاہور کے ہوائی اڈے پر اترا- میرے دو بہنوئی بھائی جان قاضی مبارک احمد صابر قریشی صاحب اور بھائی جان مظہر حسین صاحب مجھے لینے کے لئے ربوہ سے بذریعہ کار لاہور تشریف لے آئے تھے اور تمام رات ہوائی اڈے کے باہر کبھی کار میں لیٹ کر اور کبھی سوتے جاگتے میرا انتظار کرتے رہے لیکن جہاز تو فرینکفرٹ سے ہی چھ گھنٹے لیٹ اڑا تھا لہٰذا وقت پر کیسے پہنچ جاتا ؟ جہاز کا لیٹ ہو جانا بھی میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ہم مسافر ویٹنگ روم میں جہاز کا انتظار کر رہے تھے- جہاز عین اپنے وقت پر امریکہ سے آتے ہوئے جرمنی کے ائیر پورٹ فرینکفرٹ میں اترا لیکن میں نے دیکھا کہ ایک بورڈ انجینئر ایک چھوٹی سی تار لے کر جہاز سے باہر نکلا تو اسی وقت میرے دل نے کہا کہ یہ کوئی فنی خرابی ہے اور اس فنی خرابی کو دور کرنے کے لئے جہاز کو ویٹنگ روم سے ہٹا کر ہینگر میں لے جایا گیا اور یوں ہماری فلائیٹ لیٹ سے لیٹ ہوتی چلی گئی -ایک تو میں اپنی پیاری امی کی خطرناک صورت حال کی وجہ سے ویسے ہی ادھ مؤا ہو چکا تھا اوپر سے اس جہاز میں فنی یا تکنیکی خرابی کی بدولت رہتی سہتی

جان بھی نکل گئی -لہذا اب ایک طرف تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں اڑ کر اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں پہنچ جاؤں اور دوسری طرف اس فنی خرابی کی وجہ سے پریشانی کہ کہیں FLIGHT فلائیٹ ہی کینسل نہ ہو جائے لہذا میں نے اس سخت پریشانی کے عالم میں اپنے پیارے خدا کو پکارا کہ اے میرے مؤلا تو نے ہمیشہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے اور میری دعاؤں کو قبولیت بخشی ہے لہذا اب بھی تو ہی مدد کرنے والا ہے بس! میری مدد فرما -آمین

اسی دوران میں نے فرینکفرٹ ائیر پورٹ سے اپنے منجھلے بہنوئی بھائی جان مکرم قاضی محبوب احمد نسیم قریشی صاحب کو فرینکفرٹ شہر میں فون کر کے صورت حال سے آگاہ کر دیا کیونکہ وہ اور میرے چھوٹے ماموں زاد کزن عزیزم مکرم وحید احمد سندھو صاحب اور میرے بھانجے عزیزم مکرم قاضی ابراہیم نسیم قریشی صاحب مجھے ایئر پورٹ پر چھوڑنے کے لئے آئے ہوئے تھے لیکن یہ تینوں تو مجھے جہاز کے لئے مقررہ مخصوص ایریا تک پہنچا کر خدا حافظ کہہ کر اور گلے مل کر نیز تمام عزیزوں کو سلام دعا پہنچانے کی تاکید کرتے ہوئے رخصت ہو چکے تھے جبکہ میری بڑی منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ مجھ سے کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان تشریف لے جا چکی تھیں لہذا میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ فرینکفرٹ سے ربوہ فون کر کے جہاز کے دیر سے اُڑنے کی اطلاع دے دیں تا کہ وہ لوگ مجھے لینے کے لئے اسی حساب سے ربوہ سے چلیں- بھائی جان مکرم قاضی محبوب احمد نسیم قریشی صاحب نے اسی وقت وہاں پاکستان اور یہاں میری بیوی کو بھی فون کر کے فلائیٹ کی تاخیر سے روانگی کے بارہ میں مطلع کر دیا لیکن اس کے باوجود پاکستان میں میرے دونوں بہنوئیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ راستہ غیر محفوظ ہونے کی بناء پر شام کو ہی ربوہ سے لاہور چلے چلیں اور یوں انہیں یہ سخت کوفت دہ انتظار کرنا پڑا- بالآخر تقریباً چھ گھنٹے کے سخت تکلیف دہ انتظار کے بعد ہم تمام مسافروں کو مختلف بسوں میں بٹھا کر ویٹنگ روم سے اس ہینگر کی طرف لے جایا گیا کہ جہاں جہاز کی الیکٹرونک مشینری میں پیدا شدہ نقص کی مرمت کی گئی تھی اور پھر وہاں ہم جہاز میں سوار ہو کر عازم پاکستان ہوئے-لہذا جونہی خدا خدا کر کے جہاز فرینکفرٹ سے اڑا تو میں نے شکر کا سانس لیا اور مطمئن ہو کر باہر کا نظارہ کرنے لگا کہ اچانک میری نظر جہاز کے دائیں بازو (WING) پر پڑی کہ جہاں جہاز کے پر کا ایک حصہ اپنے پیچوں سے علیحدہ ہو کر اپنی جگہ سے کچھ اٹھا ہؤا تھا اس سے دل میں پھر خوف پیدا ہؤا لیکن میں ہر حال میں اپنی والدہ کے پاس ربوہ پہنچنا چاہتا تھا لہذا کسی کو بتانے کی بجائے خاموش ہو رہا کہ کہیں جہاز کو پھر دوبارہ واپس فرینکفرٹ نہ اتار لیا جائے- اس کے کچھ ہی دیر کے بعد جہاز کے کیپٹن صاحب کی جانب سے لاؤڈ سپیکر پر ہمیں سیفٹی بیلٹس کھول لینے کا پیغام ملا لیکن ابھی ہم اپنی پوری بلندی پر بھی نہیں پہنچے تھے کہ ہمارا جہاز اچانک ایک زبردست طوفان بادوباراں میں گھر کر ادھر ادھر ڈولنے لگا لہذا ہمیں ایک مرتبہ پھر سیفٹی بیلٹس باندھ لینے کا حکم دے دیا گیا- مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ دنیا جہان کی تمام مشکلات کا ہمیں آج ہی سامنا ہے بہر حال راستہ میں مَیں نے خدا کے حضور بے حد گڑ گڑا کر دعا کی کہ یا اللہ! اے میرے پیارے خدا ! مجھے میری امی سے کہ جنہیں میں پیار سے بی بی کہتا ہوں ضرور ملوا اور انہیں صحت دے کیونکہ تو چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا کیونکہ تو تو زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرنے والا ہے یہ دل کا ایک پردہ تیرے سامنے کیا چیز ہے؟ جب کہ تیرے بعض پیارے بندے تیرے رحم و کرم سے تیری رحمت، شفقت، محبت اور خاص فضل کے سہارے محض آدھے گردے پر بھی زندہ ہیں- اس آدھے گردے پر مجھے اپنے ایک پیارے اور عزیز محسن احمدی بھائی مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سرجن میو ہسپتال لاہور بھی یاد آ گئے اور یوں میں نے انہیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کر لیا- جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ایک مرتبہ اغلباً ۱۹۶۷ء میں مجھے ناک میں غدود کے پھول جانے کی تکلیف ہو گئی تھی یعنی POLYPISE اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ نے مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (میاں طاہری) صاحبؒ کو دکھانے کے لئے ارشاد فرمایا اور حضرت صاحبؒ نے اس کا ہومیوپیتھی علاج شروع کر دیا- سیدنا حضورؒ نے نہایت توجہ سے خاکسار کا علاج کیا لیکن مجھے آرام نہ آنا تھا نہ آیا اور یہ غدود بڑھتے ہی چلے گئے جن کی وجہ سے عموماً میرے ناک کا دائیاں نتھنا بند

رہنے لگا لیکن حیرت کی بات ہے کہ کبھی کبھی یہ غدود خود بخود سکڑ بھی جایا کرتے تھے اور یوں مجھے سانس لینے میں آسانی ہو جایا کرتی تھی بہر حال مجھے کافی تکلیف تھی لہذا چند ماہ ہومیو پیتھک علاج کے بعد آپریشن کروانے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ دنیا کی بعض بیماریوں کا علاج ہومیو پیتھک علاج کے ذریعہ ممکن نہیں-۱۹۶۸ء کے موسم گرما میں میں اس مقصد کے لئے میں لاہور چلا گیا اور میو ہسپتال میں مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سول سرجن میو ہسپتال لاہور کو جا کر ملا-آپ نے اپنے ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر صاحب کو میرے ساتھ متعلقہ وارڈ میں چیک اپ کے لئے بھجوایا اور متعلقہ وارڈ کے سینئر یعنی انچارج ڈاکٹر صاحب کے نام رقعہ پر از راہ شفقت یہ تحریر فرمایا کہ: ’’ یہ میرے بھائی ہیں لہذا اچھی طرح سے ان کا علاج معالجہ کیا جائے‘‘ -پھر چونکہ ہم دونوں کے نام بھی ملتے جلتے ہی تھے یعنی مسعود اور مقصود اس لئے ڈاکٹر صاحبان نے خصوصی توجہ کے ساتھ میرا علاج کیا-خیر اس چیک اپ کے بعد آپریشن کی تاریخ مقرر کر کے پولی پائیز کا آپریشن کر دیا گیا-اس آپریشن کے بعد میں تقریباً ایک ہفتہ یا دس دن تک وہاں داخل رہا اور اس دوران مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کمال مہربانی کے ساتھ اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود تقریباً روزانہ ہی باقاعدگی کے ساتھ میری عیادت اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے تشریف لاتے رہے-

لہذا پاکستان جاتے ہوئے اب ایک طرف تو یہ خوشی ہو رہی تھی کہ اپنی پیاری والدہ سے ملاقات ہوگی اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام رشتہ داروں نیز دوست احباب اور اپنے معزز محسنین سے ملوں گا تو دوسری طرف اس لمبے عرصہ میں وفات پا جانے والے اپنے تمام عزیز و اقارب کی یاد بھی آ رہی تھی کہ نہ میں اُن کا آخری دیدار کر سکا تھا، نہ ہی اُن کے جنازے میں شامل ہو سکا تھا، نہ ہی ان کی قبر پر مٹی ڈال سکا تھا اور یوں جنازے کو کندھا دینے نیز ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کی خواہش ایک حسرت بن چکی تھی اور یہ سوچ سوچ کر بھی میری یادوں کے دریچے وا ہوتے چلے گئے اور میرا دل فرط غم سے بھر گیا اور میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے-لہذا گھر پہنچنے کے اگلے ہی دن ۲۱ مئی بروز منگل ۱۹۹۶ء کو میں نے اپنے سب سے چھوٹے ماموں مکرم چوہدری عبدالرشید اختر سندھو صاحب اور اپنی منجھلی بہن محترمہ زبیدہ نسیم صاحبہ کے ساتھ بہشتی مقبرہ اور اس کے ساتھ متصل قبرستان جانے کا پروگرام بنا کر اپنے ان مرحومین کے مزارات کی زیارت کی-اس دن سہ پہر کو ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہوتی رہی کہ جس کی بدولت موسم خوشگوار ہو گیا اور گرد و غبار سے نجات ملی رہی-اکیس سال کے لمبے عرصہ کے بعد میں نے اپنے ان معزز و محترم بزرگوں کے مقدس مزاروں کا دیدار کیا تو شدت غم سے بے اختیار میرے آنسو بہہ نکلے-قطعۂ خاص میں تمام بزرگوں کے مزاروں کی تختیوں سے کچھ الفاظ حکومت پاکستان کی ایماء پر مٹا دئے گئے تھے کہ جن کو دیکھ کر مجھے سخت دلی قلق ہؤا کہ ظلم اور زیادتی کی انتہا یہ ہے کہ زندہ تو زندہ اب تو ان نام نہاد مسلمانوں سے ہمارے وفات شدگان آباؤ اجداد بھی محفوظ نہیں-

جیسا کہ ہجرت کے موضوع پر پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ وہ عظیم الشان انسان تھے کہ جنہوں نے پاکستان بنانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کی-اپنی جائیدادوں کا نقصان برداشت کیا، اپنے وطن کو خیر باد کہا، ہجرت کی اور سب سے بڑھ کر اپنی جان تک کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا اور اب ایسے محبّ وطن افراد کے مقابر کے ساتھ اتنا بڑا ظلم؟ افسوس صد افسوس کہ آج کل کے پاکستانی حکمران ایسے ناشکر گزار افراد ہیں جو کہ چند نام نہاد مسلمان ملاؤں کی نعرہ بازی سے ڈر کر بزدلی اختیار کرتے ہوئے اپنے ان معزز سلفاء کے مقبرات کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے کہ جنہوں نے نہ صرف ان کے آباؤ اجداد کو بلکہ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بھی بعض افراد کو انگریزوں اور سب سے بڑھ کر ہندوؤں اور سکھوں کے ظلم و ستم کے چنگل سے نجات دلوائی تھی-تاریخ کا طالبعلم ہونے کی وجہ سے مجھے خوب یاد ہے کہ تقسیم ملک کے ایام میں قادیان صرف احمدیوں کے لئے ہی عافیت کا ایک حصار نہیں تھا بلکہ اس میں ہزاروں غیر احمدی مسلمانوں نے بھی ہندوؤں اور سکھوں کی یورش سے نجات حاصل کی تھی-تبھی تو ہم احمدی اس کو

قادیان دارالامان کے پیارے نام سے پکارتے ہیں-اس لئے قادیان کے تعلق میں مجھے یاد آیا کہ ۱۹۴۷ء کے بہیمانہ واقعات تک ہمارے بزرگ اس بات پر ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے رہے کہ پاکستان میں انہیں شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے ہوئے آزادانہ عبادت کرنے کا موقع مل رہا ہے اور تبلیغ اسلام کرنے کی بھی آزادی ہے اور ہمیشہ اس بات پر اظہار افسوس کرتے رہے کہ ریڈکلف ایوارڈ

-Partition Boundary Commision Head Barrister Cyril Redclif-

کی دھوکہ دہی اور یک طرفہ فیصلہ کی وجہ سے ضلع گورداسپور کو مسلم اکثریت کا علاقہ ہونے کے باوجود پاکستان کا حصہ نہ بنایا گیا-جس کی وجہ سے چاروناچار ہمیں اپنا دیار مقدس قادیان دارالامان چھوڑنا پڑا-اس سلسلہ میں خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء صاحب جالندھریؒ فرماتے ہیں کہ:-

''۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم ہوکر دو آزاد حکومتیں قائم ہورہی تھیں (یعنی پاکستان اور بھارت) تو اس وقت جماعت احمدیہ کی پوری کوشش تھی کہ ضلع گورداسپور مسلم آبادی کی اکثریت کی وجہ سے سارے کا سارا پاکستان میں شامل ہوجائے اور اس کے لئے جماعت نے بہت جدوجہد کی- اوائل میں ایک دوروز کے لئے ایسی صورت پیدا بھی ہوگئی تھی کہ ضلع گورداسپور قادیان سمیت پاکستان میں شامل ہوگیا ہے-اس سے ہم سب بہت خوش تھے لیکن ریڈکلف ایوارڈ کے قطعی اعلان پر معلوم ہوا کہ قادیان سمیت ضلع گورداسپور کا بیشتر حصہ بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے--جس دن یہ اعلان ہوا وہ رمضان المبارک کا آخری دن تھا-ہم لوگ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف میں تھے-قرآن مجید کا درس ختم ہوا ہی تھا اور دعا کے لئے سب احباب جمع تھے کہ ہمیں وہاں پر ہی یہ اطلاع مل گئی جس سے طبیعتوں پر بہت افسردگی تھی-دوسرے دن عید تھی-میں مسجد اقصیٰ سے اعتکاف کے خاتمہ پر مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر واقعہ محلّہ دارالعلوم کو جارہا تھا-دل نے چاہا کہ حضرت میاں صاحبؓ سے مل کر جاؤں-ان کے مکان پر پہنچا تو بعض اور احباب بھی افسردگی کی حالت میں حضرت میاں صاحبؓ سے مل رہے تھے-جونہی میں آگے بڑھا تو آپؓ نے نفس پر جبر کرکے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ:-

'' مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے-اب جماعت احمدیہ کو بھارت میں تبلیغ اسلام کا خوب موقع ملے گا''-

اس طرح آپؓ نے صدہا انسانوں کی افسردگی کو تسلی سے تبدیل کر دیا-اُس وقت بظاہر یہ کلمات صرف ایک تسلی دہندہ کے کلمات تھے مگر بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خاص فراست سے آپؓ نے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست اور واقعی برحق تھا کیونکہ جماعت احمدیہ کی اکثریت کی ہجرت کے باوجود بھارت میں قادیان اشاعت اسلام کا واحد نمایاں مرکز ہے-اللہ تعالیٰ اسے اور ترقی عطاء فرمائے اور جلد اسے پہلے سے بھی بڑھ کر شان اور جلالت بخشے- اللھم آمین-(روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۳ صفحہ ۲۳)

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی اوپر درج پیشگوئی اپنے وقت پر اپنی تمام آب وتاب کے ساتھ پوری ہورہی ہے کہ: -''مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے-اب جماعت احمدیہ کو بھارت میں تبلیغ اسلام کا خوب موقع ملے گا''-اور واقعی اُس وقت سے لے کر اِس وقت تک قادیان اشاعت اسلام کا واحد بڑا مرکز ہندوستان میں ہے اور تمام ہندوستان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہورہے ہیں اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ قادیان کا پاکستان میں شامل نہ ہونا بھی خدا تعالیٰ کی ایک خاص قدرت کا نشان ہے-وہ نشان کیا ہے؟ جی ہاں! وہ نشان اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک فعلی شہادت ہے کہ اسے اپنے مرسل اپنے نبی اپنے مسیح اور اپنے مہدی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی بھی قسم کی بے ادبی گوارہ نہ تھی کیونکہ جیسا کہ آج کل پاکستان میں احمدی مرحومین کے جنائز اور قبور کے ساتھ سلوک کیا جارہا ہے وہ نعوذ باللہ کسی مسلمان تو کیا کسی شیطان کا بھی شیوہ نہیں اور اس وقت ربوہ کے قبرستان میں مزاروں کی تختیوں پر سے قرآنی

آیات یعنی الٰہی کلمات مبارکہ پاکستان کے چند نام نہاد فرضی مسلمانوں کی مرضی پر جبراً مٹائے جا رہے ہیں یا مٹا دئے گئے ہیں جبکہ یہ مقدس خدائی کلمات کسی ایک بھی شخص یا فرقہ کی جائیداد نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں یعنی یہ ایک قدر مشترک سب کے لئے یکساں طور پر قابل احترام ہے۔اس لئے اگر قادیان آج خدانخواستہ پاکستان کا حصہ ہوتا تو جیسے اس وقت یہ سرکاری مسلمان ان معزز و محترم بزرگوں کی قبور کے ساتھ ربوہ میں یا دوسرے پاکستانی شہروں میں سلوک کر رہے ہیں نہ جانے قادیان کے قبرستانوں اور بہشتی مقبرہ کا وہ کیا حال کرتے؟ اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور اسے ان نام نہاد مسلمانوں کے ایسے تمام مکروہ کرتوت کا ازل سے ہی علم تھا لہٰذا قادیان تو کیا تمام ضلع گورداسپور کو ہی مسلم اکثریت کا علاقہ ہونے کے باوجود پاکستان کو نہ ملنا اللہ تعالیٰ کی ایک کھلی کھلی قطعی اور فعلی شہادت ہے کہ جس کے ذریعہ اس نے اپنے ایک پیارے رسول اور پیغمبر اور نبی اور مسیح اور مہدی علیہ السلام کو اپنے خدائی وعدوں کے تحت رسوا ہونے سے بچا لیا ورنہ ان سرکاری مسلمانوں سے کچھ بعید نہیں تھا کہ جس طرح وہ آج کل پاکستان میں دن دیہاڑے للکارتے پھرتے ہیں کہ ہم احمدی مسلمانوں کی میتوں یعنی نعشوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن نہیں ہونے دیں گے بلکہ اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے بعض مقامات پر انہوں نے بعض مدفون احمدی افراد کی قبور کو اکھاڑ کر ان کی معصوم نعشوں کی بے حرمتی بھی کی ہے اسی طرح نعوذ باللہ کہیں خدا تعالیٰ کے مرسل کی بے حرمتی بھی نہ کر بیٹھتے۔میں تو اس خیال سے ہی تھرا جاتا ہوں اور کپکپا اٹھتا ہوں کہ کوئی سچا مسلمان نعوذ باللہ ایسا مکروہ فعل کرنے کے بارہ میں سوچ بھی سکتا ہے کجا کسی مزار کی واقعی بے حرمتی کرتا پھرے؟

ہم لوگ اپنے بچپن میں ایک خطرناک مردار خور جانور کے بارہ میں مختلف دہشتناک ڈرا دینے والی کہانیاں سنا کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جانور ہے جو کہ قبرستانوں کے قریب ہی چھپا بیٹھا رہتا ہے اور جب کسی وفات یافتہ فرد کے عزیز رشتہ دار اپنے وفات یافتہ عزیز کی لاش کو دفنا کر واپس چلے جاتے ہیں تو یہ جانور رات کی تاریکی میں اپنے ٹھکانے سے باہر نکل کر قبرستانوں میں مدفون مردوں کی نعشوں کو ان کی قبروں میں سے کھود کر باہر نکال لیتا ہے اور پھر ان کی لاشوں کو کھا جاتا ہے۔اس قسم کے خوفناک واقعات سن کر ہم بچوں کے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے کہ یہ کتنا ظالم جانور ہے۔بہرحال اس وقت ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ جانور تو اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے ایسا کرتا ہے اس لئے اس کاروائی پر اسے ایک جانور ہوتے ہوئے کوئی اختیار حاصل نہیں لیکن اس مردار خور کے مقابلہ پر آج کے نام نہاد مسلمانوں نے ہم احمدی مسلمانوں کی انسانی نعشوں کو ان کی قبور میں سے اکھاڑ کر باہر پھینکنے والی جو ذلیل ترین حرکات شروع کر دی ہیں وہ تو ایک جانور کی بھوک سے مجبور ہو کر کی جانے والی بے اختیار حرکات سے بھی کہیں زیادہ مکروہ اور ذلت آمیز ہیں کیونکہ ایک جانور بیچارہ تو کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیوں ایسا کرتا ہے؟ لیکن ایک انسان اشرف المخلوقات ہو کر تو عقل سے کام لے سکتا ہے اور پھر ایک سچا مسلمان تو اس قسم کی قبیح حرکات کے بارہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کجا کسی مسلم یا غیر مسلم شخص کی نعش کی بے حرمتی کرتا پھرے؟ پس اسی لئے میں ایسے نام کے مسلمانوں کی انہی حیا سوز حرکات کی بنا پر انہیں اپنے مضامین میں نام نہاد مسلمان کہتا ہوں۔اب ایسے نام نہاد مسلمانوں کی ان تمام ذلت آمیز غیر اسلامی حرکات کو دیکھتے ہوئے کون سر پھرا غیر مسلم انسان اسلام قبول کرے گا ؟ کیونکہ اسلام کی تعلیم تو کچھ اور ہی پیغام دے رہی ہے۔وہ پیغام تو ہے: امن اور ہمدردی کا۔بھائی چارے کا۔ایک دوسرے کی عزت واحترام کا۔آپس میں صلح و صفائی کے ساتھ مل جل کر رہنے کا۔پس! اللہ تعالیٰ کی اسی ایک ہی فعلی شہادت سے بھی حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے مرسلین کے بارہ میں کسی بھی قسم کی بے ادبی، شوخی اور شرارت قطعاً گوارہ نہیں۔تبھی تو میں تہہ دل سے پکار پکار کر کہہ رہا ہوں کہ:۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم

☆

صحافتی تجزیہ

قارئین کرام! یہاں ایک اور قابل ذکر بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آج پاکستان کا وجود تو کیا نام ونشان تک بھی نہ ہوتا اگر جماعت احمدیہ ، قائداعظم سر محمد علی جناح صاحب کی ہندوستان واپسی کے لئے ہمت افزائی نہ کرتی اوران کی راہ ہموار نہ کرتی اور اُن کو پیار محبت سے سمجھا بجھا کر انگلستان سے دوبارہ ہندوستان واپس نہ بھجواتی - میرا دل تو چاہتا ہے کہ یہاں وہ تمام حالات بھی لکھ دوں لیکن اپنی کتاب کی لمبائی کو مد نظر رکھتے ہوئے پھر کسی دوسرے موقعہ پر بیان کروں گا - بہرحال پاکستان تمام پاکستانی عوام کے لئے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک خاص الخاص نعمت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے شیعہ، سنی، احمدی، وہابی، دیوبندی، سکھ، عیسائی یا ہندو اور پارسی کا جھگڑا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر ایک کو اپنا وطن عزیز سمجھ کر اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور یہی قائداعظم بھی چاہتے تھے اور اس بات کا برملا اظہار انہوں نے کئی مرتبہ اپنی تحریر و تقاریر میں بھی کیا تھا یہاں تک کہ پاکستان کا قومی ترانہ بھی ایک ہندو شاعر جناب جگن ناتھ آزاد صاحب سے لکھوایا تھا اور یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام دنیا کا سب سے پہلا سیکولرزم مذہب ہے کہ جس میں ہر مذہب کے نام لیوا کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہے ورنہ "لا اکراہ فی الدین" نعوذ باللہ ایک جھوٹ ہے لیکن آج کے نام نہاد مسلمان وحشی ان تمام باتوں کو بھلا بیٹھے ہیں - اسی لئے تو نہ انہیں قرآن مجید کی آیات کی سمجھ آتی ہے اور نہ ہی انہیں آنحضرت ﷺ کی سنت اور احادیث پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے حتیٰ کہ انہیں اپنے ہی قائد کی باتیں بھی یاد نہیں اس لئے پاکستانیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انہوں نے ہوش کے ناخن نہ لئے تو موجودہ بچے کھچے پاکستان کا بھی وہی انجام ہوگا جو کہ ۱۹۷۱ء میں ایک متحدہ پاکستان کا دو مختلف زبانوں کے جھگڑے کی وجہ سے بنگلہ دیش بننے کی صورت میں ہو چکا ہے - اس پاکستان میں آج اگر مذہبی رواداری کی بنیاد کو ڈھا دیا گیا تو کل پنجابی، پختون، کشمیری، بلوچ اور سندھی قومیت کا طوفان بقیہ پاکستان کو بھی بہا لے جائے گا اور پھر؟ تب

"نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری"

بہرحال ۱۹۹۶ء میں ایک انتہائی لمبے عرصہ کے بعد میں نے پاکستان کو دوبارہ دیکھا اور اس دوران میں کم از کم چار عدد پانچ سالہ منصوبہ بندی کے ادوار گذر چکے تھے اور میرا خیال تھا کہ یہ ملک بھی دنیا کے دوسرے تمام ترقی یافتہ ممالک کی طرح ترقی پذیر ہوگا کیونکہ پاکستان سے بھی کئی چھوٹے چھوٹے ایشیائی ممالک مثلاً فارموسا اب تائیوان، ہانگ کانگ، جنوبی کوریا، سنگاپور اور ملائیشیا نے گزشتہ بیس برس میں بے حد ترقی کی ہے لیکن افسوس کہ جب میں لاہور سے چل کر شیخوپورہ، چوہڑ کانہ، خانقاہ ڈوگراں، سکھیکی، پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ سے گزرتے ہوئے ربوہ پہنچا تو تمام راستہ میں پاکستان کی بدحالی کے مختلف مناظر دیکھتا آیا اور دل میں بے حد غمگین بھی ہوا کہ اس ملک کے حصول کے لئے ہمارے آباؤاجداد نے کتنی عظیم الشان قربانیاں دی تھیں ، گھر سے بے گھر ہوئے، ہجرت کی اور نہ جانے کتنی تکلیفیں اٹھائیں حتیٰ کہ جانوں تک کی قربانی دی الغرض اپنا سب کچھ اس ملک پر نچھاور کر دیا لیکن پھر بھی یہ ملک دنیا کے دوسرے ممالک سے اتنا پیچھے کیوں رہ گیا؟ کہیں اس کی وجہ مذہبی فتنہ پردازی تو نہیں کہ جس کی داغ بیل ہمارے ملک کے نام نہاد بہی خواہوں نے ڈال دی ہے؟ اور جس کی بدولت سنی، شیعہ کا اور دیوبندی، وہابی کا جانی دشمن بن گیا ہے اور ایک انسان کو کسی دوسرے انسان پر اعتبار ہی نہیں رہا - کیا اسلام ایسے ہی اتحاد کے درس کا نام ہے؟ حالانکہ مذہب اسلام تو میانہ روی، محبت،

اخوت، بھائی چارے اور درگزر کا درس دیتا ہے اور غیر مسلم کے لئے بھی امن کا پیامبر ہے اور قرآن مجید میں تو صاف صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں یہ پیغام موجود ہے کہ :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥ (ال عمران :۱۰۴)-یعنی : اور تم سب مسلمان اللہ کی اس رسی کو مظبوطی سے پکڑ لو یعنی اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر سچے دل سے عمل کرو اور ایک دوسرے مسلمان بھائی سے نفرت مت کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈالتے ہوئے تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا کر کیا ہے جبکہ اس سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اسی دشمنی کی بدولت تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے لیکن اس نے تمہیں اس عذاب سے بچا لیا- پس اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے ذریعہ تمہیں ہدایت دیتا رہتا ہے-

یا اللہ پھر یہ کیا ماجرا ہے؟ کیونکہ تیری مقدس آیات تو کچھ کہہ رہی ہیں لیکن ان لوگوں کے اعمال تو کچھ اور ہی ہیں اور پھر ہمارے اباؤاجداد نے تو انتہائی عظیم الشان قربانیاں دے کر یہ ملک صرف اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلام کا بول بالا ہوگا نہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے خون کا پیاسا بن جائے گا؟ اور کبھی مہاجر بن کر- یا کبھی بلوچ بن کر- یا کبھی پنجابی بن کر- یا کبھی کشمیری بن کر- یا کبھی پختون بن کر- یا کبھی سندھی بن کر ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر خون بہائے گا؟ نیز اپنے شیریں سخن کلام کی بجائے اپنی کلاشنیکوف سے وار کرے گا؟ نیز اپنے سوا دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہوئے تیری مساجد میں تیرے حضور دعاؤں کی قطاریں لگانے کی بجائے گولیوں یا دستی بموں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے لاشوں کے انبار لگائے گا؟ یہاں مجھے مہاجرین کے نام سے یاد آیا کہ کراچی اور اس کے گردونواح میں اب بھی بعض لوگ اپنے آپ کو مہاجر تصور کرتے ہیں- اب کوئی شریف آدمی ان سے یہ پوچھے کہ آیا ان کے آباؤاجداد نے تو اسی طرح ہندوستان سے ہجرت نہیں کی تھی کہ جیسے ہمارے اباؤاجداد نے بھی ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے پاکستان کو ہجرت کی تھی؟ لیکن ہمارے اباؤاجداد نے تو خود کو کبھی بھی مہاجر نہیں سمجھا اور اسی لئے ہم بھی اپنے آپ کو مہاجر نہیں سمجھتے- اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان بلکہ بنگلہ دیش بھی تقسیم سے پہلے برصغیر کا حصہ تھے اور اب بھی ہیں- فرق صرف اتنا ہے کہ اب انہی علاقوں کو ممالک کا نام دے دیا گیا ہے اور ان کے علاقوں کی لکیر بندی کر کے حدود مقرر کر دی گئیں ہیں- اس لئے کیسی ہجرت اور کہاں کی ہجرت؟ وہ تو اس وقت صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی ہوئی تھی- ہجرت تو اس کا نام جو کہ ہم نے کی ہے یعنی اپنا وطن- اپنی زبان- اپنے رسم ورواج کو چھوڑ کر انسان کسی اور دیس میں جا بسے کہ جہاں کے طوراطوار- کھانا پینا- مذہب- رنگ ونسل- الغرض ہر چیز ہی مختلف ہو-

بہرحال یہ سب لوگ جو اس وقت یعنی ۲۰۰۶ء میں پچاس یا پچپن سال یا اس سے کم عمر کے ہیں یہ تو اسی پاکستانی مٹی کی پیداوار ہیں اسی پاکستانی آب ہوا میں پروان چڑھے ہیں- یعنی یہ لوگ تو پیدائشی پاکستانی ہیں- بھلا یہ کہاں کے مہاجر ہیں؟ اور پاکستان میں رہتے ہوئے کیسے مہاجر بن بیٹھے؟ چلتے پھرتے تو اسی سرزمین پر ہیں لیکن ان میں سے بعض کے بیانات سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام نہاد مہاجرین اب بھی کسی غیر ملک کی سرزمین پر چل پھر رہے ہیں یا پھر کہیں سے آکسیجن ڈبوں میں بھروا کر روزانہ اپنے لئے منگوا لیتے ہیں اور یہاں پاکستان میں اسی غیر ملکی امپورٹ ہوا کے سہارے زندہ ہیں اور اسی لئے اپنے مہاجر ہونے کی رٹ لگائے بیٹھے ہیں اور اگر یہ آکسیجن نہیں تو پھر ضرور کچھ اور ہے- کوئی ایسی چیز کہ جو انہیں مہاجر، مہاجر، مہاجر کی رٹ لگانے پر مجبور کر رہی ہے اور شائید ایسا کرنے سے کچھ زیادہ ہی ملتی ہو مثلاً بیرونی امداد، بیرونی روپیہ پیسہ یا پھر کم از کم بیرونی اسلحہ ؟ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ لوگ مہاجر، مہاجر کی رٹ لگانے کی بجائے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اپنے ملک میں واپس کیوں نہیں چلے

جاتے ؟ کہ جس کا رونا یہ ازل سے لے کر اب تک روتے چلے آرہے ہیں اور پاکستان کو اور پاکستانیوں کو تنگ کرنے کی بجائے اور ان سے تنگ ہونے کی بجائے اپنی جنم بھومی کو کیوں نہیں سدھار جاتے؟ اس لئے یہ لوگ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم اردو دان ہیں اور اردو ہماری مادری زبان ہے لیکن اردو تو پاکستان کی بھی قومی زبان ہے؟ پھر آخر اس دنگے فساد، لڑائی جھگڑے، ہُلڑ بازی اور بلووں کی وجہ کیا ہے؟ لیکن اسی بات سے پتہ چل جاتا ہے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے- یہ کوئی سیاسی بیان نہیں اور نہ ہی مجھے سیاست کا کچھ شوق ہے- میں تو صرف ایک جرمن اخبار کا ۲۰۰۲ء تک صحافی رہا ہوں اور نیک نیتی، صاف دل اور ٹھنڈے دماغ سے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ان پر تبصرہ کر رہا ہوں کیونکہ یہ ہر صحافی کا جائز حق ہے کہ وہ دکھتی رگ پر انگلی رکھ کر اس بیماری کی نشان دہی کرے تا کہ شائید کوئی ڈاکٹر یا کوئی حکیم یا کوئی طبیب یا کوئی مسیحا اس کا علاج ڈھونڈ نکالے - برصغیر کے شائید چند ہی لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ یورپ بھر کی سب سے بڑی زبان جرمن زبان ہے لیکن اس کے باوجود ہندوستان اور پاکستان یا شری لنکا اور بنگلہ دیش کے ارباب اختیار کو آج تک یہ خیال نہیں آیا کہ یورپی ممالک کے ان جرمن باشندوں کی زبان میں ریڈیو پروگرام نشر کر کے ان کو اپنا ہمنوا بنا لیا جائے - بہر حال وہ جانیں اور ان کا کام لیکن آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ زبان شمال میں ناروے اور سویڈن سے لے کر جنوب میں شمالی اٹلی اور بوزنیا ہرسیگو ینا تک اور مشرق میں چیکوسلاویکیہ اور پولینڈ سے لے کر مغرب میں فرانس- ہالینڈ اور بیلجیئم تک بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جرمن زبان کو متحدہ جرمنی کے ساتھ ساتھ آدھے بیلجیئم - آدھے لکسمبرگ - فرانس کے ایک مشرقی صوبے ایلساس ELSASSE - شمالی سوئیٹزرلینڈ اور شمالی اٹلی یعنی سُڈ ٹِرول SUD TIROL - لِشن شٹائن LIECHTENTEIN اور آسٹریا کی مادری زبان مانا جاتا ہے- انہی ممالک کے ساتھ ساتھ یہ زبان ہنگری، چیکوسلاویکیہ اور پولینڈ کے ممالک کے بعض علاقوں میں بھی بولی جاتی ہے بلکہ جرمن زبان کو ہالینڈ کی قومی ڈچ زبان اور برطانیہ کی قومی انگریزی زبان کی ماں بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں زبانوں کے بولنے کا انداز تو قدرے مختلف ہے لیکن لکھنے میں میں کوئی خاص فرق نہیں- یہ اسی طرح ہے کہ جیسے اردو اور ہندی کے بولنے میں تو کوئی خاص فرق نہیں اور اردو زبان بولنے والے ہندی کو اور ہندی زبان بولنے والے اردو کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں البتہ لکھنے کا انداز ایک دوسرے سے مختلف ہے- اس لئے یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ یورپ کی سب سے بڑی قومی زبان یعنی جرمن زبان میں شائع ہونے والے ایک مقبول ترین ماہانہ رسالہ " EVENT " کی بدولت میرا کام اور میرا نام انٹرنیشنل طور پر یورپ کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں بھی بے حد مشہور ہوُا کیونکہ یہ رسالہ دنیا بھر میں جرمن زبان لکھنے پڑھنے بولنے اور سمجھنے والوں میں بے حد مقبول تھا-

بہر حال پاکستان کے ان تمام حالات کو دیکھ کر میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس ملک میں امن نہ ہو اس ملک کے لوگ کوئی نہ کوئی رونا روتے ہی رہتے ہیں اور ایسا ملک کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا- اور ایسے ملک میں کبھی بھی امن قائم نہیں ہو سکتا کہ جہاں کی حکومت خود شیعہ، سنی یا دیوبندی، نقش بندی اور مسلم، نامسلم کی آگ بھڑکائے- لیکن پاکستان کے عوام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا کیوں مل رہی ہے؟ اس لئے کہ انہوں نے جمہوریت کے ہوتے ہوئے بھی غیر جمہوری حکمرانوں کو خود اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے- پاکستان کے حکمران اب وہ لوگ ہیں جن کے آبا ؤ اجداد پاکستان بننے کے حق میں نہ تھے اور اس پاک ملک کو انتہائی فخر سے ''پا کی ستھان'' یا ''پلید ستان'' کہہ کر پکارا کہتے تھے اور ان بے چاروں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ واقعی یہ مملکت ایک دن ایک اٹل حقیقت بن جائے گی اور انہیں اپنے کئے کی ایسی سخت سزا ملے گی کہ خود اُن کو ہی مہاجر بن کر اسی ''پا کی ستھان'' (پاکستان) میں پناہ لینی پڑے گی- یہ کدورت اب بھی ان کے دلوں نیز ان کی اولاد در اولاد کے سینوں میں محفوظ چلی آرہی ہے اور اسی چیز کا بدلہ لینے کے لئے اب وہ پاکستان میں مختلف حیلے بہانوں سے ایک پاکستانی بھائی کو اس کے دوسرے پاکستانی بھائی سے لڑوا کر لے رہے ہیں- مہذب پاکستانیوں نے اگر اب بھی ہوش کا دامن نہ سنبھالا تو پھر اس ملک کا صرف خدا ہی حافظ ہے- ایک صحافی ہونے کے ناطے جو باتیں میں اوپر

لکھ چکا ہوں کم وبیش وہی باتیں پاکستان کے معزز ادیب، باکردار صحافی اور نڈر مقالہ نویس بھی اب لکھنے لگے ہیں لہٰذا یہاں صرف مثال کے طور پر ایک ماہنامہ کی اشاعت میں سے ایک چھوٹا سا تراشہ حاضر خدمت کرتا ہوں:-

''اسلام کے نام پر بننے والے ملک پاکستان کو سب سے زیادہ خطرہ کسی سے ہے تو وہ ان اسلام پسند تنظیموں اور جماعتوں سے ہے جو در پردہ غیر ملکی عناصر کے ساتھ مل کر ملک کے ایک فرقے کو دوسرے کے ساتھ لڑانے میں مصروف ہیں-امن اور بھائی چارے کا درس دینے والے مولوی ایک دوسرے کے ساتھ لڑانے میں مصروف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف قتل کے فتوے جاری کر رہے ہیں-فلسطین میں اگر اسرائیل نے مسجد میں نماز پڑھنے والوں پر گولی چلائی تو پوری مسلم امہ سراپا احتجاج بن گئی لیکن خود ہمارے گھر کے اندر مساجد پر جو بم پھینکے جا رہے ہیں اس سے ہمیں کسی قسم کی شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا-فرقہ واریت کا زہر معاشرے میں اس قدر پھیل چکا ہے کہ اسلام کے نام پر بھائی بھائی کا گلا گھونٹ رہا ہے-ابھی لوگوں میں نفرتیں اتنی نہیں بڑھیں لیکن اگر فرقہ واریت کا سلسلہ برقرار رہا اور حکومتی سطح پر اس لعنت پر قابو پانے کے لئے سنجیدہ اور ہنگامی بنیادوں پر کوشش نہ کی گئی تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب محلے کی سطح پر مذہبی فسادات ہوں گے اور خانہ جنگی کی یہ صورت ملک کو تباہی سے دوچار کر دے گی''-(ماہنامہ ''نوائے زندگی'' لاہور-اپریل ۱۹۹۹ء)

یہی نہیں بلکہ صرف دل ہی دل میں نہیں بلکہ برسرعام کلمہ گو انسانوں یعنی احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جا رہا ہے اور کسی سرکاری مسلمان یا کسی مسلمان حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی -یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی سرعام مذمت کی جا رہی ہے اور اسلام کو مذاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے- بہرحال میرے خیالات کی تصدیق کرتے ہوئے ایک اور باکردار پاکستانی صحافی تحریر فرماتے ہیں:-

''قائد اعظم کے فرمان میں ترمیم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو پاکستان بننے سے قبل اس کے قیام کی مخالفت کرتے رہے-سیکولر سٹیٹ کا مطلب لادینی ریاست نہیں بلکہ اس کا مطلب ایک ایسی ریاست ہے جو تمام مذاہب کے لوگوں کو برابری اور انصاف کی رُو سے دیکھے اور اس کے رُوبرو تمام شہری بلحاظ فقہ اور مذہب برابر ہوں- جب سے پاکستان کو مذہبی ریاست بنانے کا سلسلہ ضیاءُ الحق نے شروع کیا ہمارے ملک میں سپاہِ صحابہ اور سپاہِ محمد تشکیل پا گئیں-مساجد کے باہر پہرے لگ گئے-بیرون ملک مذاق اڑایا جانے لگا کہ اب تو کوئی مسلمان، پولیس یا فوج کے گن مینوں کی حفاظت کے بغیر پاکستان میں نماز بھی ادا نہیں کر سکتا''-(روزنامہ خبریں-اسلام آباد مؤرخہ ۲۲ رجون ۲۰۰۰ء)

اب یہ تمام حالات وواقعات پڑھ کر یا سن کر یا دیکھ کر میں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)- نہ پڑھوں تو اور کیا کروں؟ کہ افسوس اب تو پاکستان جیسے اسلام کے نام نہاد قلعہ میں خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرنے والے کسی نمازی کی جان بھی محفوظ نہیں رہی اور مختلف مساجد کے نمازیوں کو کلاشنکوف بردار پہرہ داروں کے باوجود بھی خدا تعالیٰ کا نام لینے کے لئے مساجد میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے حالانکہ انہیں یہ ڈر خدا تعالیٰ کی ہستی سے لگنا چاہئے تھا لیکن اس خدائے قدوس کا ڈر انہیں بالکل نہیں لگتا ورنہ وہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ورنہ وہ احمدی مساجد کے ماتھوں پر سے کلمہ طیبہ کو مٹائے جانے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ورنہ وہ احمدیوں کے سینے پر سے کلمہ طیبہ کا بیج اتارنے کی مذموم کوششوں کو روکنے کی تدابیر اختیار کرتے ورنہ وہ احمدیوں کی تبلیغ اسلام کی کاروائیوں میں روک نہ ڈالتے -پس اسی بات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قتل وغارت گری کے لئے قائم کردہ ان نام نہاد سپاہ کا اسلامی مذہبی رواداری اور دوسرے مذاہب کے لئے عزت واحترام کی پابندی کرنے والی شاندار اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں-یہی نہیں بلکہ اب تو یہ واقعات روز کا معمول بن چکا ہیں کہ مساجد کے باہر مسلح پولیس اور فوج کا مستقل پہرہ ہوتا ہے اور ریڈیو پاکستان کی نشریات میں اس مسلح پہرہ کی خبر بڑے فخر سے نشر کی جاتی ہے کہ فلاں عید کے موقعہ پر ملک کی

تمام مساجد کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے اور سوائے نمازیوں کو اور وہ بھی ان کی مکمل جامہ تلاشی کے بعد ہی مسجد کی جانب جانے کی اجازت دی جائے گی۔ کیا یہ ہے اسلام کا سب سے بڑا قلعہ کہ جہاں نمازیوں کی خوف کے مارے نماز بھی حرام ہو رہی ہے؟ یہ وہ قوم ہے جو کہ ہم احمدیوں کی مساجد کو ویران کرنے کے درپے تھی اور کجا اب یہ حالت ہے کہ ان کی اپنی ہی مساجد نمازیوں سے خالی ہو کر اجڑتی جا رہی ہیں اور ان کی مساجد کے برعکس دنیا بھر میں احمدی مساجد کی تعداد میں دن بدن نمازیوں سمیت اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ فالحمدللہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی ایک اور فعلی شہادت ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے نیک اور پارسا بندوں کی عاجزانہ دعاؤں کو مقبولیت عطا فرماتا ہے اور اپنے گناہ گار اور مکذوب نام نہاد مسلمانوں پر لعنت نازل فرماتا ہے۔ اسی لئے تو میں بھی یہی کہتا ہوں کہ:۔

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۝ (ال عمران : ٦٢)۔ اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اور یہ سزا صرف اور صرف اس ظالم قوم کو ملتی ہے کہ جس قوم کے دل سے خوف خدا اٹھ جاتا ہے یا جو قوم کسی الٰہی جماعت کو تنگ کرتی ہے یا کسی خدائی جماعت کے مظلومین پر ظلم و ستم ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی اپنی آنکھیں اس کبوتر کی طرح بند کر لیتی ہے کہ جس نے ایک بلی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں موندتے ہوئے یہ سوچا تھا کہ:۔

”جیسے بلی مجھے نظر نہیں آ رہی اسی طرح بلی کو میں بھی نظر نہیں آ رہا“

لیکن بیچارے کبوتر کی اس خوش فہمی کے باوجود بھی بلی نے اسے جھپٹ کر جا لیا اور جب کبوتر نے جان کنی کی تکلیف میں اپنی آنکھیں کھولیں اور اُڑنے کی کوشش کرنے لگا تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی اور یوں آناً فاناً اس بلی نے کبوتر کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ پس یہی حال اب پاکستانی قوم کا ہو رہا ہے کہ پہلے تو وہ خوشیاں مناتی رہی کہ نوے سالہ پرانا مسئلہ حل ہو گیا لیکن اب وہ خود ہی اس فرقہ واریت کی زد میں آ چکی ہے کیونکہ جب کوئی قوم اپنی حدود سے تجاوز اختیار کر جاتی ہے تو پھر وہ قہر الٰہی کا شکار بن جاتی ہے اور یہ قہر اس صورت میں بھی نمودار ہو جاتا ہے کہ وہ خود آپس میں ہی شیعہ سنی یا دیوبندی اور وہابی بن کر لڑ پڑتی ہے اور ایک دوسرے سے الجھ کر:۔

”نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن“

کے مترادف ذلت کی عمیق ترین گہرائیوں میں گر کر دنیا کے سامنے اپنی عزت اور اپنا وقار کھو بیٹھتی ہے اور ہنسی اور مذاق کا نشانہ بن کر دنیا کو ایک سبق سکھلاتی ہے کہ دیکھو! کبھی کسی دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کرو ورنہ بقول خدا تم خود بھی خدا کے عذاب کا نشانہ بن جاؤ گے۔ فرمایا:۔

---- فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ ۝ (الحشر : ٣)۔ یعنی:--- پس اے صاحب بصیرت انسانو! ان تمام واقعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ شاید اسی لئے ہر اندھا گلی گلی یہ صدا لگاتا گزرتا ہے کہ:۔

اکھیاں والیو! اکھیاں بڑی نعامت ہیں

یعنی اے آنکھیں رکھنے والو! آنکھیں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔

پس جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے اور عبرت پکڑے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور سچے دل سے اس بارہ میں دوبارہ تحقیق کرے کہ آیا خدا تعالیٰ کی اس فعلی شہادت کے پیچھے کہیں احمدیت کی سچائی ہی تو مستور نہیں؟ لہٰذا یہ نام نہاد مسلمان اب بھی خدا کے حضور معافی مانگ کر اپنے بیہودہ قوانین کو بدل کر ملک میں صلح و آشتی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ تمام نام نہاد مسلمان ملاؤں کی جھوٹی بدزبانی پر قدغن لگا دیا جائے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ پاکستان کو ذلت کے اس عمیق ترین گڑھے سے نکالنے کے لئے خاکسار کے اس

مخلص مشورہ پر کون مائی کالعل عمل کرتا اور کرواتا ہے؟ اسی پاکستان میں ۱۹۶۸ء تک کے واقعات میری آنکھوں کے سامنے ہیں جب کہ صدر پاکستان فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خان صاحب کا دس سالہ سنہری دور منایا گیا تھا اور حقیقت میں واقعی وہ ایک سنہری دور تھا۔ مجھے وہ دن بخوبی یاد ہے کہ جس دن صدر مملکت جناب محمد ایوب خان صاحب کی گاڑی ربوہ کے سٹیشن سے گزری تھی اور اسی ہر دل عزیز صدر مملکت کی تصویر تقریباً ہر سلجھے ہوئے احمدی کے گھر موجود تھی۔ اس سنہری دور کی یادوں کے بارہ میں سائیکالوجسٹ مکرم محمد ادریس چوہدری صاحب نے بھی امریکہ سے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ:-

''ایک دفعہ مکرم میجر صاحب (میجر عارف زمان صاحب۔ ناقل) مجھے کہنے لگے کہ بھئی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خط آیا ہے اسے آپ بھی پڑھ لیویں۔ خط میں پیار و محبت کی چاشنی تھی جس کے الفاظ تو آج بھول چکا ہوں لیکن مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ ہمیں حکمران کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔ اگلے روز جب صدر ایوب خان صاحب کی سپیشل ٹرین ربوہ ریلوے سٹیشن پر رکی تو اولاً وہاں ہجوم خفیف تھا دوسرے صدر صاحب کی موجودگی میں لوگ مؤدب اور خاموش رہے۔ مناسب ہوتا اگر نعرہ ہائے تکبیر سے ان کے استقبال کو پُر جوش بنایا جاتا۔ ضمناً ذکر کرتا چلوں کہ انتخابات میں امیدواروں کا ٹائم اور بھی سکڑ جاتا ہے اور ہمیں یقینی طور پر علم نہ تھا کہ جناب صدر صاحب کی ٹرین رکے گی بھی یا نہیں۔ اس تذبذب میں پیش از وقت تیاری کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن ہمارے حضرت قمر الانبیاءؓ کی باریک بین نگاہ کہ آپ نے ہماری اصلاح کی خاطر اس میں سے بھی سبق آموزی کا رنگ نکال ہی لیا''۔ (مکتوبات نسیم - ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اہم یا غیر اہم واقعہ رو پذیر ہو اور حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہمیں ہماری کوتاہی یا کمزوری یاد نہ دلائیں تاکہ آئندہ کے لئے ہماری اصلاح ہو جائے۔ بہر حال صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خاں صاحب کے دور حکومت کی اچھی مثالیں تو بہت سی ہیں لیکن یہاں میں صرف اُس دور کی سڑکوں کا ذکر کروں گا کہ جن پر کسی ملک کی ترقی کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور مجھے وہ وقت اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب حضرت قمر الانبیاءؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب لاہور سے چلتے ہوئے ہمیں فون پر مطلع کیا کرتے تھے اور اس کے بعد تقریباً اڑھائی گھنٹے کے بعد اپنی VW فوکس ویگن BEATLE یعنی ڈڈو کار میں ربوہ پہنچ جایا کرتے تھے بلکہ ایک مرتبہ تو انہوں نے اکیلے اتنی تیز کار چلائی کہ وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں ہی لاہور سے ربوہ پہنچ گئے تھے اور ہم سب بے حد حیران ہوئے کہ آپ نے کتنی تیز موٹر کار چلائی ہوگی اور اس طرح کتنی تیزی سے سفر کیا ہوگا؟ موٹر کار کے علاوہ بذریعہ بس بھی یہ سفر ان دنوں تقریباً چار گھنٹوں میں طے ہو جایا کرتا تھا اور اب یہی سفر ٹوٹی ہوئی خراب سڑکوں اور تقریباً گزشتہ بیس برس سے زیر تعمیر پُلوں کی وجہ سے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اس کے علاوہ رات کو بھی بسیں اور ٹرک بے خوف و خطر چلا کرتے تھے لیکن آج کے نام نہاد اسلامی قلعہ پاکستان میں رات تو کیا شام ڈھلتے ہی شریف لوگ پاکستان میں دندناتے ہوئے ڈاکوؤں۔ لُٹیروں۔ چوروں اور اچکوں کے خوف سے ادھر ادھر جانے کا نام بھی نہیں لیتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)

بہر حال اس گزرے ہوئے تمام عرصہ میں دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ممالک میں بڑے بڑے شہر تعمیر ہو چکے ہیں کہ جن میں ایک سڑک نہیں بلکہ ہزاروں سڑکیں بنائی جا چکی ہیں اور ان پر سینکڑوں پل تعمیر ہو چکے ہیں لیکن وائے قسمت کہ پاکستان میں صرف ایک ربوہ کے پل کی تعمیر بھی یقیناً افسران اور ٹھیکہ داروں کی ملی بھگت کی وجہ سے ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک کے بیس سالہ لمبے دور میں بھی مکمل نہ ہو سکی۔ یہ لوگ تو اپنے آپ کو سرکاری مسلمان کہلاتے پھرتے ہیں اور پھر بھی الراشئ والمرتشی فی النار کے الفاظ کو نہیں جانتے؟ کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا

دونوں ہی جہنم کی آگ میں جا گریں گے- بہرحال ذکر ہو رہا تھا خاکسار کے سفر پاکستان کا کہ خدا خدا کر کے بذریعہ کار تقریباً چار پانچ گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم لاہور سے ربوہ پہنچے- دارالصدر شمالی میں پکی (بجری اور تارکول سے بنی ہوئی) سڑک یعنی سرگودھا روڈ سے مسجد لطیف کو جانے والی سڑک صرف ہمارے گھر کے گیٹ تک ماموں جان مکرم عبدالرشید اختر صاحب (انسپکٹر چونگی ٹاؤن کمیٹی ربوہ) کی مہربانی سے ۱۹۷۵ تا ۱۹۹۶ میں میری غیر موجودگی کے دوران پختہ (پکی) سڑک بن چکی تھی اور ہمارے گھر کے گیٹ سے آگے مسجد لطیف تک وہی کچی سڑک جو کہ میں ۱۹۷۵ء میں چھوڑ کر گیا تھا- میرے دریافت کرنے پر کسی نے بتایا کہ بھئی یہ سڑک کاغذوں پر تو کب کی تعمیر ہو چکی ہے بلکہ مزید تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس کی تعمیر کے بعد کاغذی طور پر اس کی کئی مرتبہ مرمت بھی ہو چکی ہے کہ جسے سُن کر مجھے سخت افسوس ہوُا اور میرے مونہہ سے بے اختیار اِنَّـا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْـهِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرة:۱۵۷)- بھی نکلا اور بے اختیار ہنسی بھی آئی کہ جو بات میں ابھی دریائے چناب کے پُل کے بارہ میں سوچ رہا تھا وہ یہاں بھی لاگو ہو جاتی ہے- کیونکہ ربوہ کی بلدیہ (سابقہ ٹاؤن کمیٹی) کے سب اہلکار جو کہ ان سڑکوں کی تعمیر کے لئے ٹھیکہ دینے کے مجاز ہیں اور ان کی تعمیر کی نگرانی کرنے کا بھی انہیں ہی حق حاصل ہے اور ان کی تکمیل کی رپورٹ بھی افسران بالا کو دینے کی ذمہ داری رکھتے ہیں اور بلدیہ ربوہ کے یہی افسران خدا تعالیٰ کے فضل سے سرکاری مسلمان بھی ہیں لہذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ سرکاری مسلمان ہوتے ہوئے رشوت نہ لیتے؟ لہذا انہوں نے نہ صرف رشوت لے کر ان سڑکوں کی تعمیر کا ٹھیکہ بھی اپنے سرکاری مسلمان ٹھیکے داروں کو دیا جو کہ اس قسم کے کاروبار میں کم سے کم ریٹ لگا کر تعمیری کاموں کی کم سے کم بولی دے کر رشوت دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ بولی دے سکتے تھے بلکہ اس پر طرہ یہ کہ ان سڑکوں کی تعمیر پر ہونے والا لاکھوں روپے کا خرچ بھی

''مالِ مفت، دلِ بے رحم''

کے طور پر شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے اور پھر ستم ظریفی کی حد یہ کہ ان سڑکوں کی کاغذی تعمیر کے بعد ان کی کاغذی مرمت پر اٹھنے والے لاکھوں روپے بھی غبن کر گئے- اگر یہ لوگ ربوہ کی بجائے پاکستان کے کسی دوسرے شہر میں اس قسم کی حرکات کرتے اور اپنا سرکاری مسلمانیت والا کردار دکھلاتے تو واللہ ہمیں ان سے کیا غرض کہ ہم یہ بات لکھتے؟ لیکن اب جب کہ ان سرکاری مسلمانوں نے ہمیں غیر مسلم قرار دے دیا ہے تو ذرا ان سرکاری مسلمانوں کے کردار یعنی کرتوت پر بھی تو کچھ نظر ڈالی جائے کہ ان کو صراط مستقیم کی جانب بلانے والے سیدنا آنحضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے ﷺ تو انہیں '' الراشي و المرتشي في النار '' کا سبق دے رہے ہیں لیکن یہ لوگ آنحضور ﷺ کی پیروی کرنے کی بجائے رشوت ستانی سے اپنی جھولیاں بھرنے میں مصروف ہیں اور وہ بھی ربوہ جیسے مقدس شہر میں کہ جہاں تمام احباب جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کی نگاہیں ان کے ایسے ہی کرتوتوں اور کارستانیوں پر لگی ہوئی ہیں کہ جہاں ان سرکاری مسلمانوں کے جعلی اسلام اور آنحضرت محمدؐ مصطفٰے ﷺ کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کے درمیان کم و بیش روزانہ ہی کئی بار موازنہ نہ کیا جاتا ہے- اب چاہیئے تو یہ کہ میری یہ سطور پڑھ کر ان ٹھیکہ داروں اور رشوت خور افسران کی پوچھ گچھ ہو لیکن میں آپ کے ساتھ اس بات پر ہر قسم کی شرط لگانے کے لئے تیار ہوں کہ یہ مذکورہ بالا ٹھیکہ دار اور بلدیہ کے تمام افسران چونکہ سرکاری مسلمان ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی ہندو یا عیسائی یا سکھ یا پارسی نہیں ہے لہذا یہ تمام سرکاری مسلمان اپنے ہی ہم مذہب کسی نہ کسی دوسرے سرکاری مسلمان جج کو کچھ نہ کچھ رشوت دے دلا کر یعنی اپنے ساتھ ملا کر حکومت وقت کی کسی بھی قسم کی سزا بھگتنے سے بچ جائیں گے- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرة:۱۵۷)- کیا یہ ہے وہ سرکاری اسلام کہ جس کے لئے انہوں نے ہمیں غیر مسلم قرار دیا تھا؟- بہرحال انہی دو مثالوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ٹھیکہ داران کیا اور افسران بالا کیا، جہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوُا ہو وہاں جنت اور جہنم کی پرواہ کسے ہو سکتی ہے؟ کیا اسی نام نہاد جعلی اسلام کے لئے انہوں نے ہم پر ظلم و ستم کئے ہیں اور ابھی مزید کر رہے ہیں؟ سیدنا حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے ﷺ نے تو اپنی سنت رسولؐ اور احادیث نبویہؐ کے ذریعہ ملی اموال میں خیانت کرنے والے بدکردار افراد کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا تھا- حدیث شریف میں

درج ہے کہ:-''آنحضرت ﷺ غنائم یعنی قومی امانت میں خیانت کرنے والے اور خودکشی کرنے والے کے سوا باقی سب کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرتے تھے''-(نیل الاوطار کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علیٰ من قتل فی حدٍ جلد ۴ صفحہ ۴۷)

الغرض یہ نام نہاد سرکاری مسلمان جب آنحضرت محمدؐ مصطفےٰ ﷺ کی دوسری عام فہم حدیثوں پر عمل نہیں کرتے تو ایسی حدیثوں کو وہ کس قابل جانتے ہیں کہ جن پر عمل کرکے وہ اپنی زائدروزی پر لات مارتے ہوئے اس مال مفت سے بھی ہاتھ دھوبیٹھیں؟ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی لیکن میں اسے بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا- بہرحال خدا خدا کرکے جب ربوہ پہنچا تو کوٹھی'' الوفا '' پہنچتے ہی میں سب سے پہلے میں اپنی جان سے بھی پیاری والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوُا اورانہوں نے مجھے گلے لگا کر بے حد پیار کیا- ہم سب کی آنکھوں میں خوشی ومسرت کے آنسو بھر آئے لیکن میں چونکہ والدہ صاحبہ کے دل کے بارہ میں متفکر تھا لہذا جلدی سے انہیں حوصلہ دیا کہ اب میں آ گیا ہوں لہذا اب یہ آنسو کیسے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹا یہ تو تمہارے دوبارہ ملنے کی خوشی کے آنسو ہیں جو کہ اس وقت میرے قابو میں نہیں ہیں- مجھ سے ایک دن پہلے میری منجھلی بہن زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ بھی جرمنی سے کراچی اور پھر براستہ فیصل آباد ہوتی ہوئی ربوہ پہنچ چکی تھیں اور مجھ سے بڑی بہن بشریٰ بیگم صاحبہ بھی چنیوٹ سے ربوہ تشریف لے آئی ہوئی تھیں- میری والدہ محترمہ ربوہ میں کئی سال سے اپنی سب سے بڑی بیٹی یعنی میری سب سے بڑی بہن آپا امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پاس الوفا میں مقیم تھیں اور یوں ہم سب بہن بھائی اکیس سال کی لمبی جدائی کے بعد دوبارہ اکٹھے ہوئے-

بیس، اکیس اور بائیس مئی ۱۹۹۶ء کے دن بس اسی دوبارہ ملنے کی خوشی میں پلک جھپکتے ہی گزر گئے -یہ تین دن میری زندگی کا حسین ترین سرمایہ ہیں کیونکہ اتنی لمبی جدائی کے بعد بچھڑی ہوئی والدہ اور بہنوں سے ملاقات ان کے بچوں سے ملاقات ایک انتہائی خوش کن منظر تھا کیونکہ ان بچوں میں سے بعض کو تو میں نے دیکھا بھی نہ تھا بس غائبانہ تعارف ہی تھا یا تصاویر میں ہی دیکھا تھا-بہنیں اپنے بھائی پر اور بچے اپنے اکلوتے ماموں پر قربان ہو رہے تھے لیکن میرا دل اپنی والدہ کی بیماری میں الجھا ہوُا تھا اور ہر دم بس کھٹکا سا لگا رہتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ جلد سے جلد والدہ کو کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھلاؤں کہ شاید کوئی علاج نکل آئے لہذا میں نے والدہ صاحبہ کے معالج ڈاکٹر مکرم صاحبزادہ میاں ظہیر الدین منصور احمد صاحب کو دکھانے کے لئے فون کیا تو علم ہوُا کہ آپ بیمار ہیں لیکن ایک دو دن میں روبصحت ہوجائیں گے لہذا فیصلہ یہ ہوُا کہ جیسے ہی ڈاکٹر میاں ظہیر احمد صاحب ٹھیک ہوں گے تو سب سے پہلے ان سے والدہ صاحبہ کے بارہ میں مشورہ کیا جائے گا اور پھر وہ جو بھی مشورہ دیں گے اس کے مطابق علاج کیا جائے گا لیکن قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے؟ میری والدہ کی زندگی تو ایک بجھتا ہوُا چراغ تھی جو کہ بجھنے سے پہلے ایک مرتبہ خوب بھڑکتا ہے- میری والدہ ان تین دنوں میں بے حد ہشاش بشاش اور بے حد خوش وخرم تھیں اور ہمارے آجانے کی وجہ سے خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں اور مہمانوں اور عزیزوں سے بھی بے حد تپاک سے ملتیں اور ان پر ان کی بیماری کا کوئی شائبہ تک نہ تھا حتیٰ کہ اپنی وفات سے چند گھنٹے قبل تک بھی مجھ سے محو گفتگو رہیں اور بدھ کی رات سونے سے پہلے اپنے لین دین کے تمام معاملات سے مجھے آگاہ کیا کہ آپ نے کسی کو کچھ دیا ہی ہوگا لیکن کسی سے کچھ لیا نہیں ہے یعنی کسی کا کوئی ادھار یا قرض آپ پر واجب یا بقایا نہیں ہے-اس کے علاوہ اپنی بعض ذاتی اشیاء کے بارہ میں بھی مجھے ارشاد کیا کہ یہ چیز فلاں کو تو وہ چیز فلاں کو دے دینا غرض اس شام رات گئے تک ہم دونوں ماں بیٹے کی گفتگو طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی -اس دوران سب گھر والے بھی ہمارے کمرہ میں آ کر پھر واپس چلے جاتے رہے کہ چلو ماں بیٹا اتنے لمبے عرصہ کے بعد ملے ہیں انہیں خوب جی بھر کر باتیں کرلینے دو حالانکہ اگر سب کو تقدیر الٰہی کا علم ہوجاتا کہ کل صبح کیا ماجرا ہونے والا ہے تو یقیناً سب ہی اس پیار بھری گفتگو میں شریک ہوجاتے -میری والدہ محترمہ نے اپنے تمام معاملات نمٹا کر مجھے جا کر سونے کا ارشاد فرمایا لیکن عجیب بات ہے کہ اس دن میں نے اپنی والدہ صاحبہ کے پاس ہی ڈبل بیڈ پر سونے کی خواہش کا اظہار کیا کیونکہ میرا

وہاں سے ہلنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن میری منجھلی ہمشیرہ زبیدہ نسیم صاحبہ کہنے لگیں کہ نہیں! میں ہی بی بی (والدہ صاحبہ) کے قریب ان کی خدمت کے لئے سوؤں گی تم اپنے کمرہ میں جا کر سو جاؤ۔ اس کے بعد محترمہ والدہ صاحبہ خود عشاء کی نماز پڑھنے میں مصروف ہوگئیں اور میں اپنے کمرہ میں سونے کے لئے چلا گیا۔

لیکن ہوا وہی کہ جس کا مجھے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد مؤرخہ ۲۳ رمئی بروز جمعرات ۱۹۹۶ء کی صبح صبح میری منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ بیگم صاحبہ نے مجھے علی الصبح پانچ بجے کے قریب جگایا کہ ابھی ابھی بی بی (والدہ صاحبہ) نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور اس کے بعد سے ان کی طبیعت خراب ہے۔ میں جلدی سے اٹھ کر آپ کے پاس چلا گیا اور آپ کے پاؤں دبانے لگا۔ اسی دوران میں سب عزیز بھی کمرہ میں آ گئے تو میں نے والدہ سے مونہہ ہاتھ دھونے کی اجازت طلب کی کہ شاید ڈاکٹر کو بلانا ہو یا ہسپتال لے جانا پڑے۔ اس پر میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ بیٹا جلدی سے سب کچھ کر لو لیکن مجھے ڈاکٹروں کے پلے نہ ڈالنا اور مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھے ہسپتال نہیں لے جاؤ گے اور میرے وعدہ کرنے کے بعد آپ نے تمام خاندان سے کبھی اور کسی بھی وقت کی جانے والی یا ہو جانے والی کسی خطاء یا غلطی کی معافی چاہی۔ اس وقت چونکہ سب ہی آپ کے کمرہ میں جمع ہو چکے تھے لہٰذا وہاں موجود تمام افراد خانہ نے بیک زبان کہا کہ آپ نے تو کبھی کسی کو کوئی دکھ دیا ہی نہیں لیکن پھر بھی آپ کی ایماء پر ہم نے آپ کو معاف کیا اور آپ بھی ہمیں معاف فرمائیں۔ اس پر محترمہ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے میں نے بھی تم سب کو معاف کیا۔ آج جب میں یہ تمام واقعات لکھ رہا تھا تو اچانک مجھے جناب شکیل بدایونی صاحب کے چند اشعار یاد آ گئے :-

خدا نگہبان ہو تمہارا - دھڑکتے دل کا پیام لے لو
تمہاری دنیا سے جا رہے ہیں۔ اٹھو! ہمارا سلام لے لو
ہے وقت رخصت گلے لگا لو۔ خطائیں بھی آج بخش ڈالو
بچھڑنے والے کا دل نہ توڑو۔ ذرا محبت سے کام لے لو (شکیل بدایونی)

بہر حال جب آپ نے سب کی جانب سے یہ تسلی آمیز کلمات سن لئے کہ: ''ہم نے آپ کو معاف فرمایا اور آپ بھی ہمیں معاف فرمائیں'' تو اس کے بعد میری والدہ صاحبہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ہمیں سورۃ یٰسین پڑھنے کا حکم دیا جو میرے سب سے چھوٹے بہنوئی بھائی جان مکرم مظہر حسین صاحب نے پڑھی۔ اپنی موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر بھی میری والدہ صاحبہ مکمل ہوش و حواس میں تھیں اور آپ نے اپنے داماد مکرم مظہر حسین صاحب سے فرمایا کہ بھئی قرآن شریف تو لے لو کہ جس پر انہوں نے جواب دیا کہ بی بی مجھے یہ سورۃ، خدا کے فضل سے زبانی یاد ہے تو تب آپ نے اس جان کنی اور نزع کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا اور بھائی جان مظہر حسین صاحب نے میری والدہ محترمہ کے سامنے دوزانو ہو کر سورۃ یٰسین کی تلاوت کی۔ اس کے بعد میری والدہ صاحبہ نے ہمیں کچھ نصائح فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ: ''میرے مرنے کے بعد جزع فزع اور ماتم نہ کرنا اور میرا جنازہ کل جمعہ کی نماز کے ساتھ پڑھایا جائے تا کہ تمام قریبی عزیز رشتہ دار بھی اس میں آسانی سے شامل ہو جائیں اور پھر جمعہ کے مبارک دن تمام احباب جماعت بھی اس میں شامل ہو جائیں گے''۔ اسی ایک بات سے بھی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میری دعا گو نیک اور پرہیزگار والدہ صاحبہ کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کی خدمت میں رہنے کی برکت سے اور آپؓ دونوں معزز بزرگوں کی اعلیٰ تربیت کی بدولت دین اور دنیا کا مرتے دم تک بھی کتنا خیال تھا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت بگڑنی شروع ہو گئی جس پر میں نے والدہ صاحبہ کو کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے کے لئے عرض کیا لہٰذا آپ کچھ دیر لیٹ کر گھبراہٹ کی وجہ سے پھر

اُٹھ کر بیٹھ گئیں لیکن جب پھر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو نڈھال ہوکر پھر دوبارہ لیٹ گئیں اور کلمہ شریف کا ورد کرنا شروع کر دیا اس پر میری سب سے چھوٹی بہن بشریٰ بیگم صاحبہ نے بھی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں

کا وِرد کرنا شروع کر دیا اور والدہ صاحبہ آخری دم تک باہوش وحواس لیٹے لیٹے اس مبارک وِرد کو ہمارے ساتھ ساتھ دہراتی رہیں لیکن آہستہ آہستہ آپ کی آواز دھیمی پڑتی چلی گئی حتیٰ کہ صرف ہونٹ اسی طرح ہلتے رہے لیکن آواز آنی بند ہوگئی۔ آخر میں تین چار لمبے لمبے سانس لے کر سانس لینا بند کر دیا کہ جس پر میری منجھلی بہن عزیزہ زبیدہ نسیم صاحبہ نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا تو میں نے انکار کی صورت میں سر کو ہلاتے ہوئے اشارہ سے کہا کہ ابھی نہیں اور پھر تقریباً ایک یا آدھ منٹ کے بعد جب آپ کا سب سے آخری رکا ہوا سانس باہر نکلا تو میں نے دھیمی آواز سے اِنَّـا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷) پڑھا اور اپنے سر کو اقرار کرنے کی طرح اوپر نیچے ہلایا کہ اب آپ وفات پا گئی ہیں۔ اس طرح آپ کی روح ہمیں غمگین اور اداس چھوڑ کر مؤرخہ ۲۳ر مئی ۱۹۹۶ء کو بروز جمعرات صبح صبح تقریباً ساڑھے چھ بجے ہمیں داغ مفارقت دیتے ہوئے اپنی خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)

والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد سب سے پہلے میں نے اپنی والدہ صاحبہ محترمہ کے چہرہ کا بوسہ لیا اور پھر میری تمام بہنوں نے چوما۔ اس کے بعد میں نے احتیاط کے ساتھ اپنی والدہ محترمہ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو اپنے لرزتے ہاتھوں کے ساتھ پیار سے موند دیا۔ اتنے میں میری ایک ماموں زاد بہن عزیزہ پھکراج بیگم صاحبہ بھی تشریف لے آئیں اور آتے ہی اونچی اونچی آواز میں روتے ہوئے واویلا ڈالنے لگیں کہ جس پر میں نے اپنے زخمی دل اور نمناک آنکھوں کے باوجود انہیں بھی تسلی دیتے ہوئے یہی سمجھایا کہ خدا کی مرضی میں کسی کا دخل نہیں اور دوسرے ہم احمدیوں میں واویلا نہیں ڈالا جاتا لہٰذا ذرا کنٹرول کریں کہ جس پر انہوں نے بڑے ضبط کا مظاہرہ دکھایا۔ اس سانحہ عظیم پر مجھے ایک بہت ہی پیاری حدیث نبویؐ یاد آ گئی جو میں دردمند احباب کے فائدہ کے لئے یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ:-'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا وفات کے وقت آخری بول لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ ہوگا یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سیدھا جنت میں جائے گا'' -

(ابو داؤد کتاب الجنائز باب من التلقین)

پس ! بارگاہِ الٰہی میں میری دست بستہ صرف یہ ہی دعا ہے کہ اے میرے پروردگار! تُو اپنے ان مقدس کلمات کے صدقے میری والدہ صاحبہ کو بخش دے اور ان سے راضی ہوجا اور اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹتے ہوئے جنت الفردوس میں ان کے درجات کو تا قیامت بلند سے بلند تر فرماتا چلا جا۔ آمین اللھم آمین

☆

بارانِ رحمت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ایک خاص احسان ہے کہ میری والدہ صاحبہ کی وفات ان کی نیک خواہشات کے عین مطابق ہوئی کہ انہیں ہسپتالوں میں تڑپ تڑپ کر جان نہیں دینی پڑی اور یوں ان کی یہ دعا بھی خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوگئی کہ مجھے چلتے پھرتے ہی اس دنیا سے اٹھا لینا - پھر آپ کی یہ خواہش بھی اللہ تعالےٰ نے پوری کردی کہ آپ کے تمام بچے آپ کی وفات سے بھی پہلے آپ کے پاس بخریت پہنچ جائیں تا کہ آخری مرتبہ خوب جی بھر کو ان کو دیکھ سکیں نیز ان سے جی بھر کر گفتگو کرلیں اور یوں خدا کے فضل سے آپ نے ہنستے ، بولتے ، مسکراتے اور بغیر کسی ظاہری جسمانی تکلیف کے اپنی زندگی کے یہ آخری ایام گزارے - پھر حسب خواہش ربوہ میں ہوئی اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کا نام لیتے ہوئے ہوئی - بلکہ مجھے یاد ہے کہ اگلے دن مؤرخہ ۲۴ر مئی بروز جمعۃ المبارک ، نماز جمعہ کے معاً بعد جب آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو تقریباً (۲۰،۰۰۰) بیس ہزار سے زائد احباب جماعت نے مسجد اقصیٰ میں نماز جنازہ میں شرکت فرمائی - بہرحال جب ہم جنازہ کو گھر سے مسجد اقصیٰ لے جا رہے تھے تو مطلع بالکل صاف تھا اور تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی لہذا میں نے احتیاطاً ایمبولنس میں برف رکھوادی تا کہ آپ کے جسدِ فانی کو گرمی کی شدت سے محفوظ رکھا جا سکے اور مسجد اقصیٰ کے سامنے بھی میں نے مکرم ڈرائیور صاحب سے یہی درخواست کی کہ گاڑی کو کسی ایسی سایہ دار جگہ پر کھڑا کیا جائے کہ جہاں کچھ سایہ ہو تا کہ دھوپ کی تمازت سے جنازہ محفوظ رہے کہ جس پر وہ ایمبولینس کو مسجد کے سامنے بنے ہوئے برآمدہ کی چھاؤں میں لے گئے - اس کے بعد میں نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد اقصیٰ (بیت اقصیٰ) کے اندر چلا گیا - مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ اور نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد جب ہم آپ کے تابوت کو بذریعہ ایمبولینس بہشتی مقبرہ میں دفنانے کے لئے لے جا رہے تھے تو مسجد اقصیٰ سے نکلتے ہوئے گولبازار والے ریلوے پھاٹک تک دھوپ نکلی ہوئی تھی لیکن گولبازار تک پہنچتے پہنچتے بادل کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے سے مطلع ابر آلود ہوگیا اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور گولبازار کی پانی والی ٹینکی کے قریب ہلکی ہلکی پھوہار سی بھی پڑنی شروع ہوگئی کہ جس کے باعث موسم اچانک بے حد خوشگوار ہوگیا - بہشتی مقبرہ کے گیٹ سے ہم نے جنازہ کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور پھوہار کی وجہ سے جائے تدفین کی جانب تیز تیز چلنے لگے لیکن میں نے دل میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ یہ پھوہار تو بہت مناسب ہے لیکن اب یہ بارش میں تبدیل نہ ہوجائے تا کہ احباب کو تکلیف نہ ہو اور احباب کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ وہ آرام سے چلیں جس کے بعد ہم لوگ آہستہ روی سے جنازہ اٹھائے ہوئے جائے تدفین پر پہنچے - تدفین کے بعد جب ہم فارغ ہوکر بہشتی مقبرہ سے کاروں کے ذریعہ واپس گھر کو چلنے لگے تو مطلع صاف ہوگیا اور دھوپ نکل آئی - اہالیان ربوہ خصوصاً اپنے محلّہ دارالصدر شمالی کے معزز و محترم محلّہ داروں اور اپنے عزیز و اقارب کا میں تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ جنہوں نے گرمی کے اس ناخوشگوار موسم کے باوجود قرب وجوار سے تشریف لا کر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا نیز اپنے کلاس فیلو مکرم مشہود احمدؐ صاحب محلّہ دارالصدر غربی کا میں بیحد مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے کمال محبت کے ساتھ میری والدہ کے جنازہ میں شرکت فرمائی اور پھر بعد میں بھی متعدد بار گھر پر تشریف لا کر بلکہ میری پاکستان سے واپس وطن جرمنی روانگی تک دلداری کرتے رہے اور میرے غم میں ڈھارس بندھاتے رہے -

بہشتی مقبرہ میں مجھے اپنے سب سے بڑے خالہ زاد بھائی چوہدری محمد یعقوب صاحب کا کچھ دیر انتظار بھی کرنا پڑا تا کہ ہم ایک مرتبہ پھر یعنی آخری مرتبہ اپنی پیاری والدہ محترمہ کے چہرہ کا دیدار کرلیں اور ان کی پیشانی پر آخری بوسہ دے لیں لہذا ہمارے انتظار کی وجہ سے ایک اور موصیہ محترمہ مبارکہ

بیگم صاحبہ زوجہ مکرم عبدالحمید صاحب ناروال کا جنازہ میری والدہ محترمہ کی ساتھ والی دائیں قبر میں پہلے دفنا دیا گیا- یہاں میں ایک عجیب اتفاق کا ذکر کرنا بے حد ضروری خیال کرتا ہوں کہ جتنا عرصہ میری والدہ صاحبہ کی میت کو دفنا نہیں دیا گیا بہشتی مقبرہ کے قریب واقع ایک مسجد سے اذان اور اس کے معاً بعد تلاوت قرآن مجید کی آواز آتی رہی- سبحان اللہ ! کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت کی بارش کو پھوہار کی صورت میں اور پھر اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کی صورت میں آپ کی خواہش اور دعاؤں کے نتیجہ میں آخری دم تک زندہ اور مردہ سنانے کا خوب انتظام فرمایا- بارانِ رحمت شاید اسی کا نام ہے ؟ اب اللہ تعالیٰ کی ازلی وابدی رحمت کی آس پر یہ دعا کرتا ہوں اے میرے پروردگار! تو اگلے جہان میں بھی میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ پر اپنی خاص الخاص رحمتوں کی مزید بارش نازل فرماتا چلا جا اور آپ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرماتا رہ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام نصیب فرما اور جیسا کہ میں صرف تیری رحمت کی بدولت بارہا اپنی خوابوں میں سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اور اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کو اکٹھے بھی دیکھتا رہتا ہوں بالکل اسی طرح تو ایسا فضل فرما کہ آپ دونوں بہشت میں بھی ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہ ہوں- آمین ثم آمین

تُو رخصت ہوتے ہوئے بھی کب بچھڑ رہا ہے ؟
خدا نے باندھا ہے جو تعلق، رہے گا مدام کہنا (کلام طاہر)

میری والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی وفات پر تعزیت کے لئے اسی دن شام کے وقت خاندان مقدسہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے معزز افراد تشریف لائے- میری والدہ صاحبہ کا چہرہ دیکھا اور دعا کی- ان میں خصوصاً حرم محترم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت چھوٹی آپا سیدہ مریم صدیقہ نور اللہ مرقدہٗ (۱۷/اکتوبر ۱۹۱۸ء-۳/نومبر ۱۹۹۹ء)، حرم محترم حضرت صاحبزادہ سید داؤد احمد صاحب حضرت صاحبزادی امتہ الباسط بیگم (بی بی باچھی) صاحبہ، حرم محترم حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب حضرت صاحبزادی محمودہ بیگم (بومودی) صاحبہ، حضرت صاحبزادی امتہ المجید بیگم (بی بی موجن) صاحبہ بمعہ اپنے میاں حضرت صاحبزادہ بریگیڈیر وقیع الزمان خان صاحب اور اپنی بچیوں کے ہمراہ اور حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اپنی اہلیہ حضرت صاحبزادی بی بی قدسیہ بیگم (بی بی قدو) صاحبہ کے ساتھ تشریف لائے- اس کے علاوہ خاکسار ان سب معزز بزرگوں کے تمام بچوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا اولین فرض سمجھتا ہے کہ جو اس وقت بھی اور بعد میں بھی میرے ربوہ کے قیام کے دوران گاہے بگاہے دلداری کے لئے ہمارے غریب خانہ ''الوفا'' پر بہ نفسِ نفیس تشریف لا کر ہماری دلجوئی فرماتے رہے اور اس طرح ہمارے غم میں شرکت فرما کر اپنی انتہائی غمگساری اور بے پناہ محبت نیز بے حد وحساب مہربانی کا پیار بھرا سلوک فرماتے رہے- ہمارے ان پیاروں کی تشریف نے ہماری والدہ صاحبہ کی جدائی کے المناک زخم پر ایک تسکین آمیز پھاہے کا کام دیا- خاکسار کے پاس ایسے موزوں الفاظ نہیں کہ جن سے میں اس معزز ومحترم گھرانے کے بابرکت افراد کا شکریہ ادا کرسکوں اس لئے صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزائے خیر سے نوازے- آمین

غلام قادر آئے، گھر نُور اور برکت سے بھر گیا- (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پڑپوتے، حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے پیارے پوتے، حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی بی بی قدسیہ بیگم صاحبہ کے

دلارے بیٹے ،شہید احمدیت اور میرے اپنے پیارے عزیز مکرم صاحبزادہ مرزا غلام قادر (کیکے میاں) صاحب (۲۱ جنوری ۱۹۶۲ء لاہور- شہادت ۱۴/ اپریل ۱۹۹۹ء چنیوٹ) نے بھی جنازہ میں شمولیت کی اور تدفین کے بعد گلے مل کر دلاسہ دیا اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ ہمارے یہاں الوفا میں تشریف لا کر تعزیت کرتے رہے- آپ مجھ پر اپنے بچپن سے ہی بے حد مہربان تھے اور میری بڑی عزت کیا کرتے اور کبھی بھی مجھے آپ کہنے کے علاوہ نہ پکارتے تھے- مکرم صاحبزادہ غلام قادر صاحب سے میری پاکستان سے ہجرت کے بعد تقریباً اٹھارہ سال کے بعد انگلستان کے جلسہ سالانہ اور جماعت احمدیہ کی تاریخ میں سب سے پہلی عالمی بیعت ۱۹۹۳ء کے موقعہ پر اسلام آباد برطانیہ میں ملاقات ہوئی- عزیزم میاں غلام قادر صاحب کے بڑے بھائی اور مجھ سے عمر میں کچھ چھوٹے میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب نے ہنستے ہوئے ان سے میری ملاقات کروائی اور شرارت سے پوچھا کہ آپ نے اسے پہچانا؟ بڑے سوچ بچار کے باوجود بھی میں نے نہیں پہچانا کیونکہ میں وہاں ربوہ میں آپ کو ایک بچہ چھوڑ کر آیا تھا اور کہاں یہ ایک اونچا لمبا گبھرو جوان ؟ اور پھر پوری داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی لہذا باوجود خوب غور کرنے کے بھی واقعی میں پہچان نہ سکا- بہرحال تعارف کے بعد خوب گلے مل کر ملاقات ہوئی اور کافی دیر ہنسی مذاق ہوتا رہا اور بچپن کی باتیں یاد کر کر کے ہم سب خوب ہنستے رہے- مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب یہ ابھی تھوتھلا کر ہی بولا کرتے تھے تو زمین پر چلنے والی چیونٹی (کیڑی) کو یہ چیونٹی نہیں کہہ سکتے تھے اور جب ہم پیار سے پوچھتے کہ کیکے! بتاؤ یہ کیا ہے؟ تو یہ نہایت معصومیت سے چیونٹی اور کیڑی کے مرکب کو ملا جلا کر کہتے کہ چیلی - جسے سن کر ہم سب بڑے بے حد محظوظ ہوا کرتے تھے کیونکہ یہ اپنے بھولے مونہہ سے اتنے پیار سے یہ الفاظ کہتے کہ ہمیں خود بخود ہی ان پر پیار آیا کرتا تھا لہذا اس ملاقات کے موقعہ پر بھی میں نے جب انہیں کیکے میاں کی بجائے چیلی میاں کہہ کر پکارا تو سب بے اختیار مسکرا پڑے اور یوں یہ محفل بچپن کے دلچسپ لطائف اور واقعات کی بدولت خوب گرم رہی- مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک کیمرے سے بچپن میں مکرم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب اور آپ کی بڑی بہن صاحبزادی درثمین (ثمیں) صاحبہ کے فوٹو بھی سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے ساتھ کھینچے تھے کہ جن میں میری والدہ محترمہ صاحبہ بھی نمایاں تھیں- سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ اس وقت اپنے مونڈھے پر تشریف فرما تھیں لہذا میں نے ان دونوں بچوں کو سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کھڑا ہونے کو کہا اور یوں بہت سی تصویریں کھینچیں- ان میں سے ایک یادگاری تصویر اس وقت بھی میرے سامنے ہے اور اپنے امریکہ کے دورہ میں میں نے یہ تصویر وہاں موجود تمام خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز افراد کو بھی دکھائی کہ جسے دیکھ کر سب کی آنکھیں نم ہوگئیں- پھر ۱۹۹۳ء کے جلسہ سالانہ کے بعد میرے دوست مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد خالد (سیفی میاں) صاحب کی رہائش گاہ پر بھی ملاقات ہوتی رہی کہ جن ملاقاتوں کی یادگاری تصاویر اس وقت میرے سامنے موجود ہیں اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں لہذا ربوہ سے عزیز صاحبزادہ غلام قادر صاحب کی شہادت کی اطلاع پاتے ہی میں نے مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد خالد (سیفی میاں) صاحب کو لندن فون کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا دوست مودی (مکرم صاحبزادہ غلام قادر صاحب شہید کے بڑے بھائی صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب) ان دنوں لندن آیا ہوا ہے اور میں نے یہ اطلاع پاتے ہی اسے فوراً فون کر کے تاکیداً کہا کہ وہ مجھ سے ملتے جائیں کیونکہ ایک نہایت ضروری کام ہے اور وجہ نہیں بتائی تاکہ راستہ میں پریشانی نہ ہو اور پھر جب وہ گھر آیا تو میں نے اسے بھائی کی شہادت کی خبر دی اور پھر یہ اندوہناک خبر سنتے ہی وہ فوراً پاکستان روانہ ہوگیا- پس اسی افراتفری میں تم سے بھی بات نہ ہوسکی- عزیزم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب شہید، جماعت کے ایک پرخلوص، انتہائی دیانتدار اور محبّ کارکن تھے اور افسر ہو کر بھی خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہ سمجھتے تھے- اس سلسلہ میں آپ کے والد محترم حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب بیان کرتے ہیں :-

" اسی جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت کے موقعہ پر جب قادر (عزیزم میاں غلام قادر صاحب- ناقل) حضور انور کے ارشاد پر نمائندہ تحریک جدید کے طور پر لندن گیا تو فیصل آباد تک اُس کی والدہ، بیوی اور بچے بھی رخصت کرنے کے لئے ساتھ چلے گئے- اس موقعہ پر اُس نے اپنی والدہ اور

بیوی بچوں سے یہ وعدہ لیا کہ وہ راستہ میں رک کر کسی قسم کی خریداری نہیں کریں گے کیونکہ یہ گاڑی جماعت کے خرچ پر صرف ایئر پورٹ تک آئی ہے اور کسی اور مقصد کے لئے اس کا استعمال بھی ایک قسم کی خیانت ہوگی''۔حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب مزید بیان کرتے ہیں کہ:-'' قادر کی انہی پاکیزہ عادات کی بنا پر مجھے اپنے بیٹے کی قربانی پر فخر ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی دے کر ہمیں بھی افتخار بخشا''

اب انتہائی دکھی دل کے ساتھ احباب کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ میرے اپنے اس پیارے عزیز کی شہادت پر مجھے بھی صبر عطاء فرمائے نیز شہید احمدیت صاحبزادہ غلام قادر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور اس عظیم الشان جانی قربانی کی بدولت اس نوجوان فدائی کے درجات تا قیامت بلند سے بلند فرماتا چلا جائے۔آمین ثم آمین۔ بہرحال میری والدہ صاحبہ کی وفات کے وقت خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعزیت،شفقت اور محبت کی بدولت ہمارے غم میں ایک خاص قسم کی سکینت بھی شامل تھی بلکہ مجھے یاد ہے کہ جس دن میری والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی اسی دن شام کے وقت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی بیبیاں ازراہ مہربانی والتفات وشفقت ہمارے یہاں میری والدہ صاحبہ کا آخری مرتبہ مونہہ دیکھنے اور دعا دینے نیز تعزیت کے لئے تشریف لائیں اور یوں تقریباً ۲۱ رسال کے بعد ہماری ملاقات ہوئی تو حضرت صاحبزادی بی بی محمودہ بیگم (بُو مودی) صاحبہ اہلیہ حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ازراہ شفقت پوچھ ہی لیا اور فرمایا کہ:-
سُودے ! مجھے پہچانا؟ فرط عقیدت ومحبت سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور خوشی اور غمی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ میں نے عرض کیا کہ جی بُو صاحبہ! میں نے تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا ہے کیونکہ آپ ہی تو میرے سب سے زیادہ عزیز دوستوں مجو بھائی،تانی میاں اور مظفر کی امی ہیں اور پھر ہم سب بچے مل کر آپ ہی کے گھر میں دیر ہو یا سویر، سب سے زیادہ اودھم مچایا کرتے تھے اور شور ڈالا کرتے تھے اور کبھی اس چیز کی پرواہ نہ کی تھی کہ آپ کے آرام میں خلل ہوگا۔اس پر آپ اسی پرانے مامتا بھرے انداز میں مسکرا پڑیں اور فرمایا: میں تو سمجھی تھی کہ اتنی دیر کے بعد شاید تم مجھے پہچان بھی نہ سکو گے۔پھر آپ نے خاکسار کی دلداری کے لئے کچھ نصائح کیں اور کچھ واقعات بھی سنائے اور دلداری کے لئے حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الباسط بیگم (بی بی باچھی) صاحبہ کے ساتھ رات گئے تک ہمارے یہاں مقیم رہیں۔جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

حضرت بُو محمودہ بیگم صاحبہ کے مختلف واقعات سنانے سے مجھے یاد آیا کہ مجھے اور میرے ہم عمر صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (وکٹر) صاحب کو کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق ہوا کرتا تھا لیکن میرے دوست صاحبزادہ مرزا عمر احمد (تانی میاں) صاحب کو کھیلنے کی نسبت ریڈیو پر رننگ کمنٹری سننے کا زیادہ شوق ہوا کرتا تھا اور اس مقصد کے لئے پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کھیلوں کے دوران وہ اپنا ایک قیمتی ٹرانزسٹر ریڈیو اٹھائے کبھی یہاں کبھی وہاں جایا کرتے تھے لیکن عموماً یہ کھیل گرمیوں کے سیزن میں ہوا کرتے تھے لہذا اگر آپ کے گھر میں کمنٹری سنتے تو حضرت صاحبزادی بی بی محمودہ بیگم صاحبہ ہمارے لئے ہر وقت ٹھنڈے جُوس یا شربت وغیرہ کا انتظام کرواتیں اور ان دنوں ہمارے آرام کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں کہ یہ کمنٹری سن رہے ہیں لہذا کسی کام کے لئے انہیں تنگ نہ کیا جائے اور پھر عمدہ قسم کے مختلف کھانے بھی پکوا کر ہمارے لئے رکھوا دیا کرتی تھیں کہ کمنٹری سنتے سنتے کبھی کبھی جوش وخروش کی بدولت یونہی بھوک بھی لگ جاتی ہے غرض ہماری صحت کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں اور یوں مجومیاں (مجو بھائی) ،تانی میاں، مظفر میاں اور یہ خاکسار آپ کے گھر بیت الاحسان (حلقہ بیت مبارک) کے کسی ٹھنڈے کمرہ میں شوق سے رننگ کمنٹری سنا کرتے تھے یا کوئی اور کھیل کھیلا کرتے تھے مثلاً کیرم بورڈ وغیرہ لہذا یہ پیاری شفقتیں کوئی بھلا دینے والی چیز ہیں؟ نہیں خدا کی قسم کبھی نہیں۔بہرحال جرمنی واپس چلے آنے سے چند دن پہلے جب میں اپنی ہمشیرہ عزیزہ زبیدہ نسیم (بیدی) صاحبہ کے ہمراہ آپ کے یہاں بیت الاحسان ربوہ میں شکریہ ادا کرنے

کے لئے حاضر ہؤا تو آپ نے بڑی محبت اور شفقت سے میرے بچپن کے بعض دلچسپ واقعات سنائے اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو تانی یعنی صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب- جو کہ اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ اس وقت وہیں ہمارے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے- تو تمہاری خالہ اماں سکینہ بیگم (زوجہ محترمہ قاضی دین محمد قریشی صاحب آف قادیان) کا رضاعی بیٹا بھی ہے- یہ سن کر اپنی ملاقات کی خوشی کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک اور بھی خوشی نصیب ہوئی کہ دیکھو احمدیت کے رشتے کتنے مضبوط ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو میں ہر وقت خاندان مبارکہ کے لئے دعاؤں میں مشغول رہتا ہوں کہ اے میرے اللہ! ان بابرکت بزرگوں کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم و دائم رکھنا اور ہماری خاندان مبارکہ سے محبت اور خاندان مبارکہ کی ہم پر شفقت کو مزید بڑھانا- آمین

اپنی والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد جب میں اسی دن صبح آٹھ بجے دفتر بہشتی مقبرہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں اپنی والدہ محترمہ صاحبہ کی وصیت کا بقایا حساب کتاب صاف کرنے کے لئے گیا تو مکرم صاحبزادہ مرزا صمد احمد صاحب سیکرٹری وصایا مجلس کارپرداز صدر انجمن احمدیہ سے ملاقات ہوئی- انہوں نے مجھے فوراً اندر اپنے دفتر میں بلوالیا اور پھر کارکنان کو جلدی تمام معاملات طے کرنے کا ارشاد فرمایا لیکن میری والدہ صاحبہ محترمہ تو اپنی زندگی میں ہی تمام حساب کتاب چکا چکی تھیں اور کچھ زائد ہی تھا- اس پر میں نے کہا کہ اس کو صدقہ دے دیں تو دفتر کے ایک معزز کارکن نے بتایا کہ جو زائد ہو وہ واپس نہیں کیا جاتا لہذا ایک ہی بات ہے- یہاں کاغذی کاروائی میں کچھ دیر تھی لہذا میں نے سوچا کہ اس دوران اپنے محسن امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو بھی اطلاع دے دوں- دفتر وصایا جو کہ صدر انجمن کی اوپر کی منزل پر ہے وہاں سے میں آپ کے دفتر نچلی منزل کو جا ہی رہا تھا کے راستہ کے ایک کونہ میں نظارت درویشان کا دفتر نظر آیا دیکھا تو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں میرے انگریزی کے پروفیسر حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی فوراً اجازت لے کر اندر چلا گیا- حضرت میاں صاحب اٹھ کر بڑے تپاک سے گلے ملے اور حال احوال پوچھا اور میری والدہ صاحبہ کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا اور میری دلداری کی باتیں کرتے رہے- کچھ دیر کے بعد میں مجبوراً وقت کی کمی کے باعث ان سے اجازت لے کر آگے چلا اور حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب امیر مقامی کے دفتر میں اپنے حاضر ہونے کی اطلاع دی- حضرت میاں منصور احمد صاحب نے از راہ شفقت مجھے فوراً اندر بلوالیا- اب اگر آپ کی بات چل ہی نکلی ہے تو میرا فرض ہے کہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عظیم بیٹے نیز اس دلیر احمدی انسان کے بارہ میں بھی کچھ لکھوں کیونکہ یہ جماعت کی امانت ہے اور ان مندرجہ ذیل سطور میں جماعت احمدیہ کی بقاء اور نشو ونما کے بارہ میں بعض ایسی باتیں ہیں کہ جن کا تصور بھی ۱۹۷۴ء کے فسادات کے دوران یا اس سے پہلے شاید ہی کوئی احمدی کر سکتا تھا- خاکسار کی والدہ محترمہ کی وفات پر صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ و امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب، ناظر خدمت درویشاں صدر انجمن احمدیہ ربوہ حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد (کھوچی میاں) صاحب، افسر دارالضیافت حضرت صاحبزادہ مرزا انور احمد (میاں انو) صاحب ، حضرت صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب اور سیکرٹری مجلس کارپرداز مکرم صاحبزادہ مرزا صمد احمد صاحب نے بھی اپنی ملاقاتوں میں اپنی جانب سے بہت تعزیت کا اظہار کیا نیز صاحبزادہ حضرت مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب امیر جماعت احمدیہ USA ،حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب پاکستان چپ بورڈ فیکٹری جہلم اور بریگیڈیر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب نے فون پر تعزیت فرمائی اور امام وقت سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اپنی اس محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا جو کہ اس معزز اور مقدس خاندان کو ہم سے ہے- ان معزز بزرگوں کے علاوہ وقف زندگی عزیزم مکرم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب کے علاوہ میں اپنے محسن گارڈین حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب وقف زندگی، حضرت صاحبزادہ بریگیڈیئر وقیع الزمان خان صاحب، صاحبزادہ مرزا مظہر احمد (مجو میاں) صاحب اور صاحبزادہ مرزا عمر احمد

(تانی میاں) صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ آپ سب نے کمال شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے بہ نفس نفیس تشریف لا کر ہمارے غم میں شرکت فرمائی اور اور میرے قیام پاکستان کے دوران بار بار تشریف لا کر دلداری فرماتے رہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء فِی الدُّنیَا وَالْآخِرَۃِ

☆

ایک نڈر مرد مجاہد

اَمَرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّع

عَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّع

''خدا تعالیٰ اسے توقع کے خلاف لمبی عمر دے گا''

(تذکرہ طبع اول صفحہ ۶۶۶-۶۶۷)

بہ تقدیر الٰہی خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند ایک بزرگ ہستیاں مثلاً:- حضرت چھوٹی آپا بی بی ام متین بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت نواب محمد احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادہ وقیع الزمان خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادی امتہ المجید (بی بی موجن) صاحبہ نور اللہ مرقدہا۔ حضرت صاحبزادہ ناصر احمد سیال صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادہ بریگیڈیئر ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت صاحبزادی محمودہ بیگم (بومودی) صاحبہ نور اللہ مرقدہا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت صاحبزادی امتہ الباسط بیگم (بی بی باچھی) صاحبہ نور اللہ مرقدہا اب ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اب بھی جب کبھی اپنے ان معزز و محترم پیارے بزرگوں کی شفقت اور محبت یاد آتی ہے تو بے اختیار یہ فارسی شعر مونہہ سے نکلتا ہے جو کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹیؓ کی وفات پر آپؓ کے کتبہ کے لئے تحریر فرمایا تھا:-

اے خدا بر تربتِ اُو بارشِ رحمت بِبار
داخلش کُن از کمالِ فضل در بیتِ النعیم (درثمین فارسی)

ان بزرگوں کی وفات سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے کیونکہ ان سب نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک جماعت کی انتہائی محنت، لگن اور جانفشانی سے خدمت کی اور خلفائے وقت کی دل و جان سے اطاعت کرنے میں زندگی بسر کی۔ آپ کی ان بے مثال قربانیوں اور اعلیٰ خوبیوں کی بدولت آپ کی ذات گرامی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور تاریخ احمدیت میں ان کا نام یقیناً سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حالات زندگی پر غور کرتے ہوئے یاد آیا کہ ربوہ کے محلہ دارالصدر شمالی اور شرقی کے

درمیان واقع حلقہ مسجد مبارک (موجودہ حلقہ بیت المبارک) کی ایک کرکٹ ٹیم ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۰ء قائم ہوئی کہ جس میں حضرت صاحبزادہ مرزاانوراحمد (میاں انو) صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا اظہراحمد (میاں اجی) صاحب، مکرم صاحبزادہ نواب حامداحمد خان (میاں حامی) صاحب، مکرم صاحبزادہ نواب محمود احمد خان (اودی میاں) صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزاادریس احمد (اچھی میاں) صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزامغفوراحمد (فُوری میاں) صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزامسروراحمد (سُری میاں) صاحب موجودہ امیرالمؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مکرم مولانا منیرالدین شمس صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزاعمراحمد (تانی میاں) صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزامظفراحمد (وکٹر) صاحب اور یہ عاجز خاکسار مقصوداحمد نسیم (سودے خاں) بھی شامل تھے۔ ہمارے علاوہ ہم سے کچھ کم عمر کے صاحبزدگان مکرم صاحبزادہ مرزااحسن احمد صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا طیب احمد صاحب، مکرم صاحبزادہ سید قمر سلیمان احمد (بّبی میاں) صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزاتسلیم احمد (بے بی میاں) صاحب اور مکرم صاحبزادہ مرزاصمداحمد صاحبان بھی شامل رہے اور ہماری ٹیم کے کپتان مکرم سعیداحمد صاحب محلّہ دارالرحمت فیکٹری ایریا کے ہؤا کرتے تھے اور مکرم انیس احمد صاحب گولبازار سے ہماری ٹیم کے مستقل ممبر ہؤا کرتے تھے۔ اس کرکٹ ٹیم کی ایک نشانی آج تک میرے دائیں ہاتھ کی دوسری دائیں انگلی پر موجود ہے کیونکہ ان دنوں ہم لوگ گلوز یعنی دستانے وغیرہ پہنے بغیر کرکٹ کھیلا کرتے تھے اس لئے ایک مرتبہ جب میں بیٹنگ کرر ہاتھا تو باؤلر حضرت اجی میاں صاحب کی گیند باؤنس ہوکر میرے بلے کو لگنے کی بجائے میرے ہاتھ پر آ لگی اور اس بیچاری انگلی کا کام ہوگیا۔ اس سانحہ کو دیکھ کر سب نے توبہ کی اور دیرآید درست آید کے مترادف اگلے ہی دن مختلف قسم کا جسمانی حفاظتی ساز وسامان گولبازار کے داؤد جنرل سٹور (بعد میں نوید جنرل سٹور) سے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کے لئے خرید لیا گیا لیکن میں تقریباً دو تین ہفتے کرکٹ کھیلنے سے معذور رہا اور اس معذوری کی حالت میں بحالت افسوس میں ایمپائر بننے کے ساتھ ساتھ گراؤنڈ سے باہر بیٹھا کاپی پر سکور یعنی رنز ۔ اوور OVER اور وکٹیں وغیرہ لکھنے جیسے کام کرتا رہا لیکن چونکہ ایک کھلاڑی میدان میں ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرسکتا ہے اور بقیہ کام خواہ وہ کتنے ہی ضروری کیوں نہ ہوں اسے نہایت غیراہم نظر آتے ہیں اس لئے وہ دن بہت مشکل سے کٹے۔ RUNS &

ان دنوں ہم سب لوگ حضرت صاحبزادہ مرزامنصوراحمد صاحب کے مکان کے عین سامنے کھلے میدان میں روزانہ عصر کی نماز کے بعد مغرب کی اذان تک کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ ایک تو کرکٹ کی سخت گیند پر کرکٹ کے بلے (بیٹ) کی زوردار ٹھک کی آواز دور دور تک جایا کرتی تھی اور دوسرے کسی چوکے یا چھکے یا کیچ آؤٹ پر ہمارے نعرے۔ غرض اچھا خاصا ہنگامہ برپا رہتا تھا لیکن میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزامنصوراحمد صاحب یا حضرت صاحبزادہ مرزاطاہراحمد صاحب نے کبھی بھی ہم سے شکایت کی ہو کہ بھئی کہیں اور جا کر کھیلو کیونکہ یہ تو ہمارے آرام کرنے کا وقت ہے کیونکہ ابھی ابھی تو ہم سب دفتروں سے تھکے ہارے واپس آئے ہیں۔ اور اس وقت کسے آرام وسکون کی تلاش نہیں ہوتی ؟ ربوہ کی اسی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی مکرم مولانا منیرالدین شمس صاحب ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن برطانیہ بیان کرتے ہیں کہ کرکٹ کھیلتے ہوئے عموماً چوکے اور چھکے وغیرہ بھی لگا کرتے تھے لیکن اگر کسی گیند پر ہم چھکا وغیرہ لگاتے اور وہ بال حضرت میاں منصوراحمد صاحب کے گھر جا پڑتا تو اس گیند کو وہاں سے واپس لانے کے لئے مشکل سے ہی کسی کو ہمت ہوتی تھی کہ جا کر بال مانگے ۔ ربوہ کے مختلف محلّہ جات میں مختلف انواع کے کھیل مثلاً باسکٹ بال۔ فٹبال۔ والی بال۔ گتکا۔ گلی ڈنڈا۔ میروڈبہ اور کرکٹ وغیرہ کھیلے جاتے تھے اس لئے کرکٹ کے نام سے یاد آیا کہ ربوہ میں کرکٹ کھیلنے کے لئے سب سے پہلی سیمنٹ کی پکی PITCH پچ مکرم صاحبزادہ نواب حامداحمد خان صاحب نے اپنے گھر کے شمال مغرب میں حضرت صاحبزادی بی بی امتہ السلام بیگم صاحبہؓ کی زمین پر بنوائی تھی لیکن یہ پچ چونکہ حلقہ مسجد (بیت) مبارک سے دُور پڑتی تھی لہذا ہم لوگوں نے حلقہ مسجد مبارک کی کچی گراؤنڈ میں ہی کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ بلکہ مجھے یاد ہے کہ بعض اوقات حضرت صاحبزادہ مرزاطاہراحمد (میاں طاہری) صاحبؒ اپنے سائیکل پر وہاں سے

گزرتے ہوئے بچوں کے KG سکول کے قریب کھڑے ہو کر ہمارے کھیل کا مشاہدہ بھی فرمایا کرتے تھے نیز اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی کبھی کبھی اپنے گھر کے گیٹ کے باہر تشریف لا کر کچھ دیر کے لئے ہمارے کھیل کو دیکھا کرتے تھے۔اس کے علاوہ بھی آپ ہی کا گھر ہم سب بچوں کے لئے ہر وقت چائے خانہ، بیکری اور مٹھائی کی دوکان یعنی بھوک اور پیاس کو بجھانے کی بہترین جگہ ہؤا کرتی تھی۔اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر سے نوازے۔آمین

اب میں واپس اپنے اصل مضمون کی جانب آتا ہوں کہ ۱۹۷۴ء کے واقعات یک دم ہی رونما نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی باقاعدہ منصوبہ بندی کافی عرصہ پہلے سے جاری تھی۔مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۳ء کی گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران خاکسار کے سب سے بڑے بہنوئی بھائی جان قاضی مبارک احمد صابر صاحب قریشی جو اُن دنوں داہران سعودی عرب میں ARABIAN AMERICAN OIL COMPANY (ARAMCO) کے ہسپتال کے دفتر میں ملازم تھے انہوں نے بتایا کہ آج کل سعودی عرب میں ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہمارے خلاف مخالفت اپنے جوبن پر ہے اوراس کے علاوہ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ ان دنوں سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ ساتھ دوسرے مختلف مسلمان ممالک میں مقیم احمدی افراد کو بھی خوامخواہ پریشان کیا جا رہا تھا لیکن اس الاؤ پر جلتی کا کام ۲۲رفروری ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے شہر لاہور میں منعقد ہونے والی مسلم سربراہ کانفرنس کے موقعہ پر ہؤا اوراس کے بعد تو گویا پاکستان کے نام نہاد مسلمان علما کو کھلی چھٹی مل گئی تھی کہ وہ ہم معصوم احمدیوں کو اپنا نشانہ ہدف بنالیں اور یہ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ ان دنوں نماز جمعہ بلکہ تقریباً ہر نماز کے بعد بہت سی پاکستانی مساجد میں، اللہ تعالیٰ کے اس پاک گھر میں کہ جہاں مسلمان صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں یعنی ان پاکیزہ مقامات پر بھی اللہ اوراس کے رسول ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی بجائے احمدیوں پر دعا کا نام لے کر لعن طعن کی جاتی تھی۔خرافات سنائی جاتی ہیں اور مغلظات بکی جاتی ہیں حالانکہ یہ مقدس مساجد روز ازل سے ہی صرف اور صرف اللہ کی عبادت اور حمد وثنا کے لئے مخصوص ہیں۔لہذا ایک دینی اور سیاسی بصیرت رکھنے والے احمدی کے لئے ۳۰رمئی ۱۹۷۴ء کا واقعہ کوئی اچنبھے کا واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا ایک حصہ تھا اور مؤرخہ ۱۸رمئی ۱۹۷۴ء کو ہندوستانی وقت بمطابق IST 08:04:55 اور پاکستانی وقت بمطابق PST 07:34:55 اور انٹرنیشنل وقت بمطابق UTC 02:34:55 کو ہندوستان کے شہر پوکھران (Pokhran at 26.92N , 71,92E) کے قریب ہندوستان نے ۱۲،۰۰۰ ٹن کی طاقت والے ایٹمی بم کا دھماکہ کیا۔پوکھران کا شہر پاکستان کے سرحدی قصبہ کا کی والا ٹوبہ سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً ایک سوانتیس (۱۲۹) کلومیٹر یا تقریباً اسی (۸۰) میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ہندوستان کے اس سب سے پہلے ایٹمی دھماکہ کے بعد ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ تمام ارکانِ حکومت اور نام نہاد علمائے اسلام عبرت پکڑتے اور قوم کو اس نازک موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یکجا ہو کر اکٹھا کرتے لیکن افسوس کہ اس قسم کے کسی نیک کام کو سرانجام دینے کی بجائے وہ کسی نہ کسی کو اپنی تمام لاپرواہیوں کا ذمہ دار ٹھہرا کر موردِ الزام کرنا چاہتے تھے تاکہ عوام کی توجہ اس نہایت اہم معاملہ کی بجائے کسی اور جانب مبذول کی جائے۔اسی لئے بیشتر پاکستانی اخبارات نے بھی ان دنوں میانہ روی کی روش کو چھوڑ کر محض اپنی ازلی اور ابدی احمدیت دشمنی کی خاطر جانبدارانہ رویہ اختیار کر لیا تھا کیونکہ ادھر کوئی انہونی بات ایک اخبار میں چھپتی تو اگلے دن یا چند دن کے بعد اسی کا ردّ بھی کسی نہ کسی عدالت کی طرف سے شائع کر دیا جاتا تھا لیکن افسوس ہوتا تھا تو صرف ایسے بے غیرت صحافی حضرات پر کہ جو اِن واقعات کو دیکھے بنا صرف سنی سنائی انہونی باتوں کو خوب نمک مرچ لگا کر موٹی موٹی شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپ دیا کرتے تھے حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل خلاف ہوتا تھا لیکن جب مختلف عدالتوں کی جانب سے انہی جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کا ردّ اخبارات کو بھیجا جاتا تھا تو اسے ایک کونے میں کسی غیر اہم خبر کے طور پر چھاپ دیا جاتا تھا کہ جیسے عدالتیں جھوٹ بول رہی ہوں اوران اخبارات کے بے دید اور چشم بصیرت سے اندھے نام نہاد صحافی دیکھے بغیر سچے واقعات کی رپورٹنگ کر رہے ہوں۔

یہ کتاب لکھتے ہوئے میرا دل تو چاہتا تھا کہ میں ایسے تمام جھوٹے اور بدزبان نیز بے دید پاکستانی صحافیوں اور ملاؤں کے نام لے لے کران کے بارہ میں کچھ سخت سست الفاظ تحریر کروں کیونکہ ان کے نام میرے ذہن میں آج بھی موجود اور محفوظ ہیں۔ان نام نہاد مسلمان رپورٹروں کی بدقسمتی کہ اس زمانہ میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے شعبہ ہسٹری کا صدر ہونے کی وجہ سے وہ تمام اخبارات میں نے محفوظ کر لئے تھے اور اس کتاب کے بعض مقامات پر میں نے ایسا کرنے کی کوشش بھی کی کیونکہ ان نام نہاد مسلمان صحافیوں اور خود ساختہ ملاؤں نے مذہب اسلام کا پاکیزہ لبادہ اوڑھ کر ۱۹۷۴ء میں اور بعد میں بھی آج تک صریح جھوٹ بولتے ہوئے صحافت بلکہ انسانیت کی بھی مٹی پلید کی تھی لیکن میں قربان جاؤں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے کہ آپ نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ تاکیداً ارشاد فرمایا کہ:-

''اس کتاب میں کسی قسم کے سخت الفاظ استعمال نہ کئے جائیں نہ لکھے جائیں اور جو ہیں انہیں اس کتاب میں سے باہر نکال دیا جائے''

سبحان اللہ کہاں ان نام نہاد سرکاری مسلمانوں کا کمزور ترین دین جو کہ چند ٹکوں کی خاطر بک جاتا ہے اور بک گیا اور یہ لوگ سنی سنائی اور جھوٹی خبروں کو بھی خوب نمک مرچ لگا کر پیش کرتے رہے اور کہاں ایک باغیرت احمدی مسلمان کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن وحدیث اور سنت نبویہؐ پر مضبوط ترین ایمان صالحہ کہ ان کے جھوٹ سے تعرض نہ کرتے ہوئے چشم پوشی کی تعلیم دی- بہر حال اس ارشاد کے بعد مجھے ایک مرتبہ پھر اس تمام کتاب کے لفظ لفظ پر نظر ثانی کرنا پڑی یعنی اس کتاب کو بالکل ایک نئے سرے سے ترتیب وتشکیل دینا پڑا- یہ ایک نہایت محنت طلب کام تھا کہ جس کی بنا پر اس کتاب کی چھپائی میں دیر سے دیر ہوتی چلی گئی لیکن شکر الحمدللہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کام کو بھی سرانجام پہنچانے کی توفیق بخشی- حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کی اس اعلیٰ ظرفی پر خاکسار کو سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمان یاد آ گیا جو کہ میں یہاں افادہ عام کے لئے پیش خدمت کرتا ہوں- حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا:-

''اے علماء قوم! جو میرے مکذب اور مکفر ہیں یا میری نسبت متذبذب ہیں- آج میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک مرتبہ پھر آپ صاحبوں کی خدمت میں مصالحت کے لئے درخواست کروں- مصالحت سے میری یہ مراد نہیں کہ میں آپ صاحبوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کے لئے مجبور کروں یا اپنے عقیدہ کی نسبت اس بصیرت کے مخالف کوئی کمی بیشی کروں جو خدا نے مجھے عطاء فرمائی ہے بلکہ اس جگہ مصالحت سے صرف یہ مراد ہے کہ فریقین ایک پختہ عہد کریں کہ وہ اور تمام وہ لوگ جو ان کے زیر اثر ہیں ہر قسم کی سخت زبانی سے باز رہیں اور کسی تحریر یا تقریر یا اشارہ کنایہ سے فریق مخالف کی عزت پر حملہ نہ کریں اور اگر دونوں فریق میں سے کوئی صاحب اپنے فریق مخالف کی مجلس میں جائیں تو جیسا کہ شرط تہذیب اور شائستگی ہے فریق ثانی مدارت سے پیش آئیں-

یہ تو ظاہر ہے کہ انجام کار انہی اصولوں یا مدارت کی طرف لوگ آ جاتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ ایک فریق دنیا میں پھیل گیا ہے- جیسا کہ آج کل حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی- باوجود ان سب اختلافات کے جن کی وجہ سے مکہ معظّمہ کی ارض مقدسہ بھی ان کو ایک مصلّہ پر جمع نہیں کر سکی- ایک دوسرے سے مخالفت اور ملاقات رکھتے ہیں لیکن بڑی خوبی کی یہ بات ہے کہ کسی اندرونی فرقہ کی ابتدائی حالت میں ہی اس سے اخلاقی برتاؤ کیا جائے- خدا جس کو نیست ونابود کرنا چاہتا ہے وہی نابود ہوتا ہے- انسانی کوششیں کچھ بگاڑ نہیں سکتیں- اگر یہ کاروبار، خدا کی طرف سے نہیں ہے تو خود یہ تباہ ہو جائے گا اور اگر خدا کی طرف سے ہے تو کوئی دشمن اس کو تباہ نہیں کر سکتا- اس لئے محض قلیل جماعت خیال کر کے تحقیر کے در پہ رہنا، طریق تقویٰ کے برخلاف ہے-

یہی تو وقت ہے کہ ہمارے مخالف علماء اپنے اخلاق دکھلائیں ورنہ جب یہ احمدی فرقہ دنیا میں چند کروڑ انسانوں میں پھیل جائے گا اور ہر ایک طبقہ کے

انسان اور بعض ملوک بھی اس میں داخل ہو جائیں گے- جیسا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے تو اس زمانہ میں تو کینہ و بغض خود بخود لوگوں کے دلوں سے دور ہو جائے گا- لیکن اس وقت کی مخالطت اور مدارات، خدا کے لئے نہیں ہوگی اور اس وقت مخالف علماء کا نرمی اختیار کرنا تقویٰ کی وجہ سے نہیں سمجھا جائے گا- تقویٰ دکھلانے کا آج ہی دن ہے جب کہ یہ فرقہ دنیا میں بجز چند ہزار انسان سے زیادہ نہیں اور میں نے یہ انتظام کرلیا ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے کوئی ایسا مضمون شائع نہیں کرے گا جس میں آپ صاحبوں میں سے کسی صاحب کی تحقیر اور توہین کا ارادہ کیا گیا ہو اور اس انتظام پر اس وقت سے پُورا عمل درآمد ہوگا جب کہ آپ صاحبوں کی طرف سے اسی مضمون کا ایک اشتہار نکلے گا کہ آئندہ آپ پُورے عہد سے ذمہ دار ہو جائیں گے کہ آپ صاحبان اور نیز ایسے لوگ جو آپ کے زیر اثر ہیں یا زیر اثر سمجھے جاسکتے ہیں ہر ایک قسم کی بدزبانی اور ہجو اور سب وشتم سے مجتنب رہیں گے اور اس نئے معاہدے سے آئندہ اس بات کا تجربہ ہو جائے گا کہ رڈ لکھیں اور نہ ہم اس طریق سے دستکش ہو سکتے ہیں لیکن دونوں فریق پر واجب ہوگا کہ ہر ایک قسم کی بدزبانی اور بدگوئی سے مونہہ بند کرلیں-

مجھے بہت خوشی ہوگی جب آپ کی طرف سے یہ اشتہار پہنچے گا اور اسی تاریخ سے ان تمام امور پر ہماری طرف سے عمل درآمد شروع ہوگا- بالفعل اس اندرونی تفرقہ کے مٹانے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں- آئندہ جس فریق کے ساتھ خدا ہوگا وہ خود غالب ہوتا جائے گا- دنیا میں سچائی اوّل چھوٹے سے تخم کی طرح آتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے- جو پھل اور پھول لاتا ہے اور حق جوئی کے پرندے اس میں آرام کرتے ہیں- المشتہر مرزا غلام احمد- قادیان- ۵/مارچ ۱۹۰۱ء- (اخبار الحکم قادیان نمبر ۹ جلد ۵، ۱۰/مارچ ۱۹۰۱ء)

پس اپنے مقدس آقا کی اس پاکیزہ تحریر کے صدقے ان نام نہاد مسلمان جھوٹے صحافیوں اور قرآن وحدیث کی تعلیم سے بے بہرہ نام نہاد مسلمان ملاؤں کو سخت سست کہنے کا ارادہ میں نے تبدیل کرلیا ہے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پاکستان کے مہذب اخبارات کو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنی سنائی خبریں بغیر کسی مستند تصدیق کے چھاپیں اور پھر جب کہ ان اخبارات کے نمائندے اور ایڈیٹر نیز چیف ایڈیٹر اور ان کے مالکان سرکاری مسلمان بھی ہوں تو اُن سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ ثبوت مہیا کئے بغیر اور بغیر جانچے اور بغیر دیکھے بھالے کسی بھی قسم کی خبر کو یونہی چھاپ دیں- بہرحال ان اخبارات کے نام نہاد مسلمان مالکان اور مدیروں نیز رپورٹروں کی اسی نازیبا دیدہ دلیری سے مجھے آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث یاد آگئی لیجئے آپ بھی پڑھ لیجئے اور پھر بتایئے کہ ان جھوٹے صحافیوں اور بدزبان ملاؤں کے اخلاق سے گرے ہوئے حیا سوز کردار کو کیا کہا جائے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان تو کچھ اور ہی ہے: حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ:-

''چار باتیں ایسی ہیں کہ جن میں سے کوئی ایک بھی جس شخص میں ہوگی وہ منافق ہوگا کیونکہ وہ شخص: (۱) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے- (۲) جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے- (۳) جب معاہدہ کرتا ہے تو بدعہدی کرتا ہے اور (۴) جب جھگڑتا ہے تو بدزبانی سے کام لیتا ہے''- (الفضل انٹرنیشنل لندن- ۲۶/نومبر ۱۹۹۹ء صفحہ ۵)

پس ثابت ہؤا کہ ۱۹۷۴ء کے ان ایام میں پاکستان کے کم وبیش تمام اخبارات کے مالکان- مدیران (ایڈیٹروں) اور صحافیوں (نامہ نگاروں) نے خدا خوفی کے بغیر بے دھڑک کھلم کھلا جھوٹ بولا اور نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ ساتھ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے معصوم مسلمان عوام کو بھی دھوکہ دے کر از روئے اوپر درج حدیث شریف کے گمراہ کرنے کا منافقانہ جرم کیا- اس لئے میں پاکستانی اخبارات کے ان تمام

مالکان۔مدیران اورصحافیوں کی ان تمام شرمناک جھوٹی کارگزاریوں کی شدید مذمت کرتا ہوں اوران کی حرکات پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰاجِعُوْنَ ٥ (البقرة:۱۵۷) پڑھتے ہوئے یہ بھی کہتا ہوں کہ:-لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥ (ال عمران : ۶۲)۔اور جھوٹوں پراللہ کی لعنت ڈالیں۔

یہاں ایک بات اوربھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ اِن ''اَن ہونے واقعات'' کے بعد جب پاکستان کی مختلف عدالتوں کی طرف سے ان منافقوں کے لگائے گئے جھوٹے الزامات کی تردید کا اعلان کیا گیا تھا تو ان اخبارات کے مالکان کو چاہئے تھا کہ وہ ایسے تمام نام نہاد رپورٹروں، نام نہادصحافیوں، نام نہاد ایڈیٹروں اور نام نہاد کالم نگاروں کی چھٹی کروادیتے لیکن افسوس کہ وہ مالکان بھی تو انہی نام نہاد مسلمانوں کے اس گروہ میں شامل ہیں کہ جنہیں منافع زیادہ عزیز ہے خواہ وہ ذلت آمیز جھوٹ بول کر ہی کیوں نہ کمایا جائے؟ اس لئے اسلام کے یہ تمام دشمن یعنی منافق (بحوالہ اوپر درج حدیث نبویؐ) صحافی اپنے مالکان کی شہ پر اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان رہے اور کسی ایک بھی صحافی کو اس کے کام سے فارغ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ کسی ایک بھی صحافی کا اِن جھوٹی خبروں کو بہم پہنچانے کے لئے معافی نامہ تو کیا معذرت نامہ تک بھی اخبارات میں شائع نہیں ہوا-کیا صحافت اسی کا نام ہے ؟ کیا جھوٹ بولنے والے سرکاری مسلمان صحافی، سرکاری مسلمان مقالہ نگار، سرکاری مسلمان ایڈیٹر یعنی مدیر منافق نہیں؟ کیا مذہب اسلام نعوذ باللہ ایسے ہی ''جھوٹ اور منافقت'' کا نام ہے؟ نہیں۔بالکل نہیں۔قطعاً نہیں۔پس : لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥(ال عمران : ۶۲)۔اور جھوٹوں پراللہ کی لعنت ڈالیں

ایک جرمن اخبار کا ۱۹۸۸ء تا ۲۰۰۲ء تک مدیر یعنی (EDITOR) ایڈیٹر ہونے کے ناطے میں کافی عرصہ تک پاکستان میں موجود ایسے مظلوم اور مجروح اور مفلوج افراد کو تلاش کرتا رہا کہ جن کی آنکھیں نعوذ باللہ احمدیوں نے نکال دی ہوں اور ناک، زبان، کان اور ہاتھ پاؤں یا کوئی دوسرے جسمانی اعضا احمدیوں نے خدانخواستہ کاٹ دیئے ہوں اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ میرے علاوہ ریڈ کراس اور اقوام متحدہ کے ہیومن رائٹس جیسے ادارے بھی ان معذوروں کی تلاش میں آج تک ناکام رہے لیکن چونکہ جھوٹ کے کوئی ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے لہٰذا میں انتہائی افسوس کے ساتھ یہاں یہ سطور تحریر کررہا ہوں کہ یہ نام نہاد زخمی مظلوم افراد مجھے آج تک کہیں دکھائی نہیں دیئے اور نہ ہی کہیں نظر آئے اور یہ لُولے-لنگڑے -اندھے-کانے اور بولے نیز گونگے نام نہاد مظلوم افراد مجھے ملتے بھی تو کیسے ؟ اور نظر آتے بھی تو کہاں اور کس جگہ ؟ کیونکہ اگر یہ دنیا کے کسی کونے میں موجود ہوتے تو ملتے ؟ دراصل ہم احمدیوں نے ان متعصب علما اور دروغ گو اخباری نمائندوں یعنی نام نہاد مسلمانوں کے ناک ۔کان اور زبان کو قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ کے حوالہ جات سنا سنا کر کاٹ دیا ہے کہ یہ لوگ اب باعث شرم تمام دنیا بھر میں اپنا مونہہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے کیونکہ انہوں نے ختم نبوت کے جھوٹے نعرے لگا لگا کر اسلام کو یعنی اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ محمدؐ احمدؐ ﷺ کے امن پسند مذہب کو تمام دنیا بھر میں اپنی انہی کرتوتوں سے ذلیل وخوار کرکے رکھ دیا ہے لہٰذا اس شرمندگی کے باعث تمام دنیا بھر کے عوام کے سامنے ان کی ناک کٹ چکی ہے اور اپنی صداقت کے لئے انہیں کوئی ایسی حدیث یا قرآنی آیت نظر نہیں آتی جو کہ ان کے جھوٹے دعووں کو درست قرار دیتی ہو حتیٰ کہ مسلمان ہونے کے لئے جو کلمہ یعنی کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت بھی پڑھا جاتا ہے اس میں بھی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد صرف مُـحَـمَّـد'' رَّسُـوْلُ اللّٰهِ کا ہی ذکر ہے اور بس۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں ذرا سا بھی شک وشبہ ہے-نہیں قطعاً نہیں۔بلکہ میں تو آنحضرت ﷺ کو انتہائی سچے دل سے خاتم النبیین جانتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا پیارا نبی کہ جس پر شرعی نبوت اپنی تمام ترخصوصیات اور ہرطرح کی خوبیوں کے ساتھ ختم ہوگئی، یعنی خدا تعالیٰ کی شریعت کاملہ انتہا کی ایسی بلندیوں تک پہنچ گئی کہ اب اس کے بعد کسی اور نئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، یعنی آنحضور ﷺ کے بعد اب کوئی شارع نبی نہیں آسکتا لیکن حضور ﷺ کی متابعت میں ظلی اور

امتی نبی آسکتا ہے اور خدا کے فضل سے آ گیا ہے یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لہذا اس کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ

لَآ اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

یعنی ان پاکیزہ اور متبرک الفاظ کی صورت میں بھی ان خود ساختہ نام نہاد مسلمان علما کی زبان کٹ چکی ہے کہ اب وہ اپنے مونہہ سے کچھ نہیں بول سکتے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کلمہ میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اضافہ نہیں فرمایا؟ یعنی در حقیقت ان کی زبان کٹ چکی ہے-فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ ۔اب رہے کان تو خدا کے فضل سے ان نام نہاد مسلمانوں کے کان پہلے سے ہی بہرے ہیں اسی لئے تو ہم احمدیوں کی باتیں قرآن وحدیث نبویہؐ میں سے اخذ کی گئی یہ سچی باتیں انہیں سنائی نہیں دیتیں یا سمجھ میں نہیں آتیں اور اگر ان کی روحانی آنکھیں ہوتیں تو یہ لوگ خود بھی قرآن شریف اور احادیث نبویؐ کا مطالعہ کر کے ان تمام باتوں کو ازخود ہی ان پاک کتب میں سے اخذ کر سکتے تھے لیکن احمدیت یعنی سچے اسلام کی ازلی وابدی دشمنی میں ان کی آنکھیں ہوتے ہوئے بھی انہیں یہ آیات اور احادیث نظر نہیں آ رہی ہیں لہذا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ واقعی ہم احمدیوں نے ان کی آنکھوں کی روحانی روشنی کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں کی جسمانی روشنی کو بھی گل کر دیا ہے-شکر الحمد للہ! کہ ظاہری طور پر تو نہیں لیکن بصیرت حقیقی کے رنگ میں یہ اندھے- بہرے- گونگے- اپاہج- لُولے اور لنگڑے ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے ہاتھوں میں اتنی سکت ہی باقی نہیں رہی کہ یہ قرآن وحدیث کے مقدس صفحات میں سے وہ حوالے تلاش کر سکیں جو کہ ہم احمدی مسلمان انہی مقدس کتب میں سے اپنی خداداد روحانی بصیرت کی بنا پر اب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد اور نبوت پر فائض ہونے کے لئے جمع کر کے تمام دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں اور لنگڑے اس لئے کہ ان میں اتنی ہمت ہی نہیں کہ اگر انہیں یہ کتب کہیں اور دستیاب نہیں ہوتیں تو پھر خود سفر اختیار کر کے ہمارے پاس چل کر آ سکیں تاکہ ہم احمدی شاید ان کی کچھ مدد کر سکیں- میں نے حافظ مظفر احمد صاحب کے ایک مضمون بعنوان ''یوم الفرقان '' میں پڑھا تھا کہ:-

''۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک منصوبہ کے تحت آئین میں ترمیم کرتے ہوئے آئین اور قانون کی رو سے جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دے دیا- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۷)- جس پر جماعت احمدیہ کے مخالفین نے فتح کے شادیانے بجائے اور خوشیاں منائیں کہ ۹۰ سالہ مسئلہ حل ہو گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۷ر ستمبر جماعت احمدیہ کے مخالفین کے لئے فتح وظفر کا دن نہیں تھا بلکہ یہ دن جماعت احمدیہ کے لئے فتح وظفر کی نوید لے کر طلوع ہؤا اور یہ دن جماعت احمدیہ کے لئے یوم الفرقان ثابت ہؤا جس میں جماعت احمدیہ کی سچائی اور صداقت، روز روشن کی طرح واضح ہو گئی- جماعت احمدیہ کی غیر معمولی ترقی اور بے مثال تنظیم اور بے نظیر قوت عمل سے مرعوب ہو کر ۱۹۷۴ء کے اوائل میں جماعت کے خلاف ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ملک گیر تحریک چلانے کا منصوبہ بنایا گیا- اس تحریک کے لئے مجلس ختم نبوت کی طرف سے سارے ملک میں احمدیوں کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع کی گئی- احمدیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا- درجنوں بے گناہ احمدیوں کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا- ان گنت احمدی گھروں اور دوکانوں کو لُوٹا اور جلایا گیا اور احمدی بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں پر بے انداز ظلم ڈھائے گئے- یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کو دودھ سے محروم کر دیا گیا اور ختم نبوت کے مولویوں کی طرف سے یہ مطالبہ کروایا گیا کہ احمدیوں کو پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور یہ کہ احمدیوں کے

خلاف یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک حکومت کی طرف سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار نہیں دیا جاتا۔

اس پر حکومت کی طرف سے حضرت صاحبزادہ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو قومی اسمبلی میں پیش ہو کر اپنا مؤقف پیش کرنے کے لئے کہا گیا۔ چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ (حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ؒ ۔ناقل) درج ذیل وفد کے ساتھ قومی اسمبلی میں پیش ہوئے ۔حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ ۔ناقل)۔حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ۔حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب۔ خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتا ابو العطاء جالندھری صاحب۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ ۵؍ سے ۱۰؍ اور ۲۰؍ سے ۲۴؍ اگست ۱۹۷۴ء تک کُل گیارہ دن قومی اسمبلی میں پیش ہوئے اور اُس وقت کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار اور ممبران قومی اسمبلی کی طرف سے پیش کردہ سوالات کے کافی وشافی جوابات دئے جن سے ممبران اسمبلی بے حد متاثر ہوئے کہ جس کا اعتراف جماعت احمدیہ کے شدید مخالف، جمعیت علماء اسلام کے صدر اور ممبر قومی اسمبلی مولانا مفتی محمود صاحب نے ان الفاظ میں کیا:-

’’ اس میں شک نہیں کہ ممبران قومی اسمبلی کا ذہن ہمارے موافق نہیں تھا بلکہ ان سے متاثر ہو چکا تھا تو ہم بڑے پریشان تھے۔ چونکہ ارکان اسمبلی کا ذہن بھی متاثر ہو چکا تھا اور ہمارے ارکان اسمبلی دینی مزاج سے واقف نہ تھے اور خصوصاً جس دن اسمبلی ہال میں مرزا ناصر احمد آیا تو قمیص پہنے ہوئے اور شلوار شیروانی میں ملبوس بڑی پگڑی طرہ لگائے ہوئے تھا اور سفید داڑھی تھی تو ممبران نے دیکھ کر کہا کہ کیا یہ شکل کافر کی ہے؟ اور جب وہ بیان پڑھتا تھا تو قرآن مجید کی آیتیں پڑھتا تھا اور جب حضور اکرم ﷺ کا نام لیتا تھا تو ہمارے ممبران ہمیں گھور گھور کر دیکھتے تھے کہ قرآن اور رسول کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہے اور تم اسے کافر کہتے ہو؟ اور دشمن رسولؐ کہتے ہو؟ یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو تمہیں کیا بنی ہے کہ آپ ان کو کافر کہیں؟ اور ہم اللہ سے دست بدعا تھے کی اے مقلب القلوب! ان دلوں کو پھیر دے۔ اگر تو نے بھی ہماری مدد نہ فرمائی تو یہ مسئلہ قیامت تک اسی مرحلہ میں رہ جائے گا اور حل نہیں ہو گا۔ حتیٰ کہ میں اتنا پریشان تھا کہ بعض اوقات مجھے رات کو تین چار بجے تک نیند نہیں آتی تھی‘‘۔ (ہفت روزہ ’’لولاک‘‘ ۲۸؍ دسمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۷-۱۸)

شاید یہی وجہ ہے کہ یہ کاروائی بیس سال کے لئے سربمہر کردی گئی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ اس کاروائی کو شائع کر دیا جائے لیکن ابھی تک حکومت کو اس کی اشاعت کی توفیق نہیں ملی۔ شاید اس لئے کہ بعض ممبران اسمبلی کے اس کاروائی کے بارہ میں تاثرات یہ تھے کہ اگر اس کاروائی کو شائع کر دیا جائے تو آدھا پاکستان احمدی ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کاروائی ایک منصوبہ کے تحت کی جارہی تھی اور جماعت احمدیہ کے خلاف فیصلہ پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ یہ کاروائی محض ایک ڈرامہ تھا۔ اس لئے اس ڈرامہ کا سین اس طرح ڈراپ ہوا کہ ۷؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کو جماعت احمدیہ کو آئین اور قانون کی رو سے غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اس پر جماعت احمدیہ کے مخالفین نے بہت شادیانے بجائے اور خوشیاں منائیں، مٹھائیاں تقسیم کیں کہ ۹۰؍ سالہ پرانا مسئلہ حل کر دیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۷؍ ستمبر جماعت احمدیہ مسلمہ کے لئے یوم الفرقان ہے۔ اس دن حق و باطل میں امتیاز روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گیا۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کے آخری زمانہ میں بگڑے ہوئے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

’’عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً ، قَالُوْا : مَنْ ھِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ؟

قَالَ : مَا اَنَا عَلَيۡهِ وَاَصۡحَابِی – (ترمذی کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامة صفحه ۸۹ جلد ۲ ، جامع الصغیر صفحه ۱۱۰ جلد دو مصری، ابن ماجه کتاب الفتن باب افتراق الامم صفحه ۲۸۷)– یعنی: حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت پر بھی وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے-جن میں ایسی فرقہ مطابقت ہوگی جیسے ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے- یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہؤا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئے گا- بنی اسرائیل ۷۲ر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت بھی ۷۳ر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے-صحابہؓ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کون سا ہے؟ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہو گا''-(حدیقة الصالحین مرتبه حضرت ملک سیف الرحمن صاحب ، حدیث نمبر ۹۱۶ صفحه نمبر ۸۵۴– ۸۵۵)-ناقل)-

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے امت محمدیہ کے ۷۳فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر فرمایا ہے اور ۷۲فرقوں کو ناری اور ایک فرقہ کو ناجیہ قرار دیا ہے- فرقہ ناجیہ کون سا فرقہ ہے؟ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مشکوٰۃ کے شارع علامہ علی بن سلطان القاری لکھتے ہیں:-'' ناجی فرقہ وہ ہے جو محمد ﷺ کی روشن سنت پر عمل کرے گا اور طریقہ احمدیہ پر گامزن ہوگا''-(مرقاة المفاتیح جلد اول صفحه ۲۳۸ مصنفه علی بن سلطان القاری – مکتبه امدادیه ملتان)

اگرچہ شارع مشکوٰۃ کی تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو طریقہ احمدیہ پر گامزن ہے لیکن اس واضح اور روشن تشریح کے باوجود ۷رستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے فیصلے سے پہلے ہر فرقہ کا فرقہ ،ناجیہ ہونے کا مدعی تھا اور عوام الناس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ۷۲ر فرقوں کے مقابلے میں وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ جسے آنحضرت ﷺ نے فرقہ ناجیہ قرار دیا ہے- خدائی تقدیر یہ ہے کہ قومی اسمبلی کے اس فیصلہ سے ۷۲ر اور ایک میں فرق واضح ہو کر سامنے آ گیا ہے- چنانچہ اس فیصلہ کے بعد اخبار ''نوائے وقت'' نے لکھا:-

'' اس فیصلہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس پر اجماع امت بالکل صحیح طور پر ہؤا ہے- اسلام کی ساری تاریخ میں اس قدر پورے طور پر کسی اہم مسئلہ پر کبھی اجماع امت نہیں ہؤا- اجماع میں ملک کے سب بڑے بڑے علماءِ دین اور حاملانِ شرع متین کے علاوہ سیاسی لیڈر اور ہر گروپ کے سیاسی رہنما کما حقہٗ متفق ہوئے ہیں اور صوفیائے کرام اور عارفین برگزیدگان تصوف و طریقت کو بھی پورا پورا اتفاق ہؤا ہے- قادیانی فرقہ کو چھوڑ کر جو بھی ۷۲ر فرقے مسلمانوں کے بتائے جاتے ہیں سب کے سب اس مسئلہ کے حل پر متفق اور خوش ہیں- زعما ملت اور عمائدین کا کوئی طبقہ نظر نہیں آتا جو اس فیصلہ پر خوشگوار ردعمل نہ رکھتا ہو''-(روزنامہ نوائے وقت مؤرخہ ۱۶را کتوبر ۱۹۸۳ء)

دیکھئے خدا تعالیٰ نے کس طرح جماعت کے مخالف کے قلم سے سچ ظاہر کروایا اور ان سے لکھوایا کہ ۷۲ر کی اکثریت کون ہے اور ایک تہتر واں فرقہ کون سا ہے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک ارشاد کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ۷۲ر کی اکثریت سچائی پر ہے اور ''ایک'' یعنی جماعت احمدیہ (تہترواں ناجی فرقہ-ناقل) دائرہ اسلام سے خارج ہے- نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں میری امت یہودیوں سے بھی آگے بڑھتے ہوئے ۷۳ر فرقوں میں بٹ جائے گی تو صرف ایک فرقہ سچائی پر ہوگا اور ۷۲ر کی اکثریت سچائی پر قائم نہیں ہوگی لیکن ۷رستمبر کو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے صریح خلاف یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۷۲ر سچ پر ہیں اور ایک سچ پر نہیں ہے- ہر صاحب عقل معلوم

کرسکتا ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جو تمام پاکوں کے سردار ہیں، آپؐ کا فیصلہ درست ہے یا اس اسمبلی کا فیصلہ کہ جس کے ممبران کے رسوا کن کردار کی جھلک جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں شائع کردہ قرطاس ابیض میں دکھائی گئی تھی۔(قرطاس ابیض، بھٹو کا دور حکومت : جلد سوم)۔اس قرطاس ابیض کی رو سے تو ان ممبران کی اکثریت کا کردار ایک عام انسان کے کردار سے بھی مطابقت نہیں رکھتا کجا یہ کہ ایسے ممبران کے فیصلہ کو نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کے فیصلہ کے مقابلہ پر پیش کیا جائے؟ یقیناً سید المطہرین آنحضرت ﷺ کے ارشاد اور فیصلے کے مقابل کسی اسمبلی کے فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں لہذا فیصلہ آنحضرت ﷺ کا ہی چلے گا اور اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ ۷ ستمبر کا سورج آنحضرت ﷺ کی عاشق جماعت احمدیہ کے لئے فتح کی نوید لے کر چڑھا اور اُس دن آنحضرت ﷺ کا ۱۴۰۰ سال پہلے کا بیان فرمایا ہوُا ارشاد لفظ بلفظ پُورا ہو گیا اور یہ جھگڑا ہمیشہ ہمیش کے لئے طے ہو گیا کہ ۷۲ ناری فرقے کون کون سے ہیں اور ایک ناجی فرقہ کون سا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی تقدیر کے ماتحت ہوُا اور خدائی تقدیر دنیا کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ یہی ایک جماعت ہے جو ۷۲ کے مقابل پر ایک ہے اور جسے آنحضرت ﷺ نے فرقہ ناجیہ قرار دیا ہے۔یہی وہ جماعت ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنت پر گامزن ہے اور طریقہ احمدیت پر قدم مارنے والی ہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ“ ۔(الفضل انٹرنیشنل لندن۔۱۱ ستمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۰)

لہذا اس پس منظر میں مئی سے ستمبر ۱۹۷۴ء کے درمیان رونما ہونے والے واقعات اور قومی اسمبلی کے بے بنیاد جھوٹے فیصلہ کے بعد میرا دل پاکستان سے اچاٹ ہو گیا تھا کیونکہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا فیصلہ ایک سیاسی فیصلہ تھا کہ جس کو قومی اسمبلی نے اپنی روایات کے برخلاف تین چوتھائی یعنی ۷۵٪ فیصدی کی بجائے شائید دس یا بیس ووٹوں کے فرق سے منظور کر لیا تھا۔اس فیصلہ کے اعلان کے چند دن کے بعد ہمارے ہمسایہ اور میرے سب سے بڑے بہنوئی مکرم قاضی مبارک احمد صابر قریشی صاحب کے ماموں مکرم محمد رمضان صاحب (واپڈا۔ربوہ) کہیں سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک پرانے تذکرہ کا ایک نسخہ لے کر اپنے سائیکل پر میرے پاس گورنمنٹ پرائمری سینٹر سکول محلّہ دار الصدر شمالی ربوہ میں تشریف لائے اور مجھے اس تذکرہ میں سے وہ صفحات دکھا کر پڑھنے کے لئے یہ نسخہ دیا کہ جس میں حاکم وقت پر اللہ کی گرفت کا ذکر تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مبارک کتاب کی جانب توجہ دلانے پر میں مکرم ماموں محمد رمضان صاحب کا آج بھی مشکور و ممنون ہوں ۔اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔سیدنا و مولانا ومرشدنا و امامنا حضرت صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشوف والہامات کی کتاب تذکرہ میں واشگاف الفاظ میں ان نمرود و فراعین کا انجام تحریر ہے جو کہ کبھی اور کسی وقت بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ مسلمہ کی مخالفت میں سر اٹھا کر کبھی بھی خدا سے ٹکر لینے کی کوشش کرنے کی جرأت کریں گے۔ملاحظہ فرمائیں:۔

”دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو بدل دے۔اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم سے آلودہ نہیں کیا۔ان کو ہر ایک بلا سے امن ہے اور وہی ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کر وہ تو ایک غرق شدہ قوم ہے۔اور تجھے ان لوگوں نے ایک ہنسی کی جگہ بنا رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو خدا نے معبوث فرمایا؟۔اور تیری طرف دیکھتے ہیں اور تُو انہیں نظر نہیں آتا۔

اور یاد کر وہ وقت جب تیرے پر ایک شخص سراسر مکر سے تکفیر کا فتویٰ دے گا۔وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تُو ڈال کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے اور تُو اپنے فتویٰ سے سب کو افروختہ کر سکتا ہے۔سو تُو سب سے پہلے اس کفر نامہ پر مُہر لگا۔تا سب علماء بھڑک اُٹھیں اور تیری مُہر کو دیکھ کر وہ

بھی مُہر لگا دیں اور تا کہ میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں؟ کیونکہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تب اس نے مُہر لگا دی) - ابولہب ہلاک ہو گیا - اور اُس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے (ایک وہ ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ پکڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مُہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا) - اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے - اور تجھے جو رنج پہنچے گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے -

جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مُہر لگا دے گا تو بڑا فتنہ برپا ہو گا - پس تُو صبر کر - جیسا کہ اُلوالعزم نبیوں نے صبر کیا --- یہ فتنہ خدا کی طرف سے فتنہ ہو گا تا وہ تجھ سے محبت کرے - جو دائمی محبت ہے جو کبھی منقطع نہیں ہو گی اور خدا میں تیرا اجر ہے - خدا تجھ سے راضی ہو گا - اور تیرے نام کو پُورا کرے گا - بہت ایسی باتیں ہیں کہ تم چاہتے ہو مگر وہ تمھارے لئے اچھی نہیں - اور بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ تم نہیں چاہتے اور وہ تمہارے لئے اچھی ہیں - اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' - (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۴-۲۹) + (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴-۱۹)

پس! دلوں کا حال تو صرف اللہ تبارک ہی بہتر جانتا ہے لیکن میں یہاں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر تحریر کرتا ہوں کہ جس کے پاکیزہ اور بابرکت نام کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس دن اور اُس وقت یہ پیشگوئی پڑھتے ہی مجھے اس بات کا پکا یقین ہو گیا تھا کہ اب ذوالفقار علی بُھٹو صاحب ملیا میٹ ہونے والے ہیں - یہ وہی بُھٹو صاحب تھے کہ جن کی PPP پاکستان پیپلز پارٹی کی جماعت احمدیہ نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن سے بہت پہلے، انتخابات کے دوران اور بعد میں بھی ہر طرح سے بے حد مدد کی تھی - مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میری اور مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (وکٹر) صاحب کی ڈیوٹی مقامی خدام الاحمدیہ ربوہ کے دفتر واقع گولبازار میں ہوا کرتی تھی اور ان انتخابات کے دوران میں مَیں اپنے بہت سے کلاس فیلو اصحاب جن میں سے مکرم مسعود احمد صاحب اور ان کے عم زاد مکرم نعیم احمد صاحب محلّہ دارالرحمت وسطی ربوہ خصوصاً قابل ذکر ہیں، اور دوسرے خدام بھائیوں کو ربوہ کے ارد گرد مختلف دیہات کے لوگوں کو پیپلز پارٹی اور بُھٹو صاحب کی حمایت کے لئے تیار کرنے کے واسطے جماعت کے حکم پر بھجوایا کرتا تھا بلکہ مجھے یاد ہے کہ جس دن انتخاب ہونا تھا اس دن میرے ماموں مکرم عبدالرشید اختر صاحب بھی گورنمنٹ کی جانب سے پولنگ آفیسر کے طور پر چنیوٹ کے نواح میں آباد ایک قصبہ میں الیکشن کی نگرانی کرنے کے لئے گئے تھے اور وہاں سے واپس آ کر انہوں نے خوب جوش و خروش سے اس بات کا اظہار کیا کہ کیسے انہوں نے ووٹروں کو ملاؤں کے حاشیہ نشینوں کے چنگل سے بچاتے ہوئے پیپلز پارٹی کو ووٹ دینے کی ترکیب سمجھائی تھیں -

مجھے یاد ہے کہ ان ایام میں صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب اب وکیل اعلیٰ انجمن تحریک جدید ربوہ بھی اس تمام کاروائی کی نگرانی کے لئے بنفس نفیس وہیں موجود رہتے تھے اور انتخابات کے دنوں میں اپنا جاپانی NATIONAL نیشنل کمپنی کا خوبصورت اور قیمتی ٹرانسسٹر ریڈیو بھی دفتر مقامی میں اٹھا لائے تھے تا کہ تمام حالات اور تازہ بہ تازہ خبروں اور ووٹنگ سے مطلع رہیں - جماعت میں گنتی کے چند لوگوں کو اس زمانہ میں اس بات کا علم تھا کہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے چھوٹے بھائی سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (میاں طاہری) صاحب کو جماعت احمدیہ کا نمائندہ مقرر فرمایا اور آپ کو پیپلز پارٹی اور جناب ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کی مدد کرنے کی ہدایت فرمائی تھی - اس سلسلہ میں بہت سا مواد ''ایک مرد خدا'' نامی کتاب کے صفحات ۱۴۶-۱۸۰ (جرمن ایڈیشن) پر بھی بہت بعد میں شائع ہو چکا ہے لیکن پھر بھی بعض قابل ذکر باتیں ان صفحات پر نہیں کہ جن کا ذکر اس کتاب کی طوالت کے پیش نظر پھر کسی اور وقت میں ہو گا لیکن گھر کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے مجھے یاد ہے کہ جناب بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی کے دوسرے تمام اہلکاروں سے بالمشافہ گفتگو اور مشاورت کے لئے ربوہ میں سب سے پہلا ڈائریکٹ ٹیلیفون حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (میاں طاہری) صاحب کے دولت کدہ پر ہی لگا تھا کہ جس کا ڈائریکٹ کنکشن سرگودھا کے

ایکسچینج کے ساتھ ملاہؤا تھا-اسی طرح آپ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے تمام اہم دوروں کے ساتھ ساتھ معاہدہ شملہ تک میں بھی وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے شریک سفر رہے لیکن پھر بعد میں جب جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب اپنے اقتدار کے نشے میں دھت ہوتے چلے گئے تو آپ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے-اس لئے جناب بھٹو صاحب نے منتخب ہوجانے کے بعد از خود اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے ساتھ ہر ماہ ایک ملاقات ضرور ہؤا کرے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف وجوہات کی بنا پر ان ملاقاتوں میں تواتر قائم نہ رہ سکا تو اس سلسلہ میں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے براہ راست رابطہ کیا اور حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب کے ہاتھ پیغام بھی بھجوایا جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جناب بھٹو صاحب کی اس بیتابی کو دیکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سے فرمایا کہ کبھی کبھی انہیں مل لیا کریں-

اسی طرح مجھے ان انتخابات سے بھی بہت پہلے کے بہت سے واقعات یاد ہیں کہ جب کبھی بھی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب ربوہ تشریف لاتے تو آپ خود حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر رپورٹ پیش کرتے یا پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بنفس نفیس خود ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور عموماً حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بھی ان مجالس میں شمولیت فرماتے-کوٹھی البشریٰ کے ڈرائینگ روم (بیٹھک) میں یہ مجالس منعقد ہوتیں کہ جس میں کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوتی لیکن ہم بچے اس اجازت سے مستثنیٰ تھے لہذا کوئی نہ کوئی بات کانوں میں پڑتی رہتی تھی-ان پاکیزہ مجالس میں ہر جہت سے پاکستان کی ترقی کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی اور لائحہ عمل تیار کئے جاتے-مجھے یاد ہے کہ ان ایام میں پاکستان نے حیرت انگیز رنگ میں ترقی کی منازل طے کی تھیں-اس لحاظ سے اگر میں یہ کہوں کہ جماعت احمدیہ پاکستان کی سب سے زیادہ وفادار جماعت ہے تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں-بہر حال جماعت احمدیہ کی دن رات کی اس بے مثال جدوجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی فضل فرمایا اور پیپلز پارٹی نہ صرف سندھ اور پنجاب میں اکثریت حاصل کرنے والی بلکہ سرحد اور بلوچستان میں بھی حاصل شدہ سیٹوں کی بدولت تمام مغربی پاکستان میں اپنی توقعات کے خلاف سب سے بڑی سیاسی پارٹی بن کر یہ انتخابات جیت گئی حالانکہ انتخابات سے پہلے بُھٹو صاحب کو صرف یہی امید تھی کہ شاید ہمیں سندھ میں اکثریت حاصل ہوجائے لیکن تمام پاکستان میں کامیابی سے جیت جانے کا تو انہوں نے سوچا تک بھی نہ تھا بلکہ ان کا یہی خیال تھا کہ شاید چند سیٹیں پیپلز پارٹی کو مل جائیں گی-کیونکہ انہیں یہ تو علم تھا کہ جماعت احمدیہ ان کی مدد کر رہی ہے لیکن ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس انتخاب میں نہ صرف تمام جماعت احمدیہ کی دلی ہمدردیاں اور ووٹ بلکہ سب سے بڑھ کر سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی دُعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ کی مدد اس پارٹی کے شامل حال ہوکر اس کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی-میرے اس بیان کی تصدیق حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے اس بیان سے بھی ہوجاتی ہے کہ:-

''بھٹو صاحب کے پہلے الیکشن (۱۹۷۰ء) میں پنجاب میں اُس کی کامیابی تو خالصتاً ہماری جماعت کی سپورٹ (مدد-ناقل) سے ہوئی بلکہ اُس نے تو کہلا بھیجا تھا حضرت صاحبؒ (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ-ناقل) کو کہ اگر پنجاب سے چھ نشستیں بھی مجھے مل جائیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ بڑی کامیابی ہوئی-حضرت صاحبؒ نے کہا کہ نہیں تم ہر جگہ پہ امیدوار کھڑے کرو-ہم جو کچھ کرسکتے ہیں کریں گے''-(الفضل انٹرنیشنل لندن مؤرخہ ۵؍ نومبر ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۱-۱۲)

حضرت خلیفۂ وقت اور جماعت احمدیہ کی دردمندانہ دعاؤں نیز بھرپور جدوجہد سے پیپلز پارٹی کو سندھ اور پنجاب میں اکثریت حاصل ہوئی بلکہ بلوچستان اور سرحد میں بھی خاطر خواہ سیٹیں مل گئی تھیں لیکن اس کے چند سال کے بعد یہی ذوالفقار علی بُھٹو صاحب، میاں مٹھو کی طرح اپنی

آنکھیں بدل کر ہمیشہ کے لئے وزارت عظمیٰ کا خواب دیکھنے لگے اور برسرعام اپنی مقبولیت اور ذہانت کے بذات خود گُن گانے لگے لیکن افسوس کہ انہیں قطعاً یہ علم نہ تھا کہ مذہب اسلام میں اس نئی تحریف کی بدولت انہیں خدائی نصرت ملنے کی بجائے اب ایک خدائی عذاب پکڑنے والا ہے- اسی لئے تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زودو زوال (درثمین)

۱۹۷۴ء کے بعد میں جماعت احمدیہ کے معصوم اور بے گناہ احباب کے ساتھ بے حد ظلم اور زیادتی کا سلوک کیا گیا کہ جس کے لئے مجھے کسی بھی مصنف کی کسی بھی قسم کی کتاب کا سہارا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن پھر بھی ایک غیر جانبدار رائے کا ذکر میری کتاب میں درج واقعات کی صداقت کے لئے سونے پر سہاگہ والی بات ہے- جناب آئن ایڈمسن کی شہرہ آفاق کتاب ''ایک مرد خدا'' میں تحریر ہے کہ ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو نامسلم قرار دینے کے اعلان کے بعد یہ ہوا کہ:-

''احمدیوں کو اجازت نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر فریضہ حج ادا کرسکیں- بری- بحری اور ہوائی فوج سے سینئر احمدی افسروں کو ریٹائر کر دیا گیا- نوجوان احمدی افسروں کی ترقیاں روک دی گئیں- سرکاری اور نیم سرکاری محکموں میں کام کرنے والے افسروں اور ماتحتوں سے یہی سلوک روا رکھا گیا- احمدی سفارتکاروں اور سفیروں پر ترقی کے دروازے بند کردئے گئے- اس کے بعد یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے احمدی لیکچراروں پر پروفیسر بننے کے امکانات ختم ہوگئے- اسی طرح ہسپتالوں میں کام کرنے والے احمدی ڈاکٹر بھی اپنے اپنے شعبہ کی صدارت کے فرائض سرانجام دینے کے نااہل قرار دے دئے گئے- اور تو اور ٹیلیفون اور کمپیوٹر انجینیرنگ وغیرہ قسم کے محکموں میں بھی احمدی نوجوانوں کے ساتھ اسی قسم کا امتیازی سلوک روا رکھا جانے لگا- نئے فارغ التحصیل احمدی نوجوان طلباء اعلیٰ تیکنیکی اور سائنسی امتحانات نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کرنے کے بعد جب سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے اور ان کے نااہل ہم جماعت کامیاب قرار دے دئے جاتے- اس صورتحال سے جماعت احمدیہ کے معاندین کا جی خوش ہوگیا- یہ الگ بات ہے کہ اس ظالمانہ طریق کار نے انصاف کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا- جب احمدی نوجوانوں پر اپنے ہی وطن میں انصاف کے دروازے بند کردئے گئے تو چارونا چار انہیں بیرونی ممالک کی طرف رخ کرنا پڑا- اپنے ہی وطن میں اپنے خلاف اس منفی سلوک سے زچ ہوکر وہ بادل نخواستہ برطانیہ، جرمنی، کینیڈا، امریکہ اور دوسرے ممالک میں پناہ حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے- یہ نوجوان صحت مند بھی تھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی- دراصل ایسے نوجوان ہی کسی ملک کا حقیقی سرمایہ ہوا کرتے ہیں لیکن اب یہی نوجوان اپنی دینی اور مذہبی اقدار کو سینوں سے لگائے ترک وطن کے خطرات مول لینے پر مجبور ہوگئے- ان کے جانے سے جہاں پاکستان اس افرادی دولت سے محروم ہوگیا وہاں دوسرے ممالک کو اس سے فائدہ پہنچا''- (ایک مرد خدا- صفحہ ۱۷۳-۱۷۴- جرمن ایڈیشن)

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جماعت احمدیہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ) پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ جس کو آپ نے اپنی خداداد صلاحیات اور باکمال ذہانت کی بدولت منزل مقصود تک بخیر و خوبی پہنچایا لیکن پیپلز پارٹی کے ناشکرے افراد کی ناقدری کے باعث آپ کو بہت زیادہ ذہنی اذیت اٹھانا پڑی- بہرحال اسی مضمون کے تسلسل میں اس کتاب میں درج ہے کہ: جب یہ مظالم برداشت کی حدود پھلانگ گئے تو حضرت مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابع ؒ- ناقل) کے اس کردار پر جو انہوں نے مسٹر بھٹو کو اقتدار کی کرسی پر بٹھانے کے سلسلہ میں ادا کیا تھا- چہ مگوئیاں ہونے لگیں- آپ (حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع

-ناقل)فرماتے ہیں:-

''اگرچہ تنقید کرنے والے تعداد میں تو کوئی زیادہ نہ تھے- پھر بھی ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر میں بھٹو کی مدد نہ کرتا اور ہمیں اس کو ووٹ دینے اور دلانے پر آمادہ نہ کرتا تو صورتحال مختلف ہوتی -امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے ملک وقوم کی خدمت میں جو کردار ادا کیا اس پر مجھے کبھی بھی افسوس نہیں ہوا -نہ ہی مجھے اب افسوس ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ متبادل راستے اس سے کہیں زیادہ پرخطر اور ہولناک تھے-بایں ہمہ احمدیوں پر جو مظالم ڈھائے جارہے تھے، ان پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا- میں نے اپنے رب کے حضور التجا کی کہ اے میرے رب! میری بریت فرما- میں نے یہ دعا بھی کی کہ وہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دے-نہ جانے کتنی ہی راتیں میں نے اس شدید کرب کی حالت میں جاگ جاگ کر کاٹیں''-(ایک مرد خدا-صفحہ ۱۷۷-۱۷۸)

لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو ان افراد کو سزا دینے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا لہذا ہوا یہ کہ پاکستان کی بری افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ضیاء الحق نے مسٹر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا بلکہ انہیں '' تخت یا تختہ'' کے بین الاقوامی مسلمہ اصول کے مطابق دوسال کے اندر اندر ہی تختہ دار پر بھی چڑھا دیا-یہ وہی نچلے درجہ کا کمزور ترین جنرل تھا کہ جسے خود مسٹر بھٹو نے ہی تمام سینئر افسروں کو نظرانداز کرتے ہوئے کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا لیکن جنرل ضیاء الحق نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور اپنی کرسی کو مظبوط بنانے کے لئے:-

''مسٹر بھٹو کو ایک سیاسی مخالف کے والد کے قتل کے الزام میں ماخوذ کر کے مقدمہ عدالت کے حوالے کر دیا- عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی-اس فیصلہ کے خلاف عالمگیر صدائے احتجاج بلند ہوئی اور اکناف عالم میں احتجاج کا شور برپا ہوگیا-بہر حال عام تأثر یہی تھا کہ سزائے موت کا عدالتی فیصلہ مبنی بر انصاف نہیں بلکہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے اور سیاسی مصلحتوں اور ضرورتوں کا مرہون منت ہے اس لئے جنرل ضیاء الحق اس کانٹے کو اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے خواہ کتنا ہی خواہشمند کیوں نہ ہو وہ مسٹر بھٹو کو تختہ دار پر لٹکانے کی جرأت کبھی نہیں کرے گا لیکن یہ تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس سزا پر عمل درآمد بھی ہوگا-دوسال بیت چکے تھے-صبح ہونے کو ہی تھی لیکن ابھی تک باہر تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ (حضرت) خلیفہ رابع (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی اچانک آنکھ کھل گئی-فرماتے ہیں: مجھے شدت سے ایک عجیب سا احساس ہوا اور ایک میخ کی طرح میرے سینہ میں گڑ گیا کہ جیسے کوئی حادثہ ہوگیا ہو-میں بیداری کے عالم میں بستر پر لیٹا ہوا تھا- یہاں تک کہ میرے بستر سے اٹھنے اور تہجد اور فجر کی نماز کا وقت ہوگیا-میں عموماً صبح کے وقت ریڈیو پر خبریں سننے کا عادی نہیں لیکن خلاف معمول آج کے دن میں نے ریڈیو کا بٹن دبایا-پہلی خبر جو میں نے سنی وہ یہ تھی کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گئی''-('' ایک مرد خدا''صفحہ ۱۷۹-۱۸۰۔جرمن ایڈیشن)

اور مؤرخہ ۴/اپریل ۱۹۷۹ء کی صبح کو جبکہ یہاں یورپ میں آدھی رات کے بعد کا وقت تھا عین اسی وقت تمام جرمنی بھر میں اغلباً ایک واحد پاکستانی احمدی مسلمان یعنی صرف یہ خاکسار ہی اپنے نیشنل پاناسونک ڈی آر ۲۲ یعنی NATIONAL PANASONIC DR22 شارٹ ویو ریڈیو سیٹ کے سامنے بیٹھا ریڈیو پاکستان کے آزاد کشمیر سٹیشن سے ۴۷۹۰ کلوہرٹز یعنی ساٹھ میٹر بینڈ پر پاکستانی وقت کے مطابق صبح ۰۶:۰۰ چھ بجے (PST 06:00) اور انٹرنیشنل وقت یعنی یوٹی سی کے مطابق صبح ایک بجے (UTC 01:00) کا وہ خصوصی پروگرام سن رہا تھا کہ جس میں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو پھانسی دئے جانے کی خبر تفصیل کے ساتھ سنائی گئی-آزاد کشمیر ریڈیو تراڑ کھل کا یہ سٹیشن اپنی باقاعدہ نشریات کا آغاز پاکستانی وقت کے مطابق صبح پونے چھ بجے سے کرتا ہے لیکن اس کا ٹرانسمیٹر صبح صبح پاکستانی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے پانچ بجے سے ہی اپنی ٹیسٹنگ شروع کر دیتا ہے-بہرحال اس نشریہ میں جناب بھٹو صاحب کے بارہ میں یہ خبر نشر کی گئی کہ انہیں پھانسی دئے جانے کے بعد ان کی میت کو بذریعہ ہیلی کاپٹر لاڑکانہ میں ان کے آبائی قبرستان میں پہنچا دیا گیا ہے-بعد کی خبر کے مطابق ان کو اسی دن دفن بھی کر دیا گیا لیکن

میری نظر میں اس سے بھی زیادہ اہم خبر یہ تھی کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو تارا مسیح نامی ایک عیسائی شخص نے جیل میں پھانسی دی۔ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ تارا مسیح کے نام میں ''مسیح'' کا نام موجود ہے اور یہ بات پاکستان کے تمام سرکاری مسلمانوں اور خصوصاً تمام نام نہاد علمائے کرام کے لئے یقیناً ایک تازیانے سے کم نہیں کہ مسٹر بھٹو کو اس زمانہ کے مسیح دوراں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ سے ہتک آمیز سلوک کرنے اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے اس کٹڑ مسلمان مذہبی جماعت کو غیر مسلم قرار دئے جانے کی وجہ سے ہی ان تمام حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور یہ بات بھی یقیناً آپ سب کے علم میں ہے کہ کسی بزرگ یا مصلح یا نبی یا پیغمبر کی جماعت سے ہتک آمیز سلوک دراصل اس بزرگ یا مصلح یا نبی یا پیغمبر کی ہی ہتک سمجھا جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ''مسیح دوراں'' یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو چونکہ ۱۹۰۸ء میں وفات پا چکے تھے اس لئے اپنے دست مبارک سے تو اس ظالم کو کوئی سزا نہ دے سکتے تھے لیکن مسٹر بھٹو صاحب کی شامت اعمال کہ اکہتر (۷۱) سال گزرنے کے بعد بھی جب کسی دشمن اسلام واحمدیت کو سزا ملنے کا وقت آیا تو سزا دینے والے کے نام کا ایک حصہ بھی ''مسیح'' ہی تھا۔ ایسی باتیں صرف صاحب بصیرت انسانوں کو ہی سمجھ میں آسکتی ہیں اور صرف وہ ہی اس نشان کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عبرت ناک نشان بھی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے۔ اس طرح ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو پھانسی کی جان لیوا سزا دینے والے کے نام ''تارا مسیح'' کے نام میں اور حقیقی مسیح دوراں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لقب میں ''مسیح'' نام کی جو مماثلت ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی ایک انتہائی کھلی کھلی فعلی شہادت ہے کہ اس شخص کو اگر سزا ملی بھی تو ''مسیح'' کے ہاتھوں۔ لہذا یہ دردناک نشان بھی خدا تعالیٰ کی چمکتی ہوئی تجلی اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان بن کر تاریخ کے صفحات میں ثبت ہو چکا ہے اور یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک انوکھی اور بالکل نرالی شان ہے کہ اس نے اپنی تجلی کے ظہور کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا کہ جس کے نام میں ''مسیح'' کا نام موجود تھا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اس طرح آنحضرت محمد مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ کے سچے مہدی اور مسیح حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنے والا مسٹر ذوالفقار علی بھٹو یعنی پاکستان کا وزیر اعظم پاکستانی نام نہاد مسلمانوں کا قومی ہیرو، احمدیت جیسے نوے سالہ پرانے قومی مسئلہ کے حل کی تکمیل کے بعد تمام زندگی کیلئے ان کا حکمران بننے کا خواہش مند اپنے اس مکروہ فیصلہ کے اعلان کے بعد صرف تقریباً ساڑھے چار سال یعنی چار سال پانچ ماہ اور تین دن کے مختصر عرصہ کے اندر اندر ہی اس دنیا سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ناکام و نامراد چل بسا۔ چل بسا؟ نہیں بلکہ انتہائی ذلت آمیز پھانسی کی سزا دے کر واپس بھجوا دیا گیا اور یوں وہ اپنی ان تمام ناپاک خواہشات کی تکمیل نہ کر سکا کہ جس کے لئے اس نے اتنا بڑا اقدم اٹھانے کی جرأت کی تھی اور اس طرح اس کا تمام عمر بھر کے لئے پاکستان کا حکمران بن جانے کا جُھوٹا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور بُھٹو صاحب، حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اوپر درج اس عظیم الشان پیش گوئی کے عین مطابق خدائی قہر کا نشانہ بن کر اپنے اس عبرت ناک کیفر کردار کو پہنچ گئے کہ جس کی پیشگوئی اور نشان دہی مامور من اللہ حضرت سیدنا مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان صاحب کی موت سے بھی بہت پہلے بلکہ ان کی پیدائش سے بھی بہت عرصہ قبل فرما دی تھی۔ پس یاد رہے کہ اسی لئے تو سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

جناب ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کو زیرِ حراست کرنے اور پابند سلاسل ہوجانے کے بعد پھانسی دیئے جانے کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے ان صاحب کو تفتیش کے لئے حوالات میں اور پھر جرم کے ثابت ہونے تک جیل میں بند کر دیا گیا کہ جہاں وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے جسم کے ساتھ جڑے ہوئے ہونے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح عملاً ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے یعنی درحقیقت ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے یعنی ان صاحب کے ''دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے'' لیکن ان صاحب کو پھر بھی سمجھ نہ آئی اور وہ لوگوں کو اپنے ہاتھ دکھا دکھا کر کہتے تھے کہ دیکھو یہ تو صحیح سالم موجود ہیں اور کھلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان صاحب کو اس حالت میں پھانسی دی گئی کہ درحقیقت ان کے ہاتھ بھی ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور یوں موت کے بعد صرف ان کے ہاتھ پاؤں تو کیا بقیہ تمام جسم کا رابطہ بھی اس دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا گیا یعنی لفظاً بھی'' کاٹ دیا گیا '' اور عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اس آخری وقت میں بھی بُھٹو صاحب اپنے لئے نصرت الٰہی کو طلب کرنے کی بجائے کسی بیرونی اغلباً کسی غیر ملکی امداد کے طالب رہے اور اِدھر اُدھر دیکھتے رہے کہ شاید کسی جانب سے ان کی رہائی کا کوئی غیبی پروانہ آجائے لیکن اے دنیا والو یاد رکھنا کہ جن بدقسمت انسانوں کی قسمت کا خدائی فیصلہ ان کی پیدائش سے بھی قبل زیرِ تحریر آچکا ہو ان کو اس دنیا میں ان کے جرائم کی قرار واقعی سزا ملنے سے کوئی مائی کا لعل نہیں بچا سکتا۔ یعنی جس انسان کو خدا دھتکار دے تو ایسے دُھتکارے ہوئے شخص کو اُس کے بندے کیا مونہہ لگائیں گے؟ اور پھر پھانسی دیئے جانے کے بعد ان صاحب کی لاش کو اس خاموشی سے دفنا دیا گیا کہ کسی کو ان کی تدفین اور ان کے جنازہ تک کی خبر نہیں دی گئی حتیٰ کہ ان کے انتہائی قریبی خاندان کے افراد کو بھی ان کے دفنانے کے وقت مطلع کیا گیا کہ اب تمہیں اجازت ہے۔ آؤ اور آ کر اس کی شکل کو دیکھ لو البتہ ان کی بیوی محترمہ نصرت بھٹو صاحبہ اور بیٹی محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ پھانسی دیئے جانے سے ایک دن قبل یعنی مؤرخہ ۳/ اپریل ۱۹۷۹ء کو آخری بار جیل میں ملاقات کر چکی تھیں۔ میں چونکہ ریڈیو پاکستان بہت باقاعدگی سے سنتا ہوں لہٰذا اس دن میں نے یہ خبر سن کر اپنے تمام عزیزوں کو جرمنی میں اسی وقت مطلع کر دیا تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مجھے ایک دشمن اسلام و احمدیت کی ایسی ذلت آمیز موت پر خوشی محسوس ہونے کی بجائے ایک عجیب و غریب قسم کا افسوس ہو رہا تھا کہ آج ایک ایسا شخص ذلت و رُسوائی کی موت مارا گیا ہے کہ جس کی تم نے بھی اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق مقدور بھر مدد کی تھی اور پھر اس قسم کی موت کی خبر سنتے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن یہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ مامور من اللہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مقدس کلام میں جو فرمایا تھا وہ تو ایک نہ ایک دن ضرور پورا ہونا ہی تھا۔ یعنی:-

اب کہو کس کی ہوئی نصرت جناب پاک سے؟
کیوں تمہارا متقی پکڑا گیا ہو کر کے خوار؟ (درثمین)

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر میں ایک لفظ'' نصرت'' بھی ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی بیوی کا نام بھی اتفاقاً '' نصرت'' بھٹو صاحبہ ہی ہے اور پاکستانیوں بلکہ دنیا جہان کے تمام عوام کے لئے یہ تازیانہ بھی یقیناً '' سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کی صداقت کا ایک نمایاں نشان ہے کہ فتح و نصرت کی نوید سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے خلیفہ وقت سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؓ اور آپؓ کی جماعت عالیہ احمدیہ کو ملی اور اس روحانی فتح و نصرت کے برعکس جناب بھٹو صاحب کو جو زمینی نصرت نام کی ایک بیوی نصرت بھٹو صاحبہ ملی بھی تھیں تو وہ نصرت بھی بھٹو صاحب کو پھانسی دے کر چھین لی گئی اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول پورا ہوا کہ:-

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنا نیک بندوں کو (درثمین)

اب آپ خود ہی یہ فیصلہ فرمائیں کہ یہ شکست فاش نہیں تو اور کیا ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اپنے جسم و جان دونوں ہی اس روحانی جنگ

میں ہار دئے۔لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ○(ال عمران : ۶۲) ۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور شعر بھی ایک پیشگوئی کے رنگ میں اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ پورا ہوا ۔فرمایا:۔

ہر قدم میں میرے مولیٰ نے دئے مجھ کو نشاں

ہر عُدو پر حُجتِ حق کی پڑی ہے ذوالفقار (درثمین)

یعنی اس شعر میں تو خدا تعالیٰ نے خود آج سے سو سال قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا نام ''ذوالفقار'' یعنی تلوار کو بھی شامل کر دیا۔یہاں عدو کا نام تو نہیں لیا گیا لیکن حق کی تلوار کا ذکر کیا گیا ہے جس سے سمجھنے والے جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کام بہت نرالے ہوتے ہیں اور الفاظ کے اس سیاق وسباق سے بھی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے کہ ان ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی تلوار کا وار خود ان پر ہی الٹا ہو کر پڑا اور وہ جان لیوا ثابت ہوا ۔لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ○(ال عمران : ۶۲) ۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔اس لئے اس واقعہ پر ہم جتنا بھی استغفار کریں اتنا ہی کم ہے کہ اس نمرود کی نماز جنازہ تو پڑھی گئی لیکن اس میں بھی لاکھوں کی بجائے اغلباً اس کے اپنے خاندان کے ہی دس پندرہ افراد نے بمشکل تمام شرکت کی کیونکہ بہت سے لوگ اسی شش وپنج میں مبتلا رہے کہ پھانسی پانے والے مجرم کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے کہ نہیں؟ اس نماز جنازہ کے وقت جس کسمپرسی کی حالت میں اس کی لاش کو ایک چار پائی پر ڈال کر اغلباً کھدر کی بنی ہوئی ایک معمولی سی دری سے ڈھانپا گیا تھا اس چار پائی اور دری کو دیکھ کر ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ پاکستان کا کئی مرتبہ وزیر بننے والا شخص پھر صدر اور وزیر اعظم جیسا عالی مقام رتبہ پانے والا نام نہاد مسلمانوں کے اس سب سے بڑے ہیرو کا بالآخر کیا حال ہوا یعنی ''خدا کے گھر میں دیر ہے لیکن اندھیر نہیں'' ۔اور یوں وہ جو احمدیت کو تباہ وبرباد کرنے نکلا تھا وہ خود ہی ملیا میٹ ہو گیا۔ادھر حکومت کو بھی ہنگاموں کے خوف کی وجہ سے جلدی تھی اس لئے لاڑکانہ کے قریب گڑھی خدا بخش میں اس کی لاش کو بغیر کسی سرکاری اعزاز واکرام کے فوراً دفنا دیا گیا۔مجھے ایک وفات شدہ شخص کی تحقیر قطعاً پسند نہیں خواہ وہ ہمارا دشمن ہی کیوں نہ ہو اور اسی لئے میں نے اس تمام قصہ کو تفصیل سے یہاں بیان کرنے سے گریز کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ تمام باتیں صرف اس مقصد کے لئے تحریر کی جارہی ہیں تاکہ مستقبل میں لوگ یہ تصاویر دیکھ کر اور یہ تحریر پڑھ کر خود ہی انصاف کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکیں کہ سچا کون اور جھوٹا کون؟ اور اسی کا نام اتمام حجت ہے۔

پس اب آپ خود سمجھ لیں کہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتوں سے ٹکر لینے والوں کا ایسا ہی دردناک انجام ہوا کرتا ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ان تمام لوگوں کو خدائی الہامات کے ذریعہ سے اطلاع پا کر بروقت خبردار کر دیا تھا لیکن اگر وہ یہ الہامات سن کر اور پڑھ کر بھی جانتے بوجھتے ہوئے ان خدائی الفاظ کے منکر بن جائیں تو پھر کوئی کمزور اور ناچیز انسان تو کیا دنیا کی بڑی سے بڑی دنیاوی طاقت بھی انہیں کسی بدانجام سے نہیں بچا سکتی جیسا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کا اشارہ پا کر کیا خوب فرمایا ہے کہ:۔

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے

کافر جو کہتے تھے وہ گرفتار ہو گئے (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶)

'' اس کے یہ معنی سمجھائے گئے کہ عنقریب کچھ ایسے زبردست نشان ظاہر ہو جائیں گے جس سے کافر کہنے والے، جو مجھے کافر کہتے تھے، الزام میں پھنس جائیں گے اور خوب پکڑے جائیں گے اور کوئی گریز کی جگہ ان کے لئے باقی نہیں رہے گی۔یہ پیشگوئی ہے ہر ایک پڑھنے والا اس کو یاد رکھے'' ۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶)

لہذا اب آپ خود دیکھ لیں کہ خدا کے نبی برحق سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو سرعام انتباہ کرتے ہوئے یہ خدائی الہامی پیغام تمام دنیا کو پہنچا دیا تھا کہ ہم احمدیوں کو نعوذ باللہ مرتد یا نامسلم یا کافر کہنے والے خود ہی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجائیں گے اور اب آپ خود ہی انصاف کے ساتھ ان تمام حالات کو دیکھیں کہ اسی پیشگوئی کے عین مطابق ہی فیصلہ بھی ہوگیا لہذا اس پیشگوئی کی زد میں آجانے والے افراد پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے ایک خدائی سلسلہ کے ساتھ ٹکر لینے کی کوشش میں اپنا سب کچھ کھودیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اس دنیا میں عبرت کا نشان بن کر اس دنیا سے جہنم واصل ہوگئے۔ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ٥(ال عمران : ۶۲) ۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔یعنی ایسے جھوٹوں پر خدا کی لعنت نازل ہوجاتی ہے اور ان سب کا یہ انجام بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم الشان صداقت کا مونہہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے الہاماً بتادیا ہوا ہے کہ:-

اِنِّی مُعِیۡن‘‘ مَّنۡ اَرَادَاِعَانَتَکَ

جو شخص بھی میری اعانت کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی اعانت کرنے والا ہوگا۔

(حیات قدسی جلد سوئم صفحہ ۷)

اِنِّی مُھِیۡن‘‘ مَّنۡ اَرَادَاِھَانَتَکَ

میں یقیناً اس کی اہانت کروں گا جو تیری اہانت کرنے کی کوشش کرے گا۔

(نزول المسیح صفحہ ۱۸۹)

لہذا اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص ان خدائی پیش گوئیوں کی اطلاع پا کر بھی نہ سمجھے تو اس کا یہی انجام ہوا کرتا ہے لہذا توبہ اور استغفار کرنا چاہئیے۔قرآن مجید میں بھی خدا تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے کہ: --- فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ٥ (الحشر:۳)۔یعنی: پس اے صاحب بصیرت انسانو! ان تمام واقعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے اور یہ انجام دیکھ کر عبرت پکڑے اور اپنی اصلاح کرلے لیکن افسوس کہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اور اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ کلام قرآن مجید میں حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود یعنی نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کی کھلی کھلی خبر پڑھ لینے کے باوجود، سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی احادیث کی موجودگی کے باوجود اور اُس وقت سے لے کر اب تک آنے والے تمام مجددین وصالحین کے واضح اقرار کے باوجود نیز خود سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہدیت، مسیحیت اور نبوت کے اعلان اور آپؑ کی تمام پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتے ہوئے دیکھ لینے کے باوجود بھی یہ خود ساختہ فراعین اور یہ نام نہاد مسلمان ملاں اپنی غلط روش پر قائم ہیں اور کسی کے کہنے، سنانے یا ڈرانے کے باوجود بھی اپنی اس غلط روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔اس لئے صرف خدا ہی ہے جو کہ انہیں صراط مستقیم دکھا سکتا ہے ہمارے کہنے سننے سے تو لوگ باز آنے والے نہیں۔

اب یہ خاکسار ایک نہایت ہی اہم بیان کی جانب آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہے تا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی قوت کاملہ کا یقین آجائے کہ وہی کلمہ جسے ہم احمدی نہایت ہی محبت وعقیدت، عجز اور انکسار کے ساتھ روزانہ بڑے ہی خاکسارانہ انداز میں پڑھتے ہیں اور بار بار دنیا کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ ہم کلمہ گو مسلمان ہیں اس کلمہ طیبہ کو مختلف بیجوں کے ذریعہ اپنے سینوں پر آویزاں کرتے رہتے ہیں اپنے مکانات اور مساجد پر بھی تحریر کرنے کی

سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اسی کلمہ طیبہ کی حفاظت کی خاطر ہمیں ناجائز طور پر بے گناہ ہونے کے باوجود سزا بھی دی جاتی ہے اور ہم احمدیوں پر مقدمات بھی بنائے جاتے ہیں اور ظلم وستم کی انتہا یہ ہے کہ ہمیں پابند سلاسل بھی کیا جاتا ہے نیز اس سے بھی بڑھ کر یہ ظلم کہ ہمیں اسی مبارک کلمہ طیبہ پڑھنے کے جرم میں غیر مسلم کہا جاتا ہے اور مارا پیٹا جاتا ہے بلکہ جان تک کو چھین کر شہید کر دیا جاتا ہے۔اسی پاک کلام کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا یہ سب سے بڑا مخالف یعنی وزیر اعظم بھٹو خود اپنی زبان سے کیا کہتا ہے کہ کیا اس کلمہ کو پڑھنے والے انسان مسلمان ہیں یا پھر نعوذ باللہ غیر مسلم؟ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کو یاد رہے کہ یہ وہی دشمن اسلام شخص ہے کہ جس کی مرضی اور منشاء کے مطابق پاکستان کے قانون اور آئین کو تبدیل کیا گیا تھا ۔آیئے اور ذرا غور تو فرمایئے کہ جب خود ان صاحب پر قید وبند کی مصیبت پڑی تو پابند سلاسل ہو کر یہی سابق وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بُھٹو صاحب عدالت عالیہ میں کیا بیان دیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ:-

''مائی لارڈ! جیسا کہ میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے کافی ہے کہ وہ کلمے میں ایمان رکھتا ہو اور کلمہ پڑھتا ہو۔اس حد تک بات کی جاسکتی ہے کہ جب ابوسفیان مسلمان ہوئے اور انہوں نے کلمہ پڑھا تو رسول کے بعض صحابہ نے سوچا کہ اس کی اسلام دشمنی اتنی شدید تھی کہ شاید ابو سفیان نے اسلام محض اوپری اور زبانی سطح پر قبول کیا ہو لیکن رسول نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ'' جونہی اس نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہو گئے''۔اس نقطہ نظر سے اسلام کا نقطہ نظر بہت سادہ ہے۔یہ ایک بنیادی تصور ہے''۔(ذوالفقار علی بھٹو''ولادت سے شہادت تک''مصنف سجاد بخاری،اشاعت اکتوبر ۱۹۹۳ء)

جیسا کہ آپ نے لفظ بہ لفظ یہ بیان پڑھ لیا ہے کہ یہ سابق وزیر اعظم پاکستان اپنے بیان کے دوران کہیں بھی سیدنا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے آنحضور ﷺ کا نام لینے سے پہلے بغرض عزت''سیدنا'' یا پھر''حضرت'' کے الفاظ استعمال نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے نام کے بعد بغرض سعادت ﷺ کے الفاظ کا استعمال کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (الاحزاب: ۵۷)۔یعنی: یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو اور اسی لئے جب بھی کہیں آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لیا جاتا ہے بولا جاتا ہے پڑھا جاتا ہے تو بولنے والا اور سننے والا اور پڑھنے والا ﷺ کے الفاظ بولتا ہے لیکن اب آپ خود دیکھ لیں کہ جناب ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کس طرح خدا تعالیٰ کی پاکیزہ تعلیم کے خلاف اور قرآن مجید میں موجود اللہ تعالیٰ کے تحریری حکم کے باوجود بھی آنحضرت ﷺ کا نام کس دیدہ دلیری اور بے ادبی سے لیتے رہے۔

پس اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اے اہل اسلام آؤ اور دیکھو کہ یہ ہے دراصل اسلام دشمنی کہ جس کا ثبوت ہمیں تمہارے کردار میں ہی یہاں وہاں صاف نظر آتا ہے۔اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلانے والے اس شخص کے قول وفعل اور عملی کردار میں جو نمایاں تغیر ہمیں نظر آتا ہے کیا اسی کا نام منافقت نہیں؟ پس اسی لئے تو میں نے اسے دشمن اسلام اور منافق اعظم قرار دیا ہے کیونکہ ان صاحب کی اسلام سے دشمنی اتنی زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے آخری چند ایام میں آنحضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے ذکر کے بعد ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ کے ذکر کے بعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاکیزہ الفاظ استعمال کرنے سے بھی گریز کرتا رہا اور منافق اس لئے کہ جماعت احمدیہ جیسی حب الوطن جماعت نیز اسلام کی سچی پیروکار جماعت سے غداری کرتے ہوئے اپنے انہی احمدی دوستوں اور ہمدردوں نیز بہی خواہوں کو انتہائی منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے غیر مسلم قرار دیا کہ جنہوں نے ہر آڑے وقت میں ان صاحب کی مدد کی تھی یعنی اپنی حکومت کے زعم میں بزور بازو ہمیں غیر مسلم قرار دلوایا۔اس کا صاف

صاف مطلب صرف یہی ہے کہ جب جماعت احمدیہ مسٹر بُھٹو صاحب کی مدد اور حمایت کر رہی تھی تو اس وقت یہ صاحب صرف اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے لیکن جب ان صاحب کے تمام کام بخوبی طے پا گئے تو پھر انہوں نے گرگٹ کی طرح چولہ بدل کر اپنا اصلی رنگ دنیا کو دکھایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان صاحب کو پھانسی کے تختہ دار پر لٹکا کر ان کی اسلام دشمنی اور جھوٹی خصلت پر ہمیشہ ہمیش کے لئے منافقت کی ایک اٹل مہر ثبت فرما دی کیونکہ اپنے دوستوں سے غداری صرف ایک منافق اور لعنتی شخص ہی کر سکتا ہے۔ لہذا میں تو صرف یہی کہوں گا کہ یہ منافق ایک طرف تو ہم احمدیوں کو اسی مقدس کلمہ مبارکہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

کو تہہ دل سے پڑھنے کے جُرم میں برسرِعام غیر مسلم قرار دیتا ہے اور دوسری جانب اقدام قتل میں ملوث ہو کر اسی کلمہ طیبہ کو اوپر اوپر سے پڑھنے والے شخص کو بھی مسلمان ہی تصور کرتا ہے۔ یعنی جہاں اس شخص کا داؤ چلتا ہے وہاں ایک اور بات بیان کرتا ہے اور جہاں اس کا داؤ نہیں چلتا وہاں ایک دوسری بات کہتا ہے یعنی کہیں جھوٹ سے کام لیتا ہے اور کہیں سچ سے۔ کیا اوپر درج حدیث نبویؐ کے مطابق منافقت اسی کا نام نہیں؟ کیا اسلام دشمنی اسی کا نام نہیں کہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں اسی کلمہ کو صدق دل سے پڑھنے والوں کو یہ شخص غیر مسلم قرار دیتا ہے اور دنیا کی ایک عام عدالت میں حاضر ہو کر یہی شخص ظاہری طور پر بھی کلمہ پڑھ لینے والے کو مسلمان بتاتا ہے؟ اور مثال بھی وہ دی کہ جس پر تمام عالم گواہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں یعنی حضرت ابوسفیانؓ ، آنحضرت ﷺ کے سسر تھے اور صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک ان کا اعلیٰ کردار اس بات سے بھی ظاہر و باہر ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے پیروکار مسلمان اپنے مخالفین یہودیوں سے برسرپیکار رہے تو حضرت ابوسفیانؓ نے اپنے معاہدہ کا پاس کرتے ہوئے اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف براہ راست کسی بھی قسم کے جارحانہ اقدامات کرنے سے حتیٰ الامکان باز رکھا کہ جس کی وجہ سے اہل مکہ کے کفار براہ راست تو کچھ نہ کر سکے لیکن دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں مجبوراً مسلمانوں کو مکہ پر یلغار کرنا پڑی۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے برسرعام ایک اعلان کے ذریعہ حضرت ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لینے والوں کو بھی امان دی تھی لہذا جب حضرت ابوسفیانؓ نے کلمہ پڑھا تھا تو وہ اوپر اوپر سے نہیں پڑھا تھا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ آپؓ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہی اسلام سے متاثر ہو چکے تھے۔ فتح مکہ کے دن ہی حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ ابن حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ نے بھی اسلام قبول کیا اور بعد کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ ملک شام کی مختلف مہمات میں لشکر اسلامی کے سرکردہ سرداروں میں سے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کون نہیں جانتا؟ کہ جنہوں نے بعد میں بنو امیہ کی خلافت کی داغ بیل ڈالی۔ حضرت امیر معاویہؓ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں تشریف لائے تو وہ اس وقت اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کو پیار کر رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ آکر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا: ”ام حبیبہ کیا معاویہ تمہیں پیارا ہے؟ حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اگر یہ تمہیں پیارا ہے تو مجھے بھی پیارا ہے۔ لیکن ان تمام تاریخی حقائق کے برعکس جب اس شخص یعنی مسٹر بھٹو صاحب پر یہ خدائی عتاب نازل ہوا تو ان کو اپنی ہی اسلامی تاریخ بھی یاد نہ رہی اور نہ صرف ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا بلکہ ان

صاحب کے دماغ پر بھی اندھیرا چھا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ o (البقرۃ:۱۵۷)

اب حضرت ابوسفیانؓ کے بارہ میں اوپر درج مثال کو دیکھ کر شاید بعض لوگ یہ کہیں کہ جی جناب بھٹو صاحب کو تاریخ اسلام کا کوئی خاص علم نہ تھا اس لئے کوئی بات نہیں کیونکہ وہ کوئی مذہبی لیڈر نہ تھے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر وہ مذہبی لیڈر نہیں تھے تو انہیں ہم احمدی مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کا اختیار کس نے دیا تھا؟ وہ اپنا سیاسی اکھاڑہ جمائے رکھتے اور بس۔ اسی طرح جب وہ مذہبی آدمی تھے ہی نہیں تو انہیں اس قسم کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ جن کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے؟ اور وہ صاف صاف یہ کہہ دیتے کہ دیکھو بھئی یہ مذہبی معاملات ہیں اور میں ایک سیاسی آدمی۔ اس لئے مجھ سے کوئی فیصلہ نہ کرواؤ۔ جو کوئی اپنے آپ کو جو کچھ کہتا ہے اسے کہنے دو۔ اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانا پسند کرتا ہے تو تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ تم اسے نامسلم قرار دو؟ اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان مانتے ہیں تو انہیں ماننے دو کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے پاکستان کے قانون کے مطابق جائز ہے اور قائداعظم کا بھی یہی ارشاد ہے۔ لیکن ہونا تو وہ تھا جو کہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا یعنی نمبر ایک تو یہ کہ ہم احمدی مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دینے والا اس دنیا سے جاتے ہوئے خود اپنے ہی مونہہ سے اس بات کی تصدیق کرتا ہوٗا جائے کہ ہاں! اس کلمہ طیبہ کو اوپر اوپر سے پڑھنے والا بھی مسلمان ہی کہلاتا ہے اور نمبر دو یہ کہ اگر ہم لوگ اس کے اس فیصلہ کے بعد پاکستان سے ہجرت کر کے بیرونی ممالک میں نہ آبستے تو اغلباً پھر اس قدر جلد احمدیت کی ترقی ممکن نہ تھی کہ آج برطانیہ کے شہر لندن میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد ’’بیت الفتوح‘‘ ہم غریب الوطن لیکن اسلام کے سب سے زیادہ نام لیوا احمدی مسلمانوں کو تعمیر کرنا نصیب ہوئی۔ فالحمدللہ۔ پس یہ ہے وہ تازیانہ جو کہ ان صاحب کی شامت اعمال کی بدولت اُسی پر اُلٹا ہو کر پڑا اور یہ ہے وہ تازیانہ جو کہ دشمنان اسلام نام نہاد مسلمانوں پر پڑا کہ وہ یورپ میں اربوں ڈالر کی پونجی ہونے کے باوجود اپنے لئے کوئی اتنی بڑی جامع مسجد بھی نہ بنا سکے کہ جس سے غیر مسلم عیسائی۔ یہودی۔ بدھ مت اور ہندو مذہب کے پیروکار بھی اسلام سے متاثر ہوتے۔ اسی لئے تو میں اس منافق پر لعنت بھیجتا ہوں۔ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ o(ال عمران : ۶۲)۔ اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

طاقت کے نشے میں چُور تھے جو ، توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا (ثاقب زیروی)

اس لئے اب تو پاکستانیوں کی اور خصوصاً تمام سرکاری مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے روحانی نور اور ذہنی بصیرت کو ہی چھین لیا ہے تو پھر انہیں یہ تمام باتیں جو ہم انہی پاکستانیوں کی کتب و رسائل میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں دکھا رہے ہیں کیسے دکھائی دیں گی؟ اور کیونکر سمجھ میں آئیں گی ؟ یہ ہے وہ صداقت جو کہ بعض اوقات جھوٹے انسانوں کے مونہہ سے بھی کسی سچے انسان کے حق میں بیان ہو جایا کرتی ہے اور اسی کا نام ہے خدائی مدد یعنی نصرت الٰہی جو کہ صرف اور صرف خدا کے مقربین کو ہی نصیب ہوٗا کرتی ہے۔

پھولیں گے پھلیں گے ہر دم کلمہ پڑھانے والے
مِٹ جائیں گے اس جہاں سے کلمہ مٹانے والے

مجھے خوب یاد ہے کہ انہی ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کے حکم پر حافظ قرآن حضرت امیرالمؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو قومی اسمبلی میں جواب دہی کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اس دور ابتلاء کے موقع پر خدائے قدوس و برتر کی اسی غیر معمولی تائید و نصرت کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا:۔

’’ میں تمہیں مثال دیتا ہوں ۱۹۷۴ء کی۔ جب یہ کہا گیا کہ سوال و جواب ہوں گے اور اسی وقت آپ نے جواب دینا ہوگا تو صدر انجمن احمدیہ نے لکھا

کہ نوے سال پر لٹریچر پھیلا ہؤا ہے-سینکڑوں کتابیں ہیں اور امام جماعت کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ساری کتب ان کو زبانی یاد ہیں-اس واسطے ایک دن پہلے آپ سوال کریں اور اگلے دن جواب مل جائے گا-انہوں نے کہا-نہیں ! یہی ہوگا-طبعاً بڑی اہم ذمہ داری تھی اور پریشانی-ساری رات میں نے خدا سے دعا کی-ایک منٹ نہیں سویا-دعا کرتا رہا-صبح کی اذان کے وقت مجھے آواز آئی بڑی پیاری

وَسِّعْ مَکَانَکَ اِنَّا کَفَیْنَاکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ

ہمارے مہمانوں کی فکر کرو وہ تو بڑھتے ہی رہیں گے تعداد میں---ان کی فکر کرو، اپنے مکانوں میں وسعت پیدا کرو-استہزاء کا منصوبہ ضرور بنایا ہے انہوں نے مگر اس کے لئے ہم کافی ہیں-باون گھنٹے دس منٹ میرے پر جرح کی اور باون گھنٹے دس منٹ میں نے خدا کے فرشتوں کو اپنے پہلو پہ کھڑے پایا''-(روزنامہ الفضل ربوہ-جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۸۰ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ الہام بھی اپنی پوری شان وشوکت سے کئی رنگوں میں پُورا ہؤا :-

(۱) پاکستان کی قومی اسمبلی میں سات ستمبر ۱۹۷۴ء کے ظالمانہ فیصلہ کے بعد پاکستان کے دوسرے شہروں میں آباد بہت سے احمدی احباب کے اہل خانہ ربوہ منتقل ہو گئے اور اس نقل مکانی سے ربوہ کی زمینوں کی قیمت دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں کے اندر اندر آسمان سے باتیں کرنے لگی لیکن اس گرانی کے باوجود بھی ربوہ کی آبادی بڑھتی ہی چلی گئی-مجھے یاد ہے کہ ہمارے محلّہ دارالصدر شمالی میں زمینوں کی قیمت اس علان کے بعد یکدم چار گنا ہو گئی تھی یعنی ایک کنال رقبہ دس ہزار کی بجائے چالیس ہزار روپیہ فی کنال میں بکنے لگا بلکہ ربوہ کے بقیہ محلوں کی کم قیمت زمینوں کا بھی یہی حال تھا کہ ان کی قیمت بھی کئی گنا بڑھ گئی اور اب تک یہ قیمت بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔

(۲) ان نقل مکانی کر کے آنے والے احمدی احباب کے ساتھ ساتھ ربوہ اور تمام پاکستان بھر کے بہت سے احمدیوں نے حکومت اور نام نہاد مسلمان ملاؤں کے ظلم وستم سے تنگ آکر غیر ممالک میں ہجرت کر جانے کو ربوہ نقل مکانی پر ترجیح دی اور ہجرت کر جانے والوں نے باہر کے ملکوں سے بے حدو حساب غیر ملکی رقم یا روپیہ ربوہ بھیجنا شروع کر دیا کہ جس کی بدولت حکومت پاکستان کو زرمبادلہ کی صورت میں بہت فائدہ ہؤا اور ربوہ میں بھی نہایت عالیشان مکانات اور بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر ہونے لگیں-

(۳) جو احباب جماعت باہر کے ممالک میں آن بسے انہوں نے ان بیرونی ممالک میں بھی نہ صرف اپنے لئے مکانات خریدے بلکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کرتے ہوئے جماعت کے لئے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے وافر مقدار میں چندہ دیا کہ جس کی بدولت چند برس کی قلیل مدت میں ہی دیار غیر میں بیسیوں نئے مراکز اور مساجد تعمیر ہو گئیں اور ابھی تو یہ ابتداء ہے انجام خدا جانے ؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کار خیر کا انجام انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہی بابرکت ثابت ہوگا-پس یہ ہے وہ عظیم الشان تائید ونصرت اور فتح وظفر کہ جس کا وعدہ ہم احمدی مسلمانوں سے کیا گیا ہے جو کہ ہمیں دعاؤں کے جہاد سے۔مال کے جہاد سے۔وقت کے جہاد سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ تلوار کی دھار سے-فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ

بہرحال اسی سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے ایک خطبہ میں ہم بیرونی ممالک میں مقیم غریب الوطن تارکین کے بارہ میں کچھ خوشی اور کچھ مزاح کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ملے جلے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: '' جب سے یہ نوجوان باہر کے ممالک میں گئے ہیں تب سے ربوہ کی زمینوں کی قیمت کے ساتھ ساتھ روزمرہ زندگی کی اشیائے خوردونوش اور اجناس بھی

ربوہ میں مہنگی ہوتی چلی جارہی ہیں'' -اور ہم تارکین وطن کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مال و دولت کو مزید بڑھائے-آمین۔یہاں مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی دینی غیرت وحمیت کا ایک بےنظیر واقعہ یاد آ گیا کہ ہم احمدیوں کو غیر مسلم قرار دئے جانے کے باوجود بھی جب کچھ عرصہ کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی قسمت کا ستارہ عروج پر جانے کی بجائے کسی خاص روحانی کشش ثقل کی گرفت میں آ کر نیچے کی جانب گرنے لگا تو انہیں ایک بار پھر اپنے مخلص احمدی مددگار دوست یاد آ گئے لہذا انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو اپنی سرکاری رہائش گاہ پر ملاقات کی دعوت دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے سامنے قومی اسمبلی میں منظور شدہ آئین میں ترمیم کے لئے کئی بار پینترے بدلے کہ یہ صرف بنیاد پرستوں کا مونہہ بند کرنے کے لئے کیا گیا ہے-وغیرہ وغیرہ-حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے حالات زندگی کے بارہ میں ایک کتاب ''ایک مردخدا'' میں درج ہے کہ اس گفتگو کے درمیان:-

'' چائے آ گئی اور بھٹو صاحب نے ایک پیالی بنا کر (حضرت) خلیفۃ الثالثؒ کی خدمت میں پیش کی لیکن آپؒ نے چائے پینے سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا:-'' آپ ملکی حکومت کے سربراہ ہیں اور میں ملک کا شہری ہوں-آپ نے بلوایا اور میں آپ کے بلاوے پر آ گیا-ایک شہری کی حیثیت سے مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے جو میں نے ادا کر دیا لیکن یہ امر کہ میں آپ کی میزبانی بھی قبول کروں بالکل ایک الگ معاملہ ہے-خصوصاً جبکہ آپ نے جماعت احمدیہ کے خلاف ایسی معاندانہ اور یکطرفہ کاروائی کی ہے-اس لئے معذرت چاہتا ہوں-میں چائے کی یہ پیالی نہیں پی سکتا-بھٹو ایک بڑے خود پسند اور متکبر انسان تھے-یہ الفاظ سن کر منجمد ہو کر رہ گئے-پیالی ان کے ہاتھ میں تھی-جسے آہستہ سے انہوں نے میز پر رکھ دیا'' -(''ایک مردخدا'' صفحہ ۱۷۶)

گلشن دین محمدؐ کے مہکتے پھولو
لاکھ ہوں جورِ خزاں پھولتے پھلتے رہنا
اور بھی آئیں گے ان راہوں میں کچھ سخت مقام
عزم کی شمع لئے سینوں میں چلتے رہنا (ثاقب زیروی)

ایسا جرأت مندانہ اور دلیرانہ جواب صرف خدا تعالیٰ کی مدد پر یقین کامل رکھنے والے وجود ہی دے سکتے ہیں یا صرف وہ جو کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے میدان میں اتر آئے ہوں اور سیدنا امیر المؤمنین حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ دونوں بھائی بلاشبہ ایسے ہی عظیم الشان وجود تھے جو کہ جذبۂ شہادت سے مخمور تھے اور اس راہ میں جانی قربانی دینے سے بھی گریز کرنے والے نہ تھے۔اسی لئے تو بادشاہ وقت کے سامنے بھی یہ دونوں کلمہ حق کہنے سے باز نہ آئے۔اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان دونوں بزرگوں پر ہوں اور تا قیامت ان پر ہوتی رہیں۔آمین

دین اسلام کے بارہ میں قرآن مجید میں واضح طور پر تحریر ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی بھی شخص یا فرقہ یا قوم پر اس کے مذہب کی بنا پر ظلم وستم ڈھانے کی قطعاً اجازت نہیں اور اب ۱۹۷۴ء میں جبکہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۴ء میں صرف آخری دونوں ہندسوں کو اِدھر اُدھر کرنے کی ضرورت ہے یعنی تیس برس سے بھی کم عرصہ کے اندر اندر اسی پاکیزہ مذہب اسلام کے نام پر خونریزی ؟ قتل وغارت؟ ماردھاڑ؟ لوٹ مار؟ وہ بھی ایک ایسے ملک میں کہ جسے ۱۹۴۷ء میں حاصل ہی صرف مذہبی آزادی کے نام پر کیا گیا تھا-لہذا دل چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ چلیں کہ جہاں شخصی آزادی ہو اور انسانی حقوق کو انتہائی بیدردی سے اس طرح پامال نہ کیا جاتا ہو حتیٰ کہ احمدیوں کو موت کے گھاٹ ہی اتار دیا جائے ؟ اور یہ سب کچھ ایک ایسی جماعت

کے افراد کے ساتھ کیا جائے کہ جو پاکستان کے بنانے میں صف اول کی مجاہد ہو؟ ایسے افراد کہ جنہوں نے اس ملک کی آزادی کی خاطر ۱۹۴۷ء میں اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان تک کو بھی قربان کر دیا تھا ؟ غرض کوئی ایسی جگہ کہ جہاں ضمیر کی آزادی ہو اور سب سے بڑھ کر مذہبی آزادی ہو کیونکہ اس کے برے بھلے کے لئے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہے اور کسی بھی فرعون کے سامنے نہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے کئی فراعین ہمارے سامنے آئے اور خدا کے فضل سے ناکام و نامراد ہو کر واپس چلے گئے کیونکہ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے کہ وہ ایک خدا کو مانتا ہے یعنی مسلمان یا تین خداؤں کا عقیدہ رکھتا ہے یعنی عیسائی یا سینکڑوں خداؤں (بتوں) کو پوجتا ہے یعنی ہندو اور یا پھر سرے سے خدا تعالیٰ کی ذات کا ہی منکر ہے یعنی دہریہ۔ اس موضوع پر قرآن مجید میں صاف صاف الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ --- (سورۃ البقرہ : ۲۵۷) ۔ یعنی: دین کے معاملہ میں کوئی جبر جائز نہیں---

ان روشن آیات میں درج اس فرمان خداوندی کے باوجود ان نام نہاد مسلمانوں کو سمجھ نہیں آتی کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر کوئی ظلم کوئی سزا جائز نہیں اور جو کوئی چاہے اور جب چاہے اور جہاں بھی وہ مناسب سمجھتا ہو اور جسے وہ خود پسند کرے اپنا خدا، اپنا نبی اور اپنا مجدد یا مصلح یا لیڈر مان سکتا ہے ۔ پھر ہم احمدیوں پر اس ظلم و ستم ڈھانے کی وجہ آخر کیا ہے؟ قرآن مجید یعنی خدائی الفاظ کی یہ بے حرمتی نہ صرف دنیا بھر کے تمام مہذب مسلمانوں کے لئے باعث صد افسوس ہے بلکہ ایک غیر مسلم کے لئے تو مسلمانوں کی اپنی ہی مقدس کتاب قرآن مجید کی یہ بے ادبی نہ صرف باعث تمسخر ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر باعث نفرت ہے کہ جب یہ نام نہاد مسلمان اپنی ہی مذہبی کتب میں درج شدہ احکامات کی پابندی نہیں کر رہے تو اب کسی دوسرے کو کس مونہہ سے اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں؟ پس میرے خیال میں ان ملاؤں کا بس نہیں چلتا ورنہ نعوذ باللہ وہ تو کب کی یہ آیات قرآن شریف میں سے نوچ کر نکال باہر پھینکتے ۔ ان نام نہاد مولویوں کی انہی حرکات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں قرآن شریف اور احادیث نبویہؐ کی پاکیزہ تعلیمات کی نسبت اپنی پیٹ پوجا زیادہ عزیز ہے۔ اسی لئے تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن شریف کی صحیح تعلیم اور صداقت کو پیش کرنے کے لئے ایک ایسے وقت میں اس دنیا میں معبوث فرمایا ہے جب کہ ان مذکورہ لوگوں نے قرآن مجید کے معنی اور مطالب میں فرق ڈالنا شروع کر دیا تھا اور اب بھی اپنی تاویلوں کو کمزور احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ۔ بہرحال ان تمام آیات کی موجودگی کے باوجود بھی سر عام احمدی مسلمانوں کے گھر بار اور کاروبار کو تباہ کرنے، ان کو جلا دینے نیز ان کو ہلاک کرنے کے بارہ میں بر سر عام اعلانات کئے جاتے ہیں اور حکومت وقت ٹس سے مس نہیں ہوتی ۔ کیا یہ سب لوگ قرآن شریف کی اس آیت کو بھول گئے ہیں کہ جس میں اپنی ہی قوم کے افراد کو ان کے گھروں سے بے گھر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور انہیں قتل کرنے سے بھی روکا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَاتَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ ٥ (البقرہ : ۸۵) ۔ یعنی : اور اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تم سے اس بات کا پکا عہد لیا تھا کہ تم اپنے ہی ہم قوموں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے آپ یعنی اپنی قوم کے ہی لوگوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے اور تم نے اس عہد کی پابندی کرنے کا سچے دل سے اقرار کر لیا تھا اور تم سب انسان اس عہد کی پابندی کرنے کی روز ازل سے ہی گواہی دیتے چلے آئے ہو۔ اس واضح سورۃ کی موجودگی کے باوجود کہ جس میں ''ہم قوم'' کا لفظ خود خدا تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے اور ''ہم مذہب'' کا لفظ استعمال نہیں فرمایا تا کہ سب انسان قتل ہو جانے سے بچ جائیں لیکن پھر بھی یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے حکمران یعنی صدر صاحبان، وزیر اعظم صاحبان، عدلیہ، پولیس اور فوج وغیرہ اپنے ہی ہم قوموں یعنی احمدیوں پر اتنے بھیانک ۔ خوفناک اور ہولناک مظالم پر خاموش کیوں ہیں ؟ جبکہ جناب قائد اعظم محمد علی جناح صاحب نے تو پاکستان کی آزادی کے وقت علیٰ اعلان یہ فرمایا تھا کہ اے پاکستانیو! :-

''تم آزاد ہو۔تم اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جانے کے لئے پاکستان کی مملکت میں بالکل آزاد ہو۔آپ کسی مذہب،فرقہ، عقیدہ سے تعلق رکھیں اس کا کاروبارسلطنت سے کوئی سروکارنہیں ہے۔ہم اس بنیادی اصول سے اپنے نظام کا آغاز کررہے ہیں کہ ہم سب ایک ملک کے شہری ہیں اور مساوی الحیثیت۔ہمیں اس مسلک کو اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنا چاہئے۔پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا، نہ مسلمان، مسلمان۔مذہبی اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقائد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی لحاظ سے ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہوجائیں گے''۔

لہٰذا اب میں پاکستان کے ان تمام خودساختہ نام نہاد مسلمان علمائے کرام اور خصوصاً سرکاری مسلمانوں سے علیٰ اعلان یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا قائد اعظم جناب محمد علی جناح صاحب نے اُس وقت دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے یہ سب کچھ فرمایا تھا یا واقعی ایک مسلمان ریاست میں ہر ایک شخص کو اسلامی روایات کے عین مطابق ہر طرح سے مذہبی آزادی دی جاتی ہے اور وہی مذہبی آزادی تمام پاکستانیوں کو بھی دی گئی تھی؟ لیکن تُف ہے کہ اب تو مذہبی آزادی کے حق میں قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب کے فرمان کی بھی خلاف ورزیاں کی جارہی ہیں کہ جنہیں تمام پاکستانی عوام حضرت قائداعظم اور بابائے ملت کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں لیکن بات ان کی پھر بھی نہیں مانتے؟ ایسے معزز شخص کے اسی فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے پاکستان کے چھ مشہور و معروف جج صاحبان یعنی جناب فخرالدین جی ابراہیم صاحب سپریم کورٹ آف پاکستان، جناب علی حیدر صاحب پاکستان ہائی کورٹ، جناب فضل غنی صاحب پاکستان ہائی کورٹ جناب عبدالحفیظ میمن صاحب سندھ ہائی کورٹ، جناب اے کیو صحالے پوتہ صاحب سندھ ہائی کورٹ اور جناب ایم جی شاہ صاحب سندھ ہائی کورٹ نے بیان دیا ہے کہ:۔

''پاکستان میں سب کو اپنی پسند کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔انہوں نے کہا کہ احمدیہ فرقہ یا کسی اور فرقہ کے افراد پر طریقہ عبادت اور کلمہ پڑھنے پر موجودہ پابندیاں ان حقوق کی شدید خلاف ورزی ہیں جن کی ضمانت ملک اور مملکت کے تمام شہریوں کو دی گئی ہیں نیز یہ بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی بھی نفی ہے''۔(فرق ۸۔۱۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۲۵)

پس اب تو ان تمام خاموش تماشائی پاکستانیوں کو کچھ تو شرم وحیا اختیار کرنا چاہئے کہ ان کو ایک آزاد ریاست لے کر دینے والا انہیں کیا نصیحت کررہا ہے اور موجودہ پاکستانی اب کس روش پر چل رہے ہیں؟ لیکن یہ تمام حالات دیکھ کر یہ بات روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جب یہ تمام پاکستانی یعنی سرکاری مسلمان افراد۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام پاک یعنی قرآن مجید کی آیات کریمہ میں درج احکامات الٰہیہ اور اس کے رسول آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ کی پاکیزہ باتوں یعنی احادیث نبویہؐ کو بھی سرعام ماننے سے انکار کررہے ہیں تو جناب قائداعظم محمد علی جناح صاحب کی باتوں کا ان پر کیا اثر ہوسکتا ہے؟ یعنی جب یہ نام نہاد مسلمان اللہ اور اس کے رسول آنحضرت ﷺ کی باتوں کو نہیں مان رہے ہیں تو پھر قائداعظم محمد علی جناح صاحب کی باتوں کو کیسے مان سکتے ہیں؟ اور کیوں مانیں گے؟ بہرحال اسی مضمون کے تسلسل میں خاکسار کو یہ بھی خوب یاد ہے کہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ۱۹۷۴ء میں درپیش آنے والے اُس ابتلاً سے بھی بہت پہلے یعنی ستر کی دہائی کے آغاز میں ہی قرآن مجید میں سے سورۃ البقرہ کی پہلی سترہ آیات باترجمہ زبانی یاد کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔اگر آپ ان آیات کے ترجمہ پر غور فرمائیں تو آپ کو ۱۹۷۴ء کے واقعات اور اس کے بعد جماعت احمدیہ کو پیش آنے والے حالات ایک پیشگوئی کی صورت میں ان آیات میں ایک پیشگوئی کی صورت میں تحریر دکھائی دیں گے اور وہ صورت حال صاف صاف نظر آنے لگی گی جو کہ ۱۹۷۴ء میں ہم احمدی مسلمانوں کو پیش آئی اور دنیا کا کوئی صاحب بصیرت شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان آیات میں ہمارے زمانہ کا ذکر نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے تو پھر وہ

نعوذ باللہ اس کتاب اللہ میں درج مقدس آیات کے تاقیامت اطلاق کا بھی انکار کرتا ہے- مثلاً: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ٥ -(البقرة :۹)- یعنی : اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آنے والے دِن (روز قیامت) پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز ایسا ایمان نہیں رکھتے ۔

یعنی بعض نام نہاد مسلمان ایک دوسرے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اس بات کا اقرار کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کہ وہ ہی صرف سچے اور پکے مسلمان ہیں اور اپنے علاوہ ہر کس و ناکس کو غیر مسلم قرار دے رہے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے دین و ایمان اور فرقہ پر کفر کے الزامات بھی لگاتے چلے آرہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان منافقین کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو خوامخواہ کافر قرار دیتے رہتے ہیں اور فی الواقعہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے خود ہی راہ راست سے دور ہیں : وَاِذَا رَاَوۡهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوۡنَ ٥ (المطففين :۳۳)- یعنی : اور یہ لوگ جب بھی سنت اللہ اور سنت الرسول ﷺ نیز قرآن و حدیث پر خلوص دل سے عمل کرنے والوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو بالکل ہی گمراہ ہیں- لیکن ایسے شر پسند پھر بھی کسی کی بات نہیں مانتے اس لئے قرآن مجید میں اسی آیت کے ساتھ ایک مرتبہ پھر نہایت ہی صاف صاف الفاظ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَمَآ اُرۡسِلُوۡا عَلَيۡهِمۡ حٰفِظِيۡنَ ٥ (المطففين :۳۴)- یعنی : حالانکہ یہ کسی کو گمراہ کہنے والے کسی بھی کلمہ گو شخص پر نگہبان بنا کر اس دنیا میں نہیں بھیجے گئے تھے- پس انہی آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر یہ نام نہاد مسلمان قرآن پاک، آنحضرت ﷺ اور احادیث نبویہ نیز شریعت اسلام پر ایمان و یقین رکھتے ہیں تو پھر وہ قرآن مجید میں درج ان تمام آیات مبارکہ کی پیروی کرتے ہوئے ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے ؟ فرمایا: ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَ تُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ ز تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ط وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ط اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡيٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ج وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ٥ (البقرة: ۸۶)- یعنی: پھر تم وہی لوگ ہو کہ جو اپنے کئے گئے وعدہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے ہی ایک فریق کے خلاف ظلم کرتے ہوئے اس جماعت کے دشمنوں کی مدد کرنے کا گناہ کرتے ہو اور اگر وہ مغلوب لوگ قیدی بن کر تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیتے ہو جبکہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا ہی تم پر حرام کیا گیا تھا- پس کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر تو ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس دنیا کی زندگی میں ہی ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ جو کہ انہیں ملے گی اور انہیں قیامت کے دن اس سے بھی زیادہ سخت عذاب ملے گا کیونکہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے بالکل غافل نہیں کہ جو کچھ تم کرتے پھر رہے ہو-

یعنی اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے یہ وہی لوگ ہیں کہ جو نہ صرف قرآن کے ہر ایک حکم کو سچ مانتے ہیں بلکہ ان احکامات پر عمل کرنے کی قسم بھی کھاتے ہیں لیکن ان کے اعمال تو کچھ اور ہی ہیں ورنہ ان کی کیا جرأت ہے کہ وہ خدائی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہم احمدی مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دے دیں؟ یا ہم احمدیوں کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دے کر ہماری جان سے ہولی کھیلیں؟ ایسی ہی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان نام نہاد مسلمانوں نے قرآن شریف کی بعض آیات کو نعوذ باللہ پس پشت ڈال رکھا ہے یعنی کسی ایک آیت کو مانتے ہیں اور کسی دوسری آیت کے منکر ہیں- حالانکہ سچا ایمان دار نیز پکا مسلمان صرف وہی شخص ہے جو کہ قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کو مانے اور اور اس کی کسی ایک بھی شد اور زیر یا زبر کا انکار نہ کرے- پس! ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ انتباہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ لوگ شائید اس جہان میں تو دنیا

کو دھوکہ دے لیں لیکن آخرت میں ان کا انجام انتہائی بد ہوگا۔ آہ یہ متعصب لوگ کہ اب بھی نہیں مانتے۔فرمایا: یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ج وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۰) ۔یعنی: وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کے سوا کسی دوسرے کو دھوکہ نہیں دے سکتے لیکن اس کے باوجود بھی وہ نہیں سمجھتے ۔ پھر اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ لا قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۲) ۔یعنی: اور جب اُن سے یہ کہا جائے کہ تم خدا کی زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو تب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف تمہاری اصلاح کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ یہ لوگ روزِ اول سے کرتے چلے آرہے ہیں کہ ہم معصوم احمدی مسلمانوں کو جبراً وہی کلمہ پھر دوبارہ پڑھوانا چاہتے ہیں جو کہ ہم صدقِ دل سے ہمیشہ سے ہی پڑھتے چلے آرہے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ، سیدنا آنحضرت محمد احمد ﷺ، کتاب اللہ قرآن شریف اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ السلام یعنی مذہب اسلام کی سچی محبت میں مبتلا پڑھتے چلے جائیں گے۔صرف نام نہاد مسلمان اور ان کی حکومتیں نہیں پڑھیں گی ورنہ ہم احمدیوں کے سینوں پر لگے ہوئے کلمہ طیبہ سے مزین بیجوں کو اتارنے کا مذموم حکم حکومت پاکستان نے کیوں دے رکھا ہے؟ ورنہ پاکستان میں ہمیں اپنی ہی مساجد میں اذان دینے کی اجازت کیوں نہیں؟؟ ورنہ پاکستان میں ہم کو اعلائے کلمۃ اللہ پھیلانے یعنی تبلیغ اسلام کرنے کی اجازت کیوں نہیں؟؟؟ بہرحال حکومت پاکستان کے انہی ناروا قوانین اور احکامات سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان قوانین کے نفوذ کا مطالبہ کرنے والے لوگ اور ان احکامات کو صادر کرنے والے حکام دراصل وہی نام نہاد مسلمان لوگ ہیں کہ جن کا ان آیات میں ذکر ہورہا ہے کہ ’’ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں‘‘ کیونکہ انہیں یہ سمجھ ہی نہیں کہ کلمہ طیبہ کو پڑھنے والا۔اذان دینے والا۔نمازوں کی پابندی کرنے والا۔فریضہ تبلیغ کو ادا کرنے والا اگر جھوٹا ہے تو وہ ایک دن، دو دن یا شائید کچھ ماہ تک یہ سب کچھ دنیا کو دکھانے کے لئے کرلے گا لیکن اس کے بعد کبھی نہ کبھی چھپ چھپا کر پھر اپنے اسی پرانے مذہب کی عبادت اختیار کرلے گا لیکن ہم احمدی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنی ماؤں کے پیٹ سے ہی اللہ اور محمد ﷺ کا نام لیتے ہوئے پیدا ہوئے ہیں اور اس وقت سے لے کر اب تک کلمہ طیبہ، قرآن شریف اور احادیث نبویہؐ نیز سنت رسولؐ پر عمل کرنے کے پیارے اور بابرکت اسباق سنتے چلے آرہے ہیں اور اسلام ہماری رگ رگ میں خون بن کر دوڑ رہا ہے لہذا یہ منکرین مسیح و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم احمدیوں کو اب سو سال سے زائید عرصہ سے دین اسلام کے تمام ارکان کی غیر مشروط اور مکمل پابندی کرتے ہوئے دیکھتے چلے آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں ہر طرح کی جھوٹی باتیں اور ناحق الزامات ہم سے منسوب کرتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہر وہ شخص مسلمان ہے جو کہ درج ذیل کلمہ پڑھتا ہے یعنی:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

’’ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں‘‘

جبکہ یہ کلمہ طیبہ کسی عام تو کیا کسی خاص انسان کی بھی اختراع نہیں بلکہ خدائے بزرگ و برتر اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا کلام پاک ہے اور سیدنا حضرت محمدؐ مصطفٰے احمدؐ مجتبٰے ﷺ نے بنفسِ نفیس ہمیں خود سکھایا ہے۔اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ اُس نے آنحضور ﷺ کو اس کلمہ کے سکھانے کے بعد خاتم النبیین بنانا تھا ؟ کیا آنحضرت ﷺ کو اپنے خاتم النبیین ہونے کا علم نہ تھا؟ جیسا کہ ہم سب مسلمان اس بات کا دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل کا تمام حال ازل سے لے کر ابد تک جانتا ہے تو پھر کیوں اس نے اس کلمہ مبارکہ میں صرف محمد رسول اللہ کے الفاظ کو قائم رکھا اور اس کی بجائے محمد رسول اللہ خاتم النبیین کے الفاظ کا اضافہ نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ تو نعوذ باللہ کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لہذا اسی ایک چھوٹی سی مثال سے ہی ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ کام صرف اور صرف دھوکہ باز نام نہاد مسلمان مولویوں کا

ہے کہ جو کہ اب اس کلمہ طیبہ کے پڑھنے والوں پر درود وسلام بھیجنے کی بجائے اس کلمہ طیبہ کے پڑھنے والوں پر یعنی حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اور آپؑ کے متبعین پر لعن طعن بھیجنا جائز بلکہ لازمی سمجھتے ہیں جبکہ احادیث نبویہ کے مطابق : سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْق'' یعنی مؤمن کا گالی دینا ایک بہت بڑا گناہ ہے ۔ لیکن عملاً اس حدیث پر عمل کر کے نہیں دکھاتے لہذا یہ کلمہ انشاء اللہ تعالیٰ جیسا کہ ارشاد خداوندی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بالکل ویسا ہی رہے گا یعنی :-

'' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ

'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں''

اور ہم احمدی اس کا ورد کرتے ہی رہیں گے اور اسے اپنے سینہ پر آویزاں کرتے ہی رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ اور پھر توجہ طلب بات یہ ہے کہ کسی جگہ بھی یہ نہیں لکھا ہؤا یعنی نہ قرآن مجید میں اور نہ حدیث شریف میں اور نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کلمہ میں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ کے ساتھ لازماً خاتم النبیین کے الفاظ بھی شامل ہوں گے جبکہ خدا تعالیٰ کے مقدس کلام یعنی قرآن مجید کے اندر یا اس کے ساتھ کسی بھی دوسرے لفظ یا فقرہ کا اضافہ کرنا بھی اس بابرکت اور پاکیزہ کلام کی انتہائی بے حرمتی ہے۔ اس بات کا خیال مجھے اس لئے آیا کہ اغلباً ۱۹۸۲ء میں جب میں اپنے پاکستانی پاسپورٹ کو REVENUE کروانے پاکستانی ایمبیسی بون گیا تو وہاں مجھے ایک فارم پر کرنے کے لئے دیا گیا کہ جس میں اپنے نام اور پتہ کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان ہونے کے لئے اس بات کا اقرار بھی شامل تھا کہ میں نعوذ باللہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا نبی اور جھوٹا مسیح اور جھوٹا مہدی مانتا ہوں۔ اس پر میں نے ان سطور پر کراس CROSS لگا دیا کہ میں اس فقرہ کو نہیں مانتا کہ جس پر ایمبیسی کے افسر بہت چین بچیں ہوئے لیکن میں خدا کے فضل سے اپنی بات پر ڈٹا رہا کہ پاسپورٹ رینیو کرنا ہے تو کر دیں ورنہ نہ کریں کہ جس پر ایمبیسی کے عملہ نے مجبوراً میرا پاسپورٹ ریونیو کر دیا۔ اس کے بعد یہ تمام حالات میں نے یہاں کی ایک عدالت میں بیان کئے کہ یہ لوگ اب پاکستان سے باہر بھی لوگوں کو زبردستی اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ ہم اپنی جان سے بھی پیارے نبی مہدی اور مسیح کی صداقت کا انکار کریں۔ میرے اس تحریری بیان پر عدالت نے جرمن حکومت پر زور دیا کہ اس قسم کی شقات کو پاکستانی ایمبیسی کے فارم سے خارج کروایا جائے۔ اس پر جرمن حکومت نے ایکشن لیا اور پاکستانی ایمبیسی اس شق کو اپنے فارم سے ہٹانے پر مجبور ہوگئی اور اب کسی کو اس قسم کا فارم پر نہیں کرنا پڑتا۔ لہذا ثابت ہؤا کہ ایک مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کے ثبوت میں سوائے کلمہ طیبہ پڑھنے کے کسی اور فقرہ کو لکھنے پڑھنے یا دہرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں لیکن پاکستانی نام نہاد مسلمان تو الٹی گنگا بہانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کلمہ طیبہ کی بجائے ہر مسلمان کسی دوسرے کو پہلے جھوٹا قرار دے تو تب وہ مسلمان کہلائے گا یا کہلانے کا حقدار ہے۔ بہر حال ان نام نہاد مسلمانوں کی مذہب اسلام کے پاکیزہ قوانین میں یہ ناپاک تحریف انشاء اللہ ضرور ناکام ہوگی۔ اسی طرح قرآن پاک احادیث نبویہؐ اور سنت رسول ﷺ کے مطالعہ سے ہی انسان اس معاملہ کی تہہ تک جا پہنچتا ہے کہ یہ قرآن و احادیث کی پاکیزہ اور بابرکت تعلیم سے بے بہرہ نام نہاد مسلمان ملاں ان مقدس کتب میں تحریر پاکیزہ تعلیم کے سراسر برخلاف اپنے ان پڑھ اور معصوم مسلمان عوام کو صریح دھوکہ دے رہے ہیں اور ان معصوم عوام کو ختم نبوت کے نام پر صرف چندہ جمع کرنے ۔ اپنی جیبیں بھرنے ۔ جلسے جلوس نکالنے ۔ دنگا وفساد برپا کرنے اور قتل وغارت گری کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

دراصل قرآن شریف کی آیات کے ترجمہ اور تشریح سے بے خبر نام نہاد مسلمان اور خود ساختہ مسلمان مولوی صاحبان، خاتم کے لفظ کو غلط استعمال کر رہے ہیں اس کی ایک مثال قرآن مجید کے حوالے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور مجھے امید ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے پیش کرنے سے لفظ خاتم کے سیاق وسباق اور اس کے معنی کا صحیح اور درست علم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں صاف صاف اور کھلے الفاظ میں

ارشادفرماتاہے : خَتَمَ اللهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ ط وَ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ (البقرة :٨)- یعنی : اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر اور اُن کے کانوں پرمُہر لگادی ہےاور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑاہوُا ہےاور اُن کے لئے ایک بہت بڑاعذاب مقدر ہے- یہاں اللہ تعالیٰ کفار کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور تمام امت مسلمہ کومخاطب کر کے فرمار ہاہے کہ میں (اللہ) نے اُن کفار کے دلوں اور کانوں پرمُہر لگادی ہے یعنی اُن کے دل دھڑک تو رہے ہیں اور وہ زندہ بھی ہیں لیکن حقیقتاً میں نے اُن کفار کے دلوں کو روحانی طور پر ہمیشہ کے لئے صداقت کوقبول کرنے سے روک دیا ہے- اب یہاں پرلفظ خاتم کا بھی وہی مطلب ہے جو کہ ہم احمدی خَتَمَ اللهُ کا اوراسی طرح خاتم النبیین کا بیان کرتے ہیں کہ خاتم کا مطلب شرعی نبوت کا خاتم نہ کہ نبوت کےتمام درجات کا خاتم ورنہ اگر نبوت کا بھی خاتمہ ہوجائے تو پھرخدا کی یہ آیت جھوٹی ثابت ہوجاتی ہے کہ یہاں تو وہ خاتم کی مُہر لگا کرصرف صداقت کی قبولیت کے لئے دلوں پرمُہر لگا تا ہےاوران کفار کو عملاً اور حقیقتاً اس دنیامیں زندہ رکھتا ہےلیکن جب نعوذ باللہ سیدنا حضرت رسول کریم ﷺ کے بارہ میں خاتم النبیین کا ذکر فرماتا ہےتو پھرعملاً ہرطرح کی نبوت کا بھی خاتمہ کر دیتا ہے-اگرایسا ہی ہے تو پھر اُن کفار کے دلوں کی دھڑکنیں بند کیوں نہ ہوگئیں ؟ اوروہ کفار اُسی وقت مرکیوں نہ گئے؟؟ کیوں کہ اگرخاتم النبیین کا مطلب ہرطرح کی نبوت کا خاتمہ ہےتو پھر یہ بہت ہی حیرت کی بات ہے کہ اس لعنت اللہ یعنی خَتَمَ اللهُ کے بعدبھی کفار ایک عرصہ تک زندہ سلامت رہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اس آیت کے اتارنے سے پہلے ہی خاتم کی مُہر ثبت کردی تھی اور پھر اُس کے بعد آنحضور ﷺ کو یہ آیت اتارکرمطلع فرمایا تھا کہ میں نے اُن کفار کے دلوں پراپنی یہ مُہر ثبت فرمادی ہے لہٰذا اب کفار کے یہ دل مزید نہیں دھڑکیں گےلیکن آپ نے دیکھا اور ایک دنیا نے دیکھا کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بھی وہ کفار، وہ منکرین ،وہ مشرکین ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہےاور باربار مسلمانوں پر اپنے بیشمار جنگجوؤں اور سازوسامان کی برتری کی بدولت حملہ آور ہوتے رہے-اے نادان نام نہادمسلمانو ! یہ کیسے جن بھوت تھے کہ خدانے توان کافروں کا خاتمہ کردیا تھالیکن وہ اس کے باوجود بھی یہ سب کام کرتے رہے؟؟؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا خاتمہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف ان کے دلوں پر سچائی کے نہ ماننے کی مہرثبت فرمادی گئی تھی- پس! یہ آیت بھی حضرت مرزاغلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے-سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

لہٰذا اب اگرمیں ان مولویوں کےترجمہ اورتشریح پرافسوس کے ساتھ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرة:١۵٧) نہ پڑھوں تو اور کیا کروں؟ کہ انہیں خدا تعالیٰ کی صاف صاف بیان کی ہوئی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آرہیں کہ ایک جگہ تو اسی لفظ خاتم کو لےکر ہرطرح کی نبوت کا خاتمہ قرار دے رہے ہیں اور ایک دوسری جگہ اسی خاتم کے الفاظ کے نزول کے بعد بھی کفار کوزندہ سلامت دیکھ رہے ہیں؟؟؟؟ پس اسی ایک آیت کی تشریح سے ہی یہ بات کھل کر روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ دراصل یہ نام نہاد مسلمان ملاں ،مولوی، پیر، فقیر، خواجہ اور مفتی صاحبان خدا تعالیٰ کے مقدس کلام پاک قرآن مجید کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے-اب اگرآپ مزیدغور فرمائیں تو یہاں نہ صرف کفار کے دلوں کا ذکر ہے بلکہ اُن کفار کے کانوں کا بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کانوں پر بھی مُہر ثبت فرمادی تھی-اب آپ ذراخودغور فرمائیں کہ تاریخ میں کوئی ایک بھی مثال اس بات کی نہیں ملتی کہ وہ کفار کہ جنہوں نے سیدنا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کیا تھا وہ اس آیت کے اترتے ہی اپنے کانوں کے ذریعہ سننے کی طاقت یعنی شنوائی کھوبیٹھے اور پھراس کے بعدانہوں نے اپنی بقیہ زندگی صرف اشاروں کنایوں میں ہی باتیں کرتے ہوئے گزاردی-دراصل یہاں بھی خَتَمَ اللهُ صرف صداقت اورآوازحق کوسن کرسمجھ لینا مراد ہےنہ کہ حقیقتاً کانوں سے بہرے ہوجانا مراد ہے یعنی وہ کفار جو کہ آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغام حق کوسن کربھی اس پریقین نہ لاتے تھے انہیں حق وصداقت کی بات سننے سے ہی محروم

کردیا گیا-یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کو قبول کرنے کی سعادت سے ہمیشہ کے لئے دور کردیا ورنہ حقیقتاً وہ اپنی بقیہ تمام زندگی اپنے یار دوستوں، رشتہ داروں اور عزیزوں کی باتوں کو سنتے رہے اور کبھی بھی اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خَتَمَ اللّٰہُ کی لعنت بھیجی ہے انہیں بالکل سنائی نہیں دیتا-اس لئے اب آپ خود انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب تو ضرور ہے کہ شرعی نبوت کا خاتمہ لیکن ظلی نبوت چلتی رہے گی اور اس کا یہی مطلب ہے کہ امتی نبوت آتی رہے گی جیسے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ" (البقرۃ :۸) کا دراصل یہی مطلب ہے کہ اُن کفار کے کانوں پر اسلام کے پیغام کو سن کر بھی اسے سمجھنے کی طاقت کو ختم کردیا گیا ہے لیکن بطور انسان اُن کفار کے دل بدستور دھڑکتے رہیں گے اور ان کے کان آپس کی تمام گفتگو سنتے بھی رہیں گے اور سمجھتے بھی رہیں گے-اس سے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفار صرف حق کی بات کو سن کر سمجھ نہیں پائیں گے لیکن اگر خاتم النبیین کا یہ مطلب لیا جائے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ ہم مسلمانوں پر ہمیشہ ہمیش کے لئے بند کردیا گیا ہے تو پھر یہ کفار کیسے آپس میں مصروف گفتگو بھی رہے ؟ اور کیسے ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرتے وقت سب کچھ دیکھتے-سنتے اور سمجھتے بھی رہے ؟؟ اور اس پر طرہ یہ کہ اس آیت کے اترنے کے بعد زندہ بھی رہے؟؟؟ اے مسلمانو ! عقل سے کام لو-خوف خدا سے کام لو اور قرآن کے مقدس اور پاکیزہ نیز مطہر الفاظ کی بے حرمتی نہ کرو بلکہ انہیں بار بار پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرو-اللہ تمہیں قرآن شریف کو مکمل طور پر سمجھنے کی عقل عطا فرمائے-آمین

قرآن پاک اور اس کے قوانین کا اطلاق چونکہ صرف اُسی زمانہ تک محدود نہیں تھا کہ جس میں اسے اتارا گیا تھا بلکہ یہ پاکیزہ قوانین تاابد لاگو رہیں گے لہذا یہ آیت اِس زمانہ کے نام نہاد مسلمان ملاؤں پر بھی لاگو ہو جاتی ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان ملاں اِن پاکیزہ اور مقدس آیات کا اردو ترجمہ پڑھ کر بھی انہیں سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ان کے دلوں اور دماغوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ" (البقرۃ :۸) والی وہی مُہر ثبت فرمادی ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مشرکین اور کفار کے دِلوں پر اور کانوں نیز آنکھوں پر لگادی گئی تھی اور اس آیت کریمہ کے علاوہ قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ بھی اسی قسم کی ایک اور زبردست مہر والی آیت کو نازل فرما کر خاتم النبیین کی حقیقت کو ہر طرح سے کھول کر بتادیا کہ میں اللہ تو ہر جگہ خاتم کا مطلب مہر لگانے کا بتارہا ہوں اور تم لوگ خاتم کا مطلب انقطاع کا بتا رہے ہو-ارے بھئی! کچھ تو خدا کا خوف کرو-ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ط فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ م بَعْدِاللّٰہِ ط اَفَلَاتَذَکَّرُوْنَ o (الجاثیہ:۲۴) -یعنی : کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی کبھی غور کیا ہے کہ جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو ہی اپنا معبود بنالیا ہو کہ جس کی بدولت اللہ نے اس شخص کو اپنے علم کامل کی بناً پر گمراہ قرار دے دیا ہو-اللہ نے اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔پس اب اللہ کے سوا اسے کون ہدایت دے سکتا ہے ؟اور یہ مثال دینے کے باوجود بھی تم لوگ کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے ؟

اب آپ دیکھ لیں کہ یہ نام نہاد مسلمان مولوی اوپر درج آیت کریمہ کے مطابق اپنی نفسانی خواہشات کی بدولت اندھے یعنی جسمانی اندھے ہو کر نہیں بلکہ درحقیقت روحانی اندھے بن کر اور صرف روپے پیسے بٹورنے کے لئے قرآن شریف کی مقدس آیات کا انکار کرتے چلے جارہے ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ان نام نہاد مسلمان مولویوں کے اس انکار کی بدولت قرآن مجید کی بے حرمتی بھی ہورہی ہے ورنہ ان مولویوں کا بلکہ کسی دوسرے کا بھی یہ کام نہیں کو وہ کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کی مساجد میں جانے سے روک سکیں یا وہاں اذان نہ دینے دیں یا خطبہ نہ پڑھنے دیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کو اپنے طریق پر مسجد نبوی مدینہ میں عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی لیکن یہ باتیں نہ ان

مولویوں کی سمجھ میں آسکتی ہیں اور نہ ہی ان مولویوں کے چیلے چانٹوں کو سمجھائی جاسکتی ہیں کیونکہ یہ سب روپے پیسے کے چکر میں اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے زیادہ آگے بڑھ بڑھ کر زیادہ سے زیادہ نمبر لینے پر تُلے ہوئے ہیں کیونکہ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جن حقیقی، سچے اور اصلی مسلمان مولویوں کو روپے پیسے کا لالچ نہیں تھا وہ تو کب کے اپنے مشاہروں، صدقات، چندوں حتیٰ کہ اپنی اپنی خلافتوں اور گدی نشینی پر لعنت بھیج کر خوف خدا اختیار کرتے ہوئے احمدیت کی بابرکت آغوش میں آچکے ہیں۔ پس یہ نام نہاد مسلمان اوپر اوپر سے دکھاوے کی خاطر تو یہی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور زندگی اور موت نیز روز قیامت پر ہمارا پکا یقین بلکہ ایمان ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے حالات کو خوب جانتا ہے کہ یہ سب نام نہاد مسلمان ظلم کرنے پر آمادہ ہیں اور قرآن مجید میں صاف تحریر شدہ آیات کا مطلب سمجھتے ہوئے بھی سمجھنا نہیں چاہتے لہذا خدا تعالیٰ نے ایسے جھوٹے انسانوں کے بارہ میں مزید فرمایا کہ نہیں یہ لوگ قرآن حکیم میں تحریر ان سچی باتوں پر بالکل یقین نہیں رکھتے اور اس طرح نہ صرف خود اپنے آپ کو بلکہ ایک دنیا کو بھی دھوکہ میں مبتلا کر رہے ہیں۔

اس لئے اب آپ خود ہی ذرا غور فرمائیں کہ یہ نام نہاد مسلمان مولوی ان تمام معصوم مسلمانوں کو جو کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ اور سنت رسولؐ کے احکامات کو ان پڑھ ہونے کی بنا پر یا اپنی دینی کم علمی کی بدولت نہیں جانتے ورغلا رہے ہیں اور اپنے اپنے خود ساختہ تراجم کی بنأ پر مقدس قرآنی لفظ'' خاتم '' کی من پسند تشریحات سنانے کی بدولت قرآن کی بے حرمتی کرنے کے پر تُلے ہوئے ہیں یا نہیں؟ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب یہی نام نہاد مسلمان مولوی اِن مندرجہ بالا آیات کو پڑھتے ہیں تو یہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ کفار درحقیقت نہ صرف اپنے دھڑکتے دلوں کے ساتھ زندہ رہے بلکہ وہ اپنے کانوں سے بھی بہرے نہیں ہوئے تھے لیکن جب انہی الفاظات کا اطلاق سیدنا حضرت رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر ہوتا ہے تو دنیا کو صریح دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں اس کا یہ مطلب ہے کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند کر دیا گیا ہے اور شرعی نبوت تو کیا اب تو ظلی نبوت اور بروزی نبوت بھی نہیں آسکتی؟ ورنہ اگر یہ نام نہاد مسلمان ملاں اوپر درج آیات مبارکہ پر یقین رکھتے تو یقیناً خوف خدا اختیار کرتے ہوئے کسی کلمہ گو انسان کو تنگ نہ کرتے۔ یعنی اگر یہ مولوی لوگ اللہ پر ایمان رکھتے تو ان آیات کا درست ترجمہ لوگوں کو بتاتے لیکن آپ نے دیکھا کہ ایسا نہیں ہے لہذا اب اِن پاکیزہ اور مقدس آیات کے ترجمہ اور تشریح کے سیاق وسباق اور ان میں پنہاں مفہوم کے مطابق آپ خود اندازہ لگالیں کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ؟ کیونکہ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ صرف یہ نام نہاد مسلمان مولوی لوگ ہی دھوکہ باز ہیں کیونکہ یہ اپنے پیچھے چلنے والے معصوم عوام کو اپنی ان مذموم حرکات سے یعنی جھوٹا سچا ترجمہ اور تشریح بتا کر دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ اپنی ان حرکات سے خدا تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے حالات کو ازل سے جانتا تھا لہذا خدا تعالیٰ نے ان کے بدارادوں سے خبردار کرتے ہوئے ہی تو یہ مقدس آیت اتاری تھی : اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ؁ (البقرہ: ۱۳) ۔یعنی: سنو کہ یہی لوگ بلا شبہ فساد کرنے والے ہیں مگر ان میں یہ شعور نہیں کہ وہ اس بات کو سمجھ سکیں۔ پس ان سے بچ کر رہنا اور ان کی باتوں پر نہ جانا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو کہ خود اپنی اصلاح کرنے کی بجائے دوسروں کی اصلاح کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یعنی اپنے گریبان میں جھانکنے کی بجائے دوسروں کی پگڑیاں اچھالتے پھر رہے ہیں۔

ان نام نہاد ملاؤں کی انہی حیا سوز حرکات سے یہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دراصل یہی لوگ فتنہ کی جڑ ہیں ورنہ انہیں اس بات سے کیا غرض ہے کہ کون کس خدا کو پوجتا ہے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تیرا کام تو صرف اتنا ہے کہ تُو میرے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دے۔ فرمایا: فَذَکِّرْ قف اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ'' ؁ (الغاشیۃ : ۲۲) ۔یعنی: پس تُو صرف نصیحت کیا کر کیونکہ تُو تو صرف ایک

نصیحت کرنے والا ہے- اور بس- کیونکہ اے محمدؐ میں نے تجھے ڈنڈا ہاتھ میں پکڑوا کر یا تلوار ہاتھ میں دے کر یا نیزہ بازی کا ماہر بنا کر خود میرا اپنا اور میری خدائی یا تمہارا اور تمہاری نبوت کا بھی انکار کرنے والے لوگوں کی اصلاح کے لئے مقرر و مبعوث نہیں کیا اور پھر اس کے ساتھ ہی از خود اس کی تشریح بھی فرما دی- فرمایا: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَّيْطِرٍ o (الغاشية : ۲۳) -یعنی: تُو اُن نافرمان لوگوں کو سزا دینے کے واسطے داروغہ کے طور پر مقرر نہیں کیا گیا ہے- کہ تُو میرے منکروں یا اپنے منکرین کو بھی ان کے اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا دیتا پھرے- تُو تو صرف ایک پیغمبر یعنی میرا پیامبر ایک رسول ہے کہ جس کا کام صرف میرا پیغام دنیا تک پہنچا دینا ہے- باقی میں جانوں اور میرا کام- پس اسی ایک بات سے ہی ثابت ہو جاتا ہے کہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی کسی کو اس کے اعمال کا مناسب حال اجر دینے کا مالک ہے اور یہ اسلام کے دشمن ملاں قطعاً نہیں- ہرگز نہیں- بالکل نہیں- یہاں میں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو بار بار یہ فرمایا ہے کہ اے لوگو تم اپنے کام سے کام رکھو کیونکہ تمہیں کسی کی نگہبانی کا کام قطعاً نہیں سونپا گیا لیکن ان نام نہاد مسلمان نافرمانوں کو کون سمجھائے؟ اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں ہر انسان کو خود اتنی زیادہ ڈھیل دے رکھی ہے اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بے چون و چرا صدق دل سے عمل فرما رہے ہیں تو پھر یہ خاتم النبیینؐ کے جھوٹے پہرہ دار، نہ جانے کون سے خود ساختہ اسلام کے علم بردار؟ کون ہوتے ہیں کسی کی طرف گھور کر دیکھنے والے؟؟ لیکن افسوس صد افسوس کہ ظالم، ظلم کرے ہی کیوں اگر اس کے دل میں خوف خدا موجود ہو؟؟؟ کیونکہ جیسا کہ اُوپر بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ اے محمدؐ یعنی اے مسلمانو تم بھی صرف اپنے کام سے کام رکھو کیونکہ میں نے تم کو کسی دوسرے پر نگران مقرر نہیں کیا بلکہ یہ کام خود میں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے-

الحمدللہ! دسیوں بار- ہزاروں بار- لاکھوں بار- کروڑوں بار- اربوں بار- کھربوں بار- شکر الحمدللہ

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی صاف صاف یہ فرما رہا ہے کہ میں نے تمہیں اُن پر یعنی جو خدا کو مانتے ہیں اور اُن پر بھی جو کہ خدا کو نہیں مانتے، تمہارے رسول کو نہیں مانتے ، تمہارے عقیدہ کو نہیں مانتے- کسی قسم کا کوئی نگران یا داروغہ مقرر نہیں کیا- وہ جانیں اور اُن کا کام جانے- میں اللہ تعالیٰ اُن سے خود نبٹوں گا لیکن خبردار تمہیں اس بات کی قطعاً کوئی اجازت نہیں کہ تم لوگوں کو ڈراؤ، دھمکاؤ، دُکھ دو، اُنہیں خوف زدہ کرو، اُن کو کسی بھی قسم کی کوئی بات کہنے سے روکو یا اُن کے کسی عمل پر اعتراض کرو- جب اللہ تعالیٰ اپنے سب سے بڑے رسول اور سب سے آخری شرعی پیغمبر سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کو بھی کسی قسم کے سخت اقدامات کرنے سے منع فرما رہا ہے تو پھر اے نام نہاد مسلمان ملاؤ ہمیں کچھ بھی کہنے یا کرنے سے روکنے والے تم کون ہوتے ہو ؟ برسبیل تذکرہ یاد آیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہی نام نہاد مسلمانوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم دوسرے لوگوں کو تو نصائح کرتے پھرتے ہو لیکن ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک کر تو دیکھو کہ تم خود کتنے پانی میں کھڑے ہو؟ فرمایا: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ o (البقرة : ۴۵) یعنی کیا تم لوگوں کو جبراً نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اس معاملہ میں خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ جبکہ تم تو میری اس کتاب قرآن کو پڑھنے والے ہو لیکن اس کے باوجود بھی تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے-

پس ثابت ہوا کہ کتاب مقدس قرآن مجید میں تو بار بار لَآاِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ---(البقرة : ۲۵۷) کہ دین کے معاملہ میں جبر ظلم زبردستی قطعاً روا نہیں ہے- کی بار بار تلقین کی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ان واضح احکامات کے باوجود اب بھی بعض نام نہاد مسلمان ملاں، قرآن مجید کی اس پاکیزہ اور امن وسلامتی سے بھرپور تعلیم کی موجودگی میں لوگوں کو قتل و غارت گری پر اکسا اکسا کر خدا اور قرآن اور حضرت رسول مقبول ﷺ کے احکامات یعنی سنت رسول اللہ ﷺ اور احادیث مبارکہ میں درج تمام نصائح کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں- اسی لئے تو اللہ تعالیٰ ان سے براہ

راست مخاطب ہوتے ہوئے دریافت فرماتا ہے کہ تم جو قرآن کی آیات کو توڑ موڑ کر پیش کرنے والے ہو تمہیں کس نے مجھ اللہ پر ایمان لانے والوں کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے؟ اس بات کا جواب کسی بھی نام نہاد مسلمان مولوی - مولانا یا خودساختہ پیر - فقیر - خواجہ یا پھر سرکاری مسلمان مدرس یا معلم یا وزیر کے پاس نہیں - بہرحال اوپر درج تمام آیات کریمہ کی تلاوت اور ترجمہ اور تشریح سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کا علم ایک ایسا علم ہے جو کہ صرف اور صرف کسی متقی پرہیز گار اور دعا گو شخص کو ہی عطا کیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس اسلام دشمن ملاؤں کو ان آیات میں چُھپے ہوئے مضامین کی سمجھ نہیں آسکتی - اس کی سب سے بڑی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو کہ قرآن مجید کے شروع میں ہی سب سے پہلی آیات کریمہ کے طور پر قرآن مجید میں درج ہے - ملاحظہ فرمائیں: ذٰلِکَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ج فِيْهِ ج هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ o (البقرة : ٣) - یعنی: یہ ایک کامل کتاب ہے اور اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کے باوجود یہ کتاب صرف متقین کو ہی ہدایت دیتی ہے - پس یہ تو خدائی فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں پنہاں علوم وخزائن کی سمجھ صرف متقیوں کو ہی دی جائے گی ہے اور خودساختہ مسلمانوں نیز فسق وفجور میں مبتلا افراد کو اس کے ترجمہ کی بھی سمجھ نہ آئے گی کجا وہ اس کی تشریح اور تفسیر کو سمجھ سکیں - اپنے اسی ارشاد کی باریکی میں چُھپے ہوئے مطالب کو مزید سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خُود ہی اس کی تفصیل بھی بیان کی ہے - فرمایا: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ o فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ o لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ o تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ o (الواقعة :٧٨-٨١) - یعنی: یہ قرآن ایک بہت بڑی عزت والی کتاب ہے اور اس کتاب کی عظمت اس کی آیات میں مستور ہے لہذا اس قرآن کی حقیقت کو صرف وہی لوگ سمجھ پاتے ہیں جو کہ مطہر و پاک وصاف وجود ہوں کیونکہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں بلکہ یہ تو تیرے پروردگار کا بابرکت کلام پاک ہے جو کہ تجھ پر نازل کیا گیا ہے - یعنی جن لوگوں کے دلوں میں مال و دولت کی محبت مار دھاڑ اور قتل وغارت گری نیز چوری وڈاکہ زنی کے منصوبے اور ایک دوسرے پر کفر والحاد کی مکروہ الزام تراشی جیسے گھناؤنے خیالات پنپ رہے ہیں اُن کو اس مقدس کلام کی سمجھ نہیں آئی گی - لیجئے صاحب! یہاں تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان تمام ناپاک اور نجس نام نہاد مسلمان افراد کا کام تمام کر دیا کہ جن کا کام ہی ایک دوسرے پر کفر والحاد کے الزامات تراشنے کے سوا اور کچھ نہیں اور اب خدا تعالیٰ کے مقدس و بابرکت کلام پاک میں چُھپے ہوئے اور صاف صاف کُھلے پیغام کے بعد مجھ ناچیز عاجز کو مزید کچھ کہنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں - سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ

☆

باریک باتیں

۱۹۷۴ء میں ہم احمدی مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمن واقعات کے دوران یعنی مسلم نا مسلم کی اسی ذہنی کشمکش میں میری ملاقات دسمبر ۱۹۷۴ء میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر فضل عمر ہسپتال کے سامنے واقع ربوہ کے نئے بس سٹاپ پر مکرم میاں محمد اسماعیل خالد (بٹوہ) صاحب اور مکرم شوکت پراچہ صاحب سے ہوئی جو کچھ عرصہ سے جرمنی میں مقیم تھے۔ ان دونوں نے مجھے پاکستان سے جرمنی ہجرت کر جانے کی ترغیب دلائی لہذا میں نے اپنی والدہ محترمہ کی اجازت سے ہجرت کا عزم کر لیا اور چند دنوں کے بعد جنوری ۱۹۷۵ء کے شروع میں لائل پور سے ارجنٹ پاسپورٹ بنوایا اور حضرت صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۱۶؍نومبر ۱۹۰۹ء قادیان۔ ۸؍جون ۱۹۸۲ء اسلام آباد) کی خدمت اقدس میں دعائیہ خط بغرض ہجرت لکھا اور صدر انجمن سے اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے بھی درخواست دے دی جو کہ جلد ہی منظور بھی ہو گئی اور مجھے فروری ۱۹۷۵ء کے آغاز میں دفتر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں حاضری کے لئے دستی دعوت نامہ موصول ہوا۔ دفتر امور عامہ اور خصوصاً مکرم مولوی عبدالعزیز بھامبڑی صاحب (۱۹۱۸ء بھامبڑ ہندوستان۔ ۲۲؍اپریل ۲۰۰۰ء۔ کینیڈا) کا ایک خاص رعب اور دبدبہ اہالیان ربوہ خصوصاً نوجوانوں پر طاری رہتا تھا۔ یہ دستی دعوت نامہ موصول ہوتے ہی میں نے سوچا کہ نہ جانے ہم نے ہجرت کی درخواست لکھنے میں کیا غلطی کر ڈالی ہے کہ جس کی سزا ہمیں امور عامہ کے دفتر میں بلوا کر ملنے والی ہے؟ خیر اگلے دن ڈرتے ڈرتے وہاں حاضر ہوئے تو سب لوگ مسکراتے ہوئے بے حد محبت اور تپاک سے ملے اور یوں ہماری جان میں جان آئی کہ کوئی خاص بات نہیں۔ میرے ساتھ تین اور احمدی نوجوانوں کو بھی اسی طرح مدعو کیا گیا تھا۔ دفتر امور عامہ میں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ہمیں صدر انجمن کے سامنے جنوب مغربی باغیچے کی طرف چلنے کے لئے کہا گیا۔ وہاں پہنچ کر گراسی پلاٹ میں سپیشل رکھی گئی کرسیوں پر جا کر ہم بیٹھ گئے اور پھر چند لمحات کے بعد ہی حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ بمعہ دو دیگر معزز ناظران اور مکرم مولوی عبدالعزیز بھامبڑی صاحب تشریف لے آئے۔ اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ قرآن مجید کی وہ آیت کریمہ مجھے آج بھی یاد ہے: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ٥ (الحج: ۵۹) ۔ یعنی: اور وہ لوگ جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہیں، پھر مارے جاتے ہیں یا طبعی موت مر جاتے ہیں۔ اللہ ان کو نہایت اعلیٰ انعام بخشے گا اور اللہ ہی انعام بخشنے والوں میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مکرم مولوی عبدالعزیز بھامبڑی صاحب نے ہمارا تعارف پیش کیا اور اس کے بعد حضرت صاحبزادہ میاں منصور احمد صاحب نے اس وقت کے پاکستانی حالات کا مختصراً لیکن ٹھوس جائزہ لیا اور ہماری ہجرت کر جانے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی جانب سے دی جانے والی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی نیز ہمیں مغربی ممالک کی بے راہ روی اور مختلف سماجی و معاشرتی خرابیوں سے بچتے رہنے کی تلقین بھی فرمائی۔ اس کے بعد ہمیں جرمنی کی جماعت کے نام سفارشی خطوط دئے گئے کہ جن میں مہاجرین پاکستان کی ہر طرح سے اور ہر موقعہ پر مدد کرنے کی ہدایت کی گئی تھی نیز خاکسار کو ازراہ شفقت و محبت امیر قافلہ مقرر فرمایا۔ ان تعارفی خطوط سے یاد آیا کہ اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب نے بھی اپنے کلاس فیلو مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کے نام خاکسار کو تعارفی خطوط دے کر جرمنی روانہ کیا تھا تا کہ وہاں پردیس میں کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ اس لئے جب میں ۱۹۹۶ء میں اکیس سال کی لمبی مدت کے بعد دوبارہ پاکستان گیا تو واپسی پر پھر دوبارہ اپنے ان تینوں

مشفقین سے مل کر اور دعائیں لے کر پھر واپس جرمنی چلا آیا۔ مجھے یاد ہے کہ اپنی دوبارہ وطن رخصتی سے ایک دن قبل یعنی مؤرخہ ۵؍جون بروز بدھ ۱۹۹۶ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب سخت بخار میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے از راہ شفقت مجھے اندر بلوالیا اور سلام دعا کے بعد بڑے پیار سے فرمایا:-

آؤ بیٹا آؤ

لیکن جب میں نے آپ کو یاد دلایا کہ میں تو آپ کے گھر کا خادم ہوں تو آپ نے پہلے سے بھی زیادہ محبت بھرے لہجہ میں فرمایا کہ:-

''جماعت احمدیہ کے تمام بچے ہمارے اپنے ہی بچے ہیں''

اور پھر نہایت ہی محبت سے اپنے قریب ہی بیٹھنے کا ارشاد فرمایا- اس وقت آپ ڈیزرٹ کولر کے سامنے قالین پر بچھے ہوئے گدے کے اوپر لیٹے ہوئے استراحت فرما رہے تھے میں بھی وہیں آپ کے پاس بیٹھ گیا- سلام دعا اور خیر خیریت کے تبادلہ کے دوران آپ نے میرے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں کام سیکھ لینے کی وجہ سے مجھے اپنا بخار چیک کرنے کے لئے فرمایا - میں نے گھڑی کے ساتھ نبض دیکھ کر اندازاً ۱۰۴ ڈگری فارن ہائیٹ کے قریب بخار بتایا اور کچھ دیر آپ کے جسم کا ٹھنڈے پانی سے بھیگے ہوئے تولیہ سے مساج کرنے کی درخواست کی اور آپ کے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی میں نے ایک بچی سے ٹھنڈا پانی اور تولیہ منگوا کر اپنا کام جاری رکھا- اس کے بعد جب آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو میں نے اجازت طلب کی لیکن ابھی میں گھر کو جانے کے لئے موٹر کار میں سوار ہو ہی رہا تھا کہ اندر سے ایک بچی بھاگتی ہوئی باہر آئی اور مجھے ایک مرتبہ پھر واپس اندر بلوالیا گیا- دوبارہ اندر پہنچا تو آپ کی بیگم صاحبہ اور آپ کی بہن محترمہ حضرت صاحبزادی امتہ الباسط بیگم (بی بی باچھی) صاحبہ اہلیہ حضرت صاحبزادہ میر داؤد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جب تم واپس جا رہے تھے تو ہم دوسرے دروازہ سے اندر آئی تھیں اور آتے ہی ہمیں تمہارے آنے کی خبر ملی لہذا اب بغیر ملے تمہیں کیسے واپس جانے دیتے ؟- ہمارے پاس بیٹھو اور کچھ اپنا حال احوال سناؤ- خاکسار، حضرت صاحبزادہ میاں حنیف احمد صاحب کے پاس دوبارہ نیچے قالین پر بیٹھنے لگا تو فرمایا کہ نہیں نہیں اٹھو! اور کرسی پر بیٹھو- پھر کافی دیر گئے تک مختلف امور پر باتیں ہوتی رہیں- وہاں سے میں پھر حضرت صاحبزادہ مرزا انور احمد (میاں انو) صاحب اور حضرت صاحبزادی صبیحہ بیگم (بی بی چھبو) صاحبہ کے یہاں حاضر ہوٗا- آپ دونوں معزز بزرگوں نے مجھے دیکھتے ہی فوراً اندر بلالیا- حضرت صاحبزادی صبیحہ بیگم (بی بی چھبو) صاحبہ نے اپنے دست مبارک سے شربت بنا کر تواضع فرمائی- حضرت صاحبزادہ میاں انور احمد صاحب کو ان دنوں آکڑہ باکڑہ کی تکلیف تھی لہذا آپ نے مجھے بڑے صوفہ پر بیٹھنے کا حکم دیا اور خود قریب پڑے ہوئے چھوٹے صوفہ پر تشریف فرما ہو گئے- پہلے تو آپ نے خود ہی مجھے اپنے سے کچھ فاصلہ پر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا لیکن پھر فرط محبت سے خود بخود ہی اپنے صوفہ پر سے کھسکتے کھسکتے میرے قریب آتے چلے گئے اور اپنی پیاری زبان سے یہی فرماتے رہے کہ مجھ سے ذرا دور ہی رہنا ورنہ خدانخواستہ کہیں تمہیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے - دیکھو میں بھی تمام عمر اس بیماری سے محفوظ رہا ہوں لیکن اس آخری عمر میں اس نے مجھے آدبوچا ہے الغرض اسی طرح کی مختلف باتیں اور ہنسی مذاق ہوتے رہے کیونکہ ہم دونوں ایک ہی کرکٹ ٹیم کے اکٹھے ممبر بھی رہے ہیں- خیر یوں باتوں ہی باتوں میں چند تصاویر بھی کھینچ لی گئیں- بالآخر میں نے وقت کی کمی کے باعث اجازت طلب کی کہ میں نے ابھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور بھی کئی گھروں میں خدا حافظ کہنے کے لئے حاضری دینی ہے اور یوں مجھے بادل نخواستہ بہت سی دعاؤں کے ساتھ جانے کی اجازت ملی- اس پیاری ملاقات کے بعد میں اپنے گارڈین حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب کے یہاں ''الفارس'' محلّہ دارالصدر غربی میں ملاقات کے لئے حاضر ہوٗا جہاں حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب نے بھی مجھے فرط محبت سے اپنے پاس ہی صوفہ پر بٹھالیا اور اپنے خاندان سے ملوایا اور اپنے بیٹے عزیزم مکرم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب اور ان کے بیٹوں یعنی اپنے پوتوں کا تعارف بھی کروایا- اس تعارف کے ساتھ ساتھ مجھے ایک لذیذ شربت پلا کر اس شربت کی خصوصیات سے بھی متعارف کروایا جو کہ اس سال خاندان مبارکہ سیدنا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالکل نیا نیا ہی بنانا اور پینا شروع کیا گیا تھا غرض یوں میرے پیارے عزیز شہید احمدیت صاحبزادہ مرزا غلام قادر (کیکے میاں) صاحب سے میری یہ سب سے آخری ملاقات بھی ہوئی - اگر مجھے اس وقت یہ خیال ہوتا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے تو شاید میں آپ کے ساتھ چند تصاویر کھنچوا لیتا لیکن خدا کی تقدیر کے سامنے تو ہم سب ہی بے بس ہیں اور اس کی مشیت ایزدی سے بے خبر ہیں- بہرحال یہ عاجز اپنے ان سب معزز بزرگوں کی مخلصانہ اور قیمتی دعائیں لیتا ہوُا ربوہ سے دوبارہ رخصت ہوُا - خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حسن التفات اور پاکیزہ دعائیں میرے لئے ربوہ سے واپسی پر دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ قیمتی تحفہ تھا-

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ تمام باتیں یہاں لکھنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ لوگ دور دراز کے ممالک سے لمبا سفر کر کے ربوہ جاتے ہیں- اپنے اپنے خاندانوں سے ملتے ہیں- عزیزوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کتنے ہیں کہ جو یہ خواہش بھی کرتے ہیں کہ ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان اور آپؑ کی ذریت مبارکہ سے بھی صرف بغرض دعا ہی ملتے چلیں ؟ کیونکہ اس معزز و محترم خاندان کے طفیل اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ پر احسان پر احسان کرتا چلا جا رہا ہے- جیسا کہ ایک سچے احمدی مسلمان کو سیدنا آنحضرت ﷺ کی آل اولاد اور آپؐ کے پیارے نواسوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ سے پیار ہے اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بھی محبت ہونی چاہئے کیونکہ آج ہم اُن دیکھے آنحضرت ﷺ کی اولاد مبارکہ حضرت قاسمؓ، حضرت طاہرؓ، حضرت طیبؓ، حضرت عبداللہؓ ، حضرت ابراہیمؓ، حضرت زینبؓ ، حضرت رقیہؓ ، حضرت ام کلثومؓ ،حضرت فاطمہؓ اور پھر آنحضرت ﷺ کے نواسوں حضرت امام حسنؓ نیز حضرت امام حسینؓ سے محبت رکھتے ہیں تو یہ کتنا سنہری موقعہ ہے کہ آج ہمیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت اور مبشر اولاد میں سے آپؑ کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں نیز ان سے بھی آگے اولاد در اولاد کا دیدار حاصل ہے لہذا میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اپنی زندگی میں خدا کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم کو سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل اولاد کا دیدار حاصل ہے ورنہ ان کے گزر جانے کے بعد پھر ایک زمانہ روئے گا اور پیٹے گا لیکن یہ بابرکت وجود ہم میں نہ ہوں گے اور ہم صرف سنی سنائی باتوں کو سن کر نیز انہیں یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھریں گے کہ اے کاش اگر ہمیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا سیدہ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ یعنی حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دیدار نصیب نہیں ہوسکا تو کم از کم ان معزز و بابرکت ہستیوں کا ہی دیدار نصیب ہو جاتا - اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور تمام جماعت کو سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت اولاد در اولاد سے ویسی ہی محبت پیدا ہو جائے جیسی کہ ہمیں سیدنا آنحضرت ﷺ کی اولاد در اولاد سے ہے- **اللھم آمین**

اب اگر یہ بات چل ہی نکلی ہے تو اس خواہش کے ساتھ ساتھ میری ایک اور بھی عرض ہے کہ جیسے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ حضرت خلیفہ وقت کی خدمت اقدس میں لگا تار دعا کے لئے عرض کرتے رہنے کی تلقین فرمائی ہے بالکل ویسے ہی ہمیں سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھی بار بار دعا کے لئے خطوط لکھتے رہنا چاہئے- ہم میں سے کتنے ہیں کہ جنہوں نے کبھی اس طرح کی کوشش کی ہو کہ ان کا خط سب سے پہلے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے پیش کیا جائے؟ یہاں میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کیا طریق ہے- میں نے یہ دعائیہ خط ۱۹۹۷ء میں عید الاضحیٰ کے مبارک موقعہ پر حضرت صاحبزاہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بذریعہ فیکس روانہ کیا تھا جس کا اقتباس اور جواب اپنے مخلص احمدی نوجوانوں میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت دعاؤں کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ

جانے کے لئے حاضر خدمت کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

مؤرخہ ۱۸/اپریل ۱۹۹۷ء
از وائیٹرس بُرگ۔ جرمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

بخدمت اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

میرے جان سے بھی پیارے آقا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے جان سے بھی پیارے آقا - اپنے خادم سُودے خاں = مقصود احمد نسیم کی طرف سے عید مبارک قبول ہو - آمین - میری دلی خواہش ہے کہ ناچیز کی عید مبارک کا خط، پہلا وہ خط ہو جو جرمنی سے آپ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور اس سلسلہ میں دعا بھی کر رہا ہوں - خدا قبول فرمائے - آمین - اس خط کے اوپر وقت اور تاریخ AUTOMATIC لکھی جاتی ہے - امید ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو خاکسار کی یہ کوشش ضرور پسند آئے گی --- میرے پیارے آقا! آپ کے علاوہ اس عاجز کو ہر رات سونے سے پہلے اپنی والدہ مرحومہ احمد بی بی صاحبہ موصیہ = احمدہ، ہمیشہ یاد آجاتی ہیں اور آنکھوں کے سامنے رہتی ہیں - میرے جان سے بھی پیارے آقا! کیا والدین کی محبت میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ دنیا کی بقیہ چیزیں اُسے یاد نہیں رہتیں؟ آپ حضور کی خدمت عالی جناب میں میرے اپنے لئے اور مرحومہ والدہ صاحبہ کے لئے دعا کی دردمندانہ درخواست ہے - اب اجازت دیں خدا حافظ - والسلام - آپ کا خادم اور ادنیٰ غلام سُودے خان

(درخواست دعا بخدمت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تحریر شدہ مؤرخہ ۱۸/اپریل ۱۹۹۷ء بذریعہ فیکس)

معزز قارئین! اب اس عاجز کی اس حقیر سی کوشش کا نتیجہ دیکھیں کہ حضورؒ نے اس خط کا کیا پیارا جواب عنایت فرمایا - میں صدقے جاؤں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے کہ آپ نے اپنی ہزاروں مصروفیات کے باوجود خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا:-

لندن
۲۲/اپریل ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیارے عزیزم سُودے خاں

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہٗ

آپ کا فیکس کے ذریعہ پہلی مبارک باد بھیجنے کا خیال قابل مبارک باد ہے - اللہ تعالیٰ کاروبار کو نفع بخش بنائے - احمدہ بیگم مرحومہ کی یاد کو جس پیار سے آپ سینے سے لگائے ہوئے ہیں یہی وفا شعار سعادتمند اولاد کو زیب دیتا ہے - اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے - بچوں اور بیدی کو محبت بھرا اسلام اور پیار - والسلام

خاکسار دستخط (مرزا طاہر احمد) مہر خلافت

(خط نمبر 4534 M)-(مکتوبات نسیم مؤرخہ ۱۶/مئی ۱۹۹۷ء)

یاامیرالمؤمنین۔اے میرے جان سے بھی پیارے آقا۔میں آپ پر قربان کہ آپ کا یہ بابرکت، دعاؤں سے بھرپور اور پیارا جواب پڑھ کر میں اتنا مسرور اور شادمان وفرحاں ہؤا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور فرطِ مسرت سے مجھ عاجز کو اظہار ممنونیت کے لئے مناسب الفاظ بھی نہیں مل رہے لہذا یہی عرض کروں گا کہ جس کے لئے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ہمیں بار بار توجہ دلائی تھی کہ شکریہ ادا کرنے کے لئے شکریہ کے الفاظات کی جگہ- جَـزَاكُـمُ اللهُ اَحْسَنُ الْـجَزَاء فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ- کہا جائے-اب آپ نے بھی دیکھ لیا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور خاندان مبارکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خدام سے کتنی شفقت،محبت اور پیار کا سلوک کرتے ہیں لہذا امید ہے کہ آپ سب کو بھی اس عاجز کی یہ ایک ادنیٰ سی کوشش اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ضرور پسند آئی ہوگی-اسی لئے تو میں بار بار یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان مبارکہ کے افراد سے ملتے رہنا چاہئے اور ان کی خدمت میں بار بار پیش ہونا چاہئے اور ان سے دعائیں لیتے رہنا چاہئے اور میں امید کرتا ہوں کہ میری اس عاجزانہ کوشش کی مثال کو پڑھ کر،سُن کر یا دیکھ کر اب آئندہ جماعت عالیہ احمدیہ کے معزز احباب وخواتین اور بھی کئی ایسے مواقع ڈھونڈ کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور محبت نیز پاکیزہ دعاؤں کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں پیش پیش رہیں گے-اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو-آمین۔اب میں پھر دوبارہ اپنے اصل مضمون کی جانب واپس آتا ہوں-صدر انجمن احمدیہ کے جنوب مغربی گراسی پلاٹ میں ہمارے لئے خصوصی منعقدہ اس الوداعی اجلاس کے آخر میں حضرت صاحبزادہ میاں منصور احمد صاحب نے فرمایا کہ:-''جرمنی کے لوگ زیادہ تر کٹر عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ایک خدا کا فلسفہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا لہذا! ہم تو ایسی بنجر زمین میں خدا کا نام لے کر بیج ڈال رہے ہیں اور اب دیکھیں گے کہ فصل کیسی تیار ہوتی ہے؟''-

اس پاکیزہ فصل کی تیاری اور پھر اس کی مکمل حفاظت کی طرف بھی آپ نے ہمیں بار بار توجہ دلائی کہ ہماری کسی بھی قسم کی کسی بھی حرکت سے جماعت کے وقار کو نقصان نہ پہنچنے پائے،اچھے انسان بن کر نیز احمدیت کے پکے فدائی بن کر رہنا تاکہ احمدیت کا بول بالا ہو اور تبلیغ اسلام واحمدیت کی جانب بھی ہمیں متوجہ فرمایا-غرض آپ نے ہمیں بے حد قیمتی نصائح سے نوازا اور یہ نصائح آج بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں اور پھر اس نئی فصل کی تیاری کے لئے ایک بے حد لمبی، پُرسوز اور رقت آمیز دعا کروانے کے بعد ہمیں بے حد محبت اور پیار کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد رخصت فرمایا-ان پاکیزہ دعاؤں کے سہارے ہم چار احمدیوں کا مختصر سا قافلہ جرمنی کے لئے عازم سفر ہؤا-خدا جانتا ہے کہ اس محبت اور خلوص نیز دعاؤں سے بھرپور الوداع کی بدولت اس عاجز کی تمام جملہ پریشانیاں دور ہوگئیں اور اس کے بعد گھر پہنچ کر جیسے ہی میں نے اپنی والدہ صاحبہ کو اس اجلاس کی خبر دی تو انہوں نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور کہا کہ شکر الحمدللہ اب ہمیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں اور خدا تعالیٰ انشاء اللہ سب کام اچھے کر دے گا بہر حال اس دُعائیہ الوداع کے بعد یہ خاکسار اپنے دل میں اس مصمم ارادے کے ساتھ جرمنی روانہ ہؤا کہ:-

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو
جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں
محمود کرکے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار

رُوئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں (کلامِ محمود)

پاکستان سے جرمنی کو ہجرت کرنے کے لئے میں ربوہ کے ریلوے سٹیشن سے مؤرخہ ۲؍ فروری ۱۹۷۵ء کی شام کو بذریعہ چناب ایکسپریس اپنی والدہ صاحبہ اور منجھلی ہمشیرہ زبیدہ تسنیم (نسیم) صاحبہ کے ہمراہ راولپنڈی کے لئے روانہ ہؤا۔ میرے سکول اور کالج کے بعض کلاس فیلو، دوست نیز ہمارے محلّہ دارالصدر شمالی کے بہت سے معزز انصار بزرگ مثلاً صدر محلّہ مکرم چوہدری اللہ بخش کاہلوں صاحب۔ مکرم چوہدری ظفر احمد کاہلوں صاحب اور بہت سے خدام احباب نیز چھوٹے چھوٹے اطفال، خاکسار کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ربوہ کے سٹیشن پر عزیز و اقارب، یار دوستوں اور محلّہ داروں کا ایک جم غفیر یوں جمع ہو گیا کہ جیسے کسی مبلغ کو الوداع کیا جا رہا ہو اور حقیقت میں غیر مسلم قرار دئے جانے کے بعد ربوہ سے باجازت ہجرت کرنے والوں میں خاکسار کا نام سرفہرست آتا ہے ۔مکرم صدر صاحب محلّہ چوہدری اللہ بخش کاہلوں صاحب نے الوداعی اجتماعی دعا کروائی کہ جس کے بعد ربوہ کے بزرگ انصاروں، نوجوان خداموں اور اطفال نے احمدیت، اسلام اور مقصود نسیم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے بے حد دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا بلکہ گاڑی کے چلنے کے بعد بعض عزیز دوست اور محلّہ دارالصدر شمالی کے نوجوان خدام اور اطفال، گاڑی کے ساتھ ساتھ پلیٹ فارم کے شمال مغربی کونہ کے آخر تک بھی بھاگتے ہوئے آئے۔ اہالیان ربوہ کی یہ بے پایاں محبت اور بے لوث خلوص دیکھ کر میرا دل خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف ہو گیا اور میری آنکھیں اپنے دلی تلاطم کی کشمکش کے ملے جلے جذبات کی رو میں بہہ کر آنسوؤں سے تر ہو گئیں کیونکہ ایک طرف تو اپنی عزیز ترین سرزمین ربوہ سے ہجرت کا غم تو دوسری طرف اپنے پیارے امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے مبارک وجود نیز آپؒ کے پُر معارف خطبات سے جدائی اور تیسری طرف اپنے اعزا اور یار دوستوں سے بچھڑنے کا افسوس۔ بہرحال اہالیان ربوہ کے اس محبت اور اعزاز سے رخصت کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم سب احمدی، سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی بدولت سچے اور حقیقی اسلام پر عمل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے ارشاد کے عین مطابق :-

''تمام مؤمن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں''

یعنی ایک اٹوٹ اور پاکیزہ رشتہ میں منسلک ہیں بہرحال میں آج بھی اپنے ان معزز دوستوں اور معزز بزرگ احباب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اتنی محبت وجاہت و شفقت سے دعائیں دیتے ہوئے مجھے ربوہ سے جرمنی یعنی دیارِ غیر کی جانب رخصت فرمایا۔ چند ماہ قبل ہونے والے فسادات اور اس کے نتیجہ میں قومی اسمبلی کے غیر اسلامی فیصلہ کے باوجود میری پر جوش رخصتی کے اس نظارہ کا گاڑی میں سوار دوسرے مسافروں پر بھی بہت اچھا اثر پڑا اور کئی مسافروں نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کی پیش کش کی کہ جسے میں نے شکریہ کے ساتھ فوراً منظور کر لیا کیونکہ تمام رات کا سفر تھا لہذا کسی سیٹ کا مل جانا بے حد غنیمت تھا۔ غرض میرا یہ سفر بے حد آرام سے کٹا۔ اسی بات سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کے عوام الناس اپنے بھولے پن کے باوجود ان نام نہاد مولویوں کے چکر میں آنے والے نہیں اور سوائے نام نہاد ختم نبوت کے چیلے چانٹوں کے اکثر مسلمان اب بھی رواداری اور باہمی بھائی چارے کی فضا میں رہنا چاہتے ہیں۔

راولپنڈی پہنچ کر میں نے اپنے بہنوئی بھائی جان مکرم محمد شریف شاد صاحب (احمد موٹرز راولپنڈی) کی معرفت پی آئی اے PIA کا ٹکٹ جلد از جلد لینے کی کوشش کی اس کے علاوہ پانچ سو ڈالر کے زرمبادلہ کی رقم کی منظوری بھی مرکزی دفتر خزانہ سے لینی تھی۔ غرض یہ چند دن بے حد مصروفیت میں گذرے اور اس تمام عرصہ میں اللہ بھلا کرے میرے بہنوئی اور بھانجے مکرم عزیزم نصیر احمد شاد صاحب (حال مقیم کوبلینز جرمنی) کا کہ وہ دن رات

میرے ان متفرق کاموں کے سلسلہ میں تگ ودو کرتے رہے۔کبھی راولپنڈی تو کبھی اسلام آباد کے چکر میرے ساتھ لگاتے رہے اور اپنی کار ہونے کی وجہ سے ٹیکسیوں، کوچوں یا بسوں وغیرہ کے دھکے نہ کھانا پڑے۔ بہر حال اُن دنوں واقفیت کی بنا پر کام جلد ہو جایا کرتے تھے لہٰذا دو تین دن کے اندر ہی اندر مؤرخہ ۷/ فروری ۱۹۷۵ء کی رات کو فرینکفرٹ جرمنی کے لئے میری سیٹ بُک ہو گئی اور بقیہ تمام کام بھی بخیر وخوبی انجام پا گئے۔ان دنوں جرمنی کا ویزا لینے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی لہٰذا اس طرح جرمن ایمبیسی کے چکر بھی نہیں لگانے پڑے۔مؤرخہ سات فروری ۱۹۷۵ء کومری روڈ پر واقع اپنی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور رات ساڑھے دس بجے ہم لوگ گھر سے اپنی فاکس ویگن مائکروبس پر روانہ ہو کر تقریباً گیارہ بجے ائرپورٹ پر پہنچے۔ جہاز نے جمعہ کی رات کو ڈیڑھ بجے یعنی مؤرخہ ۸/فروری بروز ہفتہ کی صبح ایک بج کر تیس منٹ پر پرواز کرنا تھی لیکن چیک اپ کے لئے وقت سے ذرا پہلے پہنچنا ہی مناسب ہوتا ہے۔راولپنڈی کے قریبی گاؤں لالہ موسیٰ کے ہوائی اڈے چک لالہ پر تمام خاندان مجھے رخصت کرنے کے لئے موجود تھا۔ ہر ایک مجھے کوئی نہ کوئی اچھی نصیحت کرر ہا تھا اور میری والدہ صاحبہ کے ساتھ ساتھ ہر کوئی دعاؤں میں بھی مصروف تھا۔ باتوں ہی باتوں میں وقت رخصت بھی آن پہنچا اور میں تمام خاندان کے ہر ایک فرد سے گلے مل کر دعائیں لیتا ہوُا عازم جرمنی ہوُا۔

پی آئی اے کا DC 10 ہوائی جہاز چک لالہ راولپنڈی بعد میں اسلام آباد ائیرپورٹ سے مؤرخہ ۸/فروری بروز ہفتہ کو ڈیڑھ بجے روانہ ہو کر براستہ تہران ایران ہوتا ہوُا مؤرخہ آٹھ فروری ۱۹۷۵ء بروز ہفتہ کی صبح کو جرمن وقت کے مطابق تقریباً گیارہ بجے جرمنی میں فرینکفرٹ کے ہوائی مستقر پر اترا۔ اسی فلائیٹ میں کئی دوسرے احمدی احباب کے علاوہ ربوہ سے مکرم عبدالرحمٰن مبشر صاحب ابن مکرم صوبیدار عبدالمنان صاحب دفتر حفاظت قصر خلافت ربوہ اور راولپنڈی کے ایک احمدی دوست مکرم شہر یار صاحب بھی میرے ہمراہ جرمنی آئے تھے کہ جن کی ہمشیرہ اُن دنوں P.I.A. میں ایئر ہوسٹس تھیں۔اس لئے انہوں ہمارا خاص خیال رکھا۔ چیک اپ کے بعد باقی احباب تو مجھ سے جدا ہو گئے لیکن میں مبلغ بیس مارک DM 20,-- کرایہ پر ائرپورٹ سے ٹیکسی لے کر'' نور موشے'' NUUR MOSCHEE نور مسجد جا پہنچا۔ مسجد پہنچتے ہی دل خوش ہو گیا کیونکہ وہاں مکرم سید رفیق احمد شاہ صاحب محلّہ دارالرحمت ربوہ کے دونوں بیٹے موجود تھے۔فرینکفرٹ کی نور مسجد کے امام مکرم فضل الٰہی انوری صاحب نے ازراہ کرم فوراً ملاقات کا وقت دیا اور بے حد تپاک سے مجھے گلے لگا لیا اور یوں احمدیت کی برکت سے ایک انجان ملک جرمنی میں بھی مجھے اجنبیت کا احساس تک نہ ہوُا۔ دل ایک مرتبہ پھر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور احمدیت کی سچائی کے نور سے بھر گیا اور دل نے بے اختیار ایک نعرہ لگایا:-

احمدیت زندہ باد!

مکرم امام صاحب سے ملاقات کے بعد میں اُسی دن مکرم محمد اسمٰعیل (بٹوہ) صاحب کے یہاں بھی اطلاع دینے کے لئے چل پڑا۔مکرم محمد اسمٰعیل صاحب یہاں جرمنی کے لوگوں میں میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے اور ان ایام میں فرینکفرٹ میں FINKENHOF STRASSE کے ایک مکان نمبر ۲۹-اے میں رہا کرتے تھے۔جب میں وہاں پہنچا تو حُسنِ اتفاق سے ان کے ساتھ والے کمرہ میں تعلیم السلام کالج ربوہ کے مکرم سید نعیم احمد شاہ صاحب (محلّہ دارالنصر ربوہ- پاکستان) سے بھی ملاقات ہو گئی جو کہ مجھ سے چند روز قبل ہی جرمنی وارد ہوئے تھے اور ان کے جرمنی آنے سے قبل ربوہ میں ان کے پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ کے حصول کے لئے میں ان کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ بہر حال یوں ہم دونوں نے اکٹھے مل کر اُسی دن یعنی بروز ہفتہ کو فرینکفرٹ کی سیر وتفریح کا پروگرام بنا لیا۔ان دنوں ہر ہفتہ کے روز فرینکفرٹ کے دریائے مائن MAIN کے کنارے سیکنڈ ہینڈ اشیا کی خرید وفروخت کے لئے مارکیٹ لگا کرتی تھی۔ دریا کا پُر فضا کنارہ ہونے کی وجہ سے رنگ برنگی چیزوں کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک کے کالے پیلے اور گورے لوگوں کا ایسا ہجوم رہتا کہ جیسے ہم لاہور کے انارکلی بازار میں گھوم رہے ہوں۔ بہر حال وہاں کے خُوشکن نظارہ کے

بعد ہم دونوں شام گئے نور مسجد واپس پہنچے- نمازوں کی ادائیگی کے بعد مکرم سید نعیم شاہ صاحب تو اپنے گھر کو سدھارے اور میں نے وہیں مسجد کے قالین پر حضرت قمر الانبیا صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عنایت فرمودہ ایک بڑا سا گہرے کریم رنگ کا کمبل بچھایا اور صبح فجر کی اذان تک دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے لمبے سفر کی تھکن کی وجہ سے خوب گہری نیند سویا رہا- بعض لوگ شائید یہ سوچیں کہ اسے اتنی باتیں کیسے یاد رہ گئیں- اس بارہ میں عرض ہے کہ ہمیں بچپن سے ہی یہ عادت ڈال دی گئی تھی کہ ہر چیز کو غور سے دیکھو- ہر کتاب کو غور سے پڑھو- اس میں درج ہر روایت یا ہر حکایت پر غور کرو- راستہ کو یاد رکھو- ہر دن کے واقعات کو یاد رکھو- وغیرہ وغیرہ- یعنی یہ ایک لمبی کہانی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ڈائری میں بھی ضروری حالات و واقعات نوٹ کرتے رہا کرو- پس اب اس کتاب کے لکھتے ہوئے نہ صرف میرے حافظہ نے کام دیا بلکہ ان ڈائریوں کا بھی کچھ کمال اس تحریر میں شامل ہے-

اس لئے مجھے خُوب یاد ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے جرمنی کی زمین کو صرف اس لئے بنجر زمین کہہ کر مخاطب فرمایا تھا کیونکہ ۲۶ رنومبر ۱۹۲۳ء کو جب حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تبلیغ اسلام کے لئے حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ (الفضل انٹر نیشنل لندن- ۱۱ رجون ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۴) کو جرمنی میں پہلے مشن کے قیام کے لئے برلن روانہ کیا لیکن جنگ عظیم دوم کے آغاز کی بنا پر آپؓ کو واپس بلوالیا گیا اور یوں تبلیغ اسلام کا یہ کام ادھورا ہی رہ گیا- مئی ۱۹۴۵ء میں جنگ عظیم دوم کے خاتمہ کے بعد جنوری ۱۹۴۹ء میں مبلغ احمدیت مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب کو جرمنی بھیجا گیا- آپ نے HAMBURG کے شہر کو مرکز احمدیت کے لئے منتخب فرما کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا- تب سے لے کر یعنی ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک قریباً پچیس برس کی لمبی مدت کے دوران بہت ہی کم جرمن عیسائیوں نے احمدیت کے نور کو قبول کیا تھا اس لئے ۱۹۵۵ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دورہ جرمنی کے دوران ہیمبرگ میں ایک مسجد کی تعمیر کے بارہ میں ہدایات ارشاد فرمائیں اور یوں ۱۹۵۷ء میں یہاں پہلی احمدیہ مسجد ''فضل عمر'' تعمیر کی گئی اور اس کے دو سال کے بعد FRANKFURT AM MAIN میں بھی دوسری احمدیہ مسجد ''نُور موشے'' NUUR MOSCHEE تعمیر ہوئی۔ اب ہماری ہجرت کے بعد ۱۹۷۵ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک بے شمار جرمن افراد احمدیت کے پروانے بن چکے ہیں اور جوق در جوق بن رہے ہیں اور یہ بھی اس نئی فصل کی اس نئی بہار کا آغاز ہے کہ جس کی بدولت آج جرمنی کے بہت سے شہروں میں احمدیہ مساجد قائم ہیں کہ جہاں اسلام واحمدیت کے شیدائی جمع ہو کر خدائے واحد کی حمد و ثنا بجالاتے ہیں- آنحضرت محمدؐ مصطفے احمدؐ مجتبےٰ ﷺ پر درود سلام بھیجتے رہتے ہیں اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں- فالحمدللہ- پس اسی لئے مجھے یہاں سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا ایک خواب یاد آ رہا ہے جو کہ روزنامہ الفضل ربوہ میں پڑھا تھا- حضورؒ نے فرمایا:- ''میں نے عرصہ ہؤا خواب میں دیکھا تھا کہ جرمن قوم کے دلوں پر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَمَّد'' رَّسُولُ اللّٰہِ لکھاہؤا ہے- اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ قوم بالآخر ضرور مسلمان ہوگی- (انشاءاللہ)''- (روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۷۳ء صفحہ ایک)

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو مجھ جیسے عاجز ترین انسان کو بھی ان ابتدائی چند خوش نصیب احمدی احباب سلسلہ میں شمولیت کا شرف حاصل کہ جن کو حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے تمام جماعت عالیہ احمدیہ کی نمائندگی میں اپنی بے لوث اور پُرخلوص نیک تمناؤں کے ہمراہ خاص تعارفی خطوط مرحمت فرما کر یہاں جرمنی بھجوایا تھا - میں جب بھی پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ مجھ میں تو کوئی ایسی خاصیت نہ تھی کہ جس کی بدولت مجھے یہ اعزاز نصیب ہوتا لیکن خاکسار اسے اپنے

مشفق ومہربان حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نیز اپنی والدہ محترمہ احمد بی بی صاحبہ کی پرخلوص اور بے لوث دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا ہے- اسی طرح مغربی ممالک میں احمدیت کا یہ تن آور درخت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نیز حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ان تمام بے لوث عاجزانہ اور نیک و پاکیزہ دعاؤں کا ثمر ہے کہ اب اس پاکیزہ بیج سے اگنے والا کمزور سا پودا خدا تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ایک قد آور ، گھنا اور پھل دار درخت بن گیا ہے اور اس درخت کی ہر ایک ٹہنی اور ہر ایک پتہ اور ہر ایک پھل ہمیں سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کی طرف متوجہ کرتا ہے جو کہ حضرت اقدسؑ نے اپنے بچوں کی آمین کی مبارک تقریب کے موقعہ پر کی تھی:-

اہلِ وقار ہوویں فخرِ دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
بابروگ و بار ہوویں اِک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ (درثمین)

جیسا کہ ” اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ - یعنی“ اے میرے اللہ تو محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر اپنا خاص فضل نازل فرما “ میں ” آل محمدؐ “ سے مراد ہم تمام مسلمان ہیں اسی طرح اگر آپ غور فرمائیں تو ” اِک سے ہزار ہوویں “ کی بابرکت دعا میں حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد کے ساتھ ساتھ ہم تمام احمدی بھی خدا کے فضل سے حضرت اقدسؑ کی پاکیزہ دعاؤں کے مخاطب ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انہی دعاؤں کی برکت کی بدولت ربوہ سے جرمنی میں آنے والے چار احمدی اب چار سے ہزار اور ہزار سے دس ہزار اور دس سے بیسیوں ہزار ہو چکے ہیں- ہمارے صوبہ RHIENLAND-PFALZ میں دریائے RHEIN کے کنارے آباد مشہور شہر KOBLENZ کے اردگرد خدا کے فضل سے صرف ہمارے خاندان کے ہی تقریباً پینتیس (۳۵) افراد مقیم ہیں اور یہ تمام افراد پاکستان سے ہجرت کر کے صرف میری وجہ سے ہی اس صوبہ میں آئے اور پھر بعد میں یہاں کے اچھے ماحول کو دیکھ کر یہیں مستقل رہائش بھی اختیار کر لی اور اب ان سب کو جرمن شہریت بھی مل چکی ہے- یہاں مجھے یاد آیا کہ اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور عظیم الشان پیشگوئی بھی عرصہ دراز ہوا پوری ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے:-

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار (درثمین)

لیکن علم وعرفان سے عاری اندھوں کو ان باتوں کی سمجھ نہیں آسکتی کہ اس پیشگوئی سے مراد سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی اولاد کے ساتھ ساتھ حضرت اقدسؑ کی روحانی اولاد یعنی تمام احمدیت کے گورے، پیلے، بھورے، کالے اور سرخ رنگ کے فرزندان احمدیت بھی مخاطب ہیں اور بفضل خدا تعالیٰ وہ ہم تمام احمدی ہی ہیں-سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

پس ہمارا یہاں آنا جماعت احمدیہ کے لئے بہت کارگر ثابت ہوا کیونکہ پہلے ہم لوگ آئے اور یہاں موجود چھوٹی سی احمدی جرمن جماعت کو ہمارے آنے سے تقویت ملی اور پھر خدا کے خاص فضل سے جرمنی کی یہ چھوٹی سی جماعت اتنی تیزی سے بڑھی کہ اب یہ جماعت اپنی تعداد اور دعوت الی اللہ

یعنی تبلیغ نیز اپنے چندوں یعنی اخلاص کے لحاظ سے بھی دنیا بھر کی بڑی بڑی جماعتوں میں شمار ہونے لگی ہے اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ہماری ہجرت میں بھی خدا تعالیٰ کا ایک خاص ہاتھ ہماری پشت پناہی کر رہا تھا اور اس کا ایک خاص فضل ہمارے شامل ہے- کیونکہ اُس زمانہ میں کسے علم تھا کہ جماعت پر ایک ایسا بھاری وقت بھی آ جائے گا کہ جب اس کے جان سے بھی پیارے امام سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو بھی صرف اور صرف خلافت کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی خاطر پاکستان چھوڑنا پڑے گا اور یوں نظام سلسلہ کا تمام بار پاکستان کی بجائے صرف باہر کی جماعتوں کو ہی اٹھانا پڑے گا ؟ بہر حال جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ۱۹۷۴ء کے واقعات کے بعد سب سے پہلے ہم لوگوں نے احمدیت کی خاطر پاکستان سے ہجرت کی اور اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہماری جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کے جان سے بھی پیارے خلیفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو چند جھوٹے اور بے بنیاد الزامات اور جنرل ضیاء کے ایک آرڈیننس کی بنا پر پاکستان سے ہجرت کرنا پڑی- وقتی طور پر ہم سب کے لئے یہ ایک نا قابل برداشت صدمہ تھا لیکن خدا کے فضل سے ہم احمدیوں کے لئے یہ دونوں ہجرتیں بے حد ترقیات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مخاطب کرتے ہوئے آپؑ کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ :-

''جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مُہر لگا دے گا تو بڑا فتنہ برپا ہوگا- پس تُو صبر کر- جیسا کہ اُولوالعزم نبیوں نے صبر کیا--- یہ فتنہ خدا کی طرف سے فتنہ ہوگا تا وہ تجھ سے محبت کرے- جو دائمی محبت ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی اور خدا میں تیرا اجر ہے- خدا تجھ سے راضی ہوگا- اور تیرے نام کو پُورا کرے گا- بہت ایسی باتیں ہیں کہ تم چاہتے ہو مگر وہ تمھارے لئے اچھی نہیں- اور بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ تم نہیں چاہتے اور وہ تمھارے لئے اچھی ہیں- اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' -(اربعین نمبر۳ صفحہ۲۴-۲۹) +(تحفہ گولڑویہ صفحہ۱۴-۱۹)

اور بالکل ویسا ہی رونما ہوا کہ جو بات ہم نہیں چاہتے تھے یعنی پاکستان میں نا مسلم قرار دیا جانا اور پھر حضورؒ کی پاکستان سے ہجرت- اسی بات میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی اور نا مسلم قرار دئے جانے کے بعد خدا تعالیٰ نے کمزور سے کمزور احمدی فرد اور چھوٹے سے چھوٹے احمدی بچے کو بھی دعوت الی اللہ کا پیغام دینے کے لئے تیار فرمادیا اور پھر اس ہجرت نے جماعت کی ترقی کے لئے بھی ایک مہمیز کا کام بھی دیا- جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کو لاکھوں ترقیات نصیب ہوئیں کہ جن کا ذکر موقع کی مناسبت سے اسی مضمون میں اختصار کے ساتھ ضرور ہوگا بہر حال حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے بابرکت وجود کے پاکستان سے نکلتے ہی وہاں تلاوت قرآن مجید و درس حدیث نبویہؐ کی بجائے دنگا فساد کی محفلیں برپا ہونے لگیں یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی پاکستان سے ہجرت کے بعد پاکستان کے حالات انتہائی دگرگوں صورت اختیار کرتے چلے گئے بلکہ آہستہ آہستہ یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ آج کل پاکستان جیسے اسلام کے نام نہاد قلعہ میں نہ تو کسی شریف انسان کی عزت محفوظ ہے اور نہ ہی کسی کا جان و مال محفوظ ہے حتیٰ کہ نہ ہی کوئی مسجد خدا کا نام لینے کے لئے محفوظ ہے جب تک کہ اس کے چاروں طرف مسلح پہرہ کا انتظام نہ ہو- پس یہ سب کچھ کسی تازیانے سے کم نہیں اور یہ سب کچھ تو چودہ سو سال پہلے سے ہی ایک معزز اور پاکیزہ کتاب قرآن شریف میں موجود ہے لہذا کون ہے جو درج بالہ خدائی الفاظ کو بدلنے کی جسارت کر سکتا ہے؟ اور یہ حالات اب اس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک کہ خود پاکستانی عوام حق کو شناخت نہ کریں گے- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ لاہوری احمدیوں (پیغامیوں) کے ایک رہنما ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے سیدنا مصلح موعود حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ :-

’’ بنا بنایا کام، بنی بنائی جماعت، بنی بنائی قومی جائیدادیں، سکول، بورڈنگ، روپیہ، خزینہ سبھی کچھ بنا بنایا مل گیا- قادیان کے مرکز اور مسیح موعود کا بیٹا ہونا، کام بنا گیا- قادیان کی گدی نہ ہوتی، مسیح موعودؑ کا بیٹا نہ ہوتے اور کہیں باہر جا کر میاں محمود اپنے عقیدہ---کو پھیلا کر دکھاتے اور پھر نئے سرے سے جماعت بنتی اور ترقی کرتی تو کچھ بات تھی‘‘ -(پیغام صلح لاہور-۱۵/اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۹)

اس بات کا جواب مؤرخ احمدیت حضرت مؤلانا دوست محمد شاہد صاحب نے یوں تحریر فرمایا:-

’’ خدا کی قدرت !!! اس تحریر پر ابھی چودہ سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ تحریک احمدیت کے اولوالعزم قافلہ سالار اور قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر نے ربوہ جیسے عظیم الشان عالمی مرکز کی اپنے دست مبارک سے بنیاد رکھ دی- ربوہ کی برق رفتار ترقی کو دیکھ کر جناب نسیم حجازی صاحب نے اپنے اخبار ’’کوہستان‘‘ کی یکم جنوری ؁ء کی اشاعت میں الطاف سرحدی کے قلم سے یہ نظریہ پیش کیا کہ:-’’مغربی پاکستان کے دارالسلطنت کے لئے نہ لاہور موزوں ہے، نہ پشاور، نہ راولپنڈی- اس کے لئے موزوں جگہ قادیانیوں کا مرکز ربوہ ہے ‘‘ -(الفضل انٹرنیشنل لندن-۲۶/مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۳)

افسوس کہ آج ڈاکٹر بشارت احمد صاحب زندہ نہیں لیکن ان کی اولاد تو ضرور زندہ ہوگی -اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ان کی اولاد یا عزیز و اقارب کو چاہئے کہ وہ جماعت عالیہ احمدیہ مسلمہ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر یہ جان لیں کہ خدا تعالیٰ کی شفقت و محبت و رحمت کا ہاتھ اس خلافت حقہ کے پیچھے کارفرما ہے اور آج وہی چھوٹی سی جماعت کہ جسے لاہوری جماعت کے کرتا دھرتا افراد نے قادیان میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کا تمام روپیہ بھی لے اڑے تھے- ہاں وہی بے دست و پا جماعت اب اربوں اور کھربوں میں کھیل رہی ہے-اسی طرح آپ لوگ خود صدق دل سے یہ فیصلہ فرمائیں کہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے بیان کے برعکس اب تو نہ صرف قادیان ہندوستان بلکہ ربوہ پاکستان اور اب وہاں سے بھی بہت دور لندن برطانیہ میں تشریف فرما ہو کر ہمارے جان سے بھی پیارے حضرت خلیفۂ وقت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نت نئی جماعتوں، مجالس، تنظیموں، مساجد و مراکز کی تعمیر اور افتتاح فرماتے چلے جا رہے ہیں- یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک خاص فضل نہیں تو اور کیا ہے؟ خدائے رحیم و کریم کی فعلی شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے اب تو انہیں حق کو شناخت کر لینا چاہئے- جماعت عالیہ احمدیہ اسلامیہ کی اسی روز افزوں ترقی کے سلسلہ میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:-

’’ ۱۹۸۴ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ پاکستان سے بہ تقدیر الٰہی ہجرت فرما کر لندن تشریف لائے تو جماعت ایک نئے دور میں داخل ہوئی- وہ دور جس میں مخالفتیں بھی انتہا درجہ کی ہوئیں یہاں تک کہ پاکستان کے اس وقت کے آمر نے اپنے اس ناپاک عزم کا کھلے بندوں اعلان کیا اور اس کا یہ پیغام انگلستان میں مولویوں کی ایک کانفرنس میں پڑھ کو سنایا گیا کہ وہ’’ احمدیت کے کینسر‘‘ کو ختم کر دے گا -لیکن جس قدر مخالفت بڑھتی گئی اس سے کہیں زیادہ اور شدت کے ساتھ آسمان سے فرشتوں کی تائید نازل ہوتی چلی گئی اور وہ صدائے فقیرانہ حق آشنا جسے وہ وہ دشمن بد نوا، دبا کر ختم کر دینا چاہتا تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے شش جہات میں اس شان اور عظمت سے پھیلنے لگی کہ اس سے زمین ہی نہیں فضا بھی گونجنے لگی‘‘ -(الفضل انٹرنیشنل-۲۱/مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۲)

خدا تعالیٰ کے انبیاء اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور پشت پناہی ہمیشہ ہمیش سے ہی حاصل ہوتی چلی آئی ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ بھی یقیناً ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی اسی لئے دشمن کی لاکھ کوشش اور ہر طرح کی حیلہ بازی اور سخت مخالفت کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول- پیغمبر اور خلفاء ہی

کامیاب وکامران ہوتے چلے آئے ہیں-احمدیت کی ترقی اسی خدائی منشاء اور تقدیر کے مطابق روپذیر ہوئی ہے اور یہ ترقی آج نہیں بلکہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ رسالت میں ہی ظہور پذیر ہو چکی تھی لہٰذا حضرت اقدس مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنی زندگی میں ہی ببانگ دہل یہ اعلان فرما دیا تھا کہ:-

میں تھا غریب و بیکس و گمنام بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر (درثمین)

الحمدللہ۔ثم الحمدللہ۔کہ میں نے اپنی زندگی میں سیدنا آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ اور سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی پیشگوئیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بارہا پُورا ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ جن میں سے مزید ایک پیشگوئی کو یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں-۱۹۸۴ء میں حضرت صاحبؒ (حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ہجرت سے سیدنا حضرت رسول اللہ محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے ﷺ کی وہ پیش گوئی بھی اپنی مکمل آب وتاب اورشان کے ساتھ پُوری ہوئی کہ:-

''اس (مسیح ومہدی علیہ السلام) کے زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا''

اس پیشگوئی سے ناسمجھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گویا زمین یا سورج اپنے محور کو تبدیل کرلیں گے اور یوں سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہُوا کرے گا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب اسلام کی سچی روشنی بکھیرنے والا سورج اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ مغربی ممالک سے طلوع ہوگا اور یہی نہیں بلکہ جیسا کہ فلکی سورج کی ایک اور بھی خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ اس کے دم قدم سے ہی چاند اور ستارے چمکتے نظر آتے ہیں بالکل اسی طرح اب اس روحانی سورج کی ضیا پاشی سے روحانی چاند اور ستارے بھی انشاء اللہ تعالیٰ آسمان مغرب سے ہی طلوع ہُوا کریں گے-بہرحال حضورؒ کی ہجرت کی خبر سنتے ہی میں اپنے شہر نوئیویڈ سے اپنی منجھلی بہن آپا زبیدہ نسیم صاحبہ اور ان کے میاں بھائی جان مکرم قاضی محبوب احمد نسیم صاحب کے پاس فرینکفرٹ چلا گیا تھا اور اسی وقت میں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو فرینکفرٹ میں اس پیشگوئی کے بارہ میں بتادیا تھا کہ اب یہ پیشگوئی بھی ہماری زندگی میں ہی پُوری ہوگئی ہے-شکر الحمدللہ-کیونکہ اب حضور پرنور کے یورپ میں تشریف لے آنے سے دعوت الیٰ اللہ یہیں سے ہوگی اور آج یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ۱۹۷۵ء میں ہماری ہجرت اور اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں حضرت امیرالمؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت، اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے نہ صرف ایک بالکل نیا موڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ایک سنگ میل ثابت ہوئی کیونکہ اس وقت کسے یہ علم تھا کہ MTA انٹرنیشنل کی بدولت سیدنا حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور پیشگوئی بھی پھر ایک بار اپنی پوری آب وتاب اورشان وشوکت کے ساتھ پوری ہوجائے گی کہ:-

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا''-(الہام)

یعنی دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں رہے گا کہ جہاں خدا تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچ رہا ہو اور انسان تو کیا زمین وآسمان کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ بھی اس بات کی گواہی دے گا کہ ہاں! ہم یہ درود وسلام سن رہے ہیں کیونکہ ریڈیو اور ٹی-وی کی لہریں صرف روئے زمین پر ہی نہیں بلکہ آسمان میں چاند اور ستاروں تک جا پہنچتی ہیں-فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ ۔پس حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی خداداد صلاحیتوں اور دوراندیشی کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ نے حضرت خلیفہ وقت اور جماعت کو پیش آنے والے متوقع مصائب کے سدباب کے لئے قبل از وقت ہی انتظامات کرنا شروع کردئے تھے جبکہ شاید کسی کے وہم وگمان میں بھی بعد کے حالات اور واقعات نہ تھے-اور پھر کسے اس بات کا علم تھا کہ آنے والے زمانہ میں سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو انتہائی نامسائد حالات کی بناء پر پاکستان سے ہجرت بھی کرنی پڑے گی اور پھر عارضی مرکز کی لندن میں تبدیلی نیز MTA یعنی مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کی وجہ سے جماعتی اخراجات اتنے بڑھ جائیں گے کہ صرف

ایک اکیلی پاکستان کی جماعت اس کو اٹھانے کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ اسی لئے تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے فرمایا:۔

’’ مَیں آئندہ آنے والے خُلفاء کو خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تُم بھی حوصلے رکھنا اور میری طرح ہمّت اور صبر کے مظاہرے کرنا اور دنیا کی کسی طاقت سے خوف نہیں کھانا۔ وہ خُدا جو ادنیٰ مخالفتوں کو مٹانے والا خُدا ہے وہ آئندہ آنے والی زیادہ قوی مخالفتوں کو بھی چکنا چُور کر کے رکھ دے گا اور دُنیا سے ان کے نشان مٹا دے گا۔ جماعت احمدیہ نے بہرحال فتح کے بعد ایک اور فتح کی منزل میں داخل ہونا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اس تقدیر کو بہرحال بدل نہیں سکتی‘‘۔ (خطاب برموقعہ پہلا یورپی اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ۔ فرمودہ ۲۹ر جولائی ۱۹۸۴ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف اپنی پوری آن بان اور شان کے ساتھ آپ کی مقدس زندگی میں ہی پوری ہو چکی ہے۔ اس کے لئے آپ صرف دشمن بدنوا جنرل ضیاء الحق صاحب کے انجام پر ہی نظر ڈال کر دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بنائے ہوئے خلیفہ وقت کے الفاظ کو فضیلت بخشتے ہوئے چند برسوں کی قلیل مدت میں ہی اس جنرل کے پرخچے اڑا کر رکھ دئے کہ جس کی حفاظت کے لئے پاکستان کی تمام بری، بحری اور فضائی فوج کے علاوہ پولیس، ملیشیا اور انٹیلی جنس (خفیہ جاسوس فوج اور پولیس) کے ادارے بھی اپنی پوری نفری طاقت اور ہر طرح کی فوجی وغیر فوجی قوت نیز ہر ذریعہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے حفاظتی اقدامات میں مصروف رہے لیکن انہیں کون بتائے کہ خدا کی تقدیر جب وارد ہوتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت اس بدنصیب شخص کو بچا نہیں سکتی۔ جنرل ضیاء الحق کی موت سے ایک اور پیشگوئی بھی اس رنگ میں پوری ہوئی کہ جب جنرل ضیاء الحق کے طیارے نے ہوا میں قلابازی کھائی اور اس کے بعد زمین پر گرتے ہی اس میں آگ لگی تو مقامی مزارعین کا یہ کہنا ہے کہ اس چمکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی جانب دیکھنا بھی ناممکن تھا اور یہی بات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر ہمیں آج سے تقریباً سو سال پہلے بتائی تھی کہ ایک چمکتی ہوئی دلیل ظاہر ہو کر حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گی:۔

کافر جو کہتے تھے وہ نگونسار ہو گئے
جتنے تھے سب کے سب ہی گرفتار ہو گئے (درثمین)

’’ یعنی کافر کہنے والوں پر خدا کی حجت ایسی پوری ہوگئی کہ ان کے لئے عذر کی جگہ نہ رہی۔ یہ آئندہ زمانہ کی خبر ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا اور کوئی ایسی چمکتی ہوئی دلیل ظاہر ہو جائے گی کہ فیصلہ کر دے گی‘‘۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۷)

اگر آپ اوپر درج پیشگوئی کی الفاظ پر ذرا سا غور فرمائیں تو یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ ایسی تحریرات صرف خدا تعالیٰ کے مقرب و مقبول انسانوں کی ہی ہو سکتی ہیں کہ جن کی زبان سے خدا تعالیٰ خود کلام فرما رہا ہوتا ہے ورنہ ایک عام انسان کو تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ آنے والے کل کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھ بھی سکے گا یا نہیں؟ پس جیسے کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا بالکل ویسے ہی رو پذیر بھی ہو گیا اور آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

’’یہ پیشگوئی ہے ہر ایک پڑھنے والا اس کو یاد رکھے‘‘۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶)

اور یوں اس کلام کی صداقت میں ایک ایسی چمکتی ہوئی دلیل ظاہر ہوگئی کہ جس کی تمام دنیا گواہ ہے اور انشاء اللہ تا ابد گواہ رہے گی۔ بہرحال تفصیل اس کی یہ ہے کہ پاکستان کے جنرل ضیاء الحق نے اپنے عہد حکومت کے دوران ۱۹۸۴ء میں ایک فرعون کی طرح رعونت اختیار کرتے ہوئے ہم احمدی مسلمانوں کو ارکان اسلام پر عمل کرنے سے روکنے کے لئے اذان دینے، عبادت گاہوں کو مساجد کہنے اور اسلامی القابات وغیرہ کو استعمال کرنے پر اپنے ایک ننگ اسلام اور حیا سوز آرڈیننس کے ذریعہ پابندی لگا دی۔ احمدی مسلمانوں کی روزمرہ مذہبی عبادات کو ایک قابل تعزیر جرم قرار دے دیا

گیا-اس قسم کے بہیمانہ ظلم کی کوئی مثال دنیا بھر کی تاریخ میں نہیں ملتی کہ سنی مسلمانوں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر شیعہ مسلمانوں کو یا وہابی مسلمانوں نے حنفی مسلمانوں کوان کی اقلیت کی بنا پر کسی جگہ بھی مروجہ اسلامی طور طریق پر اذان دینے پر پابندی عائد کی ہو-اس کی تفصیل جناب IAN ADAMSON صاحب کی تصنیف " A MAN OF GOD " یعنی ''ایک مردخدا'' کے چند صفحات میں سے پیش خدمت کرتا ہوں تا کہ آپ کو حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے میں آسانی رہے-اس کتاب کا مایہ ناز اردو ترجمہ مکرم چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم السلام کالج ربوہ پاکستان نے کیا-درج ذیل صفحات میں اس بدنام زمانہ آرڈیننس کے اجراء اور اس کے نتیجہ میں حضرت امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی پاکستان سے ہجرت کا ذکر ہے- IAN ADAMSON جناب ایان ایڈمسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

'' جمعرات کا دن تھا ۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کی تاریخ کہ جب حکومت پاکستان کے گزٹ میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی طرف سے مارشل لاء کا بدنام زمانہ آرڈیننس نمبر ۲۰ (بیس) جاری کیا گیا تا کہ احمدیوں کو خواہ وہ قادیان کی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری جماعت سے-ان کی '' اسلام دشمن سرگرمیوں'' سے باز رکھا جا سکے-آرڈیننس کے الفاظ یہ تھے:-

''ہرگاہ کہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ قانون میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے احمدیوں کو خواہ وہ قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری جماعت سے انہیں ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے روکا جا سکے اور ہرگاہ صدر پاکستان کو اطمینان ہے کہ ایسے وجوہ موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے اس بارہ میں فوری اقدامات ناگزیر ہو گئے ہیں-لہٰذا ۵/جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ان اختیارات کے ماتحت جو صدر پاکستان کو اس اعلان کے ذریعہ حاصل ہیں صدر پاکستان مندرجہ ذیل فرمان کا اجراء اور نفاذ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں:-

مختصر عنوان اور آغاز

۱:-یہ آرڈیننس قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں (امتناع وتعزیر) آرڈیننس ۱۹۸۴ء کے نام سے موسوم ہو گا-
۲:-یہ آرڈیننس فی الفور نافذ العمل ہو گا-

آرڈیننس عدالتوں کے احکام اور فیصلوں پر غالب ہو گا

اس آرڈیننس کے احکام کسی عدالت کے کسی حکم یا فیصلہ کے باوجود مؤثر ہوں گے-

ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ میں نئی دفعات

۲۹۸-ب اور ۲۹۸-ج کا اضافہ مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵، ۱۸۶۰ کے باب ۱۵ میں) دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد حسب ذیل نئی دفعات کا اضافہ کیا جائے گا-یعنی ۹۸ب-بعض مقدس شخصیات کے لئے مخصوص القاب، اوصاف یا خطابات وغیرہ کا ناجائز استعمال-

الف:-قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں) کا کوئی فرد جو الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا نظر آنے والی کسی علامت کے ذریعہ-

☆ب-(حضرت) محمد (ﷺ) کی ازواج مطہرات کے علاوہ کسی اور کو اُمّ المؤمنین کے نام سے یاد کرے یا مخاطب کرے یا-

☆ج-اہل بیت کے علاوہ کسی فرد کو اہل بیت کہہ کر یاد کرے یا مخاطب کرے یا-

☆د-اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے یاد کرے یا پکارے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا-

☆ہ-قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں) کا کوئی شخص جو زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعہ یا کسی

مرئی طریقہ سے اپنی مذہبی عبادت کے لئے بلانے کے طریقہ یا طرز کو اذان کہہ کر یاد کرے یا اس طرح اذان دے جس طرح مسلمان اذان دیتے ہیں تو اسے ایک ہی قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائیگی جو تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانہ کا مستوجب بھی ہوگا۔

۲۹۸۔ج۔قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو خود کو مسلمان کہے یا اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے۔ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو بالواسطہ یا بلاواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے ساتھ موسوم یا منسوب کرے یا الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا کسی مرئی طریقہ سے اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریق سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے تو اس کو ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا‘‘۔(گزٹ حکومت پاکستان)

دنیا اس آرڈیننس کی خبر کو سن کر سکتے میں آ گئی۔خود پاکستان میں کیا وکلاء اساتذہ اور سفارت کار اور کیا عام شہری اور کاروباری لوگ۔سبھی اس بات پر حیران و ششدر تھے کہ اب اذان دینا اور نماز پڑھنا بھی جرم قرار دئے جا چکے تھے۔سبھی افسردہ خاطر تھے کہ ان کا وطن عزیز مذہبی تعصب،منافرت، مذہب کے نام پر مفاد پرستی کی ایک خوفناک اور بھیانک دلدل میں پھنس کر رہ گیا ہے اور ان کا ملک بھی ان بدنام زمانہ ممالک کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے کہ جن کی حکومتیں اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے اپنے شہریوں کو مذہب یا رنگ و نسل کی آڑ میں طرح طرح کے ظلم و تشدد کا نشانہ بناتی رہتی ہیں۔

یہ آرڈیننس فوجی اور تجارتی لحاظ سے بھی قابل اعتراض تھا۔امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے نزدیک پاکستان کمیونزم کے خلاف ایک مظبوط دفاعی مورچے کی حیثیت رکھتا تھا۔اب ان ممالک کی حکومتیں شش و پنج میں پڑ گئیں کہ کیا ایسے ملک کو جس میں اقلیتوں پر ستم ڈھائے جا رہے ہوں،ہتھیاروں کی فراہمی اور وہ بھی آزادی اور آزاد خیالی کے نام پر جاری رکھی جا سکتی ہے۔وکلاء اور عدالتیں الگ پریشان تھیں۔اس خلاف عقل آرڈیننس نے قانون کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔بحیثیت مجموعی اب تک ان کی یہی کوشش رہی تھی کہ ایک جابر نظام کے علی الرغم وہ کسی نہ کسی طرح حق و انصاف کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔قانون دانوں کا تو ایک ہی سوال تھا کہ کسی ریاست یا حکومت کو اپنے زعم میں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گیا کہ وہ بتائے کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور کسے نہیں کہتے؟ مسلمان علماء خواہ وہ اکثریت کی نمائندگی کے دعویدار ہی کیوں نہ ہوں کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن (کریم) یا بالفاظ دیگر کلام الٰہی کی تشریح و تفسیر کا حق صرف اور صرف انہی کو حاصل ہے؟ اور کسی ریاست کے پاس اس امر کا کیا جواز ہے کہ وہ پرامن اور بے گناہ شہریوں کا یہ حق بھی سلب کر لے کہ وہ اپنے عقیدہ اور شناخت کا اعلان کر سکیں۔اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا پابند ہو،نماز ادا کرتا ہو اور اپنے عقیدہ کے تمام اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہو تو کوئی جج یا جیوری کیسے فیصلہ کرے گی کہ مذکورہ شخص دل سے نہیں بلکہ محض دکھاوے کے طور پر ایسا کر رہا ہے؟ سنی۔شافعی۔حنفی۔وہابی اور احمدی غرض سبھی مؤذن نماز سے پہلے اذان دیتے ہیں تو صرف احمدی مؤذن ہی کے متعلق یہ کیوں کہا جائے کہ وہ جھوٹ موٹ مسلمان بن رہا ہے؟۔‘‘(ایک مرد خدا۔صفحہ ۲۸۳۔۲۸۷)

یہ تو تھے ایک انگریز مصنف کے تاثرات لیکن خود اس انتہائی نازک اور اہم معاملہ کے بارہ میں دراصل اسلام کی تعلیم کیا ہے کہ مسلمان کون ہے؟ قرآن مجید کے احکامات کیا ہیں اور احادیث نبویہ میں کیا درج ہے؟ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور اس نماز میں ہمارے قبلہ کی جانب اپنے مونہہ کا رخ کر لے، ہمارا حلال کیا ہوُا ذبیحہ کھائے تو ایسا شخص مسلمان ہے کہ جس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے لے لی ہے۔پس! اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کی بے حرمتی نہ کرنا‘‘۔(بخاری کتاب

الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلۃ)

لیکن ان تمام قرآنی احکامات اور احادیث نبویہؐ کی موجودگی کے باوجود بھی ان نام نہاد مسلمانوں کی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اب تو ان لوگوں نے تمام مساجد کو خدا تعالیٰ کا گھر سمجھنے بجائے اپنی ذاتی ملکیت تصور کرنا شروع کر دیا ہے اور کسی غیر مذہب کے انسان کو تو کیا اب اپنے ہی ہم مذہب کسی دوسرے فرقہ کے مسلمانوں کو بھی ان مساجد میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی ہے یعنی جنرل ضیاء الحق صاحب کی مہربانی سے ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے خون کا جانی دشمن بن رہا ہے- نیز تمام مسلم مساجد میں نمازوں کی ادائیگی اور قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اب خرافات بھی سنائی جاتی ہیں اور پھر ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اب کچھ عرصہ سے بعض مسلم ممالک خصوصاً پاکستان میں احمدیوں کی مساجد کے ماتھے پر سے اسلام کے مقدس نام پر مزین کلمہ طیبہ اور دیواروں پر تحریر قرآنی آیات کو مٹانے کی غیر اسلامی مذموم کاروائیاں کی جا رہی ہیں اور تمام بے گناہ احمدی معصوموں کو ان کی اپنی ہی مساجد میں اذان دینے سے بھی روکا جا رہا ہے- جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کافی لمبے عرصہ سے ہماری مساجد سے کلمہ طیبہ اور دوسرے قرآنی کلمات، نام نہاد مسلمان ملاؤں کی پے در پے درخواستوں پر اور حکومت کی ایماٗ پر بزور بازو مٹا دئے گئے ہیں اور مٹائے جا رہے ہیں نیز اذان دینے پر بھی پابندی عائد ہے- اب یہ ناسمجھ مولوی صاحبان ہمیں بتائیں کہ وہ کس بنا پر ہماری مساجد کے نام تبدیل کروا رہے ہیں؟ اور ہمیں اور ہماری مساجد کو مسجد کہنے بھی سے روکا جا رہا ہے کہ جس کی بناٗ پر ہم انہیں مسجد کہنے اور لکھنے کی بجائے بیت لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں حتیٰ کہ ان میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے بھی روکا جا رہا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم اگر خدا کے گھر کو مسجد نہ بھی کہیں بلکہ اسے خانہ کعبہ کی طرح بیت اللہ یا بیت المبارک یا بیت الاقصیٰ بھی کہیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ بیت اللہ کی طرح ان بیوت میں بھی خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کی جا سکتی ہے کیونکہ خود خدا تعالیٰ نے ہی اپنی سب سے پہلی مسجد یعنی خانہ کعبہ کو بیت اللہ کا نام دیا ہے اس لئے ہم احمدی بھی اپنی مساجد کو بیت کہہ کر اپنے واحد و یگانہ اللہ کی پیروی کر رہے ہیں- پس یہ نام نہاد مسلمان ہم سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بیر رکھتے ہوئے اپنے ہی مذہب اسلام کے خلاف جنگ لڑتے شکست پر شکست کھاتے جا رہے ہیں۔ بہر حال ایک دن میں ان تمام معاملات پر غور کر رہا تھا کہ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ جنرل ضیاء الحق صاحب کے انجام بد کی تاریخوں پر ذرا نظر ڈال کر تو دیکھو- دیکھا تو سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس جنرل کو مباہلہ کا چیلنج مؤرخہ ۱۰رجون ۱۹۸۸ء کو بروز جمعۃ المبارک کے دن دیا تھا لہذا میں نے فوراً حضورؒ کی خدمت اقدس میں ایک خط تحریر کیا جو یہاں بغرض سعادت درج کرتا ہوں:-

مؤرخہ ۲۲راپریل ۱۹۹۷ء
از وائٹرس بُرگ ۔ جرمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

بخدمت اقدس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

میرے پیارے آقا!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آج آپ کے بارہ میں لکھی گئی کتاب ''ایک مردِ خدا'' پڑھتے ہوئے اچانک اس عاجز کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی FRIDAY THE 10TH یاد آ گئی اور مباہلہ کا وہ چیلنج یاد آ گیا جو کہ سیدنا حضور ایدہ اللہ نے مؤرخہ 10.06.1988 بروز جمعہ جنرل ضیاٗ الحق کو دیا تھا اور اُس مباہلہ کی زد میں وہ اور اُس کے بہت سے ساتھی بھی آ گئے اور اس طرح سے وہ 17.08.1988 کو رہتی دنیا تک عبرت کا نشانہ بن گیا اور

حضرت اقدس سیدنا المسیح الموعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان بھی بنا- اب یہ ایک انگریزی الہام ہے اور اللہ نے میری عقل میں یہ بات دی ہے کہ اس الہام کا تعلق یقیناً کسی انگریز سے یا انگریز ملک سے ہے اور جب میں واقعات پر غور کرتا ہوں تو میرا یقین بڑھتا چلا جاتا ہے کہ اگر آپ پاکستان میں بیٹھ کر یا رہتے ہوئے مباہلہ کا چیلنج دیتے تو FRIDAY THE 10TH کی بجائے ''دسویں تاریخ کا جمعہ'' جیسا الہام ہوتا لیکن چونکہ آپ نے UK سے یہ چیلنج دیا تھا لہذا اب جب بھی رہتی دنیا تک اس مباہلہ کے دن کا ذکر ہوگا تو ہم اسے FRIDAY THE 10TH سے ہی پکاریں گے یا، یاد کر سکتے ہیں کیونکہ آپ نے انگلستان سے یہ چیلنج بھیجا ہے- واللہ اعلم بالصواب

سیدنا حضور ایدہ اللہ سے اس معاملہ میں خاکسار کی راہنمائی کی درخواست ہے کیونکہ اس تاریخ سے ہماری جماعت کو ایک اور زندہ نشان دیکھنے کو ملا ہے کہ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تذکرہ میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے اور وہ نشان بھی ہم نے خدا کے فضل سے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا ہے- شکر الحمد للہ- میرے جان سے بھی پیارے آقا! اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی اور صحت والی زندگی سے نوازے تا کہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے- آمین اللھم آمین - خاکسار کو بھی حضور کی دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے- اب اجازت دیں- خدا حافظ- والسلام

سیدنا حضور کا ادنیٰ غلام- سُودے خان

(درخواست دعا بخدمت حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
تحریر شدہ مؤرخہ 22.04.1997 بوقت 0806UTC بذریعہ فیکس)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان تمام واقعات پر ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا اور مسٹر بُھٹو- شاہ فیصل اور جنرل ضیاء کے کرداروں کی نقاب کشائی فرمائی- بہرحال واقعہ سے مناسبت کی بدولت خاکسار یہاں اس مباہلہ کا متن درج کرنے کی سعادت بھی حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوسرے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ جب اس مباہلہ کے یہ الفاظ سیدنا امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ ارشاد فرما رہے تھے اس وقت فرینکفرٹ کے قریبی شہر گروس گیراؤ GROSS-GERAU کا جلسہ گاہ بیسیوں ہزار مخلصین جماعت احمدیہ سے کھچا کھچ بھرا ہوُا تھا اور ہم سب سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اتباع میں آپ کے ساتھ ساتھ یہ آمین کہتے ہوئے بار بار یہ دعائیں با آواز بلند الفاظ دہرا رہے تھے- اس مباہلہ کا خاکسار کی اس کتاب کے ساتھ ساتھ خاکسار کے خاندان کے ساتھ بھی ایک انتہائی گہرا تعلق ہے اس لئے یہاں اس مباہلہ کے انجام کی بابت کچھ عرض کروں گا - ملاحظہ فرمائیں:-

جماعت احمدیہ عالمگیر کی طرف سے
دنیا بھر کے معاندین اور مکفرین اور مکذبین کو
مباہلہ کا کھلا کھلا چیلنج

’’جب سے حکومتِ پاکستان نے جماعتِ احمدیہ کا یہ بنیادی مذہبی اور انسانی حق غصب کیا ہے کہ وہ اپنے دعاوی اور ایمان کے مطابق اسلام کو اپنا مذہب قرار دے اس وقت سے حکومتِ پاکستان کی سرپرستی میں مسلسل جماعتِ احمدیہ کے خلاف نہایت جھوٹے اور شرانگیز پراپیگنڈہ کی ایک عالمگیر مہم جاری ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے احمدیت کو قادیانیت اور مرزائیت کے فرضی ناموں سے پکارا جارہا ہے۔ اسی طرح ایک فرضی مذہب بنا کر جماعتِ احمدیہ کی طرف منسوب کیا جارہا ہے جو ہرگز جماعتِ احمدیہ کا مذہب نہیں۔

کذب اور افترا کی اس نہایت شرانگیز عالمی مہم میں صدرِ پاکستان جناب ضیاء الحق صاحب کا ہاتھ بٹانے میں علما کے بعض مخصوص طبقات نمایاں طور پر پیش پیش ہیں۔ اسی طرح مختلف سطح پر حکومت کے نمائندگان اور کل پُرزوں کے علاوہ نام نہاد شریعت کورٹ کے جج صاحبان بھی اس مہم میں واضح طور پر ملوث ہو چکے ہیں۔

کذب وافترا کی اس عالمی مہم کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

اوّل:۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ذات کو ہر قسم کے ناپاک حملوں کا نشانہ بنانا، آپؑ کے تمام دعاوی کی تکذیب کرنا، آپؑ کو مفتری اور خدا پر جھوٹ بولنے والا، دجّال اور فریبی قرار دینا اور آپؑ کی طرف ایسے فرضی عقائد منسوب کرنا جو ہرگز آپؑ کے عقائد نہ تھے۔

دوئم:۔ دوسرا پہلو آپؑ کی قائم کردہ جماعت پر سراسر جھوٹے الزامات لگانے اور اس کے خلاف شرانگیز پراپیگنڈہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلسل جماعتِ احمدیہ کی طرف ایسے عقیدے منسوب کئے جارہے ہیں جو ہرگز جماعتِ احمدیہ کے عقیدے نہیں۔ اسی طرح جماعتِ احمدیہ اور امام جماعتِ احمدیہ کو سراسر ظلم اور تعدی کی راہ سے بعض نہایت سنگین جرائم کا مرتکب قرار دے کر پاکستان اور بیرونی دنیا میں بدنام کرنے کی مہم چلائی جارہی ہے۔

یہ جھگڑا بہت طول پکڑ گیا ہے اور سراسر یکطرفہ مظالم کا یہ سلسلہ بند ہونے میں نہیں آرہا۔ جماعتِ احمدیہ نے ہر محاظ سے صبر کا نمونہ دکھایا اور محض للہ ان یکطرفہ مظالم کو مسلسل حوصلے سے برداشت کیا اور جہاں تک ظالموں کو سمجھانے کا تعلق ہے، ہر پُرامن ذریعہ کو اختیار کرتے ہوئے معاندین و مکذبین کے آئمہ کو ہر رنگ میں سمجھانے کی کوشش کی اور ایسی حرکتوں کے عواقب سے متنبہ کیا اور خوب کُھلے لفظوں میں باخبر کیا کہ تم یہ ظلم محض جماعتِ احمدیہ پر نہیں بلکہ عالمِ اسلام اور خصوصیت سے پاکستان کے عوام پر کررہے ہو اور دھوکہ اور فریب سے ان کو ان مظالم میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنارہے ہو اور دن بدن جو نت نئے مصائب پاکستان کے غریب عوام پر ٹوٹ رہے ہیں ان کے اصل ذمہ دار تم ہو اور یہ مصائب خدا تعالیٰ کی بڑھتی ہوئی ناراضگی کے آئینہ دار ہیں لیکن افسوس! کہ ظلم کرنے والے ہاتھ رُکنے کی بجائے ظلم وتعدی میں مزید بڑھتے چلے گئے اور اب معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ جماعتِ احمدیہ اس ظلم کو مزید برداشت نہیں کرسکتی لہذا ایک لمبے صبر اور غور وفکر اور دعاؤں کے بعد میں بحثیت امام جماعت احمدیہ یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ تمام مکذبین اور معاندین کو جو عمداً اس شرارت کے ذمہ دار ہیں خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں قرآنی تعلیم کے مطابق کھلم کھلا مباہلے کا چیلنج دوں اور اس قضیہ کو اس دعا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عدالت میں لے جاؤں کہ خدا تعالیٰ ظالموں اور مظلوموں کے درمیان اپنی قہری تجلی سے فرق کر کے دکھا دے۔

ہم ان دونوں پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دو طریق پر مباہلہ کا چیلنج شائع کر رہے ہیں۔ ہر مکذب، مکفر کو کُھلی دعوت ہے کہ مباہلہ کے جس چیلنج کو چاہے قبول کرے اور میدان میں نکلے تا کہ دنیا بھر کے سادہ لَوح مسلمان یا ایسے علماء اور عوام الناس جو احمدیت کے متعلق کوئی ذاتی علم نہیں رکھتے اور

سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے جماعت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے آسمانی فیصلہ کی روشنی میں سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز اور تفریق کر سکیں۔

چیلنج نمبر ۱

جہاں تک بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا تعلق ہے، جنہوں نے امت محمدؐیہ میں مبعوث ہونے والے مسیحؑ موعود اور مہدیؑ معہود ہونے کا دعویٰ کیا، ہمیں مباہلے کا کوئی نیا چیلنج پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے اپنے الفاظ میں ہمیشہ کے لئے ایک کُھلا چیلنج موجود ہے۔

ہم سب مکذبین ومکفرین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس چیلنج کو غور سے پڑھ کر یہ فیصلہ کریں کہ کیا وہ اس کے عواقب سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرنے کے لئے جرأت کے ساتھ تیار ہیں؟۔ آپؑ کے الفاظ میں وہ چیلنج حسبِ ذیل ہے:۔

’’ ہر ایک جو مجھے کذاب سمجھتا ہے اور ہر ایک جو مکار اور مفتری خیال کرتا ہے اور میرے دعوئے مسیحِ موعود کے بارہ میں میرا مکذب ہے اور جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی اس کو میرا افترا خیال کرتا ہے وہ خواہ مسلمان کہلاتا ہو یا ہندو یا آریہ یا کسی اور مذہب کا پابند ہو اس کو بہر حال اختیار ہے کہ اپنے طور پر مجھے مقابل رکھ کر تحریری مباہلہ شائع کرے یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار چند اخباروں میں شائع کرے کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے یہ بصیرت کامل طور پر حاصل ہے کہ یہ شخص (اس جگہ تصریح سے میرا نام لکھے) جو مسیحِ موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت کذاب ہے اور یہ الہام جن میں سے بعض اس نے اس کتاب میں لکھے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ سب اس کا افترأ ہے اور میں اس کو درحقیقت اپنی کامل بصیرت اور کامل غور کے بعد یقینِ کامل کے ساتھ مفتری اور کذاب اور دجال سمجھتا ہوں۔ پس اے خدائے قادر! اگر تیرے نزدیک یہ شخص صادق ہے اور کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین نہیں ہے تو میرے پر اس تکذیب اور توہین کی وجہ سے کوئی عذابِ شدید نازل کر ورنہ اس کو عذاب میں مبتلا کر۔ آمین۔ ہر ایک کے لئے کوئی تازہ نشان طلب کرنے کے لئے یہ دروازہ کُھلا ہے‘‘۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۷۱۔۷۲)

چونکہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اس وقت اس دنیا میں موجود نہیں اور مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے والے کے سامنے آپؑ کی نمائندگی میں کسی فریق کا ہونا ضروری ہے اس لئے مَیں اور جماعتِ احمدیہ اس ذمہ داری کو پورے شرح صدر، انبساط اور کامل یقین کے ساتھ قبول کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

چیلنج نمبر ۲

جماعتِ احمدیہ کے وہ تمام معاندین جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے خلقِ خدا کو مسلسل یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ جسے وہ قادیانی یا مرزائی کہتے ہیں حسبِ ذیل عقائد رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک:۔

الف:۔ یہ جماعت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے بانی مرزا غلام احمد

☆۔ خدا تھے۔ ☆۔ خدا کا بیٹا تھے۔ ☆۔ خدا کا باپ تھے۔ ☆۔ تمام انبیاً سے بشمول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ افضل اور برتر تھے۔ ☆۔ ان کی وحی کے مقابلہ میں حدیثِ مصطفےٰ ﷺ کوئی شے نہیں۔ ☆۔ ان کی عبادت کی جگہ (بیت الذکر) عزت واحترام میں خانہ کعبہ کے برابر ہے۔ ☆۔ قادیان کی سرزمین مکہ مکرمہ کے ہم مرتبہ ہے۔ ☆۔ قادیان سال میں ایک دفعہ جانا تمام گناہوں کی بخشش کا موجب بنتا ہے۔ ☆۔ اور حج بیت اللہ کی بجائے

قادیان کے جلسہ میں شمولیت ہی حج ہے-

میں بحیثیتِ سربراہ جماعتِ احمدیہ عالمگیر یہ اعلان کرتا ہوں کہ

سارے الزامات سراسر جھوٹے اور کھلم کھلا افترا ہیں- ان مذکورہ عقائد میں سے ایک عقیدہ بھی جماعت احمدیہ کا عقیدہ نہیں

لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ o(ال عمران : ۶۲ - اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں - ناقل)

ب:- بانئ سلسلہ احمدیہ کی عمومی تکذیب کے علاوہ ان کی مقدس ذات سے دنیا کو بلاخصوص مسلمانوں کو متنفر کرنے کے لئے حسبِ ذیل مکروہ الزامات بھی لگائے جا رہے ہیں کہ بانئ سلسلہ احمدیہ نے:-

☆-ختم نبوت سے صریحی انکار کیا- ☆-قرآن مجید میں لفظی و معنوی تحریف کی- ☆-روضہ رسولؐ کی توہین کی اور اسے نہایت متعفن اور حشرات الارض کی جگہ قرار دیا- ☆-حضرت امام حسینؓ کی توہین کی اور ان کے ذکر کو گونہہ یعنی ٹٹی کا ڈھیر قرار دیا- ☆-جھوٹے مدعیانِ نبوت کا مطالعہ کر کے دعویٰ نبوت کیا- ☆-انگریز کے ایما پر اسلامی نظریہ جہاد کو منسوخ کیا- ☆-شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور نئی شریعت لے کر آئے اور قرآن کریم کے مقابل پر احمدیوں کی کتاب ''تذکرہ'' ہے جسے وہ قرآن کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں-

میں بحیثیتِ سربراہ جماعتِ احمدیہ عالمگیر یہ اعلان کرتا ہوں کہ

یہ سب الزامات بھی سراسر جھوٹے اور افترا ہیں اور ان میں ایک بھی سچا نہیں

لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ o(ال عمران : ۶۲ - اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں - ناقل)

ج:-حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی ذات پر گند اُچھالنے کی خاطر مزید یہ کہا گیا کہ:-

☆-وہ دھوکہ باز اور بے ایمان آدمی ہے- ☆-انہیں گھر کا مال غبن کرنے کی پاداش میں والد نے گھر سے نکال دیا تھا- ☆-ان کی اکثر پیشگوئیاں اور مبیّنہ وحی الٰہی جھوٹ کا پلندہ ہیں- ☆-انگریز نے مرزا غلام قادیانی کو لاکھوں ایکڑ زمینیں دیں-

میں جماعتِ احمدیہ عالمگیر کی نمائندگی میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ

یہ سب باتیں سراسر جھوٹ اور افتراٗ کا پلندہ ہیں

لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ o(ال عمران : ۶۲ - اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں - ناقل)

د:- بانئ سلسلہ احمدیہ کے علاوہ جماعتِ احمدیہ پر جو دیگر عمومی الزامات لگائے جاتے ہیں- وہ حسبِ ذیل ہیں:-

☆-جماعتِ احمدیہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے- ☆-ملتِ اسلامیہ کی دشمن ہے- ☆-عالمِ اسلام کے لئے ایک سرطان ہے- ☆-انگریزوں اور یہودیوں کی اسلام دشمن سازش ہے- ☆-اسرائیل اور یہودیوں کی ایجنٹ ہے- ☆-امریکہ کی ایجنٹ ہے- ☆-اس جماعت اور روس میں خفیہ مذاکرات کے ذریعہ تعلقات قائم ہو چکے ہیں- ☆-نام نہاد اسرائیلی فوج کے اندر اس کا وجود ایک کُھلا راز ہے- ☆-قادیانی شرپسندی کے لئے اسرائیل میں ٹریننگ لیتے ہیں- ☆-چھ سو پاکستانی قادیانی اسرائیلی فوج میں بھرتی ہو گئے -☆-جرمنی میں چار ہزار قادیانی گوریلا تربیت حاصل کر رہے ہیں-

میں بحیثیت سربراہِ جماعت احمدیہ عالمگیر اعلان کرتا ہوں کہ

یہ سب باتیں سرتاپا جھوٹ ہیں اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں

لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ o(ال عمران : ۶۲ - اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں - ناقل)

ر:- ان الزامات کے علاوہ حسبِ ذیل نہایت مکروہ الزام بھی جماعت احمدیہ پر لگائے جاتے ہیں:-

☆-احمدیوں کا کلمہ الگ ہے اور مسلمانوں والا کلمہ نہیں-☆-جب احمدی مسلمانوں والا کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد'' رَّسُولُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں تو دھوکہ دینے کی خاطر پڑھتے ہیں اور محمدؐ سے مراد مرزا غلام احمدؑ قادیانی لیتے ہیں-☆-احمدیوں کا خدا وہ خدا نہیں جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ کریم کا خدا ہے-☆-قادیانی جن ملائکہ پر ایمان لاتے ہیں وہ، وہ ملائک نہیں جن کا قرآن وسنت میں ذکر ملتا ہے-☆-قادیانیوں کے رسول بھی مختلف-☆-ان کی عبادت بھی اسلام سے مختلف-☆-ان کا حج بھی مختلف-☆-غرض یہ کہ تمام اسلامی عقائد میں قادیانیوں کے عقائد قرآن وسنت سے جدا اور الگ ہیں-

میں بحیثیت سربراہ جماعت احمدیہ عالمگیر اعلان کرتا ہوں کہ

یہ الزامات سراسر جھوٹ اور افترا ہیں اور کوئی ایک بھی ان میں سے سچا نہیں

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ٥(ال عمران : ۶۲۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ناقل)

ز:- جہاں تک پاکستان میں قومی اور ملی نقطہ نگاہ سے احمدیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا تعلق ہے، حسبِ ذیل پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے:-

☆-قادیانی عقیدہ کے مطابق پاکستان اللہ کی مرضی کے خلاف بنا ہے-☆-مرزا محمود احمدؓ (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے پاکستان توڑنے کا عہد کیا تھا-☆-تمام قادیانی اکھنڈ ہندوستان کے متعلق مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے کوشاں ہیں-☆-لیاقت علی خاں کو ایک قادیانی نے قتل کیا تھا-☆-قادیانیوں نے ملک میں خانہ جنگی کا منصوبہ تیار کر رکھا ہے-☆-قادیانی پاکستان کی سلامتی کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں-☆-ملک میں موجودہ بدامنی قادیانی سازش کا نتیجہ ہے-☆-کراچی کے ہنگاموں کے پیچھے قادیانیوں کا ہاتھ ہے-☆-کراچی میں قادیانیوں نے کرفیو کے دوران دکانیں جلائیں-☆-بادشاہی مسجد کا واقعہ (جس میں دیوبندیوں اور بریلویوں کی آپس میں لڑائی ہوئی) قادیونیوں کی سازش ہے-☆-قادیانیوں نے پانچ صد علماءؔ کے قتل کا منصوبہ بنایا-☆-ملک میں بموں کے دھماکے، فرقہ واریت، لسانی تعصّبات اور تخریبی واقعات کے پیچھے قادیانی جماعت کا ہاتھ ہے-☆-اوجڑی کیمپ میں دھماکہ قادیانی افسروں نے کروایا ہے-☆-سانحہ راولپنڈی اور اسلام آباد (اوجڑی کیمپ) سے دو روز قبل قادیانی اس علاقہ کو چھوڑ چکے تھے-☆-ربوہ میں روسی ساخت کا اسلحہ بھاری تعداد میں موجود ہے-☆-قادیانی ربوہ میں نوجوانوں کو روسی اسلحہ سے مسلح کر کے ملک میں تخریب کاری کی تربیت دے رہے ہیں-☆-قادیانی افسر نے ایٹمی راز چوری کر کے اسرائیل کو دئے-

میں بحیثیت سربراہ جماعت احمدیہ عالمگیر اعلان کرتا ہوں کہ

یہ تمام الزامات اوّل تا آخر جھوٹ اور افترا کا پلندہ ہیں اور ان میں رتی بھر بھی صداقت نہیں

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ٥(ال عمران : ۶۲۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ناقل)

س:- جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام یعنی اس عاجز کے متعلق حسبِ ذیل پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ موجودہ امام جماعت احمدیہ:-

☆-اسلم قریشی نامی ایک شخص کے اغواءؔ اور قتل میں ملوث ہے-☆-غیر مسلم حکومتوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے-☆-فرضی نام اور فرضی پاسپورٹ پر مع اہل وعیال مُلک سے فرار ہوا-☆-لندن میں روسی سفیر سے طویل ملاقات کی-☆-نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ اسرائیل کا دورہ کیا-

میں بحیثیت امام جماعت احمدیہ اعلان کرتا ہوں کہ

یہ تمام الزامات کلیۃً جھوٹے اور افترا ہیں اور ان میں کوئی بھی صداقت نہیں

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ٥(ال عمران : ۶۲۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ناقل)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاندین احمدیت کے مذکورہ بالا الزامات غلط ہیں اور احمدیت وہ نہیں جو اوپر بیان کی گئی ہے تو پھر جماعتِ احمدیہ کے دعویٰ

کے مطابق اس کے عقائد کیا ہیں؟

میں جماعت احمدیہ عالمگیر کی نمائندگی میں بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے وہ الفاظ دوہراتا ہوں، جو احمدیت کے عقائد پر کھلی کھلی روشنی ڈالتے ہیں اور مخالفینِ احمدیت کو پھر واضح چیلنج دیتا ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے عقائد وہ نہیں جو حسبِ تحریر میں بیان کئے گئے ہیں تو ان کے جھوٹا ہونے کا واشگاف اور کھلے کھلے الفاظ میں اعلان کریں اور لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ٥(ال عمران : ٦٢ ۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ۔ناقل) کہیں ۔بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :۔

’’ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اس کے رسول اور خاتم الانبیاؑ ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترکِ فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ

اور اسی پر مریں اور تمام انبیاؑ اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کار بند ہوں ۔غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہلِ سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے‘‘ ۔(ایام الصلح ۔روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۲۳)

’’ میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے ۔اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ۔افسوس! کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا ۔وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا ۔اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیاؑ اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں ۔وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطاؑ کیا گیا ہے ۔جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محرومِ ازلی ہے ۔ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ۔ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نُور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے‘‘ ۔(حقیقۃ الوحی ۔روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۸۔۱۱۹)

یہ ہے جماعت احمدیہ کا عقیدہ اور مذہب اور یہ ہے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا وہ مقام جو اُن کا اصلی اور حقیقی مقام ہے ۔جو شخص بھی اس کے سوا کسی اور مذہب کو جماعتِ احمدیہ کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کرتا ہے وہ سراسر ظلم اور افترا سے کام لیتا ہے اور میں بحیثیت امام جماعت احمدیہ یہ دعوت دیتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا عبارات پڑھنے کے بعد بھی اپنے معاندانہ مؤقف پر قائم رہے اور جماعت پر جھوٹ بولنے سے باز نہ آئے تو

ایسا شخص خواہ حکومتِ پاکستان سے تعلق رکھتا ہو یا کسی اور حکومت سے، رابطہ عالم اسلامی سے تعلق رکھتا ہو یا علماً کے کسی گروہ سے، سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا غیر سیاسی شخصیت ہو۔غرضیکہ ہر وہ شخص جو کسی گروہ کی نمائندگی کرتا ہو، میرے مباہلہ کے چیلنج کو قبول کرے اور حسبِ ذیل دعا میں میرے ساتھ شریک ہو اور اپنے اہل وعیال، اپنے مَردوں اور عورتوں اور ان تمام متبعین کو بھی اپنے ساتھ شریک کرے جو اس کی ہمنوائی کا دَم بھرتے ہیں اور فریقِ ثانی بن کر مباہلہ کے اس چیلنج پر دستخط کرے اور اس کا اعلانِ عام کرے اور پھر ہر ممکنہ ذریعہ سے اس کی تشہیر کرے۔

اے قادر وتوانا، عالم الغیب والشہادۃ خدا ہم تیری جبروت اور تیری عظمت اور تیرے وقار اور تیرے جلال کی قسم کھا کر تیری غیرت کو ابھارتے ہوئے تجھ سے یہ استدعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو فریق بھی ان دعاوی میں سچا ہے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس پر دونوں جہان کی رحمتیں نازل فرما، اس کی ساری مصیبتیں دُور کر، اس کی سچائی کو ساری دنیا پر روشن کردے، اس کو برکت پر برکت دے اور اس کے معاشرہ سے ہر فساد اور ہر شر کو دُور کردے اور اس کی طرف منسوب ہونے والے ہر بڑے اور چھوٹے، مرد وعورت کو نیک چلنی اور پاکبازی عطاً کر اور سچا تقویٰ نصیب فرما اور دن بدن اس سے اپنی قربت اور پیار کے نشان پہلے سے بڑھ کر ظاہر فرما تاکہ دنیا خوب دیکھ لے کہ تُو ان کے ساتھ ہے اور ان کی حمایت اور پُشت پناہی میں کھڑا ہے اور ان کے اعمال، ان کی خصلتوں اور اٹھنے بیٹھنے اور اسلوبِ زندگی سے خوب اچھی طرح جان لے کہ یہ خدا والوں کی جماعت ہے اور خدا کے دشمنوں اور شیطانوں کی جماعت نہیں ہے۔

اور اے خدا تیرے نزدیک ہم میں سے جو فریق جھوٹا اور مفتری ہے اس پر ایک سال کے اندر اندر اپنا غضب نازل فرما اور اسے ذلت اور نکبت کی مار دے کر اپنے عذاب اور قہری تجلیوں کا نشانہ بنا اور اس طور سے ان کو اپنے عذاب کی چکی میں پیس اور مصیبتوں پر مصیبتیں ان پر نازل کر اور بلاؤں پر بلائیں ڈال کہ دنیا خوب اچھی طرح دیکھ لے کہ ان آفات میں بندے کی شرارت اور دشمنی اور بغض کا دخل نہیں بلکہ محض خدا کی غیرت اور قدرت کا ہاتھ یہ سب عجائب کام دکھلا رہا ہے۔اس رنگ میں اس جھوٹے گروہ کو سزا دے کہ اس سزا میں مباہلہ میں شریک کسی فریق کے مکروفریب کے ہاتھ کا کوئی بھی دخل نہ ہو اور وہ محض تیرے غضب اور تیری عقوبت کی جلوہ گری ہو تاکہ سچے اور جھوٹے میں خوب تمیز ہو جائے اور حق اور باطل کے درمیان فرق ظاہر ہو اور ظالم اور مظلوم کی راہیں جُدا جُدا کر کے دکھائی جائیں اور ہر وہ شخص جو تقویٰ کا بیج اپنے سینہ میں رکھتا ہے اور ہر وہ آنکھ جو اخلاص کے ساتھ حق کی متلاشی ہے، اس پر معاملہ مشتبہ نہ رہے اور ہر اہلِ بصیرت پر خُوب کُھل جائے کہ سچائی کس کے ساتھ ہے اور حق کس کی حمایت میں کھڑا ہے۔(آمین یا رب العالمین)

ہم ہیں

فریق اول		فریق ثانی
امام جماعت احمدیہ عالمگیر (دنیا بھر کے احمدی مرد و زن چھوٹے بڑے کی نمائندگی میں) مرزا طاہر احمد ولد مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ عالمگیر جمعۃ المبارک ۱۰/ جون ۱۹۸۸ء		بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے وہ تمام مکفرین و مکذبین جو پوری شرح صدر اور ذمہ داری کے ساتھ عواقب سے باخبر ہو کر اس مباہلہ کا فریق ثانی بننا منظور کرتے ہیں

''۔(المشتہر جماعتِ احمدیہ عالمگیر مطبوعہ رقیم پریس برطانیہ)

اگر آپ صدق دل سے ذرا یہ غور فرمائیں کہ ارکان اسلام کی پابندی کرنے والا مسلمان ہے یا ارکان اسلام کی ادائیگی پر پابندی عائید کرنے والا؟ تو آپ کو میری یہ کتاب پڑھتے ہوئے اس بات کی سمجھ ضرور آگئی ہوگی کہ کون مسلمان اور کون نامسلم ہے؟ اور صرف اسی غرض اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے قرآن مجید میں سے تلاش کر کے بعض آیات کریمہ آپ سب کے سامنے پیش کی ہیں کیونکہ میری یہ کتاب میری طرف سے بطور اتمام حجت شائع کی جائے گی تاکہ اگر کسی شخص نے اب تک کسی بھی وجہ سے ان آیات مبارکہ پر غور نہیں کیا تو اس شخص کے لئے یہ ایک سنہری موقعہ ہے کہ وہ اب ہی ان آیات کریمہ پر غور کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر لے کیونکہ ابھی اس کی زندگی کے کچھ دن باقی ہیں۔شائید آپ کو یاد ہو کہ ان مندرجہ بالا تمام آیات میں کسی ایک پر بھی عمل نہ کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بعض فرعونوں کو صرف باعث عبرت بنانے کے لئے اسی دنیا میں اتنی سخت سزا دے دی ہے کہ توبہ ہی کرنی چاہیئے۔ان میں سے ایک فرعون کا ذکر نمرود کے نام سے اس کتاب میں پہلے گزر چکا ہے اور مباہلہ کے ذکر سے قبل ایک دوسرے فرعون کی رعونت کا واقعہ بھی میں آپ کی خدمت میں بیان کر چکا ہوں لیکن اس کا انجام ابھی بیان نہیں کیا تھا اور وہ میں یہاں ذیل کی سطور میں پیش کرتا ہوں۔یہ سطور میں اس یقین کے ساتھ تحریر کر رہا ہوں کہ موجودہ دور کے دو فرعونوں کی عبرت ناک موت کو ابھی تک شاید پاکستانی اور پاکستان کے نام نہاد مسلمان ملاں نہ بھولے ہوں گے کہ جنہوں نے اپنی مقبولیت کے بل بوتے پر اور اپنی حکومت کی طاقت کے زعم میں ہم مسلمان احمدیوں کو نامسلم قرار دینے کی ناپاک کوشش کرتے ہوئے اور معصوم اور بے گناہ احمدی مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینے کا ناپاک عزم کرتے ہوئے تمام خدائی قوانین کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات سے ٹکر لینے کی جرأت کی تھی لہذا ہم احمدیوں کو ملیامیٹ کرنے کی قسم کھانے کے چند سال کے اندر اندر یعنی ایک انتہائی قلیل مدت کے اندر اندر ہی وہ خود ہی نیست و نابود ہو گئے۔ان میں سے ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی پھانسی پر ذلت آمیز موت ہوئی اور دوسرے یعنی جنرل ضیاء الحق صاحب کہ جن کے جسم کے ایک ہولناک ہوائی حادثہ میں پرخچے اُڑ گئے یعنی اتنے ٹکڑے ہوئے کہ

؎ کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

کے مترادف کسی کو کچھ علم ہی نہیں کہ کون سی ہڈی یا کون سا چیتھڑا اس کا ہے۔یہ وہی مطلق العنان آمر تھا کہ جس نے انتہائی غرور سے خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت حقہ کو للکارنے کی جرأت کی تھی اور خدا تعالیٰ کی ازلی و ابدی طاقت کو بھول کر اپنی معمولی سی دنیاوی طاقت کے گھمنڈ میں یہاں تک زبان درازی کی تھی کہ:۔

'' میری کرسی بہت مضبوط ہے اور میں احمدیوں کے ہاتھ میں کشکول پکڑا کر رہوں گا''

اور جس نے اپنی آمریت کے جھوٹے زعم میں یہ بھی کہا تھا کہ نعوذ باللہ:۔

'' میں احمدیت کے کینسر کو مٹا کر دم لوں گا ''

لیکن افسوس کہ اُس کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ نہیں بول رہا بلکہ خدا تعالیٰ اُس کی زبان سے یہ الفاظ صرف اس لئے نکلوا رہا ہے تاکہ اس کے بد انجام کو دیکھ کر ایک دنیا عبرت پکڑے۔اس بیچارے نے ہمیں تو کیا مٹانا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی اس کا کام تمام کر کے تمام دنیا کو مزید ایک فعلی شہادت دکھا دی کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک صدیق امتی نبی ہیں۔اس کی دردناک موت سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور پیشگوئی بھی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ پوری ہوئی حالانکہ ضیاء الحق ایک ذہین انسان تھا اور اسے اپنے کرم

فرما ذوالفقار علی بُھٹو صاحب کا انجام دیکھ کر یہ سوچنا چاہئے تھا کہ یہ سب کچھ میرے ہی ہاتھ سے کیوں ہوٗا؟ کہیں میں ہی وہ خدائی مہرا تو نہیں کہ جس کی اب باری آنے والی ہے؟ لہٰذا اب مجھ کو خوف خدا اختیار کرنا چاہئے اور کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے سے احتراز کرتے ہوئے حالات کو معمول پر لانا چاہئے اور

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں ''

کے مطابق کسی کو مسلم اور کسی کو غیر مسلم قرار دینے سے باز رہنا چاہئے کیونکہ یہ کام صرف خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ کس کو سچا سمجھتا ہے اور کس کو جھوٹا سمجھتا ہے لیکن وہ قرآن مجید میں درج احکامات اور آنحضرت ﷺ کی احادیث نبویہؐ نیز سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تذکرہ میں درج خدائی پیشگوئیوں کی صداقت کو قبول کرنے کی بجائے اس بات کو اپنی ناچیز طاقت کا مظاہرہ خیال کرتے ہوئے گھمنڈ میں آ گیا کہ جب بُھٹو جیسے مقبول عوام انسان کو پھانسی دینے کے باوجود ملک میں کوئی ہنگامہ برپا نہیں ہوٗا اور اسے اور اس کی حکومت کے اہلکاروں کو کچھ نہیں ہوٗا تو بھلا یہ کمزور احمدی کس باغ کی مُولی ہیں کہ جن کی اپنی کوئی سیاسی حیثیت بھی نہیں؟ اور یہی ناز بلکہ اپنی طاقت کا جھوٹا غرور اسے لے ڈوبا اور اس نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کو دیکھنا تک بھی پسند نہیں کیا حالانکہ وہ ایک پڑھا لکھا انسان تھا لہٰذا خدا تعالیٰ کی قائم کردہ ایک جماعت کے خلاف اپنی پرائیویٹ مجالس میں جعلی بڑھکیں مارنے یا سرعام جُھوٹے نعرے لگانے کی بجائے وہ دنیا سے چُھپ چُھپا کر تنہائی میں بھی ان تحریرات کو پڑھ کر ایمان لا سکتا تھا یا خوف خدا اختیار کرتے ہوئے احمدیوں کے خلاف اپنی نازیبا حرکات سے باز رہ سکتا تھا اور اپنے غیر اسلامی نیز انسانیت سوز آرڈیننس واپس لے سکتا تھا لیکن اس نے اپنی حکومت کے زعم میں کسی چیز کو درخوئے اعتناءً ہی نہیں سمجھا اور ایک بہت بڑے نشان یعنی وزیر اعظم بھٹو صاحب کی موت کو دیکھ کر بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اسی تسلسل میں ایک دوسرا نشان بننے کے لئے اپنی گھناؤنی لفر بازی میں بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ ایک دن خدا کی غیرت نے جوش مارا اور اس کا بُھٹو صاحب سے بھی زیادہ بُرا انجام ہوٗا اور یوں وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک اور تازہ نشان مہیا کر گیا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو بہت پہلے خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمیں ان مذکورہ افراد کے انجام کے بارہ میں مطلع فرما دیا تھا۔ فرمایا :-

نشاں کو دیکھ کر انکار کب تک پیش جائے گا
ارے اک اور جُھوٹوں پر قیامت آنے والی ہے
بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں تُو نے اور چُھپایا حق
مگر یہ یاد رکھ اک دن ندامت آنے والی ہے
خدا رسوا کرے گا تم کو میں اعزاز پاؤں گا
سنو اے منکرو ! اب یہ کرامت آنے والی ہے

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

شومئ قسمت کہ جنرل ضیاء الحق اپنے نام '' ضیاء الحق '' کے برعکس یعنی سچائی کو روشن کرنے والے ضیاء الحق کی بجائے وہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشعار میں درج شدہ کلام یعنی

؎ '' بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں تُو نے اور چُھپایا حق ''

کے عین مطابق حق کو کی ضیاء پاشی چھپانے والا بن کر خود ہی اپنی تقدیر پر سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود کی صداقت اور سچائی کی ایک ایسی انمٹ مہر ثبت کر گیا جو کہ تا ابد جماعت احمدیہ کی سنہری تاریخ میں زندہ و سلامت رہے گی اور آنے والی نسلوں کو یہ بات یاد دلاتی رہے گی کہ کسی مامور من اللہ اور اس کی جماعت سے سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ایک ایسی جماعت کو کہ جسے خود خدا تعالیٰ قائم فرمائے اسے یقیناً خدائے ذوالجلال کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی ہے اور انشاء اللہ ہوتی رہے گی۔ضیاء الحق کے نام میں ایک اور بھی بات چُھپی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اس ظالم کا طیارہ جب زمین پر گرا تو اس میں ایک خوفناک آگ بھڑک اُٹھی کہ جس کی ضیاء پاشی کو جائے حادثہ کے قریبی مزارعوں نے خُود اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا اور توبہ استغفار کیا۔لہٰذا اب بھی غور سے دیکھنے والے کے لئے تو انتہائی عبرت کا مقام ہے کہ اس وقت جب کہ جنرل ضیأ الحق صاحب کے ہوائی جہاز نے ہوا میں قلابازیاں کھائیں تو جہاز کے اندر کیا کچھ حشر برپا نہ ہوا ہوگا؟ اور پھر جب یہ جہاز ایک دھماکہ سے زمین پر بھی آ گرا تو کس کس کی ہڈیاں چکنا چُور نہ ہوگئی ہوں گی؟ اور پھر جب فوراً ہی اس جہاز میں بھیانک آگ بھی بھڑک اٹھی تو جہاز کے اندر درجہ حرارت کیا قیامت کی گرمی سے کچھ کم ہوگا؟اور ابھی تو یہ زمینی قیامت اس پر گزری ہے روز حشر والے دن کی قیامت خیز آگ کی تمازت کا اب آپ خود ہی اس سیاق و سباق کے پس منظر میں اندازہ لگالیں کہ وہ کتنی زبردست ہوگی۔ضیاء الحق کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ایک پیارے بندے یعنی حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات مبارکہ یعنی حق بات کی ضیاء پاشی سے تمام دنیا پر یہ واقعہ روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔

سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ

بہر حال میں تو اسے یعنی جنرل ضیاء الحق کو ایک ذہین آدمی سمجھتا تھا لیکن اس شخص نے اپنی حماقت میں ایک خدائی جماعت کو ناحق پریشان کیا اور

''ایک مرد خدا''

یعنی سیدنا امیر المؤمنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی ناحق للکارا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی ازلی اور ابدی اور لازوال طاقت سے منحرف ہوتے ہوئے اور عین فرعون کی طرح اپنی طاقت کے زعم میں ایک بہت بڑا بول بولا تھا کہ:-

''میں احمدیت کے کینسر کو مٹا کر دم دوں گا''

اور یوں ایک خدائی جماعت سے ٹکر لے کر اپنی جان ناتواں بھی ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھا اور پھر یوں نیست و نابود ہو کر خس و خاشاک کا ایک ایسا ذرہ بن گیا کہ اب اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔سنا ہے کہ اس کے مصنوعی دانتوں کا ایک جبڑا مل گیا ہے اور اس مصنوعی جبڑے کو ہی

''بھاگتے چور کی لنگوٹی''

سمجھ کر انتہائی فوجی اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کر دیا گیا ہے۔اور یوں جنرل ضیاء ''الحق'' اوپر درج پیشگوئی کے حقیقی الفاظات میں درج شدہ ''حق'' کو چھپانے والا بن کر

لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ (ال عمران : ۶۲)۔اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

کے مصداق عبرت کا ایک بہت بڑا نشان بن گیا اور یوں خدا کے ایک برگزیدہ نبی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الٰہی الہام پھر اپنی پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ پورا ہوا کہ:-

اِنِّیۡ مُھِیۡن'' مَّنۡ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

''میں اس کی اہانت کروں گا جو کہ تیری اہانت کرنے کی کوشش کرے گا''

(نزول المسیح صفحہ ۱۸۹)

پس اسی لئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ٥ (آل عمران:١٤)-یعنی : یقیناً یہ بات اہل بصیرت کے لئے نہایت ہی عبرت کا باعث ہے- پاکستان کے نام نہاد مسلمانوں کے ان دو سرکردہ افراد کے ذکر کے ضمن میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہوا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں تحریر ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں- فرمایا: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ٥ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ج وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ٥ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْم بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ٥ (طٰهٰ : ١٢٥-١٢٨)-یعنی: اور جو شخص میرے یاد دلانے کے باوجود اعراض سے کام لے گا تو اسے تکالیف سے بھرپور زندگی ملے گی اور قیامت کے دن اسے اندھا اٹھایا جائے گا- جس پر وہ کہے گا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو خوب دیکھ سکتا تھا- فرمایا: تیرے پاس بھی تو میری آیات آتی رہیں لیکن تو انہیں فراموش کرتا چلا گیا- پس آج کے دن تو بھی اسی طرح فراموش کر دیا جائے گا- پس نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو خدائی قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت اور بہت زیادہ مدت تک ملنے والا ہے- اس قرآنی پیشگوئی میں ایسے روحانی اندھوں کا ذکر ملتا ہے جو کہ جیتے جاگتے اور اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی خدا تعالیٰ کی جانب سے بھیجے ہوئے نشانات کا انکار پر انکار کرتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے ثبوت میں ماہ رمضان میں چاند اور سورج دونوں کو گرہن لگا تھا لیکن اس عظیم الشان نشان کو دیکھ کر بھی بہت سے نام نہاد مسلمان ملاں اور ان کے پیروکار ایمان نہ لائے- اسی طرح آج کے زمانہ میں بھی احمدی مسلمانوں کو نامسلم قرار دینے کے جرم میں پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی پھانسی پر موت اور اس قانون کو جو کہ صرف بقول وزیراعظم پاکستان جناب ذولفقار علی بھٹو صاحب ''صرف انتہا پسندوں کو خاموش رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا'' لیکن اس قانون کو انتہائی سختی سے نافذ کرنے اور سلام کا جواب سلام کی صورت میں دینے بلکہ خدا تعالیٰ کی مساجد کے ماتھے سے کلمہ شہادت کو مٹا دینے نیز اس سے بھی زیادہ گستاخ انداز میں آگے بڑھ کر احمدی مساجد میں اسلامی اذان کو بھی نہ دینے والے انتہائی سنگین جرم میں مبتلا سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب کی ایک طیارہ کے ہولناک حادثہ میں بھیانک موت کو دیکھ کر بھی ان نام نہاد مسلمان ملاؤں اور سرکاری مسلمانوں کی آنکھیں ابھی تک نہیں کھلیں اور نہ ہی اغلباً کبھی کھلیں گی کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں ایسے ہی روحانی اندھوں کا ذکر ہے کہ جنہیں اس دنیا سے ان کی جسمانی آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اندھا ہی اٹھایا جائے گا- اس لئے یہاں میں نہایت ادب کے ساتھ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ منکرین کے لئے تو ہمیشہ سے ہی اور اب بھی توبہ کا دروازہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کھلا ہوا ہے کہ جس میں خلوص دل سے داخل ہو کر وہ اپنے پچھلے تمام گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اپنی اگلی زندگی کو سنوار سکتے ہیں لیکن کتنے ہیں جو میری ان باتوں کو دھیان سے پڑھ کر ان پر عمل کرتے ہوئے ایک پکا مسلمان اور سچا احمدی بننے کی سعادت کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن میرا کام یہ ہے کہ میں سیدنا آنحضرت محمد احمدؐ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نیز سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام اور آپؑ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور خلفائے کرام نیز اسلام اور احمدیت کے بزرگوں کے اقوال مبارکہ کی اتباع میں اپنا یہ تحریری کام جماعت اور خصوصاً اسلام کی خدمت سمجھتے ہوئے تادم حیات جب تک کہ میرے جسم میں طاقت اور ہمت ہے کرتا ہی چلا جاؤں- آنحضرت محمد مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ:-

''تم یہ نہ دیکھو کہ کہنے والے کا اپنا کردار کیسا ہے بلکہ تم اس بات پر غور کرو کہ کہنے والا تمہیں سمجھا کیا رہا ہے''-

یعنی آپ لوگ اس کتاب میں درج نصائح کو دیکھیں- ان کو پڑھیں ان پر غور فرمائیں اور اگر ہو سکے تو عمل بھی کریں- اسی غرض سے ایک مرتبہ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ فرمایا تھا کہ:-

"میرا قاعدہ ہے کہ میں اپنے احباب کو ہمیشہ ان کے فرائض منصبی کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں-
یہ میں نے اپنی جان پر فرض کر لیا ہے خواہ کوئی میری سنے یا نہ سنے-
مگر میں ہمیشہ اپنے کندھوں سے اس بوجھ کو اتارتا رہتا ہوں"
(الحکم ۷ر جون ۱۹۱۷ء)

بہر حال پچھلے صفحات پر درج اس مباہلہ کا متن کسی بھی نیک اور متقی انسان کا دل دہلا دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس میں کسی دنیاوی طاقت SUPER POWER کو اپنی امداد کے لئے بلانے کی بجائے خدائے ذوالجلال کی غیرت سے یہ توقع وابستہ کی گئی ہے کہ وہ دونوں فریقین کے درمیان ہمیشہ ہمیش کے لئے معاملہ کو طے کر دے یعنی اگر ہم احمدی مسلمان جھوٹے ہیں تو ہمیں قرار واقعی سزا دے لیکن اگر ہمیں تنگ کرنے والے نام نہاد مسلمان یا ان کے نام نہاد مولوی صاحبان یا ان کے سرکاری مسلمان اکابر جھوٹے ہیں تو انہیں سزا دے کر حجت پوری کی جائے- آمین- اس مباہلہ میں درج تمام الزامات کا جواب امیر المؤمنین حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ؒ تمام دنیا کو کافی وشافی دے چکے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر اس میں درج صرف چند سراسر بیہودہ الزامات پر ہی آپ احباب ازراہ کرم ذرا غیر جانبداری سے غور فرمائیں گے تو حقیقت حال کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی- مثلاً:-

الزام:- ☆- ختم نبوت سے صریحی انکار کیا

آج تک کسی ایک بھی احمدی نے سیدنا آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا انکار نہیں کیا بلکہ دل و جان سے اس بات کا اقرار ہی کیا ہے کہ آنحضرت محمد ؐ مصطفےٰ احمد ؐ مجتبےٰ ﷺ پر شرعی نبوت کا اختتام ہو گیا کیونکہ خدا تعالیٰ کے اس سب سے اچھے مذہب اسلام کی تعلیم ہی وہ آخری پاکیزہ تعلیم ہے کہ جس کے بعد کسی دوسری تعلیم کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں- حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو اپنی تمام زندگی بھر اپنے آقا سیدنا آنحضرت ﷺ پر دل و جان سے فدا ہوتے رہے اور فدائیت کا یہ رنگ آپؑ کی تحریر و تقریر میں ہمیشہ نمایاں نظر آتا رہا- فرمایا:-

وہ پیشوا ہمارا جس سے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اِک دُوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خُوب تر ہے خُوبی میں اک قمر ہے
اُس پر ہر اِک نظر ہے بدرُ الدجےٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے
میں جاؤں اُس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مُرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اُس کی ثناء یہی ہے

اُس نُور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوُا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے (درثمین)

یعنی حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود تو اپنے آقا آنحضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ پر دل و جان کی گہرائیوں سے آنحضرت ﷺ پر فدا ہو رہے لیکن ہمارے مخالف اپنی روحانی کم فہمی کی بدولت آنحضرت ﷺ سے حضرت اقدس علیہ السلام کے بے نظیر عشق و محبت کو اب تک نظرانداز کرتے چلے آ رہے ہیں کیونکہ ان کے دل و دماغ یہ بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں کہ کوئی آنحضرت ﷺ کی غلامی میں ان نام نہاد مسلمانوں بلکہ اب سرکاری مسلمانوں سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر خدمات اسلامیہ سرانجام دے سکتا ہے- جس کی وجہ سے یہ نام نہاد مسلمان ہر وقت کسی نہ کسی کو گندی گالیوں سے نوازتے رہتے ہیں اور ہم احمدی ان بیہودہ کلمات کی ادائیگی بجائے اسی وقت کو غنیمت جانتے ہوئے یہی وقت آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنے میں صرف کرتے رہتے ہیں- بہرحال یہ ہے وہ واضح فرق جو کہ ایک احمدی مسلمان کو ایک سرکاری مسلمان سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ ممتاز بنا دیتا ہے- اس موضوع پر تفصیل اس مضمون کے آخر میں پیش کی جائے گی-

الزام :- ☆ -قرآن مجید میں لفظی و معنوی تحریف کی

ہر زمانہ کے مجددین رحمہ اللہ تعالیٰ اور علمائے دین کرام نے قرآن مجید کی بہت سی تفسیرات پیش کیں لیکن نعوذ باللہ قرآن مجید کے اصلی الفاظات کو کسی نے بھی بدلنے کی کوشش نہیں کی- پس اسی طرح ہمارے احمدی مسلمان علمائے کرام نے بھی بہت سی تفسیریں لکھی ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی قرآن مجید کے پاکیزہ الفاظات کو بدلنے کی کوئی کوشش کبھی نہیں کی بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تمام تفسیریں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں اور ہر شخص خواہ وہ پاکستانی ہو یا ہندوستانی، عربی ہو یا عجمی، انگریز ہو یا چینی، امریکن ہو یا افریقن ان کا مطالعہ کر کے دیکھ سکتا ہے کہ یہ بُودا الزام ان نام نہاد مسلمان مولویوں کی خودساختہ اختراع ہے- اس لئے میں ان مولویوں کے بارہ میں- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرۃ:١٥٧) -پڑھتے ہوئے یہ بھی کہتا ہوں کہ: لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥(ال عمران : ٦٢)-اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں-

اس سلسلہ میں یہاں مجھے یاد آیا کہ میں بچپن سے ہی "تاج کمپنی" پاکستان کا چھپاہوُا ایک نہایت خوبصورت رنگین باترجمہ بڑا سا قرآن مجید پڑھا کرتے تھے جو کہ ربوہ کی ہر دوکان سے باآسانی دستیاب ہوُا کرتا تھا- اگر تاج کمپنی کا چھپاہوُا قرآن کریم خریدنا اور پڑھنا ایک گناہ ہے تو پھر تو میں ایک بہت ہی بڑا مجرم ہوں- اس کے علاوہ تفسیر کبیر و تفسیر صغیر کا مطالعہ بھی نہایت باقاعدگی سے کیا کرتا تھا- اس لئے اسی مضمون کے تسلسل میں میں یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ گذشتہ کئی سال سے میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کی ایک تفسیر آسان اردو میں یعنی سلیس اردو میں " قرآنی خزائن " کے نام سے لکھ رہا ہوں- اس تفسیر کی کئی کاپیاں میں اپنے لوگوں میں مفت تقسیم کر چکا ہوں تاکہ سند رہے- بہرحال تفسیر کا مطلب ہے کہ ترجمہ و تشریح نہ کہ قرآنی الفاظات کا ادل بدل- اس معاملہ میں آپ سب کی خدمت میں نہایت دردِدل سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس تفسیر کے لئے مجھے نت نئے معنی ترجمہ و تشریح سمجھائے اور اس کی اشاعت کو آسان بنائے- آمین

الزام :- ☆ - قادیان کی سرزمین مکہ مکرمہ کے ہم مرتبہ ہے

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے علمائے کرام اور محققین نے آج تک ہزاروں کی تعداد میں مختلف مسائل پر کتب شائع کی ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کے ساتھ قادیان یا ربوہ کے درمیان کسی قسم کی مماثلت تو کیا کسی قسم کا کوئی تعلق بھی ثابت نہیں کیا گیا یہ کہ قادیان یا ربوہ کو نعوذ باللہ مکہ مکرمہ یا مدینہ کے بالمقابل ہم پلہ یا ان سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوئی جرأت بھی کی ہو- یہ تمام کتب لائبریریوں میں موجود ہیں

جس کا دل چاہے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے-ان کتب کو سر عام پر کھ لینے کا اتنا بڑا دعویٰ کوئی جھوٹا شخص کبھی نہیں کر سکتا بلکہ جھوٹا انسان تو اس قسم کی پیش کش بھی نہیں کر سکتا کہ کہیں واقعی کوئی آ کر ہمارے جھوٹ کا پول نہ کھول دے-البتہ ان نام نہاد مسلمان مولویوں کی روز روز کی ٹرٹر سے تنگ آ کر میں نے اس کتاب میں ربوہ اور قادیان کے ساتھ دمشق اور یروشلم کی جغرافیائی مماثلت کو احادیث نبویہؐ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ آنے والا مسیح محمدی دمشق کے مشرق سے ظاہر ہوگا یعنی ثابت ہؤا کہ سیدنا آنحضرت محمدؐ مصطفیٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ کی یہ پیش گوئی بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٔ مسیح موعود و مہدیٔ معہود کی بعثت کے ساتھ ہمارے بزرگوں یعنی باپ دادا کی زندگی میں ہی پوری بھی ہو چکی ہے کہ جس پر اب ایک سو سے بھی کئی سال زائد کی مدت گزر چکی ہے- **فالحمدللہ علی ذالک**

الزام:-☆-شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور نئی شریعت لے کر آئے اور قرآن کریم کے مقابل پر احمدیوں کی کتاب ''تذکرہ'' ہے جسے وہ قرآن کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں

سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام تادم آخر سیدنا آنحضرت محمدؐ احمدؐ ﷺ کے مذہب اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرتے اور کرواتے رہے اور آپؑ کے خطبات یا تحریرات میں کسی جگہ بھی شرعی نبی ہونے کا اعلان تو کیا شائبہ تک موجود نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنی تمام زندگی بھر قرآن مجید پر دل و جان سے فدا ہوتے رہے-حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو قرآن مجید کی محبت میں غرقاب ہوتے ہوئے فرمایا:-

شُکرِ خُدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں
غنچے تھے سارے پہلے اب گُل کِھلا یہی ہے
دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں
خالی ہیں اُن کی قابیں خوانِ ھُدیٰ یہی ہے
دل میں یہی ہے ہردم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گُھوموں کعبہ میرا یہی ہے (درثمین)

اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام جیسا قرآن مجید کا فدائی آنحضرت ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد کوئی نہیں گزرا تبھی تو آنحضرت ﷺ نے اذن الٰہی سے فرمایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن حضرت مریمؑ یعنی حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام:-''میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے-میں (آنحضرت ﷺ) اور مسیح (علیہ السلام)، ابوبکر (حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور عمر (حضرت عمر فاروقؓ بن خطاب) کے درمیان ایک ہی قبر سے اٹھیں گے''-(مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ صفحہ ۴۸۰)-اور یہ تو ایک کھلی کھلی حقیقت ہے کہ صرف ہم فرقہ احمدیہ مسلمہ سے تعلق رکھنے والے احمدی افراد ہی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعود علیہ السلام ماننے کے ساتھ ساتھ آپؑ کو مہدی معہود علیہ السلام بھی مانتے ہیں کیونکہ سیدنا آنحضرت محمدؐ مصطفیٰ احمدؐ مجتبےٰ ﷺ نے بنفس نفیس خود یہ فرمایا تھا کہ:-''عیسیٰ کے سوا اور کوئی مہدی نہیں''-(ابن ماجہ باب شدۃ الزمان صفحہ ۲۵۷ مصری مطبع علمیہ ۱۳۱۳ھ کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۶)-یعنی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرنے والا ہی مہدی وقت بھی ہوگا-پس انہی دو احادیث نبویہؐ سے حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کے اس اونچے روحانی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کو اس اعلیٰ درجہ کا فدائی انسان قرار دے رہے ہیں کہ وہ جسمانی طور پر مدینۃ النبیؐ سے ہزاروں میل یعنی ہزاروں کلو میٹر دور مدفون ہونے کے باوجود بھی روحانی طور پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ روز قیامت ایک ہی قبر میں سے اٹھایا جائے گا-سُبحَانَ

اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ العَظِيْمِ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ -اے مذہب اسلام کا دم بھرنے والے مسلمانو کچھ تو خوف خدا اختیار کرتے ہوئے ذرا اپنے پیارے رسول آنحضرت ﷺ کے اقوال کی تعظیم کرتے ہوئے اسلام کے اپنے مسیح اور مہدی کے اعلیٰ ترین درجات کو پہچان کر ان کی عزت کرو- خدا کرے کہ ایسا ہی ہو- آمین

الزام:-☆-قادیانی عقیدہ کے مطابق پاکستان اللہ کی مرضی کے خلاف بنا ہے

اس اعتراض کا جواب بھی میں پچھلے صفحات پر دے چکا ہوں کہ ہم احمدیوں نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ جب قائد اعظم جناب محمد علی جناح صاحب ہندوستانی مسلمانوں کی آپس کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر ہندوستان سے مونہہ موڑ کر ہمیشہ کے لئے برطانیہ چلے گئے تھے اور قائد اعظم نے تو ہندوستان کی سیاست سے اپنی علیحدگی کا اعلان بھی کر دیا تھا تو تب بھی یہ جماعت احمدیہ ہی تھی کہ جس نے جناب قائد اعظم کو سمجھا بجھا کر برطانیہ سے واپس ہندوستان بھجوایا تھا- کیا وہ جدوجہد اس لئے کی گئی تھی کہ پاکستان قائم نہ ہو؟ یا اس لئے کی گئی تھی کہ پاکستان معرض وجود میں آجائے؟ اسی ایک الزام کے اس ایک ہی جواب سے ان تمام نام نہاد مسلمانوں کے جھوٹے الزامات کا پول کھل جاتا ہے کہ یہ لوگ خود ہی پاکستان بننے کے حق میں نہ تھے ورنہ جیسا کہ میں اس کتاب میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جو لوگ پاکستان کے بننے کے حق میں تھے وہ تو اس وقت بھی اور آج بھی جماعت احمدیہ کی تاریخ ساز جدوجہد کے معترف اور شکر گزار تھے اور ہیں اور تا ابد رہیں گے- اس لئے یہاں میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ اب چونکہ ان تمام متعصب نام نہاد مسلمانوں کے ایسے اباؤاجداد اس دنیا میں زندہ نہیں رہے کہ جن کو وہ تاریخ ساز باتیں یاد تھیں اس لئے ان شر پسندوں نے اپنے ہی ماں باپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ زیادہ ہی واویلا ڈالنا شروع کر دیا ہے کیونکہ اب انہیں اس بات کا ڈر نہیں رہا کہ کہیں ہمارے اپنے ہی مائی باپ ہمارے جھوٹ کا پول نہ کھول دیں- اس لئے ہر مہذب پاکستانی اور شریف کشمیری کو یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے معزز بزرگوں کو ابھی تک وہ باتیں یاد ہیں، وہ حالات یاد ہیں، وہ واقعات یاد ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ قربانیاں یاد ہیں کے جن کی بدولت پاکستان کا ملک بنا اور پھر آزاد کشمیر کی ریاست معرض وجود میں آئی- جیسا کہ میں اس کتاب میں ''مسئلہ کشمیر'' کے موضوع پر تحریر کر چکا ہوں کہ کشمیر کا یہ باب بھی جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے کہ کس طرح پاکستان بننے کے بعد مہاراجہ کشمیر نے ازخود اپنی معزولی کا تاریخی اعلان کیا اور پھر کیسے تمام کشمیر کی آزادی کا اعلان خود اسی مہاراجہ کی زبانی کروایا گیا اور پھر کشمیر پر ہندوستانی قبضہ کے بعد کیسے کشمیر کے ایک حصہ کو آزاد کروایا گیا کہ جس کا نام اب ''آزاد کشمیر'' ہے- آزاد کشمیر کی آزادی میں کسی ''احراری پارٹی'' نے یا کسی ''جماعت اسلامی'' یا کسی بھی '' جمعیت علما '' نے اپنے مجاہدین پیش نہیں کئے تھے بلکہ کشمیر کی حدود سے بھی سینکڑوں میل دور بیٹھ کر صرف اور صرف لفظی بیان بازی کی تھی بلکہ آزادئ کشمیر کی جنگ میں شہید ہونے والوں کو نعوذ باللہ جہنمی قرار دیا تھا- لہذا اس پس منظر میں یہ معرکہ جماعت احمدیہ کی فرقان بٹالین فورس اور کشمیری مسلمان مجاہدین نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر اور شہدائے کرام نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اکیلے ہی سرانجام دیا تھا کیونکہ جیسا کہ میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ افواج پاکستان کو کشمیریوں کی سرزمین پر پیش قدمی کرنے کی اجازت نہ تھی- پس تمام پاکستانیوں اور خصوصاً تمام کشمیریوں کے ساتھ ساتھ تمام دنیا کو ہمیشہ یہ یاد رہے کہ ان محبّ وطن دلیر بزرگوں کی زندگی میں ہی ان کی یہ تمام شاندار قربانیاں تاریخ احمدیت کے ابواب میں سنہری حروف میں رقم ہو چکی تھیں اور ان کی یہ عظیم الشان قربانیاں تاریخ احمدیہت کے صفحات میں تا قیامت زندہ و پائندہ رہیں گی- انشاء اللہ تعالیٰ

جماعت اسلامی کے جناب مولانا مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا املاؤں نے پاکستان کو پاکستان بننے سے قبل پاکستان کو جن جن پلید القابات سے نوازا تھا وہ آج بھی ہمیں خوب یاد ہیں اور قدرت کی ستم ظریفی کہ انہی لوگوں نے اپنی جنم بھومی میں اپنے ہی ہندو اور سکھ بھائیوں سے جان بچاتے ہوئے بعد میں اسی پلیدستان یا کافرستان یا پاپ کی ستھان یعنی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں نہایت دیدہ دلیری سے پناہ بھی حاصل کی تھی- لہذا یہ لوگ

خاموش ہی رہیں تو ان کے لئے بہتر ہے ورنہ ان کے جھوٹ کا پول کھولنا ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ سب کچھ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے اور ان صفحات پر درج تحاریر کو کوئی مائی کا لعل نہیں مٹا سکتا لیکن اب چونکہ یہ لوگ اس دنیا میں موجود نہیں رہے لہذا میت کا احترام کرتے ہوئے ہم مزید کچھ نہیں کہتے کیونکہ جو موجود نہیں اپنا دفاع نہیں کر سکتا اپنی بریت پیش نہیں کر سکتا اور اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیوں پاکستان بننے سے قبل انہوں نے پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی لہذا ان کے نامہ اعمال کا ذمہ دار اللہ تبارک وتعالیٰ ہے ہم نہیں۔

الزام:- ☆ -جماعتِ احمدیہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے

اس الزام کا جواب بھی آپ اس کتاب کے پچھلے صفحات پر دیکھ چکے ہیں کہ اگر یہ جماعت ایک الٰہی جماعت نہ ہوتی بلکہ دشمنان اسلام ان نام نہاد مولویوں کے الزامات کی طرح انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوتی تو خدا جانے کب کا اس جماعت کا خاتمہ ہو چکا ہوتا کیونکہ انگریز تو ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے کچھ عرصہ کے بعد سے برصغیر سے اپنا بوریہ بستر لپیٹ کر کبھی کے رخصت ہو چکے ہیں اور اسی طرح امریکہ وافریقہ بلکہ ایشیا کے بھی تمام ممالک کو آزاد کر چکے ہیں اور ان ممالک میں احمدیت کی بڑھتی ہوئی ترقی کسی انگریز حکومت کی پروردہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے سچے وعدوں کے عین مطابق ہو رہی ہے کہ وہ الٰہی جماعتوں کے بالمقابل جھوٹی جماعتوں کو پنپنے کا زیادہ موقع نہیں دیا کرتا۔

الزام:- ☆ -ملتِ اسلامیہ کی دشمن ہے

یہ ایک ایسا بودا اور گھسا پٹا الزام ہے کہ جب کبھی بھی کسی فرد یا فرقہ پر طرح طرح کے الزامات لگانے کے باوجود ان نام نہاد مسلمان مولویوں کی کوئی پیش نہیں جاتی تو تب یہ اپنے مخالفین پر ایسے پلید الزامات لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ جیسے ان مولویوں کے سوائے ہر کس وناکس نعوذ باللہ غیر مسلم اور کافر ہے بلکہ اس بات کا اعتراف تو اب خود موجودہ صدر پاکستان جناب جنرل پرویز مشرف صاحب نے بھی جولائی ۲۰۰۲ء کی اپنی ایک تازہ تقریر میں بھی کیا ہے کہ:-'' یہ ملاں اپنے سوا کسی دوسرے کو صحیح مسلمان تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں''۔اب یہ ایک مسلمان کا ایک دوسرے نام نہاد مسلمان ملاں کے فتویٰ کا جواب ہے اور چونکہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو ہی مسلمان نہیں مانتے اس لئے خاکسار اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔اب رہی یہ بات کہ ہم احمدی مسلمان ہیں یا نہیں؟ اس کے بارہ میں ہمیں کسی نام نہاد مسلمان مولوی کے فتویٰ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی درکار ہے اور وہ ہمیں حاصل ہے جس کا ثبوت ۱۹۷۴ء کے بعد دنیا بھر میں کروڑوں لوگوں کا قبول احمدیت اور سینکڑوں مساجد کی تعمیر ہے۔

الزام:- ☆ جماعت احمدیہ-انگریزوں اور یہودیوں کی اسلام دشمن سازش ہے

الزام:- ☆ جماعت احمدیہ-اسرائیل اور یہودیوں کی ایجنٹ ہے

الزام:- ☆ جماعت احمدیہ-امریکہ کی ایجنٹ ہے

الزام:- ☆ -اس جماعت اور روس میں خفیہ مذاکرات کے ذریعہ تعلقات قائم ہو چکے ہیں

جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر یہ جماعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پشت پناہی کی بجائے ان مذکورہ طاقتوں کی سازش کا نتیجہ ہوتی تو کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی لیکن آپ دیکھ رہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ صرف اسی ایک جماعت کو ہی دنیا بھر میں تائید ایزدی حاصل ہے کہ جس کی وجہ سے یہ جماعت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔بہرحال ان تمام الزامات کا جواب ان نام نہاد مسلمان مولویوں نے خود ہی یہ ناروا الزام لگا کر

دے دیا ہے کیونکہ یہ مولوی نہ آگے دیکھ نہ پیچھے کے مترادف بیک زبان احمدیوں کو انگریز کا ایجنٹ اور اسی وقت ایک ہی سانس میں روس کے ساتھ بھی ساز باز کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں- یعنی ان کو یہ علم ہی نہیں کہ آج کی جاسوسی اتنی کامیاب ہے کہ ان دونوں بڑی طاقتوں کے ساتھ خفیہ ساز باز کرنے والا ان دونوں کے جاسوسوں کی نظر سے کبھی بھی اوجھل نہیں ہوسکتا- اس لئے کسی فرد یا ادارہ یا جماعت یا ملک کی کسی بھی قسم کی ساز باز ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تو ممکن ہے لیکن دونوں کے ساتھ بیک وقت قطعاً ناممکن ہے لیکن اِن جاہل اور اَن پاڑ (یعنی صرف خیرات کے ٹکڑوں پر پلنے والے اَن پڑھ) نام نہاد مسلمان مولویوں کو اب کون یہ باریکیاں سمجھائے؟

اسی طرح یہ ناسمجھ لوگ اسرائیل میں جماعت عالیہ احمدیہ کے چند فلسطینی اور عرب مسلمان احمدیوں کو بار بار اسرائیل کا ایجنٹ قرار دیتے رہتے ہیں- ان نام نہاد مولویوں کو تو اپنی کور ذہنی کی بنا پر اتنا بھی علم نہیں کہ اسرائیل میں لاکھوں عرب مسلمان اور عیسائی یعنی یہودیوں کے علاوہ لاکھوں فلسطینی مسلمان اور فلسطینی عیسائی اب بھی آباد ہیں اور اپنے اپنے مذہب پر قائم ودائم ہیں- کیا میں ان نام نہاد مولویوں سے پوچھ سکتا ہوں کہ دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے ساتھ ساتھ خاص طور پر صرف ملک اسرائیل میں جو لاکھوں عرب اور فلسطینی مسلمان آباد ہیں کیا وہ سب کے سب بھی اسرائیل کے ایجنٹ ہیں کیونکہ وہ ملک اسرائیل کے اندر رہ رہے ہیں؟ یہودیوں اور مسلمانوں کے علاوہ وہاں عربی اور فلسطینی عیسائی بھی آباد ہیں - کیا وہ سب کے سب اسرائیل کے ایجنٹ ہیں؟ کیونکہ فلسطین نہ صرف یروشلم میں قبلہ اول ہونے کی وجہ سے ہم تمام مسلمانوں کو نہایت عزیز ہے بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے بھی ارض مقدس ہے لیکن مجھے یہ یقین کامل ہے کہ میرے اس سوال کا جواب یہ نام نہاد احمق مسلمان ملاں تو کیا ان کے تمام آباؤاجداد بھی مل کر نہیں دے سکتے اور نہ ہی انشاءاللہ دے سکیں گے اور سوائے بغلیں جھانکنے کے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا- اس کے علاوہ سالہا سال ہوئے کہ اردن اور مصر نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلیا تھا کیا یہ دونوں مسلمان ملک اور ان میں بسنے والے عرب بھی اسرائیل کے ایجنٹ ہیں؟ ہم لوگ بہت لمبے عرصہ تک خاموش رہے ہیں لیکن صبر کی ایک حد بھی ہوتی ہے لہذا یہ سوال الزام برائے الزام نہیں بلکہ ایک انتہائی اہم سوال ہے کہ جس کا جواب اب ان تمام نام نہاد مسلمان ملاؤں کو ہر صورت میں دینا پڑے گا ورنہ یا تو انہیں خاموش ہوجانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا یا یہ الزام تراش اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے کر تمام دنیا کے سامنے اور خصوصاً تمام عرب ممالک - فلسطین اور اسرائیل کے مسلمان اور عیسائی باشندوں کے سامنے خود ہی شرمندہ ہوں گے کیونکہ اس قسم کی الزام تراشی ان لاکھوں عربی اور فلسطینی مسلمانوں کی توہین ہے جو کہ غزہ کی پٹی یا دریائے اردن کے مغربی کنارہ کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ملک اسرائیل کے اندر رہائش پذیر ہیں اور ان ہزاروں فلسطینی اور عرب شہدا کی شہادت کی ہتک ہے کہ جنہوں نے محض آزادی کے حصول کی خاطر اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے-

☆ - اوجڑی کیمپ میں دھماکہ قادیانی افسروں نے کروایا ہے-

☆ - سانحہ راولپنڈی اور اسلام آباد (اوجڑی کیمپ) سے دو روز قبل قادیانی اس علاقہ کو چھوڑ چکے تھے-

ان خودساختہ نام نہاد مسلمان ملاؤں کے اوپر درج تمام بُودے الزامات کے بعد میں آپ کی توجہ کو درج ذیل دو الزامات کی جانب خصوصاً مبذول کروانا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارا خاندان اس سانحہ میں دونوں جانب سے مخاطب ہے- جماعت عالیہ احمدیہ کی جانب سے بھی اور ہمارے معاندین کی جانب سے بھی لہذا میں یہاں صورت حال کی عکاسی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم لوگوں کو اس سانحہ سے قبل کسی قسم کی کوئی معلومات قطعاً مؤصول نہیں ہوئیں ورنہ ہم لوگ اپنے بچاؤ کی خاطر واقعی راولپنڈی کی مری روڈ پر واقع عنایت بازار کا علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے بلکہ ورکشاپ

میں موجود اپنی قیمتی مشینری نیز اپنے قیمتی اوزار وغیرہ بھی محفوظ مقامات پر منتقل کر دیتے - لہذا اب نہ صرف پاکستانی عوام بلکہ تمام دنیا گواہ ہے کہ جب مؤرخہ ۱۰/اپریل ۱۹۸۸ء کو اس حادثہ کی خبر ریڈیو اور ٹی وی پر آئی تو ہم لوگ یہاں جرمنی میں ٹی وی پر آنے والی ان تصاویر کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ جس ٹی وی سٹیشن سے جو بھی تصویر آتی اس میں میرے بہنوئی مکرم چوہدری محمد شریف شاد صاحب کی ورکشاپ ''احمد موٹرز'' واقع عنایت بازار راولپنڈی کی تباہی و بربادی کی تصاویر دکھائی جاتیں کہ یہ بازار کس تباہی و بربادی کا شکار ہوا - ان ایام میں ہم لوگ انتہائی پریشانی میں بار بار گھر فون کر کے اپنے اعزاء کی خیر خیریت دریافت کرتے رہے اور یہ تو خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل تھا کہ اس سانحہ میں عمارات اور ان میں موجود مشینری کے سوا ہمارے خاندان کا کوئی جانی یا جسمانی نقصان نہیں ہوا - شکر الحمدللہ - لیکن خاکسار کے اس بیان کے بعد اب پاکستانی نام نہاد مسلمان مولویوں کی اس گپ بازی اور جھوٹے الزامات پر کون یقین کرے گا کہ احمدی دو روز قبل ہی اوجڑی کیمپ اور عنایت بازار کا علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے؟ ان لوگوں کو ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں کہ اگر ہم احمدیوں کو کوئی جانی یا جسمانی نقصان نہیں پہنچا تو یہ صرف خدا تعالیٰ کی ایک خاص قدرت کے تحت ہوا ہے لیکن ان نام نہاد مسلمان مولویوں کو جھوٹ بولتے ہوئے نہ ہی پہلے کبھی شرم آئی تھی اور نہ ہی اب آئے گی - پس ہم اپنا معاملہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اسی سے انصاف طلب کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ: لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (ال عمران : ۶۲) - اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں -

اسی مباہلہ اور اس کے انجام یعنی جنرل ضیاء الحق کی اُس کے اپنے ہی طیارے کی دہکتی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہو جانے والی تباہی و بربادی کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے تمام منکرین کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:- ''خدا تعالیٰ اپنی تائیدات اور اپنے نشانوں کو ابھی ختم نہیں کر چکا اور اسی کی ذات کی قسم ہے کہ وہ بس نہیں کرے گا جب تک میری سچائی دنیا پر ظاہر نہ کر دے پس اے تمام لوگو! جو میری آواز سنتے ہو - خدا کا خوف کرو اور حد سے مت بڑھو - اگر یہ منصوبہ انسان کا ہوتا تو خدا مجھے ہلاک کر دیتا اور اس تمام کاروبار کا نام و نشان نہ رہتا مگر تم نے دیکھا ہے کہ کیسی خدا تعالیٰ کی نصرت میرے شامل حال ہو رہی ہے اور اس قدر نشان نازل ہوئے جو شمار سے خارج ہیں - دیکھو! کس قدر دشمن ہیں جو میرے ساتھ مباہلہ کر کے ہلاک ہو گئے - اے بندگانِ خدا! کچھ تو سوچو، کیا خدا تعالیٰ جھوٹوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے؟'' - (تتمہ حقیقۃ الوحی - روحانی خزائن، جلد ۲۲ صفحہ ۵۵۴)

اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ:-

تمہیں مٹانے کا زُعم لے کر اُٹھے ہیں جو خاک کے بگولے
خدا اُڑا دے گا خاک اُن کی کرے گا رُسوائے عام کہنا (کلامِ طاہر)

اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کہ جنرل ضیاء الحق کا جسم ایک ہوائی حادثہ میں تباہ و برباد ہو کر اس بری طرح خس و خاشاک میں مل گیا کہ غیر تو غیر ہی تھے اس کے اپنے قریبی عزیز اور رشتہ دار نیز یار دوست بھی اس کی لاش تک کو نہ پہچان سکے - ان تمام پیشگوئیوں کے پورا ہو جانے سے برملا یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ ایک الٰہی سلسلہ ہے اور اس جماعت کی ترقی کو دنیا بھر کا کوئی بھی فرعون قطعاً نہیں روک سکتا کیونکہ اس کی ترقی میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر شامل ہے اور خدا کی تقدیر سے لڑنا تو ایک کھلی کھلی جہالت ہے - لہذا اے جماعت احمدیہ کے دشمنو اب بھی باز آ جاؤ اور حقیقت کو دیکھو کہ ایک سو برس سے بھی زائد عرصہ ہو چلا ہے اور یہ خدائی جماعت بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور تم لوگ دن بدن اپنے ہی تفرقہ بازی میں ایک دوسرے کا گلا کاٹ کاٹ کر کم

ہوتے جارہے ہو- اب بھی ہوش سے کام لو کیونکہ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ تم پر خدا کی لعنت پڑ رہی ہے- لہذا آؤ اور حق کو مان لو- اس لئے میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں راہ راست پر لائے اور صراط مستقیم پر چلائے تاکہ تمہاری عاقبت سنور جائے اور تم لوگوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی نصیب ہو اور اگلے جہان میں بھی بخشے جاؤ کیونکہ تم میری جان سے بھی پیارے رسول سیدنا حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے ﷺ کی امت میں سے ہو- لہذا تم پر مجھے غصہ نہیں بلکہ رحم آتا ہے اور تمہارے حالات سن کر اور تمہاری یہ حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے- اگر تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آتا تو پھر حق کی تلاش کے لئے صدق دل سے چالیس روزے رکھو اور دعائیں کرو اور اس دوران صرف اللہ اور محمد ﷺ کا نام لو اور اپنے ہر ملاں، ہر مولوی اور ہر واعظ سے کنارہ کشی اختیار کرو اور قرآن مجید کو باترجمہ پڑھو تو مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں انشاء اللہ ضرور صراط مستقیم دکھائے گا کیونکہ قرآن شریف میں ہی تو یہ سب کچھ لکھا ہوا درج موجود ہے- ہدایت پا جانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی پاکیزہ کتاب قرآن مجید میں بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ---(العنکبوت : ۷۰) -یعنی: اور جو لوگ ہمارے سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے سچی نیت اور خلوص دل سے کوشش کرتے ہیں انہیں ہم ضرور سیدھا راستہ دکھا دیتے ہیں---''-اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی صراط مستقیم کی جانب بلاتے ہوئے فرمایا تھا :-

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے آئے گا انجام کار (درثمین)

یعنی جس شخص کو صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش ہے وہ ضرور ہماری اس روحانی پکار کو سنے گا اور اس کا جواب بھی دے گا اور ایمان لے آئے گا-(انشاء اللہ تعالیٰ)

میں معذرت خواہ ہوں کہ میں باتوں ہی باتوں میں کہیں کا کہیں چلا گیا لیکن میں مجبور ہوں کہ یہ تمام حالات اور واقعات بیان کروں اور اپنے آقا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارکہ کی بدولت جو کچھ بھی مجھے ان الزامات کے توڑ کے لئے میسر آئے یا میری سمجھ میں آئے اسے بیان کرتا چلا جاؤں کیونکہ یہ تمام واقعات ایک دوسرے کے ساتھ اتنے مربوط یعنی جُڑے ہوئے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا میرے لئے انتہائی ناممکن ہے بہرحال جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہاں جرمنی چلے آنے کے ایک لمبا عرصہ کے بعد یعنی اکیس سال کے بعد خاکسار کو اپنی والدہ محترمہ کی تیمارداری کے لئے پاکستان جانا پڑا تو حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے دوبارہ ملاقات کا شرف بخشا- پہلی مرتبہ انجمن کے دفاتر میں ملاقات ہوئی کہ جہاں آپ نے میرا نام سنتے ہی ازراہ شفقت فوراً اندر بلوالیا- خاکسار کی والدہ کی وفات کی خبر سن کر نمناک آنکھوں سے دلجوئی فرمائی- ہماری دوسری ملاقات میری جرمنی واپسی سے ایک دن پہلے آپ کی رہائش گاہ ''دارالامان'' واقع حلقہ بیت (مسجد) مبارک میں ہوئی- یہاں میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دن یعنی پانچ جون ۱۹۹۶ء کو آپ بخار میں سخت مبتلا تھے اور کمزوری بھی بے حد تھی لیکن اس کے باوجود بھی خاکسار کے اصرار ملاقات پر آپ اپنے بستر سے اٹھ کر ڈرائینگ روم میں تشریف لے آئے اور کمال مہربانی سے محبت کا اظہار فرمایا اور ایک مرتبہ پھر دوبارہ اپنی خاص الخاص دعاؤں کے ساتھ مجھے جرمنی رخصت فرمایا- ہماری آخری ملاقاتیں یہاں جرمنی کے جلسہ سالانہ ۱۹۹۷ء کے موقعہ پر ہوئیں کہ جس میں آپ بوجہ کمزوری کے بیساکھیوں کا سہارا لے کر بمشکل ہی چل پھر سکتے تھے اور یہ دیکھ دیکھ کر میرے دل سے آپ کی شفایابی کے لئے ہزاروں دعائیں نکل رہی تھیں لیکن اتنی تکلیف کے باوجود بھی آپ اپنے چچا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرح کسی کا سہارا لینے کے لئے تیار نہ تھے حالانکہ آپ کے لئے وہیل چیئر کا بھی انتظام ہو سکتا تھا- جلسہ کے آخری دن آپ کے ہمراہی خادم نے مجھے متنبہ کیا کہ میاں صاحب کسی کا سہارا نہیں لیتے لیکن ان صاحب کو کیا علم تھا کہ میں کون ہوں ؟ لہذا اسٹیج

سے باہر آنے پر جیسے ہی خاکسار نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے بے حد گرم جوشی سے اسے تھام لیا اور محبت سے میرے بازو کا سہارا لیا اور پھر ایک ہاتھ میں بیساکھی اور دوسرا ہاتھ میرے بازو پر رکھے ہوئے کچھ دور کھڑی ہوئی موٹر کار کی طرف چلے- راستہ میں نہ جانے آپ نے اس ناچیز کو کتنی دعاؤں سے نوازا اور پھر کار میں بیٹھ کر اپنی رہائش گاہ کو تشریف لے گئے- کسے معلوم تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ثابت ہوگی؟

خلافت احمدیہ سے محبت اور عقیدت آپ کا نصب العین رہا- سلسلہ کے کسی کام میں اونچ نیچ کو پسند نہیں کرتے تھے- بے حد اصول پسند تھے اور غالباً اسی لئے سخت مزاج مشہور تھے لیکن قریبی جاننے والے آپ کی لطیف طبع سے خوب واقف ہیں اور مندرجہ ذیل واقعہ اس کی دلالت پیش کرتا ہے- یہاں جرمنی میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک دن آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ’’ سُودے ! میں تو پاکستان کی گرمی چھوڑ کر یہاں یورپ میں آیا تھا (کیونکہ یہ یورپی ممالک موسم کے لحاظ سے پاکستان کی نسبت ٹھنڈے تصور کئے جاتے ہیں- ناقل) کہ چلو کچھ دن آرام ملے گا لیکن یہاں تو بالکل ویسی ہی گرمی پڑ رہی ہے‘‘- ایک مرتبہ اپنی رہائش گاہ کے بارہ میں بتایا کہ تمہارے دوست ثانی (صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب- ناقل) کے ساتھ فرینکفرٹ میں ٹھہرا ہوا ہوں- میں نے عرض کیا کہ انہوں نے تو مجھ سے آپ کا کوئی ذکر نہیں کیا اور صرف اپنی فیملی تک ہی بات کو محدود رکھا تو آپ ’’ فیملی ‘‘ کا لفظ سن کر بے حد محظوظ ہوئے- غرض جلسہ سالانہ کے مختلف وقفوں میں اسی طرح کی دلچسپ باتیں ہوتی رہتیں لیکن جب خاکسار نے آپ کی توجہ کو اس طرف مبذول کروایا کہ:-’’ اب تو آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ تیار فصل دیکھ لی ہے کہ جس کے بیج کو آپ نے اپنی نہایت ہی مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ یہاں بھجوایا تھا ؟‘‘- تو یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ:-’’الحمدللہ! درست ہے‘‘- اور اس بات پر بے حد خوشی اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اب تک ایسی’’ باریک باتیں‘‘ بھی یاد ہیں لیکن یہی تو وہ باریک باتیں ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے یاد ہیں اور ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں- یہی تو وہ لطیف نکتے ہیں جو کہ ہجرت کے وقت سے لے کر اب تک کسی ستارے کی طرح میرے نصب العین میں چمکتے رہے اور میری بقیہ تمام زندگی بھر بھی میرے سامنے اپنی نرالی آب وتاب کے ساتھ دمکتے رہیں گے- انشاءاللہ تعالیٰ

آندھی اُٹھتی رہی، برق گرتی رہی، جہل کی گود میں فتنے پلتے رہے
ایک پودا تناور شجر بن گیا، بے بسی سے عُدو ہاتھ ملتے رہے (جمیل الرحمٰن- ہالینڈ)

پس اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ وہ عظیم الشان پیشگوئی درج کر دی جائے جو جماعت احمدیہ کہ ہمہ گیر عالمی ترقی کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے بہت مدت قبل فرمائی تھی- آپؑ فرماتے ہیں:-

’’ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین پر پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور سے اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا- بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے- سوائے سننے والو ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا‘‘- (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۱ مطبوعہ

۱۹۰۷ء)

معزز قارئین ! اب آپ دیکھ لیں کہ واقعی یہ سب کچھ اوپر درج انہی سچی پیشگوئیوں کے عین مطابق روپذیر ہو رہا ہے یا نہیں؟ یعنی

؎ ''پھر بہار آئی، خدا کی بات پھر پوری ہوئی''-(الہام)

بہر حال جلسہ کے بعد آپ نے خاکسار کی گھریلو دعوت کے بارہ میں فرمایا کہ تمہارا شہر یہاں سے بہت دور ہے اور آنے جانے پر چھ سات گھنٹے لگ جائیں گے اور پھر معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ: دیکھو بھئی! ہم تو حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ) کے قافلہ کے سوار ہیں لہذا جہاں ارشاد ہوگا وہیں جائیں گے اور جہاں حکم ہوگا وہیں پڑاؤ ہوگا- ہاں البتہ اگر قافلے نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں فوراً ہالینڈ (ہالینڈ کے جلسہ سالانہ کے لئے-ناقل) نہ جانا ہوتا تو پھر شاید ملاقات ہو جاتی البتہ تانی (صاحبزادہ مرزا عمر احمد (میاں تانی) صاحب-ناقل) اور اس کی فیملی کا پروگرام تمہارے ساتھ ہے-تم جوان لوگ ہو اس ملک کو دیکھو اور گھومو پھرو- میں تو پہلے بھی کئی مرتبہ یورپ کو دیکھ چکا ہوں اور اس مرتبہ تو میرا پروگرام صرف حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ-ناقل) کے ساتھ ہی ہے۔ سبحان اللہ۔ سیدنا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے عمر میں بڑے ہو کر بھی فرمانبرداری اور اطاعت کی اس سے بڑی مثال آج اور اس وقت میرے سامنے کوئی اور موجود نہیں ہے کہ بڑا بھائی ہو کر بھی اپنے سے چھوٹے پر قربان ہو رہا ہے اور اپنی دعوتوں کو چھوڑ کر اور اس خوبصورت اور حسین ملک کی سیر و سیاحت کی بجائے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قرب کا متمنی ہو رہا ہے- سعادت مندی کی یہ نہایت ہی اعلیٰ اور سب سے زیادہ عمدہ ترین مثال ہے- اپنی تمام زندگی بھر آپ نے خدمت دین کا کام انجام دیا- چھوٹے چھوٹے عہدوں سے لے کر ناظر اعلیٰ، صدر صدر انجمن احمدیہ اور امیر مقامی تک تمام فرائض کو نہایت اخلاص، دیانتداری، خوش اسلوبی اور انکساری سے انجام دیا لیکن اتنے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود بھی کبھی تکبر اور غرور سے نہیں ملتے تھے- میانہ روی کا دامن کبھی نہ چھوڑا اور انکساری کو اپنائے رکھا- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب کبھی بھی سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ؒ ربوہ سے باہر یا بیرونی ممالک کے دورے پر تشریف لے جاتے تو اپنی غیر موجودگی میں اپنا قائمقام ضرور مقرر فرماتے اور سوائے ایک یا دو مرتبہ کے اس عظیم ذمہ داری کے لئے حضرت میاں منصور احمد صاحب کو ہی ہمیشہ چنا گیا- اسی طرح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کے دور میں بھی آپ حضور ؒ کی مرکز سے غیر حاضری میں امیر مقامی مقرر بنتے رہے بلکہ اب تو جب سے سیدنا حضور ؒ یہاں یورپ میں مقیم تھے تب سے ہی آپ امیر مقامی کے نازک اور جلیل القدر عہدہ پر فائض تمام فرائض اور خدمات انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے ہیں-۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کے واقعات کے بعد یہ کوئی آسان کام نہ تھا لیکن آپ نے سر بکف جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنی جان، مال، عزت اور وقت کو قربان کر دینے کا عملی ثبوت بارہا پیش کیا -سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲/ دسمبر ۱۹۹۷ء کو فرمایا کہ:-'' آپ کو تقریباً پینتالیس بار امیر مقامی بنایا گیا اور آخری مرتبہ تو تقریباً چودہ سال تک آپ امیر مقامی رہے اور اس طرح حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متعدد پیشگوئیوں اور رویاء کو پورا کرنے والے بھی بنے''- (الفضل انٹرنیشنل لندن نمبر ۵۱ مؤرخہ ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۷ء)

یعنی آپ نے تادم آخر ہر طرح سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مرد مجاہد بن کر دلیرانہ خدمت کی اور کبھی پس و پیش نہ کی اور خلفائے وقت کے ہر حکم پر لبیک کہا اور فرمانبرداری نیز تابعداری کی انتہائی عمدہ اور اعلیٰ ترین قابل قدر اور قابل تقلید مثال قائم کر کے دکھا دی- ایسے مجاہدوں کو تو کبھی بھی موت نہیں آتی بلکہ وہ تو اپنے کاموں، کارناموں اور قربانی کی بدولت شہید بن کر تا ابد زندہ رہتے ہیں- اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات اور قربانیوں کو قبول فرمائے، آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور ہمارے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں آپ جیسے ہزاروں، لاکھوں دلیر اور جوانمرد

''منصور'' پیدا کرتا چلا جائے۔ آمین

فقر و غنیٰ ترے ہمیں روکے رہے ہمیش
حق ہو سکا ادا نہ ترے احترام کا
ہر گام پر مظفر و منصور تُو رہا
ہاں خوب حق ادا کیا منصور نام کا
ہر معرکے میں شیر کی مانند بے خطر
جرنیل تھا تُو اپنے امام ہمام کا (ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفرؔ)

خاکسار نے یہ تمام سطور بطور اتمام حجت کے لکھی ہیں تا کہ شائید اس کتاب میں درج میرے اس پیغام کو پڑھ کر یا اس کو کسی سے زبانی سُن کر ہی کسی دردمند انسان کی آنکھیں کُھل جائیں یا اسے خوف خدا پیدا ہو جائے کیونکہ پاکستان کے ساتھ ساتھ تمام مسلم اور غیر مسلم اقوام نے اب تک سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہزاروں لاکھوں پیشگوئیوں کو اپنی اپنی زندگی میں پورے ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور پھر موجودہ زمانہ میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب اور جنرل ضیاءُ الحق صاحب کے بارہ میں بھی یکے بعد دیگرے دو ہیبتناک نظارے دیکھے اور سنے ہیں لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جب خدائی تقدیر کے مطابق یہ لوگ نہ صرف آنکھوں کے اندھے ہوں بلکہ دل کے بھی اندھے ہوں تو انہیں یہ واقعات اس رنگ میں نظر نہیں آتے کہ جیسا کہ وقوع پذیر ہو چکا ہوتا ہے یا ہو رہا ہوتا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکاری مسلمان ان آیات کی موجودگی کے باوجود اور اپنی آنکھوں سے ان تمام نشانات کو دیکھ لینے کے باوجود بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد، دعوئ مسیحیت، دعوئ نبوت اور صداقت کو مان لینے کی بجائے جھٹلاتے ہوئے منکرین میں شمولیت اختیار کیوں کرتے چلے جا رہے ہیں؟ اس کی بظاہر وجہ یہی ہے جو کہ اوپر بیان کی گئی ہے کہ یہ نشانات صالحین کے لئے اتارے جاتے ہیں اور منکرین کے لئے نہیں اور ان منکرین کو اپنے بُرے کرتوت یعنی گالی گلوچ، لعن طعن، بدزبانی، اذان دینے پر پابندی، مساجد کو مسجد کہنے پر پابندی، ان مساجد میں اسلامی طریق سے نمازوں کی ادائیگی سے ممانعت، احمدیوں کو بار بار نا جائز کا فر قرار دیا جانا اور احمدیوں کو مرتد قرار دے کر قتل کر دینے کے بارہ میں برسرِ عام اعلانات جیسے مکروہ افعال اپنی آنکھوں، کانوں اور دل و دماغ پر خدائی لعنت کا پردہ پڑا ہوا ہونے کی وجہ سے اچھے افعال بن کر نظر آتے ہیں۔ پھر یہ نام نہاد مسلمان جو کہ مرتد کے قتل عام کے بارہ میں یونہی اِدھر اُدھر بڑھیں ہانکتے پھر رہے ہیں ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کے اتنے صاف و شفاف احکامات قرآن مجید میں درج ہیں کہ جنہیں پڑھتے ہی دل خوف سے کانپ اٹھتا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر کسی کو خواہ وہ مسلم ہو یا مسلمان ہو کر شرک اختیار کر لے یا کافر ہو اور اپنے کفر میں بڑھتا ہی چلا جائے کسی قسم کی سزا دینے سے تمام دنیا کو منع فرما دیا ہے اور ہر قسم کی جسمانی و روحانی سزا کا اختیار صرف اپنے پاس رکھا ہے لیکن اگر ان تمام مثالوں کے باوجود بھی یہ منکرین قرآن مجید کی باتیں نہ مانیں تو میری اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عاجزانہ دعا ہے کہ اے میرے اللہ! اگر یہ لوگ تیرے پاکیزہ کلام یعنی قرآن مجید میں مذکور تمام احکامات کو نہ مانتے ہوئے یعنی قرآن شریف کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہوئے اپنی بیہودہ اور لچر حرکتوں سے باز نہیں آتے، اپنے ظلم و ستم سے کنارہ کش نہیں ہوتے اور قتل مرتد کی جھوٹی رٹ لگاتے ہوئے ہم کلمہ گو احمدی مسلمانوں کی جان کے درپے ہیں کیونکہ یہ لوگ تیری ان آیات کا حوالہ دینے کے باوجود بھی سدھرنے کا نام نہیں لیتے۔ تو اے میرے اللہ! تو خود ہی ہمارے لئے ڈھال بن جا اور ان کو سزا دینے کی بجائے ان کے دلوں میں حق و صداقت کی شناسائی پیدا فرما کیونکہ یہ لوگ اپنے ظلم و ستم میں دن

بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں- آمین اللھم آمین

آپ یقیناً ضرور حیران ہوں گے کہ ہم احمدی خدا تعالیٰ کے دربار میں ہر وقت سربسجود تو رہتے ہیں لیکن ان نام نہاد مسلمانوں کی اتنی زیادہ قتل وغارت، جھوٹ و بدزبانی اور طعن وتشنیع کے باوجود جہاں ہمارا بس چل سکتا ہے ہم لوگ ان ظالم دہشت گردوں اور حریص ڈاکوؤں نیز خونخوار قاتلوں سے اپنا بدلہ کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ یقین جانیں کہ اس کی وجہ ہمارے پیش نظر صرف اللہ اور اس کے رسول سیدنا آنحضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی مکمل اطاعت نیز قرآن مجید، احادیث نبویہ، سنت رسولؐ اور اسلام نیز شریعت اسلام کی مقدس تعلیمات کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانہ کے مجدد مسعود، مسیح موعود، مہدی معہود اور امتی نبی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی اطاعت بھی ہے- اس لئے میں یہاں خدا تعالیٰ کا وہ فرمان تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ جس کی بنا پر ہم اپنے مخالفین کی گالی گلوچ کا جواب گالی گلوچ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی مؤدبانہ دعاؤں کے ساتھ دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری امید سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہماری التجاؤں کو سنتا اور قبول فرماتا رہتا ہے- فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ --- (الاحقاف : ۳۶) -یعنی: پس! صبر کر کہ جیسے اُولُو العزم مرسلین نے صبر کیا تھا اور ان کے بارہ میں جلد بازی سے کام مت لے--- یعنی ان کے لئے بددعا نہ کرنا کیونکہ ان ظالموں کا اجر خدا کے پاس ہے اور وہ انہیں اگر اس دنیا میں نہ ملا تو روز قیامت ضرور ان کو دیا جائے گا لہٰذا میری یہی دعا ہے کہ: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِی نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ یعنی: اے میرے اللہ! ہم اپنے ان تمام دشمنوں کے مقابلہ میں صرف تجھے ہی اپنی ڈھال بناتے ہیں اور ان کی تمام شرارتوں سے صرف تیری ہی پناہ چاہتے ہیں- میں نے اب تک کسی بھی شخص یا ملاں یا مؤلوی یا مفتی وغیرہ کو کافر یا غیر مسلم کہنے کی کوشش نہیں کی لیکن اوپر درج ان نام نہاد مسلمانوں کی تمام بداعمالیوں پر آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ سب خود یہ اندازہ لگا لیں کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان کا مذہب اسلام سے کیا رشتہ ہے؟ آیا یہ نام نہاد مولوی صحیح مسلمان ہیں یا ان ظالموں کے ہاتھوں دکھ اور اذیت اٹھانے والے ہم احمدی سچے مسلمان ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے کہ جس کو لوگ اپنے خون اور اپنے اموال کا امین جانیں''- (مسند احمد بن حنبل مسند باقی االمکثرین من الصحابة)

اس لئے اب میں حرف آخر کے طور پر میں یہاں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریرات مبارکہ سے ایک اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں- آپؓ نے تحریر فرمایا کہ: ''خدا کے مقدس مسیحؑ نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی کہ

گالیاں سُن کے دُعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار (درثمین)

اور ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بھی یہی کہتے ہیں- ہاں وہی نسلیں، جن کے سروں پر بادشاہی کے تاج رکھے جائیں گے، کہ جب خدا تمہیں دنیا میں طاقت دے اور تم اپنے دشمنوں کا سر کچلنے کا موقعہ پاؤ اور تمہارے ہاتھ کو کوئی انسانی طاقت روکنے والی نہ ہو تو تم اپنے گذرے ہوئے دشمنوں کے ظلموں کو یاد کر کے اپنے خونوں میں جوش نہ پیدا ہونے دینا اور ہمارے کمزوری کے زمانہ کی لاج رکھنا تا لوگ یہ نہ کہیں کہ جب یہ کمزور تھے تو دشمن کے سامنے دب کر رہے اور جب طاقت پائی تو انتقام کے ہاتھ کو لمبا کر دیا- بلکہ تم اُس وقت بھی صبر سے کام لینا اور اپنے انتقام کو خدا پر چھوڑنا کیونکہ وہی اس بات کو بہتر سمجھتا ہے کہ کہاں انتقام ہونا چاہئیے اور کہاں عفو اور درگذر؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تم ظالموں کی اولادوں کو معاف کرنا اور ان سے نرمی کا سلوک کرنا

کیونکہ تمہارے مقدس آقا نے یہی کہا ہے کہ:-

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوئے حبِّ پیمبرمؐ

'' اے دل تو ان مسلمان کہلانے والوں کا بہرحال لحاظ کر، کیونکہ خواہ کچھ بھی ہو آخر یہ لوگ ہمارے محبوب رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں'' بلکہ مسلمانوں پر ہی منحصر نہیں تم ہر قوم کے ساتھ عفو اور نرمی کا سلوک کرنا اور ان کو اپنے اخلاق اور محبت کا شکار بنانا کیونکہ تم دنیا میں خدا کی آخری جماعت ہو اور جس قوم کو تم نے ٹھکرا دیا اس کے لئے کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا - اے آسمان! گواہ رہ کہ ہم نے اپنی آنے والی نسلوں کو خدا کے سچے مسیحؑ کی رحمت اور عفو کا پیغام پہنچا دیا'' - (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۵-۱۸۶)

اب حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی اس درج بالا پاکیزہ نصیحت کے بعد یہ خاکسار صرف اتمام حجت کے طور پر سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک نصیحت مزید یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے- حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

''یاد رکھو جب ایک مامور من اللہ آتا ہے تو اس سے منہ پھیرنا اصل میں خدا سے منہ پھیرنا ہے- دیکھو گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی ہوتا ہے- پانچ روپیہ اس کی تنخواہ ہوتی ہے، گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری پروانہ لے کر زمینداروں کے پاس جاتا ہے- اگر زمیندار یہ خیال کر کے کہ یہ پانچ روپیہ کا ملازم ہے، اس کو تنگ کریں اور بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے الٹا اس کو ماریں پیٹیں اور بدسلوکی سے پیش آویں تو اب بتلاؤ کہ کیا گورنمنٹ ایسے شخصوں کو سزا نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی کیونکہ گورنمنٹ کے چپڑاسی کو بے عزت اور ذلیل کرنا اصل میں گورنمنٹ کو ہی بے عزت اور ذلیل کرنا ہے- اسی طرح جو شخص، خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے-

یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں، اُلٹے خدا تعالیٰ کے رسول کو ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں- دیکھو! دن نہایت نازک آتے جاتے ہیں، اس لئے تم لوگوں کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو اور تضرع اور ابتہال کے ساتھ دن رات اس سے دعائیں مانگتے رہو- خدا تعالیٰ تمہیں توفیق دے'' - (ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۷۸-۸۰)

مامور من اللہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوۃ والسلام کی اس پاکیزہ نصیحت کے بعد کچھ اور کہنے کی کوئی ضرورت نہیں لہذا یہ خاکسار اپنی ایک دردمندانہ دعا کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ اے میرے اللہ! اے باری تعالیٰ! اے زمین و آسمان اور کُل کائنات کے خدا! اے پروردگار عالم! اے رب العالمین! ہم اپنا معاملہ تیرے ہاتھ میں دیتے ہوئے تیری رضا پر چلنے کی قسم کھاتے ہیں اور اگر تُو چاہے تو ان مکذبین و منکرین مجدد مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، مکذبین و منکرین مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، مکذبین و منکرین مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاف فرما کر انہیں نیکی اور سچائی کے سیدھے راستہ پر چلا کر انہیں ہدایت کی روشنی سے منور فرما سکتا ہے اور اگر وہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام دعاویٰ اور آپ کی قائم کردہ جماعت احمدیہ مسلمہ کی صداقت کی تصدیق میں تیرے حضور نہایت ہی عاجزی اور بے حد انکساری کے ساتھ تیرے در پر جھکتے ہوئے اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی کے خواستگار ہوں تو، تُو اپنے

درج ذیل مقدس کلام پاک کے صدقے انہیں اپنے فضل کے سایہ تلے ڈھانپ لے: اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ – رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِی فَاغْفِرلِی ذُنُوْبِی فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ – یعنی : اے میرے اللہ! میں نے غلطی سے اب تک اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے لہذا آج میں تیرے حضور اپنے گذشتہ تمام گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے تجھ سے اپنے ان تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں لہذا تُو میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سواء اب کوئی میری مغفرت کرنے والا نہیں ہے-آمین اللھم آمین

اور اے میرے اللہ! اب آخر میں تیرا یہ عاجز اور گناہگار بندہ اپنے پیارے نبی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی درج ذیل دعا کے ساتھ اس کتاب کو ختم کرتا ہے-حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی مجلس سے اٹھتے وقت جو دعائیں کرتے تھے ان میں یہ دعا بھی تھی : ''اے اللہ! جو شخص ہم پر ظلم کرے، اس سے تُو خود بدلہ لے اور جو ہم سے دشمنی کرے، اس کے خلاف ہماری مدد فرما اور اپنے دین کے بارہ میں ہمیں کسی قسم کی مصیبت میں نہ ڈالنا''-آمین (جامع ترمذی کتاب الدعوات)

پس اے میرے اللہ اگر یہ منکرین اپنی ان شرارتوں سے پھر بھی باز نہ آئیں تو تب اے میرے مَوْلا-اے میرے پروردگار- اے میرے رحیم و کریم خدا- تُو سیدنا آنحضرت ﷺ کی دعا کے عین مطابق ان سے خود ہمارا بدلہ لے اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان منکرین کو اِس دنیا میں بھی نیز اگلے جہان میں بھی اپنے اُس دردناک عذاب کا مزا چکھا کہ جس کا تونے اپنے مقدس اور پاکیزہ کلام قرآن مجید میں بار بار وعدہ کیا ہے یعنی : قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْلَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ج وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ o (الانفال:۳۹) -یعنی: تو کفار سے کہہ دے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو قصور ان سے اب تک سرزد ہو چکے ہیں وہ انہیں معاف کردئے جائیں گے لیکن اگر وہ اس کے بعد بھی اپنے انہی کرتوتوں سے باز نہ آئیں تو جیسا کہ پہلے زمانہ کے مفسدین کے ساتھ معاملہ کیا جاچکا ہے اسی سنت اللہ کے مطابق اب بھی ایسے شریروں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا-اور اے میرے اللہ مجھے تیری بابرکت ذات کی قسم ہے کہ مجھے تیرے اس قول پر مکمل یقین ہے کہ تُو اپنے قول وقرار نیز وعدوں پر پورا اترنے والا زندہ اور سچا خدا ہے اسی لئے تو تونے خود اپنے کلام پاک قرآن مجید میں واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ : --- وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ ---(الحج:۴۸)-یعنی: --- اور اللہ تعالیٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ---

☆

حرف آخر

معزز قارئین ! اب اس کتاب کے آخر میں خاکسار یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب ''انوارِ بشیرؒ'' کا ایک فائنل مسودہ مؤرخہ ۶/مارچ ۲۰۰۳ء کو بغرض دعا و بحصول اجازت حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھجوادیا تھا کہ جس پر حضرت صاحبؒ نے وکالت تصنیف لندن کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس مسودہ کو تحقیق کے لئے ربوہ بھجوادیا جائے۔ حضورؒ سے اپنی ذاتی خط وکتابت کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے بارہ میں بھی انتہائی قیمتی نصائح اور بے لوث دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پس اس لئے خاکسار یہاں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نام سب سے آخری مکتوب تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے لیکن وائے افسوس کہ حضورؒ کا یہ مکتوب گرامی مجھے ۱۹/اپریل ۲۰۰۳ء کو یعنی عین اس روز مؤصول ہؤا کہ جس دن صبح نو بج کر تیس منٹ پر میرے جان سے بھی پیارے آقا سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ٥ (البقرۃ:۱۵۷) ۔اس دن دوپہر دو تین بجے کے درمیان MEDIA MARKT KOBLENZ میں میرے کام پر میرے ہینڈی (موبائل-سیل فون) کی گھنٹی بجی اور میرے بہنوئی مکرم قاضی محبوب احمد نسیم صاحب قریشی نے انتہائی رنج وغم اور افسوس کے ساتھ فرینکفرٹ جرمنی سے مجھے حضورؒ کی لندن برطانیہ میں ناگہانی وفات کی اطلاع دی۔ یہ غمناک خبر سنتے ہی میرے جسم وجان بے حد نڈھال ہو گئے کیونکہ اپنی بیماری کے بعد سے اب تک مجھے کسی بھی قسم کا صدمہ سہنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ اس پر اپنے جان سے بھی پیارے عزیز آقا کے انتقال کی خبر؟ بہر حال میں نے بمشکل تمام شام تک اپنا کام مکمل کیا کیونکہ فوراً چھٹی نہ مل سکتی تھی۔ شام کو جب میں گھر پہنچا تو میری بیوی نے اظہار افسوس کرتے ہوئے حضورؒ کا سربمہر خط بھی سامنے کر دیا جو کہ اسی دن بذریعہ ڈاک مؤصول ہؤا تھا۔ صدمہ کی وجہ سے پہلے تو میں اس قابل ہی نہ تھا کہ حضورؒ کے مکتوب کو کھول کر دیکھ سکوں کہ آیا میرے پیارے آقا نے کیا تحریر فرمایا ہے۔ لیکن پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد میں نے حوصلہ کر کے پرنم آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ سسکتے ہوئے میں نے اس خط کو کئی بار چوما اور پھر انتہائی ادب و احترام اور محبت سے اسے کھول کر پڑھا اور بار بار پڑھا۔ دیکھا تو معمول کے مطابق وہی پیاری پیاری باتیں۔ وہی پاکیزہ اور بے لوث دعائیں۔ وہی مانوس الفاظ۔ وہی محبت کی چاشنی سے بھرپور پیام وسلام۔ الغرض میں بیان نہیں کرسکتا کہ اس وقت میرے غمگین دل کی کیا حالت تھی۔ اور یوں انتہائی مشکور وممنون ہو کر حضورؒ کے لئے دعا گو ہؤا کہ جنہوں نے تا دم حیات اپنی بیکراں شفقت و محبت کا سلوک جاری رکھا۔ یہ وہ چشمہ تھا کہ جس سے ہر کوئی چھوٹا بڑا۔ مرد وزن۔ بچہ و بوڑھا۔ احمدی یا غیر احمدی۔ مسلم یا غیر مسلم الغرض ہر مذہب وملت کا فرد خوب سیراب ہؤا۔ اے جانے والے میرے پیارے! میرے عزیز! میرے آقا ! تجھ پر لاکھوں کروڑوں اربوں درودوسلام۔

آنکھ سے دُور سہی دل سے کہاں جائے گا
جانے والے تُو ہمیں یاد بہت آئے گا (عبیداللہ علیم)

اب صرف بغرض سعادت اور محض بطور تبرک حضورؒ کا وہ سب سے آخری خط آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کیونکہ زہے نصیب کہ دنیا میں صرف چند ایک ہی ایسے خوش قسمت افراد ہیں کہ جن کو سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری لمحات میں خطوط تحریر فرمائے تھے اور پھر حضورؒ کے آخری خط میں اس کتاب کے لئے یہ دعا بھی تھی کہ '' اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ'' اس لئے اسے یہاں

پیش خدمت کرتا ہوں- ملاحظہ فرمائیں :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط
وعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
لنڈن

۱۱/ اپریل ۲۰۰۳ء مکرم مقصود احمد صاحب نسیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا مفصل خط ملا- بعد ملاحظہ سیدنا حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا ہے:-
'' اللہ تعالیٰ آپ کے نیک کاموں اور ارادوں اور نیک مساعی کو مقبولیت کا شرف عطاء فرمائے اور دین و دنیا کی بہترین حسنات کا وارث بنائے اور آپ کے مخلصانہ جذبات کو اپنے فضلوں اور رحمتوں سے معمور فرمائے اور آپ کی زندگی میں بھی برکت عطاء فرمائے- اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ- اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو ''-

والسلام خاکسار دستخط (منیر احمد جاوید)

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ خط بروز جمعۃ المبارک مؤرخہ ۱۱/اپریل ۲۰۰۳ء کو املا کروایا- اس کو بروز منگل مؤرخہ ۱۵/اپریل ۲۰۰۳ء کو لندن برطانیہ میں سپرد ڈاک کیا گیا اور جرمنی میں ایک مذہبی چھٹی KARFREITAG ہونے کی بنا پر مجھے یہ خط بروز ہفتہ مؤرخہ ۱۹/اپریل ۲۰۰۳ء کو موصول ہوا- اب یہ خط انشاءاللہ العزیز '' مکتوبات نسیم '' میں بھی ضرور چھپے گا- جیسا کہ میں پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے کمزور اور عاجز انسان پر اپنے فضل اور رحمت کی ایسی شان دار بارش برساتا رہتا ہے کہ ایک بے دین اور دہریہ تو کیا اس دنیا کے بڑے بڑے مسلمان مولوی حضرات بھی اس قسم کی باتوں کا گمان تک بھی نہیں کر سکتے- اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تو اللہ سے کسی ایسی جھوٹی بات کو منسوب کرے گا کہ جس کا دنیا بھر میں کوئی وجود نہیں تو اللہ تعالیٰ کی گرفت اتنی زیادہ مظبوط ہے کہ وہ ایسی من گھڑت باتوں کو پھیلانے کی خاطر تمہاری جان قبض کر کے انتہائی سخت سزا بھی دے گا- فرمایا: وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡہِ شَیۡءٌ '' ---(الانعام : ۹۴)- یعنی: اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے حالانکہ اس پر وحی نازل نہ کی گئی ہو--- اس لئے یہاں مجھ عاجز ناچیز کو اپنی ایک نہایت ہی لطیف خواب یاد آ گئی لیکن اس خواب کو لکھنے سے قبل دو احادیث نبویہؐ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں- حضرت عقبہ ؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: لَوۡ کَانَ نَبِیٌّ '' بَعۡدِیۡ لَکَانَ عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِ ھٰذَا حَدِیۡثٌ '' حَسَنٌ '' غَرِیۡبٌ '' -(ترمذی کتاب المناقب مناقب عمرؓ)- یعنی: اگر میرے بعد کسی نبی کی ضرورت ہوتی تو عمر نبی ہوتے- اسی طرح ایک دوسری حدیث نبویہؐ ہے کہ: لَوۡ لَمۡ اُبۡعَثۡ فِیۡکُمۡ لَبُعِثَ عُمَرُ -(ابن عدی بحوالہ کنوز الحقائق جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) -یعنی: اے مسلمانو! اگر میں تم میں معبوث نہ ہوتا تو میری جگہ عمر معبوث ہو جاتا- ان دونوں احادیث نبویہؐ کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر

فرماتے ہیں کہ:-

''اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا کیونکہ آپؐ نے صاف فرمادیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی شخص نبی بن سکتا تو عمرؓ ضرور نبی بن جاتا-لیکن چونکہ عمرؓ نبی نہیں بنے اس لئے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بالکل بند ہے-مگر غور کیا جائے تو یہ تشریح بھی تحقیق و تدقیق کی خوردبین کے نیچے درست ثابت نہیں ہوتی---اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسا کہ ہمارے آقا ﷺ کا طریق تھا کہ ایک حدیث کی امکانی غلط فہمی کو دوسری حدیث کے ذریعہ دور فرما دیتے تھے آپؐ نے دوسری جگہ یہی حدیث ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ:-''اے مسلمانو! اگر میں تم میں معبوث نہ ہوتا تو میری جگہ عمر معبوث ہوجاتا''-اب ان دونوں حدیثوں کو ملا کر دیکھو تو معاملہ بالکل صاف ہوجاتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود تشریح فرمادی کہ جہاں میں نے یہ کہا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا وہاں میری مراد یہ ہے کہ اگر مجھے چھوڑ کر کوئی اور شخص نبی بنتا تو عمر بنتا''-(ختم نبوت کی حقیقت صفحہ ۱۳۷-۱۳۸)

۱۹۹۹ء کے ماہِ رمضان المبارک میں مؤرخہ ۲۸ر دسمبر کو حدیقة الصالحین کے صفحہ نمبر ۹۳۱ر پر درج بالا حدیث شریف پڑھنے کے بعد خاکسار آنحضرت ﷺ اور آنحضور ﷺ کے ایسے پیارے معتقد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں نہایت خشوع وخضوع سے دعا کرتا ہوا سوگیا کہ جس معزز ومحترم معتقد کے بارہ میں یہ ارشاد ہوا کہ اگر آنحضور ﷺ نبی نہ بنتے تو وہ یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الخطاب نبی بن جاتے-ایسے معتقد کی تو شان ہی نرالی ہے-اس رات خواب میں اس عاجز کو آنحضرت ﷺ نظر آئے اور فرطِ مسرت سے عاجز کی آنکھ کھل گئی کہ جس کے بعد یہ عاجز بہت دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ درود شریف بھی پڑھتا رہا کہ اس عاجز کی دوبارہ آنکھ لگ گئی-اب اس عاجز کو ایک دوسری خواب آئی کہ جس میں خاکسار کی ملاقات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ابن خطاب سے ہوئی یعنی پہلے آنحضور ﷺ سے اور اسی دن بعد میں ایک دوسری خواب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا-اس پیاری ملاقات کے دوران اس عاجز کو یوں محسوس ہوتا رہا کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بیان کردہ تشریح بالکل درست ہے کہ جس کے ثبوت میں مجھے سیدنا آنحضرت ﷺ اور اس کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب کا دیدار نصیب ہوا کیونکہ آپ دونوں سے دو مختلف خوابوں میں لیکن ایک ہی دن ملاقات حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ترجمہ اور تشریح اور خاکسار کی عاجزانہ دعاؤں کی مقبولیت کا نشان ہیں: **ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ** ط **وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** ○ (الجمعة :۵)-یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اسے سب کچھ دے دیتا ہے-پس! اسی لئے تو اللہ بہت ہی بڑے بڑے فضل کرنے والا ہے-

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ بعض اوقات انسان کو ایک بہت ہی سہانی خواب دکھائی دیتی ہے لیکن کسی وجہ سے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے-اس کے بعد وہ انسان خواہ لاکھ ٹکریں مارے-دوبارہ سوجانے کی بھی کوشش کرے-آنکھیں بند کرے-اپنی سوچ کو اس سہانی خواب میں دیکھے ہوئے واقعات کی جانب مرکوز کرتا رہے لیکن اس کے باوجود بھی اس ٹوٹی ہوئی خواب کا تسلسل پھر دوبارہ ملنا بہت ہی محال ہے لیکن اپنی مرضی اور عمل دخل کے بغیر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہی خواب جہاں سے ٹوٹی تھی وہیں سے دوبارہ بھی ملا کر یا جوڑ کر دکھائی دے سکتی ہے جیسا کہ درحقیقت مجھ عاجز حقیر خاکسار کے ساتھ واقعتہً پیش آیا-اسی لئے تو میں بار بار بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ:-**سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ** -پس اسی لئے میں ایسی پیاری پیاری خوابیں دیکھنے کے باوجود سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے عین مطابق :-

''سچے ہوکر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو ''

اوراسی تذلل کی بنا پر خاکسار اپنی خوابوں کا زیادہ ڈھنڈورانہیں پیٹتا بلکہ انہیں صرف اپنی جان سے بھی پیارے خلفائے احمدیت سے ہی بیان کرتا رہتاہے لیکن درج ذیل خواب چونکہ خود سیدنا امیر المؤمنین صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں تھی اس لئے وہ کسی کو بھی سنائی نہیں جاسکتی تھی بہرحال نہایت ہی مجبوری کی حالت میں اور انتہائی حجاب محسوس کرتے ہوئے خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدئ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند احباب اور اپنے ایک دو قریبی عزیزوں کو سنانا پڑی تا کہ دل کی کوفت کچھ کم ہو- بہرحال موسم گرما ۲۰۰۲ء کے اختتام پر ماہ ستمبر میں ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ:-

'' حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ لندن برطانیہ سے اسلام آباد پاکستان تشریف لے آئے ہیں اور اب ایک ٹرین کے ذریعہ اسلام آباد سے ربوہ تشریف لا رہے ہیں- اس خواب کے دوران ہی میں حیران ہوں کہ حضور کو برطانیہ سے پاکستان آنے کی اجازت کیسے مل گئی ؟ بہرحال حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے پرجوش استقبال کے لئے ربوہ کا ریلوے سٹیشن احباب جماعت سے اٹا پڑا ہے- کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں- اسی ہجوم میں حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی حضورؒ کے استقبال کے لئے ایک MERCEDES مرسیڈیز موٹر کار کے ساتھ تشریف لائے ہوئے ہیں اور اپنی موٹر کار کے قریب ربوہ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے ہیں- میرے پاس ایک کیمرہ ہے کہ جس سے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ٹرین سے اترتے ہی اس موٹر کار کی جانب آتے ہوئے تصاویر لینا شروع کر دیتا ہوں لیکن آپ یوں تصاویر لینے کو پسند نہیں فرماتے اور مجھے تصاویر لینے سے منع فرماتے ہیں لیکن جب میں نے آپ کو یاد دلایا کہ حضور میں تو البشریٰ والا سودے خان ہوں تو تب آپ نے مسکراتے ہوئے نہایت بشاشت سے مجھے تصاویر لینے کی اجازت مرحمت فرما دی اور قریب آ کر حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی موٹر کار کی پچھلی نشست پر حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی دائیں جانب تشریف فرما ہو گئے- تصاویر کھینچنے کی اجازت ملنے پر میں بہت خوش ہؤا اور میں نے ان دونوں معزز بزرگوں کی بہت سی تصاویر کھینچیں اور اسی خوشی میں میری آنکھ کھل گئی ''-

بہرحال آنکھ کھلنے پر مجھے خیال پیدا ہؤا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تو اس وقت وفات پا چکے ہیں لہٰذا اس خواب کا تعلق ضرور حضور کی وفات سے ہے کیونکہ ایک وفات یافتہ بزرگ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک زندہ بزرگ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا استقبال کرنا ؟ اور میں یہ تصور کرتے ہی کانپ اٹھا کہ سیدنا حضورؒ ہم سے جدا ہونے والے ہیں- اس لئے جیسا کہ خاکسار پہلے بھی عرض کر چکا ہے کہ اوپر درج منذر خواب کس کو سناتا ؟ اس لئے بہت سوچ بچار کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا اس خواب کے بارہ میں اپنے چند خاص الخاص احباب کو بتا دیا جائے- دعا تو یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت یاب فرمائے لیکن اگر پھر بھی خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو تب ؟ اور پھر ممکن ہے کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ احباب جماعت کو حضور ایدہ اللہ کے لئے زیادہ درد دل اور سوز و گداز کے ساتھ دعائیں کرنے کا موقعہ ملے اور شائد اللہ تعالیٰ ہماری عاجزانہ دعائیں سنتے ہوئے ہمیں کسی ایسے ناگہانی حادثہ سے محفوظ رکھے- آمین- الغرض اپنے دل و دماغ کے درمیان انتہائی سخت کشمکش کے بعد میں نے یہ خواب سنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے انہیں فون پر دعا کی درخواست کے ساتھ یہ خواب سنا دی- مجھے یاد ہے کہ خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں محترمہ صاحبزادی امتہ الوکیل صاحبہ (مقیم: گریٹ فالز- امریکہ) زوجہ محترمہ مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کو خاکسار نے یہ خواب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دل کے پہلے متوقع اپریشن سے چند یوم قبل اغلباً اوائل اکتوبر ۲۰۰۲ء میں فون پر ڈرتے ڈرتے اس تاکید کے ساتھ

سنایا تھا کہ چونکہ اس خواب کا تعلق براہ راست حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی وفات سے ہے لہٰذا سوائے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کے برائے مہربانی کسی دوسرے کے سامنے میری اس خواب یا اس کی تعبیر کو بیان نہ کیا جائے بلکہ اسے صرف اپنے تک ہی محدود رکھیں - جزاکم اللہ - کیونکہ اس وقت تمام دنیا حضور ایدہ اللہ کی صحت یابی کے لئے دعا گو ہے اس لئے کسی ایسی صریح منذر خواب کا بیان کرنا بہت ہی معیوب اور نامناسب معلوم ہوتا ہے لیکن میری مجبوری ہے کیونکہ میں بہت سے بزرگوں کے بارہ میں اس قسم کی خوابیں دیکھ چکا ہوں جو کہ اپنے اپنے وقت پر میری خوابوں کے عین مطابق بہ تقدیر الٰہی وفات پا گئے - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰاجِعُوۡنَ ○ (البقرۃ:۱۵۷) - اسی وقت مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب کو بھی یہ خواب سنانے کا ارادہ تھا لیکن وہ ان دنوں ملائیشیا کے دورہ پر گئے ہوئے تھے اس لئے ان سے براہ راست گفتگو نہ ہو سکی -

یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ خاکسار نے حضرت صاحبؒ کی دل کی بیماری کو جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۹ء کے موقعہ پر ہی محسوس کرتے ہوئے اسی جلسہ کے دوران خاندان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنے دوستوں مکرم صاحبزادہ مرزا سفیر احمد (سیفی میاں) صاحب اور مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مودی میاں) صاحب سے بھی اس معاملہ پر گفتگو کی تھی اور مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو مکرم میاں سفیر احمد صاحب نے مجھے ٹال دیا کہ تمہیں یونہی محسوس ہوتا ہے - حضور تو چنگے بھلے بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں لیکن گھر کا ایک فرد ہونے کی بنا پر میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ان صاحب کو قریب رہ کر بھی علم نہیں اور ہم دور بیٹھے بھی حضور ایدہ اللہ کی حالت دیکھ رہے ہیں - بہرحال جلسہ سالانہ برطانیہ کے بعد جرمنی واپس آتے ہی خاکسار نے اپنے خیالات حضور ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں مؤرخہ ۲۸ / اگست ۱۹۹۹ء کو لکھ بھیجے اور حضورؒ کی اجازت سے آپ کو خطوط لکھنے میں بہت کمی کر دی تھی - حضور ایدہ اللہ کی اسی بیماری کے بارہ میں خاکسار کی تشویش بے جا نہ تھی جو کہ بعد میں درست نکلی بلکہ یہ تشویش حضورؒ سے جماعت احمدیہ کی پُرخلوص سچی محبت کا ایک لازمی حصہ ہے جو کہ جماعت کے تمام احباب کو اپنے جان سے بھی زیادہ پیارے خلفائے وقت سے ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیئے - حضورؒ کی اسی بیماری کے آغاز کے سلسلہ میں کارڈیالوجیسٹ مکرم ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :- '' ۱۹۹۹ء میں بیماری کا آغاز ہوا - جس کی شدت ۲۰۰۲ء میں پیدا ہوئی - چنانچہ ۲۰۰۲ء میں جب آپؒ کی اینجیو پلاسٹی ہوئی تو ڈاکٹر سٹیفن جیکنز نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ حضورؒ کو کچھ عرصہ قبل دل کا ہلکا سا حملہ ہو چکا ہے - جس پر آپؒ نے بتایا کہ ۱۹۹۸ء میں دورہ امریکہ کے دوران سینہ میں درد ہوئی تھی '' - (الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ ۷ / مئی ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۳)

یعنی میری تشویش یونہی بلاوجہ نہیں تھی - بہرحال اسی ایک ماہ یعنی اکتوبر ۲۰۰۲ء میں حضورؒ کے یکے بعد دیگرے دو اپریشن ہوئے - پہلا آپریشن ۱۴ / اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ہوا اور اس کے بعد ۳۰ / اکتوبر ۲۰۰۲ء کو دوسرا آپریشن ہوا کہ جس کے ایک ہفتہ کے بعد حضور مؤرخہ ۷ / نومبر ۲۰۰۲ء کو ہسپتال سے گھر واپس تشریف لے گئے لیکن دل کا وہ بڑا آپریشن کہ جس سے تمام احباب جماعت بے حد خوفزدہ تھے وہ نہیں ہوا بلکہ اس بارہ میں بھی خاکسار نے قبل از وقت ہی خواب دیکھ لی تھی کہ حضور کے دل کا بڑا آپریشن یعنی سینہ چیر کر نہیں ہوگا - بہرحال میں نے یہ خواب حضورؒ کی خدمت میں اسی دن مؤرخہ ۲۸ / اکتوبر بروز پیر ۲۰۰۲ء کو بذریعہ فیکس صبح صبح روانہ کر دی تھی - ملاحظہ فرمائیں :-

مؤرخہ ۲۸ / اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز پیر	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	فون + فیکس
از وائیٹرس بُرگ - جرمنی	نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود	CODE + 2622 167977

بخدمت اقدس امیرالمؤمنین سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے جان سے بھی بہت زیادہ پیارے آقا! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور خدا کرے کہ آپ کی صحت اب اس قابل ہو چکی ہو کہ ہم جیسے عاجز بندے آپ کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ پھر سے اپنی اپنی حاجات کے حصول کے لئے دعا کی درخواست پیش کر سکیں۔آمین۔میرے اس خیال کو میری اس خواب سے بھی تقویت پہنچتی ہے جو کہ میں نے آج صبح صبح دیکھی ہے:۔

یوں لگتا ہے کہ آپ اپنے اپریشن کے بعد گھر واپس تشریف لے آئے ہیں اور اگلے ہی دن چہل قدمی کے لئے اپنے ایک پہریدار خادم کے ساتھ ایک بہت بڑی عمارت کی سیڑھیوں پر سے نیچے کی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ان سیڑھیوں پر یورپی افراد کا ایک ہجوم بھی نیچے اتر رہا ہے کہ میں نے آپ کو اس ہجوم میں پہچان لیا لیکن مجھے بہت تعجب ہوا کہ آپ کے پیچھے صرف ایک ہی خادم ہے اور کوئی دوسرا احمدی بغرض حفاظت ساتھ موجود نہیں کہ جس پر میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر حضور کو سلام عرض کیا کہ جس کے جواب میں آپ نے خاکسار کو خوب بھینچ کر اپنے سینہ سے لگا لیا۔دریں اثنا ہم اس عمارت سے باہر نکل کر ایک ہموار سڑک پر چلنے لگے لیکن میں نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضور آپ مجھے اتنے زور سے اپنے گلے سے نہ لگائیں ورنہ خدانخواستہ حضور کے دل کے اپریشن کی وجہ سے سینہ کے زخموں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے یا یہ زخم کہیں کھل نہ جائیں۔اس پر آپ نے مسکرا کر نہایت پیار سے نگاہ کرم مجھ عاجز پر ڈالی اور فرمایا کہ مجھے تمہیں اپنے سینہ سے لگانے کی بدولت کوئی درد اور تکلیف محسوس نہیں ہو رہا اور مجھے اور بھی زیادہ زور سے بھینچ کر اپنے سینہ سے پیوست کر لیا اور اسی طرح اپنے سینہ سے چمٹائے ہوئے محبت سے گفتگو کرتے کرتے کافی دور تک اپنے ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔اس موقعہ پر خاکسار نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ حضور اتنی جلدی صحت مند ہو گئے ہیں اور اور مزید صحت مندی کے لئے اپنی ورزش کا بھی دوبارہ آغاز فرما دیا ہے۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں بہت دیر تک حضور کی صحت و سلامتی کے لئے دعاؤں میں مشغول رہا۔خدا تعالیٰ خاکسار کی دلی عاجزانہ دعاؤں کو قبول فرمائے۔آمین۔اب اجازت دیں۔خدا حافظ۔والسلام

سیدی حضور کی پاکیزہ دعاؤں کا طالب ادنیٰ ترین خادم اور غلام۔سُودے خان خاکسار مقصود احمد نسیم

یہاں آپ کو یہ بھی یاد رہے کہ اسی دن حضورؒ کا اپریشن بھی متوقع تھا اور تمام جماعت عالیہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے حضور نہایت ہی درد دل کے ساتھ حضورؒ کی صحت یابی کے لئے دست بستہ دعا گو تھی لیکن بعد کے واقعات سے یہ ثابت ہو گیا کہ واقعی حضورؒ کا وہ بڑا متوقع اپریشن نہیں ہوا کہ جس سے ہم سب لوگ ڈر رہے تھے اور صرف اینجوگرافی کے ساتھ ہی دل کی شریان میں ایک کیپسول (دونوں اطراف سے کھلا کیپسول یا ٹیوب) لگا کر خون کی نالی کے تنگ سوراخ کو مزید تنگ ہونے سے روک دیا گیا اور یوں میری خواب کی تصدیق ہو گئی۔ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود میرے دل میں ایک خوف بیٹھا ہوا تھا اور میرا دل ذرا ذرا سی بات پر چونک اٹھتا تھا کیونکہ اس عاجز کی محبت اس جانے والے پیارے وجود سے اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ آپ اس بات کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ہر وقت حضورؒ کے لئے دعائیں۔ہر وقت انہی کا خیال۔ہر وقت حضورؒ پر نثار ہونے کو دل چاہتا تھا۔بالآخر بہت سوچ بچار کے بعد خاکسار نے اپنا دل کھول کر حضور کے قدموں میں رکھ دیا اور اپنی والہانہ محبت کے اظہار کے طور پر حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں صرف اتنا ہی تحریر کیا کہ:۔

اپنی جاں نذر کروں اپنی وفا پیش کروں
قوم کے مردِ مجاہد تجھے کیا پیش کروں؟

کیونکہ باعث رنج وغم اس سے زیادہ لکھنے کی تاب نہ تھی کہ جس پر حضورؒ نے نہایت خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا لیکن افسوس کہ ہمیں اپنی جان تو کیا کسی بھی

قسم کی کوئی قربانی دینے سے پہلے ہی حضورؒ ہمیں روتا اور بلکتا ہؤا چھوڑ کر اپنے آقا و مولا کے دربار میں جا حاضر ہوئے اور ہم دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میں سیدنا حضورؒ کی خدمت اقدس میں اپنا دل چیر کر رکھ دینا چاہتا تھا لیکن حضورؒ کی بیماری کی شدت کی وجہ سے نہ کر سکا حالانکہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب مؤرخہ ۱۹؍اپریل ۲۰۰۳ء کو بقضائے الٰہی اچانک وفات پا گئے تو اسی دن ہم سب جرمنی کے ایک شہر نوئے ویڈ NEUWIED میں اپنے عزیز مکرم محمود احمد ندیم صاحب کے یہاں اکٹھے ہوئے تا کہ ایک دوسرے سے گلے مل کر ایک دوسرے کو تسلی دے سکیں تو اس وقت سب کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ اب کیا ہوگا؟ اس وقت بھی میں نے اپنی اس خواب کو بار بار دوہرایا کہ جس میں حضورؒ اسلام آباد سے ربوہ تشریف لا کر حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ہمراہ ایک موٹر کار میں تشریف فرما ہو جاتے ہیں اور اپنے عزیزوں کی ڈھارس بندھائی کہ جو ہوگا یقیناً اچھا ہی ہوگا۔ بہرحال میں نے انتخاب خلافت سے پہلے ہی اپنے بعض قریبی عزیزوں کو بتا دیا تھا کہ بعض خوابیں متعلقہ بزرگوں کی اولاد کے زمانہ میں بھی پوری ہوتی ہیں کہ جیسے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ کے بارہ میں ہے کہ:-

''اب تو بیٹھ اور ہم چلتے ہیں''۔(الہام)

جو کہ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے لمبے عرصہ تک امیر مقامی بنے رہنے کی صورت میں پورا ہؤا۔ اسی طرح مجھے یاد ہے کہ جب میں نے فون پر اپنے بہنوئی مکرم محبوب احمد نسیم صاحب سے فرینکفرٹ جرمنی میں گفتگو کے دوران یہ عرض کیا کہ ناسازگار حالات کی بنا پر حضورؒ کے جنازہ کو پاکستان لے جانا ممکن نہیں بلکہ میرے ایک خواب کے مطابق یہیں تدفین ہوگی تو میرے بہنوئی مکرم محبوب احمد نسیم صاحب مجھ پر بے حد خفا ہوئے کہ تم یونہی اپنی خوابیں اِدھر اُدھر بیان کرتے رہتے ہو۔ تمہیں کیا علم ہے کہ حضورؒ کو کہاں دفن کیا جائے گا؟ حضورؒ کے جنازہ کو یقیناً ربوہ پاکستان لے جایا جائے گا لہٰذا خبردار مجھ سے اپنی خوابیں بیان نہ کیا کرو لیکن جب میں نے ان سے یہ سوال کیا کہ آخر انسان اپنی خوابوں کو کہاں بیان کرے؟ کم از کم اپنے گھر میں تو اسے اپنی خوابیں بیان کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ سچی ہوں یا جھوٹی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے باوجود میں تمہاری خوابیں سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ وغیرہ وغیرہ--- بہرحال ان کی یہ باتیں سن کر میرے دلی صدمہ اور ذہنی حزن وملال میں اور بھی اضافہ ہؤا اور یوں یہ رنج وغم اور حزن وملال کے کوفت زدہ تمام ایام خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اکیلے اکیلے اور باجماعت آہ وزاری سے دعائیں کرتے ہوئے گزرے اور بالآخر خلافت خامسہ کا انتخاب ہؤا اور حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ خدائی وعدوں کے مطابق خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز منتخب ہوئے اور خوف کے بادل چھٹ گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے غم کو خوشی میں بدل کر ہمیں سکینت عطا فرمائی۔ الحمدللہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ م بَعْدِخَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور:۵۶)۔ یعنی: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی صدق دل سے پابندی کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان سے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان میں سے ہی کسی ایک کو اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرتا رہے گا جیسا کہ وہ آج تک کرتا چلا آ رہا ہے تا کہ جو دین اس نے ان مؤمنین کے لئے پسند کیا ہے وہ اس پر نہایت مظبوطی کے ساتھ قائم ہو جائیں۔ اسی لئے جب کبھی بھی ان ایمان لانے والوں پر خوف کی حالت طاری ہوتی ہے تو اللہ ان کی دعاؤں کے تضرع کی بدولت ان کی اس حالت خوف کو اپنے فضل اور رحمت کی بارش برساتے ہوئے حالت امن میں تبدیل کر دیتا ہے تا کہ اس طرح وہ بے خوف وخطر ہو کر اس کی عبادت بجالائیں اور کسی قسم کے ڈر کی وجہ سے کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ پھر جو لوگ یہ تمام نظارے دیکھ کر بھی انکار کریں تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے شمار کئے جائیں گے۔

بہرحال انتخاب خلافت کے فوراً بعد یعنی اسی وقت خاکسار نے اپنی بیعت کا خط ٹیلی فیکس مشین کے ذریعہ اپنے پیارے آقا سیدی حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لندن برطانیہ روانہ کیا۔ یہاں مجھے یاد آیا کہ میرے عزیزوں میں سے میرے بھانجے مکرم عزیزم قاضی منور احمد ندیم قریشی صاحب کی زوجہ محترمہ عزیزہ فرزانہ ندیم صاحبہ حال مقیم: نوئے وِیڈ ۔جرمنی نے انتخاب خلافت کے ساتھ ہی بڑے جوش وخروش سے میرے اس خواب کی تصدیق فرمادی کہ ہاں ماموں! آپ کی خواب اور اس کی وہ تعبیر جو آپ نے پچھلے سال اور اب حضورؒ کی وفات اور نئے حضور (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کے انتخاب تک کے چند ایام میں بیان کی تھی وہ حرف بحرف درست ثابت ہوگئی ہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہمراہ ایک ہی موٹر کار کی ایک ہی سیٹ پر بیٹھنا یعنی خلافت کی گدی پر تشریف فرما ہوکر مقام خلافت پر فائز ہونا پورا ہوگیا۔ یہ سن کر میں خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوگیا کہ اس نے اپنا خاص فضل فرماتے ہوئے ہماری حالت خوف کو حالت امن کی حالت میں تبدیل فرمادیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ‎o (الفتح : ۵)۔یعنی: اور وہی ہے کہ جس نے مؤمنوں کے دلوں پر سکینت نازل کی تا کہ اس سکینت کی بدولت ان کے ایمان میں مزید ترقی ہو۔اور یقیناً زمین وآسمان میں فرشتوں کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً اللہ ہی سب سے زیادہ علم ودانائی رکھنے والا ہے۔ پھر مزید فرمایا کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوگا تا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَاللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ‎o (الفتح : ٦)۔یعنی: ان مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیش رہتے چلے جائیں گے تا کہ ان نہروں کے شفاف پانی سے ان کے تمام گناہ دھل جائیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے کہ انسان گناہوں سے پاک وصاف ہوکر اس کے حضور پہنچے۔پس ثابت ہوا کہ متقین اور مؤمنین کے لئے تو ایسی پیاری بشارات قرآن مجید کے چپہ چپہ یعنی ہر صفحہ پر موجود ہیں کہ ان کی حالت خوف کو حالت امن میں تبدیل کیا جاتا رہا ہے اور ان کی دعاؤں کے بدلہ خدا تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کو گناہوں کی آلودگی سے بھی پاک وصاف کرتا چلا آرہا ہے اور یہ سب کچھ ازل سے ہوتا چلا آیا ہے اور انشاء اللہ ابد تک ہوتا چلا جائے گا۔فرمایا: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ج صلے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ‎o (الفتح : ۲۴)۔یعنی: یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور یہ دستور ہمیشہ سے ایک رسم کے طور پر چلتا چلا آرہا ہے۔ اس لئے اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کے اس مقرر کردہ طریق میں کسی قسم کی کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔پس یہ خاکسار خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں صدق دل سے دعا گو ہے کہ وہ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے درجات جنت الفردوس میں تا قیامت بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے اور میرے نئے اور جان سے بھی زیادہ پیارے آقا امیر المؤمنین سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت وعافیت سے بھرپور لمبی اور فعال زندگی عطا فرمائے تا کہ دنیا بھر میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا بول بالا ہو اور اسلام کو دائمی ترقی نصیب ہو۔آمین ثم آمین یا رب العالمین

اور یہ سب کچھ کوئی اتفاق نہیں بلکہ وہ ٹھوس حقائق ہیں جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کردیتے ہیں کہ ان تمام واقعات کا ایک دوسرے کے ساتھ یقیناً ایک انتہائی گہرا تعلق ہے اور وہ تعلق ہے اس بے انتہا شفقت ومہربانی کا۔اس بے لوث خلوص اور وفا کا۔اس سچے پیار ومحبت کا جو حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہؓ کو اپنے تمام بچوں کے ساتھ ساتھ مجھ ناچیز خاکسار سے تھا ورنہ ’’یہ مونہہ اور

مسور کی دال؟ ’’ میں عاجز کیا چیز ہوں کہ جسے یہ معزز و محترم بزرگ خوابوں میں نظر آئیں؟ تسلیاں دیں، محبت کی نظر سے دیکھیں، پیار کریں، شفقت سے اپنے گلے سے لگائیں اور آنے والے واقعات کی اطلاع دیویں حتیٰ کہ مجھے خواب میں یہ بھی حکم ملے کہ اپنے نام کے ساتھ مرزا کا لقب لگاؤ بلکہ میرے جھجکنے پر از خود اپنے دست مبارک سے اسے میری اس کتاب میں تحریر فرمائیں۔اسی طرح سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام خواب میں اس عاجز پر پیار سے متبسم ہو کر نگاہ فرمائیں؟ حتیٰ کہ اس عاجز کے حزن و ملال کے موقعہ پر آنحضرت محمد مصطفےٰ احمدؐ مجتبیٰ ﷺ خوابوں میں بنفس نفیس تشریف لا کر تسلی دیویں؟ پس! ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام معزز و محترم جان سے پیارے بزرگوں سے میرا پیار بھی ایک سچی محبت ہے نیز ان سب سے میری یہ عقیدت بھی بے غرض اور بے لوث ہے۔یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ احمدیت یعنی سچے اسلام کی برکت ہے کہ اس کے جسم کے ایک حصہ کو تکلیف محسوس ہوتی ہے تو اس کے جسم کا دوسرا حصہ بھی اسی تکلیف کو اسی شدت سے محسوس کرتا ہے۔یہ خدا تعالیٰ کی رحمت بلکہ اس کا ایک اعجاز ہے کہ جسے دیکھ کر مجھے ایک بہت ہی پیاری آیت یاد آ گئی کہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھے اعمال کی جزائے خیر کے طور پر میں نہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے صحابہ رضوان علیہم بلکہ ان صحابہ کرام کے بعد آنے والے تابعین سے بھی راضی ہو جاؤں گا۔اس لئے ہمیں خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے آج سے ہی بلکہ ابھی اور اسی وقت سے کوشش شروع کر دینی چاہئے۔فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o(التوبۃ : ١٠٠)۔یعنی: پس جو مہاجرین اور انصار میں سے ایمان لانے میں سبقت لے جانے والے ہیں اور ان کے ساتھ وہ تابعین بھی جو کہ اطاعت کا کامل نمونہ دکھاتے ہوئے ان صحابہ کے نقش قدم پر ان کے پیچھے پیچھے چلے۔اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور اس نے اپنے وعدہ کے عین مطابق ان کے لئے ایسی بے نظیر جنتیں تیار کی ہیں کہ جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور پھر وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہ اجر پا کر وہ بھی یقیناً اللہ سے راضی ہو جائیں گے۔پس یہ ہے وہ اجر جو کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے۔پس اے میرے اللہ میرے پیارے پروردگار میری یہ دعا قبول فرماتے ہوئے ہم تابعین سے بھی اسی طرح راضی ہو جا کہ جس طرح تو ہم سے پہلے گزرے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین سے راضی ہو گیا۔آمین ثم آمین

اس کتاب میں یہ تمام خوابیں اور ان کے بعد درپیش آنے والے حالات اور واقعات بیان کرنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی برکت ہے کہ ہم جیسے عاجز انسانوں اور احمدیت کے حقیر خدام کو بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مختلف اشارات ملتے رہتے ہیں اور سچی خوابیں بھی آتی رہتی ہیں اور ہم جیسے عاجز اور پر تقصیر انسانوں کی دعائیں بھی قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور یہ بھی صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک واضح ثبوت ہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ ۔اسی لئے تو میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یہ دعا بار بار نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپؑ کے صحابہ رضوان علیہم پر اور آپؑ کے خلفائے کرام پر اور حضرت اقدسؑ کے اس معزز و محترم خاندان پر تا قیامت اپنے فضل و رحمت کی بارش لگاتار برساتا چلا جائے تا کہ ان کے صدقے ہم پر بھی ایسی رحمتیں تاابد مزید نازل ہوتی رہیں۔ آمین اللھم آمین

☆

اظہار تشکر

الحمدللہ ! ثم الحمدللہ ! کہ خاکسار کو یہ کتاب لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس کتاب کی تکمیل کے دوران جماعت عالیہ احمدیہ کے بہت سے معزز و محترم احباب نے کسی نہ کسی رنگ میں خاکسار کی کوئی نہ کوئی مدد فرما کر تمام مسلمان بھائی بھائی ہونے کا عہد پورا کر دکھایا۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ اس قسم کی مذہبی کتب کی تکمیل کے لئے کوئی بھی ناشر۔ پریس یا ادارہ کسی بھی قسم کی سرپرستی قبول نہیں کرتا لیکن پھر بھی ایسی کتب کسی قسم کا خرچ کئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتیں لہذا اس کتاب کی ۱۴ سالہ ترتیب و تدوین نیز تکمیل کے دوران خاکسار کے ساتھ ساتھ اس کتاب پر اٹھنے والے جملہ تمام اخراجات جماعت عالیہ احمدیہ کے متعدد مخلص احباب اور علمائے کرام نیز ادارہ جات نے محض للہ برداشت کئے۔ اس لئے یہاں مجھے یہ حقیقت بیان کرتے ہوئے انتہائی دلی مسرت محسوس ہورہی ہے کہ اس کتاب کے لئے جماعت عالیہ احمدیہ کے متعدد معزز و محترم احباب کرام اور قابل قدر اداروں نے ہر موقع پر خاکسار کی ہر طرح سے اعانت فرمائی۔ اس لئے یہ امر خاکسار کے لئے باعث صد افتخار ہے کہ کسی نے حضرت صاحبزادی امتہ الجمیل بیگم صاحبہ۔ کینیڈا کی طرح اپنی پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ تو کسی نے اپنے خطوط کے ذریعہ۔ کسی نے مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کی طرح اپنے مضامین کے ذریعہ تو کسی نے محترمہ آپا زبیدہ (تسنیم) نسیم بیگم صاحبہ۔ فرینکفرٹ۔ جرمنی کی طرح زبانی روایات بیان کر کے مدد فرمائی۔ اسی طرح کسی نے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (میاں مودی) صاحب اور زوجہ محترمہ صاحبزادی امتہ الوکیل صاحبہ۔ گریٹ فالز۔ امریکہ کی طرح جی بھر کر مہمان نوازی کی تو کسی نے مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد اکبر (گوگی میاں) صاحب کی طرح میرے سفر کا خرچ برداشت کیا نیز کسی نے اس کتاب کی اصلاح کی تو کسی دوسرے نے مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب کی طرح اپنے گرانقدر قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اسی طرح مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق (چھیری میاں) صاحب نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب و بیگم صاحبہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضوان اللہ علیہم کے تمام خاندان کو اس کتاب کی اشاعت کے لئے ہونے والے اخراجات کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا تو کسی نے مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد سیال (بتو میاں) صاحب کی طرح سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر اس کار خیر میں حصہ لیا۔ مکرم عزیزم محمود احمد ندیم صاحب۔ نوئے ویڈ۔ جرمنی نے اس کتاب کو تحریر کرنے کے واسطے کمپیوٹر کا اردو پروگرام تحفہ میں دیا تو مکرم مولانا مبارک احمد تنویر صاحب شعبہ تصنیف جماعت عالیہ احمدیہ۔ جرمنی اور مکرم محمد داؤد ظفر صاحب۔ رقیم پریس۔ اسلام آباد۔ برطانیہ نے اس کی PDF-Data Files بنانے میں مدد کی۔ نام تو اور بھی بہت سے ہیں کہ جن کو زیر تحریر لانے کے لئے بہت سے صفحات درکار ہوں گے اس لئے ان سب کے اسمائے گرامی آپ ”مکتوبات نسیم“ کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے مختلف صفحات پر بھی جابجا دیکھ سکتے ہیں۔ الغرض ہر ایک نے اپنے اپنے رنگ میں نہایت ہی احسن طور پر لیکن انتہائی خلوص کے ساتھ خاکسار کی ہر طرح سے سرپرستی فرمائی جو کہ انتہائی قابل ستائش و قابل تحسین ہے۔ خاکسار اپنے ان تمام معزز و محترم محسنین کے لئے جتنی بھی دعائیں کرے اتنی ہی کم ہیں۔ اس لئے خاکسار صرف یہی عرض کرے گا کہ ان سب معزز و محترم احباب نے جس طرح اپنی اپنی ہمت اور اپنی اپنی توفیق کے مطابق یا پھر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرح اپنی ہمت اور قوت سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر اس کتاب کی تکمیل میں آخر دم تک بھرپور حصہ لیا اس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو بہترین جزائے خیر سے ہمیشہ نوازتا چلا جائے۔ آمین

بہر حال اس سلسلہ میں مزید عرض ہے کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر خاکسار کی اس کتاب ”انوارِ بشیرؓ“

پر مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر اپریل ۲۰۰۷ء تک لگاتار چار سال کے لمبے عرصہ کے دوران نظارت اشاعت نے کام کیا۔مکرم سید عبدالحئی شاہ صاحب ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔ پاکستان اور مکرم منیر الدین شمس صاحب ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن۔ برطانیہ نے اپنے بے حد مفید مشوروں سے نوازا۔اپنے قیمتی وقت میں وقت دیا اس طرح آپ دونوں سے فون پر دفتر کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ گھر پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔کبھی چھٹی کے روز تو کبھی کام سے پہلے تو کبھی کام کے بعد اور پھر کبھی رات گئے جبکہ دوسرے لوگ آرام کر رہے ہوتے تھے تو ہم تینوں ''انوار بشیر'' پر تبصرہ کر رہے ہوتے تھے۔ای میل اور فیکس کو بھی سینکڑوں بار استعمال کیا گیا۔بے شمار خطوط کا تبادلہ بھی ہؤا اور یوں آپ دونوں کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب کو از سر نو کئی مرتبہ نئے سرے سے ترتیب دیا گیا۔گذشتہ چار سال کا یہ تمام لمبا عرصہ اس کتاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور دعاؤں پر دعائیں کرتے ہوئے ہی گزرا۔حضرت امیر المؤمنین سیدنا مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں دعائیہ خطوط لکھنے کے ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب امیر مقامی وصدر صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔ پاکستان نیز سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعدد بزرگان اور علمائے کرام کی خدمت میں بھی دعائیہ خطوط تحریر کرتا رہا۔بہر حال پھر یہی لمبا عرصہ ایک سال سے دوسال کی مدت میں تبدیل ہؤا۔دو سے تین سال گزر گئے بلکہ تین سے چار سال ہوگئے یعنی یہ عرصہ طویل سے طویل تر ہی ہوتا چلا گیا۔یہ ایک نہایت ہی صبر آزما دور تھا لیکن خاکسار نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے ان تمام محسنین کے مشوروں اور ہدایات کی روشنی میں اس کتاب کی نئے سرے سے ترتیب وتشکیل کرتا چلا گیا یہاں تک کہ جب اس کتاب کا رنگ وروپ نکھر کر اس قدر دیدہ زیب ہوگیا کہ یہ آپ جیسے باذوق قارئین کی خدمت میں پیش کی جاسکے تو تب جا کر اس کتاب کو شائع کر کے احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سفارش نظارت اشاعت ربوہ سے ہوئی اور اس کے چند دن کے اندر اندر ہی شعبہ تصنیف لندن سے بھی اس کی طباعت واشاعت کی اجازت مؤصول ہوگئی۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ ۔اس لمبے عرصہ کے دوران مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔ پاکستان نے ملفوظات اور دوسرے مختلف حوالہ جات کی تلاش میں بے حد مدد فرمائی۔اسی طرح مکرم مولانا محمد الیاس منیر صاحب مبلغ ومربی سلسلہ عالیہ احمدیہ کولون۔ جرمنی نے قرآنی آیات کے حوالے ڈھونڈنے میں بہت مدد فرمائی۔اسی طرح گاہے بگاہے اور بھی کئی علمائے کرام سے اس کتاب کے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی جن میں سے مکرم مولانا حیدر علی ظفر صاحب مبلغ ومشنری انچارج جماعت عالیہ احمدیہ۔جرمنی اور مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب مبلغ ومشنری انچارج امیر جماعت احمدیہ۔کینیڈا نیز مکرم مولانا سید شمشاد احمد صاحب مبلغ امریکہ کے نام بصد شکر یہاں تحریر ہیں۔

یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ اماں حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ میں جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ ابھی نامکمل ہے اور مجھے یہ یقین کامل ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر یا سُن کر بہت سے احباب کو مزید کئی واقعات یاد آجائیں گے کہ جس کے لئے میں نے ابھی سے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن تیار کرنے کی تیاری شروع کر دی ہے کیونکہ یہ کتاب انشاء اللہ تعالیٰ بہت سے ایسے احباب کے لئے کہ جنہیں شاید روز معاش کی مشکلات نے اس وقت مجبور کر رکھا ہے اور وہ اپنی شدید خواہش کے باوجود اس کی تکمیل میں حصہ نہیں لے سکے یقیناً ایک مہمیز کا کام دے گی یعنی یہ باب بند نہیں ہؤا بلکہ یہ باب تو اب تقریباً چالیس پچاس برس کے بعد مزید وا ہوگیا ہے حالانکہ دنیاداروں کے حساب سے جب ایک پُشت گزر جاتی ہے تو دوسری پُشت میں کوئی نام لیوا ہی باقی نہیں رہتا۔یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی قائم کردہ جماعت احمدیہ کی برکت اور خلفائے احمدیت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پاکیزہ۔ پُرخلوص اور بے لوث دعاؤں کا نتیجہ ہے۔اسی لئے تو میں باربار یہ کلمہ مبارکہ پڑھتا رہتا ہوں:۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

اس عاجز تابعی کی طرح سیدنا حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست ہمکلام رہنے اور خط و کتابت سے مستفید ہونے اور تقاریر سے مستفیض ہونے والے نیز آپؓ کی پاکیزہ و مفید نصائح سننے والے لاکھوں لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے ابھی بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی عمروں میں برکت ڈالے۔ آمین۔ ان تمام اصحاب و صاحبات کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر آپ کو حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؓ کی بیگم صاحبہ حضرت ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ میں کسی واقعہ کا علم ہو یا آپ کے کسی بزرگ یا عزیز یا کسی دوست نے وہ سُن رکھا ہو یا آپ کے پاس حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی کوئی نایاب تصویر ہو تو برائے مہربانی خاکسار کو مکرم و محترم ایڈیشنل وکیل التصنیف مسجد فضل لندن برطانیہ کی وساطت سے ارسال فرما کر مشکور فرمائیں تا کہ ان قیمتی دستاویزات کو اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں آپ کے نام کے حوالہ کے ساتھ شامل کر لیا جائے۔ اب خاکسار اظہار ممنونیت کے طور پر اور جذبہ تشکر کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے تمام معزز و محترم کرم فرما احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کتاب کو ختم کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خاکسار کی اس پیش کش کو اپنی جناب میں مقبول بنائے اور خاکسار کو صحت والی زندگی عطا فرمائے تا کہ خاکسار کو اسلام واحمدیت کی حقانیت کو واضح کرنے کے واسطے اسی طرح کی مزید کئی کتب تحریر کرنے کی سعادت نصیب ہو۔ آمین اللھم آمین

میں غلام ابن غلام ابن غلام
میری جانب بھی کبھی مُڑ کر خدارا دیکھنا (چوہدری محمد علی)

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَا لَمِیْنَ وَاَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد'' مَّجِیْد'' وَعَلٰی عَبْدِکَ الْمَسِیْحَ الْمُؤعُوْدُ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

خاکسار۔تابعی

مقصود احمد نسیم

عفی عنہ اللہ

۸؍جون بروز جمعۃ المبارک ۲۰۰۷ء

☆

مکتوبات نسیم

سیدنا حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزوجہ مطہرہ حضرت سرور سلطان جہان بیگم صاحبہ رضوان اللہ علیہم کی پاکیزہ سیرت، حالات زندگی اور خصوصاً گھریلو معاشرتی رہن سہن پر لکھی جانے والی اس کتاب کے لئے خاکسار کو درج ذیل مکتوبات مؤصول ہوئے کہ جن کو بالترتیب تاریخ وار نوٹ کیا گیا ہے۔ یہ تمام مکتوبات از حد مفید نصائح سے پُر ہیں اور بعض خطوط میں تو نصائح کے ساتھ ساتھ ذاتی واقعات پر مبنی مضامین بھی شامل ہیں۔ خاکسار ان تمام مضامین کو من وعن اس کتاب میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب معزز ومحترم محررین کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے نوازے اور دین ودنیا میں ان سب کا حامی وحافظ وناصر رہے۔ آمین

حضرت قمر الانبیاءؓ کے اسسٹنٹ مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب سابق انسپکٹر بیت المال صدر انجمن احمدیہ ربوہ تحریر فرماتے ہیں:۔

”مکرمی ومحترمی مقصود احمد نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ آپ بفضل خدا بخیر وعافیت ہوں گے۔ حسب ارشاد قوم المقام حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات وواقعات جو مجھے یاد آئے ایک ہی نشست میں لکھ کر ارسال ہیں۔ خاکسار کا کام تمام عمر حساب کتاب کا رہا، مضمون نگاری کا موقع نہ ملا، نہ کی۔ حضرت میاں صاحبؓ میرے مربی ومحسن تھے۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں انؓ کا ذکر خیر محض اس لئے کہ میرے لئے ذریعہ ثواب ونجات ہے ارسال ہے۔ نفس مضمون کو قائم رکھتے ہوئے آپ اس میں جو کمی بیشی (نوک پلک) درستی کریں گے مجھے منظور وقبول ہوگی۔۔۔“۔ والسلام۔ دستخط (سید اعجاز احمد شاہ)۔ (مکتوبات نسیم۔ ۱۸رنومبر ۱۹۹۳ء)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم۔ ایم۔ احمد) صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

”عزیزم مقصود نسیم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط ملا۔ جن جذبات کا آپ نے اظہار کیا ہے اس کے لئے میں ممنون ہوں۔ حضرت ابا جان کی وفات پر روزنامہ الفضل نے ایک خاص نمبر شائع کیا تھا جس میں آپ کو بہت سا مواد اور تصاویر مل سکتی ہیں۔ اس الفضل کے شمارہ (جلد ۱۷/۵۲ نمبر ۲۵۰ مؤرخہ ۲۹راکتوبر ۱۹۶۳ء) میں میرا بھی ایک مضمون شائع ہؤا تھا اس کی کاپی بھجوا رہا ہوں۔ ابا جان کی وفات کے بعد مکرم شیخ عبد القادر صاحب نے ان کے سوانح پر کتاب لکھی تھی وہ ربوہ سے منگوا لیں۔۔۔“۔ والسلام۔ دستخط (مرزا مظفر احمد)۔ امیر جماعت احمدیہ۔ امریکہ۔ (مکتوبات نسیم۔ ۱۰ردسمبر ۱۹۹۳ء)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

”مکرمی سُودے صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم ابا جان اور والدہ صاحبہ کے بارہ میں جو کتاب لکھ رہے ہو وہ مقبول اور بابرکت ہو۔ تم نے مجھے بھی لکھنے کو کہا ہے۔ میں اپنے بہن بھائیوں کو مل کر تاکید کروں گا اور تم کو دوبارہ اطلاع دوں گا۔۔۔“۔ والسلام۔ دستخط (مرزا منیر احمد)۔ (مکتوبات نسیم۔ ۱۲ردسمبر ۱۹۹۳ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے پوتے مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد (مُودی میاں) صاحب تحریر فرماتے ہیں:-
مکرمی ومحترمی پیارے سودے خان صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ- آپ کے دونوں خط مل گئے تھے-آج کل الفضل میں ابا ((حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب-ناقل)) کے کافی مضمون چھپ رہے ہیں اور اُن کا قلم آج کل گرم ہے-اس لئے ابا جانؓ کے بارے میں تفصیلی مضمون میں وہ کافی مدد کرسکیں گے-میں انشاءاللہ ۳رجنوری ۱۹۹۴ءکو دو ماہ کے لئے ملائیشیا جا رہا ہوں-انشأ اللہ مارچ کے وسط میں واپس آؤں گا-میں نے سوچا جانے سے پہلے یہ فرض پورا کردوں---"-والسلام-دستخط (مرزا محمود احمد)۔(مکتوبات نسیم-۳۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء)

دفتر خدمت درویشان صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے ایک دیرینہ محرر مکرم چوہدری محمد اقبال صاحب حال مقیم جرمنی تحریر فرماتے ہیں:-
"مکرم نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ -امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے-آپ کا خط مل گیا تھا مگر افسوس کہ جلد جواب نہ دے سکا-آپ کا بہت نیک ارادہ ہے-اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں کامیاب فرمائے اور بہتر رنگ میں خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے-آمین"-والسلام-دستخط (چوہدری محمد اقبال)-(مکتوبات نسیم۔۱۳رجنوری ۱۹۹۴ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ مرزا مجید احمد (میاں موجی) صاحب (وقف زندگی) تحریر فرماتے ہیں:-
"عزیزم مقصود۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ -تمہارا خط تو بہت عرصہ ہوا مل گیا تھا پھر فون پر بھی بات ہوئی تھی-ابا جان کے متعلق جو کتاب "حیات بشیر" لکھی گئی تھی وہ نایاب ہے-بڑی مشکل سے خلافت لائبیریری سے عاریتاً اس شرط پر ملی ہے کہ تم اسے استعمال کرکے یا فوٹو کاپی کروا کر اسے عند الفرصت ضرور واپس کردو گے-الفضل کے شمارہ کی فوٹو کاپی بھجوا رہا ہوں-امید ہے کہ تمہیں حسب ضرورت ان دونوں میں سے کافی مواد مل سکے گا-اللہ تعالیٰ تمہاری کوششوں کو بار آور کرے اور اس کی جزائے خیر عطا فرمائے-میرا مشورہ ہے کہ بچپن اور جوانی کی زندگی کے جس کے تم، نہ میں شاہد ہیں، یہ مواد کتاب اور الفضل سے حاصل کرکے زیادہ زور ذاتی مشاہدات پر دو اور انہیں اس طرح بیان کرو جس طرح انسان مجلس میں بیٹھا ذکر کررہا ہوتا ہے-یہ طریق سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور پڑھنے والوں کی دلچسپی کا موجب ہوتا ہے---"-والسلام-دستخط (مرزا مجید احمد)-(مکتوبات نسیم۔۱۷ر جنوری ۱۹۹۴ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے بھتیجے سیدنا حضرت اقدس صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ از راہ شفقت تحریر فرماتے ہیں:-
"عزیزم مکرم مقصود احمد صاحب نسیم۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ - جہاں تک حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے متعلق کتاب لکھنے کا تعلق ہے بے شک شوق سے لکھیں لیکن اسے چھپوانے سے پہلے منظوری لینا ضروری ہے-کتاب کی تیاری میں جس قسم کی مدد کی ضرورت ہے اس کے لئے تو آپ کو ان کے بچوں سے رابطہ کرنا چاہیئے-آپ کا ان سب سے تعلق رہا ہے-گھر کے بچوں کی طرح آپ ان کے ہاں پلے ہیں اور سب کو جانتے ہیں اس لئے ان سے مشورہ کریں-اللہ تعالیٰ آپ کے سب نیک ارادوں کو پورا فرمائے اور اپنے بے شمار فضلوں سے نوازے---"-والسلام-دستخط (مرزا طاہر احمد) ومہر خلافت-(مکتوبات نسیم۔۲۲رجنوری ۱۹۹۴ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے صاحبزادے بریگیڈیئر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:-
"عزیزم مقصود احمد۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ - پہلے آپ کا فون ملا تھا پھر آپ کا لکھا ہوا خط ملا-بہت خوشی ہوئی اور پھر سے یاد تازہ ہوگئی-خدا

تعالیٰ آپ کو جزا دے- آپ نے جو ابا جان کے متعلق لکھنے کا ارادہ کیا ہے وہ بہت نیک کام ہے- واقعی ان پر بہت کم لکھا گیا ہے- خدا تعالیٰ آپ کی کوشش کو کامیاب کرے- جو واقعات یاد آئیں گے وہ انشاءاللہ تحریر کرکے آپ کو بھجوا دوں گا- ابا جان کے مجھ کو لکھے ہوئے کچھ خطوط بھی ہیں وہ چھانٹی کر کے پھر آپ کو ان کی فوٹو کاپی بھی بھجوا دوں گا---''- والسلام- دستخط (مرزا مبشر احمد)- (مکتوبات نسیم ۔۳؍مارچ ۱۹۹۴ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے بارہ میں مکرم جناب محمد ادریس خلیل صاحب سائیکالوجسٹ تحریر فرماتے ہیں:-

'' بخدمت شریف محترم جناب مقصود احمد نسیم صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -امید ہے آپ بمعہ اہل وعیال خیریت سے ہوں گے- الفضل انٹرنیشنل میں کچھ عرصہ ہؤا آپ کا اعلان نظر سے گذرا -منسلکہ مضمون اسی سلسلہ میں آپ کی خدمت میں ارسال کرنے کا اعزاز پارہا ہوں---''- والسلام- دستخط (محمد ادریس خلیل)- (مکتوبات نسیم ۔۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۸ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے بارہ میں مکرم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد نسیم (پرویز پروازی) صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

'' برادرم عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -آپ نے پہلے فیکس بھیجی پھر ازراہِ کرم ٹیلیفون فرمایا- امتثالِ امر میں ایک چھوٹا سا مضمون حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی سیرۃ کے بارہ میں لکھا ہے وہ بھیج رہا ہوں- اگر آپ کی کتاب کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو تو اسے اپنی کتاب میں شامل فرمالیں تاکہ خاکسار بھی ثواب میں شریک ہوسکے---حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی سیرت کے بارہ میں جستہ جستہ باتیں تو اپنے بہت سے مضامین میں یہاں وہاں بیان کرچکا ہوں مگر ان کی سیرت پر باقاعدہ مضمون کوئی نہیں لکھا- اب آپ کا مطالبہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؓ کی سیرت پر ان کی کتاب کے لئے خصوصی طور پر کچھ لکھوں- ثواب اور حضرت میاں صاحبؓ کے ذکرِ خیر میں شرکتِ مکرر کیلئے لکھتا ہوں---''- والسلام- دستخط (پرویز پروازی) -(مکتوبات نسیم ۔۱۹؍دسمبر ۱۹۹۸ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے بارہ میں مکرم محمد شریف صاحب پہریدار تحریر فرماتے ہیں:-

'' مکرم ومحترم عزیزم مقصود احمد سلمہ اللہ تعالیٰ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -عرض ہے کہ آپ کی تحریک پر چند سطور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں تحریر کررہا ہوں---''- والسلام- دستخط (محمد شریف) پہریدار- (مکتوبات نسیم ۔۲۷؍اگست ۱۹۹۹ء)

خاکسار نے اس کتاب کے کچھ حوالہ جات تصحیح کے لئے جرمنی کے مشنری انچارج مکرم مولانا حیدر علی ظفر صاحب کے خدمت میں بھی بھجوائے تھے -ان کی وصول یابی پر آپ نے تحریر فرمایا:-

'' مکرم برادرم مقصود احمد نسیم صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ- امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت سے ہونگے -آپ کا ارسال کردہ مضمون مل گیا تھا مگر دیکھنے کا موقع نہیں ملا- اسی طرح عربی عبارت کے اعراب بھی شائد اتنی جلدی لگا نہ سکوں- کچھ دیر آپ کو انتظار کرنا پڑے گا- آپ مجھے رمضان المبارک میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں- والسلام- خاکسار'' دستخط (حیدر علی ظفر)- (مکتوبات نسیم ۔۲۴؍دسمبر ۱۹۹۹ء)

خاکسار نے اپنی اس کتاب کے لئے حضرت شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت میں بھی مؤدبانہ درخواست پیش کی تھی جس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

''محترم عزیز مقصود احمد نسیم صاحب-السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کا ۱۲؍دسمبر کا خط ملا تھا-کئی ماہ سے بوجہ صحت کی کمزوری اور علالت کے آپ کو جواب نہ بھجوا سکا اور نہ ہی آپ کے حکم کی تعمیل کرسکا---مجھے بے حد خوشی ہوتی اگر آپ کی کوئی مدد کرسکتا-آج کل لکھنے پڑھنے سے بوجہ علالت مجبوری ہے اور یادداشت پر اثر ہے-آپ کی یادآوری کا شکریہ-والسلام''-دستخط(شیخ مبارک احمد)-(مکتوبات نسیم-۲۶؍دسمبر ۱۹۹۹ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے بارہ میں سابق مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

'' برادرم مقصود نسیم صاحب-السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-اجتماع خدام الاحمدیہ سے پہلے میں آپ کی خواہش کے مطابق اپنے تاثرات کو سپرد قلم کرنے کے بعد انہیں اس خیال سے پوسٹ نہ کرسکا کہ آپ سے دوران اجتماع ملاقات ہوجائے گی مگر شائید آپ تشریف نہ لائے یا میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا-اب یہ سپرد ڈاک کررہا ہوں-میری یہ دوسری تحریر پہلے سے بہتر ہے-امید ہے کہ آپ کے حسب منشأ ہوگی-دعاؤں میں یاد رکھیں اور ملنے پر اطلاع دیں-والسلام''-دستخط(فضل الٰہی انوری)-(مکتوبات نسیم-۱۶؍جون ۲۰۰۰ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے پوتے مکرم صاحبزادہ مرزا طارق احمد اکبر(گوگی میاں)صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

''پیارے مقصود!السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-السلام علیکم-امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے-اس خط کے ہمراہ میں تمہیں ''ابا جانؓ'' کے کچھ خطوط جو آپؓ نے میرے والد صاحب(بریگیڈیئر ڈاکٹر حضرت صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب-ناقل)کو تحریر فرمائے تھے بھجوا رہا ہوں-ان کے علاوہ بھی میں ابا سے کچھ اور خطوط کے بارہ میں بھی دریافت کروں گا تاکہ وہ مجھے بقیہ خطوط بھی بھجوا دیں-والسلام''-دستخط(طارق احمد اکبر)-(مکتوبات نسیم-۱۲؍جنوری ۲۰۰۱ء)

جرمنی کے مشنری انچارج مکرم مولانا حیدر علی ظفر صاحب نے خاکسار کی کتاب کے لئے اپنے ایک نئے خط میں مکرر تحریر فرماتے ہیں:-

''برادرم مقصود احمد نسیم صاحب-اللہ کرے کہ آپ کی تحریر کردہ کتاب بہتوں کے لئے ہدایت کا موجب بنے-(آمین)-حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:-''صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:-میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں-تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے-نوٹ:-اس وقت میرے پاس کوئی کمپیوٹر نہیں ہے-اس لئے جب کتاب چھپ جائے گی تو انشاء اللہ دیکھ لیں گے ویسے ایک پرنٹ آپ نے مجھے دیا تھا-والسلام-خاکسار''-دستخط(حیدر علی ظفر)-(مکتوبات نسیم-۶؍مارچ ۲۰۰۱ء)

مارچ ۲۰۰۱ء میں خاکسار کو اپنی اس کتاب کا ایک اولین مسودہ ذاتی طور پر خود امریکہ حاضر ہوکر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہاں رہائش پذیر افراد کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا-خاکسار کی یہ اولین کاوش بہت پسند کی گئی-اس موقعہ پر اپنی مسرت کے اظہار کے لئے حضرت قمرالانبیاءؓ کے نواسہ صاحبزادہ نواب حامد احمد خان (میاں حامی) صاحب نے ازراہ شفقت اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا:-

'' عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب کے لئے بہت دعاؤں کے ساتھ اور تشکر کے جذبات کے ساتھ کہ مقصود صاحب نے بڑی کاوش اور محبت کے ساتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ (حضرت ابا جان) کے سوانح لکھی ہے-اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے''-دستخط(حامد احمد خان)-(''سوانح حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ'' برائے عزیزم مقصود احمد نسیم-۲۲؍مارچ ۲۰۰۱ء میرامار فلوریڈا-امریکہ)

خاکسار کے امریکہ کے اسی دورہ کے موقع پر مکرم صاحبزادہ ظاہر محمد سیال (بتو میاں) صاحب ابن حضرت صاحبزادی بی بی امتہ الجمیل صاحبہ و حضرت صاحبزادہ ناصر احمد سیال صاحب نے بہت پذیرائی فرمائی اور پھر بعد میں اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے بذریعہ E-Mail یہ بھی تحریر فرمایا:-

''پیارے سُودے! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-تمہاری آمد ہمارے لئے بے حد خوشی اور مسرت کا باعث بنی لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں زیادہ وقت نہ دے سکا- تم بہت ہی پیارے اور قابل محبت شخص ہو اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپا احمدہ اس وقت زندہ ہوتیں تو یقیناً انہیں تم پر فخر ہوتا-نہایت ہی نیک تمناؤں کے ساتھ-بتو''-(مکتوبات نسیم-۴/اپریل ۲۰۰۱ء)

" Dear Sude, ASA, It was pleasure having you here, I am sorry I could not spend more time with you. You are a very good and loving person, I am certain that Apa Ahmada April 2001. US Standard would be proud of you. Best regards, Battu". (Wednesday, 4. Time 23:20)

حضرت قمر الانبیاءؓ کے سب سے بڑے پوتے مکرم صاحبزادہ مرزا نصیر احمد طارق (چھیری میاں) صاحب امیر جماعت احمدیہ جہلم پاکستان تحریر فرماتے ہیں:-

''مکرمی سُودے خان صاحب-السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کا خط ملا-آپ نے اللہ کے فضل سے بہت ہی نیک کام شروع کیا ہے--اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں-والسلام''-دستخط (مرزا نصیر احمد طارق)-(مکتوبات نسیم-۱۰/مئی ۲۰۰۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے اس کتاب کا مسودہ اور اس پر اپنے ذاتی نوٹس کا مجموعہ بروز جمعرات مؤرخہ ۲۳/اگست ۲۰۰۱ء کو مبلغ جماعت عالیہ احمدیہ امریکہ مکرم مولانا سید شمشاد احمد ناصر صاحب کے حوالے فرما کر انہیں جرمنی بھجوانے کی تاکید فرمائی-جس پر مکرم سید ممتاز احمد صاحب ابن مکرم مولانا سید شمشاد احمد ناصر صاحب یہ بھاری بھر کم مسودہ لے کر بروز جمعہ مؤرخہ ۲۴/اگست ۲۰۰۱ء کو جرمنی کے سالانہ جلسہ گاہ میں واقع پریس کے دفتر میں تشریف لائے اور اسے خاکسار کے حوالہ کر دیا کہ جسے خاکسار نے شکریہ کے ساتھ وصول کیا-حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب نے اس مسودہ کے ساتھ منسلک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:-

''عزیزم سُودے خان سلمہٗ-السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کے خط اور فیکس ملتے رہے ہیں لیکن کچھ عرصہ سے بی بی-میں خود اور ناصر صاحب سیال سب بیمار رہے ہیں-ناصر صاحب کے تو دو بڑے اپریشن بھی ہوئے-جسے دو ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے-اپنی دعاؤں میں ہم سب کو یاد رکھیں---مشنری شمشاد صاحب کے بیٹے جرمنی جا رہے ہیں-ان کے ہاتھ آپ کی کتاب کا مسودہ بھجوا رہا ہوں اور جلد ون ONE بھی-آپ کے قیام کے دوران جو حصے تصحیح طلب تھے وہ آپ کو بتلا تا رہا تھا اور کچھ کتاب میں بھی لکھ دئے تھے---سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز ضروری ہے-اس کا خیال رکھیں اور مسودات کی وصولی سے مطلع فرماویں-والسلام-خاکسار''-دستخط (مظفر احمد) امیر جماعت احمدیہ-امریکہ- (مکتوبات نسیم-۲۴/اگست ۲۰۰۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کا میں بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ آپ نے اپنے بڑھاپے کی ناتوانی اور اپنی بیماری کی کمزوری کے باوجود بھی نہایت شفقت اور محبت اور خلوص سے بھرپور نہایت اعلیٰ درجہ کی قیمتی آراء سے خاکسار کی اول تا آخر دم قدم

راہنمائی فرمائی نیز اسی طرح اس کتاب کی ایڈیٹنگ اور پروف ریڈنگ میں بھی مدد فرمائی- اپنے ایک نئے مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:-
''عزیزم سُودے خاں صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ- امید ہے کہ آپ ہر طرح خیریت سے ہوں گے- آپ کا خط مجھے مل گیا ہے--- میں آپ کو دو صفحات اور بھی ارسال کررہا ہوں جس میں میں نے کچھ اور تجاویز برائے تصحیح مناسب سمجھی ہیں جس پر آپ غور کرلیں- ان دو صفحات کے علاوہ بعد میں میں نے مسودہ پر ساتھ ساتھ کچھ نوٹ لکھے تھے جو مختصر اور اشارۃً تھے تا بعد میں وہ یاد رہیں اور ان کی مزید وضاحت کی جاسکے- جو مسودہ آپ کو بھجوایا گیا ہے اس میں کہیں کہیں آپ کو یہ تصحیح مل جائے گی--- اللہ تعالیٰ آپ کو اس بابرکت کام کی احسن جزا دے اور اپنے خاص فضلوں سے نوازے- آمین- والسلام- خاکسار''- دستخط (مرزا مظفر احمد) امیر جماعت احمدیہ- امریکہ- (مکتوبات نسیم ۔۲۱رستمبر ۲۰۰۱ء)

مرکزی ممبر قضاء مرکزیہ- ممبر مجلس افتاء- ممبر قواعد صدر انجمن احمدیہ اور ممبر کمیٹی مصنفین وصدر ادارۃ المصنفین مکرم ملک عبدالسمیع نون صاحب (ایڈووکیٹ سرگودھا) نے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صوتی تقاریر اور منظوم کلام کو بھجواتے ہوئے ازراہ شفقت تحریر فرمایا:-
'' برادرم مکرم ومحترم جناب مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ- حضرت قمرالانبیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلسہ ہائے سالانہ پر تین تقاریر ''سیرت طیبہ''- ''درمنثور'' اور ''درمکنون'' کی آڈیو کیسیٹس ارسال خدمت کررہا ہوں- چوتھی تقریر ''آئینہ جمال'' تھی- جو آپؓ نے خود نہیں پڑھی تھی بلکہ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے بوجہ آپؓ کی علالت کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پڑھ کر سنائی تھی- اس کی CASSETTE دستیاب نہیں ہوئی- گذارش کی ہوئی ہے اگر مل گئی تو وہ بھی بھیج دوں گا- انشاء اللہ- مجھے حضرت موصوفؓ کے منظوم کلام میں سے دو نظمیں مل سکیں ہیں جن پر حضرت موصوفؓ کا فوٹو بھی ہے- ارسال خدمت ہے--- اپنے بارہ میں ایک مختصر سا تعارفی نوٹ بھی بھجوار ہا ہوں کہ آپ نے اس کی بھی فرمائش کی تھی--- جیسا کہ آپ کو علم ہی ہے کہ میں عارضہ قلب میں مبتلا ہوں لہذا اب بوجہ علالت کوئی کام کرنے سے دستکش ہو چکا ہوں پھر خصوصاً ضلع سرگودھا کے احمدیوں کے حالات مخدوش ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور صحت سے نوازے اور انجام بخیر ہو- آمین- فقط- خاکسار''- دستخط (عبدالسمیع نون) سرگودھا- (مکتوبات نسیم ۔۱۰رستمبر ۲۰۰۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) صاحب نے اپنے ایک اور مکتوب میں اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا کہ:-
''عزیزم مقصود احمد نسیم صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ- آپ کی خواہش کے مطابق میں نے ایک مختصر سا نوٹ آپ کی کتاب کے بارے میں لکھا ہے جسے میں آپ کو بھجوار ہا ہوں- پسند کریں تو اسے ''پیش لفظ'' کے طور پر شامل کرلیں- جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ- والسلام- خاکسار''- دستخط (مرزا مظفر احمد)- امیر جماعت احمدیہ امریکہ''- (مکتوبات نسیم ۔۲۹رستمبر ۲۰۰۱ء)

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس کتاب کی تکمیل پر اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے فرمایا:-
''مکرم مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ- آپ کا خط ملا- بعد ملاحظہ حضور انور نے آپ کی علمی- ادبی اور روحانی صلاحیتوں کے لئے دعا کی ہے- اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے غیر معمولی فضلوں سے نوازے اور مقاصد میں کامیاب کرے اور رمضان کی برکتوں سے نوازے- آمین- والسلام- خاکسار''- دستخط (منیر احمد جاوید)''- (خط نمبر ۳۳۸۴)- (مکتوبات نسیم ۔۱۹رنومبر ۲۰۰۱ء)

مکرم نسیم احمد طاہر صاحب گروس گیراؤ جرمنی سے حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک نایاب تصویر کو بھجواتے ہوئے تحریر فرماتے

ہیں کہ:-

’’مکرمی محترمی محبی مقصود نسیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ- امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے-حسب الارشاد مطلوبہ تصویرارسال خدمت ہے-اس فوٹو کی نسبت بھائی جان چوہدری خلیل احمد صاحب (اسسٹنٹ حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اوران کے والد صاحب محترم حضرت مولوی عطاء محمد صاحبؓ کے خاندانی حالات بھی لف ہذا ہیں- ملنے پر مطلع فرمائیں-دعاؤں کی عاجزانہ درخواست ہے-والسلام-دستخط (خاکسار نسیم احمد طاہر)‘‘-(مکتوبات نسیم ۔۲رمئی ۲۰۰۲ء)

خاکسار کی اس کتاب ’’انوارِ بشیرؓ‘‘ کے سلسلہ میں حضرت امیرالمؤمنین سیدنا مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو سب سے آخری مکتوب گرامی مؤصول ہؤا-اُس کی نقل پیش خدمت کرتا ہوں:-

مکرم مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کا مفصل خط ملا-بعد ملاحظہ سیدنا حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا ہے:-’’ اللہ تعالیٰ آپ کے نیک کاموں اور ارادوں اور نیک مساعی کو مقبولیت کا شرف عطاً فرمائے اور دین و دنیا کی بہترین حسنات کا وارث بنائے اور آپ کے مخلصانہ جذبات کو اپنے فضلوں اور رحمتوں سے معمور فرمائے اور آپ کی زندگی میں بھی برکت عطاً فرمائے-اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ-اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوٗ‘-’’والسلام خاکسار دستخط (منیر احمد جاوید)‘‘-(مکتوبات نسیم ۔۱۹؍اپریل ۲۰۰۳ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان نے ازراہ شفقت اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:-

’’عزیزم مکرم مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-آپ کا ۲؍اکتوبر ۲۰۰۳ء کا لکھاہؤا خط مع سی ڈی CD کے مل گیا تھا-آپ نے اچھا کیا کہ اپنے نام کے ساتھ سودے خان لکھا-حضرت عمو صاحبؓ اور حضرت چچی جان ام مظفر صاحبہؓ کی یاد تازہ ہوگئی اور وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا-اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو-اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے اور بچوں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے-والسلام-خاکسار-دستخط (مرزا خورشید احمد)-ناظر اعلیٰ-صدر انجمن احمدیہ پاکستان‘‘-(مکتوبات نسیم ۔۱۷؍ نومبر ۲۰۰۳ء)

مکرم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:-

’’ مکرم برادرم مقصود احمد نسیم صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-اللہ کرے آپ اس کے فضل اور رحم سے بخریت ہوں-آمین-آنمحترم کی کتاب ’’ انوارِ بشیرؓ ‘‘ کا مسودہ جو کہ ۶۷۲ صفحات پر مشتمل تھا، نظارت اشاعت کو مؤصول ہؤا-کتاب ماشاءاللہ بہت محنت سے تیار کی گئی ہے اور حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی سیرت وسوانح کے انتہائی ایمان افروز اور دلچسپ واقعات پر مشتمل ہے اور امید ہے کہ تاریخ وسیرت کے سلسلہ میں اس کی اشاعت ایک اچھی کتاب کا اضافہ ثابت ہوگی-انشاءاللہ---امید ہے کہ مذکورہ بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مفید علمی کتاب کو جلد زیور طبع سے آراستہ کرتے ہوئے ایک مفید علمی کتاب میں اضافہ فرمائیں گے-کان اللہ معکم-والسلام-خاکسار-دستخط (سید عبدالحیٔ)-ناظر اشاعت-صدر انجمن احمدیہ پاکستان‘‘-(مکتوبات نسیم ۔ ۵؍جنوری ۲۰۰۴ء)

خاکسار کے کلاس فیلو اور دوست مکرم مولانا نسیم مہدی خان صاحب امیر و مشنری انچارج جماعت عالیہ احمدیہ کینیڈا اس کتاب کی اشاعت کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

’’ مکرم مولانا مقصود احمد نسیم صاحب ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آپ کا خط بذریعہ ای۔میل مؤصول ہؤا ۔مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی بعنوان ’’انوارِ بشیر‘‘ تحریر کئے ہیں اور اب ہر لحاظ سے مکمل ہو کر طباعت کے لئے تیار ہے۔۔اس کتاب کی اشاعت کے لئے آپ سے ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔والسلام۔خاکسار۔دستخط (نسیم مہدی)۔امیر ومشنری انچارج جماعت احمدیہ۔کینیڈا‘‘۔(مکتوبات نسیم ۔۲۹ /نومبر ۲۰۰۵ء)

خاکسار کی زیر تحریر کتاب ’’ انوارِ بشیرؓ ‘‘ کی مرکز ربوہ سے منظوری کے سلسلہ میں نظارت اشاعت ربوہ کی جانب سے ایک نوٹ بھی اس کتاب میں ضروری تبدیلیوں کے بعد اس کتاب کے منظور شدہ ایڈیشن کے ساتھ خاکسار کو مؤصول ہؤا ۔اس میں مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب نظارت اشاعت ربوہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بخدمت مکرم ناظر صاحب اشاعت ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔گذارش ہے کہ مسودہ کتاب ’’انوار بشیرؓ‘‘ مصنفہ مکرم مقصود احمد نسیم صاحب آف جرمنی کا جائزہ لیا ہے اور اس میں۔۔۔ ضروری نوعیت کی درستیاں کردی گئی ہیں۔والسلام۔خاکسار ۔دستخط (حبیب الرحمٰن زیروی)۔نظارت اشاعت۔ربوہ‘‘۔(مکتوبات نسیم ۔۲۱/جون ۲۰۰۶ء)

سیدنا حضرت امیرالمؤمنین مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خاکسار کی اس کتاب ’’انوارِ بشیرؓ‘‘ کی اشاعت کے سلسلہ میں اپنی بےلوث پاکیزہ دعاؤں سے نوازتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

’’مکرم مقصود احمد نسیم خان صاحب ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آپ کا خط ملا ۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی تصنیف کی اشاعت وغیرہ کے جملہ مراحل کی تکمیل میں کامیابی عطا فرمائے اور آپ کا معین ومددگار ہو۔نیز آپ کے واجبات کے حصول میں بھی آپ کی تائید ونصرت فرمائے۔بہترین روزگار کا مالک بنائے اور کاروبار میں ہر جہت سے بےحساب برکت ڈالے۔سلسلہ کی مقبول خدمت کی توفیق ملتی رہے۔ہمیشہ اس کی پناہ میں رہیں۔آمین۔والسلام۔خاکسار‘‘۔دستخط (مرزا مسرور احمد) ومہر خلافت‘‘۔(مکتوبات نسیم ۔۲۶/جنوری ۲۰۰۷ء)

مکرم مولانا منیر الدین شمس صاحب ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن برطانیہ نے اس کتاب کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

’’مکرم ومحترم مقصود احمد صاحب نسیم جرمنی ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آپ نے اپنی کتاب ’’ انوارِ بشیرؓ ‘‘ کا جو آخری VERSION تیار کر کے ربوہ بھجوایا تھا، اسے چھپوانے کی آپ کو اجازت ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔آمین۔کتاب کا مطالعہ کر کے یقیناً قارئین کو حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت بیگم صاحبہؓ کی بلندیٔ درجات کے لئے مزید دعاؤں کا موقع ملے گا۔طباعت کے بعد کتاب کی ایک کاپی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں براہ راست بھجوانے کے علاوہ دو کاپیاں وکالت ہذا اور دو کاپیاں وکالت اشاعت لندن کے لئے برائے ریکارڈ ضرور بھجوادیں۔فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء ۔خاکسار۔دستخط (منیر الدین شمس)۔ایڈیشنل وکیل التصنیف‘‘۔(مکتوبات نسیم ۔۲۴/اپریل ۲۰۰۷ء)

حضرت قمرالانبیاءؓ کے نواسے مکرم صاحبزادہ نواب حامد احمد خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

پیارے مقصود احمد صاحب! السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ابھی ابھی آپ کا جرمنی سے فون آیا جس کا شکر گذار ہوں۔آپ نے خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں اپنی یادداشت سے حضرت ابّا جانؓ کے بارہ میں کچھ لکھوں۔۔۔آپ نے حضرت ابا جان کے بچوں اور بچوں کے بچوں کی تصاویر کی خواہش کی ہے۔گو کہ اب تو ماشاء اللہ بچوں کے بچوں کے بچے بھی ہوگئے ہیں اور اکناف عالم میں حضرت ابا جان کی اولاد پھیل گئی ہے۔آپ کی خواہش کے احترام میں ایک عدد اپنی دوسال پرانی تصویر ارسال کرر ہا ہوں۔اگر اس ناچیز کو اس قابل سمجھیں تو ابا جان کی اولاد کے ساتھ شامل کرلیں۔ایک زائد تصویر اپنے بڑے بیٹے عزیزم ساجد احمد خان کی بھی ارسال ہے جو ابا جان کی وفات کے تین سال بعد پیدا ہوُا تھا۔میری ایک اولاد ابا جان کی زندگی میں بھی پیدا ہوئی۔وہ میری بڑی بیٹی عزیزہ سارہ تسنیم ہے۔میرے تین بیٹے اور ایک بیٹی نیز آٹھ پوتے پوتیاں اور نواسیاں ہیں۔۔۔اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور دین ودنیا میں سرخ رو کرے۔آمین۔خاکسار۔دستخط (حامد احمد خان)۔(مکتوبات نسیم۔۶/جون ۲۰۰۷ء)

☆

اقتباسات

ماخوذ از کتب اخبارات ورسائل

خاکسار نے اصل حوالہ جات کے متن کو بہت سے اخبارات ورسائل اور مختلف کتب سے حاصل کر کے بصد شکریہ اس کتاب میں شامل کیا ہے تا کہ اس کتاب کی تکمیل میں کوئی رخنہ باقی نہ رہے کیونکہ یہ قیمتی مضامین نیز یہ اخبارات ورسائل اب نایاب ہیں اور ان میں سے بعض تو ہر کس و ناکس کی دسترس سے بھی باہر ہیں۔ان مضامین کی تفصیل :-

نمبر شمار	مضمون	مصنف	ماخوذ از
۱	کشوف والہامات	سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام	تذکرہ
۲	خدائے قُدوس کی رُویت	حضرت مولانا غلام رسول قدسی راجیکی صاحبؓ	حیات قدسی
۳	فریضہ کی تارک	حضرت مولانا غلام رسول قدسی راجیکی صاحبؓ	حیات قدسی
۴	حضرت قمر الانبیاءؓ کی زندگی کا ایک پہلو	مکرم روشن دین تنویر صاحب	الفضل ربوہ
۵	میرے منجھلے بھائیؓ کی گھریلو زندگی	حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ	الفضل ربوہ
۶	حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے بعض روح پرور خطوط	مکرم مولانا برکات احمد راجیکی صاحب درویش قادیان	الفضل ربوہ
۷	شہید احمدیت	خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ	الفضل اربوہ
۸	حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی حیات مقدسہ پر ایک نظر	مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل	الفضل ربوہ
۹	سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی چار خصوصیات	خالد احمدیت حضرت مولانا اللہ دتا ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ	الفضل ربوہ
۱۰	اطاعتِ امام کے سلسلے میں حضرت میاں صاحبؓ کا بلند مقام	مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب	الفضل ربوہ
۱۱	حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصانیف	مکرم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب	الفضل ربوہ

نمبر شمار	مضمون	مصنف	ماخوذ از
۱۲	حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ایک نہایت قیمتی مکتوب	مکرم حکیم عبداللطیف شاہد صاحب	الفضل ربوہ
۱۳	حضرت عمو صاحبؓ	حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء	الفضل ربوہ
۱۴	حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی آخری علالت	مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب	الفضل ربوہ
۱۵	حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اخلاق عالیہ	مکرم مختار احمد ہاشمی صاحب صدر انجمن احمدیہ	الفضل ربوہ
۱۶	حضرت قمر الانبیاءؓ احمدی طلباء کے محسن کی حیثیت میں	مکرم میاں عبدالرشید غنی صاحب لیکچرر تعلیم الاسلام کالج ربوہ	الفضل ربوہ
۱۷	حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے چند اوصاف	مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب صدر انجمن احمدیہ	الفضل ربوہ
۱۸	حضرت ابا جانؓ کی زندگی کے بعض نمایاں شمائل کا ذکر اور آخری علالت	حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب	الفضل ربوہ
۱۹	حیات بشیرؓ	مکرم شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل	حیات بشیر
۲۰	حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ قمر الانبیاء	مکرم مقصود احمد نسیم صاحب مدیر ماہنامہ ایونٹ EVENT	سہ ماہی الناصر جرمنی
۲۱	ہماری والدہ (بیگم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)	حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (ایم-ایم-احمد) صاحب امیر جماعت امریکہ	الفضل ربوہ
۲۲	ابا جان (حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)	مکرم صاحبزادہ ماجد احمد خان صاحب	الفضل انٹرنیشنل لندن
۲۳	ایک بدنام زمانہ آرڈیننس (جرمن)	جناب ایان ایڈمسن صاحب	ایک مرد خدا
۲۴	حضرت ام مظفرؓ	حضرت صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ	الفضل ربوہ
۲۵	حضرت قمر الانبیاءؓ کی سیرت کے بعض پہلو	حضرت مرزا عبدالحق صاحب	الفضل ربوہ

☆

اختتام بالخیر

ISBN